

مَعَالِيقُ الدُّرَرِ

مسنونہ کلامی و شاعری
مجموعہ



مَعَارِفُ الْقُرْآنِ

جلد

۸

سُورَةُ مُحَمَّدٍ سے آخرِ قرآن تک
پارہ ۲۶ رکوع ۵ تا آخرِ قرآن

حضرت لانا مفتی محمد شفیع صاحبِ حمد اللہ علیہ
مفتی اعظم پاکستان

مکتبہ معارف القرآن کلکتہ



نیم صبیحہ منظر (درمیان میں آؤں)

حکومت پاکستان کاپی رائٹس رجسٹریشن نمبر ۲۷۴۲۲

عرضی ناشر: اگرچہ معارف القرآن کی تصحیح کا اہتمام کیا جاتا ہے، لیکن
کبھی کبھی کتابت، طباعت اور جلد بندی میں سہو غلطی
ہو جاتی ہے۔ اگر کسی صاحب کو ایسی کسی غلطی کا علم ہو تو براہ کرم
مطلع مندرائیں۔
ادارۃ المعارف کراچی ۱۴
اعلٰیٰ دارالعلوم کراچی پوسٹ کوڈ
۷۵۱۸۸
فون: ۵۰۳۲۲۰، ۵۰۳۹۷۳۳

باہتمام : مَجْلِسُ مَشَارِقِ مَدِیْنَةِ

طبع جدید : ربیع الثانی ۱۴۲۹ھ - اپریل ۲۰۰۸ء

مطبع : شمس پرنٹنگ پریس کراچی

ناشر : اِذَا زُلَّ اللَّجْجُ اَرَفَ الْجَلَّجُ

فون : 5049733 - 5032020

ای میل : i_maarif@cyber.net.pk

ملنے کے پتے:

✽ اِذَا زُلَّ اللَّجْجُ اَرَفَ الْجَلَّجُ

فون: 5049733 - 5032020

✽ مَجْلِسُ مَشَارِقِ مَدِیْنَةِ

فون: 5031565 - 5031566

فہرست مضامین "معارف القرآن جلد ہشتم"

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۴۹	کفار سے صلح کرنے کا حکم	۱۹	سورۃ محمد صلی اللہ علیہ وسلم
۵۱	منقبت امام ابو حنیفہؒ	"	آیات ۳ تا ۱۱
۵۲	سورۃ الفتح	۲۱	آیت ۱۱
۵۳	شان نزول	۲۲	جنگی قیدیوں کے قتل و گرفتاری کے احکام
۵۴	واقعہ حدیبیہ	۲۳	مسئلہ مذکورہ میں مذاہب فقہاء کی تفریق
"	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خواب	۲۴	جنگی قیدیوں کے متعلق امام کو چار اختیار
۵۵	صحابہ کرام اور دیہات کے مسلمانوں کو ساتھ چلنے کی دعوت	"	اسلام میں غلامی کی بحث
"	مکہ کی طرت روانگی	۲۵	آیات ۱۱ تا ۱۵
"	اہل مکہ کی مقابلہ کیلئے تیاری	۲۹	مشروعیت جہاد کی حکمت
۵۶	خبر رسانی کا ایک عجیب سا طریقہ	۳۰	شہید کیلئے عظیم انعامات
"	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خبر رساں	۳۱	آیات ۱۲ تا ۱۵
"	آنحضرتؐ کی ناقہ کا راستہ میں بیٹھ جانا	۳۳	آیات ۱۶ تا ۱۸
۵۷	مقام حدیبیہ میں ایک معجزہ	۳۴	قیامت کی علامتیں
"	اہل مکہ کے وفد سے بات چیت	۳۵	آیت ۱۹
۵۸	حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو اہل مکہ سے پاس بھیجنا	۳۶	عصمت نبوت کے باوجود حکیم استغفار کا مطلب
۵۹	اہل مکہ اور مسلمانوں میں آویزش	۳۷	آیات ۲۰ تا ۳۱
۶۰	بیعت رضوان کا واقعہ	۳۸	صلہ رحمی کی سخت تاکید
"	حدیبیہ کا واقعہ	۳۹	کسی معین شخص پر لعنت کا حکم اور یزید پر لعنت بھیجنے کی بحث
۶۲	شرائط صلح سے عام صحابہ کرام کی ناراضی	۴۰	آیات ۳۲ تا ۳۸
		۴۱	لَا تَبْطُلُوا أَعْمَالَكُمْ پر بحث

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۹۲	دوسرا وصف	۹۳	ایک اور حادثہ اور معاہدہ کی پابندی میں آپ کا بے نظیر عمل
۹۵	صحابہ کرام سب کے سب جنتی ہیں	"	احرام کھولنا اور قربانی کے جانور ذبح کرنا
۹۷	سُورَةُ الْحَجَّرات	۹۴	اطاعتِ رسول کا ایک اور امتحان
"	آیات ۱ تا ۵	"	صلح حدیبیہ کے ثمرات و برکات کا ظہور
۹۸	ربطِ سورت اور شانِ نزول	۹۶	رسول کے لئے مغفرتِ گناہ کا مطلب
۱۰۰	علمائے دین اور بزرگوں کے سامنے پیش قدمی	"	حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے صراطِ مستقیم
"	بھی خلافتِ ادب ہے	"	کی ہدایت کی تحقیق
"	مجلسِ نبوی کا دوسرا ادب	۹۷	آیات ۳ تا ۷
۱۰۱	روضۂ اقدس کے سامنے بھی بہت بلند آواز	"	آیات ۸ تا ۱۰
"	سے سلام و کلام ممنوع ہے	"	حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تین صفات کا بیان
"	رفعِ صوت کے سبب ضبطِ اعمال ہو نیکی توجیہ	۹۸	آیات ۱۱ تا ۱۴
۱۰۲	حجراتِ اہلِ اہلِ المؤمنین	۹۹	آیات ۱۵ تا ۱۷
"	سببِ نزول	"	وہی الہی صفت قرآن میں منحصر نہیں احادیث
۱۰۳	آیت ۶	"	بھی کلامِ اللہ کے حکم میں ہیں۔
۱۰۴	شانِ نزول	"	متخلفین حدیبیہ میں سے بعض لوگ تائب
۱۰۵	آیت سے متعلق احکام و مسائل	"	ہو گئے تھے
۱۰۶	عدالتِ صحابہ سے متعلق ایک اہم سوال جواب	۱۰۰	آیات ۱۸ تا ۲۱
۱۰۷	آیات ۸ تا ۱۱	"	صحابہ کرام پر طعن و تشنیع اور انکی لغزشوں میں
۱۰۸	آیات ۱۲ تا ۱۵	"	غور و خوض جائز نہیں
۱۰۹	سببِ نزول و ربط	"	شجرہ رضوان
۱۱۰	مسائل متعلقہ	"	فتحِ خیبر
۱۱۱	مشاجراتِ صحابہ کرام	"	آیات ۲۲ تا ۲۶
۱۱۲	آیت ۱۱	"	محصر کی قربانی کیلئے حرم کی شرط
۱۱۳	کسی مسلمان کی شان میں تمسخر، ملعنہ زنی اور	"	صحابہ کرام کو غلطی سے بچانے کا قدرتی
۱۱۴	برے لقب کی ممانعت	"	انتظام
۱۱۵	بعض اقاب کا استثناء	"	آیات ۲۷ تا ۲۹
۱۱۶	اچھے اقاب سے لوگوں کو یاد کرنا سنت ہی	"	آئندہ کے کاموں کے لئے انشاء اللہ کہنے
۱۱۷	آیت ۱۲	"	کی تاکید
۱۱۸	بدگمانی، تجسس اور غیبت کی حرمت	"	صحابہ کرام کے اوصاف و فضائل اور خاص علما
۱۱۹	ظن کی چار قسمیں	"	

تجسس اور تجسس میں فرق ۱۲۰، غیبت کے متعلق مسائل ۱۲۲، آیت ۱۳ ص ۱۲۳، شان نزول ۱۲۳
 وطنی، نسلی اور لسانی امتیاز کی حکمت تعارف ہے ۱۲۵، آیات ۱۲ تا ۱۸ ص ۱۲۵،
 شان نزول ۱۲۸، اسلام دایمان میں فترق ہے یا نہیں ۱۲۹

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۱۵۲	سورۃ ذاریات	۱۳۰	سورۃ ق
۱۵۲	آیات ۲۳ تا ۲۳	۱۳۰	آیات ۱۵ تا ۱۵
۱۵۹	عبادت میں شب بیداری اور اسکی تفصیل	۱۳۳	سورۃ ق کی خصوصیات
۱۶۰	بوقت سحر استغفار کی برکات و فضائل	۱۳۳	اَقْلَمُ دُنْيَظَرُ ذٰلِی الِ اسْمَاءِ بِمَا آسَمَانُ لَفْظًا تَاکِرُ
۱۶۰	صدقہ و خیرات کرنے والوں کو خاص ہدایت	۱۳۳	مرنے کے بعد زندہ ہونے پر مشہور شبہ کا جواب
۱۶۱	آفاق عالم اور اپنے نفوس میں قدرت کی نشانی	۱۳۵	اصحاب الرس کون لوگ ہیں؟
۱۶۳	آیات ۲۴ تا ۲۶	۱۳۶	آیات ۱۶ تا ۲۹ مع تفسیر
۱۶۴	بعض آداب مہمانی	۱۳۶	اللہ تعالیٰ کا شہرگ سے زیادہ قریب ہونا
۱۶۸	آیات ۲۷ تا ۵۵	۱۳۶	انسان کے ساتھ قرب خداوندی کی تحقیق
۱۶۰	آیات ۵۶ تا ۶۰	۱۳۶	ہر انسان کے ساتھ نائے اعمال کھنے کے لئے
۱۶۱	جن دانس کی تحلیل کا مقصد	۱۳۶	دور فرشتے
۱۶۲	سورۃ طہ	۱۳۶	انسان کا ہر قول ریکارڈ کیا جاتا ہے
۱۶۲	آیات ۱ تا ۲۸	۱۳۶	سکرات الموت
۱۶۹	آسمانی معجزہ بیت معور	۱۳۶	انسان کو میدان حشر میں لایا جائے دور فرشتے
۱۸۰	فاروق اعظم پر خشیت اللہ کا غلبہ	۱۳۶	مرنے کے بعد آنکھیں وہ سب دیکھیں گی جو
۱۸۰	بزرگوں کے ساتھ نبی تعلق آخرت میں	۱۳۶	زندگی میں نہ دیکھ سکتی تھیں
۱۸۱	بشرط ایمان فائدہ دے گا	۱۳۶	آیات ۳۰ تا ۳۵
۱۸۱	آیات ۲۹ تا ۲۹	۱۳۶	آداب کے معنی اور تعریف
۱۸۴	کفارۃ مجلس	۱۳۸	آیات ۳۶ تا ۴۰
		۱۳۹	حصول علم کے دو طریقے
		۱۵۱	آیات ۴۱ تا ۴۵
		۱۵۲	مردوں کو زندہ کرنے کیلئے اسرافیل کی آواز

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۲۲۲	سورۃ نجم کی آخری آیت پر ساری مخلوقات کا سجدہ	۱۸۸	سُورَةُ النَّجْمِ
۲۲۳	سُورَةُ الْفَيْرِ	۱۹۲	آیات ۱ تا ۱۸
۲۲۵	آیات ۸ تا ۸	۱۹۳	سورۃ نجم کی بعض خصوصیات
۲۲۴	معجزۃ شق القمر	۱۹۴	آنحضرت کو لفظ صا جہم سے تعبیر کرنی کی حکمت
۲۲۸	اس معجزہ پر مخالفین کے شبہات کا جواب	۱۹۵	سورۃ نجم کی ابتدائی آیات کی تفسیر میں ائمہ
۲۳۰	آیات ۱ تا ۱۷	۱۹۶	تفسیر کا اختلاف
۲۳۱	قرآن کے آسان ہونے کا مطلب	۱۹۸	ابن کثیر کی تحقیق
۲۳۲	آیات ۱۸ تا ۳۲	۲۰۰	ایک علی اشکال اور اس کا جواب
۲۳۵	معارف و مسائل	۲۰۱	جنت اور دوزخ کا موجودہ مقام
۲۳۶	آیات ۳۳ تا ۵۵	۲۰۱	آیات مذکورہ کی تفسیر میں حضرت استاذ علامہ
۲۳۷	معارف و مسائل	۲۰۲	تشریح کی تحقیق مفید اور مختلف اقوال میں تطبیق
۲۳۹	سُورَةُ الرَّحْمٰنِ	۲۰۶	رؤیت حق تعالیٰ کا مسئلہ
۲۴۰	آیات ۲۵ تا ۲۵	۲۰۸	آیات ۱۹ تا ۲۸
۲۴۲	جملہ قیامی آلہ کے تکرار کی حکمت	۲۰۹	ظن کی مختلف اقسام اور ان کے احکام
۲۴۴	معارف و مسائل	۲۱۱	آیات ۲۹ تا ۳۲
۲۴۶	آیات ۲۶ تا ۲۵	۲۱۲	ضروری تنبیہ، آخرت کا علی الحکام
۲۵۱	معارف و مسائل	۲۱۳	گناہ کبیرہ و صغیرہ کی تعریف
۲۵۵	اَنْ تَنْقُذُوا مِنْ اَقْطَارِ الشُّرُكِ، اس آیت کا فضائی سفر سے کوئی جوڑ نہیں	۲۱۳	آیات ۳۳ تا ۶۲
۲۵۶	آیات ۲۶ تا ۷۸	۲۱۷	شان نزول مع خلاصہ تفسیر
۲۶۰	معارف و مسائل	۲۱۷	ابراہیم علیہ السلام کی امتیازی صفت
۲۶۳	سُورَةُ الْوَاقِعَةِ	۲۱۸	ایفار عہد اور اس کی کچھ تفصیل
۲۶۳	آیات ۱ تا ۵۶	۲۱۹	صحبہ موسیٰ و ابراہیم علیہما السلام کی
			خاص ہدایات و تعلیمات
			ایک گناہ میں دوسرا آدمی نہیں پکڑا جائے گا
			ایصال ثواب یعنی دوسروں کو اپنے عمل کا
			ثواب بخشے کا طریقہ

فہرست مضامین	۷	معارف القرآن جلد ہفتم
صفحہ	صفحہ	مضمون
۲۹۹	۲۶۵	خلاصہ تفسیر
۳۰۰	۲۶۸	معارف و مسائل
۳۰۲	۲۶۸	سورۃ واقعہ کی خصوصیات
۳۰۳	۲۶۹	حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی سبق آموز ہدایت
۳۰۶	۲۶۹	میدانِ حشر میں حاضرین کی تین قسمیں
۳۰۸	۲۷۰	اولین و آخرین سے کیا مراد ہے؟
۳۱۱	۲۷۲	اہل جنت میں اُمتِ محمدیہ کی کثرت
۳۱۲	۲۷۴	آیات ۴ تا ۷
۳۱۳	۲۷۹	معارف و مسائل
۳۱۴	۲۸۲	آیات ۷ تا ۹
۳۱۵	۲۸۳	خلاصہ تفسیر
۳۱۸	۲۸۵	معارف و مسائل
۳۱۹	۲۸۷	قرآن مجید کو ہاتھ سے چھونے کے لئے طہارت
۳۲۰	۲۹۰	شرط ہے۔
۳۲۱	۲۹۱	سُورَةُ الْحَدِيدِ
۳۲۲	۲۹۲	آیات ۱ تا ۶
۳۲۵	۲۹۳	خلاصہ تفسیر
۳۲۹	۲۹۳	معارف و مسائل
۳۲۹	۲۹۳	سورۃ حدید کی بعض خصوصیات
۳۳۱	۲۹۳	وساوسِ شیطانیہ کا علاج
۳۳۲	۲۹۳	آیات ۷ تا ۱۱
۳۳۲	۲۹۳	خلاصہ تفسیر
۳۳۲	۲۹۵	معارف و مسائل
۳۳۲	۲۹۷	فتح مکہ صحابہ کرام کے درجات میں خاص؟
۳۳۲	۲۹۸	تمام صحابہ کرام کیلئے مغفرت و رحمت کی بشارت

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۳۶۲	رسول کا حکم و حقیقت اللہ ہی کا حکم ہے	۳۳۳	خلاصہ تفسیر
"	اجتہادی اختلاف کی دونوں جانبوں میں	۳۳۵	معارف و مسائل
"	کسی کو گناہ نہیں کہہ سکتے	"	ظہار کی تعریف اور حکم شرعی
"	مسئلہ جنگ کے وقت درختوں وغیرہ	۳۳۸	آیات ۱۳ تا ۱۴
"	کو آگ لگانا،	۳۳۹	سبب نزول چند واقعات کا مجموعہ
"	آیات ۶ تا ۱۰ مع خلاصہ تفسیر	۳۴۱	خلاصہ تفسیر
۳۶۶	معارف و مسائل	۳۴۲	معارف و مسائل
"	مال غنیمت اور فتنی کی تعریف	۳۴۳	معارف و مسائل
"	غنیمت اور فتنی کے مصارف	"	خفیہ مشوروں کے متعلق ایک ہدایت
۳۶۹	اکتتاز دولت پر اسلامی قوانین کی	"	ایک دوسری ہدایت
"	ضرب کاری	۳۴۵	شرارت کفار کی مدافعت شریفانہ طرز پر
۳۷۰	حکم رسول حکیم قرآن کی طرح واجب العمل ہو	۳۴۵	بعض آداب مجلس
۳۷۱	اموال صدقات میں حاجت مند علماء و صلحاء	"	فَقْتَرُوا بَيْنَ يَدَيَّ نَجْوَاكُمْ صَدَقَةٌ اس آیت پر
"	مقدم ہیں	۳۴۷	صرف حضرت علیؑ عمل کرنے پائے تھے پھر
۳۷۲	فضائل مہاجرین	"	منسوخ ہو گئی، اور کسی نے عمل نہیں کیا
"	مسلمانوں کے اموال پر کفار کے قبضہ کا حکم	۳۴۸	آیات ۳ تا ۲۲ مع خلاصہ تفسیر
۳۷۳	فضائل انصار	۳۵۱	معارف و مسائل
۳۷۴	اموال بنی نضیر کی تقسیم کا واقعہ	۳۵۲	مسلمان کی دلی دوستی کسی کافر سے نہیں ہو سکتی
۳۷۵	حضرات انصار کے ایشار کے چند عبرت آمیز واقعات	۳۵۳	سُورَةُ الْحَشْرِ
۳۷۸	ایک شبہ کا جواب	"	آیات ۱ تا ۵
۳۷۸	ہاجرین کی طرف سے ایشار انصار کی مکافات	۳۵۵	ربط آیات اور شان نزول مع خلاصہ تفسیر
۳۷۹	کینہ و حسد پاک ہونا جنتی ہونے کی علامت ہے	۳۵۸	معارف و مسائل
۳۸۰	ہاجرین انصار کے بعد عام اُمت کے مسلمان	"	سورہ حشر کی خصوصیات اور قبیلہ
"	اُمت کے حق پر ہونے کی پہچان صحابہ کرام	"	بنی نضیر کی تاریخ
"	کی عظمت و محبت ہے۔	۳۵۹	درس عبرت
۳۸۲	آیات ۱۱ تا ۱۷ مع خلاصہ تفسیر	۳۶۰	بنو نضیر کی جلا وطنی کے وقت مسلمانوں
۳۸۵	معارف و مسائل	"	کی رواداری اہل بیت کے لئے ایک سبق

فہرست مضامین	۹	معارف القرآن جلد ہشتم
صفحہ	صفحہ	مضمون
۳۸۸	۳۸۶	قبیلہ بنو قینقاع کی جلا وطنی
۳۸۸	۳۸۸	آیات ۱۸ تا ۲۴ مع خلاصہ تفسیر
۳۹۰	۳۹۰	معارف و مسائل
۳۹۲	۳۹۲	سورہ حشر کی آخری آیات کے خاص فوائد و برکات
۳۹۲	۳۹۲	شرط مذکور کی تفسیر حدیث میں ہی فرق ثانی کے سامنے
۳۹۲	۳۹۲	کردی گئی تھی جس نے اس کو منظور کیا
۳۹۲	۳۹۲	شرط حدیث کے بعد کوئی مسلمان عورت مرتد ہو کر مکہ نہیں گئی بجز ایک کے اور وہ بھی پھر مسلمان ہو گئی
۳۹۲	۳۹۲	عورتوں کی بیعت
۳۹۲	۳۹۲	مردوں کی بیعت میں اجمال عورتوں کی بیعت میں تفصیل
۳۹۲	۳۹۲	سورۃ الممتحنۃ
۳۹۲	۳۹۲	آیات ۱ تا ۶
۳۹۲	۳۹۲	خلاصہ تفسیر
۳۹۲	۳۹۲	معارف و مسائل
۳۹۲	۳۹۲	آیات کا سبب نزول
۳۹۲	۳۹۲	فتح مکہ کی خفیہ تیاری
۳۹۲	۳۹۲	حضرت عاتق بن ابی بلتعہ کی لغزش اور معافی
۳۹۲	۳۹۲	ایک شبہ کا جواب
۳۹۲	۳۹۲	آیات ۷ تا ۹ مع خلاصہ تفسیر
۳۹۲	۳۹۲	معارف و مسائل
۳۹۲	۳۹۲	حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کا مدینہ آنا اور صاحبزادی کی قوت ایمان کا ایک سبق آموز واقعہ
۳۹۲	۳۹۲	آیات ۱۰ تا ۱۲ مع خلاصہ تفسیر
۳۹۲	۳۹۲	سبب نزول
۳۹۲	۳۹۲	معارف و مسائل
۳۹۲	۳۹۲	صلح نامہ حدیبیہ کی ایک شرط کی وضاحت
۳۹۲	۳۹۲	مسلمانوں اور مشرکین کے درمیان شہ از و دلچ کی ممت
۳۹۲	۳۹۲	شرط مذکور کی تفسیر حدیث میں ہی فرق ثانی کے سامنے
۳۹۲	۳۹۲	کردی گئی تھی جس نے اس کو منظور کیا
۳۹۲	۳۹۲	شرط حدیث کے بعد کوئی مسلمان عورت مرتد ہو کر مکہ نہیں گئی بجز ایک کے اور وہ بھی پھر مسلمان ہو گئی
۳۹۲	۳۹۲	عورتوں کی بیعت
۳۹۲	۳۹۲	مردوں کی بیعت میں اجمال عورتوں کی بیعت میں تفصیل
۳۹۲	۳۹۲	سورۃ الصف
۳۹۲	۳۹۲	آیات ۱ تا ۹ مع خلاصہ تفسیر
۳۹۲	۳۹۲	معارف و مسائل
۳۹۲	۳۹۲	شان نزول کا واقعہ
۳۹۲	۳۹۲	دعویٰ اور دعوت میں فرق
۳۹۲	۳۹۲	انجیل میں آنحضرت کو بنام احمد ذکر کرنے کی حکمت
۳۹۲	۳۹۲	انجیل میں آنحضرت کی بشارتیں
۳۹۲	۳۹۲	آیات ۱۰ تا ۱۴ مع خلاصہ تفسیر
۳۹۲	۳۹۲	معارف و مسائل
۳۹۲	۳۹۲	عیسائیوں کے تین فرقے
۳۹۲	۳۹۲	سورۃ الجمعۃ
۳۹۲	۳۹۲	آیات ۱ تا ۸ مع خلاصہ تفسیر
۳۹۲	۳۹۲	معارف و مسائل
۳۹۲	۳۹۲	بعثت نبوی کے تین مقاصد
۳۹۲	۳۹۲	ایک سوال و جواب

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۴۶۳	معارف و مسائل	۴۳۷	عالم بے عمل کی مثال
"	دوقومی نظریے	۴۳۸	موت کی تمنا جائز ہے یا نہیں؟
۴۶۵	قیامت کو یومِ ثغابین کہنے کی وجہ	"	اسبابِ موت سے فراہم احکام
۴۶۷	آیات ۱۱ تا ۱۸ مع خلاصہ تفسیر	"	آیات ۹ تا ۱۱ مع خلاصہ تفسیر
۴۶۹	معارف و مسائل	۴۴۰	معارف و مسائل
۴۷۰	گناہگار ہیوی پچوں سے بیزاری اور بغض	۴۴۱	چھوٹے گاؤں میں جمعہ نہ ہونے کی طرف
"	درست نہیں	"	آیت میں اشارہ
"	مال اور اولاد انسان کے لئے بڑا فتنہ ہیں	۴۴۳	جمعہ کے بعد تجارت و کسبِ معاش میں برکت
۴۷۲	سُورَةُ الطَّلَافِ	۴۴۵	سُورَةُ مَنَافِقُونَ
"	آیات ۱ تا ۷ مع خلاصہ تفسیر	"	آیات ۱ تا ۸ مع خلاصہ تفسیر
۴۷۶	معارف و مسائل	۴۴۸	سورہ منافقون کے نزول کا مفصل واقعہ
"	نکاح و طلاق کی شرعی حیثیت اور ان کا	۴۴۹	وطنی یا نسبی قومیت کفر و جاہلیت کا نعرہ ہے
"	حکیمانہ نظام	"	اور تعاون و تناسر کا اسلامی اصول
۴۷۸	طلاق کے متعدد احکام	۴۵۳	واقعہ مذکورہ میں اہم ہدایات
۴۸۰	دوسرا تیسرا چوتھا حکم	۴۵۴	اسلامی سیاست کا سنگ بنیاد اسلامی
۴۸۲	پانچواں حکم	"	برادری قائم کرنا ہے جس میں وطن، نسب
۴۸۳	چھٹا ساتواں حکم	"	زبان کا فرق حائل نہ ہو
"	تین طلاق بیک وقت دینا حرام ہے،	۴۵۵	صحابہ کرام کا مقام بلند و اسلامی اصول
"	مگر تین طلاق ہو جاتی ہیں	"	کی سخت پابندی
۴۸۴	آٹھواں حکم	۴۵۶	موضع ہمت اور عوام کی غلط فہمی سے
۴۸۵	تعزیرات کے متعلق قرآن کا حکیمانہ اور	"	بچنا چاہئے
"	مرتبہ اصول عجیب	۴۵۷	آیات ۹ تا ۱۱ مع خلاصہ تفسیر
۴۸۶	وَمَنْ يَتَّبِعِ اللَّهَ يَجْعَلْ لَهُ مَخْرَجًا (شانِ نزول)	۴۵۸	معارف و مسائل
۴۸۷	مسئلہ	۴۶۰	سُورَةُ التَّغَابُنِ
۴۸۸	مصائبِ نجات اور حصولِ مقام کا مجرب نسخہ	"	آیات ۱ تا ۱۰ مع خلاصہ تفسیر

فہرست مضامین	۱۱	معارف القرآن جلد ہشتم
صفحہ	صفحہ	مضمون
۵۱۶	۲۸۹	عدت طلاق کے متعلق نواں حکم
۵۱۷	۲۹۰	تقویٰ کی پانچ برکات
۵۲۰	۲۹۱	دسواں اور گیارہواں حکم
۵۲۲	۲۹۱	بارہواں تیرہواں، چودھواں حکم
۵۲۳	۲۹۲	مسئلہ
۵۲۴	۲۹۳	آیات ۸ تا ۱۲ مع خلاصہ تفسیر
۵۲۵	۲۹۴	معارف و مسائل
۵۲۶	۲۹۵	سات زمینیں کہاں کہاں کس صورت میں ہیں؟
۵۲۷	۲۹۶	سُورَةُ التَّحْرِيمِ
۵۲۸	۲۹۷	آیات ۱ تا ۵ مع خلاصہ تفسیر
۵۲۹	۲۹۸	معارف و مسائل
۵۳۰	۲۹۹	آیات تحریم کا واقعہ نزول
۵۳۱	۵۰۱	کسی حلال کو حرام کر نیکی تین صورتیں
۵۳۲	۵۰۲	آیات ۶ و ۷ مع خلاصہ تفسیر
۵۳۳	۵۰۳	معارف و مسائل
۵۳۴	۵۰۴	بیوی اور اولاد کی تعلیم و تربیت ہر مسلمان پر فرض ہے
۵۳۵	۵۰۵	آیات ۸ تا ۱۲ مع خلاصہ تفسیر
۵۳۶	۵۰۶	معارف و مسائل
۵۳۷	۵۰۷	سُورَةُ الْمَلِكِ
۵۳۸	۵۰۸	آیات ۱ تا ۵ مع خلاصہ تفسیر
۵۳۹	۵۰۹	معارف و مسائل
۵۴۰	۵۱۰	فضائلِ سورت
۵۴۱	۵۱۱	موت و حیات کی حقیقت

فہرست مضامین		۱۳	معارف القرآن جلد ہشتم	
صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون	
۵۹۳	اہل علم کو بھی رات کا وقت عبادت میں مشغول رکھنا بہتر ہے	۵۵۹	سُورَةُ نُوحٍ	
۵۹۳	صرف اللہ اللہ کا ذکر بھی مسنون ہے بدعت نہیں	۵۶۳	آیات انا آخر سورۃ مع خلاصہ تفسیر معارف و مسائل	
۵۹۵	توکل کے شرعی معنی	۵۶۸	سُورَةُ الْحَجِّ	
۵۹۷	سلف صالحین کا خوفِ آخرت	۵۷۰	آیات انا آخر سورۃ	
۵۹۸	نماز تہجد کی فرضیت منسوخ ہو گئی	۵۷۲	شای نزول، چند واقعات	
۵۹۸	بعض احکام شرعیہ کے منسوخ ہونے کی حقیقت	۵۷۲	خلاصہ تفسیر معارف و مسائل	
۶۰۲	سُورَةُ الْمَدَّانِیَّةِ	۵۷۲	جنات کی حقیقت	
۶۰۹	آیات انا آخر سورۃ مع خلاصہ تفسیر معارف و مسائل	۵۷۵	سورۃ جن کے نزول کے واقعہ کی تفصیل	
۶۱۰	سورۃ مدثر کے نزول کی تاریخ	۵۷۷	ابوطالب کی وفات اور آنحضرتؐ کا سفرِ طائف	
۶۱۱	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ابتدائی تعلیم پانچ احکام	۵۷۸	اور عام بکسی کی دعا	
۶۱۲	ولید بن مغیرہ جس کا متول اس سورۃ میں میں مذکور ہے، اس کی سالانہ آمدنی ایک کروڑ گشتیاں تھیں	۵۷۹	ایک صحابی جن کا واقعہ	
۶۱۳	ابو جہل اور ولید بن مغیرہ کا مکالمہ، اور آنحضرتؐ کی حقانیت پر دونوں کا اتفاق	۵۸۰	حضرت رافع بن عمرؓ کا اسلام بلیقین جنات	
۶۱۳	جموٹ سے کفار بھی پرہیز کرتے تھے	۵۸۰	جنات قبل از اسلام آسانی خبریں سننے کیلئے بادلوں تک جاتے تھے نہ کہ آسمان تک	
۶۱۴	اولاد کا اپنے پاس ہونا بھی نعمت ہے	۵۸۰	شہاب ثاقب اگرچہ پہلے سے تھے مگر ان سے دفع شیطانی کام عہدِ نبویؐ میں لیا گیا	
۶۱۶	کافر کے لئے کسی کی سفارش نافع نہ ہوگی اور مؤمن کے لئے بہت سے لوگوں کی شفاعت نافع ہوگی	۵۸۲	علم غیب اور غیبی خبروں میں فرق	
۶۱۸	سُورَةُ الْقِيَامَةِ	۵۸۲	سُورَةُ الْمُرْسَلِ	
۶۱۸	آیات انا آخر سورۃ مع خلاصہ تفسیر	۵۸۸	آیات انا آخر سورۃ مع خلاصہ تفسیر معارف و مسائل	
۶۱۸	نماز تہجد کے احکام	۵۸۹	ترتیل قرآن کا مطلب	
۶۱۸	آیات انا آخر سورۃ مع خلاصہ تفسیر	۵۹۰		

فہرست مضامین		معارف القرآن جلد ہشتم	
صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۶۶۳	معارف و مسائل	۶۶۳	معارف و مسائل
۶۶۵	قبر میں ثواب و عذاب	۶۶۳	نفسِ نوامہ کی تفسیر
"	نفس اور روح دو چیزیں الگ الگ ہیں	"	نفسِ امارہ، نوامہ، مطمئنہ
"	قاضی ثناء اللہؒ کی تحقیق	۶۶۴	حشرِ اجساد میں قدرتِ حق کا عجیب عمل
۶۶۷	ہوائے نفسانی کے تین درجے	۶۶۶	ترکِ قراءت خلفِ الامام کی ایک دلیل
"	مکاتیرِ نفس	۶۶۹	سُورَةُ الذَّهَرِ
۶۶۹	سُورَةُ عَبَسَ	"	آیاتِ انا آخر سورت مع خلاصہ تفسیر
"	آیاتِ انا آخر سورت	۶۳۵	معارف و مسائل
۶۷۰	شانِ نزول	۶۳۶	ہر انسان کی تخلیق میں دنیا بھر کے اجزاء
"	خلاصہ تفسیر	"	اور ذرات کی شمولیت
۶۷۲	معارف و مسائل	۶۳۷	نذر و منت کے مسائل
۶۷۳	تبلیغ دین اور تعلیم کیلئے ایک ہم اصول قرآنی	۶۳۹	انسانی جوڑ بند میں کرشمہ قدرت
۶۷۸	سُورَةُ الشُّكْرِ	۶۴۰	سُورَةُ الْمُرْسَلَاتِ
"	آیاتِ انا آخر سورت	"	آیاتِ انا آخر سورت مع خلاصہ تفسیر
۶۸۱	معارف و مسائل	۶۴۳	معارف و مسائل
۶۸۲	چار ماہ کے بعد اسقاطِ حمل حکیم قتل ہے	۶۴۹	سُورَةُ النَّبَاِ
۶۸۵	سُورَةُ الْاَنْفِطَارِ	"	آیاتِ انا آخر سورت مع خلاصہ تفسیر
"	آیاتِ انا آخر سورت مع خلاصہ تفسیر	۶۵۲	معارف و مسائل
۶۸۶	معارف و مسائل	۶۵۳	نیز اللہ کی بڑی نعمت ہے
۶۸۹	سُورَةُ التَّطْوِيْنِ	۶۵۶	خلودِ جہنم کا اجماعی عقیدہ اور اس پر شبہات کا جواب
"	آیاتِ انا آخر مع خلاصہ تفسیر	۶۶۰	سُورَةُ النَّازِعَاتِ
۶۹۳	معارف و مسائل	"	آیاتِ انا آخر سورت مع خلاصہ تفسیر

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۴۲۲	معارف و مسائل	۴۹۳	تطیف صرف ناپ تول ہی میں نہیں بلکہ
"	چند مسائل	"	مطلقاً حق دار کو حق سے کم دینا تطیف ہے
۴۲۳	تخلیق کائنات میں حق تعالیٰ کی لطیف و عجیب حکمتیں	۴۹۴	فقر و فاقہ اور قحط کی مختلف صورتیں
۴۲۴	سائنس کی تعلیم بھی عطا حق تعالیٰ ہے	۴۹۵	رسبتین اور علیتین مقامات کا نام ہے
۴۲۷	صحف ابراہیمی کے بعض مضامین	"	جنت اور دوزخ کا مقام
"	صحف موسیٰ علیہ السلام کے بعض مضامین	۴۹۶	فائدہ
۴۲۸	سُورَةُ الْغَاشِيَةِ	۴۹۷	موت کے بعد مستقر ارواح کہاں ہے؟
"	مکمل سورت مع خلاصہ تفسیر	۵۰۰	سُورَةُ الْاِنْشِقَاقِ
۴۳۰	معارف و مسائل	"	آیات مکمل سورت مع خلاصہ تفسیر
۴۳۲	بعض آداب معاشرت	۵۰۲	معارف و مسائل
۴۳۳	سُورَةُ الْفَجْرِ	۵۰۳	احکام الہیہ کی قیاس، محکوم، تشریحی
"	مکمل سورت مع خلاصہ تفسیر	۵۰۴	رجوع الی اللہ
۴۳۷	معارف و مسائل	۵۰۶	انسان کا دائمی سفر اور بے شمار انقلابات
۴۳۸	وَالْفَجْرِ اور نیا لی عشرے کیا مراد ہے؟	"	کے بعد آخری منزل
۴۴۱	رزق کی فراخی اور تنگی مقبولیت یا مردودیت کی علامت نہیں	۵۰۹	سُورَةُ الْبُرُوجِ
۴۴۲	قیم کا حق ادا کرنے کے ساتھ اس کا اکرام بھی ضروری ہے	"	مکمل سورۃ مع خلاصہ تفسیر
۴۴۵	اذ نَحْنُ جُنَّتْ کا خطاب موت اور حشر	۵۱۲	معارف و مسائل
"	دولوں کے وقت	۵۱۳	اصحاب اخدود کے واقعہ کی کچھ تفصیل
"	چند واقعات عجیبہ	۵۱۵	سُورَةُ الطَّارِقِ
۴۴۷	سُورَةُ الْبَلَدِ	"	مکمل سورت مع خلاصہ تفسیر
"	مکمل سورت مع خلاصہ تفسیر	۵۱۶	معارف و مسائل
		۵۲۰	سُورَةُ الْاَعْلٰی
		"	مکمل سورت مع خلاصہ تفسیر

فہرست مضامین	۱۵	معارف القرآن جلد ہشتم
صفحہ	صفحہ	مضمون
۴۴۳	۴۲۹	معارف و مسائل
۴۴۴	۴۵۰	دنیا میں نہ کوئی راحت مکمل ہے نہ کلفت مصیبت
۴۴۵	۴۵۲	آنکھ اور زبان کی تخلیق میں خاص حکمتیں
۴۴۶	۴۵۳	سُورَةُ الشُّعَرَاءِ
۴۴۷	۴۵۴	مکمل سورت مع خلاصہ تفسیر
۴۴۸	۴۵۵	معارف و مسائل
۴۴۹	۴۵۸	سُورَةُ اللَّيْلِ
۴۵۰	۴۵۹	مکمل سورت مع خلاصہ تفسیر
۴۵۱	۴۶۰	معارف و مسائل
۴۵۲	۴۶۱	سُورَةُ الْكَافِرَاتِ
۴۵۳	۴۶۲	مکمل سورت مع خلاصہ تفسیر
۴۵۴	۴۶۳	معارف و مسائل
۴۵۵	۴۶۴	سُورَةُ الْبَقَرَةِ
۴۵۶	۴۶۵	مکمل سورت مع خلاصہ تفسیر
۴۵۷	۴۶۶	معارف و مسائل
۴۵۸	۴۶۷	سُورَةُ الْآئِاتِ الْكَافِرَاتِ
۴۵۹	۴۶۸	مکمل سورت مع خلاصہ تفسیر
۴۶۰	۴۶۹	معارف و مسائل
۴۶۱	۴۷۰	سُورَةُ الْكَافِرَاتِ
۴۶۲	۴۷۱	مکمل سورت مع خلاصہ تفسیر
۴۶۳	۴۷۲	معارف و مسائل

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۸۱۰	سُورَةُ التَّكْوِيْنِ کی خاص فضیلت	۷۹۲	شب قدر کی تعیین
۸۱۱	سُورَةُ الْعَصْرِ	"	شب قدر کے بعض فضائل
"	مکمل سورۃ مع خلاصہ تفسیر	۷۹۳	تمام آسمانی کتابیں رمضان میں نازل ہوئیں
"	معارف و مسائل	"	فائدہ
"	سورۃ عصر کی خاص فضیلت	۷۹۴	
۸۱۲	نوح الہامی کے نصارہ پر زمانے کی قسم میں حکمت	۷۹۵	سُورَةُ الْبَيِّنَاتِ
۸۱۳	نجات کے لئے صرف اپنی اصلاح کا کافی نہیں دوسرے مسلمانوں کی فکر بھی ضروری ہے	"	مکمل سورت مع خلاصہ تفسیر
۸۱۴	سُورَةُ الْاٰهْمَزَةِ	۷۹۶	معارف و مسائل
"	سورت مع خلاصہ تفسیر	۸۰۰	سُورَةُ الْاٰلِ الْاٰنْزَالِ
۸۱۵	معارف و مسائل	"	مکمل سورت مع خلاصہ تفسیر
۸۱۶	سُورَةُ الْفِيلِ	۸۰۱	معارف و مسائل
"	سورت مع خلاصہ تفسیر	۸۰۲	سُورَةُ الْحٰجِيَّتِ
۸۱۷	معارف و مسائل	"	پوری سورت مع خلاصہ تفسیر
"	واقعہ فیل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کے سال میں ہوا	۸۰۳	معارف و مسائل
"	اصحاب فیل کا تفصیلی واقعہ	۸۰۵	فائدہ
۸۲۲	سُورَةُ قَمَرِشِ	۸۰۶	سُورَةُ الْقَارِعَةِ
"	سورت مع خلاصہ تفسیر	"	مکمل سورت مع خلاصہ تفسیر
"	معارف و مسائل	۸۰۷	معارف و مسائل
"		۸۰۸	سُورَةُ التَّكْوِيْنِ
"		"	مکمل سورت مع خلاصہ تفسیر
"		۸۰۹	معارف و مسائل

فہرست مضامین		۱۷	معارف القرآن جلد ہشتم	
صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون	
۸۲۶	قرآن مجید کی آخری سورت اور آخری آیات	۸۲۳	قریش کی افضلیت سائے عرب پر	
۸۲۷	جب موت قریب محسوس ہو تو تسبیح و استغفار کی کثرت چاہئے	۸۲۴	سورۃ قریش کی خاص فضیلت دشمن کے شر سے نجات	
۸۲۸	سُورَةُ الْمَاعُونِ	۸۲۵	سُورَةُ الْمَاعُونِ	
"	سورت مع خلاصہ تفسیر	"	سورت مع خلاصہ تفسیر	
"	معارف و مسائل	۸۲۶	معارف و مسائل	
۸۲۹	شانِ نزول	۸۲۷	سُورَةُ الْكَوثرِ	
۸۳۱	جہنم خوری سخت کبیرہ گناہ ہے	"	سورت مع خلاصہ تفسیر	
۸۳۲	سُورَةُ الْاٰخِلَاصِ	۸۲۸	معارف و مسائل	
"	سورت مع خلاصہ تفسیر	"	شانِ نزول	
"	معارف و مسائل	۸۲۹	حوضِ کوثر	
"	شانِ نزول	۸۳۱	عبرت	
۸۳۳	فضائل سورت	۸۳۱	سُورَةُ الْكَافِرُوْنَ	
۸۳۴	سورۃ اخلاص میں مکمل توحید ہر طرح کے شرک کی نفی	"	سورت مع خلاصہ تفسیر	
۸۳۵	سُورَةُ الْفَلَقِ	۸۳۲	معارف و مسائل	
"	سورت مع خلاصہ تفسیر	"	اس سورت کے فضائل اور خواص	
۸۳۶	معارف و مسائل	"	شانِ نزول	
۸۳۷	سحر کے اثر سے متاثر ہونا نبوت کے منافی نہیں	۸۳۳	کفار سے معاہدۃ صلح کی جائز اور ناجائز صورتیں	
"	معوذتین دینی اور دنیوی آفات سے حفاظت کا قلعہ	۸۳۵	سُورَةُ النَّصْرِ	
"		"	سورت مع خلاصہ تفسیر	
"		"	معارف و مسائل	

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۸۵۲	انسان کے دو دشمن اور دونوں کا الگ الگ علاج	۸۳۸	لفظ شرک کے معنی از ابن قیم
۸۵۵	انسانی اور شیطانی دشمنوں کے مقابلہ کا فرق	۸۵۰	سُورَةُ النَّاسِ
"	کیدِ شیطانی ضعیف ہے	"	سورت مع خلاصہ تفسیر
"	قرآن کریم کی ابتداء و انتہاء میں خاص مناسبت	۸۵۲	معارف و مسائل
۸۵۶	خاتمہ تفسیر تَمَّتْ	۸۵۳	شیطانی وساوس پناہ مانگنے کی اہمیت
			موضع ہمت سے بچنا اور مسلمانوں کو بدگمانی سے بچانا بھی ضروری ہے
		"	سورہ فلق اور ناس کے تعوذات میں فرق



سُورَةُ مُحَمَّدٍ

سُورَةُ مُحَمَّدٍ ﷺ مَا تَنَزَّلَتْ بِهِ وَهِيَ تَمْلِكُ وَتَلْبِثُونَ آيَةً وَأَرْبَعٌ رُكُوعًا
سورۃ محمد مدینہ میں نازل ہوئی اور اس میں اڑتیس آیتیں ہیں اور چار رکوع

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بید مہربان نہایت رحم والا ہے

الَّذِينَ كَفَرُوا وَصَدُّوا عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ أَضَلَّ أَعْمَالَهُمْ ۝۱ وَالَّذِينَ

جو لوگ کہ منکر ہوئے اور روکا اور ان کو اللہ کی راہ سے کھود دینے اللہ نے انکے کئے کام اور جو

آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَآمَنُوا بِمَا نُزِّلَ عَلَى مُحَمَّدٍ وَهُوَ الْحَقُّ

یقین لائے اور کئے بھلے کام اور مانا اس کو جو اُترا محمد پر اور وہی ہے سچا دین

مِنْ رَبِّهِمْ لَا كُفْرَ عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ وَأَصْلَحَ بَالَهُمْ ۝۲ ذَلِكَ بِأَنَّ

انکے رب کی طرف سے اُن پر سے اُتاریں اُن کی بُرائیاں اور سنوارا اُن کا حال یہ اس لئے کہ

الَّذِينَ كَفَرُوا وَاتَّبَعُوا الْبَاطِلَ وَأَنَّ الَّذِينَ آمَنُوا اتَّبَعُوا الْحَقَّ

جو منکر ہیں وہ چلے جھوٹی بات پر اور جو یقین لائے انھوں نے مانی سچی بات

مِنْ رَبِّهِمْ ۝۳ كَذَلِكَ يَضْرِبُ اللَّهُ لِلنَّاسِ أَمْثَالَهُمْ ۝۴

اپنے رب کی طرف سے یوں بتلاتا ہے اللہ لوگوں کو اُن کے احوال

خلاصہ تفسیر

جو لوگ (خود بھی) کافر ہوئے اور (دوسروں کو بھی) اللہ کے راستہ سے روکا (جیسا رسولائے کفار
کی عادت تھی کہ جان و مال سے ہر طرح کی کوشش اسلام کا راستہ روکنے میں کرتے تھے سو) خدا نے انکے
عمل کا عدم کردیئے (یعنی جن کاموں کو وہ نیک سمجھ رہے ہیں بوجہ عدم ایمان کے وہ مقبول نہیں بلکہ
ان میں سے بعضے کام اور اُلٹے موجب عتاب ہیں جیسے اللہ کے راستے پر چلنے سے روکنے میں فرج

کرنا، کہا قال تعالیٰ فَسَيَنْفِقُوهَا ثُمَّ تَكُونُ عَلَيْهِمْ حَصْرًا لَّهُمْ (اور) (برخلاف انکے) جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام کئے اور (انکے ایمان کی کیفیت تفصیلی یہ ہے کہ) وہ اس سب پر ایمان لائے جو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر نازل کیا گیا ہے اور وہ (جو نازل کیا گیا ہے وہ) انکے رقبے پاس سے (آیا ہوا) امر واقعی (بھی) ہے (جسکا ماننا ہے بھی ضروری سو) اللہ تعالیٰ انکے گناہ ان پر سے اتار چکا (یعنی معاف کر دیگا) اور (دونوں جہان میں) ان کی حالت درست رکھے گا (دُنیا میں تو اس طرح کہ ان کو اعمالِ صالحہ کی توفیق بڑھتی جاوے گی اور آخرت میں اس طرح کہ ان کو عذاب سے نجات اور جنت میں داخلہ ملے گا اور) یہ (جو مومنین کی خوشحالی اور کفار کی بد حالی بیان کی گئی) اس وجہ سے ہے کہ کافر تو غلط راستہ پر چلے اور اہل ایمان صحیح راستہ پر چلے جو ان کے رب کی طرف سے (آیا) ہے، (اور غلط راستہ کا موجب ناکامی ہونا اور صحیح راستہ کا سبب کامیابی ہونا ظاہر ہے اس لئے وہ ناکام ہوئے اور یہ کامیاب ہوئے۔ اور اگر اسلام کے صحیح راستہ ہونے میں کوئی شبہ ہو تو من ربہم سی اسکا جواب ہو گیا کہ دلیل اسکی صحیح ہونکی یہ ہے کہ وہ من جانب اللہ ہے اور من جانب اللہ ہونا تمام معجزات نبویہ سے بالخصوص اعجاز قرآنی سے ثابت ہے اور) اللہ تعالیٰ اسی طرح (جیسے یہ حالت بیان فرمائی) لوگوں کے (نفع و ہدایت کے) لئے ان (مذکورین) کے حالات بیان فرماتا ہے (تاکہ ترغیب ترہیب کے دونوں طریقوں سے ہدایت کی جائے)

معارف و مسائل

سورہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا دوسرا نام سورہ قتال بھی ہے کیونکہ جہاد و قتال کے احکام اس میں بیان ہوئے ہیں۔ ہجرت مدینہ کے فوراً بعد ہی یہ سورت نازل ہوئی یہاں تک کہ اس کی ایک آیت کَاتِبِينَ مِّنْ قُرَيْشٍ کے متعلق حضرت ابن عباسؓ سے یہ منقول ہے کہ وہ مکی آیت ہے کیونکہ اسکا نزول اسوقت ہوا ہے جبکہ آپ ہجرت کی نیت سے مکہ معظمہ سے نکلے اور مکہ مکرمہ کی بستی اور بیت اللہ پر نظر کر کے آپ نے فرمایا کہ ساری دُنیا کے شہروں میں مجھے تو ہی محبوب ہے اگر اہل مکہ مجھے یہاں سے نہ نکالتے تو میں خود اپنے اختیار سے مکہ مکرمہ کو نہ چھوڑتا، اور اصطلاح مفسرین کے مطابق جو آیات سفر، ہجرت مدینہ کے دوران میں نازل ہوئی ہیں وہ مکی کہلاتی ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ یہ سورت ہجرت مدینہ کے فوراً بعد نازل ہوئی ہے اور یہیں پہنچ کر کفار سے جہاد و قتال کے احکام نازل ہوئے ہیں۔

صَلِّ وَاعْتِزَّ بِسَبِيلِ اللَّهِ، سبیل اللہ سے مراد اسلام ہے اَعْمَلْ اَعْمَالَكَ مِمَّنْ اِنْ كَفَرَ کے وہ اعمال مراد ہیں جو فی نفسہ نیک کام ہیں جیسے مساکین کی امداد و اعانت، پڑوسی کی حمایت و حفاظت، سخاوت اور صدقہ خیرات وغیرہ کہ یہ اعمال اگرچہ اپنی ذات میں نیک اور اچھے عمل ہیں

لیکن آخرت میں ان کا فائدہ ایمان لانے کیساتھ مشروط ہے کافروں کے ایسے نیک اعمال آخرت میں انکے کچھ کام نہ آئیں گے البتہ دنیا میں ہی ان کو انکے نیک کاموں کے بدلے میں راحت و آرام دیدیا جائے گا، **وَأَمَّا إِلَهُكُمْ فَلَوْلَا عَلَيْنَا مَثَلُهُ** اگرچہ پہلے جملے میں ایسا اور عمل صالح کا ذکر آچکا ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت اور آپ پر نازل ہونیوالی وحی بھی شامل ہے مگر اس دوسرے جملے میں اسکو بالتصریح ذکر کرنے میں یہ بتلانا منظور ہے کہ ایمان کی اصل بنیاد اس پر ہے کہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام تعلیمات کو صدق دل سے قبول کیا جائے۔

وَأَصْلَكُمْ بَالِكُمْ، لفظ بال کبھی شان اور حال کے معنی میں آتا ہے اور کبھی قلب کے معنی میں یہاں دونوں معنی لئے جاسکتے ہیں، پہلے معنی لئے جاویں تو مطلب آیت کا یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے حال کو یعنی دنیا و آخرت کے تمام کاموں کو درست کر دیا اور دوسری صورت میں معنی یہ ہونگے کہ اللہ تعالیٰ نے انکے قلوب کو درست کر دیا حاصل اسکا بھی وہی ہوگا کہ تمام کام درست کر دیے کیونکہ کاموں کی درستی قلب کی درستی کیساتھ لازم و ملزوم ہیں۔

فَإِذَا لَقِيتُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا فَضَرْبَ الرِّقَابِ حَتَّىٰ إِذَا أَثْنُمُوهُمْ

سو جب تم مقابل ہو مسکروں کے تو مارو گردنیں یہاں تک کہ جب خوب قتل کر چکو ان کو

قَتَلُوا وَالْوَفَاقَ فَمَا مَثَلًا بَعْدُ وَإِنَّمَا فِدَاءٌ حَتَّىٰ تَضَعُوا

تو مضبوط باندھ لو قید پھر یا احسان کیجیو اور یا معاوضہ لیجیو جب تک کہ رکھ دے

الْحَرْبِ أَوْ زَارَهَا فَتَجِبَ	
لڑائی اپنے ہتھیار	

خلاصہ تفسیر

(اوپر کی آیات میں اہل ایمان کا مسلح ہونا اور کفار کا منفسد ہونا بیان ہوا ہے اسکی مناسبت سے کفر و کفار کا فساد رفع کرنے کے لئے اس آیت میں احکام جہاد کا ذکر ہے) سو جب تمہارا کفار سے مقابلہ ہو جائے تو ان کی گردنیں مارو، یہاں تک کہ جب تم ان کی خوب خونریزی کر چکو (جسکی حد یہ ہے کہ کفار کی شوکت و قوت ٹوٹ جائے اور قتال بند کرنے سے مسلمانوں کی مضرت یا کفار کے غلبہ کا خوف نہ رہے) تو (اسوقت کفار کو قید کر کے) خوب مضبوط باندھ لو پھر اسکے بعد (تم کو دو باتوں کا اختیار ہے) یا تو بلا معاوضہ چھوڑ دینا اور یا معاوضہ لیکر چھوڑ دینا (اور یہ قید اور قتل کا حکم اسوقت تک ہے) جب تک کہ لڑنے والے (دشمن) اپنے ہتھیار نہ رکھ دیں (مراد اس

سے اسلام یا استسلام ہی یعنی یا تو اسلام قبول کر لیں یا مسلمانوں کا ذمی ہو کر رہنا قبول کر لیں تو پھر نہ قتل جائز ہے نہ قید۔

معارف و مسائل

اس آیت سے دو باتیں ثابت ہوئیں، اول یہ کہ جب قتال کے ذریعہ کفار کی شوکت و قوت ٹوٹ جائے تو اب بجائے قتل کرنے کے ان کو قید کر لیا جائے پھر ان جنگی قیدیوں کے متعلق مسلمانوں کو دو اختیار دیئے گئے، ایک یہ کہ ان پر احسان کیا جائے بغیر کسی فدیہ اور معاوضہ کے چھوڑ دیا جائے دوسرے یہ کہ ان سے کوئی فدیہ لیکر چھوڑا جائے۔ فدیہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ہمارے کچھ مسلمان ان کے ہاتھ میں قید ہوں تو ان سے تبادلہ کر لیا جائے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کچھ مال کا فدیہ لیکر چھوڑا جائے۔ یہ حکم بظاہر اس حکم کے خلاف ہے جو سورہ انفال کی آیت میں گزر چکا ہے جس میں غزوہ بدر کے قیدیوں کو معاوضہ لیکر چھوڑ دینے کی رائے پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے عتاب ہوا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہمارے اس عمل پر اللہ تعالیٰ کا عذاب قریب آگیا تھا اگر یہ عذاب آتا تو اس سے بجز عمر بن خطابؓ اور سعد بن معاذؓ کے کوئی نہ بچتا کیونکہ انھوں نے فدیہ لیکر چھوڑنے کی رائے سے اختلاف کیا تھا جس کی پوری تفصیل معارف القرآن جلد چہارم میں صفحہ ۲۸۲ سے ۲۸۸ تک لکھی گئی ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ آیت انفال نے بدر کے قیدیوں کو فدیہ لیکر چھوڑنا بھی ممنوع کر دیا تو بلا معاوضہ چھوڑنا بدرجہ اولیٰ ممنوع ہوگا۔ اور سورہ محمد کی آیت مذکورہ نے ان دونوں چیزوں کو جائز قرار دیا ہے اسلئے اکثر صحابہ اور ائمہ فقہاء نے فرمایا کہ سورہ محمد کی اس آیت نے سورہ انفال کی آیت کو منسوخ کر دیا تفسیر منظرہ میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور حسن اور عطار اور اکثر صحابہ و جمہور فقہاء کا یہی قول ہے اور ائمہ فقہاء میں سے ثوری، شافعی، احمد، اسحاق رحمہم اللہ کا بھی یہی مذہب ہے اور ابن عباسؓ نے فرمایا کہ غزوہ بدر کے موقع پر مسلمانوں کی قلت تھی اسوقت من و فدا کی ممانعت آئی اور پھر جب مسلمانوں کی شوکت و تعداد بڑھ گئی تو سورہ محمد میں من و فدا کی اجازت دیدی گئی۔ تفسیر منظرہ میں حضرت قاضی ثنار اللہؒ نے اس کو نقل کر کے فرمایا کہ یہی قول صحیح اور مختار ہے کیونکہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر عمل فرمایا اور آپ کے بعد خلفائے راشدین نے اس پر عمل فرمایا اسلئے یہ آیت سورہ انفال کی آیت کے لئے ناسخ ہے۔ وجہ یہ ہے کہ سورہ انفال کی آیت غزوہ بدر کے وقت نازل ہوئی جو ہجرت کے دوسرے سال میں ہوا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سترہ ہجری غزوہ حدیبیہ میں جن قیدیوں کو بلا معاوضہ آزاد فرمایا یہ وہ سورہ محمد کی اس آیت مذکورہ کے مطابق ہے۔

صحیح مسلم میں حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ اہل مکہ میں سے اتنی آدمی اچانک جبل تنعیم

سے اترے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ کو بے خبر پیکر قتل کرنے کا ارادہ کر رہے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ نے ان کو زندہ گرفتار کر لیا پھر بلا معاوضہ آزاد کر دیا۔ اسی پر سورہ فتح کی یہ آیت نازل ہوئی وَهُوَ الَّذِي كَفَّ أَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ عَنْهُمْ بِبَطْنِ مَكَّةَ مِنْ أَعْلَىٰ أَنْ أَظْفَرَكُمْ عَلَيْهِمْ، امام اعظم ابو حنیفہؒ کا مشہور مذہب اُن کی ایک روایت کی مطابقت یہ ہے کہ جنگی قیدیوں کو بلا معاوضہ یا معاوضہ لیکر آزاد کرنا جائز نہیں اسی لئے علماء حنفیہ نے سورہ محمد کی آیت مذکورہ کو امام اعظم کے نزدیک منسوخ اور سورہ انفال کی آیت کو ناسخ قرار دیا ہے مگر تفسیر مظہری نے یہ ضح کر دیا کہ سورہ انفال کی آیت پہلے اور سورہ محمد کی آیت بعد میں نازل ہوئی ہے اسلئے وہی ناسخ اور انفال کی آیت منسوخ ہے اور امام اعظم کا مختار مذہب بھی جمہور صحابہ و فقہاء کی مطابقت آزاد کر دینے کے جواز کا نقل کیا ہے جبکہ مسلمانوں کی مصلحت اس میں ہو، اور فرمایا کہ یہی اصح اور مختار ہے۔ علماء حنفیہ میں سے علامہ ابن ہمام فتح القدیر میں اسی طرف مائل ہیں۔ انھوں نے لکھا ہے کہ قدوری اور ہدایہ کی روایت کی مطابقت امام اعظم کے نزدیک قیدیوں کو فدیہ لیکر آزاد نہیں کیا جاسکتا اور یہ ایک روایت سے امام اعظم ابو حنیفہؒ سے، مگر انہی سے دوسری روایت سیرکبیر میں جمہور کے قول کی مطابقت جواز کی منقول ہے اور یہی ان دونوں روایتوں میں اظہر ہے اور امام طحاوی نے معانی الآثار میں اسی کو ابو حنیفہؒ کا مذہب قرار دیا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ سورہ محمد اور سورہ انفال کی دونوں آیتیں جمہور صحابہ و ائمہ کے نزدیک منسوخ نہیں، مسلمانوں کے حالات اور ضرورت کے تابع امام المسلمین کو اختیار ہے کہ انہیں جس صورت کو مناسب سمجھے اختیار کر لے۔ قرطبی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کے عمل سے یہ ثابت کیا ہے کہ جنگی قیدیوں کو کبھی قتل کیا گیا ہے اور کبھی غلام بنایا گیا اور کبھی فدیہ لے کر چھوڑا گیا اور کبھی بغیر فدیہ کے آزاد کر دیا گیا۔ فدیہ لینے میں یہ بھی داخل ہے کہ انکے بدلے میں مسلمان قیدی آزاد کر لئے جائیں اور یہ بھی کہ ان سے کچھ مال لیکر چھوڑا جائے، دونوں قسم کی صورتیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کے عمل سے ثابت ہیں اس تفصیل کو نقل کرنے کے بعد انھوں نے فرمایا کہ اس سے معلوم ہوا کہ اس معاملہ میں جن آیتوں کو ناسخ منسوخ کہا گیا درحقیقت وہ سب محکم ہیں ان میں سے کوئی منسوخ نہیں، اسلئے کہ جب کفار قید ہو کر ہمارے قبضے میں آئیں تو امام المسلمین کو چار چیزوں کا اختیار ہے کہ مناسب سمجھے تو قتل کر دے اور مصلحت مسلمانوں کی سمجھے تو ان کو غلام اور نوڈی بنالے، اور فدیہ لیکر چھوڑنے میں مصلحت ہو تو فدیہ مال کا یا مسلمان قیدیوں کا لیکر چھوڑ دے یا بغیر کسی معاوضہ کے آزاد کر دے۔ قرطبی نے تفصیل نقل کر کے لکھا ہے وَهَذَا الْقَوْلُ يُرْوَى مِنْ أَهْلِ الْمَدِينَةِ وَالشَّافِعِيِّ وَالْإِسْمَاعِيلِيِّ وَالْحَنَفِيِّ وَالطَّيْهَانِيِّ وَالْمَالِئِيِّ

عن ابی حنیفۃ و المشہور ما قل منہا، یعنی علمائے مدینہ کا یہی قول ہے اور یہی قول امام شافعیؒ اور ابو عبیدہؒ کا ہے اور امام طحاویؒ نے ابو حنیفہؒ کا بھی یہی قول نقل کیا ہے اگرچہ مشہور مذہب ان کا اسکے خلاف ہے (قرطبی ص ۲۲۵ ج ۱۶)

جنگی قیدیوں کے متعلق | مذکور الصدر تقریر سے واضح ہو گیا کہ جنگی قیدیوں کے قتل اور استرقاق یعنی غلام بنالینے کا جو امام المسلمین کو اختیار ہے اس پر تو تمام اُمت کا اجماع ہے اور قیدیوں کو یا بلا معاوضہ آزاد کرنے میں اگرچہ کچھ اختلافات ہیں مگر جہود کے نزدیک یہ دونوں صورتیں بھی جائز ہیں۔

اسلام میں غلامی کی بحث | یہاں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جنگی قیدیوں کو آزاد چھوڑ دینے میں تو فقہاء کا کچھ اختلاف ہے بھی، قتل کرنے اور غلام بنانے کی اجازت میں کوئی اختلاف نہیں سب کا اجماع ہے کہ یہ دونوں صورتیں جائز ہیں، پھر قرآن کریم میں ان دو صورتوں کا ذکر کیوں نہیں کیا گیا؟ اور صرف آزاد چھوڑنے کی دو صورتوں ہی کا بیان کیوں کیا گیا ہے؟ اس سوال کا جواب امام رازیؒ نے تفسیر کبیر میں یہ دیا ہے کہ یہاں صرف ان دو صورتوں کا ذکر کیا گیا ہے جو ہر جگہ اور ہر وقت جائز ہوں، غلام بنانیکا ذکر اسلئے نہیں کیا گیا کہ عرب کے جنگی قیدیوں کو غلام بنانیکا اجازت نہیں ہے اور قتل بھی پایا جوں وغیرہ کا جائز نہیں اسکے علاوہ قتل کا ذکر اور آپ بھی چکا ہے (تفسیر کبیر ص ۵۵ ج ۷)

دوسری بات یہ ہے کہ جہاں تک قتل کرنے اور غلام بنانیکا تعلق ہے اسکا جو از بہت معروف و مشہور تھا، سب کو معلوم تھا کہ یہ دونوں صورتیں جائز ہیں اسکے برخلاف آزاد چھوڑ دینے کو غزوہ بدر کے موقع پر ممنوع کر دیا گیا تھا اب اس مقام پر آزاد چھوڑنے کی اجازت دینا ہی مقصود تھا اسلئے اسی کی دو صورتوں یعنی مت اور فدا کا ذکر کر دیا گیا، اور جو صورتیں پہلے سے جائز تھیں انھیں اس موقع پر بیان کرنے کی کوئی ضرورت نہیں تھی، اسلئے ان آیات میں ان سے سکوت اختیار کیا گیا، لہذا ان آیات سے یہ نتیجہ نکالنا کسی طرح درست نہیں ہے کہ ان آیات کے نزول کے بعد قتل یا غلام بنانے کی اجازت منسوخ کر دی گئی ہے، ورنہ اگر غلام بنانیکا حکم منسوخ ہو گیا ہوتا تو قرآن و حدیث میں کسی ایک جگہ تو اس کی ممانعت مذکور ہوتی، اور اگر یہ آیت ہی ممانعت کے قائم مقام تھی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے بعد قرآن و حدیث پر جان دینے والے صحابہ کرامؓ نے بشمار غزوات میں جنگی قیدیوں کو غلام کیوں بنایا؟ روایات حدیث و تاریخ میں غلام بنانے کا ذکر اس کثرت اور معنوی تواثر کیسا تھا آیا ہے کہ اسکا انکار و منکارہ کے سوا کچھ نہیں۔

رہا یہ اشکال کہ اسلام، جو حقوق انسانیت کا سب سے بڑا محافظ ہے، اُس نے غلامی کی اجازت کیوں دی؟ سو درحقیقت یہ اشکال اسوجہ سے پیدا ہوتا ہے کہ اسلام کی جائز

کی ہوئی غلامی کو دیگر مذاہب اقوام کی غلامی پر قیاس کر لیا گیا ہے حالانکہ اسلام نے غلاموں کو جو حقوق عطا کئے اور معاشرے میں ان کو جو مقام دیا اسکے بعد وہ صرف نام کی غلامی رہ گئی ورنہ حقیقت میں وہ بھائی چارہ بن گیا ہے، اور اگر اس کی حقیقت اور روح پر نظر کیجائے تو بہت سی صورتوں میں جنگی قیدیوں کیساتھ اس سے بہتر سلوک ممکن نہیں، مشہور مستشرق موسیو گستاؤ لیبان اپنی کتاب تمدن عرب میں لکھتا ہے :-

”غلام کا لفظ جب کسی ایسے یورپین شخص کے سامنے بولا جاتا ہے جو تیس سال کے دوران لکھی ہوئی امریکی روایتوں کو پڑھنے کا عادی ہے تو اس کے دل میں ان مسکینوں کا تصور آجاتا ہے جو زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہیں، ان کے گلوں میں طوق پڑے ہیں اور انھیں کوٹے مار مار کر ہٹکایا جا رہا ہے، ان کی غذا انکی سدرہٴ حق کے لئے بھی کافی نہیں اور انھیں نہنے کے لئے تاریک کوٹھڑیوں کے سوا کچھ میسر نہیں، مجھے یہاں اس سے بحث نہیں کہ یہ تصویر کس حد تک درست ہے اور انگریزوں نے چند سالوں سے امریکہ میں جو کچھ کیا ہے یہ باتیں اس پر صادق آتی ہیں یا نہیں؟ ... لیکن یہ بالکل یقینی بات ہے کہ اہل اسلام کے یہاں غلام کا تصور نصاریٰ کے یہاں غلام کے تصور سے بالکل مختلف ہے۔“

(منقول از دائرة المعارف القرآن العشرین الفرید و جدی، ص ۲۴۹ ج ۴ ماڈہ ”استرقاق“)

حقیقت یہ ہے کہ بہت سی صورتیں ایسی ہوتی ہیں جن میں قیدیوں کو غلام بنانے سے بہتر کوئی دوسرا راستہ نہیں ہوتا، کیونکہ اگر غلام نہ بنایا جائے تو تین ہی صورتیں عقلاً ممکن ہیں، یا قتل کر دیا جائے، یا آزاد چھوڑ دیا جائے یا دائمی قیدی بنا کر رکھا جائے، اور بسا اوقات تینوں صورتیں مصلحت کے خلاف ہوتی ہیں، قتل کرنا اس لئے مناسب نہیں ہوتا کہ قیدی اچھی صلاحیتوں کا مالک ہوتا ہے۔ آزاد چھوڑ دینے میں بعض مرتبہ یہ خطرہ ہوتا ہے کہ دارالحرب میں پہنچ کر وہ مسلمانوں کے لئے دوبارہ عظیم خطرہ بن جائے، اب دو ہی صورتیں رہ جاتی ہیں، یا تو اسے دائمی قیدی بنا کر آجیل کی طرح کسی الگ تھلگ جزیرے میں ڈال دیا جائے یا پھر غلام بنا کر اس کی صلاحیتوں سے کام لیا جائے اور اس کے حقوق انسانی کی پوری نگہداشت کی جائے، ہر شخص سوچ سکتا ہے کہ ان میں سے بہتر صورت کونسی ہے؟ بالخصوص جبکہ غلاموں کے بارے میں اسلام کا نقطہ نظر وہ ہے جو ایک معروف حدیث میں سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بالفاظِ ذیل بیان فرمایا ہے:

تمہارے غلام تمہارے بھائی ہیں جنھیں اللہ نے تمہارے زیرِ دست کر دیا ہے، پس جبکہ بھائی اسکے زیرِ دست ہو اسے چاہئے کہ اسکو بھی اسی میں سے کھلائے جو وہ خود کھاتا ہے اور اسی

اخواتکم جعلہم اللہ تحت ایدیکم
فمن کان اخوہ تحت یدہ فلیطعمہ
مما یاکل ولیلبسہ مما یلبس ولا یكلفہ

مَا يَغْلِبُهُ فَاِنْ كَلَفَهُ مَا يَغْلِبُهُ فَلْيَعْنَهُ
(بخاری، مسلم، ابوداؤد وغیرہ)

میں سے پہنائے جسے وہ خود پہنتا ہے اور اسکو ایسے کام کی زحمت نہ دے جو اس کے لئے ناقابل برداشت ہو، اور اگر اسے ایسے کام کی تکلیف دے تو خود بھی اس کی مدد کرے۔

معاشرتی اور تمدنی حقوق کے اعتبار سے اسلام نے غلاموں کو جو مرتبہ عطا کیا وہ آزاد افراد کے قریب قریب مساوی ہے، چنانچہ دوسری اقوام کے برخلاف اسلام نے غلاموں کو نکاح کی نہ صرف اجازت دی بلکہ آقاؤں کو اُنکھو اَلَا يَافِي مَنكُمُ وَالِي آیت کے ذریعہ اسکی تاکید کی گئی ہے یہاں تک کہ وہ آزاد عورتوں سے بھی نکاح کر سکتا ہے، مال غنیمت میں اسکا حصہ آزاد مجاہدین کے برابر ہے اور دشمن کو امان دینے میں اسکا قول اسی طرح معتبر ہے جس طرح آزاد افراد کا، قرآن و حدیث میں ان کی ساتھ حسن سلوک کے اتنے احکام آئے ہیں کہ ان کو جمع کر نیسے ایک مستقل کتاب بن سکتی ہے، یہاں تک کہ حضرت علیؓ کا ارشاد ہے کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے جو الفاظ آخری وقت تک زبان مبارک پر جاری تھے اور جس کے بعد آپ خالق حقیقی سے جا ملے، وہ یہ الفاظ تھے: الصَّلَاةُ الصَّلَاةُ، اتَّقُوا اللَّهَ فِيمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ترجمہ، نماز کا خیال رکھو، نماز کا خیال رکھو، اپنے زیر دست غلاموں کے باریں اللہ سے ڈرو ابوداؤد۔ بانی بنی ملک

غلاموں کے لئے تعلیم و تربیت کے جو مواقع اسلام نے فراہم کئے ہیں ان کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ عبد الملک بن مروان کے زمانہ میں اسلامی سلطنت کے تقریباً تمام صوبوں میں علم و فضل کے مرجع اعلیٰ سب کے سب غلاموں میں سے تھے جسکا واقعہ متعدد کتب تاریخ میں مذکور ہے، پھر اس نام کی غلامی کو بھی رفتہ رفتہ ختم یا کم کرنے کے لئے غلاموں کو آزاد کر نیسے اتنے فضائل قرآن و حدیث میں وارد ہوئے ہیں کہ شاید ہی کوئی نبی اس کی ہمسری کر سکے۔ مختلف فقہی احکام میں غلاموں کو آزاد کرنے کے لئے بہانے ڈھونڈے گئے ہیں۔ کفارہ صوم، کفارہ قتل، کفارہ ظہار، کفارہ یمین ان تمام صورتوں میں سب سے پہلا حکم یہ مذکور ہے کہ کوئی غلام آزاد کیا جائے، یہاں تک کہ حدیث میں یہ بھی فرمایا گیا ہے کہ اگر کسی نے غلام کو ناحق تھپڑ مار دیا تو اسکا کفارہ یہ ہے کہ اسے آزاد کر دیا جائے۔ (صحیح مسلم۔ باب صحبۃ الممالیک) چنانچہ صحابہ کرامؓ جس کثرت کی ساتھ غلام آزاد کیا کرتے تھے اس کا اندازہ اس بات سے ہو سکتا ہے کہ صاحب النعم الوہاب نے بعض صحابہؓ کے آزاد کردہ غلاموں کی یہ تعداد نقل کی ہے

حضرت عائشہؓ ۶۹ حضرت عباسؓ ۷۰

حضرت حکیم بن حزامؓ ۱۰۰ حضرت عبداللہ بن عمرؓ ۱۰۰۰

حضرت عثمان غنیؓ ۲۰ حضرت ذوالکلاع حمیریؓ ۸۰۰۰ (ضرر ایک نہیں)

حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ ۳۰۰۰ (فتح العلام شرح بلوغ المرام از نو صبیح حسن خاں خاں ج ۲۳۲ کتاب العقی)

جس سے معلوم ہوتا ہے کہ صرف سات صحابہؓ نے انتالیس ہزار دو سو انسٹھ غلام آزاد کئے، اور ظاہر ہے

کہ دوسرے ہزاروں صحابہؓ کے آزاد کردہ غلاموں کی تعداد اس سے کہیں زائد ہوگی۔ غرض اسلام نے غلامی کے نظام میں جو ہمہ گیر اصلاحات کیں جو شخص بھی انہیں نظر انصاف دیکھے گا وہ اس نتیجے پر پہنچے بغیر نہیں رہ سکتا کہ اسے دوسری اقوام کے احکام غلامی پر قیاس کرنا بالکل غلط ہے، اور ان اصلاحات کے بعد جنگی قیدیوں کو غلام بنانے کی اجازت ان پر ایک عظیم احسان بن گئی ہے۔

یہاں یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ جنگی قیدیوں کو غلام بنانے کا حکم صرف اباحت اور جواز کی حد تک ہے یعنی اگر اسلامی حکومت مصالح کے مطابق سمجھے تو انہیں غلام بنا سکتی ہے ایسا کرنا مستحب یا واجب فعل نہیں ہے بلکہ قرآن و حدیث کے مجموعی ارشادات سے آزاد کرنا افضل ہونا سمجھ میں آتا کہ اور یہ اجازت بھی اس وقت تک کے لئے ہے جب تک اس کے خلاف دشمن سے کوئی معاہدہ نہ ہو اور اگر دشمن سے یہ معاہدہ ہو جائے کہ نہ وہ ہمارے قیدیوں کو غلام بنائیں گے نہ ہم ان کے قیدیوں کو، تو پھر اس معاہدہ کی پابندی لازم ہوگی۔ ہمارے زمانے میں دنیا کے بہت سے ملکوں نے ایسا معاہدہ کیا ہوا ہے، لہذا جو اسلامی ممالک اس معاہدے میں شریک ہیں ان کے لئے غلام بنانا اس وقت تک جائز نہیں جب تک یہ معاہدہ قائم ہے۔

ذٰلِكَ ۙ وَكُوشَاۤءُ اللّٰهُ لَا تُنَصِّرُمۡۤ اِلَیۡہٗ وَلٰكِنۡ لِّیَبۡلُوۡاۤ اَبۡعَضَکُمۡۙ بِبَعۡضِ

یہ سن چکے اور اگر چاہے اللہ تو بدلے اُن سے پر جانچنا چاہتا ہے تمہارے ایک سے دوسرے کو

وَالَّذِیۡنَ قَاتَلُوۡۤا فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰهِ فَلَنۡ یُّضِلَّۡ اَعۡمَالُہُمۡۙ ۝۴ سَبۡحَہٗٓ تَعۡمَہٗٓ

اور جو لوگ مارے گئے اللہ کی راہ میں تو نہ ضائع کریگا وہ ان کے کئے کام ان کو راہ دیگا

وَيُصۡلِحُۙ بِاَلۡہِمۡ ۝۵ وَیُدۡخِلُہُمُ الْجَنَّةَ عَرَفَہَا لَہُمۡ ۝۶ بِاَیۡہِہَا

اور سنو اے گا ان کا حال اور داخل کریگا اُن کو بہشت میں جو معلوم کرادی ہے ان کو اے

الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اِنۡ تَنۡصُرُوۡا اللّٰہَ یَنۡصُرَکُمۡ وَیُثَبِّتْ اَقۡدَامَکُمۡ ۝۷

ایمان والو اگر تم مدد کرو گے اللہ کی تو وہ تمہاری مدد کریگا اور جادے گا تمہارے پاؤں

وَالَّذِیۡنَ کَفَرُوۡۤا فَتَعَسَّۡ اَلۡہِمۡ وَاَضَلَّۡ اَعۡمَالُہُمۡ ۝۸ ذٰلِکَ بِاَنۡہُمۡ

اور جو لوگ کہ منکر ہوئے وہ گرے منہ کے بل اور کھو دیئے ان کے کئے کام یہ اس لئے کہ ان کو پسند

کَرِہُوۡۤا مَاۤ اُنۡزَلَ اللّٰہُ فَاحۡبَطَۡ اَعۡمَالُہُمۡ ۝۹ اَفَلَمَ یَسِیۡرُوۡۤا فِی

نہ ہوا جو اتارا اللہ نے پھر اکارت کر دیئے ان کے کئے کام کیا وہ پھرے نہیں

اَلۡاَرۡضِ فِیۡنَظُرُوۡۤا کَیۡفَ کَانَ عَاقِبَةُ الَّذِیۡنَ مِنْ قَبۡلِہِمۡ ۙ دَرَۡ

ملک میں کہ دیکھیں کیسا ہوا انجام اُن کا جو اُن سے پہلے تھے ہلاکی

اللَّهُ عَلَيْهِمْ وَلِلْكَافِرِينَ أَمْثَالُهَا ۝ ذَلِك بِأَنَّ اللَّهَ مَوْلَى

ذالی اللہ نے اُن پر اور منکروں کو ملتی رہتی ہیں ایسی چیزیں یہ اس لئے کہ اللہ رفیق ہے اُن کا

الَّذِينَ آمَنُوا وَأَنَّ الْكَافِرِينَ لَا مَوْلَى لَهُمْ ۝

جو یقین لائے اور یہ کہ جو منکر ہیں اُن کا رفیق نہیں کوئی

خلاصہ تفسیر

یہ حکم (جہاد کا جو مذکور ہوا) بجالانا اور (جو بعض صورتوں میں کفار سے انتقام لیے گئے) طریقہ جہاد کا مقرر کیا، یہ خاص حکمت کی وجہ سے ہے ورنہ اگر اللہ چاہتا تو اُن سے (خود ہی آسمانی اور زمینی عذابوں کے ذریعہ) انتقام لے لیتا (جیسے پچھلی اُمتوں سے اسی طرح انتقام لیا، کسی پر پتھر سے کسی پر ہوا کا طوفان آیا، کسی کو غرق کیا گیا، اگر ایسا ہوتا تو تم کو جہاد نہ کرنا پڑتا) لیکن (تم کو جہاد کر نیک حکم اسلئے دیا) تاکہ تمہارا ایک دوسرے کے ذریعہ امتحان کرے (مسلمانوں کا امتحان یہ کہ کون حکم الہی پر اپنی جان کو ترجیح دیتا ہے، اور کفار کا امتحان یہ کہ قتال و جہاد کی تکلیف سے متنبہ ہو کر کون حق کو قبول کرتا ہے) اور (جہاد میں جیسے کفار کا قاتل ہونا کامیابی ہے اسی طرح مقتول ہونا بھی ناکامی نہیں کیونکہ) جو لوگ اللہ کی راہ (یعنی جہاد) میں مارے جاتے ہیں اللہ تعالیٰ اُن کے اعمال کو (جن میں یہ عمل جہاد بھی داخل ہے) ہرگز ضائع نہ کرے گا (جیسا کہ ظاہر میں سمجھا جاسکتا ہے کہ جب وہ کافروں پر غالب نہ آسکا یہ خود مقتول ہو گیا تو گویا اس کا عمل بیکار گیا مگر واقعہ یوں نہیں کیونکہ اسکے اس عمل پر دوسرا نتیجہ جو ظاہری کامیابی سے بدرجہا بڑھا ہوا ہے اس کو حاصل ہو گیا وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ اُن کو (منزل) مقصود تک (جس کا بیان آگے آتا ہے) پہنچا دیگا اور اُن کی حالت (قبر اور حشر اور پل صراط اور تمام مواقع آخرت میں) درست رکھے گا (کہیں کوئی خرابی اور مضرت اُن کو نہ پہنچے گی) اور (اس منزل مقصود تک پہنچنے کا بیان یہ ہے کہ) اُن کو جنت میں داخل کرے گا جس کی اُن کو پہچان کر ادیگا کہ ہر جنتی اپنے اپنے مقررہ مکان پر بغیر کسی تلاش و تفتیش کے بے تکلف جا پہنچے گا۔ اس سے ثابت ہو کہ جہاد میں ظاہری ناکامی یعنی خود مقتول ہو جانا بھی بڑی کامیابی ہے۔ آگے جہاد کے دُنیوی فوائد و فضائل کا ذکر کر کے اسکی ترغیب ہے کہ) اے ایمان والو اگر تم اللہ (کے دین) کی مدد کرو گے تو وہ تمہاری مدد کرے گا (جس کا نتیجہ دنیا میں بھی دشمنوں پر غالب آنا ہی خواہ ابتداء ہی یا کچھ عرصہ کے بعد انجام کار میں۔ اور بعض مومنین کا مقتول ہو جانا یا کسی معرکہ میں وقتی طور پر مغلوب ہو جانا اسکے منافی نہیں) اور (اسی طرح دشمنوں کے مقابلہ میں) تمہارے قدم

جمادِ گیکا (اسی طرح کا مطلب یہ ہے خواہ ابتداء ہی سے یا وقتی پسپائی کے بعد انتہا میں ثابت قدم رکھ کر کفار پر غالب کر گیا جیسا کہ بار بار اسکا مشاہدہ دُنیا میں ہو چکا ہے یہ تو مسلمانوں کا حال بن گیا گیا) اور جو لوگ کافر ہیں انکے لئے (دُنیا میں جبکہ مومنین سے مقابلہ کریں) تباہی (اور مغلوبیت) ہے اور (آخرت میں) انکے اعمال کو خدا تعالیٰ کا عدم کر دیا (جیسا کہ شروع سورت میں بیان ہوا۔ غرض کفار دونوں جہان میں خسارے میں رہے اور یہ کفار کا خسارہ اور اعمال کی بربادی) اس سبب سے ہوئی کہ انھوں نے اللہ کے اتارے ہوئے احکام کو ناپسند کیا (عقیدہ بھی اور عملاً بھی) سو اللہ نے انکے اعمال کو (اول ہی سے) اکارت کر دیا (کیونکہ کفر کا جو اعلیٰ درجہ کی بغاوت ہے یہی اثر ہے اور یہ لوگ جو عذابِ الہی سے نہیں ڈرتے) کیا یہ لوگ ملک میں چلے پھرے نہیں اور انھوں نے دیکھا نہیں کہ جو لوگ اُن سے پہلے ہو گزرے ہیں اُن کا انجام کیسا ہوا کہ خدا تعالیٰ نے اُن پر کسی تباہی ڈالی (جو اُنکے اُبڑے ہوئے عملات و مکانات سے ظاہر ہے تو اُن کو بھی اس سے بے فکر نہ ہونا چاہیے کہ اپنے کفر سے باز نہ آئے تو) ان کافروں کے لئے بھی اسی قسم کے معاملات ہونے کو ہیں (اگے فریقین کے حال کا اجمالی ذکر ہے کہ) یہ (مسلمانوں کی کامیابی اور کافروں کی تباہی) اس سبب سے ہے کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کا کار ساز ہے اور کافروں کا کوئی (ایسا) کار ساز نہیں (کہ خدا کے مقابلہ میں انکے کام بنا سکے اسلئے وہ دونوں جہان میں ناکام رہتے ہیں اور مسلمانوں کو اگر کبھی دُنیا میں وقتی ناکامی بھی ہو جائے تو انجام کار کامیابی ہوگی، اور آخرت کی فلاح تو ظاہر ہی ہے اسلئے مسلمان ہمیشہ کامیاب اور کافر ناکام رہتا ہے)

معارف و مسائل

مشروعیتِ جہاد کی ایک حکمت | وَكَوَيْشَاءَ لِلَّهِ لَئِنْ شَهِدْتُمْ مِنْهُمْ، اس آیت میں حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ اس اُمت میں کفار سے جہاد و قتال کی مشروعیت درحقیقت ایکے حکمت سے ہے کیونکہ وہ آسمانی عذابوں کے قائم مقام ہے کیونکہ کفر و شرک اور اللہ سے بغاوت کی سزا پچھلی قوموں کو آسمانی اور زمینی عذابوں کے ذریعہ دی گئی ہے اُمتِ محمدیہ میں ایسا ہو سکتا تھا مگر رحمۃ اللعالمین کی برکت سے اس اُمت کو ایسے عام عذابوں سے بچا لیا گیا، اسکے قائم مقام جہاد شرعی کو کر دیا گیا جس میں نہ نسبت عذاب عام کے بڑی سہولتیں اور مصلحتیں ہیں۔ اول تو یہ کہ عذاب عام میں پوری قومیں مرد، عورت، بچے سبھی تباہ ہوتے ہیں اور جہاد میں عورتیں بچے تو مامون ہیں ہی، مرد بھی صرف وہی اسکی زد میں آتے ہیں جو اللہ کے دین کی حفاظت کر موالوں کے مقابلہ پر قتال کے لئے اکھڑے ہوں، پھر اُس میں بھی سب مقتول نہیں ہوتے، اُن میں بہت سے لوگوں کو اسلام و ایمان کی توفیق نصیب ہوتی ہے نیز جہاد کی مشروعیت کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ اسکے ذریعہ جہاد و قتال کے دونوں فریق، مسلمان

اور کافر کا امتحان ہو جاتا ہے کہ کون اللہ کے حکم پر اپنی جان و مال نثار کرنے کو تیار ہو جاتا ہے اور کون سرکشی اور کفر پر جمار ہوتا ہے یا اسلام کے روشن دلائل کو دیکھ کر اسلام قبول کر لیتا ہے۔
 وَالَّذِينَ قَاتَلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَلَنُؤْتِيَهُمْ أَجْرًا كَثِيرًا، شروع سورت میں ذکر تھا کہ جو لوگ کفر و شرک پر جمع ہوتے ہیں اور دوسروں کو بھی اسلام سے روکتے ہیں اللہ تعالیٰ نے اُن کے نیک اعمال کو بھی اکارت اور ضائع کر دیا یعنی صدقہ خیرات اور رفاہ عام کے نیک کام جو وہ کرتے ہیں کفر و شرک کی وجہ سے اللہ کے نزدیک آخرت میں ان کا کوئی ثواب نہیں، اسکے بالمقابل اس آیت میں فرمایا کہ جو لوگ اللہ کی راہ میں شہید ہوتے ہیں انکے اعمال ضائع نہیں ہوتے یعنی اگر انھوں نے کچھ گناہ بھی کئے ہوں تو اُن کے گناہوں کی وجہ سے اُن کے نیک اعمال پر کوئی اثر نہیں پڑتا بلکہ بسا اوقات اُن کے نیک اعمال اُن کے گناہوں کا کفارہ بن جاتے ہیں۔

سَيَكُونُ لَهُمْ جَزَاءٌ بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ، اس میں شہید فی سبیل اللہ کے لئے دو نعمتوں کا ذکر ہے ایک یہ کہ اللہ ان کو ہدایت کر دیگا۔ دوسرے اُن کے سب حالات درست کر دیگا۔ حالات سے مراد دنیا و آخرت دونوں جہان کے حالات ہیں۔ دنیا میں تو یہ کہ جو شخص جہاد میں شریک ہوا اگرچہ وہ شہید نہ ہوا سلامت رہا وہ بھی شہید کے ثواب کا مستحق ہو گیا، اور آخرت میں یہ کہ وہ قبر کے عذاب سے معشر کی پریشانی سے نجات پائے گا اور اگر کچھ لوگوں کے حقوق اسکے ذمہ رہ گئے ہیں تو اللہ تعالیٰ اصحاب حقوق کو اس سے راضی کر کے اسکی خلاصی کرا دیں گے دیکھا دردنہی حدیث ابی نعیم و ابن زرارہ البیہقی (منظہری) اور موت کے بعد ہدایت کر دینے سے مراد ان کی منزل مقصود یعنی جنت پر پہنچا دینا ہے جیسا کہ قرآن میں اہل جنت کے متعلق آیا ہے کہ جنت میں پہنچ کر کہیں گے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي هَدانا لِهٰذَا۔

وَيُؤْتِيهِمُ الْجَنَّةَ غُرَفًا كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لِهٰذَا الْاٰمَةِ اٰيَاتِهِ، یہ ایک تیسرا انعام ہے کہ اُن کو صرف یہی نہیں کہ جنت میں پہنچا دیا جائیگا بلکہ انکے دلوں میں خود بخود جنت کے اپنے اپنے مقام اور اس میں ملنے والی نعمتوں جو وہ قصور سے ایسی واقفیت پیدا کر دی جائے گی جیسے وہ ہمیشہ سے انہی میں رہتے اور ان سے مانوس تھے اگر ایسا نہ ہوتا تو جنت ایک نیا عالم تھا اس میں اپنا مقام تلاش کرنے میں وہاں کی چیزوں سے مناسبت اور تعلق قائم ہونے میں وقت لگتا، اور ایک مدت تک جنبیت کے احساس سے قلب مطمئن نہ ہوتا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قسم ہے اُس ذات کی جس نے مجھے دین حق دے کر بھیجا ہے کہ تم دنیا میں جس طرح اپنی بیبیوں اور گھروں سے واقف اور مانوس ہو اس سے بھی زیادہ اپنے جنت کے مقام اور وہاں کی بیبیوں سے واقف اور مانوس ہو جاؤ گے (رواہ ابن جریر و البیہقی و ابی نعیم و ابن زرارہ البیہقی) اور بعض روایتوں میں ہے کہ ایک فرشتہ ہر ایک جنتی کے لئے مقرر کر دیا جائیگا جو انکا اپنے مقام جنت اور وہاں کی بیبیوں سے تعارف کرایگا واللہ اعلم

وَالْكَافِرِينَ أَمْثَلُنَا، یہاں الکافرین کا الف لام عہد کے لئے ہے اور مراد کفار مکہ میں مراد ان کو ڈرانا ہے کہ جس طرح پھیلی اُمتوں پر عذاب آئے ہیں تم پر بھی آسکتے ہیں بے فکر نہ رہنا چاہیے۔
وَأَنَّ الْكَافِرِينَ لَا مَوْلَى لَهُمْ، لفظ مولى بہت سے معانی کے لئے مستعمل ہوتا ہے ایک معنی کارساز کے ہیں جو اس جگہ مراد ہیں اور ایک معنی مالک کے ہیں۔ قرآن میں دوسری جگہ کفار کے بارے میں آیا ہے رُدُّوْا اِلَى اللّٰهِ مَوْلٰهُمُ الْحَقُّ، اس میں اللہ تعالیٰ کو کفار کے لئے بھی مولى قرار دیا ہے کیونکہ مولى کے معنی مالک کے ہیں اور مالکیت اللہ تعالیٰ کی عام ہے مومن کا فر کوئی اُس سے خارج نہیں۔

إِنَّ اللَّهَ يَدْخُلُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ جَنَّاتٍ تَجْرِي

مفر اللہ داخل کرے گا ان کو جو یقین لائے اور کئے بھلے کام باغوں میں جن کے

مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ وَالَّذِينَ كَفَرُوا أَيْمَتَّعُونَ وَيَأْكُلُونَ كَمَا

نیچے بہتی ہیں نہریں اور جو لوگ منکر ہیں برت رہے ہیں اور کھاتے ہیں جیسے

تَأْكُلُ الْأَنْعَامُ وَالنَّارُ مَشْوًى لَهُمْ ۝۱۲ وَكَأَيِّنْ مِنْ قَرْيَةٍ هِيَ

کہ کھائیں جو پائے اور آگ ہے گھر اُن کا اور کتنی تھیں بستیاں جو

أَشَدُّ قُوَّةً مِنْ قَرْيَتِكَ الَّتِي أَخْرَجَتْكَ أَهْلُكُنْهُمْ فَلَا

زیادہ تھیں زور میں اس تیری نسبت سے جس نے تجھ کو نکالا یعنی ان کو غارت کر دیا پھر

نَاصِرَ لَهُمْ ۝۱۳ أَفَمَنْ كَانَ عَلَىٰ بَيْتَةٍ مِنْ رَبِّهِ كَمَنْ زُرِّي لَهُ

کوئی نہیں اُن کا مددگار بھلا ایک جو چلتا ہے واضح رستہ پر اپنے رب کے برابر ہے اسکے جسکو بھلا دیکھایا

سَوْءٌ عَلَيْهِمْ وَأَتَّبَعُوا أَهْوَاءَهُمْ ۝۱۴ مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِي وُعد

اسکا بُرا کام اور چلتے ہیں اپنی خواہشوں پر احوال اس بہشت کا جس کا وعدہ ہوا کہ

الْمُتَّقُونَ فِيهَا أَنْهَارٌ مِنْ مَّاءٍ غَيْرِ آسِنٍ وَأَنْهَارٌ مِنْ لَبَنٍ لَمْ

ڈرنے والوں سے اس میں نہریں ہیں پانی کی جو بو نہیں کر گیا اور نہریں ہیں دودھ کی جسکا مزہ

يَتَغَيَّرُ طَعْمُهُ وَأَنْهَارٌ مِنْ خَمْرٍ لَذَّةٍ لِلشَّارِبِينَ وَأَنْهَارٌ مِنْ

نہیں پھیرا اور نہریں ہیں شراب کی جن میں مزہ ہے پینے والوں کے واسطے اور نہریں ہیں

عَسَلٍ مُصَفًّى وَلَهُمْ فِيهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرَاتِ وَمَغْفِرَةٌ مِّنْ رَبِّهِمْ

شہد کی جھاگ اُتار دیا ہوا اور ان کے لئے وہاں سب طرح کے میوے ہیں اور معافی ہے ان کے رب سے

كَمَنْ هُوَ خَالِدٌ فِي النَّارِ وَسُقُوا مَاءً حَمِيمًا فَقَطَّعَ أَمْعَاءَهُمْ ۝۱۵

یہ برابر ہے اسکے جو سدا رہے آگ میں اور پیلا یا جلائے ان کو کھوتا پانی تو کاٹ نکالے ان کی آستیں

خلاصہ تفسیر

بیشک اللہ تعالیٰ اُن لوگوں کو جو ایمان لائے اور انھوں نے اچھے کام کئے (جنت کے) ایسے باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے سے نہریں بہتی ہوں گی اور جو لوگ کافر ہیں وہ (دنیا میں) عیش کر رہے ہیں اور اس طرح (آخرت سے بے فکر ہو کر) کھاتے (پیتے) ہیں جس طرح چوہائے کھاتے ہیں (کہ وہ نہیں سوچتے کہ ہم کو کیوں کھلایا پلایا جاتا ہے اور ہمارے ذمہ اسکا کیا حق واجب ہے) اور جہنم اُن لوگوں کا ٹھکانا ہے (اور اوپر جو کفار کے دنیا میں عیش کر رہے ہیں ان سے آپ کے مخالفین کو دھوکہ نہ کھانا چاہیئے، اور نہ آپ کو اُن کی اس غفلت پر کچھ حزن و ملال ہونا چاہیئے) جو اُن کی مخالفت کا سبب بنی ہوئی ہے یہاں تک کہ انھوں نے آپ کو تنگ کر کے مکہ میں بھی نہیں بھیجا دیا کیونکہ بہت سی بستیاں ایسی تھیں جو قوت (جسم اور قوت مال و جاہ) میں آپ کی اس بستی سے بڑھی ہوئی تھیں جس کے لئے سننے والوں نے آپ کو گھر سے بے گھر کر دیا کہ ہم نے ان کو (عذاب سے) ہلاک کر دیا سو اُن کا کوئی مددگار نہ ہوا (تو یہ بیچارے کیا چیز ہیں ان کو مغرور ہونا چاہیئے، کیونکہ جب اللہ تعالیٰ چاہے ان کی صفائی کر سکتے ہیں اور آپ ان کے چند روزہ عیش سے غموں نہوں کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے مقرر وقت پر اُن کو بھی سزا دینے والے ہیں) تو جو لوگ اپنے پروردگار کے واضح (ثابت بالذلیل) راستہ پر ہوں کیا وہ اُن شخصوں کی طرح ہو سکتے ہیں جن کی بد عملی ان کو بھلی معلوم ہوتی ہو اور جو اپنی نفسانی خواہشوں پر چلتے ہوں (یعنی جب ان دونوں فریق کے اعمال میں تفاوت ہے تو ان کے مال اور انجام میں بھی تفاوت ضروری ہے، اہل حق ثواب کے اور اہل باطل عقاب و عذاب کے مستحق ہیں جسکا بیان یہ ہے) جس جنت کا متقیوں سے وعدہ کیا جاتا ہے اس کی کیفیت یہ ہے کہ اس میں بہت سی نہریں تو ایسے پانی کی ہیں جس میں ذرا آئینہ نہیں ہوگا (نہ بُو میں نہ رنگ میں نہ مزے میں) اور بہت سی نہریں دودھ کی ہیں جن کا ذائقہ ذرا بد لا ہوا نہ ہوگا، اور بہت سی نہریں ہیں شراب کی جو پینے والوں کو بہت لذیذ معلوم ہوگی اور بہت سی نہریں ہیں شہد کی جو باکھل (میل کھیل سے پاک) صاف ہوگا اور ان کے لئے وہاں ہر قسم کے پھل ہونگے اور (اس میں داخل ہونے سے پہلے) ان کے رب کی طرف سے (گناہوں کی) بخشش ہوگی کیا ایسے لوگ اُن جیسے ہو سکتے ہیں جو ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے، اور کھولتا ہوا پانی اُن کو پینے کو دیا جاوے گا تو وہ اُن کی ان ترلوں کو ٹھکڑے ٹھکڑے کر ڈالے گا۔

معارف و مسائل

چونکہ دنیا کا پانی کبھی رنگ میں کبھی بُو میں کبھی ذائقہ میں متغیر ہو جاتا ہے اسی طرح دنیا کا

دودھ بگڑ جاتا ہے اسی طرح دنیا کی شراب بد مزہ دلتخ ہوتی ہے صرف بعض منافع کی خاطر پی جاتی ہے جیسے تمباکو کھڑوا ہونیکے باوجود کھایا جاتا ہے پھر عادت پڑ جاتی ہے۔ جنت کے پانی اور دودھ اور شراب کے بار میں بتلادیا گیا کہ وہ سب ان تغیرات اور بد مزگی کی آفات سے خالی ہیں اور جنت کا دوسری مضرتوں اور مفاسد سے خالی ہونا سورہ صافات کی آیت میں آیا ہے لَا يَجْعَلُهَا عَيْنٌ وَلَا يَجْعَلُهَا عَيْنٌ وَلَا يَجْعَلُهَا عَيْنٌ۔ اسی طرح دنیا کے شہد میں موم اور میل کچیل ملا ہوتا ہے جنت کی نہر میں شہد کا پاک صاف ہونا بتلادیا گیا۔ صحیح بات یہ ہے کہ انہار جنت کی چاروں قسمیں، پانی، دودھ، شراب، شہد اپنے حقیقی معنی میں ہیں بلا وجہ مجازی معنی لینے کی ضرورت نہیں، البتہ یہ بات کھلی ہوئی ہے کہ جنت کی چیزوں کو دنیا کی چیزوں پر قیاس نہیں کیا جاسکتا وہاں کی ہر چیز کی لذت و کیف کچھ اور ہی ہوگا جس کی دنیا میں کوئی نظیر نہیں۔

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَسْتَمِعُ إِلَيْكَ حَتَّىٰ إِذَا خَرَجُوا مِنْ عِنْدِكَ قَالُوا

اور بعض ان میں ہیں کہ کان رکھتے ہیں تیری طرف یہاں تک کہ جب نکلیں تیرے پاس سے کہتے ہیں ان کو

لِلَّذِينَ أَوتُوا الْعِلْمَ مَاذَا قَالَ أَنْفَاكَ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ طَبَعَ اللَّهُ

جن کو علم ملا ہے کیا کہا تھا اس شخص نے ابھی یہ وہی ہیں جن کے دلوں پر مہر لگا دی ہے

عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ وَاتَّبَعُوا أَهْوَاءَهُمْ ۖ وَالَّذِينَ اهْتَدَوْا زَادَهُمْ

اللہ نے اور چلے ہیں اپنی خواہشوں پر اور جو لوگ راہ پر آئے ہیں ان کو اور بڑھ گئی

هُدًى وَآثَمَهُمْ تَقْوَاهُمْ ۖ قُلْ يَنْظُرُونَ إِلَّا السَّاعَةَ أَنْ تَأْتِيَهُمْ

اس سے سوچھ اور ان کو اس سے ملا بچکر چلنا اب یہی انتظار کرتے ہیں قیامت کا کہ آنکھری ہو ان پر

بَغْتَةً فَقَدْ جَاءَ أَشْرَاطُهَا فَأَنَّىٰ لَهُمْ إِذَا جَاءَهُمْ ذِكْرُهُمْ ۚ

ایچانک سو آنکھی ہیں اس کی نشانیاں پھر کہاں نصیب ہوگا ان کو جب وہ آہنچے ان پر سمجھ پھر ٹٹنا

خلاصہ تفسیر

اور (اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم) بعض آدمی ایسے ہیں (مراد منافقین ہیں) کہ وہ (اپنی تبلیغ و تعلیم کے وقت ظاہر میں تو) آپ کی طرف کان لگاتے ہیں (لیکن دل سے بالکل متوجہ نہیں ہوتے) یہاں تک جب وہ لوگ آپ کے پاس سے (اٹھ کر مجلس سے) باہر جاتے ہیں تو دوسرے اہل علم (صحابہ) کہتے ہیں کہ حضرت نے ابھی (جب ہم مجلس میں تھے) کیا بات فرمائی تھی (ان کا یہ کہنا بھی ایک قسم کا استہزاء ہی تھا کہ اس سے یہ جتلانا تھا کہ ہم آپ کی گفتگو کو قابل التفات نہیں سمجھتے، یہ بھی ایک شعبہ نفاق ہی کا تھا) یہ وہ لوگ ہیں کہ حق تعالیٰ نے ان کے دلوں پر مہر کر دی ہے (ہدایت سے دور ہو گئے)

اور اپنی نفسانی خواہشوں پر چلتے ہیں اور (انہی کی قوم میں سے) جو لوگ راہ پر ہیں (یعنی مسلمان ہو چکے ہیں) اللہ تعالیٰ ان کو (احکام سننے کے وقت) اور زیادہ ہدایت دیتا ہے کہ وہ ان احکام جدیدہ پر بھی ایمان لاتے ہیں یعنی ان کی ایمانیات کی تعداد بڑھ گئی یا یہ کہ ان کے ایمان کو اور زیادہ قوی اور نچتہ کر دیتے ہیں جو عمل صالح کا خاصہ ہے کہ اس سے ایمان میں مزید نچنگی پیدا ہوتی ہے) اور ان کو ان کے تقویٰ کی توفیق دیدیتا ہے (آگے ان منافقین کے لئے وعید ہے کہ یہ جو قرآن اور احکام الہیہ سن کر بھی متاثر نہیں ہوتے) سو (معلوم ہوتا ہے کہ) یہ لوگ بس قیامت کے منتظر ہیں کہ وہ اُن پر دفعۂ آپڑے (یہ بطور زبرد توخیج کے فرمایا کہ اب بھی متاثر نہیں ہوتے تو کیا قیامت میں تذکر اور ہدایت حاصل کریں گے) سو (یاد رکھو کہ قیامت بھی نزدیک ہے چنانچہ) انکی (متعدد) علامتیں تو آپچی ہیں (چنانچہ از روئے حدیث خود خاتم النبیین کی بعثت و نبوت بھی علامات قیامت میں سے ہے اور شق قمر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ہونے کے علاوہ قیامت کی علامات میں سے بھی ہے۔ یہ سب علامات زمانہ نزول قرآن میں موجود ہو چکی تھیں، آگے اسکا بیان ہے کہ ایمان لانے اور ہدایت پانے میں قیامت کا انتظار کرنا محض جہالت ہے کیونکہ وہ وقت سمجھنے اور عمل کرنے کا نہیں ہوگا۔ فرمایا) تو جب قیامت اُن کے سامنے آکھڑی ہوئی اُس وقت اُن کو سمجھنا کہاں میسر ہوگا (یعنی مفید نہیں ہوگا)

معارف و مسائل

اشراط، کے معنی علامات کے ہیں اور علامات قیامت کی ابتدا خود خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے ہو جاتی ہے کیونکہ ختم نبوت بھی قیامت کی علامت ہے۔ اسی طرح شق قمر کے معجزہ کو بھی قرآن میں اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ کیساتھ فرما کر اس طرف اشارہ کر دیا کہ یہ بھی علامات قیامت میں سے ہے۔ یہ تو علامات ابتدائیہ ہیں جو خود نزول قرآن کے وقت میں ظاہر ہو چکی تھیں دوسری علامات قریبہ احادیث صحیحہ میں ثابت ہیں ان میں سے ایک حدیث حضرت انسؓ سے منقول ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ علامات قیامت یہ ہیں۔

عَلَمٌ اُٹھ جائیگا، جَہْلٌ بڑھ جائیگا، زَنَاکِی کثرت ہوگی، شَرَابٌ خوری کی کثرت ہوگی، مَرْدٌ کم رہ جائیں گے، عَوْرَتیں بڑھ جائیں گی، یہاں تک کہ پچاس عورتوں کا تکفل ایک مرد ہوگا۔ اور ایک روایت میں ہے کہ علم گھٹ جائے گا اور جہل پھیل جائے گا (بخاری مسلم)

اور حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب مال غنیمت کو شخصی دولت سمجھ لیا جائے اور امانت کو مال غنیمت قرار دے لیا جائے کہ حلال

سمجھ کر کھا جائیں) اور زکوٰۃ کو تاوان سمجھا جائے (یعنی اسکی ادائیگی میں دل میں تنگی محسوس ہو) اور علم دین اغراض دنیوی کے لئے حاصل کیا جائے لگے، اور مرد اپنی بیوی کی اطاعت اور ماں کی نافرمانی کرنے لگے، اور دوست کو اپنے قریب کرے اور باپ کو دُور کر دے، اور مساجد میں شور و شغب ہونے لگے۔ اور قوم کا سردار ان سب میں کافاسق بدکردار آدمی ہو جائے، اور قوم کا نمائندہ ان سب میں کاذیل ہو جائے، اور شریر آدمی کا اکرام صرف اس لئے کرنا پڑے کہ اسکا اکرام نہ کریں گے تو شایہ گناہ اور گناہ والی عورتوں کا گانا عام ہو جائے، اور مزا میرا جے گا جے پھیل جائیں اور شرابیں پی جائیں لگیں، اور اس اُمت کے آخری لوگ اپنے اسلاف پر لعنت کرنے لگیں تو اسوقت تم لوگ انتظار کرو ایک سرخ آندھی کا اور زلزلہ کا اور لوگوں کے زمین میں دھنس جانے کا اور صوتیں مسخ ہو جانے کا اور آسمان سے پتھر برسنے کا اور دوسری علامات قیامت کا جو یکے بعد دیگرے اس طرح آئیں گی جیسے موتیوں کی لڑی کو کاٹ دیا جائے اور موتی ایک ایک کر کے نیچے آگرتے ہیں۔

فَاعْلَمُوا أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَاسْتَغْفِرْ لَذُنُوبِكُمْ وَلِلْمُؤْمِنِينَ

سو تو جان لے کہ کسی کی بندگی نہیں سوائے اللہ کے اور معافی مانگ اپنے گناہ کے واسطے اور ایماندار مردوں

وَالْمُؤْمِنَاتِ وَاللَّهُ يَعْلَمُ مُتَقَلِّبَكُمْ وَمَثُولَكُمْ ۝ ۱۹

اور عورتوں کے لئے اور اللہ کو معلوم ہے بازگشت تمہاری اور گھسرت تمہارا

خلاصہ تفسیر

(جب آپ خدا تعالیٰ کے مطیع و فرمانبردار بندوں اور سرکشوں دونوں کا حال و مال عن چکے) تو آپ اسکا (اکمل طریقہ پر) یقین رکھئے کہ بجز اللہ کے اور کوئی قابل عبادت نہیں (اسمیں دین کے تمام اصول و فروع آگئے، کیونکہ علم سے مراد علم کامل اکمل ہے اور علم کامل کے لئے لازم ہے کہ تمام احکام الہیہ پر پورا عمل ہو۔ حاصل یہ ہے کہ تمام احکام الہیہ پر مداومت رکھو) اور اگر کبھی کوئی خطا سرزد ہو جائے جو آپ کی عصمت نبوت کی بنا پر درحقیقت گناہ نہیں بلکہ صرف ترک افضل ہی ہو گا مگر آپ کی شان ارفع کے اعتبار سے صورتہ خطا ہے اس لئے) آپ اپنی (اُس ظاہری) خطا کی معافی مانگتے رہئے اور سب مسلمان مردوں اور سب مسلمان عورتوں کے لئے بھی (بخشش کی دعا مانگتے رہئے) اور (یہ بھی یاد رہے کہ) اللہ تعالیٰ تمہارے چلنے پھرنے اور رہنے سہنے کی (یعنی سب اعمال و احوال کی) خبر رکھتا ہے۔

معارف و مسائل

اس آیت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے فرمایا کہ آپ سمجھ لیجئے کہ اللہ کے سوا اور کوئی قابلِ عبادت نہیں، اور ظاہر ہے کہ یہ علم تو ہر مومن مسلمان کو بھی حاصل ہے سید الانبیاء کو کیوں حاصل نہ ہوتا پھر اس علم کے حاصل کرنے کا حکم دینا یا تو اس پر ثبات قدم رہنے کے معنی میں ہے اور یا اس کے مقتضیات پر عمل کرنا مراد ہے جیسا کہ قرطبی نے نقل کیا ہے کہ سفیان بن عیینہؒ سے کسی نے علم کی فضیلت کا سوال کیا تو انھوں نے فرمایا کیا تم نے قرآن کا ارشاد نہیں سنا، فَأَعْلَمَ أَنَّ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَاسْتَغْفِرُ لِمَنْ يَنْفِكُ، کہ اس میں علم کے بعد عمل کا حکم دیا ہے اسی طرح دوسری جگہ فرمایا، إِعْلَمُوا أَنَّمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَلَهْوَ اور پھر فرمایا سَابِقُوا إِلَىٰ مَغْفِرَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ اسی طرح انفال میں فرمایا وَاعْلَمُوا أَنَّمَا أَمْوَالُكُمْ وَأَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ اور تغابن میں فرمایا فَا حَذَرُوا هَٰذَا، ان سب مقامات میں اول علم پھر اس کے مقتضی پر عمل کی تلقین فرمائی گئی ہے یہاں آیت مذکورہ میں بھی اگرچہ یہ علم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہلے سے حاصل تھا مگر مقصود اس سے اس کے مقتضی پر عمل ہے اسی لئے اس کے بعد وَاسْتَغْفِرُ کا حکم دیا گیا، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بوجہ عصمتِ نبوت کے اسکے خلاف کرنا اگرچہ حتمال نہیں تھا مگر انبیاء علیہم السلام سے معصوم ہونے کے باوجود بعض اوقات اجتہاد میں خطا ہو جاتی ہے اور اجتہادی خطا قانون شرع میں گناہ نہیں بلکہ اُس پر بھی اجر ملتا ہے مگر انبیاء علیہم السلام کو اس خطا پر مستثنیٰ ضرور کر دیا جاتا ہے اور ان کی شانِ عالی کے اعتبار سے اس کو لفظ ذنب سے بھی تعبیر کر دیا جاتا ہے جیسا کہ سورۃ عبس میں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک قسم کا عتاب نازل ہوا وہ بھی اسی خطا را اجتہادی کی ایک مثال تھی جس کی تفصیل سورۃ عبس میں آئے گی کہ وہ اجتہادی خطا اگرچہ کوئی گناہ نہ تھا بلکہ ایک اجر اسپر بھی ملنے کا وعدہ تھا مگر آپ کی شانِ عالی کے لئے اس کو پسند نہیں کیا گیا اور ناپسندیدگی کا اظہار کیا گیا۔ آیت مذکورہ میں اسی طرح کا ذنب مراد ہو سکتا ہے۔

فائدہ حضرت صدیق اکبرؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ اور استغفار کی کثرت کیا کرو کیونکہ ابلیس کہتا ہے کہ میں نے لوگوں کو گناہوں میں مبتلا کر کے ہلاک کیا تو انھوں نے مجھے کلمہ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کہہ کر ہلاک کر دیا، جب میں نے یہ دیکھا تو میں نے ان کو ایسے خیالات باطلہ کے پیچھے لگا دیا جن کو وہ نیکی سمجھ کر کرتے ہیں جیسے بدعات کا یہی حال ہے۔ اس سے اُن کو توبہ کی بھی توفیق نہیں ہوتی۔

مُنْقَلَبُكُمْ وَمَمْنُونُكُمْ، منقلب کے لفظی معنی ٹوٹ پوٹ ہونے یا الٹ پلٹ ہونے

کے اور مشنوں کے معنی جائے قرار کئے ہیں، اس کی مراد میں مختلف احتمالات ہو سکتے ہیں اسی لئے حضرات مفسرین نے مختلف معنی بیان کئے ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ وہ سب ہی مراد ہیں کیونکہ ہر انسان پر دو قسم کے حالات آتے ہیں، ایک وہ جن میں عارضی اور وقتی طور پر اشتغال ہوتا ہے دوسرے وہ جن کو وہ مستقل اپنا مشغلہ سمجھتا ہے، اسی طرح بعض مکانات میں انسان کا قیام عارضی ہوتا ہے بعض میں مستقل، تو آیت میں عارضی کو متقلب کے لفظ سے اور مستقل کو ثبوتی کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے اس طرح تمام احوال کا اللہ تعالیٰ کے علم میں ہونا اس آیت کا مفہوم ہے

وَيَقُولُ الَّذِينَ آمَنُوا لَوْلَا نُزِّلَتْ سُورَةٌ فَإِذَا أُنْزِلَتْ سُورَةٌ

اور کہتے ہیں ایمان والے کیوں نہ آتری ایک سورت پھر جب آتری ایک سورت

مُحْكَمَةٌ وَذِكْرُ فِيهَا الْقِتَالِ رَأَيْتَ الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ

جانبی ہوئی اور ذکر ہوا اس میں لڑائی کا تو تو دیکھتا ہے ان کو جن کے دل میں روگ ہے

يَنْظُرُونَ إِلَيْكَ نَظَرَ الْمَغْشَىٰ عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ فَأُولَٰئِكَ لَهُمْ

تکفے ہیں تیری طرف جیسے تکتا ہے کوئی بیہوش پڑا ہوا مرنے کے وقت سو غرابی ہے ان کی

طَاعَةٌ وَقَوْلٌ مَّعْرُوفٌ فَإِذَا عَزَمَ الْأَمْرُ فَقُلُوا لِلَّهِ

حکم ماننا ہے اور سبلی بات کہنا پھر جب تاکید ہو کام کی تو اگر سچے رہیں اللہ سے

لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ۖ فَهَلْ عَسَيْتُمْ إِنْ كَوَّلَيْتُمْ أَنْ تَفْسِدُوا فِي

تو ان کا بھلا ہے پھر تم سے یہ بھی توقع ہے کہ اگر تم کو حکومت بلجائے تو غرابی ڈالو

الْأَرْضِ وَتَقَطَّعُوا أَرْحَامَكُمْ ۚ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ كَعَنَ اللَّهُ وَكَاهَنَهُمُ

ملک میں اور قطع کرو اپنی قراتیں ایسے لوگ ہیں جن پر لعنت کی اللہ نے پھر کر دیا انکو بہرا

وَأَعْمَىٰ أَبْصَارَهُمْ ۚ أَفَلَا يَتَذَكَّرُونَ الْقُرْآنَ أَمْ عَلَىٰ قُلُوبٍ

اور اندھی کر دیں ان کی آنکھیں کیا دھیان نہیں کرتے قرآن میں یا دلوں پر لگ رہے ہیں

أَفْقَالَهُمْ ۚ إِنَّ الَّذِينَ ارْتَدُّوا عَلَىٰ أَدْبَارِهِمْ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ

انکے قفل بیشک جو لوگ اٹھے پھر گئے اپنی پیٹھ پر بعد اسکے کہ ظاہر ہو چکی

لَهُمُ الْهُدَىٰ الشَّيْطَانُ سَوَّلَ لَهُمْ وَأَمْلَىٰ لَهُمْ ۚ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ

ان پر سیدھی راہ شیطان نے بات بنائی انکے دل میں اور دیکھے عدسے کئے یہ اس واسطے کہ انھوں

قَالُوا لِلَّذِينَ كَرِهُوا مَا نَزَّلَ اللَّهُ سَنُطِيعُكُمْ فِي بَعْضِ الْأَمْرِ وَاللَّهُ

نے کہا ان لوگوں سے جو بیزار ہیں اللہ کی اتاری کتاب کے ہم تمھاری بات بھی مانیں گے بعض کاموں میں اور اللہ

يَعْلَمُ اسْرَارَهُمْ ۝۳۸ فَكَيْفَ اِذَا تَوَفَّتْهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ يُضْرَبُوْنَ

جاتا ہے ان کا مشورہ کرنا پھر کیسا ہوگا حال جبکہ فرشتے جان نکالیں گے ان کی مارتے جاتے ہوں

وَجُوهَهُمْ وَاَدْبَارَهُمْ ۝۳۹ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ اتَّبَعُوْا مَا اَسْخَطَ اللّٰهَ

انکے منہ پر اور پیٹھ پر یہ اس لئے کہ وہ چلے اس راہ جس سے اللہ سب سے

وَكِرَهُوا رِضْوَانَهٗ فَاحْبَبَ اَعْمَالَهُمْ ۝۴۰ اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ فِيْ

اور ناپسند کی اسکی خوشی پھر اسنے اکارت کر دیئے انکے کئے کام کیا خیال رکھتے ہیں وہ لوگ جن کے

قُلُوْبُهُمْ قُرْضٌ اَنْ لَّنْ يُّخْرِجَ اللّٰهُ اَصْغَانَهُمْ ۝۴۱ وَلَوْ نَشَاؤُا لَرٰيْتُمْ كَثٰٓثًا

دلوں میں روگ ہے کہ اللہ ظاہر نہ کر دیکھا ان کے سینے اور اگر ہم چاہیں تجھ کو دکھلا دیں

فَلَعَرَفْتَهُمْ لَّيْسَ لَهُمْ وَكُنْتُمْ فِيْ لَحْنٍ الْقَوْلِ ۝۴۲ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اَعْمَالَكُمْ ۝۴۳

وہ لوگ، سو تو پہچان تو چکا ہے انکو انکے چہرے سے اور آگے پہچان لیگا بات کے ڈھب سے اور اللہ کو معلوم ہے تمہاری کسب کا

وَكُنْتُمْ لَكُمْ حَتٰٓى نَعْلَمَ الْمُجٰهِدِيْنَ مِنْكُمْ وَالصّٰبِرِيْنَ ۝۴۴ وَنَبَلُوْا اٰخِيَارَكُمْ ۝۴۵

اور البتہ تم تم کو جانچیں گے تا معلوم کریں جو تم میں لڑائی کرنیوالے ہیں اور قائم رہنے والے اور تحقیق کریں تمہاری خبریں

خلاصہ تفسیر

اور جو لوگ ایمان والے ہیں وہ (تو ہمیشہ اس بات کے مشتاق رہتے ہیں کہ کلام الہی اور نازل ہوتا کہ ایمان تازہ ہو اور احکام جدید آویں تو ان کا ثواب بھی حاصل کریں اور اگر احکام سابقہ کی تاکید ہو تو اور زیادہ ثبات حاصل ہو اور اس اشتیاق میں) کہتے رہتے ہیں کہ کوی (نبی) سورت کیوں نہ نازل ہوئی (اگر نازل ہو تو تمنا پوری ہو) سو جو وقت کوی صاف صاف (مضمون کی) سورت نازل ہوتی ہے اور (اتفاق سے) اُس میں جہاد کا بھی (صاف صاف) ذکر ہوتا ہے تو جن لوگوں کے دلوں میں (نفاق کی) بیماری ہے آپ ان لوگوں کو دیکھتے ہیں کہ وہ آپ کے مطرّف اس طرح (بھیانک نگاہوں سے) دیکھتے ہیں جیسے کسی پر موت کی مہوشی طاری ہو (اس طرح دیکھنے کا سبب خوف اور بزدلی ہے کہ اب اپنے دعوائی ایمان کو نبھانے کے لئے جہاد میں جانا پڑا اور مصیبت آئی اور وہ جو اس طرح خدا کے حکم سے جی چراتے ہیں) سو (اصل یہ ہو کہ) غفریب ان کی کم بختی آئی والی ہے (خواہ دنیا میں بھی کسی وبال میں گرفتار ہوں ورنہ بعد موت کے تو ضروری ہی ہے اور گو فرصت میں یہ بہت باتیں اطاعت اور خوشامد کی بنایا کرتے ہیں لیکن) ان کی اطاعت اور بات چیت (کی حقیقت) معلوم ہے (جبکہ اب نزول حکم قتال کے وقت ان کی حالت سے سب ہی پر ظہور ہو گیا) پھر (بعد نزول حکم جہاد کے) جب اس کا کام (اور

سامان لڑائی کا) تیار ہی ہو جاتا ہے تو (اُس وقت بھی) اگر یہ لوگ (دعویٰ ایمان باللہ میں) اللہ سے پچھے رہتے (یعنی دعویٰ ایمان کے مقتضیٰ پر عمل کرتے جس میں تمام احکام شرعیہ عموماً اور حکم جہاد خصوصاً شامل ہے اور صدق دل سے جہاد کرتے) تو ان کے لئے بہت ہی بہتر ہوتا (یعنی ابتداء میں اگر منافق تھے تو اخیر میں نفاق سے تائب ہو جاتے تب بھی ایمان مقبول ہو جاتا اور انتہا کو اس میں منحصر نہ سمجھا جاوے کیونکہ وقت موت تک صدق دل سے توبہ مقبول ہے، آگے جہاد کی تاکید اور اُس سے پیچھے رہنے والوں کو خطاب کر کے ترک جہاد پر بیان فرماتے ہیں کہ تم لوگ جو جہاد سے کراہت کرتے ہو) سو (اس میں ایک دُنیوی مضرت بھی ہے چنانچہ) اگر تم (اور اسی طرح سب جہاد سے) کنارہ کش رہو تو آیا تم کو یہ احتمال بھی ہے (یعنی ہونا چاہیے) کہ تم (یعنی تمام آدمی) دُنیا میں فساد مچا دو اور آپس میں قطع قرابت کر دو (یعنی جہاد سے بڑا فائدہ اقامت عدل و صلاح و امن کا ہے اگر اس کو چھوڑ دیا جاوے تو مفسدین کا غلبہ ہو جائے اور کوئی انتظام حمیں تمام لوگوں کے مصالح کی حفاظت ہو نہ رہے اور ایسے انتظام نہ ہونے کے لئے فساد عام اور ارضاعۃ حقوق لازم ہے پس جس جہاد میں دُنیوی منفعت بھی ہو اُس سے پیچھے ہٹنا اور بھی عجیب ہے، آگے ان منافقین کو رین کی تسبیح ہے کہ) یہ وہ لوگ ہیں جن کو خدا نے اپنی رحمت سے دُور کر دیا (اس لئے اسکے احکام پر عمل کی توفیق نہ رہی) پھر (رحمت سے بعید کرنے پر یہ امر مرتب ہوا کہ) اُن کو (بگوش قبول احکام اللہ سے) بہرہ کر دیا اور (راہ حق کے دیکھنے سے) انکی (باطنی) آنکھوں کو اندھا کر دیا (آگے ان پر تو بیخ ہے کہ باوجودیکہ قرآن میں جہاد اور دیگر احکام کا وجوب مع دلائل حقاقت قرآن کے اور ان احکام کے مصالح و منافع اخرویہ لازماً اور دنیویہ بھی احیاناً اور ان احکام کی مخالفت پر وعیدیں مذکور ہیں پھر جو یہ لوگ اُس طرف التفات نہیں کرتے) تو کیا یہ لوگ قرآن (کے اعجاز اور مضامین) میں غور نہیں کرتے (اس لئے ان کو انکشاف نہیں ہوتا) یا (غور کرتے ہیں مگر) دلوں پر (غیبی) قفل لگ رہے ہیں (یہ منع الخلو ہے، یعنی ان دونوں میں سے ایک بات کا ہونا ضروری اور دونوں جمع ہوں یہ بھی ہو سکتا ہے، اور واقع میں یہاں دونوں باتیں مجتمع ہیں، اول اُنکی طرف سے ایک فعل ہوا یعنی انکار کی وجہ سے قرآن میں غور نہ کرنا پھر اسکے وبال میں قفل لگ گیا جسکو طبع او ختم (یعنی مہر لگا دینا) بھی کہا گیا ہے اور دلیل اس ترتیب کی یہ آیت ہے ذَلِكْ بِاَنَّهُمْ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا وَاَقْطَبَتْ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ اور اس مجموعہ پر فہم لَا يَفْقَهُوْنَ مرتب ہے، آگے اس عدم تدبر کی وجہ فرماتے ہیں کہ) جو لوگ (حق سے) پشت پھیر کر ہٹ گئے بعد اس کے سیدھا راستہ اُن کو (دلائل عقلیہ مثل اعجاز قرآن اور دلائل نقلیہ مثل پیشین گوئی کتب سابقہ سے) صاف معلوم ہو گیا شیطان نے ان کو چمکے دیا ہے اور اُن کو دُور دُور کی سوچھائی ہے کہ ایمان لائیسے فلاں مصلحتیں

موجودہ یا جو آئندہ متوقع ہیں فوت ہو جاویں گی، حاصل یہ ہوا کہ اس عدم تدبیر کی وجہ عناد ہے کہ ہدایت کے واضح ثبوت کے بعد پھر یہ اُلٹے پاؤں لوٹے جا رہے اور اس عناد کے بعد تسویل شیطانی ہوئی، یعنی شیطان نے ان کی نظروں میں اس غلط اور مہلک عمل کو مزین کر کے دکھلایا اور اس تسویل سے عدم تدبیر ہوا اور عدم تدبیر سے ختم اور طبع یعنی دلوں پر مہر ہوئی پھر (یہ ہدایت سامنے آجانے کے باوجود اس سے بوٹنا اور دور ہونا) اس سبب سے ہوا کہ ان لوگوں نے ایسے لوگوں سے جو کہ خدا کے آثار سے ہوئے احکام کو (حسداً) ناپسند کرتے ہیں (مراد اس سے روئے یہود ہیں، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حسد کرتے تھے اور باوجود معرفت حق کے اتباع سے عدا کرتے تھے، حال یہ کہ ان منافقین نے روئے یہود سے) یہ کہا بعضی باتوں میں ہم تمہارا کہنا مان لیں گے (یعنی تم جو کہو اتباع محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے منع کرتے ہو اسکے دوجہ رہیں ایک تم اتباع ظاہراً دوسرا عدم اتباع باطناً سو جزو اول میں تو ہم مصلحت تمہارا کہنا نہیں مان سکتے لیکن جزو ثانی میں مان لیں گے کیونکہ عقائد میں ہم تمہارے ساتھ ہیں، کہنا قال لا تأمروا بمعصیہ، مطلب یہ ہوا کہ حق سے پھرنے کا سبب قومی تعصب اور کورانہ تقلید ہے، غرض ابتداء سلسلہ کی اس سے ہے اور انتہا ختم و طبع پر) اور (گو اس قسم کی باتیں یہ منافقین خفیہ کرتے ہیں مگر) اللہ تعالیٰ ان کی خفیہ باتیں کرنے کو (خوب) جانتا ہے (اور بعض امور پر وحی سے آپ کو مطلع کر دیتا ہے، آگے وعید ہے جو کہ اولیٰ ہم کی تفسیر کے طور پر ہو سکتی ہے یعنی یہ جو ایسی حرکتیں کر رہے ہیں) سو ان کا کیا حال ہوگا جبکہ فرشتے ان کی جان قبض کرتے ہونگے اور ان کے مونہوں پر اور پشتوں پر مارتے جلتے ہونگے (اور) یہ (سزا) اس سبب سے (ہوگی) کہ جو طریقہ خدا کی ناراضی کا موجب تھا یہ اُسی پر چلے اور اس کی رضا (یعنی اعمال موجبہ رضا) سے نفرت کیا کئے اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان کے سب اعمال (نیک ابتداء ہی سے) کا عدم کر دیئے (پس اس سزا کے مستحق ہو گئے اور کسی کے پاس کوئی عمل مقبول ہو تو اُس کی برکت سے عقوبت میں کچھ تو کمی ہو جاتی ہے آگے وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اسْتِزَادْهُمْ کے مضمون کی شرح کے طور پر ہے کہ) جن لوگوں کے دلوں میں مرض (نفاق) ہے (اور وہ اُس کو چھپانے کی کوشش کرتے ہیں) کیا یہ لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کبھی ان کی دلی عداوتوں کو ظاہر نہ کرے گا (یعنی یہ ان کو کیسے اطمینان ہو گیا جبکہ حق تعالیٰ کا عالم الغیب ہونا ثابت اور مسلم ہے) اور ہم (تو) اگر چاہتے تو آپ کو انکا پورا پتہ بتلا دیتے سو آپ ان کو انکے حلیہ سے پہچان لیتے (پورے پتہ کا مطلب یہی ہے کہ ہر ایک کا پورا علیہ بتا دیتے) اور (گو مصلحت ہم نے اس طرح نہیں بتلایا لیکن) آپ ان کو طرز کلام سے (اب بھی) ضرور پہچان لیں گے (کیونکہ ان کا کلام صدق پر مبنی نہیں اور آپ کو نور فراست سے اللہ تعالیٰ نے صدق و کذب کی پہچان دی تھی کہ صدق کا اثر قلب پر اور ہوتا تھا اور کذب

کا اور جیسا کہ حدیث میں ہے کہ صدق الطینان بخش ہوتا ہے اور جھوٹ دل میں شک پیدا کرتا ہے اور (آگے) مومنین و منافقین سب کو خطاب میں جمع کر کے بطور ترغیب ترہیب کے فرماتے ہیں کہ (اللہ تعالیٰ تم سب کے اعمال کو جانتا ہے) (پس مسلمانوں کو ان کے اخلاص پر جزا اور منافقین کو ان کے نفاق اور دھوکہ پر سزا دیگا) اور (آگے) احکام شاقہ مثل جہاد وغیرہ کی ایک حکیمانہ حکمت ارشاد ہے جیسا اور قبل غایتہم الخ میں ایک حکیمانہ حکمت ارشاد فرمائی تھی یعنی (ہم) ایسے امور شاقہ کا حکم دے کر ضرور تمہاری سب کی آزمائش کریں گے تاکہ ہم (ظاہری طور پر بھی) ان لوگوں کو معلوم (اور میرے) کر لیں جو تم میں جہاد کرنے والے ہیں اور جو (جہاد میں) ثابت قدم رہنے والے ہیں، اور تاکہ تمہاری حالتوں کی جانچ کر لیں (یہ اسلئے بڑھا دیا کہ علاوہ حکم جہاد کے اور احکام بھی داخل ہو جاویں اور علاوہ حالت مجاہدہ و صبر کے دوسرے حالات بھی داخل ہو جاویں)

معارف و مسائل

سُورَةُ مُحَمَّدٍ، محکمہ کے نفلی معنی مضبوط و مستحکم کے ہیں اس لغوی معنی کے اعتبار سے تو قرآن کی ہر سورت محکمہ ہے لیکن اصطلاح شرع میں محکم بمقابلہ منسوخ استعمال ہوتا ہے، یہاں سورۃ کے ساتھ محکمہ کی قید کا اضافہ اسلئے ہے کہ عمل کا شوق تو جہی پورا ہو سکتا ہے جبکہ وہ سورت منسوخ نہ ہو۔ اور قتادہ رحمہ نے فرمایا کہ جتنی سورتوں میں قتال و جہاد کے احکام آئے ہیں وہ سب محکمہ ہیں۔ یہاں چونکہ اصل مقصود حکم جہاد اور اُس پر عمل ہے اسلئے سورت کیساتھ محکمہ کا لفظ بڑھا کر ذکر جہاد کی طرف اشارہ کر دیا جس کی آگے تصریح آرہی ہے۔ (قطبی)

أَوَّلَىٰ لِقَوْمٍ كَذَبُوا بِاللَّهِ وَنَجَّوْا أَرْحَامَهُمْ
 کے اسباب قریب آچکے ہیں (قطبی)

فَهَلْ عَسَيْتُمْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ الْآرْضَ وَتَقْطَعُونَ أَرْحَامَكُمْ
 لفظ توتی کے لغت کے اعتبار سے دو معنی ہو سکتے ہیں، ایک اعراض دوسرے کسی قوم و جماعت پر اقتدار حکومت۔ اس آیت میں بعض حضرات مفسرین نے پہلے معنی لئے ہیں جسکو اور پر خلاصہ تفسیر میں لکھا گیا ہے۔ ابو حیان نے بحر محیط میں اسی کو ترجیح دی ہے اس معنی کے اعتبار سے مطلب آیت کا یہ ہے کہ اگر تم نے احکام شرعیہ اللہ سے روگردانی کی جن میں حکم جہاد بھی شامل تھا تو اسکا اثر یہ ہو گا کہ تم جاہلیت کے قدیم طریقوں پر پڑ جاؤ گے جسکا لازمی نتیجہ زمین میں فساد اور قطع ارحام ہے جیسا کہ جاہلیت کے ہر کام میں اسکا مشاہدہ ہوتا تھا کہ ایک قبیلہ

دوسرے قبیلہ پر چڑھائی اور قتل و غارت کرتا تھا، اپنی اولاد کو خود اپنے ہاتھوں زندہ درگور کر دیتے تھے۔ اسلام نے ان تمام رسوم جاہلیت کو مٹایا اور اسکے مٹانے کے لئے حکم جہاد بخاری فرمایا جو اگرچہ ظاہر میں خویشی ہے مگر درحقیقت اسکا حاصل سڑے ہوئے عضو کو جسم سے الگ کر دینا ہے تاکہ باقی جسم سالم رہے، جہاد کے ذریعہ عدل و انصاف اور قربتوں اور رشتوں کا احترام قائم ہوتا ہے۔ اور روح المعانی قرطبی وغیرہ میں اس جگہ توئی کے معنی حکومت و امارت کے لئے ہیں تو مطلب آیت کا یہ ہوگا کہ تمھارے حالات جسکا ذکر اوپر آچکا ہے ان کا تقاضا یہ ہے کہ اگر تمھاری مراد پوری ہو، یعنی اسی حالت میں تمھیں ملک قوم کی ولایت اور اقتدار حاصل ہو جائے تو نتیجہ اسکے سوا نہیں ہوگا کہ تم زمین میں فساد پھیلاؤ گے اور رشتوں قربتوں کو توڑ ڈالو گے۔

صلہ رحمی کی سخت تاکید اور لفظ ارحام رحم کی جمع ہے جو ماں کے پیٹ میں انسان کی تخلیق کا مقام ہے۔ چونکہ عام رشتوں قربتوں کی بنیاد وہیں سے چلتی ہے اسلئے محاورات میں رحم بمعنی قربت اور رشتہ کے استعمال کیا جاتا ہے تفسیر روح المعانی میں اس جگہ اسپر فضیلی بحث کی ہے کہ ذوی الارحام اور ارحام کا لفظ کن کن قربتوں پر حاوی ہے۔ اسلام نے رشتہ داری اور قربت کے حقوق پورے کرنے کی بڑی تاکید فرمائی ہے صحیح بخاری میں حضرت ابو ہریرہؓ اور دوسرے دو اصحاب سے اس مضمون کی حدیث نقل کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جو شخص صلوٰۃ رحمی کرے اللہ تعالیٰ اس کو اپنے قریب کرے اور جو رشتہ قربت قطع کرے اللہ تعالیٰ اس کو قطع کر دیں گے جس سے معلوم ہوا کہ اقربا اور رشتہ داروں کے ساتھ اقوال و افعال اور مال کے خرچ کرنا احسان کا سلوک کرنے کا تاکید ہے حدیث مذکور میں حضرت ابو ہریرہؓ نے اس آیت قرآن کا حوالہ بھی دیا کہ اگر چاہو تو یہ آیت پڑھ لو۔ اور ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ کوئی ایسا گناہ جس کی سزا اللہ تعالیٰ دنیا میں بھی دیتا ہے اور آخرت میں اسکے علاوہ ظلم اور قطع رحمی کے برابر نہیں (رواہ ابو داؤد و الترمذی و ابن کثیر) اور حضرت ثوبانؓ کی حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص چاہتا ہو کہ اس کی عمر زیادہ ہو اور رزق میں برکت ہو اسکو چاہیے کہ صلوٰۃ رحمی کرے یعنی رشتہ داروں کے ساتھ احسان کا معاملہ کرے۔ احادیث صحیحہ میں یہ بھی ہے کہ قربت کے حق کے معاملہ میں دوسری طرف سے برابری کا خیال نہ کرنا چاہیے اگر دوسرا بھائی قطع تعلق اور ناروا سلوک بھی کرتا ہے جب بھی تمھیں حسن سلوک کا معاملہ کرنا چاہیے۔ صحیح بخاری میں ہے لیس الواصل بالماکافی ولو کن الواصل الذی اذا قطعت رحمہ وصلہا یعنی وہ شخص صلوٰۃ رحمی کرنے والا نہیں جو صرف برابر کا بدلہ دے بلکہ صلوٰۃ رحمی کرنا والا وہ ہے کہ

جب دوسری طرف سے قطع تعلق کا معاملہ کیا جائے تو یہ لانے اور جوڑنے کا کام کرے (ابن کثیر)
 اُولَٰئِكَ الَّذِيْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ، یعنی ایسے آدمی جو زمین میں فساد پھیلائیں اور رشتوں
 قریبوں کو قطع کریں اُن پر اللہ تعالیٰ نے لعنت فرمائی ہے یعنی ان کو اپنی رحمت سے دور کر دیا
 حضرت فاروق اعظمؓ نے اسی آیت سے ام الولد کی بیع کو حرام قرار دیا، یعنی وہ ملک کنیز جس سے
 کوئی اولاد پیدا ہو چکی ہو اس کو فروخت کرنا اس اولاد سے قطع رحمی کا ذریعہ ہے جو موجب لعنت ہے
 اسلئے اُم ولد کی فروخت کو حرام قرار دیا (رواہ الحاکم وصحیح وابن المنذر عن بریدہ)

کسی معین شخص پر لعنت کا حکم اور لعن یزید کی بحث | اور حضرت امام احمد کے صاحبزادے عبد اللہ نے اُن سے یزید پر لعنت
 کرنے کی اجازت کے متعلق سوال کیا تو فرمایا کہ اُس شخص پر کیوں لعنت
 کی جائے جس پر اللہ نے اپنی کتاب میں لعنت کی ہے۔ صاحبزادے نے عرض کیا کہ میں نے تو
 قرآن کو پورا پڑھا اُس میں کہیں یزید پر لعنت نہیں آئی آپ نے یہ آیت پڑھی اور فرمایا کہ یزید کو
 زیا دہ کون قطع ارحام کا مرتکب ہو گا جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رشتہ و قرابت کی
 بھی رعایت نہیں کی، مگر جمہور اُمت کے نزدیک کسی معین شخص پر لعنت کرنا جائز نہیں جب
 تک کہ اس کا کفر پر مزنا یقینی طور پر ثابت نہ ہو۔ ہاں عام وصف کیساتھ لعنت کرنا جائز ہے
 جیسے لعنة اللہ علی الکاذبین، لعنة اللہ علی المفسدین ولعنة اللہ علی قاطع الرحم وغیرہ، روح المعانی
 میں اس جگہ اس مسئلہ پر مفصل بحث کی ہے (روح ص ۵۷ ج ۲۶)

اَمْ عَلٰی قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا، دل پر قفل لگ جانے کے وہی معنی ہیں جسکو دوسری آیتوں میں
 ختم اور طبع یعنی نہر لگ جانے سے تعبیر کیا گیا اور مراد اس سے دل کا سخت اور ایسا بے حس
 ہو جانا ہے کہ اچھے کو بُرا اور بُرے کو اچھا سمجھنے لگے۔ بے پروائی کے ساتھ مسلسل گناہوں میں
 لگا رہنا عموماً اسکا سبب ہوتا ہے نعوذ باللہ منہ

الشَّيْطٰنُ سَوَّلَ لَهُمْ وَاَمَلٰى لَهُمْ، اسیں شیطان کی طرف دو کاموں کی نسبت کی
 گئی۔ ایک تسویل جس کے معنی تزیین کے ہیں کہ بُری چیز یا بُرے عمل کو کسی کی نظروں میں اچھا
 اور مزین کر دے۔ دوسرا ملار جس کے معنی اہمال اور مہلت دینے کے ہیں مراد یہ کہ شیطان
 نے اول تو ان کے بُرے اعمال کو اُن کی نظروں میں اچھا اور مزین کر کے دکھلایا پھر ان کو ایسی
 طویل آرزوؤں اور اُمیدوں میں الجھا دیا جو پوری ہونے والی نہیں۔

اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ اَنْ يَّنْصُرُوْهُمْ اللّٰهُ اَضْغَاثَهُمْ، اضغان
 جمع ضغن کی ہے جس کے معنی مخفی عداوت اور حسد و کینہ کے ہیں۔ منافقین جو اسلام کا دعویٰ اور
 ظاہر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کا اظہار اور باطن میں عداوت و کینہ رکھتے تھے

ان کے بارے میں نازل ہوا کہ یہ لوگ اللہ رب العالمین کو عالم الغیب جانتے ہوئے اس بات سے کیوں بے فکر ہیں کہ اللہ تعالیٰ انکے باطنی راز اور مخفی عداوت کو لوگوں پر ظاہر کر دیں۔ ابن کثیرؒ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ براءت میں انکے ایسے اعمال و افعال اور حرکتوں کا پتہ دیدیا جن سے منافقین کے نفاق کا پتہ چل جائے اور وہ پہچانے جائیں، اسی لئے سورۃ براءت کو فاضل بھی کہا جاتا ہے یعنی رسولؐ کرنے والی کیونکہ اس نے منافقین کی خاص خاص علامتیں ظاہر کر دی ہیں۔

وَكُوْنُكُمْ اَعْلَانٌ لِّبِكُمْ كَمَا عَلِمْتُمْ لِسِيْرَكُمْ، یعنی اگر ہم چاہیں تو آپ کو با متعین منافقین کو دکھلا دیں اور ان کا ایسا حلیہ بتلا دیں جس سے آپ ہر ایک منافق کو شخصی طور پر پہچان لیں قرآن نے اس مضمون کو بحرف کو بیان کیا ہے جس کا استعمال ایسی شرط کے لئے ہوتا ہے جس کا وقوع ہوا ہو، اس لئے معنی آیت کے یہ ہوتے ہیں کہ اگر ہم چاہتے تو ہر منافق کو آپ کو شخصی طور پر متعین کر کے بتلا دیتے مگر ہم نے حکمت و مصلحت اپنے حلم و بردباری سے ان کو اس طرح رسولؐ کرنا پسند نہیں کیا تاکہ ضابطہ یہ قائم رہے کہ تمام امور کو انکے ظاہر پر محمول کیا جائے اور باطنی حالات اور قلبی مضمرات کو صرف علیم و خبیر اللہ تعالیٰ کے سپرد کیا جائے، البتہ آپ کو ایسی بصیرت ہم نے دیدی کہ آپ منافق کو خود انھیں کے کلام سے پہچان لیں، وَلَتَعْرِفَنَّهُمْ فِي الْحَنَقِ الْقَوْلِ کا یہی مفہوم ہے اور ابن کثیرؒ حضرت عثمان بن عفانؓ نے فرمایا کہ جو شخص کوئی چیز اپنے دل میں چھپاتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو اس کے چہرے سے اور سبقت لسانی سے ظاہر کر دیتے ہیں یعنی دوران گفتگو اس سے کچھ ایسے کلمات نکل جاتے ہیں جس سے اس کا دلی راز ظاہر ہو جائے۔ ایسی ہی ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ جو شخص اپنے دل میں کوئی بات چھپاتا ہے اللہ تعالیٰ اسکے وجود پر اس چیز کی چادر اڑھا دیتے ہیں۔ اگر وہ چیز کوئی اچھی بھلی ہے تو وہ ظاہر ہو کر رہتی ہے اور بُری ہو تو وہ ظاہر ہو کر رہتی ہے۔ اور بعض روایات حدیث میں یہ بھی آیا ہے کہ منافقین کی ایک جماعت کا آپ کو شخصی طور پر بھی علم دیدیا گیا تھا جیسا کہ مسند احمد میں عقبہ ابن عمروؓ کی حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خطبہ میں خاص خاص منافقین کے نام لیکر ان کو مجلس سے اٹھا دیا اسیں چھتیس آدمیوں کے نام شمار کئے گئے ہیں (ابن کثیر)

حَتَّى تَعْلَمَ الْمُجَاهِدِيْنَ مِنْكُمْ، اللہ تعالیٰ کو تو ازل سے ہر شخص کے اعمال و افعال کا علم محیط ازلی ابدی ہے۔ یہاں علم سے مراد ظہور و وقوع ہے۔ یعنی جو چیز اللہ تعالیٰ کے علم میں پہلے سے تھی اس کا وقوع و ظہور ہو کر واقعاتی علم ہو جائے (ابن کثیر) واللہ اعلم

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدَّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَشَاقُّوْا الرِّسَالَ

جو لوگ منکر ہوئے اور روکا انھوں نے اللہ کی راہ سے اور مخالف ہو گئے رسول سے

مِنْ بَعْدٍ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْهُدَىٰ لَنْ يَضُرُّوهُمُ شَيْئًا وَهُمْ سَابِقُونَ

بعد اسکے کہ ظاہر ہو چکی ان پر سیدھی راہ نہ بگاڑ سکیں گے اللہ کا کچھ اور وہ اکارت کر دینا

أَعْمَالَهُمْ ۖ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ

ان کے سب کام اے ایمان والو حکم پر چلو اللہ کے اور حکم پر چلو رسول کے

وَلَا تُبْطِلُوا أَعْمَالَكُمْ ۚ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَاصْدَدُوا عَنْ سَبِيلِ

اور ضائع مت کرو اپنے کئے ہوئے کام جو لوگ منکر ہوئے اور روکا لوگوں کو اللہ کی راہ

اللَّهِ ثُمَّ مَاتُوا وَهُمْ كُفَّارٌ فَلَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَهُمْ ۚ فَلَا تَهْوُوا

سے پھر مر گئے اور وہ منکر ہی رہے تو ہرگز نہ بخشے گا ان کو اللہ سو تم بودے نہ ہوئے جاؤ

تَدْعُوا إِلَى السَّلَامِ وَأَنْتُمْ لَا عَلَوْنَ ۚ وَاللَّهُ مَعَكُمْ وَلَنْ يَتْرُكُمْ

اور لگو پکارنے صلح اور تم ہی رہو گے غالب اور اللہ تمہارے ساتھ ہے اور نقصان نہ دینگا تم کو

أَعْمَالَكُمْ ۚ إِنَّمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَلَهُمْ وَإِنْ تَوَلَّوْا

تمہارے کاموں میں یہ دنیا کا جینا تو کھیل ہے اور تم تماشا اور اگر تم یقین لاؤ گے اور

تَتَّقُوا يُؤْتِكُمْ أَجُورَكُمْ وَلَا يَسْأَلْكُمْ أَمْوَالَكُمْ ۚ إِنَّ يَسْأَلْكُمْ

بچکر چلو گے دے گا تم کو تمہارا بدلہ اور نہ مانگے گا تم سے مال تمہارے اگر مانگے تم سے وہ مال

فَيُفْسِدْكُمْ يَتَخَلَّوْا وَيُخْرِجْ أَضْغَانَكُمْ ۚ هَآأَنْتُمْ هَؤُلَاءِ تَدْعُونَ

پھر تم کو تنگ کرے تو بخل کرنے لگو اور ظاہر کر دے تمہارے دل کی خفگیاں، سنتے ہو تم لوگ، تم کو بلاتے ہیں

لِتُفَقُّوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَمِنْكُمْ مَنْ يَبْخَلْ وَمَنْ يَبْخَلْ فَإِنَّمَا

کہ غریب کرو اللہ کی راہ میں پھر تم میں کوئی ایسا ہے کہ نہیں دیتا اور جو کوئی نہ دے گا سو

يَبْخَلْ عَنْ نَفْسِهِ وَاللَّهُ الْغَنِيُّ وَأَنْتُمُ الْفُقَرَاءُ ۚ وَإِنْ تَتَوَلَّوْا

نہ دینا آپ کو اور اللہ بے نیاز ہے اور تم محتاج ہو اور اگر تم پھر جاؤ گے

يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُونُوا أَمْثَالَكُمْ ۚ

تو بدلے گا اور لوگ تمہارے سوائے، پھر وہ نہ ہوں گے تمہاری طرح کے

خلاصہ تفسیر

بے شک جو لوگ کافر ہوئے اور انہوں نے (اوروں کو بھی) اللہ کے رستہ (یعنی دین حق) سے روکا اور رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی مخالفت کی بعد اسکے کہ ان کو (دین کا) راستہ (دلائل عقلیہ سے مشرکین کے لئے اور نقلیہ سے بھی اہل کتاب کے لئے) نظر آچکا تھا یہ لوگ اللہ

(کے دین) کو کچھ نقصان نہ پہنچا سکیں گے (بلکہ یہ دین ہر حال میں پورا ہو کر رہے گا چنانچہ ہوا) اور اللہ تعالیٰ ان کی کوششوں کو (جو دین حق کے مٹانے کے لئے عمل میں لا رہے ہیں) مٹا دے گا اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور (چونکہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اللہ ہی کا حکم بتلاتے ہیں خواہ خاص طور پر وحی الہی میں اس کا حکم ہوا ہو یا وحی الہی میں کئی ضابطہ بیان فرمایا گیا ہو، اور اس خاص حکم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ضابطہ میں داخل ہونے کی بنا پر حکم دیا ہو اس لئے) رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی (بھی) اطاعت کرو اور (کفار کی طرح اللہ و رسول کی نعت کر کے) اپنے اعمال کو برباد مت کرو (اس کی تفصیل معارف و مسائل میں آئے گی) بیشک جو لوگ کافر ہوئے اور انہوں نے اللہ کے رستے سے روکا پھر وہ کافر ہی رہ کر مر (بھی) گئے، سو خدا تعالیٰ ان کو کبھی نہ بخشے گا (عدم مغفرت کے لئے کفر کے ساتھ صدہ عن سبیل اللہ شرط نہیں بلکہ صرف کفر و الی الموت تک کا یہی اثر ہے لیکن زیادت تشبیح کے لئے یہ قید واقعی بڑھادی کہ اس وقت کے رؤسائے کفار میں یہ امر بھی متحقق تھا، آگے مومنین کے مدایح اور کفار کے قباہ پر بطور تفریع کے فرماتے ہیں کہ جب معلوم ہو گیا کہ مسلمان خدا کے محبوب اور کفار مبغوض ہیں) تو (اے مسلمانو) تم (کفار کے مقابلہ میں) ہمت مت ہارو اور (ہمت ہار کر ان کو) صلح کی طرف مت بلاؤ اور تم ہی غالب رہو گے (اور وہ مغلوب ہونگے کہ تم محبوب ہو اور وہ مبغوض ہیں) اور اللہ تمہارے ساتھ ہے (یہ تو تم کو دنیا کی کامیابی ہوئی) اور (آخرت میں یہ کامیابی ہوگی) اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال (کے ثواب) میں ہرگز کمی نہ کرے گا (یہ تو ہمت افزائی کر کے جہاد کی ترغیب تھی آگے دنیا کے فانی ہونے کا ذکر کر کے جہاد کی ترغیب اور اتفاق فی سبیل اللہ کی تمہید ہے کہ) یہ دنیوی زندگی تو محض ایک لہو و لعب ہے (اگر اس میں جان اور مال کو اپنے فائدہ کے لئے بچانا چاہے تو وہ فائدہ ہی کتنے دن کا ہے اور کیا اس کا حاصل) اور اگر تم ایمان اور تقویٰ اختیار کرو (جس میں جہاد بانفس والمال بھی آگیا) تو (تم کو تو اپنے پاس سے نفع پہنچا دے گا اس طرح کہ) تم کو تمہارے اجر عطا کرے گا اور (تم سے کسی نفع کا طالب نہ ہو گا چنانچہ) تم سے تمہارے مال (تک بھی جو کہ جان سے اہون ہے اپنے نفع کے لئے) طلب نہیں کرے گا (جب تم سے ایسی چیز نہیں طلب کرتا جس کا دینا آسان ہے تو جان جس کا دینا مشکل ہے وہ تو کیوں طلب کرے گا چنانچہ ظاہر ہے کہ ہمارے جان و مال کے خرچ کرنے سے اللہ تعالیٰ کا کوئی نفع نہیں اور نہ یہ ممکن ہے و انذا کقولہ تعالیٰ وَهُوَ يُطِيعُ وَلَا يُطِيعُ چنانچہ) اگر (امتحاناً) تم سے تمہارے مال طلب کرے پھر انتہا درجہ تک تم سے طلب کرتا رہے (یعنی سب مال طلب کرنے لگے) تو تم (یعنی تم میں سے اکثر) بخل کرنے لگو (یعنی دینا گوارا نہ کرو) اور (اس وقت) اللہ تعالیٰ

تمھاری ناگواری ظاہر کر دے (یعنی نہ دینے سے کہ فعل ظاہری ہے باطنی ناگواری کھل جاوے اس لئے یہ فرد ممکن بھی واقع نہیں کی گئی اور) ہاں تم لوگ ایسے ہو کہ تم کو اللہ کی راہ میں (جس کا نفع تمھاری طرف عام ہونا یقینی ہے تھوڑا سا حصہ مال کا) خرچ کرنے کے لئے بلایا جانا ہو (اور بقیہ اکثر تمھارے قبضہ میں چھوڑ دیا جاتا ہے) سو (اس پر بھی) بعض تم میں سے وہ ہیں جو بخل کرتے ہیں، اور (آگے اس فرد واقع پر بخل کی مذمت ہے کہ) جو شخص (ایسی جگہ خرچ کر نیسے) بخل کرتا ہے تو وہ (درحقیقت) خود اپنے سے بخل کرتا ہے (یعنی اپنے ہی کو اس کے نفع دائمی سے محروم رکھتا ہے) اور (نہیں تو) اللہ تو کسی کا محتاج نہیں (تاکہ احتمال اسکے ضرر کا ہو) اور (بلکہ) تم سب (اسکے) محتاج ہو (اور تمھاری اس احتیاج کی رعایت سے تم کو انفاق کا حکم کیا گیا کیونکہ آخرت میں تم کو ثواب کی حاجت ہوگی اور طریق اس کا یہی اعمال ہیں اور) اگر تم (ہمارے احکام سے) روگردانی کرو گے تو خدا تعالیٰ تمھاری جگہ دوسری قوم پیدا کر دے گا (اور) پھر وہ تم جیسے (روگردانی کرنے والے) نہ ہونگے (بلکہ نہایت فرمایند) ہونگے، یہ کام اُن سے لیا جاوے گا اور اس طرح وہ حکمت پوری ہو جاوے گی)

معارف و مسائل

إِنَّ اللَّهَ تَعَالَى كَفَرُوا وَاصْلًا وَاعْنِ سَبِيلَ اللَّهِ، یہ آیت بھی منافقین اور یہودی قریظہ بنی نضیر کے متعلق نازل ہوئی ہے اور حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ یہ اُن منافقین کے متعلق ہے جنھوں نے غزوہ بدر کے موقع پر کفار قریش کی امداد اس طرح کی کہ انہیں سے بارہ آدمیوں نے انکے پورے لشکر کا کھانا اپنے ذمے لیا تھا، ہر روز اُن میں سے ایک آدمی لشکر کفار کے کھانیکا انتظام کرتا تھا۔ وَ سَيُفْعِلُ أَعْمَالَهُمْ، یہاں جب اعمال سے مراد یہ بھی ہو سکتا ہے کہ انکی اسلام کی مخالفت کو ششوں کو کامیاب ہونے دے بلکہ اکارت کر دے جیسا کہ خلاصہ تفسیر میں لکھا گیا ہے اور یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ انکے کفر و نفاق کی وجہ سے انکے نیک عمل مثل صدقہ خیرات وغیرہ کے سب اکارت ہو جائینگے قابل قبول نہ ہونگے لَا تَبْطُلُوا أَعْمَالَكُمْ، قرآن کریم نے اس جگہ جب اعمال کے بجائے ابطال اعمال کا لفظ استعمال فرمایا ہے جسکا مفہوم بہت عام ہے کیونکہ ابطال کی ایک تو وہ صورت ہے جو کفر کی وجہ سے پیش آتی ہے جس کو اوپر آیت میں جب اعمال کے لفظ سے تعبیر فرمایا ہے کیونکہ کافر اصلی کا تو کوئی عمل بوجہ کفر کے مقبول ہی نہیں اور جو اسلام لانے کے بعد مرتد ہو گیا تو زمانہ اسلام کے اعمال اگرچہ لائق قبول تھے مگر اسکے کفر و ارتداد نے ان سب اعمال کو بھی اکارت کر دیا۔ دوسری صورت ابطال اعمال کی یہ بھی ہے کہ بعض اعمال صالحہ کے لئے کچھ دوسرے اعمال

صالحہ شرطیں تو جس شخص نے اُس شرط کو ضائع کر دیا تو اس کا یہ عمل صالح بھی ضائع ہو گیا جو اس شرط کے ساتھ مشروط تھا۔ مثلاً ہر عمل صالح کے قبول ہونے کی شرط یہ ہے کہ وہ خالص اللہ کے لئے ہو، ریا و تمعہ اسمیں نہ ہو یعنی محض لوگوں کے دکھانے یا سنانے کے لئے یہ عمل نہ کیا ہو۔ قرآن کریم کا ارشاد ہے وَمَا أَمْرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ اور دوسری جگہ فرمایا لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ الدِّينُ الْخَالِصُ تو جس شخص کے نیک اعمال ریا و نمود کے لئے ہوں وہ عمل اللہ کے نزدیک باطل ہو جائے گا۔ اسی طرح صدقات کے بارے میں خود قرآن نے تصریح فرمادی لَا تُبْطِلُوا صَدَقَاتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْكَذِبِ یعنی اپنے صدقات کو احسان جتلا کر یا غریب کو ایذا دیکر باطل نہ کرو۔ معلوم ہوا کہ جس نے صدقہ دیکر غریب پر احسان جتلا یا اُسے کوئی اور ایذا پہنچائی اس کا صدقہ باطل ہے۔ یہی مفہوم ہو سکتا ہے حضرت حسن بصری کے قول کا جو انھوں نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا کہ اپنی نیکیوں کو گناہوں کے ذریعہ باطل نہ کرو، جیسا کہ ابن جریر کا قول ہے یعنی بِالْإِثْمِ وَالْمُنْعَةِ اور مقال وغیرہ نے فرمایا بِالْمَنِّ، کیونکہ باتفاق اہل سنت و اجماع کفر و شرک کے علاوہ کوئی گناہ اگرچہ کبیرہ ہو ایسا نہیں جو مومن کے تمام اعمال صالحہ کو جبط اور باطل کر دے مثلاً کسی شخص نے چوری کر لی اور وہ نماز روزہ کا پابند ہے تو شرعاً اس کو یہ نہیں کہا جائیگا کہ تیری نماز اور روزہ بھی باطل ہو گئے اسکی قصداً کہ اسلئے ابطال اعمال بالمعاصی سے مراد وہی معاصی ہونگے جن کے نہ کرنے پر عمل کی مقبولیت کا مدار ہے جیسا ریا و نمود کا انکار ہونا ہر عمل صالح کی مقبولیت کی شرط ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ حضرت حسن بصری کے قول میں ابطال اعمال سے مراد اعمال صالحہ کی برکات سے محرومی ہو نفس عمل کا ضائع ہو جانا مراد نہ ہو تو یہ تمام معاصی کے لئے شرط ہے۔ جس شخص کے اعمال میں معاصی کا غلبہ ہو تو اس کے تھوڑے سے نیک اعمال میں بھی وہ برکت نہیں ہوتی کہ عذاب سے بچائے بلکہ وہ اپنے اعمال کی سزا قاعدہ کی مطابق بھگتے گا مگر بالآخر اپنے ایمان کی برکت سے سزا بھگتنے کے بعد انجام کار نجات پائے گا۔

مسئلہ تیسری صورت ابطال عمل کی یہ بھی ہے کہ کوئی نیک عمل کر کے اس کو قصداً فاسد کر دے مثلاً نفل نماز یا روزہ شروع کرے پھر بغیر کسی عذر کے اس کو قصداً فاسد کر دے یہ بھی اس آیت کے ذریعہ ناجائز قرار پایا، امام اعظم ابو حنیفہ کا یہی مذہب ہے کہ جو اعمال صالحہ ابتداءً فرض یا واجب نہیں تھے مگر کسی نے ان کو شروع کر دیا تو اب انکی تکمیل اس آیت کی رو سے واجب ہو گئی تاکہ ابطال عمل کا مرتکب نہ ہو، اگر کسی نے ایسا عمل شروع کر کے بلا عذر کے چھوڑ دیا یا قصداً فاسد کر دیا تو وہ گناہگار بھی ہو اور اس کے ذمہ قضا بھی لازم ہے۔ امام شافعی کے نزدیک نہ تو قضا لازم ہے اور نہ اس کے فاسد کرنے کا گناہگار ہو گا کیونکہ جب ابتداءً یہ عمل فرض یا واجب نہیں تھا تو بعد میں بھی فرض و واجب نہیں جس کے ترک یا فساد سے گناہ لازم آئے مگر حنفیہ کے نزدیک آیت مذکورہ کے الفاظ عام ہیں ہر عمل صالح کو شامل ہیں خواہ پہلے فرض واجب ہو یا نفلی طور پر کرنا شروع کر دیا ہو تو شروع کرنے سے وہ نفلی

فَلَا تَهْتَفُوا وَتَنَادُوا إِلَى السَّلَامِ، اس آیت میں کفار کو صلح کی دعوت دینے کی ممانعت کی گئی ہے اور قرآن کریم میں دوسری جگہ ارشاد ہے وَإِنْ جَاءَكُمْ السَّلَامُ فَاقْبَلُوهَا یعنی اگر کفار صلح کی طرف مائل ہوں تو آپ بھی مائل ہو جائیے جس سے صلح کی اجازت معلوم ہوتی ہے اس لئے بعض حضرات نے فرمایا کہ اجازت والی آیت اس شرط کیساتھ ہے کہ کفار کی طرف سے صلح جوئی کی ابتداء ہو اور اس آیت میں جس کو منع کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ مسلمانوں کی طرف سے صلح کی درخواست کی جائے اس لئے دونوں آیتوں میں کوئی تعارض نہیں مگر صحیح یہ ہے کہ مسلمانوں کے لئے ابتداء صلح کر لینا بھی جائز ہو جبکہ مصلحت مسلمانوں کی اسیں دیکھی جائے۔ محض بزدلی اور عیش کوشتی اسکا سبب نہ ہو اور اس آیت نے شروع میں فَلَا تَهْتَفُوا کہہ کر اس طرف اشارہ کر دیا کہ ممنوع وہ صلح ہے جسکا انتشار بزدلی اور الشریک راہ میں جہاد کرنے سے فرار ہو اس لئے اسیں بھی کوئی تعارض نہیں کہ وَإِنْ جَاءَكُمْ السَّلَامُ کی آیت کے حکم کو اس صورت کیساتھ مقید کیا جائے جس میں صلح جوئی کا سبب دُھن اور سستی بزدلی نہ ہو بلکہ خود مسلمانوں کی مصلحت کا تقاضا ہو۔ واللہ اعلم

وَلَنْ يَتَذَكَّرَ أَعْمَا لَكُمْ، یعنی اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کی جزا میں کوئی کمی نہیں کریگا، اشارہ اس طرف ہے کہ دنیا میں کوئی تکلیف بھی پہنچ گئی تو اسکا اجر عظیم آخرت میں ملنے والا ہے اسلئے مومن تکلیف کی حالت میں بھی ناکام نہیں۔

۱۔ اَلْمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا، چونکہ جہاد سے روکنے والی چیز انسان کے لئے دُنیا کی محبت ہی ہو سکتی ہے، جس میں اپنی جان کی محبت، اہل و عیال کی محبت مال و دولت کی محبت سب نے اخل ہیں اس آیت میں یہ تبلا دیا گیا ہے کہ یہ سب چیزیں بہر حال ختم اور فنا ہونیوالی ہیں اسوقت انکو بچا بھی لیا تو پھر کیا، دوسرے وقت یہ چیزیں ہاتھ سے نکلیں گی اسلئے ان فانی اور ناپائیدار چیزوں کی محبت کو آخرت کی دائمی پائیدار نعمتوں کی محبت پر غالب نہ آنے دو۔

وَلَا يَسْئَلُكُمْ أَمْوَالُكُمْ، اس آیت کا ظاہری مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تم سے تمہارے مال طلب نہیں کرتا مگر پوسے قرآن میں زکوٰۃ و صدقات کے احکام اور اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنے کے بیشمار مواقع آئے ہیں اور خود اس کے بعد ہی دوسری آیت میں اتفاق فی سبیل اللہ کی تاکید آ رہی ہے اس لئے بظاہر ان دونوں میں تعارض معلوم ہوتا ہے اس لئے بعض حضرات نے لَا يَسْئَلُكُمْ کا یہ مفہوم قرار دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے اموال تم سے کسی اپنے نفع کے لئے نہیں مانگتا بلکہ تمہارے ہی فائدہ کے لئے مانگتا ہے جس کا ذکر اسی آیت میں بھی یُؤْتِكُمْ أَجْرَكُمْ کے الفاظ سے کر دیا گیا ہے کہ تم سے جو کچھ اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کیلئے کہا گیا وہ اس لئے ہے کہ آخرت میں جہاں تمہیں سب سے زیادہ ضرورت نیکیوں کی ہوگی اس وقت یہ خرچ کرنا تمہارا کام آئے وہاں تمہیں اس کا اجر ملے۔ مذکور القدر خلاصہ تفسیر میں اسی مفہوم کو اختیار کیا گیا ہے، اسکی نظیر یہ آیت مَا آتَيْنَا مِنْهُمْ مِنْ رِزْقٍ یعنی اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم تم سے اپنے لئے کوئی رزق نہیں لیتے نہ اسکی ہمیں حاجت ہے اور بعض حضرات نے اس آیت کا مفہوم یہ قرار دیا ہے کہ لَا يَسْئَلُكُمْ سے مراد پورا مال طلب کر لینا (دہوتوں بن عیینہ قرطبی) اس کا قرینہ اگلی آیت ہے جس میں فرمایا ہے اِنْ يَسْئَلُكُمْ فَاْتِيْكُمْ فَاْتِيْكُمْ كَيْونَكُمُ خِفَ احفاز سے شق ہے جس کے معنی مبالغہ اور کسی کام میں آخر تک پہنچ جانیکے ہیں۔ اس دوسری آیت کا مفہوم سب کے نزدیک ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ تم سے تمہارے اموال پورے طلب کرتا تو تم بخل کرنے لگتے اور اس حکم کی تعمیل تمہیں ناگوار ہوتی یہاں تک کہ ادائیگی کے وقت تمہاری یہ ناگواری ظاہر ہو جاتی۔ خلاصہ یہ ہے کہ پہلی آیت میں لَا يَسْئَلُكُمْ سے مراد یہی ہے جو دوسری آیت میں فَاْتِيْكُمْ کی قید کیساتھ آیا ہے تو مطلب ان دونوں آیتوں کا یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ مالی فرائض زکوٰۃ وغیرہ تم پر عائد کئے ہیں اول تو وہ خود تمہارے ہی فائدہ کیلئے ہیں اللہ تعالیٰ کا کوئی اپنا فائدہ نہیں، دوسرے پھر ان فرائض میں اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے تمہارے مال کا اتنا تھوڑا سا جزو فرض کیا ہے جو کسی طرح بار خاطر نہ ہونا چاہیے زکوٰۃ میں چالیسواں حصہ زمین کی پیداوار میں دسواں یا بیسواں حصہ، سو بکریوں میں سے ایک بکری، تو معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے پورے اموال تو طلب نہیں کئے جس کا دینا ناگوار اور بار خاطر طبعاً ہوتا بلکہ اس کا قلیل طلب فرمایا ہے اس لئے تمہارا فرض ہے کہ اسکو خوشحالی کیساتھ ادا کیا کرو۔ اور اس دوسری آیت میں جو ارشاد ہے يَخْرُجُ اَصْغَارُكُمْ اس میں اصغران جمع ضغن کی ہے جس کے معنی مخفی کینہ اور مخفی کراہت کے ہیں اس جگہ بھی مخفی کراہت و ناگواری مراد ہے یعنی طبعی طور پر انسان کو اپنا پورا مال بخشش کر دینا ناگوار ہوتا ہے جسکو وہ ظاہر بھی نہ کرنا چاہے تو ادائیگی کے وقت مال مثول وغیرہ سے یہ ناگواری کھل ہی جاتی ہے تو حاصل ارشاد کا یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ تم سے پورے اموال کا مطالبہ کر لیتا تو تم بخل کرنے لگتے اور بخل کی وجہ سے جو ناگواری اور کراہت تمہارے دلوں میں ہوتی

وہ لا محالہ ظاہر ہو جاتی۔ اس لئے اُس نے تمہارے اموال میں سے ایک حقیر اور قلیل حصہ تم پر فرض کیا ہے تم اس میں بھی بخل کرنے لگے اسی کا بیان آخری آیت میں اس طرح فرمایا ہے کہ

تَذَكُّونَ لَسْتُمْ فُقَرَاءُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَمِنْكُمْ مَنْ يَبْخُلُ، یعنی تم کو تمہارے اموال کا کچھ حصہ فی سبیل اللہ خرچ کرنے کی طرف دعوت دی جاتی ہے تو تم میں سے بعض اس میں بھی بخل کرنے لگتے ہیں اس کے بعد فرمایا کہ وَمَنْ يَبْخُلْ فَإِنَّمَا يَبْخُلْ لِنَفْسِهِ، یعنی جو شخص اس میں بھی بخل کرتا ہے وہ کچھ اللہ کا نقصان نہیں کرتا بلکہ خود اپنی جان کا نقصان اس بخل کے ذریعہ کرتا ہے کہ آخرت کے ثواب سے محرومی اور ترک فرض کا وبال ہے۔ پھر اسی بات کو زیادہ وضاحت سے فرمادیا وَاللَّهُ الْغَنِيُّ وَأَنْتُمُ الْفُقَرَاءُ یعنی اللہ تو غنی ہے تم ہی حاجت مند ہو اللہ کی راہ میں خرچ کرنا خود تمہاری حاجت کا پورا کرنا ہے وَإِنْ تَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ فَسَبِّحْ لَهُ نَوْمًا لَّيْلًا وَلَا يَكُونُوا آمِنًا لَّكُمْ، اس آیت میں حق تعالیٰ کے غنی والا غنی ہونے کو اس طرح واضح کیا ہے کہ اللہ کو تمہارے اموال کی تو کیا خود تمہارے وجود کی بھی کوئی ضرورت نہیں، اگر تم سب کے سب ہمارے احکام کی تعمیل چھوڑ دو تو جب تک ہمیں دُنیا کو اور اس میں اسلام کو باقی رکھنا ہے ہم اپنے دین حق کی حفاظت اور اپنے احکام کی تعمیل کیلئے دوسری سی قوم پیدا کر دیں گے جو تمہاری طرح احکام شرعیہ سے گریز اور اعراض نہ کریں بلکہ ہماری مکمل اطاعت کریں۔ حضرت حسن بصریؒ نے فرمایا کہ مراد اس سے عجبی لوگ ہیں، اور حضرت عکرمہؒ نے فرمایا کہ اس سے مراد فارس اور روم ہیں اور حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کی تلاوت صحابہ کرام کے سامنے فرمائی تو صحابہ کرام نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ وہ ایسی کونسی قوم ہے کہ اگر ہم (خدا نخواستہ) احکام دین سے روگردانی کرنے لگیں تو وہ ہمارے بدلے میں لائی جائے گی اور پھر وہ ہماری طرح احکام سے روگردانی نہیں کریں گی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سلمان فارسیؓ (جو مجلس میں موجود تھے) کی رائے پر ہاتھ مار کر فرمایا کہ یہ اور اسکی قوم، اور اگر (بالفرض) دین حق تریا ستارے پر بھی ہوتا جہاں لوگوں کی رسائی مشکل ہوتی تو فارس کے کچھ لوگ ہاں بھی پہنچ کر دین کو حاصل کرتے اور اسپر عمل کرتے (رواہ الترمذی والحاکم وصحاحہ وابن حبان منظرہ) شیخ جلال الدین سیوطیؒ نے اپنی کتاب جو ابو حنیفہؒ کے مناقب میں لکھی ہے اس میں فرمایا ہے کہ اس سے مراد ابو حنیفہ اور اسکے اصحاب ہیں کیونکہ ابن فارس میں کوئی جماعت علم کے اُس مرتبہ پر نہیں پہنچی جس پر ابو حنیفہ اور اسکے اصحاب پہنچے ہیں (حاشیہ تفسیر منظرہ)

تَمَّتْ بِحَمْدِ اللَّهِ تَعَالَى دَعْوَةُ سُوْرَةِ مُحَمَّدٍ (صَلَّى اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم) الرَّابِعَ عَشْرَ مِنْ

شَعْبَانَ ۱۴۰۳ھ یَوْمَ السَّبْتِ بَعْدَ الْعَصْرِ

سُورَةُ الْفَتْحِ

سُورَةُ الْفَتْحِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ ثَمَانِيَةٌ وَعِشْرُونَ آيَةً وَأَرْبَعُ رُكُوعَاتٍ
سُورَةُ فَتَحْ مدینہ میں نازل ہوئی اسکی آیتیں آیتیں ہیں اور چار رکوع

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُبِينًا ۝ لِيُغْفِرَ لَكَ اللَّهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ

ہم نے فیصلہ کر دیا تیرے واسطے صریح فیصلہ تا معاف کرے تجھ کو انشور جو آگے ہو چکے تیرے

ذُنُوبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ وَيُتِمَّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكَ وَيَهْدِيكَ صِرَاطًا مُسْتَقِيمًا ۝

گناہ اور جو پیچھے رہے، اور پورا کرے تجھ پر اپنا احسان اور چلائے تجھ کو سیدھی راہ

وَيَنْصُرَكَ اللَّهُ نَصْرًا عَزِيزًا ۝

اور مدد کرے تیری اللہ زبردست مدد

خُلاصَةُ تَفْسِيرِ

بیشک ہم نے (اس صلح حدیبیہ سے) آپ کو ایک کھلم کھلا فتح دی (یعنی صلح حدیبیہ سے یہ فائدہ ہوا کہ وہ سبب ہو گئی ایک فتح مطلوب یعنی فتح مکہ کا، اس لحاظ سے یہ صلح ہی فتح ہو گئی۔ اور فتح مکہ فتح مبین اسلئے کہا گیا کہ فتح سے مقصود شریعت اسلام میں کوئی حکمرانی نہیں بلکہ دین اسلام کا غلبہ مقصود ہوتا ہے) اور فتح مکہ سے یہ مقصود بڑی حد تک حاصل ہو گیا، کیونکہ تمام قبائل عرب اس بات کے منتظر تھے کہ اگر آپ اپنی قوم پر غالب آگئے تو ہم بھی اطاعت کر لیں گے۔ جب مکہ فتح ہوا تو چاروں طرف سے عرب کے قبائل اُمنڈ پڑے اور خود یا بواسطہ اپنے دُفود کے اسلام لانا شروع کیا (رواہ البخاری من ثمرین سلم) چونکہ غلبہ اسلام کے بڑے آثار فتح مکہ سے نمایاں ہوئے اسلئے اس کو فتح مبین فرمایا گیا، اور صلح حدیبیہ

اس فتح مکہ کا سبب اور ذریعہ اس طرح ہو گئی کہ اہل مکہ سے آئے دن لڑائی رہا کرتی تھی جس کی وجہ سے مسلمانوں کو اپنی قوت اور سامان بڑھانے کی مہلت و فرصت نہ ملتی تھی۔ حدیبیہ کے واقعہ میں جو صلح ہو گئی تو اطمینان کیساتھ مسلمانوں نے کوشش کی جس سے بہت سے نئے آدمی مسلمان ہو گئے اور مجمع مسلمانوں کا بڑھ گیا اور فتح خیبر وغیرہ سے سامان بھی درست ہو گیا اور ایسے ہو گئے کہ دوسروں پر دباؤ پڑ سکے، پھر قریش کی طرف سے عہد شکنی ہوئی تو آپ دس ہزار صحابہ کرام کیساتھ مقابلے کے لئے چلے۔ اہل مکہ اس قدر مرعوب ہوئے کہ زیادہ لڑائی بھی نہیں ہوئی اور اطاعت قبول کر لی اور جو لڑائی ہوئی بھی تو اتنی کم اور خفیف کہ اہل علم کا اس میں اختلاف ہو گیا کہ مکہ مکرمہ صلح کیساتھ فتح ہوا یا جنگ سے، غرض اس طرح یہ صلح سبب فتح ہو گئی اس لئے مجازی طور پر اس صلح کو بھی فتح فرمادیا گیا جس میں فتح مکہ کی پیشین گوئی بھی ہے۔ آگے اس فتح کے دینی اور دنیوی ثمرات و برکات کا بیان ہے کہ یہ فتح اس لئے میسر ہوئی تاکہ (تبلیغ دین اور دعوت حق میں آپ کی کوششوں کا نتیجہ اس طرح ظاہر ہو کہ کثرت سے لوگ اسلام میں داخل ہوں اور اس سے آپ کا اجر بہت بڑھ جائے اور کثرتِ اجر و قرب کی برکت سے) اللہ تعالیٰ آپ کی سب اگلی پچھلی (صوری) خطائیں معاف فرمادے اور آپ پر (جو اللہ تعالیٰ) اپنے احسانات (کرتا آتا ہے مثلاً آپ کو نبوت دی، قرآن دیا، بہت سے علوم دیئے بہت سے اعمال کا ثواب دیا ان احسانات) کی (اور زیادہ) تکمیل کر دے (اس طرح کہ آپ کے ہاتھ پر بہت سے لوگ اسلام میں داخل ہوں جس سے آپ کا اجر اور مقام قرب اور بلند ہو یہ دو نعمتیں تو آخرت سے متعلق ہیں) اور (دو نعمتیں دنیوی ہیں ایک یہ کہ) آپ کو بغیر کسی روک ٹوک کے (دین کے) سیدھے راستہ پر لے چلے (اور اگر چاہے کچھ طریقہ پر چلنا پہلے سے یقینی ہے مگر اس میں کفار کی مزاحمت ہوتی تھی اب مزاحمت نہیں رہے گی) اور (دوسری دنیوی نعمت یہ ہے کہ) اللہ آپ کو ایسا غلبہ دے جس میں عزت ہی عزت ہو (یعنی جسکے بعد آپ کو کبھی کسی سے دباؤ نہ پڑے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ تمام ہزیرۃ العرب پر آپ کا تسلط ہو گیا)

معارف و مسائل

جمہور صحابہ و تابعین اور ائمہ تفسیر کے نزدیک سورہ فتح سائنہ ہجری میں اُس وقت نازل ہوئی جبکہ آپ بقصد عمرہ مکہ مکرمہ مع جماعت صحابہ کے تشریف لے گئے اور حرم مکہ کے قریب مقام حدیبیہ تک پہنچ کر قیام فرمایا مگر قریش مکہ نے آپ کو مکہ میں داخل ہونے سے منع کیا پھر اس پر صلح کرنے کے لئے تیار ہوئے کہ اس سال تو آپ واپس چلے جائیں اگلے سال اس عمرہ کی قضاء کر لیں، بہت سے صحابہ کرام خصوصاً فاروق اعظمؓ اس طرح کی صلح سے ناراض تھے مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے باشاراتِ ربانی اس صلح کو انجام کار مسلمانوں کے لئے ذریعہ کامیابی سمجھ کر قبول فرمایا جس کی تفصیل آگے آتی ہے

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا احرام عمرہ کھول دیا اور حدیبیہ سے واپس روانہ ہوئے تو راستہ میں یہ سورت پوری نازل ہوئی جس میں بتلادیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خواب سچا ہو ضرور واقع ہوگا مگر اس کا یہ وقت نہیں بعد میں فتح کے وقت ہوگا اور اس صلح حدیبیہ کو فتح مبین سے تعبیر فرمایا کیونکہ یہ صلح ہی درحقیقت فتح مکہ کا سبب بنی۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور بعض دوسرے صحابہ کرام نے فرمایا ہے کہ تم لوگ تو فتح مکہ کو فتح کہتے ہو اور ہم صلح حدیبیہ کو فتح سمجھتے ہیں۔ اسی طرح جابرؓ نے فرمایا کہ ہم صلح حدیبیہ ہی کو فتح سمجھتے ہیں اور حضرت برار بن عازب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تم لوگ تو فتح مکہ ہی کو فتح سمجھتے ہو اور کوئی شک نہیں کہ وہ فتح ہے لیکن ہم تو واقعہ حدیبیہ کے وقت بیعت رضوان کو اصلی فتح سمجھتے ہیں جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حاضرین صحابہؓ کی تعداد چودہ سو تھی ایک درخت کے نیچے جہاد کرنے پر بیعت لی تھی جیسا کہ اسی سورت میں اُس بیعت کا ذکر بھی آگے آ رہا ہے (مخص از ابن کثیر) اور جبکہ یہ معلوم ہو گیا کہ یہ سورت واقعہ حدیبیہ میں نازل ہوئی ہے اور اس واقعہ کے بہت سے اجزاء کا خود اس صورت میں تذکرہ بھی ہے اس لئے مناسب معلوم ہوا کہ اس واقعہ کو پہلے ذکر کر دیا جائے۔ تفسیر ابن کثیر میں اس کی بڑی تفصیل ہے اور اُس سے زیادہ تفسیر مظہری میں اس جگہ چودہ صفحات میں یہ قصہ اول سے آخر تک مفصل اور مرتب مستند کتب حدیث کے حوالہ سے بیان کیا ہے جو بہت سے معجزات اور نصائح اور علمی۔ دینی۔ سیاسی فوائد و حکم پر مشتمل ہیں ہمیں سے یہاں اس قصہ کے صرف وہ اجزاء لکھے جاتے ہیں جن کا ذکر خود اس سورت میں کیا گیا ہے یا جن سے اس کا گہرا تعلق ہے تاکہ آگے اُن آیتوں کی تفسیر سمجھنا آسان ہو جائے جو اس قصہ سے متعلق ہیں اور یہ سب بیان تفسیر مظہری سے لیا گیا ہے اور جو کسی دوسری تفسیر سے لیا ہے اس کا حوالہ دیدیا ہے۔

واقعہ حدیبیہ | حدیبیہ، ایک مقام مکہ مکرمہ سے باہر حدود درم کے بالکل قریب ہے جس کو آج کل شمیمہ کہا جاتا ہے یہ واقعہ اس مقام پر پیش آیا ہے۔

جز و اول رسول اللہ | اس واقعہ کا ایک جز و روایت عبد بن حمید و ابن جریر دیہقی وغیرہ یہ ہے کہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خواب | رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ طیبہ میں یہ خواب دیکھا کہ آپؐ مکہ مکرمہ میں مع صحابہ کرام کے امن و اطمینان کیساتھ داخل ہوئے اور احرام سے فارغ ہو کر کچھ لوگوں نے حسب قاعدہ سرکاحق کرایا، بعض نے بال کٹوائے اور یہ کہ آپؐ بیت اللہ میں داخل ہوئے۔ اور بیت اللہ کی چابی آپؐ کے ہاتھ آئی، یہ اس واقعہ کا ایک جز و ہے جس کا ذکر اسی سورت میں آیا ہے (انبیاء علیہم السلام کا خواب وحی ہوتا ہے اس لئے اس صورت کا واقعہ ہونا یقینی ہو گیا مگر خواب میں اس واقعہ کے لئے کوئی سال یا مہینہ متعین نہیں کیا گیا، اور درحقیقت یہ خواب فتح مکہ کے وقت پورا ہونے والا تھا۔ مگر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو خواب سنایا تو وہ سب

کے سب مکہ مکرمہ جانے اور بیت اللہ کا طواف کرنے وغیرہ کے ایسے شتاق تھے کہ ان حضرات نے فوراً ہی تیاری شروع کر دی اور جب صحابہ کرام کا ایک مجمع تیار ہو گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ارادہ فرمایا کیونکہ خواب میں کوئی خاص سال یا مہینہ متعین نہیں تھا تو احتمال یہ بھی تھا کہ ابھی یہ مقصد حاصل ہو جائے (کذا فی بیان القرآن بحوالہ روح المعانی)

جز دوم، آپکا صحابہ کرام اور دیہات ابن سعد وغیرہ کی روایت ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مسلمانوں کو ساتھ چلنے کے لئے بلانا اور بعض کا انکار کرنا۔

کے لئے جنگ کی صورت پیش آجائے اسلئے آپ نے مدینہ طیبہ کے قریبی دیہات میں اعلان کر کے ان لوگوں کو ساتھ چلنے کی دعوت دی، ان میں سے بہت سے اعراب (دیہات) نے ساتھ چلنے سے عذر کر دیا اور کہنے لگے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور انکے اصحاب ہمیں قریش مکہ سے لڑنا چاہتے ہیں جو ساز و سلا والے اور طاقتور ہیں ان کا انجام تو یہ ہونا ہے کہ یہ اس سفر سے زندہ واپس نہ لوٹیں گے (مظہری)

جز سوم، مکہ کی طرف روانگی | امام احمد بخاری، ابو داؤد و نسائی وغیرہ کی روایت کی مطابق روانگی سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غسل فرمایا اور نیا لباس زیب تن فرمایا اور اپنی ناقہ قصویٰ پر سوار ہوئے، اُم المؤمنین حضرت اُم سلمہؓ کو ساتھ لیا اور آپکے ساتھ مہاجرین و انصار اور دیہات کے آنے والوں کا بڑا مجمع تھا جن کی تعداد اکثر روایات میں چودہ سو بیان کی گئی ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خواب کی وجہ سے انہیں کسی کو شک نہیں تھا کہ مکہ اس وقت فتح ہو جائے گا، حالانکہ بحر تلواروں کے انکے ساتھ اور کچھ اسلحہ نہ تھا۔ آپ مع صحابہ کرام کے شروع ماہ ذیقعدہ میں پیر کئے و روانہ ہوئے اور ذوالحلیفہ میں پہنچ کر احرام باندھا (مظہری ملخصاً)

جز چہارم، اہل مکہ کی مقابلے کی تیاری | دوسری طرف جب اہل مکہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک بڑی جماعت صحابہ کیساتھ مکہ کے لئے روانہ ہونے کی خبر ملی تو جمع ہو کر باہم مشورہ کیا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنے اصحاب کیساتھ عمرہ کے لئے آرہے ہیں اگرچہ ان کو مکہ میں آنے دیا تو تمام عرب میں یہ شہرت ہو جائے گی کہ وہ ہم پر غلبہ پا کر مکہ مکرمہ پہنچ گئے حالانکہ ہمارے اور انکے درمیان کئی جنگیں ہو چکی ہیں سب نے عہد کیا کہ ہم ایسا ہرگز نہیں ہونے دیں گے اور آپ کو روکنے کے لئے خالد بن ولید (جو ابھی تک مسلمان نہیں ہوئے تھے) کی سرکردگی میں ایک جماعت کو مکہ سے باہر مقام کراع الغیم پر بھیجا اور اس پاس کے دیہات والوں کو بھی ساتھ ملا لیا اور طائف کا قبیلہ بنو ثقیف بھی انکے ساتھ لگ گیا، انھوں نے مقام بلدح پر اپنا پڑاؤ ڈال لیا، ان سب نے آپس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ میں داخل ہونے سے روکنے اور آپکے مقابلے میں جنگ کرنے کا عہد کر لیا۔

خبر رسائی کا ایک عجیب سا وہ طریقہ ان لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات سے باخبر رہنے کے لئے یہ انتظام کیا کہ مقام بلدح سے لیکر اُس مقام تک جہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پہنچ چکے تھے پہاڑوں کی چوٹیوں پر کچھ آدمی بٹھا دیے تاکہ آپ کے پورے حالات دیکھ کر آپ کے متصل پہاڑ والا باوازی بلند دوسرے پہاڑ والے تک وہ تیسرے تک وہ چوتھے تک پہنچا دے اس طرح چند منٹوں میں آپ کی نقل و حرکت کا بلدح والوں کو علم ہو جاتا تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خبر رساں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بشر ابن سفیان کو آگے مکہ مکرمہ بھیج دیا تھا کہ وہ خفیہ اہل مکہ کے حالات جا کر دیکھیں اور آپ کو اطلاع کریں۔ وہ مکہ سے واپس آئے تو اہل مکہ کی ان جنگی تیاریوں اور مکمل مزاحمت کے واقعات کی خبر دی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ افسوس ہے قریش پر کہ متعدد جنگوں نے ان کو کھالیا ہے پھر بھی وہ جنگ سے باز نہیں آتے، اُن کے لئے تو اچھا موقع تھا کہ وہ مجھے اور دوسرے اہل عرب کو آزاد چھوڑ دیتے اگر یہ عرب لوگ مجھ پر غالب آجاتے تو اُن کی مُراد گھر بیٹھے حاصل تھی اور میں اُن پر غالب آجاتا تو یا تو پھر وہ بھی اسلام میں داخل ہو جاتے اور اگر یہ نہ کرتے اور جنگ ہی کرنے کا ارادہ ہوتا تو وہ تازہ اور قوی ہوتے اور پھر وہ میرے مقابلے پر آجاتے، معلوم نہیں کہ یہ قریش کیا سمجھ رہے ہیں قسم ہے اللہ کی کہ میں اُس حکم پر جو اللہ نے مجھے دیکر بھیجا ہے ہمیشہ انکے خلاف جہاد کرتا رہوں گا یہاں تک کہ تنہا میری گردن رہ جائے۔

جز و پنجم، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو جمع کر کے خطبہ کی ناقہ کا راستہ میں بیٹھ جانا دیا اور مشورہ لیا کہ اب ہمیں یہیں سے ان عربوں کے خلاف جہاد شروع کر دینا چاہیے یا ہم بیت اللہ کی طرف بڑھیں، پھر جو ہمیں روکے اُس سے قتال کریں حضرت ابوبکر صدیقؓ اور دوسرے صحابہ نے مشورہ دیا کہ آپ بیت اللہ کے قصد سے نکلے ہیں کسی سے جنگ کے لئے نہیں نکلے اسلئے آپ اپنے قصد پر رہیں ہاں اگر کوئی ہمیں مکہ سے روکے گا تو ہم اُس سے قتال کریں گے، اسکے بعد حضرت مقداد بن اسودؓ اٹھے اور عرض کیا یا رسول اللہ، ہم بنی اسرائیل کی طرح نہیں کہ آپ سے یہ کہیں اِذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَا (یعنی جائیے آپ اور آپ کا رب اور بھڑکیجئے ہم تو یہاں بیٹھے ہیں) بلکہ ہم ہر حال میں آپ کے ساتھ قتال کریں گے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سن کر فرمایا، بس اب اللہ کے نام پر مکہ کی طرف چلو۔ جب آپ مکہ مکرمہ کے قریب پہنچے اور خالد بن ولید اور اُن کے ساتھیوں نے آپ کو مکہ کی طرف بڑھتے ہوئے دیکھا تو اپنے لشکر کی صفوں کی جانب قبلہ کی طرف مستحکم کر کے کھڑا کر دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عباد بن بشر کو ایک دستہ فوج کا امیر بنا کر آگے کیا، انھوں نے خالد بن ولید کے لشکر کے بالمقابل صفوں بنائیں، اسی حالت میں نماز ظہر کا وقت آگیا حضرت بلالؓ نے اذان کہی اور

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام صحابہ کرام کو نماز پڑھائی۔ خالد بن ولید اور ان کے سپاہی دیکھتے رہے۔ بعد میں خالد بن ولید نے کہا کہ ہم نے بڑا اچھا موقع ضائع کر دیا جب یہ لوگ سب نمازیں تھے اس وقت ہم ان پر ٹوٹ پڑتے مگر کچھ بات نہیں اب ان کی دوسری نماز کا وقت آنے والا ہے اسکا انتظار کرو مگر جبریل علیہ السلام صَلَواتُہُ الْخَوَف کے احکام نیکر نازل ہو گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے ارادوں سے باخبر کر کے نماز کے وقت لشکر کو دو حصوں میں تقسیم کرنے کا طریقہ بتلادیا اور ان کے شر سے محفوظ رہے۔

جز ششم، مقام حدیبیہ میں ایک معجزہ | مگر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حدیبیہ کے قریب پہنچے تو آپ کی اونٹنی کا ہاتھ پھسل گیا وہ بیٹھ گئی صحابہ کرام نے اٹھانا چاہا تو نہ اٹھی لوگوں نے کہا کہ قصویٰ بگڑ گئی آپ نے فرمایا قصویٰ کا تصور نہیں نہ اُس کی ایسی عادت ہے بلکہ اُس کو تو اُس ذات نے دکدیا جس نے اصحابِ فیل کو روک دیا تھا (غالباً اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ انداز ہو گیا کہ جو واقعہ خواب میں دکھلایا گیا ہے اسکا یہ وقت نہیں ہے) آپ نے یہ دیکھ کر فرمایا کہ قسم ہے اُس ذات کی جسے ہاتھ میں محمد کی جان ہے آج کے دن قریش مجھ سے جو بات بھی ایسی کہیں گے جس میں شکارِ الہیہ کی تعظیم ہو تو میں اسکو ضرور مان لوں گا۔ پھر آپ نے اونٹنی پر ایک آواز لگائی تو اٹھ گئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خالد بن ولید کی جانب سے ہٹ کر حدیبیہ کی دوسری جانب قیام فرمایا جہاں پانی بہت ہی کم تھا۔ پانی کے مواقع پر خالد بن ولید اور بلدح والے قابض ہو چکے تھے۔ یہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ معجزہ ظاہر ہوا کہ ایک کنواں جس میں پانی کچھ کچھ رستا تھا اُس میں آپ نے کھلی کر دی اور اپنا ایک تیر دیا کہ اسکے اندر گاڑ دو، یہ عمل ہوتے ہی اُسکا پانی جوش مار کر کنویں کی من کے قریب پہنچ گیا کنویں کے اوپر والوں نے اپنے برتنوں سے پانی نکالا اور سیراب ہو گئے۔

جز دہم، اہل مکہ کیساتھ | اس طرح سب صحابہ مطمئن ہو کر یہاں مقیم ہوئے اور اہل مکہ سے بواسطہ وفود بات چیت شروع ہوئی۔ پہلے بدیل بن ورقار (جو بعد میں سلمان ہو گئے) اپنے ساتھیوں کے ساتھ حاضر ہوئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے خیر خواہانہ عرض کیا کہ قریش مکہ پوری قوت کیساتھ مقابلے کے لئے نکل آئے ہیں اور پانی کی جگہوں پر انھوں نے قبضہ کر لیا ہے وہ ہرگز آپ کو نہ چھوڑیں گے کہ آپ مکہ میں داخل ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہم کسی سے جنگ کرنے نہیں آئے البتہ اگر کوئی ہمیں عمرہ کرنے سے روکے گا تو ہم قتال کریں گے پھر آپ نے اسی بات کا اعادہ فرمایا جو پہلے جاسوس بشر کے سامنے کہی تھی کہ قریش کو متعدد جنگوں نے کمزور کر دیا ہے اگر وہ چاہیں تو کسی معین مدت تک کیلئے ہم سے صلح کر لیں تاکہ وہ بے فکر ہو کر اپنی تیاری میں لگ جائیں اور ہمیں اور باقی عرب کو چھوڑ دیں، اگر وہ مجھ پر غالب آ گئے تو انکی مراد گھر بیٹھے پوری ہو جائیگی

اور اگر ہم غالب آگئے اور وہ اسلام میں داخل ہونے لگے تو ان کو اختیار ہوگا کہ وہ بھی اسلام میں داخل ہو جاویں یا ہمارے خلاف جنگ کریں اور اس عرصہ میں وہ اپنی قوت محفوظ رکھ کر بڑھاپچکے ہونگے اور اگر قریش اس بات سے انکار کریں تو بخدا ہم اپنے معاملہ پر ان سے جہاد کرتے رہیں گے جب تک کہ میری تنہا گردن باقی ہے۔ بدیل یہ کہہ کر واپس ہو گئے کہ میں جا کر قریشی سرداروں سے آپکی بات کہہ دیتا ہوں۔ وہاں پہنچے تو کچھ لوگوں نے تو ان کی بات ہی سننا نہ چاہا بلکہ جنگ کے جوش میں رہے پھر کچھ لوگوں نے کہا کہ بات تو سن لیں، یہ کہنے والے عروہ بن مسعود اپنی قوم کے سردار تھے، جب بات سنی تو عروہ بن مسعود نے قریشی سرداروں سے کہا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے جو بات پیش کی عروہ درست سمجھ اس کو قبول کر لو اور مجھے اجازت دو کہ میں جا کر ان سے بات کروں، چنانچہ دوسری مرتبہ عروہ بن مسعود گفتگو کے لئے حاضر ہوئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ آپ اگر اپنی قوم قریش کا صفایا ہی کر دیں تو یہ کونسی اچھی بات ہوگی، کبھی دنیا میں آپ نے سنا ہے کہ کوئی شخص اپنی ہی قوم کو ہلاک کر دے۔ پھر صحابہ کرام سے انکی نرم و گرم باتیں ہوتی رہیں، اسی حال میں عروہ صحابہ کرام کے حالات کا مشاہدہ کرتے رہے کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تھو کا بھی تو صحابہ نے اس کو اپنے ہاتھوں میں لیکر اپنے چہروں سے مل لیا۔ اور جب آپ نے وضو کیا تو وضو کے کرنے والے پانی پر صحابہ کرام ٹوٹ پڑتے اور اپنے چہروں کو ملتے تھے اور جب آپ گفتگو فرماتے تو سب اپنی آوازیں پست کر لیتے۔ عروہ نے واپس جا کر قریشی سرداروں سے یہ حال بیان کیا کہ میں بڑے بڑے شاہی درباروں قیصر کسری اور نجاشی کے پاس جا چکا ہوں، خدا کی قسم میں نے کوئی بادشاہ ایسا نہیں دیکھا جسکی قوم اُس پر اس طرح ذرا ہو جیسے صحابہ کرام (صلی اللہ علیہ وسلم) ان پر خدا ہیں اور وہ ایک صحیح بات کہہ رہے ہیں میرا مشورہ یہ ہے کہ تم ان کی بات مان لو، مگر لوگوں نے کہا ہم یہ بات نہیں مان سکتے بجز اسکے کہ اس سال تو آپ ٹوٹ جائیں پھر اگلے سال آجائیں۔ جب عروہ کی بات نہ مانی گئی تو وہ اپنی جماعت کو ساتھ لیکر واپس ہو گئے اسکے بعد ایک صاحب حلب بن علقمہ جو اعراب کے سردار تھے وہ آپکی خدمت میں حاضر ہوئے اور صحابہ کرام کو احرام کی حالت میں قربانی کے جانور ساتھ لئے دیکھا تو واپس ہو کر اُس نے بھی اپنی قوم کو سمجھایا کہ یہ لوگ بیت اللہ کے عمر کیلئے آئے ہیں انکو روکنا کسی طرح درست نہیں، لوگوں نے اسکا کہنا نہ سنا تو یہ بھی اپنی جماعت کو لیکر واپس ہو گیا۔ پھر ایک چوتھا آدمی آپ سے بات کرنے کے لئے آیا اور آپ سے گفتگو کی تو آپ نے اپنی دہی بات پیش کر دی جو اس سے پہلے بدیل اور عروہ ابن مسعود کے سامنے پیش کی تھی اسنے جا کر آپکا جواب قریش کو سنا دیا۔

جز ہشتم، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو امام بیہقی نے حضرت عروہ سے روایت کی ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اہل مکہ کے لئے پیغام دیکر بھیجنا نے حدیبیہ میں پہنچ کر قیام فرمایا تو قریش گھبرا گئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارادہ کیا کہ اسکے پاس اپنا کوئی آدمی بھیج کر بتلا دیں کہ ہم جنگ کرنے نہیں عمرہ کرنے آئے ہیں ہمارا راستہ نہ روکو۔ اس کام کے کیلئے حضرت عمرؓ کو بلایا انھوں نے عرض کیا کہ یہ قریش میرے سخت دشمن ہیں۔

کیونکہ ان کو میری عداوت و شدت کا حال معلوم ہے اور میرے قبیلہ کا کوئی آدمی ایسا مکہ میں نہیں جویری حمایت کرے اسلئے میں آپکے سامنے ایک ایسے شخص کا نام پیش کرتا ہوں جو مکہ مکرمہ میں اپنے قبیلہ غیرہ کی وجہ سے خاص قوت و عزت رکھتے ہیں یعنی عثمان بن عفانؓ، آپکے حضرت عثمان کو اس کام کے لئے مامور فرما کر بھیج دیا اور یہ بھی فرمایا کہ جو ضغفار سلمین مرد اور عورتیں مکہ مکرمہ سے ہجرت نہیں کر سکے اور مشکلات میں پھنسے ہوئے ہیں انکے پاس جا کر تسلی کر دیں کہ پریشان نہ ہوں انشاء اللہ مکہ مکرمہ فتح ہو کر تمہاری مشکلات کے ختم ہونیکا وقت آگیا ہے۔ حضرت عثمان غنیؓ پہلے ان لوگوں کے پاس پہنچے جو مقام بلذح میں حضور کا راستہ روکنے اور مقابلے کے لئے جمع ہوئے تھے ان سے جا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وہی بات سنادی جو آپ نے بدر میں اور عروہ ابن مسعود وغیرہ کے سامنے کہی تھی، ان لوگوں نے کہا کہ ہم نے پیغام سن لیا آپ جا کر اپنے بزرگ سے کہہ دو کہ یہ بات ہرگز نہیں ہوگی۔ ان لوگوں کا جواب سن کر آپ مکہ مکرمہ کے اندر جانے لگے تو ابان بن سعید کی (جو بعد میں مسلمان ہو گئے تھے) ان سے ملاقات ہوئی انھوں نے حضرت عثمانؓ کا گرمجوشی سے استقبال کیا اور اپنی پناہ میں لیکر ان سے کہا کہ مکہ میں اپنا پیغام لیکر جہاں چاہیں جا سکتے ہیں اس میں آپ کوئی فکر نہ کریں پھر اپنے گھوڑے پر حضرت عثمانؓ کو سوار کر کے مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے کیونکہ ان کا قبیلہ بنو سعید مکہ مکرمہ میں بہت قوی اور عزت دار تھا، یہاں تک کہ حضرت عثمانؓ مکہ مکرمہ میں قریش کے ایک ایک سردار کے پاس پہنچے اور حضور کا پیغام پہنچایا کہ ہم کسی سے لڑنے کے لئے نہیں آئے عمرہ کر کے واپس جائیں گے ہاں کوئی ہمارا راستہ روکے گا تو لڑیں گے اور قریش خود جنگوں سے نیم جاں ہو چکے ہیں انکے لئے مناسب یہ ہے کہ ہمیں اور دوسرے اہل عرب کو چھوڑ دیں قریش ہمارے مقابلہ پر نہ آئیں پھر دیکھیں اگر عرب ہم پر غالب آگئے تو ان کی مراد پوری ہو جائے گی اور ہم غالب آئے تو انھیں پھر بھی اختیار باقی ہوگا اسوقت قتال کر سکتے ہیں اور اس عرصہ میں انکو اپنی طاقت بڑھانے اور محفوظ رکھنے کا موقع بھی ملجائے گا مگر ان سب نے آپ کی بات کو رد کر دیا۔ پھر عثمان غنیؓ رضی اللہ عنہ سلمین سے ملے انکو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام پہنچایا وہ بہت خوش ہوئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام بھیجا۔ جب حضرت عثمانؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھا پہنچانے سے فارغ ہوئے تو اہل مکہ نے ان سے کہا کہ اگر آپ چاہیں تو طواف کر سکتے ہیں۔ عثمان غنیؓ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں اسوقت تک طواف نہیں کر ڈھکا جب تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم طواف نہ کریں، عثمان غنیؓ رضی اللہ عنہ مکہ میں تین رات رہے اور رؤسار قریش کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات ماننے کی طرف دعوت دیتے رہے۔

جز و نہم، اہل مکہ اور مسلمانوں میں آدیزش | اسی عرصہ میں قریش نے اپنے پچاس آدمی اس کام پر لگائے اور اہل مکہ کے ساتھ آدمیوں کی گرفتاری | کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب پہنچکر موقع کا انتظار

کریں اور موقع ملنے پر (معاذ اللہ) آپ کا قصہ ختم کر دیں۔ یہ لوگ اسی تاک میں تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت و بگرانی پر مانور حضرت محمد بن مسلمہؓ نے ان سب کو گرفتار کر لیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں قید کر کے حاضر کر دیا، دوسری طرف حضرت عثمانؓ جو مکہ میں تھے اور انکے ساتھ تقریباً دس مسلمان اور مکہ مکرمہ میں پہنچ گئے تھے۔ قریش نے جب اپنے پچاس آدمیوں کی گرفتاری کا حال سنا تو حضرت عثمان سمیت ان سب مسلمانوں کو روک لیا اور قریش کی ایک جماعت مسلمانوں کے لشکر کی طرف نکلی اور مسلمانوں کی جماعت پر تیر اور پتھر پھینکے اس میں مسلمانوں میں سے ایک صحابی ابن زنیم شہید ہو گئے اور مسلمانوں نے ان قریشیوں کے دس سواروں کو گرفتار کر لیا، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی نے یہ خبر پہنچائی کہ حضرت عثمانؓ قتل کر دیئے گئے۔

جزو دہم، بیعت رضوان کا واقعہ | رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ خبر سن کر صحابہ کرام کو ایک درخت کے نیچے جمع کیا کہ سب جمع ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر جہاد کیلئے بیعت کریں، سب صحابہ کرام نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی جس کا ذکر آگے اس سورت میں آنے والا ہے حادثہ صحیحہ میں ان لوگوں کی بڑی فضیلت آئی ہے جو اس بیعت میں شریک تھے اور حضرت عثمان غنیؓ فرما رہے تھے کہ آپ کے حکم سے مکہ گئے ہوئے تھے اس لئے ان کی طرف سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود آپ کے ہاتھ پر دوسرا ہاتھ مار کر فرمایا کہ عثمانؓ کی بیعت ہے یہ خصوصی فضیلت حضرت عثمانؓ کی تھی کہ آپ نے اپنے ہی ہاتھ کو عثمانؓ کا ہاتھ قرار دیکر ان کی طرف سے بیعت کر لی۔

جزو یازدہم، حدیبیہ کا واقعہ | دوسری طرف اہل مکہ پر اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کا رعب مسلط کر دیا اور خود مصالحت پر آمادہ ہو کر انھوں نے اپنے تین آدمی سہیل بن عمروؓ اور حوٹیب بن العزیٰ اور مرکز بن حفص کو غدر معذرت کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیجا، ان میں سے پہلے دو حضرت بعد میں مسلمان بھی ہو گئے۔ سہیل بن عمروؓ نے آکر عرض کیا کہ یا رسول اللہ آپ تک جو خبر پہنچی ہے کہ عثمان غنیؓ اور انکے ساتھی قتل کر دیئے یہ بالکل غلط ہے ہم ان کو آپ کے پاس بھیجے ہیں ہمارے قیدیوں کو آزاد کر دیجئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو آزاد کر دیا، مسند احمد اور مسلم میں حضرت انسؓ کی روایت ہے کہ اس سورت میں جو آگے آیت **أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّبِعُوا الَّذِينَ يَدْعُواكُم مِّن دُونِ اللَّهِ**، یہ اسی واقعہ سے متعلق ہے اب سہیل اور انکے ساتھیوں نے جا کر بیعت رضوان میں صحابہ کرام کی مسارعت اور جاں نثاری کے عجیب غریب منظر کا حال قریش کے سامنے بیان کیا تو قریش کے اصحاب نے ان لوگوں نے آپس میں کہا کہ اس سے بہتر کوئی بات نہیں ہے کہ ہم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے اس بات پر صلح کر لیں کہ وہ اس سال تو واپس چلے جائیں تاکہ پورے عرب میں یہ شہرت نہ ہو جائے کہ ہم نے ان کو روکنا چاہا وہ زبردستی مکہ میں داخل ہو گئے، اور اگلے سال عمرہ کے لئے آجائیں اور تین روز

مکہ میں قیام کریں، اسوقت اپنے جانور قربانی کے ذبح کر ڈالیں اور احرام کھولیں چنانچہ یہی سہیل بن عمرو یہ پیغام لیکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ نے ان کو دیکھتے ہی فرمایا کہ اب معلوم ہوتا ہے کہ اس قوم نے صلح کا ارادہ کر لیا ہے کہ سہیل کو پھر بھیجا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چار زانو بیٹھ گئے اور صحابہ میں سے عباد بن بشر اور سلمہ بن ہشیر روئے سے صلح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حفاظت کے لئے کھڑے ہو گئے۔ سہیل حاضر ہوئے تو ادب کے ساتھ حضور کے سامنے بیٹھ گئے اور قریش کا پیغام آپ کو پہنچایا۔ صحابہ کرام عموماً اس پر راضی نہ تھے کہ اسوقت اپنے احرام بغیر عمرہ کئے کھولیں، انھوں نے سہیل سے سخت گفتگو کی، آوازیں کبھی بلند ہو گئیں کبھی پست ہوئیں، عباد بن بشر نے سہیل کو ڈانٹا کہ حضور کے سامنے آواز بلند نہ کر، طویل گفتگو کے بعد آپ اس شرط کو قبول کر کے صلح کر لینے پر راضی ہو گئے، سہیل نے کہا کہ لایعنی ہم اپنے اور آپ کے درمیان صلحنامہ لکھ لیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بلایا اور فرمایا لکھو، بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ سہیل نے یہیں سے بحث شروع کر دی اور کہا کہ لفظ رحمٰن اور رحیم ہمارے محاورات میں نہیں ہے آپ یہاں وہی لفظ لکھیں جو پہلے لکھا کرتے تھے یعنی بِاسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ۔ آپ نے اسکو بھی مان لیا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ ایسا ہی لکھ دو۔ اسکے بعد آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو فرمایا کہ یہ لکھو کہ یہ وہ عہد نامہ ہے جسکا فیصلہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا ہے۔ سہیل نے اسپر بھی ضد کی کہ اگر ہم آپ کو اللہ کا رسول مانتے تو آپ کو ہرگز بیت اللہ سے نہیں روکتے (صلحنامہ میں ایسا کوئی لفظ نہیں ہونا چاہیے جو کسی فریق کے عقیدہ کی خلاف ورزی ہو) آپ صرف محمد بن عبد اللہ لکھوائیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسکو بھی منظور فرما کر حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے فرمایا کہ جو لکھا ہے اسکو مٹا کر محمد بن عبد اللہ لکھ دو۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے باوجود سراپا اطاعت ہونے کے عرض کیا میں تو یہ نہیں کر سکتا کہ آپ کے نام کو مٹا دوں۔ حاضرین میں سے حضرت انس بن حنفیہ اور سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑ لیا کہ اسکو نہ مٹائیں اور بجز محمد رسول اللہ کے اور کچھ نہ لکھیں اگر یہ لوگ نہیں مانتے تو ہمارے اور ان کے درمیان تلوار فیصلہ کرے گی اور کچھ آوازیں ہر طرف سونبند ہونے لگیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صلحنامہ کا کاغذ خود اپنے دست مبارک میں لے لیا اور باوجود اسکے کہ آپ اُمّی تھے پہلے بھی لکھا نہیں تھا مگر اسوقت خود اپنے قلم سے آپ نے یہ لکھ دیا ھٰذَا مَا قَاضَىٰ مُحَمَّدٌ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ وَسَهِيلُ بْنُ عَمْرٍاءُ اصْلَحَا عَلٰی وَضْعِ الْحَبَابِ عَنِ النَّاسِ عَشْرَ سَنٍ يَأْمَنُ فِيهِ النَّاسُ وَيَكْفُ بَعْضُهُمْ عَنْ بَعْضٍ، یعنی یہ وہ فیصلہ ہے جو محمد بن عبد اللہ اور سہیل بن عمرو نے دس سال کے لئے باہم جنگ نہ کرنے کا کیا ہے جس میں سب لوگ مامون رہیں ایک دوسرے پر چڑھائی اور جنگ سے پرہیز کریں۔

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہماری ایک شرط یہ ہے کہ اسوقت ہمیں طواف

کرنے سے نہ روکا جائے، سہیل نے کہا کہ بخدا یہ نہیں ہو سکتا، آپ نے اسکو بھی قبول فرمایا اس کے بعد سہیل نے اپنی ایک شرط یہ لکھی کہ جو شخص مکہ والوں میں سے اپنے ولی کی اجازت کے بغیر آپ کے پاس جائیگا اسکو واپس کر دیں گے اگرچہ وہ آپ ہی کے دین پر ہو اور مسلمانوں میں سے جو کوئی قریش کے پاس مکہ چلا آوے اسکو ہم واپس نہ کریں گے۔ اس پر عام مسلمانوں کی آواز اٹھی سبحان اللہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ہم اپنے مسلمان بھائی کو مشرکین کی طرف لوٹا دیں مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسکو بھی قبول فرمایا اور فرمایا کہ ہم میں سے کوئی آدمی اگر ان کے پاس گیا تو اسکو اسکی ہم سے دور کر دیا اسکی ہم کیوں فکر کریں اور ان میں کا کوئی آدمی ہمارے پاس آیا اور ہم نے ٹوٹا بھی دیا تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے راستہ سہولت کا نکال دیں گے حضرت برادر رضی اللہ عنہ نے اس صلح نامہ کا خلاصہ تین شرطیں بیان کیا ہے، ایک یہ کہ اُن کا کوئی آدمی ہمارے پاس آجائے گا تو ہم اسکو واپس کر دیں گے، دوسرے یہ کہ ہمارا کوئی آدمی اُن کے پاس چلا جائے گا تو وہ واپس نہ کریں گے۔ تیسرے یہ کہ اب آئندہ سال عمرہ کے لئے آئیں گے اور تین روز مکہ میں قیام کریں گے اور زیادہ ہتھیار لیکر نہیں آئیں گے، اور آخر میں لکھا گیا کہ یہ عہد نامہ اہل مکہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان ایک محفوظ دستاویز جس کی کوئی خلاف ورزی نہ کریگا اور باقی سب عرب آزاد ہیں جسکا جی چاہے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے عہد میں داخل ہو جائے اور جسکا جی چاہے قریش کے عہد میں داخل ہو جائے۔ یہ سن کر قبیلہ خزاعہ اچھل پڑا اور کہا کہ ہم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے عقد میں داخل ہیں اور بنو بکر نے آگے بڑھ کر کہا کہ ہم قریش کے عقد و عہد میں داخل ہیں۔

شرائط صلح سے عام | جب یہ شرائط صلح طے ہو گئیں تو عمر بن خطابؓ سے نہ رہا گیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ناراضی اور سنج | صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا، یا رسول اللہ، کیا آپ اللہ کے نبی برحق نہیں ہیں، آپ نے فرمایا کیوں نہیں۔ پھر حضرت عمرؓ نے کہا کہ کیا ہم حق پر اور وہ لوگ باطل پر نہیں ہیں، آپ نے فرمایا کیوں نہیں، پھر حضرت عمرؓ نے عرض کیا کہ کیا ہمارے مقتولین جنت اور اُن کے مقتولین جہنم میں نہیں ہیں، آپ نے فرمایا کیوں نہیں، اس پر حضرت عمرؓ نے عرض کیا تو پھر ہم کیوں اس ذلت کو قبول کریں کہ بغیر عمرہ کئے واپس چلے جائیں جب تک جنگ کیساتھ اللہ تعالیٰ کوئی فیصلہ نہ کر دیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں اللہ کا بندہ اور اسکا رسول ہوں ہرگز اس کے حکم کی خلاف نہیں کروں گا اور اللہ تعالیٰ مجھے ضائع نہ فرمائے گا وہ میرا مددگار ہے۔ حضرت عمرؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ، کیا آپ نے ہم سے یہ نہیں فرمایا کہ ہم بیت اللہ کے پاس جائیں گے اور طواف کریں گے، آپ نے فرمایا کہ بیشک یہ کہا تھا مگر کیا میں نے یہ بھی کہا تھا کہ یہ کام اسی سال ہوگا تو حضرت عمرؓ نے کہا کہ یہ تو آپ نے نہیں فرمایا تھا تو آپ نے فرمایا کہ بس یہ واقعہ جیسا کہ میں نے کہا تھا ہو کر رہے گا کہ آپ بیت اللہ کے پاس جائیں گے اور طواف کریں گے۔

حضرت عمر بن خطاب خاموش ہو گئے مگر غم و غصہ نہیں گیا، آپ کے پاس سے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور اسی گفتگو کا اعادہ کیا جو حضور کے سامنے کی تھی، حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا خدا کے بندے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں اور وہ اللہ کے حکم کی خلاف کوئی کام نہ کریں گے اور اللہ ان کا مددگار ہے اسلئے تم مرتے دم تک آپ کی رکاب تھامے رہو، خدا کی قسم وہ حق پر ہیں، غرض حضرت فاروق اعظم کو ان شرائط صلح سے سخت رنج و غم پہنچا، خود انہوں نے فرمایا کہ واللہ جب سے میں نے اسلام قبول کیا مجھے کبھی شک پیش نہیں آیا، بحر اس واقعہ کے (رواہ البخاری) حضرت ابو عبیدہ نے سمجھایا اور فرمایا کہ شیطان کے شر سے پناہ مانگو، فاروق اعظم نے کہا میں شیطان سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب مجھے اپنی غلطی کا احساس ہوا تو میں برابر صدقہ خیرات کرتا اور روزے رکھتا اور غلام آزاد کرتا رہا کہ میری یہ خطا معاف ہو جائے۔

ایک اور حادثہ اور معاہدہ کی پابندی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بے نظیر عمل ابھی ابھی یہ شرائط صلح طے ہوئی تھیں اور صحابہ کرام کی ناگواری اسپر ہو رہی تھی کہ اچانک اسی سہیل بن عمرو کا جو صلحنامہ کافریق منجانب قریش تھا بیٹا ابو جندل جو مسلمان ہو چکا تھا اور باپ نے اس کو قید کر رکھا تھا اور سخت ایذا میں ان کو دیتا تھا وہ کسی طرح بھاگ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت پہنچ گیا اور آپ سے پناہ مانگی، کچھ مسلمان بڑھے اور اس کو اپنی پناہ میں لے لیا مگر سہیل چلا اٹھا کہ یہ پہلی عہد نامہ کی خلاف ورزی ہو رہی ہے اگر اس کو واپس نہ کیا گیا تو میں صلح کی کسی شرط کو نہ مانوں گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عہد کر کے پابند ہو چکے تھے اسلئے ابو جندل کو آواز دیکر فرمایا کہ اے ابو جندل تم چند روز اور صبر کرو اللہ تعالیٰ تمہارے لئے اور ضعفاء مسلمین کے لئے جو مکہ میں محبوس ہیں جلد رہائی اور فریابی کا انتظام کرنے والا ہے۔ مسلمانوں کے دلوں پر ابو جندل کے اس واقعہ نے اور زیادہ نمک پاشی کی وہ تو یقین کر کے آئے تھے کہ اسی وقت مکہ فتح ہو گا اور یہاں یہ حالات دیکھے تو ان کے رنج و غم کی انتہا نہ رہی قریب تھا کہ وہ ہلاکت میں پڑ جاتے مگر معاہدہ صلح مکمل ہو چکا تھا اس صلحنامہ پر مسلمانوں کی طرف سے ابو بکر و عمر عبدالرحمن بن عوف اور عبداللہ بن سہیل بن عمر سعد بن ابی وقاص محمد بن سلمہ اور علی بن ابی طالب وغیرہ رضی اللہ عنہم کے دستخط ہوئے اسی طرح مشرکین کی طرف سے سہیل کے ساتھ چند دوسرے لوگوں کے بھی دستخط ہو گئے۔

احرام کھولنا اور قربانی جب صلحنامہ کی کتابت سے فراغت ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کے جانور ذبح کرنا فرمایا کہ (قرار داد صلح کے مطابق اب ہمیں واپس جانا ہے) سب لوگ اپنی قربانی کے جانور جو ساتھ ہیں ان کی قربانی کر دیں اور سر کے بال منڈا کر احرام کھول دیں۔ صحابہ کرام کی مسلسل رنج و غم کی وجہ سے یہ حالت ہو گئی تھی کہ آپ کے فرمانے کے باوجود کوئی اس

کام کے لئے نہیں اٹھا جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مغموم ہوئے اور اُم المؤمنین حضرت اُم سلمہ کے پاس تشریف لے گئے اور اپنے اس رنج کا ذکر کیا، اُم المؤمنین نے بہت مناسب اور اچھا مشورہ دیا کہ آپ صحابہ کرام کو اس پر کچھ نہ کہیں، ان کو اس وقت سخت صدمہ اور رنج شرائط صلح اور بغیر عمرہ کے واپسی کی وجہ سے پہنچا ہوا ہے، آپ سب کے سامنے حجام کو بلا کر خود اپنا حلق کر کے احرام کھول دیں اور اپنی قربانی کر دیں۔ آپ نے مشورہ کے مطابق ایسا ہی کیا، صحابہ کرام نے جب یہ دیکھا تو سب کھڑے ہو گئے ایک دوسرے کا حلق کرنے لگے اور قربانی کے جانوروں کی قربانی کرنے لگے، آپ نے سب کے لئے دعا فرمائی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مقام حدیبیہ میں انیس اور بعض روایات کے اعتبار سے بیس دن قیام فرمایا تھا، اب یہاں سے واپسی شروع ہوئی اور آپ صحابہ کرام کے مجمع کیساتھ پہلے مڑ پھر ان پھر عسکان پہنچے، یہاں پہنچ کر سب مسلمانوں کا زاد راہ تقریباً ختم ہو چکا تھا، کھانے کے لئے بہت کم سامان تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دسترخوان بچھایا اور سب کو حکم دیا کہ جس کے پاس جو کچھ ہے لاکر یہاں جمع کر دے اس طرح جو کچھ باقی ماندہ کھانے کا سامان تھا سب اس دسترخوان پر جمع ہو گیا۔ خود سو حضرات کا مجمع تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی اور سب کو کھانا شروع کرنے کا حکم دیا۔ صحابہ کرام کا بیان ہے کہ پورے خود سو حضرات نے خوب پیٹ بھر کر کھانا کھایا پھر اپنے برتنوں میں بھر لیا اسکے بعد بھی اتنا ہی کھانا باقی تھا، اس مقام پر یہ دوسرا معجزہ ظاہر ہوا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو دیکھ کر بہت مسرور ہوئے۔

صحابہ کرام کے ایمان اور اطاعت رسول کا اور پر معلوم ہو چکا ہے کہ صحابہ کرام پر ان شرائط صلح اور بغیر عمرہ ایک اور امتحان اور انکی بے نظیر قوت ایمانی اور بغیر جنگ میں اپنے حوصلے نکالنے کے واپسی سخت

بھاری اور ناگوار تھی، یہ انہی کا ایمان تھا کہ ان سب حالات میں ایمان اور اطاعت رسول پر جمے رہے۔ حدیبیہ سے واپسی پر جب آپ مقام کُراع غنیم پر پہنچے تو آپ پر یہ سورہ فتح نازل ہوئی آپ نے صحابہ کرام کو بڑھ کر مسنایا، صحابہ کرام کے قلوب اس طرح کی شرائط صلح اور بغیر عمرہ کے واپسی سے زخم خوردہ پہلے ہی سے تھے اب اس سورت نے یہ بتلایا کہ فتح مبین حاصل ہوئی ہے حضرت عمر بن خطابؓ پھر سوال کر بیٹھے کہ یا رسول اللہ کیا یہ فتح ہے، آپ نے فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے یہ فتح مبین ہے۔ صحابہ کرام نے اس پر بھی تسلیم خم کیا اور ان سب چیزوں کو فتح مبین یقین کیا۔

صلح حدیبیہ کے ثمرات و برکات کا ظہور سب سے پہلی بات تو اس واقعہ میں یہ ہوئی کہ قریش مکہ اور انکے بہت سے متبعین پر انکی ضد اور بیجا ہٹ دھرمی واضح ہو کر خود انہیں پھوٹ پڑی

بذیل ابن ورقار اپنے ساتھیوں کو لے کر ان سے الگ ہو گئے، پھر عروہ ابن مسعود اپنی جماعت کو لیکر الگ ہو گئے۔ دوسرے صحابہ کرام کی بے نظیر جان نثاری اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بے مثال اطاعت و محبت و عظمت دیکھ کر قریش مکہ کا مرعوب ہو جانا اور صلح کی طرف مائل ہونا حالانکہ ان کے لئے مسلمانوں کا صفایا کر دینے کا اس سے بہتر کوئی موقع نہ تھا کیونکہ وہ اپنے گھروں میں طمن تھے، مسلمان مسافرت کی حالت میں تھے قریش نے پانی کی جگہوں پر قبضہ کیا ہوا تھا یہ بے آب و دانہ جنگل میں تھے، ان کی پوری قوت موجود تھی مسلمانوں کے پاس کچھ زیادہ اسلحہ بھی نہیں تھے مگر اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں رعب ڈالا اور ان کی جماعت کے بہت سے افراد کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات اور اختلاط کے مواقع ملکر ان میں سے بہت سے لوگوں کے دلوں میں اسلام دایا راسخ ہو گیا اور بعد میں مسلمان ہو گئے۔ تیسرے صلح دانان کی وجہ سے راستے مامون ہو گئے دعوتِ اسلام کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کے واسطے راستے کھل گئے، عرب کے دُفود کو آپ کی خدمت میں حاضری کا موقع ملا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ نے گوشہ گوشہ میں دعوتِ اسلام کو پھیلایا، دُنیا کے بادشاہوں کو دعوتِ اسلام دینے کے لئے خطوط بھیجے گئے انہیں سے چند بڑے بڑے بادشاہ متاثر ہوئے جن کا حاصل یہ نکلا کہ واقعہ حدیبیہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوتِ عام اور سب کو عمرہ کے لئے نکلنے کی تاکید کے باوجود ڈیڑھ ہزار سے زیادہ مسلمان تھے نہیں تھے اور صلح حدیبیہ کے بعد جوق جوق لوگ اسلام میں داخل ہوئے، اسی عرصہ میں شہِ ہجری میں خیبر فتح ہو کر مسلمانوں کو سامان بڑی مقدار میں مل گیا اور ان کی مادی قوت مستحکم ہو گئی۔ او اس صلح پر دو سال گزرنے نہ پائے تھے کہ مسلمانوں کی تعداد اتنی کثیر ہو گئی جو اس سے پہلے تمام پھیلی مدت میں نہیں تھی، اسی کا نتیجہ یہ ہوا کہ جب قریش مکہ نے اس معاہدہ کی خلاف ورزی کر کے معاہدہ توڑ ڈالا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ فتح کرنے کی خفیہ تیاری شروع کی تو اس صلح نامہ پر صرف بیس اکیس مہینے گزرے تھے کہ فتح مکہ کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کیساتھ جانیا لے جان نثار سپاہی دس ہزار تھے قریش مکہ کو خبر لگی تو گھبرا کر ابوسفیان کو عذر معذرت کر کے تجدید معاہدہ پر آمادہ کرنے کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا اپنے معاہدہ کی تجدید نہ کی اور بالآخر دس ہزار کے اس حزب اللہ کے ساتھ آپ مکہ مکرمہ کی طرف روانہ ہوئے کفار قریش ایسے مغلوب مرعوب ہو چکے تھے کہ مکہ مکرمہ میں کچھ زیادہ لڑائی کی بھی نوبت نہیں آئی کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حکیمانہ سیاست نے جنگ نہ ہونے کا یہ انتظام کر دیا کہ آپ نے مکہ مکرمہ میں اعلان کر دیا کہ جو شخص اپنے گھر کا دروازہ بند کر لے وہ مامون ہے جو مسجد میں داخل ہو جائے وہ مامون جو ابوسفیان کے گھر میں چلا جائے وہ مامون ہے اس طرح سب لوگوں کو اپنی اپنی

فکر پر گئی اور قتل و قتال کی زیادہ نوبت نہیں آئی اسی لئے ائمہ فقہار میں یہ اختلاف ہو گیا کہ مکہ مکرمہ صلح سے فتح ہو یا جنگ سے۔ بہر حال بڑی سہولت کے ساتھ مکہ مکرمہ فتح ہوا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خواب واقعہ بن کر سب کے سامنے آ گیا، صحابہ کرام نے بے خطر ہو کر بیت اللہ کا طواف پھر حلق و قصر کیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ بیت اللہ میں داخل ہوئے۔ بیت اللہ کی چابی آپ کے ہاتھ آئی اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرؓ کو خطاب کو خصوصاً اور سب صحابہ کو عموماً خطاب کر کے فرمایا کہ یہ ہے وہ واقعہ جو میں نے آپ سے کہا تھا، پھر حجۃ الوداع کے موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرؓ کو خطاب کر کے فرمایا کہ یہ تھا وہ واقعہ جو میں نے تم سے کہا تھا۔ حضرت فاروق اعظمؓ نے فرمایا کہ بیشک کوئی فتح صلح حدیبیہ سے زیادہ بہتر اور عظیم نہیں ہے۔ صدیق اکبرؓ تو پہلے سے فرماتے تھے کہ اسلام میں کوئی فتح صلح حدیبیہ کے برابر نہیں ہے لیکن لوگوں کی رائے اور بصیرت وہاں تک نہ پہنچی جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے درمیان ایک طے شدہ حقیقت تھی یہ لوگ جلد بازی کرنا چاہتے تھے اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی جلد بازی سے متاثر ہو کر جلدی نہیں کرتا بلکہ حکمت و مصلحت کیساتھ ہر کام اپنے صحیح وقت پر انجام پاتا ہے اس لئے سورہ فتح میں حق تعالیٰ نے واقعہ حدیبیہ کو فتح مبین فرمایا۔ یہ واقعہ حدیبیہ کے اہم اجزاء تھے جن سے اگلی آیات کے سمجھنے میں سہولت ملیگی اب آیات کی تفسیر دیکھئے۔

لَيَغْفِرَ لَكَ اللَّهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ، اس میں لیغفر کا لام اگر تعلیل یعنی بیان علت کے لئے لیا جائے تو حاصل اس کا یہ ہے کہ یہ فتح مبین آپ کو اس لئے دی گئی ہے تاکہ آپ کو یہ تین کمالات حاصل ہو جائیں جن کا اس آیت میں ذکر ہے، ان میں پہلی چیز تمام اگلی پھیلی لغزشوں اور خطاؤں کی معافی ہے۔ سورہ محمد میں پہلے یہ معلوم ہو چکا ہے کہ انبیاء علیہم السلام گناہوں سے معصوم ہوتے ہیں ان کی طرف قرآن میں جہاں کہیں ذنب یا عصیان وغیرہ کے الفاظ منسوب کئے گئے وہ ان کے مقام عالی کی مناسبت سے ایسے کاموں کے لئے استعمال کئے گئے جو خلاف اولیٰ تھے مگر نبوت کے مقام بلند کے اعتبار سے غیر فصل پر عمل کرنا بھی ایسی لغزش ہے جس کو قرآن نے بطور تہدید کے ذنب و گناہ سے تعبیر کیا ہے اور ما تقدم سے مراد وہ لغزشیں ہیں جو نبوت سے پہلے ہوئیں اور ما تأخر سے مراد وہ لغزشیں جو رسالت و نبوت کے بعد صادر ہوئیں (منظری) اور فتح مبین کا اس مغفرت کے لئے سبب ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس فتح مبین سے بہت لوگ جوق جوق اسلام میں داخل ہوں گے اور اسلام کی دعوت کا عام ہو جانا آپ کی زندگی کا مقصد عظیم اور آپ کے اجر و ثواب کو بہت بڑھانے والا ہے اور اجر و ثواب کی زیادتی سبب ہوتی ہے کفارہ سینات کی (بیان القرآن)

وَيَهْدِيكَ صِرَاطًا مُسْتَقِيمًا، یہ دوسری نعمت ہے جو اس فتح مبین پر مرتب ہوئی، یہاں یہ سوال ہوتا ہے کہ صراط مستقیم پر تو آپ اول ہی سے ہیں اور نہ صرف خود صراط مستقیم پر ہیں بلکہ

دُنیا کو اسی صراطِ مستقیم کی دعوت دینا آپ کا رات دن کا مشغلہ ہے تو ہجرت کے چھٹے سال فتحِ مبین کے ذریعہ صراطِ مستقیم کی ہدایت کے کیا معنی ہیں اسکا جواب سُورہ فاتحہ کی تفسیر لفظ ہدایت کی تحقیق میں گزر چکا ہے کہ ہدایت ایک ایسا مفہوم عام ہے کہ جس کے درجات غیر متناہی ہیں وجہ یہ ہے کہ ہدایت کے معنی منزل مقصود کا راستہ دکھلانا یا اُس پر پہنچانا ہے اور اصل منزل مقصود ہر انسان کی حق تعالیٰ کی رضا اور قرب حاصل کرنا ہے اور اس رضا و قرب کے متفاوت درجات بے شمار ہیں، ایک درجہ حاصل ہونے کے بعد دوسرے اور تیسرے درجہ کی ضرورت باقی رہتی ہے جس سے کوئی بڑے سے بڑا ولی بلکہ نبی و رسول بھی بے نیاز نہیں ہو سکتا، اسی لئے اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ کی دُعا نماز کی ہر رکعت میں کرنی تعلیم جیسے اُمت کو ہے خود رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ہے جس کا حاصل صراطِ مستقیم کی ہدایت یعنی اللہ تعالیٰ کے قرب رضا کے درجات میں ترقی حاصل کرنا ہی اس فتحِ مبین پر حق تعالیٰ نے اسی قرب رضا کا کوئی بہت اعلیٰ مقام آپ کو عطا فرمایا جس کو یھدیک کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے وَبَيِّنَّا لَكَ اللَّهُ تَصَرَّاتٍ كَثِيرًا، تیسری نعمت ہے جو اس فتحِ مبین پر مرتب ہوئی کہ حق تعالیٰ کی امداد و اعانت جو آپ کو ہمیشہ حاصل رہی ہو اسوقت اس مدد کا ایک بڑا درجہ آپ کو دیا گیا

هُوَ الَّذِي أَنْزَلَ السَّكِينَةَ فِي قُلُوبِ الْمُؤْمِنِينَ لِيَزْدَادُوا

دہی ہے جس نے اُمتارا اطمینان دل میں ایمان والوں کے تاکہ اور بڑھ جائے

إِيمَانًا مَعَ إِيْمَانِهِمْ ۖ وَلِلَّهِ جُنُودُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَكَانَ

ان کو ایمان اپنے ایمان کے ساتھ اور اللہ کے ہیں سب لشکر آسمانوں کے اور زمین کے اور اللہ

اللَّهُ عَلَيْهِمُ أَحْكَمًا ۝ لِيَدْخُلَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ جَنَّاتٍ

ہے خبردار حکمت والا تاکہ پہنچادے ایمان والے مردوں کو اور ایمان والی عورتوں کو باغوں میں

تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا وَيُكَفِّرُ عَنْهُمْ

نیچے بہتی ہیں اُن کے نہریں ہمیشہ رہیں ان میں اور اُتار دے اُن پر سے

سَيِّئَاتِهِمْ ۖ وَكَانَ ذَلِكَ عِنْدَ اللَّهِ فَوْزًا عَظِيمًا ۝ قُلْ يُعَذِّبُ

انکی بُرائیاں اور یہ ہے اللہ کے یہاں بڑی مراد عذابی اور تاکہ عذاب کرے

الْمُفْضِقِينَ وَالْمُفْسِقِينَ وَالْمُشْرِكِينَ وَالْمُشْرِكَاتِ الظَّالِمِينَ

دغا باز مردوں کو اور دغا باز عورتوں کو اور شرک والے مردوں کو اور شرک والی عورتوں کو جو انکلیں کرتے ہیں

بِاللَّهِ ظَنُّ السَّوْءِ عَلَيْهِمْ دَائِرَةُ السَّوْءِ وَغَضِبَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ

اللہ پر بُری انگلیں اُنہی پر پڑے پھر مصیبت کا اور غصہ ہوا اللہ اُن پر

وَلَعَنَهُمْ وَأَعَدَّ لَهُمْ جَهَنَّمَ وَسَاءَتْ مَصِيرًا ⑥ وَلِلَّهِ جُنُودُ السَّمَوَاتِ

اور لعنت کی اُن کو اور تیار کی اُنکے واسطے دوزخ، اور بُری جگہ پہنچے اور اللہ کے ہیں سب لشکر آسمانوں کے

وَالْأَرْضِ وَكَانَ اللَّهُ عَزِيزًا حَكِيمًا ⑦

اور زمین کے اور ہے اللہ زبردست حکمت والا

خلاصہ تفسیر

وہ خدا ایسا ہے جس نے مسلمانوں کے دلوں میں تحمل پیدا کیا (جسکے دو اثر ہیں ایک بیعت جہاد کے وقت اسکی طرف مسابقت اور غم و ہمت جیسا کہ بیعت رضوان کے واقعہ میں اوپر ذکر آچکا ہے اور دوسرا اثر کفار کی بیجا ضد کے وقت اپنے جوش اور غیظ و غضب کو قابو میں رکھنا جسکا ذکر اس واقعہ کے جزو دوم میں تفصیل کے ساتھ آچکا ہے اور آگے بھی فَا نَزَلَ اللَّهُ سَكِينَتَهُ عَلَى رَسُولِهِ میں آئے گا) تاکہ اُن کے پہلے ایمان کیساتھ اُن کا ایمان اور زیادہ ہو (کیونکہ دراصل اطاعت رسول ذریعہ ہے نور ایمان میں زیادتی کا اور اس واقعہ میں ہر پہلو سے مکمل اطاعت رسول کا امتحان ہو گیا کہ جب رسول نے دعوت جہاد کے لئے بلایا اور بیعت لی تو بڑی خوش دلی اور مسابقت کے ساتھ سب نے بیعت کی اور جہاد کے لئے تیار ہو گئے اور جب حکمت و مصلحت کے پیش نظر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قتال سے روکا اور سب صحابہ جوش جہاد میں قتال کے لئے بے قرار تھے مگر اطاعت رسول میں تسلیم خم کر دیا اور قتال سے باز رہے) اور آسمان و زمین کے سب لشکر (جیسے ملائکہ اور سب مخلوقات) اللہ ہی کے (شکر) ہیں (اسلئے کفار کی شکست اور دین اسلام کی سر بلندی کے لئے اللہ تعالیٰ تمہارے قتال و جہاد کا محتاج نہیں وہ اگر چاہیں اپنے فرشتوں کے لشکر بھیج دیں جیسا کہ بدر، احزاب، حنین کے غزوات میں اسکا مشاہدہ ہو چکا، اور یہ لشکر بھیجنا بھی مسلمانوں کی ہمت بڑھانے کے لئے ہے ورنہ ایک فرشتہ بھی سب کیلئے کافی ہے اسلئے تم لوگوں کو نہ تو کفار کی کثرت دیکھ کر جہاد و قتال میں کوئی تردد ہونا چاہیئے اور نہ جو وقت اللہ و رسول کا حکم ترک قتال کا ہو اسوقت ترک قتال میں بھی کوئی تردد ہونا چاہیئے کہ افسوس صلح ہو گئی اور کفار بچ گئے ان کو سزا نہ ہوئی اور قتال یا ترک قتال کے نتائج اور عواقب کو اللہ تعالیٰ ہی زیادہ جانتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ (مصلحتوں کا) بڑا جاننے والا ہے (جب قتال میں حکمت ہوتی ہے اسکا حکم دیتا ہے اور جب ترک قتال میں مصلحت ہوتی ہے اسکا حکم فرماتا ہے) اسلئے مسلمانوں کو چاہیئے کہ دونوں حالتوں میں اپنے جذبات کو امر رسول کے تابع رکھیں جو سبب ہے زیادت ایمان کا۔ آگے زیادتی ایمان کے ثمرہ کا بیان ہے یعنی تاکہ اللہ تعالیٰ

(اس اطاعت کی بدولت) مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں کو ایسی بہشتوں میں داخل کئے جگے نیچے نہریں جاری ہونگی جن میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے اور تاکہ (اس اطاعت کی بدولت) اُن کے گناہ دُور کر دے (کیونکہ اطاعتِ رسول میں گناہوں سے توبہ اور اعمالِ صالحہ سب داخل ہیں جو تمام سیئات اور گناہوں کا کفارہ ہوتے ہیں) اور یہ (جو کچھ مذکور ہوا) اللہ کے نزدیک بڑی کامیابی (اس آیت میں اول قلوبِ مؤمنین پر سکینت اور تھقلِ نازل کرنیکا انعام ذکر فرمایا پھر یہ انعام ایمان کی زیادتی کا بذریعہ اطاعتِ رسول سبب بنا اور اطاعتِ رسول دخولِ جنت کا سبب بنی اسلئے یہ سب اُمور مؤمنین کے قلوب میں نزولِ سکینت پر مرتب ہوئے، آگے اسی سکینت پر مرتب کر کے منافقین کی اس سے محرومی) اور (اس محرومی کے سبب سے گرفتار عذاب ہونا بیان فرماتے ہیں یعنی یہ سکینت مسلمانوں کے قلوب پر نازل فرمائی اور کفار کے قلوب پر نہیں فرمائی) تاکہ اللہ تعالیٰ منافق مردوں اور منافق عورتوں کو اور مشرک مردوں اور مشرک عورتوں کو (بوجہ ان کے کفر کے) عذاب دے جو کہ اللہ کے ساتھ بُرے بُرے گمان رکھتے ہیں (اس بُرے گمان سے مراد باعتبار سیاقِ کلام کے اُن لوگوں کا گمان ہے جن کو عمرہ کے لئے حدیبیہ کے سفر کی دعوت دی گئی اور انھوں نے انکار کر دیا اور باہم یہ کہا کہ یہ لوگ اہل مکہ سے ہمیں لڑانا چاہتے ہیں ان کو جانے دو یہ انکے ہاتھ سے بچکر نہیں آویں گے ایسا کہنے والے لوگ منافقین ہی ہو سکتے ہیں، اور اپنے مفہومِ عام کے اعتبار سے سامع عقائد کفریہ کر کے اسی گمانِ بد میں داخل ہیں ان سب کے لئے وعید ہے کہ دُنیا میں) ان پر بُرا وقت پڑنے والا ہے (چنانچہ چند ہی روز کے بعد مقتول اور مجبوس ہوئے اور منافقین کی تمام عمر حسرت و پریشانی میں کٹی کہ اسلام بڑھتا تھا اور وہ گھٹتے جاتے تھے یہ تو دُنیا میں ہوا) اور (آخرت میں) اللہ تعالیٰ اُن پر غضبناک ہو گا اور اُن کو رحمت سے دُور کر دیگا اور اُن کے لئے اس نے دوزخ تیار کر رکھی ہے اور وہ بہت ہی بُرا ٹھکانا ہے اور (آگے اس وعید کی تاکید ہے کہ) آسمان اور زمین کے سب لشکر اللہ ہی کے ہیں اور اللہ تعالیٰ زبردست (یعنی پوری قدرت والا ہے اگر چاہتا اپنے کسی بھی لشکر سے ان سب کی ایک دم صفائی کر دیتا کہ یہ اسکے مستحق ہیں لیکن چونکہ وہ) حکمت والا ہے (اس لئے مصلحتِ سزا میں مہلت دیتا ہے۔)

معارف و مسائل

شروعِ سُورت کی تین آیتوں میں اُن خاص انعامات کا ذکر ہے جو اس فتحِ مبین میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر مبذول ہوئے۔ بعض صحابہ جو سفرِ حدیبیہ میں ساتھ تھے انھوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ یہ انعامات تو آپ کے لئے ہیں اللہ آپ کو مبارک فرمائے ہمارے لئے کیا ہے

اس پر یہ آیات نازل ہوئیں ان میں اصالتِ حاضرینِ حذیبیہ اور بیعت رضوان پر اللہ تعالیٰ کے انعامات کا ذکر ہے اور چونکہ وہ انعامات ایمان اور اطاعتِ رسول کے سبب ملے اس حیثیت سے سب مومنین کو بھی شامل ہے کہ جو بھی ایمان اور اطاعت میں کامل ہوگا وہ ان انعامات کا مستحق ہوگا۔

إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا وَمُبَشِّرًا وَنَذِيرًا ۝ لِّتُؤْمِنُوا بِاللَّهِ وَ

ہم نے تجھ کو بھیجا احوال بتانے والا اور خوشی اور ڈر سنانے والا تاکہ تم لوگ یقین لاد اللہ پر اور

رَسُولِهِ وَتُعَزِّرُوهُ وَتُوَقِّرُوهُ وَتُسَبِّحُوهُ بُكْرَةً وَأَصِيلًا ۝

اسکے رسول پر اور اسکی مدد کرو اور اسکی عظمت رکھو اور اسکی پاکی بولتے رہو صبح اور شام

إِنَّ الَّذِينَ يُبَايِعُونَكَ إِنَّمَا يُبَايِعُونَ اللَّهَ يَدُ اللَّهِ فَوْقَ

حقیق جو لوگ بیعت کرتے ہیں تم سے وہ بیعت کرتے ہیں اللہ سے اللہ کا ہاتھ ہے اوپر انکے

أَيْدِيهِمْ فَمَنْ نَكَثَ فَإِنَّمَا يَنْكُثُ عَلَى نَفْسِهِ وَمَنْ أَوْفَى

ہاتھ کے پھر جو کوئی قول توڑے سو توڑتا ہے اپنے نقصان کو اور جو کوئی پورا کرے

بِمَا عَاهَدَ عَلَيْهِ اللَّهُ فَمَن يَأْتِيهِ أَجْرٌ عَظِيمٌ ۝

اس چیز کو جس پر اقرار کیا اللہ سے تو وہ اس کو دے گا بدلہ بہت بڑا

خلاصہ تفسیر

(اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) ہم نے آپ کو (اعمالِ اُمت پر قیامت کے دن) گواہی دینے والا (عموماً)

اور (دنیا میں خصوصاً مسلمانوں کے لئے) بشارت دینے والا اور (کافروں کے لئے) ڈرانے والا

کر کے بھیجا ہے (اور اے مسلمانو، ہم نے اُن کو اسلئے رسول بنا کر بھیجا ہے) تاکہ تم لوگ اللہ پر اور

اسکے رسول پر ایمان لاؤ اور اُس (کے دین) کی مدد کرو اور اسکی تعظیم کرو (عقیدہ بھی کہ اللہ تعالیٰ

کو تمام کمالات کیساتھ موصوف اور تمام نقائص اور عیوب سے پاک سمجھو اور عملاً بھی کہ اُس کی

اطاعت کرو) اور صبح و شام اسکی تسبیح (و تقدیس میں لگے رہو) اگر اس تسبیح کی تفسیر نماز سے

کیجائے تو صبح شام کی فرض نمازیں مُراد ہونگی ورنہ مطلق ذکر اگر چہ مستحب ہی ہو مراد ہوگا۔ آگے

بعض حقوقِ خاصہ کے متعلق ارشاد ہے کہ (جو لوگ آپ سے (حذیبیہ کے روز اس بات پر) بیعت

کر رہے ہیں (یعنی بیعت کر چکے ہیں کہ جہاد سے بھاگیں گے نہیں) تو وہ (واقع میں) اللہ تعالیٰ

سے بیعت کر رہے ہیں (کیونکہ مقصود آپ سے اس پر بیعت کرنا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے احکام بجا لائیں

اور جب یہ بات ہے تو گویا) خدا کا ہاتھ انکے ہاتھوں پر ہے پھر (بیعت کے بعد) جو شخص عہد

توڑے گا (یعنی بجائے اطاعت کے مخالفت کرے گا) تو اُسکے عہد توڑنے کا وبال اُسی پر پڑے گا اور جو شخص اس بات کو پورا کرے گا جس پر (بیعت میں) خدا سے عہد کیا ہے تو غنقریب خدا اُس کو بڑا اجر دے گا۔

معارف و مسائل

سابقہ آیات میں اللہ تعالیٰ کے اُن انعامات کا ذکر تھا جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپکی اُمت پر خصوصاً بیعت رضوان کے شرکار پر مبذول ہوئے، اور چونکہ ان انعامات کا عطا کرنے والا اللہ اور واسطہ عطا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اسکی مناسبت سے آیات مذکورہ میں ان کے حقوق اور تعظیم و تکریم کا ذکر ہے اول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے آپ کی تین صفات بیان فرمائیں۔ شاہد، بشیر، نذیر۔ شاہد کے معنی گواہ کے ہیں مراد اس کی وہی ہے جو سورہ نسا کی آیت فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ وَجِئْنَا بِكَ عَلَى هَؤُلَاءِ شَهِيدًا کی تفسیر میں معارف القرآن جلد دوم صفحہ ۲۱۹ میں گزر چکی ہے کہ ہر نبی اپنی اُمت کی بابت اس بات کی گواہی دے گا کہ اُسے اللہ کا پیغام اُمت کو پہنچا دیا پھر کسی نے اطاعت کی کسی نے نافرمانی۔ اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی اُمت کے متعلق گواہی دیں گے۔ سورہ نبا کی آیت کی تفسیر میں قرطبی نے لکھا ہے کہ انبیاء کی یہ گواہی اپنے زمانے کے موجود لوگوں کے متعلق ہوگی کہ ان کی دعوت حق کو کس نے قبول کیا اور کس نے نافرمانی کی، اسی طرح رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ گواہی اپنے زمانے کے لوگوں کے متعلق ہوگی۔ اور بعض حضرات نے فرمایا کہ یہ گواہی تمام اُمت کے اعمال طاعات و سیئات پر ہوگی کیونکہ بعض روایات کے مطابق اُمت کے اعمال صبح شام رسول اللہ کے سامنے فرشتے پیش کرتے ہیں اسلئے آپ تمام اُمت کے اعمال سے باخبر ہونگے (ذکرہ القرطبی عن سعید بن المسیب ر) اور بشیر کے معنی بشارت دینے والا، نذیر کے معنی ڈرانے والا۔ مراد یہ ہے کہ آپ اُمت کے مومنین اور اطاعت کرنے والوں کو جنت کی بشارت دینے والے ہیں اور کفار و فجار کو عذاب سے ڈرانے والے ہیں آگے رسول کو بھیجنے کا مقصد یہ بتلایا گیا کہ تم لوگ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ۔ اور ایمان کے ساتھ مزید تین اوصاف کا ذکر فرمایا ہے جو مومنین میں ہونے چاہئیں تَعَزُّوْا - شَوْقُوْا اور تَسَبَّحُوْا تَعَزُّوْا، تعزیر سے مشتق ہے جس کے معنی مدد کرنے کے ہیں اور سزا کو جو تعزیر کہا جاتا ہے وہ بھی اسلئے کہ مجرم کی مدد حقیقی اس میں ہے کہ اس پر سزا جاری کی جائے (مفردات القرآن راغب) اور شَوْقُوْا، توقیر سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں تعظیم، اور تَسَبَّحُوْا، تسبیح سے مشتق ہے جس کے معنی پاکی بیان کرنے کے ہیں انہیں آفری لفظ تو متعین ہے کہ اللہ ہی کے لئے ہو سکتا ہے اسلئے تَسَبَّحُوْا کی ضمیر میں بجز اس کے کوئی احتمال نہیں کہ حق تعالیٰ کی طرف راجع ہو اسی لئے اکثر حضرات نے پہلے دونوں جملوں کی ضمیریں بھی اللہ تعالیٰ کی طرف راجع کر کے معنی یہ قرار دیے ہیں کہ ایمان لاؤ اور اللہ کی یعنی اسکے دین اور رسول

کی مدد کرد اور اسکی تعظیم کرد اور اسکی تسبیح کرو۔ اور بعض حضرات نے پہلے دو جملوں کی ضمیر رسول کی طرف راجع کر کے مطلب یہ قرار دیا کہ رسول کی مدد کرو اور تعظیم کرو اور اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرو مگر بعض مفسرین نے فرمایا کہ اس میں انتشار ضما کر لازم آتا ہے جو بلاغت کے خلاف ہے واللہ اعلم۔ اسکے بعد اس بیعت کا ذکر ہے جسکا واقعہ قصہ حدیبیہ کے مزدہم میں گزر چکا ہے۔ اس بیعت کے متعلق حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ جن لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر یہ بیعت کی چونکہ مقصود اس سے اللہ کے حکم کی تعمیل اور رضا جوئی ہے اسلئے گویا خود اللہ تعالیٰ سے بیعت کی اور جب انھوں نے رسول کے ہاتھ میں ہاتھ دیا تو گویا اللہ کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ اللہ کا ہاتھ متشابہات میں سے ہے جس کی کیفیت اور حقیقت نہ کسی کو معلوم ہے نہ معلوم کرنے کی فکر میں رہنا درست ہے، اس بیعت کی فضیلت آگے بھی آرہی ہے لفظ بیعت دراصل کسی خاص کام پر عہد لینے کا نام ہے اسکا قدیم اور سنون طریقہ باہم عہد کرنے والوں کا ہاتھ پر ہاتھ رکھنا ہے اگرچہ ہاتھ پر ہاتھ رکھنا شرط اور ضروری نہیں۔ بہر حال جس کام کا کسی سے عہد کیا جائے اسکی پابندی شرعاً واجب ضروری ہے اور خلاف ورزی حرام ہی اسی لئے آگے فرمایا کہ جو شخص اس عہد بیعت کو توڑیگا تو کچھ اپنا ہی نقصان کریگا اللہ اور اس کے رسول کو اس سے کوئی نقصان نہیں پہنچتا اور جو اس عہد کو پورا کریگا تو اس کو اللہ تعالیٰ بڑا اجر دینے والے ہیں۔

سَيَقُولُ لَكَ الْمُخَلْفُونَ مِنَ الْأَعْرَابِ شَغَلَتْنَا أَمْوَالُنَا وَأَهْلُونَا

اب کہیں گے تجھ سے پیچھے رہ جانے والے گنوار ہم کام میں لگے رہ گئے اپنے مالوں کے اور گھر والوں کے

فَاَسْتَغْفِرْ لَنَا يَقُولُونَ بِأَلْسِنَتِهِمْ مَا لَيْسَ فِي قُلُوبِهِمْ قُلْ

سو ہمارا گناہ بخشو وہ کہتے ہیں اپنی زبان سے جو ان کے دل میں نہیں تو کہہ

فَمَنْ يَمْلِكُ لَكُمْ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا إِنْ أَرَادَ بِكُمْ ضَرًّا أَوْ أَرَادَ بِكُمْ

کس کا کچھ بس چلتا ہے اللہ سے تمہارے واسطے اگر وہ چاہے تمہارا نقصان یا چاہے تمہارا

نَفْعًا بَلْ كَانَ اللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا ۝۱۱ بَلْ ظَنَنْتُمْ أَنْ

فائدہ بلکہ اللہ ہے تمہارے سب کاموں سے خبردار کوئی نہیں تم نے تو خیال

لَنْ يَنْقَلِبَ الرَّسُولُ وَالْمُؤْمِنُونَ إِلَىٰ أَهْلِيهِمْ أَبَدًا وَزُيِّنَ

کیا تھا کہ پھر نہ آئے گا رسول اور مسلمان اپنے گھر کبھی اور کھٹ گیا

ذَٰلِكَ فِي قُلُوبِكُمْ وَظَنَنْتُمْ ظَنًّا سَوْفًا وَكُنْتُمْ قَوْمًا بُورًا ۝۱۲ وَ

تمہارے دل میں یہ خیال اور آنکھ کی تم نے بُری انگلیں اور تم لوگ تھے تباہ ہونے والے اور

مَنْ لَمْ يُؤْمِنْ بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ فَإِنَّا أَعْتَدْنَا لِلْكَافِرِينَ سَعِيرًا ۝۱۳

جو کوئی یقین نہ لائے اللہ پر اور اس کے رسول پر تو ہم نے تیار کر رکھی ہے منکروں کے واسطے دہکتی آگ

وَاللّٰهُ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يُغْفِرُ لِمَنْ يَّشَاءُ وَيُعَذِّبُ

اور اللہ کے لئے ہے راج آسمانوں کا اور زمین کا بخشے جس کو چاہے اور عذاب میں ڈالے

مَنْ يَّشَاءُ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿١٣﴾

جس کو چاہے اور ہے اللہ بخشنے والا مہربان

خلاصہ تفسیر

جو دیہاتی (اس سفرِ حدیبیہ سے) پیچھے رہ گئے (شریک سفر نہیں ہوئے) وہ عنقریب (جبکہ آپ مدینہ پہنچیں گے) آپ سے (بات بنانے کے طور پر) کہیں گے کہ (ہم جو آپ کے ساتھ شریک نہیں ہوئے وجہ انکی یہ ہوئی کہ) ہم کو ہمارے مال اور عیال نے فرصت نہ لینے دی (یعنی انکی ضروریات میں مشغول رہے) تو ہمارے لئے (اس کو تاہی کی) معافی کی دعا کر دیجئے (آگے حق تعالیٰ اُن کی تکذیب فرماتے ہیں کہ) یہ لوگ اپنی زبان سے وہ باتیں کہتے ہیں جو اُن کے دل میں نہیں ہیں (آگے آپ کو تلقین ہے کہ یہ لوگ جب آپ سے یہ عذر پیش کریں تو) آپ کہہ دیجئے کہ (اول تو یہ عذر اگر سچا بھی ہوتا تو بمقابلہ اللہ و رسول کے حکم قطعی کے محض عذر رنگ اور باطل ہوتا) سو (ہم پوچھتے ہیں کہ) وہ کون ہے جو خدا کے سامنے تمہارے لئے (نفع و نقصان میں) کسی چیز کا اختیار رکھتا ہو اگر اللہ تعالیٰ تم کو کوئی نقصان یا کوئی نفع پہنچانا چاہے (یعنی تمہاری ذات یا تمہارے مال اور عیال میں جو نفع یا نقصان تقدیر الہی میں مقدر ہو چکا ہے اسکے خلاف کرنا کسی کو اختیار نہیں۔ البتہ شریعت اسلام نے بہت سے مواقع پر اس طرح کے خطرات کا عذر قبول کر کے رخصت دیدی ہے بشرطیکہ وہ عذر واقعی ہو، اور جہاں شریعت نے اس عذر کو قبول نہیں کیا اور رخصت نہیں دی بلکہ حکم قطعی کر دیا جیسا کہ مسئلہ زیر بحث میں ہے کہ سفرِ حدیبیہ کے لئے اللہ و رسول نے گھربار کے مشاغل کو قابل قبول عذر قرار نہیں دیا اگرچہ وہ واقعی ہو۔ دوسرے یہ عذر جو تم کر رہے ہو واقعی اور سچا بھی نہیں جیسا کہ آگے آتا ہے اور تم سمجھتے ہو گے کہ مجھ کو اس جھوٹ کی خبر نہیں ہوئی) بلکہ (حقیقت یہ ہے کہ) اللہ تعالیٰ (نے جو کہ) تمہارے سب اعمال پر مطلع ہے (مجھ کو بذریعہ وحی اطلاع کر دی ہے) کہ تمہاری غیر حاضری کی وجہ وہ نہیں جو تم بیان کر رہے ہو) بلکہ (اصل وجہ یہ ہے کہ) تم نے یہ سمجھا کہ رسول اور مومنین اپنے گھر والوں میں کبھی ٹوٹ کر نہ آویں گے (بلکہ مشرکین سب کی صفائی کر دیں گے) اور یہ بات تمہارے دلوں میں اچھی بھی معلوم ہوتی تھی (بوجہ اللہ و رسول کی عداوت کے تمہاری دلی تمنا بھی تھی) اور تم نے بڑے بڑے گمان کئے اور تم (ان بڑے گمانوں کی وجہ سے جو کہ خیالاتِ کفریہ ہیں) برباد ہو نوالے لوگ ہو گئے اور (اگر ان وعیدوں کو سنکر تم اب بھی دل سے ایمان لے آؤ تو خیر ورنہ) جو شخص اللہ پر

اور اسکے رسول پر ایمان نہ لا دیکھا تو ہم نے کافروں کے لئے دوزخ تیار کر رکھی ہے اور (مومن وغیر مومن کے لئے مذکورہ قانون مقرر کرنے سے تعجب نہ کیا جائے کیونکہ) تمام آسمان وزمین کی سلطنت اللہ ہی کی ہے وہ جسکو چاہے بخش دے اور جس کو چاہے سزا دے اور (کافر اگرچہ مستحق عذاب ہوتا ہے لیکن) اللہ تعالیٰ بڑا غفور و رحیم ہے (کہ وہ بھی سچے دل سے ایمان لے آویں تو ان کو بھی بخش دیتا ہے)

معارف و مسائل

یہ مضمون جو اوپر مذکور ہوا ان اعراب کے متعلق ہے جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سفر حدیبیہ میں ساتھ چلنے کا حکم کیا تھا مگر انھوں نے یہاں نہ بازی سے کام لیا جسکا بیان قصہ حدیبیہ کے جزو اول میں ہو چکا ہے۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ انہیں بعض حضرات بعد میں تائب اور غلام ہو گئے تھے

سَيَقُولُ الْمُخَلَّفُونَ إِذَا انْطَلَقْتُمْ إِلَى مَغَائِرٍ لَنَا خُذُوا هَٰذَا زِينَا

اب کہیں گے پیچھے رہ گئے ہوئے جب تم چلو گے غنیمتیں لینے کو چھوڑ دو ہم بھی چلیں

تَتَّبِعُكُمْ مِّرْيَدُونَ أَن يُبَدِّلُوا كَلِمَ اللَّهِ قُلْ لَن تَتَّبِعُونَا

تمہارے ساتھ چاہتے ہیں کہ بدلیں اللہ کا کہا تو کہہ دے تم ہمارے ساتھ ہرگز نہ چلو گے

كُنْ لَكُمْ قَالِ اللَّهُ مِنْ قَبْلُ ۖ فَسَيَقُولُونَ بَلْ تَحْسَدُ وَنَا بَلْ

یوں ہی کہہ دیا اللہ نے پہلے سے پھر اب کہیں گے نہیں تم تو جلتے ہو ہمارے فائدہ سے کوئی نہیں

كَانُوا لَا يَفْقَهُوْنَ إِلَّا قَلِيلًا ۝ قُلْ لِلْمُخَلَّفِينَ مِنَ الْأَعْرَابِ

پر وہ نہیں سمجھتے ہیں مگر تھوڑا سا کہہ دے پیچھے رہ جانے والے گنہگاروں سے

سَلَامٌ إِلَى قَوْمٍ أُولَىٰ بَأْسٍ شَدِيدٍ ثَقَاتُكُمُ أَهْلٌ أَوْ يُسْلَمُونَ

آئندہ تم کو بلائیں گے ایک قوم پر بڑے سخت لڑنے والے تم ان سے لڑو گے یا وہ مسلمان ہونگے

فَإِنْ تَطِيعُوا يُؤْتِكُمُ اللَّهُ أَجْرًا حَسَنًا ۖ وَإِنْ تَتَوَلَّوْا كَمَا تَوَلَّيْتُمْ

پھر اگر کام مانو گے دیکھا تم کو اللہ بد لہ اچھا اور اگر پلٹ جاؤ گے جیسے پلٹ گئے تھے

مِنْ قَبْلُ يُعَذِّبُكُمْ عَذَابًا أَلِيمًا ۝ لَيْسَ عَلَى الْأَعْمَىٰ حَرَجٌ

پہلی بار دیکھا تم کو ایک عذاب دردناک اندھے پر تکلیف نہیں

وَلَا عَلَى الْأَعْرَجِ حَرَجٌ وَلَا عَلَى الْمَرِيضِ حَرَجٌ وَلَا عَلَى مَنْ

اور نہ منکروے پر تکلیف اور نہ بیمار پر تکلیف اور جو کوئی

يُطِيعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ يُدْخِلْهُ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ

حکم مانے اللہ کا اور اسکے رسول کا اسکو داخل کرے گی باغوں میں جن کے نیچے بہتی ہیں نہریں

وَمَنْ يَتَوَلَّ يُعَذِّبْهُ عَذَابًا أَلِيمًا ۱۴

اور جو کوئی پلٹ جائے اُس کو عذاب دے گا دردناک

خلاصہ تفسیر

جو لوگ (سفر حدیبیہ سے) پیچھے رہ گئے وہ عنقریب جب تم (خیبر کی) غنیمتیں لینے چلو گے (مطلب یہ ہے کہ خیبر فتح کرنے کے لئے چلو گے جہاں غنیمت ملنے والی ہے تو یہ لوگ تم سے) کہیں گے کہ ہم کو بھی اجازت دو کہ ہم تمہارے ساتھ چلیں (وجہ اس درخواست کی مال غنیمت کی طرح تھی جبکہ حاصل ہونا قرآن سے ان کو معلوم اور متوقع تھا بخلاف سفر حدیبیہ کے کہ اس میں رحمت بلکہ ہلاکت زیادہ متوقع تھی، اس کے متعلق حق تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ لوگ یوں چاہتے ہیں کہ خدا کے حکم کو بدل ڈالیں (یعنی حکم اللہ کا کیا تھا کہ اس غزوہ میں صرف وہ لوگ جائیں جو حدیبیہ اور بیعت رضوان میں شریک ہوئے ان کے سوا اور کوئی نہ جائے خصوصاً اُن لوگوں میں جنہوں نے سفر حدیبیہ میں تخلف اختیار کیا اور بہانہ بازی کی سو) آپ کہہ دیجئے کہ تم ہرگز ہمارے ساتھ نہیں چل سکتے (یعنی تمہاری یہ درخواست ہم منظور نہیں کر سکتے کیونکہ اس میں حکم خدا تعالیٰ کی تبدیلی کا گناہ ہے کیونکہ) اللہ تعالیٰ نے پہلے سے یوں ہی فرمادیا ہے (یعنی حدیبیہ سے واپسی ہی میں اللہ تعالیٰ نے یہ حکم دیدیا تھا کہ غزوہ خیبر میں اہل حدیبیہ کے سوا کوئی نہ جائے گا اور یہ حکم خداوندی بظاہر قرآن میں مذکور نہیں اس سے معلوم ہوا کہ یہ حکم وحی غیر متلو کے ذریعہ آپ کو ملا تھا جو احادیث کے ذریعہ بیان کی جاتی ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ حدیبیہ سے واپسی میں جو سورت فتح نازل ہوئی اور اس میں یہ آیت آئی اِنَّهَا فَتْحٌ مُّبِينٌ، اس فتح قریب سے مراد فتح خیبر ہی ہے تو اس آیت نے اشارہ کر دیا کہ یہ فتح خیبر اُنہی اہل حدیبیہ کو نصیب ہوگی، اور جب آپ اُن کو یہ جواب دیں گے) تو وہ لوگ کہیں گے (ظاہر یہ ہے کہ آپ کے سامنے کہنا مراد نہیں بلکہ اُوروں سے کہیں گے کہ ہمارے ساتھ نہ لینے کو جو خدا کا حکم بتلایا جاتا ہے بات یہ نہیں) بلکہ تم لوگ ہم سے حسد کرتے ہو (اس لئے ہمارا شریک ہونا گوارا نہیں حالانکہ مسلمانوں میں حسد کا کوئی شائبہ نہیں) بلکہ خود یہ لوگ بہت کم بات سمجھتے ہیں (اگر سمجھ پوری ہوتی تو اللہ کے اس حکم کی حکمت باکسانی سمجھ سکتے تھے کہ حدیبیہ میں ان حضرات نے ایک بہت بڑے خطرہ اور بڑے امتحان کا کام کیا منافقین نے اپنی کونیوی اغراض کو مقدم رکھا یہ وجہ انکی تخصیص انکی محرومی کی ہے۔ یہاں تک مضمون خیبر کے متعلق تھا آگے ایک دوسرے واقعہ کے متعلق گفتگو کے لئے ارشاد ہوتا ہے کہ) آپ ان پیچھے رہنے والے دیہاتیوں سے (یہ بھی) کہہ دیجئے کہ (اگر ایک خیبر میں نہ گئے تو نہ وہی ثواب حاصل کرنے کے اور بھی مواقع آنے والے ہیں چنانچہ)

غفیر تب تم لوگ ایسے لوگوں (سے لڑنے) کی طرف بلائے جاؤ گے جو سخت لڑنے والے ہونگے (مراد اس سے فارس و روم کے غزوات ہیں) (کذا فی الدر عن ابن عباسؓ) کیونکہ ان کی فوجیں تربیت یافتہ اور با سامان تھیں کہ) یا تو ان سے لڑتے رہو یا وہ مطیع (اسلام) ہو جاویں (خواہ اسلام قبول کر کے یا اسلامی حکومت کی اطاعت اور جزیہ دینا قبول کر کے۔ مطلب یہ کہ تم اس کام کے لئے بلا جاؤ گے) سو (اُس وقت) اگر تم اطاعت کرو گے (اور ان سے جہاد کرو گے) تو تم کو اللہ تعالیٰ نیک لہ دیگا اور اگر تم (اُس وقت بھی) رد گردانی کرو گے جیسا اسکے قبل (حدیبیہ وغیرہ میں) رد گردانی کر چکے ہو تو وہ دردناک عذاب کی سزا دیگا (البتہ دعوت جہاد سے معذور لوگ مستثنیٰ ہیں چنانچہ) نہ اندھے پر کوئی گناہ ہے اور نہ لنگڑے پر کوئی گناہ ہے اور نہ بیمار پر کوئی گناہ ہے اور (اوپر جو مجاہدین کے لئے جنت و نعمت کے وعدے اور جہاد سے جان پڑانے والوں کے لئے وعیدیں مذکور ہیں انہیں کچھ انہی لوگوں کی تخصیص نہیں بلکہ قاعدہ کلیہ ہے کہ) جو شخص اللہ اور رسول کا کہنا مانے گا اسکو ایسی جنتوں میں داخل کریگا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی اور جو شخص (حکم سے) رد گردانی کرے گا اس کو دردناک عذاب کی سزا دیگا۔

معارف و مسائل

آیات مذکورہ میں اس واقعہ کا ذکر ہے جو حدیبیہ سے واپسی کے بعد سمنہ ہجری میں پیش آیا کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ خیبر کا ارادہ فرمایا تو صرف ان لوگوں کو ساتھ لیا جو سفر حدیبیہ اور بیعت رضوان میں شریک تھے اور اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو خیبر کی فتح اور وہاں سے اموال غنیمت ملنے کا وعدہ فرمایا تھا اس وقت دیہات کے وہ لوگ جو سفر حدیبیہ میں باوجود بیلانیکے عذر کر کے پیچھے رہ گئے تھے ان لوگوں نے بھی جہاد خیبر میں ساتھ چلنے کا ارادہ کیا خواہ اس طرح سے کہ ان کو قرآن سے خیبر کا فتح ہونا اور وہاں مال غنیمت ملنے کی توقع تھی اور یا مسلمانوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے معاملات اور صلح حدیبیہ کے کچھ برکات دیکھ کر ان کو جہاد سے پیچھے رہنے پر ندامت ہوئی اور اب شرکت جہاد کا ارادہ کیا۔ ان کے جواب میں قرآن نے فرمایا کہ یہ لوگ اللہ کے کلام یعنی اُس کے حکم کو بدلنا چاہتے ہیں یُؤَيِّدُ وَنَ اَنْ يُقَيِّدَ لَوْ اَكَلَمَ اللّٰهُ اور مراد اس حکم سے غزوہ خیبر اور اسکے مغنم کا صرف اہل حدیبیہ کے ساتھ مخصوص ہونا ہے اور اسکے بعد گد لکم قال اللہ من قبل میں بھی یہی تخصیص اہل حدیبیہ کا قول ہے مگر یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ قرآن کریم میں تو کہیں اس تخصیص کا ذکر ہے نہیں پھر اس تخصیص کے وعدہ کو کلام اللہ اور قال اللہ کہنا کیسے صحیح ہوا۔

وحی الہی صرف قرآن میں منحصر نہیں، قرآن کے علاوہ بھی بذریعہ وحی احکام آئے ہیں اور احادیث رسول بھی کلام اللہ کے حکم میں ہیں

ذریعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سفر حدیبیہ میں فرمایا تھا، اسی کو اس جگہ کلام اللہ اور قال اللہ کے الفاظ سے تعبیر فرمایا ہے اس سے معلوم ہوا کہ علاوہ احکام قرآن کے جو احکام احادیث صحیحہ میں مذکور ہیں وہ بھی حسب تصریح اس آیت کے کلام اللہ اور قول اللہ میں داخل ہیں۔ جو ملحدین احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مجتہد دین نہیں مانتے یہ آیتیں انکے الحاد کو کھولنے کے لئے کافی ہیں، رہا یہ معاملہ کہ اسی سورت میں جو سفر حدیبیہ کے شروع میں نازل ہوئی ہے یہ الفاظ قرآن میں موجود ہیں اِنَّا بِهٖمْ قٰتِلٌ جَٰہِلِیَّۃً، اور باتفاق مفسرین یہاں فتح قریب سے فتح خیبر مراد ہے تو اس طرح قرآن میں فتح خیبر کا اور اس کے غنائم اہل حدیبیہ کو ملنے کا وعدہ آگیا وہی اس لفظ کلام اللہ اور قال اللہ کی مراد ہو سکتی ہے، تو حقیقت یہ ہے کہ اس آیت میں غنیمت کا وعدہ تو ہے مگر اسکا کہیں ذکر نہیں کہ غنیمت اہل حدیبیہ کے ساتھ مخصوص ہوگی دوسرے اس میں شریک نہ ہو سکیں گے یہ تخصیص تو بلاشبہ حدیث رسول ہی سے معلوم ہوئی ہے وہی کلام اللہ اور قال اللہ کا مصداق ہے اور بعض حضرات نے جو سورہ توبہ کی آیت کو اسکا مصداق قرار دیا ہے یعنی فَاَسْتَأْذِنُوْا لِلْخُرُوْجِ فَقُلْ لَنْ تَخْرُجُوْا مَعِيَ اَبَدًا اَوْ لَنْ تُقَاتِلُوْا مَعِيَ عَدُوًّا اِنَّكُمْ رَضِیْتُمْ بِالْفُغُوْدِ اَوَّلَ مَرَّةٍ تو اس لئے صحیح نہیں کہ یہ آیات غزوہ تبوک کے متعلق آئی ہیں، اور وہ غزوہ خیبر کے بعد ۹ ہجری میں ہوا ہے (قرطبی وغیرہ)

قُلْ لَنْ تَكْفُرُوْا، اس میں جو تاکید کی طور پر متخلفین حدیبیہ سے یہ فرمایا ہے کہ تم ہرگز ہمارے ساتھ نہیں ہو سکتے یہ صرف غزوہ خیبر کے ساتھ مخصوص ہے آگے کسی اور جہاد میں بھی شریک نہ ہو سکیں یہ اس سے لازم نہیں آتا، یہی وجہ ہے کہ ان متخلفین حدیبیہ میں سے قبائل مزنیہ اور جہینہ بعد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیساتھ غزوات میں شریک ہوئے (کما فی الروح عن البحر۔ بیان)

متخلفین حدیبیہ میں سے بعض لوگ بعد میں تاب ہو کر سچے مسلمان ہو گئے تھے جہاد کی شرکت سے روک دیا گیا تھا حالانکہ ان میں سب منافق نہیں، بعض مسلمان بھی تھے اور بعض گواہ وقت منافق تھے مگر بعد میں سچے ایمان کی ان کو توفیق ہو گئی تھی اسلئے ایسے لوگوں کی دلجوئی کے لئے اگلی آیات آئیں جنہیں ان کو تسلی دی گئی ہے کہ اگرچہ غزوہ خیبر اللہ کے وعدے کے مطابق اہل حدیبیہ کے لئے مخصوص کر دیا گیا مگر جو خالص مسلمان ہیں اور دل سے شرکت جہاد چاہتے ہیں ان کے لئے دوسرے مواقع آنے والے ہیں ان مواقع کو قرآن کریم ایک خاص پیشین گوئی کی صورت میں بیان فرماتا ہے جسکا ظہور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ہونے

والا ہے۔ ارشاد فرمایا، سَتَلْعَنُونَ إِلَىٰ قَوْمِهِمْ أُولَٰئِكَ يَشْكُونَ، یعنی ایک ایسا وقت آنے والا ہے جبکہ تمہیں جہاد کی دعوت دی جائے گی اور یہ جہاد ایک بڑی سخت جنگجو قوم کے ساتھ ہوگا۔ اور تاریخ اسلام شاہد ہے کہ یہ واقعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں پیش نہیں آیا، کیونکہ اولا تو آپ کا اس کے بعد اعراب کو کسی غزوہ میں دعوت شرکت دینا ثابت نہیں ثانیاً اسکے بعد کسی ایسی قوم سے مقابلہ بھی نہیں ہوا جسکے بہادر اور سخت ہونیکا قرآن نے ذکر فرمایا ہے کیونکہ غزوہ تبوک میں اگرچہ مقابلہ ایسی قوم سے تھا مگر نہ اُس غزوہ میں اعراب کو دعوت دینا ثابت ہے اور نہ اس میں قتال کی نوبت آئی کیونکہ مقابل آدمیوں پر اللہ نے رعب ڈال دیا وہ مقابلہ پر نہیں آئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ بغیر قتال کے واپس آئے اور غزوہ ٹخنیں میں بھی نہ انکو دعوت دینا ثابت ہے اور نہ اسوقت مقابل کوئی ایسی قوم تھی جو سخت اور ساز و سامان والی ہو۔ اسلئے ائمہ تفسیر میں سے بعض نے فرمایا ہے کہ مراد اس سے فارس اور روم یعنی کسریٰ و قیصر کی قوین ہیں جن کیساتھ جہاد حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے عہد میں ہوا ہے (ہو قول ابن عباس عطاء و مجاہد ابن ابی بکر قرطبی) اور حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہم قرآن کی یہ آیت پڑھتے تھے اور ہمیں معلوم نہ تھا کہ اس قوم سے کونسی قوم مراد ہے یہاں تک کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد صدیق اکبر نے اپنی خلافت کے زمانے میں ہمیں بنو حنیضہ اہل یمامہ یعنی مسلمہ کذاب کی قوم کیساتھ جہاد کرنے کی دعوت دی اسوقت ہم سمجھے کہ یہی قوم اس آیت میں مراد تھی مگر ان دونوں اقوال میں کوئی تضاد و تعارض نہیں ہو سکتا ہے کہ یہ بھی تو میں اس میں داخل ہوں۔

امام قرطبی نے اسکو نقل کر کے فرمایا کہ یہ آیت اسکی دلیل ہے کہ حضرت صدیق اکبر اور فاروق اعظم رضی اللہ عنہما کی خلافت حق کے مطابق تھی انکی دعوت کا ذکر خود قرآن نے آیت مذکورہ میں فرمایا ہے ثُمَّ لَئِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ آلَٰهَكُمْ وَتُحِبُّونَ النَّاسَ كُلَّيْهِمْ أَنْ تُخْلِفُوا صُلٰٓحَ مَا أُوتِيتُمْ فِي الْمَدِينَةِ بِغَيْرِ غَرَرٍ، حضرت ابی بکر رضی اللہ عنہ کی قرات میں أَوْ يُسَلِّمُوا بغیر نون کے آیا ہے اس لئے قرطبی نے اسکے مطابق حرف اذ کو حشی کے معنی میں لیا ہے یعنی اُس قوم سے قتال اسوقت تک ہوتا رہے گا جب تک کہ وہ مطیع فرمانبردار نہ ہو جائیں خواہ اسلام قبول کر کے یا اسلامی حکومت کی اطاعت میں رہنا قبول کر کے۔

لَئِنْ عَلٰی اِلٰهٍ سَعٰی حَرْجٌ، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ جب ادھر کی آیات میں جہاد کی شرکت سے ہٹنے والوں کے لئے عذاب کی وعید آئی اِنْ تَتُوبَا لَنَا كَمَا كُنْتُمْ قَبْلُ یَعْنٰی بَكْمُ عَذَابًا اَلَمًا، تو کچھ معذور ہوگ جو صحابہ کرام میں تھے اُن کو فکر ہوئی کہ ہم تو شرکت جہاد کے قابل نہیں، کہیں ہم بھی اس وعید میں شامل نہوں، اس پر یہ آیت نازل ہوئی جس میں اندھے، لنگرے اور بیمار کو حکم جہاد سے مستثنیٰ کر دیا گیا (قرطبی) واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

لَقَدْ رَضِيَ اللَّهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ إِذْ يُبَايِعُونَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ

تمتقین اللہ خوش ہوا ایمان والوں سے جب بیعت کرنے لگے تجھ سے اس درخت کے نیچے پھر معلوم

مَا فِي قُلُوبِهِمْ فَأَنْزَلَ السَّكِينَةَ عَلَيْهِمْ وَأَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيبًا ۝۱۸

کیا جو ان کے جی میں تھا پھر اُتارا ان پر اطمینان اور انعام دیا ان کو ایک فتح نزدیک

وَمَغَانِمَ كَثِيرَةً يَأْخُذُونَهَا وَكَانَ اللَّهُ عَزِيزًا حَكِيمًا ۝۱۹

اور بہت غنیمتیں جن کو وہ لیں گے اور ہے اللہ زبردست حکمت والا

وَعَدَكُمْ اللَّهُ مَغَانِمَ كَثِيرَةً يَأْخُذُونَهَا فَعَجَّلَ لَكُمْ هَذِهِ وَكَفَّ

وعدہ کیا ہے تم سے اللہ نے بہت غنیمتوں کا تم ان کو لو گے سو جلدی پہنچا دی تم کو یہ غنیمت اور روک دیا

أَيْدِيَ النَّاسِ عَنْكُمْ وَلِتَكُونَ آيَةً لِّلْمُؤْمِنِينَ وَيَهْدِيَكُمْ

لوگوں کے ہاتھوں کو تم سے اور تاکہ ایک نمونہ ہو قدرت کا مسلمانوں کے واسطے اور چلائے تم کو

صِرَاطًا مُسْتَقِيمًا ۝۲۰ وَآخِرَى لَمْ يُغْلِبْ رُؤَا عَلَيْهَا قَدْ أَحَاطَ اللَّهُ بِهَا

سیدھی راہ اور ایک فتح اور جو تمہارے بس میں نہ آئی وہ اللہ کے قابو میں ہے

وَكَانَ اللَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرًا ۝۲۱

اور اللہ ہر چیز کر سکتا ہے

خلاصہ تفسیر

تمتقین اللہ ان مسلمانوں سے (جو آپ کے ہم سفر ہیں) خوش ہوا جبکہ یہ لوگ آپ سے درخت کے نیچے (جہاد میں ثابت قدم رہنے پر) بیعت کر رہے تھے اور ان کے دلوں میں جو کچھ (اخلاص اور عہد کو پورا کرنے کا عزم) تھا اللہ کو وہ بھی معلوم تھا اور (اس وقت) اللہ تعالیٰ نے ان (کے قلب) میں اطمینان پیدا کر دیا (جس سے ان کو خدا کا حکم ماننے میں ذرا پس و پیش یا تردد نہیں ہوا۔ یہ تو معنوی نعمتیں ہوئیں) اور (اسکے ساتھ کچھ محسوس نعمتیں بھی دی گئیں جن میں معنوی نعمتیں بھی شامل تھیں، چنانچہ) ان کو ایک گنتے ہاتھ فتح دیدی (مراد اس فتح سے فتح خیبر ہے) اور (ان فتح میں) بہت سی غنیمتیں بھی (دیں) جن کو یہ لوگ لے رہے ہیں اور اللہ تعالیٰ بڑا زبردست (اور) بڑا حکمت والا ہے (کہ اپنی قدرت اور حکمت سے جو وقت جس کے لئے مناسب سمجھتا ہے فتح دیدیتا ہے۔ اور کچھ اسی فتح خیبر پر بس نہیں بلکہ) اللہ تعالیٰ نے تم سے (اور بھی) بہت سی غنیمتوں کا وعدہ کر رکھا ہے جن کو تم لوگ سو (ان میں سے) سرِ دست تم کو یہ دیدی ہے اور (اس کے دینے کے لئے خیبر اور حلفاء خیبر کے) لوگوں کے ہاتھ تم سے روک دیئے (یعنی سب کے

دلوں پر رعب ڈال دیا کہ اُن کو زیادہ دراز دستی کی ہمت نہ ہوئی اور اس سے تمہارا دنیوی نفع بھی مقصود تھا تاکہ آرام اور فراغت ملے اور (دینی نفع بھی تھا) تاکہ یہ (واقعہ) اہل ایمان کیلئے (دوسرے وعدوں کے سچے ہونیکا) ایک نمونہ ہو جائے (یعنی خدا کے وعدوں کے سچا ہونے پر اور زیادہ ایمان پختہ ہو جائے) اور تاکہ (اس نمونہ کے ذریعہ) تم کو (آئندہ کے لئے ہر کام میں) ایک سیدھے راستہ پر ڈال دے (مراد اس راستہ سے توکل اور اللہ پر بھروسہ ہے یعنی ہمیشہ کے لئے اس واقعہ کو سوچ کر اللہ پر اعتماد سے کام لیا کر داس طرح دینی نفع دوہو گئے ایک علمی اور اعتقادی جس کو دلتکون سے بیان فرمایا ہے، دوسرا علمی و اخلاقی جس کو بھید یکم کے الفاظ سے ارشاد فرمایا ہے) اور ایک فتح اور بھی (موعود) ہے جو (اس وقت تک) تھکے قابو میں نہیں آئی (مراد اس سے فتح مکہ ہے جو اب تک واقع نہیں ہوئی تھی مگر) خدا تعالیٰ اس کو احاطہ (قدرت) میں لئے ہوئے ہے (جب چاہے گا تم کو عطا کر دیگا) اور (اسی کی کیا تخصیص ہے) اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔

معارف و مسائل

لَقَدْ رَضِيَ اللَّهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ إِذْ يُبَايِعُونَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ، اس بیعت سے مراد بیعت حدیبیہ ہے جس کا ذکر اس سے پہلے بھی اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ میں آچکا ہے یہ آیت بھی اسی سے متعلق اور اس کی تاکید ہے اس آیت میں حق تعالیٰ نے اس بیعت کے شرکار سے اپنی رضا کا اعلان فرمادیا ہے اسی لئے اسکو بیعت رضوان بھی کہا جاتا ہے اور مقصود اس سے اُن شرکار بیعت کی مدح اور اُن کو اس عہد کے پورا کرنے کی تاکید ہے۔ صحیحین میں حضرت جابر رضی کی روایت ہے کہ حدیبیہ کے دن ہماری تعداد چودہ سو نفر کی تھی ہم سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انتہو خیر اھل (احراض) یعنی تم لوگ تمام روئے زمین کے انسانوں سے بہتر ہو۔ اور صحیح مسلم میں اُمّ بشر رضی سے مرفوعاً روایت ہے کہ لا یدخل النار احد من بايع تحت الشجرة، یعنی جن لوگوں نے اس درخت کے نیچے بیعت کی ہے اُن میں کوئی جہنم میں نہیں جائیگا (منظہری) اس لئے اس بیعت کے شرکار کی مثال شرکار غزوہ بدر کی سی ہے جیسا انکے متعلق قرآن و حدیث میں رضائے الہی اور جنت کی بشارتیں ہیں اسی طرح شرکار بیعت رضوان کے لئے بھی یہ بشارت آئی ہے۔

یہ بشارتیں اس پر شاہد ہیں کہ ان سب حضرات کا خاتمہ ایمان اور اعمال صالحہ مرضیہ پر ہوگا کیونکہ رضائے الہی کا یہ اعلان اسکی ضمانت دے رہا ہے۔

صحابہ کرام طعن و تشنیع اور انکی لغزشوں میں غور و بحث اس آیت کی خلاف ورسی میں غور و بحث اس آیت کی معافی کا اعلان ہے۔ پھر انکے ایسے معاملات کو جو تحسن نہیں ہیں غور و فکر اور بحث مباحثہ کا میدان بنانا بدعتی اور بظاہر اس آیت کی مخالفت ہے۔ یہ آیت ردافض کے قول کی واضح تردید ہے جو ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما پر کفر و نفاق کے الزام لگاتے ہیں۔

شجرہ رضوان | شجرہ، جسکا ذکر اس آیت میں آیا ہے ایک بول کا درخت تھا اور شہور یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد کچھ لوگ وہاں چلکر جاتے اور اس درخت کے نیچے نمازیں پڑھتے تھے۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو خطرہ ہوا کہ کہیں آئندہ آنے والے جہلاء اسی درخت کی پرستش نہ شروع کر دیں جیسے پھلی اُمتوں میں اس طرح کے واقعات ہوئے ہیں اس لئے اس درخت کو کٹوا دیا مگر صحیحین میں ہے کہ حضرت طارق بن عبد الرحمن فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ حج کے لئے گیا تو راستے میں میرا گزر ایسے لوگوں پر ہوا جو ایک مقام پر جمع تھے اور نماز پڑھ رہے تھے میں نے اُن سے پوچھا کہ یہ کونسی مسجد ہے انہوں نے کہا کہ یہ وہ درخت ہے جس کے نیچے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیعت رضوان لی تھی، میں اسکے بعد حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ کے پاس حاضر ہوا اور اس واقعہ کی خبر اُن کو دی، انہوں نے فرمایا کہ میرے والد ان لوگوں میں سے تھے جو اس بیعت رضوان میں شریک ہوئے انہوں نے مجھ سے فرمایا کہ ہم جب اگلے سال مکہ مکرمہ حاضر ہوئے تو ہم نے وہ درخت تلاش کیا ہمیں بھول ہو گئی اسکا پتہ نہیں لگا۔ پھر سعید بن مسیب نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ جو خود اس بیعت میں شریک تھے اُن کو تو پتہ نہیں لگا تمہیں وہ معلوم ہو گیا عجیب بات ہے کیا تم اُن سے زیادہ واقف ہو (روح المعانی) اس سے معلوم ہوا کہ بعد میں لوگوں نے محض اپنے تہمید اور اندازہ کے کسی درخت کو متعین کر لیا اور اس کے نیچے حاضر ہونا اور نمازیں پڑھنا شروع کر دیا، فاروق اعظم کو یہ بھی معلوم تھا کہ یہ وہ درخت نہیں پھر خطرہ ابتلائے شرک کا لاحق ہو گیا اسلئے اسکو قطع کر دیا ہو کیا بعید ہے۔

فتح خیبر | خیبر درحقیقت ایک صوبہ کا نام ہے جس میں بہت سی بستیاں اور قلعے اور باغات شامل ہیں (نظری) وَ اَنَّا بِهٖمۡ قٰتِلٌۭاۤ اَشْرَیۡنَ، اس فتح قریب سے مراد باتفاق فتح خیبر ہے جو حدیبیہ سے واپس آنے کے بعد واقع ہوئی ہے بعض روایات کے مطابق تو حدیبیہ سے واپسی کے بعد آپ کا قیام مدینہ منورہ میں صرف دس روز اور دوسری روایت کے مطابق مینل روز رہا اسکے بعد خیبر کے لئے روانہ ہو گئے، ابو ابن اسحق کی روایت کے مطابق آپ ذی الحجہ میں مدینہ طیبہ واپس تشریف لائے اور محرم سنہ ہجری میں آپ غزوہ خیبر کے لئے تشریف لے گئے اور ماہ صفر سنہ ہجری میں خیبر فتح ہوا۔ واقعی کے معنای میں یہی لکھا ہے اور حافظ ابن حجر نے فرمایا کہ یہی راجح ہے (تفسیر مظہری)

بہر حال یہ ثابت ہوا کہ یہ واقعہ فتح خیبر سفر حدیبیہ سے کافی دنوں کے بعد پیش آیا ہے۔ اور سورہ فتح کا سفر حدیبیہ کے دوران نازل ہونا سب کے نزدیک متفق علیہ ہے البتہ اس میں اختلاف ہے کہ پوری سورت اسی وقت نازل ہوئی یا کچھ آیتیں بعد میں آئیں۔ اگر پہلی صورت رائج ہو تو ان آیتوں میں واقعہ خیبر کا بیان بطور پیش گوئی کے ہوا اور اسکو بصیغہ ماضی قطعی اور یقینی ہونے کی بنا پر تعبیر کیا گیا، اور اگر دوسرا قول رائج ہو تو یہ ہو سکتا ہے کہ یہ آیتیں بعد وقوع فتح خیبر کے نازل ہوئی ہوں واللہ اعلم۔

وَمَغَانِمَ كَثِيرَةً يَأْخُذُونََهَا، مراد اس سے خیبر کا مال غنیمت ہے جس سے مسلمانوں کو سہولت اور فراغ بآلی حاصل ہوئی۔

وَعَدَكُمْ اللَّهُ مَغَانِمَ كَثِيرَةً تَأْخُذُونََهَا فَجَعَلَ لَكُمْ هَذِهِ، اس سے مراد تمام اسلامی فتوحات اور ان کے غنائم ہیں جو قیامت تک حاصل ہونے والی ہیں۔ پہلے مغانم اہل حدیبیہ کے لئے اللہ تعالیٰ کے حکم سے مخصوص کر دیے گئے تھے یہ سب کے لئے عام ہیں۔ اسی سے معلوم ہوتا ہے کہ تخصیص کا حکم ان آیات میں ذکر نہیں کیا گیا بلکہ وہ جداگانہ وحی کے ذریعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتلایا گیا ہے۔ آپ نے اُس پر عمل کیا اور صحابہ کرام کو بتلایا۔

وَكَفَّ آيَاتِي النَّاسِ عَنْكُمْ، اس سے مراد کفار اہل خیبر ہیں کہ ان کو اس جہاد میں کچھ زیادہ زور دکھانے کا موقع اللہ تعالیٰ نے نہیں دیا۔ امام بغوی نے فرمایا کہ قبیلہ غطفان یہود خیبر کا حلیف تھا جب اس قبیلہ نے خبر سنی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر پر چڑھائی کی ہے تو یہ لوگ یہود کی مدد کے لئے بڑے ساز و سامان سے نکلے مگر اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں رعب الہی دیا اور یہ اس فکر میں پڑ گئے کہ اگر ہم اس طرف گئے تو بعید نہیں کہ مسلمانوں کا کوئی لشکر ہمارے پیچھے ہمارے گھروں پر حملہ کر دے اسلئے سب ٹھنڈے ہو کر بیٹھ گئے (مظہری)

وَيَهْدِيَكُمْ صِرَاطًا مُسْتَقِيمًا، اصل ہدایت صراطِ مستقیم کی تو ان حضرات کو پہلے سے حاصل تھی مگر جیسا کہ پہلے لکھا گیا ہے کہ ہدایت کے درجات بشمار ہیں یہاں وہ درجہ مراد ہے جو پہلے سے حاصل نہ تھا یعنی اللہ پر بھروسہ اور قوتِ ایمان کی زیادتی۔

وَأَخْرَىٰ لَكُمْ تَقْدِيرًا عَلَيْهَا قَدْ أَحَاطَ اللَّهُ بِهَا، یعنی اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے اور بہت سی فتوحات کا وعدہ کیا ہے جس پر ابھی ان کو قدرت نہیں۔ ان فتوحات میں چونکہ سب سے پہلے مکہ مکرمہ کی فتح ہے اس لئے بعض حضرات نے اس سے فتح مکہ مراد لیا ہے مگر الفاظ عام ہیں قیامت تک ہونے والی فتوحات اس میں شامل ہیں (مظہری)

وَكُفَّاتُكُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا وَالَّذِينَ لَا يَحْدُونَ وَرَبِّانًا

اور اگر لڑتے تم سے کافر تو پھرتے پیٹھ پھرنے پائے کوئی حمایتی اور

لَا نَصِيرًا ۲۲) سُنَّۃُ اللّٰهِ الَّتِي قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلُ ۚ وَلَنْ يَّجِدَ لِسُنَّتِ

نہ مددگار رسم پڑی ہوئی اللہ کی جو چلی آتی ہے پہلے سے اور تو ہرگز نہ دیکھے گا

اللّٰهِ تَبْدِيلًا ۲۳) وَهُوَ الَّذِي كَفَّ أَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ عَنْهُمْ

اللہ کی رسم کو بدلتے اور وہی ہے جس نے روک رکھا انکے ہاتھوں کو تم سے اور تمھارے ہاتھوں کو ان سے

بِجُنِّ مَكَّةَ مِنْ بَعْدِ أَنْ أَظْفَرَكُمْ عَلَيْهِمْ ۚ وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُونَ

نیچے شہر مکہ کے بعد اسے کہ تمھارے ہاتھ لگا دیا ان کو اور ہے اللہ جو کچھ تم کرتے ہو

بَصِيرًا ۲۴) هُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا وَصَدُّوكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ

دیکھتا یہ وہی لوگ ہیں جو منکر ہوئے اور روکا تم کو مسجد حرام سے

وَالْهَدْيِ مَعَكُمْ فَاِنْ يَبْلُغْ مِنْكُمْ حَدٌّ ۚ وَكُفِّرُوا بِنِجَالٍ ۚ مُّؤْمِنُونَ

اور نیاز کی قربانی کو بھی بند پڑی ہوئی اس بارے کہ پہنچے اپنی جگہ تک، اور اگر نہ ہوتے کہنے ایک مرد ایمان لے

وَنِسَاءً مُّؤْمِنَاتٍ لَّمْ يَعْلَمُوهُنَّ أَنْ تَطْهُوهُنَّ فَتُصَوِّبُكُمْ مِنْهُنَّ

اور کتنی عورتیں ایمان والیاں جو تم کو معلوم نہیں یہ خطرہ کہ تم ان کو پس ڈالتے پھر پیرائی دے

مَعَرَّةٍ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۚ لِيُدْخِلَ اللّٰهُ فِي رَحْمَتِهِ مَنْ يَّشَاءُ ۚ كُتِبَ عَلَيْكُمُ

غزائی پڑ جاتی بے خبری سے کہ اللہ کو داخل کرنا ہے اپنی رحمت میں جس کو چاہے اگر وہ لوگ ایک

لَعَدَّ بَنَّا الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۲۵) اِذْ جَعَلَ الَّذِينَ

طوف ہو جاتے تو آفت ڈالتے ہم منکروں پر عذاب دردناک کی جب رکھی منکروں

كَفَرُوا فِي قُلُوبِهِمُ الْحَمِيَّةَ الْحَمِيَّةَ ۚ فَانْزَلَ اللّٰهُ سَكِينَتَهُ

نے اپنے دلوں میں کہ نادانی کی ضد پھر اتارا اللہ نے اپنی طوف کا اطمینان

عَلَى رُسُلِهِمْ وَعَلَى الْمُؤْمِنِينَ ۚ وَالزَّكَاةَ كَلِمَةً تَقْوَىٰ وَكَانُوا

اپنے رسول پر اور مسلمانوں پر اور قائم رکھا ان کو ادب کی بات پر اور وہی تھے

اَحَقُّ بِهَا وَاَهْلُهَا ۚ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا ۲۶)

اس کے لائق اور اس کام کے اور ہے اللہ ہر چیز سے خبردار

۲۶

خلاصہ تفسیر

اور (چونکہ ان کفار کے مغلوب ہونے کے مقتضیات موجود تھے جو آگے آتے ہیں اسلئے)

اگر تم میں یہ صلح نہ ہوتی بلکہ تم سے یہ کافر لڑتے تو (ان مقتضیات کی وجہ سے وہ) ضرور پیٹھ پھیر کر بھاگتے پھر نہ ان کو کوئی یار ملتا نہ مددگار (اور) اللہ تعالیٰ نے (کفار کے لئے) یہی دستور کر رکھا ہے جو پہلے سے چلا آتا ہے (کہ مقابلہ میں اہل حق غالب اور اہل باطل مغلوب رہے ہیں اور کبھی کسی وقت کسی حکمت و مصلحت سے اس میں تاخیر ہونا اسکے منافی نہیں) اور آپ خدا کے دستور میں (کسی شخص کی طرف سے) رد و بدل نہ پاویں گے (کہ خدا تعالیٰ کوئی کام کرنا چاہے اور کوئی اسکو نہ ہونے دے) اور وہ ایسا ہے کہ اس نے انکے ہاتھ تم سے (یعنی تمہارے قتل سے) اور تمہارے ہاتھ ان (کے قتل) سے عین مکہ (کے قریب) میں (یعنی حدیبیہ میں) روک دیے بعد اسکے کہ تم کو ان پر قابو دیدیا تھا (یہ اشارہ اس واقعہ کی طرف ہے جو قصہ حدیبیہ کے جزو ہشتم میں شروع میں بیان ہو چکا ہے کہ قریش کے پچاس آدمیوں کو صحابہ کرام نے گرفتار کر لیا تھا اور پھر کچھ لوگ بھی گرفتار ہو کر مسلمانوں کے قبضہ میں آگئے تھے اس وقت اگر مسلمان انکو قتل کر دیتے تو دوسری طرف مکہ میں حضرت عثمان غنی اور انکے چند ساتھی روک لئے گئے تھے وہ ان کو شہید کر دیتے اسکا لازمی نتیجہ مکمل طور پر جنگ چھڑ جانا ہوتا اور اگرچہ مذکورہ صدر آیات کی پہلی آیت میں حق تعالیٰ نے یہ بھی واضح فرمادیا ہے کہ اگر جنگ ہو بھی جاتی تو فتح مسلمانوں ہی کی ہوتی لیکن اللہ تعالیٰ کے علم میں مسلمانوں کی بڑی مصلحت اس میں تھی کہ اس وقت جنگ نہ ہو اس لئے اس طرف مسلمانوں کے دل میں یہ بات ڈال دی کہ انکے قیدیوں کو قتل نہ کریں اس طرح مسلمانوں کے ہاتھ انکے قتل سے روک دیئے دوسری طرف قریش کے دلوں پر اللہ نے مسلمانوں کا رعب ڈال دیا کہ انھوں نے صلح کی طرف مائل ہو کر سہیل کو آپ کی خدمت میں بھیجا، اس طرح حق تعالیٰ کی حکمت نے دو طرفہ انتظام جنگ نہ ہونے کا کر دیا) اور اللہ تعالیٰ تمہارے کاموں کو (اس وقت) دیکھ رہا تھا (اور ان کاموں کے نتائج کو جانتا تھا اسلئے ایسا کام نہیں ہونے دیا جس سے جنگ چھڑ جائے۔ آگے اسکا بیان ہے کہ اگر جنگ ہو جاتی تو کفار کی مغلوبیت کس طرح اور کیوں ہوتی) یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے کفر کیا اور تم کو (عمرہ کرنے کے لئے) مسجد حرام سے روکا (مراہ مسجد حرام اور صفا مروہ کے درمیان کا میدان جہاں سعی ہوتی ہے دونوں ہی ہیں مگر چونکہ طواف اصل اور اول ہے اور وہ مسجد حرام میں ہوتا ہے اسلئے اُس سے روکنے کے ذکر پر اکتفا کیا گیا) اور قربانی کے جانور کو جو (حدیبیہ میں) روکا ہوا رہ گیا اس کو اس کے موقع میں پہنچنے سے روکا (جانوروں کی قربانی کا موقع منیٰ ہے ان لوگوں نے جانوروں کو منیٰ تک نہیں جانے دیا، ان کے ان جرائم اور حرم محترم میں بیٹھ کر ایسا ظلم کر نیکا تقاضا یہ تھا کہ مسلمانوں کو جنگ کا حکم دے کر ان کو مغلوب کر دیا جاتا، لیکن بعض حکمتیں اس تقاضے کو پورا کرنے سے مانع ہو گئیں ان حکمتوں میں سے ایک یہ ہے کہ اس وقت مکہ میں بہت

سے مسلمان کفار کے ہاتھوں مجبوس اور مظلوم تھے جیسا کہ قصہ حدیبیہ کے جزو دہم میں اسکا ذکر آیا ہے اور ان میں سے ابو جندل کا حضورؐ کی خدمت میں پہنچ کر فریاد کرنا بیان ہو چکا ہے، اگر اس وقت جنگ چھڑ جاتی تو غیر شعوری طور پر ان مسلمانوں کو بھی نقصان پہنچ جاتا اور ممکن تھا کہ ان کے ہاتھ سے ہی وہ قتل ہو جاتے اور عام مسلمانوں کو پھر اس پر ندامت و افسوس ہوتا اسلئے اللہ تعالیٰ نے ایسے حالات پیدا فرمادیے کہ جنگ نہ ہو۔ اسی مضمون کو آگے فرمایا ہے کہ اگر (مکہ میں اس وقت) بہت سے مسلمان مرد اور بہت سی مسلمان عورتیں نہ ہوتیں جن کی تم کو خبر بھی نہ تھی یعنی انکے پس جانیکا احتمال نہ ہوتا جس پر ان کی وجہ سے تم کو بھی بے خبری میں (ریخ و افسوس کا) ضرر پہنچتا (اگر یہ بات نہ ہوتی) تو سب قصہ طے کر دیا جاتا، لیکن ایسا اسلئے نہیں کیا گیا تاکہ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت میں جس کو چاہے داخل کرے (چنانچہ جنگ نہ ہونے سے ان مسلمانوں کی جان بچی اور تم ان کے قتل کے گناہ اور پھر اسپر رنج و افسوس سے بچے البتہ) اگر یہ (مذکور مسلمان مکہ سے کہیں) ٹل گئے ہوتے تو ان (اہل مکہ) میں جو کافر تھے ہم ان کو (مسلمانوں کے ہاتھ سے) دردناک سزا دیتے (اور ان کفار کے مغلوب و مقتول ہونیکا ایک مقتضی اور بھی تھا) جبکہ ان کافروں نے اپنے دلوں میں عار کو جگہ دی اور عار بھی جاہلیت کی (اس عار سے وہ ضد مراد ہے جو بسم اللہ اور لفظ رسول اللہ کے لکھنے پر انھوں نے مزاحمت کی جیسا کہ اوپر صلح نامہ حدیبیہ کے بیان میں اسکا ذکر آچکا ہے) سو (اسکا مقتضایہ تھا کہ مسلمان جو ش میں آکر لڑ پڑتے مگر) اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو اور مومنین کو اپنی طرف سے تحمل عطا فرمایا۔ (جس کی وجہ سے انھوں نے اس کلمہ کے لکھنے پر اصرار چھوڑ دیا اور صلح ہو گئی) اور (اس وقت) اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو تقویٰ کی بات پر جائے رکھا (تقویٰ کی بات سے مراد کلمہ طیبہ یعنی توحید و رسالت کا اقرار ہے اور مطلب اس پر جائے رکھنے کا یہ ہے کہ توحید و رسالت کے اعتقاد کا تقاضا اطاعت ہے اللہ اور رسول کی اور مسلمانوں کا یہ صبر و ضبط اپنے جذبات کینحلاف صرف اسوجہ سے تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ضبط و صبر کا حکم فرمایا تھا ایسے سخت مرحلہ میں اپنے جذبات کے خلاف رسول کی اطاعت ہی کا نام کلمہ تقویٰ پر جمنایا ہے) اور وہ (مسلمان) اُس (کلمہ تقویٰ) کے (دنیا میں بھی) زیادہ مستحق ہیں (کیونکہ ان کے قلوب میں طلب حق ہے اور یہ طلب ہی ایمان تک پہنچاتی ہے) اور (آخرت میں بھی) اس (کے ثواب) کے اہل ہیں اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جانتا ہے۔

معارف و مسائل

بِطَرْنِ مَكَّةَ، اس لفظ کے اصل معنی عین مکہ کے ہیں مگر یہاں اس سے مراد مقام حدیبیہ ہے اس کو مکہ مکرمہ سے بہت متصل ہونے کی بنا پر بطرن مکہ سے تعبیر کر دیا گیا ہے۔ اور اس سے اُس

بات کی تائید ہوتی ہے جو حنفیہ نے اختیار کی ہے کہ حدِ یبہ کا کچھ حصہ حرم میں داخل ہے آٹھ یَبْلُغُ مَجْلَدًا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مختصر عن الحج والعمرة یعنی جس کو احرام باندھنے کے بعد کسی وجہ سے دخول مکہ سے روک دیا گیا ہو اس پر باتفاق یہ تو لازم ہے کہ قربانی کر کے احرام سے حلال ہو لیکن اس میں اختلاف ہے کہ یہ قربانی اسی جگہ ہو سکتی ہے جہاں وہ روک دیا گیا ہے، یا دوسری قربانیوں کی طرح اس کے لئے بھی حدودِ حرم کے اندر ہونا شرط ہے حنفیہ کے نزدیک اس کے لئے بھی حدودِ حرم شرط ہیں اس آیت سے ان کا استدلال ہے کہ یہاں اس قربانی کے لئے قرآن نے ایک خاص محل قرار دیا ہے جس سے کفار نے مسلمانوں کو روک دیا تھا اس سے معلوم ہوا کہ اس قربانی کے لئے حدودِ حرم میں ہونا شرط ہے۔ رہا یہ معاملہ کہ خود حنفیہ ہی کا یہ قول بھی ہے کہ حدِ یبہ کے بعض حصے حرم میں داخل ہیں تو پھر حرم سے روکنا کیسے ثابت ہوا، تو جواب یہ ہے کہ اگرچہ اس قربانی کا حدودِ حرم میں کسی بھی جگہ کر دینا شرعاً کافی ہے مگر اس خاص جگہ میں جو منی کے اندر منحر کے نام سے موسوم ہے اس میں ہونا افضل ہے۔ کفار مکہ نے اس وقت مسلمانوں کو اس افضل مقام تک قربانی کا جانور لیجانے سے روک دیا تھا۔

فَقُتِلَ يَكْرَمُ قَتْلَهُمْ مَعَهُ ۖ اَبْنَاءُ عِلَیْہِمْ لَفْظِ مَعْرَاہِ کے معنی بعض حضرات نے گناہ کے بیان کئے ہیں اور بعض حضرات نے مطلق مضرت کے اور بعض نے عیب کے بیان کئے ہیں اس مقام پر ظاہر ہی آفری معنی ہیں کہ اگر جنگ چھڑ جاتی اور بے خبری کی حالت میں مسلمانوں کے ہاتھ سے کسی محبوس مسلمان قتل ہو جاتے تو یہ ایک عیب اور عار کی بات بھی تھی کہ کفار ان کو عار دلاتے کہ اپنے ہی دینی بھائیوں کو مار ڈالا اور مضرت بھی، مقتول مسلمانوں کی مضرت تو ظاہر ہی ہے۔ قاتل مسلمانوں کو جب خبر ہوتی سخت ندامت اور افسوس ہوتا، یہ مضرت عام مسلمانوں کو پہنچتی۔

صحابہ کرام کو غلطی اور عیب سے امام قرطبی نے فرمایا کہ بغیر علم کے اگر کوئی مسلمان کسی مسلمان کے ہاتھ بچانے کا قدرتی انتظام سے مارا جائے وہ گناہ تو نہیں مگر ایک عیب اور عار اور ندامت افسوس کا سبب ضرور ہے اور قتلِ خطا پر دیت وغیرہ دینے کے بھی احکام ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کے صحابہ کی اس سے بھی حفاظت فرمائی۔ اس سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام کے ساتھ حق تعالیٰ کا معاملہ یہ ہے کہ وہ اگرچہ انبیاء کی طرح معصوم تو نہیں مگر عامۃً اُن کو خطاؤں اور عیبوں سے بچانے کا قدرتی انتظام ہو جاتا ہے۔

لَیْسَ خِلَ اللّٰہِ فِی رَحْمَتِہِ مِنْ یَشَکُّوْہُ یعنی حق تعالیٰ نے اس موقع پر مسلمانوں کے قلوب میں تحمل پیدا کر کے جنگ نہ ہونے کا انتظام اس لئے فرمایا کہ انہیں سے بہت سے لوگوں کا آئندہ اسلام قبول کر لینا اللہ تعالیٰ جانتا تھا اُن پر رحمت کرنے کے لئے نیز جو مسلمان محبوس تھے اُن پر

رحمت کے لئے یہ سارا سامان کیا گیا۔

تَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ، تَزِيل کے معنی اصل میں تفرق کے ہیں مطلب یہ ہے کہ مکہ میں مجبوس مسلمان اگر کفار سے الگ اور ممتاز ہوتے کہ مسلمان اُن کو پہچان کر تکلیف سے بچا لیتے تو ان کفار کے حالات کا تقاضا یہی تھا کہ اسی وقت ان کو مسلمانوں کے ہاتھوں سزا دلوا دی جاتی مگر چونکہ مجبوس ضعیف مسلمین مرد اور عورتیں انہی کے اندر مخلوط تھے اگر قتال ہوتا تو اُن کو بچانے کی صورت نہ بنتی اسلئے اللہ تعالیٰ نے اس جنگ کو موقوف رکھا۔

وَالَّذِينَ هُمْ عَنْ آلِهِمْ وَنَحْوِهِمْ يَقُولُونَ إِنَّا لَا أَدْرِي أَيَّ يَوْمٍ يُؤْتَوْنَ، کلمہ ہے یعنی کلمہ توحید و رسالت، اس کو کلمہ تقویٰ اسلئے کہا گیا کہ یہ کلمہ ہی تقویٰ کی بنیاد ہے۔ اور صحابہ کرام کو اس کلمہ کا حق اور اہل فرما کر اللہ تعالیٰ نے اُن لوگوں کی رُسوائی واضح کر دی جو ان حضرات پر کفر و نفاق کا الزام لگاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ تو ان کو کلمہ اسلام کا اہل اور احق فرمائے اور یہ بد بخت اُن پر تبرک کریں۔

لَقَدْ صَدَقَ اللَّهُ رَسُولَهُ الرُّسُولُ بِالْحَقِّ لَسْتُ خُلِّفَ الْمَسْجِدَ

اللہ نے سچ دکھلایا اپنے رسول کو خواب۔ تحقیقی کہ تم داخل ہو رہے مسجد

الْحَرَامِ إِنْ شَاءَ اللَّهُ أَمِينٌ مُحَلِّقِينَ رُءُوسَكُمْ وَمُقَصِّرِينَ لَا

حرام میں اگر اللہ نے چاہا آرام سے بال منڈتے ہوئے اپنے سروں کے اور کترتے ہوئے

لَا تَخَافُونَ فَعَلِمَ مَا لَمْ تَعْلَمُوا فَجَعَلَ مِنْ دُونِ ذَلِكَ فَتْحًا

بے کھٹے پھر جانا وہ جو تم نہیں جانتے پھر مقرر کر دی اس سے ورے ایک فتح

قَرِيبًا ۲۷) هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ

نزدیک وہی ہے جس نے بھیجا اپنا رسول سیدھی راہ پر اور سچے دین پر

لِيُظَاهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَكَفَىٰ بِاللَّهِ شَهِيدًا ۲۸) مُحَمَّدٌ رَسُولُ

تاکہ اوپر رکھے اُسکو ہر دین سے اور کافی ہے اللہ حق ثابت کرنے والا محمد رسول

اللَّهِ وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ تَرَاهُمْ

اللہ کا اور جو لوگ اسکے ساتھ ہیں زور آور ہیں کافروں پر نرم دل ہیں آپس میں تو دیکھئے اُن کو

رُكْعًا سَاجِدًا يُبْتَغُونَ فَضْلًا مِنَ اللَّهِ وَرِضْوَانًا لِّسِيمَاهُمْ فِي

رکوع میں اور سجدہ میں ڈھونڈتے ہیں اللہ کا فضل اور اس کی خوشی نشانی اُن کی انکے

وَجُودِهِمْ مِنْ أَثَرِ السُّجُودِ ذَٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرَةِ يَحُوتُ

منہ پر ہے سجدے کے اثر سے یہ شان ہے اُن کی تورات میں اور

مَثَلَهُمْ فِي الْإِجْتِمَاعِ فَكَزْرَعٍ أَخْرَجَ شَطَاةً فَازَرَهُ فَاسْتَغْلَظَ

مثال اُن کی انجیل میں جیسے کھیتی نے نکالا اپنا پٹھا پھر اسکی کمر مضبوط کی، پھر موٹا ہوا

فَاسْتَوَىٰ عَلَىٰ سُوْقِهِ يُعْجِبُ الرَّاغِبِينَ غِيْظَهُ هُمُ الْكَفَّارُ وَعَدَّ اللَّهُ

پھر کھڑا ہو گیا اپنی نال پر خوش گلتا ہے کھیتی والوں کو تاکہ جلائے ان سے جی کافروں کا وعدہ کیا ہے اللہ نے

الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ مِنْهُمْ مَغْفِرَةً وَأَجْرًا عَظِيمًا ﴿٢٩﴾

ان سے جو یقین لائے ہیں اور کئے ہیں بھلے کام معافی کا اور بڑے ثواب کا

خلاصہ تفسیر

بیشک اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو سچا خواب دکھلایا ہے جو مطابق واقعہ کے ہے تم لوگ

مسجد حرام میں انشاء اللہ ضرور جاؤ گے امن و امان کے ساتھ کہ تم میں کوئی سرمنڈاتا ہوگا کوئی بال

کتراتا ہوگا تم کو کسی طرح کا اندیشہ نہ ہوگا (چنانچہ سال آئندہ ایسا ہی ہوا اور اس سال سے تاخیر کی وجہ یہ ہے کہ) سو

اللہ تعالیٰ کو وہ باتیں (اور حکمتیں) معلوم ہیں جو تم کو معلوم نہیں (اُن حکمتوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ) پھر اس

(خواب کے واقع ہونے) سے پہلے تم کو ایک قریبی فتح (خیبر کی) دیدی (تاکہ اُس سے مسلمانوں کو قوت

اور سامان حاصل ہو جائے اور وہ پورے اطمینان کیساتھ عمرہ ادا کریں جیسا کہ ایسا ہی واقع ہوا)

وہ اللہ ایسا ہے کہ اُس نے اپنے رسول کو ہدایت (کا سامان یعنی قرآن) اور سچا دین (اسلام)

دے کر بھیجا ہے تاکہ اُس (دین) کو تمام دینوں پر غالب کر دے (یہ غلبہ حجت و دلیل کے اعتبار سے تو دائمی اور ہمیشہ ہی رہے گا اور شوکت و سلطنت کے اعتبار سے بھی غلبہ ہوگا مگر ایک شرط کے

ساتھ وہ یہ کہ اہل دین یعنی مسلمان باصلاحیت ہوں۔ جب یہ شرط نہیں ہوگی تو غلبہ ظاہری کا وعدہ نہیں

اور چونکہ صحابہ کرام میں یہ شرط موجود تھی جیسا کہ اگلی آیات جو صحابہ کے متعلق آرہی ہیں انہیں اس صلاحیت

کا ذکر ہے اسلئے اس آیت میں جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی بشارت ہے ایسا ہی

صحابہ کرام کے لئے فتوحات کی بشارت ہے جیسا کہ مشاہدہ ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر

پچیس سال گزرنے نہ پائے تھے کہ اسلام اور قرآن دنیا کے گوشہ گوشہ میں فاتحانہ طور پر پہنچ گیا) اور

(حمیت جاہلیت والے اگر آپ کے نام کے ساتھ رسول کا لفظ لکھنے سے گریز کرتے ہیں تو آپ منہم نہ ہوں،

کیونکہ آپ کی رسالت پر) اللہ کافی گواہ ہے (جس نے آپ کی رسالت کو دلائل واضحہ اور کھلے ہوئے

معجزات سے ثابت کر دکھایا جس سے ثابت ہو گیا کہ) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے رسول ہیں

اس جگہ محمد رسول اللہ کا پورا جملہ لانیسے اسطوف اشارہ ہے کہ حمیت جاہلیت والوں نے انکے

نام کیساتھ رسول اللہ لکھنا گوارا نہ کیا تو کیا پر داسے اللہ نے یہ کلمہ آپ کے نام کیساتھ لکھ دیا جو قیامت

تک پڑھا جائے گا، آگے آپ کی متبعین صحابہ کے فضائل و بشارات مذکور ہیں کہ) اور جو لوگ آپ کی صحبت پائے ہوئے ہیں (یہ لفظ تمام صحابہ کرام کو شامل ہے خواہ اُن کی صحبت طویل میسر ہو یا قلیل) جو صحابہ حدیبیہ میں آپ کے ساتھ تھے وہ اصائل اور خصوصاً اسکے مصداق ہیں، حاصل یہ ہے کہ سب صحابہ کرام ان صفات کمال کیساتھ موصوف ہیں کہ) وہ کافروں کے مقابلہ میں تیز ہیں (اور) آپس میں مہربان ہیں (اور) اے مخاطب تو اُن کو دیکھے گا کہ کبھی رکوع کر رہے ہیں کبھی سجدہ کر رہے ہیں (اور) اللہ تعالیٰ کے فضل اور رضا مندی (یعنی ثواب اور قرب) کی جستجو میں لگے ہوئے ہیں اُن (کی عبدیت) کے آثار (اُنکے) سجدہ کی تاثیر سے اُنکے چہروں پر نمایاں ہیں (مراد ان آثار سے خشوع و خضوع کے انوار ہیں جو مؤمن متقی کے چہرہ میں عموماً مشاہدہ کیے جاتے ہیں) یہ اُنکے اوصاف (مذکورہ) تورات میں ہیں اور انجیل میں اُن کا یہ وصف (مذکور) ہے کہ جیسے کھیتی کہ اُس نے (اول زمین سے) اپنی سوئی نکالی پھر اُس نے (مٹی پانی ہوا وغیرہ سے غذا پکراپنی) اُس (سوئی) کو قوی کیا (یعنی کھیتی قوی ہو گئی) پھر وہ کھیتی اور موٹی ہوئی پھر اپنے تنہ پر سیدھی کھڑی ہو گئی کہ (اپنے ہرے بھرے ہونے سے) کسانوں کو بھلی معلوم ہونے لگی (اسی طرح صحابہ میں اول ضعف تھا پھر روزانہ قوت بڑھتی گئی۔ اور اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام کو یہ نشوونما سنے دیا) تاکہ اُن (کی اس حالت) سے کافروں کو (حسد میں) جلائے اور (آخرت میں) اللہ نے اُن صاحبِ کرام سے جو کہ ایمان لائے ہیں اور یہ کلام کر رہے ہیں (گناہوں کی مغفرت اور (طاہر) اجر عظیم کا وعدہ کر رکھا ہے

معارف و مسائل

جب صلح حدیبیہ مکمل ہو گئی اور یہ بات طے ہو گئی کہ اس وقت بغیر دخول مکہ اور بغیر ادائے عمرہ کے واپس مدینہ جانا ہے اور صحابہ کرام کا یہ عزم عمرہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خواب کی بنا پر ہوا تھا جو ایک طرح کی وحی تھی۔ اب بظاہر اسکے خلاف ہوتا ہوا دیکھ کر بعض صحابہ کرام کے دلوں میں خودیہ شکوک پیدا ہونے لگے کہ (معاذ اللہ) آپ کا خواب سچا نہ ہوا۔ دوسری طرف کفار و منافقین نے مسلمانوں کو طعنہ دیا کہ تمہارے رسول کا خواب صحیح نہ ہوا، اس پر یہ آیت نازل ہوئی لَقَدْ صَدَقَ اللَّهُ رَسُولُكَ الْآيَةِ (رواہ البیہقی وغیرہ عن مجاہد)

لَقَدْ صَدَقَ اللَّهُ رَسُولُكَ الْوَيْلُ يَا لِحَقِّ، لفظ صدق بمقابلہ کذب کے اقوال میں استعمال ہوتا ہے۔ جو قول واقعہ کی مطابق ہو اسکو صدق جو مطابق نہ ہو اسکو کذب کہا جاتا ہے اور بعض اوقات یہ لفظ افعال کے لئے بھی بولا جاتا ہے تو اس وقت اسکے معنی کسی فعل کو محقق اور ثابت کرنے کے

لفظ صدق کا پہلا مفعول رسولہ اور دوسرا رؤیا ہے۔ اور معنی آیت کے یہ ہیں کہ اللہ نے اپنے رسول کو اپنے خواب میں سچا کر دکھایا (بیضاوی) اور اگرچہ یہ سچا کر دکھانیکا واقعہ آگے آنے والا تھا مگر اسکو بلفظ ماضی تعبیر کر کے اسکے قطعی اور یقینی ہونے کی طرف اشارہ کر دیا چنانچہ آگے بلفظ مستقبل فرمایا گیا کہ لَتَنۢ خُلِقَ الْمَسْجِدَ الْحَرَامُ، یعنی آپ نے جو خواب میں دیکھا تھا کہ ہم مسجد حرام میں داخل ہوئے یہ ضرور ہو کر رہے گا مگر اس سال نہیں بلکہ اس سال کے بعد ہوگا۔ خواب میں اُسکا وقت معین نہیں تھا، صحابہ کرام نے اپنے اشتیاق کی وجہ سے اسی سال عزم سفر کر لیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کی موافقت فرمائی جس میں اللہ تعالیٰ کی بڑی حکمتیں تھیں جن کا ظہور صلح حدیبیہ کے وقت ہوا، جیسا کہ صدیق اکبرؓ نے اول ہی حضرت عمرؓ کے جواب میں فرمایا تھا کہ آپ کو شک میں نہیں پڑنا چاہیے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خواب میں کوئی رقت اور سال معین نہیں تھا اگر اس وقت نہیں تو پھر ہوگا (قطبی)

آئندہ ہونے والے کاموں کیلئے | اس آیت میں حق تعالیٰ نے آئندہ ہونے والے داخلہ مسجد حرام کے ساتھ انشاء اللہ کہنے کی تاکید | انشاء اللہ کا لفظ استعمال فرمایا حالانکہ اللہ تعالیٰ تو خود اپنی مشیت کے عالم ہیں ان کو اس کے کہنے کی ضرورت نہیں تھی لیکن اپنے رسول اور سب بندوں کو تعلیم دینے کیلئے اس جگہ حق تعالیٰ نے بھی لفظ انشاء اللہ استعمال فرمایا (قطبی)

مَعَادِيہ رَمَیْ نَے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے موئے مبارک چنبی سے تراشے تھے۔ یہ واقعہ عمرہ قضاہی کا ہے کیونکہ حجۃ الوداع میں تو آپ نے حلق فرمایا ہے (قطبی)

فَعَلِمَ مَا لَكُمْ تَعْمَلُوا، یعنی اللہ کی قدرت میں تو یہ بھی تھا کہ اسی سال تمہیں دخول مسجد حرام اور عمرہ نصیب ہو جاتا مگر اگلے سال تک تاخیر کرنے میں بڑی مصالح تھیں جو اللہ کو معلوم تھیں تم انکو نہ جانتے تھے۔ منجملہ ان مصالح کے ایک یہ بھی تھا کہ اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ اس سے پہلے خیبر فتح ہو کر مسلمانوں کی قوت اور سامان میں اضافہ ہو جائے اور وہ فراغت و اطمینان کیساتھ عمرہ ادا کریں اسی لئے فرمایا فَجَعَلَ مِنْ دُونِ ذَٰلِكَ فَتْحًا قَرِيبًا۔ دُونِ ذَٰلِكَ سے مراد دُونِ الشَّوْءِ ہے یعنی اس خواب کے واقع ہونے سے پہلے خیبر کی فتح قریب مسلمانوں کو حاصل ہو جائے اور بعض حضرات نے فرمایا کہ اس فتح قریب سے مراد خود صلح حدیبیہ ہے کہ وہ فتح مکہ اور دوسری تمام فتوحات کا مقدمہ تھی اور بعد میں تو سبھی صحابہ نے اسکو اعظم الفتوحات قرار دیا ہی تو اب مطلب آیت کا یہ ہوگا کہ اس سال تمہارے عزم سفر اور پھر ناکام ہونے اور صلح ہونے میں جو حکمتیں اور مصالح تھیں وہ تمہارے علم میں نہیں تھیں لیکن اللہ تعالیٰ سب سے واقف تھا وہ چاہتا تھا

کہ تم کو اس خواب کے واقعہ سے پہلے صلح حدیبیہ کے ذریعہ ایک فتح قریب نصیب فرما دے اسی فتح قریب کا یہ نتیجہ سب نے دیکھ لیا کہ صحابہ کرام جن کی تعداد سفر حدیبیہ میں ڈیڑھ ہزار سے زائد تھی اسکے بعد دس ہزار تک پہنچ گئی۔ (از قطبی)

هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَذِي الْقُرْبَىٰ، سَابِقَةَ آيَاتٍ فِي جُفُوحَاتٍ
اور غنائم کے وعدے اور اہل حدیبیہ کے خصوصاً اور تمام صحابہ کے عموماً فضائل اور بشارتیں مذکور ہوئے ہیں اب خاتمہ سورت میں ان مضامین کی تلخیص و تاکید ہے اور چونکہ یہ سب نعمتیں اور بشارتیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت اور تصدیق کی بنا پر ہوئیں اسلئے اس تصدیق و اطاعت کی مزید تاکید کے لئے نیز منکرین رسالت محمدیہ پر رد کرنے کے لئے اور صلح حدیبیہ کے وقت جو بعض مسلمانوں کے دلوں میں کچھ شکوک پیدا ہو گئے تھے اُن کے ازالہ کے لئے ان آیات میں آپ کی رسالت کا اثبات بلکہ تمام دُنیا کے دینوں پر آپ کے دین کو غالب کرنے کی بشارت دی گئی ہے۔

فَحَمْدُ اللَّهِ، پورے قرآن میں خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مبارک لینے کے بجائے عموماً آپ کا ذکر اوصاف و القاب کیساتھ کیا گیا خصوصاً اُن کے موقع پر يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ، يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ، يٰٓاَيُّهَا الْمُرْسَلُ وغیرہ بخلاف دوسرے انبیاء کے کہ ان کے نام کیساتھ نہ لیا گیا، یا ابراہیم یا موسیٰ یا عیسیٰ۔ پورے قرآن میں صرف چار جگہ آپ کا نام مبارک محمد ذکر فرمایا ہے جہاں اس نام کے ذکر ہی میں کوئی مصلحت تھی۔ اس مقام پر مصلحت یہ تھی کہ حدیبیہ کے صلح نامے میں آپ کے نام کے ساتھ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے محمد رسول اللہ لکھا تو کفار قریش نے اس کو مشاکرہ محمد بن عبد اللہ لکھنے پر اصرار کیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکیم ربانی اس کو منظور کر لینا قبول کیا۔ حق تعالیٰ نے اس مقام پر خصوصیت سے آپ کے نام مبارک کیساتھ رسول اللہ کا لفظ قرآن میں لاکر اس کو دائمی بنا دیا جو قیامت تک اسی طرح پڑھا لکھا جائے گا۔

وَالَّذِي مَعَهُ، یہاں سے آپ کے صحابہ کرام کے فضائل کا بیان ہے۔ اگرچہ اس کے پہلے مخاطب حضرات صحابہ ہیں جو حدیبیہ اور بیعت رضوان میں شریک تھے لیکن الفاظ کے عموم میں سبھی صحابہ کرام شامل ہیں کیونکہ صحبت و معیت سب کو حاصل ہے۔

صحابہ کرام کے اوصاف | اس مقام پر حق تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت اور آپ کے فضائل اور خاص علامات دین کو سب دینوں پر غالب کر دینا بیان فرما کر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے اوصاف فضائل اور خاص علامات کا ذکر تفصیل کیساتھ فرمایا ہے۔ اس میں ان کے اس سخت امتحان کا انعام بھی ہے جو صلح حدیبیہ کے وقت لیا گیا تھا کہ اُن کے قلبی یقین اور قلبی جذبات کیخلاف صلح ہو کر بغیر دخول مکہ وغیرہ کے ناکام واپسی کے باوجود اُن کے قدم

مترزل نہیں ہوئے اور بے نظیر اطاعتِ رسول اور قوتِ ایمانی کا ثبوت دیا۔ نیز صحابہ کرام کے فضائل اور علامات کی تفصیل بیان فرمانے میں یہ حکمت بھی ہو تو بعید نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی اور نبی و رسول تو مبعوث ہونے والا نہیں تھا آپ نے اپنے بعد امت کے لئے کتاب اللہ کے ساتھ اپنے اصحاب ہی کو بطور نمونہ کے چھوڑا ہے اور ان کی اقتدار و اتباع کے احکام دیئے ہیں، اسلئے قرآن نے بھی انکے کچھ فضائل اور علامات کا بیان فرما کر مسلمانوں کو ان کے اتباع کی ترغیب و تاکید فرمادی ہے۔ اس مقام پر صحابہ کرام کا سب سے پہلا وصف تو یہ بتلایا گیا ہے کہ وہ کفار کے مقابلے میں سخت اور آپس میں مہربان ہیں۔ کفار کے مقابلے میں سخت ہونا ان کا ہر موقع پر ثابت ہوتا رہا ہے کہ نسبی رشتے ناتے سب اسلام پر قربان کر دیئے اور حدِ عیبہ کے موقع پر خصوصیت سے اسکا اظہار ہوا۔ اور آپس میں مہربان اور ایثار پیشہ ہونا صحابہ کرام کا اس وقت خصوصیت سے ظاہر ہوا جبکہ مہاجرین و انصار میں مواخات ہوئی اور انصار نے اپنی سب چیزوں میں مہاجرین کو شریک کرنے کی دعوت دی۔ قرآن نے صحابہ کرام کے اس وصف کو مقدم بیان فرمایا کیونکہ درحقیقت اسکا حاصل یہ ہے کہ ان کی دوستی اور دشمنی، محبت یا عداوت کوئی چیز اپنے نفس کے لئے نہیں بلکہ سب اللہ تعالیٰ اور اسکے رسول کے لئے ہوتی ہے اور یہی وہ چیز جو ایمانِ کامل کا اعلیٰ مقام ہے صحیح بخاری وغیرہ کی حدیث میں ہے کہ من احب اللہ و ابغض اللہ فقد استكمل ایمانہ یعنی جو شخص اپنی محبت اور بغض و عداوت دونوں کو اللہ کی مرضی کے تابع کر دے اُس نے اپنا ایمان مکمل کر لیا۔ اسی سے یہ بھی ثابت ہو گیا کہ صحابہ کرام کے کفار کے مقابلے پر سخت ہونیکا یہ مطلب نہیں کہ وہ کبھی کسی کافر پر رحم نہیں کرتے، بلکہ مطلب یہ ہے کہ جس موقع پر اللہ و رسول کا حکم کفار پر سختی کرنے کا ہوتا ہے وہاں ان کو اپنے رشتے ناتے یا دوستی وغیرہ کے علاقے اس کام میں مانع نہیں اور جہاں تک ان کے ساتھ رحم و کرم کے معاملہ کا تعلق ہے وہ تو خود قرآن نے اسکا فیصلہ کر دیا ہے کہ لَا يَنْهَكُمُ اللَّهُ (ال۱) اَنْ تَبْذُرُوهُمْ وَ تَقْسِطُوا اِلَيْهِمْ، یعنی جو کفار مسلمانوں کے درپے آزار اور مقاتلہ پر نہیں ان کے ساتھ احسان کا سلوک کرنے سے اللہ تعالیٰ منع نہیں کرتا، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کے بشمار واقعات ہیں جنہیں ضعیف و مجبور یا ضرورت مند کفار کے ساتھ احسان و کرم کے معاملات کئے گئے ہیں اور انکے معاملہ میں عدل و انصاف کو برقرار رکھنا تو اسلام کا عام حکم ہے۔ عین میدانِ کارزار میں بھی عدل و انصاف کی خلاف کوئی کارروائی جائز نہیں۔

دوسرا وصف صحابہ کرام کا یہ بیان کیا گیا ہے کہ ان کا عام حال یہ ہے کہ وہ رکوع و سجدہ اور نماز میں مشغول رہتے ہیں ان کو دیکھنے والے اکثر ان کو اسی کام میں مشغول پاتے ہیں۔ پہلا وصف کمالِ ایمان کی علامت تھی دوسرا وصف کمالِ عمل کا بیان ہے کیونکہ اعمال میں سب سے افضل

نماز ہے۔ سَبَّحًا هُمْ فِي وُجُوهِهِمْ مِنْ أَثَرِ الشُّجُورِ، یعنی نماز ان کا ایسا وظیفہ زندگی بن گیا ہے کہ نماز اور سجدہ کے مخصوص آثار ان کے چہروں سے نمایاں ہوتے ہیں۔ مراد ان آثار سے وہ انوار ہیں جو عبادت اور خشوع و خضوع سے ہر متقی عباد نگزار کے چہرہ پر مشاہدہ کئے جاتے ہیں، پیشانی میں جو نشان سجدہ کا پڑ جاتا ہے وہ مراد نہیں۔ خصوصاً نماز تہجد کا یہ اثر بہت زیادہ واضح ہوتا ہے جیسا کہ ابن ماجہ میں بروایت جابر بن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے مَنْ كَثَرَ صَلَاةَ بِاللَّيْلِ حَسَنَ وَجْهِهِ بِالنَّهَارِ یعنی جو شخص رات میں نماز کی کثرت کرتا ہے دن میں اس کا چہرہ حسین پُر نور نظر آتا ہے اور حضرت حسن بصریؒ نے فرمایا کہ اس سے مراد نمازیوں کے چہروں کا وہ نور ہے جو قیامت میں نمایاں ہوگا۔

ذَٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرَةِ ۖ وَمَثَلُهُمْ فِي الْإِنْجِيلِ ۖ كَمَثَلِ زَيْدِ بْنِ خَبَّازٍ ۖ شَطَا ۖ كَانَ أَصْحَابُ كَرَامٍ
کی جو علامت اور بیان فرمائی ہے کہ..... سجدوں اور نمازوں کا نور ان کی پیشانیوں کی علامت ہے اس آیت میں فرمایا کہ اُن کی یہی مثال تورات میں بیان کی گئی ہے پھر فرمایا کہ انجیل میں اُن کی ایک اور مثال یہ دی گئی ہے کہ وہ ایسے ہیں جیسے کوئی کاشتکار زمین میں بیج اُگائے تو اَوَّل وہ ایک ضعیف سی سوئی کی شکل میں نمودار ہوتا ہے پھر اس میں شاخیں نکلتی ہیں پھر وہ اور قوی ہوتا ہے پھر اس کا مضبوط تنہ بن جاتا ہے۔ اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب شروع میں بہت کم تھے۔ ایک وقت ایسا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا صرف تین مسلمان تھے مردوں میں صدیق اکبرؓ عورتوں میں حضرت خدیجہؓ، بچوں میں حضرت علیؓ پھر رفتہ رفتہ اُن کی قوت بڑھتی رہی یہاں تک کہ حجۃ الوداع کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حج میں شریک ہونے والوں کی تعداد ڈیڑھ لاکھ کے قریب بتلائی گئی ہے۔ اس آیت میں تین احتمال ہیں۔ ایک یہ کہ فی التوراة پر وقت کیا جائے اور پچھلی مثال یعنی چہروں کا نور، یہ علامت تورات کے حوالہ سے بیان ہوئی آگے مَثَلُهُمْ فِي الْإِنْجِيلِ پر وقت نہ کریں بلکہ ملا کر لیں تو معنی یہ ہونگے کہ صحابہ کی مثال انجیل میں اُس کھیتی یا درخت کی ہے جو شروع میں نہایت کمزور ہوتا ہے پھر رفتہ رفتہ قوی تناور ہو جاتا ہے۔

دوسرا احتمال یہ ہے کہ فی التوراة پر وقت نہ ہو بلکہ فی الْإِنْجِيلِ پر وقت کیا جائے تو معنی یہ ہونگے کہ سابقہ نشانی چہروں کے نور کی تورات میں بھی ہے انجیل میں بھی اور آگے کَمَثَلِ زَيْدِ بْنِ خَبَّازٍ کی مثال کو ایک الگ مثال قرار دیا جائے۔ تیسرا احتمال یہ ہے کہ فی التوراة پر کلام ختم ہونے سے پہلے انجیل پر اور لفظ ذَٰلِكَ اُگلی مثال کی طرف اشارہ ہو تو معنی یہ ہونگے کہ تورات و انجیل دونوں میں صحابہ کی مثال دَرْج یعنی کھیتی کی دی گئی ہے۔ اگر اس زمانہ میں تورات و انجیل اپنی اصلی حالت میں ہوتیں تو ان کو دیکھ کر مراد قرآنی متعین ہو جاتی لیکن انہیں تحریفات کا سلسلہ بے حد و بیشمار رہا ہے اس لئے کوئی یقینی فیصلہ نہیں ہو سکتا، مگر اکثر حضرات مفسرین نے پہلے احتمال کو ترجیح دی ہے جس میں پہلی مثال تورات

میں اور دوسری انجیل میں ہونا معلوم ہے۔ امام بخاریؒ نے فرمایا کہ صحابہ کرام کی یہ مثال انجیل میں ہے کہ شروع میں قلیل ہونگے پھر بڑھیں گے اور قوی ہونگے جیسا کہ حضرت قتادہؒ نے فرمایا کہ صحابہ کرام کی یہ مثال انجیل میں لکھی ہوئی ہے کہ ”ایک قوم ایسی بچکے گی جو کھیتی کی طرح بڑھے گی اور وہ نیک کاموں کا حکم اور بڑے کاموں سے منع کیا کریگی (مظہری) موجودہ زمانہ کی تورات و انجیل میں بھی بیشمار تحریفات کے باوجود اسکی پیشین گوئی کے حسب ذیل الفاظ موجود ہیں۔ تورات باب استثناء ۱۲۳-۱۲۴ کے یہ الفاظ ہیں۔

”خداوند سینا سے آیا اور شعیر سے ان پر آشکارا ہوا وہ کوہ فاران سے جلوہ گر ہوا، دس ہزار مقدسوں کے ساتھ آیا اور اسکے داہنے ہاتھ میں ایک آتشیں شریعت انکے لئے تھی وہ اپنے لوگوں سے بڑی محبت رکھتا ہے اسکے سارے مقدس تھے ہاتھ میں اور وہ تیرے قدموں کے پاس بیٹھے ہیں تیری بتائیں گے“

یہ پہلے معلوم ہو چکا ہے کہ فتح مکہ کی وقت صحابہ کرام کی تعداد دس ہزار تھی جو فاران سے طلوع ہونے والے اس نورانی بیکر کیساتھ شہر غلیل میں داخل ہوئے تھے۔ اسکے ہاتھ میں آتشیں شریعت ہوگی کے لفظ سے اِنْتَدَا عَلٰی الْكُفَّارِ کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے۔ وہ اپنے لوگوں سے محبت کر چکا کے لفظ سے رَحْمَةً بَيْنَهُمْ کا مضمون سمجھا جاتا ہے اسکی پوری تفصیل مع دوسرے حوالوں کے اظہار الحق جلد سوم باب ششم ص ۲۵۶ میں یہی یہ کتاب عیسائیت کی حقیقت کو واضح کرنے کے لئے مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ نے پادری فنڈر کے مقابلہ پر تحریر فرمائی تھی اس کتاب میں انجیل کی تمثیل کا اس طرح ذکر ہے۔ انجیل متی باب ۱۳ آیت ۳۱ میں یہ الفاظ ہیں۔ اس نے ایک اور تمثیل انکے سامنے پیش کر کے کہا کہ آسمان کی بادشاہی اس رائی کے دانہ کی مانند ہے جسے کسی آدمی نے لیکر اپنے کھیت میں بو دیا، وہ سب بیجوں سے چھوڑا تو ہے مگر جب بڑھتا ہے تو سب ترکاریوں سے بڑا اور ایسا درخت ہو جاتا ہے کہ ہوا کے پرنے آکر اسکی ڈالیوں پر بسیر کرتے ہیں۔ اور انجیل مرقس ۴: ۲۶ کے یہ الفاظ ہیں جو الفاظ قرآنی کے زیادہ قریب ہیں۔ ”اس نے کہا کہ خدا کی بادشاہی ایسی ہے جیسے کوئی آدمی زمین میں بیج ڈالے اور رات کو سوئے دن کو جاگے اور وہ بیج اس طرح اُگے اور بڑھے کہ وہ نہ جانے زمین آپ سے آپ پھل لاتی ہے، پہلے پتی پھر بالیں پھر بالوں میں تیار دانے پھر جب اناج پک چکا تو وہ فی الفور درانتی لگاتا ہے کیونکہ کاٹنے کا وقت آپہنچا (اظہار الحق جلد ۳) باب ششم ص ۲۵۳ آسمان کی بادشاہی سے مراد نبی آخر الزماں کا ہونا انجیل کے متعدد مقامات سے ظاہر ہوتا ہے۔ واللہ اعلم

لِيَغِيظَهُمُ الْكُفَّارُ، یعنی اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام کو ان صفات کمال کیساتھ مزین فرمایا اور انکو ضعف کے بعد قوت و قلت کے بعد کثرت بخشی، یہ سب کام اسلئے ہوا تاکہ ان کو دیکھ کر کافروں کو غیظ ہو۔ اور وہ حسد کی آگ میں جلیں۔ حضرت ابو عروہ زبیریؓ فرماتے ہیں کہ ہم حضرت امام مالکؒ کی مجلس میں حاضر تھے ایک شخص نے بعض صحابہ کرام کی تنقیص کے کچھ کلمات کہے تو امام مالکؒ یہ آیت پوری تلاوت کر کے جب لِيَغِيظَهُمُ الْكُفَّارُ پر پہنچے تو فرمایا کہ جس شخص کے دل میں صحابہ کرام میں سے

کسی کیساتھ غیظ ہو تو اس آیت کی وعید اس کو ملے گی (قطبی) حضرت امام مالکؒ نے یہ تو نہیں فرمایا کہ وہ کافر ہو جاوے گا مگر یہ فرمایا کہ یہ وعید اس کو بھی پہنچے گی۔ مطلب یہ ہے کہ وہ کافروں جیسا کام کرنے والا ہو جائے گا۔

وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ مِنْهُمْ مَغْفِرَةً وَأَجْرًا عَظِيمًا، مِنْهُمْ کاحرف میں اس جگہ باتفاق مفسرین بیان یہ ہے اور معنی یہ ہیں کہ یہ لوگ جو ایمان اور عمل صالح کے جامع ہیں اللہ تعالیٰ نے ان سے مغفرت اور اجر عظیم کا وعدہ فرمایا ہے۔ اس سے ایک تو یہ معلوم ہوا کہ سب صحابہ کرام ایمان اور عمل صالح کے جامع ہیں۔ دوسرے یہ کہ ان سب سے مغفرت اور اجر عظیم کا وعدہ ہے اور یہ میں بیان قرآن میں بکثرت استعمال ہوا ہے جیسے ارشاد ہے فَاجْتَنِبُوا السَّبْخَ مِنَ الْذِّكْرِ تَوَمَّنِ الْأَوَّثَانِ بَيَان ہے لفظ رَجَس کا، اسی طرح یہاں مِنْهُمْ بَيَان ہے الَّذِينَ آمَنُوا کا۔ اور روانض نے جو اس جگہ حرف من کو تبعیض کے لئے یہ کہہ کر مطلب نکالا ہے کہ انہیں سے جو بعض لوگ ایمان و عمل صالح پر ہیں ان سے یہ وعدہ ہے یہ سراسر سیاق کلام اور اوپر کی آیات کے منافی ہے کیونکہ اس آیت کے مفہوم میں وہ صحابہ کرام تو بلاشبہ داخل، اور آیت کے پہلے صدق ہیں جو سفر حدیبیہ اور بیعت رضوان میں شریک تھے ان سب کے متعلق اوپر کی آیات میں حق تعالیٰ نے اپنی رضا اور خوشنودی کا اعلان فرمادیا ہے لَقَدْ رَضِيَ اللَّهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ إِذْ يُبَايِعُونَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ اور رضائے الہی کا یہ اعلان اس کی ضمانت ہے کہ یہ سب مرتد نہ ہوں تک ایمان و عمل صالح پر قائم رہیں گے کیونکہ اللہ تو علیم وخبیر ہے اگر کسی کے متعلق اسکو یہ معلوم ہو کہ یہ کسی وقت ایمان سے پھر جائیو والا ہے تو اس سے اپنی رضا کا اعلان نہیں فرما سکتے۔ ابن عبد البر نے مقدمہ استیعاب میں اسی آیت کو نقل کر کے لکھا ہے کہ ومن رضى الله عنه لم يخط عليه ابداً یعنی اللہ جس سے راضی ہو جائے پھر اس پر کبھی ناراض نہیں ہوتا۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی آیت کی بناء پر ارشاد فرمایا کہ بیعت رضوان میں شریک ہونے والوں میں سے کوئی آگ میں نہ جائیگا تو یہ وعدہ جو اصالۃ انہی کے لئے کیا گیا ہے انہیں سے بعض کا مستثنیٰ ہونا قطعاً باطل ہے اسی لئے اُمت کا اس پر اجماع ہے کہ صحابہ کرام سب کے سب عادل و فقیہ ہیں۔

صحابہ کرام سب اہل جنت ہیں ان کی قرآن مجید کی بہت سی آیتوں میں اس کی تصریحات ہیں خطائیں مغفور ہیں ان کی تنقیص گناہ عظیم ہے جنہیں چند آیات تو اسی سورتیں آچکی ہیں لَقَدْ رَضِيَ

اللَّهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ اور اَللّٰهُمَّ كَلِمَةُ التَّقْوٰی وَكَانُوا اٰحَقَّ بِهَا وَاَهْلَهَا، ان کے علاوہ اور بہت سی آیات میں یہ مضمون مذکور ہے یَوْمَ لَا يُخْزِي اللّٰهُ النَّبِيَّ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ وَالشَّاقِقُونَ الْاَوَّلُونَ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِينَ اتَّبَعُوهُمْ بِاِحْسَانٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا

عَنْهُ دَاعَدَ لَهُمْ جَنَّتِ تَجَرَّتْ تَحْتَهَا إِلَّا نُهُرًا وَسُورَةُ حديد میں حق تعالیٰ نے صحابہ کرام کے بار میں فرمایا ہے وَكَلَّا وَعَدَلَّ اللَّهُ أَحْسَنَى یعنی ان سب کے اللہ نے حَسَنیٰ کا وعدہ کیا ہے پھر سورہ انبیاء میں حَسَنیٰ کے متعلق فرمایا إِنَّ الَّذِينَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِنَّا الْحُسْنَىٰ أُولَٰئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُونَ یعنی جن لوگوں کے لئے ہماری طرف سے حَسَنیٰ کا فیصلہ پہلے ہو چکا ہے وہ جہنم کی آگ سے دُور رکھے جائیں گے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،

خَيْرُ النَّاسِ قُرْنِي ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ
یعنی تمام زمانوں میں میرا زمانہ بہتر ہے اسکے بعد اُس زمانے کے لوگ
الَّذِينَ يَلُونَهُمْ (بخاری)

اور ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ میرے صحابہ کو بُرا نہ کہو کیونکہ (اُن کی قوتِ ایمان کی وجہ سے) اُن کا حال یہ ہے کہ اگر تم میں سے کوئی شخص اللہ کی راہ میں احد پہاڑ کی برابر سونا خرچ کر دے تو وہ اُنکے خرچ کئے ہوئے کے ایک دُک کی برابر بھی نہیں ہو سکتا اور نہ نصف دُک کی برابر۔ مدِ عرب کا ایک پیمانہ ہے جو تقریباً ہمارے آدھے سیر کی برابر ہوتا ہے (بخاری) اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے میرے صحابہ کو سارے جہان میں سے پسند فرمایا ہے پھر میرے صحابہ میں میرے لئے چار کو پسند فرمایا ہے۔ ابو بکر عمر عثمان علی رضی اللہ عنہم (رفاع البزار بسند صحیح) اور ایک حدیث میں ارشاد ہے۔

اللَّهُ اللَّهُ فِي أَصْحَابِي لَا تَتَّخِذْهُمْ غُرَضًا
مَنْ بَعْدِي فَمَنْ أَحْبَبَهُمْ فَبِحُبِّي أَحْبَبَهُمْ وَمَنْ
ابْغَضَهُمْ فَبِابْغَضِي ابْغَضَهُمْ وَمَنْ أَذَاهُمْ
فَقَدْ أَذَانِي وَمَنْ أَذَانِي فَقَدْ أَذَى اللَّهِ
وَمَنْ أَذَى اللَّهِ فَيُوشِكُ أَنْ يَأْخُذَهُ
(رواه الترمذی عن عبد الله بن المغفل
از جمع الغوائد)

اللہ سے ڈرو اللہ سے ڈرو میرے صحابہ کے معاملے میں میرے بعد
ان کو طعن تشنیع کا نشانہ مت بناؤ کیونکہ جس شخص نے ان سے محبت
کی تو میری محبت کیسا تھا ان سے محبت کی اور جس نے ان سے
بغض رکھا تو میرے بغض کیسا تھا ان سے بغض رکھا اور جس نے
ان کو ایذا پہنچائی اُس نے مجھے ایذا پہنچائی اور جس نے مجھے ایذا
دی اُس نے اللہ کو ایذا پہنچائی اور جو اللہ کو ایذا پہنچانے کا
قصد کرے تو فریب ہے کہ اللہ اس کو عذاب میں پکڑ لے گا۔

آیات و احادیث اسکے متعلق بہت ہیں جن کو احقر نے اپنی کتاب مقام صحابہ میں جمع کر دیا ہے یہ کتاب شائع ہو چکی ہے۔ تمام صحابہ کرام کے عدل و ثقہ ہونے پر پوری اُمت کا اجماع ہے اور صحابہ کرام کے مابین جو اختلافات جنگ و قتال تک پہنچے اسکے متعلق بحث و تحقیق یا سکوت کا مسئلہ بھی اس کتاب میں تفصیل کیسا تھا لکھ دیا گیا ہے اور اس میں سے بقدر ضرورت سورہ محمد کی تفسیر میں اچکا ہے اس کو دیکھ لیا جائے۔ واللہ المستعان وعلیہ التکلیل

نَمَتْ بِحَمْدِ اللَّهِ وَكَوْنَهُ سُورَةُ الْفَتْحِ لِلتَّاسِعِ وَالْعِشْرِينَ مِنْ شَعْبَانَ سَنَةِ ١٣٩٠ هـ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ

سُورَةُ الْحَجَرَاتِ

سُورَةُ الْحَجَرَاتِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ ثَمَانِي عَشْرَةُ آيَةً وَفِيهَا رُكُوعٌ
سُورَةُ حَجَرَات مدینہ میں نازل ہوئی اور اس کی اٹھارہ آیتیں ہیں اور دو رکوع

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بخیر و مہربان نہایت رحم والا ہے

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْدِّمُوا بَيْنَ يَدَيِ اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَاتَّقُوا
اے ایمان والو! آگے نہ بڑھو اللہ سے اور اس کے رسول سے اور ڈرتے رہو

اللَّهُ إِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ۝۱ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَرْفَعُوا
اللہ ہے! اللہ سنتا ہے جانتا ہے اے ایمان والو! بلند نہ کرو

أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوا لَهُ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ
اپنی آوازیں نبی کی آواز سے اوپر اور اُس سے نہ بولو ترغ کر جیسے ترغشتے ہو

بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ أَنْ تَحْبَطَ أَعْمَالُكُمْ وَأَنْتُمْ لَا تَشْعُرُونَ ۝۲
ایک دوسرے پر کہیں اکارت نہ ہو جائیں تمہارے کام اور تم کو خبر بھی نہ ہو

إِنَّ الَّذِينَ يَغُضُّونَ أَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُولِ اللَّهِ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ
جو لوگ دبی آواز سے بولتے ہیں رسول اللہ کے پاس وہی ہیں جن کے

أَمْثَلُ اللَّهُ قُلُوبَهُمْ لِلتَّقْوَىٰ لَهُمْ مَغْفِرَةٌ ۝۳ وَأَجْرٌ عَظِيمٌ ۝۴
دلوں کو جا بچ لیا ہے اللہ نے ادب کے واسطے ان کے لئے معافی ہے اور ثواب بڑا جو

الَّذِينَ يَنَادُونَكَ مِنْ وَرَاءِ الْحُجُرَاتِ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ ۝۵ وَلَوْ
لوگ پکارتے ہیں تجھ کو دیوار کے پیچھے سے وہ اکثر عقل نہیں رکھتے اور اگر

أَنْتُمْ صَبِرُوا حَتَّىٰ تَخْرُجَ إِلَيْهِمْ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ۝۶
وہ صبر کرتے جب تک تو نکلتا ان کی طرف تو ان کے حق میں بہتر ہوتا اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے

خلاصہ تفسیر

ربطِ سورت و شانِ نزول | اس سے پہلی دو سورتوں میں جہاد کے احکام تھے جس سے اصلاحِ عالم آفاق مقصود ہے۔ اس سورت میں اصلاحِ نفس کے احکام و آداب مذکور ہیں، خصوصاً وہ احکام جو آدابِ معاشرت سے تعلق رکھتے ہیں اور قصہ ان آیتوں کے نزول کا یہ ہے کہ ایک مرتبہ قبیلہ بنو تمیم کے لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے یہ بات زیرِ غور تھی کہ اس قبیلہ پر حاکم کس کو بنایا جائے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فقاع ابن معبد کی نسبت رائے دی اور حضرت عمرؓ نے اقرع بن حابس کے متعلق رائے دی، اس معاملہ میں حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے مابین آپ کی مجلس میں گفتگو ہو گئی اور گفتگو بڑھ کر دونوں کی آوازیں بلند ہو گئیں اس پر یہ آیات نازل ہوئیں۔ (دلائل البخاری)

اے ایمان والو! اللہ اور رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) (کی اجازت) سے پہلے تم (کسی قول یا فعل میں) سبقت نہ کیا کرو (یعنی جب تک قرآنِ قویہ سے یا بانصریح گفتگو کی اجازت نہ ہو گفتگو مت کرو جیسا کہ واقعہ مذکورہ جو سببِ نزول ان آیات کا ہوا) اس میں انتظار کرنا چاہیے تھا کہ یا تو آپ خود کچھ فرماتے یا آپ حاضرین مجلس سے پوچھتے بدون انتظار کے از خود گفتگو شروع کر دینا درست نہیں تھا کیونکہ گفتگو کا جواز اذن شرعی پر موقوف تھا خواہ یہ اذن قطعی ہو یعنی صریح طور پر یا ظنی قرآنِ قویہ کے ذریعہ غلطی یہ ہوئی انتظار نہیں کیا، اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور اللہ سے ڈرتے رہو بیشک اللہ تعالیٰ (تمہارے سب اقوال کو) سننے والا (اور تمہارے افعال کو) جاننے والا ہے (اور) اے ایمان والو! تم اپنی آوازیں پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) کی آواز سے بلند مت کیا کرو اور نہ ان سے ایسے کھل کر بولا کرو جیسے آپس میں کھل کر ایک دوسرے سے بولا کرتے ہو (یعنی نہ بلند آواز سے بولو جبکہ آپ کے سامنے آپس میں کوئی بات کرنا ہو اور نہ برابر کی آواز کر بولو جبکہ خود آپ سے خطاب کرنا ہو) کبھی تمہارے اعمال برباد ہو جاویں اور تم کو خبر بھی نہ ہو (اس کا مطلب یہ ہے کہ آواز کا بلند کرنا جو صورتہ بے بالکی اور بے پروائی ہے اور بلند آواز سے اس طرح باتیں کرنا جیسے آپس میں ایک دوسرے سے بے تکلف باتیں کرتے ہیں یہ ایک قسم کی گستاخی ہے اپنے تابع اور خادم سے اس طرح کی گفتگو ناگوار اور ایذا دہ ہو سکتی ہے اور اللہ کے رسول کو ایذا پہنچانا تمام اعمالِ خیر کو برباد کر دینے والا ہے۔ البتہ بعض اوقات جبکہ طبیعت میں زیادہ انبساط ہو یہ امور ناگوار نہیں ہوتے اس وقت عدم ایذا رسول کی وجہ سے یہ گفتگو جیٹا اعمال کا موجب نہیں ہوگی لیکن مکمل کو یہ معلوم کرنا کہ اس وقت ہماری ایسی گفتگو ناگوار خاطر اور موجب ایذا نہیں ہوگی آسان نہیں ہو سکتا ہے کہ مکمل تو یہ سمجھ کر کلام کرے کہ اس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا نہیں ہوگی مگر واقع میں اس سے ایذا پہنچ جائے تو گفتگو اسکے اعمال کو جیٹا اور برباد کر دے گی اگرچہ اس کو گمان بھی نہ ہو گا کہ

میری اس گفتگو سے مجھے کتنا بڑا خسارہ ہو گیا، اسلئے آواز بلند کرنے اور جہر بالقول کو مطلقاً ممنوع کر دیا گیا کیونکہ ایسی گفتگو کے بعض افراد اگرچہ موجب ایذا و وجہ اعمال نہیں ہونگے مگر اسکی تعیین کیجئے گی اسلئے مطلقاً جہر بالقول کے تمام افراد کو ترک کر دینا چاہئے یہاں تک تو آواز بلند کرنے سے ڈرایا گیا ہے آگے آواز پست کرنے کی ترغیب ہے)

بیشک جو لوگ اپنی آوازوں کو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے سامنے پست رکھتے ہیں یہ وہ لوگ ہیں جن کے قلوب کو اللہ تعالیٰ نے تقویٰ کے لئے خالص کر دیا ہے (یعنی اُن کے قلوب میں تقویٰ کے خلاف کوئی چیز آتی ہی نہیں، مطلب یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس خاص معاملہ میں حضرات کمال تقویٰ کے ساتھ متصف ہیں کیونکہ ترمذی کی حدیث مرفوعہ میں کمال تقویٰ کا بیان اس الفاظ میں آیا ہے لَا يَبْلُغُ الْعَبْدُ أَنْ يَكُونَ مِنَ الْمُتَّقِينَ حَتَّى يَدَعَ مَا لَا بَأْسَ بِهِ حَذَرًا لِمَا بِهِ بَأْسٌ، یعنی بندہ کمال تقویٰ کو اس وقت تک نہیں پہنچ سکتا جب تک کہ وہ کچھ ایسی چیزوں کو بھی جن میں کوئی گناہ نہیں اس احتیاط کی بنا پر چھوڑ دے کہ یہ جائز کام کہیں مجھے کسی ناجائز کام میں مبتلا نہ کرے۔ مراد وہ مشتبہ امور ہیں جن میں گناہ کا خطرہ اور شبہ ہو۔ جیسا کہ آواز بلند کرنے کی ایک فرد ایسی ہے جس میں گناہ نہیں، یعنی وہ جس میں مخاطب کو ایذا نہ ہو۔ اور ایک فرد وہ ہے جس میں گناہ ہے یعنی جس سے ایذا پہنچے، تو کمال تقویٰ اس میں ہے کہ آدمی مطلقاً آواز بلند کرنے کو چھوڑ دے، آگے ان کے عمل کے اُفرادی فائدہ کا بیان ہے) اُن لوگوں کے لئے مغفرت اور اجر عظیم ہے۔ اور اگلی آیتوں کا قصہ یہ ہے کہ وہ ہی بنو تمیم آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپؐ باہر تشریف فرما نہ تھے بلکہ ازواج مطہرات کے حجرات میں سے کسی مکان میں تھے۔ یہ لوگ غیر مہذب گھاؤں والے تھے باہر ہی سے کھڑے ہو کر آپ کا نام لیکر پکارنے لگے کہ یا محمد! اخرج الینا، یعنی اے محمد ہمارے لئے باہر آئیے، اس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں كَذَافِي الدَّرَ الْمُنْشُورِ بِرَايَةِ ابْنِ الْحَقِّ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ (جو لوگ حجروں کے باہر سے آپ کو پکارتے ہیں اُن میں اکثر لوگوں کو عقل نہیں ہے کہ عقل ہوتی تو آپ کا ادب کرتے اس طرح نام لیکر باہر سے پکارنے کی جرأت نہ کرتے۔ اور اکثر ہم فرمانے کی وجہ یا تو یہ ہے کہ بعض پکارنے والے فی نفسہ جری نہ ہوں گے، دوسروں کیساتھ دیکھا دیکھی لگ گئے اس طرح اُن سے بھی یہ غلطی ہو گئی اور یا اگرچہ سب ایک ہی طرح کے ہوں مگر اکثر ہم کا لفظ فرمانے سے کسی کو اشتعال نہیں ہوگا کیونکہ ہر شخص یہ خیال کر سکتا ہے کہ شاید مجھ کو کہنا مقصود نہ ہو۔ وعظ و نصیحت کا یہی طریقہ ہے کہ ایسے کلمات سے احتیاط کیجائے جن سے مخاطب کو اشتعال پیدا ہو) اور اگر یہ لوگ (ذرا) صبر (اور انتظار) کرتے یہاں تک کہ آپ خود باہر انکے پاس آجاتے تو یہ انکے لئے بہتر ہوتا (کیونکہ یہ ادب کی بات تھی) اور (اگر اب بھی توبہ کر لیں تو معاف ہو جائے کیونکہ) اللہ غفور رحیم ہے۔

معارف و مسائل

ان آیات کے نزول کے متعلق روایات حدیث میں بقول قرطبی چھ واقعات منقول ہیں اور قتبی ابو بکر بن عربی نے فرمایا کہ سب واقعات صحیح ہیں کیونکہ وہ سب واقعات مفہوم آیات کے عموم میں داخل ہیں ان میں سے ایک واقعہ وہ ہے جو خلاصہ تفسیر میں بروایت بخاری ذکر کیا گیا ہے۔

لَا تُفْتَنُوا بَيْنَ يَدَيِ اللَّهِ وَرَسُولِهِ، بَيْنَ الْيَدَيْنِ کے اصل معنی دو ہاتھوں کے درمیان کے ہیں مراد اس سے سامنے کی جہت ہے یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے تقدم اور پیشقدمی نہ کرو کس چیز میں پیشقدمی کو منع فرمایا ہے قرآن کریم نے اسکو ذکر نہیں کیا جس میں اشارہ عموم کی طرف ہے کہ کسی قول یا فعل میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پیشقدمی نہ کرو بلکہ انتظار کرو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا جواب دیتے ہیں، ہاں آپ ہی کسی کو جواب کے لئے مامور فرمادیں تو وہ جواب دے سکتا ہے۔ اسی طرح اگر آپ چل رہے ہیں تو کوئی آپ سے آگے نہ بڑھے، کھانے کی مجلس ہے تو آپ سے پہلے کھانا شروع نہ کرے مگر یہ کہ آپ کی تصریح یا قرآن قویہ سے یہ ثابت ہو جائے کہ آپ خود ہی کسی کو آگے بھیجنا چاہتے ہیں جیسے سفر اور جنگ میں کچھ لوگوں کو آگے چلنے پر مامور کیا جاتا تھا۔

علمائے دین اور دینی مقتداؤں کے بعض علماء نے فرمایا ہے کہ علماء و مشائخ دین کا بھی یہی حکم ہے ساتھ ہی یہی ادب ملحوظ رکھنا چاہیئے کیونکہ وہ وارث انبیاء ہیں اور دلیل اسکی یہ واقعہ ہے کہ ایک دن حضرت ابوالدرداءؓ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ حضرت ابو بکرؓ کے آگے چل رہے ہیں تو آپ نے تنبیہ فرمائی اور فرمایا کہ کیا تم ایسے شخص کے آگے چلتے ہو جو دنیا و آخرت میں تم سے بہتر ہے اور فرمایا کہ دنیا میں آفتاب کا طلوع و غروب کسی ایسے شخص پر نہیں ہوا جو انبیاء کے بعد ابو بکرؓ سے بہتر و افضل ہو (روح البیان از کشف الاسرار) اسلئے علماء نے فرمایا کہ اپنے استاد اور مرشد کیساتھ بھی یہی ادب ملحوظ رکھنا چاہیئے۔

لَا تَقْعُوزُوا أَمْوَالَكُمْ فَوْقَ مَوَازِينِ الْحَقِّ، یہ دوسرا ادب مجلس نبوی کا بیان کیا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آپ کی آواز سے زیادہ آواز بلند کرنا یا بلند آواز سے اس طرح گفتگو کرنا جیسے آپس میں ایک دوسرے سے بے محابا کیا کرتے ہیں ایک قسم کی بے ادبی گستاخی ہے، چنانچہ اس آیت کے نزول سے صحابہ کرام کا یہ حال ہو گیا کہ حضرت ابو بکرؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! قسم ہے کہ اب مرتے دم تک آپ سے اس طرح بولوں گا جیسے کوئی کسی سے سرگوشی کرتا ہو (دُرُثُوثُ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ) اور حضرت عمرؓ اس قدر آہستہ بولنے لگے کہ بعض اوقات دوبارہ پوچھنا پڑتا تھا (کذا فی الصحاح) اور حضرت ثابت بن قیسؓ رضی اللہ عنہ طبعی طور پر بہت بلند آواز سے، یہ آیت مسنود بہت

ڈرے اور روئے اور اپنی آواز کو گھٹایا (بیان القرآن از دُرّ منشور)

روضہ اقدس کے سامنے بھی بہت بلند آواز سے سلام و کلام کرنا ممنوع ہے

جیسا حیات میں تھا، اسی لئے بعض علماء نے فرمایا کہ آپ کی قبر شریف کے سامنے بھی زیادہ بلند آواز سے سلام و کلام کرنا ادب کے خلاف ہے۔ اسی طرح جس مجلس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث پڑھی یا بیان کی جا رہی ہوں اُس میں بھی شور و غیب کرنا بے ادبی ہے کیونکہ آپ کا کلام جو وقت آپ کی زبان مبارک سے ادا ہو رہا ہو اس وقت سب کے لئے خاموش ہو کر اس کا سُنانا واجب ضروری تھا اسی طرح بعد وفات جس مجلس میں آپ کا کلام سُنا یا جاتا ہو وہاں شور و غیب کرنا بے ادبی ہے۔

مسئلہ جس طرح تقدم علی النبی کی مانعت میں علمائے دین بحیثیت وارث انبیاء ہونیکے داخل ہیں اسی طرح رفع صوت کا بھی یہی حکم ہے کہ اکابر علماء کی مجلس میں اتنی بلند آواز سے نہ بولے جس سے اُن کی آواز دب جائے (قطبی)

اَنْ تَخْبِطَ اَعْمًا لَكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُونَ، لفظ اَنْ تَخْبِطَ مفعول لَمْ یَلْکَ ہے لا ترفعوا کما تہیں حکم کی علت بتلائی گئی ہے۔ بخلاف مصدر یعنی خشیۃ ان تخبط معنی آیت کے یہ ہوئے کہ اپنی آواز کو نیچی کی آواز پر بلند نہ کرو بسبب اس خطرہ اور خوف کے کہ کہیں تمہارے اعمال ضائع ہو جائیں اور تمہیں خبر نہ ہو اس جگہ کلیات شرعیہ اور اصول مسئلہ کے اعتبار سے چند سوالات پیدا ہوتے ہیں۔ ایک یہ کہ جبط اعمال یعنی اعمال صالحہ کو ضائع کر دینے والی چیز تو باتفاق اہل سنت والجماعت صرف کفر ہے۔ کسی ایک معصیت اور گناہ سے دوسرے اعمال صالحہ ضائع نہیں ہوتے اور یہاں خطاب مومنین اور صحابہ کرام کو ہے اور لفظ اَیْہَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کے ساتھ ہے جس سے اس فعل کا کفر نہ ہونا ثابت ہوتا ہے تو جبط اعمال کیسے ہوا۔ دوسرے یہ کہ جس طرح ایمان ایک فعل اختیاری ہے جب تک کوئی شخص اپنے اختیار سے ایمان نہ لائے مومنین ہوتا اسی طرح کفر بھی امر اختیاری ہے جب تک کوئی شخص اپنے قصد سے کفر کو اختیار نہ کرے وہ کافر نہیں ہو سکتا۔ اور یہاں آیت کے آخر میں یہ تصریح ہے کہ اَنْتُمْ لَا تَشْعُرُونَ، یعنی تمہیں خبر بھی نہ ہو تو جبط اعمال جو خالص کفر کی سزا ہے وہ کیسے جاری ہوئی۔

سیدی حضرت حکیم الامتہ رحمہ نے بیان القرآن میں اسکی توجیہ ایسی بیان فرمائی ہے جس سے یہ سب اشکالات و سوالات ختم ہو جاتے ہیں وہ ہے کہ معنی آیت کے یہ ہیں کہ مسلمانو تم رسول اللہ کی آواز سے اپنی آواز بلند کرنے اور بے محابا جہر کرنے سے بچو، کیونکہ ایسا کرنے میں خطرہ ہے کہ تمہارے اعمال جبط اور ضائع ہو جائیں، اور وہ خطرہ اس لئے ہے کہ رسول سے پیشقدمی یا اُن کی آواز پر اپنی آواز کو بلند کر کے غالب کرنا ایک ایسا امر ہے جس سے رسول کی شان میں گستاخی اور بے ادبی ہو سکتا بھی

احتمال ہے جو سبب ہے ایذائے رسول کا۔ اگرچہ صحابہ کرام سے یہ وہم بھی نہیں ہو سکتا کہ وہ بالقصد کوئی ایسا کام کریں جو آپ کی ایذا کا سبب بنے لیکن بعض اعمال و افعال جیسے تقدّم اور رفع صوت اگرچہ بقصد ایذا نہ ہوں پھر بھی اُن سے ایذا کا احتمال ہے اسی لئے اُن کو مطلقاً ممنوع اور معصیت قرار دیا ہے اور بعض معصیتوں کا خاصہ یہ ہوتا ہے کہ اسکے کرنے والے سے توبہ اور اعمال صالحہ کی توفیق سلب ہو جاتی ہے اور وہ گناہوں میں منہمک ہو کر انجام کار کفر تک پہنچ جاتا ہے جو سبب ہے جبط اعمال کا، کسی اپنے دینی مقتدار استاد یا مرشد کی ایذا و رسائی ایسی ہی معصیت ہے جس سے سلب توفیق کا خطرہ ہوتا ہے، اس طرح یہ افعال یعنی تقدّم علی النبی اور رفع الصوت ایسی معصیت تھیں کہ جن سے خطرہ ہے کہ توفیق سلب ہو جائے اور یہ خذلان آفر کار کفر تک پہنچا دے جس سے تمام اعمال صالحہ ضائع ہو جاتے ہیں اور کرنے والے نے چونکہ قصد ایذا کا نہ کیا تھا اسلئے اس کو اس کی خبر بھی نہ ہوگی کہ اس ابتلا کفر اور جبط اعمال کا اصل سبب کیا تھا۔ بعض علماء نے فرمایا ہے کہ اگر کسی صالح بزرگ کو کسی نے اپنا مرشد بنایا ہو اسکے ساتھ گستاخی و بے ادبی کا بھی یہی حال ہے کہ بعض اوقات وہ سلب توفیق اور خذلان کا سبب بن جاتی ہے جو انجام کار متاع ایمان کو بھی ضائع کر دیتی ہے نعوذ باللہ منہ

إِنَّ الَّذِينَ يَتَذَكَّرُونَكَ مِنْ ذُرَاةِ الْحُجُرَاتِ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ، اس آیت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک تیسرا ادب سکھایا گیا ہے کہ جن وقت آپ اپنے مکان اور آرام گاہ میں تشریف فرما ہوں اس وقت باہر کھڑے ہو کر آپ کو پکارنا خصوصاً گنوارین کے ساتھ کہ نام لیکر پکارا جائے یہ بے ادبی ہے عقل والوں کے یہ کام نہیں۔ حجرات، حجرہ کی جمع ہے اصل لغت میں حجرہ ایک چار دیواری سے گھرے ہوئے مکان کو کہتے ہیں جس میں کچھ محن ہو کچھ مسقف عمارت ہو۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات مدینہ طیبہ میں نو تھیں اُن میں سے ہر ایک کے لئے ایک حجرہ الگ الگ تھا جن میں آپ باری باری تشریف فرما ہوتے تھے۔

حجرات امہات المؤمنین | ابن سعد نے بروایت عطاء خراسانی لکھا ہے کہ یہ حجرات کھجور کی شاخوں سے بنے ہوئے تھے اور اُن کے دروازوں پر موٹے سیاہ اون کے پردے پڑے ہوتے تھے۔ امام بخاری نے ادب المفرد میں اور بیہقی نے داؤد بن قیس سے روایت کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے ان حجرات کی زیارت کی ہے میرا گمان یہ ہے کہ حجرہ کے دروازہ سے مسقف بیت تک چھ سات ہاتھ ہو گا اور بیت (کمرہ) دس ہاتھ اور چھت کی ادنجائی سات آٹھ ہاتھ ہوگی۔ یہ حجرات امہات المؤمنین ولید بن عبد الملک کی حکومت میں اُن کے حکم سے مسجد نبوی میں شامل کر دیئے گئے۔ مدینہ میں اُس روز لوگوں پر گریہ بکا طاری تھی۔

سبب نزول | امام بغوی نے بروایت قتادہ رحمہ ذکر کیا ہے کہ قبیلہ بنو تمیم کے لوگ جو آپ کی خدمت

میں حاضر ہوئے تھے جن کا ذکر اوپر آیا ہے۔ یہ دو پہر کے وقت مدینہ میں پہنچے جبکہ آپ کی حجرہ میں آرام فرما رہے تھے۔ یہ لوگ اعرابِ ادب معاشرت سے ناواقف تھے۔ انہوں نے حجرات کے باہر ہی سے پکارنا شروع کر دیا، اخرج الینا یا محمد اس پر یہ آیت نازل ہوئی جس میں اس طرح پکارنے کی ممانعت اور انتظار کرنے کا حکم دیا گیا۔ مسند احمد۔ ترمذی وغیرہ میں بھی یہ روایت مختلف الفاظ سے آئی ہے (مظہری) **تنبیہ** اصحابہ و تابعین نے اپنے علماء و مشائخ کے ساتھ بھی اسی ادب کا استعمال کیا ہے۔ صحیح بخاری وغیرہ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ جب میں کسی عالم صحابی سے کوئی حدیث دریافت کرنا چاہتا تھا تو ان کے مکان پر پہنچ کر ان کو آواز یا دروازہ پر دستک دینے سے پرہیز کرتا اور دروازہ کے باہر بیٹھ جاتا تھا کہ جب وہ خود ہی باہر تشریف لادیں گے اس وقت ان سے دریافت کروں گا، وہ مجھے دیکھ کر فرماتے کہ اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا زاد بھائی، آپ نے دروازہ پر دستک دیکر کیوں نہ اطلاع کر دی تو ابن عباس نے فرمایا کہ عالم اپنی قوم میں مثل نبی کے ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے نبی کی شان میں یہ ہدایت فرمائی ہے کہ ان کے باہر آئینکا انتظار کیا جائے۔ حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے کبھی کسی عالم کے دروازہ پر جا کر دستک نہیں دی بلکہ اسکا انتظار کیا کہ وہ خود ہی جب باہر تشریف لادیں گے اس وقت ملاقات کروں گا (روح المعانی) مسئلہ :- آیت مذکورہ میں حتیٰ مخرج الینم میں الینم کی قید پڑھانے سے یہ ثابت ہوا کہ صبر انتظار اس وقت تک کرنا ہے جب تک کہ آپ لوگوں سے ملاقات و گفتگو کے لئے باہر تشریف لائیں، اس سے معلوم ہوا کہ آپ کا باہر تشریف لانا کسی دوسری ضرورت سے ہوا اس وقت بھی آپ اپنے مطلب کی بات کرنا مناسب نہیں بلکہ اسکا انتظار کریں کہ جب آپ ان کی طرف متوجہ ہوں اس وقت بات کریں۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَأٍ فَتَبَيَّنُوا أَنْ تُصِيبُوا

اے ایمان والو اگر آئے تھکے پاس کوئی گناہگار خبر لے کر تو تحقیق کر لو کہیں جا نہ پڑو

قَوْمًا بِجَهَالَةٍ فَتُصِيبُوا عَلَى مَا فَعَلْتُمْ نُدْ مِین ⑥

کسی قوم پر نادانی سے پھر کل کو اپنے کئے پر لگو پچتانے

خلاصہ تفسیر

اے ایمان والو اگر کوئی شریر آدمی تمہارے پاس کوئی خبر لائے (جس میں کسی کی شکایت ہو) تو (بدون تحقیق کے) اس پر عمل نہ کیا کرو بلکہ اگر عمل کرنا مقصود ہو تو (خوب تحقیق کر لیا کرو) کبھی کسی قوم کو نادانی سے کوئی ضرر نہ پہنچا دو پھر اپنے کئے پر پچتنا پڑے۔

معارف و مسائل

شان نزول | اس آیت کے نزول کا واقعہ ابن کثیر نے بحوالہ سند احمد یہ نقل کیا ہے کہ قبیلہ بنی المصطلق کے رئیس حارث بن ضرار بن ابی ضرار بن کی صاجرادی حضرت جویریہ بنت حارث امہات المؤمنین میں سے ہیں یہ فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے مجھے اسلام کی دعوت دی اور زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم دیا، میں نے اسلام کو قبول کیا اور زکوٰۃ ادا کرنے کا اقرار کیا اور عرض کیا کہ اب میں اپنی قوم میں جا کر ان کو بھی اسلام اور اداائے زکوٰۃ کی طرف دعوت دوں گا۔ جو لوگ میری بات مان لیں گے اور زکوٰۃ ادا کریں گے میں ان کی زکوٰۃ جمع کر لوں گا۔ اور آپ فلاں ہمینہ کی فلاں تاریخ تک اپنا کوئی قاصد میرے پاس بھیج دیں تاکہ جو رقم زکوٰۃ کی میرے پاس جمع ہو جائے اس کو سپرد کر دوں، پھر جب حارث نے حسب وعدہ ایمان لانے والوں کی زکوٰۃ جمع کر لی اور وہ ہمینہ اور تاریخ جو قاصد بھیجنے کے لئے طے ہوئی تھی گزر گئی اور آپ کا کوئی قاصد نہ پہنچا تو حارث کو یہ خطہ پیدا ہوا کہ شاید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی بات پر ناراض ہیں ورنہ یہ ممکن نہیں تھا کہ آپ وعدے کے مطابق اپنا آدمی نہ بھیجتے۔ حارث نے اس خطہ کا ذکر اسلام قبول کرنے والوں کے سرداروں سے کیا، اور ارادہ کیا کہ یہ سب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو جاویں۔ ادھر واقعہ یہ ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مقررہ تاریخ پر ولید بن عقبہؓ کو اپنا قاصد بنا کر زکوٰۃ وصول کرنے کے لئے بھیج دیا تھا مگر ولید بن عقبہ کو راستہ میں یہ خیال آیا کہ اس قبیلہ کے لوگوں سے میری پرانی دشمنی جو کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ مجھے قتل کر ڈالیں اس خوف کے سبب وہ راستہ ہی سے واپس ہو گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جا کر یہ کہا کہ ان لوگوں نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا اور میرے قتل کا ارادہ کیا اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو غصہ آیا اور حضرت خالد بن ولید کی سرکردگی میں ایک دستہ مجاہدین کا روانہ کیا، ادھر یہ دستہ مجاہدین کا روانہ ہوا ادھر سے حارث مع اپنے ساتھیوں کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضری کے لئے پہنچے، مدینہ کے قریب دونوں کی ملاقات ہوئی۔ حارث نے ان لوگوں سے پوچھا کہ آپ کن لوگوں کی طرف بھیجے گئے ہو۔ ان لوگوں نے کہا کہ ہم تمہاری طرف بھیجے گئے ہیں۔ حارث نے سبب پوچھا تو ان کو واقعہ ولید بن عقبہ کے بھیجنے کا اور ان کی واپسی کا بتلایا گیا اور یہ کہ ولید بن عقبہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے یہ بیان دیا ہے کہ بنی المصطلق نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا اور میرے قتل کا منصوبہ بنایا۔ حارث نے یہ سن کر کہا کہ قسم ہے اُن ذات کی جس نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو رسول برحق بنا کر بھیجا ہے میں نے ولید بن عقبہ کو دیکھا تک نہیں اور نہ وہ میرے پاس آئے۔ اس کے بعد حارث جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے فرمایا کہ کیا تم نے زکوٰۃ دینے سے انکار کیا اور میرے قاصد کو قتل کرنے کا ارادہ کیا تھا۔ حارث نے کہا کہ ہرگز نہیں، قسم ہے اُنس

ذات کی جسے آپ کو پیغام حق دیکر بھیجا ہے نہ وہ میرے پاس آئے نہ میں نے انکو دیکھا۔ پھر جب مقررہ وقت پر آپ کا قاصد نہ پہنچا تو مجھے خطرہ ہوا کہ شاید مجھ سے کوئی قصور ہوا جس پر حضور ناراض ہوئے اس لئے میں حاضر خدمت ہوا۔ حارث نہ فرماتے ہیں کہ اس پر سورۃ ہجرات کی آیت نازل ہوئی (ابن کثیر)

اور بعض روایات میں ہے کہ ولید بن عقبہ حرباً لکم بنی المصطلق میں پہنچے، اس قبیلہ کے لوگوں کو چونکہ یہ معلوم تھا کہ اس تاریخ پر حضور کا قاصد آویگا یہ تعظیماً بستی سے باہر نکلے کہ ان کا استقبال کریں۔ ولید بن عقبہ کو شبہ ہو گیا کہ یہ شاید پُرانی دشمنی کی وجہ سے مجھے قتل کرنے آئے ہیں یہیں سے واپس ہو گئے اور جا کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے گمان کے مطابق یہ عرض کر دیا کہ وہ لوگ زکوٰۃ دینے کے لئے تیار نہیں، بلکہ میرے قتل کے ذریعے ہوئے۔ اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خالد بن ولیدؓ کو بھیجا اور یہ ہدایت فرمائی کہ خوب تحقیق کریں اسکے بعد کوئی اقدام کریں۔ خالد بن ولیدؓ نے بستی سے باہر رات کو پہنچ کر قیام کیا اور تحقیق حال کے لئے چند آدمی بطور جاسوس کے خفیہ بھیج دیئے۔ ان لوگوں نے آکر خبر دی کہ یہ سب لوگ اسلام و ایمان پر قائم، نماز و زکوٰۃ کے پابند ہیں اور کوئی بات خلاف اسلام نہیں پائی گئی، خالد بن ولیدؓ نے واپس آکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ سارا واقعہ بتلایا، اس پر یہ آیت نازل ہوئی (یہ ابن کثیر کی متعدد روایات کا خلاصہ ہے)

اس آیت سے یہ ثابت ہوا کہ کوئی شریر فاسق آدمی اگر کسی شخص یا قوم کی شرکایت کرے اُن پر کوئی الزام لگائے تو اسکی خبر یا شہادت پر بغیر مکمل تحقیق کے عمل کرنا جائز نہیں۔

آیت سے متعلق احکام و مسائل | امام جصاصؒ نے احکام القرآن میں فرمایا کہ اس آیت سے ثابت ہوا کہ کسی فاسق کی خبر کو قبول کرنا اور اس پر عمل کرنا اسوقت تک جائز نہیں جب تک دوسرے ذرائع سے تحقیق کر کے اسکا صدق ثابت نہ ہو جائے، کیونکہ اس آیت میں ایک قرأت تو مثبت تھوڑی ہے جس کے معنی ہیں کہ اس پر عمل کرنے اور اقدام میں جلدی نہ کرو بلکہ ثابت قدم رہو جب تک دوسرے ذرائع سے اسکا صدق ثابت نہ ہو جائے۔ اور جب فاسق کی خبر کو قبول کرنا جائز نہ ہو۔

تو شہادت کو قبول کرنا بدرجہ اولیٰ ناجائز ہوگا کیونکہ ہر شہادت ایک خبر ہوتی ہے جو حلف و قسم کے ساتھ ہو کہ کھجاتی ہے، اسی لئے جمہور علماء کے نزدیک فاسق کی خبر یا شہادت شرعاً مقبول نہیں۔ البتہ بعض معاملات اور حالات میں فاسق کی خبر اور شہادت کو بھی قبول کر لیا جاتا ہے وہ اس حکم سے مستثنیٰ ہیں کیونکہ آیت قرآن میں اس حکم کی ایک خاص علت منصوص ہے یعنی اَنْ تَصْبِرُوا قَوْمًا يَجْهَلُونَ۔ تو جن معاملات میں یہ علت موجود نہیں وہ آیت کے حکم میں داخل نہیں یا مستثنیٰ ہیں۔ مثلاً یہ کہ کوئی فاسق بلکہ کافر بھی کوئی چیز لائے اور یہ کہے کہ فلاں شخص نے یہ آپ کو یہ بھیجا ہے تو اس کی خبر پر عمل جائز ہے اس کی مزید تفصیل کتب فقہ معین احکام وغیرہ میں ہے

اور احقر نے احکام القرآن عربی مرتبہ دس جلدوں کی تفصیل لکھ دی ہے اہل علم اس میں دیکھ سکتے ہیں۔

ایک اہم سوال وجواب | اس آیت کا ولید بن عقبہؓ کے متعلق نازل ہونا صحیح روایات سے ثابت ہے متعلقہ عدالت صحابہ اور آیت میں اُن کو فاسق کہا گیا ہے اس سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ صحابہؓ میں کوئی فاسق بھی ہو سکتا ہے۔ اور یہ اُس مسلمہ اور متفق علیہ ضابطہ کی خلاف ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کلام عدول، یعنی صحابہ کرام سب کے سب ثقہ ہیں ان کی کسی خبر و شہادت پر کوئی گرفت نہیں کیجا سکتی۔ علامہ آلوسی نے روح المعانی میں فرمایا کہ اس معاملے میں حق بات وہ ہے جسکی طرف جمہور علماء گئے ہیں کہ صحابہ کرام معصوم نہیں اُن سے گناہ کبیرہ بھی سرزد ہو سکتا ہے جو فسق ہے اور اُس گناہ کے وقت اُن کے ساتھ وہی معاملہ کیا جائے گا جس کے وہ مستحق ہیں یعنی شرعی سزا جاری کیجاے گی اور اگر کذب ثابت ہوا تو انکی خبر و شہادت رد کر دی جائے گی لیکن عقیدہ اہل سنت والجماعت کا نصوص قرآن و سنت کی بنیاد پر یہ ہے کہ صحابی سے گناہ تو ہو سکتا ہے مگر کوئی صحابی ایسا نہیں جو گناہ سے توبہ کر کے پاک ہو گیا ہو۔ قرآن کریم نے علی الاطلاق اُن کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی رضا کا فیصلہ صادر فرمادیا ہے رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ الْآیۃ، اور رضائے الہی گناہوں کی معافی کے بغیر نہیں ہوتی، جیسا کہ قاضی ابوعلی نے فرمایا کہ رضا اللہ تعالیٰ کی ایک صفت قدیمہ ہے وہ اپنی رضا کا اعلان صرف انہی کے لئے فرماتے ہیں جن کے متعلق وہ جانتے ہیں کہ انکی وفات موجباتِ رضا پر ہوگی دُکْذَا فِی الصَّامِ الْمَسْلُوبِ لَابْنِ تَمِیْمٍ

خلاصہ یہ ہے کہ صحابہ کرام کی عظیم الشان جماعت میں سے گئے چھنے چند آدمیوں سے کبھی کوئی گناہ سرزد بھی ہوا ہے تو اُن کو فوراً توبہ نصیب ہوئی ہے۔ حق تعالیٰ نے اُن کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کی برکت سے ایسا بنا دیا تھا کہ شریعت اُن کی طبیعت بن گئی تھی۔ خلاف شرع کوئی کام یا گناہ سرزد ہونا انتہائی شاذ و نادر تھا اُن کے اعمال صالحہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلام پر اپنی جانیں قربان کرنا اور ہر کام میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع کو وظیفہ زندگی بنانا اور اس کے لئے ایسے مجاہدات کرنا جن کی نظیر پچھلی امتوں میں نہیں ملتی۔ ان بے شمار اعمال صالحہ اور فضائل و کمالات کے مقابلے میں عمر بھر کسی گناہ کا سرزد ہو جانا اس کو خود ہی کالعدم کر دیتا ہے۔ دوسرے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت و عظمت اور ادنیٰ سے گناہ کے وقت اُن کا خوف خشیت اور فوراً توبہ کرنا بلکہ اپنے آپ کو سزا کے لئے خود پیش کر دینا کہیں اپنے آپ کو مسجد کے ستون سے باندھ دینا وغیرہ روایات حدیث میں معروف و مشہور ہیں اور حکیم حدیث گناہ سے توبہ کرنے والا ایسا ہو جاتا ہے کہ جیسے گناہ کیا ہی نہیں تیسرے حسب ارشاد قرآن اعمال صالحہ اور حسنات خود بھی گناہوں کا کفارہ ہو جاتے ہیں إِنَّ الْحَسَنَاتِ يُدْهِئْنَ الشَّيْئَاتِ خُصُوصاً

جبکہ اُن کے حسنات عام لوگوں کی طرح نہیں بلکہ ان کا حال وہ ہے جو ابو داؤد و ترمذی نے حضرت سعید بن زید سے نقل کیا ہے کہ واللہ لعمشہل رجل منہم مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم یغتر فیہ وجہ خیر من عمل احدکم ولو عمر عمر نوحؑ، یعنی خدا کی قسم ان میں سے کسی شخص کا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کسی جہاد میں شریک ہونا جیسے اُن کے چہرہ پر غبار پڑ گیا ہو تمھاری عمر بھر کی طاعت عبادت سے افضل ہے اگرچہ اس کو عمر نوح علیہ السلام دیدی گئی ہو۔ اسلئے ان سے صد درگناہ کے وقت اگرچہ سزا وغیرہ میں معاملہ وہی کیا گیا جو اس جرم کے لئے مقرر تھا مگر اسکے باوجود بعد میں کسی کے لئے جائز نہیں کہ ان میں سے کسی کو فاسق قرار دے، اسلئے اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں کسی صحابی سے کوئی گناہ موجب فسق سرزد بھی ہو اور اس وقت ان کو فاسق کہا بھی گیا تو اس سے یہ جائز نہیں ہو جانا کہ اس فسق کو ان کے لئے مستمر سمجھ کر معاذ اللہ فاسق کہا جائے (کذا فی الروح)

اور آیت مذکورہ میں تو قطعاً یہ ضروری نہیں کہ ولید بن عقبہ کو فاسق کہا گیا ہو سبب نزول خواہ اُن کا معاملہ ہی سہی مگر لفظ فاسق اُن کے لئے استعمال کیا گیا یہ ضرور نہیں، وجہ یہ ہے کہ اس واقعہ سے پہلے تو ولید بن عقبہ سے کوئی ایسا کام ہوا نہ تھا جس کے سبب ان کو فاسق کہا جائے اور اس واقعہ میں بھی جو انھوں نے نبی مصطفیٰ کے لوگوں کی طرف ایک بات غلط منسوب کی وہ بھی اپنے خیال کے مطابق صحیح سمجھ کر کی اگرچہ واقع میں غلط تھی اس لئے آیت مذکورہ کا مطلب بے تکلف وہ بن سکتا ہے جو خلاصہ تفسیر میں اور پر گزرا ہے کہ اس آیت نے قاعدہ کلیہ فاسق کی خبر کے نامقبول ہونے کے متعلق بیان کیا ہے اور واقعہ مذکورہ پر اس آیت کے نزول سے اسکی مزید تاکید اس طرح ہو گئی کہ ولید بن عقبہ اگرچہ فاسق نہ تھے مگر ان کی خبر قرآنِ قویہ کے اعتبار سے ناقابل قبول نظر آئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے محض انکی خبر پر کسی اقدام سے گریز کر کے خالد بن ولید کو تحقیقات پر مامور فرما دیا تو جب ایک ثقہ اور صالح آدمی کی خبر میں قرآن کی بنا پر شبہ ہو جائیکا معاملہ یہ ہے کہ اس پر قبل از تحقیق عمل نہیں کیا گیا تو فاسق کی خبر کو قبول نہ کرنا اور اس پر عمل نہ کرنا اور زیادہ واضح ہے۔ عدالت صحابہ کی مکمل بحث احقر نے اپنی کتاب مقام صحابہ میں بیان کر دی جو شائع ہو چکی ہے اور اسکا کچھ حصہ اگلی آیت قِانِ طَائِفَتٍ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ الْآیۃ کے تحت میں بھی آجائے گا۔

وَاعْلَمُوا أَنَّ فِيكُمْ رَسُولَ اللَّهِ لَوْ يُطِيعُكُمْ فِي كَثِيرٍ مِّنَ الْأَمْرِ

اور جان لو کہ تم میں رسول ہے اللہ کا اگر وہ تمھاری بات مان لیا کرے بہت کاموں میں

لَعَيْنَتْكُمْ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ حَبَّبَ إِلَيْكُمُ الْإِيمَانَ وَزَيَّنَهُ فِي قُلُوبِكُمْ وَ

تو تم پر لعنت پڑے پر اللہ نے محبت ڈال دی تمھارے دل میں ایمان کی اور کھبایا اسکو تمھارے دلوں میں اور

كَرَّهَ إِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوقَ وَالْعِصْيَانَ أُولَٰئِكَ هُمُ الرَّشِدُونَ ۝

نفرت ڈال دی تمہارے دل میں کفر اور گناہ اور نافرمانی کی وہ لوگ وہی ہیں نیک راہ پر

فَضْلًا مِّنَ اللَّهِ وَنِعْمَةً ۚ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ۝

اللہ کے فضل سے اور احسان سے اور اللہ سب کچھ جانتا ہے حکمتوں والا

خلاصہ تفسیر

اور جان رکھو کہ تم میں رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما) ہیں (جو خدا کی بڑی نعمت ہیں) کما قال اللہ تعالیٰ لَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَىٰ اس نعمت کا شکریہ ہے کہ کسی بات میں تم آپکے خلاف مت کرو گو دنیوی ہی کیوں نہ ہو اور اس فکر میں مت پڑو کہ امور دنیویہ میں خود حضور ہماری رائے کی موافقت فرمایا کریں کیونکہ بہت سی باتیں ایسی ہوتی ہیں کہ اگر وہ اُس میں تمہارا کہنا مانا کریں تو بڑی مضرت پہنچے گی کیونکہ وہ مصلحت کے خلاف ہو تو ضرور اس کے موافق عمل کرنے میں مضرت ہو بخلاف اسکے کہ آپ کی رائے پر عمل کیا جائے کیونکہ امر دنیوی ہونے کے باوجود اس میں خلاف مصلحت ہو نہی کا احتمال گو فی نفسہ مستبعد اور خلاف شان نبوت نہیں لیکن اول تو ایسے امور جن میں ایسا احتمال ہو شاذ و نادر ہوں گے پھر اگر ہوں بھی اور اُن میں مصلحت فوت ہو بھی جاوے تو کتنی بڑی بات ہے کہ اس مصلحت کا نعم البدل یعنی اجر و ثواب اطاعت رسول کا ضرور ہی میسر ہوگا بخلاف اسکے تمہاری رائے پر عمل ہو کہ گواہ شاذ و نادر ایسے امور بھی نکلیں گے جن میں مصلحت تمہاری رائے کے موافق ہو لیکن متعین تو ہیں نہیں اور پھر بہت ہی کم ہونگے زیادہ احتمال مضرت ہی کا ہے پھر اس مضرت کا کوئی تدارک نہیں اور اس تقریر سے فائدہ کثیر کی قید کا بھی معلوم ہو گیا، بہر حال اگر آپ تم لوگوں کی موافقت کرتے تو تم بڑی مصیبت میں پڑتے لیکن اللہ تعالیٰ نے (تم کو مصیبت سے بچا لیا اس طرح سے کہ) تم کو ایمان (کامل) کی محبت دی اور اس (کی تحصیل) کو تمہارے دلوں میں مرغوب کر دیا اور کفر و فسق (یعنی گناہ کبیرہ) اور (مطلق) عصیان (یعنی گناہ صغیرہ) سے تم کو نفرت دیدی (جس سے تم کو ہر وقت رضائے رسول کی جستجو رہتی ہے اور جس سے تم اُن احکام کو مان لیتے ہو جو رضائے رسول کے موجبات ہیں چنانچہ جب تم کو یہ معلوم ہو گیا کہ امور دنیویہ میں بھی اطاعت رسول کی واجب ہے اور بددن اطاعت مطلقہ کے ایمان کامل نہیں ہوتا اور ایمان کامل کی تحصیل کی رغبت پہلے سے موجود ہے پس تم نے فوراً اُس حکم کو بھی قبول کر لیا اور قبول کر کے ایمان کی اور تکمیل کر لی) ایسے لوگ (جو کہ تکمیل ایمان کے محب ہیں) خدا تعالیٰ کے فضل اور انعام سے راہِ راست پر ہیں اور اللہ تعالیٰ (نے جو یہ احکام فرمائے ہیں تو وہ انکی مصلحتوں کو) جاننے والا (ہے اور چونکہ) حکمت والا ہے (اس لئے ان احکام کو واجب کر دیا ہے)

معارف و مسائل

اس سے پہلی آیت میں واقعہ حضرت ولید بن عقبہ اور قبیلہ بنی المصطلق کا مذکور تھا جس میں ولید بن عقبہ نے بنی المصطلق کے متعلق یہ خبر دی تھی کہ وہ مرتد ہو گئے اور زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا اس پر صحابہ کرام میں بھی اشتعال پیدا ہوا، انکی رائے یہ تھی کہ ان لوگوں پر جہاد کے لئے مجاہدین کو بھیجا جائے مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ولید بن عقبہ کی خبر کو قرآن تو یہ کیخلاف سمجھ کر قبول نہ کیا اور تحقیقات کے لئے حضرت خالد بن ولید کو مامور فرما دیا۔ پچھلی آیت میں قرآن کریم نے اسکو قانون بنا دیا کہ جس شخص کی خبر میں قرآن تو یہ سے کوئی شبہ ہو جاوے تو قبل از تحقیق اس پر عمل جائز نہیں۔ اس آیت میں صحابہ کرام کو ایک اور ہدایت کی گئی ہے کہ اگرچہ بنی المصطلق کے متعلق خبر ارتداد سن کر تمہارا جوش غیرت دینی کے سبب تھا مگر تمہاری رائے صحیح نہ تھی۔ اللہ کے رسول نے جو صورت اختیار کی وہ ہی بہتر تھی (منظری) مقصد یہ ہے کہ مشورہ طلب امور میں کوئی رائے دیدینا تو درست ہے لیکن یہ کوشش کرنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمہاری رائے کی مطابقت ہی عمل کریں یہ درست نہیں کیونکہ امور دنیویہ میں اگرچہ شاذ و نادر رسول کی رائے خلاف مصلحت ہو نیکام مکان ضرور ہے جو شان نبوت کیخلاف نہیں لیکن حق تعالیٰ نے جو فرست اور دانش اپنے رسول کو عنایت فرمائی ہے وہ تمہیں حاصل نہیں ہے اسلئے اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمہاری رائے پر چلا کریں تو بہت سے معاملات میں نقصان مصیبت میں پڑ جاؤ گے۔ اور کہیں شاذ و نادر تمہاری رائے ہی میں مصلحت ہو اور تم اطاعت رسول کیلئے اپنی رائے کو چھوڑ دو جس سے تمہیں کچھ دنیوی نقصان بھی پہنچ جاوے تو اس میں اتنی مضرت نہیں جتنی تمہاری رائے کے تابع ہو کر چلنے میں ہے کیونکہ اس صورت میں اگر کچھ دنیوی نقصان ہو بھی گیا تو اطاعت رسول کا اجر و ثواب اسکا بہتر بدل موجود ہے اور لفظ عَنْتُمْ، عَنِتَّ سے مشتق ہے جس کے معنی گناہ کے بھی آتے ہیں اور کسی مصیبت میں مبتلا ہونیکے بھی یہاں دونوں معنی مراد ہو سکتے ہیں (قطبی)

وَإِنْ طَائِفَتٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِينَ اقْتَتَلُوا فَأَصْلَحُوا بَيْنَهُمَا فَإِنْ بَغَتْ

اور اگر دو فریق مسلمانوں کے آپس میں لڑ پڑیں تو ان میں ملاپ کرادو پھر اگر چڑھا چلا جائے

أَحَدُهُمَا عَلَى الْآخَرَىٰ فَقَاتِلُوا الَّتِي تَبْغِي حَتَّىٰ تَفِيءَ إِلَىٰ أَمْرِ

ایک ان میں سے دوسرے پر تو تم سب لڑو اس چڑھائی والے سے یہاں تک کہ پھر آئے اللہ کے حکم

اللَّهِ فَإِنْ قَاتَلَتْ فَأَصْلَحُوا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَأَقْسِطُوا إِنَّ

پر پھر اگر پھر آیا تو ملاپ کرادو ان میں برابر اور انصاف کرو بیشک

اللَّهُ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ ⑨ إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ فَأَصْلَحُوا

اللہ کو خوش آتے ہیں انصاف والے مسلمان جو ہیں سو بھائی ہیں سو ملاپ کرادو

بَيْنَ أَخَوِيكُمْ وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ⑩

اپنے دو بھائیوں میں اور ڈرتے رہو اللہ سے تاکہ تم پر رحم ہو

خلاصہ تفسیر

اور اگر مسلمانوں میں دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں تو ان کے درمیان اصلاح کر دو (یعنی جھگڑے کی بنیاد کو رفع کر کے لڑائی موقوف کرادو) پھر اگر (اصلاح کی کوشش کے بعد بھی) ان میں کایک گروہ دوسرے پر زیادتی کرے (اور لڑائی بند نہ کرے) تو اس گروہ سے لڑو جو زیادتی کرتا ہے، یہاں تک کہ وہ خدا کے حکم کی طرف رجوع ہو جاوے (حکم خدا سے مراد لڑائی بند کرنا ہے) پھر اگر وہ (زیادتی کرنے والا فرقہ حکم خدا کی طرف) رجوع ہو جاوے (یعنی لڑائی بند کر دے) تو ان دونوں کے درمیان عدل کے ساتھ اصلاح کر دو (یعنی حدود شرعیہ کے موافق اس معاملہ کو طے کر دو بعض لڑائی بند کرنے پر اکتفا نہ کرو اگر صلح مصالحت نہ ہوئی تو پھر بھی لڑائی کا احتمال رہے گا) اور انصاف کا خیال رکھو (یعنی کسی نفسانی غرض کو غالب نہ ہونے دو) بیشک اللہ تعالیٰ انصاف والوں کو پسند کرتا ہے (اور باہمی اصلاح کا حکم اس لئے دیا گیا ہے کہ) مسلمان تو سب (دینی اشتراک جو روحانی اور معنوی رشتہ ہے اس رشتہ سے ایک دوسرے کے) بھائی ہیں اس لئے اپنے دو بھائیوں کے درمیان اصلاح کر دیا کرو (تاکہ یہ اسلامی برادری قائم رہے) اور (اصلاح کے وقت) اللہ سے ڈرتے رہا کرو (یعنی حدود شرعیہ کی رعایت رکھا کرو) تاکہ تم پر رحمت کیجاوے۔

معارف و مسائل

رابطہ | سابقہ آیات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حقوق اور آداب اور ایسے اعمال سے پرہیز کا بیان تھا جن سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا پہنچے، آگے عام معاشرت کے آداب احکام ہیں جن میں اجتماعی اور انفرادی دونوں طرح کے آداب اور باہمی حقوق کا بیان ہے اور سب میں قدر مشترک ایذا رسانی سے اجتناب ہے۔

سبب نزول | ان آیات کے سبب نزول میں مفسرین نے متعدد واقعات بیان فرمائے ہیں جن میں خود مسلمانوں کے دو گروہوں میں باہم تصادم ہوا اور کوئی بعید نہیں کہ یہ بھی واقعات کا مجموعہ سبب نزول ہوا ہو یا نزول کسی ایک واقعہ میں ہوا، دوسرے واقعات کو اس کے مطابق پا کر انکو بھی سبب

نزول میں شریک کر دیا گیا۔ اس آیت کے اصل مخاطب وہ اولوالامرا اور ملوک ہیں جن کو قتال و جہاد کے وسائل حاصل ہیں (کذا قال ابو حیان فی البحر و اختارہ فی روح المعانی) اور بالواسطہ تمام مسلمان اسکے مخاطب ہیں کہ وہ اس معاملے میں اولوالامر کی اعانت کریں۔ اور جہاں کوئی امام دامیر یا بادشاہ و رئیس نہیں وہاں حکم یہ ہے کہ جہاں تک ممکن ہو دونوں کو فہمائش کر کے ترک قتال پر آمادہ کیا جائے، اور دونوں نہ مانیں تو دونوں لڑنے والے فرقوں سے الگ رہے نہ کسی کی خلافت کرے نہ موافقت، کذا فی بیان القرآن۔

مسائل متعلقہ | مسلمانوں کے دو گروہوں کی باہمی لڑائی کی چند صورتیں ہوتی ہیں، ایک کہ دونوں جماعتیں امام المسلمین کے تحت ولایت ہیں یا دونوں نہیں، یا ایک ہے ایک نہیں۔ پہلی صورت میں عام مسلمانوں پر لازم ہے کہ فہمائش کر کے ان کو باہمی جنگ سے روکیں۔ اگر فہمائش سے باز نہ آئیں تو امام المسلمین پر اصلاح کرنا واجب ہے اگر حکومت اسلامیہ کی مداخلت سے دونوں فریق جنگ سے باز آگئے تو قصاص و دیت کے احکام جاری ہونگے۔ اور باز نہ آئیں تو دونوں فریق کے ساتھ باغیوں کا سا معاملہ کیا جائے اور ایک باز آگیا دوسرا ظلم و تعدی پر جمار ہا تو دوسرا فریق باغی ہے اسکے ساتھ باغیوں کا معاملہ کیا جائے اور جس نے اطاعت قبول کر لی وہ فریق عادل کہلائے گا۔ اور باغیوں کے احکام کی تفصیل کتب فقہ میں دیکھی جاسکتی ہے اور مختصر جامع حکم یہ ہے کہ قبل قتال انکے ہتھیار چھین لئے جاویں گے اور ان کو گرفتار کر کے توبہ کرنے کے وقت تک قید رکھیں گے اور عین قتال کی حالت میں اور قتال کے بعد ان کی ذریت کو غلام یا نوڈی نہ بناؤ گے اور ان کا مال مال غنیمت نہیں ہوگا البتہ توبہ کرنے تک اموال کو مجبوس رکھا جائیگا توبہ کے بعد واپس دیدیا جائے گا۔ آیات مذکورہ میں جو یہ ارشاد ہوا ہے فَإِنْ فَاءَتْ فَأَصْلَحُوا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَأَقْضُوا، یعنی اگر بغاوت کرنے والا فرقہ بغاوت اور قتال سے باز آجائے تو صرف جنگ بند کر دینے پر اکتفا نہ کرو بلکہ اسباب جنگ اور باہمی شکایات کے ازالہ کی فکر کرو تاکہ دونوں سے بغض و عداوت نکل جاوے اور ہمیشہ کے لئے بھائی چارے کی فضا قائم ہو جائے۔ اور چونکہ یہ لوگ امام المسلمین کے خلاف بھی جنگ کر چکے ہیں اس لئے ہو سکتا تھا کہ ان کے بارے میں پورا انصاف نہ ہو اسلئے قرآن نے تاکید فرمائی کہ دونوں فریق کے حقوق میں عدل و انصاف کی پابندی کی جائے (یہ سب تفصیل بیان القرآن سے لی گئی ہے اور اس میں ہدایہ کے حوالہ سے ہے)

مسئلہ۔ اگر مسلمانوں کی کوئی بڑی طاقتور جماعت امام المسلمین کی اطاعت سے نکل جائے تو امام المسلمین پر لازم ہے کہ اول ان کی شکایات سنے ان کو کوئی شبہ یا غلط فہمی پیش آئی ہو تو اسکو دور کرے اور اگر وہ اپنی مخالفت کی ایسی وجوہ پیش کریں جن کی بنا پر کسی امام دامیر کی مخالفت

شرعاً جائز ہے یعنی جن سے خود امام المسلمین کا ظلم و جور ثابت ہو تو عام مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ اس جماعت کی مدد کریں تاکہ امام اپنے ظلم سے باز آجائے بشرطیکہ اس کے ظلم کا ثبوت یقینی بلا کسی اشتباہ ثابت ہو جائے (کذا قال ابن الہمام - مظہری) اور اگر کوئی ایسی واضح وجوہ اپنی بغاوت اور عدم اطاعت کی بیان نہ کر سکیں اور امام المسلمین کی خلاف جنگ کے لئے تیار ہو جائیں تو مسلمانوں کو ان سے قتال کرنا حلال ہے اور امام شافعیؒ نے فرمایا کہ جب تک وہ خود قتال شروع نہ کر دیں اس وقت تک مسلمانوں کو ان سے قتال کی ابتدا کرنا جائز نہیں (مظہری) یہ حکم اس وقت ہے جبکہ اس جماعت کا باغی اور ظالم ہونا بالیقینی اور واضح ہو، اور اگر صورت ایسی ہے کہ دونوں فریق کوئی شرعی حجت رکھتے ہیں اور یہ متعین کرنا مشکل ہے کہ ان میں کون باغی ہے کون عادل وہاں جس شخص کو کسی ایک کے عادل ہونے کا ظن غالب ہو وہ اسکی مدد کر سکتا ہے اور جس کو کسی جانب رجحان نہ ہو وہ دونوں سے الگ رہے جیسا کہ مشابرات صحابہ کرام کے وقت جنگ جمل اور صفین میں پیش آیا۔

مشابرات صحابہ کرام | امام ابو بکر بن العربی نے فرمایا کہ یہ آیت قتال بین المسلمین کی تمام صورتوں رضوان اللہ علیہم اجمعین کو حاوی اور شامل ہے اس میں وہ صورت بھی داخل ہے جس میں دونوں فریق کسی حجت شرعی کے تحت جنگ کے لئے آمادہ ہو جاتے ہیں صحابہ کرام کے مشابرات اسی قسم میں داخل ہیں۔ قرطبی نے ابن عربی کا یہ قول نقل کر کے اس جگہ مشابرات صحابہ جنگ جمل اور صفین وغیرہ کی اصل حقیقت بیان کی ہے اور مشابرات صحابہ کے بارے میں بعد کے آئیو لے مسلمانوں کے عمل کے متعلق ہدایات دی ہیں۔ احقر نے یہ سب مضامین احکام القرآن میں بزبان عربی اور زبان اردو اپنے رسالہ مقام صحابہ میں تفصیل کیساتھ لکھ دیے ہیں یہاں اسکا خلاصہ جو تفسیر قرطبی ص ۳۲۱ کے حوالہ سے اس رسالہ میں دیا گیا ہے نقل کرنے پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

”یہ جائز نہیں ہے کہ کسی بھی صحابی کی طرف قطعی اور یقینی طور پر غلطی منسوب کی جائے اس لئے کہ ان سب حضرات نے اپنے اپنے طرز عمل میں اجتہاد سے کام لیا تھا، اور سب کا مقصد اللہ کی خوشنودی تھی، یہ سب حضرات ہمارے پیشوا ہیں اور ہمیں حکم ہے کہ ان کے باہمی اختلافات سے کھٹ لسان کریں اور ہمیشہ ان کا ذکر بہترین طریقے پر کریں کیونکہ صحابہ بڑی حرمت کی چیز ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو برا کہنے سے منع فرمایا ہے، اور یہ خبر دی کہ اللہ نے انہیں معاف کر رکھا ہے اور ان سے راضی ہے“ اس کے علاوہ متعدد سندوں سے یہ حدیث ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت طلحہؓ کے بارے میں فرمایا،

ان طلحۃ شہید عیشی علی وجہ الاحرض، یعنی طلحہ روئے زمین پر چلنے والے شہید ہیں،

اب اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کا جنگ کے لئے نکلنا کھلا گناہ اور عصیان تھا تو اس جنگ میں مقتول ہو کر وہ ہرگز شہادت کا رتبہ حاصل نہ کرتے، اسی طرح حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کا یہ عمل تاویل کی غلطی اور ادائے واجب میں کوتاہی قرار دیا جاسکتا تو بھی آپ کو شہادت کا مقام حاصل نہ ہوتا، کیونکہ شہادت تو صرف اس وقت حاصل ہوتی ہے جب کوئی شخص اطاعت ربانی میں قتل ہوا ہو۔ لہذا ان حضرات کے معاملہ کو اسی عقیدہ پر محمول کرنا ضروری ہے جس کا ادراک کر لیا گیا اس بات کی دوسری دلیل وہ صحیح اور معروف و مشہور احادیث ہیں جو خود حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہیں اور جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ”زبیر کا قاتل جہنم میں ہے۔“

نیز حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ”صفیہ کے بیٹے کے قاتل کو جہنم کی خبر دیدو۔“ جب یہ بات ہے تو ثابت ہو گیا کہ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ اس لڑائی کی وجہ سے عاصی اور گنہگار نہیں ہوئے، اگر ایسا نہ ہوتا تو حضور حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کو شہید نہ فرماتے اور حضرت زبیر کے قاتل کے بارے میں جہنم کی پیشین گوئی نہ کرتے۔ نیز ان کا شمار عشرہ مبشرہ میں ہے جن کے جنتی ہونے کی شہادت تقریباً متواتر ہے۔

اسی طرح جو حضرات صحابہؓ ان جنگوں میں کنارہ کش رہے، انہیں بھی تاویل میں خطا کار نہیں کہا جاسکتا، بلکہ ان کا طرز عمل بھی اس لحاظ سے درست تھا کہ اللہ نے ان کو اجتہاد میں اسی رائے پر قائم رکھا جب یہ بات ہے تو اس وجہ سے ان حضرات پر لعن طعن کرنا ان سے برات کا اظہار کرنا اور انہیں فاسق قرار دینا، ان کے فضائل و مجاہدات اور ان عظیم دینی مقامات کو کالعدم کر دینا کسی طرح درست نہیں۔ بعض علماء سے پوچھا گیا کہ اس خون کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے باہمی مشاجرات میں بہایا گیا تو انہوں نے جواب میں یہ آیت پڑھ دی کہ تِلْكَ أُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَ لَكُمْ مِمَّا كَسَبْتُمْ وَلَا تُسْأَلُونَ عَنْهَا كَانُوا يَعْمَلُونَ، یہ ایک امت تھی جو گزر گئی، اس کے اعمال اس کے لئے ہیں اور تمہارے اعمال تمہارے لئے ہیں، اور تم سے ان کے اعمال کے بارے میں سوال نہیں کیا جائے گا۔

کسی اور بزرگ سے یہی سوال کیا گیا تو انہوں نے کہا، ”ایسے خون ہیں کہ اللہ نے میرے ہاتھوں کو ان میں (رنگنے سے) بچایا، اب میں اپنی زبان کو ان سے آلودہ نہیں کروں گا“ مطلب یہی تھا کہ میں کسی ایک فریق کو کسی ایک معاملے میں یقینی طور پر خطا کار ٹھہرانے کی غلطی میں مبتلا نہیں ہونا چاہتا۔

علامہ ابن فورکؒ فرماتے ہیں :-

”ہمارے بعض اصحاب نے کہا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان جو مشاجرات ہوئے انکی مثال

ایسی ہے جیسے حضرت یوسف علیہ السلام اور ان کے بھائیوں کے درمیان پیش آئی والے واقعات کی وہ حضرات آپس کے ان اختلافات کے باوجود دلالت اور نبوت کی حدود سے خارج نہیں ہوئے۔ بالکل یہی معاملہ صحابہؓ کے درمیان پیش آئی والے واقعات کا بھی ہے۔ اور حضرت محاسبیؒ فرماتے ہیں کہ،

”جہاں تک اس خوزری کا معاملہ ہے تو اسکے بارے میں ہمارا کچھ کہنا مشکل ہے، کیونکہ اس میں خود صحابہؓ کے درمیان اختلاف تھا۔ اور حضرت حسن بصریؒ سے صحابہؓ کے باہمی قتال کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ،

”ایسی لڑائی تھی جس میں صحابہؓ موجود تھے اور ہم غائب، وہ پورے حالات کو جانتے تھے اور ہم نہیں جانتے، جس معاملہ پر تمام صحابہؓ کا اتفاق ہے ہم اس میں ان کی پیروی کرتے ہیں، اور جس معاملہ میں ان کے درمیان اختلاف ہے اس میں سکوت اختیار کرتے ہیں۔“

حضرت محاسبیؒ فرماتے ہیں کہ ہم بھی وہی بات کہتے ہیں جو حسن بصریؒ نے فرمائی، ہم جانتے ہیں کہ صحابہؓ کرامؓ نے جن چیزوں میں دخل دیا ان سے وہ ہم سے کہیں بہتر طریقے پر واقف تھے۔ لہذا ہمارا کام یہی ہے کہ جس پر وہ سب حضرات متفق ہوں اس کی پیروی کریں، اور جس میں اختلاف ہو اس میں خاموشی اختیار کریں اور اپنی طرف سے کوئی نئی رائے پیدا نہ کریں، ہمیں یقین ہے کہ ان سب نے اجتہاد سے کام لیا تھا اور اللہ تعالیٰ کی خوشنودی چاہی تھی اس لئے کہ دین کے معاملہ میں وہ سب حضرات شک شبہ سے بالاتر ہیں۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا يَسْخَرُ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسَىٰ أَنْ يَكُونُوا خَيْرًا

اے ایمان والو! ٹھٹھا نہ کریا ایک لوگ دوسرے سے شاید وہ بہتر ہوں

مِّنْهُمْ وَلَا نِسَاءٌ مِّنْ نِّسَاءٍ عَسَىٰ أَنْ يَكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ وَلَا تَلْمِزُوا

ان سے اور نہ عورتیں دوسری عورتوں سے شاید وہ بہتر ہوں ان سے اور عیب نہ لگاؤ

أَنفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوا بِالْأَلْقَابِ بِشَرِّ الْأَسْمَاءِ الْفُسُوقُ بَعْدَ

ایک دوسرے کو اور نام نہ ڈالو جڑانے کو ایک دوسرے کے بُرا نام ہے گنہگاری

الْإِيمَانِ وَمَنْ لَّمْ يَتُبْ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ ۝۱۱

ایمان کے اور جو کوئی توبہ نہ کرے تو وہی ہیں بے انصاف

خلاصہ تفسیر

اے ایمان والو نہ تو مردوں کو مردوں پر ہنسنا چاہیئے کیا عجب ہے کہ (جن پر ہنستے ہیں) وہ

ان (ہنسنے والوں) سے (خدا کے نزدیک) بہتر ہوں (پھر وہ تحقیر کیسے کرتے ہیں) اور نہ عورتوں کو عورتوں پر ہنسنا چاہیے کیا عجیب ہے کہ (جن پر ہنستی ہیں) وہ اُن (ہنسنے والیوں) سے (خدا کے نزدیک) بہتر ہوں (پھر وہ تحقیر کیسے کرتی ہیں) اور نہ ایک دوسرے کو طعنہ دو اور نہ ایک دوسرے کو بُرے لفظ سے پکارو (کیونکہ یہ سب باتیں گناہ کی ہیں اور) ایمان لانے کے بعد (مسلمان پر) گناہ کا نام لگنا (ہی) بُرا ہے (یعنی یہ گناہ کر کے تمہاری شان میں یہ کہا جاسکنا کہ فلاں مسلمان جس سے تم مراد ہو گناہ یعنی خُدا کی نافرمانی کرتا ہے نفرت کی بات ہے تو اس سے بچو) اور جو (ان حرکتوں سے) باز نہ آدیں گے تو وہ ظلم کرنے والے (اور حقوق العباد کو تلف کرنے والے) ہیں (جو سزا ظالموں کو ملے گی وہی اُن کو ملے گی)

معارف و مسائل

سورہ حجرات کے شروع میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حقوق اور آداب کا بیان آیا پھر عام مسلمانوں کے باہمی حقوق و آداب معاشرت کا بیان شروع ہوا، سابقہ دو آیتوں میں انکی اجتماعی جماعتی اصلاح کے احکام بیان ہوئے، مذکورہ آیتوں میں اشخاص و افراد کے باہمی حقوق و آداب معاشرت کا ذکر ہے۔ ان میں تین چیزوں کی ممانعت فرمائی گئی ہے۔ اول کسی مسلمان کے ساتھ تمسخر و استہزار کرنا، دوسرے کسی پر طعنہ زنی کرنا، تیسرے کسی کو ایسے لقب سے ذکر کرنا جس سے اسکی توہین ہوتی ہو یا وہ اُس سے بُرا مانتا ہو۔

پہلی چیز سخریہ یا تمسخر ہے۔ قرطبی نے فرمایا کہ کسی شخص کی تحقیر و توہین کے لئے اُس کے کسی عیب کو اس طرح ذکر کرنا جس سے لوگ ہنسنے لگیں اس کو سخریہ یا تمسخر۔ استہزار کہا جاتا ہے اور یہ جیسے زبان سے ہوتا ہے ایسے ہی ہاتھ پاؤں وغیرہ سے اسکی نقل اتارنے یا اشارہ کرنے سے بھی ہوتا ہے اور اس طرح بھی کہ اسکا کلام سُنکر بطور تحقیر کے ہنسی اُڑائی جائے اور بعض حضرات نے فرمایا کہ سخریہ و تمسخر کسی شخص کے سامنے اسکا ایسی طرح ذکر کرنا ہے کہ اُس سے لوگ ہنس پڑیں اور یہ سب چیزیں نبی قرآن حرام ہیں۔

سخریہ کی ممانعت کا قرآن کریم نے اتنا اہتمام فرمایا کہ اس میں مردوں کو الگ مخاطب فرمایا عورتوں کو الگ، مردوں کو لفظ قوم سے تعبیر فرمایا، کیونکہ اصل میں یہ لفظ مردوں ہی کے لئے وضع کیا گیا ہے۔ اگرچہ مجازاً و توسعاً عورتوں کو اکثر شامل ہو جاتا ہے اور قرآن کریم نے عموماً لفظ قوم مردوں عورتوں دونوں ہی کے لئے استعمال کیا ہے مگر یہاں لفظ قوم خاص مردوں کیلئے استعمال

فرمایا اسکے بالمقابل عورتوں کا ذکر لفظ نساء سے فرمایا اور دونوں میں یہ ہدایت فرمائی کہ جو مرد کسی دوسرے مرد کیساتھ استہزار و تمسخر کرتا ہے اسکو کیا خبر ہے کہ شاید وہ اللہ کے نزدیک استہزار کر نیوالے سے بہتر ہو، اسی طرح جو عورت کسی دوسری عورت کیساتھ استہزار و تمسخر کا معاملہ کرتی ہے اسکو کیا خبر ہے شاید وہی اللہ کے نزدیک اس سے بہتر ہو۔ قرآن میں مردوں کا مردوں کیساتھ اور عورتوں کا عورتوں کیساتھ استہزار کرنے اور اسکی حرمت کا ذکر فرمایا حالانکہ کوئی مرد کسی عورت کیساتھ یا کوئی عورت کسی مرد کیساتھ استہزار کرے تو وہ بھی اس حرمت میں داخل ہے مگر اسکا ذکر نہ کرنے سے اشارہ اسطرف ہے کہ عورتوں اور مردوں کا اختلاط ہی شرعاً ممنوع اور مذموم ہے جب اختلاط نہیں تو تمسخر کا تحقق ہی نہیں ہوگا۔ حاصل آیت کا یہ ہے کہ اگر کسی شخص کے بدن یا صورت یا قد و قامت وغیرہ میں کوئی عیب نظر آوے تو کسی کو اسپر ہنسنے یا استہزار کرنے کی جرأت نہ کرنا چاہیے کیونکہ اسے معلوم نہیں کہ شاید وہ اپنے صدق و اخلاص وغیرہ کے سبب اللہ کے نزدیک اس سے بہتر اور افضل ہو۔ اس آیت کو سن کر سلف صالحین کا حال یہ ہو گیا تھا کہ عمرو بن شریک نے فرمایا کہ میں اگر کسی شخص کو بکری کے تھنوں سے منہ لگا کر دودھ پیتے دیکھوں اور اسپر مجھے ہنسی آجائے تو میں ڈرتا ہوں کہ کہیں میں بھی ایسا ہی نہ ہو جاؤں۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا کہ میں اگر کسی کتے کے ساتھ بھی استہزار کروں تو مجھے ڈر ہوتا ہے کہ میں خود کتا نہ بنا دیا جاؤں (قطبی) صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کی صورتوں اور انکے مال و دولت پر نظر نہیں فرماتا بلکہ ان کے قلوب اور اعمال کو دیکھتا ہے قرطبی نے فرمایا کہ اس حدیث سے ایک ضابطہ اور اصل یہ معلوم ہوئی کہ کسی شخص کے معاملہ میں اسکے ظاہری حال کو دیکھ کر کوئی قطعی حکم لگا دینا درست نہیں کیونکہ ہو سکتا ہے کہ جس شخص کے ظاہری اعمال و افعال کو ہم بہت اچھا سمجھ رہے ہیں اللہ تعالیٰ جو اسکے باطنی حالات اور قلبی کیفیات کو جانتا ہے وہ اسکے نزدیک مذموم ہو اور جس شخص کے ظاہری حال اور اعمال بُرے ہیں ہو سکتا ہے کہ اسکے باطنی حالات اور قلبی کیفیات اسکے اعمال بد کا کفارہ بن جائیں اسلئے جس شخص کو بُری حالت یا بُرے اعمال میں مبتلا دیکھو تو اس کی اس حالت کو تو بُرا سمجھو مگر اس شخص کو حقیر و ذلیل سمجھنے کی اجازت نہیں۔ دوسری چیز جس کی ممانعت اس آیت میں کی گئی ہے وہ کمز ہے۔ کمز کے معنی کسی میں عیب نکالنے اور عیب ظاہر کرنے یا عیب پر طعنہ زنی کرنے کے ہیں آیت میں ارشاد فرمایا لَا تَكْمُنُ وَالْأَنفُسُ كُفْرًا، یعنی تم اپنے عیب نہ نکالو۔ یہ ارشاد ایسا ہی ہے جیسے قرآن کریم میں لَا تَقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ، جس کے معنی یہ ہیں کہ تم اپنے آپ کو قتل نہ کرو، دونوں جگہ اپنے آپ کو قتل کرنے یا اپنے عیب نکالنے سے مراد یہ ہے کہ تم آپس میں ایک دوسرے کو قتل نہ کرو، ایک دوسرے کو طعنہ نہ دو۔ اور اس عنوان سے تعبیر کرنے میں حکمت یہ بتلانا ہے کہ کسی دوسرے کو قتل کرنا

ایک حیثیت سے اپنے آپ ہی کو قتل کرنا ہے کیونکہ اکثر تو ایسا واقعہ ہو ہی جاتا ہے کہ ایک نے دوسرے کو قتل کیا دوسرے کے حمایتی لوگوں نے اس کو قتل کر دیا، اور اگر یہ بھی نہ ہو تو اصل بات یہ ہے کہ مسلمان سب بھائی بھائی ہیں اپنے بھائی کو قتل کرنا گویا خود اپنے آپ کو قتل کرنا اور بے دست و پا بنانا ہی یہی معنی یہاں لَا تَقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ میں ہیں کہ تم جو دوسروں کے عیب نکالو اور طعنہ دو تو یاد رکھو کہ عیب سے تو کوئی انسان عادتہ خالی نہیں ہوتا، تم اس کے عیب نکالو گے تو وہ تمہارے عیب نکالے گا جیسا کہ بعض علماء نے فرمایا کہ ذیلک عیوب للناس عین، یعنی تم میں بھی کچھ عیوب ہیں اور لوگوں کی آنکھیں ہیں جو ان کو دیکھتی ہیں تم کسی کے عیب نکالو گے اور طعنہ زنی کر دگے تو وہ تمہیں ہی عمل کرینگے اور بالفرض اگر اس نے صبر بھی کیا تو بات وہی ہے کہ اپنے ایک بھائی کی بدنامی اور تذلیل پر غور کریں تو اپنی ہی تذلیل و تحقیر ہے۔

علماء نے فرمایا ہے کہ انسان کی سعادت اور خوش نصیبی اس میں ہے کہ اپنے عیوب پر نظر رکھے ان کی اصلاح کی فکر میں لگا رہے اور جو ایسا کرے اس کو دوسروں کے عیب نکالنے اور بیان کرنا بھی فرصت ہی نہ ملے گی۔ ہندوستان کے آفری مسلمان بادشاہ ظفر نے خوب فرمایا ہے ۵
نہ تھی حال کی جب ہمیں اپنی خبر رہنے بچھے تو گوئے عیب ہنرہ پڑی اپنی بُرائیوں پر جو نظر، تو جہان میں کوئی بُرا نہ رہا تیسری چیز جس سے آیت میں ممانعت کی گئی ہے وہ کسی دوسرے کو بُرے لقب سے پکارنا ہے، جس سے وہ ناراض ہوتا ہو۔ جیسے کسی کو لنگڑا، ٹولایا، اندھا، کانا کہہ کر پکارنا یا اس لفظ سے اس کا ذکر کرنا اسی طرح جو نام کسی شخص کی تحقیر کے لئے استعمال کیا جاتا ہو اُس نام سے اُس کو پکارنا۔ حضرت ابو جبرہ انصاری رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ آیت ہمارے بارے میں نازل ہوئی ہے کیونکہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں تشریف لائے تو ہم میں اکثر آدمی ایسے تھے جن کے دو یا تین نام مشہور تھے اور ان میں سے بعض نام ایسے تھے جو لوگوں نے اس کو عار دلانے اور تحقیر و توہین کے لئے مشہور کر دیئے تھے۔ آپ کو یہ معلوم نہ تھا بعض اوقات وہی بُرا نام لیکر آپ اس کو خطاب کرتے تو صحابہ عرض کرتے کہ یا رسول اللہ وہ اس نام سے ناراض ہوتا ہے اُس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

اور حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ آیت میں تنابز باللقاب سے مراد یہ ہے کہ کسی شخص نے کوئی گناہ یا بُرا عمل کیا ہو اور پھر اُس سے تناب ہو گیا ہو اسکے بعد اس کو اُس بُرے عمل کے نام سے پکارنا، مثلاً چور یا زانی یا شرابی وغیرہ۔ جس نے چوری زنا، شراب سے تو بہ کر لی ہو اس کو اس پچھلے عمل سے عار دلانا اور تحقیر کرنا حرام ہے۔ حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو شخص کسی مسلمان کو ایسے گناہ پر عار دلانے جس سے اُس نے تو بہ کر لی ہے تو اللہ نے اپنے ذمہ لے لیا ہے کہ اس کو اسی گناہ میں مبتلا کر کے دنیا و آخرت میں رُسوا کرے گا (قرطبی)

بعض القاب کا استثناء بعض لوگوں کے ایسے نام مشہور ہو جاتے ہیں جو فی نفسہ بُرے ہیں مگر وہ بغیر اُس لفظ کے پہچانا ہی نہیں جاتا تو اس کو اس نام سے ذکر کرنے کی اجازت پر علماء کا اتفاق ہے بشرطیکہ ذکر کرنے والے کا قصد اس سے تحقیر و تذلیل کا نہ ہو جیسے بعض محدثین کے نام کے ساتھ اسرج یا احذب مشہور ہے اور خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صحابی کو جس کے ہاتھ نسبتاً زیادہ طویل تھے ذوالیدین کے نام سے تعبیر فرمایا ہے۔ حضرت عبداللہ بن مبارکؓ سے دریافت کیا گیا کہ اسانید حدیث میں بعض ناموں کیساتھ کچھ ایسے القاب آتے ہیں مثلاً حمید الطویل۔ سلیمان الاعمش۔ مروان الاسفر وغیرہ، تو کیا ان القاب کے ساتھ ذکر کرنا جائز ہے۔ آپ نے فرمایا کہ جب بمقتدار قصد اس کا عیب بیان کرنے کا نہ ہو بلکہ اس کی پہچان پوری کرنے کا ہو تو جائز ہے (قرطبی)

سُنّت یہ ہے کہ لوگوں کو حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مومن کا حق دوسرا اچھے القاب سے یاد کیا جائے مومن پر یہ ہے کہ اسکا ایسے نام و لقب ذکر کرے جو اُس کو زیادہ پسند ہو اسی لئے عرب میں کنیت کا رواج عام تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس کو پسند فرمایا۔ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خاص خاص صحابہ کو کچھ لقب دیئے ہیں۔ صدیق اکبر کو عتیق اور حضرت عمرؓ کو فاروق اور حضرت حمزہؓ کو اسد اللہ اور خالد بن ولیدؓ کو سیف اللہ فرمایا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اجْتَنِبُوا كَثِيرًا مِّنَ الظَّنِّ إِنَّ بَعْضَ

اے ایمان والو! بچتے رہو بہت گمانیں کرنے سے مگر بعضی تہمت الظَّنِّ اِثْمٌ وَلَا تَجَسَّسُوا وَلَا يَغْتَبِ بَعْضُكُم بَعْضًا أَيُحِبُّ

گناہ ہے اور بھیہ نہ ٹٹو کسی کا اور بُرا نہ کہو پیٹھ پیچھے ایک دوسرے کو بھلا خوش لگتا ہے

أَحَدُكُمْ أَن يَأْكُلَ لَحْمَ أَخِيهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوهُ وَاتَّقُوا تَمَّ مِثْلُ كَلَامِ مَنْ قَالَ

اللَّهُ إِنَّ اللَّهَ تَوَّابٌ رَّحِيمٌ ﴿۱۲﴾
رہو اللہ سے، بیشک اللہ معاف کرنے والا ہے مہربان

خلاصہ تفسیر

اے ایمان والو! بہت سے گمانوں سے بچا کرو، کیونکہ بعض گمان گناہ ہوتے ہیں (اس لئے ظن و گمان کی جتنی قسمیں ہیں اُن سب کے اقسام کے احکام کی تحقیق کر لو کہ کونسا گمان جائز ہے کونسا ناجائز، پھر جائز کی حد تک رہو) اور (کسی کے عیب کا) سراغ نہ لگایا کرو اور کوئی کسی کے لئے دیکھے مجمع الزوائد ص ۲۳۹۶ - محمود اشرف عثمانی -

کی غیبت بھی نہ کیا کرے (آگے غیبت کی مذمت ہے کہ) کیا تم میں کوئی اس بات کو پسند کرتا ہے کہ اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھالے اس کو تو تم (ضرور) بُرا سمجھتے ہو (تو سمجھ لو کہ کسی بھائی کی غیبت بھی اسی کے مشابہ ہے) اور اللہ سے ڈرتے رہو (غیبت چھوڑ دو تو بہ کر لو) بیشک اللہ بڑا توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے۔

معارف و مسائل

یہ آیت بھی باہمی حقوق اور آداب معاشرت کے متعلق احکام پر مشتمل ہے اس میں بھی تین چیزیں جو حرام قرار دیا ہے۔ اول ظن جس کی تفصیل آگے آتی ہے۔ دوسرے تجسس یعنی کسی پوشیدہ عیب کا سراغ لگانا۔ تیسرے غیبت یعنی کسی غیر حاضر آدمی کے متعلق کوئی ایسی بات کہنا جس کو اگر وہ سُنتا تو اس کو ناگوار ہوتی۔ پہلی چیز یعنی ظن کے معنی گمان غالب کے ہیں، اسکے متعلق قرآن کریم نے اول تو یہ ارشاد فرمایا کہ بہت سے گمانوں سے بچا کرو، پھر اُس کی وجہ یہ بیان فرمائی کہ ”بعض گمان گناہ ہوتے ہیں“ جس سے معلوم ہوا کہ ہر گمان گناہ نہیں تو یہ ارشاد سننے والوں پر اس کی تحقیق واجب ہو گئی کہ کونسے گمان گناہ ہیں تاکہ اُن سے بچیں اور جب تک کسی گمان کا جائز ہونا معلوم نہ ہو جاوے اسکے پاس نہ جائیں۔ علماء و فقہاء نے اس کی تفصیلات بیان فرمائی ہیں۔ قرطبی نے فرمایا کہ ظن سے مراد اس جگہ تہمت ہے یعنی کسی شخص پر بغیر کسی قوی دلیل کے کوئی الزام عیب یا گناہ کا لگانا۔ امام ابو بکر جصاص نے احکام القرآن میں ایک جامع تفصیل اس طرح لکھی ہے کہ ظن کی چار قسمیں ہیں ایک حرام ہے دوسری مامور بہ اور واجب ہے تیسری مستحب اور مندوب ہے چوتھی مباح اور جائز ہے۔ ظن حرام یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ بدگمانی رکھے کہ وہ مجھے عذاب ہی دیکھا یا مصیبت ہی میں رکھے گا اس طرح کہ اللہ کی مغفرت اور رحمت سے گویا مایوس ہو۔ حضرت جابر رضی عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،

لَا يَمُوتُ أَحَدُكُمْ إِلَّا وَهُوَ يَحْسِنُ الظَّنَّ بِاللَّهِ | تم میں سے کسی کو اسکے بغیر موت نہ آئی چاہیے کہ اس کا اللہ کے ساتھ اچھا گمان ہو

اور ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد آیا ہے کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ اَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِي بِي، یعنی اپنے بند کے کیساتھ ویسا ہی برتاؤ کرتا ہوں جیسا وہ میرے ساتھ گمان رکھتا ہو اب اس کو اختیار ہے کہ میرے ساتھ جو چاہے گمان رکھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اللہ کیساتھ حسن ظن فرض ہے اور بدگمانی حرام ہے۔ اسی طرح ایسے مسلمان جو ظاہری حالت میں نیک دیکھے جاتے ہیں اُن کے متعلق بلا کسی قوی دلیل کے بدگمانی کرنا حرام ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایتاکم والظن فان الظن اکذب بالحدیث، یعنی گمان سے بچو کیونکہ گمان جھوٹی بات ہے۔ یہاں ظن سے مراد باتفاق کسی مسلمان کے ساتھ بلا کسی قوی دلیل کے بدگمانی کرنا ہے اور جو کام ایسے ہیں کہ اُن میں کسی جانب پر عمل کرنا شرعاً ضروری ہے اور اسکے متعلق قرآن و سنت میں کوئی دلیل واضح موجود نہیں، وہاں پر ظن غالب پر عمل کرنا واجب ہے۔ جیسے باہمی منازعات و مقدمات کے فیصلہ میں ثقہ گواہوں کی گواہی کے مطابق فیصلہ دینا کیونکہ حاکم اور قاضی جبکی عدالت میں مقدمہ دائر ہے اُس پر اسکا فیصلہ دینا واجب ضروری ہے اور اس خاص معاملے کے لئے کوئی نص قرآن و حدیث میں موجود نہیں تو ثقہ آدمیوں کی گواہی پر عمل کرنا اسکے لئے واجب ہے اگرچہ یہ امکان و احتمال وہاں بھی ہے کہ شاید کسی ثقہ آدمی نے اسوقت جھوٹ بولا ہو اس لئے اسکا سچا ہونا صرف ظن غالب ہے اور اسی پر عمل واجب ہے۔ اسی طرح جہاں سمت قبلہ معلوم نہ ہو اور کوئی ایسا آدمی بھی نہ ہو جس سے معلوم کی جاسکے وہاں اپنے ظن غالب پر عمل ضروری ہے اسی طرح کسی شخص پر کسی چیز کا ضمان دینا واجب ہوتا تو اس ضائع شدہ چیز کی قیمت میں ظن غالب ہی پر عمل کرنا واجب ہے اور ظن مباح ایسا ہے جیسے نماز کی رکعتوں میں شک ہو جاوے کہ تین پڑھی ہیں یا چار تو اپنے ظن غالب پر عمل کرنا جائز ہے۔ اور اگر وہ ظن غالب کو چھوڑ کر امر یقینی پر عمل کرے یعنی تین رکعت قرار دیکر چوتھی پڑھ لے تو یہ بھی جائز ہے اور ظن مستحب و مندوب یہ ہے کہ ہر مسلمان کیساتھ نیک گمان رکھے کہ اس پر ثواب ملتا ہے (جصاص ملخصاً)

قرطبی نے فرمایا کہ قرآن کریم کا ارشاد ہے لَوْلَا اِذْ سَمِعْتُمُوهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بِأَنفُسِهِمْ خِيَرًا، اس میں حسن ظن بالْمُؤْمِنِينَ کی تاکید آئی ہے، اور یہ خوشہو رہے کہ ان من المحزم سوء الظن یعنی احتیاط کی بات یہ ہے کہ ہر شخص سے بدگمانی رکھے اسکا مطلب یہ ہے کہ معاملہ ایسا کرے جیسے بدگمانی کی صورت میں کیا جاتا ہے کہ بدون قوی اعتماد کے اپنی چیز کسی کے حوالہ نہ کرے نہ یہ کہ اس کو چور سمجھے اور اس کی تحقیر کرے۔ خلاصہ یہ ہے کہ کسی شخص کو چور یا غدار سمجھے بغیر اپنے معاملے میں احتیاط برتے۔ شیخ سعدی علیہ الرحمۃ کے اس قول کا بھی یہی مطلب ہے ۵

مگر دار و آں شوخ در کیسہ دُرِ پُ کہ داند ہمہ خلق را کیسہ بُر
دوسری چیز جس سے اس آیت میں منع کیا گیا ہے تجسس یعنی کسی کے عیب کی تلاش اور مُرُاغ لگانا ہے۔ اس میں قرارتیں دو ہیں ایک لَا تَجَسَّسُوا بِالْجِیمِ دوسرے لَا تَحْتَسِسُوا بِالْحَارِ اور حدیث صحیحین میں جو حضرت ابو ہریرہ رضی سے منقول ہے یہ دونوں لفظ آئے ہیں ارشاد ہی لَا تَجَسَّسُوا وَلَا تَحْتَسِسُوا اور ان دونوں نفظوں کے معنی متقارب ہیں۔ اخفش نے دونوں میں یہ فرق بیان کیا ہے کہ تَجَسَّسُ بِالْجِیمِ کسی ایسے امر کی جستجو اور تلاش کو کہا جاتا ہے جس کو لوگوں نے آپ سے چھپایا ہو اور

تجسس بالمحار مطلق تلاش اور جستجو کے معنی میں آتا ہے۔ سورہ یوسف میں تَحْتَسُّوْا مِنْ يُّوسُفَٰفَ
 اٰخِيْرَ اِسى معنی کے لئے آیا ہے، اور معنی آیت کے یہ ہیں کہ جو چیز تمھارے سامنے آجائے اسکو پکڑ سکتے ہو
 اور کسی مسلمان کا جو عیب ظاہر نہ ہو اُس کی جستجو اور تلاش کرنا جائز نہیں۔ ایک حدیث میں رسول اللہ
 صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے،

لَا تَغْتَابُوا الْمُسْلِمِيْنَ وَلَا تَتَّبِعُوا عَوْرَاتِهِمْ
 قَانَ مِنْ اتَّبَعَ عَوْرَاتِهِمْ يَتَّبِعِ اللّٰهُ عَوْرَتَهُ
 وَمَنْ يَتَّبِعِ اللّٰهُ عَوْرَتَهُ يَفْضَحْهُ فِيْ بَيْتِهِ
 (قرطبی)

مسلمانوں کی غیبت نہ کرو اور اُن کے عیوب کی جستجو نہ کرو
 کیونکہ جو شخص مسلمانوں کے عیوب کی تلاش کرتا ہو اللہ تعالیٰ
 اُس کے عیب کی تلاش کرتا ہے اور جس کے عیب کی تلاش
 اللہ تعالیٰ کرے اُس کو اس کے گھر کے اندر ہی رسوا کر دیتا ہے

بیان القرآن میں ہے کہ چھپ کر کسی کی باتیں سُنا یا اپنے کو سوتا ہوا بنا کر باتیں سُنا بھی تجسس
 میں داخل ہے البتہ اگر کسی سے مضرت پہنچنے کا احتمال ہو اور اپنی یا دوسرے کسی مسلمان کی حفاظت
 کی غرض سے مضرت پہنچانے والے کی خفیہ تدبیروں اور ارادوں کا تجسس کرے تو جائز ہے۔ قیصری
 چیز جس سے اس آیت میں منع فرمایا گیا ہے وہ کسی کی غیبت کرنا، یعنی اس کی غیر موجودگی میں
 اسکے متعلق کوئی ایسی بات کہنا جس کو وہ سُنتا تو اس کو ایذا ہوتی اگرچہ وہ سچی بات ہی ہو
 کیونکہ جو غلط الزام لگائے وہ تہمت ہے جس کی حرمت الگ قرآن کریم سے ثابت ہے اور غیبت
 کی تعریف میں اس شخص کی غیر موجودگی کی قید سے یہ نہ سمجھا جائے کہ موجودگی کی حالت میں ایسی
 رنج و ہات کہنا جائز ہے۔ کیونکہ وہ غیبت تو نہیں مگر لُز میں داخل ہے جس کی حرمت اس سے
 پہلی آیت میں آچکی ہے۔

اَيُّحِبُّ اَحَدٌ كُوْذًا اَنْ يَّكُلَ لَحْمَ اَخِيْمِهٖ مَّيِّتًا، اس آیت نے کسی مسلمان کی آبروریزی
 اور توہین و تحقیر کو اس کا گوشت کھانے کی مثل و مشابہ قرار دیا ہے اگر اس کے وہ شخص سامنے ہو تو
 ایسا ہے جیسے کسی زندہ انسان کا گوشت نوچ کر کھایا جائے، اس کو قرآن میں بلفظ لُز تعبیر کر کے
 حرام قرار دیا ہے جیسا کہ ابھی گزرا لَا تَكُوْنُوْا اَنْفُسَكُمْ وَاَرْوَاحَكُمْ اَكْلًا لِّبَعْضِكُمْ مِّنْ اَبْنَاءِكُمْ
 اور وہ آدمی غائب ہوا اسکے پیچھے اسکے متعلق ایسی بات کہنا جس سے اُس کی آبروریزی میں خلل آئے
 اور اُس کی تحقیر ہو یہ ایسا ہے جیسے کسی مُردہ انسان کا گوشت کھایا جائے کہ جیسے مُردہ کا گوشت
 کھانے سے مُردے کو کوئی جسمانی اذیت نہیں ہوتی ایسے ہی اس غائب کو جب تک غیبت
 کی خبر نہیں ہوتی اس کو بھی کوئی اذیت نہیں ہوتی، مگر جیسا کسی مُردہ مسلمان کا گوشت کھانا
 حرام اور بڑی خست و دنارت کا کام ہے اسی طرح غیبت حرام بھی ہے اور خست و دنارت
 بھی کہ پیٹھ پیچھے کسی کو بُرا کہنا کوئی بہادری کا کام نہیں۔

اس آیت میں ظن اور تحسُّس اور غیبت تین چیزوں کی حرمت کا بیان ہے مگر غیبت کی حرمت کا زیادہ اہتمام فرمایا کہ اس کو کسی مُردہ مسلمان کا گوشت کھانے سے تشبیہ دیکر اُس کی حرمت اور خست و دنائت کو واضح فرمایا، حکمت اس کی یہ ہے کہ کسی کے سامنے اُس کے عیوب ظاہر کرنا بھی اگرچہ ایذا رسانی کی بنا پر حرام ہے مگر اس کی مداخلت وہ آدمی خود بھی کر سکتا ہے اور مدافعت کے خطرہ سے ہر ایک کی ہمت بھی نہیں ہوتی اور وہ عادتاً زیادہ دیر رہ بھی نہیں سکتا، بخلاف غیبت کے کہ وہاں کوئی مدافعت کرنے والا نہیں ہر کتر سے کتر آدمی بڑے سے بڑے کی غیبت کر سکتا ہے اور چونکہ کوئی مدافعت نہیں ہوتی اس لئے اس کا سلسلہ بھی عموماً طویل ہوتا ہے اور اس میں ابتلا بھی زیادہ ہے اس لئے غیبت کی حرمت زیادہ مُکد کی گئی۔ اور عام مسلمانوں پر لازم کیا گیا کہ جو سُنے وہ اپنے غائب بھائی کی طرف سے بشرط قدرت مدافعت کرے اور مدافعت پر قدرت نہ ہو تو کم از کم اسکے سُننے سے پرہیز کرے کیونکہ غیبت کا بقصد و اختیار سُننا بھی ایسا ہی ہے جیسے خود غیبت کرنا۔

غیبت کے متعلق مسائل | حضرت میمونؓ نے فرمایا کہ ایک روز خواب میں میں نے دیکھا کہ ایک ننگی کا مُردہ جسم ہے اور کوئی کہنے والا ان کو مخاطب کر کے یہ کہہ رہا ہے کہ اس کو کھاؤ۔ میں نے کہا کہ اے خدا کے بندے میں اس کو کیوں کھاؤں تو اُس شخص نے کہا اس لئے کہ تو نے فلاں شخص کے زنگی غلام کی غیبت کی ہے۔ میں نے کہا کہ خدا کی قسم میں نے تو اسکے متعلق کوئی اچھی بُری بات کی ہی نہیں تو اُس شخص نے کہا کہ ہاں، لیکن تو نے اس کی غیبت سُنی تو ہے اور تو اس پر راضی رہا۔ حضرت میمونؓ کا حال اس خواب کے بعد یہ ہو گیا کہ نہ خود کبھی کسی کی غیبت کرتے اور نہ کسی کو اپنی مجلس میں کسی کی غیبت کرنے دیتے تھے۔

حدیث میں حضرت انس بن مالک کی روایت ہے کہ شبِ معراج کی حدیث میں رسول اللہ ﷺ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے لیجا یا گیا تو میرا گزر ایک ایسی قوم پر ہوا جن کے ناخن تلنے کے تھے اور وہ اپنے چہروں اور بدن کا گوشت فوج رہے ہیں، میں نے جبریل امین سے پوچھا یہ کون لوگ ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے بھائی کی غیبت کرتے اور ان کی آبروریزی کرتے تھے (رواہ البغوی - مظہری) اور حضرت ابوسعید اور جابر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، الغيبة اشد من الزنا، یعنی غیبت زنا سے بھی زیادہ سخت گناہ ہے صحابہ کرام نے عرض کیا کہ یہ کیسے، تو آپ نے فرمایا کہ ایک شخص زنا کرتا ہے پھر توبہ کر لیتا ہے تو اس کا گناہ معاف ہو جاتا ہے اور غیبت کرنے والے کا گناہ اس وقت تک معاف نہیں ہوتا جب تک وہ شخص معاف نہ کرے جس کی غیبت کی گئی ہے (رواہ الترمذی و ابوداؤد - از مظہری)

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ غیبت ایک ایسا گناہ ہے جس میں حق اللہ کی بھی مخالفت ہے

اور حق العبد بھی ضائع ہوتا ہے اسلئے جس کی غیبت کی گئی ہے اُس سے معاف کرنا ضروری ہے اور بعض علماء نے فرمایا کہ غیبت کی خبر جب تک صاحب غیبت کو نہ پہنچے اس وقت تک وہ حق العبد نہیں ہوتی اسلئے اُس سے معافی کی ضرورت نہیں (نقد فی الروح عن یحییٰ بن یحییٰ و ابن الصباغ و النووی و ابن الصلاح و الزکشی بن عبد البر عن ابن المبارک) مگر بیان القرآن میں اس کو نقل کر کے فرمایا ہے کہ اس صورت میں گواہ شخص سے معافی مانگنا ضروری نہیں مگر جس شخص کے سامنے یہ غیبت کی تھی اسکے سامنے اپنی تکذیب کرنا یا اپنے گناہوں کا اقرار کرنا ضروری ہے اور اگر وہ شخص مر گیا ہے یا اس کا پتہ نہیں تو اس کا کفارہ حضرت انسؓ کی حدیث میں یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان من کفارة الغیبة ان یتستغفر لمن اغتابہ تقول اللہم اغفر لنا ولہ (رواہ بیہقی - منظری) یعنی کفارہ غیبت کا یہ ہے کہ جس کی غیبت کی گئی ہے اس کے لئے اللہ تعالیٰ سے دُعا ئے مغفرت کرے اور یوں کہے کہ یا اللہ ہمارے اور اس کے گناہوں کو معاف فرما۔

مسئلہ - بچے اور مجنون اور کافر ذمی کی غیبت بھی حرام ہے کیونکہ انکی ایذا بھی حرام ہے اور جو کافر عربی ہیں اگرچہ انکی ایذا حرام نہیں مگر اپنا وقت ضائع کرنے کی وجہ سے پھر بھی غیبت مکروہ ہے۔
مسئلہ - غیبت جیسے قول اور کلام سے ہوتی ہے ایسے ہی فعل یا اشارہ سے بھی ہوتی ہے جیسے کسی سنگرے کی چال بنا کر چلنا جس سے اُس کی تحقیر ہو۔

مسئلہ - بعض روایات سے ثابت ہے کہ آیت میں جو غیبت کی عام حرمت کا حکم ہے یہ مخصوص بعض یعنی بعض صورتوں میں اس کی اجازت ہوئی ہے مثلاً کسی شخص کی بُرائی کسی ضرورت یا مصلحت سے کرنا پڑے تو وہ غیبت میں داخل نہیں بشرطیکہ وہ ضرورت و مصلحت شرعاً معتبر ہو جیسے کسی ظالم کی شکایت کسی ایسے شخص کے سامنے کرنا جو ظلم کو دفع کر سکے، یا کسی کی اولاد و بیوی کی شکایت اُس کے باپ اور شوہر سے کرنا جو اُن کی اصلاح کر سکے، یا کسی واقعہ کے متعلق فتویٰ حاصل کرنے کے لئے صورت واقعہ کا اظہار یا مسلمانوں کو کسی شخص کے دینی یا دنیوی شر سے بچانے کے لئے کسی کا حال بتلانا، یا کسی معاملے کے متعلق مشورہ لینے کے لئے اس کا حال ذکر کرنا، یا جو شخص سب کے سامنے گھم گھما کر تہمت لگاتا ہے اور اپنے فسق کو خود ظاہر کرتا پھرتا ہے اس کے اعمال بدکا ذکر بھی غیبت میں داخل نہیں مگر بلا ضرورت اپنے اوقات ضائع کرنے کی بنا پر مکروہ ہے (یہ سب مسائل بیان القرآن میں بحوالہ روح المعانی بیان کئے گئے ہیں) اور ان سب میں قدر مشترک یہ ہے کہ کسی کی بُرائی اور عیب ذکر کرنا مقصود اسکی تحقیر نہ ہو بلکہ کسی ضرورت و مجبوری سے ذکر کیا گیا ہو۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَىٰ وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ

اے آدمیو! ہم نے تم کو بنایا ایک مرد اور ایک عورت سے اور رکھیں تمہاری ذاتیں اور قبیلے

لَتَعَارَفُوا إِنْ أَكْرَمَكُمُ عِنْدَ اللَّهِ أَنْفَكُمُ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمُ خَبِيرٌ ۝۱۳

تاکہ آپس کی پہچان ہو، تحقیق عزت اللہ کے یہاں اُسی کو بڑی جس کو ادب بڑا، اللہ سب کچھ جانتا ہے خبردار

خلاصہ تفسیر

اے لوگو! تم (سب) کو ایک مرد اور ایک عورت (یعنی آدم و حوا) سے پیدا کیا ہے (اسلئے اس میں تو سب انسان برابر ہیں) اور (پھر جس بات میں فرق رکھا ہے کہ) تم کو مختلف قومیں اور (پھر ان قوموں میں) مختلف خاندان بنایا (یہ محض اسلئے) تاکہ ایک دوسرے کو شناخت کر سکو (جس میں بہت سی مصلحتیں ہیں نہ اسلئے کہ ایک دوسرے پر تفاخر کر و کیونکہ) اللہ کے نزدیک تم سب میں بڑا شریف وہ ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہو (اور پرہیزگاری ایسی چیز ہے جسکا پورا حال کسی کو معلوم نہیں بلکہ اس کے حال کو محض) اللہ تعالیٰ خوب جانتے والا اور پورا خبردار ہے (اسلئے کسی نسب و قومیت پر فخر نہ کرو)

معارف و مسائل

اوپر کی آیات میں انسانی اور اسلامی حقوق اور آداب معاشرت کی تعلیم کے سلسلے میں چھ چیزوں کو حرام و ممنوع کیا گیا ہے جو باہمی منافرت اور عداوت کا سبب ہوتی ہیں۔ اس آیت میں ایک جامع تعلیم انسانی مساوات کی ہے کہ کوئی انسان دوسرے کو کمتر یا ذیل نہ سمجھے اور اپنے نسب اور خاندان یا مال دولت وغیرہ کی بنا پر فخر نہ کرے کیونکہ یہ چیزیں درحقیقت تفاخر کی ہیں نہیں، پھر اس تفاخر سے باہمی منافرت اور عداوت کی بنیادیں پڑتی ہیں اس لئے فرمایا کہ تمام انسان ایک ہی ماں باپ کی اولاد ہونے کی حیثیت سے بھائی بھائی ہیں۔ اور خاندان اور قبائل یا مال و دولت کے اعتبار سے جو فرق اللہ تعالیٰ نے رکھا ہے وہ تفاخر کے لئے نہیں بلکہ تعارف کے لئے ہے۔

شان نزول | یہ آیت فتح مکہ کے موقع پر اس وقت نازل ہوئی جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ کو اذان کا حکم دیا تو قریش مکہ جو ابھی تک مسلمان نہیں ہوئے تھے ان میں سے ایک نے کہا کہ اللہ کا شکر ہے کہ میرے والد پہلے ہی وفات پا گئے ان کو یہ روز بد دیکھنا نہیں پڑا، اور حارث بن ہشام نے کہا کہ کیا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا لے کوئے کے سوا کوئی آدمی نہیں جڑا کہ جو مسجد حرام میں اذان دے۔ ابوسفیان بولے کہ میں کچھ نہیں کہتا کیونکہ مجھے خطرہ ہے کہ میں کچھ کہوں گا تو آسمانوں کا مالک ان کو خبر کر دیگا، چنانچہ جبریل امین تشریف لائے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس تمام گفتگو کی اطلاع دی۔ آپ نے ان لوگوں کو بلا کر پوچھا کہ تم نے کیا کہا تھا انہوں نے اقرار کر لیا اُسی پر یہ آیت نازل ہوئی جس نے بتلایا کہ فخر و عزت کی چیز درحقیقت ایمان اور تقویٰ ہے جس سے

تم لوگ خالی اور حضرت بلال آراستہ ہیں اسلئے وہ تم سب کے افضل و اشرف ہیں (منظری عن البغوی)
حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ فتح مکہ کے روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اذن بینی پر
سوار ہو کر طواف فرمایا (تاکہ سب لوگ دیکھ سکیں) طواف سے فارغ ہو کر آپ نے یہ خطبہ دیا۔

شکر ہے اللہ کا جس نے فخر جاہلیت کو اور اس کے بکر کو تم سے
دور کر دیا، اب تمام انسانوں کی صرف دو قسمیں ہیں ایک نیک
اور شقی وہ اللہ کے نزدیک شریف اور محترم ہے۔ دوسرا فاجر
شقی وہ اللہ کے نزدیک ذلیل و حقیر ہے اس کے بعد اس
آیت کی تلاوت فرمائی جو اوپر مذکور ہے۔

الحمد لله الذي اذهب عنكم عبية الجاهلية
وتكبرها - الناس رجلان بر تقى كبر
على الله و فاجر شقى هين على الله شمر تلا
يا ايها الناس اتا خلقنكم آية (ترمذی و بغوی)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ دنیا کے لوگوں کے نزدیک عزت مال و دولت کا نام ہے اور اللہ کے
ز نزدیک تقویٰ کا۔

شُعُوبًا وَقَبَائِلَ، شعوب، شعب کی جمع ہے بہت بڑی جماعت کو شعب کہتے ہیں جو کسی
ایک اصل پر مجتمع ہوں پھر ان میں مختلف قبائل اور خاندان ہوتے ہیں۔ پھر خاندانوں میں بھی بڑے خاندان
اور اس کے مختلف حصوں کے عربی زبان میں الگ الگ نام ہیں۔ سب سے بڑا حصہ شعب اور سب سے
چھوٹا حصہ عشیرہ کہلاتا ہے۔ اور ابورواق کا قول ہے کہ شعب اور شعوب بھی قوموں کے لئے بولا جاتا ہے جن کے
انساب محفوظ نہیں، اور قبائل عرب کے لوگوں کے لئے جن کے انساب محفوظ چلے آتے ہیں اور اسباب
بنی اسرائیل کے لئے۔

نسبی اور وطنی یا لسانی امتیاز میں قرآن کریم نے اس آیت میں واضح کر دیا کہ حق تعالیٰ نے اگرچہ
حکمت و مصلحت تعارف کی ہے سب انسانوں کو ایک ہی باپ اور ماں سے پیدا کر کے سب کو
بھائی بھائی بنا دیا ہے مگر پھر اس کی تقسیم مختلف قوموں قبیلوں میں جو حق تعالیٰ ہی نے فرمائی ہے
اُس میں حکمت یہ ہے کہ لوگوں کا تعارف اور شناخت آسان ہو جائے مثلاً ایک نام کے دو شخص ہیں
تو خاندان کے تفاوت سے انہیں امتیاز ہو سکتا ہے اور اس سے دور اور قریب کے رشتوں کا علم ہو سکتا ہے
اور نسبی قرب بعد کی مقدار پر ان کے حقوق شرعیہ ادا کئے جاتے ہیں۔ عصبات کا قرب و بعد معلوم ہوتا ہے
جس کی ضرورت تقسیم میراث میں پیش آتی ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ نسبی تفاوت کو تعارف کیلئے استعمال
کرد و تفاخر کے لئے نہیں۔

قَالَتِ الْأَعْرَابُ آمَنَّا قُلْ لَمْ تُؤْمِنُوا وَلَكِنْ قُولُوا أَسْلَمْنَا وَلَمَّا

کہتے ہیں گنوا کہ ہم ایمان لائے، تو کہہ تم ایمان نہیں لائے پر تم کہو ہم مسلمان ہوئے اور ابھی
يَدْخُلِ الْإِيمَانُ فِي قُلُوبِكُمْ وَإِنْ تُطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ لَا يَلِفَكُمْ
نہیں گنوا ایمان تمہارے دلوں میں اور اگر حکم پر چلو گے اللہ کے اور اس کے رسول کے کاٹ نہ لے گا

مِّنْ أَعْمَالِكُمْ شَيْئًا إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۝۱۳ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ

تمہارے کاموں میں سے کچھ اللہ بخشتا ہے مہربان ہے ایمان والے وہ لوگ ہیں

الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوا وَجَاهَدُوا بِأَمْوَالِهِمْ

جو ایمان لائے اللہ پر اور اس کے رسول پر، پھر شبہ نہ لائے اور لڑے اللہ کی راہ میں اپنے مال اور

وَأَنفُسِهِمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أُولَٰئِكَ هُمُ الصُّدُقُونَ ۝۱۴ قُلْ أَعْلَمُونَ

اپنی جان سے وہ لوگ جو ہیں وہی ہیں سچے تو کہہ کیا تم جانتے ہو

اللَّهُ بِدِينِكُمْ وَاللَّهُ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۝۱۵ وَاللَّهُ

اللہ کو اپنی دینداری اور اللہ کو تو خبر ہے جو کچھ ہے آسمانوں میں اور زمین میں اور اللہ

بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ۝۱۶ يَمْشُونَ عَلَيْكَ أَوْ اسْكُمُوهَا قُلْ لَا تَمْنُوا

ہر چیز کو جانتا ہے تجھ پر احسان رکھتے ہیں کہ سلمان ہوئے تو کہہ مجھ پر احسان نہ

عَلَىٰ إِسْلَامِكُمْ ۚ بَلِ اللَّهُ يَمُنُّ عَلَيْكُمْ أَنْ هَدَاكُمْ لِلْإِيمَانِ

رکھو اپنے اسلام لانے کا بلکہ اللہ تم پر احسان رکھتا ہے کہ اُس نے تم کو راہ دی ایمان کی

إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ۝۱۷ إِنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ غَيْبَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ۝۱۸

اگر سچ کہو اللہ جانتا ہے چھپے بھید آسمانوں کے اور زمین کے

وَاللَّهُ بِصِيرٍ بِمَا تَعْمَلُونَ ۝۱۹

اور اللہ دیکھتا ہے جو تم کرتے ہو

خلاصہ تفسیر

یہ (بعضے) گنوار (بنی اسد وغیرہ کے آپ کے پاس آکر جو ایمان لائیکے مدعی ہوتے ہیں، یہ اس میں کئی گنا ہوں کے مرتکب ہوتے ہیں ایک تو کذب کہ بلا تصدیق قلب محض زبان سے کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے، آپ فرما دیجئے کہ تم ایمان تو نہیں لائے (کیونکہ وہ موقوف ہے تصدیق قلبی پر، اور وہ موجود نہیں جیسا عنقریب آتا ہے وَلَمَّا يُذِلَّ الْإِيمَانُ) لیکن (ہاں) یوں کہو کہ (ہم مخالفت چھوڑ کر) مطیع ہو گئے (اور اطاعت بمعنی ترک مخالفت محض ظاہری موافقت سے بھی متحقق ہو جاتی ہے) اور (باقی) ابھی تک ایمان تمہارے دلوں میں داخل نہیں ہوا (اس لئے ایمان کا دعویٰ مت کرو) اور (گو اب تک تم ایمان نہیں لائے لیکن اب بھی) اگر تم اللہ و رسول کا (سب باتوں میں) کہنا مان لو (جس میں یہ بھی داخل ہے کہ دل سے ایمان لے آؤ) تو اللہ تمہارے اعمال میں سے (جو کہ بعد ایمان کے ہونگے محض اس وقت کے کفر و کذب کی وجہ سے جو کہ اس وقت کے اعتبار سے

گزشتہ ہوگا) ذرا بھی کم نہ کر چکا بلکہ سب کا پورا پورا ثواب دے گا کیونکہ) بیشک اللہ غفور رحیم ہے (اب ہم سے سُنو کہ کامل مومن کون ہیں تاکہ اگر تم کو مومن بننا ہے تو ویسے بنو سو) پورے مومن وہ ہیں جو اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لائے پھر (ایمان پر مستمربھی رہے یعنی عمر بھر بھی) شک نہیں کیا اور اپنے مال اور جان سے خدا کے راستہ میں (یعنی دین کے لئے) محنت اٹھائی (جس میں جہاد وغیرہ سب آگیا سو) یہ لوگ ہیں سچے (یعنی پورے سچے اور یوں اگر صرف تصدیق ہی ہو تب بھی نفس صدق ہو جائیگا، بخلاف تمہارے کہ ادنیٰ درجہ کا ایمان کہ تصدیق ہے وہ تک حاصل نہیں اور دعویٰ کرتے ہیں ایمان کامل کا، پس ایک امر قبیح تو اُن سے یہ صادر ہوا یعنی کذب کما قال تعالیٰ وَ مِنَ النَّاسِ مَنْ يَقُولُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ، اور دوسرا امر قبیح یہ ہے کہ یہ دھوکہ دیتے ہیں کما قال تعالیٰ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ سُو) آپ (ان سے) فرما دیجئے کہ کیا خدا تعالیٰ کو اپنے دین (قبول کرنے) کی خبر دیتے ہو (یعنی اللہ تعالیٰ تو جانتے ہیں کہ تم نے ایمان قبول نہیں کیا باوجود اسکے جو تم دعویٰ قبول کرنے کا کرتے ہو تو لازم آتا ہے کہ خلاف علم خداوندی خدا تعالیٰ کو ایک بات بتلاتے ہو) حالانکہ (یہ محال ہے کیونکہ) اللہ کو تو سب آسمان اور زمین کی سب چیزوں کی (پوری) خبر ہے اور (علاوہ سموات والارض کے) اللہ (اور بھی) سب چیزوں کو جانتا ہے (تو اس کو کوئی کیا بتلا دیگا اس سے معلوم ہوا کہ حق تعالیٰ کو جو تمہارے متعلق علم ہے کہ تم ایمان نہیں لائے وہی صحیح ہے اور تیسرا امر قبیح جس کے یہ مرتکب ہوتے ہیں یہ ہے کہ) یہ لوگ اپنے اسلام لائیکہ آپ پر احسان رکھتے ہیں (جو نہایت درجہ گستاخی ہے کہ دیکھئے ہم نہ لڑے نہ بھڑے مسلمان ہو گئے اور دوسرے لوگ بہت پریشان کر کے مسلمان ہوئے ہیں سو) آپ کہہ دیجئے کہ مجھ پر اپنے اسلام لانے کا احسان نہ رکھو (اس لئے کہ قطع نظر گستاخی کے تمہارے اسلام سے میرا کیا نفع ہو گیا اور اسلام نہ لانے سے میرا کیا ضرر ہو گیا اگر تم سچے ہوتے تو تمہاری ہی آخرت کا نفع تھا اور جھوٹے ہونے میں بھی تمہارا ہی دنیا کا نفع ہے کہ قتل و قید سے بچ گئے سو مجھ پر احسان رکھنا محض جہل ہے) بلکہ اللہ تم پر احسان رکھتا ہے کہ اُس نے تم کو ایمان کی ہدایت دی بشرطیکہ تم (اس دعویٰ ایمان میں) سچے ہو (کیونکہ ایمان بڑی نعمت ہے اور بدون تعلیم و توفیق حق تعالیٰ کے نصیب نہیں ہوتا تو اللہ تعالیٰ کی عنایت ہے کہ ایسی بڑی نعمت عطا فرمادی، پس دھوکہ اور احسان جتلانے سے باز آؤ اور یہ یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ آسمان اور زمین کی سب مخفی باتوں کو جانتا ہے اور (اسی علم محیط کی وجہ سے) تمہارے سب اعمال کو بھی جانتا ہے (اور اُن ہی کے موافق تم کو جزا دیجاکا پھر اُس کے سامنے باتیں بنانے سے کیا فائدہ)

معارف و مسائل

سابقہ آیات میں بتلایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک عزت و شرافت کا مدار تقویٰ پر ہے جو ایک باطنی چیز ہے اللہ تعالیٰ ہی اس کو جانتے ہیں کسی شخص کے لئے اپنے تقدس کا دعویٰ جائز نہیں، مذکورہ صدر آیات میں ایک خاص واقعہ کی بنا پر یہ بتلایا گیا ہے کہ ایمان کا اصل مدار قلبی تصدیق پر ہے اسکے بغیر محض زبان سے اپنے کو مؤمن کہنا صحیح نہیں، اس پوری سورت میں اول نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حقوق تعظیم و تکریم کا پھر باہمی حقوق اور آداب معاشرت کا ذکر آیا ہے ختم سورت پر یہ بتلایا گیا کہ آخرت میں سب اعمال کی مقبولیت کا مدار ایمان اور تصدیق قلبی اور اللہ و رسول کی اطاعت پر ہے۔

شان نزول | واقعہ اس آیت کے نزول کا امام بغوی رحمہ کی روایت کی مطابقت یہ ہے کہ قبیلہ بنی اسد کے چند آدمی مدینہ طیبہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک قحط شدید کے زمانے میں حاضر ہوئے، یہ لوگ دل سے تو مؤمن تھے محض صدقات حاصل کرنے کے لئے اپنے اسلام لانے کا اظہار کیا، اور چونکہ واقع میں مؤمن نہ تھے اسلامی احکام و آداب سے بے خبر اور غافل تھے انھوں نے مدینہ کے راستوں پر غلاظت و نجاست پھیلا دی اور بازاروں میں اشیاء ضرورت کی قیمت بڑھا دی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایک تو جھوٹا دعویٰ ایمان لایا کہ کیا، دوسرے آپ کو دھوکا دینا چاہا، تیسرے آپ پر احسان جتلا یا کہ دوسرے لوگ تو ایک زمانہ تک آپ سے برسرِ پیکار رہے آپ کے خلاف جنگیں لڑیں پھر مسلمان ہوئے ہم بغیر کسی جنگ کے خود آپ کے پاس حاضر ہو کر مسلمان ہو گئے اسلئے ہماری قدر کرنی چاہیے جو شان رسالت میں ایک طرح کی گستاخی بھی تھی کہ اپنے مسلمان ہو جائیگا احسان آپ پر جتلا یا، اور مقصود اسکے سوا کچھ نہ تھا کہ مسلمانوں کے صدقات سے اپنی مفلسی دور کریں۔ اور اگر یہ واقعی اور سچے مسلمان ہی ہو جاتے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر کیا احسان تھا خود اپنا ہی نفع تھا اس پر آیات مذکورہ نازل ہوئیں جن میں اُن کے جھوٹے دعوے کی تکذیب اور احسان جتلا نے پرندہ مت کی گئی ہے۔

وَلَكِنْ قَوْلُكَ لَا اسْلَمْنَا، چونکہ ان کے دلوں ایمان نہ تھا جھوٹا دعویٰ صرف ظاہری افعال کی بنا پر کر رہے تھے اسلئے قرآن نے انکے ایمان کی نفی اور دعوئے ایمان کے غلط ہونیکو بیان کر کے یہ فرمایا کہ تمھارا امان کہنا تو جھوٹ ہے تم زیادہ سے زیادہ اسلما کہہ سکتے ہو کیونکہ اسلام کے لفظی معنی ظاہری افعال میں اطاعت کرنے کے ہیں اور یہ لوگ اپنے دعوئے ایمان کو سچا ثابت کرنے کے لئے کچھ اعمال مسلمانوں جیسے کرنے لگے تھے اس لئے لفظی اعتبار سے ایک درجہ کی اطاعت ہو گئی اسلئے لغوی معنی کے اعتبار سے اسلما کہنا صحیح ہو سکتا ہے۔

اسلام اور ایمان ایک ہی کچھ فرق ہے؟ اوپر کی تقریر سے معلوم ہو گیا کہ اس آیت میں اسلام کے لغوی معنی مراد ہیں اصطلاحی معنی مراد ہی نہیں اس لئے اس آیت سے اسلام اور ایمان میں اصطلاحی فرق پر کوئی استدلال نہیں ہو سکتا۔ اور اصطلاحی ایمان اور اصطلاحی اسلام اگرچہ مفہوم و معنی کے اعتبار سے الگ الگ ہیں کہ ایمان اصطلاح شرع میں تصدیق قلبی کا نام ہے یعنی اپنے دل سے اللہ تعالیٰ کی توحید اور رسول کی رسالت کو سچا ماننا، اور اسلام نام ہے اعمال ظاہرہ میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت کرنے کا لیکن شریعت میں تصدیق قلبی اس وقت تک قابل اعتبار نہیں جب تک اس کا اثر جوارج کے اعمال و افعال تک نہ پہنچ جائے جس کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ زبان سے کلمہ اسلام کا اقرار کرے۔ اسی طرح اسلام اگرچہ اعمال ظاہرہ کا نام ہے لیکن شریعت میں وہ اس وقت تک معتبر نہیں جب تک کہ دل میں تصدیق نہ آجائے ورنہ وہ نفاق ہے۔ اس طرح اسلام و ایمان مبدأ اور منتهی کے اعتبار سے تو الگ الگ ہیں کہ ایمان باطن اور قلب سے شروع ہو کر ظاہر اعمال تک پہنچتا ہے اور اسلام افعال ظاہرہ سے شروع ہو کر باطن کی تصدیق تک پہنچتا ہے مگر مصداق کے اعتبار سے ان دونوں میں تلازم ہے کہ ایمان اسلام کے بغیر معتبر نہیں، اور اسلام ایمان کے بغیر شرعاً معتبر نہیں، شریعت میں یہ نہیں ہو سکتا کہ ایک شخص مسلم تو ہو مومن نہ ہو یا مومن ہو مسلم نہ ہو مگر یہ کلام اصطلاحی ایمان و اسلام میں ہے لغوی معنی کے اعتبار سے ہو سکتا ہے کہ ایک شخص مسلم ہو مومن نہ ہو جیسے تمام منافقین کا یہی حال تھا کہ ظاہری اطاعت احکام کی بنا پر مسلم کہلاتے تھے مگر دل ایمان نہ ہونے کے سبب مومن نہ تھے واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم +

تَمَّتْ بِحَمْدِ اللَّهِ تَعَالَى وَعَوْنِهِ سُورَةُ الْحَجَرَاتِ لِلثَّامِنِ
مِنْ شَعْبَانَ سَنَةِ ۱۴۲۹ هـ يَوْمَ الْاِحْدِ وَاللَّهُ الْحَمْدُ وَالْمِنَّةُ

سُورَةُ ق

سُورَةُ ق مَكِّيَّةٌ وَهِيَ خَمْسُونَ آيَةً وَثَلَاثُونَ مَوْعِظَاتٍ

سورۃ ق مکہ میں نازل ہوئی اور اس میں ۵۰ آیتیں اور تین رکوع ہیں

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے ،

ق تَبَّ وَالْقُرْآنِ الْمَجِيدِ ۱ بَلْ عَجِبُوا أَنْ جَاءَهُمْ مُنْذِرٌ مِنْهُمْ

ق تب کہہ اس قرآن بڑی شان والے کی ، بلکہ ان کو تعجب ہوا کہ آیا ان کے پاس ڈر سنانے والا انہی میں کا

فَقَالَ الْكَافِرُونَ هَذَا شَيْءٌ عَجِيبٌ ۲ إِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا فَمَا ذَلِكَ

تو کہنے لگے منکر یہ تعجب کی چیز ہے ، کیا جب ہم مر چکیں اور ہو جائیں مٹی ، یہ

رَجْعٌ بَعِيدٌ ۳ قَدْ عَلِمْنَا مَا تَنْقُصُ الْأَرْضُ مِنْهُمْ وَعِنْدَنَا كِتَابٌ

پھر آنا بہت دور ہے ، ہم کو معلوم ہے جتنا گھٹاتی ہے زمین اُن میں سے اور ہمارے پاس کتاب ہے جس

حَفِظُ ۴ بَلْ كَذَّبُوا بِالْحَقِّ لَمَّا جَاءَهُمْ فَهُمْ فِي أَمْرٍ مَرِيجٍ ۵

میں سب کچھ محفوظ ہے ، کوئی نہیں پر جھٹلاتے ہیں سچے دین کو جب اُن تک پہنچا سو وہ پڑے ہیں ابھی ہوئی بات میں ،

أَفَلَمْ يَنْظُرُوا إِلَى السَّمَاءِ فَوْقَهُمْ كَيْفَ بَنَيْنَاهَا وَزَيَّنَّاهَا وَمَا لَهَا

کیا نہیں دیکھتے آسمان کو اپنے اوپر کیسا ہم نے اس کو بنایا اور رونق دی اور اس میں

مِنْ فُرُوجٍ ۶ وَالْأَرْضَ مَدَدْنَاهَا وَأَلْقَيْنَا فِيهَا رَوَاسِيَ وَأَنْبَتْنَا

نہیں کوئی سوراخ ، اور زمین کو پھیلا دیا اور ڈالے اس میں بوجھ اور لگائی

الْمُنِزِّلُ

فِيهِمَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍ بَهِيجٌ ④ تَبَصَّرَةٌ وَذِكْرِي لِكُلِّ عَبْدٍ مُنِيبٍ ⑤ وَنَزَّلْنَا

اس میں ہر قسم کی رونق کی چیز، سمجھانے کو اور یاد دلانے کو اس بندہ کیلئے جو رجوع کرے، اور اتارا ہم نے

مِنَ السَّمَاءِ مَاءً مُّبَارَكًا فَانْبَتَّ مِنْهُ جَنَّتٌ وَحَبَّ الْحَصِيدِ ⑥ وَالنَّخْلُ

آسمان سے پانی برکت کا پھر اگانے ہم نے اس سبب اور اناج جس کا حکیت کاٹا جاتا ہے، اور کھجوریں

بُسِفَتْ لَهَا طَلْعٌ نَضِيدٌ ⑦ رِزْقًا لِلْعِبَادِ ⑧ وَأَحْيَيْنَا بِهِ بَلْدَةً مَّيْتًا ط

لمیں اُن کا خوشہ، تہہ پر تہہ روزی دینے کو بندوں کے اور زندہ کیا ہم نے اُس سے ایک مُردہ دیں کو

كَذَلِكَ الْخُرُوجُ ⑨ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ وَأَصْحَابُ الرَّسِّ

یونہی ہوگا نکل کھڑے ہونا، جھٹلا چکے ہیں ان سے پہلے نوح کی قوم اور کنوئیں والے

وَنَمُودٌ ⑩ وَعَادٌ وَفِرْعَوْنٌ وَإِخْوَانُ لُوطٍ ⑪ وَأَصْحَابُ الْأَيْكَةِ وَ

اور نمود اور عاد اور فرعون اور لوط کے بھائی اور بن کے رہنے والے اور

قَوْمٌ تَبِعَ كُلٌّ كُذِّبَ الرُّسُلَ فَحَقَّ وَعِيدُ ⑫ أَفَعَيَّنَّا يَا نَخْلٍ

تبع کی قوم ان سب نے جھٹلایا رسولوں کو پھر ٹھیک پڑا میرا ڈرانا، اب کیا ہم ٹھک گئے پہلی

الْأَوَّلِ طَبْلٌ هُمْ فِي لَبْسٍ مِّنْ خَلْقٍ جَدِيدٍ ⑬

بار بار کوئی نہیں ان کو دھوکا ہے ایک نئے بنانے میں

خُلاصہ تفسیر

ق (اس کے معنی اللہ کو معلوم ہیں) قسم ہے قرآن مجید کی (یعنی جس کو دوسری کتابوں پر فضیلت و شرف ہے کہ ہم نے آپ کو عذاب قیامت سے ڈرانے کے لئے بھیجا ہے مگر ان لوگوں نے نہ مانا، بلکہ ان کو اس بات پر تعجب ہوا کہ ان کے پاس اپنی رکی جنس) میں سے (یعنی انسانوں میں سے) ایک ڈرانے والا (پیغمبر) آگیا (جس نے ان کو قیامت کے دن سے ڈرایا) سو اس پر کافر لوگ کہنے لگے کہ (اول تو خود) یہ (ایک عجیب بات ہے کہ بشر پیغمبر ہو، دوسرے پھر دعویٰ بھی عجیب بات کا کرے کہ دوبارہ زندہ ہوں گے بھلا) جب ہم مر گئے اور مٹی ہو گئے تو کیا دوبارہ زندہ ہوں گے یہ دوبارہ زندہ ہونا (امکان سے) بہت ہی بعید ہے (خلاصہ یہ ہے کہ اول تو ہم جیسے انسان ہیں ان کو پیغمبری کا دعویٰ کرنے کا حق نہیں، پھر وہ اپنے دعوے میں ایک محال چیز کا دعویٰ کرتے ہیں، کہ مرنے اور مٹی ہونے کے بعد دوبارہ زندہ کئے جاویں گے، اس کے جواب میں حق تعالیٰ

مرنے کے بعد زندہ ہونے کا امکان ثابت کر کے اُن کے محال کہنے کو رد فرماتے ہیں جس کا حاصل یہ ہے کہ دوبارہ زندہ ہونے کو تم جو غیر ممکن کہتے ہو اس کی دوجہ ہو سکتی ہیں یا تو یہ کہ جن چیزوں کے زندہ ہونے کو کہا گیا ہے ان میں زندہ ہونے کی صلاحیت ہی نہ ہو، یہ تو مشاہدہ سے غلط ہے، کیونکہ وہ اس وقت بھٹکائے سامنے زندہ موجود ہیں، اگر زندگی کی صلاحیت ہی نہ ہوتی تو اس وقت کیسے زندہ ہیں، دوسری وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ فاعل یعنی اللہ تعالیٰ کو دوبارہ زندہ کرنے کی قدرت اس لئے نہ ہو کہ جو اجزاء میت کے مٹی ہو کر منتشر ہو گئے وہ اس کو معلوم نہ ہوں کہ کہاں بکھرے ہیں، تو اس کے جواب میں فرمایا کہ ہمارے علم کی تو یہ شان ہے کہ ہم ان کے ان اجزاء کو جانتے ہیں جن کو مٹی دکھاتی ہے اور کم کرتی ہے اور یہ نہیں کہ آج سے جانتے ہیں بلکہ ہمارا علم تو قدیم ہے، حتیٰ کہ ہم نے قبل وقوع ہی سب اشیاء کے سب حالات اپنے علم قدیم سے ایک کتاب یعنی لوح محفوظ میں لکھ دیئے تھے اور اب تک ہمارے پاس (وہ) کتاب (یعنی لوح) محفوظ (موجود) ہے جس میں ان اجزاء منتشر کا مکان اور وضع اور مقدار اور وصف سب کچھ ہے، سو اگر علم قدیم کسی کی سمجھ میں نہ آوے تو یوں ہی سمجھ لے کہ وہ دفتر جس میں سب کچھ ہے، حق تعالیٰ کے سامنے حاضر ہے مگر یہ لوگ پھر بھی بلاوجہ تعجب ہی میں ہیں اور صرف تعجب ہی نہیں، بلکہ سچی بات کو جس میں مسئلہ نبوت اور آخرت کی دوبارہ زندگی بھی ہے جبکہ وہ اُن کو پہنچتی ہے جھٹلاتے ہیں، غرض یہ کہ وہ ایک متزلزل حالت میں ہیں (کہ کبھی تعجب ہی، کبھی تکذیب ہے، یہ درمیان میں بطور جملہ معترضہ کے تھا، آگے بیان ہے قدرت کا یعنی کیا ان لوگوں کو ہماری قدرت کا علم نہیں ہے اور کیا انھوں نے اپنے اوپر کی طرف آسمان کو نہیں دیکھا کہ ہم نے اس کو کیسا (اونچا اور بڑا) بنایا اور (ستاروں سے) اس کو آراستہ کیا اور اس میں (بوجہ مکمل استحکام کے) کوئی رخسہ تک نہیں (جیسا کہ اکثر تعمیرات میں زمانہ کے دراز ہونے کے بعد رخسہ پڑ جایا کرتا ہے، یہ تو آسمان میں ہماری قدرت نمایاں ہے) اور زمین (میں یہ قدرت ظاہر ہے کہ اس) کو ہم نے پھیلایا اور اس میں پہاڑوں کو جادیا اور اس میں ہر قسم کی خوش نما چیزیں اُگائیں جو ذریعہ ہے دانائی اور بینائی کا (یعنی ہماری قدرت کی معرفت کا) ہر رجوع ہونے والے بندے کے لئے (یعنی ایسے شخص کے لئے جو مصنوعات کو اس نظر سے دیکھے کہ ان کو کس نے بنایا ہے) اور (ہماری قدرت اس سے ظاہر ہے کہ) ہم نے آسمان سے برکت والا پانی برسیا پھر اس سے بہت سے باغ اُگائے اور گھیتی کا غلہ اور لمبی لمبی کھجور کے درخت جن کے گچھے خوب گندھے ہوئے ہوتے ہیں، بندوں کے رزق دینے کے لئے اور (دوسری نباتات مثل گھاس وغیرہ کے جانے کے لئے بھی) ہم نے اس (بارش) کے ذریعہ سے مُردہ زمین کو زندہ کیا (پس) اسی طرح (سمجھ لو کہ مُردوں کا) زمین سے نکلنا ہوگا (کیونکہ قدرت ذاتیہ کے اعتبار سے تمام مقدورات برابر ہیں بلکہ جو ذات بڑی چیزوں پر قادر ہے اس کا چھوٹی چیزوں پر قادر ہونا اور زیادہ ظاہر ہے، اسی لئے آسمان و زمین کا یہاں ذکر کیا گیا، کہ ان کی تخلیق ایک مُردہ کو دوبارہ زندہ کرنے سے بہت بڑی بات ہے

کہا قال تعالیٰ (لَخَلْقُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ أَكْبَرُ) تو جب ان بڑے بڑے کاموں پر اللہ تعالیٰ کی قدرت ثابت ہوگئی تو مردہ کو زندہ کر دینے پر کیوں نہ ہوگی، تو معلوم ہوا کہ مردوں کو زندہ کرنا محال نہیں، ممکن ہے، اور زندہ کرنے والا فاعل مختار بڑی قدرت والا ہے، پھر اس میں تعجب یا تکذیب کی کیا بات ہے، آگے تکذیب کرنے والوں کو ڈرانے کے لئے پچھلی امتوں کے واقعات بتلا کر وعید کی گئی ہے کہ جس طرح یہ لوگ انکار قیامت سے رسول کی تکذیب کرتے ہیں اسی طرح ان سے پہلے قوم نوح اور اصحاب الرس اور ثمود اور عاد اور فرعون اور قوم لوط اور اصحاب یکہ اور قوم ثعلج تکذیب کر چکے ہیں (یعنی) سب نے پیغمبروں کو یعنی اپنے اپنے پیغمبر کو توحید اور رسالت اور قیامت کے معاملہ میں جھٹلایا سو میری وعید (ان پر) محقق ہوگئی (کہ ان سب پر عذاب نازل ہوا، اسی طرح ان کاذبین پر عذاب آئے گا، خواہ دنیا میں بھی یا صرف آخرت میں، وعید کے بعد پھر مضمون اول کی طرف دوسرے طور پر عود ہے کہ) کیا ہم پہلی بار کے پیدا کرنے میں تھک گئے (کہ دوبارہ زندہ نہ کر سکیں، یعنی ایک مانع یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کام بھی ممکن ہوا اور کرنے والے کو قدرت بھی پوری ہو، مگر کوئی مارضی مانع پیش آجائے جیسے کرنے والا تھک گیا ہو، اس لئے یہ کام نہیں کر سکا، اس آیت میں اس کی بھی نفی فرمادی کہ اللہ تعالیٰ اس طرح کے عیوب سے پاک ہے وہ کسی چیز سے متاثر نہیں ہوتا، نہ اس کو ممکن ہونے کا کوئی امکان ہے، اس لئے قیامت میں دوبارہ زندہ ہونا دلائل سے ثابت ہو گیا، اور یہ لوگ جو انکار کر رہے ہیں ان کے پاس کوئی دلیل نہیں ہے) بلکہ یہ لوگ زمرہ پیدا کرنے کی طرف سے (محض بے دلیل، شبہ میں پڑے ہوئے) ہیں (جو دلائل کے سامنے کسی طرح قابل التفات نہیں)۔

معارف مسائل

سورۃ ق کی خصوصیات | سورۃ ق میں بیشتر مضامین آخرت اور قیامت اور مردوں کے زندہ ہونے اور حساب و کتاب سے متعلق ہیں، اور یہی مناسبت ہے اس کو اس سے پہلی سورۃ حجرات سے کہ اس کے آخر میں انہی مضامین کا ذکر تھا،

سورۃ ق کی ایک خاص اہمیت اس حدیث سے معلوم ہوتی ہے کہ ام ہشام بنت عمار بن النعمان کہتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت قریب میرا مکان تھا، دو سال کے قریب ہمارا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تنور (جس میں روٹی پکتی تھی) ایک ہی تھا، مجھے سورۃ ق پوری اس طرح حفظ ہوئی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ سورت ہر جمعہ کو منبر پر خطبہ میں تلاوت فرماتے تھے (رواہ مسلم از قرطبی) اور حضرت عمر بن خطابؓ نے ابوداؤد لیثیؓ سے دریافت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عیدین کی نمازوں میں کونسی سورت پڑھا کرتے تھے؟ تو انھوں نے فرمایا: قَ وَالْقُرْآنِ الْحَمْدِ، اور اقْرَبْتَ الشَّاعِہِ اور حضرت جابرؓ سے منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صبح کی نماز میں بکثرت سورۃ ق تلاوت فرماتے تھے

یہ سورت خاصی بڑی ہے) مگر اس کے باوجود نماز ہلکی رہتی تھی (قرطبی) یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپکی تلاوت کا خاص اثر تھا کہ بڑی سے بڑی سورت اور طویل سے طویل نماز بھی پڑھنے والوں پر ہلکی رہتی تھی،

کیا آسمان نظر آتا ہے؟ **أَفَلَمْ يَنْظُرُوا إِلَى السَّمَاءِ** سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ آسمان نظر آتا ہے، اور مشہور یہ ہے کہ یہ نیگیوں رنگ جو نظر آتا ہے یہ ہوا کا رنگ ہے، مگر اس کی نفی کی بھی کوئی دلیل نہیں، کہ یہی رنگ آسمان کا بھی ہو، اس کے علاوہ آیت میں نظر سے مراد نظر عقلی بمعنی غور و فکر بھی مراد ہو سکتی ہے، (بیان القرآن)

احیاء بعد الموت پر **قَدْ عَلِمْنَا مَا تَنْقُصُ الْأَرْضُ مِنْهُمْ**، کفار و مشرکین جو قیامت میں بعثت بعد الموت مشہو شبہ کا جواب (یعنی مردوں کے زندہ ہونے کا انکار کرتے ہیں ان کی سبب بڑی دلیل یہ تعجب ہے کہ مرنے

کے بعد انسان کے اکثر اجزاء جسم مٹی ہو جاتے ہیں، پھر وہ مٹی منتشر ہو کر دنیا میں پھیل جاتی ہے، پانی اور ہوا اس کے ذرات کہاں سے کہاں پہونچا دیتے ہیں، قیامت میں دوبارہ زندہ کرنے کے لئے ساری دنیا میں بکھرے ہوئے اجزاء کو معلوم رکھنا کہ یہ جڑ۔ فلاں کا ہے، یہ فلاں کا، اور پھر ہر ایک کے اجزاء کو الگ الگ

جمع کر دینا کس کے بس کی بات ہے؟ قرآن کریم نے اس کا جواب دیا کہ انسان اپنے محدود علم و بصیرت پر اللہ تعالیٰ کے غیر محدود و لامتناہی علم کو قیاس کر کے اس مگر اسی میں پڑتا ہے **(قَدْ عَلِمْنَا مَا تَنْقُصُ الْأَرْضُ)**،

اللہ تعالیٰ کا علم تو اتنا وسیع اور محیط ہے کہ مرنے کے بعد انسان کا ایک ایک جڑ۔ اس کی نظر میں ہے، وہ جانتا ہے کہ مرنے کے کس کس حصہ کو زمین نے کھا لیا ہے، کیونکہ اس کی کچھ ہڈیاں تو اللہ تعالیٰ نے ایسی بنائی ہیں

کہ ان کو زمین نہیں کھاتی، اور جن کو زمین کھا کر مٹی کر دیتی ہے پھر وہ مٹی دنیا جہان کے جن گوشہ میں پہنچتی ہے وہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی نظر میں ہے، جب وہ چاہے گا سب کو ایک جگہ جمع کر دے گا، اور ذرا غور کرو

تو اس وقت ہر انسان کا جسم جن اجزاء سے مرکب چلتا پھرتا نظر آتا ہے اس میں بھی تو ساری دنیا کے مختلف گوشوں کے اجزاء جمع ہیں، کوئی غذا کی صورت سے کوئی دوا کی صورت میں سارے عالم کے مختلف شہروں

اور جنگلوں کے اجزاء ہی تو ہیں جن سے یہ موجودہ جسم مرکب ہوا ہے، پھر اس کے لئے کیا دشوار ہے کہ دوبارہ ان اجزاء کو دنیا میں منتشر کرنے کے بعد پھر ایک جگہ جمع کر دے، اور صرف یہی نہیں کہ اب مرنے اور مٹی

ہونے کے بعد انسان کے یہ اجزاء اس کے علم میں آئے ہوں، بلکہ انسان کے پسیدہ کرنے سے پہلے ہی اس کی زندگی کا ہر مرحلہ اور اس میں پیدا ہونے والے تغیرات اور پھر مرنے کے بعد اس پر کیا کیا حالات پیش

آئیں گے وہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے پاس پہلے سے لکھا ہوا لوح محفوظ میں موجود ہے، پھر جو ایسا علیم و بصیر ہے اور جس کی قدرت اتنی کامل اور سب چیزوں پر حاوی ہے اس کے متعلق یہ تعجب

کرنا خود قابل تعجب ہے، **مَا تَنْقُصُ الْأَرْضُ** کی یہ تفسیر حضرت ابن عباسؓ اور مجاہدؓ اور جہور مفسرین سے منقول ہے (بحر محیط)

فی آمر متبرجج، لفظ تبرجج کے معنی لغت میں مختلط کے ہیں، جس میں مختلف چیزوں کا اختلاط والتباس ہو

اور ایسی چیز عموماً فاسد ہوتی ہے، اسی لئے حضرت ابو ہریرہؓ نے مریض کا ترجمہ فاسد سے فرمایا، اور ضحاک اور قتادہ اور حسن بصری وغیرہ نے مختلط اور ملتبس سے فرمایا ہے، مراد یہ ہے کہ یہ کفار و منکرین رسالت اپنی انہماک میں بھی کسی ایک بات پر نہیں جتے، کبھی آپ کو ساحر و جادوگر بتاتے ہیں، کبھی شاعر کہتے ہیں، کبھی کاہن و نجومی کہتے ہیں، اُن کا کلام خود ملتبس اور فاسد ہے، جواب کس کا دیا جائے،

آگے حق تعالیٰ کی قدرت مطلقہ کا مکملہ بیان ہے جو آسمان و زمین اور ان کے اندر پیدا ہونے والی بڑی بڑی چیزوں کی تخلیق کے حوالہ سے کیا گیا ہے اس میں آسمان کے متعلق فرمایا وَمَا تَعْلَمُونَ فَرْجَ، فَرْجَ، فَرْجَ کی صحیح ہے جس کے معنی شق کے آتے ہیں، مراد یہ ہے کہ آسمان کا اتنا بڑا عظیم الشان کُرہ حق تعالیٰ نے بنایا، ہر اگر انسان کی بنائی ہوئی چیز ہوتی تو اس میں ہزار جڑ دیوں اور شقوق کے نشانات پائے جاتے، مگر تم آسمان کو دیکھتے ہو اس میں نہ کوئی پیوند لگا ہوا ہے نہ کسی جگہ سے جڑ آئی اور سلائی کے نشان نظر آتے ہیں اس سے اس کی نفی نہیں ہوتی کہ آسمان میں اللہ تعالیٰ نے دروازے بنائے ہیں، دروازے کو شق نہیں کہا جاتا،

مَعْدِنَ بَنَاتٍ قَبْلَهُمْ قَوْمٌ نَّوْجٍ، سابقہ آیات میں کفار کی تکذیب رسالت و آخرت کا ذکر تھا، جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا پہنچنا ظاہر ہے، اس آیت میں حق تعالیٰ نے آپ کی تسلی کے لئے پچھلے انبیاء اور ان کی امتوں کے حالات بتلائے ہیں کہ ہر پیغمبر کو منکرین و کفار کی طرف سے ایسی ایذا میں پیش آتی ہی ہیں یہ سنت انبیاء ہے، اس سے آپ شکستہ خاطر نہ ہوں، قوم نوح علیہ السلام کا قصہ قرآن میں بار بار آیا کہ کہ ساڑھے نو سو برس نوح علیہ السلام ان کی اصلاح کی کوشش کرتے رہے مگر ان کی طرف سے نہ صرف انکار بلکہ طرح طرح کی ایذا میں پہنچتی رہیں،

اصحاب الرس کون لوگ ہیں؟ | اصحاب الرس، لفظ رس عربی زبان میں مختلف معنی کے لئے آتا ہے مشہور معنی یہ ہیں کہ کچھ کنویں کو رس کہا جاتا ہے، جو اینٹ پتھر وغیرہ سے بچتہ نہ کیا گیا ہو، اصحاب الرس سے مراد قوم ثمود کے باقی ماندہ لوگ ہیں جو عذاب کے بعد باقی رہے، ضحاک وغیرہ مفسرین نے ان کا قصہ یہ لکھا کہ جب حضرت صالح علیہ السلام کی قوم (ثمود) پر عذاب آیا تو ان میں سے چار ہزار آدمی جو حضرت صالح علیہ السلام پر ایمان لائے تھے وہ عذاب سے محفوظ رہے، یہ لوگ اپنے مقام سے منتقل ہو کر حضرموت میں جا کر مقیم ہو گئے، حضرت صالح علیہ السلام بھی ان کے ساتھ تھے، ایک کنویں پر جا کر یہ لوگ ٹھہر گئے، اور حضرت صالح علیہ السلام کی وفات ہو گئی، اسی لئے اس جگہ کا نام حضرت موت (یعنی موت حاضر ہو گئی) ہے، یہ لوگ یہیں رہ پڑے، پھر ان کی نسل میں بُت پرستی شروع ہو گئی، ان کی اصلاح کے لئے حق تعالیٰ نے ایک نبی کو بھیجا، جس کو انھوں نے قتل کر ڈالا، اُن پر خدا تعالیٰ کا عذاب آیا، ان کا کنواں جس پر ان کی زندگی کا انحصار تھا وہ بیکار ہو گیا، اور عمارتیں ویران ہو گئیں، قرآن کریم نے اسی کا ذکر اس آیت میں فرمایا ہے: وَيَذُرُّ مَعْطَلَةً وَاقْصَرِ مَسِيرِينَ، یعنی چٹم عبرت والوں کے لئے ان کا بیکار پڑا ہوا کنواں اور بچتہ بنے ہوئے محلات ویران پڑے

ہوتے عبرت کے لئے کافی ہیں۔

ثَمُودُ؛ حضرت صالح علیہ السلام کی امت ہیں، ان کا واقعہ قرآن میں بار بار پہلے گزر چکا ہے۔
عَادَ؛ قوم عاد اپنے ذیل ڈول اور قوت و شجاعت میں ضرب المثل تھی، حضرت ہود علیہ السلام ان کی طرف مبعوث ہوئے، اُن کو ستایا اُن کی نافرمانی کی، آخر کار ہوا کے طوفان کا عذاب آیا، اور سب فنا ہوئے۔
فِرْعَوْنُ؛ بہت ہی معروف و مشہور مصر کے بادشاہ کا نام ہے۔

اِخْوَانُ لُوطٍ؛ حضرت لوط علیہ السلام کی امت ہے، جن کا قصہ کئی مرتبہ پہلے گزر چکا ہے۔
اَصْحٰبُ الْاَيْكَةِ؛ ایک گھنے جنگل اور بن کو کہتے ہیں، یہ لوگ ایسے ہی مقام پر آباد تھے، حضرت شعیب علیہ السلام اُن کی طرف نبی بنا کر بھیجے گئے، انھوں نے نافرمانی کی، بالآخر عذاب الہی سے تباہ و برباد ہوئے۔

وَقَوْمُ ثُعٰیبٍ؛ ثُعٰیب کے ایک بادشاہ کا لقب ہے، جس کی ضروری تحقیق جلد ہفتم میں سورۃ دھان کے تحت گزر چکی ہے۔

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ وَنَعْلَمُ مَا تُوَسْوِسُ بِهِ نَفْسُهُ ۖ وَنَحْنُ اَقْرَبُ

اور البتہ ہم نے بنایا انسان کو اور ہم جانتے ہیں جو باتیں آتی رہتی ہیں اس کے جی میں اور ہم اس سے

اٰتٰیہٖ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِ ۝۱۶ اِذْ يَنْكَلُ السُّلٰقِلٰیْنَ عَنِ الْیَمِیْنِ عَنِ الشِّمَالِ

نزدیک ہیں دھڑکتی رگ سے زیادہ، جب لپٹے جاتے ہیں دو لینے والے داہنے بیٹھا اور بائیں

قَعِیْدٌ ۝۱۷ مَا یَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدِیْهِ رَقِیْبٌ عَتِیْدٌ ۝۱۸ وَجَآءَتْ

بیٹھا، نہیں بولتا کچھ بات جو نہیں ہوتا اس کے پاس ایک اہ دیکھنے والا تیار، اور وہ آتی

سَكْرَةً الْمَوْتِ بِالْحَقِّ ۚ ذٰلِكَ مَا كُنْتَ مِنْهُ تَحِیْدٌ ۝۱۹ وَلَفِیْهِ الصُّوْرُ

بیہوشی موت کی تحقیق، یہ وہ ہے جس سے تو ٹلتا رہتا تھا، اور پھونکا گیا صور

ذٰلِكَ یَوْمُ الْوَعْدِ ۝۲۰ وَجَآءَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّعَهَا سَآئِقٌ وَشَهِیْدٌ ۝۲۱

یہ ہر دن ڈرانے کا، اور آیا ہر ایک جی اس کے ساتھ ہوا ایک ہائے والا اور ایک احوال بتلانی والا

لَقَدْ كُنْتَ فِیْ عَقْلٍ مِّنْ هٰذَا فَكُشِفْنَا عَنْكَ غِطَاءً ۚ فَبَصَرُكَ الْیَوْمَ

تو بچ رہا اس دن سے اب کھول دی ہم نے تجھ پر سے تیری اندھیری سو تیری نگاہ آج

حَدِيدٌ ۲۲) وَقَالَ قَرِينُهُ هَذَا مَا لَدَيَّ عَتِيدٌ ۲۳) أَلْقِيَا فِي جَهَنَّمَ كُلَّ

تیز ہے ، اور بولا رفرتہ اس کے ساتھ والا یہ جو میرے پاس تھا حاضر ، ڈال دو تم دونوں دوزخ میں ہر

كَفَّارٍ عَنِيدٍ ۲۴) مَتَاعٍ لِلْخَيْرِ مُعْتَدٍ ۲۵) الَّذِي جَعَلَ مَعَ اللَّهِ

ناشکر مخالفت کو ، نیکی سے رد کرنے والا حد سے بڑھنے والا شبہ ڈالنے والا ، جس نے ٹھیکہ یا اللہ کے ساتھ اور

إِلَهًا آخَرَ فَأَلْقِيهِ فِي الْعَذَابِ الشَّدِيدِ ۲۶) قَالَ قَرِينُهُ رَبَّنَا مَا

کو پوجنا سو ڈال دو اس کو سخت عذاب میں ، بولا (شیطان) اس کا ساتھی اے رب ہمارا

أَطْعَمْتُهُ وَلَٰكِن كَان فِي ضَلَالٍ بَعِيدٍ ۲۷) قَالَ لَا تَخْتَصِمُوا لَدُنِّي

میں نے اس کو شہادت میں نہیں ڈالا پر یہ بھارا کو بھولا دور پڑا ہوا ، فرمایا جھگڑا نہ کرو میرے پاس

وَقَدْ قَدَّمْتُ إِلَيْكُمْ بِالْوَعِيدِ ۲۸) مَا يُبَدِّلُ الْقَوْلُ لَدَيَّ وَمَا أَنَا

اور میں پہلے ہی ڈرا چکا تھا تم کو عذاب سے ، بدلتی نہیں بات میرے پاس اور میں ظلم

بِظُلْمٍ ۲۹) لِلْعَبِيدِ

نہیں کرتا بندوں پر ،

خَلَاصَةُ تَفْسِيرِ

راہ پر قیامت میں مردوں کے زندہ ہونے کا امکان ثابت ہو چکا ہے آگے اس کے وقوع کا بیان ہوا اور وقوع موقوف ہے علم کامل اور قدرت کاملہ پر ، اس لئے اول اس کو بتلاتے ہیں کہ ، اور ہم نے انسان کو پیدا کیا ہے (جو اعلیٰ درجہ کی دلیل ہے قدرت پر) اور اس کے جی میں جو خیالات آتے ہیں ہم ان (تک) کو (بھی) جانتے ہیں (تو جو افعال ان کے ہاتھ پاؤں اور زبان سے صادر ہوں ان کو جاننا تو بدرجہ اولیٰ ہے) اور بلکہ ہم کو تو اس کے احوال کا ایسا علم ہے کہ اس کو خود بھی اپنے احوال کا ایسا علم نہیں پس باعتبار علم کے ہم انسان کے اس قدر قریب ہیں کہ اس کی رگ گردن سے بھی زیادہ (جس کے قطع ہونے سے انسان مرجاتا ہے) اور چونکہ لوگوں کی عام عادت میں جانور کی روح نکالنے کے لئے گردن کاٹنے ہی کا طریقہ رائج ہے ، اس لئے یہ تعبیر اختیار کی گئی ، اور یہ گردن کی رگیں و رید اور شریان دونوں کو محمل ہیں ، مگر شریان مراد لینا زیادہ مناسب ہے ، کیونکہ ان میں روح غالب اور خون مغلوب رہتا ہے ، اور و رید میں بالعکس اور یہاں جس کو روح میں زیادہ دخل ہو اس کا مراد لینا مناسب ہے ، اور سورہ حاقہ میں لَفْظٌ وَتَيْنِ بمعنی

رگِ دل سے تعبیر کرنا اس کا متوید ہے، کیونکہ جو رگیں دل سے نکلتی ہیں وہ شرائین ہیں، اور گو قرآن میں لفظ و ربید ہے مگر معنی لغوی اس کے عام ہیں، جس میں دل سے نکلنے والی رگیں شرائین بھی داخل ہیں اور جگر سے نکلنے والی رگیں و ربید بھی، پس مطلب یہ ہوا کہ ہم باعتبار علم کے اس کی روح اور نفس سے بھی نزدیک تر ہیں، یعنی جیسا علم انسان کو اپنی احوال کا ہے ہم کو اس کا علم خود اس سے بھی زیادہ ہے، چنانچہ انسان کو اپنی بہت سی حالتوں کا تو علم ہی نہیں ہوتا، اور جن کا علم ہوتا ہے ان میں بھی بعض اوقات نسیان یا ان سے ذہول ہو جاتا ہے، اور حق تعالیٰ میں ان احتمالات کی گنجائش ہی نہیں، اور ظاہر ہے کہ جو علم ہر حالت میں ہو اس کا تعلق بہ نسبت اس کے کہ ایک حالت میں ہو زیادہ ہوگا، غرض علم الہی کا جمیع احوال انسانیہ کے ساتھ متعلق ہونا بھی ثابت ہو گیا، آگے اس کی مزید تاکید کے لئے یہ بیان فرمایا کہ انسان کے اعمال و احوال صرف یہی نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے علم میں محفوظ ہوں بلکہ ظاہری حجت تمام کرنے کے لئے وہ اعمال فرشتوں کے ذریعہ لکھو اگر بھی محفوظ کئے گئے، ارشاد ہے (جب دو اخذ کرنے والے فرشتے انسان کے اعمال کو جب وہ اس سے صادر ہوتے ہیں) اخذ کرتے رہتے ہیں جو کہ دہی اور باتیں طرف بیٹھے رہتے ہیں (اور برابر ہر عمل کو لکھتے رہتے ہیں، لقولہ تعالیٰ اِنَّ رُسُلَنَا يَكْتُبُوْنَ مَا تَعْمَلُوْنَ و قوله تعالیٰ اِذَا مَنَّآ اَنْتُمْ مَّا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ یہاں تک کہ سب اعمال میں خفیف انسان کی گفتگو اور کلام ہے، مگر اس کی یہ کیفیت ہے کہ) وہ کوئی لفظ منہ سے نہیں نکالنے پاتا مگر اس کے پاس ہی ایک تاک لگانے والا تیار (موجود ہوتا) ہے اگر وہ نیکی کا کلام ہو تو داسنے والا اس کو ضبط اور تحریر میں لاتا ہے، اگر بدی کا کلام ہو تو باتیں والا، اور جب زبان سے نکلنے والا ایک ایک کلمہ محفوظ و محفوظ ہو تو دوسرے اعمال کیوں نہ ہوں گے) اور (چونکہ آخرت کی زندگی اور اعمال کی جزاء و سزا سب کا مقدمہ موت ہے، اس لئے انسان کو متنبہ کرنے کے لئے آگے اس کا ذکر ہے، کیونکہ قیامت سے انکار و حقیقت موت سے غفلت ہی کا نتیجہ ہوتا ہے، ارشاد ہے کہ تو ہوشیار ہو جاؤ) موت کی سختی حقیقت (قریب) آپہونچی (یعنی ہر شخص کی موت قریب ہے چنانچہ ظاہر ہے) یہ (موت) وہ چیز ہے جس سے تو بدکتر اور بھاگتا تھا (موت سے بھاگنا طبعی طور پر تو ہر نیک و بد میں یکساں ہے، اور کافر و مجرم کا موت سے بھاگنا بوجہ حب دنیا کے اور بھی زیادہ واضح ہے، کسی خاص بندہ پر اللہ سے ملنے کے شوق کا غلبہ ہو کر موت کا لذیذ اور مطلوب ہو جانا اس کے منافی نہیں کیونکہ وہ عام عادت انسانی سے مافوق حالت ہے) اور (اس مقدمہ یعنی ذکر موت کے بعد اب وقوع قیامت کا بیان ہے، جو کہ مقصود تھا یعنی قیامت کے دن دوبارہ) صور پھونکا جائے گا جس سے سب زندہ ہو جائیں گے یہی دن ہوگا و عید کا (جس سے لوگوں کو ڈرایا جاتا تھا) اور آگے قیامت کے ہولناک واقعات اور حالات کا بیان ہے) ہر شخص اس طرح (میدان قیامت میں) آئے گا کہ اس کے ساتھ (دو فرشتے ہوں گے جن میں) ایک (تو میدان قیامت کی طرف) اس کو اپنے ہمراہ لاوے گا اور ایک (اس کے اعمال کا) گواہ ہوگا (حدیث مرفوعہ میں ہے کہ یہ سائق اور شہید دہی دو فرشتے ہیں جو زندگی میں انسان کے دائیں اور

ہائیں اس کے اعمال کو لکھتے تھے (رداۃ فی الدر) اور اگر یہ حدیث موافق شرائط محدثین کے قوی نہ ہو تو احتمال ہو کہ دو فرشتے اور ہوں جیسا کہ بعض قائل ہوئے ہیں، گو اس صورت میں بھی بوجہ موافقت حدیث کے راجح احتمال اول ہی ہوگا اور جب وہ میدان قیامت میں حاضر ہوں گے تو ان میں جو کافر ہوں گے ان سے خطاب ہوگا کہ (تو اس دن سے بے خبر تھا) یعنی اس کا قائل نہ تھا، سو اب ہم نے تجھ پر سے تیرا پردہ (غفلت اور انکار کا) ہٹا دیا (اور قیامت کا معائنہ کر دیا) سو آج (تو) تیری نگاہ بڑی تیز ہے (کہ کوئی امر مانع اور رک نہیں، کاش تو دنیا میں بھی اس مانع غفلت کو رفع کر دیتا تو تیرے دن بچھلے ہوتے) اور (اس کے بعد) فرشتہ (کاتب اعمال) جو اس کے ساتھ رہتا تھا (اور اب بھی ایک قول پر سائق یا شاہد بن کر آیا ہے نامہ اعمال حاضر کر کے) عرض کرے گا کہ یہ وہ (روز ناچھ) ہے جو میرے پاس تیار ہو (کذا فتر هذا العترین بالملک ابن جریج والقرین الذی یشیہ بالشیطان رداه فی الدر) چنانچہ اس روز ناچھ کے موافق کافروں کے بارے میں دو فرشتوں کو خواہ وہ سائق و شہید مذکور ہوں یا اور دو فرشتے ہوں حکم ہوگا کہ ہر ایسے شخص کو جہنم میں ڈال دو جو کفر کرنے والا ہو اور (حق سے) صبر رکھتا ہو اور نیک کام سے روکتا ہو اور حد (عبدیت) سے باہر ہو جانے والا ہو اور (دین میں) شبہ پیدا کرنے والا ہو، جس نے خدا کے ساتھ دوسرا معبود تجویز کیا ہو سو ایسے شخص کو سخت عذاب میں ڈال دو (جب کفار کو معلوم ہوگا کہ اب خسارہ ابدی میں پڑنے والے ہیں اس وقت اپنے بچاؤ کے واسطے گمراہ کرنے والوں کے ذمہ الزام رکھیں گے کہ ہمارا قصور نہیں ہمیں تو دوسروں نے گمراہ کیا ہو اور چونکہ ان گمراہ کرنے والوں میں شیاطین بھی داخل ہیں، اس لئے فرمایا کہ) وہ شیطان جو اس کے ساتھ رہتا تھا کہے گا کہ اے ہمارے پروردگار میں نے اس کو (جبرا) گمراہ نہیں کیا تھا جیسا کہ اس کے الزام رکھنے سے مفہوم ہوتا ہے کہ اس کے اپنے اختیار کو بالکل دخل نہ ہو، لیکن (بات یہ ہے کہ) یہ خود ہی دور دراز کی گمراہی میں (با اختیار خود) تھا (گو اغواء میں نے بھی کیا جس میں کوئی جبر نہ تھا، اس لئے اس کی گمراہی کا اثر مجھ پر نہ ہونا چاہئے) ارشاد ہوگا کہ میرے سامنے جھگڑے کی باتیں مت کرو (کہ بے سود ہیں) اور میں تو پہلے ہی تمھارے پاس وعید بھیج چکا تھا کہ جو کفر کرے گا از خود یا کسی کے اغواء سے اور جو کفر کا حکم کرے گا خواہ اپنی مرضی سے یا کسی کے جبر سے سب کو جہنم کی سزا علی تفاوت المراتب دوں گا سو (میرے ہاں وہ) بات (دعید مذکور کی) نہیں بدلی جاوے گی (بلکہ تم سب دوزخ میں بھونکے جاؤ گے) اور میں (اس تجویز میں) بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہوں (بلکہ بندوں نے خود ایسے ناشائستہ کام کئے جس کی سزا آج بھگت رہے ہیں)۔

معارف و مسائل

سابقہ آیات میں منکرین حشر و نشر اور مردوں کے زندہ ہونے کو بعبید از عقل و قیاس

کہنے والوں کے شہادت کا ازالہ... اس طرح کیا تھا کہ تم نے حق تعالیٰ کے علم کو اپنے علم و بصیرت پر قیاس کر رکھا اور اس لئے یہ اشکال ہے کہ مرنے کے اجزاء مٹی ہو کر دنیا میں بکھرنے کے بعد ان کو کس طرح جمع کیا جاسکتا ہے، مگر حق تعالیٰ نے بتلایا کہ کائنات کا ذرہ ذرہ ہمارے علم میں ہے، ہمارے لئے ان سب کو جب چاہیں جمع کر دینا کیا مشکل ہے، آیات مذکورہ میں بھی علم الہی کی وسعت اور ہمہ گیری کا بیان ہے، کہ انسان کے اجزاء منتشرہ کا علم ہونے سے بھی زیادہ بڑی بات تو یہ ہے کہ ہم ہر انسان کے دل میں آنے والے خیالات کو بھی ہر وقت ہر حال میں جانتے ہیں، اور اس کی وجہ دوسری آیت میں یہ بیان فرمائی کہ ہم انسان سے اتنے قریب ہیں کہ اس کی رگ گردن جس پر اس کی زندگی کا مدار ہے وہ بھی اتنی قریب نہیں، اس لئے ہم اس کے حالات کو خود اس سے بھی زیادہ جانتے ہیں،

تَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْأَرْدِ کا جہور مفسرین نے یہی مطلب قرار دیا ہے، کہ قرب سے مراد قرب علی اور احاطہ علی ہے قرب مسافت مراد نہیں،

اللہ تعالیٰ انسان سے اس کی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہیں اس کی تحقیق

لفظ درید عربی زبان میں ہر جاندار کی وہ رگیں ہیں جن سے خون کا سیلان تمام بدن میں ہوتا ہے، طبی اصطلاح میں یہ دو قسم کی رگیں ہیں، ایک وہ جو جگر سے نکلتی ہیں اور خالص خون سارے بدن انسانی میں پہنچاتی ہیں، طبی اصطلاح میں صرف انہی رگوں کو درید اور جمع کو آذرہ کہا جاتا ہے، دوسری قسم وہ رگیں جو حیوان کے قلب سے نکلتی ہیں اور خون کی وہ لطیف بھاپ جس کو طبی اصطلاح میں روح کہا جاتا ہے، وہ اسی طرح تمام بدن انسانی میں... پھیلاتی اور پہنچاتی ہیں ان کو شریان اور شریانین کہا جاتا ہے، پہلی قسم کی رگیں موٹی اور دوسری باریک ہوتی ہیں،

آیت مذکورہ میں یہ ضروری نہیں کہ درید کا لفظ طبی اصطلاح کے مطابق اس رگ کے لئے لیا جائے جو جگر سے نکلتی ہے، بلکہ قلب سے نکلنے والی رگ کو بھی لغت کے اعتبار سے درید کہا جاسکتا ہے، کیونکہ اس میں بھی ایک قسم کا خون ہی دوران کرتا ہے، اور اس جگہ چونکہ مقصود آیت کا انسان کے قلبی خیالات اور احوال سے مطلع ہونا ہے، اس لئے وہ زیادہ انسب ہے، اور ہر حال خواہ وریہ با اصطلاح طب جگر سے نکلنے والی رگ کے معنی میں ہو یا قلب سے نکلنے والی شریان کے معنی میں، ہر دو صورت جاندار کی زندگی اس پر موقوف ہے، یہ رگیں کاٹ دی جائیں تو جاندار کی روح نکل جاتی ہے، تو خلاصہ یہ ہوا کہ جس چیز پر انسان کی زندگی موقوف ہے ہم اس چیز سے بھی زیادہ اس کے قریب ہیں یعنی اس کی ہر چیز کا علم رکھتے ہیں،

اور صوفیائے کرام کے نزدیک قرب سے مراد اس جگہ صرف قرب علی اور احاطہ علی ہی نہیں بلکہ ایک خاص قسم کا اتصال ہے، جس کی حقیقت اور کیفیت تو کسی کو معلوم نہیں ہو سکتی، مگر یہ قرب و اتصال بلا کیف موجود ضرور ہے، قرآن کریم کی متعدد آیات اور احادیث صحیحہ اس پر شاہد ہیں، حق تعالیٰ کا ارشاد ہے وَاقْتَرِبْ، یعنی سجدہ کرو اور ہمارے قریب ہو جاؤ، اور ہجرت کے واقعہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے فرمایا **اللَّهُ مَعَنَا** ”یعنی اللہ ہمارے ساتھ ہے“ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل سے فرمایا **إِنَّمَعِيَ رَبِّي** ”یعنی میرا رب میرے ساتھ ہے“ اور حدیث میں ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کی طرف سب سے زیادہ قریب اُس وقت ہوتا ہے جب کہ وہ سجدہ میں ہو، اسی طرح حدیث میں ہے کہ حق تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ”میرا بندہ میرے ساتھ نفلی عبادات کے ساتھ تقرب حاصل کرتا رہتا ہے۔“

یہ قرب و تقرب جو عبادات کے ذریعہ حاصل کیا جاتا ہے اور انسان کے اپنے کسب و عمل کا نتیجہ ہوتا ہے یہ صرف مومن کے لئے مخصوص ہے، اور ایسے مومنین اولیاء اللہ کہلاتے ہیں جن کو حق تعالیٰ کے ساتھ یہ تقرب حاصل ہو یہ اتصال و قرب اس قرب کے علاوہ ہے جو حق تعالیٰ کو ہر انسان مومن و کافر کی جان کے ساتھ یکساں ہے، غرض مذکورہ آیات و روایات اس پر شاہد ہیں کہ انسان کو اپنے خالق و مالک کے ساتھ ایک خاص قسم کا اتصال حاصل ہے گو ہم اس کی حقیقت اور کیفیت کا ادراک نہ کر سکیں، مولانا رومی نے اسی کو فرمایا ہے

اتصالے بے مثال دے قیاس ہست رب الناس را با جانِ ناس

یہ قرب و اتصال آنکھ سے نہیں دیکھا جاسکتا بلکہ فراستِ ایمانی سے معلوم کیا جاسکتا ہے، تفسیر منہری میں اسی قرب و اتصال کو اس آیت کا مفہوم قرار دیا ہے، اور جمہور مفسرین کا قول پہلے معلوم ہو چکا ہے کہ اتصال سے مراد اتصالِ علی اور احاطہ علی ہے، اور ابن کثیر نے ان دونوں معنی سے الگ ایک تیسری تفسیر یہ اختیار کی ہے کہ آیت میں لفظ **نَحْنُ** سے خود حق تعالیٰ کی ذات مراد نہیں، بلکہ اس کے فرشتے مراد ہیں، جو انسان کے ساتھ ہر وقت رہتے ہیں، وہ انسان کی جان سے اتنے باخبر ہوتے ہیں کہ خود انسان بھی اپنی جان سے اتنا باخبر نہیں ہوتا، واللہ اعلم،

ہر انسان کے **إِذْ يَتَلَقَّى الْمُتَلَقِّيْنَ**، تلقی کے لغوی معنی اخذ کرنے، لے لینے اور حاصل کر لینے کے آتے ہیں، **فَتَلَقَّى آدَمُ مِنْ رَبِّهِ كَلِمَاتٍ** ”یعنی لے لئے اور حاصل کر لئے آدمؑ نے اپنے ربؑ کے چند کلمات“ اس آیت میں **مُتَلَقِّيَانِ** سے مراد وہ دو فرشتے ہیں جو ہر انسان کے ساتھ اس کے اعمال بکھنے کے لئے ہر وقت اس کے ساتھ رہتے ہیں، اور اس کے اعمال کو اپنے صحیفوں میں لکھتے رہتے ہیں، **عَنِ الْيَمِينِ وَعَنِ الشِّمَالِ قَعِيْنٍ** ”یعنی ان میں ایک اس کے داہنی طرف رہتا ہے (جو اس کے اعمالِ صالحہ کو لکھتا ہے)

دوسرا اس کے بائیں جانب (جو اس کی سیئات کو لکھتا ہے) **قَعِيْدٌ** بمعنی القاعد ہے مفرد و جمع دونوں کے لئے لفظ قعید استعمال ہوتا ہے، اگرچہ قعید بمعنی قاعد ہے، جیسے مجلس بمعنی جالس، مگر ایک فرق یہ ہے کہ قاعد اور جالس تو صرف بیٹھنے کی حالت میں بولا جاتا ہے، اور قعید و مجلس عام ہے جو کسی کے ساتھ ہو خواہ بیٹھے ہوئے یا کھڑے ہوئے یا چلتے پھرتے ہوئے ان کو قعید و مجلس کہیں گے، ان دونوں فرشتوں کا یہی حال ہے کہ وہ ہر وقت ہر حال میں انسان کے ساتھ رہتے ہیں، وہ بیٹھا ہو یا کھڑا، چلتا پھرتا ہو یا سو رہا ہو، صرف ایسی حالت میں جب کہ یہ پیشاب، پاخانہ یا جماع کی ضرورت سے ستر کھولے ہوتا ہے تو یہ فرشتے ہٹ جاتے ہیں، مگر

اللہ نے ان کو اس کا ملکہ دیدیا ہے کہ اس حالت میں بھی وہ کوئی گناہ کریں تو ان کو معلوم ہو جاتا ہے، ابن کثیر نے اخف بن قیس کی روایت سے لکھا ہے کہ ان دو فرشتوں میں سے صاحب یمن نیک اعمال لکھتا ہے اور وہ صاحب شمال یعنی بائیں جانب کے فرشتے کا بھی نگران و امین ہے، اگر انسان کوئی گناہ کرتا ہے تو صاحب یمن صاحب شمال سے کہتا ہے کہ ابھی اس کو اپنے صحیفہ میں نہ لکھو اس کو جہلت دو اگر توبہ کر لی تو رہنے دو ورنہ پھر اعمال نامہ میں درج کر دو (رواہ ابن ابی حاتم)

اعمال نامہ لکھنے والے فرشتے | حضرت حسن بصریؒ نے آیت مذکورہ عن الیمین وعن الشمال فجید تلاوت فرما کر کہا۔

اے ابن آدم! تیرے لئے نامہ اعمال بچھا دیا گیا ہے، اور تجھ پر دو معزز فرشتے مقرر کر دیے گئے ہیں، ایک تیری داہنی جانب دوسرا بائیں جانب، داہنی جانب والا تیری حسنات کو لکھتا ہے اور بائیں جانب والا تیری سیئات اور گناہوں کو، اب اس حقیقت کو سامنے رکھ کر جو تیرا جی چاہے عمل کر اور کم کریا زیادہ، یہاں تک کہ جب تو مرے گا تو یہ صحیفہ یعنی نامہ اعمال لپیٹ دیا جائے گا، اور تیری گردن میں ڈال دیا جائے گا، جو تیرے ساتھ قبر میں جائے گا، اور رہے گا، یہاں تک کہ جب تو قیامت کے روز قبر سے اٹھے گا تو اس وقت حق تعالیٰ فرمائے گا رَدِّكَ عَنْ اِنْسَانٍ اَلَزَمْنَاهُ ظَمْرًا فِي عُنُقِهِ وَنُخْرِجُكَ لَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ كِتَابًا يَلْقَاهُ مَشْهُورًا اِقْرَأْ كِتَابَكَ كَفَىٰ بِنَفْسِكَ اَلْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيبًا یعنی ہم نے ہر انسان کا اعمال نامہ اس کی گردن میں لگا دیا ہے اور قیامت کے روز وہ اس کو کھلا ہوا پائے گا، اب اپنا اعمال نامہ خود پڑھ لے تو خود ہی اپنا حساب لگانے کے لئے کافی ہے۔

پھر حضرت حسن بصریؒ نے فرمایا کہ خدا کی قسم! اس ذات نے بڑا عدل و انصاف کیا، جس نے خود تجھ کو ہی تیرے اعمال کا محاسب بنادیا، (ابن کثیر) یہ ظاہر ہے کہ اعمال نامہ کوئی دنیوی کاغذ تو ہے نہیں، جس کے قبر میں ساتھ جانے اور قیامت تک باقی رہنے پر اشکال ہو ایک معنوی چیز ہے جس کی حقیقت حق تعالیٰ ہی جانتے ہیں، اس لئے اس کا ہر انسان کے گلے کا ہار بننا اور قیامت تک باقی رہنا کوئی تعجب کی چیز نہیں، انسان کا ہر قول ریکارڈ کیا جاتا ہے | مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اَلَا لَدَيْهِ رَقِيبٌ عَتِيدٌ یعنی انسان کوئی کلمہ زبان سے نہیں نکالتا جس کو یہ نگران فرشتہ محفوظ نہ کر لیتا ہو، حضرت حسن بصریؒ اور قتادہؒ نے فرمایا کہ یہ فرشتے اس کا ایک ایک لفظ لکھتے ہیں، خواہ اس میں کوئی گناہ یا ثواب ہو یا نہ ہو، حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ صرف وہ کلمات لکھے جاتے ہیں جن پر کوئی ثواب یا عتاب ہو، ابن کثیرؒ نے یہ دونوں قول نقل کرنے کے بعد فرمایا کہ آیت قرآن کے عموم سے پہلی ہی بات کی ترجیح معلوم ہوتی ہے، کہ ہر لفظ لکھا جاتا ہے، پھر علی بن ابی طلحہؓ کی ایک روایت ابن عباسؓ سے ایسی نقل فرمائی جس میں یہ دونوں قول جمع ہو جائیں

اس روایت میں یہ ہے کہ پہلے تو ہر کلمہ لکھا جاتا ہے، خواہ گناہ و ثواب اس میں ہو یا نہ ہو، مگر ہفتہ میں جمعرات کے روز اس پر فرشتے نظر ثانی کر کے صرف وہ رکھ لیتے ہیں جن میں ثواب یا عتاب ہو یعنی خیر یا شر ہو، باقی کو نظر انداز کر دیتے ہیں، قرآن کریم میں **يَمْحُو اللَّهُ مَا يَشَاءُ وَيُثَبِّتُ وَعِنْدَهُ أُمُّ الْكِتَابِ** کے مفہوم میں یہ محو و اثبات بھی داخل ہے۔

امام احمد نے حضرت بلال بن حارث مزینیؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ :-

”السان بعض اوقات کوئی کلمہ خیر بولتا ہے جس سے اللہ تعالیٰ راضی ہوتا ہے، مگر یہ اس کو معمولی بات سمجھ کر بولتا ہے، اس کو پتہ بھی نہیں ہوتا کہ اس کا ثواب کہاں تک پہنچا، کہ اللہ تعالیٰ اس کے لئے اپنی رضا کے دائمی قیامت تک کی لکھ دیتے ہیں، اسی طرح انسان کوئی کلمہ اللہ کی ناراضی کا (معمولی سمجھ کر) زبان سے نکال دیتا ہے اس کو گمان نہیں ہوتا کہ اس کا گناہ و وبال کہاں تک پہنچے گا، اللہ تعالیٰ اس کی وجہ سے اس شخص سے اپنی دائمی ناراضی قیامت تک کے لئے لکھ دیتے ہیں (ابن کثیر)

حضرت علقمہؓ حضرت بلال بن حارث کی یہ حدیث نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ اس حدیث نے مجھے بہت سی باتیں زبان سے نکالنے کو روک دیا ہے (ابن کثیر)

سکرات الموت | **اَوْجَاءُ مَسْكُورَةٍ يَأْتِيْكَ ذٰلِكَ مَا كُنْتَ مِنْهُ تَحِيْنًا**، **سكرة الموت** کے معنی موت کی شدت اور غشی جو موت کے وقت پیش آتی ہے، ابو بکر بن الانباریؒ نے اپنی سند کے ساتھ حضرت مسروق سے روایت کی ہے کہ جب حضرت صدیق اکبرؓ پر موت کے آثار شروع ہوئے تو صدیقہ عائشہؓ کو بلایا، وہ پہنچیں تو یہ حالت دیکھ کر بے ساختہ ایک شعر زبان سے نکلا کہ

اِذَا حَشَرْتُ جَبَّتْ يَوْمًا وَصَافَ يَهْمَا الصَّدْرُ

”یعنی جب روح ایک دن مضطرب ہوگی اور سینہ اسے تنگ ہو جائیگا“

حضرت صدیق اکبرؓ نے سنا تو فرمایا کہ تم نے فضول یہ شعر پڑھا، یوں کیوں نہ کہا **اَوْجَاءُ مَسْكُورَةٍ يَأْتِيكَ ذٰلِكَ مَا كُنْتَ مِنْهُ تَحِيْنًا**، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب یہ حالت پیش آئی تو آپ... پانی میں ہاتھ ڈال کر چہرہ مبارک پر ملے اور فرماتے تھے **لَا اِلَهَ اِلَّا اللهُ اِنَّ يَلْمُوتُ مَسْكِرَات**، یعنی کلمہ طیبہ پڑھتے ہوئے فرمایا کہ موت کی بڑی شدتیں ہوتی ہیں۔

يَأْتِيكَ، اس میں حرف بار تعدیہ کے لئے ہے، معنی یہ ہیں کہ لے آئی شدت موت ادرحق کو یعنی موت کی شدت نے وہ چیزیں سامنے کر دیں جو حق و ثابت ہیں، اور کسی کو ان سے فرار کی گنجائش نہیں (منہری)، **ذٰلِكَ مَا كُنْتَ مِنْهُ تَحِيْنًا**، تحید، حید سے مشتق ہے، جس کے معنی مائل ہونے، جگہ سے ہٹ جانے

اور اقرار کرنے کے ہیں، معنی آیت کے یہ ہیں کہ موت وہ چیز ہے جس سے تو بدگنا اور بھاگتا تھا، ظاہر یہ ہے کہ یہ خطاب عام انسان کو ہے، موت سے بدگنا اور بھاگنا طبعی طور پر پوری نوع انسانی میں پایا جاتا ہے، ہر شخص زندگی کو مرغوب اور موت کو آفت و مصیبت سمجھ کر اس سے بچنے کی تدبیریں کرتا ہے، جو شرعاً کوئی گناہ بھی نہیں، لیکن آیت میں بتلانا یہ منظور ہے کہ انسان کی طبعی اور فطری خواہش مکمل طور پر ہرگز پوری نہیں ہو سکتی، ایک ایک دن تو ہر حال موت آنا ہی ہے، خواہ تم اس سے کتنا ہی بھاگنا چاہو، انسان کو میدانِ حشر میں **وَجَاءَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّعَهَا سَائِقٌ وَشَهِيدٌ**، اس آیت سے ادھر قیامت قائم ہونے لانے والے دو فرشتے کا ذکر ہے، اس آیت میں میدانِ حشر میں تمام انسانوں کے حاضر ہونے کی ایک خاص کیفیت بیان کی گئی ہے کہ ہر انسان کے ساتھ ایک سائق ہوگا، سائق کہتے ہیں اس شخص کو جو جانور کے یا کسی جماعت کے پیچھے رہ کر اس کو کسی خاص جگہ پر پہنچانا چاہتا ہے، اور شہید کے معنی گواہ کے ہیں، سائق کا فرشتہ ہونا تو باتفاق روایات سے ثابت ہے، شہید کے بارے میں علماء تفسیر کے اقوال مختلف ہیں، بعض کے نزدیک وہ بھی ایک فرشتہ ہی ہوگا، اس طرح سائق اور شہید دو فرشتے ہوں گے، ایک کا کام اس کو میدانِ حشر میں پہنچانا ہے، دوسرے کا کام یہ ہے کہ جب اس کے اعمال پیش ہوں تو وہ اس پر گواہی دیں یہ دو فرشتے وہ بھی ہو سکتے ہیں جو انسان کے دلہنے اور باتیں اعمال کی کتابت کے لئے ہر وقت دنیا میں ساتھ رہتے ہیں، یعنی کرام کا نہیں، اور یہ بھی ممکن ہے کہ ان کے علاوہ اور دو ہوں۔

اور شہید کے متعلق بعض حضرات نے فرمایا کہ وہ انسان کا عمل ہوگا، اور بعض نے خود اسی انسان کو شہید فرمایا، ابن کثیرؒ فرماتے ہیں کہ ظاہر آیت سے یہی ہے کہ وہ بھی ایک فرشتہ ہی ہوگا جو اس کے اعمال پر شہادت دے گا، حضرت عثمان غنیؓ نے خطبہ میں یہ آیت تلاوت فرما کر یہی تفسیر فرمائی ہے، اور حضرت مجاہد، قتادہ، ابن زید مفسرین سے بھی یہی منقول ہے، ابن جریر نے اسی کو ترجیح دی ہے۔

مرنے کے بعد آنکھیں وہ سب کچھ **فَلَنَسْتَفْتَا عَنْكَ غِطَاءًا فَمَا تَبَصَّرُ لَهُ** (یعنی ہم نے تمہاری آنکھوں سے پردہ ہٹا دیا آج تمہاری نگاہ بڑی تیز ہے) اس کا مخاطب کون ہے، اس میں بھی مفسرین کے اقوال مختلف ہیں، مگر راجح یہی ہے کہ عام انسان مخاطب ہیں، جن میں مومن، کافر، متقی، فاسق، سب داخل ہیں، اسی تفسیر کو ابن جریرؒ ابن کثیرؒ وغیرہ نے اختیار فرمایا ہے، اور معنی آیت کے یہ ہیں کہ دنیا کی مثال خواب کی سی زندگی کی ہے، اور آخرت کی مثال بیداری کی، جیسے خواب میں آدمی کی آنکھیں بند ہوتی ہیں کچھ نہیں دیکھتا، اسی طرح انسان ان حقائق کو جن کا تعلق عالم آخرت سے ہے دنیا میں آنکھوں سے نہیں دیکھتا، مگر یہ ظاہری آنکھیں بند ہوتے ہی وہ خواب کا عالم ختم ہو کر بیداری کا عالم آتا ہے، جس میں وہ سارے حقائق سامنے آجاتے ہیں اسی لئے بعض علماء نے فرمایا **الْأَنسَامُ نِيَامٌ فَإِذَا أُمَاتُوا لَمْ يَرْوُا** (یعنی آج کی دنیا کی زندگی میں سب انسان سو رہے ہیں جب مریں گے اُس وقت جاگیں گے)۔

قَالَ قَرِينُهُ هَذَا مَا لَدَىٰ عَيْنَيْكَ، یہاں قرین سے مراد وہ فرشتہ ہے جو انسان کے ساتھ اس کے اعمال لکھنے کے لئے رہتا تھا، اور پہلے معلوم ہو چکا ہے کہ کاتب اعمال دو فرشتے ہوتے ہیں، مگر قیامت میں انسان کی حاضری کے وقت ایک کو سائق دوسرے کو شہید اس سے پہلی آیت میں فرمایا ہے، اس لئے نسق کلام سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ کاتب اعمال دو فرشتوں کو میدانِ حشر میں اس کی حاضری کے وقت دو کام سپرد کر دیں گے، ایک کے ذمہ اس کے چھپے رہ کر اس کو میدانِ حشر میں پہنچانا لگایا گیا، جس کو آیت میں سائق کا نام دیا گیا، دوسرے کے سپرد اس کے نامہ اعمال کر دیتے گئے، جس کو شہید کے نام سے تعبیر کیا گیا، تو میدانِ حشر میں پہنچنے کے بعد نامہ اعمال والا فرشتہ یعنی شہید یہ عرض کرے گا هَذَا مَا لَدَىٰ عَيْنَيْكَ یعنی اس کے اعمال میرے پاس لکھے ہوئے موجود ہیں، اور ابن جریر نے اپنی تفسیر میں فرمایا کہ یہاں لفظ "قرین" سائق اور شہید دونوں کو شامل ہے،

أَلَيْقَانِي جَهَنَّمَ كُلَّ كَفَّارٍ عَنِتُّنِي، لفظ اَلَيْقَانِ تشبیہ کا صیغہ ہے جو دو شخصوں کے لئے بولا جاتا ہے، اس آیت میں جن دو فرشتوں کو خطاب ہے وہ کون ہیں، ظاہر یہ ہے کہ یہی دو فرشتے جن کو پہلے سائق اور شہید کہا گیا ہے اس کے مخاطب ہیں، بعض حضرات مفسرین نے دوسری توجہات بھی لکھی ہیں، (از ابن کثیر)

قَالَ قَرِينُهُ رَبَّنَا مَا أَفْغَيْنَتْهُ، لفظ قرین کے اصلی معنی پاس رہنے والے اور ملے ہوئے کے ہیں، اس معنی کے اعتبار سے پچھلی آیت میں قرین سے مراد وہ فرشتہ یا فرشتے لے گئے ہیں جو انسان کے اعمال لکھتے ہیں اور انسان کے ساتھ جیسے دو فرشتے قرین بنائے گئے ہیں اسی طرح ایک شیطان بھی ہر انسان کا قسریں رہتا ہے، جو اس کو گمراہی اور گناہوں کی طرف بلاتا ہے، اس آیت میں قرین سے یہی شیطان مراد ہے، جب اس شخص کو جہنم میں ڈالنے کا حکم ہو جائے گا تو یہ شیطان اس سے اپنی برارت کا اظہار کرے گا کہ اس کو میں نے گمراہ نہیں کیا، بلکہ یہ خود ہی گمراہ تھا کہ گمراہی کی بات کو قبول کرتا اور نیک بات پر کان نہ دھرتا تھا ظاہر کلام سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جہنم میں جانے والا اُس وقت یہ عذر کرے گا کہ مجھے تو اس شیطان نے بہکا یا تھا، ورنہ میں نیک کام کرتا، اس کے جواب میں شیطان اپنی برارت ظاہر کرے گا، ان دونوں کے جھگڑے کے جواب میں حق تعالیٰ کا ارشاد ہوگا،

لَا تَحْتَصِمُوا لَدُنِّي وَقَدْ قَدَّمْتُ إِلَيْكُمْ بِالْوَعْدِ، یعنی میرے سامنے جھگڑا نہ کرو، میں تو پہلے ہی انبیاء علیہم السلام کے ذریعہ تمہارے فضول عذر کا جواب دے چکا ہوں اور آسمانی کتابوں کے ذریعہ دلائل واضح کر چکا ہوں، یہ فضول عذر تراشی اور جھگڑا آج نہ چلے گا،

مَا يَبْدُلُ الْقَوْلُ لَدُنِّي وَمَا أَنَا بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيدِ، میرے پاس قول بدلا نہیں کرتا جو فیصلہ کر دیا ہے وہ نافذ ہوگا، اور ہم نے کوئی کسی پر ظلم نہیں کیا، عین انصاف کا فیصلہ ہے،

يَوْمَ نَقُولُ لِجَهَنَّمَ هَلِ امْتَلَأَتْ وَتَقُولُ هَلْ مِنْ مَزِيدٍ ۝۳۰ وَازْلَفَتْ

جس دن ہم کہیں دوزخ کو تو بھر بھی چکی اور وہ بولے کچھ اور بھی ہے اور نزدیک لائی جائے

الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِينَ غَيْرَ بَعِيدٍ ۝۳۱ هَذَا مَا تُوْعَدُونَ لِكُلِّ أَوَّابٍ حَفِيفٍ ۝۳۲

بہشت ڈریموالوں کے واسطے دور نہیں، یہ ہے جس کا وعدہ ہوا تھا تم سے ہر ایک رجوع کرنے والے کو واسطے

مَنْ خَشِيَ الرَّحْمَنَ بِالْغَيْبِ وَجَاءَ بِقَلْبٍ مُنِيبٍ ۝۳۲ ادْخُلُوهَا بِسَلَامٍ

جو ڈرا رحمن سے بن دیکھے اور لایا دل رجوع ہونے والا، چلے جاؤ اس میں سلامت

ذَٰلِكَ يَوْمُ الْخُلُودِ ۝۳۳ لَهُمْ مَا يَشَاءُونَ فِيهَا وَلَدَيْنَا مَزِيدٌ ۝۳۵

یہ دن ہر ہمیشہ رہنے کا، ان کے واسطے ہر وہاں جو چاہیں اور ہمارے پاس ہے کچھ زیادہ بھی،

خُلاصۂ تفسیر

دیہاں سے محشر کے بقیہ واقعات کا بیان ہے کہ وہ دن لوگوں کو یاد دلایے جس دن کہ ہم دوزخ سے کفار کو اس میں داخل کرنے کے بعد کہیں گے کہ تو بھر بھی گئی اور وہ کہے گی کہ کچھ اور بھی ہے (یہ پوچھنا شاید کفار کو اور زیادہ ڈرنے کے لئے ہو کہ جواب سن کر ان کے دل میں دوزخ کی اور بھی زیادہ ہول پیدا ہو جاوے کہ ہم کیسے غضب کے ٹھکانے پر پہنچے ہیں جو سب کو کھا جاتا چاہتا ہے، اور جہنم کی طرف سے ہل من مزیں کا جواب بھی غالباً اسی غیظ و غضب کا مظاہرہ ہے جو جہنم کو خدا کے دشمن کفار کے ساتھ ہے جس کا ذکر سورہ ملک میں ان الفاظ سے آیا ہے وَحِیْ تَقْوَمُ سَکَادًا تَمَیِّزُ مِیْنَ الْعَظِیْظِ، جہنم نے جواب میں یہ نہیں کہا کہ میرا پیٹ نہیں بھرا بلکہ مزید کی فرمائش بوجہ غیظ و غضب کے کی، اس لئے قرآن میں دوسری جگہ جو حق تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے لَا مُلْكَ جَهَنَّمَ مِنَ الْجَنَّةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ (یعنی میں بھر دوں جہنم کو جنت اور انسانوں سے) یہ اس کے منافی نہیں، اور معنی آیت کے یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے وعدہ سابقہ لَا مُلْكَ جَهَنَّمَ مِنَ الْجَنَّةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ میں ڈالتے جاویں گے اور وہ یہی کہتا رہے گا کہ کچھ اور بھی ہو (ابن کثیر) اور (جنت کا بیان یہ ہے کہ وہ) جنت متقیوں کے قریب کر دی جاوے گی کہ کچھ دور نہ رہے گی (اور متقیوں سے کہا جاوے گا کہ) یہ وہ چیز ہے جس کا تم سے (بایں عنوان) وعدہ کیا جاتا تھا کہ وہ ہر ایسے شخص کے لئے ہے جو (خدا کی طرف دل سے) رجوع ہونے والا اور رجوع ہو کر اعمال و طاعات کی پابندی کرے والا ہو (غرض یہ کہ) جو خدا سے بے دیکھے ڈرتا ہو گا اور اللہ کے پاس رجوع ہونے والا دل لے کر آوے گا (ان کو حکم ہو گا کہ) اس جنت میں سلامتی کے ساتھ داخل ہو جاوے دن ہے ہمیشہ رہنے کے لئے حکم ہونے کا ان کو بہشت

میں سب کچھ ملے گا جو چاہیں گے اور ہمارے پاس (ان کی چاہی ہوئی چیزوں سے) اور بھی زیادہ (نعمت) ہو کہ وہاں تک جنتی کا ذہن بھی نہ پہنچے گا جیسا کہ حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت کی نعمتوں کے متعلق فرمایا کہ وہ ایسی ہیں جن کو نہ کسی آنکھ نے دیکھا نہ کسی کان نے سنا، اور نہ کسی بشر کے دل میں اس کا خیال آیا، ان نعمتوں میں سے ایک نعمت حق تعالیٰ کا دیدار ہے۔

معارف مسائل

ادب کون لوگ ہیں؟ | بِكُلِّ آدَابٍ حَفِيفٍ یعنی جنت کا وعدہ ہر اس شخص کے لئے ہے جو آداب اور حفیظ ہو، آداب کے معنی رجوع ہونے والے کے ہیں، مراد وہ شخص ہے جو معاصی سے اللہ کی طرف رجوع کرنے والا ہو،

حضرت عبداللہ بن مسعود اور شعبی اور مجاہدؒ نے فرمایا کہ آداب وہ شخص ہے جو خلوت میں اپنے گناہوں کو یاد کرے اور ان سے استغفار کرے، اور حضرت عبید بن عریضؒ نے فرمایا کہ آداب وہ شخص ہے جو اپنی ہر مجلس اور ہر نشست میں اللہ سے اپنے گناہوں کی مغفرت مانگے، اور فرمایا کہ ہمیں یہ بتلایا گیا ہے کہ آداب اور حفیظ وہ شخص ہے جو اپنی ہر مجلس سے اٹھنے کے وقت یہ دعا پڑھے، سُبْحَانَ اللَّهِ وَبِحَمْدِهِ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْتَغْفِرُكَ وَتَمَّ اَصْبَحْتُ فِیْ مَجْلِسِیْ هَذَا پاك ہو اللہ اور اس کی حمد ہے، یا اللہ میں مغفرت مانگتا ہوں اُس بُرائی سے جو میں نے اس مجلس میں کی ہو۔

اور حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص اپنی مجلس سے اٹھنے کے وقت یہ دعا پڑھے اللہ تعالیٰ اس کے وہ سب گناہ معاف فرمادیں گے جو اس مجلس میں سرزد ہوئے، دعا یہ ہے: سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ وَبِحَمْدِكَ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ أَسْتَغْفِرُكَ وَأَتُوبُ إِلَيْكَ (یعنی یا اللہ تو پاک ہے اور تیری حمد و ثناء ہے تیرے سوا کوئی معبود نہیں، میں تجھ سے مغفرت مانگتا ہوں اور توبہ کرتا ہوں) اور حفیظ کے معنی حضرت ابن عباسؓ نے یہ بتلائے کہ جو شخص اپنے گناہوں کو یاد رکھے تاکہ ان سے رجوع کر کے تلافی کرے، اور ان سے ایک روایت میں حفیظ کے معنی ہُوَ الْخَافِظُ لِأَمْرِ اللَّهِ کے بھی منقول ہیں، یعنی جو شخص اللہ تعالیٰ کے احکام کو یاد رکھے، اور حضرت ابو ہریرہؓ کی ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص شروع دن میں چار رکعتیں (اشراق کی) پڑھے وہ آداب اور حفیظ ہے (مشرقی)۔

وَجَاءَ بِقَلْبٍ مُّنِيبٍ، ابو بکر و راقؓ فرماتے ہیں کہ منیب کی علامت یہ ہے کہ وہ حق تعالیٰ جل شانہ کے ادب کو ہر وقت مستحضر رکھے، اور اس کے سامنے تواضع اور عاجزی سے رہے، اور اپنے نفس کی خواہشات کو چھوڑ دے۔

لَعَلَّكُمْ مَا يَشَاءُونَ فِيهَا، یعنی اہل جنت کو جنت میں ہر وہ چیز ملے گی جس کی وہ خواہش کریں گے، یعنی اہل جنت جس چیز کی خواہش کریں گے وہ فوراً حاضر تیار ملے گی، دیر و انتظار کی زحمت نہ ہوگی، مندا احمد میں حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جنت میں اگر کسی شخص کو اولاد کی خواہش ہوگی تو حل اور وضع حل، پھر بچے کا بڑھنا یہ سب ایک ساعت میں ہو جائے گا (ابن کثیر) وَ لَدُنَّا مَزِيدٌ، یعنی ہمارے پاس ایسی نعمتیں بھی ہیں جن کی طرف انسان کا وہم و خیال بھی نہیں جاسکتا اس لئے وہ اُن کی خواہش بھی نہیں کر سکتا، حضرت انسؓ اور جابرؓ نے فرمایا کہ یہ مزید نعمت حق تعالیٰ کی زیارت بلا کیف ہے جو اہل جنت کو حاصل ہوگی، اس مضمون کی احادیث خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی آیت لَذِينَ أَحْسَنُوا الْحُسْنَىٰ وَ زِيَادَةٌ کی تفسیر میں روایت کی گئی ہیں، اور بعض روایات میں یہ کہ اہل جنت کو زیارت حق سبحانہ و تعالیٰ جمعہ کے روز ہوا کرے گی۔ (قرطبی)

وَ كَمَا أَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ هُمْ أَشَدُّ مِنْهُمْ بَطْشًا فَنَقَّبُوا فِي الْبِلَادِ ط

اور کتنی تباہ کر چکے ہم ان سے پہلے جماعتیں کہ اُن کی قوت زبردست تھی اُنکے پھر گئے گریڈ نے شہروں میں،

هَلْ مِنْ مَّحِيصٍ ۝۳۶ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَذِكْرٍ لِّمَن كَانَ لَهٗ قَلْبٌ اَوْ اَلْقَىٰ

کہیں ہو بھاگ جانے کو ٹھکانا، اس میں سوچنے کی جگہ ہے اس کو جس کے اندر دل ہے یا لگا ہے

السَّمْعَ وَ هُوَ شَهِيدٌ ۝۳۷ وَ لَقَدْ خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَ مَا بَيْنَهُمَا

کان دل لگا کر، اور ہم نے بنائے آسمان اور زمین اور جو کچھ اُن کے بیچ میں ہے

فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ۖ وَ مَا مِّنَّا مِّنْ غُوبٍ ۝۳۸ فَاَصْبِرْ عَلٰی مَا يَقُولُوْنَ وَ

چھ دن میں، اور ہم کو نہ ہوا کچھ تنکان، سو تو بہتارہ جو کچھ وہ کہتے ہیں اور

سَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ قَبْلَ الْغُرُوْبِ ۝۳۹ وَ مِّنْ

پاک بولتا رہ خوبیاں اپنے رب کی پہلے سورج کے نکلنے سے اور پہلے ڈوبنے سے، اور کچھ

الْاَيْلِ فَسَبِّحْهُ وَ اَدْبَارَ السُّجُوْدِ ۝۴۰

رات میں بول اس کی پاک اور پیچھے سجدہ کے،

خلاصہ تفسیر

اور ہم ان (اہل مکہ) سے پہلے بہت سی امتوں کو (ان کے کفر کی شامت سے) ہلاک کر چکے ہیں،

جو قوت میں ان سے کہیں زیادہ تھے اور دنیا کا سامان بڑھانے کے لئے تمام شہروں کو چھانتے پھرتے تھے (یعنی قوت کے ساتھ اسباب معیشت میں بھی بڑی ترقی کی تھی، لیکن جب ہمارا عذاب نازل ہوا تو ان کو کہیں بھاگنے کی جگہ بھی نہ ملی (یعنی کسی طرح بچ نہ سکے) اس (واقعہ اہلاک) میں اس شخص کیلئے بڑی عبرت ہے، جس کے پاس (فہیم) دل ہو یا (اگر فہیم نہ ہو تو کم از کم یہی ہو کہ) وہ (دل سے) متوجہ ہو کر (بات کی طرف) کان ہی لگا دیتا ہو اور سننے کے بعد اجمالاً حقانیت کا معتقد ہو کر اس بات کو قبول کر لیتا ہو) اور اگر قیامت کا انکار اس بنا پر ہے کہ تم اللہ کی قدرت کو اس سے قاصر سمجھتے ہو تو وہ اس لئے باطل ہے کہ ہماری قدرت ایسی ہے کہ ہم نے آسمانوں کو اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان میں ہے اس سب کو چھ دن کی مقدار کے موافق زمانہ میں پیدا کیا اور ہم کو مکان نے چھوٹا تک نہیں (پھر آدمی کا دوبارہ پیدا کرنا کیا مشکل ہے، و مذا کہ قولہ تعالیٰ فی الاحقاف اَدَلَمْ یَؤْتِ اِنَّ اللہَ الَّذِیْ یَخْلُقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَ لَمَّ یَعْنِ یَخْلُقْہِمْنَ یَقْدِرْ عَلٰی اَنْ یُّحْیِیَ الْمَوْتٰی، اور بادیہ جو ان قاطع شہادت جوابوں کے یہ لوگ پھر انکار ہی پر اڑے ہیں، سو ان کی باتوں پر صبر کیجئے (یعنی رنج نہ کیجئے) اور چونکہ بدوین اس کے کہ کسی طرف دل کو مشغول کیا جاوے وہ غم کی بات دل سے نہیں نکلتی، اور بار بار یاد آ کر دل کو محزون کرتی ہے، اس لئے ارشاد فرماتے ہیں کہ) اپنے رب کی تسبیح و تحمید کرتے رہئے (اس میں نماز بھی داخل ہے) آفتاب نکلنے سے پہلے (مثلاً صبح کی نماز) اور (اس کے) چھپنے سے پہلے (مثلاً ظہر و عصر) اور رات میں بھی اس کی تسبیح (و تحمید) کیا کیجئے (اس میں مغرب اور عشاء آگئیں) اور (فرض) نمازوں کے بعد بھی (اس میں) نوافل و اواراد آگئے، حاصل یہ ہوا کہ ذکر اللہ میں اور اس کی فکر میں لگے رہئے تاکہ ان کے اقوال کفریہ کی طرف دھیان ہی نہ ہو)۔

معارف و مسائل

نَقَّبُوا اِنِّی الْبَلَادِ مَهْلٍ مِنْ مَّجِیصٍ، نَقَّبُوا، تنقیب سے مشتق ہے، اس کے اصلی معنی سوراخ کرنے اور پھاڑنے کے ہیں، محاورات میں زمین میں دور دراز ملکوں تک پھرنے چلنے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے (ذکرہ فی القاموس)

اور مجیص کے معنی جائے پناہ کے ہیں، معنی آیت کے یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے تم سے پہلے کتنی قوموں اور جماعتوں کو ہلاک کر دیا ہے جو قوت و طاقت میں تم سے کہیں زیادہ تھیں، اور جو مختلف ملکوں اور خطوں میں تجارت وغیرہ کے لئے پھرتی رہیں، مگر دیکھو کہ انجام کار ان کو موت آئی اور ہلاک ہوئیں، کوئی خطہ زمین یا مکان ان کو موت سے پناہ نہ دے سکا،

حصول علم کے دو طریقے [لَمَنْ كَانَ لَہٗ قَلْبٌ، حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ یہاں قلب مراد عقل ہے

چونکہ عقل کا مرکز قلب ہی ہے اس لئے اس کو قلب سے تعبیر کر دیا گیا، بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہاں قلب کے مراد حیات ہے، وہ بھی اسی لئے کہ حیات کا مدار قلب ہے، معنی آیت کے یہ ہوتے کہ اس سورۃ قرآن میں جو کچھ بیان کیا گیا ہے اس سے نصیحت و عبرت کا فائدہ اسی شخص کو پہنچ سکتا ہے جس میں عقل ہو یا زندگی ہو بے عقل یا مرگ کو کیا فائدہ پہنچے گا،

اَوْ اَلْقَى السَّمْعَ وَهُوَ شَهِيدٌ ، القاء سمع کے معنی کسی بات کی طرف کان لگانے کے آتے ہیں، شہید بمعنی حاضر، معنی یہ ہیں کہ آیات مذکورہ کا فائدہ دو شخصوں کو پہنچتا ہے، ایک وہ جو خود عقل رکھتا ہے، اپنی عقل سے ان سب مضامین کی تصدیق کرتا ہے، یا پھر وہ آدمی جو آیات آئینہ کو کان لگا کر سنے اور اس طرح سنے کہ وہ خود حاضر بھی ہو یعنی ایسا نہ ہو کہ کان تو سن رہے ہیں دل حاضر نہیں ہے، تفسیر منظر میں فرمایا کہ پہلی قسم کا طین امت کی ہے اور دوسری ان کے متبعین اور مریدین مخلصین کی جو ان کے اعتقاد سے دین کی باتیں مان لیتے ہیں، وَ سَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ الْغُرُوبِ ، سُبْحٌ، تسبیح سے مشتق ہے، اس کے حقیقی معنی اللہ کی تسبیح کرنا یعنی پاکی بیان کرنا ہے، وہ زبانی تسبیح کو بھی شامل ہے اور عبادتِ ناز کو بھی، اسی لئے بعض حضرات نے فرمایا کہ تسبیح قبل طلوع الشمس سے مراد نماز فجر ہے، اور تسبیح قبل الغروب سے مراد نماز عصر ہے، حضرت جریر بن عبد اللہ رحمہ اللہ روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (ایک طویل حدیث کے ضمن میں) فرمایا:

”کو شستن کر دو کہ تم سے طلوع آفتاب اور۔۔۔
غروب آفتاب سے پہلے کی نمازیں چھوٹو نہ پائیں
..... یعنی نماز فجر اور عصر اور اس
پر استدلال کرنے کے لئے آیت مذکورہ تلاو
فرمائی“ (قرطبی)

اِنْ اَسْتَطَعْتُمْ اَنْ لَا تَغْلِبُوا عَلٰی صَلَوةٍ
قَبْلَ طُلُوعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوبِهَا،
يَعْنِي الْعَصْرَ وَالْفَجْرَ ثُمَّ قَرَأَ جَرِيدٌ
وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوعِ الشَّمْسِ
وَقَبْلَ الْغُرُوبِ (بخاری و مسلم واللفظ مسلم)

اور آیت کے مفہوم میں وہ عام تسبیحات بھی داخل ہیں جن کے صبح شام پڑھنے کی ترغیب احادیث صحیحہ میں وارد ہوئی ہے، صحیح بخاری و مسلم میں حضرت ابو ہریرہؓ کی حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص صبح کے وقت اور شام کے وقت تئو تئو مرتبہ سبحان اللہ پڑھا کرے قیامت کے روز کوئی آدمی اس سے بہتر عمل لے کر نہیں آئے گا، بجز اس کے کہ وہ بھی یہ تسبیح اتنی یا اس سے زیادہ پڑھتا ہو، اور صحیح بخاری و مسلم ہی کی ایک روایت حضرت ابو ہریرہؓ ہی سے یہ بھی ہے کہ جس شخص نے دن میں تئو مرتبہ سبحان اللہ و بجدہ پڑھا اس کے گناہ معاف کر دیئے جاویں گے، اگرچہ وہ سمندر کی موجوں سے بھی زیادہ ہوں (منظہری)

وَ اَذْبَاہُ السَّجُودِ ، حضرت مجاہدؒ نے اس کی تفسیر میں فرمایا کہ سجدہ سے مراد فرض نمازیں ہیں، اور

آدْبَانَ السُّجُودِ سے مراد وہ تسبیحات پڑھنا ہے جس کی فضیلت ہر نماز کے بعد حدیث مرفوعہ میں آئی ہے حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص ہر فرض نماز کے بعد ۳۳ مرتبہ سبحان اللہ، ۳۳ مرتبہ الحمد للہ، ۳۳ مرتبہ اللہ اکبر اور ایک مرتبہ لا الہ الا اللہ وعدہ لا شریک لہ لہ الملك وله الحمد ہو علی کل شیء قدیر پڑھ لیا کرے تو اس کی خطائیں معاف کر دی جائیں گی، اگرچہ وہ دریا کی موجوں کے برابر ہوں (رواہ البخاری و مسلم) اور ادبار السجود سے مراد وہ سنتیں بھی ہو سکتی ہیں جو فرض نمازوں کے بعد احادیث صحیحہ میں آئی ہیں (منظری)

وَأَسْمِعْ يَوْمَ يُنَادِ الْمُنَادِ مِنْ مَّكَانٍ قَرِيبٍ ۖ يَوْمَ يَسْمَعُونَ

اور کان رکھ جس دن پکارے پکارنے والا نزدیک کی جگہ سے، جس دن سنیں گے

الصَّيْحَةَ بِالْحَقِّ ۚ ذَٰلِكَ يَوْمُ الْخُرُوجِ ۖ إِنَّا نَحْنُ نُحْيِي وَنُمِيتُ ۚ وَ

جنگھاڑ محقق، وہ ہے دن نکل پڑنے کا، ہم ہیں جلاتے اور مارتے اور

إِلَيْنَا الْمَصِيرُ ۖ يَوْمَ تَشَقُّقُ الْأَرْضُ عَنْهُمْ سِرَاعًا ۚ ذَٰلِكَ حَشْرُهُ

ہم تک ہے سب کو پہنچنا، جس دن زمین پھٹ کر نکل پڑیں وہ سب دوڑتے ہوئے، یہ اکٹھا کرنا

عَلَيْنَا يَسِيرٌ ۖ نَحْنُ أَعْلَمُ بِمَا يَقُولُونَ ۚ وَمَا أَنْتَ عَلَيْهِمْ بِجَبَّارٍ ۚ

ہم کو آسان ہے، ہم خوب جانتے ہیں جو کچھ وہ کہتے ہیں اور تو نہیں ہے ان پر زور کرنے والا

فَذَكِّرْ بِالْقُرْآنِ ۚ إِنَّ مِنْ تَخَافٍ وَعِيدٍ ۖ

سو تو بھما قرآن سے اس کو جو ڈرے میرے ڈرنے سے

خلاصہ تفسیر

اور (اے مخاطب تو اس اگلی بات کو تو جہ سے) سن رکھ کہ جس دن ایک پکارنے والا (فرشتہ یعنی اسرافیل علیہ السلام بذریعہ نفخ صور مردوں کو قبروں سے نکلنے کے لئے) پاس ہی سے پکارے گا (پاس کا مطلب یہ ہے کہ وہ آواز سب کو بے تکلف پہنچے گی، گویا پاس سے ہی کوئی پکار رہا ہے، اور جیسے اکثر دروازوں کی آواز کسی کو پہنچتی ہے کسی کو نہیں پہنچتی ایسا نہ ہوگا) جس روز اس چہنچہ کو بالیقین سب سن لیں گے، یہ دن ہوگا (قبروں سے) نکلنے کا ہم ہی (اب بھی) جلاتے ہیں اور ہم ہی مارتے ہیں اور ہماری طرف

پھر لوٹ کر آنا ہے (اس میں بھی مُردوں کو دوبارہ زندہ کرنے پر قدرت کی طرف اشارہ ہے) جس روز زمین ان (مُردوں) پر سے کھل جاوے گی جبکہ وہ (محلِ کرمیدانِ قیامت کی طرف) دوڑتے ہوں گے یہ (جمع کر لینا) ہمارے نزدیک ایک آسان جمع کر لینا ہے (غرض مکرر درمکرر قیامت کا امکان اور وقوع سب ثابت ہو چکا، مگر اس پر بھی جو لوگ نہ مانیں تو آپ غم نہ کیجئے کیونکہ) جو کچھ یہ لوگ (قیامت وغیرہ کے بارے میں) کہہ رہے ہیں ہم خوب جانتے ہیں (ہم خود سمجھ لیں گے) اور آپ اُن پر (منجانب اللہ) جبر کرنے والے (کر کے) نہیں (بھیجے گئے) ہیں (بلکہ صرف مُنذر اور مبلغ ہیں) جب یہ بات ہے (تو آپ قرآن کے ذریعہ سے) عام تذکیر سے سب کو اور خاص تذکیر نافع سے صرف) ایسے شخص کو نصیحت کرتے رہئے جو میری وعید سے ڈرتا ہو (اسی مفعول کی تقید سے اشارہ ہو گیا کہ آپ اگرچہ تذکیر و تبلیغ عام کرتے ہیں جیسا مشاہدہ ہے لیکن پھر بھی مَنْ یَخَافُ وَعَبَّ (یعنی اللہ کی وعید سے ڈرنے والا) کوئی کوئی ہوتا ہے، پس ثابت ہوا کہ یہ آپ کے اختیار میں نہیں جب آپ کے اختیار میں نہیں پھر بے اختیار بات کی فکر کیا)۔

معارف مسائل

یَوْمَ یَسْتَدِیْعُ الْمُتَوَدِّعُونَ مِمَّنْ مَّکَانَ قَرِیْبٍ، (یعنی جس دن ایک پکارنے والا فرشتہ پاس ہی سے پکارے گا) ابنِ عساکر نے زید بن جابر شافعی سے روایت کیا ہے کہ یہ منشرشتہ اسرافیل ہوگا جو بیت المقدس کے صخرہ پر کھڑا ہو کر ساری دنیا کے مُردوں کو یہ خطاب کرے گا کہ:

”اے مٹلی سٹری ہڈیو! اور ریزہ ریزہ ہو جانے والی کھالو! اور بکھر جانے والے ہالو! سن لو!

تم کو اللہ تعالیٰ یہ حکم دیتا ہے کہ حساب کے لئے جمع ہو جاؤ“ (منظری)

یہ قیامت کے نغیر ثانیہ کا بیان ہے جس سے دوبارہ عالم کو زندہ کیا جائے گا، اور مکانِ قریب سے مراد یہ ہے کہ اس وقت اُس فرشتے کی آواز پاس اور دُور کے سب لوگوں کو اس طرح پہونچے گی کہ گویا پاس ہی سے پکار رہا ہے، حضرت عکرمہؓ نے فرمایا کہ یہ آواز اس طرح سُنی جائے گی جیسے کوئی ہمارے کان میں آواز دے رہا ہے، اور بعض حضرات نے فرمایا کہ مکانِ قریب سے مراد صخرۃ بیت المقدس ہے، کیونکہ وہ زمین کا وسط ہے، سب طرف سے اس کی مسافت یکساں ہے (قرطبی)

یَوْمَ تَشْفِقُ الْأَنفُسُ مِنْ عَذَابِهَا بِمَا كَانَتْ تَفْتَحُ عَنْهَا مِنْ دُونِهَا فَتَمْنَى بَأْسَافَ الْأَعْدَاءِ (یعنی جب زمین پھٹ کر یہ سب مُردے نکل آویں گے، اور دوڑتے ہوں گے) حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دوڑنا ملکِ شام کی طرف ہوگا، جہاں صخرۃ بیت المقدس پر اسرافیل علیہ السلام نداء کرتے ہوں گے،

جامع ترمذی میں حضرت معاویہ بن حیدرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دستِ مبارک سے ملکِ شام کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:-

”یہاں سے اُس طرف (یعنی شام کی طرف)
تم سب اٹھائے جاؤ گے کچھ لوگ سوار کچھ پیدل
..... اور بعض کو چروں کے بل گھسیٹ کر
قیامت کے روز اس میدان میں لایا جائے گا“

مِنْ هُمْ نَا إِلَىٰ هُمْ نَا حَشَرٌ وَتَ
رُكْبَانًا وَمُشَاةً وَتَجْرُونَ عَلَىٰ
وُجُوهِكُمْ يَوْمَ الْقِيَمَةِ الْحَدِيثُ
(از قرطبی)

قَدْ يَكْرِيَا لَمْ أَنْ مِّنْ يَّخَافُ وَعِيدِ (یعنی آپ تذکر و نصیحت فرمائیے قرآن سے اُس شخص کو جو میری
وعید سے ڈرتا ہے) مطلب یہ ہے کہ آپ کی تبلیغ اور وعظ و نصیحت اگرچہ عام ہی ہوگی سبھی مخلوق اس کی مخاطب
اور مکلف ہوگی، مگر اس کا اثر قبول وہی کرے گا جو اللہ کے عذاب اور وعید سے ڈرتا ہے،
حضرت قتادہؓ اس آیت کو پڑھ کر یہ دعا مانگتے تھے:

اللَّهُمَّ اجْعَلْنَا مِمَّنْ يَخَافُ وَعِيدَكَ | ”یعنی یا اللہ میں ان لوگوں میں داخل فرما دیجئے
وَيَرْجُوا مَوْعِدَكَ يَا بَارِئُ يَا حَكِيمُ“ | جو آپ کی وعید عذاب سے ڈرتے ہیں، اور آپ کے
وعدے کے امیدوار ہیں، اے وعدہ پورے کرنے والے اے رحمت والے“

تَمَّتْ

سُورَةُ قَ يَعُونِ اللّٰهُ سُبْحَانَهُ فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ مِنْ ثَلَاثِي عَشَرَ
رَبِيعِ الْأَوَّلِ إِلَى سَابِعِ عَشَرَ رَبِيعِ الْأَوَّلِ يَوْمَ الْتَحْمِيلِ
وَاللّٰهُ الْحَمْدُ وَهُوَ الْمُسْتَعَانُ فِي تَكْمِيلِ الْبَاقِي وَمَا ذَلِكَ
عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيزٍ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

تَسْتَعْجِلُونَ ﴿۱۳﴾ إِنَّ الْمُسْتَقِينَ فِي جَنَّتٍ وَعِیُونَ ﴿۱۵﴾ اخِذْنِ مَا آتٰهُم

کرتے تھے، البتہ ڈرنے والے ہنوں میں ہیں اور چشموں میں، لپٹے ہیں جو دیا ان کو

رَبُّهُمْ طَرَفًا قَبْلَ ذٰلِكَ مُحْسِنِينَ ﴿۱۶﴾ کَانُوا قَلِيلًا مِّنَ الْبَلِ

ان کے رب نے وہ تھے اس سے پہلے نیکی والے، وہ تھے رات کو تھوڑا

مَا يَكْجَعُونَ ﴿۱۷﴾ وَبِالْأَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُونَ ﴿۱۸﴾ وَفِي أَمْوَالِهِمْ

سوتے، اور صبح کے وقتوں میں معافی مانگتے، اور ان کے مال میں

حَقٌّ لِّلسَّائِلِ وَالسَّعْوِیِّ ﴿۱۹﴾ وَفِي الْأَرْضِ آيَاتٌ لِّلْمُوقِنِينَ ﴿۲۰﴾

حصہ تھا مانگنے والوں کا اور ہائے ہوئے کا، اور زمین میں نشانیاں ہیں یقین لانیوالوں کے واسطے

وَفِي أَنْفُسِكُمْ أَفَلَا تُبْصِرُونَ ﴿۲۱﴾ وَفِي السَّمَاءِ رِزْقُكُمْ وَمَا

اور خود تمہارے اندر سو کیا تم کو سوچتا نہیں، اور آسمان میں ہی روزی تمہاری اور جو

تَوَعَدُونَ ﴿۲۲﴾ فَوَرَبِّ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ إِنَّهُ لَحَقٌّ مِّثْلَ مَا

تم سے وعدہ کیا گیا، سو قسم ہے رب آسمان اور زمین کی کہ یہ بات تحقیق ہے جیسے

أَنْتُمْ تَنْطِقُونَ ﴿۲۳﴾

کہ تم بولتے ہو،

خلاصہ تفسیر

قسم ہے اُن ہواؤں کی جو غبار وغیرہ کو اڑاتی ہیں، پھر اُن بادلوں کی جو بوجھ دہنی بارش کو اٹھاتے ہیں پھر ان کشتیوں کی جو نرمی سے چلتی ہیں پھر ان فرشتوں کی جو حکم کے موافق اہل ارض میں چیزیں تقسیم کرتے ہیں، ارحم الراحمین جس قدر بارش کا حکم ہوتا ہے جو مادہ ہے رزق کا وہاں بادلوں کے ذریعہ سے اسی قدر پہنچاتے ہیں، اسی طرح حسب حدیث رحم مادر میں بچے کی صورت میں مذکر و مؤنث پوچھ کر بناتے ہیں، اور سکنہ اور رعب بھی تقسیم کرتے ہیں، آگے ان قسموں کا جواب ہے کہ تم سے جس رقیامت کا وعدہ کیا جا رہا ہے وہ بالکل سچ ہے اور اعمال کی اجزاء (وسزاء) ضرور ہونے والی ہے ان قسموں میں اشارہ ہے استدلال کی طرف یعنی یہ سب تصرّفات عجیبہ قدرت الہیہ سے ہونا دلیل ہے عظمت قدرت کی، پھر ایسی عظیم القدرت ذات کو قیامت کا واقعہ کرنا کیا مشکل ہے، اور تفسیر ان کلمات کی جن کی آیات مذکورہ میں قسم کھائی گئی ہے درمثور میں حدیث

مرفوع سے اسی طرح نقل کی ہے جو آگے آتی ہے، اور تخصیص ان چیزوں کی شاید اس لئے ہو کہ اس میں اشارہ ہو گیا مخلوق کی اصناف مختلفہ کی طرف چنانچہ ملائکہ، سادات میں سے ہیں اور ریح و سفن رکشتیاں، ارضیات میں سے اور سحاب کا ثبات یعنی فضائی مخلوقات میں سے اور ارضیات میں دو چیزیں جن میں ایک آنکھ سے نظر آتی ہے دوسری نظر نہیں آتی، شاید اس لئے آئی ہوں کہ قیامت کے متعلق ایک مضمون پر خود آسمان کی قسم ہے جیسے اوپر ساریات کی تھی یعنی قسم ہے آسمان کی جس میں فرشتوں کے چلنے کے راستے ہیں (بقولہ تعالیٰ وَلَقَدْ خَلَقْنَا أَفْقًا مِّنْ مَّوْجٍ طَرَفًا لَّيْلًا، آگے جواب قسم ہے) کہ تم (یعنی سب) لوگ قیامت کے بارے میں مختلف گفتگو میں ہو کوئی تصدیق کرتا ہے، کوئی تکذیب کرتا ہے، و ہذا بقولہ تعالیٰ: عَنِ الشَّيْبَانِ الْعَظِيمِ الَّذِي هُم فِيهِ مُخْتَلِفُونَ الَّذِي فُسِّرَ قَادِمًا فِي الذِّكْرِ بِقَوْلِهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا كُنْتُمْ تَكْذِبُونَ، اور آسمان کی قسم سے شاید اس طرف اشارہ ہو کہ جنت آسمان میں ہے اور آسمان میں راستہ بھی ہے، مگر جو حق میں اختلاف کرے گا اس کے لئے راہ بند ہو جاوے گی، اور ان اختلاف والوں میں اس (دفعہ قیامت و جزاء کے اعتقاد) سے وہی پھرتا ہے جس کو (بالکلیہ خیر و سعادت ہی سے) پھرتا ہوتا ہے (جیسا کہ حدیث میں ہے مَنْ حَرَمَهُ فَقَدْ حَرَّمَ الْخَيْرَ كُلَّهُ رِوَاہِ ابْنِ مَاجَہ) یعنی جو شخص اس سے محروم رہا وہ ہر خیر سے محروم رہا، اور اختلاف والوں کے دوسرے فریق کا یعنی تصدیق کرنے والوں کا حال اسی کے مقابلہ سے معلوم ہو گیا کہ وہ خیر و سعادت سے پھرے ہوئے نہیں، اب آگے ان پھرنے والوں کی مذمت ہے کہ غارت ہو جائیں بے سند باتیں کرنے والے (یعنی جو قیامت کا انکار کرتے ہیں بلا اس کے کہ ان کے پاس کوئی اس کی دلیل ہو) جو کہ چھالت میں بھولے ہوئے ہیں (بھولنے سے مراد اختیار کی غفلت ہو) اور وہ لوگ بطور استہزاء و استعجال کے (پوچھتے ہیں کہ روز جزاء کب ہوگا) آگے جواب ہے کہ وہ اس دن ہوگا جس دن (کہ) وہ لوگ آگ پر تپائے جائیں گے (اور کہا جاوے گا کہ) اپنی اس سزا کا مزہ چکھو یہی ہو جس کی تم جلدی مچایا کرتے تھے (یہ جواب یَوْمَ نُمِطُ عَلَى النَّارِ يَفْتَنُونَ اس طرز کا ہے جیسے کسی مجرم کے لئے پھانسی کا حکم ہو جاوے، مگر وہ احمق باوجود قیام برائین کے محض اس وجہ سے کہ اس کو تائید نہیں بتلائی گئی تکذیب ہی کئے جاوے اور کہے جاوے کہ اچھا وہ دن کب آوے گا، چونکہ یہ سوال محض کج روی کی راہ سے ہے اس لئے جواب میں بجائے تائید بتلانے کے یہ کہنا نہایت مناسب ہوگا کہ وہ دن اس وقت آوے گا جب تم پھانسی پر لٹکا دیے جاؤ گے، آگے دوسرے فریق یعنی مؤمنین و مصدقین کے ثواب کا ذکر ہے کہ بے شک متقی لوگ بہشتوں اور چشموں میں ہوں گے (اور) ان کے رب نے ان کو جو ثواب عطا کیا ہوگا وہ اس کو خوش خوشی لے رہے ہوں گے (اور کیوں نہ ہو؟) وہ لوگ اس کے قبل (یعنی دنیا میں) نکو کار تھے (پس حسب وعدہ ہُنَّ حَبْرَاءُ الْإِحْسَانِ إِلَّا الْإِحْسَانُ کے ان کے ساتھ یہ معاملہ کیا گیا، آگے ان کی نکو کاری کی قدرے تفصیل ہے کہ وہ لوگ (فرائض و واجبات سے ترقی کر کے نوافل و تطوعات کے ایسے التزام کرنے والے تھے کہ) رات کو بہت کم سوتے تھے (یعنی زیادہ حصہ رات کا عبادت میں صرف کرتے تھے) اور (پھر باوجود اس کے

اپنی عبادت پر نظر نہ کرتے تھے بلکہ) اخیر شب میں (اپنے کو عبادت میں کوتاہی کرنے والا سمجھ کر) استغفار کیا کرتے تھے (یہ تو عبادتِ بدنیہ میں اُن کی حالت تھی) اور (عبادتِ مالیہ کی یہ کیفیت تھی کہ) ان کے مال میں سوا لی اور غیر سوا لی سب کا حق تھا (یعنی ایسے التزام سے دیتے تھے جیسے اُن کے ذمہ اُن کا کچھ آتا ہو، مراد اس سے غیر زکوٰۃ ہے) (بکذا فی الدر عن ابن عباس و مجاہد و ابراہیم) اور یہ مطلب نہیں ہے کہ جنات و عیون کا ملنا نواخل پر موقوف ہے، بلکہ یہاں اہل درجاتِ عالیہ کا ذکر فرمایا گیا ہے (اور چونکہ کفار قیامت کی صحت کا انکار کرتے تھے اس لئے آگے اس کی دلیل کی طرف اشارہ ہے کہ) یقین لانے کی کوشش اور طلب کرنے والوں کے لئے قیامت کے ممکن اور واقع ہونے پر (زمین کے کائنات) میں بہت نشانیاں (اور دلیلیں) ہیں اور خود تمھاری ذات میں بھی (یعنی تمھارے ظاہری و باطنی احوال مختلفہ بھی دلائل ہیں قیامت کے ممکن ہونے کے، کیونکہ امورِ آفاقیہ و النفسیہ بالیقین داخل تحت القدرت ہیں اور قدر ذاتیہ کی نسبت تمام ممکنات کے ساتھ یکساں ہے، اور جب کہ قیامت کے ناممکن ہونے کی کوئی دلیل نہیں تو قیامت بھی ممکنات سے ہے، پس وہ بھی اللہ تعالیٰ کی قدرت میں ہے، اور چونکہ ان دلائل کی دلالت بہت واضح تھی، اس لئے تو بیجا فرماتے ہیں کہ جب ایسے دلائل موجود ہیں تو کیا تم کو (مطلوب پھر بھی) دکھلائی نہیں دیتا اور رہا یقین وقت وقوع کا جس کے عدم سے استدلال عدم وقوع پر کرتے تھے، سو اُس کی نسبت یہ ہے کہ) تمہارا رزق اور جو تم سے (قیامت کے متعلق) وعدہ کیا جاتا ہے (ان سب کا معین وقت آسمان میں (جو لوح محفوظ ہے اس میں درج) ہے (زمین پر اس کا یقینی علم کسی مصلحت سے نازل نہیں کیا گیا چنانچہ وَیَزِلُ الْغَيْثَ میں بھی نہیں بتلایا گیا، اور مشاہدہ بھی ہے کہ یقینی تعین کسی کو نہیں معلوم، لیکن جب باوجود تعین وقت کا علم نہ ہونے کے رزق کا وجود یقینی ہے پھر اس عدم تعین تاخیر سے قیامت کا عدم کیسے لازم آگیا، اور ایسے استدلال کی طرف اشارہ کرنے کے لئے مَا تَوْعَدُونَ کے ساتھ رُزْقُكُمْ بڑھا دیا، آگے اسی پر تفریح فرماتے ہیں کہ جب نفی کی کوئی دلیل نہیں اور اثبات کی دلیل ہے) تو قسم ہے آسمان اور زمین کے پروردگار کی کہ وہ (ردِ جزاء) برحق ہے (اور ایسا یقینی) جیسا تم باتیں کر رہے ہو (کبھی اس میں شک نہیں ہوتا، اسی طرح اس کو یقینی سمجھو)۔

معارف و مسائل

سورۃ ذاریات میں بھی اس سے پہلی سورت کی طرح زیادہ تر مضامین آخرت و قیامت اور اس میں مردوں کے زندہ ہونے، حساب کتاب اور ثواب و عذاب کے متعلق ہیں، پہلی چند آیات میں اللہ تعالیٰ نے چند چیزوں کی قسم کھا کر فرمایا ہے کہ قیامت کے متعلق جن چیزوں کا وعدہ کیا گیا ہے وہ سچا وعدہ ہے جن چیزوں کی قسم کھائی ہے وہ چار ہیں، اَلَّذِیْنِیْ دُزُّوْا ، اَلْحَمِلٰتِ وَاٰثَرُا ،

الْجَبْرِیَّتِ یُسْرًا ، الْمُقْتَسِمَاتِ أُمْرًا ،

ایک حدیث مرفوعہ میں جس کو ابن کثیر نے ضعیف کہا ہے ، اور حضرت فاروق اعظم اور علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہما سے موقوفان چاروں چیزوں کے معنی اور مفہوم یہ بتلایا گیا ہے کہ ذاریات سے مراد وہ ہوائیں ہیں جن کے ساتھ غبار ہوتا ہے ، اور حاملات و قرآ کے لفظی معنی بوجھ اٹھانے والے کے ہیں ، اس سے مراد بادل ہیں جو پانی کا بوجھ اٹھائے ہوتے ہیں ، اور جاریات یسر سے مراد کشتیاں ہیں جو پانی میں آسانی کے ساتھ چلتی ہیں ، اور مقتسمات اُمْر سے مراد وہ فرشتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے عام مخلوقات میں رزق اور بارش کا پانی اور تکلیف و راحت کی مختلف اقسام تقسیم کرتے ہیں ، تفسیر ابن کثیر ، قرطبی اور درمنثور میں یہ روایات موقوفہ و مرفوعہ مذکور ہیں۔

وَالسَّمَاءِ ذَاتِ الْحُبُوبِ ، اِنَّكُمْ لَفِي قَوْلٍ مُّخْتَلِفٍ ، حُبُّكَ ، حَبِيبَكَ کی جمع ہے ، کپڑے کی بناوٹ میں جو دھاریاں ہو جاتی ہیں ان کو حُبُّک کہا جاتا ہے ، وہ چونکہ رستہ اور سڑک کے مشابہ ہوتی ہیں اس لئے رستوں کو بھی حُبُّک کہہ دیا جاتا ہے ، بہت سے حضرات مفسرین نے اس جگہ یہی معنی مراد لئے ہیں کہ قسم پر آسمان کی جو رستوں والا ہے ، راستوں سے وہ راستے بھی مراد ہو سکتے ہیں جن سے فرشتے آتے جاتے ہیں ، اور اس سے مراد ستاروں اور سیاروں کے راستے اور ان کے مدار بھی ہو سکتے ہیں ، جو دیکھنے والوں کو آسمان میں نظر آتے ہیں۔

اور چونکہ یہ بناوٹ کی دھاریاں کپڑے کی زینت اور حُسن بھی ہوتی ہیں ، اس لئے بعض حضرات مفسرین نے یہاں حُبُّک کے معنی زینت اور حُسن کیلئے ہیں کہ قسم ہے آسمان کی جو حُسن و زینت والا ہے ، یہ قسم جس مضمون کے لئے آئی ہے وہ (اِنَّكُمْ لَفِي قَوْلٍ مُّخْتَلِفٍ) میں مذکور ہے ، بظاہر اس کے مخاطب مشرکین مکہ ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق مختلف اور متضاد باتیں کہا کرتے تھے ، کبھی مجنون ، کبھی جادوگر ، کبھی شاعر وغیرہ کے لغو خطابات دیتے تھے ، اور ایک احتمال یہ بھی ہے کہ اس کے مخاطب عام اُمت کے لوگ مسلم و کافر سب ہوں ، اور قول مختلف سے مراد یہ ہو کہ بعض تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لاتے اور تصدیق کرتے ہیں بعض انکار و مخالفت سے پیش آتے ہیں (ذکرہ فی المنہج)

يَوْمَ قُذِیْ عَنَّتْهُ مِنْ أَفْئِدَةٍ ، اَفْئِدَةٍ کے لفظی معنی پھر جانے ، منحرف ہو جانے کے ہیں ، اور عَنَّتْہ کی ضمیر میں دو احتمال ہیں ، دونوں کے معنی الگ الگ ہیں ، ایک احتمال تو یہ ہے کہ ضمیر قرآن اور رسول کی طرف راجع ہو ، اور معنی یہ ہوں کہ قرآن اور رسول سے وہی بدنصیب منحرف ہوتا ہے جس کے لئے محمدی مقدر ہو چکی ہے ، اور دوسرا احتمال یہ ہے کہ یہ ضمیر قول مختلف کی طرف راجع ہو اور معنی یہ ہوں کہ تمھارے مختلف اور متضاد اقوال کی وجہ سے وہی شخص قرآن و رسول کا منکر ہوتا ہے جو بدنصیب محروم ہی ہو۔

فَبِئْسَ الْخَصْمُ ، خَرَّاصٌ کے لفظی معنی اندازہ لگانے والے اور ظن و تخمینہ سے بات کرنے والے کے ہیں

مراد اس سے وہ قول مختلف والے کفار و منکرین ہیں جو بغیر کسی دلیل اور وجہ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بلے میں متضاد باتیں کہتے ہیں، اس لئے یہاں خراسون کا ترجمہ کذابوں سے بھی کر دیا جائے تو بعید نہیں ان کے لئے اس جملے میں بد دعا ہے، جو درحقیقت لعنت کے معنی میں ہے (منظری) کفار کے ذکر کے بعد مؤمنین متقین کا ذکر کئی آیتوں میں آیا ہے۔

عبادت میں شب بیداری کا ثواب قَلِيلًا مِّنَ الْاَيِّلِ مَا يَهْتَجِعُونَ، بھجوں، ہجوع سے مشتق ہے جس کے اور اس کی تفصیل معنی رات کو سونے کے آتے ہیں، اس میں مؤمنین متقین کی یہ صفت بیان فرمائی ہے کہ وہ رات کو اللہ تعالیٰ کی عبادت میں گزارتے ہیں، سوتے کم ہیں، جاگتے زیادہ ہیں، اور وقت نماز و عبادت میں گزارتے ہیں، یہ تفسیر ابن جریر نے اختیار کی ہے، اور حضرت حسن بصریؒ سے یہی منقول ہے کہ متقین حضرات رات کو جاگنے اور عبادت کرنے کی مشقت اٹھاتے ہیں، اور بہت کم سوتے ہیں، اور حضرت ابن عباسؓ، قتادہ، مجاہد وغیرہ ائمہ تفسیر نے اس جملے کا مطلب حرت مآ کو اس میں نفی کے لئے قرار دے کر یہ بتلایا گیا ہے کہ رات کو تھوڑا سا حصہ ان پر ایسا بھی آتا ہے جس میں وہ سوتے نہیں، بلکہ عبادت نماز وغیرہ میں مشغول رہتے ہیں، اس مفہوم کے اعتبار سے وہ سب لوگ اس کا مصداق ہو جاتے ہیں، جو رات کے کسی بھی حصہ میں عبادت کر لیں، خواہ شروع میں یا آخر میں یا درمیان میں، اسی لئے حضرت انسؓ اور ابو جعفر باقرؒ نے فرمایا کہ جو لوگ عشاء کی نماز سے پہلے نہ سوویں وہ بھی اس میں داخل ہیں (ابن کثیر)

حضرت حسن بصریؒ نے احنف بن قیس سے نقل کیا ہے کہ وہ فرماتے تھے کہ میں نے اپنے عمل کا اہل جنت کے اعمال سے موازنہ کیا تو یہ دیکھا کہ وہ ایک ایسی قوم ہے جو ہم سے بہت بلند و بالا اور ممتاز ہو، وہ ایک ایسی قوم ہے کہ ہمارے اعمال ان کے درجہ تک نہیں پہنچتے، کیونکہ وہ لوگ راتوں میں سوتے کم ہیں عبادت زیادہ کرتے ہیں، پھر میں نے اپنے اعمال کا اہل جہنم کے اعمال سے موازنہ کیا تو دیکھا کہ وہ اللہ و رسول کی تکذیب کرنے والے قیامت کا انکار کرنے والے ہیں (جن چیزوں سے اللہ تعالیٰ نے ہمیں محفوظ رکھا) اس لئے ہمارے اعمال موازنہ کے وقت نہ اصل اہل جنت کے درجہ کو پہنچتے ہیں اور نہ (بجملہ اللہ) اہل جہنم کے ساتھ ملتے ہیں، تو معلوم ہوا کہ ہمارا درجہ عمل کے اعتبار سے وہ ہے جن کا قرآن کریم نے ان الفاظ سے ذکر فرمایا ہے: تَخَلُّوْا عَمَلًا صَالِحًا وَ الْاٰخِرَ سَيِّئًا، یعنی وہ لوگ جنہوں نے اچھے بُرے اعمال خلط ملط کر رکھے ہیں، تو ہم میں بہتر آدمی وہ ہے جو کم از کم اس طبقے کی حدود میں رہے۔

اور عبدالرحمن بن زید بن اسلمؒ فرماتے ہیں کہ بنی تمیم کے ایک شخص نے میرے والد سے کہا کہ اے ابواسامہؓ ... ہم اپنے اندر وہ صفت نہیں پاتے جو اللہ تعالیٰ نے متقین کے لئے ذکر فرمائی ہے، یعنی (كَانُوا قَلِيلًا مِّنَ الْاَيِّلِ مَا يَهْتَجِعُونَ) کیونکہ ہمارا حال تو یہ ہے کہ قَلِيلًا مِّنَ الْاَيِّلِ مَا نَقُومُ، یعنی رات میں بہت کم جاگتے اور عبادت

کرتے ہیں، میرے والد نے اس کے جواب میں فرمایا:

طوبی لمن رقد اذا نفسه واتقى الله
اذا استيقظ،

(ابن کثیر)

”بشارت ہے اس شخص کے لئے جس کو نیند آئے
تو سو جائے مگر جب بیدار ہو تو تقویٰ اختیار کرے
یعنی خلاف شرع کوئی کام نہ کرے۔“

مطلب یہ ہے کہ مقبولیت عند اللہ صرف رات کو بہت جاگنے میں منحصر نہیں، جو شخص نیند سے مجبور
ہو اور رات میں زیادہ نہ جاگے، مگر بیداری میں گناہ و معصیت سے بچے وہ بھی قابل مبارک باد ہے۔

حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد بروایت عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ یہ منقول ہے،

يَا أَيُّهَا النَّاسُ أَطْعِمُوا الطَّعَامَ وَصَلُّوا
الْإِسْلَامَ وَآمَنُوا السَّلَامَ وَصَلُّوا
بِالْإِيلِ وَالنَّاسِ نِيَامٌ قَدْ خَلُّوا الْجَنَّةَ
يَسْلَامًا (ابن کثیر)

”اے لوگو! تم، لوگوں کو کھانا کھلاؤ، رشتہ داروں
سے صلہ رحمی کرو، اور سلام ہر شخص مسلمان کو کرو اور
رات کو اس وقت نماز پڑھو جب لوگ سو رہے ہوں
تو سلامتی کیسے جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔“

استغفارِ سحری کی برکت و فضائل سے استغفار کرتے ہیں، اسحار، سحر کی جمع ہے، رات کے آخری چھٹے حصے کو سحر کہا جاتا ہے

اس آخری حصہ شب میں استغفار کرنے کی فضیلت اس آیت میں بھی ہے، اور دوسری آیت
وَالْمُسْتَغْفِرِينَ بِالْآسْحَادِ میں بھی، صحاح حدیث کی سب کتابوں میں یہ حدیث مذکور ہے کہ اللہ تعالیٰ
نہر رات کو آخری تہائی حصہ میں آسمان دنیا پر نزولِ جلال فرماتے ہیں، (جو ان کی شان کے مناسب ہے،
اس کی حقیقت کسی کو معلوم نہیں) اور اعلان فرماتے ہیں کہ ہے کوئی توبہ کرنے والا جس کی میں توبہ قبول کروں
ہے کوئی استغفار کرنے والا کہ میں اس کی مغفرت کروں (ابن کثیر)

یہاں یہ بات قابلِ نظر ہے کہ اس استغفارِ سحری میں ان متقین کا بیان ہو رہا ہے جن کا حال اس سے پہلی آیت
میں یہ بتلایا گیا ہے کہ رات کو اللہ کی عبادت میں مشغول رہتے ہیں، بہت کم سوتے ہیں، ان حالات میں استغفار کرنے کا
بظاہر کوئی جوڑ معلوم نہیں ہوتا، کیونکہ طلبِ مغفرت تو گناہ سے کی جاتی ہے، جن لوگوں نے ساری رات عبادت
میں گزار دی وہ آخر میں استغفار کس گناہ سے کرتے ہیں۔

جواب یہ ہے کہ ان حضرات کو چونکہ حق تعالیٰ کی معرفت حاصل ہے اللہ تعالیٰ کی عظمتِ شان کو پہچانتے ہیں،
اور اپنی ساری عبادت کو اس کے شایانِ شان نہیں دیکھتے، اس لئے اپنی اس تقصیر کو تاہی سے استغفار
کرتے ہیں (مظہری)

صدقہ و خیرات کرنیوالوں کو خاص صداقت
وَفِي آمَوِ الْإِيمَانِ خَلِّ لِّلشَّائِلِ وَالْمَحْرُومِ، سائل سے مراد وہ غریب حاجتمند ہیں
جو اپنی حاجت لوگوں کے سامنے ظاہر کر دیتا ہے، اور لوگ اس کی مدد کرتے ہیں،

اور محروم سے مراد وہ شخص ہے کہ فقیر و مفلس اور حاجت مند ہونے کے باوجود شرافت نفس کے سبب اپنی حاجت کسی پر ظاہر نہیں کرتا، اس لئے لوگوں کی امداد سے محروم رہتا ہے، اس آیت میں مؤمنین متقین کی یہ صفت بتلائی گئی کہ وہ اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنے کے وقت صرف سائلین یعنی اپنی حاجات ظاہر کرنے والوں ہی کو نہیں دیتے بلکہ ایسے لوگوں پر بھی نظر رکھتے اور حالات کی تحقیق سے باخبر رہتے ہیں جو اپنی حاجت کسی سے کہتے نہیں۔ اور ظاہر ہے کہ مقصد آیت کا یہ ہے کہ یہ مؤمنین متقین صرف بدنی عبادت نماز اور شب بیداری پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ مالی عبادت میں بھی ان کا بڑا حصہ رہتا ہے، کہ سائلین کے علاوہ ایسے لوگوں پر بھی نظر رکھتے ہیں جو شرافت کے سبب اپنی حاجت کسی پر ظاہر نہیں کرتے، مگر اس مالی عبادت کا ذکر قرآن کریم نے اس عنوان سے فرمایا (وَفِي آيَاتِهِمْ حَقٌّ) یعنی یہ لوگ جن فقراء و مساکین پر خرچ کرتے ہیں ان پر کوئی احسان نہیں جتلاتے، بلکہ یہ سمجھ کر دیتے ہیں کہ ہمارے اموال خدا داد میں اُن کا بھی حق ہے، اور حق دار کا حق اس کو پہنچا دینا کوئی احسان نہیں ہو کرتا، بلکہ ایک حق اور ذمہ داری سے اپنی سبکدوشی ہوتی ہے۔

آفاق دالفس دونوں میں | وَفِي الْأَرْضِ آيَاتٌ لِّلْمُتَّقِينَ، (یعنی زمین میں بہت نشانیاں قدرت کی ہیں، یقین کرنے والوں کے لئے) پچھلی آیات میں ادلی کفار و منکرین کا حال اور انجام بد بتلایا

گیا ہے، پھر مؤمنین متقین کے حالات و صفات اور ان کے درجات عالیہ کا ذکر فرمایا، اب پھر کفار و منکرین قیامت کے حال کی طرف غور اور اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کی نشانیاں ان کے پیش نظر کر کے انکار سے باز آجانے کی ہدایت ہے، تو اس جملہ کا تعلق مذکورہ سابق جملے (انکم ففی قول مختلف) سے ہوا، جس میں قرآن رسول سے انکار کا ذکر ہے۔

اور تفسیر منظری میں اس کو بھی مؤمنین متقین ہی کی صفات میں داخل کیا ہے، اور متوقین سے مراد وہی متقین ہیں، اور اس میں ان کا یہ حال بتلایا گیا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی آیات قدرت جو زمین و آسمان میں پھیلی ہوئی ہیں ان میں غور و فکر اور تدبر سے کام لیتے ہیں جس کے نتیجہ میں ان کا ایمان و ایقان بڑھتا ہے، جیسا کہ ایک دوسری آیت میں ان کے بارے میں ارشاد ہے (وَيَتَفَكَّرُونَ فِي خَلْقِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ)۔ اور زمین میں جن آیات قدرت کا ذکر فرمایا ہے وہ بے شمار ہیں، زمین میں نباتات اور اشجار و باغات ہی کو دیکھو ان کے اقسام و انواع ان کے رنگ و بو ایک ایک پتہ کی تخلیق میں کمال حسن پھران میں سے ہر ایک کے خواص و آثار میں اختلاف کی ہزاروں قسمیں، اسی طرح زمین میں ہنریں، کنویں اور پانی کے دوسرے مرکز اور ان سے تیار ہونے والی لاکھوں انواع مخلوقات، زمین کے پہاڑ اور غار، زمین میں پیدا ہونے والے حیواناں اور ان کی آن گشت اقسام و انواع، ہر ایک کے حالات اور منافع مختلف، زمین میں پیدا ہونے والے انسانوں کے حالات مختلف قبائل اور مختلف خطوں کے انسانوں میں رنگ اور زبان کا امتیاز، اخلاق و عادات کا اختلاف وغیرہ جن میں آدمی غور کرے تو ایک ایک چیز میں اللہ تعالیٰ کی قدرت و حکمت کے اتنے مظاہر

پائے گا کہ شمار کرنا بھی مشکل ہے۔

وَفِي أَنْفُسِكُمْ أَفَلَا تُبْصِرُونَ، اس جگہ آیات قدرت کے بیان میں آسمان اور فضائی مخلوقات کا ذکر چھوڑ کر صرف زمین کا ذکر فرمایا ہے جو انسان کے بہت قریب ہے، جس پر انسان بستا اور چلتا پھرتا ہے، اس آیت میں اس سے بھی زیادہ قریب یعنی خود انسان کی ذات کی طرف توجہ دلائی کہ زمین اور زمین کی مخلوقات کو بھی چھوڑ دو خود اپنے وجود اپنے جسم اور اس کے اعضاء و جوارح ہی میں غور کرو تو ایک ایک عضو کو حکمت حق تعالیٰ کا ایک دفتر پاؤ گے، اور سمجھ لو گے کہ سارے عالم میں جو آیات قدرت حق تعالیٰ کی ہیں انسان کے اپنے چھوٹے سے وجود میں وہ سب گویا سمٹ آئی ہیں، اسی لئے انسان کے وجود کو عالم اصغر کہا جاتا ہے کہ سارے عالم دنیا کی مثالیں انسان کے وجود میں موجود ہیں، انسان اگر اپنی ابتداء پیدائش سے لے کر موت تک کے پیش آنے والے حالات میں ہی غور و تدبر کرنے لگے تو اس کو حق تعالیٰ گویا اپنے سامنے نظر آنے لگیں۔

کہ کس طرح ایک انسانی لطف دنیا کے مختلف خطوں کی غذاؤں اور دنیا میں بکھرے ہوئے اجزاء لطیفہ کا خلاصہ بن کر رحم میں متراپایا، پھر کس طرح لطف سے ایک منجمد خون علقہ بنا، پھر علقہ سے مضغہ (گوشت کا ٹکڑا) بنا، پھر کس طرح اس میں ہڈیاں بنائی گئیں، پھر ان پر گوشت چڑھایا گیا، پھر کس طرح اس بے جان پستے میں جان ڈالی گئی، اور اس کی تخلیق کی تکمیل کر کے اس دنیا میں لایا گیا، پھر کس طرح تدریجی ترقی کر کے ایک بے علم بے شعور بچے سے ایک دانشمند فعال انسان بنایا گیا، اور کس طرح ان کی صورتیں اور شکلیں مختلف بنائی گئیں کہ اربوں پدموں انسانوں میں ایک کا چہرہ دوسرے سے بالکل ممتاز نظر آتا ہے، اس چند اربوں کے رقبہ میں ایسے امتیازات رکھنا کس کے بس کی بات ہے، پھر ان کی طبائع اور مزاجوں میں اختلاف اور اس اختلاف کے باوجود ایک وحدت یہ سب اس قدرت کاملہ کی کرشمہ سازی ہے جو بے مثل و بے مثال ہے۔ فَتَبَارَكَ اللَّهُ أَحْسَنُ الْخَالِقِينَ۔

یہ وہ چیزیں ہیں جن کا ہر انسان کہیں باہر اور دور نہیں خود اپنے ہی وجود میں دن رات مشاہدہ کرتا ہے اس کے باوجود بھی اگر وہ اللہ جل شانہ اور اس کی قدرت کاملہ کا اعتراف نہ کرے تو کوئی اندھا ہی ہو سکتا ہے جس کو کچھ نہ سوجھے، اسی لئے آخر میں فرمایا أَفَلَا تُبْصِرُونَ، ”یعنی کیا تم دیکھتے نہیں“ اشارہ اس طرف ہو کہ اس میں کچھ زیادہ عقل و سمجھ کا بھی کام نہیں، بینائی ہی درست ہو تو اس نتیجہ پر پہنچ سکتا ہے۔

وَفِي السَّمَاءِ رِزْقُكُمْ وَمَا تُوعَدُونَ، (یعنی آسمان میں ہے تمہارا رزق اور جو کچھ تم سے وعدہ کیا جاتا ہے) اس کی بے غبار و بے تکلف تفسیر یہ ہے جو خلاصہ تفسیر میں اختیار کی گئی، یعنی آسمان میں ہونے سے مراد آسمان میں لوح محفوظ کے اندر لکھا ہونا مراد ہے، اور یہ ظاہر ہے کہ ہر انسان کا رزق اور جو کچھ اس سے وعدہ کئے گئے اور اس کا جو کچھ انجام ہونا ہے وہ سب لوح محفوظ میں لکھا ہوا ہے۔

حدیث میں حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر تم میں سے کوئی شخص اپنے مقررہ رزق سے بچے اور بھاگنے کی بھی کوشش کرے تو رزق اس کے پیچھے پیچھے

بھاگے گا، جیسے موت سے انسان بھاگ نہیں سکتا ایسے ہی رزق سے بھی فرار ممکن نہیں (قرطبی)
اور بعض مفسرین نے فرمایا کہ رزق سے مراد بارش ہے، اس صورت میں اس کا آسمان میں ہونا بایں صورت
ہوگا کہ آسمان سے مراد یہاں جسم سموات نہ ہو بلکہ مافوق مراد ہو جس میں فضائے آسمانی بھی داخل ہو تو بارش جو
بادلوں سے برسی ہے اس کو بھی فی السماء کہا جاسکتا ہے، اور مَا تَوْعَدُونَ سے مراد جنت اور اس کی نعمتیں ہیں، واللہ
سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

إِنَّهُ لَخَبِيرٌ بِمِثْلِ مَا أَنتُمْ تَنْطِقُونَ، (یعنی جس طرح تمہیں اپنے اپنے کلام کرنے میں کوئی مشبہ
نہیں ہوتا اسی طرح قیامت کا آنا بھی ایسا ہی واضح ہے اور کھلا ہوا ہے، اس میں کسی شک و شبہ کی گنجائش
نہیں، انسان کے محسوسات جو دیکھنے، سننے، چکھنے، چھونے اور سونچنے سے متعلق ہیں، ان سب میں سے اس
جگہ نطق یعنی بولنے کو خاص طور سے انتخاب شاید اس لئے کیا کہ مذکورہ سب محسوسات میں کبھی کبھی کسی مرض
وغیرہ کے سبب سے التباس ہو جاتا ہے، دیکھنے سننے میں فرق ہو جانا معروف ہے، بیماری میں ذائقہ بعض
اوقات خراب ہو کر میٹھے کو کڑا وابتلانے لگتا ہے، مگر نطق و گویائی ایسی چیز ہے کہ اس میں کسی دھوکہ اور تلبیس
کا شائبہ نہیں ہو سکتا (قرطبی)

هَلْ أَتَاكَ حَدِيثُ ضَيْفِ إِبْرَاهِيمَ الْمُكْرَمِينَ ﴿٢٣﴾ إِذْ دَخَلُوا عَلَيْهِ

کیا پہنچی ہے تجھے کو بات ابراہیم کے مہانوں کی جو عزت والے تھے، جب اندر پہنچے اس کے پاس

فَقَالُوا سَلَامًا قَالَ سَلَامٌ قَوْمٌ مُّنْكَرُونَ ﴿٢٤﴾ فَرَاغَ إِلَىٰ أَهْلِهِ

تو بولے سلام وہ بولا سلام، یہ لوگ ہیں اوپرے، پھر دوڑا اپنے گھر کو

فَجَاءَ بِعِجْلٍ سَمِينٍ ﴿٢٥﴾ فَقَرَّبَهُ إِلَيْهِمْ قَالَ أَلَا تَأْكُلُونَ ﴿٢٦﴾

تو لے آیا ایک بھڑا گھی میں تلا ہوا، پھر اُن کے سامنے رکھا کہا کیوں تم کھاتے نہیں،

فَأَوْجَسَ مِنْهُمْ خِيفَةً ﴿٢٧﴾ قَالُوا لَا تَخَفْ وَبَشِّرُوهُ بِنُحْيَاهُ عَلَيْهِ ﴿٢٨﴾

پھر جی میں گھبرا اُن کے ڈر سے بولے تو مت ڈر اور خوش خبری دی اس کو ایک لڑکے کو بشارت کی،

فَأَقْبَلَتْ امْرَأَتُهُ فِي صَرَّةٍ فَصَكَّتْ وَجْهَهَا وَقَالَتْ عَجُوزٌ عَقِيمٌ ﴿٢٩﴾

پھر سامنے سے آئی اس کی عورت بولتی ہوئی پھر پیٹا اپنا ماتھا اور کہنے لگی کہیں بڑھپیا بانجھ،

قَالُوا كَذَلِكَ قَالَ رَبُّكَ إِنَّهُ هُوَ الْحَكِيمُ الْعَلِيمُ ﴿٣٠﴾

وہ بولے یوں ہی کہتا ہے رب نے وہ جو ہی وہی ہی حکمت والا خبردار

قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ أَيُّهَا الْمُرْسَلُونَ ﴿۳۱﴾ قَالُوا إِنَّا أُرْسِلْنَا إِلَىٰ

بولا پھر کیا مطلب ہے تمہارا اے بھیجے ہوئے ، وہ بولے ہم کو بھیجا گیا ہے

قَوْمٍ مُّجْرِمِينَ ﴿۳۲﴾ لِنُرْسِلَ عَلَيْهِمْ حِجَارَةً مِّنْ طِينٍ ﴿۳۳﴾ مُّسَوَّمَةً عِندَ

ایک گنہگار قوم پر ، کہ چھوڑیں ہم ان پر پتھر مٹی کے ، نشان پڑے ہوئے

رَبِّكَ لِلْمُؤْمِنِينَ ﴿۳۴﴾ فَأَخْرَجْنَا مَن كَانَ فِيهَا مِّنَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿۳۵﴾

تیرے رب کے یہاں کے نکل چلنے والوں کیلئے ، پھر بچا نکالا ہم نے جو تھا وہاں ایمان والا ،

فَمَا وَجَدْنَا فِيهَا غَيْرَ بَيْتٍ مِّنَ الْمُسْلِمِينَ ﴿۳۶﴾ وَتَرَكْنَا فِيهَا آيَةً

پھر نہ پایا ہم نے اس جگہ سوائے ایک گھر کے مسلمانوں سے ، اور باقی رکھا ہم نے اس میں

لِّلَّذِينَ يَخَافُونَ الْعَذَابَ الْأَلِيمَ ﴿۳۷﴾ وَفِي مُوسَىٰ إِذْ أَرْسَلْنَاهُ

نشان ان لوگوں کے لئے جو ڈرتے ہیں عذاب دردناک سے ، اور نشانی ہے موسیٰ کے حال میں جب بھیجا

إِلَىٰ فِرْعَوْنَ بِسُلْطَانٍ مُّبِينٍ ﴿۳۸﴾ فَتَوَلَّىٰ بِرُكْنِهِ وَقَالَ سِحْرٌ أَوْ أَجْنُونٌ ﴿۳۹﴾

ہم نے اس کو فرعون کے پاس دیکر کھلی سند ، پھر اس نے منہ موڑ لیا اپنوں پر اور بولا یہ جادوگر یا دیوانہ

فَاخَذْنَاهُ وَجُودًا فَتَبَدُّهُمْ فِي الْيَمِّ وَهُوَ مُلِيمٌ ﴿۴۰﴾ وَفِي عَادٍ إِذْ

پھر پکڑا ہم نے اس کو اور اس کے لشکروں کو پھر پھینک دیا ان کو دریا میں اور اس پر لگا الزام ، اور نشانی ہے عاد میں

أُرْسِلْنَا عَلَيْهِمُ الرِّيحُ الْعَقِيمَ ﴿۴۱﴾ مَا تَذَرُ مِن شَيْءٍ أَتَتْ عَلَيْهِ إِلَّا

جب بھیجی ہم نے ان پر ہوا خیر سے خالی ، نہیں چھوڑتی کسی چیز کو جس پر گزری کہ

جَعَلَتْهُ كَالرِّمِيمِ ﴿۴۲﴾ وَفِي ثَمُودَ إِذْ قِيلَ لَهُمْ تَمَتَّعُوا حَتَّىٰ حِينٍ ﴿۴۳﴾

نہ کر ڈالے اس کو جیسے پھوڑا ، اور نشانی ہے ثمود میں جب کہا ان کو برت لو ایک وقت تک

فَعَتَوْا عَنْ أَمْرِ رَبِّهِمْ فَأَخَذَتْهُمُ الصَّيْقَةُ وَهُمْ يَنْظُرُونَ ﴿۴۴﴾ فَمَا

پھر شرارت کرنے لگے اپنے رب کے حکم سے پھر پکڑا ان کو کرکٹ نے اور وہ دیکھتے تھے ، پھر نہ

اسْتَطَاعُوا مِنْ قِيَامٍ وَمَا كَانُوا مُنْتَصِرِينَ ﴿۴۵﴾ وَقَوْمَ نُوحٍ مِّنْ

ہو سکا ان سے کہ اٹھیں اور نہ ہوتے کہ بدلہ لیں ، اور ہلاک کیا نوح کی قوم کو

قَبْلُ إِنَّهُمْ كَانُوا تَوْأَمًا فَسَقَيْنَ ۝۴۶

اس سے پہلے تحقیق وہ تھے لوگ نافرمان ،

خلاصہ تفسیر

اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! کیا ابراہیم (علیہ السلام) کے معزز مہمانوں کی حکایت آپ تک پہنچی ہے ،
 (معزز یا تو اس لئے کہا کہ وہ ملائکہ تھے جن کی شان میں ہے بنی عباد مملکت مؤمن اور یا اس لئے کہا کہ ابراہیم علیہ السلام
 نے اپنی عادت کے موافق ان کا اکرام کیا تھا، اور مہمان کہنا بنا برظاہر ہی حالت کے ہے کہ بشکل انسان آئے تھے
 اور یہ قصہ اس وقت ہوا تھا) جبکہ وہ (جہان) ان کے پاس آئے پھر ان کو سلام کیا، ابراہیم (علیہ السلام)
 نے بھی (جواب میں) کہا سلام (اور کہنے لگے کہ) انجان لوگ (معلوم ہوتے) ہیں (ظاہر تو یہی ہے کہ دل میں سوچا
 قرینہ اس کا یہ ہے کہ آگے جواب فرشتوں کا مذکور نہیں، اور احتمال بعید یہ بھی ہے کہ بطور پوچھنے کے انہی سے کہہ دیا
 ہو کہ آپ لوگوں کو پہچانا نہیں اور انہوں نے جواب نہ دیا ہو، اور ابراہیم علیہ السلام نے جواب کا انتظار نہ کیا ہو
 غرض یہ سلام و کلام ہو کر) پھر اپنے گھر کی طرف چلے اور ایک فریبہ بچھا (تلا ہوا لقولہ تعالیٰ یٰ یحییٰ خذ الہی
 اور اس کو ان کے پاس (یعنی سامنے) لا کر رکھا (چونکہ وہ فرشتے تھے کیوں کھاتے اس وقت ابراہیم علیہ السلام
 کو شبہ ہوا اور) کہنے لگے کہ آپ لوگ کھاتے کیوں نہیں (جب پھر بھی نہ کھایا) تو ان سے ملیں خوف زدہ ہو کر
 رکے یہ لوگ کہیں مخالفین اور اعداء میں سے نہ ہوں، کما تر فی سورۃ ہود) انہوں نے کہا کہ تم ڈرو مت (ہم
 آدمی نہیں ہیں فرشتے ہیں) اور (یہ کہہ کر) ان کو ایک فرزند کی بشارت دی جو بڑا عالم (یعنی نبی) ہوگا ،
 کیونکہ مخلوق میں سب سے زیادہ علم انبیاء کو ہوتا ہے اور مراد اس سے اسحق علیہ السلام ہیں، یہ گفتگو ان سے
 ہو رہی تھی کہ) اتنے میں ان کی بی بی (حضرت سارہ جو کہیں کھڑی سن رہی تھیں لقولہ تعالیٰ ذٰمْرَ اِنَّہٗ قَائِمٌ
 اولاد کی خبر سن کر) بولتی پکارتی آئیں پھر (جب فرشتوں نے ان کو بھی یہ خبر سنائی لقولہ تعالیٰ فَبَشِّرْہَا
 بانحیٰ تو تعجب سے) ماتھے پر ہاتھ مارا اور کہنے لگیں کہ (اول تو میں) بڑھیا (پھر) بانجھ (اس وقت بچہ پیدا
 ہونا بھی عجیب بات ہے) فرشتے کہنے لگے کہ (تعجب مت کرو لقولہ تعالیٰ اَلْغَبِیْنِ) تمہارے پروردگار نے
 ایسا ہی فرمایا ہے (اور) کچھ شک نہیں کہ وہ بڑا حکمت والا بڑا جاننے والا ہے (یعنی گوئی نفسہ یہ بات
 تعجب کی ہے مگر تم کہ خاندان نبوت میں رہتی ہو اور علم و فہم سے مشرف ہو، یہ معلوم کر کے کہ خدا کا ارشاد
 ہے تعجب نہ رہنا چاہئے) ابراہیم (علیہ السلام) کو فراست نبوت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ علاوہ بشارت
 کے ان کے آنے سے اور بھی کچھ مقصود ہے تو ان سے کہنے لگے کہ (اچھا تو یہ بتلاؤ کہ) تم کو بڑی مہم کیا
 درپیش ہے، اے فرشتو! فرشتوں نے کہا کہ ہم ایک مجرم قوم (یعنی قوم لوط) کی طرف بھیجے گئے ہیں
 تاکہ ہم ان پر کنکر کے پتھر برساتیں جن پر آپ کے رب کے پاس (یعنی عالم غیب میں) خاص نشان بھی ہے

جس کا بیان سورۃ ہود میں ہوا ہے اور وہ) حد سے گذرنے والوں کے لئے ہیں آگے حق تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ جب ان بستیوں پر عذاب کا وقت قریب آیا (تو ہم نے جتنے ایمان دار تھے سب کو وہاں سے علحدہ کر دیا، سو جسز مسلمانوں کے ایک گھر کے اور کوئی گھر (مسلمانوں کا) ہم نے نہیں پایا، یہ کنایہ ہے کہ وہاں کوئی اور گھر مسلمانوں کا تھا ہی نہیں، کیونکہ جس چیز کا وجود اللہ کے علم میں نہ ہو وہ موجود ہو ہی نہیں سکتی) اور ہم نے اس واقعہ میں (ہمیشہ کے واسطے) ایسے لوگوں کے لئے ایک عبرت سمیٹنے دی جو دردناک عذاب سے ڈرتے ہیں اور آگے موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کا قصہ سنو کہ) موسیٰ (علیہ السلام) کے قصہ میں بھی عبرت ہے جب کہ ہم نے ان کو فرعون کے پاس ایک کھلی ہوئی دلیل (یعنی معجزہ) دے کر بھیجا سو اس نے مع اپنے ارکان سلطنت کے سرنابی کی اور کہنے لگا کہ یہ ساحر یا مجنون ہیں سو ہم نے اس کو اور اس کے لشکر کو پکڑ کر دریا میں پھینک دیا (یعنی غرق کر دیا) اور اس نے کام ہی ملامت کا کیا تھا اور (آگے عا کا قصہ سنو کہ) عاد کے قصہ میں بھی عبرت ہے جب کہ ہم نے اُن پر نامبارک آندھی بھیجی جس چیز پر گذرتی تھی (یعنی ان اشیاء میں سے کہ جن کے اہلاک کا حکم تھا جس پر گذرتی تھی) اس کو ایسا کر چھوڑتی تھی جیسے کوئی چیز گھل کر ریزہ ریزہ ہو جاتی ہے اور (آگے ثود کا قصہ سنو) ثود کے قصہ میں بھی عبرت ہے جبکہ ان سے کہا گیا (یعنی صالح علیہ السلام نے فرمایا کہ) اور تھوڑے دنوں چین کر لو (یعنی کفر سے باز نہیں آؤ گے تو بعد چندے ہلاک ہو گے) سو (اس ڈرانے پر بھی) ان لوگوں نے اپنے رب کے حکم سے سرکشی کی، سو ان کو عذاب نے آلیا اور وہ (اس عذاب کے آثار کو) دیکھ رہے تھے (یعنی یہ عذاب کھلے طور پر آیا) سو نہ تو کھڑے ہی ہو سکے (بلکہ اوندھے منہ گر گئے لقولہ تعالیٰ جاثمین) اور نہ (ہم سے) بدلہ لے سکے اور ان سے پہلے قوم نوح کا یہ حال ہو چکا تھا (یعنی اس سبب سے کہ) وہ بڑے نافرمان لوگ تھے (ان کو بھی ہلاک کیا تھا)۔

معارف و مسائل

یہاں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی کے لئے گذری ہوئی امتوں میں سے چند انبیاء کے واقعات بیان کئے گئے ہیں۔

فَقَالُوا سَلَامًا، قَالُوا سَلَامًا، فرشتوں نے سَلَام کہا تھا، خلیل اللہ نے جواب میں سَلَام رَفِیع کے ساتھ کہا، کیونکہ مرفوع ہونے کی صورت میں یہ جملہ اسمیہ بنا، جس میں دوام و استمرار اور قوت زیادہ ہے، تو جیسا قرآن کریم میں حکم ہے کہ سلام کا جواب سلام کرنے والے کے الفاظ سے بہتر الفاظ میں ہو اس کی تعمیل ضروری،

قَوْمٌ مُّسْكِرُونَ، مُسْكِرٌ بضم میم و فتح کاف، اوپرے اور اجنبی کو کہا جاتا ہے، چونکہ گناہ کے کام بھی اسلام میں اوپرے اور اجنبی ہوتے ہیں، اس لئے گناہ کو بھی مُسْكِرٌ کہہ دیا جاتا ہے، مراد جملے کی یہ ہے کہ یہ حضرات فرشتے بشکل بشر آئے تھے، ابراہیم علیہ السلام نے اُن کو پہچانا نہیں، اس لئے

اپنے دل میں یہ کہا کہ یہ اجنبی لوگ ہیں جن کو ہم نہیں پہچانتے، اور ممکن ہے کہ خود مہمانوں کے سامنے ہی اس کا ذکر بطور استفہام کے کر دیا ہو، اور مقصد ان کا تعارف دریافت کرنا ہو۔

ذَاعَ إِلَىٰ أَهْلِهِ، ذَاغ، ذَوغ سے مشتق ہے جس کے معنی کسی جگہ سے بھسک جانے اور خفیہ طور پر چلے جانے کے ہیں، مطلب یہ ہے کہ ابراہیم علیہ السلام مہمانوں کے لئے کھانے کا انتظام کرنے کے لئے گھر میں اس طرح گئے کہ مہمانوں کو ان کے اٹھ جانے کی خبر نہ ہو، ورنہ وہ کھانا اور مہمانی لانے سے انکار کرتے۔

آداب مہمانی | ابن کثیر نے فرمایا کہ اس آیت میں مہمان کے لئے چند آداب میزبانی کی تعلیم ہے، پہلی بات تو یہ ہے کہ پہلے مہمانوں سے پوچھا نہیں کہ میں آپ کے لئے کھانا لاتا ہوں، بلکہ چپکے سے کھسک گئے، اور ان کی مہمانی کے لئے اپنے پاس جو سب اچھی چیز کھانے کی تھی یعنی بھجڑ اذبح کیا، اس کو بھونا اور لے آئے اور دوسرے یہ کہ لانے کے بعد مہمانوں کو اس کی تکلیف نہیں دی کہ ان کو کھانے کی طرف بلا تے، بلکہ جہاں وہ بیٹھے تھے وہیں لا کر ان کے سامنے پیش کر دیا (فَقَشَرْنَا لَیْسَمَ تَمِیْرَی) یہ کہ مہمانی پیش کرنے کے وقت انداز گفتگو میں کھانے پر اصرار نہ تھا بلکہ فرمایا اَلَا تَأْمَلُوْنَ دیکھا آپ کھائیں گے نہیں، اشارہ اس طرف ہوا کہ اگرچہ آپ کو حاجت کھانے کی نہ ہو، مگر ہماری خاطر سے کچھ کھائیے،

فَاَوْحَسَ مِنْهُمْ، یعنی ابراہیم علیہ السلام ان کے کھانا نہ کھانے کی وجہ سے ان سے خطرہ محسوس کرنے لگے جس کی وجہ یہ تھی اس وقت شرفاء کا تعامل تھا کہ مہمان کچھ نہ کچھ مہمانی قبول کرتا، اور کھاتا تھا، جو مہمانی اتنی بھی قبول نہ کرے اس سے خطرہ ہوتا تھا، کہ یہ شاید کوئی دشمن نہ ہو جو تکلیف پہنچانے آیا ہو، اس وقت کے چوروں ظالموں میں بھی یہ شرافت تھی کہ جس کا کچھ کھالیا پھر اس کو نقصان نہیں پہنچاتے تھے، اس لئے نہ کھانا سبب خطرہ کا بنتا تھا۔

فَاَقْبَلَتْ امْرَاَتُهُ فِيْ حَصْرَةٍ، حَصْرۃ کے معنی غیر معمولی آواز کے ہیں، صریر قلم سے نکلنے والی آواز کو کہا جاتا ہے، مراد یہ ہے کہ حضرت سارہؑ نے جب سنا کہ فرشتے ابراہیم علیہ السلام کو بچے کی پیدائش کی خوش خبری دے رہے ہیں، اور یہ ظاہر تھا کہ بچہ بیوی سے پیدا ہوتا ہے، بیوی حضرت سارہؑ ہی تھیں، تو سمجھیں کہ یہ خوش خبری ہم دونوں ہی کے لئے ہے، تو غیر اختیاری طور پر ان کے منہ سے کچھ الفاظ حیرت و تعجب کے نکلے، اور کہا عَجُوْذٌ عَقِیْمٌ، کہ اول تو میں بڑھیا، پھر بانجھ یعنی جوانی میں بھی اولاد کے قابل نہیں تھی، اب بڑھاپے میں یہ کیسے ہوگا، جس کے جواب میں فرشتوں نے فرمایا کُنْ لِیْ، یعنی اللہ تعالیٰ کو سب قدرت ہے، یہ کام یونہی ہوگا، چنانچہ جس وقت اس بشارت کے مطابق حضرت اسحق علیہ السلام پیدا ہوا تو حضرت سارہؑ کی عمر تانوسے سال اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر سوسال کی تھی،

(دسترطی)

اس گفتگو میں جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو یہ معلوم ہو گیا کہ یہ جہان اللہ کے فرشتے ہیں تو پوچھا کہ آپ کس ہم پر تشریف لائے ہیں انھوں نے حضرت لوط علیہ السلام کی قوم پر عذاب نازل کرنے کا تذکرہ کیا کہ ان کی قوم پر پتھراؤ کیا جائے گا، اور پتھراؤ بھی کچھ بڑے بڑے پتھروں سے نہیں، بلکہ مٹی سے بنی ہوئی کنکریوں سے ہوگا، **مَسْوَمَةٌ عِنْدَ رَبِّكَ**، یعنی کنکریاں اللہ کی طرف سے خاص علامت لگی ہوئی ہوں گی، بعض مفسرین نے فرمایا کہ ہر کنکری پر اس شخص کا نام لکھا تھا جس کو ہلاک کرنے کے لئے یہ بھیجی گئی تھی، اور وہ جس طرف بھاگا اس کنکری نے اس کا تعاقب کیا، اور دوسری آیات میں جو اس قوم کا عذاب یہ ذکر کیا گیا ہے کہ جبریل امین نے اس پورے شہر کو اٹھا کر پلٹ دیا تو یہ اس کے منافی نہیں کہ پہلے یہ پتھراؤ کیا گیا ہو اس کے بعد پوری زمین کا تختہ الٹا گیا ہو۔

قوم لوط کے بعد قوم موسیٰ علیہ السلام اور فرعون وغیرہ کا ذکر فرمایا، اس میں فرعون کو جب موسیٰ علیہ السلام نے پیغام حق دیا تو فرعون کا عمل یہ ذکر فرمایا **فَتَوَلَّىٰ يَدِیْہِ**، یعنی فرعون موسیٰ علیہ السلام کی طرف سے رخ پھیر کر اپنی قوت یعنی اپنی فوج اور امراء و دولت کی طرف متوجہ ہو گیا، **رُکِّنَ** کے لفظی معنی قوت کے ہیں، حضرت لوط علیہ السلام کے کلام میں **(اَوْ اِیَّیَّ اِلٰی رُکِّنٍ شَیْءٍ)** اسی معنی کے لئے آیا ہے۔ اس کے بعد قوم عاد و ثمود اور آخر میں قوم نوح کا واقعہ بیان فرمایا، یہ واقعات اس سے پہلے کئی مرتبہ گزر چکے ہیں۔

وَالسَّمَاءَ بَنَيْنَا بِاَیْدٍ وَّاَنَّا الْمَوْسِعُونَ ﴿۳۷﴾ وَالْاَرْضَ فَرَشْنٰہَا

اور بنایا ہم نے آسمان ہاتھ کے بل سے اور ہم کو سب مقدور کر، اور زمین کو بچھایا ہم نے

فَنِعْمَ الْمٰہِدُونَ ﴿۳۸﴾ وَ مِنْ كُلِّ شَیْءٍ خَلَقْنَا زَوْجِیْن لَّعَلَّکُمْ

سو کیا خوب بچھانا جانتے ہیں ہم، اور ہر چیز کے بنائے ہم نے جوڑے تاکہ تم

تَذَکَّرُوْنَ ﴿۳۹﴾ فَاِیَّا اللّٰہَ اِیَّیَّ لَکُمْ مِّنْہٗ نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ ﴿۴۰﴾

دھیان کرو، سو بھاگو اللہ کی طرف میں تم کو اس کی طرف سے ڈرسانا ہوں کھول کر،

وَلَا تَجْعَلُوْا مَعَ اللّٰہِ اِلٰہًا اٰخَرَ اِیَّیَّ لَکُمْ مِّنْہٗ نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ ﴿۴۱﴾

اور مت پتھراؤ اللہ کے ساتھ اور کسی کو معبود میں تم کو اس کی طرف سے ڈرسانا ہوں کھول کر،

کَذٰلِکَ مَا اٰتٰی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِہِمْ مِنْ رَّسُوْلِ اِلَّا قَالُوْا سَاحِرٌ وَّ اَوْ

اسی طرح ان سے پہلے لوگوں کے پاس جو رسول آیا اس کو یہی کہا کہ جادوگر ہے یا

مَجْنُونٌ ﴿۵۲﴾ اَتَاَصْوَابُهُمْ قَوْمٌ طَاغُونَ ﴿۵۳﴾ قَتُلْ عَنْهُمْ قَسَا

دیوانہ ، کیا ہی دصیت کمرے ہیں ایک دوسرے کو کوئی نہیں پر یہ لوگ شریر ہیں ، سو تو لوٹ آ ان کی طرف سے

اَنْتَ بِسَلْوَمٍ ﴿۵۴﴾ وَذَكَرْ فَاِنَّ الَّذِیْ كَرِیْ تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۵۵﴾

اب تجھ پر نہیں ہر الزام ، اور سمجھا تا رہ کہ سمجھانا کام آتا ہے ایمان والوں کو ،

خلاصہ تفسیر

اور ہم نے آسمان کو (اپنی) قدرت سے بنایا اور ہم وسیع القدرت ہیں اور ہم نے زمین کو فرش (کے طور پر) بنایا سو ہم (کیسے) اچھے سمجھانے والے ہیں (یعنی اس میں کیسے کیسے منافع رکھے ہیں) اور ہم نے ہر چیز کو دو دو قسم کا بنایا (اس قسم سے مراد مقابل ہے ، سوظاہر ہے کہ ہر شے میں کوئی نہ کوئی صفت ذاتیہ یا عرضیہ ایسی معتبر ہوتی ہے جس سے دوسری چیز جس میں اس صفت کی نقیض یا ضد ملحوظ ہو، اس کے مقابل شمار کی جاتی ہے ، جیسے آسمان و زمین ، جو ہر دو عرض ، گرمی و سردی ، شیریں و تلخ ، چھوٹی و بڑی ، خوش نما و بد نما ، سفیدی و سیاہی ، روشنی و تاریکی ، و علیٰ ہذا تا کہ تم (ان مصنوعات سے توحید کو) سمجھو اور اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم ان سے فرما دیجئے کہ جب یہ مصنوعات وحدت صانع پر دلالت کر رہی ہیں (تو تم کو چاہئے کہ ان سے استدلال کر کے) اللہ ہی کی (توحید کی) طرف دوڑو (اور اول تو بوجہ دلائل مذکورہ کے خود عقل ہی اعتقاد توحید کو ضروری بتلا رہی ہے ، پھر اوپر سے) میں (بھی) تمھارے (سمجھانے کے) واسطے اللہ کی طرف سے صاف طور پر ڈرانے والا (ہو کر آیا) ہوں کہ منکر توحید کو عذاب ہوگا ، پس خوف عذاب کے اعتبار سے اعتقاد توحید اور بھی ضروری ہو گیا) اور (پھر اور زیادہ توضیح سے کہتا ہوں کہ) خدا کے ساتھ کوئی اور معبود قرار نہ دو (پھر تغیر عنوان کے ساتھ مضمون توحید کی وجہ سے انذار کی پھر تاکید ہے کہ) میں تمھارے (سمجھانے کے) واسطے اللہ کی طرف سے کھلا ڈرانے والا (ہو کر آیا) ہوں (آگے حق تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ آپ واقع میں بلاشبہ نذیر مبین ہیں جیسا ابھی مذکور ہوا ، لیکن یہ آپ کے مخالفین ایسے جاہل ہیں کہ نعوذ باللہ آپ کو کبھی ساحر کبھی مجنون بتلاتے ہیں ، سو آپ صبر کیجئے کیونکہ جس طرح یہ آپ کو کہہ رہے ہیں) اسی طرح جو (کافر) لوگ ان سے پہلے ہو گزرے ہیں ان کے پاس کوئی پیغمبر ایسا نہیں آیا جس کو انھوں نے (یعنی مکمل نے یا بعض نے) ساحر یا مجنون نہ کہا ہو (آگے کفار کے اس قول (ساحر و مجنون) پر متفق ہونے سے تعجب دلاتے ہیں کہ) کیا اس بات کی ایک دوسرے کو دصیت کرتے چلے آئے تھے (یعنی یہ اجماع تو ایسا ہو گیا جیسے ایک دوسرے کو کہتے چلے آئے ہوں کہ دیکھو جو رسول آوے تم بھی ہماری طرح کہنا ، آگے ... حقیقت واقعہ بیان فرماتے ہیں کہ تو اسی واقعہ نہ ہوئی تھی ، کیونکہ بعض قومیں بعض قوموں سے ملی گئی ہیں)

بلکہ (درجہ اس اجماع و اتفاق کی یہ ہوتی کہ) یہ سب کے سب سرکش لوگ ہیں (یعنی سبب اس قول کا سرکشی ہے چونکہ وہ ان سب میں مشترک ہیں، اس لئے قول بھی مشترک ہو گیا) سو جب پہلے لوگ بھی ایسے گذرے ہیں اور سبب اس کا معلوم ہو گیا کہ انہی کا طغیان ہے تو آپ ان کی طرف انتفات نہ کیجئے (یعنی ان کی تکذیب کی پروا اور غم نہ کیجئے) کیونکہ آپ پر کسی طرح کا الزام نہیں (کہ قولہ تعالیٰ وَلَا تَسْأَلُ عَنْ أَصْحَابِ الْجَنَّةِ) اور (اطمینان کے ساتھ اپنے منصبی کام میں لگے رہئے فقط) سمجھاتے رہئے کیونکہ سمجھانا (جن کی قسمت میں ایمان نہیں ان پر تو سارا م حجت ہو گا اور جن کی قسمت میں ایمان ہے ان ایمان والوں کو) بھی اور جو پہلے مؤمن ہیں ان کو بھی (نفع دے گا) رہر حال تذکیر میں عام فوائد اور حکمتیں سب سے اعتبار سے ہیں، آپ اس کو کئے جاتے اور کسی کے ایمان نہ لانے کا غم نہ کیجئے

معارف و مسائل

سابقہ آیات میں قیامت و آخرت کا بیان اور اس کو نہ ماننے والوں پر عذاب کا ذکر تھا، ان آیات میں بھی حق تعالیٰ کی قدرت کا ملکہ کا بیان ہے جس سے قیامت اور اس میں مردوں کے دوبارہ زندہ ہونے پر جو تعجب منکرین کی طرف سے کیا جاتا ہے اس کا ازالہ ہے، نیز توحید کا اثبات اور رسالت پر ایمان کی تاکید ہے، **بَيِّنْهَا يَا أَيُّدِي قَدْ أَنَا لَمْؤُوسِعُونَ**، لفظ آید، قوت و قدرت کے معنی میں آتا ہے، اس جگہ حضرت ابن عباسؓ نے آید کی یہی تفسیر فرمائی ہے۔

قِفْرٌ وَ إِلَى اللَّهِ، یعنی دوڑ والہ کی طرف، حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا: مراد یہ ہے کہ اپنے گناہوں سے بھاگو اللہ کی طرف توبہ کے ذریعہ، ابو بکر دراق اور جنید بغدادیؒ نے فرمایا کہ نفس و شیطان معاصی کی طرف دعوت دینے والے ہیں، اور بھگانے والے ہیں، ہم ان سے بھاگ کر اللہ کی طرف پناہ لو تو وہ تمہیں ان کے شر سے بچالیں گے (قرطبی)

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ ۝۶۰ مَا أَرِيدُ مِنْهُمْ مِّنْ

اور میں نے جن و بنائے جن اور آدمی سو اپنی بندگی کو، میں نہیں چاہتا ان سے

رِشْقٍ وَ مَا أَرِيدُ أَن يُلَٰعَبُونِ ۝۶۱ إِنَّ اللَّهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ

روزینہ اور نہیں چاہتا کہ مجھ کو کھلائیں، اللہ جو ہے وہی ہے روزی دینے والا زور آور

الْمَتِينِ ۝۶۲ فَإِنَّ لِلَّذِينَ ظَلَمُوا ذُنُوبًا مِّثْلَ ذُنُوبِ أَصْحَابِهِمْ فَلَا

مضبوط، سو ان گنہگاروں کا بھی ڈول بھر چکا ہو جیسے ڈول بھرا ان کے ساتھیوں کا اب مجھے

لَيَسْتَعِجِلُونَ ﴿۵۹﴾ قَوْلُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ يَوْمِهِمُ الَّذِي يُوعَدُونَ ﴿۶۰﴾

جلدی نہ کریں، سو خرابی ہے منکروں کو ان کے اس دن سے جس کا ان سے وعدہ ہو چکا

خلاصہ تفسیر

اور میں نے جن اور انسان کو (در اصل) اسی واسطے پیدا کیا ہے کہ میری عبادت کیا کریں (اور تبعاً و تکمیلًا للعبادة جن و انس کی پیدائش پر دوسرے منافع کا مرتب ہونا اس کے منافی نہیں، اور اسی طرح بعض جن و انس سے عبادت کا صادر نہ ہونا بھی اس مضمون کے منافی نہیں، کیونکہ حاصل اس یَعْبُدُون کا ارادہ تشریعیہ ہے یعنی اُن کو عبادت کا حکم دینا نہ کہ ارادہ تکوینیہ یعنی عبادت پر مجبور کرنا، اور تخصیص جن و انس کی اس لئے ہے کہ عبادت سے مراد عبادت بالاختیار و ابتلاء ہے، اور ملائکہ میں اگرچہ عبادت ہے ابتلاء نہیں اور دوسری مخلوقات حیوانات و نباتات وغیرہ میں خستیاں نہیں، حاصل ارشاد کا یہ ہے کہ مجھ کو مطلوب شرعی ان کے عبادت کرنا ہے باقی) میں اُن سے (مخلوق کی) رزق رسانی کی درخواست نہیں کرتا اور نہ یہ درخواست کرتا ہوں کہ وہ مجھ کو کھلایا کریں اللہ خود ہی سب کو رزق پہنچانے والا ہے (تو ہم کو اس کی ضرورت ہی کیا تھی کہ ہم مخلوقات کی روزی رسانی ان کے متعلق کرتے اور وہ) قوت والا نہایت قوت والا ہے کہ اس میں عجز و ضعف اور کسی قسم کی حسیاج کا عقلی احتمال بھی نہیں تو ان سے کھانا مانگنے کا کوئی امکان ہی نہیں، یہ ترغیب ہو گئی، آگے ترغیب ہے کہ جب عبادت کا وجوب ثابت ہو گیا اور عبادت کا اہم رکن ایمان ہے تو اگر یہ لوگ اب بھی شرک و کفر پر مصر رہیں گے، تو (سُن رکھیں کہ) ان ظالموں کی (سزا کی) بھی باری (علم الہی میں مقرر ہے) جیسے ان کے (گزشتہ) ہم مشرکوں کی باری (مقرر) تھی (یعنی ہر مجرم ظالم کے لئے اللہ کے علم میں خاص خاص وقت مقرر ہے، اس طرح نوبت بہ نوبت ہر مجرم کی باری آتی ہے تو وہ عذاب میں پھڑپھڑاتا ہے کہیں دنیا و آخرت دونوں میں اور کہیں صرف آخرت میں) سو مجھ سے (عذاب) جلدی طلب نہ کریں (جیسا کہ اُن کی عادت ہے، کہ وعیدیں سُن کر تکذیب کے طور پر استعجال کرنے لگتے ہیں) غرض جب وہ باری کے دن آویں گے جن میں سب کے اشد یوم موعود یعنی قیامت ہے تو، ان کافروں کے لئے اس دن کے آنے سے بڑی خرابی ہوگی جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا ہے، (چنانچہ خود سورت بھی اسی وعدے سے شروع ہوتی ہے اِنَّمَا يُوعَدُونَ لَصَادِقٌ وَاِنَّ الَّذِیْنَ تَوَاقِعُوا، اور اس سے سورت کے آغاز و انجام کا حسن ظاہر ہے)۔

معارف و مسائل

جن و انس کی تخلیق کا مقصد وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ یعنی ہم نے جنات اور

انسان کو عبادت کے سوا کسی کام کے لئے نہیں پیدا کیا، اس میں دو اشکال ظاہر نظر میں پیدا ہوتے ہیں، اول یہ کہ جس مخلوق کو اللہ تعالیٰ نے کسی خاص کام کے لئے پیدا کیا ہے، اور اس کا ارادہ یہی ہے کہ یہ مخلوق اس کام کو کرے تو عقلی طور پر یہ ناممکن و محال ہو گا کہ پھر وہ مخلوق اس کام سے انحراف کر سکے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کے ارادہ و مشیت کے خلاف کوئی کام محال ہے، دوسرا اشکال یہ ہے کہ اس آیت میں انسان اور جن کی تخلیق کو صرف عبادت میں منحصر کر دیا گیا ہے، حالانکہ ان کی پیدائش میں علاوہ عبادت کے دوسرے فوائد اور حکمتیں بھی موجود ہیں۔ پہلے اشکال کے جواب میں بعض حضرات مفسرین نے اس مضمون کو صرف مومنین کے ساتھ مخصوص قرار دیا ہے، یعنی ہم نے مومن جنات اور مومن انسانوں کو بجز عبادت کے اور کسی کام کے لئے نہیں بنایا اور مومن ظاہر ہے کہ عبادت کے کم و بیش پابند ہوتے ہیں، یہ قول ضحاک اور سفیان وغیرہ کا ہے، اور حضرت ابن عباس کی ایک قرأت آیت مذکورہ میں لفظ مومنین مذکور بھی ہے، اور قرأت اس طرح ہے وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ اس قرأت سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے کہ یہ مضمون صرف مومنین کے حق میں آیا ہے، اور خلاصہ تفسیر میں اس اشکال کو رفع کرنے کے لئے یہ کہا گیا ہے کہ اس آیت میں ارادہ الہی سے مراد ارادہ تکوینی نہیں ہے جس کے خلاف کا وقوع محال ہوتا ہے بلکہ ارادہ تشریعی ہے، یعنی یہ کہ ہم نے ان کو صرف اس لئے پیدا کیا ہے کہ ہم ان کو عبادت کے لئے مامور کریں، امر الہی چونکہ انسانی اختیار کے ساتھ مشروط رکھا گیا ہے، اس کے خلاف کا وقوع محال نہیں، یعنی اللہ تعالیٰ نے تو حکم عبادت کا سب کو دیا، مگر ساتھ ہی اختیار بھی دیا ہے اس لئے کسی نے اپنے خداداد اختیار کو صحیح خرچ کیا، عبادت میں لگ گیا، کسی نے اس اختیار کو غلط استعمال کیا، عبادت سے محروم ہو گیا، یہ قول حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے بغویؒ نے نقل کیا ہے، اور زیادہ بہتر اور بے غبار توجیہ وہ ہے جو تفسیر مظہری میں کی گئی ہے کہ مراد آیت کی یہ ہے کہ ہم نے ان کی تخلیق اس انداز پر کی ہے کہ ان میں استعداد اور صلاحیت عبادت کرنے کی ہو، چنانچہ ہر جن و انس کی فطرت میں یہ استعداد قدرتی موجود ہے، پھر کوئی اس استعداد کو صحیح مصرت میں خرچ کر کے کامیاب ہوتا ہے، کوئی اس استعداد کو اپنے معاصی اور شہوات میں ضائع کر دیتا ہے، اور اس مضمون کی مثال وہ حدیث ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: كُلُّ مَوْلُوْجٍ يُّوَلَّدُ عَلَى الْفِطْرَةِ فَأَبْوَاهُ يَهُودًا أَوْ نَصْرَانِيَّةً أَوْ يَمَجْسَانِيَّةً، یعنی ہر پیدا ہونے والا بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے پھر اس کے ماں باپ اس کو اس فطرت سے ہٹا کر کوئی، یہودی بنادیتا ہے کوئی مجوسی، فطرت پر پیدا ہونے سے مراد اکثر علماء کے نزدیک دین اسلام پر پیدا ہونا ہے، تو جس طرح اس حدیث میں یہ بتلایا گیا ہے کہ ہر انسان میں فطری اور خلقی طور پر اسلام دین کی استعداد و صلاحیت رکھی جاتی ہے، پھر کبھی اس کے ماں باپ اس صلاحیت کو ضائع کر کے کفر کے طریقوں پر ڈالتے ہیں، اسی طرح اس آیت میں (لَا يَعْْبُدُونَ) کا یہ مفہوم ہو سکتا ہے کہ جن و انس کے ہر فرد میں اللہ تعالیٰ نے استعداد اور صلاحیت عبادت کی رکھی ہے، واللہ سحانہ و تعالیٰ اعلم،

اور دوسرے اشکال کا جواب خلاصہ تفسیر میں یہ آچکے ہیں کہ کسی مخلوق کو عبادت کے لئے پیدا کرنا اس سے دوسرے منافع اور فوائد کی نفی نہیں کرتا۔

مَا أَرْسَلْنَا مِنْ رِزْقٍ اَذِيهِ يَعْنِي فِي جَنِّ وَاَنَسٍ كَوَيْدٍ اَكْرَكَ اَنْ سَمِىَ اَنَسَاوُنَ كِي عَادَتِ كِ
مطابق اپنا کوئی نفع نہیں چاہتا، کہ وہ رزق پیدا کریں میرے لئے یا اپنے لئے یا میری دوسری مخلوق کے لئے، اور
یہ کہ وہ مجھے کما کر کھلائیں، یہ سب کلام انسان کی عام عادت پر کیا گیا ہے، کیونکہ بڑے سے بڑا انسان جو غلام
خریدتا اور اس پر خرچ کرتا ہے تو اس کا مقصد ان غلاموں سے اپنے کام لینا اپنی ضروریات اور کاموں میں مدد
لینا اور کمائی کر کے آقا کو دینا ہوتا ہے، حق تعالیٰ ان سب چیزوں سے پاک اور بالا و برتر ہیں، اس لئے فرمایا
کہ ان کو پیدا کرنے سے میرا اپنا کوئی نفع مقصود نہیں۔

ذَرِّوْهُمْ اَلْفِظْ ذَنْوِبٌ بَفْحِ اَلْزَالِ اَصْلُ فِي بَرْءِ ذُوْلٍ كَوَيْدٍ اَكْرَكَ اَنْ سَمِىَ اَنَسَاوُنَ كِي عَادَتِ كِ
بھرنے کے لئے بغرض سہولت بھرنے والوں کے نمبر اور باری مقرر کر لی جاتی ہے، ہر ایک پانی بھرنے والا
اپنی باری میں پانی بھرتا ہے، اس لئے یہاں لفظ ذنوب کے معنی باری اور حصہ کے لئے گئے ہیں، مراد یہ ہے کہ
جس طرح پھل اٹھوں کو اپنے وقت میں عمل کرنے کا موقع اور باری دی گئی، جن لوگوں نے اپنی باری
میں کام نہیں کیا وہ ہلاک و برباد اور گرفتار عذاب ہوئے، اسی طرح موجودہ مشرکین کی بھی باری اور وقت
مقرر ہے، اگر اس وقت تک یہ اپنے کفر سے باز نہ آئے تو خدا کا عذاب ان کو کبھی تو اسی دنیا میں اور نہیں تو
آخرت میں ضرور پکڑے گا، اس لئے ان کو فرمادیں گے کہ اپنی جلد بازی سے باز آ جاؤ، یعنی یہ کفار جو بطور تکذیب
و انکار کے یہ کہتے ہیں کہ اگر ہم واقعی مجرم ہیں اور مجرمین پر عذاب آنا آپ کے قول سے ثابت ہے تو پھر ہم پر
عذاب کیوں نہیں آ جاتا؟ ان کا جواب یہ ہے کہ عذاب اپنے مقررہ وقت پر اور اپنی باری پر آتا ہے،
تمہاری باری بھی آنے والی ہے جلد بازی نہ کرو۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ

سُورَةُ ذَارِیَاتِ آجِ دُشَنبِه ۲۱ رُبِعِ الْاَوَّلِ ۱۳۹۸ھ کو پوری ہو گئی !!!

—————

سُورَةُ الطُّورِ

سُورَةُ الطُّورِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ تِسْعٌ وَأَرْبَعُونَ آيَةً وَفِيهَا بِرُكُوعَانِ ۶

سورۃ طور مکہ میں نازل ہوئی اور اس کی انچاس آیتیں ہیں اور دو رکوع

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ○

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے ،

وَالطُّورِ ① وَكُتِبَ مَسْطُورٍ ② فِي رَقٍّ مَّنْشُورٍ ③ وَالْبَيْتِ

قسم ہے طور کی ، اور لکھی ہوئی کتاب کی ، کشادہ ورق میں ، اور آباد

الْمَعْمُورِ ④ وَالسَّقْفِ الْمَرْفُوعِ ⑤ وَالْبَحْرِ الْمَسْجُورِ ⑥ إِنَّ عَذَابَ

گھر کی ، اور اونچی چھت کی ، اور اُبلتے ہوئے دریا کی ، بیشک عذاب

رَبِّكَ لَوَاقِعٌ ⑦ مَّا لَهُ مِنْ دَافِعٍ ⑧ يَوْمَ تَمُورُ السَّمَاءُ مَوْرًا ⑨

تیرے رب کا ہو کر ہو گا ، اس کو کوئی نہیں بٹانے والا ، جس دن لرزے آسمان کھپکا کر ،

وَتَسِيرُ الْجِبَالُ سَيْرًا ⑩ فَوَيْلٌ يَوْمَئِذٍ لِلْمُكَذِّبِينَ ⑪ الَّذِينَ هُمْ

اور پھریں پہاڑ چل کر ، سو خرابی ہے اُس دن جھٹلانے والوں کو جو باتیں بناتے ہیں

فِي خَوْضٍ يَلْعَبُونَ ⑫ يَوْمَ يَدْعُونا إِلَى نَارِ جَهَنَّمَ دَعَاً ⑬ هَذِهِ

کھیلنے ہوئے ، جس دن کہ دھکیلے جائیں دوزخ کی طرف دھکیل کر ، یہ ہے یہ

النَّارُ الَّتِي كُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُونَ ⑭ أَفَسِحْرُ هَذَا أَمْ أَنْتُمْ لَا تَبْصُرُونَ ⑮

آگ جس کو تم جھوٹ جانتے تھے ، اب بھلا یہ جادو یا تم کو نہیں سوجھتا ،

اَصْلُوها فَاصْبِرْ وَاَوْلاَ تَصْبِرْ وَاِجْ سَوَاءٌ عَلَیْكُمْ اِنْ سَأَلْتُمْ جَزَؤَنَ

چلے جاؤ اس کے اندر پھر تم صبر کر دیا نہ صبر کر د تم کو برابر ہے وہی بدلہ پاؤ گے

مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿۱۶﴾ اِنَّ الْمُتَّقِیْنَ فِیْ جَنَّاتٍ وَنَعِیْمٍ ﴿۱۷﴾ فَكِهِیْنَ بِمَا

جو کچھ تم کرتے تھے، جو ڈرنے والے ہیں وہ باغوں میں ہیں اور نعمت میں، میوے کھاتے ہوؤ

اَشْهَمَ رَجْهَمٌ وَوَقَّهَمُ رَجْهَمٌ عَذَابَ الْجَحِیْمِ ﴿۱۸﴾ كُلُّوا وَاشْرَبُوا

جو ان کو دیتے ان کے رنجے، اور بچایا انکو ان کے رب نے دوزخ کے عذاب سے، کھاؤ اور پیو

هٰذَا یَوْمَ كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿۱۹﴾ مُتَكِبِّیْنَ عَلٰی سُرٍّ مَّصْفُوفَةٍ وَّوَزْوَجِهِمْ

رچا ہوا بدلہ ان کاموں کا جو تم کرتے تھے، تکیہ لگائے بیٹھے تختوں پر برابر بچے ہوئے قطار باندھ کر اور سیاہ دیں

بِجُورٍ عِیْنٍ ﴿۲۰﴾ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّیَّتُهُمْ بِاِیْمَانٍ اَلْحَقْنَا

ہم نے ان کو جوڑیں بڑی آنکھوں والیاں، اور جو لوگ یقین لائے اور ان کی راہ پر چلی ان کی اولاد ایمان سے پہنچا دیا ہم نے

بِهِمْ ذُرِّیَّتَهُمْ وَمَا اَلْتَنَّهُمْ مِّنْ عَمَلِهِمْ مِّنْ شَیْءٍ

ان تک ان کی اولاد کو اور گھٹایا نہیں ہم نے ان سے ان کا کیا ذرا بھی

كُلُّ اَمْرِیْٓ اِنَّمَا كَسَبَ رَهِیْنٌ ﴿۲۱﴾ وَاَمَدَدْنَاهُمْ بِقَافِیَةِ وَلَحِیْمٍ مِّمَّا

ہر آدمی اپنی کمائی میں پھنسا ہے، اور تار لگا دیا ہم نے ان پر میووں کا اور گوشت کا جس

یَسْتَمُونَ ﴿۲۲﴾ یَتَنَازَعُونَ فِیْهَا كَاسًا لَا لَغْوَ فِیْهَا وَلَا تَأْسِیْمٌ ﴿۲۳﴾

چیز کو چاہیں، جھپٹتے ہیں وہاں پیالہ نہ بچنا ہے اس شراب میں اور نہ گناہ میں ڈالنا،

وَلَطُوفٌ عَلَیْهِمْ غِلْمَانٌ لَّهُمْ كَاَنَّهُمْ لَوْ لَوْ مَكْنُونٌ ﴿۲۴﴾ وَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ

اور پھرتے ہیں ان کے پاس چھو کرے ان کے گویا وہ موتی ہیں اپنے غلات کے اندر، اور منہ کیا بعضوں نے

عَلٰی بَعْضٍ یَّتَسَاءَلُونَ ﴿۲۵﴾ قَالُوْا اِنَّا كُنَّا قَبْلُ فِیْ اَهْلِیْنَا مُشْفِقِیْنَ ﴿۲۶﴾

دوسروں کی طرف آپس میں پوچھتے ہوئے، بولے ہم بھی تھے اس پہلے اپنے گھروں میں ڈرتے رہتے

فَمِنَ اللّٰهِ عَلَیْنَا وَوَقَّانَا عَذَابَ السَّمُومِ ﴿۲۷﴾ اِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلُ

پھر احسان کیا اللہ نے ہم پر اور بچا دیا ہم کو لو کے عذاب سے، ہم پہلے سے پکارتے

ذَٰلِكَ عُوْهُ ۖ إِنَّهُ هُوَ الْبَرُّ الرَّحِيْمُ ﴿۲۸﴾

تھے اس کو بیشک وہی ہر نیک سلوک والا مہربان،

خلاصہ تفسیر

قسم ہے طور پہاڑ کی اور اس کتاب کی جو کھلے ہوئے کاغذ میں لکھی ہے (مراد اس سے نامہ اعمال ہے جس کی نسبت دوسری آیت میں آیا ہے کُتُبًا يَلْقَاهُ مَنْشُورًا اور جس چیز میں وہ لکھا ہوا ہے اس کو تشبیہاً کاغذ کہہ دیا) اور (قسم ہے) بیت المعمور کی کہ ساتویں آسمان میں عبادت خانہ ہے فرشتوں کا، کما فی الدرر مرفوعاً) اور (قسم ہے) اونچی چھت کی (مراد آسمان ہے، قال تعالیٰ وَجَعَلْنَا السَّمَاءَ سَقْفًا مَحْفُوظًا وَقَالَ تَعَالَى إِنَّهُ الَّذِي ذَرَفَ السَّيْلُوتِ، وصرح بهذا التفسیر عن علی بسند صحیح کنز العمال عن مستدرک الحاکم) اور (قسم ہے) دریائے شور کی جو (پانی سے) بڑھے (آگے جو اب قسم ہے) کہ بیشک آپ کے رب کا عذاب ضرور ہو کر رہے گا کوئی اس کو ٹال نہیں سکتا (اور یہ اس روز واقع ہوگا) جس روز آسمان ٹھہر جائے لگے گا اور پہاڑ (اپنی جگہ سے) ہٹ جا دیں گے (مراد قیامت کا دن ہے، اور ٹھہرانا یا تو باعتبار معنی متبادر کے ہو، یا مراد اس سے انشقاق ہو جو دوسری آیت میں مذکور ہے فَإِذَا انشَقَّتِ السَّمَاءُ، روح المعانی میں ابن عباسؓ سے دونوں تفسیریں نقل کی ہیں، اور دونوں میں کوئی تعارض نہیں، آگے پیچھے دونوں کا تحقق ہو سکتا ہے، اور یہاں پہاڑوں کا ہٹنا مذکور ہے، اور دوسری آیتوں میں ریزہ ریزہ ہونا پھر اُڑ جانا مذکور ہے، قوله يَنشَقُّهَا رَبِّي، قوله بَسَّتِ الْجِبَالُ بَسًّا فَكَانَتْ هَبَاءً، اور ان قسموں میں اس مقصد کو ذہن کے قریب لانا ہے جس کے لئے قسم کھائی گئی اور وہ یہ کہ قیامت کے وقوع کی اصل وجہ جزاء و سزا ہے، اور مجازاً میں مدارک احکام شرعیہ ہیں، پس طور کی قسم کھانے میں اشارہ ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ صاحب کلام و احکام ہے، پھر ان احکام کی مخالفت یا موافقت مبنی ہے مجازاً کا، نامہ اعمال کی قسم کھانے میں اشارہ ہو گیا اس موافقت یا مخالفت کے محفوظ و منضبط ہونے کی طرف مجازاً اس پر بھی موقوف ہے کہ احکام الہیہ کی اطاعت ضروری ہو، بیت المعمور کی قسم میں اشارہ ہو گیا کہ عبادت ایسا ضروری امر ہے کہ فرشتوں کو بھی باوجود اس کے کہ ان کے لئے جزاء و سزا نہیں اس سے نہیں چھوڑا گیا، پھر نتیجہ مجازاً دو چیزیں ہیں، جنت اور دوزخ، سما کی قسم میں اشارہ ہو گیا کہ جنت ایسی ہی رفعت کا مکان ہے، جیسے آسمان، اور بحر مجبور کی قسم میں اشارہ ہو گیا کہ دوزخ بھی ایسی ہی خوفناک چیز ہے، جیسے سمندر، یہ وجہ تخصیص تقسیم اقسام کی ہو سکتی ہے، اور نفیس قسم کی توجیہ سورۃ حجر کی آیت نَعْمُ مَكَّ كُذِّبَتْ ذِیْلُیْنِ میں اور غایت و غرض کی شروع سورۃ صافات میں گذر چکی ہے، آگے اس یوم کے بعض واقعات ارشاد فرماتے ہیں کہ جب یہ ثابت ہوا کہ مستحقین عذاب

44

اس کی ایک صورت تو یہ ہو سکتی ہے کہ چھ سو پچھپے والے سے ایک سو روپے لیکر اس چار سو والے کو دیئے جائیں کہ دونوں کے پاس پانچ پانچ سو ہو جائے اور دوسری صورت جو کرمیوں کی شان کے لائق ہے یہ ہے کہ چھ سو والے سے کچھ نہ لیا جائے بلکہ اس چار سو والے کو دوسو روپے اپنے پاس سے دیدیں اور دونوں کو برابر کر دیں، پس مطلب یہ ہے کہ وہاں پہلی صورت واقع نہ ہوگی جس کا اثر یہ ہوتا کہ متبوع کو لوجہ کم ہو جانے اعمال کے اس کے درجہ سے کچھ نیچے لاتے، اور تالچ کو کچھ اوپر لے جاتے اور دونوں ایک متوسط درجہ میں رہتے یہ نہ ہوگا، بلکہ دوسری صورت واقع ہوگی اور متبوع اپنے درجہ عالیہ میں بدستور رہے گا، اور تالچ کو وہاں پہونچا دیا جائے گا اور متبوع اور ذریت میں ایمان کی مشروط اس لئے ہے کہ اگر وہ ذریت مومن نہیں تو آباء مومنین کے ساتھ الحاق نہیں ہو سکتا، کیونکہ کافروں میں سے ہر شخص اپنے اعمال (کفریہ) میں مجبوس (فی النار اور ماخوذ) رہے گا (بقولہ تعالیٰ اَکُلْ نَفْسٌ بِمَا كَسَبَتْ رَهِيْنَةً اِلَّا الْاَصْحَابَ الْاَيْمٰنِ، فسترہ ابن عباس کما فی الدرر یعنی نجات کی کوئی صورت نہیں، لہذا ان کا الحاق آباء مومنین کے ساتھ متصور نہیں، اس لئے الحاق میں ایمان ذریت شرط ہے) اور آگے پھر مطلق اہل ایمان و اہل جنت کا بیان ہے کہ ہم ان کو میوے اور گوشت جس قسم کا اُن کو مرغوب ہو روز افزوں دیتے رہیں گے (اور) وہاں آپس میں (بطور خوش طبعی کے) جام شراب میں چھینا چھینتی بھی کریں گے کہ اس (شراب) میں نہ بک بک لگے گی (کیونکہ نشہ نہ ہوگا) اور نہ کوئی بیہودہ بات (عقل و متانت کے خلاف) ہوگی اور ان کے پاس (فواکہ وغیرہ لانے کے لئے) ایسے لٹکے آئیں جائیں گے (یہ لٹکے کون ہوں گے اس کی تحقیق تفسیر سورۃ واقعہ میں آئے گی) جو خاص انہی (کی خدمت) کے لئے ہوں گے، (اور غایت حسن و جمال سے ایسے ہوں گے کہ) گویا وہ حفاظت سے رکھے ہوئے موتی ہیں (کہ اُن پر ذرا گرد و غبار نہیں ہوتا، اور آب و تاب اعلیٰ درجہ کی ہوتی ہے) اور (ان کو روحانی مسرت بھی ہوگی، چنانچہ اس میں سے ایک کا بیان یہ ہے کہ) وہ ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہو کر بات چیت کریں گے (اور اثنائے گفتگو میں) یہ بھی کہیں گے کہ (بھائی) ہم تو اس سے پہلے اپنے گھر (یعنی دنیا میں انجام کار سے) بہت ڈرا کرتے تھے سو خدا نے ہم پر بڑا احسان کیا اور ہم کو عذاب دوزخ سے بچالیا (اور) ہم اس سے پہلے (یعنی دنیا میں) اس سے دعائیں مانگا کرتے تھے (کہ ہم کو دوزخ سے بچا کر جنت میں لیجاوے) سو اللہ نے دعا قبول کر لی، واقعی وہ بڑا محسن مہربان ہے (اور اس مضمون سے مسرت ہونا ظاہر ہے، اور چونکہ یہ امر و حیثیت سے نعمت تھا، ایک فی نفسہ عذاب سے بچانا، دوسرے ہم ناکاروں کی ناجیز عرض قبول کر لینا، اس لئے دو عنوانوں سے تعبیر کیا گیا)۔

معارف مسائل

وَالظُّوْرُ، طور کے معنی عبرانی زبان میں پہاڑ کے ہیں جس پر درخت اُگتے ہوں، یہاں طور سے مراد وہ طور سینین ہے جو ارضِ مقدسہ میں واقع ہے، جس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حق تعالیٰ سے

شریت ہمکلامی نصیب ہوا، بعض روایات حدیث میں ہے کہ دنیا میں چار پہاڑ جنت کے ہیں ان میں سے ایک طور ہے (قرطبی) طور کی قسم کھانے میں اس کی خاص تعظیم و تشریف کی طرف بھی اشارہ ہے اور اس کی طرف بھی کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندوں کے لئے کچھ کلام اور احکام آئے ہیں جن کی پابندی اُن پر فرض ہے۔

وَكَيْتَبٌ مَّسْكُودٍ فِي رَحْمَةٍ مَّشْهُورٍ، لفظ رَق در اصل پتلی یا ایک کھال کے لئے بولا جاتا ہے، جو لکھنے کے واسطے کاغذ کی جگہ بنائی جاتی تھی، مراد اس سے وہ چیز ہے جس پر لکھا گیا ہو، اس لئے اس کا ترجمہ کاغذ سے کر دیا جاتا ہے، اور کتاب مسطور سے مراد یا تو انسان کا نامہ اعمال ہے جیسا کہ خلاصہ تفسیر میں لکھا گیا ہے اور بعض مفسرین نے اس سے مراد قرآن کریم قرار دیا ہے (قرطبی)

آسانی کعبہ بیت معمر | وَالْبَيْتِ الْمَعْمُورِ، بیت معمور آسمان میں فرشتوں کا کعبہ ہے، دنیا کے کعبہ کے بالمقابل ہے، صحیحین کی احادیث میں ثابت ہے کہ شب معراج میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب ساتویں آسمان پر پہنچے تو آپ کو بیت معمر کی طرف لے جایا گیا، جس میں ہر روز ستر ہزار فرشتے عبادت کے لئے داخل ہوتے ہیں، پھر کبھی ان کو دوبارہ یہاں پہنچنے کی نوبت نہیں آتی (کیونکہ ہر روز دوسرے نئے فرشتوں کا نمبر ہوتا ہے) ابن کثیر۔

بیت معمور ساتویں آسمان کے رہنے والے فرشتوں کا کعبہ ہے، اسی لئے شب معراج میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب بیت معمر پر پہنچے تو دیکھا کہ ابراہیم علیہ السلام اس کی دیوار سے ٹیک لگائے بیٹھے ہیں، چونکہ وہ دنیا کے کعبہ کے بانی تھے، اللہ تعالیٰ نے اس کی جزاء میں آسمان کے کعبہ سے بھی ان کا خاص تعلق قائم کر دیا (ابن کثیر)

وَالْبَحْرِ الْمَسْجُورِ، بحر سے مراد سمندر اور مسجور بحر سے مشتق ہے جو کنی معنی کے لئے استعمال ہوتا ہے، ایک معنی آگ بھڑکانے کے بھی ہیں، بعض حضرات مفسرین نے اس جگہ یہی معنی لئے کہ قسم ہے سمندر کی جو آگ بنا دیا جائے گا، اس میں اشارہ اس طرف ہے کہ قیامت کے روز سارا سمندر آگ بن جائیگا، جیسا کہ دوسری آیت میں ہے (وَإِذَا الْبِحَارُ سُجُوتٌ) یعنی چاروں طرف کے سمندر آگ بن کر میدانِ حشر میں جمع ہونے والے انسانوں کے محیط ہو جائیں گے، یہی معنی حضرت سعید بن مسیب نے حضرت علیؑ سے نقل کئے ہیں، حضرت ابن عباس اور سعید بن مسیب، مجاہد، عبید اللہ بن عمر نے بھی یہی تفسیر کی ہے (ابن کثیر)

حضرت علیؑ سے کسی یہودی نے پوچھا کہ جہنم کہاں ہے؟ تو آپ نے فرمایا سمندر ہے، یہودی نے بھی جو کتب سابقہ کا عالم تھا اس کی تصدیق کی (قرطبی) اور حضرت قتادہ وغیرہ نے مسجور کے معنی مملوک کئے ہیں، یعنی پانی سے بھرا ہوا، ابن جریر نے اسی معنی کو اختیار کیا ہے (ابن کثیر) یہی معنی خلاصہ تفسیر میں اوپر بیان ہوئے ہیں۔

إِنَّ عَذَابَ ذِي الْقُنُوءَةِ لَشَدِيدٌ ﴿۱۸۰﴾
 اس کو کوئی دفع کرنے والا نہیں، یہ جواب قسم ہے، اوپر طور، صحائف اعمال، بیت المعمور، آسمان، سمندر کی جس مضمون کے لئے قسم کھائی ہے اس کا یہ بیان ہے کہ کفار کے اوپر اللہ کا عذاب ضرور واقع ہوگا۔
 واقعہ فاروق اعظمؓ | حضرت فاروق اعظمؓ نے ایک روز سورۃ طور پڑھی جب اس آیت پر پہنچے تو ایک آہ سرد بھری، جس کے بعد بیس روز تک بیمار رہے، لوگ عیادت کو آتے، مگر یہ کسی کو معلوم نہ ہو سکا کہ بیماری کیلئے (ابن کثیر)

حضرت جبیر بن مطعمؓ فرماتے ہیں کہ میں مسلمان ہونے سے پہلے ایک مرتبہ مدینہ طیبہ اس لئے آیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بدر کے قیدیوں کے متعلق گفتگو کروں، میں پہونچا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مغرب کی نماز میں سورۃ طور پڑھ رہے تھے اور آذان مسجد سے باہر تک پہونچ رہی تھی، جب یہ آیت پڑھی إِنَّ عَذَابَ ذِي الْقُنُوءَةِ لَشَدِيدٌ ﴿۱۸۰﴾ اچانک میری یہ حالت ہوئی کہ گویا میرا دل خون سے پھٹ جائے گا، میں نے فوراً اسلام قبول کیا، مجھے اُس وقت یہ محسوس ہو رہا تھا کہ میں اس جگہ سے ہٹ نہیں سکوں گا، کہ مجھ پر عذاب آجائے گا (قرطبی)

يَوْمَ تَمُوتُ السَّمَاءُ مَوْتَراً، نعت میں مضطربانہ حرکت کو مؤثر کہا جاتا ہے، آسمان کی اضطرابی حرکت جو قیامت کے روز ہوگی ایس کا بیان ہے۔

وَالَّذِينَ آمَنُوا وَآتَيْنَاهُمُ الذِّكْرَ بِآيَاتِنَا إِنَّ الْحَقَّ آتَيْنَاهُمُ الذِّكْرَ ﴿۱۸۱﴾
 بزرگوں کے ساتھ نسی تعلق | (یعنی وہ لوگ جو ایمان لائے اور ان کی اولاد بھی ایمان میں اُن کے تابع رہی آخرت میں بھی نفع دے گا، یعنی مومن ہوئی تو ہم ان کی اولاد کو بھی جنت میں انہی کے ساتھ ملحق کر دیں گے) بشرط ایمان

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ مومنین صالحین کی ذریت و اولاد کو بھی ان کے بزرگ آباء کے درجہ میں پہنچا دیں گے، اگرچہ وہ عمل کے اعتبار سے اس درجہ کے مستحق نہ ہوں تاکہ ان بزرگوں کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں درواہ الحاکم و البہیقی فی سننہ والبراد و ابو نعیم فی الحلیۃ وابن المنذر وابن جریر وابن ابی حاتم، از منہری)

اور طبرانی نے حضرت سعید بن جبیرؓ سے روایت کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ ابن عباسؓ نے فرمایا اور میرا گمان یہ ہے کہ انھوں نے اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے کہ جب کوئی شخص جنت میں داخل ہوگا تو اپنے ماں باپ اور بیوی اور اولاد کے متعلق پوچھے گا (وہ کہاں ہیں) اس سے کہا جائیگا کہ وہ تمہارے درجہ کو نہیں پہونچے (اس لئے ان کا جنت میں الگ مقام ہے) یہ شخص عرض کرے گا اے میرے پروردگار! میں نے جو کچھ عمل کیا وہ اپنے لئے اور ان سب کے لئے کیا تھا تو حق تعالیٰ شانہ کی طرف سے حکم ہوگا کہ ان کو بھی اسی درجہ جنت میں اُن کے ساتھ رکھا جائے (ابن کثیر)

حافظ ابن کثیر نے روایات مذکورہ نقل کرنے کے بعد فرمایا کہ آخرت میں ان روایات سے تو یہ ثابت ہوا کہ آباء صالحین کی برکت سے ان کی اولاد کو فائدہ پہونچے گا اور عمل میں ان کا درجہ کم ہونے کے باوجود اپنے آباء صالحین کے درجے میں پہونچا دیئے جائیں گے، اس کا دوسرا رخ کہ اولاد صالحین کی وجہ سے والدین کو نفع پہونچے یہ بھی حدیث سے ثابت ہے، مسند احمد میں حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اپنے بعض نیک بندوں کا درجہ جنت میں اس کے عمل کی مناسبت سے بہت اونچا کر دیں گے، تو یہ دریافت کرے گا کہ میرے پروردگار مجھے یہ مقام اور درجہ کہاں سے مل گیا (میرا عمل تو اس قابل نہ تھا) تو جواب یہ دیا جائے گا کہ تمہاری اولاد نے تمہارے لئے استغفار و دعا کی اس کا یہ اثر ہے (رواہ الامام احمد وقال ابن کثیر اسنادہ صحیح ولم یخرجہ و لکن لا شاہد فی صحیح مسلم عن ابی ہریرہؓ)

وَمَا آتَيْنَاهُمْ مِّنْ عَمَلِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ ۚ اَلَّذِيْنَ اٰتٰی اٰیٰتِہٖمُ لَیْسَ لَہُمْ فِیْہِ اِکْرَامٌ ۚ
معنی آیت کے یہ ہیں کہ صالحین کی اولاد کو ان کے درجہ عمل سے بڑھا کر صالحین کے ساتھ ملحق کرنے کے لئے ایسا نہیں کیا گیا کہ صالحین کے عمل میں سے کچھ کم کر کے ان کی اولاد کا عمل پورا کیا جاتا بلکہ اپنے فضل سے انکی برابر کر دیا گیا۔

محل امریٰ ۱۰ بِنَا کَسَبَ کَہِیْنٌ، یعنی ہر انسان اپنے عمل میں محسوس ہوگا ایسا نہیں ہوگا کہ کسی دوسرے کا گناہ اس کے سر ڈال دیا جائے یعنی جس طرح آیت سابقہ میں اولاد صالحین کو صالحین کی خاطر سے درجہ بڑھا دیا گیا یہ عمل حسنات میں تو ہوگا، سیئات میں ایک کے گناہ کا کوئی اثر دوسرے پر نہ پڑے گا (ابن کثیر)

فَذَکِّرْ فَمَا اَنْتَ بِنِعْمَتِ رَبِّکَ بِكَاهِنٍ وَلَا مَجْنُوْنٍ ﴿۲۹﴾ اَمْ یَقُوْلُوْنَ
اب تو سمجھا دے کہ تو اپنے رب کے فضل سے نہ جنوں سے خبر لینے والا ہو اور نہ دیوانہ، کیا کہتے ہیں

شَاعِرٌ نَّتَرَبَّصُ بِہٖ رَبِّیَ الْمُنُوْنِ ﴿۳۰﴾ قُلْ تَرَبَّصُوْا فَاِنِّیْ مَعَکُمْ
یہ شاعر ہے ہم منتظر ہیں اس پر گردش زمانہ کے، تو کہ تم منتظر ہو کہ میں بھی تمہارے

مِّنَ الْمُنْتَزِعِیْنَ ﴿۳۱﴾ اَمْ تَأْمُرُہُمْ اَحْلَآءُہُمْ بِہٰذَا اَمْ ہُمْ قَوْمٌ
ساتھ منتظر ہوں، کیا ان کی عقلیں ہی سکھاتی ہیں ان کو یا یہ لوگ شرارت پر

طَاغُوْنَ ﴿۳۲﴾ اَمْ یَقُوْلُوْنَ تَقُوْلُہٗ ۚ بَلْ لَا یُؤْمِنُوْنَ ﴿۳۳﴾ فَلِیَا تَوَّابٍ نَّشِ
ہیں، یا کہتے ہیں یہ شرآن خود بنالایا کوئی نہیں پر وہ یقین نہیں کرتے، پھر چاہئے کہ لے آئیں

مِّثْلَہٗ اِنْ کَانُوْا صٰدِقِیْنَ ﴿۳۴﴾ اَمْ خُلِقُوْا مِنْ غَیْرِ شَیْءٍ اَمْ ہُمْ
کوئی بات اس طرح کی اگر وہ سچے ہیں، کیا وہ بن گئے ہیں آپ ہی آپ یا وہی ہیں

الْخَالِقُونَ ﴿۳۵﴾ أَمْ خَلَقُوا السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ بَلْ لَا يَوْمِقُونَ ﴿۳۶﴾

بنانے والے ، یا انھوں نے بنایا آسمانوں کو اور زمین کو کوئی نہیں پر وہ یقین نہیں کرتے ،

أَمْ عِنْدَهُمْ خَزَائِنُ رَبِّكَ أَمْ هُمُ الْمُصِطْرُونَ ﴿۳۷﴾ أَمْ لَهُمْ سُلَّمٌ

کیا ان کے پاس ہیں خزانے تیرے رب کے یا وہی داروغہ ہیں ، کیا ان کے پاس کوئی سیڑھی ہے

لِيَسْمِعُونَ فِيهِ فَلْيَأْتِ مُسْتَمِعُهُمْ بِسُلْطٰنٍ مُّبِينٍ ﴿۳۸﴾ أَمْ لَهُ الْبَنَاتُ

جس پر سن آتے ہیں ، تو چاہئے لے آئے جو ستارہ ان میں ایک سند کھلی ہوئی ، کیا اس کے یہاں بیٹیاں ہیں

وَلَكُمْ الْبَنُونَ ﴿۳۹﴾ أَمْ تَسْأَلُهُمْ أَجْرًا فَهُمْ مِنْ مَغْرَمٍ مُثْقَلُونَ ﴿۴۰﴾

اور تمھارے لئے بیٹے ، کیا تو مانگتا ہے ان سے کچھ بدلہ سو ان پر تادان کا بوجھ ہے ،

أَمْ عِنْدَهُمُ الْغَيْبُ فَهُمْ يَكْتُبُونَ ﴿۴۱﴾ أَمْ يُرِيدُونَ كَيْدًا فَالَّذِينَ

کیا ان کو خبر ہے بھید کی سودہ لکھ رکھتے ہیں ، کیا چاہتے ہیں کچھ داؤ کرنا ، سو جو منکر

كَفَرُوا هُمُ الْمَكِيدُونَ ﴿۴۲﴾ أَمْ لَهُمْ آلٌ غَيْرُ اللَّهِ سُبْحٰنَ اللَّهِ عَمَّا يُشْرِكُونَ ﴿۴۳﴾

ہیں ہی آتے ہیں داؤ میں ، کیا ان کا کوئی حاکم ہے اللہ کے سوائے وہ اللہ پاک ہے ان کے شریک بنانے سے

وَأَنْ تَرَوْا كِسْفًا مِنَ السَّمَاءِ سَاقِطًا يَقُولُوا سَحَابٌ مَرْكُومٌ ﴿۴۴﴾ فَذَرْهُمْ حَتَّىٰ

اور اگر دیکھیں ایک تختہ آسمان سے گرتا ہوا کہیں یہ بادل ہے گاڑھا ، سو تو چھوڑ دے ان کو یہاں تک کہ

يُلْقُوا يَوْمَهُمُ الَّذِي فِيهِ يَصْعَقُونَ ﴿۴۵﴾ يَوْمَ لَا يَفْنَىٰ عَنْهُمْ كَيْدُ شَيْءٍ وَلَا هُمْ

دیکھ لیں اپنی اس دن کو جس میں اپنی ہڈی بھلی کی کرکس ، جس دن کا نہ آئے گا ان کو ان کا داؤ ذرا بھی اور نہ ان کو مدد

يَنْصُرُونَ ﴿۴۶﴾ وَإِنَّ لِلَّذِينَ ظَلَمُوا عَذَابًا دُونَ ذَلِكَ وَلَكِنْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿۴۷﴾ صَبْرٌ

پہنچگی ، اور ان گنہگاروں کے لئے ایک عذاب ہے اس سے دلیے پر بہت ان میں کے نہیں جانتے ، اور تو ٹھہرنا نظر

لِحٰكِمِ رَبِّكَ فَإِنَّكَ بِأَعْيُنِنَا وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ حِينَ تَقُومُ ﴿۴۸﴾ وَمِنْ اللَّيْلِ فَسَبِّحْهُ وَادْبَارَ النُّجُومِ ﴿۴۹﴾

اپنے رب کے حکم کا تو تو ہماری آنکھوں کے سامنے ہے اور پاکی بیکر پر رب کی خوب عاجزت تو اٹھتا ہوا اور کچھ ایسا ہی لڑکی بالائی اور ٹھہر پھر وقت تاروں کے

خلاصہ تفسیر

رجب آپ پر مضامین واجب التبلیغ کی وحی کی جاتی ہے جیسے اور پر ہی جنت و دوزخ کے مستحقین

$$\frac{74}{2}$$

ہونے کا اعتقاد رکھے تو عقلاً اس پر لازم ہے کہ توحید کا بھی قائل ہو، اللہ کے ساتھ کسی کو شریک قرار دے، اور توحید کا انکار وہ شخص کر سکتا ہے جو صفتِ خالقیت کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص نہ جانے یا اپنی مخلوقیت کا منکر ہو، اور چونکہ یہ لوگ اپنے عدم غور و فکر کی وجہ سے یہ نہیں جانتے تھے کہ خالق جب ایک ہے تو معبود بھی ایک ہی ہونا لازم ہے، اس لئے آگے ان کے اس جہل کی طرف اشارہ ہے کہ واقع میں ایسا نہیں، بلکہ یہ لوگ (جو جہل کے توحید کا) یقین نہیں لاتے (وہ جہل ہی ہے کہ اس میں غور نہیں کرتے کہ خالقیت اور معبودیت میں تلازم ہر دو یہ گفتگو توحید کے متعلق ہوئی، آگے رسالت کے متعلق ان کے دوسرے مزعومات کا رد ہے، چنانچہ وہ یہ بھی کہا کرتے تھے کہ اگر نبوت ہی ملنی تھی تو فلاں فلاں رؤسا، مکہ و طائف کو ملتی، حتیٰ تعالیٰ اس کا جواب دیتے ہیں کہ) کیا ان لوگوں کے پاس سمجھائے رب (کی نعمتوں اور رحمتوں) کے (جن میں نبوت بھی داخل ہے) خزانے ہیں، (کہ جس کو چاہو نبوت دیدو، اقولہ تعالیٰ اَھُم یَقْسِمُونَ رَحْمَۃَ رَبِّکَ) یا یہ لوگ (اس محکمہ نبوت کے) حاکم ہیں، (کہ جسے چاہیں نبوت دلوادیں، یعنی دینے والے کی دو صورتیں ہیں، ایک تو یہ کہ مثلاً خزانہ اپنے قبضہ میں ہو، دوسری یہ کہ قبضہ میں نہ ہو مگر قابضانِ خزانہ اس کے محکوم ہوں کہ اس کے دستخط دیکھ کر دیتے ہوں، یہاں دونوں کی نفی فرمادی، جس کا حاصل یہ ہے کہ یہ لوگ جو رسالت محمدیہ کے منکر ہیں اور مکہ و طائف کے رؤسا کو رسالت کا مستحق قرار دیتے ہیں ان کے پاس اس کی کوئی دلیل عقلی تو ہے نہیں بلکہ خود اس کے عکس پر دلائل عقلیہ قائم ہیں، اور اسی لئے محض استفہام انکاری پر اکتفاء فرمایا، اب آگے دلیل نقلی کی نفی فرماتے ہیں، یعنی) کیا ان لوگوں کے پاس کوئی سیڑھی ہے کہ اس پر (چڑھ کر آسمان کی) باتیں سن لیا کرتے ہیں (یعنی دلیل نقلی وحی آسمانی ہے اور اس کے علم کے دو طریقے ہیں، یا تو وحی کسی شخص پر آسمان سے نازل ہو، یا صاحبِ وحی آسمان پر چڑھے اور دونوں کا منتفی ہونا ان لوگوں سے ظاہر ہے، آگے اس کے متعلق ایک احتمال عقلی کا ابطال فرماتے ہیں کہ اگر فرضاً یہ لوگ یہ دعویٰ کرنے لگیں کہ ہم آسمان پر چڑھ جاتے اور وہاں کی باتیں سنتے ہیں) تو انہیں جو وہاں کی باتیں سن آتا ہو وہ (اس دعویٰ پر) کوئی صاف دلیل پیش کرے جس سے ثابت ہو کہ یہ شخص مشرک بہ وحی ہو، جیسا ہمارے نبیؐ اپنی وحی پر دلائلِ خارجیہ یقینیہ رکھتے ہیں، آگے پھر توحید کے بارے میں ایک خاص مضمون کے متعلق کلام ہے، یعنی منکرینِ توحید جو فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں قرار دے کر شرک کرتے ہیں تو ہم ان سے پوچھتے ہیں کہ) کیا خدا کے لئے بیٹیاں ... (تجویز کی جادیں) اور تمھارے لئے بیٹے (تجویز ہو) یعنی اپنے لئے تو وہ چیز پسند کرتے ہو جس کو اعلیٰ درجہ کا سمجھتے ہو، اور خدا کے لئے وہ چیز تجویز کرتے ہو جس کو ادنیٰ درجہ کی سمجھتے ہو، جس کا بیان سورہ صافات کے اخیر میں مفصل مدلل گذرا ہے، آگے پھر رسالت کے متعلق کلام ہے کہ ان کو جو باوجود آپؐ کی حقانیت ثابت ہو جانے کے آپؐ کا اتباع اس قدر ناگوار ہو تو کیا آپ ان سے کچھ معاوضہ (تبلیغِ احکام کا) مانگتے ہیں کہ وہ تاوان ان کو گراں معلوم ہوتا ہے، (وہذا اقولہ تعالیٰ اَمْ تَسْأَلُهُمْ خَرْجًا) آگے قیامت اور جزاء کے متعلق کلام ہے کہ وہ لوگ جو کہتے ہیں

کہ اول تو قیامت ہوگی نہیں، اور اگر بالفرض ہوگی تو ہم وہاں بھی اچھے رہیں گے، کافی قولہ تعالیٰ وَنَاظِرِينَ أَسْمَاءَ قَائِمَةً وَنَتَيْنَ رَجُحْتِ إِلَى رَبِّكَ إِنَّ لِيْ عِنْدَهُ لَلْغُكْسِي توبہ اس کے متعلق ان سے پوچھتے ہیں کہ کیا ان کے پاس غیب کا علم ہے کہ یہ اس کو محفوظ رکھنے کے واسطے لکھ لیا کرتے ہیں یہ احقر کے نزدیک گناہ ہے یَحْفَظُونَ سے کیونکہ کتابت طریقہ ہے حفظ کا، پس حامل یہ ہوا کہ جس امر پر اثبات یا نفی کوئی دلیل عقلی قائم نہ ہو وہ غیب محض ہے، اس کا دعویٰ اثبات یا نفی وہ کرے جس کو کسی واسطے اس غیب پر مطلع کیا جاوے اور پھر مطلع ہونے کے بعد وہ اس کو محفوظ بھی رکھے، اس لئے کہ اگر معلوم ہونے کے بعد محفوظ نہ ہو تب بھی حکم اور دعویٰ بلا علم ہوگا، پس تم جو قیامت کی نفی اور اپنے لئے حسنی کے قائل ہو تو کیا تم کو غیب پر کسی واسطے سے اطلاع دی گئی ہے جیسا کہ ہمارے نبیؐ کو اثبات قیامت اور تم سے اچھی حالت کی نفی کی خبر غیبی بواسطہ دی گئی ہے اور وہ اس کو محفوظ رکھ کر اردل کو پہنچا رہے ہیں، آگے رسالت کے متعلق ایک اور کلام یہ وہ یہ کہ کیا یہ لوگ صاحب رسالت کے ساتھ کچھ بُرائی کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں (جس کا بیان دوسری آیت میں ہے وَإِذْ يَخْلَرُ بِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا يَشْتَرُونَكَ أَذْ يَقْتُلُوكَ أَوْ يُجْرِمُونَ) سو یہ کافر خود ہی (اس) بُرائی کے وبال میں گرفتار ہوں گے (چنانچہ اس قصہ میں ناکام ہوئے اور بدر میں مقتول ہوئے، آگے پھر توحید کے متعلق کلام یہ کہ کیا ان کا اللہ کے سوا کوئی اور معبود ہے اللہ تعالیٰ اُن کے شرک سے پاک ہے اور آگے پھر رسالت کے متعلق ایک کلام ہے وہ یہ کہ یہ لوگ نفی رسالت کے لئے ایک بات یہ بھی کہا کرتے ہیں کہ ہم تو آپ کو اس وقت رسول جانیں جب ہم پر ایک آسمان کا ٹکڑا گرا دو، لہذا قال تعالیٰ ذَاقُوا لَنْ تَوْفِيْنَا اِلٰی قَوْلِهِ اَوْ تَسْقِطَ السَّمَاءُ كِسَافًا زَمْزَمًا عَلَيْنَا اَكْتَفَا، سو اس کا جواب یہ ہے کہ اول تو دعویٰ پر خواہ وہ دعویٰ رسالت ہو یا اور کچھ ہو مطلق دلیل کا بشرطیکہ صحیح ہو قائم کر دینا کافی ہے جو کہ دعویٰ رسالت ہی کے وقت سے بلا کسی قدر و جرح کے قائم ہے اور کسی خاص دلیل کا قائم ہونا ضروری نہیں اور نہ اس سے دعویٰ نبوت میں قدر لازم آتا ہے، تبرعا کوئی فراموشی دلیل قائم کی جائے تو یہ اُس وقت ہے جب اس میں کوئی مصلحت ہو، مثلاً درخواست کنندہ طالب حق ہو، تو یہی سمجھا جائے کہ خیر اسی ذریعہ سے اس کو ہدایت ہو جاوے گی، اور کوئی معتد بہ حکمت ہو، اور یہاں یہ مصلحت بھی نہیں، کیونکہ ان کی یہ فرمائش حق کے لئے نہیں بلکہ محض تَعَنُّتٌ و عناد کی راہ سے ہے، اور وہ ایسے صندی ہیں کہ اگر ان کا یہ فراموشی معجزہ واقع بھی ہو جاوے اور وہ آسمان کے ٹکڑے کو دیکھ بھی لیں کہ گرتا ہوا آ رہا ہے تو (اس کو بھی) یوں کہہ دیں کہ یہ تو تہمت جا ہوا بادل ہے (کہ قولہ تعالیٰ وَنَاظِرِينَ أَسْمَاءَ قَائِمَةً فَظَلُّوا فَيُفْرِمُونَ، پس جب مصلحت بھی نہیں ہے اور دوسری مصلحتوں کی نفی کا بھی ہم کو علم ہے بلکہ ان فرمائش معجزات کا وقوع خلاف حکمت ہے، پس جب ضرورت نہیں مصلحت نہیں بلکہ خلاف مصلحت ہے، پھر کیوں واقع کیا جائے اور نہ اس کے عدم وقوع سے نبوت کی نفی ہوتی ہے، آگے اُن کے غلو فی الکفر پر جو اوپر کی آیتوں سے اور شدت عناد پر جو کہ آخر کی آیت سے معلوم ہوتا ہے بطور تفسیر کے

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی گئی ہے، فرماتے ہیں کہ جب یہ لوگ ایسے طاغی اور باغی اور غالی ہیں تو ان سے توقع ایمان کر کے بچ نہیں نہ پڑتے بلکہ ان کو راہی کی حالت پر رہنے دیجئے یہاں تک کہ ان کو اپنے اس دن سے سابقہ (واقع) ہو جس میں انکے ہوش اڑ جاویں گے (مراد قیامت کا دن ہے، اور اس صحت کی تفصیل سورۃ زمر کی آخری آیت وَ نَفْخُ الْوُخْوَی کی تفسیر میں گذری ہے، اور معنی احیٰ کی تحقیق سورۃ زخرف کے آخر میں جہاں حَتَّىٰ یُکَلِّفُوا آیا ہے گذری ہے، آگے اس دن کا بیان ہے، یعنی جس دن ان کی تدبیریں (جو دنیا میں اسلام کی مخالفت اور اپنی کامیابی کے بارے میں کیا کرتے تھے) ان کے کچھ بھی کام نہ آدیں گی اور نہ (کہیں سے) ان کو مدد ملے گی نہ تو مخلوق کی طرف سے کہ اس کا امکان ہی نہیں اور نہ خالق کی طرف سے کہ اس کا وقوع نہیں، یعنی اُس روز انکو حقیقت معلوم ہو جاوے گی، باقی اس سے ادھر ایمان لانے والے نہیں) اور آخرت میں تو یہ مصیبت اُن پر آئے ہی گی لیکن ان ظالموں کے لئے قبل اس (عذاب) کے بھی عذاب ہونے والا ہے (یعنی دنیا میں جیسے قحط اور غزوہ بدر میں قتل ہونا) لیکن ان میں اکثر کو معلوم نہیں (اکثر شاید اس لئے فرمایا ہو کہ بعضوں کے لئے ایمان مقدر تھا اور ان کا عدم علم بوجہ اس کے کہ علم سے مبدل ہونے والا تھا، اس لئے وہ عدم علم نہیں قرار دیا گیا) اور (جب آپ کو معلوم ہو گیا کہ ہم ان کی سزا کے لئے ایک وقت معین کر چکے ہیں تو) آپ اپنے رب کی (اس) تجویز پر مہرے بیٹھے رہو اور ان لوگوں کیلئے انتقام الہی کی جلدی نہ کیجئے جس کو آپ مسلمانوں کی خواہش اور انکی امداد کی حیثیت چاہتے تھے، اور نہ اس خیال سے انتقام میں جلدی کیجئے کہ یہ لوگ مہلت میں آپ کو کوئی ضرر پہنچا سکیں گے سوائے اس کا بھی اندیشہ نہ کیجئے کیوں کہ آپ ہماری حفاظت میں رہ کر ہر کام کا در چنانچہ وہی واقع ہوا، اور اگر انکے کفر کا غم دل پر آدو تو اس علاج یہ ہے کہ توبہ الی اللہ رکھا کیجئے، مثلاً یہ کہ اٹھتے وقت (یعنی مجلس سے یا سونے سے اٹھتے وقت، مثلاً تہجد میں) اپنے رب کی تسبیح و تحمید کیا کیجئے اور رات (کے کسی حصہ) میں بھی اس کی تسبیح کیا کیجئے (مثلاً عشاء کے وقت) اور ستاروں (کے غروب ہونے) سے پیچھے بھی (مثلاً نماز صبح اور مطلق ذکر بھی اس میں آگیا، اور تخصیص ان اوقات کی بوجہ خاصہ اہتمام کے لئے ہے، حاصل یہ کہ اپنے دل کو ادھر مشغول رکھتے پھر فکر و غم کا غلبہ نہ ہوگا)۔

معارف مسائل

فَاِنَّكَ بِاَعْيُنِنَا، دشمنوں کی دشمنی اور مخالفت و تکذیب سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دینے کے لئے آخر سورت میں پہلے تو یہ فرمایا کہ ”آپ ہماری نظروں میں ہیں“ یعنی ہماری حفاظت میں ہیں ہم آپ کو ان کے ہر شر سے بچائیں گے، آپ اُن کی کسی بات کی پروا نہ کریں، جیسا کہ دوسری ایک آیت میں ارشاد ہے (وَاِنَّكَ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ) اللہ تعالیٰ لوگوں سے آپ کی حفاظت فرما دیں گے۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تحمید میں لگ جانے کا حکم فرمایا جو اصل مقصد زندگی بھی ہے، اور ہر مصیبت سے بچنے کا اصلی علاج بھی فرمایا وَ سَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ حِينَ تَقُومُ، یعنی اللہ کی حمد کی

تسبیح کیا کریں جبکہ آپ کھڑے ہوں، کھڑے ہونے سے مراد سوکراٹھا بھی ہو سکتا ہے، ابن جریر نے اسی کو اختیار کیا ہے، اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے جس کو امام احمد نے حضرت عبادہ بن صامتؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: جو شخص رات کو بیدار ہو اور اس نے یہ کلمات پڑھے تو جو دعاء کرے گا قبول کی جائے گی وہ کلمات یہ ہیں: لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ، سُبْحَانَ اللَّهِ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ وَلَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَاللَّهُ أَكْبَرُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ، پھر اگر اس نے نماز پڑھنے کا ارادہ کیا اور وضو کر کے نماز پڑھی تو اس کی نماز مستبول کی جائے گی (ابن کثیر)

کفارہ مجلس | اور حضرت مجاہد اور ابوالاحوص وغیرہ ائمہ تفسیر نے فرمایا کہ جَمِئْنَ تَقْوَمُ سے مراد یہ ہے کہ جب آدمی اپنی کسی مجلس سے اُٹھے تو یہ کہے کہ سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ وَبِحَمْدِكَ، حضرت عطاء بن ابی رباح نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا کہ جب تم اپنی مجلس سے اٹھو تو تسبیح و تحمید کرو، اگر تم نے اس مجلس میں کوئی نیک کام کیا ہے تو اس کی نیکی میں زیادتی اور برکت حاصل ہوگی، اور اگر کوئی غلط کام کیا ہے تو یہ کلمات اس کا کفارہ ہو جائیں گے۔

حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص کسی مجلس میں بیٹھو اور اس میں اچھی بُری باتیں ہوں تو اس مجلس سے اٹھنے سے پہلے اگر وہ یہ کلمات پڑھ لے تو اللہ تعالیٰ اس کی سب خطاؤں کو جو اس مجلس میں ہوتی ہیں معاف فرمادیں گے، وہ کلمات یہ ہیں: سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ وَبِحَمْدِكَ أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ أَسْتَغْفِرُكَ وَأَتُوبُ إِلَيْكَ، رواہ الترمذی وھذا الفضل والنسائی فی الیوم واللیلۃ وقال الترمذی حدیث حسن صحیح (ابن کثیر)

وَمِنَ اللَّيْلِ فَسَبِّحْهُ، یعنی رات میں تسبیح کیجئے، اس میں نماز مغرب و عشاء بھی داخل ہے اور عام تسبیحات بھی، وَإِذْ بَارَكُنَّجُومٌ، یعنی ستاروں کے غائب ہونے کے بعد، مراد اس سے نماز فجر اور اس وقت کی تسبیحات ہیں (ابن کثیر)

تَمَتُّتْ

سُورَةُ الطُّورِ بِحَمْدِ اللَّهِ سُبْحَانَهُ عَصَرَ يَوْمِ
الْأَسْبَعَاءِ لِثَلَاثٍ وَعِشْرِينَ مِنْ رَمَضٍ الْأَوَّلِ لِسَمِ
وَاللَّهُ الْمَسْئُولُ لِأَمَّا الْبَاقِي بِتَوْنِهِ وَحُسْنِ تَوْفِيقِهِ

سُورَةُ النَّجْمِ

سُورَةُ النَّجْمِ بِكَتَبَةٍ وَهِيَ اثْنَتَانِ يُسْتَوْنَ آيَةً وَقُلْتُ رُكُوعًا ثَلَاثًا ۖ

سورۃ نجم میں تین نازل ہوئی اور اس کی بائیس آیتیں ہیں اور تین رکو ع ،

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ○

شروع اللہ کے نام سے جو بحد مہربان نہایت رحم والا ہے ،

وَالنَّجْمِ إِذَا هَوَىٰ ۝۱ مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوَىٰ ۝۲ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ

قسم ہوتا ہے کہ جب گرے ، بہکا نہیں تمہارا رفیق اور نہ بے راہ چلا ، اور نہیں بولتا اپنے نفس

الْهَوَىٰ ۝۳ إِنَّ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ ۝۴ عَلَّمَكَ شَدِيدُ الْقُوَىٰ ۝۵ ذُو مِرَّةٍ ۝۶

کی خواہش ہے ، یہ تو حکم ہے بھیجا ہوا ، اس کو سکھایا ہر سخت قوتوں والے نے ، زور آور نے ،

فَاسْتَوَىٰ ۝۷ وَهُوَ بِالْأُفُقِ الْأَعْلَىٰ ۝۸ ثُمَّ دَنَىٰ قَدْلَىٰ ۝۹ فَكَانَ قَابَ

پھر سیدھا بیٹھا ، اور وہ تھا اونچے کنارہ پر آسمان کے ، پھر نزدیک ہوا اور لٹک آیا ، پھر رہ گیا مشرق

قَوْسَيْنِ أَوْ أَدْنَىٰ ۝۱۰ فَأَوْحَىٰ إِلَىٰ عَبْدِهِ مَا أَوْحَىٰ ۝۱۱ مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا

دو کمان کے برابر یا اس سے بھی نزدیک ، پھر حکم بھیجا اللہ نے اپنے بندہ پر جو بھیجا ، جھوٹ نہیں کہا رسول کے دل نے جو

رَأَىٰ ۝۱۲ أَفْمُرُونَہُ عَلَىٰ مَا يَرَىٰ ۝۱۳ وَلَقَدْ رَآہُ نَزْلَةً أُخْرَىٰ ۝۱۴ عِنْدَ

دیکھا ، اب کیا تم اس سے جھگڑتے ہو اس پر جو اس نے دیکھا ، اور اس کو اس نے دیکھا ہوا اترتے ہوئے ایک بار اور بھی ،

سِدْرَةِ الْمُنْتَهَىٰ ۝۱۵ عِنْدَ حَاجَتِ الْمَوْتَىٰ ۝۱۶ إِذْ يَغْشَى السِّدْرَةَ

سدرة المنتہی کے پاس ، اس کے پاس ہے بہشت آرام سے رہنے کی ، جب چھا رہا تھا اس پیری پر

مَا يَشْفِي ۱۶) مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغَى ۱۷) لَقَدْ رَأَى مِنْ آيَاتِ رَبِّهِ الْكُبْرَى ۱۸)

جو کچھ چھارہا تھا، یہی نہیں نگاہ اور نہ حد سے بڑھی، بیشک دیکھے اس نے اپنے رب کے بڑے نمونے

خلاصہ تفسیر

قسم ہر ستارہ کی جب وہ غروب ہونے لگے (یعنی کوئی بھی ستارہ ہو، اور اس قسم میں مضمون جواب قسم ماضیہ صاف ہے) وَاَطَغَى کے ساتھ ایک خاص مناسبت ہے، یعنی جس طرح ستارہ طلوع سے غروب تک اس تمام تر مسافت میں اپنی باقاعدہ رفتار سے ادھر ادھر نہیں ہوا اسی طرح آپ اپنی عمر بھر ضلال و غواہیت سے محفوظ ہیں، اور نیز اشارہ ہے اس طرف کہ جیسے نجم سے ہدایت ہوتی ہے، اسی طرح آپ سے بھی بوجہ عدم ضلال و عدم غواہیت کے ہدایت ہوتی ہے، اور چونکہ ستاروں کے وسط سار میں ہونے کے وقت کسی سمت کا اندازہ نہیں ہوتا، اس لئے اس وقت ستارے سے راستہ کا پتہ نہیں لگتا، اس لئے اس میں قید لگائی غروب کے وقت کی، اور گو قرب من الافق طلوع کے وقت بھی ہوتا ہے، لیکن غروب میں یہ بات زیادہ ہے، کہ اس وقت طالبان ہمتاء اس کو غنیمت سمجھتے ہیں اس خیال سے کہ اگر استدلال میں ذرا توقف کیا پھر غائب ہو جاوے گا، بخلاف طلوع کے کہ اس میں بے فکری رہتی ہے پس اس میں اس طرف بھی اشارہ ہو گیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہدایت حاصل کر لینے کو غنیمت سمجھو اور شوق سے دوڑو، آگے جواب قسم ہے کہ یہ تمھارے (ہم وقت) ساتھ کے (اور سامنے) رہو دلے (پیغمبر جن کے عام احوال و افعال تم کو معلوم ہیں جن سے بشرط انصاف ان کی راستی اور حقانیت پر استدلال کر سکتے ہو یہ پیغمبر) نہ راہ (حق) سے بھٹکے اور نہ غلط راستے ہوئے (ضلال یہ کہ بالکل راستہ بھول کر کھڑا رہ جاوے اور غواہیت یہ کہ غیر راہ کو راہ سمجھ کر غلط سمت میں چلتا رہے کذا فی الحازن، یعنی تم جو ان کو دعوائے نبوت و دعوت الی الاسلام میں بے راہ سمجھتے ہو یہ بات نہیں ہے، بلکہ آپ نبی برحق ہیں) اور نہ آپ اپنی نفسانی خواہش سے باتیں بناتے ہیں (جیسا تم لوگ کہتے ہو) اِنْشَاءً (بلکہ) ان کا ارشاد نبوی وحی ہے جو ان پر بھیجی جاتی ہے (خواہ الفاظ کی بھی وحی ہو جو قرآن کہلاتا ہے خواہ صرف معانی کی ہو جو سنت کہلاتی ہے اور خواہ وحی جزئی ہو یا کسی قاعدہ کلیہ کی وحی ہو جس سے اجتہاد فرماتے ہوں) پس اس سے نفی اجتہاد کی نہیں ہوتی اور اصل مقصود مقام نفی پر کفار کے اس خیال کی کہ آپ خدا کی طرف غلط بات کی نسبت فرماتے ہیں، آگے وحی آنے کا واسطہ بتلاتے ہیں کہ ان کو ایک فرشتہ (اس وحی کی منجانب اللہ) تعلیم کرتا ہے جو بڑا طاقتور ہے (اور وہ اپنی کوشش و محنت سے طاقتور نہیں ہوا بلکہ) پیدا نشی طاقتور ہے (جیسا کہ ایک روایت میں خود جبرئیل علیہ السلام نے اپنی طاقت کا بیان فرمایا کہ میں نے قوم لوط کی بستیوں کو جڑ سے اکھاڑ کر آسمان کے قریب اس کو لے جا کر چھوڑ دیا، (ردادہ فی تفسیر سورۃ التکویر من الدر المنثور) مطلب یہ کہ یہ کلام کسی شیطان کے ذریعہ سے آپ تک نہیں

پہنچا کہ کاہن ہونے کا احتمال ہو بلکہ فرشتہ کے ذریعہ سے آیا ہے اور شاید شدید القوی کا ذکر فرماتے ہیں یہ مقصود ہو کہ اس کا احتمال بھی نہ کیا جائے کہ شاید اصل میں فرشتہ ہی لے کر چلا ہو مگر درمیان میں کوئی شیطانی تصرف ہو گیا۔ اس میں اشارہ ہو گیا جواب کی طرف کہ وہ نہایت شدید القوی میں شیطان کی مجال نہیں کہ ان کے پاس پھٹک سکے، پھر ختم وحی کے بعد خود حق تعالیٰ نے اس کے بعینہ ادا کر دینے کا وعدہ فرمایا ہے، اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهُ وَقُرْآنَهُ۔ آگے اس شبہ کا جواب ہے کہ اس وحی لانے والے کا فرشتہ اور جبریل ہونا اس وقت معلوم ہو سکتا ہے جب آپ ان کو پہچانتے ہوں اور پوری صحیح پہچان موقوف ہو اصلی صورت میں دیکھنے پر تو کیا آپ نے جبریل علیہ السلام کو اپنی اصلی صورت پر دیکھا ہے اس کی نسبت فرماتے ہیں کہ ہاں یہ بھی ہوا ہے جس کی کیفیت یہ ہے کہ چند بار تو دوسری صورت میں دیکھا (پھر ایک بار ایسا بھی ہوا کہ) وہ فرشتہ (اپنی) اصلی صورت پر آپ کے روبرو نمودار ہوا ایسی حالت میں کہ وہ (آسمان کے) بلند کنارہ پر تھا ایک روایت میں افق شرقی سے اس کی تفسیر آتی ہے، کافی الدرا المنثور، اور افق میں دکھلا دینے کی غالباً یہ حکمت ہے کہ وسط سماء میں دیکھنا خالی از مشقت و تکلف نہیں اور اعلیٰ میں غالباً یہ حکمت تھی کہ بالکل نیچے افق پر بھی پوری چیز نظر نہیں آتی، اس لئے ذرا اونچے پر نظر آئے، اور اس دیکھنے کا قصہ یہ ہوا تھا کہ ایک بار حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جبریل علیہ السلام سے خواہش کی کہ مجھ کو اپنی اصلی صورت دکھلا دو، انھوں نے جڑا کے پاس حسب روایت ترمذی حملہ جیاد میں وعدہ ٹھہرایا، آپ وہاں تشریف لے گئے تو ان کو افق مشرق میں دیکھا کہ ان کے چھ سو بازو ہیں اور اس قدر پھیلے ہوئے ہیں کہ افق غری تک گھیر رکھا ہے، آپ ہیروں ہو کر گر پڑے، اس وقت جبریل علیہ السلام بصورت بشر ہو کر آپ کے پاس تسکین کے لئے اتر آئے جس کا آگے ذکر ہے کذا فی الجلالین، حاصل یہ کہ وہ فرشتہ اول صورت اصل میں افق اعلیٰ پر نمودار ہوا (پھر رجب آپ بے ہوش ہو گئے تو) وہ فرشتہ (آپ کے) نزدیک آیا پھر اور نزدیک آیا سو (قرب کی وجہ سے) دو کمانوں کے برابر فاصلہ رہ گیا بلکہ (غایت قرب کی وجہ سے) اور بھی کم (فاصلہ رہ گیا، مطلب دو کمانوں کا یہ کہ عرب کی عادت تھی کہ جب دو شخص باہم غایت درجہ کا اتفاق و اتحاد کرنا چاہتے تھے تو دونوں اپنی اپنی کمانیں لے کر ان کے چلے یعنی تانت کو باہم متصل کر دیتے، اور اس صفت میں بھی بعض اجزاء کے اعتبار سے کچھ فصل ضروری رہتا ہے، پس اس محاورہ کی وجہ سے یہ کنایہ ہو گیا قرب و اتحاد سے، اور چونکہ یہ محض اتفاق صوری کی علامت تھی تو اگر روحانی و قلبی اتفاق بھی ہو تو وہاں اَوْ اَدْنٰی بھی صادق آسکتا ہے، پس اَوْ اَدْنٰی کے بڑھادینے میں اشارہ ہو گیا کہ مجاورت صوریہ کے علاوہ آپ میں اور جبریل علیہ السلام میں روحانی مناسبت بھی تھی جو مدار اعظم کی معرفت تامہ اور حفظ صورت کا، غرض یہ کہ ان کی تسکین سے آپ کو تسکین ہوئی اور افاقہ ہوا، پھر (افاقہ کے بعد) اللہ تعالیٰ نے اس فرشتہ کے ذریعہ سے اپنے بندہ (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) پر وحی نازل فرمائی جو کچھ نازل فرمانا تھی (جس کی تعیین بالتخصیص معلوم نہیں، اور نہ معلوم ہونے کی حاجت اور باوجودیکہ اصل مقصود اس وقت وحی نازل کرنا نہیں بلکہ جبریل کو ان کی اصلی صورت

میں دکھلا کر ان کی پوری معرفت آپ کو عطا کرتی تھی، مگر اس وقت اور بھی وحی نازل فرماتا شاید اس لئے ہو کہ یہ معرفت میں اور زیادہ معین ہو، کیونکہ اس وقت کی وحی کو جس کا منجانب اللہ ہونا جبرئیل علیہ السلام کی اصلی صورت میں ہونے کی وجہ سے قطعی اور یقینی ہے اور دوسرے اوقات کی وحی جو بواسطہ صورت بشریہ ہر جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان دونوں کو ایک شان پر دیکھیں گے تو زیادہ سے زیادہ یقین میں قوت ہوگی کہ دونوں حالتوں میں وحی لانے والا واسطہ یعنی فرشتہ ایک ہی ہے، جیسا کہ کسی شخص کی آواز کے لب لہجہ اور طرزِ کلام سے خوب آگاہ ہوں تو اگر کبھی وہ صورت بدل کر بھی بولتا ہے تو صاف پہچانا جاتا ہے، آگے اس دیکھنے کے متعلق ایک شبہ کا جواب ہے وہ شبہ یہ ہے کہ صورتِ اصلیہ میں دیکھنے کے باوجود یہ بھی تو احتمال ہو سکتا ہے کہ قلب اور اک و احساس میں غلطی ہو جائے جیسا کہ احساسات میں غلطی ہو جانا اکثر مشاہدہ کیا جاتا ہے، مجنون باوجود سلامتِ حس کے بعض اوقات پہچانے ہوئے لوگوں کو دوسرا شخص بتلانے لگتا ہے، پس یہ رویتِ ردیت صحیحہ تھی یا نہیں، آگے اس شبہ کا جواب ہے یعنی وہ رویت صحیحہ تھی کہ اس کے دیکھنے کے وقت قلب نے دیکھی ہوئی چیز میں غلطی نہیں کی (رہا یہ کہ اس کی کیا دلیل ہے کہ قلب نے غلطی نہیں کی سو بات یہ ہے کہ اگر مطلقاً ایسے احتمالات قابل التفات ہوا کریں تو محسوسات کا کبھی اعتبار نہ رہے، پھر تو ساری دنیا کے معاملات ہی مختل ہو جائیں، ہاں کسی پاس کوئی منشا شبہ کا معتد بہ موجود ہو تو اس پر غور کیا جاتا ہے، اور احتمالِ خطائے قلبی کا منشا یہ ہو سکتا ہے کہ اور اک کرنے والا مختلِ عقل ہو، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا صحیح العقل، فطین و ذہین صاحب فراست ہونا مشاہدہ اور ظاہر تھا، چونکہ باوجود اس اثباتِ بلیغ کے پھر بھی معاندین جدال و خلاف سے باز نہ آتے تھے اسی لئے آگے بطور توجیح و تعجیب کے ارشاد فرماتے ہیں کہ جب تم نے ایسے ثنائی کافی بیان سے معرفتِ ردیت کا ثبوت سن لیا، تو کیا ان (پیغمبر) سے ان کی دیکھی (بھالی) ہوئی چیز میں نزاع کرتے ہو (یعنی جن چیزوں کا علم و ادراک انسان کو ہوتا ہے ان میں محسوسات جیسی چیزیں شک و شبہ سے بالاتر ہوتی ہیں، غضب کی بات ہے کہ تم حسیات میں بھی اختلاف کرتے ہو، پھر یوں تو تمہاری حسیات میں بھی ہزاروں غلطی نکل سکتی ہیں) اور اگر یہ ہل خدشہ ہو کہ جس چیز کو ایک ہی بار دیکھا ہو تو اس کی پہچان کیسے ہو سکتی ہے، تو جواب یہ ہے کہ اول تو یہ ضروری نہیں کہ ایک بار دیکھنے سے پہچان نہ ہو اور اگر علی سبیل الترتیل شناخت کے لئے تکرار مشاہدہ ہی کی ضروری ہے تو انھوں نے (یعنی پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے) اس فرشتہ کو ایک اور دفعہ بھی (صورتِ اصلیہ میں) دیکھا ہے (پس اب تو وہ تو ہم بھی مدفوع ہو گیا، کیونکہ قطابق صورتین سے پوری تعین ہو گئی کہ ہاں جبرئیل علیہ السلام ہی ہیں، آگے اس دوبارہ دیکھنے کی جگہ بتلاتے ہیں کہ کہاں دیکھا یعنی شبِ معراج میں دیکھا ہے) سدرۃ المنتہی کے پاس (سدرہ کہتے ہیں پیری کے درخت کو اور زہی کے معنی ہیں انتہاء کی جگہ، حدیث میں آیا ہے کہ یہ ایک درخت ہے پیری کا، ساتویں آسمان میں عالم بالا سے جو احکام و اراک وغیرہ آتے ہیں وہ اول سدرۃ المنتہی تک پہنچتے ہیں پھر وہاں سے ملائکہ زمین پر لاتے ہیں، اسی طرح

یہاں سے جو اعمال صعود کرتے ہیں وہ بھی سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچتے ہیں پھر وہاں سے اوپر اٹھائے جاتے ہیں، دنیا میں اس کی مثال ڈاکخانہ کی سی ہے کہ آمد و برد آمد خطوط وہاں سے ہوتی ہے، اور عند سدرۃ المنتہیٰ میں تو مکانِ رویت بتلایا تھا، آگے اس مکان کا شرف بتلاتے ہیں کہ اس (سدرۃ المنتہیٰ) کے قریب جنت المادویٰ ہے (مادوی کے معنی رہنے کی جگہ، چونکہ جنت نیک بندوں کے رہنے کی جگہ ہے اس لئے جنت المادویٰ کہتے ہیں، حاصل یہ کہ وہ سدرۃ المنتہیٰ ایک ممتاز موقع ہے، اب بعد تعین مکانِ رویت کے رویت کا زمانہ بتلاتے ہیں کہ رویت کب ہوتی، پس فرماتے ہیں کہ جب اس سدرۃ المنتہیٰ کو لپٹ رہی تھیں جو چیزیں لپٹ رہی تھیں (ایک روایت میں ہے کہ سونے کے پروانے تھے، یعنی صورت پروانہ کی سی تھی اور ایک روایت میں ہے کہ وہ فرشتے تھے، یعنی حقیقت اُن کی یہ تھی، اور ایک روایت میں ہے کہ ملائکہ نے حق تعالیٰ سے اجازت چاہی تھی کہ ہم بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کریں ان کو اجازت ہو گئی، وہ اس سدرۃ پر جمع ہو گئے تھے، (اور روایات کلمہ ہانی الدرا المنثور) اس میں بھی اشارہ ہو سکتا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معزز و مکرم ہونے کی طرف، اور باقی وہی تقریر ہے جو تقیید سابق میں بیان کی گئی، اب ایک احتمال یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ایسی چیزت انگیز چیزیں دیکھ کر نگاہ چکرا جاتی ہو پوری طرح ادراک پر قدرت نہیں رہتی، پس اس صورت میں جبرئیل علیہ السلام کی صورت کا کیا ادراک ہو گا، جب یہ ادراک ثانی محترم نہ ہوا تو پھر اس خدشہ مذکورہ کا جو جواب لَقَدْ رَأَاهُ نَزْلَةً أُخْرٰی سے دیا گیا ہے وہ کافی نہ ہوا اس احتمال کے رفع کے لئے فرماتے ہیں کہ آپ ان عجائب کو دیکھ کر ذرا نہیں بھراؤ اور بالکل متحیر نہیں ہوئے، چنانچہ جن چیزوں کی رویت کا حکم تھا اُن کی طرف نظر کرنے سے آپ کی نگاہ نہ تو ہٹی بلکہ اُن چیزوں کو خوب دیکھا، اور (جن چیزوں کے دیکھنے کا حکم جب تک نہ ہوا) نہ ان کی طرف دیکھنے کو آپ کی نگاہ بڑھی (یعنی قبل اذن نہیں دیکھا، کذا فی المدارک فی الفرق بین زارغ و طغی، یہ دلیل ہے آپ کے غایت استقلال کی، کیونکہ عجیب چیزوں میں آکر آدمی یہی دو حرکتیں کیا کرتا ہے جن چیزوں کے دیکھنے کو کہا جاتا ہے ان کو تو دیکھتا نہیں اور جن کے لئے نہیں کہا گیا ان کو تکتا ہے، غرض اس میں انضباط نہیں رہتا، آگے آپ کے استقلال کی قوت بیان کرنے کے لئے فرماتے ہیں کہ) انھوں نے (یعنی پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے) اپنے پروردگار (کی قدرت) کے بڑے بڑے عجائبات دیکھے (مگر ہر چیز کے دیکھنے میں آپ کی یہی شان رہی تارِ باغ البصر و ما ظنی، وہ عجائبات احادیث معراج میں آئے ہیں، انبیاء علیہم السلام کو دیکھنا اور اح کو دیکھنا جنت وغیرہ کو دیکھنا، پس ثابت ہوا کہ آپ میں غایت استقلال ہے، پس متحیر ہو جانے کا احتمال نہیں پس خدشہ کا جو جواب لَقَدْ رَأَاهُ نَزْلَةً أُخْرٰی میں مذکور تھا وہ سالم رہا، غرض تمام تر تقریر سے رویت معرفت جبرئیل کے متعلق شبہ مندرج ہو کر امر رسالت ثابت اور متحقق ہو گیا جو کہ مقصود مقام تھا)

معارف و مسائل

سورۃ نجم کی خصوصیات | سورۃ نجم پہلی سورت ہے جن کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ مکرمہ میں اعلان فرمایا (رواہ عبد اللہ بن مسعود، قرطبی) اور یہی سب سے پہلی سورت ہے جس میں آیت سجدہ نازل ہوئی، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سجدہ تلاوت کیا، اور اس سجدہ میں ایک عجیب صورت یہ پیش آئی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سورت مجح عام میں تلاوت فرمائی، جس میں مسلمان اور کفار سب شریک تھے، جب آپ نے آیت سجدہ پر سجدہ ادا کیا تو مسلمان تو آپ کے اتباع میں سجدہ کرتے ہی، سب نے حضور کے ساتھ سجدہ کیا، تعجب کی چیز یہ پیش آئی کہ جتنے کفار و مشرکین موجود تھے وہ بھی سب سجدہ میں گر گئے، صرف ایک مشکتر شخص جس کے نام میں اختلاف ہے، ایسا رہا جس نے سجدہ نہیں کیا، مگر زمین سے ایک مٹھی مٹی کی اٹھا کر پٹانی سے لگالی، اور کہنے لگا کہ بس یہی کافی ہے، حضرت عبد اللہ بن مسعود راوی حدیث فرماتے ہیں کہ میں نے اس شخص کو کفر کی حالت میں مرا ہوا دیکھا ہے (رواہ البخاری و مسلم و اصحاب السنن، ابن کثیر لمختصاً) اس سورت کے شروع میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رسول برحق ہونے اور آپ پر نازل ہونے والی وحی میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہ ہونے کا بیان ہے۔

وَالنَّجْمِ إِذَا هَوَىٰ، لفظ نجم ستارے کے معنی میں آتا ہے، ہر ایک ستارے کو نجم اور جمع نجوم بولی جاتی ہے، اور کبھی یہ لفظ خاص طور سے ثریا ستارے کے لئے بھی بولا جاتا ہے جو چند ستاروں کا مجموعہ ہے، اس آیت میں بھی بعض حضرات نے نجم کی تفسیر ثریا سے کی ہے، قرآن اور حضرت حسن بصریؒ نے پہلی تفسیر یعنی مطلق ستارے کو ترجیح دی ہے (قرطبی) اسی کو اوپر خلاصہ تفسیر میں اختیار کیا گیا ہے۔

إِذَا هَوَىٰ لفظ ہوا، ساقط ہونے اور گرنے کے معنی میں آتا ہے، ستارے کا گرنا اس کا غروب ہونا ہے، اس آیت میں حق تعالیٰ نے ستاروں کی قسم کھا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وحی کا حق و صحیح اور شکوک سے بالاتر ہونا بیان فرمایا ہے، سورۃ صافات میں مفصل گزر چکا ہے کہ حق تعالیٰ کو اختیار ہے کہ وہ خاص مصالح اور حکمتوں کے لئے اپنی خاص خاص مخلوقات کی قسم کھاتے ہیں، دوسروں کو اس کی اجازت نہیں کہ اللہ کے سوا کسی کی قسم کھائے، یہاں حق تعالیٰ نے ستاروں کی قسم کھائی جس میں ایک حکمت یہ بھی ہے کہ ستارے اندھیری رات میں سمتیں اور راستے بتانے کے لئے استعمال کئے جاتے ہیں اور ان سے سمت مقصود کی طرف ہدایت ہوتی ہے، ایسے ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اللہ کے راستے کی طرف ہدایت ہوتی ہے۔

مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوَىٰ، یہ جواب قسم ہے یعنی وہ مضمون ہے جس کے لئے قسم کھائی گئی ہو معنی اس کے یہ ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس راستے کی طرف لوگوں کو دعوت دیتے ہیں وہ صراطِ مستقیم

اور منزل مقصود یعنی رضاء الہی کا صحیح راستہ ہے نہ آپ راستہ بھولے ہیں اور نہ غلط راستہ پر چلتے ہیں۔

آنحضرتؐ کو لفظ صاحبکم سے تعبیر کرنے کی حکمت آپ کی ذات کو لفظ صاحبکم سے تعبیر کرنے میں اشارہ اس طرف ہے کہ محمد مصطفیٰ

صلی اللہ علیہ وسلم کہیں باہر سے نہیں آئے، کوئی اجنبی شخص نہیں ہیں جن کے صدق و کذب میں تمہیں اشتباہ رہے بلکہ وہ تمہارے ہر وقت کے ساتھی ہیں، تمہارے وطن میں پیدا ہوئے ہیں بچپن گزارا، یہیں جوان ہوئے اعلیٰ زندگی کا کوئی گوشہ تم سے مخفی نہیں، اور تم نے تجربہ کر لیا ہے کہ انہوں نے کبھی جھوٹ نہیں بولا، کسی غلط اور بُرے کام میں تم نے ان کو بچپن میں بھی نہیں دیکھا، ان کے اخلاق و عادات، ان کی امانت و دیانت پر تم سب کو اتنا اعتماد تھا کہ پورے مکہ والے آپ کو اتین کہا کرتے تھے، اب دعوائے نبوت کے وقت تم ان کی طرف جھوٹ کی نیست کرنے لگے، جس نے انسانوں کے معاملہ میں کبھی جھوٹ نہ بولا ہو، غضب ہے کہ اس پر یہ الزام لگانے لگے کہ اس نے خدا تعالیٰ کے معاملہ میں جھوٹ بولا ہے، اس لئے آگے فرمایا:

مَا يَنْطَلِقُ عَنِ الْهَوَىٰ ۚ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ، یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی طرف سے باتیں بنا کر اللہ کی طرف منسوب کرے اس کا قطعاً کوئی امکان نہیں، بلکہ آپ جو کچھ فرماتے ہیں وہ سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی کیا ہوا ہوتا ہے، وحی کی بہت سی اقسام احادیث بخاری سے ثابت ہیں، ان میں ایک قسم وہ ہے جس کے معنی اور الفاظ سب حق تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوتے ہیں، جس کا نام قرآن ہے، دوسری وہ کہ صرف معنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوتے ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس معنی کو اپنے الفاظ میں ادا فرماتے ہیں اس کا نام حدیث اور سنت ہے، پھر حدیث میں جو مضمون حق تعالیٰ کی طرف سے آتا ہے کبھی وہ کسی معاملہ کا صاف اور واضح فیصلہ اور حکم ہوتا ہے، کبھی کوئی قاعدہ کلیہ بتلایا جاتا ہے، جس سے احکام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اجتہاد سے نکالتے اور بیان کرتے ہیں، اس اجتہاد میں اس کا امکان ہوتا ہے کہ کوئی غلطی ہو جائے، مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام انبیاء کی یہ خصوصیت ہے کہ جو احکام وہ اپنے اجتہاد سے بیان فرماتے ہیں ان میں اگر کوئی غلطی ہو جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بذریعہ وحی اس کی اصلاح کر دی جاتی ہے وہ اپنے غلط اجتہاد پر قائم نہیں رہ سکتے، بخلاف دوسرے علماء مجتہدین کے کہ ان کے اجتہاد میں خطا ہو جائے تو وہ اس پر قائم رہ سکتے ہیں اور ان کی یہ خطا بھی عند اللہ صرف معاف ہی نہیں بلکہ دین کے سمجھنے میں جو اپنی پوری توانائی وہ خرچ کرتے ہیں اس پر بھی ان کو ایک ثواب ملتا ہے (مکسافی الاحادیث الصحیحہ المعروفہ)

اس تقریر سے آیت مذکورہ پر اس شبہ کا جواب بھی ہو گیا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو کچھ فرماتے ہیں وہ سب وحی من اللہ ہوتا ہے، تو اس سے لازم آتا ہے کہ آپ اپنی رائے اور اجتہاد سے کچھ نہیں فرماتے، حالانکہ احادیث صحیحہ میں متعدد واقعات ایسے مذکور ہیں کہ شروع میں آپ نے کوئی حکم دیا پھر بعد

وحی اس کو بدل لایا، جو علامت اس کی ہے کہ یہ حکم اللہ کی طرف سے نہیں تھا، بلکہ آپ کی رائے اور اجتہاد سے تھا، جو آپ کو اپنا چکا ہے کہ بعض اوقات وحی کسی قاعدہ کلیہ کی شکل میں آتی ہے، جس سے احکام کا استخراج کرنے میں پیغمبر کو اپنی رائے سے اجتہاد کرنا پڑتا ہے، چونکہ یہ قاعدہ کلیہ اللہ کی طرف سے آیا ہے اس لئے ان سب احکام کو بھی وحی من اللہ کہا گیا ہے، واللہ اعلم۔

عَلَّمَہُ شَدِیدُ الْقُوٰی، یہاں سے سترہویں آیت ر تَقَدْ رَآیَ مِنْ اٰیٰتِ رَبِّہِ الْکُبْرٰی) تک تمام آیات میں اس کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وحی میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں، یہ اللہ کا کلام ہے، جو آپ کو اس طرح دیا گیا ہے کہ اس میں کسی التباس و تلبیس یا خطا اور غلطی کا کوئی امکان نہیں رہتا۔

آیات نجم کی تفسیر میں | ان آیات کے بارے میں ائمہ تفسیر سے دو تفسیریں منقول ہیں، ایک کا حاصل یہ ہے کہ ائمہ تفسیر کا اختلاف | ان سب آیات کو واقعہ معراج کا بیان قرار دے کر حق تعالیٰ سے تعلیم بلا واسطہ اور رب و قرب حق تعالیٰ کے ذکر پر محمول فرمایا، اور شَدِیدُ الْقُوٰی، ذُو مَرَّة، فَاسْتَوٰی اور ذٰنِ افْتَدٰی سب کو حق تعالیٰ کی صفات و افعال قرار دیا، اور آگے جو رویت و مشاہدہ کا ذکر ہے اس سے بھی حق تعالیٰ کی رویت و زیارت مراد لی، صحابہ کرام میں حضرت انس اور ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ تفسیر منقول ہے، تفسیر مظہری میں اسی کو اختیار کیا ہے، اور بہت سے حضرات صحابہ و تابعین اور ائمہ تفسیر نے ان آیات کو جبرئیل علیہ السلام کے ان کی اصلی صورت میں دیکھنے کا بیان قرار دیا ہے، اور شَدِیدُ الْقُوٰی وغیرہ جبرئیل امین کی صفات بتلاتی ہیں، اس کی بہت سی وجوہ ہیں، تاریخی حیثیت سے بھی سورۃ نجم بالکل ابتدائی سورتوں میں سے ہے، اور حسب تصریح حضرت عبداللہ بن مسعود سب سے پہلی سورت جس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ مکرمہ میں اعلاناً پڑھا ہے یہی سورت ہے، اور ظاہر یہی ہے کہ واقعہ معراج اس سے مؤخر ہے، لیکن اس میں کلام کیا جاسکتا ہے اصل وجہ یہ ہے کہ حدیث مرفوعہ میں خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان آیات کی تفسیر روایت جبرئیل سے منقول ہے جس کے الفاظ مسند احمد میں یہ ہیں:-

عَنِ الشَّعْبِيِّ عَنْ مَسْرُوقٍ قَالَ كُنْتُ
عِنْدَ عَائِشَةَ فَقُلْتُ أَلَيْسَ اللَّهُ يَقُولُ
وَلَقَدْ رَآكَ بِالْأَفْنِ الْمُبِينِ وَلَقَدْ
رَأَاهُ نَزْلَةً أُخْرٰی فَقَالَتْ أَنَا أَوَّلُ
هٰذِهِ الْأُمَّةِ سَأَلْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى
اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْهَا فَقَالَ إِنَّمَا
ذَاكَ جِبْرِئِيلُ لَمَّا مَرَّكَ فِي صُورَةِ رَبِّهِ

شعبی حضرت مسروقؒ سے نقل کرتے ہیں کہ وہ ایک روز حضرت صدیقہ عائشہؓ کے پاس تھے روایت باری تعالیٰ کے مسئلہ میں گفتگو تھی (مشرق) کہتے ہیں کہ میں نے کہا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے (وَلَقَدْ رَآهُ نَزْلَةً أُخْرٰی) حضرت صدیقہؓ نے فرمایا کہ پوری امت میں سب سے پہلے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے

اس آیت کا مطلب دریافت کیا ہے آپ نے فرمایا کہ جس کے دیکھنے کا آیت میں ذکر ہے وہ جبریل علیہ السلام ہیں جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف دو مرتبہ ان کی اصلی صورت میں دیکھا ہے، آیت میں جس رویت کا ذکر ہے اس کا مطلب

الَّتِي خُلِقَ عَلَيْهَا الْأَمْزَلِينَ رَأَاهُ...
منهبطاً من السماء إلى الأرض من
سأد أعظم خلقه ما بين السماء والأرض،
الآنرض، أخرجاه في الصحيحين
من حديث الشعبي (ابن كثير)

یہ ہے کہ آپ نے جبریل امین کو آسمان سے زمین کی طرف اترتے ہوئے دیکھا کہ ان کے جتنے زمین آسمان کے درمیان کی فضا کو بھر دیا تھا

صحیح مسلم میں بھی یہ روایت تقریباً اپنی الفاظ سے منقول ہے، اور فتح الباری کتاب التفسیر میں حافظ نے ابن مردودہ سے یہی روایت اسی سند کے ساتھ نقل کی ہے، جس میں صدیقہ کے الفاظ یہ ہیں:

”یعنی صدیقہ عائشہؓ فرماتی ہیں کہ اس آیت کے متعلق سب پہلے میں نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ آپ نے اپنے رب کو دیکھا ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ نہیں بلکہ میں نے جبریلؑ کو اترتے ہوئے دیکھا ہے“

أَنَا أَوَّلُ مَنْ سَأَلَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى
اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ هَذَا، فَقُلْتُ
يَا رَسُولَ اللَّهِ هَلْ رَأَيْتَ رَبَّكَ؟
فَقَالَ لَا إِنَّمَا رَأَيْتُ جِبْرِيلَ مِنْهُ طَافَ
رَفِيعُ الْبَارِئِ (ص ۴۹۳ ج ۸)

اور صحیح بخاری میں شیبانی سے روایت ہے کہ انھوں نے حضرت زہرہؓ سے اس آیت کا مطلب پوچھا
رَفِيعُ الْبَارِئِ قَابِ قَوْسَيْنِ أَوْ أَدْنَى فَأَوْسَى إِلَى عَبْدٍ مَا أَوْسَى) انھوں نے جواب دیا کہ ہم سے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے حدیث بیان کی کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے جبریل امین کو اس حالت میں دیکھا کہ ان کے چہرہ بازو تھے اور ابن جریر نے اپنی سند کے ساتھ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے آیت (مَا كُنَّ بَ الْفُؤَادِ مَا رَأَى) کی تفسیر میں یہ نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جبریل امین کو دیکھا اس حالت میں کہ وہ رقرق کے لباس میں تھے، اور زمین و آسمان کی درمیانی فضا کو ان کے وجود نے بھر رکھا تھا۔

ابن کثیر کی تحقیق | یہ سب روایات حدیث ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں نقل کر کے فرمایا ہے کہ سورہ نجم کی آیات مذکورہ میں رویت اور قرب سے مراد جبریلؑ کی رویت اور قرب ہے، یہ قول صحابہ کرام میں سے حضرت ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا اور عبداللہ بن مسعود، ابوذر غفاری، ابوہریرہ رضی اللہ عنہم اجمعین کا ہے، اسی لئے ابن کثیر نے آیات مذکورہ کی تفسیر میں فرمایا کہ:-

”ان آیات میں جس رویت اور قرب کا ذکر ہے وہ رویت و قرب جبریل امین کی مراد ہے جبکہ ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلی مرتبہ ان کی اصلی صورت میں دیکھا تھا، پھر دوسری مرتبہ شب معراج میں سدرۃ المنتہی کے قریب دیکھا، اور یہ پہلی رویت نبوت کے بالکل

ابتدائی زمانہ میں ہوئی، جبکہ جبرئیل علیہ السلام پہلی مرتبہ سورۃ افترا کی ابتدائی آیاتوں کی وحی لے کر آئے، اس کے بعد وحی میں قرئت یعنی وقفہ پیش آیا جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سخت غم اور تکلیف تھی، بار بار یہ خیالات دل میں آئے کہ پہاڑ سے گر کر جان دیدیں مگر جب کبھی ایسی صورت ہوتی تو جبرئیل امین غائبانہ ہوا سے آواز دیتے کہ اے محمدؐ آپ اللہ کے رسول ہیں برحق ہیں، اور میں جبرئیل ہوں، ان کی آواز سے آپ کا دل ٹھیر جاتا، اور سکون ہو جاتا تھا، جب کبھی ایسا خیال آیا اسی وقت جبرئیل نے اس آواز کے ذریعہ تسلی دی، مگر یہ تسلیاں غائبانہ تھیں، یہاں تک کہ ایک روز جبرئیل بطحا کے کھلے میدان میں اپنی اصلی صورت میں اس طرح ظاہر ہوئے کہ ان کے چہرہ سباز دستھے اور پوشے افق کو گھیر رکھا تھا، پھر جبرئیل امین آپ کے قریب آئے اور آپ کو وحی الہی پہنچائی، اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جبرئیل امین کی عظمت اور اللہ کے نزدیک جلالت قدر کی حقیقت روشن ہوئی، (ابن کثیر)

خلاصہ یہ ہے کہ امام ابن کثیر نے خود تفسیر مرفوع اور صحابہ کرام کے اقوال کی بناء پر سورۃ نجم کی آیات مذکورہ کی تفسیر یہی قرار دی ہے کہ اس میں رویت اور قرب جبرئیل کا مراد ہے، اور یہ پہلی رویت ہے جو اسی عالم میں مکہ مکرمہ کے افق پر ہوئی، بعض روایات میں اس رویت کی یہ تفصیل آئی ہے کہ جبرئیل امین کو پہلی مرتبہ ان کی اصلی صورت میں دیکھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر غشی طاری ہو گئی، تو پھر جبرئیل امین آدمی کی صورت میں آپ کے قریب آئے اور بہت قریب آگئے۔

دوسری رویت کا تذکرہ آگے سورۃ نجم ہی کی آیت **وَلَقَدْ سَأَلَهُمْ تَزْلَٰةَ الْاُخْرٰی** میں آیا ہے، جو معراج میں ہوئی، مذکور الصدور وجہ کی بناء پر عامہ مفسرین حضرات نے اسی تفسیر کو اختیار کیا ہے، ابن کثیر کا مضمون تو ابھی اوپر گذر رہا ہے، قرطبی، ابو حیان، امام رازی وغیرہ عموماً اسی تفسیر کو ترجیح دے رہے ہیں، سیدی حضرت حکیم الامتؒ نے بھی اسی کو اختیار فرمایا ہے جو اد پر خلاصہ تفسیر کے عنوان میں بیان ہو چکا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ سورۃ نجم کی ابتدائی آیات میں حق تعالیٰ کی رویت کا ذکر نہیں ہے، بلکہ رویت جبرئیل علیہ السلام مذکور ہے، انواری نے شرح مسلم میں اور حافظ نے فتح الباری میں بھی یہی تفسیر اختیار فرمائی ہے۔

ذُو مِرَّةٍ فَاسْتَوٰی وَهُوَ بِالْاُفْقِ الْاَعْلٰی، مرہ کے معنی قوت کے ہیں، یہ بھی جبرئیل امین کی دوسری صفت قوت و طاقت کی زیادتی بیان کرنے کے لئے ہے، تاکہ کسی کو یہ دہم نہ ہو کہ وحی لانے والے فرشتے کے کام میں کوئی شیطان دخیل ہو سکتا ہے، کیونکہ جبرئیل امین اتنے قوی ہیں کہ شیطان ان کے پاس بھی نہیں پھٹک سکتا، اور فاسٹوٰی کے معنی "برابر ہو گئے" مراد یہ ہے کہ اول جب جبرئیل امین کو دیکھا تو وہ آسمان سے اتر رہے تھے، اترنے کے بعد افق بلند پر مستوی ہو کر بیٹھ گئے، افق کے ساتھ اعلیٰ کی قید میں یہ حکمت ہے کہ افق کا وہ حصہ جو زمین کے ساتھ ملا ہوا نظر آتا ہے وہ عموماً نظر دل مخفی رہتا ہے اس لئے افق بلند پر جبرئیل امین کو دکھلایا گیا،

شَمَدٌ ذِي فَتَكَلٍّ، ذی کے معنی "قرب ہو گیا" اور تَدَنی کے لفظی معنی "لگ گیا" مراد جھک کر قریب ہو جانا ہے، فَتَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰی، قَاب، کمان کی لکڑی جہاں دستہ پھوٹنے کا ہوتا ہے، اور اس کے مقابل کمان کی ڈور (تانت) ہوتی ہے، ان دونوں کے درمیان فاصلہ کو قَاب کہا جاتا ہے، جس کا اندازہ تقریباً ایک ہاتھ سے کیا جاتا ہے، قَاب قَوْسَيْنِ، یعنی دو کمانوں کی قَاب فرماتے کی وجہ عرب کی ایک خاص عادت ہے کہ دو آدمی اگر آپس میں معاہدہ صلح اور دوستی کا کرنا چاہتے تو جیسی اس کی ایک علامت ہاتھ پر ہاتھ مارنے کی معروف و مشہور ہے، اسی طرح دوسری علامت جس سے دوستی کا مظاہرہ کیا جاتا تھا یہ تھی کہ دونوں شخص اپنی اپنی کمانوں کی لکڑی تو اپنی طرف کر لیتے اور کمان کی ڈور دوسرے کی طرف، اس طرح جب دونوں کمانوں کی ڈوریں آپس میں مل جاتیں تو باہمی قرب و مودت کا اعلان سمجھا جاتا تھا، اس قرب کے وقت ان دونوں شخصوں کے درمیان دونوں قوسوں کے قَاب کا فاصلہ رہتا تھا، یعنی تقریباً دو ہاتھ ریا ایک گز اس کے بعد اَدْنٰی کہہ کر یہ بھی بتلا دیا کہ یہ قرب و اتصال عام رسمی اتصال کی طرح نہیں تھا بلکہ اس سے بھی زیادہ تھا۔ آیات مذکورہ میں جبریلؑ کا بغایت قریب ہو جانا اس لئے بیان فرمایا گیا کہ یہ ثابت ہو جائے کہ جو وحی انھوں نے پہنچائی ہے اس کے سننے میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں، اور یہ کہ اس قرب و اتصال کی وجہ یہ بھی احتمال نہیں رہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جبریل امین کو نہ پہچانیں اور کوئی شیطان مداخلت کر سکے۔

فَاَوْحٰی اِلٰی عَبْدِهٖ مَا اَوْحٰی، اَوْحٰی کی ضمیر فاعل حق تعالیٰ کی طرف راجع ہے اور عَبْدِهٖ کی ضمیر بھی، معنی یہ ہیں کہ جبریل امین کو معلم کی حیثیت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بالکل قریب بھیج کر حق تعالیٰ نے آپؐ کی طرف وحی نازل فرمائی۔

ایک علی اشکال یہاں جو ظاہری شکل میں ایک علی اشکال یہ محسوس ہوتا ہے کہ اوپر کی آیات میں ضمیریں جمہور مفسرین اور اس کا جواب محمدؐ میں نے جبریل امین کی طرف راجع کی ہیں، فَاَسْتَوٰی سے لیکر فَتَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰی تک سب ضمیریں جبریلؑ ہی کی طرف راجع ہیں، اور انکی آیات میں بھی بقول جمہور مفسرین جبریل علیہ السلام ہی کا ذکر ہے، تو صرف اس آیت میں اَوْحٰی اور عَبْدِهٖ کی ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف راجع کرنا نظم و نسق عبارت کے خلاف اور انتشارِ ضمائر کا موجب ہے۔

اس کا جواب استاذ محترم حضرت مولانا سید محمد انور شاہؒ نے یہ دیا ہے کہ نہ یہاں نظم کلام میں کوئی اختلال ہے نہ انتشارِ ضمائر، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ سورۃ نجم کی شروع آیت میں اِنْ هُوَ اِلَّا دَحْیُ یَوْمَیْ کا ذکر فرما کر جس مضمون کی ابتداء کی گئی ہے اسی کا نہایت منضبط بیان اس طرح کیا گیا کہ وحی بھیجے والا تو ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں، مگر اس وحی کو پہنچانے میں ایک واسطہ جبریل کا تھا، چند آیات میں اس واسطہ کی توثیق پوری طرح کرنے کے بعد پھر اَوْحٰی اِلٰی عَبْدِهٖ مَا اَوْحٰی فرمایا، تو یہ ابتدائی کلام کا تکملہ ہے، اور اس میں انتشارِ ضمیر اس لئے نہیں کہہ سکتے کہ اَوْحٰی اور عَبْدِهٖ کی ضمیریں اس کے سوا کوئی احتمال ہی نہیں کہ وہ حق تعالیٰ کی طرف راجع ہو، اس لئے یہ

مرجع پہلے سے متعین ہے، اور ما آذ حی یعنی جو کچھ وحی فرمانا تھا اس کو مبہم رکھ کر اس کی عظمت شان کی طرف اشارہ فرمایا گیا ہے، صحیح بخاری باب بدأ الوحی کی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت جو وحی کی گئی وہ سورۃ مدثر کی ابتدا آیات ہیں، واللہ اعلم۔

اس پرے نظم کلام سے قرآن کریم کی حقانیت اور اس کا ٹھیک کلام حق ہونا ثابت ہوتا ہے کہ جس طرح حضرات محدثین احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سند اپنے سے لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک مکمل بیان کرتے ہیں، ان آیات میں حق تعالیٰ نے قرآن کی سند اس طرح بیان فرمادی کہ مؤجی یعنی وحی کرنی والا خود حق تعالیٰ ہے، اور معلم و مبلغ جو اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان واسطہ ہیں جبرئیل امین ہیں، آیات مذکورہ میں جبرئیل کی جلالت شان اور شدید القویٰ ہونا گویا اس واسطہ سند کی تعدیل ہے۔

مَا كَذَّبَ الْفُؤَادُ مَا رَأَى، فواد کے معنی قلب، اور مطلب آیت کا یہ ہے کہ آنکھ نے جو کچھ دیکھا ہو قلب نے بھی اس کے ادراک میں کوئی غلطی نہیں کی، اسی غلطی اور خطا کو آیت میں لفظ کذب سے تعبیر کیا کہ کہ دیکھی ہوئی چیز کے ادراک میں قلب نے جھوٹ نہیں بولا، یعنی غلطی اور خطا نہیں کی، اور لفظ ما رآی کے معنی جو کچھ دیکھا، قرآن کے الفاظ نے یہ متعین نہیں کیا کہ کیا دیکھا، اس کی تفسیر میں صحابہ و تابعین اور ائمہ تفسیر کے وہی دو قول ہیں جو اوپر تفصیل سے بیان کئے گئے ہیں کہ بعض کے نزدیک خود حق تعالیٰ کو دیکھنا مراد ہے (وہو قول ابن عباسؓ) اور بعض کے نزدیک جبرئیل امین کو ان کی اصلی صورت میں دیکھنا مراد ہے (وہو قول عائشہؓ) و ابن مسعود و ابی ہریرۃ و ابی ذر الغفاری رضی اللہ عنہم) اس تفسیر کے مطابق لفظ رآی اپنے حقیقی معنی کے مطابق آنکھ سے دیکھنے کے لئے بولا گیا اور دیکھنے کے بعد ادراک و فہم جو قلب کا کام ہے وہ قلب کی طرف منسوب ہو رہا ہے، رویت کو مجازی طور پر رویت قلبیہ کے معنی میں لینے کی ضرورت پیش نہیں آتی (كما فعله القبطی) رہا یہ سوال کہ آیت میں ادراک کی نسبت قلب کی طرف کی ہے، حالانکہ مشہور حکماء کا قول ہے کہ ادراک کا تعلق عقل یا نفس ناطقہ سے ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن کریم کی بہت سی آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ ادراک و فہم کا اصل مرکز قلب ہے، اس لئے کبھی عقل کو بھی لفظ قلب سے تعبیر کر دیا ہے، جیسے آیت رَلَيْتُمْ كَافَّةً قُلُوبًا میں قلب سے مراد عقل لی گئی ہے، کیونکہ قلب مرکز عقل ہے، آیات دتر آنیہ لَہُمْ قُلُوبٌ لَا یَفْقَهُونَ بہا وغیرہ اس پر شاہد ہیں۔

وَلَقَدْ رَآہُ نَزْلَةً أُخْرٰی عِنْدَ یَسَدٍ رَّآہُ الْاُمَمَتَّہِی، یہاں بھی رآہ کی ضمیر میں وہی دو قول ہیں کہ حق تعالیٰ مراد ہیں، یا جبرئیل امین نَزْلَةً أُخْرٰی کے معنی دوسری مرتبہ کا نزول ہے، راجح تفسیر کے مطابق یہ نزول بھی جبرئیل امین کا ہے اور جیسا کہ پہلی رویت کا مقام قرآن کریم نے اسی عالم دنیا میں مکہ مکرمہ کا آفاق اعلیٰ بتلایا تھا، اسی طرح اس دوسری رویت کا مقام ساتویں آسمان میں بَدْرَۃُ الْمُنْتَهٰی بتلایا، اور یہ ظاہر ہے کہ ساتویں آسمان پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تشریف لے جانا شب معراج میں ہوا ہے، اس سے اس

دوسری روایت کا وقت بھی فی الجملہ متعین ہو جاتا ہے، سدرۃ لغت میں بیری کے درخت کو کہتے ہیں، اور منہتی کے معنی انتہائی جگہ، ساتویں آسمان پر عرشِ رحمن کے نیچے یہ بیری کا درخت ہے، مسلم کی روایت میں اس کو چھٹے آسمان پر بتلایا ہے، اور دونوں روایتوں کی تطبیق اس طرح ہو سکتی ہے کہ اس کی جڑ چھٹے آسمان پر اور شاخیں ساتویں آسمان پر پھیلی ہوئی ہیں (مفسر طبری) اور عام فرشتوں کی رسائی کی یہ آخری حد ہے، اسی لئے اس کو منہتی کہتے ہیں بعض روایات میں ہے احکامِ الہیہ اقل عرشِ رحمن سے سدرۃ المنہتی پر نازل ہوتے ہیں، یہاں سے متعلقہ فرشتوں کے سپرد ہوتے ہیں، اور زمین سے آسمان پر جانے والے اعمال نامے وغیرہ بھی فرشتے یہیں تک پہنچاتے ہیں، وہاں سے حق تعالیٰ کے سامنے پیشی کی اور کوئی صورت ہوتی ہے، مسند احمد میں یہ مضمون حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے منقول ہے (ابن کثیر)

عَنْ هَاجَتِ السَّامَوِي، مَادِي كَمَعْنِي تَهْكَا نَا اور آرام کی جگہ، جنت کو مَادِي اس لئے فرمایا کہ انسان کا اصل ٹھکانا اور مقام یہی ہے، یہیں آدم و حوا علیہما السلام کی تخلیق ہوئی ہے، یہیں سے اُن کو زمین پر اتارا گیا، اور پھر یہیں اہل جنت کا مقام ہوگا۔

جنت و دوزخ | اس آیت نے یہ بھی بتلادیا کہ جنت اس وقت بھی موجود ہے، جیسا کہ جمہور امت کا عقیدہ ہی ہے کہ موجودہ مقام | کہ جنت و دوزخ قیامت کے بعد پیدا نہیں کی جائیں گی، یہ دونوں مقام اس وقت بھی موجود ہیں، اس آیت نے جنت کا محل وقوع بھی بتلادیا کہ وہ ساتویں آسمان کے اوپر عرشِ رحمن کے نیچے ہے، گویا ساتواں آسمان جنت کی زمین اور عرشِ رحمن اس کی چھت ہے، دوزخ کا محل وقوع کسی آیت قرآن یا روایت حدیث میں صراحتہً نہیں بتلایا، سورۃ طور کی آیت وَالْبَحْرِ الْمَسْجُور سے بعض مفسرین نے یہ مفہوم نکالا ہے کہ دوزخ سمندر کے نیچے زمین کے قعر میں ہے، جس پر اس وقت کوئی بھاری اور سخت غلا چڑھا ہوا ہے، جو قیامت میں پھٹ جائے گا، اور اس کی آگ پھیل کر پورے سمندر کو آگ میں تبدیل کر دیگی۔ زمانہ حال میں یورپ کے بہت سے ماہرین نے جو زمین کو برا کر ایک طرف سے دوسری طرف جانے کا راستہ بنانے کی کوشش ساہما سال جاری رکھی، اور بڑی سے بڑی مشینیں اس کام کے لئے ایجاد کیں، مختلف جماعتوں نے اس پر محنت خرچ کی، سب سے زیادہ جو جماعت کامیاب ہوئی وہ مشینوں کے ذریعہ زمین کی گہرائی میں چھ میل تک پہنچ سکی، مگر چھ میل کے بعد سخت پھرنے ان کو عاجز کر دیا، تو پھر دوسری جگہ سے کھدائی شروع کی، مگر وہی چھ میل کے بعد سخت پھر سے سابقہ پڑا، متعدد جگہوں میں اس کا تجربہ کرنے کے بعد ان کی تحقیق یہ تشرار پائی کہ چھ میل کی گہرائی کے بعد کوئی غلات جبری پوری زمین پر چڑھا ہوا ہے، جس میں کوئی مشین کا نہیں کر سکتی، زمین کا قطر جو ہزاروں میل کا ہے اس میں سے سائنس کے اس عروج کے زمانہ میں سائنس کی رسائی صرف چھ میل تک ہو سکی، آگے غلات جبری کا اقرار کر کے اپنی کوشش چھوڑنا پڑی، اس واقعہ سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے کہ زمین پوری کسی غلات جبری سے بند کی ہوئی ہے، اگر کسی روایت صحیح سے جہنم کا محل

دفع اس غلاف کے اندر ہونا ثابت ہو جائے تو کچھ بعید نہیں، واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم
 اِذْ يَغْشَى السَّحَابَ مَا يَغْشَى، یعنی جبکہ ڈھانپ لیا تھا سدرہ کو ڈھانپنے والی چیز نے، صحیح مسلم میں
 حضرت عبداللہ بن مسعود سے یہ روایت ہے کہ اس وقت سدرۃ المنتہی پر سونے کے بنے ہوئے پردے ہر طرف
 گر رہے تھے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس روز سدرۃ المنتہی کو خاص طور سے سجایا گیا تھا، جس میں آنے والے
 جہان حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اعزاز تھا۔

مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغَى، زَاغ سے مشتق ہے، جس کے معنی ٹیڑھا یا بے راہ ہو جانا اور طَغَى
 طغیان سے مشتق ہے، جس کے معنی حد سے تجاوز کر جانے کے ہیں، مراد ان دونوں لفظوں سے یہ بیان کرنا ہے
 کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ دیکھا اس میں نظر نے کوئی خطا یا غلطی نہیں کی، یہ اس شبہ کا جواب
 ہے کہ بعض اوقات انسان کی نظر بھی خطا کر جاتی ہے، خصوصاً جبکہ وہ کوئی عجیب غیر معمولی واقعہ دیکھ رہا ہو
 اس شبہ کے جواب میں قرآن کریم نے دو لفظ استعمال فرمائے، کیونکہ نظر کی غلطی دو درجہ سے ہو سکتی ہے،
 ایک یہ کہ جس چیز کو دیکھنا چاہتا تھا نظر اُس سے ہٹ کر دوسری طرف چلی گئی، لفظ مَا زَاغَ سے اس قسم کی
 غلطی کی نفی کی گئی ہے کہ آپ کی نظر کسی دوسری چیز پر نہیں، بلکہ جس کو دیکھنا تھا ٹھیک اسی پر پڑی، دوسری
 درجہ نظر کی غلطی یہ ہو سکتی ہے کہ نظر پڑی تو اسی چیز پر جس کو دیکھنا مقصود تھا، مگر اس کے ساتھ وہ ادھر ادھر
 کی دوسری چیزوں کو بھی دیکھتی رہی، اس میں بھی بعض اوقات التباس ہو جانے کا خطرہ ہوتا ہے، اس قسم
 کی غلطی کے ازالہ کے لئے وَمَا طَغَى فرمایا۔

جن حضرات نے آیات سابقہ کی تفسیر روایت جبرئیل علیہ السلام سے کی ہے، وہ اس آیت کا بھی یہی
 مفہوم قرار دیتے ہیں کہ جبرئیل امینؑ کو دیکھنے میں آنکھ نے کوئی غلطی نہیں کی، اس کے بیان کی ضرورت اس وجہ
 ہوئی کہ جبرئیل علیہ السلام واسطہ وحی ہیں، اگر آپ ان کو اچھی طرح نہ دیکھیں اور نہ پہچانیں تو وحی مشبہ سے
 خالی نہیں رہتی۔

اور جن حضرات نے آیات سابقہ کی تفسیر روایت حق سبحانہ سے کی ہے وہ یہاں بھی یہی فرماتے ہیں کہ
 حق تعالیٰ سبحانہ کے دیدار میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں نے کوئی غلطی نہیں کی، بلکہ صحیح صحیح دیکھا،
 البتہ اس آیت نے اس بات کو اور مزید واضح کر دیا کہ یہ روایت بحشم سر ہوئی ہے، صرف دل کی روایت
 نہیں تھی۔

آیات مذکورہ کی تفسیر میں نمونہ اسلاف محدثین حضرت استاذ مولانا سید محمد انور شاہ کشمیری قدس اللہ سرہ
 ایک اور تحقیق مفید جو بلاشبہ اس زمانہ میں آیۃ من آیات اللہ اور حجۃ اللہ فی الارض تھے، ان کے علوم
 بلاشبہ حافظ ابن حجر اور ذہبی جیسے ائمہ حدیث کے علوم کا نمونہ تھے، اور مشکلات القرآن پر آپ کی ایک مستقل
 تصنیف نہایت دقیق علوم و معارف کا خزانہ ہے، سورۃ نجم کی آیات میں چونکہ صحابہ و تابعین سے لے کر

ائمہ مجتہدین اور محدثین و مفسرین کے مختلف اقوال اور ان میں علمی مشکلات معروفت و مشہور ہیں مشکلات القرآن میں آپ نے ان آیات کی تفسیر اس طرح فرمائی کہ بیشتر روایات میں تطبیق ہو جائے۔

پھر احقر کے دوسرے استاذ شیخ الاسلام حضرت مولانا بشیر احمد عثمانیؒ نے جب صحیح مسلم کی شرح فتح الملہم تحریر فرمائی، اور اسراء و معراج کے بیان میں سورہ نجم کی ان آیات کا حوالہ آیا تو مسئلہ کی اہمیت کے پیش نظر ان آیات کی تفسیر خود حضرت انور الاسلام ذہ قدس سرہ کے قلم سے لکھوا کر اس کو اپنی کتاب فتح الملہم کا جز بنایا، اور اپنے فوائد القرآن میں بھی اسی کو اختیار فرمایا، اس طرح یہ تحقیق احقر کے دو بزرگ اساتذہ کی متفقہ تحقیق ہو گئی اس کے دیکھنے سے پہلے چند باتیں پیش نظر رہنا چاہئے جو تقریباً سب علماء و ائمہ کے نزدیک مسلم ہیں، اول یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جبریل امین کو ان کو اصلی صورت میں دو مرتبہ دیکھا ہے، اور ان دونوں مرتبہ دیکھنے کا ذکر سورہ نخبہ کی آیات مذکورہ میں موجود ہے، دوسری مرتبہ کس جگہ کس زمانہ میں دیکھا، اس کو تو انہی آیات میں متعین کر کے بتلادیا ہے کہ یہ رویت ساتویں آسمان پر سدرۃ المنتہی کے پاس ہوئی ہے، اور یہ ظاہر ہے کہ ساتویں آسمان پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تشریف لے جانا صرف لیلۃ المعراج میں ہوا ہے، اس سے اس رویت کی جگہ بھی معلوم ہو گئی، اور وقت بھی، کہ وہ شب معراج میں ہوئی، پہلی رویت کے محل وقوع اور وقت کا تعین ان آیات میں نہیں ہے، مگر صحیح بخاری باب بدء الوحی میں حضرت جابر بن عبد اللہ کی حدیث ذیل سے یہ دونوں چیزیں متعین ہو جاتی ہیں۔

”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وحی میں فرمائی
یعنی دفعہ کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ (ایک روز)
جبکہ میں چل رہا تھا اچانک آسمان کی طرف سے
ایک آواز سنی، میں نے نظر اٹھائی تو دیکھا کہ وہی
فرشتہ جو حرار میں میرے پاس آیا تھا آسمان و زمین
کے درمیان (معلق) ایک کرسی پر بیٹھا ہوا ہے
میں اس سے مرعوب ہو کر گھر لوٹ آیا اور کہا کہ
مجھے ڈھانپ دو، اس وقت اللہ تعالیٰ نے سورہ
مذکر کی آیات وَالرُّجُزَ فَابْجُرْ دیکھنا نازل فرمایا،
اور اس کے بعد وحی آسمانی مسلسل آنے لگی۔“

قَالَ وَهُوَ يُخَيِّتُكَ عَنْ فَتْرَةِ الْوَحْيِ
تَقَالَ فِي حَدِيثِهِ بَيْنَا أَنَا آمِنٌ إِذْ
تَبِعْتُ صَوْتًا مِنَ السَّمَاءِ فَرَفَعْتُ
بَصَرِي فَإِذَا الْمَلَكُ الَّذِي جَاءَنِي بِجَوَارِ
جَالِسٌ عَلَى كُرْسِيِّ بَيْنَ السَّمَاءِ وَ
الْأَرْضِ فَرَعِبْتُ مِنْهُ فَرَجَعْتُ
فَقُلْتُ رَبِّ لَوْ نِي فَأَنْزَلَ اللَّهُ تَعَالَى
يَا أَيُّهَا الْمَلَأُ تُرْقِمُ فَأَنْزَلَ إِلَيَّ قَوْلَهُ
وَالرُّجُزَ فَابْجُرْ فَخَيَّيْتُ الْوَحْيَ وَتَبَّاهُ

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جبریل امین کو ان کی اصلی صورت میں دیکھنے کا پہلا واقعہ فترۃ وحی کے زمانہ میں کہ معظمہ کے اندر اُس وقت پیش آیا جب کہ آپؐ شہر مکہ میں کہیں جا رہے تھے، اس سے معلوم ہوا کہ پہلا واقعہ معراج سے پہلے زمین مکہ پر اور دوسرا واقعہ ساتویں آسمان پر شب معراج میں پیش آیا ہے۔

دوسری بات یہ بھی سب کے نزدیک مسلم ہے کہ سورہ نخبم کی ابتدائی آیات میں کم از کم آیت **وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلًا** آخری سے **لَقَدْ رَاٰهُ مِنْ اَمْتٍ رَیِّہُ الْکُبْرٰی** تک سب آیتیں واقعہ معراج کے متعلق ہیں۔

امور مذکورہ کے پیش نظر استاذ محترم حجۃ الاسلام حضرت مولانا سید محمد انور شاہ کشمیری قدس سرہ نے سورہ نخبم کی ابتدائی آیات کی تفسیر اس طرح فرمائی ہے کہ:

قرآن کریم نے اپنے عام اسلوب کے مطابق سورہ نخبم کی ابتدائی آیتوں میں دو واقعات کا ذکر فرمایا ہے ایک واقعہ جبرئیل علیہ السلام کو ان کی اصل صورت میں اس وقت دیکھنے کا ہے جب کہ آپ فرشتہ وحی کے زمانے میں مکہ مکرمہ میں کسی جگہ جا رہے تھے، اور یہ واقعہ اسراء و معراج سے پہلے کا ہے۔

دوسرا واقعہ شب معراج کا ہے جس میں جبرئیل امین کو ان کی اصلی صورت میں دوبارہ دیکھنے سے کہیں زیادہ دوسرے عجائب اور اللہ تعالیٰ کی آیات کبریٰ کا دیکھنا مذکور ہے، ان آیات کبریٰ میں خود حق تعالیٰ سبحانہ کی زیارت و رویت کا شامل ہونا بھی محتمل ہے۔

سورہ نخبم کی ابتدائی آیات کا اصل مضمون رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت اور آپ کی وحی میں شبہات نکالنے والوں کا جواب ہے کہ متاروں کی قسم کھا کر اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو کچھ ارشاد امت کو دیتے ہیں، نہ ان میں کسی غیر اختیاری غلطی کا امکان ہے نہ اختیاری غلطی کا، اور یہ آپ جو کچھ فرماتے ہیں اپنی کسی فسانی غرض سے نہیں کہتے، بلکہ وہ سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھیجی ہوئی وحی ہوتی ہے، پھر چونکہ یہ وحی حضرت جبرئیل علیہ السلام کے واسطے سے بھیجی جاتی ہے وہ بحیثیت معلم و مبلغ وحی پہنچاتے ہیں اس لئے جبرئیل امین کی مخصوص صفات اور عظمت شان کا بیان کئی آیتوں میں ذکر فرمایا، اس میں زیادہ تفصیل کی وجہ شاید یہ بھی ہو کہ مشرکین مکہ اسرافیل، میکائیل فرشتوں سے تو واقف تھے، جبرئیل سے واقف نہ تھے، بہر حال جبرئیل کی صفات بیان کرنے کے بعد پھر اصل مضمون وحی کو بیان فرمایا **فَاَوْحٰی اِلٰی عَبْدِیْ مَا اَوْحٰی**، یہاں تک یہ سب گیارہ آیتیں ہیں جن میں وحی و رسالت کی توفیق کے ضمن میں جبرئیل امین کی صفات کا ذکر ہے، اور غور کیا جائے تو یہ سب صفات جبرئیل امین پر بے تکلف صادق آتی ہیں، ان کو اگر اللہ تعالیٰ کی صفت قرار دیا جائے جیسا کہ بعض مفسرین نے کیا ہے تو تکلف و تاویل سے خالی نہیں، مثلاً **شَدِیْدُ الْقُوٰی**، **ذُو مِرَّةٍ**، **ذٰی فَتْدٰی**، **فَاَنْقَابٌ قَوِّیْنِ**، **اَوْ اَذٰی**، ان کلمات کو تاویل کے ساتھ تو حق تعالیٰ کے لئے کہا جاسکتا ہے مگر بے تاویل دے تکلف اس کا مصداق جبرئیل امین ہی ہو سکتے ہیں، اس لئے ان ابتدائی آیات میں جس رویت اور قرب اتصال کا ذکر ہے، وہ سب حضرت جبرئیل علیہ السلام کی رویت سے متعلق قرار دینا ہی اقرب و اسلم معلوم ہوتا ہے۔

البتہ اس کے بعد بارہویں آیت **مَا کُنَّ بَ الْفَوْقِ اِذْ مَارَ اٰی** سے **لَقَدْ رَاٰهُ مِنْ اَمْتٍ رَیِّہُ الْکُبْرٰی** تک جن میں واقعہ اسراء و معراج کا بیان ہو رہا ہے، اس میں بھی جبرئیل امین کا دوبارہ بصورت

اصلیہ دیکھنا اگرچہ مذکور ہے، مگر دوسری آیات کبریٰ کے ضمن میں ہے جن میں رویت باری تعالیٰ کے شامل

ہونے کا احتمال بھی جو مؤید بالا حدیث الصیحة و اقوال صحابہ و تابعین ہے اس کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا، اس لئے مَا كَذَّبَ الْفُؤَادَ مَا رَأَىٰ کی تفسیر یہ ہے کہ جو کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آنکھ سے دیکھا آپ کے قلب مبارک نے اس کی تصدیق کی کہ صحیح دیکھا، اس تصدیق میں قلب مبارک نے کوئی غلطی نہیں کی، اسی کو مَا كَذَّبَ کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے، اور اس میں جو کچھ دیکھا کے الفاظ عام ہیں، ان میں جبرئیل امین کا دیکھنا بھی شامل ہے اور جو کچھ شب معراج میں آپ نے دیکھا وہ سب شامل ہے، اور اس میں سب سے اہم خود حق تعالیٰ کی رویت و زیارت ہے، اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ اگلی آیت میں ارشاد ہے أَفْتُمِرُّوْهُ عَلَىٰ مَا يَرَىٰ، جس میں مشرکین مکہ کو خطاب ہے کہ آپ نے جو کچھ دیکھا یا آئندہ دیکھیں گے وہ جھگڑا اور اختلاف کرنے یا شک و شبہ میں پڑنے کی چیز نہیں عین حق و حقیقت ہے، اس آیت میں یہ نہیں فرمایا کہ أَفْتُمِرُّوْهُ عَلَىٰ مَا قَدْ رَأَىٰ، بلکہ عَلَىٰ مَا يَرَىٰ بصیغہ مستقبل فرمایا، جس میں اگلی رویت جو لیلۃ المعراج میں ہونے والی تھی اس کی طرف اشارہ اور اس کے بعد کی آیت وَ لَقَدْ رَأَىٰ نَزْلَةَ الْخُبْرَىٰ میں اس کی تصریح ہے، اور اس آیت میں بھی دونوں رویتوں کا احتمال ہے، یعنی رویت جبرئیل علیہ السلام اور رویت حق تعالیٰ، جبرئیل علیہ السلام کی رویت تو ظاہر ہے، اور حق تعالیٰ کی رویت کی طرف اشارہ اس طرح پایا جاتا ہے کہ رویت کے لئے قرب عَادَةً مُّزْدَرَىٰ ہے، جیسا کہ حدیث میں حق تعالیٰ کا نزول سائر دنیا کی طرف آخر شب میں مذکور ہے، وَعَنْكَ سِدْرَتِ الْمُنْتَهَىٰ کا مفہوم یہ ہے کہ جس وقت آپ سدرۃ المنتہیٰ کے پاس تھے جو مقام قرب ہے حق تعالیٰ کے ساتھ اس وقت دیکھا، اس میں حق تعالیٰ کی زیارت بھی مراد ہے پر یہ حدیث شاہد ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”میں سدرۃ المنتہیٰ کے پاس پہنچا تو مجھے بادل کی طرح کی کسی چیز نے گھیر لیا، میں اس کے لئے سجدہ میں گر پڑا، قیامت کے روز محشر میں حق تعالیٰ کا ظہور قرآن کریم کی ایک آیت میں اسی طرح

وَ آتَيْتُ سِدْرَةَ الْمُنْتَهَىٰ فَخَشِيْتُ رَبِّي
ضَبَابَةٌ خَرَرْتُ لَهَا سَاجِدًا أَوْ هَلِكًا
الضَّبَابَةُ هِيَ الظَّلَلُ مِنَ الْعُتَمَامِ
الَّتِي يَأْتِي فِيهَا اللَّهُ وَيَتَجَلَّى،

مذکور ہے کہ بادلوں کے سایہ کی طرح کی کوئی چیز ہوگی اس میں حق تعالیٰ نزولِ اجلال فرمائیں گے۔“

اسی طرح اگلی آیت مَا رَأَىٰ الْقَبَسُ وَمَا لَغَىٰ کا مفہوم بھی دونوں رویتوں کو شامل ہے، اور اس سے یہ مزید ثابت ہوا کہ یہ رویت حالتِ بیداری میں آنکھوں سے ہوئی ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ جن آیات میں لیلۃ المعراج کا ذکر ہے ان میں رویت کے بارے میں جتنے الفاظ آئے ہیں ان سب میں رویت جبرئیل اور رویت حق سبحانہ دونوں محتمل ہیں، اور بھی حضرات نے اُن کی تفسیر رویت حق تعالیٰ سے کی ہے، اس کی گنجائش الفاظ قرآن میں موجود ہے۔

رویت باری کا مسئلہ | تمام صحابہ و تابعین اور جمہور امت اس پر متفق ہیں کہ آخرت میں اہل جنت و

عام مومنین حق تعالیٰ کی زیارت کریں گے، جیسا کہ احادیث صحیحہ اس پر شاہد ہیں، اس سے اتنا معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی رویت و زیارت کوئی امر محال یا ناممکن نہیں، البتہ عالم دنیا میں انسانی نگاہ میں اتنی قوت نہیں جو اس کو برداشت کر سکے اس لئے دنیا میں کسی کو رویت و زیارت حق تعالیٰ کی نہیں ہو سکتی، آخرت کے معاملہ میں خود قرآن کریم کا ارشاد ہے:

فَنُكْشِفُ عَنْكَ غِطَاءَكَ فَبَصَرُكَ الْيَقِيْنُ مَحْدِيْدٌ، یعنی آخرت میں انسان کی نگاہ تیز اور قوی کر دی جائیگی اور پرزے ہٹا دیے جائیں گے، حضرت امام مالکؒ نے فرمایا کہ دنیا میں کوئی انسان اللہ تعالیٰ کو نہیں دیکھ سکتا کیونکہ اس کی نگاہ فانی ہے، اور اللہ تعالیٰ باقی، پھر جب آخرت میں انسان کو غیر فانی نگاہ عطا کر دی جائے گی تو حق تعالیٰ کی رویت میں کوئی مانع نہ رہے گا، تقریباً یہی مضمون قاضی عیاضؒ سے بھی منقول ہے، اور صحیح مسلم کی ایک حدیث میں اس کی تقریباً تصریح ہے جس کے الفاظ یہ ہیں: وَقَدْ عَلِمُوْا اَنَّكُمْ لَا تَرَوْنَ رَبَّكُمْ حَتَّىٰ تَمُوْتُ وَارْفَعَ الْبَارِیْ (ص ۴۹۳ ج ۸) اس سے امکان تو اس کا بھی نکل آیا کہ عالم دنیا میں بھی کسی وقت خصوصی طور پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ میں وہ وقت بخش دی جائے جس سے وہ حق تعالیٰ کی زیارت کر سکیں لیکن اس عالم سے باہر نکل کر جبکہ شب معراج میں آپ کو آسمانوں اور جنت و دوزخ اور اللہ تعالیٰ کی خاص آیات قدرت کا مشاہدہ کرانے ہی کے لئے امتیازی حیثیت سے بلایا گیا، اس وقت تو حق تعالیٰ کی زیارت اس عام ضابطہ سے بھی مستثنیٰ ہے کہ اس وقت آپ اس عالم دنیا میں نہیں ہیں، ثبوت امکان کے بعد مسئلہ یہ رہ جاتا ہے کہ کیا رویت واقع ہوئی یا نہیں؟ اس معاملہ میں روایات حدیث مختلف اور آیات قرآن محتمل ہیں، اسی لئے صحابہ و تابعین اور ائمہ دین میں یہ مسئلہ ہمیشہ زیر اختلاف ہی رہا، ابن کثیر نے ان آیات کی تفسیر میں فرمایا کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے رویت حق سبحانہ و تعالیٰ کو ثابت فرماتے ہیں، اور سلف صالحین کی ایک جماعت نے ان کا اتباع کیا ہے، اور صحابہ و تابعین کی بہت سی جماعتوں نے اس سے اختلاف کیا ہے، آگے دونوں جماعتوں کے دلائل وغیرہ بیان کئے ہیں۔

اسی طرح حافظؒ نے فتح الباری تفسیر سورہ نخبہ میں اس اختلاف صحابہ و تابعین کے ذکر کرنے کے بعد بعض اقوال ایسے بھی نقل کئے جن سے ان دونوں مختلف اقوال میں تطبیق ہو سکے، اور فرمایا کہ قرطبی نے مفہم میں اس بات کو ترجیح دی ہے کہ ہم اس معاملہ میں کوئی فیصلہ نہ کریں، بلکہ توقف اور سکوت اختیار کریں، کیونکہ یہ مسئلہ کوئی عملی مسئلہ نہیں جس کے کسی ایک رخ پر عمل کرنا ناگزیر ہو، بلکہ یہ مسئلہ عقیدہ کا ہے جس میں جب تک قطعی الثبوت دلائل نہ ہوں کوئی فیصلہ نہیں ہو سکتا، اور جب تک کسی امر میں قطعی بات نہ معلوم ہو حکم ثبوت اور توقف کا ہے، (فتح الباری، ص ۴۹۴ ج ۸) احقر کے نزدیک یہی اسلم و احوط ہے، اس لئے اس مسئلہ کے دو طرفہ دلائل و وجوہات کو ذکر نہیں کیا، واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

أَفَرَأَيْتُمُ اللَّاتَ وَالْعُزَّىٰ ۝۱۹ وَمَنْوَةَ الثَّالِثَةَ الْآخَرَىٰ ۝۲۰ أَلَكُمُ

بھلا تم دیکھو لات اور عزیٰ کو ، اور منات تیسرے پچھلے کو ، کیا تم کو تو

الذِّكْرُ وَلَهُ الْأُنْثَىٰ ۝۲۱ تِلْكَ إِذْ أَوَّسَيْتُهُ ضِيزَىٰ ۝۲۲ إِنَّ هِيَ إِلَّا أَسْمَاءُ

لے بیٹے اور اس کو بیٹیاں ، یہ بانٹا تو بہت بھونڈا ، یہ سب نام ہیں جو

تَسْمِيَّتُوهَا أَنْتُمْ وَأَبَاؤُكُمْ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ بِهَا مِنْ سُلْطَانٍ إِنْ

رکھ لئے ہیں تم نے اور تمہارے باپ دادوں نے اللہ نے نہیں اتاری ان کی کوئی سند محض

يَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ وَمَا تَهْوَى الْأَنْفُسُ ۖ وَلَقَدْ جَاءَهُمْ مِنْ

اشکل پر چلتے ہیں ، اور جو جیوں کی انگ ہے ، اور پہنچی ہے ان کو ان کے

رَبِّهِمُ الْهُدَىٰ ۝۲۳ أَمْ لِلْإِنْسَانِ مَا تَمَنَّىٰ ۝۲۴ فَلِللَّهِ الْآخِرَةُ وَالْأُولَىٰ ۝۲۵

رب سے راہ کی سوجھ ، کہیں آدمی کو ملتا ہی جو کچھ چاہے ، سو اللہ کے ہاتھ ہر سب بھلائی پچھلی اور پہلی

وَكَمْ مِنْ مَلَكٍ فِي السَّمَوَاتِ لَا تُغْنِي شَفَاعَتُهُمْ شَيْئًا إِلَّا مِنْ بَعْدِ

اور بہت فرشتے ہیں آسمانوں میں کچھ کام نہیں آتی ان کی سفارش مگر جب حکم

أَنْ يَأْذَنَ اللَّهُ لِمَنْ يَشَاءُ وَيَرْضَىٰ ۝۲۶ إِنَّ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ

نے اللہ جس کے واسطے چاہے اور پسند کرے ، جو لوگ یقین نہیں رکھتے آخرت کا

لَيَسْمُونُ السَّلَاطَةَ تَمِيَّةَ الْأُنْثَىٰ ۝۲۷ وَمَا لَهُمْ بِهِ مِنْ عِلْمٍ إِنْ

وہ نام رکھتے ہیں فرشتوں کے زنانے نام ، اور ان کو اس کی کچھ خبر نہیں ، محض

يَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ ۖ وَإِنْ الظَّنُّ لَا يُغْنِي مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا ۝۲۸

اشکل پر چلتے ہیں ، اور اشکل کچھ کام نہ آئے ٹھیک بات میں ،

خُلاصۃ تفسیر

دائے مشرک بعد اس کے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ناطق بالحق و متبع للوحی ہونا ثابت ہو گیا اور آپ اس وحی سے توحید کا حکم فرماتے ہیں ، جو کہ دلائل عقلیہ سے بھی ثابت ہے ، اور تم پھر بھی بتوں کی پرستش کرتے ہو تو بھلا تم نے کبھی ان بتوں کے مثلاً ، لات اور عزیٰ اور ایک تیسرے منات کے حال میں غور بھی

کیا ہو تاکہ تم کو معلوم ہو تاکہ وہ قابل پرستش ہیں یا نہیں، پس کلمہ فار سے یہ فائدہ ہوا کہ آپ کی تنبیہ کے بعد متنبہ ہونا چاہئے تھا، اور توحید کے متعلق ایک اور بات قابل غور ہے کہ تم جو ملائکہ کو خدا کی بیٹیاں قرار دے کر معبود کہتے ہو تو کیا تمہارے لئے تو بیٹے (تجویز) ہوں اور خدا کے لئے بیٹیاں (تجویز ہوں) یعنی جن لڑکیوں کو تم عار و ننگ و قابل نفرت سمجھتے ہو وہ خدا کی طرف نسبت کی جادیں، اس حالت میں تو یہ بہت بے ڈھنگی تقسیم ہوئی، کہ اچھی چیز تمہارے حصے میں اور بُری چیز خدا کے حصہ میں، نعوذ باللہ منہ، یہ بناء علی العرت فرمایا اور نہ خدا تعالیٰ کے لئے بیٹا تجویز کرنا بھی بے ڈھنگی بات ہے، یہ (معبودات مذکورہ اصنام و ملائکہ بعقیدہ مذکورہ) نرے نام ہی نام ہیں، (یعنی یہ مسمیات خدا ہونے کی حیثیت سے کوئی موجود چیز ہی نہیں بلکہ مثل ان اسماء کے ہیں جن کا کہیں کوئی مصداق نہ ہو) جن کو تم نے اور تمہارے باپ داروں نے (آپ ہی) ٹھہرایا ہے، خدا تعالیٰ نے تو ان (کے معبود ہونے) کی کوئی دلیل (عقلی یا نقلی) بھی نہیں (بلکہ) یہ لوگ (اس اعتقاد الوہیۃ غیر اللہ میں) صرف بے اصل خیالات پر اور اپنے نفس کی خواہش پر (جو کہ ان بے اصل خیالات سے پیدا ہوتی ہے) چل رہے ہیں (دونوں میں فرق یہ ہوا کہ ہر عمل سے پہلے ایک عقیدہ ہوتا ہے، اور ایک عزم و ارادہ جو عمل کے لئے محرک ہوتا ہے، پس دونوں سے دونوں کی طرف اشارہ ہے) حالانکہ ان کے پاس ان کے رب کی جانب سے (بواسطہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے جو حق گو اور وحی الہی کے پیر ہیں آپ سے) ہدایت (امروا قعی کی) آچکی ہے (یعنی خود اپنے دعوے پر تو کوئی دلیل نہیں رکھتے، اور اس دعوے کی تفصیل پر رسول کے ذریعہ سے دلیل سنتے ہیں، اور پھر نہیں مانتے، یہ تو گفتگو تھی اللہ کے سوا کسی معبود ہونے کے ابطال میں آگے اس کا بیان ہے کہ تم نے جو بتوں کو اس غرض سے معبود مانا ہے کہ یہ اللہ کے پاس تمہاری شفاعت کریں گے یہ غرض بھی محض دھوکہ اور باطل ہے، سوچو کہ کیا انسان کو اس کی ہر تمنا مل جاتی ہے (واقعہ ایسا نہیں ہے، کیونکہ تمنا) سو خدا ہی کے اختیار میں ہے، آخرت (کی بھی) اور دنیا (کی بھی) ہیں وہ جس کو چاہیں پورا فرمادیں، اور نص قطعاً میں یہ بتلادیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی اس تمنائے باطل کو پورا کرنا نہیں چاہیں گے نہ دنیا میں ان کی دنیوی حاجات میں شفاعت کریں نہ آخرت میں کہ وہاں عذاب سے نجات کی شفاعت کریں اس لئے یقیناً وہ پوری نہ ہوگی) اور (بچاؤ بہت تو کیا شفاعت کرتے کہ ان میں خود اہلیت ہی شفاعت کی نہیں، اس دربار میں تو جو لوگ اہل ہیں ان کی بھی بلا اجازت حق کچھ نہیں چلتی چنانچہ) بہت سے فرشتے آسمانوں میں موجود ہیں (شاید اس میں اشارہ ہو علوشان کی طرف مگر یاد جو اس علوشان کے) انکی سفارش ذرا بھی کام نہیں آسکتی (بلکہ خود شفاعت ہی نہیں پائی جاسکتی) مگر بعد اس کے کہ اللہ تعالیٰ جس کے لئے چاہیں اجازت دیدیں اور (اس کے لئے شفاعت کرنے سے) راضی ہوں (یعنی) اس لئے بڑھایا تاکہ کبھی کسی کا اذن بلا رضا بھی کسی دباؤ یا مصلحت سے ہو جاتا ہے، اللہ جل شانہ کے معاملہ میں اس کا بھی دور کا کوئی احتمال نہیں کہ وہ کسی دباؤ سے مجبور ہو کر راضی ہو جاویں، آگے اس کا بیان ہے کہ فرشتوں کو اللہ تعالیٰ کی

اولاد قرار دیدنا کفر ہے کہ) جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے (بلکہ اس کے انکار کی وجہ سے کافر ہیں) وہ فرشتوں کو (خدا کی) بیٹی کے نام سے نامزد کرتے ہیں (ان کی تعبیر بالکفر میں آخرت کی تخصیص سے شاید اس طرط اشارہ ہو کہ یہ سب ضلالتیں آخرت کی بے فکری سے پیدا ہوئی ہیں، ورنہ معتقد آخرت کو اپنی نجات کی مندر فکر رہتی ہے، اور یہاں انہی بعض دغتر کے ہیں، لکن فی قولہ تعالیٰ وَ اِذَا الْبَشَرُ اَحَدٌ بِهُمْ بِالْاُنْثٰی، اور جب ملائکہ کو خدا کے ساتھ شریک ٹھہرانے کے کفر ہونے کی تصریح فرمادی تو بتوں کے شریک ٹھہرانے کا کفر ہونا بدرجہ اولیٰ ثابت ہو گیا اس لئے صرف اسی پر اکتفا کیا گیا، آگے اس کا بیان ہے کہ فرشتوں کو اللہ تعالیٰ کی لڑکیاں قرار دینے کا عقیدہ باطل ہی حالانکہ ان کے پاس اس پر کوئی دلیل نہیں صرف اصل خیالات پر چل رہے ہیں، اور یقیناً بے اصل خیالات امر حق کے اثبات میں ذرا بھی مفید نہیں ہوتے۔

معارف و مسائل

سابقہ آیات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت اور آپ کی وحی کے محفوظ ہونے کے دلائل کا تفصیلی ذکر تھا، ان آیات میں اس کے بالمقابل مشرکین عرب کے اس فعل کی مذمت ہو کہ انھوں نے بغیر کسی دلیل کے مختلف بتوں کو اپنا معبود و کار ساز بنا رکھا ہے، اور فرشتوں کو خدا تعالیٰ کی بیٹیاں کہتے ہیں، اور بعض روایات میں ہے کہ ان بتوں کو بھی وہ خدا تعالیٰ کی بیٹیاں کہا کرتے تھے۔

مشرکین عرب کے بت جن کی وہ پرستش کرتے تھے بے شمار ہیں، مگر ان میں سے تین زیادہ مشہور ہیں اور ان کی عبادت پر عرب کے بڑے بڑے قبائل لگے ہوئے تھے، لات، عززی، منات، لات قبیلہ ثقیف (اہل طائف) کا بت تھا، عززی قریش کا اور منات بنی ہلال کا، ان بتوں کے مقامات پر مشرکین نے بڑے بڑے شاندار مکانات بنا رکھے تھے، جن کو کعبہ کی حیثیت دیتے تھے، فتح مکہ کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سب کو منہدم کر دیا (قرطبی ملخصاً)

قِسْمَتٌ ضِیَوزِی، صنوبر سے مشتق ہے، جس کے معنی ظلم کرنے اور حق تلفی کرنے کے ہیں، اسی لفظ ابن عباسؓ نے قِسْمَتٌ ضِیَوزِی کے معنی ظالمانہ تقسیم کے کئے ہیں۔

ظن کے مختلف اقسام | اِنَّ الظَّنَّ لَا یُغْنِیْ مِنْ اَلْحَقِّ شَیْئًا، لفظ ظن عربی زبان میں مختلف معانی کے لئے اور ان کے احکام | بولا جاتا ہے، ایک معنی یہ بھی ہے کہ بے بنیاد خیالات کو ظن کہا جاتا ہے، آیت میں یہی مراد ہے، اور یہی مشرکین مکہ کی بت پرستی کا سبب تھا، اسی کے ازالہ کے لئے یہ فرمایا گیا ہے، دوسرے معنی ظن کے وہ ہیں جو یقین کے بالمقابل آتے ہیں، یقین کہا جاتا ہے اس علم قطعی مطابق للواقع کو جس میں کسی شبہ کی راہ نہ ہو، جیسے قرآن کریم یا احادیث متواترہ سے حاصل شدہ علم، اس کے مقابل ظن اس علم کو کہا جاتا ہے جو بے بنیاد خیالات تو نہیں دلیل کی بنیاد پر قائم ہے، مگر یہ دلیل اس درجہ قطعی نہیں جس میں کوئی دھما

احتمال ہی نہ رہے، جیسے عام روایات حدیث سے ثابت ہونے والے احکام، اسی لئے قسم اول کے مسائل کو قطعاً اور یقیناً کہا جاتا ہے، اور دوسری قسم کو ظنیات، اور یظن شریعت میں معتبر ہے، قرآن و حدیث میں اس کے معتبر ہونے کے شواہد موجود ہیں، اور تمام امت کے نزدیک واجب العمل ہے، آیت مذکورہ میں ظن کو جو ناقابل اعتبار قرار دیا ہے اس سے مراد ظن بمعنی بے بنیاد بے دلیل خیالات ہیں، اس لئے کوئی امکان نہیں

فَاعْرِضْ عَنْ مَنْ تَوَلَّىٰ هَٰٓءِ عَنْ ذِكْرِ نَا وَلَمْ يَرِدْ إِلَّا الْحَيَاةَ الدُّنْيَا ۖ

سو تو وہ بیان نہ کر اس پر جو منہ موڑے ہماری یاد سے اور کچھ نہ چاہے مگر دنیا کا جینا،

ذٰلِكَ مَبْلَغُهُمْ مِّنَ الْعِلْمِ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ بِمَن ضَلَّ عَنْ سَبِيلِهِ

بس یہیں تک پہنچی اُن کی سمجھ، تحقیق تیرا رب ہی خوب جانے اس کو جو بہکا اس کی راہ سے،

وَهُوَ أَعْلَمُ بِمَن اهْتَدَىٰ ۖ وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ لِيَجْزِيَ

اور وہی خوب جانے اس کو جو راہ پر آیا، اور اللہ کا ہر کچھ ہر آسمانوں میں اور زمین میں تاکہ وہ بدلہ دے

الَّذِيْنَ اَسَآءُ وَاٰمَسَا عَمِلُوْا وَيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا بِالْحَسَنٰى ۖ

برائی والوں کو اُن کے کئے کا اور بدلہ دے بھلائی والوں کو بھلائی سے،

الَّذِيْنَ يَحْتَبِثُوْنَ كِبٰٓءَ الْاٰثِمِ وَالْفَوَاحِشِ اِلَّا اللّٰهُمَّ اِنَّ رَبَّكَ

جو کہ بچتے ہیں بڑے گناہوں سے اور بھلائی کے کاموں سے مگر کچھ آلودگی، بیشک تیرے رب

وَاسِعُ الْمَغْفِرَةِ ۖ هُوَ اَعْلَمُ بِكُمْ اِذَا اَنْشَاَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ وَاِذَا

کی بخشش میں بڑی سمائی ہو، وہ تم کو خوب جانتا، جب بنا نکالا تم کو زمین سے اور جب تم

اَنْتُمْ اٰجِدْنَ فِيْ بُطُوْنِ اُمَّهَاتِكُمْ فَلَا تُزَكُّوْا نَفْسَكُمْ هُوَ اَعْلَمُ بِمَن اٰتٰقٰى ۖ

بچے تھے ماں کے پیٹ میں سو مت بیان کرو اپنی خوبیاں وہ خوب جانتا، اس کو جو بچ کر چلا

خلاصہ تفسیر

رجب ان یسبحون الا الظن اور جاء ہم من ربہم الہدی سے مشرکین عرب کا معاند بننا معلوم ہو گیا کہ باوجود نزول قرآن اور ہدایت کے یہ اپنے گمان اور ہوی پر چلتے ہیں، اور معاند سے قبول حق کی امید نہیں ہوتی تو آپ ایسے شخص سے اپنا خیال ہٹالیجے جو ہماری نصیحت کا خیال نہ کرے، اور مجسز

دنیوی زندگی کے اس کو کوئی (آخر دی مطلب) مقصود نہ ہو (جس کی وجہ عدم ایمان بالآخرۃ ہے جو لَا يُؤْمِنُونَ بالآخرۃ سے اور پر مفہوم ہوا ہے اور) ان لوگوں کے فہم کی رسائی کی حد بس یہی (دنیوی زندگی) ہے (جب اُن کی بد فہمی اور بے فکری کی نوبت یہاں تک پہنچی ہے تو اُن کی فکر نہ کیجئے، اُن کا معاملہ اللہ کے حوالے کیجئے بس) مختاراً پروردگار خوب جانتا ہے کہ کون اس کے راستہ سے بھٹکا ہوا ہے اور وہ ہی اس کو بھی خوب جانتا ہے جو راہِ راست پر ہے (اس سے تو اس کا علم ثابت ہوا) اور (اس سے قدرت ثابت ہو کہ) جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے وہ سب اللہ ہی کے اختیار میں ہے، (جب وہ علم اور قدرت دونوں میں کامل ہے اور اس کے قانون اور احکام پر عمل کرنے کے اعتبار سے لوگوں کی دو قسمیں ہیں گمراہ اور ہدایت پر عمل کرنے والے تو) انجام کار یہ ہے کہ بُرا کام کرنے والوں کو اُن کے (بُرائے) کام کے عوض میں (خاص طور کی) جزا دے گا اور نیک کام کرنے والوں کو ان کے نیک کاموں کے عوض میں (خاص طور کی) جزا دے گا (اس کا مقتضایہ ہے کہ اس کے حوالہ کیجئے آگے ان لوگوں کا بیان ہے جو نیکو کار محسنین ہیں) وہ لوگ ایسے ہیں کہ کبیرہ گناہوں سے اور (ان میں) بے حیائی کی باتوں سے (بالخصوص زیادہ) بچتے ہیں مگر ہلکے ہلکے گناہ رکبھی کھار ہو جائیں تو جس نیکو کاری کا یہاں ذکر ہے اس میں اُن سے غفل نہیں آتا، مطلب استثنائے کایہ ہے کہ اَلَّذِينَ أَحْسَنُوا یعنی محسنین جن کی اس آیت میں مدح کی گئی ہے اور ان کے محبوب عند اللہ ہونے کا اظہار کیا گیا ہے اس کا مصداق بننے کے لئے کبیرہ گناہوں سے بچنا تو شرط ہے، لیکن صفات کا کبھی کبھی صدور اس محبوبیت کے منافی نہیں، البتہ صغیرہ گناہوں میں بھی یہ شرط ہے کہ اُن کی عادت نہ ڈال لے اور ان پر اصرار نہ کرے، کبھی اتفاقی طور پر ہو جائے، ورنہ اصرار اور عادت سے صغیرہ گناہ بھی کبیرہ ہو جاتا ہے، اور استثناء کایہ مطلب نہیں کہ صفات کی اجازت ہے اور کبائر سے اجتناب کی شرط کایہ مطلب ہو کہ محسنین کو ان کے نیک عمل کی اچھی جزا ملنا کبائر سے اجتناب پر موقوف ہے، کیونکہ مرکب کبائر بھی جو حسنہ کرے گا اس کی جزا پادے گا، لقولہ تعالیٰ فَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ، پس یہ شرط جزا دینے کے اعتبار سے نہیں بلکہ اس کو محسن اور محبوب عند اللہ کا لقب دینے کے اعتبار سے ہے، جس پر عنوان أَحْسَنُوا دلالت کرتا ہو خوب سمجھ لو، اور اوپر جو بدکاروں کو سزا دینے کا بیان آیا اس سے گناہگاروں کو ناامید کرنے کا دہم ہو سکتا ہے جس کا اثر یہ ہوتا کہ ایمان و توبہ سے ہمت ہار دیں اور محسنین کو جزائے حسنہ دینے کے وعدہ سے ان کے عجب و غرور میں مستلا ہونے کا ایہام اور خطرہ تھا، آگے ان دونوں ایہاموں کو رد کیا گیا ہے، بلاشبہ آپ کے رب کی مغفرت بڑی وسیع ہے (گناہگاروں کو تدارک گناہ سے ہمت نہ ہارنی چاہئے، وہ اگر چاہے تو بجز کفر و شرک کے اور سینات کو محض فضل سے معاف کر دیتا ہے تو تدارک سے کیوں معاف نہ کرے گا، اور اسی طرح محسنین کو عجب اور غرور نہ کرنا چاہئے، کیونکہ حسنات میں بعض اوقات ایسے مخفی نقص مل جاتے ہیں، جس کے سبب وہ قابل قبول نہیں رہتے اور عامل کو اس طرت التفات نہ ہونے سے اُن کی اطلاع بھی نہیں ہوتی، اور حق تعالیٰ کو تو علم ہوتا ہے جب وہ حسنہ مقبول نہیں تو ان کا کرنے والا محسن اور محبوب نہیں،

پھر عجب و غور کیسا، اور یہ بات کہ تمہاری کسی حالت کی خود تم کو اطلاع نہ ہو اور اللہ تعالیٰ کو اطلاع ہو یہ کوئی تعجب کی بات نہیں ہے بلکہ ابتداء ہی سے اس کا وقوع ہو رہا ہے، چنانچہ وہ تم کو (اور تمہارے احوال کو اُس وقت سے) خوب جانتا ہے، جب تم کو (یعنی تمہارے جد امجد آدم علیہ السلام کو) زمین (کی خاک) سے پیدا کیا تھا (جن کے ضمن میں بواسطہ تم بھی مٹی سے مخلوق ہوئے) اور جب تم اپنی ماؤں کے پیٹ میں بچے تھے (اور ان دونوں حالتوں میں تم کو خود اپنا کوئی علم نہ تھا اور ہم کو علم تھا، پس اسی طرح اب بھی تمہارا خود اپنے سے ناواقف ہونا اور ہمارا عالم و دہن ہونا کوئی تعجب کی بات نہیں، جب یہ بات ہے) تو تم اپنے کو مقدس مت سمجھا کرو (کیونکہ) تقویٰ والوں کو وہی خوب جانتا ہے (کہ فلاں متقی ہے فلاں نہیں، گو صورتہ افعال تقویٰ کے دونوں سے صادر ہوتے ہوں)۔

معارف و مسائل

فَاعْرِضْ عَنْنِیْ عَمَّنْ ذِکْرِ نَا وَ لَمْ یُذِکِّرْ إِلَّا الْحَیْوَۃَ الدُّنْیَا ذٰلِکَ مَبْلَغُہُمْ مِّنَ

الْعِلْمِ، یعنی آپ ایسے لوگوں سے اپنا خیال ہٹالیجئے جو ہماری یاد سے رُخ پھیریں، اور دنیوی زندگی کے سوا ان کا کوئی مقصد نہ ہو، یہی اُن کا انتہائی علم و ہنر ہے۔

ضُرُوحِی تَبٰیہ کہ انگریزوں کی تعلیم اور دنیا کی ہوا و ہوس نے آجکل ہم مسلمانوں کا یہی حال بنا دیا کہ

کہ ہمارے سارے علوم و فنون اور علمی ترقی کی ساری کوششیں صرف معاشیات کے گرد گھومنے لگیں، معاشرت (معاشرتِ آخرت) کا بھول کر بھی دھیان نہیں آتا۔ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام لیتے ہیں، اور آپ کی شفاعت کی امید لگاتے ہوئے ہیں، مگر حالت یہ ہو گئی کہ اللہ تعالیٰ اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسی حالت والوں سے رُخ پھیر لینے کی ہدایت کرتا ہے، نعوذ باللہ منہ

الَّذِیْنَ یَجْتَنِبُوْنَ کَبٰیْرًا اِلَّا مٰثِرًا نُّفُوْا حٰشَ اِلَّا اللّٰمَہ، اس آیت میں ہدایت ربانی کی

پیروی کرنے والے محسنین (نیک لوگوں) کا ذکر مقامِ مدح میں فرما کر ان کی پہچان یہ بتلائی گئی ہے کہ وہ کبیرہ گناہوں سے عموماً اور فحش و بے حیائی کے کاموں سے بالخصوص دور رہتے ہیں، اس میں ایک استثناء بلفظ لَمْ فرمایا گیا ہے (جس کی تشریح آگے آتی ہے) اور حاصل استثناء کا وہی ہے جو اوپر خلاصہ تفسیر میں لکھا گیا کہ ان لوگوں کو جو محض یعنی نیکو کار کا خطاب دیا گیا ہے، لَمْ میں ابتلا ان کو اس خطاب سے محروم نہیں کرتا۔

لَمَّہ کی تفسیر میں صحابہ و تابعین سے دو قول منقول ہیں، ایک یہ کہ اس سے مراد صغیرہ گناہ ہیں جن کو سورۃ نساء کی آیت میں سینات سے تعبیر فرمایا ہے، اِنَّ مَّجْتَنِبِیْنَ اَمَّا اَنْزَمَتْہُمْ عَنْ مَّکْرٍ عَمَلُہُمْ نَسِیَ اَنْ یُّکْمَلُوْا، یہ قول حضرت ابن عباس و ابو ہریرہؓ سے ابن کثیر نے نقل کیا ہے، دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد وہ گناہ ہے جو انسان سے اتفاقی طور پر کبھی سرزد ہو گیا، پھر اس سے توبہ کر لی، اور توبہ کے بعد اس کے پاس نہیں گیا، یہ قول

فَلَا تَزْكُوا أَنْفُسَكُمْ هُوَ أَعْلَمُ بِتَمِينِ انْفِقْ۔ یعنی تم اپنے نفس کی پاکی کا دعویٰ نہ کرو، کیونکہ اس کو صرف اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے کہ کون کیسا ہے اور کس درجہ کا ہے، کیونکہ مدار فضیلت تقویٰ پر ہے، ظاہری اعمال پر نہیں، اور تقویٰ بھی وہ معتبر ہے جو موت تک قائم رہے۔

حضرت زینب بنت ابی سلمہؓ کا نام اُن کے والدین نے بڑھ رکھا تھا جس کے معنی ہیں نیکو کار، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت مذکورہ فلا تُزکُّوا أُنْفُسُکُمْ تلاوت فرما کر اس نام سے منع کیا کیونکہ اس میں اپنے نیک ہونے کا دعویٰ ہے، اور نام بدل کر زینب رکھ دیا، (رواہ مسلم فی صحیحہ، ابن کثیر)

امام احمدؒ نے عبدالرحمن بن ابی بکرؓ سے روایت کیا ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایک دوسرے آدمی کی مدح و تعریف کی، آپؐ منع فرمایا اور فرمایا کہ تمہیں کسی کی مدح و ثنا کرنا ہی ہو تو ان الفاظ سے کر دو کہ میرے علم میں یہ شخص نیک متقی ہے، وَلَا أَذِیُّ عَلَى اللَّهِ أَحَدٌ یعنی میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ اللہ کے نزدیک بھی وہ ایسا ہی پاک صاف ہے جیسا میں سمجھ رہا ہوں۔

أَفَرَأَيْتَ الَّذِي تَوَلَّى ۖ (۳۲) وَأَعْطَى قَلِيلًا وَأَكْدَى ۖ (۳۳) أَعِنْدَكَ عِلْمُ الْغَيْبِ

بھلا تو نے دیکھا اس کو جس نے منہ پھیر لیا، اور لایا تھوڑا سا اور سخت نکلا، کیا اس کے پاس خبرِ غیب کی

فَهُوَ يَرَى ۖ (۳۴) أَمْ لَمْ يُنَبِّأْ بِمَا فِي صُحُفِ مُوسَى ۖ (۳۵) وَإِبْرَاهِيمَ الَّذِي

سو وہ دیکھتا ہے، کیا اس کو خبر نہیں پہنچی اس کی جہی درقوں میں موسیٰ کے، اور ابراہیم کے جس نے کہ اپنا قول پورا

وَفِي ۖ (۳۶) أَلَّا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَى ۖ (۳۷) وَأَنْ لَّيْسَ لِلْإِنْسَانِ إِلَّا مَا

اُتَارَا کہ اٹھاتا نہیں کوئی اٹھانوالا بوجھ کسی دوسرے کا، اور یہ کہ آدمی کو وہی ملتا ہے جو اُس نے

سَعَى ۖ (۳۸) وَأَنْ سَعْيَهُ سَوْفَ يَرَى ۖ (۳۹) ثُمَّ يُجْزَاهُ الْجَزَاءَ الْأَوْفَى ۖ (۴۰)

کمایا، اور یہ کہ اُس کی کمائی اس کو دکھلائی ضرور ہے، پھر اس کو بدلہ ملتا ہے پورا بدلہ،

وَأَنْ إِلَىٰ رَبِّكَ السُّبْحَىٰ ۖ (۴۱) وَأَنَّ هُوَ أَضْحَكَ وَأَبْكَىٰ ۖ (۴۲) وَأَنَّ هُوَ

اور یہ کہ تیرے رب تک سب کو پہنچاتا ہے، اور یہ کہ وہی ہنساتا اور رلاتا، اور یہ کہ وہی ہر

أَمَاتَ وَأَحْيَا ۖ (۴۳) وَأَنَّ هُوَ خَلَقَ الزَّوْجَيْنِ الذَّكَرَ وَالْأُنثَىٰ ۖ (۴۴) مِنْ

ماتا اور چلاتا، اور یہ کہ اس نے بنایا جوڑا نر اور مادہ، ایک بوند

نُطْفَةٍ إِذَا تُمْنَىٰ ۖ (۴۵) وَأَنْ عَلَيْهِ النَّشْأَةُ الْآخِرَىٰ ۖ (۴۶) وَأَنَّ هُوَ غَنَىٰ وَ

سے جب ٹپکائی جائے، اور یہ کہ اس کے ذمہ دوسری دفعہ اٹھانا، اور یہ کہ اس نے دولت دی اور

أَفْتَىٰ ۖ (۴۷) وَأَنَّ هُوَ رَبُّ الشَّعْرَىٰ ۖ (۴۸) وَأَنَّ أَهْلَكَ عَادَ الْأُولَىٰ ۖ (۴۹)

خزانہ، اور یہ کہ وہی ہے ربِ شعر کی، اور یہ کہ اس نے غارت کیا عاد پہلے کو،

وَتَسْتَوِدُّ فَأَمَّا آتَقِي ۝۵۱ وَقَوْمَ نُوحٍ مِّنْ قَبْلُ إِذْ هُمْ كَانُوا هُمْ أَظْلَمَ وَا

اور نمود کو پھر کسی کو باقی نہ چھوڑا، اور نوح کی قوم کو پہلے ان سے وہ تو تھے اور بھی ظالم اور

أَطْعَى ۝۵۲ وَالْمَوْتُ فَنَكَّةَ أَهْوَى ۝۵۳ فَخَشَاهَا مَا غَشَى ۝۵۴ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكَ

شریر، اور اٹھتی بستی کو پسند دیا، پھر آپڑا اس پر جو کچھ کہ آپڑا، اب تو کیا کیا نعمتیں اپوز

تَتَمَارَى ۝۵۵ هَذَا نَذِيرٌ مِّنَ النَّذْرِ الْأَوَّلَى ۝۵۶ أَرَفَتِ الْأَنْزِفَةَ ۝۵۷

کی جھٹلائے گا، یہ ایک ڈر سنانے والا ہے پہلے ڈر سنانے والوں میں سے، آپہنچی آنے والی،

لَيْسَ لَهَا مِنْ دُونِ اللَّهِ كَاشِفَةٌ ۝۵۸ أَفَمِنْ هَذَا الْحَدِيثِ تَعْجَبُونَ ۝۵۹

کوئی نہیں اس کو اللہ کے سوائے کھول کر دکھانے والا، کیا تم کو اس بات سے تعجب ہوتا ہے،

وَتَضْحَكُونَ وَلَا تَبْكُونَ ۝۶۰ وَأَنْتُمْ سِيدُونَ ۝۶۱ فَاسْجُدْ لِلَّهِ وَاعْبُدُوا ۝۶۲

اور ہنستے ہو اور روتے نہیں، اور تم کھلاڑیاں کرتے ہو، سو سجدہ کرو اللہ کے آگے اور بندگی

شان نزول

در مشور میں بروایت ابن جریر یہ نقل کیا ہے کہ کوئی شخص اسلام لے آیا تھا، اس کے کسی ساتھی نے اس کو ملامت کی کہ قتل اپنے باپ دادا کے دین کو کیوں چھوڑ دیا؟ اس نے کہا کہ میں اللہ کے عذاب سے ڈرتا ہوں وہ بولا کہ تو مجھے کچھ دیدے تو میں آخرت کا تیرا عذاب اپنے سر پر رکھ لوں گا، تو عذاب سے بچ جائے گا، چنانچہ اس نے کچھ دیدیا، اس نے اور مانگا تو کچھ کشاکشی کے بعد کچھ اور بھی دیدیا، اور بقیہ کی دستاویز مع گواہوں کے لکھ دی، روح المعانی میں اس شخص کا نام ولید بن مغیرہ لکھا ہے، جس کا اسلام کی طرف میلان ہو گیا تھا، اس کے دوست نے ملامت کی، اور عذاب کی ذمہ داری اپنے سر لے لی۔

خلاصہ تفسیر

(آپ نے نیکوں کی صفات تو سن لیں) تو بھلا آپ نے ایسے شخص کو بھی دیکھا جس نے (دین حق سے) روگردانی کی (یعنی اسلام سے ہٹ گیا)، اور تھوڑا مال دیا اور (پھر) بند کر دیا (یعنی جس شخص سے مال دینے کا وعدہ اپنے مطلب کے واسطے کیا تھا، وہ بھی پورا نہ دیا، اور اسی سے مفہوم ہوا کہ ایسا شخص دوسروں کی نفع رسانی کے لئے کیا خرچ کرے گا جب اپنے ہی مطلب کے لئے پورا خرچ نہ کر سکا، جس کا حاصل اس کا بخیل ہونا ہے) کیا اس شخص کے پاس (کسی صحیح ذریعہ سے) علم غیب ہے کہ اس کو دیکھ رہا ہے (جس کے ذریعہ سے معلوم ہو گیا کہ فلاں شخص میری طرف سے میرے گناہوں کا عذاب اپنے سر لے کر مجھے عذاب سے بچا دے گا)

کیا اس کو اس مضمون کی خبر نہیں پہنچی جو موسیٰ (علیہ السلام) کے صحیفوں میں ہے (اور حسب روایت درمنثور در تفسیر سورۃ اعلیٰ موسیٰ علیہ السلام کے یہ دس صحیفے علاوہ توریت کے ہیں) اور نیز ابراہیم (علیہ السلام) کے صحیفوں میں ہے و سیا آتی فی سورۃ الاعلیٰ جنہوں نے احکام کی پوری بجا آوری کی (اور وہ مضمون) یہ ہے کہ کوئی شخص کسی کا گناہ اپنے اوپر (ایسے طور سے) نہیں لے سکتا کہ گناہ کرنے والا بری ہو جائے، پھر یہ شخص کیسے سمجھ گیا کہ میرا سا گناہ یہ شخص اپنے سر رکھ لے گا) اور یہ (مضمون ہے) کہ انسان کو (ایمان کے بارے میں) صرف اپنی ہی کمائی ملے گی (یعنی کسی دوسرے کا ایمان اس کے کام نہ آوے گا، پس اگر اس ملامت کرنے والے شخص کے پاس ایمان ہوتا تب بھی اس شخص کے کام نہ آتا، چہ جائے کہ وہاں بھی ایمان نہ آ رہے) اور یہ (مضمون ہے) کہ انسان کی سعی بہت جلد دیکھی جائے گی پھر اس کو پورا بدلہ دیا جاوے گا (باوجود اس کے یہ شخص اپنی فلاح کی سعی سے کیسے غافل ہو گیا) اور یہ (مضمون ہے) کہ (سب کو) آپ کے پروردگار ہی کے پاس پہنچنا ہو (پھر وہ شخص کیسے نڈر ہو گیا) اور یہ (مضمون ہے) کہ وہی ہنسنا اور رڑلاتا ہے اور یہ کہ وہی مارتا ہے اور جلاتا ہے اور یہ کہ وہی دونوں قسم یعنی نرا اور مادہ کو لطف سے بناتا ہے جب (وہ رحم میں) ڈالا جاتا ہو (یعنی مالک تمام تصرفات کا خدا ہی ہے، دوسرا نہیں، پھر وہ شخص کیسے سمجھ گیا کہ قیامت کے روز یہ تصرف کو عذاب سے بچالے کسی دوسرے کے قبضہ میں ہو جاوے گا) اور یہ (مضمون ہے) کہ دوبارہ پیدا کرنا (حسب) اس کے ذمہ ہے (یعنی ایسا ضروری ہونے والا ہے جیسے کسی کے ذمہ ہو تو اس شخص کے نڈر ہونے کی وجہ یہ بھی نہ ہونا چاہئے کہ قیامت نہ آوے گی) اور یہ (مضمون ہے) کہ وہی غنی کرتا ہے (یعنی سرمایہ دیتا ہے) اور سرمایہ (دے کر محفوظ اور) باقی رکھتا ہے اور یہ کہ وہی مالک ہر ستارۂ شعلری کا بھی (جس کی عبادت جاہلیت میں بعض لوگ کرتے تھے، یعنی ان تصرفات و اشیاء کا مالک بھی وہی ہے جیسے پہلے تصرفات کا مالک وہی ہو اور اوپر کے تصرفات خود انسان کے وجود میں ہیں اور بعد کے تصرفات متعلقات انسان میں ہیں، چنانچہ مال اور ستارہ دونوں خارج ہیں اور شاید ان دو کے ذکر میں اشارہ ہو کہ جس کو تم اپنا مددگار سمجھتے ہو اس کے رب بھی ہم ہی ہیں، پھر دوسرے کو قیامت میں اس شخص کے گمان کے موافق کیا تصرف پہنچ سکتا ہے) اور یہ (مضمون ہے) کہ اس نے قدیم قوم عاد کو (اس کے کفر کی وجہ سے) ہلاک کیا اور ثمود کو بھی کہ (ان میں سے) کسی کو باقی نہ چھوڑا اور ان سے پہلے قوم نوح (علیہ السلام) کو (ہلاک کیا) بیشک وہ سب سے بڑھ کر ظالم اور شریر تھے (کہ سارے نوسو برس کی دعوت میں بھی راہ پر نہ آئے) اور قوم لوط (علیہ السلام) کی (الٹی ہوئی بستیوں کو بھی پھینک مارا تھا، پھر ان بستیوں کو گھیر لیا جس چیز نے کہ گھیر لیا (یعنی اوپر سے پتھر برسنا شروع ہوئے، پس یہ شخص اگر ان قصوں میں غور کرتا تو عذاب کفر سے ڈرتا اور بے فکر نہ ہوتا، آگے ان سب مضامین پر تفریع فرماتے ہیں کہ اے انسان جب ایسے ایسے مضامین سے تجھ کو آگاہ کیا جاتا ہے جو بوجہ ہدایت ہونے کے ہر مضمون بجائے خود ایک نعمت ربانی ہے) سو تو اپنے رب کی کون کونسی نعمت میں مشک

روانگار کرنا ہو گا اور ان مضامین کی تصدیق کر کے منتفع نہ ہو گا، یہ (پیغمبر) بھی پہلے پیغمبروں کی طرح ایک پیغمبر ہیں (ان کو مان لو کیونکہ) وہ جلدی آنے والی چیز قریب آپہنچی ہے (مراد قیامت ہے اور جب وہ آوے گی تو) کوئی غیر اللہ اس کا ہٹانے والا نہیں (پس کسی کے بھروسہ بے فکری کی گنجائش ہی نہیں) سو کیا رابسی خوف کی باتیں سن کر بھی (تم لوگ اس کلام (آئی) سے تعجب کرتے اور (استہزاء) ہنستے ہو اور (خوف عذاب سے) روتے نہیں ہو اور تم (اطاعت سے) تکبر کرتے ہو سو (اس بکرو غفلت سے باز آؤ اور حسبِ تعلیم ان پیغمبر کے) اللہ کی اطاعت کر دو اور (اس کی بلا شریکت) عبادت کرو (تاکہ تم کو نجات ہو)

معارف و مسائل

أَفَرَأَيْتَ الْكَيْدَ قَوْلِي، تَوَلَّى كَيْدَ لَفْظِ مَعْنَى مَنَهِ بِمَعْنَى لَيْسَ كَيْدَ، مَرَادٍ يَهِيَ كَيْدَ اللّٰهِ تَعَالَى كَيْدَ اطَاعَتِ

سے منہ پھیرے،

أَعْطَى قَلِيلًا وَآكَدَى، آكَدَى، كَدَّيْہ سے مشتق ہے، كَدَّيْہ اس سخت پتھر کو کہا جاتا ہے جو کوئی گناہ یا بنیاد کھودتے ہوئے زمین میں بھل آوے، اور کھدائی کے لئے رکاوٹ بن جاوے، اس لئے آكَدَى کے معنی یہ ہوئے کہ پہلے کچھ دیا پھر دینے سے رک گیا، آیت کے شان نزول میں جو ایک واقعہ اور بیان ہو چکا ہے اس کے مطابق تو معنی ظاہر ہیں، اور اس سے قطع نظر کی جائے تو معنی یہ ہوں گے کہ وہ شخص جس نے اللہ کی راہ میں کچھ خرچ کیا پھر چھوڑ دیا، یا شروع میں کچھ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی طرف مائل ہوا، کچھ کرنے لگا پھر چھوڑ بیٹھا، اس لفظ کی یہ تفسیر حضرت مجاہد، سعید بن جبیر، عکرمہ، قتادہ وغیرہ سے منقول ہے (ابن کثیر)

أَعِنْدَكَ عِلْمٌ الْغَيْبِ فَهَوِّ مِزَى، شان نزول میں جو قصہ بیان ہوا ہے اس کے مطابق تو آیت کا مطلب یہ ہے کہ جس شخص نے اسلام کو اس لئے چھوڑ دیا کہ اس کے کسی ساتھی نے اس سے کہہ دیا تھا کہ آخرت کا تیرا عذاب میں اپنے سر لے کر تجھ کو بچا دوں گا، اس احسن نے اس کا یقین کیسے کر لیا، کیا اس کو علم غیب حاصل ہے؟ جس سے وہ دیکھ رہا ہے کہ بے شک کفر کی صورت میں وہ جس عذاب کا سختی ہو گا وہ عذاب یہ ساتھی اپنے سر لے گا اور مجھے بچا دے گا، جو ظاہر ہے کہ سراسر دھوکہ ہے نہ اس کو علم غیب ہے نہ کوئی دوسرا آدمی کسی کا عذاب آخرت اپنے سر لے کر اس کو بچا سکتا ہے، اور اگر اس قصہ سے قطع نظر کی جائے تو معنی آیت کے یہ ہونگے کہ وہ شخص جو اللہ کی راہ میں خرچ کرنا کرنا ترک گیا ہے اور خرچ کرنا چھوڑ دیا ہے تو اس کی وجہ یہی ہو سکتی ہے کہ اس کو یہ خیال ہوا ہو گا کہ موجودہ مال خرچ کر دوں گا تو پھر کہاں سے آئے گا، اس خیال کی تردید میں فرمایا کہ کیا اس کو غیب کا علم ہے جس کے ذریعہ گویا وہ یہ دیکھ رہا ہے کہ یہ مال ختم ہو جائے گا اور اس کے بجائے اور مال اس کو نہ مل سکے گا، یہ غلط ہے، کیونکہ نہ اس کو غیب کا علم ہے اور نہ یہ بات صحیح ہے، کیونکہ قرآن کریم میں حقیقاً کا ارشاد ہے (مَا آتَفَقْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَهُوَ يُخْلِفُهُ وَهُوَ خَيْرُ الرَّازِقِينَ) یعنی تم جو کچھ خرچ کرتے ہو

اللہ تعالیٰ اس کا بدل تمہیں دیدیتے ہیں اور وہ سب بہتر رزق دینے والے ہیں) انسان غور کرے تو قرآن کا یہ ارشاد صرف مال اور پیسہ کے معاملہ میں نہیں، بلکہ ہر قوت و توانائی جو وہ دنیا میں خرچ کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے بدن میں اس کا بدل مایختل پیدا کرتے رہتے ہیں، درنہ انسان کے بدن کا ایک ایک عضو اگر فولاد کا بھی بنا ہوتا تو ساٹھ ستر سال کام لینے سے کبھی کا گھس گھسا کر برابر ہو جاتا، جس طرح اللہ تعالیٰ انسان کے تمام اعضاء میں جو کچھ محنت سے تحلیل ہو جاتا ہے خود کار مشین کی طرح اس کا بدل اندر سے پیدا کر دیتے ہیں، اسی طرح مال کا بھی معاملہ یہی ہے کہ انسان خرچ کرتا رہتا ہے اس کا بدل آتا رہتا ہے۔

حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلالؓ کو فرمایا: **أَتَيْتُكَ يَا بِلَالُ وَلَا تَخْشَ مِنْ ذِي الْعَرْشِ إِقْلًا وَلَا**، یعنی بلال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے رہو اور عرش والے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کا خطرہ نہ رکھو کہ وہ تمہیں مفلس کر دے گا (ابن کثیر)

أَمْ لَمْ يُنَبِّأْ بِمَا فِي صُحُفِ مُوسَىٰ وَإِبرٰهِيْمَ الَّذِي وَفَّىٰ، اس آیت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ایک خاص صفت و فی بیان فرمائی گئی، وفا کے معنی کسی وعدے یا معاہدے کو پورا کر دینے کے آتے ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی خاص صفت ایفائے عہد کی	مراد یہ ہے کہ ابراہیم علیہ السلام نے جو اللہ تعالیٰ سے عہد کیا تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کریں گے اور اس کا پیغام مخلوق کو پہنچا دیں گے، انھوں نے اس معاہدہ کو ہر حیثیت سے پورا کر دکھایا، جس میں ان کو بہت سخت آزمائشوں سے کچھ تفصیل
---	---

بھی گزرنا پڑا، **وَفَّىٰ** کی یہی تفسیر ابن جریر، ابن کثیر وغیرہ نے اختیار کی ہے۔

بعض روایات حدیث میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے خاص خاص اعمال کو لفظ **وَفَّىٰ** کا سبب بتایا گیا ہے وہ اس کے منافی نہیں، کیونکہ اصل وفاق عہد عام ہے، تمام احکام الہیہ کی تعمیل و اطاعت جس میں اپنے اعمال بھی داخل ہیں، اور فرائض رسالت و نبوت کے ذریعہ عام خلق اللہ کی اصلاح بھی، انھیں اعمال میں یہ عمل بھی ہیں جن کا ذکر ان روایات حدیث میں ہے۔

مثلاً ابن ابی حاتم نے حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت فرمائی **(وَإِبرٰهِيْمَ الَّذِي وَفَّىٰ)** اور پھر ان سے فرمایا کہ تم جانتے ہو کہ **وَفَّىٰ** کا مطلب کیا ہے؟ ابوامامہ نے عرض کیا کہ اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتے ہیں، تو آپؐ نے فرمایا کہ مراد یہ ہے کہ۔

وَفَّىٰ عَمَلٍ يَوْمَ يَأْتِيهِمْ ذِكْرَاتِي فِي

یعنی انھوں نے اپنے دن کے اعمال کی تکمیل اس طرح کر دی کہ شروع دن میں چار رکعت (نماز

أَدْلَى النَّهَارِ) (ابن کثیر)

اشراق کی) پڑھ لیں

(ابن کثیر)

اس کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جو ترمذی نے حضرت ابوذرؓ سے روایت کی ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:-

ابْنُ آدَمَ اِنَّكَ لِيْ اَرْبَعٌ رَّكَعَاتٍ مِّنْ

اَوَّلِ النَّهَارِ اَكْفِكَ الْخَوْفَ (ابن کثیر)

(ابن کثیر)

”یعنی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے آدم کے بیٹے!

تو شروع دن میں میرے لئے چار رکعتیں پڑھ لیا کر

تو میں آخر دن تک تیرے سب کاموں کی کفالت کروں گا۔“

اور ابن ابی حاتم ہی نے ایک روایت حضرت معاذ بن انس سے نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں تمہیں بتلاؤں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اَلَّذِيْ ذُوْنِ الْخَطَابِ کیوں دیا، پھر فرمایا کہ وجہ یہ ہے کہ وہ روزانہ صبح شام ہونے کے وقت یہ پڑھا کرتے تھے (تُسَبِّحُ لَكَ اللّٰهُ حِيْنَ تُمْسُوْنَ وَحِيْنَ تُصْبِحُوْنَ وَلَهُ الْحَمْدُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَغَشِيًّا وَحِيْنَ تُظْهِرُوْنَ) ابن کثیر

صحیفہ موسیٰ و ابراہیم علیہما السلام | انبیائے سابقین میں سے جب کسی کا قول یا کوئی تعلیم قرآن میں ذکر کی جاتی ہو کی خاص ہدایات و تعلیمات، تو اس کا حاصل یہ ہوتا ہے کہ اس اُمت کے لئے بھی وہ واجب العمل ہے،

جب تک اس کے خلاف کوئی نص شرعی نہ ہو، آگے اٹھارہ آیتوں میں ان خاص تعلیمات کا ذکر ہے جو حضرت موسیٰ و ابراہیم علیہما السلام کے صحیفوں میں تھیں، ان میں عملی احکام جن کا تعلق سابقہ آیات کے ساتھ ہے وہ صرف دو ہیں باقی تعلیمات عبرت و نصیحت اور حق تعالیٰ کی آیات قدرت سے متعلق ہیں، وہ دو یہ ہیں:-

اَلَا تَزِرُ وَازِرَكَ وَاِذَا رَاَ اُخْرٰى اَوْ دَرَا اَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَآ سَعٰى، وَزُرْكَ مَعْنٰی دراصل بوجھ کے ہیں اور پہلی آیت کے معنی یہ ہیں کہ کوئی بوجھ اٹھانے والا اپنے سوا کسی دوسرے کا بوجھ نہ اٹھائے گا بوجھ سے مراد گناہ کا بوجھ اور اس کا عذاب ہو، مطلب یہ ہو کہ قیامت کے روز ایک شخص کا عذاب دوسرے پر نہیں ڈالا جائے گا نہ کسی کو اس کا اختیار ہو گا کہ وہ دوسرے کا عذاب اپنے سر لے لے، قرآن کریم کی ایک دوسری آیت میں اس کا بیان اس طرح آیا ہے (وَ اِنْ تَنْقَضِ مَّتَلُّكَ اِلٰى جَمِيْعًا لَا يَحْمِلُ يَنْفَعُ شَيْءًا) یعنی اگر کوئی گناہوں کے بوجھ سے لدا ہو شخص لوگوں سے درخواست کرے گا کہ میرا کچھ بوجھ تم اٹھاؤ تو کسی کی مجال نہیں ہوگی کہ اس کے بوجھ کا کوئی حصہ اٹھائے۔

ایک کے گناہ میں دوسرا | اس آیت میں اُس شخص کے خیال کی بھی تردید ہو گئی جس کا ذکر شان نزول میں آیا ہے کہ نہیں پھڑا جائے گا وہ مسلمان ہو گیا تھا یا ہونے والا تھا، اس کے سامنے نے ملامت کی، اور اس کی ضمانت لی کہ قیامت میں تجھ پر کوئی عذاب ہو تو وہ میں اپنے سر پر لے کر تجھے بچا دوں گا، اس آیت سے معلوم ہوا کہ ایسے معاملہ کا اللہ کے یہاں کوئی امکان نہیں کہ کسی کے گناہ میں کسی دوسرے کو پھڑا لیا جائے۔

اور ایک حدیث میں یہ آیا ہے کہ جس میت پر اس کے گھر والے ناجائز نوحہ و بکا کرتے ہیں تو ان کے اس فعل سے میت کو عذاب ہوتا ہے (کما ورد فی الصحیحین عن ابن عمرؓ) تو یہ اس شخص کے بلے میں ہے جو خود بھی میت پر نوحہ خوانی، گریہ دزاری کا عادی ہو، یا جس نے اپنے وارثوں کو اس کی وصیت کی ہو کہ میرے بعد

نوح و بکار کا انتظام کیا جائے (منظری) اس صورت میں اس پر عذاب خود اس کے اپنے عمل کا ہوا، دوسروں کے عمل کا نہیں۔

دوسرا حکم ہے (وَأَنْ تَيْسَرَ لِلْإِنْسَانِ) اس کا حاصل یہ ہے کہ جس طرح کوئی دوسرے کا عذاب اپنے سر نہیں لے سکتا، اسی طرح کسی کو یہ بھی حق نہیں کہ کسی دوسرے کے عمل کے بدلے خود عمل کر لے اور وہ اس عمل سے سبکدوش ہو جائے، مثلاً ایک شخص دوسرے کی طرف سے نماز فرض ادا کرے یا دوسرے کی طرف سے فرض روزہ رکھے اور وہ دوسرا اپنے فرض نماز روزے سے سبکدوش ہو جائے، یا یہ کہ ایک شخص دوسرے کی طرف سے ایمان قبول کر لے اور اس سے اس کو مؤمن قرار دیا جائے۔

آیت مذکورہ کی اس تفسیر پر کوئی فقہی اشکال اور شبہ عائد نہیں ہوتا، کیونکہ زیادہ سے زیادہ مشہر جج اور کواۃ کے مسئلہ میں یہ ہو سکتا ہے کہ ضرورت کے وقت شرعاً ایک شخص دوسرے کی طرف سے حج بدل کر سکتا ہے یا دوسرے کی زکوٰۃ اس کی اجازت سے ادا کر سکتا ہے، مگر غور کیا جائے تو یہ اشکال اس لئے صحیح نہیں کہ کسی کو اپنی جگہ حج بدل کے لئے بھیج دینا اور اس کے مصارف خود ادا کرنا، یا کسی شخص کو اپنی طرف سے زکوٰۃ ادا کر دینے کے لئے مامور کر دینا بھی درحقیقت اسی شخص کے اپنے عمل اور سعی کا جز ہے، اس لئے تَيْسَرَ لِلْإِنْسَانِ (الْإِنْسَانِ) کے منافی نہیں۔ ایصالِ ثواب کا مسئلہ جبکہ اوپر یہ معلوم ہو چکا کہ آیت مذکورہ کا مفہوم یہ ہے کہ ایک شخص دوسرے کے فرائض ایمان و نماز روزہ کو ادا کر کے دوسرے کو سبکدوش نہیں کر سکتا، تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ایک شخص کے نفلی عمل کا کوئی فائدہ اور ثواب دوسرے شخص کو نہ پہنچ سکے، ایک شخص کی دعا، اور صدقہ کا ثواب دوسرے شخص کو پہنچنا نصوص شرعیہ سے ثابت اور تمام امت کے نزدیک اجماعی مسئلہ ہے۔ (ابن کثیر)

صرف اس مسئلہ میں امام شافعیؒ کا اختلاف ہے کہ تلاوت قرآن کا ثواب کسی دوسرے کو بخشا اور پہنچا جاسکتا ہے یا نہیں، امام شافعیؒ اس کا انکار کرتے ہیں اور آیت مذکورہ کا مفہوم عام لے کر اس سے استدلال فرماتے ہیں، جمہور ائمہ اور امام اعظم ابو حنیفہؒ کے نزدیک جس طرح دعا، اور صدقہ کا ثواب دوسرے کو پہنچایا جاسکتا ہے اسی طرح تلاوت قرآن اور ہر نفلی عبادت کا ثواب دوسرے شخص کو بخشا جاسکتا ہے اور وہ اس کو ملے گا، قرطبی نے اپنی تفسیر میں فرمایا کہ احادیث کثیرہ اس پر شاہد ہیں کہ مؤمن کو دوسرے شخص کی طرف سے عمل صالح کا ثواب پہنچتا ہے، تفسیر منظری میں اس جگہ ان احادیث کو جمع کر دیا ہے جن سے ایصالِ ثواب کا فائدہ دوسرے کو پہنچنا ثابت ہوتا ہے۔

ادھر صحیح موسیٰ و ابراہیم علیہما السلام کے حوالے سے جو دو مسئلے بیان کئے گئے ہیں، ایک یہ کہ ایک شخص کے گناہ کا عذاب کسی دوسرے کو نہیں پہنچے گا، اور ایک کے گناہ میں دوسرا کوئی نہ پکڑا جائیگا، دوسرا یہ کہ ہر شخص پر جن اعمال کی شرعی ذمہ داری ہے اس سے سبکدوشی خود اسی کے اپنے عمل سے ہوگی، دوسرے کا عمل اس کو سبکدوش نہ کرے گا۔

یہ دونوں حکم اگرچہ دوسرے انبیاء کی شریعتوں میں بھی تھے مگر حضرت موسیٰ و ابراہیم علیہما السلام کی خصوصیت شاید اس بناء پر کی گئی کہ اُن کے زمانہ میں یہ جاہلانہ رسم جاری ہو گئی تھی کہ باپ کے بدلے میں بیٹے کو اور بیٹے کے بدلے میں باپ کو یا بھائی بہن وغیرہ کو قتل کر دیا جاتا تھا، ان دونوں بزرگوں کی شریعتوں نے اس رسم جاہلیت کو مٹایا تھا۔

وَ اَنْ سَعَيْتُمْ سَوَافٍ یَّرٰی، یعنی صرف ہر شخص کی ظاہری سعی کافی نہیں، اللہ تعالیٰ کے دربار میں سعی کی اصل حقیقت بھی دیکھی جائے گی بلکہ وہ اخلاص کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے لئے کی ہے یا دوسری اغراض و نیوایس میں شامل ہیں جیسا کہ حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ، یعنی صرف صورتِ عمل کافی نہیں، عمل میں نیت خالص اللہ تعالیٰ کی رضا اور تعمیل حکم کی ہونا ضروری ہے۔

وَ اَنْ اِلٰی رَبِّکَ اَلْمُنْتَهٰی، مراد یہ ہے کہ آخر کار سب کو اللہ تعالیٰ ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے، اور اعمال کا حساب دینا ہے۔

بعض حضرات مفسرین نے اس جملہ کا یہ مطلب قرار دیا ہے کہ انسانی غور و فکر کا سلسلہ اللہ تعالیٰ کی ذات پر پہنچ کر ختم ہو جاتا ہے، اس کی ذات و صفات کی حقیقت کسی غور و فکر سے حاصل کی جاسکتی ہے اور نہ اس میں غور و فکر کی اجازت، جیسا کہ بعض روایات میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں غور و فکر کرنا اس کی ذات میں غور و فکر نہ کرنا بلکہ اس کو علم الہی کے سپرد کردہ سمجھائے بس کا نہیں۔

وَ اَنَّهُ هُوَ اَخْلَعَهُ وَ اَبْجَدَی، یعنی نوع انسان میں خوشی اور غم اور اس کے نتیجے میں ہنسنے اور رونے کا سلسلہ ہر شخص دیکھتا ہے، اور ان دونوں چیزوں کو اُن کے ظاہری طور پر پیش آنے والے اسباب کی طرف منسوب کر کے معاملہ ختم کر دیتا ہے، یہاں غور و فکر کی جگہ ہے، ہماری نظر سے جو دیکھ گاکہ کسی کی خوشی یا غم اور ہنسنا یا رونا خود اس کے یا کسی دوسرے کے قصہ میں نہیں، یہ دونوں چیزیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں، وہ اسباب کو پیدا کرتا ہے وہی اسباب میں تاثیر دیتا ہے وہ جب چاہتا ہے تو رونے والوں کو ایک لمحہ میں ہنسنا دیتا ہے، اور ہنسنے والوں کو ایک منٹ میں رونا دیتا ہے، و نعم ما قیل ۛ

بگوش کل چہ سخن گفتہ کہ خندان ست و بعند لب چہ فرمودہ کہ نالان ست

وَ اَنَّهُ هُوَ اَعْنٰی وَ اَفْقٰی، اَعْنٰی کے معنی مالدار کی معروف ہیں، اغناء کے معنی دوسرے کو مالدار بنادینا، اور اَفْقٰی، قلب سے مشتق ہے، جس کے معنی محفوظ اور ریزرو سرمایہ کے ہیں، مراد آیت کی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی لوگوں کو مالدار اور غنی بناتا ہے وہی جس کو چاہے اتنا سرمایہ دیتا ہے کہ اس کو محفوظ رکھ سکے،

وَ اَنَّهُ هُوَ رَبُّ الشَّعْرِی، شَعْرٰی بکسر شین، ایک ستارے کا نام ہے جو جوزا کے پیچھے ہے، عرب کی بعض اقوام اس ستارے کی پرستش کرتی تھیں، اس لئے خصوصیت سے اس کا نام لے کر بتلایا کہ اس ستارے کا مالک اور پروردگار بھی اللہ تعالیٰ ہی ہے، اگرچہ وہ ستارے ہی ستاروں، آسمانوں، زمینوں کا خالق و مالک اور

پروردگار ہے۔

وَ اِنَّهٗ اَهْلَكَ عَادًا اِلٰوٰی وَاٰثَمًا اٰبَعٰی، قوم عاد دنیا کی قوی اور سخت ترین قوم ہوا ان کے دو طبقے، یکے بعد دیگرے اولیٰ اور آخری کے نام سے موسوم ہیں، ان کی طرف حضرت ہود علیہ السلام کو رسول بنا کر بھیجا گیا، نافرمانی پر ہوا کے طوفان کا عذاب آیا، پوری قوم ہلاک ہوئی، قوم نوح علیہ السلام کے بعد عذاب کے ہلاک ہونے والی یہ پہلی قوم ہے (منہری) اور ثمود بھی انہی کی نظیر دوسری شاخ ہے، جن کی طرف حضرت صالح علیہ السلام کو بھیجا گیا، ان کی نافرمانی کرنے والوں پر سخت آواز کا عذاب آیا، جس سے ان کے کلبے پھٹ کر ہلاک ہو گئے۔

وَالْمَوْ تِفٰكَةً اَهْلٰی، موفک کے لفظی معنی موفک کے ہیں، یہ چند بستیاں اور شہر متصل تھے حضرت لوط علیہ السلام ان کی طرف مبعوث ہوئے، نافرمانی اور بے حیائی کے اعمال کی سزائیں ان کی بستیوں جبریل امین نے اُٹھ دیں۔

فَقَسَمْنَا مَا بَيْنَہُمْ وَاَبْنٰہُمْ، یعنی ڈھانپ لیا ان بستیوں کو جس چیز نے ڈھانپ لیا، مراد وہ پتھر اور جو بستیوں اُلٹنے کے بعد ان پر کیا گیا، یہاں تک صحیفہ موسیٰ و ابراہیم علیہما السلام کے حوالہ سے جو تعلیمات بیان کرنی تھیں وہ ختم ہو گئیں۔

فَبَاٰی اَلْاٰیٰتِ تَنْتٰہٰی، تنہائی کے معنی جھگڑا اور مخالفت کرنا ہے، حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ یہ خطاب ہر انسان کو ہے، کہ سابقہ آیات اور صحیفہ موسیٰ و ابراہیم علیہما السلام میں آئی ہوئی آیات ربانی میں کوئی ذرا بھی غور و فکر کرے تو اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کی وحی اور تعلیمات کے حق ہونے میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں رہتی، اور اقوام سابقہ کی ہلاکت و عذاب کے واقعات سن کر مخالفت سے باز آجانے کا اچھا موقع ملتا ہے جو حق تعالیٰ کی ایک نعمت ہے، اس کے باوجود تم اللہ تعالیٰ کی کس کس نعمت میں جھگڑا اور خلاف کرتے رہو گے۔

ہٰذَا اٰیٰتِہٖم مِّنَ الْمُنۢشَرِّ اِلٰوٰی، ہذا کا اشارہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا قرآن کی طرف ہے کہ یہ بھی پچھلے رسولوں اور پچھلی کتابوں کی طرح اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک نذیر بنا کر بھیجے گئے ہیں جو صراطِ مستقیم اور دین دنیا کی فلاح پر مشتمل ہدایات لے کر آئے ہیں اور اس کی مخالفت کرنے والوں کو اللہ کے عذاب سے ڈراتے ہیں۔

اَزٰیۡتِ الْاٰیٰتِہٖمۡ لَیْسَ لَہُمۡ دُوۡنَ اللّٰہِ کَاشِفَۃٌ، اَزٰیۡتِ بمعنی قریب آتا ہے، معنی یہ ہیں کہ قریب آنے والی چیز قریب آپہنچی، جس کو خدا تعالیٰ کے سوا کوئی ہٹانے والا نہیں، مراد اس سے قیامت ہے اس کا قریب آپہنچنا پوری دنیا کی عمر کے اعتبار سے ہے کہ امت محمدیہ اس کے بالکل آخر میں قیامت کے قریب ہے۔

اٰمِنَ ہٰذَا الْحَدِیۡثِ تَعَجُّبُوۡنَ وَ تَصْحٰکُوۡنَ وَلَا تَتَذٰکُرُوۡنَ، ہذا الحدیث سے مراد قرآن کریم ہے معنی آیت کے یہ ہیں کہ قرآن کریم جیسا اعلام الہی جو خود ایک معجزہ ہے تمہارے سامنے آچکا کیا اس پر بھی تم

تعجب کرتے ہو اور بطور استہزار کے ہنستے ہو، اور اپنی معصیت یا عمل میں کوتاہی پر روتے نہیں۔

وَأَنْتُمْ مُسْمِدُونَ، سمود کے لغوی معنی غفلت و بے فکری کے ہیں، سَائِدُونَ بمعنی غافلون ہے اور ایک معنی سمود کے کانے بجانے کے بھی آتے ہیں وہ بھی اس جگہ مراد ہو سکتے ہیں (کما فسرہ بہ بعض اللامہ) قَاسِجُونَ وَاللَّهِ وَاعْبُدُوا، یعنی پھل آيات جو غور کرنے والے انسان کو عبرت و معظمت کا سبق دیتی ہیں اس کا مقتضی یہ ہے کہ تم سب اللہ کے سامنے خشوع و تواضع کے ساتھ ٹھکرو اور سجدہ کرو اور صرف اسی کی عبادت کرو۔

صحیح بخاری میں حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہو کہ سورۃ نجم کی اس آیت پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سجدہ کیا اور آپ کے ساتھ سب مسلمانوں اور مشرکوں نے اور تمام جن و انس نے سجدہ کیا، اور بخاری و مسلم ہی کی دوسری حدیث میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۃ نجم کی تلاوت فرمائی، اور اس میں سجدہ تلاوت ادا کیا، اور آپ کے ساتھ سب حاضرین مجلس (مؤمنین و مشرکین) نے سجدہ کیا۔ بجز ایک قریشی بوڑھے کے جس نے زمین سے ایک مٹی خاک اٹھا کر پیشانی سے لگائی، اور کہا کہ مجھے یہی کافی ہے، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا کہ پھر میں نے اُس شخص کو حالت کفر میں مقتول پڑا ہوا دیکھا ہے، اس میں اشارہ اس طرف ہے کہ اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع میں مسلمانوں کو تو سجدہ کرنا تھا ہی، جو مشرکین اُس وقت حاضر تھے اللہ تعالیٰ نے اُن پر بھی کچھ ایسی حالت غالب کر دی کہ سب سجدہ کرنے پر مجبور ہو گئے، گو اُس وقت اُن کا سجدہ بوجہ کفر کے کچھ ثواب نہ رکھتا تھا، مگر وہ بھی اپنا ایک اثر یہ چھوڑ گیا کہ بعد میں ان سب کو اسلام و ایمان کی توفیق ہو گئی، صرف ایک آدمی کفر پر مرا جس نے سجدہ سے گریز کیا تھا۔

اور صحیحین کی ایک حدیث میں جو حضرت زید بن ثابتؓ کی روایت ہے یہ مذکور ہے کہ انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سورۃ نجم پوری پڑھی، مگر آپ نے سجدہ نہیں کیا، اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ سجدہ واجب یا لازم نہیں، کیونکہ اس میں یہ احتمال ہے کہ آپ اس وقت با وضو نہ ہوں، یا کوئی دوسرا عذر سجدہ کرنے سے مانع ہو، ایسی حالت میں فوری سجدہ کرنا ضروری نہیں، بعد میں بھی ہو سکتا ہے، واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

تَمَّتْ

سُورَةُ النَّجْمِ بِعَوْنِهِ وَحَمْدِهِ سُبْحَانَهُ وَتَعَالَى
تِلْكَ الْجُمُعَةُ لِعُرَةِ الرَّبِّ الْثَانِي سَلَامُهُ
فِي اسْبِيعٍ وَاحِدٍ وَيَتْلُوهُ تَفْسِيرُ سُورَةِ الْفَتَرِ
إِنْ شَاءَ اللَّهُ تَعَالَى وَهُوَ وَلِيُّ التَّوْفِيقِ

سُورَةُ الْقَمَرِ

سُورَةُ الْقَمَرِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ خَمْسُونَ آيَةً وَبُئِلَتْ رُكُوعًا ثَلَاثًا

سورۃ قمرکہ میں نازل ہوئی اور اس کی پچپن آیتیں ہیں اور تین رکوع ،

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بھلا دہاں بہاں رحیم والا ہے ،

اقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ ۚ وَإِنْ يَرَوْا آيَةً يُعْرَضُوا

پاس آگئی قیامت اور بھٹ گیا چاند ، اور اگر وہ دیکھیں کوئی نشانی تو ٹھٹھا جائیں اور

يَقُولُوا سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ ۚ وَكَذَّبُوا وَاتَّبَعُوا أَهْوَاءَهُمْ وَكُلُّ أُمْرٍ مُّسْتَقَرٌّ ۚ

کہیں یہ جادو ہر پہلے سے چلا آتا ، اور جھٹلایا اور چلے اپنی خوشی پر اور ہر کام ٹھہرا رکھا ہی وقت پر ،

وَلَقَدْ جَاءَهُمْ مِنَ الْأَنْبَاءِ مَا فِيهِ مُزْدَجَرٌ ۚ حِكْمَةٌ بَالِغَةٌ فَمَا تُغْنِ

اور پہنچ چکے ہیں ان کے پاس احوال جن میں ڈانٹ ہو سکتی ہے ، پوری عقل کی بات ہی پھر ان میں کام نہیں کرتی

النُّذُرُ ۚ فَنُفِثَتْ عَنْهُمْ يَوْمَ يَدْعُ الدَّاعِ إِلَى شَيْءٍ نَّكِرٍ ۚ خَشَعَتِ

ڈر سنانے والے ، سو تو ہٹ آ ان کی طرف سے جس دن پکارے پکارنیوالا ایک ناگوار چیز کی طرف ، آنکھیں

أَبْصَارُهُمْ يَخْرُجُونَ مِنَ الْأَجْدَاثِ كَأَنَّهُمْ جَرَادٌ مُّنتَشِرٌ ۚ

بھٹکائے نکل پڑیں قبروں سے جیسے ٹیڈی بھیل ہوتی ،

مُهْطِعِينَ إِلَى الدَّاعِ يَقُولُ الْكَافِرُونَ هَذَا يَوْمٌ عَسِرٌ ۚ

دوڑتے جائیں اس پکارنیوالے کے پاس کہتے جاہل منکر یہ دن مشکل آیا ،

خلاصہ تفسیر

(ان کفار کے لئے زاجر یعنی غلطی پر متنبہ کرنے والا امر تو اعلیٰ درجہ کا متحقق ہے، چنانچہ قیامت نزدیک آ پہنچی جس میں تکذیب پر بڑی مصیبت آوے گی، اور اس اخبار قرب ساعت کا مصداق بھی واقع ہو گیا چنانچہ چاند شق ہو گیا اور اس سے قرب قیامت کی تصدیق اس طرح ہوتی ہے کہ شق قمر معجزہ ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جس سے آپ کی نبوت ثابت ہوتی ہے اور نبی کا ہر قول صادق ہے، اس لئے ضروری ہے کہ قیامت کے قریب آنے کی خبر جو آپ نے دی ہے وہ بھی صادق ہے اس سے تحقق زاجر کا متعین ہو گیا) اور (اس کا مقتضایہ تھا کہ یہ لوگ اس سے منزع اور متاثر ہوتے لیکن ان کی یہ حالت ہے کہ) اگر کوئی معجزہ دیکھتے ہیں تو ٹال دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ جادو ہے جو ابھی ختم ہوا جاتا ہے (یہ کنایہ ہے اس کے باطل ہونے سے کہ باطل کا اثر دیر تک قائم نہیں رہا کرتا، جیسا کہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے وَمَا يُبَيِّنُ الْحَقُّ الْبَاطِلَ وَمَا يُعَيِّدُ، مطلب یہ کہ قرب قیامت سے نصیحت حاصل کرنا تو نبوت محمدیہ کے اعتقاد پر موقوف ہے، یہ لوگ خود اس کی دلیل ہی کو نظر تامل سے نہیں دیکھتے اور اس کو باطل سمجھتے ہیں تو پھر اس سے اُن پر کیا اثر ہوتا) اور (اس اعراض اور بطلان دعویٰ معجزہ میں خود ان لوگوں نے رابطہ پر مصر ہو کر حق کو جھٹلایا اور اپنی نفسانی خواہشوں کی پیروی کی یعنی ان کا اعراض کسی دلیل صحیح کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ سبب اس اعراض کا ہوائے نفسانی کا اتباع اور از روئے عناد تکذیب حق ہے) اور (یہ جو معجزا کو جادو کہتے ہیں جس کا اثر جلد زائل ہو جایا کرتا ہے سو قاعدہ ہے کہ ہر بات کو (بعد چندے اپنی اصلی حالت پر آکر) قرار آ جاتا ہے (یعنی حق کا حق ہونا اور باطل کا باطل ہونا، اسباب و آثار سے عام طور پر متعین ہو جاتا ہے) مطلب یہ کہ گو واقع میں تو فی الحال بھی حق متعین اور واضح ہے، مگر کم فہموں کی سمجھ میں اگر اب نہیں آتا تو بعد چندے تو اُن کو بھی ظاہر ہو سکتا ہے، بشرطیکہ غور سے کام لیں تو چند روز کے بعد تم کو معلوم ہو جاوے گا کہ یہ سحر فانی ہے یا حق باقی ہے) اور (اس زاجر مذکور کے علاوہ) ان لوگوں کے پاس (تو اہم ماضیہ کی بھی) خبریں اتنی پہنچ چکی ہیں کہ ان میں (کافی) عبرت یعنی اعلیٰ درجہ کی دانشمندی (حاصل ہو سکتی) ہے سو (ان کی یہ کیفیت ہے کہ) خوف دلانے والی چیزیں ان کو کچھ فائدہ ہی نہیں دیتیں (اور جب یہ حال ہے) تو آپ ان کی طرف سے کچھ خیال نہ کیجئے (جب وہ وقت قیامت اور عذاب کا جس سے اُن کو ڈرایا جاتا ہے آ جاوے گا تو خود معلوم ہو جاوے گا آگے اس روز کا بیان ہے، یعنی جس روز ایک بھلانے والا فرشتہ (ان کو) ایک ناگوار چیز کی طرف بلاوے گا ان کی آنکھیں (راہے ذلت اور ہیبت کے) جھکی ہوئی ہوں گی (اور) قبروں سے اس طرح نکل رہے ہوں گے جیسے ٹڈی پھیل جاتی ہے، (اور پھر نکل کر) بھلانے والے کی طرف (یعنی موقف حساب کی طرف) جہاں جمع ہونے کے لئے بلانے والے نے پکارا ہے، دوڑے چلے جا رہے ہوں گے (اور وہاں کی سختیاں دیکھ کر) کافر کہتے ہوں گے کہ یہ دن بڑا سخت ہے۔

معارف و مسائل

پچھلی سورت (النجم) اِزْفَتْ لَآ ذِفَّةَ الْحِجْرِ ختم ہوئی ہے جس میں قیامت کے قریب آجانے کا ذکر ہے اس سورت کو شروع اسی مضمون سے کیا گیا ہے اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ، آگے قرب قیامت کی ایک دلیل معجزہ انشقاقِ قمر کا ذکر فرمایا گیا ہے، کیونکہ علاماتِ قیامت جن کی بڑی تفصیل ہے ان میں سے ایک بڑی علامت تو خود حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت و نبوت ہی جیسا کہ حدیث میں آپ کا ارشاد ہے کہ میرا آنا اور قیامت اس طرح ملے ہوئے ہیں جیسے ہاتھ کی دو انگلیاں، اور بھی چند روایات حدیث میں آپ کا قیامت کے قریب ہونا بیان فرمایا گیا ہے، اسی طرح ایک بڑی علامت قیامت کی یہ بھی ہے کہ آپ کے معجزہ کے طور پر چاند کے دو ٹکڑے ہو کر الگ الگ ہو جاویں گے پھر باہم جڑ جاویں گے، نیز معجزہ شق القمر اس حیثیت سے بھی قیامت کی علامت ہے کہ جس طرح اُس وقت چاند کے دو ٹکڑے اللہ کی قدرت سے ہو گئے قیامت میں سارے ہی ستاروں اور ستاروں کے ٹکڑے ٹکڑے ہو جانا کوئی امر مستبعد نہیں۔

معجزہ شق القمر کفار مکہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کی نبوت و رسالت کے لئے کوئی نشانی معجزہ کی طلب کی، حق تعالیٰ نے آپ کی حقانیت کے ثبوت کے لئے یہ معجزہ شق القمر ظاہر فرمایا، اس معجزہ کا ثبوت قرآن کریم کی اس آیت میں بھی موجود ہے وَ انشق القمر، اور احادیث صحیحہ جو صحابہ کرام کی ایک جماعت کی روایت سے آتی ہیں جن میں حضرت عبداللہ بن مسعود، عبداللہ بن عمر، جابر بن مطعم، ابن عباس، انس بن مالک وغیرہ شامل ہیں، اور حضرت عبداللہ بن مسعود خود اپنا اس وقت میں موجود ہونا اور معجزہ کا مشاہدہ کرنا بھی بیان فرماتے ہیں، امام طحاوی اور ابن کثیر نے واقعہ شق القمر کی روایات کو متواتر قرار دیا ہے، اس لئے اس معجزہ نبوی کا وقوع قطعی دلائل سے ثابت ہے۔

واقعہ کا خلاصہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ کے مقام منیٰ میں تشریف رکھتے تھے، مشرکین مکہ نے آپ سے نبوت کی نشانی طلب کی، یہ واقعہ ایک چاندنی رات کا ہے، حق تعالیٰ نے یہ کھلا ہوا معجزہ دکھلادیا کہ چاند کے دو ٹکڑے ہو کر ایک مشرق کی طرف دوسرا مغرب کی طرف چلا گیا، اور دونوں ٹکڑوں کے درمیان میں پیار کاٹل نظر آنے لگا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سب حاضرین سے فرمایا کہ دیکھو اور شہادت دو، جب سب لوگوں نے صاف طور پر یہ معجزہ دیکھ لیا تو یہ دونوں ٹکڑے پھر آپس میں مل گئے، اس کھلے ہوئے معجزہ کا انکار تو کسی آنکھوں والے سے ممکن نہ ہو سکتا تھا، مگر مشرکین کہنے لگے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سارے چاند پر جادو نہیں کر سکتے، اطراف ملک سے آنے والے لوگوں کا انتظار کر رہے تھے، یہی اور ابو داؤد..... طحاوی کی روایت حضرت عبداللہ بن مسعود سے ہے کہ بعد میں تمام اطراف سے آنے والے مسافروں سے ان لوگوں نے تحقیق کی تو سب ایسا ہی چاند کے دو ٹکڑے دیکھنے کا اعتراف کیا۔

بعض روایات میں ہے کہ یہ معجزہ شق القمر مکہ مکرمہ میں دو مرتبہ پیش آیا مگر روایات صحیحہ سے ایک ہی مرتبہ کا ثبوت ملتا ہے (بیان القرآن) اس معاملہ سے متعلق چند روایات حدیث یہ ہیں (جو تفسیر ابن کثیر سے لی گئی ہیں)

(۱) صحیح بخاری میں حضرت انس بن مالکؓ کی روایت سے نقل کیا ہے کہ

إِنَّ أَهْلَ مَكَّةَ سَأَلُوا رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يُرِيَهُمْ آيَةً فَأَرَاهُمُ الْقَمَرَ شَقِيْنِ حَتَّى رَأَوْا حِرَاءَ بَيْنَهُمَا بِخَارِيٍّ وَمُسْلِمٍ

یعنی اہل مکہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ اپنی نبوت کے لئے کوئی نشانی (معجزہ) دکھلائیں تو اللہ تعالیٰ ان کو چاند کے دو ٹکڑے کر کے دکھلادیا، یہاں تک کہ انھوں نے جبل حراء کو دونوں ٹکڑوں کے درمیان دیکھا۔

(۲) صحیح بخاری و مسلم اور مسند احمد میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے:

إِشْقَ الْقَمَرِ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَقِيْنِ حَتَّى نَظَرُوا إِلَيْهِ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَشْهَدُ وَأَشْهَدُ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک میں چاند شق ہوا اور دو ٹکڑے ہو گئے جن کو سب صاف طور سے دیکھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں سے فرمایا کہ دیکھو اور شہادت دو

اور ابن جریر نے بھی اپنی سند سے اس حدیث کو نقل کیا ہے، اس میں یہ بھی مذکور ہے کہ شَئْنَا مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنِي فَأَشْقَى الْقَمَرَ فَأَخَذَتْ فِرْقَتُهُ خَلْفَ الْجَبَلِ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَشْهَدُ وَأَشْهَدُ وَأَرَادَ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مَسْعُودٍ فَرَمَلْتَهُ يَنْهَى عَنْهُمُ بَنِي رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَيْ لَا يَشْهَدُوا مَعَهُمْ، اچانک چاند کے دو ٹکڑے ہو گئے، اور ایک ٹکڑا پہاڑ کے پیچھے چلا گیا، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ گواہی دو، گواہی دو

(۳) حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ہی کی روایت سے ابوداؤد طیالسی نے اور بیہقی نے یہ بھی نقل کیا ہے:

إِشْقَ الْقَمَرِ بِمَكَّةَ حَتَّى صَارَ فِرْقَتَيْنِ فَقَالَ كَفَّارُ قُرَيْشٍ أَهْلَ مَكَّةَ هَذَا سِحْرٌ سَحَرَكُمْ بِهِ ابْنُ أَبِي بَكْشَةَ أَنْظَرُوا السُّفَارَ فَإِنْ كَانُوا رَأَوْا مَا رَأَيْتُمْ فَقَدْ صَدَقَ وَإِنْ كَانُوا لَمْ يَرَوْا مِثْلَ مَا رَأَيْتُمْ فَهُوَ سِحْرٌ سَحَرَكُمْ بِهِ فَسُئِلَ السُّفَارُ قَالَ وَ قَدْ مَوَّأَ مِنْ كُلِّ جَمْعَةٍ فَقَالُوا رَأَيْنَا

”مکہ مکرمہ (مکہ) کے قیام کے زمانہ میں چاند شق ہو کر دو ٹکڑے ہو گیا، کفار قریش نے کہا کہ یہ جادو ہے ابن ابی بکشہ (یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم) نے تم پر جادو کر دیا ہے، اس لئے تم انتظار کرو، باہر سے آنے والے مسافروں کا، اگر انھوں نے بھی یہ دو ٹکڑے چاند کے دیکھے ہیں تو انھوں نے سچ کہا ہے اور اگر باہر کے لوگوں نے ایسا نہیں دیکھا تو پھر یہ بیشک جادو ہی ہوگا، پھر باہر سے

آنے والے مسافروں سے تحقیق کی جو ہر طرف سے آئے تھے، سب نے اعتراض کیا کہ ہم نے بھی یہ دے

دیکھ کر دیکھے ہیں۔

شق القمر کے واقعہ پر اس پر ایک شبہ تو یونانی فلسفہ کے اصول کی بناء پر کیا گیا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ آسمان کچھ شبہات اور جواب اور سیارات میں فرتق والشیام (یعنی شق ہونا اور مجرنا) ممکن نہیں، مگر یہ محض ان کا دعویٰ ہے اس پر جتنے دلائل پیش کئے گئے ہیں وہ سب لچر اور بے بنیاد ہیں۔ ان کا لغو و باطل ہونا متکالین اسلام نے بہت واضح کر دیا ہے، اور آج تک کسی عقلی دلیل سے شق قمر کا محال اور ناممکن ہونا ثابت نہیں ہو سکا، ہاں ناواقف عوام ہر مستبعد چیز کو ناممکن کہنے لگتے ہیں، مگر یہ ظاہر ہے کہ معجزہ تو نام ہی اس فعل کا ہے جو عام عادت کے خلاف اور عام لوگوں کی قدرت سے خارج حیرت انگیز و مستبعد ہو، ورنہ معمولی کام جو ہر وقت ہو سکے اُسے کون معجزہ کہے گا؟

دوسرا عامیانہ شبہ یہ کیا جاتا ہے کہ اگر ایسا عظیم الشان واقعہ پیش آیا ہوتا تو پوری دنیا کی تاریخوں میں اس کا ذکر ہوتا، مگر سوچنے کی بات یہ ہے کہ یہ واقعہ مکہ معظمہ میں رات کے وقت پیش آیا ہے، اُس وقت بہت سے مالک میں تو دن ہوگا وہاں اس واقعہ کے نمایاں اور ظاہر ہونے کا کوئی سوال ہی نہیں ہوتا، اور بعض مالک میں نصف شب اور آخر شب میں ہوگا، جس وقت عام دنیا سوتی ہے، اور جاگنے والے بھی تو ہر وقت چاند کو نہیں دیکھتے رہتے، زمین پر پھیلی ہوئی چاندنی میں اس کے دو ٹکڑے ہونے سے کوئی خاص فرق نہیں پڑتا، جس کی وجہ سے کسی کو اس طرف توجہ ہوتی، پھر یہ تھوڑی دیر کا قصہ تھا، روزمرہ دیکھا جاتا ہے کہ کسی ملک میں چاند گھٹن ہوتا ہے، اور آجکل تو پہلے سے اس کے اعلانات بھی ہو جاتے ہیں، اس کے باوجود ہزاروں لاکھوں آدمی اس سے بالکل بے خبر رہتے ہیں، ان کو کچھ پتہ نہیں چلتا، تو کیا اس کی یہ دلیل بنائی جاسکتی ہے کہ چاند گھٹن ہوا ہی نہیں، اس لئے دنیا کی عام تاریخوں میں مذکور نہ ہونے سے اس واقعہ کی تکذیب نہیں ہو سکتی۔ اس کے علاوہ ہندوستان کی مشہور و مستند تاریخ فرشتہ میں اس کا ذکر بھی موجود ہے، کہ ہندوستان میں ہمارا جہ مالیکار نے یہ واقعہ بحشم خود دیکھا، اور اپنے روزنامہ میں لکھوایا، اور یہی واقعہ ان کے مسلمان ہونے کا سبب بنا، اور ابراہیم اور اودھ دھیا لسی اور بہتی کی روایات سے بھی یہ ثابت ہو چکا ہے کہ خود مشرکین مکہ نے بھی باہر کے لوگوں سے اس کی تحقیق کی تھی اور مختلف اطراف کے آنے والوں نے یہ واقعہ دیکھنے کی تصدیق کی تھی، واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

وَ اِنْ يَرَوْا آيَةً يُعْرِضُوا وَيَقُولُوا سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ، مستر کے مشہور معنی جو فارسی اُردو میں بھی معروف ہیں، وہ دیر تک اور دائم رہنے کے ہیں، مگر عربی زبان میں یہ لفظ مزہ اور استمر کبھی گزر جانے اور ختم ہو جانے کے معنی میں بھی آتا ہے، ائمہ تفسیر میں سے مجاہد اور قتادہ نے اس جگہ یہی معنی بیان کئے ہیں اس پر مطلب آیت کا یہ ہوگا کہ یہ جادو کا اثر ہے جو دیر تک نہیں چلا کرتا خود ہی گزر جائے گا اور ختم ہو جائے گا

اور ایک معنی متمر کے قوی و شدید کے بھی آتے ہیں، ابوالعالیہ اور ضحاک نے اس آیت میں متمر کی یہی تفسیر کی ہے اور مراد یہ ہوگی کہ یہ بڑا قوی جادو ہے۔

اہل مکہ جب اس مشاہدہ کی تکذیب نہ کر سکے تو اس کو جادو یا سخت جادو کہہ کر اپنے دلوں کو تسلی دینے لگے۔
وَكُلُّ أَمْرٍ مُّسْتَقَرٌّ، استقرار کے لغوی معنی قرار پکڑنے کے ہیں، مفہوم آیت کا یہ ہے کہ ہر کام اور ہر چیز اپنی غایت پر پہنچ کر آخر کار صاف ہو جاتی ہے، کسی جعل سازی سے جو پر وہ حقیقت پر ڈالا جاتا ہے وہ انجام کار کھل کر رہتا ہے، اور حق کا حق اور باطل کا باطل ہونا واضح ہو جاتا ہے،

مُطَهِّعِينَ إِلَى الدَّارِ، مطہین کے لفظی معنی سراٹھانے کے ہیں، معنی آیت کے یہ ہیں کہ بلا نیوالے کی آواز کی سمت میں دیکھتے ہوئے محشر کی طرف دوڑیں گے، اور اس سے پہلی آیت میں جو مُخْتَصَّاتٌ أَبْصَارُهُمْ آیا ہے جس کے معنی میں نگاہ اور سر جھکانے کے، ان دونوں میں تطبیق یہ ہے کہ محشر کے موافق مختلف ہوں گے، کسی موقف میں ایسا بھی ہوگا کہ سب کے سر جھکے ہوئے ہوں گے۔

كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ فَلَمَّا بَوَّعْنَاوَا قَالُوا لِحٰجُونُ وَازْدَجَرُوا ⑨

جھٹلا چکی ہے اُن سے پہلے نوح کی قوم پھر جھوٹا کہا ہمارے بندہ کو اور بولے دیوانہ ہو اور جھڑک لیا اس کو

فَدَعَا رَبَّهُ أَنِّي مَغْلُوبٌ فَانْتَصِرْ ⑩ فَفَتَحْنَا أَبْوَابَ السَّمَاءِ بِمَاءٍ مُّنْهَرٍ ⑪

پھر پکارا اپنے رب کو کہ میں عاجز ہو گیا ہوں تو بدلہ لے، پھر ہم نے کھول دیئے دہانے آسمان کے پانی ٹوٹ کر برسوا لے کر

وَفَجَّرْنَا الْأَرْضَ عُيُونًا فَالْتَقَى الْمَاءُ عَلَى أَمْرٍ قَدْ قُدِرَ ⑫ وَحَمَلْنَاهُ

اور بہا دیئے زمین سے چشمے پھر مل گیا سب پانی ایک کام پر جو ٹھیر چکا تھا، اور ہم نے اس کو سوار کر دیا

عَلَى ذَاتِ الْوَاحِ وَدُسِرَ ⑬ تَجَرَّيْ بِأَعْيُنِنَا جَزَاءً لِّمَن كَانَ كُفِرَ ⑭

ایک تختوں اور کیلوں والی ہر، بہتی تھی ہماری آنکھوں کے سامنے بدلہ لیں گے اس کی طرف جس کی قدر نہ جانی تھی،

وَلَقَدْ تَرَكْنَاهَا آيَةً فَهَلْ مِنْ مُّدْكِرٍ ⑮ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِي وَنُذُرٍ ⑯

اور اس کو ہم نے رہنے دیا نشانی کیلئے پھر کوئی ہر سوچنے والا، پھر کیسا تھا میرا عذاب اور میرا کھڑکھڑانا،

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ مُّدْكِرٍ ⑰

اور ہم نے آسان کر دیا قرآن سمجھنے کو پھر ہر کوئی سوچنے والا،

خلاصہ تفسیر

ان لوگوں سے پہلے قوم نوح نے تکذیب کی یعنی ہمارے بندہ (خاص نوح علیہ السلام) کی تکذیب کی اور

کہا کہ یہ مجنون ہیں اور (محض اس قول یہودہ ہی پر اکتفا نہیں کیا گیا بلکہ ان سے ایک یہودہ فعل بھی سرزد ہوا یعنی) فوج (علیہ السلام) کو (ان کی طرف سے) دھکی (بھی) دی گئی (جس کا ذکر سورۃ شعراء میں ہو لیکن تم نہ سمجھتے) یُنُوْحُ نَشْكُوْنَ مِنَ الْمَرْجُوِّیْنَ) تو فوج (علیہ السلام) نے اپنے رب سے دعا کی کہ میں (محض) در ماندہ ہوں (ان لوگوں کا مقابلہ نہیں کر سکتا) سو آپ (ان سے) انتقام لے لیجئے (یعنی اُن کو ہلاک کر دیجئے، کقولہ تعالیٰ رَبِّ لَا تَذَرْ عَلَی الْأَرْضِ مِنَ الْكَافِرِیْنَ ذَیَّارًا) پس ہم نے کثرت سے برسے والے پانی سے آسمان کے دروازے کھول دیئے، اور زمین سے چشمے جاری کر دیئے پھر (آسمان اور زمین کا پانی اس کام کے (پورا ہونے کے) لئے مل گیا جو (علم الہی میں) تجویز ہو چکا تھا (مراد اس کام سے ہلاکت ہے کفار کی، یعنی دونوں پانی مل کر طوفان بڑھا، جس میں سب غرق ہو گئے) اور ہم نے فوج (علیہ السلام) کو (طوفان سے محفوظ رکھنے کے لئے) تختوں اور میخوں والی کشتی پر جو کہ ہماری نگرانی میں (پانی کی سطح پر) رواں تھی (مع مؤمنین کے) سوار کیا یہ سب کچھ اس شخص کا بدلہ لینے کے لئے کیا جس کی بے قدری کی گئی تھی (مراد فوج علیہ السلام ہیں اور چونکہ رسول اور اللہ تعالیٰ کے حقوق میں تلازم ہے، اس میں کفر باللہ بھی آگیا، پس یہ مشبہ نہ رہا کہ یہ غرق کفر باللہ کے سبب نہ ہوا تھا) اور ہم نے اس واقعہ کو عبرت کے واسطے (حکایات اور تذکروں میں) رہنے دیا، سو کیا کوئی نصیحت حاصل کرنے والا ہے (مقصود اس سے ترغیب ہے تذکر کی) پھر (دیکھو) میرا عذاب اور میرا ڈرانا کیسا ہوا (یعنی جس چیز سے ڈرانا واقع ہوا تھا وہ کیسا پورا ہو کر رہا، تو اس ڈرانا کا حاصل بھی عذاب ہی ہو گیا، غرض عذاب الہی کے دو عنوان ہو گئے، ایک خود عذاب اور دوسرا وعدہ الہی کا پورا ہونا) اور ہم نے قرآن کو (جو کہ مشتمل ہے ایسے قصص مذکورہ پر) نصیحت حاصل کرنے کے لئے آسان کر دیا (سب کے لئے عموماً بوجہ واضح ہونے بیان کے اور عرب کے لئے خصوصاً بوجہ عربی زبان کے) سو کیا (اس قرآن میں ایسے مضامین نصیحت کے دیکھ کر) کوئی نصیحت حاصل کرنے والا ہے (یعنی کفار مکہ کو بالخصوص ان قصص سے ڈر جانا چاہئے)۔

معارف و مسائل

تَبْعُوْنَ قَاوِمًا دَجِرًا، وَاذْجِرْ کے لفظی معنی ہیں ڈانٹ دیا گیا (اس کا عطف لفظ قَاوِمًا پر ہے اس لئے) مراد یہ ہے کہ ان لوگوں نے حضرت نوح علیہ السلام کو مجنون بھی کہا اور پھر ان کو ڈانٹ دھکا کر تبلیغ رسالت سے روکنا بھی چاہا، جیسا کہ ایک دوسری آیت میں ہے کہ ان لوگوں نے نوح علیہ السلام کو یہ دھکی دی کہ اگر آپ اپنی تبلیغ و دعوت سے باز نہ آئے تو ہم آپ کو پتھر اڑ کر کے مار دیں گے۔

عبد بن حمید نے مجاہد سے نقل کیا ہے کہ نوح علیہ السلام کی قوم کے بعض لوگ جب حضرت نوحؑ کو کہیں پاتے تو بعض اوقات ان کا گلا گھونٹ دیتے تھے یہاں تک کہ وہ بیہوش ہو جاتے، پھر جب افات ہوتا تو اللہ سے یہ دعا کرتے تھے کہ یا اللہ میری قوم کو معاف کر دے وہ حقیقت سے نادانقت ہیں ساڑھے نو سو

$$\frac{y_2}{y_1}$$

كَذَّبَتْ عَادٌ فَلَيْفَ كَانَ عَذَابِي وَنُذُرِي ۝۱۸ اِنَّا ارسلنا عليهم رِجَاصًا ضَرًا

جھٹلایا عاد نے پھر کیسا ہوا میرا عذاب اور میرا کھڑکھڑانا، ہم نے بھیجی ان پر ہوا تشدد ایک

فِي يَوْمٍ نَحْسٍ مُّسْتَمِرٍّ ۝۱۹ تَنْزِعُ النَّاسُ كَاهِنَهُمْ حُجُوزًا مِّنْ خَلٍ مُّنْقَعَةٍ ۝۲۰ فَلَيْفَ

نحست کے دن جو چلے گئے، اکھاڑ مارا لوگوں کو گویا وہ جڑیں ہیں کھجور کی اکھڑی پڑی، پھر کیسا رہا

كَانَ عَذَابِي وَنُذُرِي ۝۲۱ وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلَّذِينَ كَفَرُوا لِيُؤْمِنُوا ۝۲۲

میرا عذاب اور میرا کھڑکھڑانا، اور ہم نے آسان کر دیا قرآن سمجھنے کو پھر ہے کوئی سوچنے والا،

كَذَّبَتْ ثَمُودُ بِالنُّذُرِ ۝۲۳ فَقَالُوا ابْشِرِ امْنًا وَاحِدًا نَّتَّبِعُهُ ۝۲۴ اِنَّا اِذَا

جھٹلایا ثمود نے ڈر سنانے والوں کو، پھر کہنے لگے کیا ایک آدمی ہم میں کا ایسا ہم اس کے کہے پر چلیں گے تو تو ہم

لَفِي ضَلَالٍ وَسُعُرٍ ۝۲۵ اَلَّذِي كَسُرَ عَلَيْهِ مِنْ بَيْنِنَا بَلْ هُوَ كَذَّابٌ

غلطی میں پڑی اور سودا میں، کیا اتنی اسی پر نصیحت ہم سب میں سے کوئی نہیں یہ جھوٹا ہے،

اَشْرٰۤى ۝۲۶ سَيَعْلَمُونَ غَدًا مِّنَ الْكَذَّابِ الْاَشْرٰۤى ۝۲۷ اِنَّا مَرْسِلُو الْاَنَاقَةِ

بڑائی مارتا ہی، اب جان لیں گے کل کو کون ہی جھوٹا بڑائی مارنے والا، ہم بھیجتے ہیں اونٹنی ان کے

فِتْنَةً لَهُمْ فَارْتَقِبْهُمْ وَاصْطَبِرْ ۝۲۸ وَنَبِّئْهُمْ اَنَّ الْمَاءَ قِسْمَةٌ بَيْنَهُمْ

جانچنے کے واسطے سو انتظار کر ان کا اور سہتارہ، اور سنا دے ان کو کہ پانی کا بانٹا ہے ان میں

كُلُّ شَرِبٍ مُّخْتَصَرٌ ۝۲۹ فَنَادَوْا صَاحِبَهُمْ فَتَعَاطَىٰ فَعَقَرَ ۝۳۰ فَلَيْفَ كَانَ

ہر باری پر پہنچنا چاہئے، پھر پکارا انھوں نے اپنے رفیق کو پھر ہاتھ چلایا اور کاٹ ڈالا، پھر کیسا ہوا

عَذَابِي وَنُذُرِي ۝۳۱ اِنَّا ارسلنا عليهم صَيْحَةً وَاحِدَةً فَكَانُوا كَالْمُثَلِثِ

میرا عذاب اور میرا کھڑکھڑانا، ہم نے بھیجی ان پر ایک چٹکھاڑ بھرہ گئے جیسے روندی ہوئی باڑ

الْمُحْتَظِرِ ۝۳۲ وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلَّذِينَ كَفَرُوا لِيُؤْمِنُوا ۝۳۳

کانٹوں کی، اور ہم نے آسان کر دیا قرآن سمجھنے کو پھر ہے کوئی سوچنے والا، جھٹلایا لوط

قَوْمٌ لُّوطٍ بِالنُّذُرِ ۝۳۴ اِنَّا ارسلنا عليهم حَاصِبًا ۝۳۵ اِلَّا لَوْ طِغْيَانُهُمْ

کی قوم نے ڈر سنا سنوا لوں کو، ہم نے بھیجی ان پر آندھی پھر ہر سانیوال سوائے لوط کے گھر کے انکو ہم نے بچا دیا

بَسَحِرٌ ۳۲ نِعْمَةٌ مِّنْ عِنْدِنَا كَذَلِكَ نَجْزِي مَنْ شَكَرَ ۳۵ وَلَقَدْ

پھیلی رات ہے، فضل سے اپنی طرف کے ہم یوں بدلہ دیتے ہیں اس کو جو حق مانے، اور وہ ڈرا چکا تھا

أَنذَرَهُمْ بَطْشَتَنَا فَتَمَارَوْا بِالنُّذُرِ ۳۶ وَلَقَدْ رَاوَدُوهُ عَنْ حَيْفِهِ

ان کو ہماری پکڑ سے پھر لے کر ان کو ڈرانے کو، اور اس سے لینے لگے اس کے ہمانوں کو پس

فَطَمَسْنَا أَعْيُنَهُمْ فَذُوقُوا عَذَابَ آدَمَ ۳۷ وَلَقَدْ صَبَّحَهُم بُكْرَةً

ہم نے مٹا دیں ان کی آنکھیں اب چھو میرا عذاب اور میرا ڈرانا، اور پڑا ان پر صبح کو سویرے

عَذَابٌ مُّسْتَقِرٌّ ۳۸ فَذُوقُوا عَذَابَ آدَمَ ۳۹ وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ

عذاب جو ٹھیک چکا تھا، اب چھو میرا عذاب اور میرا ڈرانا، اور ہم نے آسان کر دیا قرآن

لِلَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ مَّذَكِّرٍ ۴۰ وَلَقَدْ جَاءَ آلَ فِرْعَوْنَ النُّذُرُ ۴۱

سمجھنے کو پھر ہے کوئی سوچنے والا، اور پہنچے فرعون والوں کے پاس ڈرانے والے،

كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا كَلِمًا فَاخَذْنَاهُمْ أَخَذَ عَزِيزٌ مُّقْتَدِرٌ ۴۲

جھٹلایا انھوں نے ہماری نشانیوں کو سب کو پھر پکڑا ہم نے ان کو پکڑنا زبردست کا قابو میں لے کر،

خُلاصۃ تفسیر

عاد نے بھی اپنے پیغمبر کی تکذیب کی سو (اس کا قصہ سنو کہ) میرا عذاب اور ڈرانا کیسا ہوا،
(اور وہ قصہ یہ ہے کہ) ہم نے ان پر ایک سخت ہوا بھیجی ایک مسلسل سختی کے دن میں (یعنی وہ زمانہ ان کے حق
میں ہمیشہ کے لئے اس لئے مخوس رہا کہ اس روز جو عذاب آیا وہ عذاب بڑھ سے متصل ہو گیا، پھر عذاب آخرت
اس سے متصل ہو گیا، جو ان سے کبھی منقطع نہ ہو گا اور) وہ ہوا لوگوں کو اس طرح (ان کی جگہ سے) اکھاڑ اکھاڑ کر
پھینکتی تھی کہ گویا وہ اکھڑی ہوئی کھجوروں کے تنے ہیں (اس تشبیہ میں علاوہ ان کے پھینکے جانے کے اشارہ
ان کے طول قامت کی طرف بھی ہے) سو (دیکھو) میرا عذاب اور ڈرانا کیسا (ہولناک) ہوا اور ہم نے
قرآن کو نصیحت حاصل کرنے کے لئے آسان کر دیا ہے سو کیا کوئی نصیحت حاصل کرنے والا ہے، ثمود نے
(بھی) پیغمبروں کی تکذیب کی (کیونکہ ایک پیغمبر کی تکذیب مستلزم ہے سب پیغمبروں کی تکذیب کو) اور
کہنے لگے کیا ہم ایسے شخص کا اتباع کریں گے جو ہماری جنس کا آدمی ہے، اور (حشم و خدم سے) اکیلا ہو
(یعنی یا تو فرشتہ ہو تا تو ہم دین میں اتباع کرتے، یا صاحب خدم و حشم ہو تا تو دنیوی امور میں اتباع کرتے

جبکہ بشر اور وہ بھی اکیلا نہ تو اتباع فی الدنیا کو کوئی امر مقتضی ہے نہ اتباع فی الدین کو اور اگر ہم اس حالت میں اتباع کریں تو اس صورت میں ہم بڑی غلطی اور (بلکہ) جنوں میں پڑ جائیں کیا ہم سب میں سے (مختب ہو کر) اسی (شخص) پر وحی نازل ہوئی ہے (ہرگز ایسا نہیں) بلکہ یہ بڑا جھوٹا اور شیخی باز ہے (شیخی یعنی تکبر کے مارے ایسی باتیں بڑائی کی کرتا ہے کہ لوگ مجھ کو سردار قرار دے لیں، حق تعالیٰ نے صراح علیہ السلام سے فرمایا کہ تم ان کے بچنے پر بیخ مت کرو) اُن کو عنقریب (مرتے ہی) معلوم ہو جائے گا کہ جھوٹا شیخی باز کون تھا (یعنی یہی لوگ تھے کہ انکار نبوت میں کاذب تھے، اور اتباع نبی سے بوجہ شیخی کے عار کرتے تھے، اور یہ لوگ جو ادنیٰ کا معجزہ طلب کرتے تھے تو) ہم (ان کی درخواست کے موافق پتھر میں سے) ادنیٰ کو نکالنے والے ہیں، اُن کی آزمائش (ایمان) کے لئے سوان (کی حرکتوں) کو دیکھتے بھالتے رہنا اور صبر سے بیٹھے رہنا اور ان لوگوں کو (جب ادنیٰ پیدا ہو تو) یہ بتلادینا کہ پانی (کنوئیں کا) بانٹ دیا گیا ہے، (یعنی تمھارے مواشی اور ادنیٰ کی باری مقرر ہو گئی ہے) ہر ایک باری پر باری والا حاضر ہو کرے (یعنی ادنیٰ اپنی باری میں پانی پیوے اور مواشی اپنی باری میں، چنانچہ ادنیٰ پیدا ہوئی اور صراح علیہ السلام نے اسی طرح فرمادیا) سو اس باری سے وہ لوگ تنگ آ گئے اور (انھوں نے) اس کے قتل کرنے کی غرض سے (اپنے رفیق رفڈاز) کو بلایا سو اس نے (ادنیٰ پر) وار کیا اور (اس کو) مار ڈالا سو (دیکھو) میرا عذاب اور ڈرانا کیسا ہوا (جن کا بیان آگے آتا ہے وہ یہ کہ) ہم نے ان پر ایک ہی نعرہ (فرشتہ کا) مسلط کیا سو وہ (اس سے) ایسے ہو گئے جیسے کانٹوں کی باڑ لگانے والے (کی باڑ) کا چورا یعنی کھیت یا مواشی وغیرہ کی حفاظت کے لئے جیسے کانٹوں وغیرہ کی باڑ لگا دیتے ہیں اور چند روز بعد سب چورا چورا ہو جاتا ہے اسی طرح وہ ہلاک و تباہ ہو گئے، عرب کے لوگ اس مشبہ بہ کو یعنی کھیت کے گرد کی باڑ کو شب و روز دیکھتے تھے تو وہ اس تشبیہ کو خوب سمجھتے تھے) اور ہم نے قرآن کو نصیحت حاصل کرنے کے لئے آسان کر دیا ہر سو کیا کوئی نصیحت حاصل کرنے والا ہے قوم لوط نے (بھی) پیغمبروں کی تکذیب کی (کیونکہ ایک نبی کی تکذیب مستلزم ہو سب کی تکذیب کو) ہم نے اُن پر پتھروں کا میخ برسایا بجز متعلقین لوط (علیہ السلام) کے (یعنی بجز مومنین کے) کہ ان کو اخیر شب میں (بستی سے باہر کر کے عذاب سے) بچالیا اپنی جانب سے فضل کر کے جو شکر کرتا ہے (یعنی ایمان لاتا ہے) ہم اس کو ایسا ہی صلہ دیا کرتے ہیں (کہ ہر سے بچا لیتے ہیں) اور (قبل عذاب آنے کے) لوط (علیہ السلام) نے اُن کو ہماری دار و گیر سے ڈرایا تھا، سو انھوں نے اس ڈرنے میں جھگڑی پیدا کئے (یعنی یقین نہ لائے) اور (جب لوط علیہ السلام کے پاس ہمارے فرشتے بشکل جہان آئے اور ان لوگوں کو حسین لڑکوں کا آنا معلوم ہوا تو یہاں آ کر) ان لوگوں نے لوط (علیہ السلام) سے ان کے جہانوں کو بڑی نیت سے لینا چاہا (جس سے لوط علیہ السلام اول گھبرائے مگر وہ فرشتے تھے) سو ہم نے (ان فرشتوں کو حکم دے کر) ان کی آنکھیں چو پٹ کر دیں (یعنی جبریل علیہ السلام نے اپنے پر اُن کی آنکھوں پر پھیر دیئے جس سے اندھے سمٹ ہو گئے، کذا فی الدر عن قتادہ اور بزبان قال یا حال اُن سے کہا گیا کہ) لو میرے عذاب اور ڈرنے

کامزہ چھو پہلے قیہ واقعہ طس یعنی اندھے کرنے کا پیش آیا (اور پھر) صبح سویرے ہی ان پر دائمی عذاب آ پہونچا (اور ارشاد ہوا) کہ لو میرے ڈرانے اور عذاب کامزہ چھو (یہی جملہ پہلے اندھے ہونے کے عذاب پر کہا گیا تھا یہاں ہلاکت کے عذاب پر ہے، اس لئے کوئی ہلکار نہیں) اور ہم نے قرآن کو نصیحت حاصل کرنے کے لئے آسان کر دیا ہے سو کیا کوئی نصیحت حاصل کرنے والا ہے اور (فرعون اور) فرعون والوں کے پاس بھی ڈرانے کی بہت سی چیزیں پہونچیں (مراد موسیٰ علیہ السلام کے ارشادات اور معجزات ہیں کہ ارشادات سے تشریعی طور پر اور معجزات سے نکوینی طور پر ان کو ڈرایا گیا مگر) ان لوگوں نے ہماری تمام (ان) نشانیوں (کو جو ان کے پاس آتی تھیں وہ آیات تسو (نوائتیں) مشہور ہیں) جھٹلایا (یعنی ان کے مدلول و مقتضا توحید الہی اور نبوت موسیٰ علیہ السلام کو جھٹلایا، درندہ واقعات کے وقوع کی تکذیب تو ہو نہیں سکتی) سو ہم نے ان کو زبردست ماحب قدرت کا پکڑنا پکڑا (یعنی جب ہم نے ان کو قہر اور غلبہ سے پکڑا تو اس پکڑ کو کوئی دفع نہیں کر سکا، پس عزیز مقتدر سے مراد اللہ تعالیٰ ہے)۔

معارف مسائل

بعض لغات کی تشریح | سَعْر، یہ لفظ آیات مذکورہ میں دو جگہ آیا ہے، اول قوم ثمود کے ذکر میں ان کا اپنا قول ہوا اس میں سَعْر کا لفظ جنون کے معنی میں آیا ہے، دوسری جگہ یہی لفظ آگے آنے والی آیات میں حق تعالیٰ کی طرف سے عذاب مجرمین کے ذکر میں آیا ہے، فی ضلّی و سَعْر، یہاں سَعْر کے معنی جہنم کی آگ کے ہیں، حسب تصریح اہل لغت لفظ سَعْر ان دونوں معنی میں مستعمل ہوتا ہے۔

رَاَوْوْهُ عَنْ حَتِیْفِہ۔ مرادوت کے معنی کسی کو اپنی نفسانی شہوت پورا کرنے کے لئے بہلانا پھسلانا ہے، مراد یہ ہے کہ قوم لوط علیہ السلام چونکہ اپنی نجاست سے لڑکوں کے ساتھ بد فعلی کے خوگر تھے، اور اللہ تعالیٰ نے ان کے امتحان ہی کے لئے فرشتوں کو حسین اَمْرُڈ لڑکوں کی صورت میں بھیجا تھا، یہ شیاطین ان کو اپنی خواہش کا نشانہ بنانے کے لئے لوط علیہ السلام کے مکان پر چڑھ آئے، لوط علیہ السلام نے دروازہ بند کر لیا تو یہ دروازہ توڑ کر یا اوپر سے چھلانگ اندر آنے لگے، حضرت لوط علیہ السلام پریشان ہوئے تو اس وقت فرشتوں نے اپنا راز ظاہر کیا کہ آپ کچھ فکر نہ کریں، یہ ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکے، ہم اللہ کے فرشتے ان کو عذاب دینے ہی کے لئے آئے ہیں۔

سورۃ قمر کو قرب قیامت کے ذکر سے شروع کیا گیا، تاکہ کفار و مشرکین جو دنیا کی ہوا و ہوس میں مبتلا اور آخرت سے غافل ہیں وہ ہوش میں آئیں، پہلے قیامت کے عذاب کا بیان کیا گیا، اس کے بعد دنیا میں بھی ان کے انجام بد کو بتلانے کے لئے پانچ مشہور عالم اقوام کے حالات اور انبیاء علیہم السلام کی مخالفت پر ان کے انجام بد اور دنیا میں بھی طرح طرح کے عذابوں میں مبتلا ہونا بیان کیا گیا ہے۔

سب سے پہلے قوم نوح علیہ السلام کا ذکر کیا گیا، کیونکہ یہی سب سے پہلی دنیا کی قوم ہے جو عذاب الہی

میں پکڑی گئی، یہ قصہ سابقہ آیات میں آچکا ہے، مذکورہ آیات میں چار اقوام کا ذکر ہے، عاد، ثمود، قوم لوط، قوم فرعون، ان کے واقعات اور مفصل قصے قرآن کریم کے متعدد مقامات میں بیان ہوئے ہیں، یہاں ان کا اجمالی ذکر ہے۔

یہ پانچوں اقوام دنیا کی قوی ترین اور قابو یافتہ قومیں تھیں، جن کو کسی طاقت سے رام کرنا کسی کے لئے آسان نہ تھا، آیات مذکورہ میں ان پر اللہ کا عذاب آنادھلایا گیا، اور ہر ایک قوم کے انجام پر قرآن کریم نے ایک جملہ ارشاد فرمایا (فَلْيَكْفُرْ كَافِرًا) یعنی اتنی بڑی قوی اور بھاری تعداد والی قوم پر جب اللہ کا عذاب آیا تو دیکھو کہ وہ کس طرح اس عذاب کے سامنے ٹھیکوں، پھردوں کی طرح مارے گئے، اور اس کے ساتھ ہی مومنین و کفار کی عام نصیحت کے لئے اس جملے کو بار بار دہرایا گیا، وَقَدْ يَسِّرْنَا الْقُرْآنَ لِلَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ مَّا يَكْفُرُونَ یعنی اللہ کے اس عذاب عظیم سے بچنے کا راستہ قرآن ہے، اور قرآن کو نصیحت و عبرت حاصل کرنے کی حد تک ہم نے بہت آسان کر دیا ہے، بڑا بد نصیب اور محروم ہے جو اس سے فائدہ نہ اٹھائے، آگے آنے والی آیات میں زمانہ نبوت کے موجودین کو خطاب کر کے یہ بتلایا گیا ہے کہ اس زمانے کے منکرین و کفار دولت و ثروت، تعداد، طاقت و قوت میں عاد و ثمود اور قوم فرعون وغیرہ سے کچھ زیادہ نہیں ہیں، پھر یہ کیسے بے فکر بیٹھے ہیں۔

أَكْفَارُكُمْ خَيْرٌ مِنْ أُولَئِكَ أَمْ لَكُمْ بَرَاءَةٌ فِي الزُّبُرِ ۝۴۳ (۴۳) أَمْ يَقُولُونَ

اب تم میں جو منکر ہیں کیا یہ بہتر ہیں ان سب کے تمھارے لو فارغ خطی لکھی گئی درقوں میں، کیا کہتے ہیں

نَحْنُ جَمِيعٌ مُنْتَصِرُونَ ۝۴۴ سَيَهْزِمُ الْجَمْعُ وَيُولُونَ الدُّبُرَ ۝۴۵ بَلِ السَّاعَةُ

ہم سب کا جمع ہی بدلہ لینے والا، اب شکست کھائے گا یہ جمع اور بھاگے گا پیٹھ پھر کر، بلکہ قیامت ہے

مَوْعِدُهُمْ وَالسَّاعَةُ أَذْهَىٰ وَأَمْرٌ ۝۴۶ إِنَّ الْمَجْرِمِينَ فِي ضَلَالٍ وَسُعُرٍ ۝۴۷

ان کے وعدہ کا وقت اور وہ گھڑی بڑی آفت ہے اور بہت کڑی، جو لوگ گنہگار ہیں غلطی میں پڑے ہیں اور سودا ہیں،

يَوْمَ يُسْحَبُونَ فِي النَّارِ عَلَىٰ دُجُوهِهِمْ ذُوقُوا مَسَّ سَقَرَ ۝۴۸ إِنَّا كُلُّ شَيْءٍ

جس دن محیٹے جائیں گے آگ میں اندھے منہ، چھوڑ دے آگ کا، ہم نے ہر چیز بنائی

خَلَقْنَاهُ بِقَدَرٍ ۝۴۹ وَمَا أَمْرُنَا إِلَّا وَاحِدَةٌ كَلَمْحٍ بِالْبَصَرِ ۝۵۰ وَلَقَدْ

پہلے ٹھیک کر، اور ہمارا کام تو یہی ایک دم کی بات ہے جیسے نپک بنگاہ کی، اور ہم

أَهْلَكْنَا أَشْيَاءَكُمْ فَهَلْ مِنْ مَّدَكِرٍ ۝۵۱ وَكُلُّ شَيْءٍ فَعَلُوهُ فِي الزُّبُرِ ۝۵۲

بر باد کر چکے ہیں تمھارے ساتھ والوں کو، پھر کوئی سوچنے والا، اور جو چیز انھوں نے کی ہے لکھی گئی درقوں میں

وَكُلٌّ صَغِيرٌ كَبِيرٌ مُسْتَطَرٌّ ۝۵۳ إِنَّ السَّاقِئِينَ فِي جَنَّتِ وَكَبِيرٌ ۝۵۴ فِي مَقْعَدٍ

اور ہر چھوٹا اور بڑا لکھا جا چکا ، جو لوگ دُنیوالے ہیں باغوں میں ہیں اور نہروں میں ، بیٹھے سہی بیٹھک

صِدْقٍ عِنْدَ مَلِيكِ مُقْتَدِرٍ ۝۵۵

میں نزدیک بادشاہ کے جس کا سب پر قبضہ ہے

خلاصہ تفسیر

یہ کفار کے قتلے اور کفر کی وجہ سے ان پر عذاب ہونے کے واقعات تو تم نے سُن لئے اب جبکہ تم بھی سی جرم کفر کے مرتکب ہو تو تمہارے عذاب سے بچنے کی کوئی وجہ نہیں کیا تم میں جو کافر ہیں ان میں ان (مذکورہ پچھلے) لوگوں سے کچھ فضیلت ہے (جس کی وجہ سے تم باوجود ارتکاب جرم کے سزا یاب نہ ہو) یا تمہارے لئے (آسانی) کتابوں میں کوئی معافی (نامہ لکھ دیا) ہے (گو کوئی خاص فضیلت نہ ہو) یا ان میں کوئی ایسی قوت ہے جو ان کو عذاب سے بچالے جیسا یہ لوگ کہتے ہیں کہ ہماری ایسی جماعت ہے جو غالب ہی رہیں گے (اور جب کہ ان کے مغلوب ہونے کے دلائل واضح موجود ہیں اور خود بھی اپنی مغلوبیت کا اُن کو یقین ہے تو پھر ایسی بات کہنا اس کو مستلزم ہے کہ ان میں کوئی ایسی قوت ہے جو عذاب کو روک سکتی ہے، یہ تین احتمال ہیں عذاب سے بچنے کے بناؤ کہ ان میں سے کونسی صورت واقع میں ہے، پہلے دو احتمالوں کا بطلان تو ظاہر و باہر ہے، رہا تیسرا احتمال سو اسبابِ عادیہ کے اعتبار سے کوئی نفسہ ممکن ہے مگر بدالمت دلائل وقوع اس کا نہ ہوگا، بلکہ اس کے عکس کا وقوع ہوگا، جس سے اُن کا کذب ظاہر ہو جائے گا اور وہ عکس کا وقوع اس طرح ہوگا کہ) عنقریب (ان کی) یہ جماعت شکست کھادے گی اور پیٹھ پھیر کر بھاگیں گے (اور یہ پیشین گوئی بدو احزاب وغیرہ میں واقع ہوئی، اور یہی نہیں کہ اس دنیوی عذاب پر بس ہو کر رہ جاوے گا) بلکہ (عذابِ اہر) قیامت (میں ہوگا کہ) ان کا (اصل) وعدہ (وہی) ہے اور قیامت (کو کوئی ہلکی چیز نہ سمجھو بلکہ وہ) بڑی سخت اور ناگوار چیز ہے (اور یہ موعودِ آدھنی و آمر ضرور واقع ہونے والا ہے اور اس کے وقوع کے انکار میں) یہ مجرمین (یعنی کفار) بڑی غلطی اور بے عقلی میں (پڑے) ہیں (اور وہ غلطی ان کو عنقریب جب علمِ یقینِ مبتدل بہ عینِ یقین ہوگا ظاہر ہو جاوے گی، اور وہ اس طرح ہوگا کہ) جس روز یہ لوگ اپنے مونہوں کے بن جہنم میں گھسیٹے جا دیں گے تو ان سے کہا جاوے گا کہ دوزخ (کی آگ) کے گئے کا مزہ چھو (اور اگر ان کو اس سے شبہ ہو کہ قیامت ابھی کیوں نہیں واقع ہوتی تو وجہ اس کی یہ ہے کہ) ہم نے ہر چیز کو (باعتبارِ زمان و غیرہ کے ایک خاص) انداز سے پیدا کیا ہے (جو ہمارے علم میں ہے، یعنی زمانہ وغیرہ اس کا اپنے علم میں معین و مقدر کیا ہے) اسی طرح قیامت کے وقوع کے لئے بھی ایک وقت معین ہے، پس اس کا عدم وقوع فی الحال بوجہ اس کے وقت نہ آنے کے ہے، یہ دھوکہ نہ کھانا چاہئے کہ قیامت کا وقوع ہی نہ ہوگا) اور (جب اس کا وقت آجائے گا تو اس وقت)

ہمارا حکم اس وقوع کے متعلق) بس ایسا بجا رہے جو جہان کا جیسے آنکھ کا جھپکنا (غرض وقوع کی نفی تو باطل ٹھہری) اور اگر تم کو یہ شبہ ہو کہ ہمارا طریقہ اللہ کے نزدیک ناپسند اور مبغوض نہیں ہے تو اگر قیامت کا وقوع بھی ہو تب بھی ہم کو کوئی فکر نہیں تو اس باب میں سن رکھو کہ ہم تمہارے ہم طریقہ لوگوں کو (اپنے عذاب سے) ہلاک کر چکے ہیں (جو دلیل ہے اس طریقہ کی مبغوض ہونے کی اور وہی تمہارا طریقہ ہے اس لئے مبغوض ہے، اور یہ دلیل ہنایت واضح ہے) سو کیا (اس دلیل سے) کوئی نصیحت حاصل کرنے والا ہے اور یہ بھی نہیں ہے کہ ان کے اعمال علم الہی سے غائب رہ جاویں، جس کی وجہ سے اللہ کے نزدیک ان کے طریقہ کے مبغوض ہونے کے باوجود سزا سے بچ جانے کا احتمال ہو بلکہ جو کچھ بھی یہ لوگ کرتے ہیں سب (حق تعالیٰ کو معلوم ہے) اعمال ناموں میں (بھی مندرج) ہے اور (یہ نہیں کہ کچھ لکھ لیا گیا ہو کچھ رہ گیا ہو بلکہ) ہر چھوٹی اور بڑی بات (اس میں) لکھی ہوئی ہے (پس وقوع عذاب میں کوئی شبہ نہ رہا یہ تو کفار کا حال ہوا اور جو) پرہیزگار لوگ (پس وہ بہشت کے) باغوں میں اور نہروں میں ہوں گے، ایک عمدہ مقام میں قدرت والے بادشاہ کے پاس (یعنی جنت کے ساتھ قرب حق تعالیٰ بھی ہوگا)۔

معارف و مسائل

بعض لغات کی تشریح: ذُبُر زبور کی جمع ہے، لغت میں ہر لکھی ہوئی کتاب کو زبور کہتے ہیں، اور اس خاص کتاب کا نام بھی زبور ہے جو حضرت داؤد علیہ السلام پر نازل ہوئی تھی۔

اَذْهَىٰ وَآَمَرَ، اَذْهَىٰ کے معنی زیادہ ہیبت ناک اور اَمَرَ مُرْسے مانو ہے، جس کے اصلی معنی کڑ دے کے ہیں، اور ہر سخت اور تکلیف دہ چیز کو بھی مُر اور اَمَرَ کہہ دیا جاتا ہے، فِي ضَلَالٍ وَ سُجٍّ، ضلال کے معنی معرہ میں گمراہی، اور سُجٍّ کے معنی اس جگہ جہنم کی آگ کے ہیں، اَشْيَا عَمَّكَ، اشیا ع کی جمع ہے، جس کے معنی توج اور پیروکار کے ہیں، مراد وہ لوگ ہیں جو عمل میں ان کے توج یا مثل ہیں، مَقْعَدٍ صِدْقٍ، مقعد کے معنی مجلس اور مقام کے ہیں، اور صدق بمعنی حق ہے، مراد یہ ہے کہ یہ مجلس حق ہوگی جس میں کوئی لغو و بیہودہ بات نہ ہوگی۔

اِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنَاهُ بِقَدَرٍ، قدر کے لغوی معنی اندازہ کرنے اور کسی چیز کو حکمت و مصلحت کے مطابق اندازے سے بنانے کے ہیں، اس آیت میں یہ لغوی معنی بھی مراد ہو سکتے ہیں کہ حق تعالیٰ جل شانہ نے عالم کی تمام مخلوقات کو اور اس کی ہر نوع و صنف کو ایک حکیمانہ اندازہ سے بڑا چھوٹا اور مختلف ہیئت و صورت میں بنایا ہے، پھر ہر نوع و صنف کے ہر فرد کی تخلیق میں بھی حکیمانہ انداز بڑی حکمت کے ساتھ رکھا ہے، انکلیا سب یکساں نہیں بنائیں طول میں فرق رکھا، ہاتھوں پاؤں کے طول و عرض اور ان کے کھلنے بند ہونے سمٹنے اور پھیلنے کے لئے اسپرنگ لگائے، ایک ایک عضو کے ایک ایک مجز کو دیکھو تو قدرت و حکمت خداوندی کے عجیب و غریب دروازے کھلتے نظر آنے لگیں۔

اور اصطلاح شرع میں لفظ قدر بمعنی تقدیر الہی بھی استعمال ہوتا ہے، اور اکثر ائمہ تفسیر نے بعض

روایات حدیث کی بنا پر اس آیت میں قدر سے تقدیر الہی مراد لی ہے۔
 مسند احمد، مسلم، ترمذی میں حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے کہ مشرکین قریش ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مسئلہ تقدیر کے متعلق مخاصمت کرنے لگے، تو اس پر یہ آیت قرآن نازل ہوئی، اس معنی کے اعتبار سے مطلب آیت کا یہ ہو گا کہ ہم نے تمام عالم کی ایک ایک چیز کو اپنی تقدیر ازل کے مطابق بنایا ہے، یعنی ازل میں پیدا ہونے والی چیز اور اس کی مقدار زمانہ و مکان اور اس کے بڑھنے گھٹنے کا پیمانہ عالم کے پیدا ہونے سے پہلے ہی لکھ دیا گیا تھا جو کچھ عالم میں پیدا ہوتا ہے وہ اسی تقدیر ازل کے مطابق ہوتا ہے۔
 تقدیر کا یہ مسئلہ اسلام کا قطعی عقیدہ ہے اس کا منکر کافر اور جو فرقے بتاویل انکار کرتے ہیں وہ فاسق ہیں امام حسد، ابوداؤد، طبرانی نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر امت میں کچھ لوگ مجوسی ہوتے ہیں، اس امت محمدیہ کے مجوسی وہ لوگ ہیں جو تقدیر کا انکار کرتے ہیں ایسے لوگ بیمار پڑیں تو ان کی بیمار پرسی کو نہ جاؤ اور مر جائیں تو ان کے کفن دفن میں شریک نہ ہو، (از روح المعانی) واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

تَمَّتْ

بَعَثَ اللَّهُ سُبْحَانَهُ وَيَحْمَدُهُ سُبْحَانَهُ الْقَمَرِ
 يَوْمَ الثَّلَاثَةِ لَيْلَتِهِ مِنَ الرَّبِيعِ الثَّانِي ۳۹
 وَيَتْلُوهُا أَنْشَاءَ اللَّهِ تَعَالَى سُورَةَ الرَّحْمَنِ؛

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

سُورَةُ الرَّحْمَنِ

سُورَةُ الرَّحْمَنِ مَدَنِيَّةٌ وَهِيَ ثَمَانٌ وَسَبْعُونَ آيَةً وَتِلْكَ رُكُوعَاتُهَا

سورۃ رحمن مدینہ میں نازل ہوئی اور اس کی اٹھتر آیتیں ہیں اور تین رکوع ،

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ○

شروع اللہ کے نام سے جو بجد مہربان نہایت رحم والا ہے ،

الرَّحْمَنُ ۱ عَلَّمَ الْقُرْآنَ ۲ خَلَقَ الْإِنْسَانَ ۳ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ ۴

رحمن نے ، سکھایا قرآن ، بنایا آدمی ، پھر سکھایا اس کو بات کرنا ،

الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ بِحُسْبَانٍ ۵ وَالنَّجْمُ وَالشَّجَرُ يَسْجُدَانِ ۶ وَالسَّمَاءُ

سورج اور چاند کے لئے ایک حساب ہے ، اور جھاڑ اور درخت مشغول ہیں سجدہ میں ، اور آسمان کو

رَفَعَهَا وَوَضَعَ الْمِيزَانَ ۷ أَلَّا تَطْغَوْا فِي الْمِيزَانِ ۸ وَأَقِيمُوا

اونچا کیا اور رکھی ترازو ، کہ زیادتی نہ کرو ترازو میں ، اور سیدھی ترازو

الْوِزْنَ بِالْقِسْطِ وَلَا تُخْسِرُوا الْمِيزَانَ ۹ وَالْأَرْضُ وَضَعَهَا

تو انصاف سے اور مت گمٹاؤ تول کو ، اور زمین کو بچھایا واسطے

لِلْأَنَامِ ۱۰ فِيهَا فَاكِهَةٌ ۱۱ وَالنَّخْلُ ذَاتُ الْأَكْمَامِ ۱۲ وَالْحَبُّ

خلق کے ، اس میں میوہ ہے اور پھولیں جن کے میوہ پر غلات ، اور اس میں اناج ہے

ذُو الْعَصْفِ وَالرَّيْحَانُ ۱۳ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبِينَ ۱۴ خَلَقَ

جس کے ساتھ بھس ہو اور پھول خوشبودار ، پھر کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی جھٹلاؤ گے تم دونوں ، بنایا

الْإِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ ۝۱۳ وَخَلَقَ الْجَانَّ مِنْ مَّارِجٍ مِّنْ

آدمی کو کھٹکھٹاتی مٹی سے جیسے ٹھیکرا ، اور بنایا جن کو آگ کی پٹ

نَارٍ ۝۱۵ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبِينَ ۝۱۶ رَبُّ الْمَشْرِقَيْنِ وَرَبُّ

سے ، پھر کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی جھٹلاؤ گے تم دونوں ، مالک دو مشرقوں کا اور مالک

الْمَغْرِبَيْنِ ۝۱۷ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبِينَ ۝۱۸ مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيَانِ ۝۱۹

دو مغربوں کا ، پھر کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی جھٹلاؤ گے ، چلائے دو دریا مل کر چلنے والے ،

بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَا يَبْغِيَانِ ۝۲۰ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبِينَ ۝۲۱ يَخْرُجُ مِنْهُمَا

ان دونوں میں ہر ایک پردہ جو ایک دوسرے پر زیادتی نہ کری ، پھر کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی جھٹلاؤ گے ، نکلتا ہر ان دونوں سے

الطُّلُوعُ وَالْمَرْجَانُ ۝۲۲ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبِينَ ۝۲۳ وَلَهُ الْجَوَارِ

موتی اور ٹونگا ، پھر کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی جھٹلاؤ گے ، اور اسی کے ہیں جہاز

الْمُنشَأَتُ فِي الْبَحْرِ كَالْأَعْلَامِ ۝۲۴ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبِينَ ۝۲۵

اوپر کھڑے دریا میں جیسے پہاڑ ، پھر کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی جھٹلاؤ گے ،

۲۴۰

رابطہ سورۃ اور جملہ اس سے پہلی سورت القمر میں زیادہ تر مضامین سرکش قوموں پر عذاب الہی آنے کے متعلق تھے
فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا کے اس لئے ہر ایک عذاب کے بعد لوگوں کو متنبہ کرنے کے لئے ایک خاص جملہ بار بار استعمال
تکرار کی جسکت فرمایا ہے ، یعنی فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِي وَنُذْرِي اور اس کے متصل ایمان و اطاعت کی ترغیب
کے لئے دوسرا جملہ وَهَلْ يَسْتَوِي الْكَافِرُ الْبَارِئُ لایا گیا ہے۔

سورۃ الرحمن میں اس کے مقابل بیشتر مضامین حق تعالیٰ کی دنیوی اور اخروی نعمتوں کے بیان میں ہیں اسی
لئے جب کسی خاص نعمت کا ذکر فرمایا تو ایک جملہ لوگوں کو متنبہ کرنے اور شکرِ نعمت کی ترغیب دینے کے لئے فرمایا
فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبِينَ ، اور پوری سورت میں یہ جملہ اکتیس مرتبہ لایا گیا ہے ، جو بظاہر تکرار معلوم ہوتا ہے ،
اور کسی لفظ یا جملے کا تکرار بھی تاکید کا فائدہ دیتا ہے ، اس لئے وہ بھی فصاحت و بلاغت کے خلاف نہیں خصوصاً
قرآن کریم کی ان دونوں سورتوں میں جن جملے کا تکرار ہوا ہے وہ تو صورت کے اعتبار سے تکرار ہے ، حقیقت
کے اعتبار سے ہر ایک جملہ ایک نئے مضمون سے متعلق ہونے کی وجہ سے مکرر محض نہیں ہے ، کیونکہ سورۃ قمر میں ہر نکر
عذاب کے بعد اس کے متعلق (فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِي) آیا ہے ، اسی طرح سورۃ الرحمن میں ہر نئی نعمت کے بیان کے
بعد (فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا) کا تکرار کیا گیا ہے جو ایک نئے مضمون سے متعلق ہونے کے سبب تکرار محض نہیں ، علامہ سیوطی

نے اس قسم کے تکرار کا نام توریث بتلایا ہے، وہ فصحاء و بلغاء عرب کے کلام میں مستحسن اور شیریں سمجھا گیا ہے، نثر اور نظم دونوں میں استعمال ہوتا ہے، اور صرف عربی نہیں، فارسی، اردو وغیرہ زبانوں کے مسلم شعراء کے کلام میں بھی اس کی نظائر پائی جاتی ہیں، یہ موقع ان کو جمع کرنے کا نہیں، تفسیر روح المعانی وغیرہ میں اس جگہ متعدد نظائر بھی نقل کیے ہیں

خلاصہ تفسیر

رحمن (کی بے شمار نعمتیں ہیں ان میں سے ایک روحانی نعمت یہ ہے کہ اسی) نے (اپنے بندوں کو احکام) قرآن کی تعلیم دی (یعنی قرآن نازل کیا کہ اس کے بندے اس کے اوپر ایمان لائیں، اور اس کا علم حاصل کر کے اس پر عمل کریں تاکہ دائمی عیش و راحت کا حاصل ہو اور اس کی ایک نعمت جسمانی ہے وہ یہ کہ) اسی نے انسان کو پیدا کیا (پھر) اس کو گویائی سکھلائی (جس پر ہزاروں منافع مرتب ہوتے ہیں، منجملہ ان کے قرآن کا دوسرے کی زبان سے پہونچنا اور دوسروں کو پہونچانا ہے، اور ایک نعمت جسمانی آفاقی یہ ہے کہ اس کے حکم سے) سورج اور چاند حساب کے ساتھ (چلتے) ہیں، اور بے تنہ کے درخت اور تنہ دار درخت دونوں (اللہ کے) مطیع ہیں (سورج چاند کا چلنا تو اس لئے نعمت ہے کہ اس پر لیل و نہار سردی گرمی، ماہ و سال کا حساب مرتب ہوتا ہے اور ان کے منافع ظاہر ہیں اور درختوں کا سجدہ اس لئے نعمت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان میں انسان کے لئے بیشمار منافع کی تخلیق فرمائی ہے) اور (ایک نعمت یہ ہے کہ) اسی نے آسمان کو اونچا کیا (جس سے علاوہ دوسرے منافع متعلقہ بالسماء کے بڑی منفعت یہ ہے کہ اس کو دیکھ کر انسان اس کے بنانے والے کی عظمت شان پر استدلال کرے، کما قال تعالیٰ یَتَفَكَّرُونَ فی خَلْقِ السَّمَوَاتِ الخ) اور (ایک نعمت یہ ہے کہ) اسی نے (دنیا میں) ترازو رکھ دی تاکہ تم تولنے میں کمی بیشی نہ کرو اور (جب یہ ایسی بڑی منفعت کے لئے موضوع ہے کہ یہ آلہ ہے حقوق کے لین دین کو پورا کرنے کا، جس سے ہزاروں مفاسد ظاہری و باطنی دور ہو جاتے ہیں، تو تم اس نعمت کا خصوصیت کے ساتھ شکر کرو، اور اس شکر یہ میں سے یہ بھی ہے کہ) انصاف (اور حق رسانی) کے ساتھ وزن کو ٹھیک رکھو اور تول کو گھٹاؤ مت اور (ایک نعمت یہ ہے کہ) اسی نے خلقت کے (فائدہ کے) واسطے زمین کو (اس کی جگہ) رکھ دیا کہ اس میں میوے ہیں اور کھجور کے درخت ہیں جن (کے پھل) پر غلات (چڑھا) ہوتا ہے اور (اس میں) غلہ ہے جس میں بھوسہ (بھی) ہوتا ہے اور (اس میں) اور غذا کی چیز (بھی) ہے (جیسے بہت سی ترکاریاں وغیرہ) سولے جن و انس (باوجود نعمتوں کی اس کثرت و عظمت کے) تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے (یعنی منکر ہونا بڑی ہٹ دھرمی اور بد ہیبت بلکہ محسوسات کا انکار ہے، اور ایک نعمت یہ ہے کہ) اسی نے انسان کی اصل اول یعنی آدم علیہ السلام کو ایسی مٹی سے جو ٹھیکرے کی طرح (کھن کھن) بجتی تھی پیدا کیا (جس کا اجمالاً چند آیت میں اوپر ذکر آیا ہے) اور جنات (کی اصل اول) کو خالص آگ سے (جس میں دھواں نہ تھا) پیدا کیا، (اور پھر دونوں نوع میں تو اللہ و تناسل کے ذریعہ سے نسل چلی، شرح اس کی سورۃ حجر کے رکوع دوم میں آچھی ہے)

سوئے جن وانس (باوجود نعمتوں کی اس کثرت و عظمت کے) تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے (مراد اس کی اوپر گزری ہے اور وہ دونوں مشرق اور دونوں مغرب کا مالک (حقیقی) ہے (مراد اس کی سورج اور چاند کے طلوع و غروب کا افق ہے اس میں بھی وجہ نعمت ظاہر ہے کہ لیل و نہار کے افتتاح و اختتام کے ساتھ بہت سے اغراض متعلق ہیں) سوئے جن وانس (باوجود نعمتوں کی اس کثرت و عظمت کے) تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے (اور ایک نعمت یہ ہے کہ اسی نے دو دریاؤں کو (صورۃ) ملایا کہ (ظاہر میں) باہم ملے ہوئے ہیں (اور حقیقتہً) ان دونوں کے درمیان میں ایک حجاب (قدرتی) ہے کہ (اس کی وجہ سے) دونوں (اپنے اپنے موقع سے) بڑھ نہیں سکے (جس کی شرح سورۃ فرقان کے ختم سے ڈیڑھ رکوع قبل گزری ہے اور آب شور و آب شیریں کے منافع بھی ظاہر ہیں اور دونوں کے ملنے میں نعمت استدلال بھی ہے) سوئے جن وانس (باوجود اس کثرت و عظمتِ نعم کے) تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے (اور بحرین کے متعلق ایک یہ نعمت ہے کہ) ان دونوں سے موتی اور مونگا برآمد ہوتا ہے (موتی ہونگے کے منافع اور وجہ نعمت ہونا ظاہر ہے) سوئے جن وانس (باوجود نعمتوں کی اس کثرت و عظمت کے) تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے (اور ایک نعمت یہ ہے کہ) اسی کے (اختیار اور ملک میں) ہیں جہاز جو سمندر میں پہاڑوں کی طرح اُدبے کھڑے (نظر آتے) ہیں (ان کی منفعت بھی ظاہر بلکہ اظہر ہے) سوئے جن وانس (باوجود نعمتوں کی اس کثرت و عظمت کے) تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے

معارف و مسائل

سورۃ رحمن کے کئی یادنی ہونے میں اختلاف ہے، امام قرطبی نے چند روایات حدیث کی وجہ سے کئی ہونے کو ترجیح دی ہے، ترمذی میں حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ لوگوں کے سامنے سورۃ رحمن پوری تلاوت فرمائی، یہ لوگ سکر خاموش رہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے لیلۃ الجحیم میں جنات کے سامنے یہ سورت تلاوت کی تو اثر قبول کرنے کے اعتبار سے وہ تم سے بہتر رہی، کیونکہ جب میں قرآن کے اس جملے پر پہنچتا تھا (فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبِينَ) تو جنات سب کے سب بول اٹھتے تھے (لَا يَسْمَعُونَ نَعِيمًا وَبَيْنَا نَكِدٌ بَفَلَاحِ الْحَمْدِ) ”یعنی اے ہمارے پروردگار! ہم آپ کی کسی بھی نعمت کی تکذیب و ناشکری نہ کریں گے، آپ ہی کے لئے حمد ہے“ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ یہ سورت کئی ہی، کیونکہ لیلۃ الجحیم وہ رات جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جنات کو تبلیغ و تعلیم فرمائی مکہ مکرمہ میں ہوئی ہے۔

اسی طرح کی اور بھی چند روایات قرطبی نے نقل کی ہیں جن سے اس سورت کا منکح ہونا معلوم ہوتا ہے اس سورت کو لفظ رحمن سے شروع کیا گیا اس میں ایک مصلحت یہ بھی ہے کہ کفار مکہ اللہ تعالیٰ کے

ناموں میں سے رحمن سے واقف نہ تھے، اسی لئے کہتے تھے **وَمَا أَرْحَمُنَ** کہ رحمن کیا چیز ہے، ان لوگوں کو واقف کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے یہاں رحمن کا انتخاب کیا گیا۔

دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ آگے جو کام رحمن کا ذکر کیا گیا ہے، یعنی تعلیم قرآن، اس میں یہ بھی بتلادیا گیا کہ اس تعلیم قرآن کا مقصد بھی اور سبب داعی صرف اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے، ورنہ اس کے ذمہ کوئی کام واجب ضروری نہیں جس کا اس سے سوال کیا جاسکے، اور نہ وہ کسی کا محتاج ہے۔

آگے پوری سورت میں حق تعالیٰ کی دنیوی اور دینی نعمتوں کا ذکر مسلسل ہوا ہے، **عَلَّمَ الْقُرْآنَ** میں اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں جو سب سے بڑی نعمت ہے اس کے ذکر سے ابتداء کی گئی، اور سب سے بڑی نعمت قرآن ہے کیونکہ قرآن کریم انسان کے معاش اور معاد، دین اور دنیا دونوں کی خیرات و برکات کا جامع ہے، جنہوں نے قرآن کو لیا اور اس کا حق ادا کیا، جیسے صحابہ کرام حق تعالیٰ نے ان کو آخرت کے درجات اور نعمتوں سے تو سرفراز فرمایا ہی ہے دنیا میں بھی وہ درجہ اور مقام عطا فرمایا جو بڑے بڑے بادشاہوں کو بھی حاصل نہیں۔

قاعدے کے مطابق لفظ **عَلَّمَ** کے دو مفعول ہوتے ہیں، ایک وہ علم جو سکھایا جائے، دوسرے وہ شخص جس کو سکھایا جائے، یہاں آیت میں وہ چیز تو بتلادی گئی جو سکھائی گئی ہے، یعنی قرآن، دوسرا مفعول یعنی قرآن جس کو سکھایا گیا اس کا ذکر نہیں کیا، بعض حضرات مفسرین نے فرمایا کہ بلا واسطہ حق تعالیٰ نے جن کو تعلیم دی، یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہی مراد ہیں پھر آپ کے واسطے سے ساری مخلوقات اس میں داخل ہے، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ تنزیل قرآن کا مقصد ساری ہی خلق خدا کو راہ ہدایت دکھانا اور سب ہی کو اخلاق و اعمال صالحہ کا سکھانا ہے، اس لئے کسی خاص مفعول کی تخصیص نہیں کی گئی، دوسرا مفعول ذکر نہ کرنے سے اشارہ اسی عموم کی طرف ہے۔

خَلَقَ الْإِنْسَانَ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ، انسان کی تخلیق خود حق تعالیٰ کی ایک بڑی نعمت ہے، اور ترتیب طبع کے اعتبار سے وہی سب سے مقدم ہے، یہاں تک کہ تعلیم قرآن جس کو پہلے ذکر کیا گیا ہے وہ بھی ظاہر ہے کہ تخلیق کے بعد ہی ہو سکتی ہے، مگر قرآن حکیم نے نعمت تعلیم قرآن کو مقدم اور تخلیق انسان کو مؤخر کر کے اس طرف اشارہ کر دیا کہ تخلیق انسان کا اصل مقصد ہی تعلیم قرآن اور اس کے بتائے ہوئے راستہ پر چلنا ہے، جیسا کہ دوسری آیت میں ارشاد ہے، **وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ** یعنی میں نے جن و انس کو صرف اسی کو پیدا کیا ہے کہ وہ میری عبادت کیا کریں، اور ظاہر ہے کہ عبادت بغیر تعلیم اکہی کے نہیں ہو سکتی، اسی کا ذریعہ قرآن ہے، اس لئے اس حیثیت میں تعلیم قرآن تخلیق انسان سے مقدم ہو گئی۔

تخلیق انسان کے بعد جو نعمتیں انسان کو عطا ہوئیں وہ بے شمار ہیں، ان میں خاص طور پر تعلیم بیان کو یہاں ذکر فرمانے کی حکمت یہ معلوم ہوتی ہے کہ جن نعمتوں کا تعلق انسان کے نشوونما اور وجود و بقا سے ہے

مثلاً کھانا پینا، سردی گرمی سے بچنے کے سامان، رہنے بسنے کا انتظام وغیرہ ان نعمتوں میں تو ہر جان دار انسان و حیوان شریک ہے، وہ نعمتیں جو انسان کے ساتھ مخصوص ہیں ان میں سے پہلے تو تعلیم قرآن کا ذکر فرمایا اس کے بعد تعلیم بیان کا کیونکہ تعلیم قرآن کا افادہ و استفادہ بیان پر موقوف ہے۔

اور بیان میں زبانی بیان بھی داخل ہے، تحریر و خط اور افہام و تفہیم کے جتنے ذرائع حق تعالیٰ نے پیدا فرمائے ہیں وہ بیان کے مفہوم میں شامل ہیں، اور پھر مختلف خطوں، مختلف قوموں کی مختلف زبانیں اور ان کے محاورات سب اسی تعلیم بیان کے اجزاء ہیں جو علم اَوَّلِ الْأَسْمَاءِ کُھانا کی علی تفسیر ہے، فَتَبَرَّكَ اللَّهُ أَحْسَنُ الْخَالِقِينَ۔ الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ يُحْسِبَانِ، انسان کے لئے حق تعالیٰ نے جو نعمتیں زمین و آسمان میں پیدا فرمائی ہیں اس آیت میں علویات میں سے شمس و قمر کا ذکر خصوصیت سے شاید اس لئے کیا ہے کہ عالم دنیا کا سارا نظارہ ان دونوں سیاروں کی حرکات اور ان کی شعاعوں سے وابستہ ہے، اور لفظ حُسْبَانِ بمعنی الحار بعض حضرات نے فرمایا کہ حساب کے معنی میں مصدر ہے، جیسے غفران، سبحان، فسران، اور بعض نے فرمایا کہ حساب کی جمع ہے، اور مراد آیت کی یہ ہے کہ شمس و قمر کی حرکات جن پر انسانی زندگی کے تمام کاروبار موقوف ہیں، رات دن کا اختلاف، موسموں کی تبدیلی، سال اور مہینوں کی تعیین، ان کی تمام حرکات اور دروروں کا نظام محکم ایک خاص حساب اور اندازے کے مطابق چل رہا ہے، اور اگر حُسْبَانِ کو حساب کی جمع قرار دیا جائے تو معنی یہ ہوں گے کہ ان میں سے ہر ایک کے دورہ کا آگے آگے حساب ہے، مختلف قسم کے حسابوں پر یہ نظام شمسی اور قمری چل رہا ہے، اور حساب بھی ایسا محکم و مضبوط کہ لاکھوں سال سے اس میں ایک منٹ، ایک سیکنڈ کا فرق نہیں آیا۔

یہ زمانہ سنس کی معراج کا زمانہ کہا جاتا ہے اور اس کی حیرت انگیز نئی نئی ایجادوں نے عقلا کو حیران کر رکھا ہے، لیکن انسانی مصنوعات اور ربانی تخلیقات کا کھلا ہوا فرق ہر دیکھنے والا دیکھتا ہے کہ انسانی مصنوعات میں بگاڑ اور سنو اور کاسلسلہ ایک لازمی امر ہے، مشین کوئی کتنی ہی مضبوط و مستحکم ہو کچھ عرصہ کے بعد اس کو مرمت کی اور کم از کم گریس وغیرہ کی ضرورت ہوتی ہے، اور اس وقت تک کے لئے وہ مشین معطل رہتی ہے، حق تعالیٰ کی جاری کی ہوئی یہ عظیم الشان مخلوقات نہ کبھی مرمت کی محتاج ہے نہ کبھی ان کی رقتا میں کوئی فرق آتا ہے۔

وَالنَّجْمُ وَالشَّجَرُ يَسْجُدَانِ، نجم اس درخت کو کہا جاتا ہے جس کی بیل پھیلتی ہے تنہا نہیں ہوتا، اور شجر تنہا درخت کو کہتے ہیں، یعنی ہر قسم کے درخت خواہ بیل ولے ہوں یا تنے اور شاخوں والے سب کے سب اللہ تعالیٰ کے سامنے سجدہ کرتے ہیں، سجدہ کرنا چونکہ انتہائی تعظیم اور اطاعت کی علامت ہے، اس سے مراد یہاں یہ ہے کہ ہر ایک درخت، پودے اور بیل اور اس کے پتوں اور پھولوں اور پھولوں کو حق تعالیٰ نے جن خاص خاص کاموں اور انسان کے فوائد کے لئے بنایا ہے، اور گویا ہر ایک کی ایک ڈیوٹی مقرر کر دی ہے، کہ وہ فلاں کام کیا کرے، ان میں سے ہر ایک اپنی اپنی ڈیوٹی پر لگا ہوا ہے اور حکم ربانی کے تابع، اس میں رکھے

ہوتے فوائد اور خواص سے لوگوں کو فائدہ پہنچاتا ہے، اسی نکوئی اور چری اطاعت حق کو اس آیت میں سجدہ سے تعبیر کیا گیا ہے (روح، منہری)

وَالسَّمَاءَ رَفَعَهَا وَوَضَعَ الْمِيزَانَ، رفع اور وضع دو متقابل لفظ ہیں، رفع کے معنی اونچا اور بلند کرنے کے ہیں، اور وضع کے معنی نیچے رکھنے اور پست کرنے کے آتے ہیں، اس آیت میں اول آسمان کو بلند کرنے اور رفعت دینے کا ذکر ہے، جس میں ظاہری بلندی بھی داخل ہے، اور معنوی یعنی درجہ اور رتبہ کی بلندی بھی کہ آسمان کا درجہ زمین کی نسبت بالا و برتر ہے، آسمان کا مقابل زمین بھی جاتی ہے، اور پورے قرآن میں اسی تقابل کیساتھ آسمان زمین کا ذکر کیا گیا ہے اس آیت میں رفع سماء کا ذکر کر کے بعد وضع میزان کا ذکر کیا گیا ہے جو آسمان کے تقابل میں نہیں آتا، غور کر نیسے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں بھی درحقیقت آسمان کے تقابل میں زمین کو لایا گیا ہے جیسا کہ تین آیتوں کے بعد (وَالْأَرْضَ وَضَعَهَا لِلْأَنَامِ) آیا ہے، تو دراصل تقابل رفع سماء اور وضع ارض ہی کا ہے، مگر ان دونوں کے درمیان ایک تیسری چیز یعنی وضع میزان کا ذکر کسی خاص حکمت سے کیا گیا ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حکمت اس میں یہ ہے کہ وضع میزان اور پھر اس کے بعد میزان کے صحیح استعمال کا حکم جو بعد کی تین آیتوں میں آیا ہے اُن سب کا خلاصہ عدل و انصاف کا قائم کرنا ہے، اور کسی کی حق تلفی اور ظلم و جور سے بچانا ہے، یہاں رفع سماء اور وضع ارض کے درمیان آیات میزان کے ذکر میں اس طرٹ اشارہ پایا جاتا ہے کہ آسمان و زمین کی تخلیق کی اصلی غایت و مقصد بھی عالم میں عدل و انصاف کا قیام ہے، اور زمین میں امن و امان بھی عدل و انصاف ہی کے ساتھ قائم وہ سکتا ہے، ورنہ فساد ہی فساد ہوگا، واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم،

لفظ میزان کی تفسیر اس آیت میں حضرت قتادہ، مجاہد، سدی وغیرہ نے عدل سے کی ہے، کیونکہ میزان کا اصل مقصد عدل ہی ہے، اور بعض حضرات مفسرین نے یہاں میزان کو اپنے معرود معنی میں لیا ہے اور حاصل اس کا بھی وہی ہے کہ حقوق میں عدل و انصاف سے کام لیا جائے، اور میزان کے معنی میں ہر آلہ داخل ہے جس سے کسی چیز کی مقدار معین کی جائے، خواہ وہ دوپٹے والی ترازو ہو یا کوئی جدید آلہ پیمائش۔
أَلَّا تَطْغَوْا فِي الْمِيزَانِ، پہلی آیت میں جو میزان پیدا کرنے کا ذکر تھا اس جملے میں اس کے مقصد کو واضح کیا گیا ہے، تَطْغَوْا، طغیان سے مشتق ہے، جس کے معنی بے انصافی اور ظلم کے ہیں، مراد یہ ہے کہ میزان کو اللہ تعالیٰ نے اس لئے بنایا کہ تم دزن میں کمی بیشی کر کے ظلم و جور میں مبتلا نہ ہو جاؤ۔
وَأَقِيمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ، قسط کے لفظی معنی انصاف کے ہیں، مراد ظاہر ہے کہ وزن کو ٹھیک ٹھیک قائم کر د انصاف کے ساتھ۔

وَلَا تَخْسِرُوا الْمِيزَانَ، خسر کے معنی وزن میں کمی کرنے کے ہیں، جو بات پہلے جملے أَقِيمُوا الْوَزْنَ میں مثبت انداز سے بیان کی گئی ہے، یہ اُسی کا منفی پہلو ہے کہ وزن میں کم تولنا حرام ہے۔
وَالْأَرْضَ وَضَعَهَا لِلْأَنَامِ، آقام بالفتح برد وزن سحاب، ہر جاندار کو کہا جاتا ہے جو زمین

پر رہتا چلتا ہے، (قاموس) بیضاوی نے ہر ذی روح اس کا ترجمہ کیا ہے، اور ظاہر یہ ہے کہ اس آیت میں انام سے مراد انسان اور جنات ہیں، کیونکہ کل ذی روح ارواح میں سے یہی دونوں احکام شرعیہ کے مکلف اور مامور ہیں، اور اس سورت میں بار بار اپنی دونوں کو خطاب بھی کیا گیا ہے، جیسا کہ فَبَآئِي ۱ لَا يَرْجِعْكُمْ إِلَىٰ رَبِّكُمْ اَنْتُمْ تَعْلَمُونَ میں یہی دونوں جن و انس مخاطب ہیں۔

فَبَآئِي ۱ كَيْفَ ۲، فَاَكْبَرُ ۳ ہر ایسے میوے اور پھل کو کہا جاتا ہے جو عادتاً غذا کے بعد تفریحاً کھایا جاتا ہے۔
وَالنَّخْلُ ۴ ذَاتُ الْاَنۡثَا ۵ حَمَامٌ ۶، انعام، کم بالکسر کی جمع ہے جس کے معنی اس غلاف کے ہیں جو کھجور وغیرہ کے پھلوں پر ابتداء میں چڑھا ہوتا ہے۔

وَالْحَبُّ ۷ ذُو الْعَصْفِ ۸، لفظ حب بفتح حاء و تشدید باء، دانے یعنی غلے کو کہا جاتا ہے، جیسے گندم، چنا، چاول، ماش، مسور وغیرہ اور عَصْفُ اُن بھوسے کو کہتے ہیں جس کے اندر پیک کیا ہوا دانہ بقدرت خداوندی و حکمت بالذہ پیدا کیا جاتا ہے، عصفت یعنی بھوسے کے غلاف میں پیک ہو کر خراب ہواؤں اور مٹی پھر وغیرہ سے پاک و صاف رہتا ہے، دانے کی پیدائش کے ساتھ ذُو الْعَصْفِ کا لفظ بڑھ کر غافل انسان کو اس طرف بھی متوجہ کیا گیا ہے کہ یہ ردی دال وغیرہ جو وہ دن میں کئی کئی مرتبہ کھاتا ہے اس کا ایک ایک دانہ مالک و خالق نے کیسی کیسی صنعت عجیبہ کے ساتھ مٹی اور پانی سے پیدا کیا، اور پھر کس طرح اس کو حشرات الارض سے محفوظ رکھنے کے لئے ایک ایک دانہ پر غلاف چڑھایا، جب وہ تمھارا لقمہ تر بنا، اس کے ساتھ شاید عَصْفِ کو ذکر کرنے سے ایک دوسری نعمت کی طرف بھی اشارہ ہو کہ یہ عصفت (بھوسہ) تمھارے مویشی کی غذا بنتا ہے، جن کا تم دودھ پیتے ہو، اور سوادی و باربرداری کی خدمت اُن سے لیتے ہو۔

وَالرَّيْحَانُ ۹، ریحان کے مشہور معنی خوشبو کے ہیں، اور ابن زید نے یہی معنی آیت میں مراد لئے ہیں کہ اس نے زمین سے پیدا ہونے والے درختوں سے طرح طرح کی خوشبوئیں اور خوشبودار پھول پیدا فرمائے، اور کبھی لفظ ریحان بمعنی مغز اور رزق بھی استعمال کیا جاتا ہے، خُورَجْتُ اَطْلُبُ رَيْحَانَ اللّٰهِ، ”یعنی میں نکلا اللہ کا رزق تلاش کرنے کے لئے“ حضرت ابن عباسؓ نے اس آیت میں ریحان کی تفسیر رزق ہی سے کی ہے۔

فَبَآئِي ۱ اَلَا يَرْجِعْكُمْ اَنَّكُمۡ بِنۡ ۲، لفظ آلا جمع ہے نعمتوں کے معنی میں، اور مخاطب اس کا انسان اور جن ہیں، جس کا قرینہ سورۃ رحمن کی متعدد آیتوں میں جنات کا ذکر ہے۔

خَلَقَ الْاِنۡسَانَ مِنْ صَلۡصَالٍ ۳ كَالْفَخَّارِ ۴، انسان سے مراد اس جگہ باتفاق آدم علیہ السلام ہیں، جن کی تخلیق مٹی سے کی گئی ہے، صَلۡصَالٌ پانی میں ملی ہوئی مٹی جبکہ وہ خشک ہو جائے، اور فخار وہ پانی میں ملائی ہوئی مٹی جس کو آگ پر پکا لیا جائے۔

وَخَلَقَ الْجَانَّ ۵ مِنْ مَّارِجٍ ۶ مِّنۡ نَّارٍ ۷، جان، بتشديد نون، جنس جنات کو کہا جاتا ہے، اور مارج آگ سے اُٹھنے والا شعلہ ہے، جنات کی تخلیق کا بڑا عنصر آگ کا شعلہ ہے، جیسا کہ انسان کی تخلیق میں بڑا جز مٹی ہے۔

دَبَّ الْمَسِيرَ قَيْنِ وَدَبَّ الْمَغْرِبَيْنِ، سردی اور گرمی میں آفتاب کا مطلع بدلتا ہے، اس لئے سردی کے زمانے میں مشرق یعنی آفتاب کے نکلنے کی جگہ اور ہوتی ہے اور گرمی کے زمانے میں دوسری، اپنی دونوں جگہ کو آیت میں مشرقین سے تعبیر فرمایا ہے، اسی طرح اس کے بالمقابل مغربین فرمایا، کہ سردی میں غروب آفتاب کی جگہ اور ہوتی ہے اور گرمی میں دوسری۔

مَرْجَ الْمُبْحَرَيْنِ، مرج کے لغوی معنی آزاد رہنے کے ہیں، اور بحریں سے دو دریا... شیریں اور نمکین مراد ہیں، زمین پر حق تعالیٰ نے دونوں قسم کے دریا پیدا فرمائے ہیں، اور بعض جگہ یہ دونوں مل جاتے ہیں، جس کی نظر آمد دنیا کے ہر خطے میں پائی جاتی ہیں، مگر جہاں دو دریا شیریں اور نمکین مل کر بہتے ہیں وہاں کافی دور تک دونوں کا پانی الگ الگ ممتاز رہتا ہے، ایک طرف میٹھا دوسری طرف کھارا، اور بعض جگہ یہ صورت اور نیچے بھی ہوتی ہے، جہاں دریائے شور کسی شیریں دریا کے اوپر چڑھ آتا ہے وہاں بھی نیچے کا پانی اپنی جگہ شیریں ہوتا ہے، اور اوپر کا نمکین اور کھاری، پانی باوجود رقیق اور لطیف ہونے کے ایک مہرے تک ایک دوسرے میں خلط ملط نہیں ہوتا، الگ الگ اپنے ذائقہ کے ساتھ چلتا ہے اسی قدر حق تعالیٰ کے بیاں کے لئے فرمایا مَرْجَ الْمُبْحَرَيْنِ يَلْتَقِيَانِ بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَا يَبْغِيَانِ، یعنی دونوں دریا ملتے ہیں، مگر ان کے درمیان قدرت خداوندی کا ایک پردہ حائل رہتا ہے جو دور تک آپس میں ان کو ملنے نہیں دیتا،

يَخْرُجُ مِنْهُمَا الْكُوْلُ وَالْمُرْجَانُ، کوئلے کے معنی موتی اور مرجان کے معنی موتیگا، یہ بھی قیمتی جواہرات سے ہے، اس میں درخت کے مشابہ شاخیں ہوتی ہیں، یہ دونوں چیزیں دریا سے نکلتی ہیں مگر معدودت یہ ہو کہ موتی اور جواہرت دریائے شور سے نکلتے ہیں، شیریں دریا سے نہیں، اس آیت میں دونوں سے نکلنا بیان فرمایا ہے، اس کی توجیہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ موتی دونوں ہی دریاؤں میں پیدا ہوتے مگر شیریں دریا سب جاری ہوتے ہیں ان سے موتی کا نکالنا آسان نہیں، شیریں دریا سب جا کر دریائے شور میں گر جاتے ہیں، وہیں سے موتی نکالے جاتے ہیں، اس لئے موتیوں کا منبع دریائے شور کو کہا جاتا ہے، ذَلَّةُ الْجَوَارِ الْمُشْجَتِ فِي الْمُبْحَرِ كَالْأَعْلَامِ، جوار یہ کی جمع ہے، اس کے ایک معنی کشتی کے بھی آتے ہیں وہی یہاں مراد ہیں، مُشْجَتٌ، نثار سے مشتق ہے جس کے معنی ابھرنے اور بلند ہونے کے ہیں، مراد کشتیوں کے بادبان ہیں جو جھنڈوں کی طرح اونچے اور بلند بنائے جاتے ہیں، اس میں کشتی کی صنعت اور اس کے پانی کے اوپر چلنے کی حکمت کا بیان ہے۔

كُلٌّ مِّنْ عِلْمِهَا فَإِنَّ (۳۶) وَيَبْقَى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْعَلَلِ وَالْإِكْرَامِ (۳۷)

جو کئی چیز زمین پر فنا ہوئی الا یہ، اور باقی رہے گا منہ تیرے رب کا بزرگی اور عظمت والا،

فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبِينَ ﴿۲۸﴾ يَسْأَلُهُ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ كُلُّ

پھر کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی جھٹلاؤ گے ، اس سے مانگتے ہیں جو کوئی ہیں آسمانوں میں اور زمین میں ہر

يَوْمٍ هُوَ فِي شَأْنٍ ﴿۲۹﴾ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبِينَ ﴿۳۰﴾ سَنَفْرُغُ لَكُمْ آيَةً

روز اس کو ایک دھندلاہے ، پھر کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی جھٹلاؤ گے ، ہم جلد قانع ہونے والے ہیں تمہاری

الْقُلُوبِ ﴿۳۱﴾ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبِينَ ﴿۳۲﴾ يَمْشِعُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِنْ

طرت لے دو بھاری قافلو ، پھر کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی جھٹلاؤ گے ، اے گروہ جنوں کے اور انسانوں کے اگر

اسْتَطَعْتُمْ أَنْ تَنْفُذُوا مِنْ أَقْطَارِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ فَانْفُذُوا

تم سے ہو سکے کہ نکل بھاگو آسمانوں اور زمین کے کناروں سے تو نکل بھاگو ،

لَا تَنْفُذُونَ إِلَّا بِسُلْطٰنٍ ﴿۳۳﴾ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبِينَ ﴿۳۴﴾ يُرْسَلُ

نہیں نکل سکتے کے بدون سند کے ، پھر کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی جھٹلاؤ گے ، چھوڑے جائیں

عَلَيْكُمْ شَوَاطِئُ مِنْ نَارِهِ وَنَحَاسٌ فَلَا تَنْتَصِرِينَ ﴿۳۵﴾ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا

تم پر شعلے آگ کے صاف اور دھواں ملے ہوئے پھر تم بدلہ نہیں لے سکتے ، پھر کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی

تُكَذِّبِينَ ﴿۳۶﴾ فَإِذَا انشَقَّتِ السَّمَاءُ فَكَانَتْ وَرْدَةً كَالدِّهَانِ ﴿۳۷﴾ فَبِأَيِّ

جھٹلاؤ گے ، پھر جب پھٹ جائے آسمان تو ہو جائے گلابی جیسے نرمی ، پھر کیا کیا

الْآلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبِينَ ﴿۳۸﴾ فَيَوْمَئِذٍ لَا يُسْأَلُ عَنْ ذُنُوبِهِ إِنْسٌ وَلَا جَانٌ ﴿۳۹﴾

نعمتیں اپنے رب کی جھٹلاؤ گے ، پھر اس دن پوچھ نہیں اس کے گناہ کی کسی آدمی سے اور نہ جن سے ،

فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبِينَ ﴿۴۰﴾ يَعْرِفُ الْمُجْرِمُونَ بِسِيمَاهُمْ فَيُؤْخَذُونَ

پھر کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی جھٹلاؤ گے ، پہچانے پڑیں گے گنہگار اپنے چہرے سے پھر پکڑا جائے گا

بِالنَّوَاصِي وَالْأَقْدَامِ ﴿۴۱﴾ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبِينَ ﴿۴۲﴾ هَذِهِ جَهَنَّمُ الَّتِي

پیشانی کے بال سے اور پاؤں سے ، پھر کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی جھٹلاؤ گے ، یہ دوزخ ہے جس کو جھوٹ

يُكَذِّبُ بِهَا الْمُجْرِمُونَ ﴿۴۳﴾ يَطُوفُونَ بَيْنَهَا وَبَيْنَ حَمِيمٍ إِنْ فَبِأَيِّ

بتاتے تھے گنہگار ، پھر اس کے بیچ اس کے اور گھولتے پانی کے ، پھر کیا کیا

الْاٰءِ رَبِّكَ مَا تُكِنُّ زُبْنِ ﴿۴۵﴾

نعمتیں اپنے رب کی جھٹلاؤ گے ،

خلاصہ تفسیر

جتنی نعمتیں تم لوگوں نے سنی ہیں تم کو توحید و طاعت سے اُن کا شکر ادا کرنا چاہیے، اور کفر و معصیت سے ناشکری نہ کرنا چاہیے، کیونکہ اس عالم کے فنا کے بعد ایک دوسرا عالم آنے والا ہے، جہاں ایمان و کفر پر جزاء و سزا واقع ہوگی، جس کا بیان آیات آئندہ کے ضمن میں ہے، پس ارشاد ہے کہ (جتنے (جن و انس) روئے زمین پر موجود ہیں سب فنا ہو جائیں گے، اور (صرف) آپ کے پروردگار کی ذات جو کہ عظمت (والی) اور (باوجود عظمت کے) احسان والی ہے باقی رہ جاوے گی (چونکہ مقصود تنبیہ کرنا تقلیل یعنی جن و انس کو ہے، اور وہ سب زمین پر ہیں، اس لئے فنا میں اہل ارض کا ذکر کیا گیا، اس تخصیص ذکر سے دوسری چیزوں کی فنا کی نفی لازم نہیں آتی، اور اس جگہ اللہ تعالیٰ کی دو صفتیں عظمت و احسان اس لئے ذکر کی گئیں کہ ایک صفت ذاتی دوسری اضافی ہے، حاصل اس کا یہ ہے کہ اکثر اہل عظمت دوسروں کے حال پر توجہ نہیں کیا کرتے، مگر حق تعالیٰ باوجود اس عظمت کے وہ اپنے بندوں پر رحمت و فضل فرماتے ہیں، اور چونکہ یہ فناء عالم اور اس کے بعد جزاء و سزا کی خبر دنیا انسان کو دولت ایمان بخشتا ہے، اس لئے یہ مجروح بھی ایک بڑی نعمت ہے، اس لئے فرمایا) سوائے جن و انس (باوجود اس کثرت و عظمت نعم کے) تم اپنے رب کی کون کونسی نعمتوں کی منکر ہو جاؤ گے (آگے ایک خاص طور پر اس کی عظمت و اکرام کے متعلق مضمون ہے یعنی وہ ایسا با عظمت ہے کہ) اسی سے (اپنی اپنی حاجتیں) سب آسمان و زمین والے مانگتے ہیں (زمین والوں کی حاجتیں تو ظاہر ہیں اور آسمان والے گو کھانے پینے کے محتاج نہ ہوں، لیکن رحمت و عنایت کے تو سب محتاج ہیں، آگے اللہ تعالیٰ کے فضل و احسان کو ایک دوسرے عنوان سے بیان کیا گیا ہے) وہ ہر وقت کسی نہ کسی کام میں رہتا ہے (یہ مطلب نہیں کہ صدر افعال اس کے لوازم ذات سے ہے، ورنہ قدیم ہونا حادث کا لازم آئے گا، بلکہ مطلب یہ ہے کہ جتنے تصرفات عالم میں واقع ہو رہے ہیں وہ اسی کے تصرفات ہیں، جن میں اس کے انعامات و احسانات بھی داخل ہیں، جیسے ایجاد و ابقاء جو رحمت عامہ ہے، اور اعطاء رزق و اولاد جو سب دنیوی رحمتیں ہیں، اور ہدایت و اعطاء علم و توفیق عمل جو دینی رحمتیں ہیں پس باوجود عظمت کے ایسا اکرام و احسان فرمانا یہ بھی ایک نعمت عظیمہ ہے) سوائے جن و انس (باوجود اس کثرت و عظمت نعم کے) تم اپنے رب کی کون کونسی نعمتوں کی منکر ہو جاؤ گے (یہ مضمون جلال و اکرام کا بقاء خالق کے متعلق فرما کر آگے پھر فناء خلق کے متعلق ارشاد ہے کہ تم لوگ یہ نہ سمجھنا کہ پھر وہ فنا ماستر رہے گی اور عذاب و ثواب نہ ہوگا، بلکہ ہم تم کو دوبارہ زندہ کریں گے اور جزاء و سزا دیں گے اسی کو اس طرح فرماتے ہیں کہ) اے جن و انس ہم عنقریب تمھارے (حساب و کتاب کے) لئے خالی ہوئے جاتے

ہیں (یعنی حساب و کتاب لینے والے ہیں، مجازاً و مبالغہً اس کو خالی ہونے سے تعبیر فرمادیا، اور مبالغہ اس طرح ہے کہ انسان جب سب کاموں سے خالی ہو کر کسی طرف متوجہ ہوتا ہے تو پوری توجہ سمجھی جاتی ہے، انسانی فہم کے مطابق یہ عنوان اختیار کیا گیا، ورنہ حق تعالیٰ کی اصل شان یہ ہے کہ اس کو ایک مشغولیت کئی دوسری مشغولیت سے مانع نہیں ہوتی، اور اس کی جس طرف جس وقت توجہ ہوتی ہے تام اور کامل ہی ہوتی ہو، وہاں ناقص توجہ کا احتمال ہی نہیں، اور مثل سابق آگے ارشاد ہے کہ یہ حساب کتاب کی خبر دینا بھی ایک نعمت عظمیٰ ہے) سوائے جن و انس (باوجود اس کثرت و عظمتِ نعم کے) تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے (آگے تاکید و قورع حساب کے لئے یہ بتلاتے ہیں کہ اس وقت یہ بھی احتمال نہیں کہ کوئی کہیں بچ کر نکل جائے چنانچہ ارشاد ہے کہ) اے گردہ جن اور انسانوں کے اگر تم کو یہ قدرت ہے کہ آسمان اور زمین کی حدود سے کہیں باہر نکل جاؤ تو (ہم بھی دیکھیں) نکلو (مگر) بدون زور کے نہیں نکل سکتے (اور زور ہے نہیں، پس نکلنے کا وقوع بھی ممکن نہیں اور یہی حالت بعینہ قیامت میں ہوگی بلکہ وہاں تو یہاں سے بھی زیادہ عجز ہوگا، غرض بھاگ نکلنے کا احتمال نہ رہا اور یہ بات بتلادینا بھی موجب ہدایت و نعمت عظمیٰ ہے) سوائے جن و انس (باوجود اس کثرت و عظمتِ نعم کے) تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے (آگے بوقتِ عذاب انسان کے عجز کا ذکر فرماتے ہیں، جیسا اور حساب کے وقت اس کے عاجز ہونے کا ذکر تھا، یعنی اے جن و انس کے مجرمو) تم دونوں پر (قیامت کے روز) آگ کا شعلہ اور دھواں چھوڑا جائے گا پھر تم (اس کو) ہٹانہ سکو گے (یہ شعلہ اور دھواں غالباً وہ ہے جس کا ذکر سورۃ والمرسلات میں ہے اِنْطَلَقُوا اِلٰی نَارٍ ثَلَاثِ شُعَبٍ اِلٰی قَوْلٍ اِنَّمَا تُرْمٰی بِشَرٍّ فَاَلْظَلُّ هُوَ دُخَانٌ وَالشُّرُّ هُوَ السَّوْاطُ، واللہ اعلم، اور اس کا بتلانا بھی توجہ ذریعہ ہدایت ہونے کے ایک نعمت عظمیٰ ہے) سوائے جن و انس (باوجود اس کثرت و عظمتِ نعم کے) تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے غرض (جب ہمارا حساب لینا اور تمہارا حساب و عقاب کے وقت عاجز ہونا معلوم ہو گیا تو اس سے قیامت کے روز حساب و عقاب کا وقوع ثابت ہو گیا، جس کا بیان یہ ہے کہ) جب (قیامت آوے گی جس میں) آسمان پھٹ جاوے گا اور ایسا سُرخ ہو جاوے گا جیسے سُرخ زری (یعنی چمڑا، شاید یہ رنگ اس لئے ہو کہ علامت غضب کی ہے، کہ غضب میں چہرہ سُرخ ہو جاتا ہے، اور یہ آسمان کا پھٹنا وہ ہے جو شروعِ پارہ دَقَالَ الَّذِیْنَ لَا یُزِجُوْنَ مِیْنِیْ اَیْہِیْ، فی قولہ تعالیٰ وَ یَوْمَ تَشَقَّقُ السَّمَاءُ اور یہ خبر دینا بھی نعمت ہے) سوائے جن و انس (باوجود اس کثرت و عظمتِ نعم کے) تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے (یہ تو حساب کا وقوع اور اس کا وقت بتلانا عیاں آگے کیفیتِ حساب و طریقِ فیصلہ ارشاد فرماتے ہیں جن روز یہ واقعات اور سالِ شواظ و نحاس و انشقاقِ سما و غیر وہوں گے، تو اس روز اللہ تعالیٰ کے معلوم کرنے کے لئے کسی انسان اور جن سے اس کے جرم کے متعلق نہ پوچھا جائے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے مین حساب اس غرض سے نہ ہوگا بلکہ خود ان کو معلوم کرنا اور بتلانے کے لئے سوال اور حساب ہوگا اور تعالیٰ فوراً ایک سنسنی جھین اور یہ خبر دینا بھی ایک نعمت ہے) سوائے جن و انس (باوجود اس کثرت و عظمتِ نعم کے) تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے (یہ تو حساب کی کیفیت ہوتی کہ بطور تحقیق نہ ہوگا بلکہ بطور توخی ہوگا، آگے یہ بتلاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو تو تعینِ جرائم و مجرمین کی معلوم ہے، اس لئے تحقیق کی ضرورت نہ ہوگی

لیکن فرشتوں کو مجرمین کی تعیین کیسے ہوگی، پس ارشاد فرماتے ہیں کہ مجرم لوگ اپنے حلیہ سے (کہ چہرہ کی سیاہی اور آنکھوں کا نیلگوں ہونا ہے، کقولہ تعالیٰ تَسْوَدُّ وُجُوہُکُمْ وَتُخْشِعُ اُجْرُہُمْ یَوْمَئِذٍ زُرْقًا) پہچانے جاویں گے سو (ان کے) سر کے بال اور پاؤں پھڑٹنے جاویں گے (اور ان کو گھسیٹ کر جہنم میں ڈال دیا جاوے گا، یعنی کسی کا سر کسی کی ٹانگ حسب اعمال یا کبھی سر کبھی ٹانگ بغرض اجتماع انواع عذاب و نکال اور یہ خبر دینا بھی ایک نعمت ہے) سو اے جن و انس (باوجود اس کثرت و عظمت نعم کے) تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے (آگے مزید عذاب بتلاتے ہیں) یہ ہے وہ جہنم جس کو مجرم لوگ (یعنی تم) جھٹلاتے تھے وہ لوگ دوزخ کے اور گرم کھولتے ہوئے پانی کے درمیان پھڑکاتے ہوں گے (یعنی کبھی آگ کا عذاب ہو گا کبھی کھولتے ہوئے پانی کا جس کی تحقیق سورۃ مؤمن رکوع ہشتم میں گزر چکی ہے اور یہ خبر دینا بھی نعمت ہے) سو اے جن و انس (باوجود اس کثرت و عظمت نعم کے) تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے۔

معارف و مسائل

کُلُّ مَنْ عَلَیْہَا فَانٍ وَمَبْعَثٌ رَّیْبُکَ ذُو الْجَلْدِ ذَا لَیْلٍ کَرَامٍ، عَلَیْہَا کی ضمیر ارض کی طرف راجع ہے، جس کا ذکر پہلے آچکا ہے (وَالْاَرْضُ وَ مَتَّعَهَا لَآئَامًا) اس کے علاوہ زمین اُن عام اشیاء میں سے ہے جس کی طرف ضمیر راجع کرنے کے لئے پہلے مرجع کا ذکر لازم نہیں ہے، معنی اس کے یہ ہوئے کہ جو جنات اور انسان زمین پر ہیں سب فنا ہونے والے ہیں، اس میں جن و انس کے ذکر کی تخصیص اس لئے کی گئی ہے کہ اس سورت میں مخاطب یہی دونوں ہیں، اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ آسمان اور آسمان والی مخلوقات فانی نہیں ہیں کیونکہ دوسری آیت میں حق تعالیٰ نے عام لفظوں میں پوری مخلوقات کا فانی ہونا بھی واضح فرما دیا ہے کُلُّ شَیْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْہَہُ۔

وَجْہُ رَبِّکَ، وَجْہ سے مراد جہور مفسرین کے نزدیک ذات حق سبحانہ و تعالیٰ ہے، اور رَبِّکَ میں ضمیر خطاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف راجع ہے، یہ حضرت سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کا خاص اعزاز و اکرام ہے کہ آپ کو خاص مقام مدح میں کہیں تو عَبَّ رُہ کا خطاب ہوا ہے، اور کہیں رب الارباب نے اپنی ذات کی نسبت حضور کی طرف کر کے رَبِّکَ سے خطاب فرمایا ہے۔

مشہور تفسیر کے مطابق معنی آیت کے یہ ہو گئے کہ زمین و آسمان میں جو کچھ ہو جن میں جن و انس بھی داخل ہیں سب کے سب فانی ہیں، باقی رہنے والی ایک ہی ذات حق جل و علا شانہ کی ہے۔

فانی ہونے سے مراد یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ سب چیزیں اس وقت بھی اپنی ذات میں فانی ہیں، ان میں دوام و بقا کی صلاحیت نہیں، اور یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ قیامت کے روز یہ سب چیزیں فنا ہو جائیں گی۔

اور بعض حضرات مفسرین نے وَجْہُ رَبِّکَ کی تفسیر جہت اور سمت سے کی ہے، اس صورت میں معنی آیت کے یہ ہو جائیں گے کہ کُلُّ موجودات میں بقاء صرف اس چیز کو ہے جو اللہ تعالیٰ کی جانب میں ہو، اس میں

اس کی ذات و صفات بھی داخل ہیں، اور مخلوقات کے اعمال و احوال میں جس چیز کا تعلق حق تعالیٰ کے ساتھ ہے وہ بھی شامل ہے، جس کا حاصل یہ ہوگا کہ انسان اور جن اور فرشتے جو کام اللہ کے لئے کرتے ہیں وہ کام بھی باقی ہر وہ فنا نہیں ہوگا، (کذا فی المنہری والہنطری والروح) اور اس مفہوم کی تائید قرآن مجید کی اس آیت سے بھی ہوتی ہے مَا عِنْدَ كُمْ يَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللَّهِ بَاقٍ یعنی جو کچھ تمہارے پاس ہے مال و دولت ہو یا قوت و طاقت یا راحت و کلفت یا کسی کی محبت و عداوت یہ سب چیزیں فنا ہو جوالی ہیں، اور جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ باقی رہے گا واللہ اعلم بالصواب انسان کے اعمال و احوال میں سے وہ چیز ہے جس کا تعلق حق تعالیٰ سے ہے کہ اس کو فنا نہیں واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ، یعنی وہ رب صاحب عظمت و جلال بھی ہے اور صاحب اکرام بھی، صاحب اکرام ہونے کا یہ مفہوم بھی ہو سکتا ہے کہ درحقیقت ہر اکرام و اعزاز کا مستحق تہنا وہی ہے، اور یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ وہ خود صاحب عظمت و جلال ہونے کے باوجود عام دنیا کے بادشاہوں اور عظمت والوں کی طرح نہیں کہ ان کو دوسروں کی اور عشریوں کی طرف التفات و توجہ نہ ہو، بلکہ وہ عظمت و جلال کے ساتھ اپنی مخلوقات کا بھی اکرام کرتا ہے، کہ ان کو عطا و جود کے بعد طرح طرح کی بے شمار نعمتوں سے نوازتا ہے، اور ان کی درخواستیں اور دعائیں سنتا ہے، اگلی آیت اسی دوسرے معنی کی شہادت دیتی ہے، اور یہ لفظ ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ حَقّاً کی اُن خاص صفات میں سے ہے کہ ان کو ذکر کر کے انسان جو دعا مانگتا ہے قبول ہوتی ہے، ترمذی، نسائی اور مسند احمد میں ربیعہ ابن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اَيُّهَا الْخَلَوُا بِسْمِ ذَا الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ، اَيُّهَا الْخَلَوُا، الفاظ سے مشتق ہے، جس کے معنی لازم پھرنے کے ہیں، مراد حدیث کی یہ ہے کہ اپنی دعاؤں میں یا ذَا الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ کو یاد رکھو اور اس کے ساتھ دعا کیا کرو کیونکہ وہ اقرب الی القبول ہے (منہری)

يَسْأَلُهُ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِي شَأْنٍ، یعنی زمین و آسمان کی ساری مخلوقات حق تعالیٰ کی محتاج ہیں، اور اسی سے اپنی حاجات مانگتی ہیں، زمین والے اپنے مناسب حاجات رزق اور صحت و عافیت اور آرام و راحت پھر آخرت کی مغفرت و رحمت اور جنت مانگتے ہیں، آسمان والے اگرچہ کھاتے پیتے نہیں، مگر اللہ تعالیٰ کی رحمت و عنایت کے ہر وقت محتاج ہیں، وہ بھی رحمت و مغفرت و غیرہ اپنی حاجات کے طلبگار رہتے ہیں، آگے کُلُّ يَوْمٍ اسی یَسْأَلُ کا ظر ہے، یعنی ان کے یہ سوالات اور درخواستیں حق تعالیٰ سے ہر روز رہتی ہیں اور یوم اور روز سے مراد بھی عینی دن نہیں، بلکہ مطلقاً وقت مراد ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ ساری مخلوقات مختلف خطوں، مختلف زبانوں میں اس سے اپنی اپنی حاجات ہر وقت مانگتی رہتی ہیں، اور یہ ظاہر ہے کہ پوری مخلوقات ارضی و سمائی اور ان کے ایک ایک فرد کی بے شمار حاجتیں اور وہ بھی ہر گھڑی ہر آن سوائے اس عظمت و جلال والے

قادر مطلق کے کون سن سکتا ہے اور کون ان کو پورا کر سکتا ہے، اسی لئے کُلّی یَوْم کے ساتھ یہ بھی فرمایا ہوئی شان یعنی ہر وقت ہر لحظہ حق تعالیٰ کی ایک خاص شان ہوتی ہے وہ کسی کو زندہ کرتا ہے، کسی کو موت دیتا ہے، کسی کو عزت دیتا ہے کسی کو ذلت دیتا ہے، کسی تندرست کو بیمار اور کسی بیمار کو تندرست کرتا ہے، کسی مصیبت زدہ کو مصیبت سے نجات دیتا ہے کسی غم زدہ رونے والے کو ہنسنا دیتا ہے، کسی سائل کو اس کی مانگی ہوئی چیز عطا کر دیتا ہے، کسی کا گناہ معاف کر کے جنت میں داخل ہونے کا سختی بنا دیتا ہے، کسی قوم کو بلند و صاحب اقتدار بنا دیتا ہے کسی قوم کو پست و ذلیل کر دیتا ہے، غرض ہر آن ہر لمحہ حق تعالیٰ جل شانہ کی ایک خاص شان ہوتی ہے۔

سَنَقَرُكُمْ كَقَمَحٍ آيَةُ الثَّقَلَيْنِ، ثَقْلَانِ، ثَقْلُ كَاتِبِينَ، جس کے معنی وزن اور بوجھ کے ہیں، ثَقْلَانِ دو بوجھ، مراد اس سے انسان اور جنات ہیں، لفظ ثَقْلُ عربی زبان میں ہر ایسی چیز کے لئے بولا جاتا ہے جس کا وزن اور قدر و قیمت معروف ہو، اسی لئے حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے، اِنِّیْ ثَقْلٌ فِیْكُمْ وَ الثَّقَلَيْنِ الخ یعنی میں اپنے بعد دو وزن دار قابل قدر چیزیں چھوڑتا ہوں جو تمھاری ہدایت و اصلاح کا کام دیتی رہیں گی، ان دونوں چیزوں کا بیان بعض روایات میں کتاب اللہ و عترتی آیا ہے، بعض میں کتاب اللہ و سنتی اور حاصل دونوں کا ایک ہی ہے، کیونکہ عشرت سے مراد اپنی اولاد ہے جس میں نسی اور روحانی دونوں قسم کی اولاد شامل ہے، اس لئے مراد سب صحابہ کرام ہوئے، اور معنی حدیث کے یہ ہوئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد دو چیزیں مسلمانوں کی ہدایت و اصلاح کا ذریعہ ہوں گی، ایک اللہ کی کتاب دوسرے آپ کے صحابہ کرام اور معاملات و احکام میں ان کا تعامل، اور جس روایت میں عترت کی جگہ سنت آیا ہے، اس کا حاصل یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات جو صحابہ کرام کے واسطے سے مسلمانوں کو پہنچی ہیں۔

بہر حال اس حدیث میں ثَقْلَيْنِ سے مراد دو وزن دار قابل قدر چیزیں ہیں، آیت مذکورہ میں جن و انس کی دونوں نوعوں کو ثَقْلَيْنِ اسی مفہوم کے اعتبار سے کہا گیا ہے کہ زمین پر رہنے والے سب ذی روح چیزوں میں جن و انس سب سے زیادہ وزن دار اور قابل قدر ہیں، اور سَنَقَرُكُمْ، فراغ سے مشتق ہے جس کے معنی کسی شغل سے فارغ اور خالی ہونے کے ہیں، فراغ کا مقابل لغت میں شغل ہے، اور لفظ فراغ دو چیزوں کی خبر دیتا ہے اول یہ کہ کسی شغل میں مشغول تھا، دوسرے یہ کہ اب اس شغل کو ختم کر کے فارغ ہو گیا، یہ دونوں باتیں مخلوقات میں تو معروف و مشہور ہیں، انسان بھی ایک شغل میں لگا ہوا ہوتا ہے پھر اس سے فارغ ہو جاتا ہے، مگر حق تعالیٰ جل شانہ ان دونوں سے بری ہیں، نہ اُن کو ایک شغل دوسرے شغل سے مانع ہوتا ہے نہ وہ کبھی اس طرح فارغ ہوتے ہیں جس طرح انسان فارغ ہوا کرتا ہے۔

اس لئے آیت مذکورہ میں سَنَقَرُكُمْ کا لفظ ایک تشبیہ و استعارہ کے طور پر لایا گیا ہے جو عام انسانوں میں رائج ہے کہ کسی کام کی اہمیت بتلانے کے لئے کہا جاتا ہے، کہ ہم اس کام کے لئے فارغ ہو گئے یعنی اب پوری توجہ اسی کام پر ہے، اور جو آدمی کسی کام پر اپنی پوری توجہ خرچ کرتا ہے اس کے لئے محاورہ میں

کہا جاتا ہے کہ اس کو تو اس کے سوا کوئی کام نہیں۔

اس سے پہلی آیت میں جو یہ مذکور تھا کہ آسمان و زمین کی ساری مخلوقات اور ان کا ایک ایک مشرود حق تعالیٰ سے اپنی حاجات مانگتا رہتا ہے، اور اللہ تعالیٰ ہر وقت ہر حال میں ان کی درخواست پورا کرنے کے لحاظ سے ایک خاص شان میں ہوتے ہیں، آیت سنفرغ نکم الخ میں یہ بتلایا گیا ہے کہ قیامت کے روز درخواستوں اور ان کے قبول اور ان پر عمل کا سب سلسلہ بند ہو جائے گا اُس وقت کام صرف ایک رہ جائیگا اور شیون مختلفہ میں سے صرف ایک شان ہوگی، یعنی حساب و کتاب اور عدل و انصاف کے ساتھ فیصلہ (روح)

يَمْعَشُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِنَّ اسْتَطَعْتُمْ أَنْ تَنْفُذُوا مِنْ أَقْطَارِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ فَانْفُذُوا لَا تَنْفُذُونَ إِلَّا بِسُلْطَانٍ، پچھلی آیت میں جن وانس کو بلفظ ثقلین مخاطب کر کے بتلایا گیا تھا کہ قیامت کے روز ایک ہی کام ہوگا کہ سب جن وانس کے اعمال کا جائزہ لیا جائے گا، اور اس کے ذرہ ذرہ پر حجز و سزا ہوگی، اس آیت میں یہ بتلانا منظور ہو کہ روز جزاء کی حاضری اور حساب اعمال سے کوئی شخص راہ فرار اختیار نہیں کر سکتا، کسی کی مجال نہیں جو موت سے یا روز قیامت کے حساب سے کہیں بھاگ کر بچ سکے، اس آیت میں ثقلین کے بجائے يَمْعَشُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ کے صریح نام ذکر فرمائے اور جن کو انس پر مقدم کیا، شاید اس میں اشارہ اس طرف ہو کہ آسمان و زمین کے اقطار سے پار نکل جانا بڑی قوت و قدرت چاہتا ہے، جنات کو حق تعالیٰ نے ایسے امور کی قوت انسان سے زیادہ بخشی ہے، اس لئے جن کے ذکر کو مقدم کیا گیا، مطلب آیت کا یہ ہے کہ اے جنات اور انسانو! اگر تمہیں یہ گمان ہو کہ ہم کہیں بھاگ جائیں گے، اور اس طرح ملک الموت کے تصرف سے بچ جائیں یا میدانِ حشر سے بھاگ کر نکل جائیں گے اور حساب کتاب سے بچ جائیں گے، تو لو اپنی قوت آزمادیکھو، اگر تمہیں اس پر قدرت ہے کہ آسمان و زمین کے دائروں سے باہر نکل جاؤ تو نکل کر دکھلاؤ، یہ کوئی آسان کام نہیں، اس کے لئے تو بہت بڑی قوت و قدرت درکار ہے، جو جن وانس کی دونوں قوموں کو حاصل نہیں، اس کا حاصل ان کا اقطار سماء و ارض سے باہر نکلنے کا امکان و احتمال بتلانا نہیں، بلکہ بطور فرض محال ان کا عاجز ہونا دکھلانا ہے۔

آیت میں مراد اگر موت سے فرار ہے تو یہی دنیا اس کا مصداق ہے، کہ کسی کے امکان میں نہیں کہ زمین سے آسمانوں تک کی حدود کو پھلانگ کر باہر نکل جائے، اور موت سے بچ جائے، ان حدود کو پار کرنے کا ذکر بھی انسانی خیال کے مطابق کیا گیا ہے، ورنہ بالفرض کوئی آسمانوں کی حدود سے باہر نکل جائے تو اللہ تعالیٰ کے احاطہ قدرت سے بھی باہر نہیں، اور اگر مراد محشر کے حساب و کتاب اور جواب دہی سے فرار کا نام ممکن ہونا بتلانا ہے، تو اس کی عملی صورت قرآن کریم کی دوسری آیات اور روایات حدیث میں یہ ہے کہ قیامت کے روز آسمان شق ہو کر سب فرشتے زمین کے کناروں پر آجائیں گے، اور ہر طرف سے محاصرہ ہوگا، جن وانس قیامت کی ہولناک چیزوں کو دیکھ کر مختلف سمتوں میں بھاگیں گے، ہر سمت میں

فرشتوں کا محاصرہ دیکھ کر پھر اپنی جگہ لوٹ آئیں گے (روح)

فنائی سفوج آجکل مصنوعی اس زمانہ میں جو زمین کی کشش سے باہر نکلنے اور خلا میں سیارات پر پہنچنے کے تجربات سیاروں اور راکٹوں پر ہو رہی ہو رہی ہیں وہ سب ظاہر ہے کہ آسمان کے حدود سے باہر نہیں، بلکہ سطح آسمان سے بہت نیچے ہو رہے ہیں، اقطار السموات سے باہر نکل جانے کا اس سے کوئی تعلق نہیں، یہ تو اقطار السموات کے قریب بھی نہیں پہنچ سکے باہر نکلنا تو کجا، اس لئے اس آیت کے مفہوم سے ان خلائی سفروں اور سیارات پر پہنچنے کے واقعات کا کوئی تعلق نہیں، بعض سادہ لوح لوگ اس آیت ہی کو خلائی سفروں کے امکان و جواز کے لئے پیش کرنے لگے، جو معانی قرآن سے بالکل ناواقفیت کی دلیل ہے۔

يَوْمَ نَسُفُ السُّيُوفَ نَافِثَاتٍ فَلَاحُ نَحَّاسٍ، حضرت ابن عباسؓ اور دوسرے ائمہ تفسیر نے فرمایا کہ ثَوَاطِبُ بضم شین آگ کے اُس شعلے کو کہا جاتا ہے، جس میں دُھواں نہ ہو، اور نَحَّاس اس دھوئیں کو کہا جاتا ہے جس میں آگ کی روشنی نہ ہو، اس آیت میں بھی جن و انس کو خطاب کر کے ان پر آگ کے شعلے اور دھواں چھوڑنے کا بیان ہے، اس کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ حساب کتاب کے بعد جو مجرمین کو جہنم میں ڈالا جائے گا اس میں یہ دو طرح کے عذاب ہوں گے، کہیں آگ ہی آگ اور شعلہ ہی شعلہ دھوئیں کا نام نہیں، اور کہیں دُھواں ہی دُھواں جس میں آگ کی کوئی روشنی نہیں، اور بعض مفسرین نے اس آیت کو پھلی آیت کا تمکملہ قرار دے کر یہ معنی کئے ہیں کہ اے جن و انس آسمانوں کے حدود سے نکل جانا تمھارے بس کی بات نہیں، اگر تم ایسا ارادہ کر بھی لو تو جس طرف بھاگ کر جاؤ گے آگ کے شعلے اور دھوئیں تمہیں گھیر لیں گے (ابن کثیر) فَلَاحُ نَحَّاسٍ، انتصار سے مشتق ہے، جس کے معنی کسی کی مدد کر کے مصیبت سے نکالنے کے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ عذاب الہی سے بچنے کے لئے تم سب جن و انس میں سے کوئی کسی کی مدد نہ کر سکتے گا کہ اس کے ذریعہ عذاب سے چھوٹ جائے۔

يَوْمَ مِثْقَلُ ذَرَّةٍ مِّنَ الْإِسْمِ وَلَا جُنَاحَ، یعنی اس دن کسی انسان یا جن سے اُس کا گناہ نہ پوچھا جائے گا، اس کا ایک مفہوم تو وہ ہے جو خلاصہ تفسیر میں لیا گیا ہے کہ ان لوگوں سے قیامت میں یہ نہ پوچھا جائے گا کہ تم نے فلاں جرم کیا ہے یا نہیں، وہ تو فرشتوں کے لکھے ہوئے اعمال ناموں میں محفوظ اور اللہ تعالیٰ کے علم ازیلی میں اس سے پہلے سے موجود ہے، بلکہ سوال یہ ہو گا کہ فلاں جرم تم نے کیوں کیا، یہ تفسیر ابن عباسؓ کی ہے، اور مجاہدؓ نے فرمایا کہ فرشتے جو مجرمین کے عذاب پر مامور ہیں اُن کو مجرمین سے پوچھنے کی ضرورت نہ ہو گی کہ تم نے یہ جرم کیا ہے یا نہیں، بلکہ ہر جرم کی ایک خاص نشانی مجرمین کے چہروں سے ظاہر ہو گی، فرشتے وہ نشانی دیکھ کر ان کو جہنم میں دھکیل دیں گے، اگلی آیت میں یہی مضمون آیا ہے (يَوْمَ لَا يُجْزَى الْمُجْرِمُونَ بِسِمْئِهِمْ) ان دنوں تفسیروں کا حاصل یہ ہے کہ یہ واقعہ اس وقت کا ہے جبکہ محشر میں حساب کتاب کے بعد مجرمین کے جہنم میں ڈالنے کا فیصلہ ہو چکے گا، تو اب ان سے اُن کے گناہوں کے بارے میں

کوئی گفتگو نہ ہوگی وہ علامت سے پہچان کر جہنم میں ڈال دیئے جائیں گے۔

اور حضرت قتادہؓ نے فرمایا کہ یہ اُس وقت کا حال ہے جب ایک مرتبہ ان سے اُن کے جرائم کی پرسیس ہو چکی گی، اور وہ انکار کر دیں گے، قیس اٹھالیں گے، تو ان کے مونہوں اور زبانوں پر ٹھہر کر دی جائے گی، ہاتھوں پاؤں کی گواہی لی جائے گی، یہ تینوں تغیریں ابن کثیر نے نقل کی ہیں، تینوں متقارب ہیں کوئی اختلاف نہیں۔

يُتْرَكُ الْمَجْرُمُونَ دَسِيمُهُمْ فَيُؤْخَذُ بِالنَّوَاصِي وَالْأَقْدَامِ، سیماء کے معنی علامت کے ہیں، حضرت حسن بصریؒ نے فرمایا کہ اس روز مجرمین جن کو جہنم میں ڈالنے کا فیصلہ ہوگا اُن کی علامت یہ ہوگی کہ چہرے سیاہ اور آنکھیں نیلگوں ہوں گی، بچ و غم سے چہرے فاق ہوں گے، فرشتے اسی علامت کے ذریعہ اُن کو پکڑیں گے نَوَاصِي، ناصیۃ کی جمع ہے، پیشانی کے بالوں کو کہا جاتا ہے، نَوَاصِي اور اَقْدَام سے پکڑنے کا یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ کسی کو سر کے بال پکڑ کر گھسیٹا جائے گا، کسی کو ٹانگیں پکڑ کر یا کبھی اس طرح کبھی اُس طرح، گھسیٹا جائے گا، اور یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ پیشانی کے بالوں اور ٹانگوں کو ایک جگہ جکڑ دیا جائے گا رکھنا قالہ (الضحاک، روح) واللہ اعلم

وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهِ جَنَّاتٌ ۖ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبِينَ ﴿۴۹﴾ ذَوَاتَا

اور جو کوئی ڈرا کرے، ہونے سے اپزرب کے آگے اس کیلئے ہیں دو باغ، پھر کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی جھٹلاؤ گے، جن میں

آفَتَانِ ۖ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبِينَ ﴿۵۰﴾ فِيهِمَا عَيْنَانِ تَجْرِيَنِ ﴿۵۱﴾ فَبِأَيِّ

بہت سی شاخیں، پھر کیا کیا نعمتیں اپزرب کی جھٹلاؤ گے، ان دونوں میں دو چشمے بہتے ہیں، پھر کیا کیا

الْآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبِينَ ﴿۵۲﴾ فِيهِمَا مِنْ كُلِّ فَاكِهَةٍ زَوْجَانِ ﴿۵۳﴾ فَبِأَيِّ آلَاءِ

نعمتیں اپنے رب کی جھٹلاؤ گے، ان دونوں میں ہر میوہ قسم قسم کا ہوگا، پھر کیا کیا نعمتیں

رَبِّكُمَا تُكَذِّبِينَ ﴿۵۴﴾ مُتَّكِئِينَ عَلَى فُرُشٍ بَطَآئِنُهَا مِنْ إِسْتَبْرَقٍ ۖ

اپزرب کی جھٹلاؤ گے، تکیہ لگائے بیٹھے بچھونوں پر جن کے استر تافتے کے،

وَجَنَّاتٍ دَانٍ ﴿۵۵﴾ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبِينَ ﴿۵۶﴾ فِيْهِنَّ

اور میوہ ان باغوں کا جھک رہا، پھر کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی جھٹلاؤ گے، اُن میں

قُصُورٌ الطَّرَفُ لَمْ يَطْمِثْهُنَّ إِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَلَا جَانٌ ﴿۵۷﴾ فَبِأَيِّ

عورتیں ہیں نیچی نگاہ والیاں نہیں قربت کی ان سے کسی آدمی نے ان سے پہلے اور نہ کسی جن نے، پھر کیا کیا

الْأَعْرَیْکُمَا تُکْذِبُ ۝۵۸ کَا هُنَّ الیَاقُوتُ وَالْمَرْجَانُ ۝۵۸ فَبِأَیِّ آلَاءِ

نعمتیں اپنے رب کی جھٹلاؤ گے ، وہ کیسی جلیے کر لعل اور موتکا ، پھر کیا کیا نعمتیں اپنے

رَبِّکُمَا تُکْذِبُ ۝۵۹ هَلْ جَزَاءُ الْإِحْسَانِ إِلَّا الْإِحْسَانُ ۝۶۰ فَبِأَیِّ آلَاءِ

رب کی جھٹلاؤ گے ، اور کیا بدلہ ہو نیکی کا مگر نیکی ، پھر کیا کیا نعمتیں اپنے

رَبِّکُمَا تُکْذِبُ ۝۶۱ وَمِنْ دُونِهِمَا جَنَّتِینِ ۝۶۲ فَبِأَیِّ آلَاءِ رَبِّکُمَا تُکْذِبُ ۝۶۳

رب کی جھٹلاؤ گے ، اور ان دو کے سوائے اور دو باغ ہیں ، پھر کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی جھٹلاؤ گے ،

مُدَّهَامَّتِینِ ۝۶۴ فَبِأَیِّ آلَاءِ رَبِّکُمَا تُکْذِبُ ۝۶۵ فِیْهِمَا عَیْنِینِ نَظَّارَتِینِ ۝۶۶

گہری سبز جلیے سیاہ ، پھر کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی جھٹلاؤ گے ، ان میں دو چٹے ہیں اُبلتے ہوئے ،

فَبِأَیِّ آلَاءِ رَبِّکُمَا تُکْذِبُ ۝۶۷ فِیْهِمَا فَاكِهَةٌ وَنَخْلٌ وَرَمَّانٌ ۝۶۸ فَبِأَیِّ

پھر کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی جھٹلاؤ گے ، ان میں میوے ہیں اور کجوریں اور انار ، پھر کیا کیا

الْأَعْرَیْکُمَا تُکْذِبُ ۝۶۹ فِیْهِنَّ خَیْرَتٌ حَسَنٌ ۝۷۰ فَبِأَیِّ آلَاءِ رَبِّکُمَا

نعمتیں اپنے رب کی جھٹلاؤ گے ، اُن سب باغوں میں اچھی عورتیں ہیں خوبصورت ، پھر کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی

تُکْذِبُ ۝۷۱ حُورٌ مَّقْصُورَتٌ فِی الْخِیَامِ ۝۷۲ فَبِأَیِّ آلَاءِ رَبِّکُمَا تُکْذِبُ ۝۷۳

جھٹلاؤ گے ، حوریں ہیں رُکی رہنے والیاں خیموں میں ، پھر کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی جھٹلاؤ گے ،

لَمْ یَطْمِئْهُمْ اِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَلَا جَانٌ ۝۷۴ فَبِأَیِّ آلَاءِ رَبِّکُمَا تُکْذِبُ ۝۷۵

نہیں ہاتھ لگایا اُن کو کسی آدمی نے ان سے پہلے اور نہ کسی جن نے ، پھر کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی جھٹلاؤ گے ،

مُتَّكِعِیْنَ عَلٰی رَفْرَفٍ خُضْرٍ وَعَبْقَرِیٍّ حَسَنِ ۝۷۶ فَبِأَیِّ آلَاءِ رَبِّکُمَا

حمیہ لگاتے بیٹھے سبز مسندوں پر اور قیمتی بچھونے نفیس پر ، پھر کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی

تُکْذِبُ ۝۷۷ تَبٰرَکَ اسْمُ رَبِّکَ ذِی الْجَلَالِ وَالْاِکْرَامِ ۝۷۸

جھٹلاؤ گے ، بڑی برکت ہے نام کو تیرے رب کے جو بڑائی والا اور عظمت والا ہے ،

خلاصہ تفسیر

ان آیتوں میں دو باغوں کا ذکر و اِن خَفَات سے شروع ہوا ہے اور دو باغوں کا ذکر و اِن دُونِہما

سے پہلے دو باغ خواص معتر بن کے ہیں اور پچھلے دو باغ عامہ مؤمنین کے لئے، دلائل اس تقسیم و تقسیم کے آگے لکھ دیئے جاویں گے، یہاں صرف تفسیر لکھی جاتی ہے، پچھلی آیات میں مجرمین کی سزاؤں کا ذکر تھا، یہاں سے مؤمنین صاحبین کی جزا کا ذکر شروع ہوتا ہے اور (اہل جنت کا حال یہ ہے کہ ان میں دو قسم ہیں، خواص اور عوام پس) جو شخص (خواص میں سے ہو اور) اپنے رب کے سامنے کھڑے ہونے سے (ہر وقت) ڈرتا رہتا ہو اور ڈر کر شہوتا و معاصی سے بچتا رہتا ہو، اور یہ شان خواص ہی کی ہے، کیونکہ عوام پر تو گاہ گاہ خوف طاری ہو جاتا ہے، اور کبھی ان سے معاصی بھی سرزد ہو جاتے ہیں گو توبہ کر لیں، غرض جو شخص ایسا متقی ہو اس کے لئے (جنت میں) دو باغ ہوں گے (یعنی ہر متقی کے لئے دو باغ اور غالباً اس تعدد میں حکمت ان کے منکرم اور تنعم کا اظہار ہوگا جس طرح دنیا میں اہل تنعم کے پاس اکثر چیزیں منقولات و غیر منقولات میں سے متعدد ہوتی ہیں) سوائے جن و انس (باد جود اس کثرت و عظمتِ نعم کے) تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے (اور وہ) دونوں باغ کثیر شاخوں والے ہوں گے (اس میں سایہ کی گنجائی اور ثمرات کی کثرت کی طرف اشارہ ہے) سوائے جن و انس (باد جود اس کثرت و عظمتِ نعم کے) تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے (اور) ان دونوں باغوں میں دو چٹے ہوں گے کہ (دور تک) بہتے چلے جاویں گے سوائے جن و انس (باد جود اس کثرت و عظمتِ نعم کے) تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے (اور) ان دونوں باغوں میں ہر میوہ کی دو قسمیں ہوں گی (کہ اس میں زیادہ تلذذ ہے، کبھی ایک قسم کا مزہ لے لیا کبھی دوسری قسم کا) سوائے جن و انس (باد جود اس کثرت و عظمتِ نعم کے) تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے (اور) وہ لوگ بھیجے گئے ایسے فرشوں پر بیٹھے ہوں گے جن کے استر دیزریشم کے ہوں گے (اور) قاعدہ ہے کہ اوپر کا کپڑا بہ نسبت استر کے زیادہ نفیس ہوتا ہے، پس جب استر استبرق ہوگا تو اوپر کا کیسا کچھ ہوگا) اور ان دونوں باغوں کا پھل بہت نزدیک ہوگا کہ کھڑے، بیٹھے، لیٹے ہر طرح بلا مشقت ہاتھ آ سکتا ہے) سوائے جن و انس (باد جود اس کثرت و عظمتِ نعم کے) تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے (اور) ان (باغوں کے مکانات اور محلات) میں نیچی نگاہ والیاں (یعنی حوریں) ہوں گی کہ ان (جنتی) لوگوں سے پہلے ان پر نہ تو کسی آدمی نے تصرف کیا ہوگا اور نہ کسی جن نے (یعنی بالکل محفوظ و غیر مستعمل ہوں گی) سوائے جن و انس (باد جود اس کثرت و عظمتِ نعم کے) تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے (اور) رنگت اس قدر صاف و شفاف ہوگی کہ (گویا) زہ یا قوت اور مرجان ہیں (اور ممکن ہو کہ تشبیہ سرخی میں بھی ہو اور تعدد مشبہ بہ کا غالباً اہتمام کیلئے ہے) سوائے جن و انس (باد جود اس کثرت و عظمتِ نعم کے) تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے (آگے مضمون مذکور کی تقریر و تاکید پر کہ) بھلا غایت اطاعت کا بدلہ بجز غایت عنایت کے کچھ اور بھی ہو سکتا ہے، (انہوں نے غایت اطاعت کی، اس لئے صلہ میں غایت عنایت کے مورد ہوئے) سوائے جن و انس (باد جود اس کثرت و عظمتِ نعم کے) تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے (یہ تو خواص کے باغوں

کی صفت مذکور ہوئی) اور آگے عامہ مؤمنین کے باغوں کا ذکر ہے (یعنی) ان (مذکورہ) دونوں باغوں سے کم درجہ میں دو باغ اور ہیں (جو عامہ مؤمنین کے لئے ہیں اور ہر ایک کو دو دلیں گے) سوائے جن وانس (بادجود) اس کثرت و عظمتِ نعم کے) تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے (اور آگے ان باغوں کی صفت ہے کہ) وہ دونوں باغ ہرے سبز ہوں گے سوائے جن وانس (بادجود اس کثرت و عظمتِ نعم کے) تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے، ان دونوں باغوں میں دو چٹے ہوں گے کہ جوش مارتے ہوں گے سوائے جن وانس (بادجود اس کثرت و عظمتِ نعم کے) تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے (جوش مارنا بوجہ اس کے کہ چٹے کے لازم میں سے ہے اور کے چٹوں میں بھی یہ صفت مشترک ہے اور وہاں تجڑیں بھی ہے، اور یہاں نہیں پس یہ قرینہ ہے اس کا کہ یہ چٹے صفت جریان میں پہلے دو چٹوں سے کم ہیں) اور یہ باغ ان باغوں سے کم ہیں اور) ان دونوں باغوں میں میوے اور کجوریں اور انار ہوں گے سوائے جن وانس (بادجود اس کثرت و عظمتِ نعم کے) تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے (یہاں مطلق فاکہ اور اور پھر تفصیل میں نخل در مان پر اکتفا فرمانا اور وہاں لفظ گل سے ہر قسم کے فواکہ کی تصریح اور پھر لفظ زو جان سے ان کے متعدد ہونے کا ذکر جس سے فواکہ کی کثرت معلوم ہوتی ہے، یہ سب قرائن اس کے ہیں کہ جَنَّتَيْنِ اُولَیِّیْنَ اَنْحُرَتَيْنِ سے افضل و اعلىٰ ہیں اور) ان (باغوں کے مکانات) میں خوب سیرت خوب صورت عورتیں ہوں گی (یعنی حوریں) سوائے جن وانس (بادجود اس کثرت و عظمتِ نعم کے) تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے، وہ عورتیں گوری رنگت والی ہوں گی (اور) خیموں میں محفوظ ہوں گی سوائے جن وانس (بادجود اس کثرت و عظمتِ نعم کے) تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے (اور) ان (جنتی) لوگوں سے پہلے ان پر نہ تو کسی آدمی نے تصرف کیا ہوگا اور نہ کسی جن نے (یعنی غیر مستعمل ہوں گی) سوائے جن وانس (بادجود اس کثرت و عظمتِ نعم کے) تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے (وہاں یا قوت و مرجان سے تشبہ دینا جو کہ مفید مبالغہ ہے اور یہاں صرف جنان پر اکتفا فرمانا نیز قرینہ ہے کہ پہلے دو باغ دوسرے دو باغوں سے افضل ہیں، اور یہاں کے سب صفات وہاں صراحتاً یا اشارۃً مذکور ہیں مثلاً خوش سیرت ہونا، قُصْرُ الطَّرْفِ سے مفہوم ہوتا ہے، خُور ہونا قرینہ مقام سے معلوم ہوتا ہے مَقْصُورَات سے زیادہ عصمت و عفت پر لفظ قُصْرُ الطَّرْفِ دلالت کرتا ہے، کہ جو ایسی ہوں گی وہ ضرور ہی گھر میں رہیں گی اور) وہ لوگ سبز مشجر اور عجیب خوب صورت کپڑوں (کے فرشوں) پر بیکہ لگاؤ بیٹھے ہوں گے، سوائے جن وانس (بادجود اس کثرت و عظمتِ نعم کے) تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے (اس میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان دو باغوں کے فرش بہ نسبت پہلے دو باغوں کے کم درجہ کے ہوں گے، کیونکہ وہاں تصریح ہے ریشمی ہونے کی، پھر دوسرے ہونے کی، اور یہاں نہیں ہے آگے خاتمہ میں حق تعالیٰ کی ثناء و صفت ہے جس میں ان تمام مضامین کی جو سورۃ رحمن میں مفصل بیان

ہوئے ہیں تاہم تاکید ہے کہ بڑا بابرکت نام ہے آپ کے رب کا جو عظمت والا اور احسان والا ہے زنام سے مراد صفات میں جو کہ ذات کے غیر نہیں، پس حاصل جملہ کاشا ہوئی کمال ذات و صفات کے ساتھ، اور شاید لفظ اسم بڑھانے سے مقصود مبالغہ ہو کہ مسمیٰ تو کیسا کامل اور بابرکت ہوگا اس کا تو اسم بھی مبارک اور کامل ہے۔

معارف و مسائل

جس طرح سابقہ آیات میں مجرمین کی سخت سزاؤں کا ذکر تھا ان آیات میں ان کے بالمقابل مومنین صالحین کی عمدہ جزاؤں اور نعمتوں کا بیان ہے جن میں اہل جنت کے پہلے دو باغوں کا ذکر اور ان میں جو نعمتیں ہیں ان کا بیان ہے، اس کے بعد دوسرے دو باغوں کا اور ان میں ہتیا کی ہوئی نعمتوں کا ذکر ہے۔

پہلے دو باغ جن حضرات کے لئے مخصوص ہیں اُن کو تو متعین کر کے بتلادیا ہے (لَمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهِ) یعنی ان دو باغوں کے مستحق وہ لوگ ہیں جو ہر وقت ہر حال میں اللہ تعالیٰ کے سامنے قیامت کے روز کی پیشی اور حساب کتاب سے ڈرتے رہتے ہیں جس کے نتیجے میں وہ کسی گناہ کے پاس نہیں جاتے، ظاہر ہے کہ ایسے لوگ سابقین اور مفسرین خاص ہی ہو سکتے ہیں۔

دوسرے دو باغوں کے مستحق کون ہوں گے اس کی تصریح آیات مذکورہ میں نہیں کی گئی، مگر یہ بتلادیا گیا کہ یہ دو باغوں کے پہلے دو باغوں کی نسبت کم درجہ کے ہوں گے (وَمَنْ دُونََ ذَلِكَ) یعنی پہلے دو باغوں سے کمتر اور دو باغ ہیں، اس سے بقیہ مقام معلوم ہو گیا کہ ان دو باغوں کے مستحق عام مومنین ہوں گے جو مومنین خاص سے درجہ میں کم ہیں۔

پہلے اور دوسرے دو باغوں کی تفسیر میں حضرات مفسرین نے اور بھی توجیہات بیان فرمائی ہیں، یہاں جو تفسیر اختیار کی گئی ہے کہ پہلے دو باغ سابقین اولین اور مفسرین خاص کے لئے ہیں، اور دوسرے دو باغ عامہ مومنین کے لئے، اور یہ کہ یہ دوسرے دو باغ پہلے دو باغوں سے درجہ میں کم ہیں، روایات حدیث سے یہی تفسیر راجح معلوم ہوتی ہے جیسا کہ بیان ہسٹر آن میں بحوالہ درمنثور یہ حدیث مرفوعہ نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت لَمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهِ جَنَّاتٍ اور مَنْ دُونََ ذَلِكَ جَنَّاتٍ کی تفسیر میں فرمایا جَنَّاتٍ مِنْ ذَهَبٍ لَمْ يَمُوتْ فِيْهَا يَمِينٌ وَجَنَّاتٍ مِنْ وَرَقٍ لَا يَصْحَبُ فِيْهَا يَمِينٌ یعنی دو باغ سونے کے بنے ہوئے ہیں مفسرین کے لئے اور دو باغ چاندی کے (اصحاب الیمین یعنی عام مومنین صالحین کے لئے) نیز درمنثور میں حضرت براہ بن عازبؓ سے موقوفاً یہ روایت کیا ہے اَلَّتِيْ تَجْرِيْ اَنْهَارٌ مِنْ خَيْرٍ مِنَ النَّصَاخَةِ، یعنی پہلے دو باغوں کے دو چشمے جن کے پائے میں تَجْرِيْ اَنْهَارٌ فرمایا ہے وہ بہتر ہیں دوسرے دو باغوں کے چشموں سے جن کے متعلق نَصَاخَتَانِ فرمایا ہے، کیونکہ نَصَاخَتَانِ کے معنی ہیں اُبلنے والے دو چشمے، تو یہ صفت ہر چشمہ میں ہوتی ہوگی جن کو تَجْرِيْ اَنْهَارٌ کے عنوان سے بیان کیا ہے، ان میں اُبلنے کے علاوہ دور تک سطح زمین

پر جاری رہنے کی صفت مزید ہے۔

یہ اجمالی بیان تھا ان چار چیزوں کا جو اہل جنت کو ملیں گے، اب الفاظ آیات کے ساتھ ان کے معانی کو دیکھو
 ذَلَمْنَ خُفَاتَ مَقَامَ رَبِّهٖ، مقام رب سے مراد اکثر مفسرین کے نزدیک قیامت کے روز حق تعالیٰ کے سامنے
 حساب کے لئے پیشی ہے، اور اس سے خوف کے معنی یہ ہیں کہ جلوت و خلوت میں اور ظاہر و باطن کے تمام احوال میں
 اس کو یہ مراقبہ دائمی رہتا ہو کہ مجھے ایک روز حق تعالیٰ کے سامنے پیش ہونا اور اعمال کا حساب دینا ہے اور ظاہر ہو
 جس کو ایسا مراقبہ ہمیشہ رہتا ہو وہ گناہ کے پاس نہیں جائے گا۔

اور قرطبی وغیرہ بعض حضرات مفسرین نے مقام رب کی یہ تفسیر بھی کی ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے ہر قول و
 فعل اور خفیہ و علانیہ عمل پر نگران اور قائم ہے، ہماری ہر حرکت اس کے سامنے ہے، حاصل اس کا بھی وہی ہوگا
 کہ حق تعالیٰ کا یہ مراقبہ اس کو گناہوں سے بچا دے گا۔

ذَوَاتَا أَفْخَانٍ، یہ پہلے دو باغوں کی صفت ہو کہ بہت شاخوں والے ہوں گے، جن کا یہ اثر لازمی ہے کہ
 ان کا سایہ بھی گھٹنا ہوگا اور بھل بھی زیادہ ہوگا، دوسرے دو باغ جن کا ذکر آگے آتا ہے ان میں یہ صفت مذکور نہیں،
 جس سے اس معاملہ میں ان کی کمی کی طرف اشارہ ہو سکتا ہے۔

فِي مَمَازِينٍ فَآيَةً ذُو جُنِّ، پہلے دو باغوں کی صفت میں مِنْ جُنِّ فَآيَةٍ کے الفاظ سے تمام انواع
 فواکہ کا ہونا بیان فرمایا ہے، اس کے بالمقابل دوسرے باغوں میں مِنْ جُنِّ فَآيَةٍ کے بجائے صرف فَآيَةٍ کے الفاظ
 ہیں، اور ذُو جَان کے معنی یہ ہیں کہ ہر میوے کی دو دو قسمیں ہوں گی، یہ دو قسمیں یہ بھی ہو سکتا ہے کہ خشک و
 تر کی ہوں اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ایک تو عام معروف و مشہور..... اور دوسرے کی ہو اور دوسری غیر معمولی
 انداز کی (مظہری)

لَعَلَّ يَطْمَئِنُّنَّ اِنْ سُبِقَتْ لَهُمْ وَ لَا جَنَّةَ، لفظ طمٹ کسی معنی کے لئے استعمال ہوتا ہے، جیسا کہ
 خون کو طمٹ کہتے ہیں، اور حائضہ عورت کو طامٹ کہا جاتا ہے، اور کنواری لڑکی سے مباشرت کو بھی طمٹ
 کے لفظ سے تعبیر کیا جاتا ہے، اس جگہ یہی معنی مراد ہیں، اور اس میں جو اس کی نفی کی گئی ہے کہ جن اہل جنت کے
 لئے یہ حوریں مستر رہیں، ان سے پہلے ان کو کسی انسان یا جن نے مس نہیں کیا ہوگا، اس کا مفہوم وہ بھی ہو سکتا ہے
 جو خلاصہ تفسیر میں بیان ہوا ہے کہ جو حوریں انسانوں کے لئے مستر رہیں ان کو کسی انسان نے اور جو مؤمنین
 جنات کے لئے مقرر ہیں ان کو کسی جن نے ان سے پہلے مس نہیں کیا ہوگا، اور یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ جیسے
 دنیا میں انسانی عورتوں پر کبھی جنات بھی مسلط ہو جاتے ہیں وہاں اس کا بھی کوئی امکان نہیں ہوگا۔

هَلْ جَزَاءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ، مقربین خاص کے دو باغوں کی کچھ تفصیل ذکر کرنے کے
 بعد یہ ارشاد فرمایا کہ احسان عمل کا بدلہ احسان جزاء ہی ہو سکتا ہے اس کے سوا کوئی احتمال نہیں، ان حضرات
 نے احسان عمل یعنی ہمیشہ نیک عمل کرنے کی پابندی کی تو حق تعالیٰ کی طرف سے ان کو عمدہ جزاء ہی کا بدلہ

دیا جانا چاہئے تھا جو اُن کو دیا گیا۔

مُدَّہَا مَسْنُونٌ، گہری سبزی کی وجہ سے جو سیاہی جھلکنے لگتی ہے اس کو ادہام کہا جاتا ہے، مراد یہی ہے کہ ان دونوں باغوں کی سرسبزی ان کے سیاہی مائل ہونے کا سبب ہوگی، یہ صفت اگرچہ پہلے دو باغوں میں ذکر نہیں کی گئی ہے مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اُن میں یہ صفت نہ ہو، بلکہ ذواتِ آفتان جو وہاں کی صفت بتلاتی ہے، اس میں مُدَّہَا مَسْنُونٌ کی صفت بھی شامل ہے۔

فِيهِمْ مِنْ خَيْرِ ثَمَرَاتٍ حَسَنَاتٍ، خیرات سے مراد سیرت و کردار کی خوبی اور حسان سے مراد شکل و صورت کی خوبی ہے، اور یہ امر بھی دونوں باغوں کی حوروں میں مشترک ہوگا جس کی طرف اشارہ سابقہ آیات میں موجود ہے۔ مَتَّكِئِينَ عَلَى رَحَمٍ طَحْطِیٍّ وَغَبَقَرٍ، قَامُوس میں ہے کہ رَفْرَفٌ سبز رنگ کا ریشمی کپڑا ہے جس کے فرش اور تکیے اور دو سر ازینت کا سامان بنایا جاتا ہے، اور صحاح میں ہے کہ اس پر نقش و نگار درختوں اور پھولوں کے ہوتے ہیں، جس کو اردو میں شجر کہا جاتا ہے، غَبَقَرٌ ہر عمدہ خوب صورت کپڑے کو کہا جاتا ہے، حسان سے اسی کا وصف خوب صورتی بیان کیا گیا ہے۔

تَبَارَكَ اسْمُ رَبِّكَ ذِي الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ، سورۃ رحمن میں بیشتر حق تعالیٰ کی نعمتوں اور انسان پر احسانات کا ذکر ہے، اس کے خاتمہ پر خلاصہ کے طور پر یہ جملہ ارشاد ہوا کہ اُس ذات پاک کا تو کہنا کیا کر اس کا نام بھی بڑا بابرکت ہے، اس کے نام ہی سے یہ ساری نعمتیں قائم ہیں، واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سُورَةُ الرَّحْمٰنِ بِحَمْدِ اللّٰهِ وَعَوْنِهِ
لِلْحَادِثِ عَشْرِ مِنَ الرَّبِّيعِ الثَّانِي،
سنة ۱۳۹۱، يَوْمَ السَّبْتِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سُورَةُ الْوَاقِعَةِ

سُورَةُ الْوَاقِعَةِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ سِتُّ وَتِسْعُونَ آيَةً وَثَلَاثُ رُكُوعَاتٍ

سورۃ واقعہ مکہ میں نازل ہوئی اور اس کی چھیانوے آیتیں ہیں اور تین رکوع

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بحد ہر بان نہایت رحم والا ہے ،

إِذَا وَقَعَتِ الْوَاقِعَةُ ۝۱ لَيْسَ لَوْعَتِهَا كَاذِبَةٌ ۝۲ خَافِضَةٌ رَافِعَةٌ ۝۳

جب ہو پڑے ہو پڑنے والی ، نہیں ہے اس کے ہو پڑنے میں کچھ جھوٹ ، پست کرنیوالی ہو بلند کرنیوالی

إِذَا رَجَّتِ الْأَرْضُ رَجًا ۝۴ وَبُسَّتِ الْجِبَالُ بَسًّا ۝۵ فَكَانَتْ هَبَاءً

جب لرزے زمین کپکپا کر ، اور ریزہ ریزہ ہوں پہاڑ ٹوٹ پھوٹ کر ، پھر ہو جائیں غبار

مُنْبَثًّا ۝۶ وَكُنْتُمْ أَزْوَاجًا ثَلَاثَةً ۝۷ فَأَصْحَابُ الْمَيْمَنَةِ ۝۸ مَا أَصْحَابُ

اُڑتا ہوا ، اور تم ہو جاؤ تین قسم پر ، پھر دابنے والے ، کیا خوب ہیں

الْمَيْمَنَةِ ۝۸ وَأَصْحَابُ الْمَشْأَمَةِ ۝۹ مَا أَصْحَابُ الْمَشْأَمَةِ ۝۹ وَالسَّابِقُونَ

دابنے والے ، اور بائیں دالے کیا بُرے ہیں بائیں دالے ، اور اگلاڑی دالے

السَّابِقُونَ ۝۱۰ أُولَٰئِكَ الْمُقَرَّبُونَ ۝۱۱ فِي جَنَّاتِ النَّعِيمِ ۝۱۲ ثَلَاثَةٌ مِّنَ

و اگلاڑی دالے ، وہ لوگ ہیں مقرب ، باغوں میں نعمت کے ، انبوه ہے

الْأَوَّلِينَ ۝۱۳ وَقَلِيلٌ مِّنَ الْآخِرِينَ ۝۱۴ عَلَىٰ سُرُرٍ مَّوْضُونَةٍ ۝۱۵

پہلوں میں سے ، اور تھوڑے ہیں پچھلوں میں سے ، بیٹھے ہیں جڑاؤ تختوں پر ،

مُتَكِعِينَ عَلَيْهِمَا مُتَقِيلِينَ ۱۶ يَطُوفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ مُّغَلَّدُونَ ۱۷

بچہ لگائے ان پر ایک دوسرے کے سامنے ، لئے پھرتے ہیں ان کے پاس لڑکے سدا رہنے والے ،

يَاكُوبَ وَآبَارَاقَهُ ۱۸ وَكَاسٍ مِنْ مَّعِينٍ ۱۹ لَا يُصَدَّعُونَ عَنْهَا وَلَا

آبجولے اور کوزے اور پیالہ نٹھری شراب کا ، جس سے نہ سر ڈکھے اور نہ

يَنْزِفُونَ ۲۰ وَفَاكِهَةٍ مِمَّا يَتَخَيَّرُونَ ۲۱ وَلَحْمِ طَيْرٍ مِمَّا يَشْتَهُونَ ۲۲

بجواس لگے ، اور میوہ جو نسا پسند کر لیں ، اور گوشت اڑتے جانوروں کا جس قسم کو جی چاہے ،

وَحُورٌ عِينٌ ۲۳ كَأَمْثَالِ اللُّؤْلُؤِ الْمَكْنُونِ ۲۴ جَزَاءً بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۲۵

اور عورتیں گوری بڑی آنکھوں والیاں ، جیسے موتی کے دانے اپنے غلات کے اندر ، بدلہ ان کاموں کا جو کرتے تھے ،

لَا يَسْمَعُونَ فِيهَا لَغْوًا وَلَا تَأْثِيمًا ۲۶ إِلَّا قِيلًا سَلَامًا سَلَامًا ۲۷ وَأَصْحَابُ

نہیں سنیں گے وہاں بجواس اور نہ گناہ کی بات ، مگر ایک بولنا سلام سلام ، اور دہانے

الْيَمِينِ ۲۸ مَا أَصْحَابُ الْيَمِينِ ۲۹ فِي سِدْرٍ مَخْضُودٍ ۳۰ وَطَلْحٍ مَّنْضُودٍ ۳۱

دائے سیمائے دہانے والوں کے ، رہتیں بیری کے درختوں میں جن میں کاٹا نہیں اور کیلے تہہ پر تہہ ،

وَزَيْلٍ مَّنْضُودٍ ۳۲ وَمَاءٍ مَّسْكُوبٍ ۳۳ وَفَاكِهَةٍ كَثِيرَةٍ ۳۴ لَا مَقْطُوعَةٍ

اور سایہ لمبا ، اور پانی بہتا ہوا ، اور میوہ بہت ، نہ اُس میں سے ٹوٹا

وَلَا مَمْنُوعَةٍ ۳۵ وَفُرُشٍ مَّرْفُوعَةٍ ۳۶ إِنَّا أَنشَأْنَاهُنَّ إِنِشَاءً ۳۷

اور نہ روکا ہوا ، اور بچھونے اونچے ، ہم نے اٹھایا ان عورتوں کو ایک اچھے اٹھان پر

فَجَعَلْنَاهُنَّ أَجْزَارًا ۳۸ عُرُبًا أَتْرَابًا ۳۹ لِأَصْحَابِ الْيَمِينِ ۴۰ ثَلَاثَةٌ مِّنْ

پھر کیا ان کو کنواریاں ، پیار دلانے والیاں ہم عمر ، واسطے دہانے والوں کے ، انبوه ہے پھلوں

الْأُولَىٰ ۴۱ وَثَلَاثَةٌ مِّنَ الْآخِرِينَ ۴۲ وَأَصْحَابُ الشِّمَالِ ۴۳

میں سے ، اور انبوه ہے پھلوں میں سے ، اور بائیں والے کیسے

أَصْحَابُ الشِّمَالِ ۴۴ فِي سَمُومٍ وَحَمِيمٍ ۴۵ وَظِلٍّ مِّنْ يَحْتَمُونَ ۴۶

بائیں والے ، تیز بھاپ میں اور جلتے پانی میں ، اور سایہ میں دھویں کے ،

لَا بَارِدٍ وَلَا كَرِيمٍ ﴿۴۳﴾ اِنَّهُمْ كَانُوا قَبْلَ ذَلِكَ مُتْرَفِينَ ﴿۴۴﴾ وَكَانُوا

نہ ٹھنڈا اور نہ عورت کا، وہ لوگ تھے اس سے پہلے خوش حال، اور ضد

يُصْرُونَ عَلَى الْغَنِيِّ الْعَظِيمِ ﴿۴۵﴾ وَكَانُوا يَقُولُونَ هَٰ اَيُّنَا اِمْتَنَّا

کرتے تھے اس بڑے گناہ پر، اور کہا کرتے تھے کیا جب ہم مر گئے

وَكُنَّا تَرَابًا وَعِظَامًا اِنَّا لَمَبْعُوثُونَ ﴿۴۶﴾ اَوَاٰبَاؤُنَا لَا يُولُونَ ﴿۴۷﴾

اور ہو چکے مٹی اور ہڈیاں کیا ہم پھر اٹھائے جائیں گے، اور کیا ہمارے اگلے باپ دادا بھی،

قُلْ اِنَّ الْاَوَّلِينَ وَالْاٰخِرِينَ ﴿۴۸﴾ لَمَجْمُوعُونَ هَٰ اِلٰى مِيقَاتٍ يَوْمٍ مَّعْلُومٍ ﴿۴۹﴾

تو کہہ دے کہ اگلے اور پچھلے، سب اکٹھے ہونی والے ہیں، ایک دن معتمر کے وقت پر،

ثُمَّ اَتٰكُمْ اَيُّهَا الضَّالُّونَ الْمُكَذِّبُونَ ﴿۵۰﴾ لَا يَكُونُ مِنْ شَجَرٍ مِنْ زَقُّومٍ ﴿۵۱﴾

پھر تم جو ہوائے بہکے ہوئے جھٹلانے والو، البتہ کھاؤ گے ایک درخت سینڈ کے سے،

فَسَالُوا مِنْهَا الْبُطُونَ ﴿۵۲﴾ فَشَرِبُوا عَلَيْهِ مِنَ الْحَمِيمِ ﴿۵۳﴾

پھر بھرو گے اس سے پیٹ، پھر پیو گے اس پر ایک جلتا پانی،

فَشَرِبُوا شَرَبَ الْهَمِيمِ ﴿۵۴﴾ هٰذَا نَزَّلْنَاهُمْ يَوْمَ الدِّينِ ﴿۵۵﴾

پھر پیو گے جیسے پینے اُونٹ تو نے ہونے، یہ مہانی ہوا ان کی انصاف کے دن،

خلاصہ تفسیر

جب قیامت آوے گی جس کے واقع ہونے میں کوئی غلط نہیں (بلکہ اس کا واقع ہونا بالکل صحیح اور حقیقی) تو وہ (بعض کو) پست کر دے گی (اور بعض کو) بلند کر دے گی (یعنی کفار کی ذلت کا اور مؤمنین کی رفعت کا) روزِ ظہور ہوگا جبکہ زمین کو سخت زلزلہ آوے گا، اور پہاڑ بالکل ریزہ ریزہ ہو جاویں گے پھر وہ پرگندہ غبار (کی طرح) ہو جاویں گے اور تم سب آدمی جو اس وقت موجود ہو یا پہلے گزر چکے ہیں یا آئندہ آنے والے ہیں (تین قسم ہو جاؤ گے جن کی تفصیل آگے آئی ہے، خواص مؤمنین اور عوام مؤمنین اور کفار کہ سورہ رحمن میں بھی یہی تین قسمیں مذکور ہیں اور آئندہ آیات میں خواص کو معتر بن اور سابقین کہا ہے اور عوام مؤمنین کو اصحاب الیمین اور کفار کو اصحاب الشمال اور ان آیات اِذَا وَقَعَتِ الْكُنُوزُ مِنْ لَدُنْهُمِ بعض واقعات فقہ اولیٰ یعنی پہلے ضرور

کے وقت کے بیان فرمائے ہیں جیسے رُحَّت، جیسا شروع سورۃ حجر میں آیا ہے اور بُسَّت، اور بعض واقعات
 نفخہ ثانیہ یعنی دوسرے صور کے وقت کے جیسے عَافِضَةُ رَافِعَةُ اور کُنُومُ اَزْدَاجَا اور بعض مشترک جیسے اِذَا
 رَعَعْتَ اور لَئِنْ يَوْعَبْتَهَا چونکہ نفخہ اولیٰ سے نفخہ ثانیہ تک کا تمام وقت ایک وقت کے حکم میں ہے اس لئے ہر جزء
 وقت کو ہر واقعہ کا وقت کہا جاسکتا ہے، آگے ان تینوں قسموں میں تقسیم بیان کرنے کے بعد تینوں کے احکام الگ
 الگ ذکر کئے ہیں، اول اجمالاً پھر تفصیلاً کہ تین قسمیں جو مذکور ہیں (سودان میں ایک قسم یعنی) جو داہنے والے ہیں
 وہ داہنے والے کیسے اچھے ہیں (مراد اس سے جن کے نامہ اعمال داہنے ہاتھ میں دیئے جائیں گے، اور گویہ مفہوم مقرّبین میں بھی
 مشترک ہے، لیکن اسی صفت پر اکتفا کرنے سے اس طرف اشارہ پایا جاتا ہے کہ ان میں اصحاب الیمین سے زائد
 کوئی اور صفت قرب خاص کی نہیں پائی جاتی، اس طرح مراد اس سے عوام مؤمنین ہو گئے، اور اس میں اجمالاً
 ان کی حالت کا اچھا ہونا بتلادیا، آگے فی سبب تَقْضُوْهُ الخ سے اس اجمال کی تفصیل کی گئی ہو) اور (دوسری
 قسم یعنی) جو بائیں والے ہیں وہ بائیں والے کیسے بُرے ہیں (مراد اس سے جن کے نامہ اعمال بائیں ہاتھ میں دیئے
 جاویں گے یعنی کفار اور اس میں اجمالاً ان کی حالت کا بُرا ہونا بتلادیا آگے فی سَمُومِ الخ سے اس اجمال کی تفصیل
 کی گئی ہے) اور (تیسری قسم یعنی) جو اعلیٰ درجہ کے ہیں وہ تو اعلیٰ درجہ کے ہی ہیں (اور)
 وہ (خدا تعالیٰ کے ساتھ) خاص قرب رکھنے والے ہیں، (اس میں تمام اعلیٰ درجہ کے بندے داخل ہیں، انبیاء
 اور اولیاء و صدیقین اور کامل متقی اور اس میں اجمالاً ان کی حالت کا عالی ہونا بتلادیا، آگے فی رُحَّتِ الخ میں
 سے اس اجمال کی تفصیل کی جاتی ہے یعنی) یہ (مقرب) لوگ آرام کے باغوں میں ہوں گے (جس کی مزید تفصیل
 غلیٰ سُرُوب سے آتی ہے اور درمیان میں ان معتربین خاص میں بہت سی جماعتوں کا شامل ہونا بتلاتے ہیں کہ) ان
 (مقربین) کا ایک بڑا اگر وہ تو ان کے لوگوں میں سے ہوگا اور تھوڑے پچھلے لوگوں میں سے ہوں گے (انگوں سے مراد
 متقدمین ہیں آدم علیہ السلام سے لے کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قبل تک اور پچھلوں سے مراد حضور کے
 وقت سے لے کر قیامت تک، کذا فی الدر عن جابر مرفوعاً، اور متقدمین میں کثرت سابقین اور متاخرین میں
 قلت سابقین کی وجہ یہ ہے کہ خواص ہر زمانہ میں کم ہوتے ہیں، اور متقدمین یعنی آدم علیہ السلام سے زمانہ
 خاتم الانبیاء تک کا زمانہ بہت طویل ہے، بہ نسبت امت محمدیہ کے جو قرب قیامت میں پیدا ہوئی ہے،
 تو باقتضاء عادت زمانہ اس طویل زمانہ کے خواص بہ نسبت امت محمدیہ کے مختصر زمانے کے خواص کے زیادہ ہوں گے
 کیونکہ اس طویل زمانہ میں لاکھ دو لاکھ تو انبیاء ہی ہیں، اور خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں کوئی
 اور نبی نہیں، اس لئے خواص معتربین کا بڑا اگر وہ متقدمین کا ہوگا، اور متاخرین یعنی امت محمدیہ میں اس سے
 کم ہوگا، آگے مقربین خواص کے لئے جو نعمتیں مقرر ہیں ان کی تفصیل یہ ہے کہ وہ (مقرب) لوگ سونے کے
 تاروں سے بنے ہوئے تختوں پر بیکہ لگائے آئے سامنے بیٹھے ہوں گے، (در منثور میں حضرت ابن عباس رضی
 لفظ موضوعہ کی یہی تفسیر نقل کی ہے اور) ان کے پاس ایسے لڑکے ہوں گے جو ہمیشہ لڑکے ہی رہیں گے، یہ

چیزیں لے کر آمد و رفت کیا کریں گے آنچورے اور آفتابے اور ایسا جام شراب جو بہتی ہوئی شراب سے بھرا جاوے گا، اس کی تحقیق سورۃ صافات میں گذر چکی ہے) نہ اس سے ان کو درد سر ہوگا اور نہ اس سے عقل میں فحور آئے گا (یہ بھی سورۃ صافات میں گذر چکا ہے) اور میوے جن کو وہ پسند کریں اور پرندوں کا گوشت جو ان کو مرغوب ہو اور ان کے لئے گوری گوری بڑی بڑی آنکھوں والی عورتیں ہوں گی (مراد حوریں ہیں جن کی رنگت ایسی صاف شفاف ہوگی، جیسے (حفاظت سے) پوشیدہ رکھا ہوا موتی، یہ ان کے اعمال کے صلہ میں ملے گا) اور وہاں نہ بک بک سنیں گے اور نہ وہ کوئی اور بیہودہ بات (سنیں گے، یعنی شراب پی کر یا دیسے بھی ایسی چیزیں نہ پائی جاویں گے جن سے عیش مکدر ہوتی ہے) بس (ہر طرف سے) سلام ہی سلام کی آواز آوے گی (کہ قولہ تعالیٰ وَالْمَلَائِكَةُ يَنْحَلُونَ عَلَيْهِمْ مِّنْ حَلِيٍّ بَابٍ سَلَامٌ عَلَيْكُمْ وَقَوْلُهُ تَعَالَىٰ تَجِيئُ لَهُمْ فِيهَا سَلَامٌ جو کہ دلیل اکرام و اعزاز کی ہے، غرض روحانی و جسمانی ہر طرح کی لذت و مسرت اعلیٰ درجہ کی ہوگی، یہ جزا رشتہ کا بیان کیا گیا) اور (آگے) اصحاب الیمین کی جزا کی تفصیل ہے (یعنی) جو داہنے والے ہیں وہ داہنے والے کیسے اچھے ہیں (اس اجمال کا اعادہ تفصیل کے قبل اس لئے کیا گیا کہ اُس اجمال کو فصل ہو گیا تھا آگے ان کے اچھے ہونے کا بیان ہے کہ) وہ ان باغوں میں ہوں گے جہاں بے خار بیریاں ہوں گی اور تہہ بہ تہہ کیلے ہوں گے، اور لمبا لمبا سایہ ہوگا، اور چلتا ہوا پانی ہوگا اور کثرت سے میوے ہوں گے جو نہ ختم ہوں گے (جیسے دنیا کے میوے کہ فصل تمام ہونے سے تمام ہو جاتے ہیں) اور ان کی روک ٹوک ہوگی (جیسے دنیا میں باغ والے اس کی روک ٹوک کرتے ہیں) اور اونچے اونچے فرش رکینو کہ جن درجوں میں وہ بچھے ہیں وہ درجہ بلند) ہوں گے (۲) جو کہ مقام خوش عیش کا ہے اور خوش عیشی بدون عورتوں کے کامل نہیں ہوتی، اس طور پر ان اسباب عیش کے ذکر ہی سے عورتوں کا ہونا معلوم ہو گیا، لہذا آگے بہشتی عورتوں کی طرف اُنْثَا نِہْن کی ضمیر راجع کر کے ان کا ذکر فرمایا جاتا ہے کہ ہم نے (وہاں کی) اُن عورتوں کو (جن میں جنت کی حوریں بھی شامل ہیں اور دنیا کی عورتیں بھی، جیسا کہ روح المعانی میں ترمذی کے حوالہ سے یہ حدیث مرفوعہ نقل کی ہے کہ اس آیت میں جن عورتوں کی تخلیق جدید کا ذکر ہے اُن سے مراد وہ عورتیں ہیں جو دنیا میں بوڑھی یا بد شکل تھیں اُن کے متعلق فرمایا کہ ہم نے ان عورتوں کو) خاص طور پر بنایا، (یہ) جن کی تفصیل آگے ہے، یعنی ہم نے ان کو ایسا بنایا کہ وہ کنواریاں ہیں (یعنی بعد مقاربت کے پھر کنواری ہو جاویں گی، جیسا کہ درمنثور میں حضرت ابوسعید خدری کی مرفوعہ حدیث سے ثابت ہے اور) محبوبہ ہیں (یعنی حرکات و سائل و نماز و انداز و حسن و جمال سب چیزیں اُن کی دلکش ہیں اور اہل جنت کی) ہم عمر ہیں (اس کی تحقیق سورۃ صافات میں گذر چکی ہے) یہ سب چیزیں دلہنے والوں کے لئے ہیں (آگے یہ بتلاتے ہیں کہ داہنے والے بھی مختلف قسم کے لوگ ہوں گے یعنی) ان (اصحاب الیمین) کا ایک بڑا گروہ اگلے لوگوں میں سے ہوگا اور ایک بڑا گروہ پچھلے لوگوں میں سے ہوگا (بلکہ متاخرین میں اصحاب الیمین بہ نسبت متقدمین کے تعداد میں زیادہ ہوں گے، چنانچہ احادیث میں تصریح ہے کہ اس امت کے مؤمنین کا مجموعہ پچھلی تمام امتوں کے مؤمنین کے

مجموعہ سے زیادہ ہوگا، اور اس کی یہی صورت ہو سکتی ہے کہ اصحاب الیمین اس امت میں زیادہ ہوں کیونکہ خواص مفسرین کی اکثریت تو متقدمین میں خود آیت بالا سے ثابت ہو چکی ہے، اور جب اصحاب الیمین مرتبہ میں معتبرین سے کم ہیں تو ان کی جزا بھی کم ہوگی سو اس کی توجیہ یہ ہے کہ مفسرین کی جزا میں وہ سامان عیش زیادہ مذکور ہے جو اہل شہر کو زیادہ مرغوب ہے، اور اصحاب الیمین کی جزا میں وہ سامان عیش زیادہ مذکور ہے جو دیہات و قصبہ والوں کو مرغوب ہے، اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ ان دونوں میں ایسا تفاوت ہوگا جیسا اہل شہر و اہل قریہ میں ہوا کرتا ہے، (کذا فی الروح) اور (آگے کفار کا اور ان کے عقاب و عذاب کا ذکر ہے، یعنی) جو باتیں والے ہیں وہ باتیں والے کیسے بُرے ہیں (اور اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ) وہ لوگ آگ میں ہوں گے اور کھولتے ہوئے پانی میں اور سیاہ دھوئیں کے سایہ میں جو نہ ٹھنڈا ہوگا اور نہ فرحت بخش ہوگا (یعنی سایہ سے ایک جسانی نفع ہوتا ہے راحت و برودت اور ایک روحانی نفع ہوتا ہے لذت و فرحت، وہاں دونوں نہ ہونگے) یہ وہی دھواں ہے جس کا ذکر اوپر سورہ رحمن میں بلفظ سخاس آیا ہے، آگے اس عذاب کی وجہ ارشاد ہے کہ (وہ لوگ اس کے قبل (یعنی دنیا میں) بڑی خوش حالی میں رہتے تھے اور (اس خوش حالی کے غرہ میں) بڑے بھاری گناہ (یعنی شرک و کفر) پر اصرار کیا کرتے تھے (مطلب یہ کہ ایمان نہیں لائے تھے) اور (آگے ان کے کفر کا بیان ہے جس کو زیادہ دخل ہے طلب حق نہ ہونے میں یعنی وہ) یوں کہا کرتے تھے کہ جب ہم مر گئے اور مٹی اور ہڈیاں (ہو کر) رہ گئے تو کیا (اس کے بعد) ہم دوبارہ زندہ کئے جاویں گے اور کیا ہمارے اگلے باپ دادا بھی (زندہ ہوں گے) چونکہ منکرین قیامت میں بعض کفار پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بھی تھے اس لئے اس کے متعلق ارشاد ہے کہ) آپ کہہ دیجئے کہ سب اگلے اور پچھلے جمع کئے جاویں گے ایک معین تایخ کے وقت پر پھسر (جمع ہونے کے بعد) تم کو اے گمراہو جھٹلانے والو! درخت زقوم سے کھانا ہوگا پھر اس سے پیٹ بھرنا ہوگا، پھر اس پر کھولنا ہو پانی پینا ہوگا پھر پینا بھی پیاسے اونٹوں کا سار (غرض) ان لوگوں کی قیامت کے روز یہ جہانی ہوگی۔

معارف و مسائل

سُورَةُ وَقْفَةُ کی خصوصی فضیلت | ابن کثیر نے بحوالہ ابن عساکر ابو ظبیہ سے یہ واقعہ نقل کیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے مرض و وفات میں حضرت عثمان غنیؓ عیادت کے لئے تشریف لے گئے، حضرت عثمانؓ نے پوچھا مَا تَشْتَكِي (تمہیں کیا تکلیف ہے) تو فرمایا، دُنُوِّي (یعنی اپنے گناہوں کی تکلیف ہے) پھر پوچھا مَا تَشْتَكِي (یعنی آپ کیا چاہتے ہیں) تو فرمایا، رَحْمَةً تَرِي (یعنی اپنے رب کی رحمت چاہتا ہوں)، پھر حضرت عثمانؓ نے فرمایا کہ میں آپ کے لئے کسی طبیب (معالج) کو بلاتا ہوں تو فرمایا اَلطَّبِيبُ اَمْرٌ صَنِیْ (یعنی مجھے طبیب ہی نے بیمار کیا ہے) پھر حضرت عثمانؓ

نے فرمایا کہ میں آپ کے لئے بیت المال سے کوئی عطیہ بھیج دوں تو فرمایا لَا حَاجَةَ لِي فِيهَا، (مجھے اس کی کوئی حاجت نہیں) حضرت عثمانؓ نے فرمایا کہ عطیہ لے لیجئے وہ آپ کے بعد آپ کی لڑکیوں کے کام آئے گا تو فرمایا کہ کیا آپ کو میری لڑکیوں کے بارے میں یہ فکر ہے کہ وہ فقر و فاقہ میں مبتلا ہو جائیں گی، مگر مجھے یہ فکر اس لئے نہیں کہ میں نے اپنی لڑکیوں کو تاکید کر رکھی ہے کہ ہر رات سورۃ واقعہ پڑھا کریں، کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے۔

جو شخص ہر رات میں سورۃ واقعہ پڑھا کرے وہ
بمبھی فاقہ میں مبتلا نہیں ہوگا۔

مَنْ قَرَأَ سُورَةَ الْوَاقِعَةِ كُلَّ لَيْلَةٍ
لَمْ تُصِبْهُ فَاقَةٌ أَبَدًا (ابن کثیر)

ابن کثیر نے یہ روایت بسند ابن عساکر نقل کرنے کے بعد اس کی تائید دوسری سندوں اور دوسری کتابوں سے بھی پیش کی ہے۔

إِذَا وَقَعَتِ الْوَاقِعَةُ، ابن کثیرؒ نے فرمایا کہ واقعہ قیامت کے ناموں میں سے ایک نام ہے، کیونکہ اس کے وقوع میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں،

لَيْسَ يَوْفَعُهَا كَاذِبَةٌ، کاذبہ مصدر ہے جیسے عَافِيَةٌ اور عَاقِبَةٌ اور معنی یہ ہیں کہ اس کے وقوع میں کوئی کذب نہیں ہو سکتا، بعض حضرات نے کاذبہ کو بمعنی تکذیب قرار دیا ہے، معنی ظاہر ہیں کہ اس کی تکذیب نہیں ہو سکتی۔

خَافِضَةٌ رَافِعَةٌ، یعنی واقعہ قیامت بہت سی بلند رتبہ قوموں اور افراد کو پست و ذلیل کر دے گا اور بہت سی پست و حقیر قوموں اور افراد کو سر بلند کر دے گا، حضرت ابن عباسؓ سے اس جملہ کی یہی تفسیر منقول ہے، اور مقصد اس کا ہونا اور اس میں عجیب قسم کے انقلابات پیش آنے کا بیان ہے، جیسا کہ سلطنتوں اور حکومتوں کے انقلاب کے وقت مشاہدہ ہوا کرتا ہے، کہ اوپر والے نیچے اور نیچے والے اوپر ہو جاتے ہیں، فقیر مالدار ہو جاتے ہیں مالدار فقیر ہو جاتے ہیں (روح)

مِثْقَالُ ذَرَّةٍ فِي حُشْرٍ، ابن کثیرؒ نے فرمایا کہ قیامت کے روز تمام لوگ تین تین قبیلوں میں تقسیم ہو جائیں گے، ایک قوم عرش کے داہنی جانب ہوگی، یہ وہ

ہوں گے جو آدم علیہ السلام کی داہنی جانب سے پیدا ہوئے، اور ان کے اعمال نامے ان کے داہنے ہاتھوں میں دیئے جائیں گے، اور ان کو عرش کی داہنی جانب میں جمع کر دیا جائے گا، یہ سب لوگ جنتی ہیں۔

دوسری قوم عرش کے بائیں جانب میں جمع ہوگی، جو آدم علیہ السلام کے بائیں جانب سے پیدا ہوئی اور جن کے اعمال نامے ان کے بائیں ہاتھوں میں دیئے گئے، ان سب کو بائیں جانب میں جمع کر دیا جائے گا، اور یہ سب

لوگ جہنمی ہیں، (نور بائیں منہ صنیعہم)

اور تیسری قسم طائفہ سابقین کا ہوگا جو رب عرش کے سامنے خصوصی امتیاز اور قرب کے مقام میں

ہوگا، جن میں انبیاء و رسل، صدیقین، شہداء اور اولیاء اللہ شامل ہوں گے، ان کی تعداد بہ نسبت اصحاب الیمین کے کم ہوگی۔

آخر سورۃ میں ان تینوں کا ذکر پھر اس سلسلے میں آئے گا کہ انسانوں کی موت کے وقت سے ہی آثار اس کے محسوس ہو جائیں گے کہ یہ ان تینوں گروہوں میں سے کس گروہ میں شامل ہونے والا ہے۔

وَالشَّاقِقُونَ الشَّاقِقُونَ، امام احمد نے حضرت صدیقہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ سے سوال کیا کہ تم جانتے ہو کہ قیامت کے روز ظل اللہ کی طرف سبقت کرنے والے کون لوگ ہوں گے، صحابہ کرام نے عرض کیا اللہ ورسولہ اعلم آپ نے فرمایا یہ وہ لوگ ہیں کہ جب ان کو حق کی طرف دعوت دی جائے تو اس کو قبول کریں اور جب ان سے حق مانگا جائے تو ادا کر دیں، اور لوگوں کے معاملات میں وہ فیصلہ کریں جو اپنے حق میں کرتے ہیں۔

مجاہدؒ نے فرمایا کہ سابقین سے مراد انبیاء ہیں، ابن سیرین نے فرمایا کہ جن لوگوں نے دونوں قبلوں یعنی بیت المقدس اور بیت اللہ کی طرف نماز پڑھی ہے وہ سابقین ہیں، اور حضرت حسنؒ و قتادہؒ نے فرمایا کہ ہر اُمت میں سابقین ہوں گے، بعض مفسرین نے فرمایا کہ مسجد کی طرف سب سے پہلے جانے والے سابقین ہوں گے۔

ابن کثیرؒ نے ان تمام اقوال کو نقل کرنے کے بعد فرمایا کہ یہ سب اقوال اپنی اپنی جگہ صحیح و درست ہیں، ان میں کوئی اختلاف نہیں، کیونکہ سابقین وہی لوگ ہوں گے جنہوں نے دنیا میں نیک کاموں کی طرف مسابقت کی ہوگی تو جو آدمی اس دنیا میں اعمال صالحہ کے اندر دوسروں سے آگے بڑھا، ہادہ آخرت میں بھی سابقین میں سے ہوگا، کیونکہ آخرت کی جزاء عمل کے مناسب دی جائے گی۔

ثُمَّ لَآتِيَنَّهُمْ مِّنَ الْآخِرِينَ وَ قَلِيلٌ مِّنَ الْآخِرِينَ، لفظ ثلثہ بضم ثاء جماعت کو کہتے ہیں اور زحزحیٰ نے کہا کہ بڑی جماعت کو ثلثہ کہا جاتا ہے۔ (روح)

اولین و آخرین سے کیا مراد ہے | یہاں اولین و آخرین کی تقسیم کا دو جگہ ذکر آیا ہے، اول سابقین مفسرین کے سلسلہ میں، دوسرا اصحاب الیمین یعنی عامۃ مؤمنین کے سلسلے میں، پہلی جگہ یعنی سابقین میں تو یہ فرق کیا گیا کہ یہ سابقین معتبرین اولین میں سے ثلثہ یعنی بڑی جماعت ہوگی، اور آخرین میں سے کم ہوں گے، جیسا کہ آیت مذکورہ میں ہے، اور دوسری جگہ اصحاب الیمین کے بیان میں اولین و آخرین دونوں میں لفظ ثلثہ وارد ہوا ہے جس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ اصحاب الیمین اولین میں سے بڑی جماعت ہوگی، اسی طرح آخرین میں سے بھی بڑی جماعت ہوگی، (ثُمَّ لَآتِيَنَّهُمْ مِّنَ الْآخِرِينَ وَ قَلِيلٌ مِّنَ الْآخِرِينَ)

اب قابل غور یہ امر ہے کہ اولین سے مراد کون ہیں اور آخرین سے کون، اس میں حضرات مفسرین کے دو قول ہیں، ایک یہ کہ آدم علیہ السلام سے لے کر قرب زمانہ خاتم الانبیاء تک کی تمام مخلوقات اولین میں داخل ہیں، اور خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم سے لے کر قیامت تک آنے والی مخلوق آخرین میں داخل ہے

یہ تفسیر مجاہد اور حسن بصری سے ابن ابی حاتم نے سند کے ساتھ نقل کی ہے، اور ابن جریر نے بھی اسی تفسیر کو اختیار کیا ہے، بیان القرآن کے خلاصہ تفسیر میں بھی اسی کو اختیار کیا گیا ہے، جو اوپر بیان ہو چکا ہے، اور اس کی دلیل میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث نقل کی ہے، یہ حدیث ابن عساکر نے اپنی سند کے ساتھ اس طرح نقل کی ہے کہ جب پہلی آیت جو سابقین مقربین کے سلسلے میں آئی ہو نازل ہوئی ثَلَاثَةٌ مِّنَ الْأَوَّلِينَ وَ قَلِيلٌ مِّنَ الْآخِرِينَ، تو حضرت عمر بن خطابؓ نے تعجب کے ساتھ عرض کیا کہ یا رسول اللہؐ کیا پچھلی امتوں میں سابقین زیادہ ہوں گے، اور ہم میں کم ہوں گے؟ اس کے بعد سال بھر تک اگلی آیت نازل نہیں ہوئی، جب ایک سال کے بعد یہ آیت نازل ہوئی ثَلَاثَةٌ مِّنَ الْأَوَّلِينَ وَ ثَلَاثَةٌ مِّنَ الْآخِرِينَ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

إِسْمُكُمْ يَأْتِي مَا قَدْ أَنْزَلَ اللَّهُ ثَلَاثَةً
مِّنَ الْأَوَّلِينَ وَ ثَلَاثَةً مِّنَ الْآخِرِينَ
أَلَا وَإِنَّ مِنَّا إِدَمَ إِلَى ثَلَاثَةٍ وَ أُمَّتِي
ثَلَاثَةٌ الْحَدِيثُ (ابن کثیر)

اُنے عمر! سنو! جو اللہ نے نازل فرمایا کہ اولین میں سے بھی ثلثہ یعنی بڑی جماعت ہوگی اور آخرین میں سے بھی ثلثہ یعنی بڑی جماعت ہوگی، اور یاد رکھو آدم علیہ السلام سے مجھ تک ایک ثلثہ جو اور میری امت دوسرا ثلثہ،

اور اس مضمون کی تائید اُس حدیث سے بھی ہوتی ہے جو امام حسنینؓ اور ابن ابی حاتم نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ جب آیت ثَلَاثَةٌ مِّنَ الْأَوَّلِينَ وَ قَلِيلٌ مِّنَ الْآخِرِينَ نازل ہوئی تو صحابہ کرام پر شاق ہوا کہ ہم بہ نسبت اُمم سابقہ کے کم رہیں گے، اُس وقت دوسری آیت نازل ہوئی ثَلَاثَةٌ مِّنَ الْأَوَّلِينَ وَ ثَلَاثَةٌ مِّنَ الْآخِرِينَ، اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے امید ہے کہ تم یعنی امت محمدیہ جنت میں ساری مخلوق کے مقابلہ میں چوتھائی، ہتائی، بلکہ نصف اہل جنت ہوں گے، اور باقی نصف میں بھی کچھ تمہارا حصہ ہوگا، (ابن کثیر) جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ مجموعی طور پر اہل جنت میں اکثریت امت محمدیہ کی ہو جائے گی، مگر ان دونوں حدیثوں سے استدلال میں ایک اشکال یہ ہے کہ قلیل مِّنَ الْآخِرِينَ تو سابقین مقربین کے متعلق آیا ہے اور دوسری آیت میں جو ثَلَاثَةٌ مِّنَ الْآخِرِينَ آیا ہے وہ سابقین مقربین کے متعلق نہیں بلکہ اصحاب الیمین کے متعلق ہے۔

اس کا جواب روح المعانی میں یہ دیا ہے کہ صحابہ کرام اور حضرت عمرؓ کو جو پہلی آیت سے رنج و غم ہوا، اس کی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ انہوں نے یہ خیال کیا ہوگا کہ جو نسبت سابقین میں ہے، وہی شاید اصحاب الیمین اور عام اہل جنت میں ہوگی جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ کُل اہل جنت میں ہماری تعداد بہت کم رہے گی، جب اصحاب الیمین کی تشریح میں اولین و آخرین دونوں میں لفظ ثَلَاثٌ نازل ہوا تو اس شبہ کا ازالہ ہو گیا کہ مجموعی اعتبار سے اہل جنت میں امت محمدیہ کی اکثریت رہے گی، اگرچہ سابقین اولین میں ان کی تعداد مجموعہ اُمم سابقہ کے مقابلہ میں کم رہے خصوصاً اس وجہ سے کہ مجموعہ اُمم سابقہ میں ایک بھاری تعداد انبیاء علیہم السلام کی ہے، ان کے مقابلہ میں امت محمدیہ

کے لوگ کم رہیں تو کوئی غم کی چیز نہیں۔

لیکن ابن کثیر، ابوحیان، شریطی، روح المعانی، مظہری وغیرہ سب تفسیروں میں دوسری تفسیر کو ترجیح دی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ یہ اولین و آخرین دونوں طبقے اسی امت کے مراد ہیں، اولین اس امت کے قرون اولیٰ یعنی صحابہ و تابعین وغیرہ ہیں، جن کو حدیث میں خیر القرون فرمایا ہے اور آخرین قرون اولیٰ کے بعد والے حضرات ہیں۔

ابن کثیر نے حضرت جابرؓ کی مرفوع حدیث جو پہلی تفسیر کی تائید میں اور پرکھی گئی ہے، اس کی سند کے متعلق کہا ہے **وَلَكِنْ فِي اسْتَدَاهِ نَظَرٌ دُوسری تفسیر کے لئے استدلال میں** وہ آیات قرآنی پیش کی ہیں جن میں امت محمدیہ کا خیر الامم ہونا مذکور ہے، جیسے **كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ** وغیرہ اور فرمایا کہ یہ بات بہت مستبعد ہے کہ سابقین معتبرین کی تعداد خیر الامم میں دوسری امتوں کی نسبت سے کم ہو، اس لئے راجح یہ ہے کہ **ثَلَاثَةٌ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ** سے مراد اسی امت کے قرون اولیٰ ہیں، اور **قَلِيلٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ** سے مراد بعد کے لوگ ہیں کہ ان میں سابقین مقربین کی تعداد کم ہوگی۔

اس قول کی تائید میں ابن کثیر نے حضرت حسن بصریؒ کا قول بروایت ابن ابی حاتم یہ پیش کیا ہے کہ حضرت حسنؒ نے یہ آیت **اَسَاقِفُونَ السَّابِقُونَ** تلاوت کر کے فرمایا کہ سابقین قوم سے پہلے گذر چکے، لیکن یا اللہ ہمیں اصحاب الیہین میں داخل فرما دیجئے، اور حضرت حسنؒ سے دوسری روایت میں یہ الفاظ بھی نقل کئے ہیں کہ **ثَلَاثَةٌ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ** کی تفسیر میں فرمایا **ثَلَاثَةٌ مِّنْ نِّفْتَةٍ مِّنْ اُذِيهِ الْاُمَّةِ**، یعنی اولین سے مراد اسی امت کے سابقین ہیں۔

اسی طرح محمد بن سیرینؒ نے فرمایا کہ **ثَلَاثَةٌ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ** و **قَلِيلٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ** کے متعلق علماء یہ کہتے اور توقع کرتے تھے کہ یہ اولین و آخرین سب اسی امت میں سے ہوں (ابن کثیر) اور روح المعانی میں اس دوسری تفسیر کی تائید میں ایک حدیث مرفوعہ بسند حسن حضرت ابوبکرؓ کی روایت سے یہ نقل کی ہے:-

تمہد دے اپنی مستدین اور ابن المنذر، طرانی اور ابن مردویہ نے سند حسن کے ساتھ حضرت ابوبکرؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت **ثَلَاثَةٌ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ** و **ثَلَاثَةٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ** کی تفسیر میں فرمایا کہ یہ دونوں عجائیں اسی امت محمدیہ میں سے ہوں گی۔

اَخْرَجَ مُسْنَدُ فِي مُسْنَدِهِ وَاَبْنُ الْمُنْذِرِ
وَالطَّبْرَانِيُّ وَابْنُ مَرْدَوَيْهِ بِسَنَدٍ
حَسَنٍ عَنْ اَبِي بَكْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى
اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي قَوْلِهِ **ثَلَاثَةٌ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ**
ثَلَاثَةٌ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ و **ثَلَاثَةٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ**
قَالَ هُمَا جَمِيعًا مِّنْ هَذِهِ الْاُمَّةِ

اور حضرت ابن عباسؓ سے بھی سند ضعیف کے ساتھ حدیث مرفوعہ بہت سے حضرات محدثین نے

نقل کی ہے، جس کے الفاظ یہ ہیں **هَٰذَا جَمِيعًا مِّنْ أُمَّتِي**، یعنی یہ دونوں اولین و آخرین میری ہی امت میں سے ہوں گے۔

اس تفسیر کے مطابق شروع آیت میں **كُنْتُمْ** آرزو آجائے اللہ کا مخاطب امت محمدیہ ہی ہوگی، اور یہ تینوں قسمیں امت محمدیہ ہی کی ہوں گی (روح المعانی)

تفسیر منطری میں پہلی تفسیر کو اس لئے بہت بعید قرار دیا ہے کہ آیات قرآن کی واضح دلالت اس پر ہے کہ امت محمدیہ تمام اہم سابقہ سے افضل ہے، اور ظاہر یہ ہے کہ کسی امت کی فضیلت اس کے اندر اعلیٰ طبقہ کی زیادہ تعداد ہی سے ہوتی ہے، اس لئے یہ بات بعید ہے کہ افضل الامم کے اندر سابقین معتبرین کی تعداد کم ہو، آیات قرآن **كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ** اور **لَتَكُونَنَّ أَهْلَ النَّارِ** و **لَتَكُونَنَّ الرُّسُلُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا** سے امت محمدیہ کی افضلیت سب امتوں پر ثابت ہے، اور ترمذی، ابن ماجہ و دارمی نے حضرت بہز بن حکیم سے روایت کیا ہے اور ترمذی نے اس کی سند کو حسن قرار دیا ہے۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں:-

”تم ستر سابقہ امتوں کا تمہ ہو گے جن میں تم سب
آخرین اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ
اکرم و افضل ہو گے“

أَنْتُمْ ثَمَنُونَ سَبْعِينَ أُمَّةً أَنْتُمْ
أَخْيَرُهَا قَدْ أَكْرَمَهَا عَلَى اللَّهِ تَعَالَى

اور امام بخاری نے حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا تم اس پر راضی ہو کہ اہل جنت کے چوتھائی تم لوگ ہو جاؤ گے، ہم نے عرض کیا کہ بے شک ہم اس پر راضی ہیں تو آپ نے فرمایا:

”قسم ہے اُس ذات کی جس کے قبضہ میں میری
جان ہو مجھے یہ امید ہو کہ تم (یعنی امت محمدیہ)
اہل جنت کے نصف ہو گے“

وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ إِنِّي لَأَرَى جُورَ
أَنْ تَكُونُوا نِصْفَ أَهْلِ الْجَنَّةِ
(از منطری)

اور ترمذی، حاکم و بیہقی نے حضرت بریدہ سے روایت کیا ہے، اور ترمذی نے اس کی سند کو حسن اور حاکم نے صحیح کہا ہے، الفاظ حدیث کے یہ ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:-

”اہل جنت محل ایک سو بیس صفوں میں ہوں گے
جن میں سے انسی صفیں اس امت کی ہوں گی
باقی چالیس صفوں میں ساری امتیں شریک
ہوں گی“

أَهْلُ الْجَنَّةِ مِائَةٌ وَعِشْرُونَ صَفًّا
ثَمَانُونَ مِنْهَا مِنْ هَذِهِ الْأُمَّةِ وَ
أَرْبَعُونَ مِنْ سَائِرِ الْأُمَمِ
(منطری)

مذکورہ صدر روایات میں اس امت کے اہل جنت کی نسبت دوسری امتوں کے اہل جنت سے

کہیں چوتھائی کہیں نصف اور اس آخری روایت میں دوہرائی مذکور ہے، اس میں کوئی تعارض اس کو نہیں کہ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اندازہ بیان کیا گیا ہے اس اندازہ میں مختلف اوقات میں زیادتی ہوتی رہی

واللہ اعلم

عَلَىٰ سُرٍّ مَّوْصُوفَةٍ، موضوعہ کے متعلق حضرت ابن عباسؓ سے ابن جریر، ابن ابی حاتم اور بیہقی وغیرہ نے یہ نقل کیا ہے کہ وہ کپڑا جس پر سونے کے تاروں سے کام بنایا گیا ہو۔

وَلَدَانِ مَخْلُوقَتَيْنِ سے مراد یہ ہے کہ یہ لڑکے ہمیشہ اسی حالت میں لڑکے ہی رہیں گے، ان میں کوئی تغیر عمر وغیرہ کا نہ ہوگا، اُن جنت کے غلمان کے متعلق راجح تحقیق یہ ہے کہ حوروں کی طرح یہ بھی جنت ہی میں پیدا ہوئے ہوں گے، اور یہ سب اہل جنت کے خادم ہوں گے، روایات حدیث سے ثابت ہے کہ ایک ایک جنتی کے پاس ہزاروں خادم ہوں گے (مظہری)

بِأَنْحَوَافٍ وَأَبَارِيقٍ وَكَأْسٍ مِّنْ مَّعِينٍ، انکواب، کوب کی جمع ہے، پانی وغیرہ پینے کے لیے برتن کو کہتے ہیں، جیسے ہمارے عوف میں گلاس ہوتے ہیں، اور اَبَارِيقُ ابریق کی جمع ہے، ٹونٹی دار لوٹے کو کہتے ہیں، کاس خاص شراب کے پیالے کو کہا جاتا ہے، مَعِين سے مراد یہ ہے کہ یہ شراب ایک چشمہ جاریہ سے لائی گئی ہوگی۔

لَا يَصْلُغُ عَوْنٌ، صَدَاع سے مشتق ہے جس کے معنی دردِ سر کے ہیں، دنیا میں شراب زیادہ پینے سے سر میں درد اور جھکڑ جیسے ہوتے ہیں، جنت کی یہ شراب اس سے پاک ہوگی۔

لَا يَنْزِفُونَ، نزف کے اصلی معنی کنویں کا تمام پانی سپنج لینے کے ہیں، یہاں مراد عقل سے خالی ہو جانا ہے۔

وَلَحْمٍ طَيْرٍ مِّمَّا يَشْتَهُونَ، یعنی پرندوں کا گوشت جیسی ان کی خواہش ہو، حدیث میں ہے کہ اہل جنت جس وقت کسی پرندے کے گوشت کی طرف رغبت کریں گے تو اس کا گوشت جس طرح کھانے کی رغبت دل میں آدے گی کہ کباب ہو یا دوسری طرح کا پکا ہوا، اسی طرح کا فوراً تیار ہو کر اس کے سامنے آجائے گا (مظہری)

وَأَصْحَابُ الْيَمِينِ مَا أَصْحَابُ الْيَمِينِ، اصحابِ یمن، دراصل مؤمنین متقین اور اولیاء اللہ میں گناہگار مسلمان بھی اُن کے ساتھ مل جائیں گے، بعض تو محض اللہ تعالیٰ کے فضل سے بعض کسی نبی ولی کی شفاعت سے مغفرت اور معافی ہو جانے کے بعد اور بعض کو عذاب ہوگا، مگر اپنے گناہ کا عذاب بھگتنے کے بعد یہ بھی گناہ سے پاک صاف ہو کر اصحابِ الیمین کے گردہ میں شامل ہو جائیں گے، کیونکہ گناہگار مومن کے لئے جہنم کی آگ درحقیقت عذاب نہیں بلکہ کھوٹ سے پاک صاف کرنے کی ایک تدبیر ہے۔ (مظہری)

فِي سِدْرٍ مَّخْضُودٍ وَطَلْحٍ مَّنْضُودٍ وَزَيْلٍ مُّسَدَّدٍ وَمَاءٍ مَّسْكُوبٍ، جنت کی نعمتیں بیشمار اور بے مثال و بے قیاس ہیں، ان میں سے جو نعمتیں مشرانِ کریم ذکر کرتا ہے وہ مخاطبین کے اندازِ فکر اور اُن کی محبوب و پسندیدہ چیزوں کا ذکر کرتا ہے، عرب کے لوگ جن تفریحات اور جن پھلوں کے خوگر تھے، یہاں ان میں سے چند کا ذکر کیا گیا ہے، فِي سِدْرٍ مَّخْضُودٍ، سدر بری کے درخت کو کہتے ہیں، مخضود وہ بری جس کے کانٹے قطع کر دیئے گئے ہوں، اور پھل کے بوجھ سے شاخ جھکی ہوئی ہو، اور یہ جنت کے بیرونِ دنیا کے بیرون کی طرح نہیں ہوں گے، بلکہ یہ بر مشکوں کے برابر بڑے اور ذائقہ میں بھی دنیا کے پیر سے اس کی کوئی نسبت نہیں، (کذا فی الحدیث) طَلْحٍ مَّنْضُودٍ، طلح، کیلے کا درخت ... منضود جس کے پھل تہہ بر تہہ ہوں، جیسے کیلے کے چرخوں میں ہوتے ہیں، زَيْلٍ مُّسَدَّدٍ، دراز سایہ، صحیحین کی حدیث میں ہے کہ جنت کے بعض درختوں کا سایہ اتنا دراز ہوگا کہ گھوڑے سوار آدمی اس کو تلو سال میں بھی قطع نہ کر سکے گا، وَمَاءٍ مَّسْكُوبٍ جاری پانی جو سطحِ زمین پر بہتا ہو۔

وَأَفَّاكَةٍ كَثِيرَةٍ، کثرت کے معنی میں یہ بھی داخل ہیں کہ پھلوں کی تعداد بہت ہوگی اور یہ بھی کہ ان کے اقسام و اجناس بے شمار ہوں گے، لَا مَقْطُوعَةٍ وَلَا مَمْنُوعَةٍ، مقطوعہ سے مراد جو فصل ختم ہونے پر ختم ہو جائے جیسے دنیا کے عام پھلوں کا یہی حال ہے کوئی گرمی میں ہوتا ہے، موسم ختم ہونے پر ختم ہو جاتا ہے، کوئی سردی یا برسات میں ہوتا ہے، اور موسم کے ختم پر اس کا نام و نشان نہیں رہتا، جنت کا ہر پھل دائمی ہر وقت ہر موسم میں موجود رہے گا، مَمْنُوعَةٍ سے مراد بھی یہ ہے کہ دنیا میں جس طرح درختوں پر لگے ہوئے پھلوں کے نگران اُن کو توڑنے سے منع کرتے ہیں جنت کے پھل اس سے بھی آزاد ہوں گے، اُن کو توڑنے میں کوئی رکاوٹ نہ ہوگی۔

وَفُرُشٍ مَّرْفُوعَةٍ، فُرُش، فراش کی جمع ہے، جس کے معنی ہیں بستر یا فرش، فرش کی بلندی اوّل تو اس لئے ہے کہ یہ مقام خود ہی بلند ہے، دوسرے خود یہ فرش زمین پر نہیں بلکہ تختوں اور چارپائیوں کے اوپر ہوں گے، تیسرے خود فرش بھی دبیز ہوگا، اور بعض مفسرین نے اس جگہ فراش سے مراد عورت کو قرار دیا ہے، کیونکہ عورت کو بھی لفظ فراش سے تعبیر کیا جاتا ہے، حدیث میں ہے أَلَوْ كُنَّا لَلْفُرُشِ، اس میں فراش سے بیوی مراد ہے، اور اگلی آیتوں میں جو جنتی عورتوں کی صفات مذکور ہیں وہ بھی اس معنی کا تفسیر ہیں (مظہری) اس صورت میں لفظ مرفوعہ رفعت ... درجہ کے اعتبار سے ہوگا بمعنی بلند پایہ۔

إِنَّا أَنْشَأْنَاهُنَّ إِنِشَاءً، انشاء کے معنی پیدا کرنے کے ہیں، هُنَّ کی ضمیر جنت کی عورتوں کی طرف راجع ہے، اگرچہ سابقہ قریبی آیات میں اُن کا ذکر نہیں ہے، مگر ذرا فاصلہ سے سابقون کے بیان میں ان کا ذکر آچکا ہے، اس لئے ضمیر ان کی طرف راجع ہو سکتی ہے، اور اگر آیت مذکورہ میں فراش سے مراد جنت کی عورتیں ہیں، تو ضمیر ان کی طرف ہونا ظاہر ہے، نیز فرش و بستر وغیرہ عیش کی چیزوں کے ذکر

میں خود ایک دلالت عورت کی طرف پائی جاتی ہے، اس لئے بھی ضمیر اس طرف راجع ہو سکتی ہے۔

معنی آیت کے یہ ہیں کہ ہم نے جنت کی عورتوں کی پیدائش و تخلیق ایک خاص انداز سے کی ہے یہ خاص انداز..... جو ان جنت کے لئے تو اس طرح ہے کہ وہ جنت ہی میں بغیر ولادت کے پیدا کی گئی ہیں۔

اور دنیا کی عورتیں جو جنت میں جائیں گی ان کی خاص تخلیق سے مطلب یہ ہوگا کہ جو دنیا میں بد شکل، سیاہ رنگ

یا بوڑھی تھی اب اس کو حسین شکل و صورت میں جو ان رعنا کر دیا جائے گا جیسا کہ ترمذی اور سیہقی میں حضرت

انسؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (إِنَّا أَنْشَأْنَاهُنَّ) کی تفسیر میں فرمایا کہ جو عورتیں دنیا

میں بوڑھی چنڈھی، سفید بال، بد شکل تھیں انہیں یہ نئی تخلیق حسین نوجوان بنا دے گی، اور سیہقی نے حضرت

صدیقہ عائشہؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں تشریف لائے

میرے پاس ایک بوڑھی بیٹھی ہوئی تھی، آپؐ نے دریافت فرمایا یہ کون ہے؟ میں نے عرض کیا کہ میری رشتہ

کی ایک خالہ ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بطور مزاح کے فرمایا لَا تَدْخُلِي الْجَنَّةَ حُجُوزًا۔

یعنی جنت میں کوئی بڑھیا نہ جائے گی، یہ بچاری سخت غمگین ہوئی، بعض روایات میں ہے کہ رونے لگی،

تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو تسلی دی، اور اپنی بات کی حقیقت یہ بیان فرمائی کہ جس وقت

یہ جنت میں جائے گی تو بوڑھی نہ ہوگی بلکہ جوان ہو کر داخل ہوگی، اور یہی آیت تلاوت فرمائی (منظری)

أَبْكَاؤًا، بَخْرًا، بَحْسَرَالْبَاءِ۔ کی جمع ہے، کنواری لڑکی کو کہا جاتا ہے، مراد یہ ہے کہ جنت کی عورتوں

کی تخلیق اس شان کی ہوگی کہ وہ ہر صحبت و مباشرت کے بعد پھر کنواری جیسی ہو جائیں گی۔

عَوْنًا، بَضْمَ عَيْنٍ وَرَارًا، عَرَبِيَّةٌ كِيَّةٌ، اُس عورت کو کہتے ہیں جو اپنے شوہر کی عاشق اور اس

کی من پسند محبوبہ ہو۔

أَشْرَابًا، رَبَّ بَحْسَرَاءَ کی جمع ہے، جس کے معنی ہمعمر کے ہیں، جو مٹی میں ساتھ کھیلا ہو، جنت میں

مرد و عورت سب ہمعمر کر دیئے جائیں گے، بعض روایات حدیث میں ہے کہ سب کی عمر پینتیس سال

ہوگی (منظری)

ثَلَاثَةٌ مِنَ الْآدِلِينَ وَثَلَاثَةٌ مِنَ الْآخِرِينَ، ثَلَاثَةٌ کے معنی بڑی جماعت اور آدِلین و آخِرین کی

تفسیر میں حضرات مفسرین کے دُوقول اور سابقوں کے بیان میں مذکور ہو چکے ہیں، اگر آدِلین سے مراد

حضرت آدم علیہ السلام سے خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے تک کے حضرات اور آخِرین سے

آپؐ کی اُمت تا قیامت ہے، جیسا کہ بعض مفسرین نے فرمایا تو اس آیت کا حاصل یہ ہوگا کہ اصحاب الہدین

یعنی مومنین متقین کی تعداد پچھلی اُمتوں کے مجموعہ میں ایک بڑی جماعت ہوگی، اور تہنا اُمت محمدیہ

میں ایک بڑی جماعت ہوگی، اس صورت میں اول تو اُمت محمدیہ کی فضیلت کے لئے یہ بھی کچھ کم

نہیں کہ پچھلے لاکھوں انبیاء علیہم السلام کی اُمتوں کی برابر یہ اُمت ہو جائے جس کا زمانہ بہت مختصر

ہے اس کے علاوہ لفظ ثلثہ میں اس کی بھی گنجائش ہے کہ یہ ثلثہ آخرین تعداد اولین سے بڑھ جائے گا۔ اور اگر دوسری تفسیر مراد لی جائے کہ اولین و آخرین دونوں اسمی امت کے مراد ہیں، جیسا کہ حضرت ابن عباسؓ سے بغوی نے اور حضرت ابو بکرؓ سے مسدد، طبرانی و ابن مردودہ نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا کہ ہما من اُمتی یعنی یہ اولین و آخرین میری امت ہی کے دو طبقے ہیں، اس معنی کے لحاظ سے ثابت ہوتا ہے کہ سابقین اولین صحابہ و تابعین وغیرہ جیسے حضرات سے بھی یہ امت آخر تک باکمل محروم نہ ہوگی اگرچہ آخری دور میں ایسے لوگ کم ہوں گے، اور مؤمنین و متیقن و ادلیا را اللہ تو اس پوری امت کے اول و آخر میں بھاری تعداد میں رہیں گے، اور امت محمدیہ کا کوئی ذرہ کوئی طبقہ اصحاب الیمین سے خالی نہ رہے گا اس کی شہادت اس حدیث سے بھی ملتی ہے جو صحیح بخاری و مسلم میں حضرت معاویہؓ سے منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت میں ایک جماعت ہمیشہ حق پر قائم رہے گی اور ہزاروں مخالفین کے نرغے میں بھی وہ اپنا رشد و ہدایت کا کام کرتی رہے گی، اس کو کسی کی مخالفت نقصان نہ پہنچا سکے گی، یہاں تک کہ قیامت قائم ہونے تک یہ جماعت اپنے کام میں لگی رہے گی۔

نَحْنُ خَلَقْنَكُمْ فَلَوْلَا تَصَدَّقُونَ ﴿۵۸﴾ أَفَرَأَيْتُمْ مَا تَدْعُونَ ﴿۵۹﴾ ۵۸ اَنْتُمْ

ہم نے تم کو بنایا پھر کیوں نہیں دے دیتے، بھلا دیکھو تو جو پانی تم ٹپکتا ہو، اب تم اس کو

تَخْلُقُونَهُ اَمْ نَحْنُ الْخَالِقُونَ ﴿۵۹﴾ ۵۹ نَحْنُ قَدْ زَايَسْنَاكُمْ الْمَوْتَ وَمَا

بناتے ہو یا ہم ہیں بنانے والے، ہم ٹھیکے تم میں مرنا اور ہم

نَحْنُ بِمَسْبُوقِينَ ﴿۶۰﴾ عَلٰی اَنْ نُّبَدِّلَ اَمْثَالَكُمْ وَنُنشِئَكُمْ فِيْ مَا لَا

عاجز نہیں اس بات سے کہ بدلے میں لے آئیں تمہاری طرح کے لوگ اور اٹھا کر آئیں تم کو وہاں

تَعْلَمُونَ ﴿۶۱﴾ وَلَقَدْ عَلَّمْتُمُ النَّشْأَةَ الْاُولٰٓئِیَ فَلَوْلَا تَذَكَّرُونَ ﴿۶۲﴾

جہاں تم نہیں جانتے، اور تم جان چکے ہو پہلا امتحان پھر کیوں نہیں یاد کرتے،

۶۲ اَفَرَأَيْتُمْ مَا تَحْرُثُونَ ﴿۶۳﴾ ۶۳ اَنْتُمْ تَزْرَعُونَهُ اَمْ نَحْنُ الزَّارِعُونَ ﴿۶۴﴾

بھلا دیکھو تو جو تم بوتاے ہو، کیا تم اس کو کرتے ہو کھیتی یا ہم ہیں کھیتی کر دینے والے

تَوْنَشَاءُ لَجَعَلْنَاهُ حُطًا مَّا فَظَلُمْتُمْ تَفْلَهُمُونَ ﴿۶۵﴾ اِنَّا لَمَعْرِضُونَ ﴿۶۶﴾

اگر ہم چاہیں تو کبر ڈالیں اس کو روندنا ہوا گھاس پھر تم سارے دن رہو بائیں بناتے، ہم تو قرض دار رہ گئے،

بَلْ نَحْنُ مُحَرِّمُونَ ۖ ۱۴ ۚ أَفَرَأَىٰ يُكْمِ السَّاعِ الَّذِي تَشْرَبُونَ ۖ ۱۵ ۚ أَنْتُمْ

بلکہ ہم بے نصیب ہو گئے ، بھلا دیکھو تو پانی کو جو تم پیتے ہو ، کیا تم نے

اَنْزَلْنَاهُ مِنَ الْمُنِّ اَمْ نَحْنُ الْمُنْزِلُونَ ۖ ۱۶ ۚ لَوْ نَشَاءُ جَعَلْنَاهُ

اتارا اس کو بادل سے یا ہم ہیں اُتارنے والے ، اگر ہم چاہیں کر دیں اس کو

أَجَاجًا فَلَوْلَا تَشْكُرُونَ ۖ ۱۷ ۚ أَفَرَأَىٰ يُكْمِ النَّاسِ الَّتِي تُورُونَ ۖ ۱۸ ۚ أَنْتُمْ

کھارا پھر کیوں نہیں احسان مانتے ، بھلا دیکھو تو آگ جس کو تم سلگاتے ہو ، کیا تم نے

أَنْشَأْتُمْ شَجَرَتَهَا اَمْ نَحْنُ الْمُنْشِئُونَ ۖ ۱۹ ۚ نَحْنُ جَعَلْنَاهَا تَذْكِرَةً

پیدا کیا اس کا درخت یا ہم ہیں پیدا کرنے والے ، ہم نے ہی تو بنایا وہ درخت یاد دلانے

وَمَتَاعًا لِلْمُقَرَّبِينَ ۖ ۲۰ ۚ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ الْعَظِيمِ ۖ ۲۱ ۚ

کو اور برتنے کو جگہ والوں کے ، سو بول پاکی اپنے رب کے ناکہ کی جو سب سے بڑا

خلاصہ تفسیر

ہم نے تم کو (اول بار) پیدا کیا ہے جس کو تم بھی تسلیم کرتے ہو (تو پھر تم ربا اعتبار اس کے نعمت ہونے کے توحید کی اور باعتبار اس کے دلیل قدرت علی الاعادہ ہونے کے قیامت کی تصدیق کیوں نہیں کرتے) آگے اس تخلیق کی پھر اس کے اسباب بقا کی تفصیل و تذکیر ہے (یعنی) اچھا پھر یہ بتلاؤ تم جو (عورتوں کے رحم میں) منی پہنچاتے ہو اس کو تم آدمی بناتے ہو یا ہم بنالے والے ہیں (اور ظاہر ہے کہ ہم ہی بناتے ہیں اور ہم ہی نے تمہارے درمیان میں موت کو (معین وقت پر) تمہارا رکھا ہے (مطلب یہ کہ بنانا اور اس بنائے ہوئے کو ایک وقت خاص تک باقی رکھنا یہ سب ہمارا ہی کام ہے) آگے یہ بتلاتے ہیں کہ جیسا انسان کی ذات کا پیدا کرنا اور باقی رکھنا ہمارا فعل ہے، اسی طرح تمہاری موجودہ صورت کو باقی رکھنا بھی ہمارا ہی فعل ہے) اور ہم اس سے عاجز نہیں ہیں کہ تمہاری جگہ تو تم جیسے اور (آدمی) پیدا کر دیں اور تم کو ایسی صورت بنا دیں جن کو تم جانتے بھی نہیں (یعنی مثلاً آدمی سے جانور کی صورت میں مسخ کر دیں جس کا گمان بھی نہیں) اور آگے تنبیہ ہے اس کی دلیل پر (یعنی) تم کو اول پیدائش کا علم حاصل ہے (کہ وہ ہماری قدرت سے ہے) پھر تم کیوں نہیں سمجھتے کہ سمجھ کر اس نعمت کا شکر ادا کرو اور توحید کا اقرار کرو اور قیامت میں دوبارہ زندہ ہونے پر بھی استدلال کرو، آگے ایک دوسری تنبیہ ہے (یعنی) اچھا پھر یہ بتلاؤ تم جو کچھ (تخم وغیرہ) بوتے ہو اس کو تم اُگاتے ہو یا ہم اُگاتے والے ہیں (یعنی زمین میں بیج ڈالنے میں تو تم کو کچھ دخل ہے بھی، لیکن اس کو زمین سے نکالنا یہ کس کا فعل ہے، آگے یہ

بتلاتے ہیں کہ زمین سے درخت اُگنا جیسا ہمارا کام ہے آگے اس درخت سے تمھارا فائدہ اٹھانا بھی ہماری قدرت و حکمت پر موقوف ہے، جیسا اوپر بھی فرمایا تھا یعنی اگر ہم چاہیں تو اس (پیداوار) کو چورا چورا کر دیں، (یعنی دانہ کچھ نہ بڑھے، پتی خشک ہو کر ریزہ ریزہ ہو جائے) پھر تم متعجب ہو کر رہ جاؤ کہ (اب کے تو) ہم برتاؤ ان ہی بڑ گیا (یعنی سرمایہ میں نقصان آگیا، اور نقصان کیا) بلکہ بالکل ہی محروم رہ گئے (یعنی سارا ہی سرمایہ گیا گذرا، آگے تیسری تنبیہ کی یعنی) اچھا پھر یہ بتلاؤ کہ جس پانی کو تم پیئے ہو اس کو بادل سے تم برسائے ہو یا ہم برسائے والے ہیں (پھر اس پانی کو پینے کے قابل بنانا ہماری دوسری نعمت ہو کہ) اگر ہم چاہیں اس کو کڑوا کر ڈالیں، تو تم شکر کیوں نہیں کرتے (اور بڑا شکر عقیدہ توحید و ترک کفر ہے، آگے چوتھی تنبیہ کی یعنی) اچھا پھر یہ بتلاؤ جس آگ کو تم سگاتے ہو اس کے درخت کو (جس میں سے یہ آگ جھڑتی ہے جس کا بیان آخر سورۃ یس میں آچکا ہے، اور اسی طرح جن ذرائع سے یہ آگ پیدا ہوتی ہے ان ذرائع کو) تم نے پیدا کیا ہے یا ہم پیدا کرنے والے ہیں ہم نے اس کو آتش دوزخ کی یا اپنی قدرت عجیبہ کی (یا دہانی کی چیز اور مسافروں کے لئے فائدہ کی چیز بنالیا ہے، یا دہانی ایک دینی فائدہ ہے، اور دوسرا دنیوی فائدہ آگ سے کھانا پکانے کا ہے اور تخصیص مسافر کی حصر کے لئے نہیں بلکہ سفر میں آگ کیا ہونے کے سبب ایک شے عجیب ہوتی ہے، اور مثلاً میں اس طرف بھی اشارہ ہو گیا کہ آگ سے فائدہ اٹھانا بھی ہماری قدرت سے ہے) سو (جس کی ایسی قدرت ہے) اپنے (اُس) علیم الشان پروردگار کے نام کی تسبیح (و تحمید) کیجئے، (کہ کمال ذات و صفات مقتضی استحقاقِ حمد و ثناء ہیں، اور نام کی تسبیح وغیرہ کی تحقیق آیت آخر سورۃ رحمن میں گذر چکی ہے)۔

معارف و مسائل

شروع سورت سے یہاں تک محشر میں انسانوں کی تین قسمیں اور تینوں قسموں کے احکام اور جزاء و سزا کا بیان تھا، مذکورہ بالا آیات میں اُن گمراہ لوگوں کو تنبیہ ہے جو سرے سے قیامت قائم ہونے اور دوبارہ زندہ ہونے ہی کے قائل نہیں، یا اللہ تعالیٰ کی عبادت میں دوسروں کو شریک ٹھہرتے ہیں، انسان کی اُس غفلت اور جہالت کا پردہ چاک کرنا ہے جس نے اس کو بھول میں ڈال رکھا ہے، توضیح اس کی یہ ہے کہ اس عالم کائنات میں جو کچھ موجود ہو یا وجود میں آ رہا ہے یا آئندہ آنے والا ہے اس کی تخلیق پھر اس کو باقی رکھنا اور پھر اس کو انسان کے مختلف کاموں میں لگا دینا یہ سب درحقیقت حق تعالیٰ جل شانہ کی قدرت و حکمت کے کرشمے ہیں، اگر اسباب کے پردے درمیان میں نہ ہوں اور انسان ان سب چیزوں کی تخلیق بلا واسطہ اسباب کے مشاہدہ کرے تو ایمان لانے پر مجبور ہو جائے، مگر حق تعالیٰ نے دنیا کو دارالامتحان بنایا ہے، اس لئے یہاں جو کچھ وجود و ظہور میں آتا ہے وہ اس کے پردوں میں آتا ہے۔

اور حق تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ اور حکمت بالغہ سے ان اسباب اور مستببات میں ایک ایسا رابطہ

مستحکم قائم فرمادیا ہے کہ جہاں کہیں سبب موجود ہو جاتا ہے تو مسبب ساتھ ساتھ وجود میں آجاتا ہے، جس کو دیکھنے والا لازم و ملزوم سمجھتا ہے، اور ظاہر بن نظر اس سلسلہ اسباب میں اُلجھ کر رہ جاتی ہیں، اور تخلیق کائنات کو انہی اسباب کی طرف منسوب کرنے لگتی ہیں، اصل قدرت اور حقیقی قوتِ فاعلہ جو ان اسباب و مسببات کو گردش دینے والی ہے اس کی طرف التفات نہیں رہتا۔

آیات مذکورہ میں حق تعالیٰ نے اول خود انسان کی تخلیق کی حقیقت کو واضح فرمایا، پھر انسانی ضرورت کی تخلیق کی حقیقت سے پردہ اٹھایا، خود انسان کو مخاطب کر کے سوالات کئے، ان سوالات کے ذریعہ اصل جواب کی طرف رہنمائی فرمائی، کیونکہ سوالات میں اُن اسباب کی کمزوری اور ان کا علتِ تخلیق نہ ہونا واضح فرمادیا۔

آیات مذکورہ میں پہلی آیت غُنْ خَلَقْنٰكُمْ اِیْکَ دَعُوْیَیْہِے، اور اگلی آیات اس کے دلائل ہیں، سب سے پہلے خود انسان کی تخلیق پر ایک سوال کیا گیا، کیونکہ غافل انسان چونکہ روزمرہ اس کا مشاہدہ کرتا رہتا ہے کہ مرد و عورت کے اختلاط سے حمل قرار پاتا ہے اور پھر وہ رحم مادر میں بڑھتا اور تیار ہوتا رہتا ہے، اور تو مہینے کے بعد ایک مکمل انسان کی صورت میں پیدا ہو جاتا ہے، اس روزمرہ کے مشاہدہ سے غفلت شعرا انسان کی نظر بس یہیں تک رہ جاتی ہے کہ مرد و عورت کے باہمی اختلاط ہی کو تخلیقِ انسانی کی علتِ حقیقی سمجھنے لگتا ہے، اس لئے سوال یہ کیا گیا اَفَرَعٰیۡتُمْ مَّا تُمْنُوْنَ عَاۡتَمْتُمْ تَخْلُقُوْنَہٗۤ اَمْ عِنۡہٗۤ اَلْخَلِیْقُوْنَ، یعنی اے انسان! ذرا غور تو کر کہ بچے کی پیدائش میں تیرا دخل اس کے سوا کیا ہے کہ تو نے ایک قطرہ مٹی ایک خاص محل میں پہونچا دیا، اس کے بعد کیا تجھے کچھ خبر ہے کہ اس لطفہ پر کیا کیا دور گزریں، کیا کیا تغیرات آئے، کس کس طرح اس میں ہڈیاں اور گوشت پوست پیدا ہوئے، اور کس کس طرح اس عالم صغر کے وجود میں کیسی کیسی نازک نازک مشینیں غذا حاصل کرنے، خون بنانے اور رُوح حیوانی پیدا کرنے کی پھر دیکھئے، بولنے، سننے، چمکنے اور سوچنے سمجھنے کی قوت اس کے وجود میں نصب فرمائیں کہ ایک انسان کا وجود ایک متحرک فیکٹری بن گیا، نہ باپ کو خبر ہے نہ ماں کو جس کے پیٹ میں یہ سب کچھ ہو رہا ہے، آخر اگر عقل دنیا میں کوئی چیز ہے تو وہ یہ کیوں نہیں سمجھتی کہ عجیب و غریب مہمتوں پر مشتمل انسانی وجود کیا خود بخود بغیر کسی کے بنائے بن گیا، اور اگر کوئی بنانے والا ہے تو وہ کون ہے؟ ماں باپ کو تو خبر بھی نہیں کہ کیا بنا کس طرح بنا؟ ان کو تو وضع حمل تک یہ بھی معلوم نہیں ہوتا کہ حمل لڑکا ہی یا لڑکی، پھر آخر وہ کونسی قدرت ہے جس نے پیٹ کی پھر رحم کی پھر بچے کے اوپر پیک کی ہوئی جھلی کی تین اندھیریوں میں یہ حمین و جمیل، سمیع و بصیر سوچنے سمجھنے والا وجود تیار کر دیا، یہاں جو تبارک الشہ احسن الخالقین بول اٹھتے پر مجبور نہ ہو جاتے وہ عقل کا اندھا ہی ہو سکتا ہے۔

اس کے بعد کی آیات میں یہ بھی بتلادیا کہ اے انسانو! تم پیدا ہو جانے اور چلتا پھرتا فعال آدمی بن جانے کے بعد بھی اپنے وجود و بقاء اور تمام کاروبار میں ہمارا ہی محتاج ہو۔ ہم نے تمہاری موت کا بھی

ابھی سے ایک وقت مقرر کر رکھا ہے، اور اس وقت مقرر سے پہلے پہلے جو عمر تمہیں ملی اس میں تم اپنے آپ کو خود مختار پاتے ہو، یہ بھی تمہارا مغالطہ ہی ہے، ہمیں اس پر بھی قدرت ہے کہ ابھی ابھی تمہیں فنا کر کے تمہاری جگہ کوئی دوسری قوم پیدا کر دیں، اور یہ بھی قدرت ہے کہ تمہیں فنا کرنے کے بجائے کسی دوسری صورت حیرانی یا جہاد آتی میں تمہیں تبدیل کر دیں، یہ مضمون ان آیات کا ہے **فَعَنْ قَدْ ذُنَا بَيْنَكُمْ اَلْمَوْتُ وَمَا تَحْتُو بِمَسْبُوقَيْنِ، عَلٰی اَنْ تُبَدِّلَ اٰمَتَا لَكُمْ وَتُنْشِئَكُمْ فِیْہَا لَا تَعْلَمُوْنَ**۔ موت کے مقدر اور وقت معین پر آنے میں اس طرز بھی اشارہ ہے کہ تم اپنی بقاء میں آزا خود مختار نہیں، بلکہ تمہاری بقاء ایک معین وقت تک ہی، تمہیں حق تعالیٰ نے ایک خاص وقت و قدرت اور عقل و بھمت کا حامل بنایا ہے، اس سے کام لے کر تم بہت کچھ کر سکتے ہو، **مَا تَحْتُو بِمَسْبُوقَيْنِ** کا حاصل یہ ہے کہ ہمارے ارادے پر سبقت کرنے والا اور ہماری مشیت پر غالب آنے والا کوئی نہیں، ہم اس وقت بھی جو چاہیں کر سکتے ہیں، کہ **اَنْ تُبَدِّلَ اٰمَتَا لَكُمْ**، یعنی تمہاری جگہ تمہارے مثل کوئی اور قوم لے آئیں، **وَتُنْشِئَكُمْ فِیْہَا لَا تَعْلَمُوْنَ**، اور تمہاری وہ شکل بنادیں جس کو تم جانتے بھی نہیں، اس کی یہ شکل بھی ہو سکتی ہے کہ مڑ کر مٹی ہو جاؤ، یہ بھی ہو سکتی ہے کہ کسی جانور کی شکل میں تبدیل ہو جاؤ، جیسے پھلی امتوں پر صورتیں مسخ ہو کر بندر اور خنزیر بن جانے کا عذاب آچکا ہے، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ تمہیں پتھروں اور جہادات کی شکل میں تبدیل کر دیا جائے۔

اَفَرَأٰی مِمَّا تَخْرُجُوْنَ، تخلیق انسانی کے معاملے میں انسان کی غفلت اور اسباب طبعیہ کے پردہ میں الجھ کر اصل خالق و مالک سے بے خبر ہونے کا پردہ چاک کرنے کے بعد اس کی غذا جو اس کی زندگی کا مدار ہے اس کی حقیقت اسی انداز سے ظاہر فرمائی کہ سوال کیا کہ تم جو کچھ زمین میں بیج بونے ہو ذرا غور تو کرو کہ اس بیج میں سے درخت پیدا کرنے میں تمہارے عمل کا کیا اور کتنا دخل ہے، غور کر دو گے تو جواب اس کے سوانہ ملے گا کہ کاشتکار کا دخل اس میں اس سے زیادہ نہیں کہ اُس نے زمین کو بیل چلا کر پھر کھا ڈال کر نرم کر دیا، کہ جو ضعیف کو نیل اس دانہ سے پیدا ہو کر اوپر آنا چاہے اس کی راہ میں زمین کی سختی رُکاوٹ نہ بنے بیج بونے والے انسان کی ساری کوشش اسی ایک نقطہ کے گرد وائر ہے، اور جب درخت نمودار ہو جائے تو اس کی حفاظت پر یہ کوشش لگ جاتی ہے، لیکن ایک دانہ کے اندر سے درخت نکال لانا نہ اس کے بس کا ہے، نہ یہ دعویٰ کر سکتا ہے کہ میں نے یہ درخت بنایا ہے، تو پھر وہی سوال آتا ہے کہ منوں مٹی کے ڈھیر میں پڑے ہوئے دانے کے اندر سے یہ خوب صورت اور ہزاروں فوائد پر مشتمل درخت کس نے بنایا؟ تو جواب اس کے سوا کیلے کہ وہی مالک و خالق کائنات کی قدرتِ کاملہ اور صنعتِ عجیبہ اس کی بنانے والی ہے۔

اس کے بعد اسی طرح پانی جس کو پی کر انسان زندہ رہتا ہے، آگ جس پر اپنا کھانا پکاتا ہے اور اپنی صنعتوں کو اس سے چلاتا ہے ان سب کی تخلیق پر ایسے ہی سوال و جواب کا ذکر فرمایا، اور آخر میں سب کا

خلاصہ یہ بیان فرمایا۔

نَحْنُ جَعَلْنَاهَا قَدْ كَرَّةً وَمَتَاعًا لِلْمُقْوِينَ، مُقْوِينَ، اقوام سے مشق ہے اور وہ قوار بمعنی صحراء سے مشق ہے، مُقْوِيَ کے معنی ہونے صحراء میں اترنے والا، مراد اس سے مسافر ہے جو جنگل میں کہیں بٹھ کر اپنے کھانے کے انتظام میں لگا ہوا اور مراد آیت کی یہ ہے کہ یہ سب تخلیقات ہماری ہی قدرت و حکمت کا نتیجہ ہیں۔
فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ الْعَظِيمِ، اس کا لازمی اور عقلی نتیجہ یہ ہونا چاہئے کہ انسان حق تعالیٰ کی قدرت کاملہ اور توحید پر ایمان لائے اور اپنے رب عظیم کے نام کی تسبیح پڑھا کرے، کہ یہی اس کی نعمتوں کا شکر ہے۔

فَلَا أُقْسِمُ بِبَوَاقِعِ النُّجُومِ ۝ وَإِنَّهُ لَقَسَمٌ لِّوَعْلَمُونَ عَظِيمٌ ۝۴۶

سو میں قسم کھاتا ہوں تاروں کے ڈوبنے کی، اور یہ قسم ہے اگر سمجھو تو بڑی قسم،

إِنَّهُ لَقُرْآنٌ كَرِيمٌ ۝ فِي كِتَابٍ مَّكْنُونٍ ۝ لَا يَمَسُّهُ إِلَّا الْمُطَهَّرُونَ ۝۴۷

بیشک یہ قرآن ہی عزت والا، لکھا ہوا ہی ایک پوشیدہ کتاب میں، اس کو وہی چھوتے ہیں جو پاک بناؤ گئے ہیں

تَنْزِيلٌ مِّن رَّبِّ الْعَالَمِينَ ۝ أَفَبِهَذَا الْحَدِيثِ أَنْتُمْ مُدْهِنُونَ ۝۴۸

اتارا ہوا ہی پروردگار عالم کی طرف سے، اب کیا اس بات میں تم مستی کرتے ہو،

وَتَجْعَلُونَ رِشْقَكُمْ أَنْتُمْ تُكَذِّبُونَ ۝ فَلَوْلَا إِذَا بَلَغَتِ

اور اپنا حصہ تم یہی لیتے ہو کہ اس کو جھٹلاتے ہو، پھر کیوں نہیں جس وقت جان پہنچے

الْحُلُقُومَ ۝ وَأَنْتُمْ حِينِيذٍ تَنْظُرُونَ ۝۴۹ وَنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ

حلق کو، اور تم اس وقت دیکھ رہے ہو، اور ہم اس کے پاس ہیں

مِنْكُمْ وَلَكِنْ لَا تَبْصُرُونَ ۝ فَلَوْلَا إِنْ كُنْتُمْ غَيْرَ مَدِينِينَ ۝۵۰

تم سے زیادہ بر تم نہیں دیکھتے، پھر کیوں نہیں اگر تم نہیں ہو کسی کے حکم میں

تَرْجِعُونَهَا إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ۝۵۱ فَاَمَّا إِنْ كَانَ مِنَ الْمُقَرَّبِينَ ۝۵۲

تو کیوں نہیں پھیر لیتے اس روح کو اگر ہو تم سچے، سو جو اگر وہ (مردہ) ہوا مقرب لوگوں میں،

فَرَوْحٌ وَرَيْحَانٌ ۝ وَجَنَّتْ نَعِيمٌ ۝۵۳ وَأَمَّا إِنْ كَانَ مِنْ أَصْحَابِ

تو راحت ہوا اور روزی ہی اور باغ نعمت کا، اور جو اگر وہ ہوا داہنے والوں

الْيَمِينِ ۙ ۹۰ فَسَلِّمْ لَكَ مِنْ أَصْحَابِ الْيَمِينِ ۙ ۹۱ وَأَمَّا إِنْ كَانَ مِنَ

میں ، تو سلامتی پہنچے تجھ کو داہنے والوں سے ، اور جو اگر وہ ہوا جھٹلانے

السُّكَّانِ مِنَ الضَّالِّينَ ۙ ۹۲ فَنُزِّلُ مِنْ حَمِيمٍ ۙ ۹۳ وَتَصْلِيَةٌ جَحِيمٍ ۙ ۹۴

دالوں بیکھنے والوں میں سے تو ہمانی ہے جلتا پانی ، اور ڈالنا آگ میں ،

إِنَّ هَذَا لَهُوَ حَقُّ الْيَقِينِ ۙ ۹۵ فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيمِ ۙ ۹۶

بیشک یہ بات یہی ہو لائق یقین کے ، سو بول پاکی اپنے رب کے نام سے جو سب سے بڑا

خُلاصہ تفسیر

د اور دلائل عقلیہ سے بحث یعنی مرکز زندہ ہونے کا امکان ثابت ہونے کے بعد قرآن سے جو اس کا وقوع ثابت ہے اور تم اس قرآن کو نہیں مانتے سو میں قسم کھاتا ہوں ستاروں کے چھپنے کی اور اگر تم غور کرو تو یہ ایک بڑی قسم ہے (اور قسم اس بات کی کھاتا ہوں) کہ یہ قرآن جو پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوتا ہے بوجہ منزل من اللہ ہونے کے ایک محترم فترآن ہے جو ایک محفوظ کتاب (یعنی لوح محفوظ) میں (پہلے سے) درج ہے (اور وہ لوح محفوظ ایسی ہے) کہ بجز اس کو پاک فرشتوں کے رکھنا ہوں سے بالکلیہ پاک ہیں، کوئی شیطان وغیرہ) ہاتھ نہیں لگانے پاتا (اس کے مضامین پر مطلع ہونا تو دور کی بات ہے، پس وہاں سے یہاں خاص طور پر آنا فرشتے ہی کے ذریعہ سے ہے، اور یہی نبوت ہے، اور شیاطین اس کو لا ہی نہیں سکتے، کہ احتمال کہانت وغیرہ سے نبوت میں شبہ ہو، کقولہ تعالیٰ نَزَّلَ بِهِ الرُّوحُ الْأَمِينُ، وقول تعالیٰ وَمَا نَزَّلْنَا بِهِ الشَّيْطَانُ، اس سے ثابت ہوا کہ یہ رب العالمین کی طرف سے بھیجا ہوا ہے، (جو کہ اشارہ کریم کا مدلول تھا، یہاں ستاروں کے چھپنے کی قسم اپنے مفہوم و مقصد کے اعتبار سے ایسی ہے جیسے شروع سورۃ و البختم میں ہے جس کا وہاں بیان ہو چکا ہے جس میں ستاروں کا باعتبار غروب کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے موصوف بالنبوة اور منار الہدی ہونے کا نظیر ہونا بھی بیان ہوا ہے جو کہ مقصود مقام ہے، او قسیمی جتنی فترآن میں ہیں بوجہ دلالت علی المطلوب کے سب ہی عظیم ہیں، لیکن کہیں کہیں مطلوب کے خاص اہتمام اور اس پر زیادہ متنبہ کرنے کے لئے عظیم ہونے کی تصریح بھی فرمادی ہے، جیسا کہ اس جگہ اور سورۃ الفجر میں حاصل مقام کا اجمالاً وہ ہے جو تفصیلاً اخیر رکوع میں سورۃ شعراء کے ارشاد ہوا ہے) سو (جب اس کا منزل من اللہ ہونا ثابت ہے تو) کیا تم لوگ اس کلام کو سرسری بات سمجھتے ہو (یعنی اس کو واجب التصدیق نہیں جانتے) اور (اس مدامت سے بڑھ کر یہ کہ) تمغذیب کو اپنی غذا بنا رہے ہو

(اور اس لئے توحید و وقوع قیامت کا بھی انکار کرتے ہو) سو (اگر یہ انکار حق ہے تو) جس وقت (مرنے کے قریب کسی شخص کی) رُوح حلق تک آپہنچتی ہے اور تم اس وقت (بیٹھے حسرت آلودہ نگاہ سے) تنہا کر کے ہو اور ہم (اس وقت) اس (مرنے والے) شخص کے تم سے بھی زیادہ نزدیک ہوتے ہیں (یعنی تم سے بھی زیادہ اس شخص کے حال سے واقف ہوتے ہیں، کیونکہ تم صرف ظاہری حالت دیکھتے ہو اور ہم اس کی باطنی حالت پر بھی مطلع ہوتے ہیں) لیکن (ہم اے اس قرب علی کو بوجہ اپنے جہل و کفر کے) تم سمجھتے نہیں ہو تو (فی الواقع) اگر تمہارا حساب کتاب ہونے والا نہیں ہے (جیسا تمہارا خیال ہے) تو تم اس روح کو (بدن کی طرف) پھر کیوں نہیں لوٹا لاتے ہو (جس کی اس وقت تم کو تمنا بھی ہو ا کرتی ہے) اگر (اس انکار قیامت و حساب میں) تم بچے ہو (مطلب یہ کہ مسترآن صادق ہے اور وقوع بحث کا مطلق ہے، پس مقتضی وقوع تحقق ہوا اور مانع کوئی امر نہیں پس وقوع ثابت ہو گیا اور اس پر بھی تمہارا انکار اور نفی کئے چلا جانا بدلائل حال اس کو مستلزم ہے کہ گویا تم روح کو اپنے بس میں سمجھتے ہو کہ گویا قیامت میں خدا دوبارہ رُوح ڈالنا چاہے جیسا کہ مقتضی قرآن کا ہے مگر ہم نہ ڈالتے دیں گے اور بحث نہ ہونے دیں گے، جب ہی تو ایسے زور سے نفی کرتے ہو، ورنہ جو اپنے کو عاجز جانے وہ دلائل وقوع کے بعد ایسے زور کی بات کیوں کہے، سو اگر تم اپنے بس میں سمجھتے ہو تو ذرا ہیناز و راسی وقت دکھلا دو جبکہ کسی قریب الموت انسان کے بقاء حیات کے متمنی بھی ہوتے ہو، اور دیکھ کر جسم بھی آتا ہے دل گیر بھی ہوتے ہو اور وہ زور دکھلانا یہ کہ اس روح کو نکلنے نہ دو بدن میں لوٹا دو جب اس پر بس نہیں کہ رُوح کو بدن سے نکلنے نہ دو تو اس کو دوبارہ پیدا کرنے سے روکنے پر کیسے تمہارا بس چلے گا، پس ایسے لا طائل دعوے کیوں کرتے ہو، اور چونکہ مقام ہے نفی قدرت کا، اور نفی علم مستلزم ہے نفی تعلق قدرت کو، اس لئے سخن "أَقْرَبُ جُلْهٍ مُّعْرِضَةٍ" میں ان کے علم تام کی نفی فرمادی اور چونکہ یہ دلیل کافی ان کے لئے کافی نہ ہوئی، اس لئے "لَا تَبْصُرُونَ" میں توبیح بھی فرمادی، اور چونکہ اس تقدیر سے اثبات قدرت بھی ہوا اس لئے بحث کے ساتھ یہ توحید کی بھی دلیل ہے، آگے کیفیت مجازاۃ کی ارشاد ہے، یعنی یہ تو ثابت ہو چکا کہ قیامت اپنے وقت پر ضروری آوے گی) پھر جب قیامت واقع ہوگی تو جو شخص مقررین میں سے ہوگا (جن کا ذکر اوپر آیا ہے وَالسَّابِقُونَ السَّابِقُونَ) اس کے لئے تو راحت ہے اور (فراغت کی) غذا میں ہیں، اور آرام کی جنت ہے اور جو شخص دابہ والوں میں سے ہوگا (جن کا ذکر اوپر آیا ہے وَالْمُتَّبِعُونَ) تو اس سے کہا جاوے گا کہ تیرے لئے (ہر آفت اور خطرہ سے) امن و امان ہے کہ تو دابہ والوں میں سے ہے، (اور یہ کہنا خواہ ابتداء ہو اگر فضل یا توبہ کے سبب اول ہی مغفرت ہو جاوے یا انتہاء ہو اگر بعد سزا کے مغفرت ہو اور یہاں رُوح و رِجْآن کا ذکر نہ فرمانا نفی کے لئے نہیں بلکہ اشارہ اس طرف ہے کہ یہ سابقین سے ان امور میں کم ہوگا) اور جو شخص جھٹلانے والوں (اور) گمراہوں میں سے ہوگا تو کھولتے ہوئے پانی سے اس کی دعوت ہوگی اور دوزخ میں داخل ہونا ہوگا، بیشک یہ (جو کچھ مذکور ہوا) تحقیقی یقینی بات ہے سو (جس کے یہ تصرفات ہیں) اپنے (اس) عظیم الشان پروردگار کے نام کی تسبیح (و تمجید) کیجئے (و قد مر آنفاً)۔

معارف و مسائل

سابقہ آیات میں عقلی دلائل سے قیامت میں دوبارہ زندہ ہونے کا ثبوت حق تعالیٰ کی قدرت کاملہ اور اس دنیاوی تخلیق کے ذریعہ دیا گیا تھا، آگے نقلی دلیل اس پر حق تعالیٰ کی طرف سے قسم کے ساتھ دی گئی ہے،

فَلَا أَقْسِمُ بِمَوَاقِعِ النُّجُومِ، لفظ لا قسم کے شروع میں ایک عام محاورہ ہے، جیسے لاؤ اللہ، اور جاہلیت کی قسموں میں لاؤ ابیک مشہور ہے، بعض حضرات نے اس حرف لا کو زائد قرار دیا ہے، اور بعض نے اس کی توجیہ یہ کی کہ اس موقع میں حرف لا مخاطب کے گمان کی نفی کے لئے ہوتا ہے، یعنی کیس گنا تقول، یعنی جیسا تم کہتے اور سمجھتے ہو وہ بات نہیں، بلکہ حقیقت وہ ہے جو آگے قسم کھا کر بتلائی جاتی ہے۔

مَوَاقِعِ، موقع کی جمع ہے، جس کے معنی ہیں ستاروں کے غروب ہونے کی جگہ یا وقت، اس آیت میں ستاروں کی قسم کو غروب کے وقت کے ساتھ مقید کیا گیا ہے، جیسے سورہ نجم میں بھی وَالنَّجْمِ إِذَا هَوَىٰ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ غروب کی قید ہے، اس قید کی حکمت یہ ہے کہ غروب کے وقت ہر ستارے کے عمل کا اس افق سے انقطاع نظر آتا ہے اور اس کے آثار کی فنا کا مشاہدہ ہوتا ہے، جس سے ان کا حادث اور قدرتِ اہیہ کا محتاج ہونا ثابت ہوتا ہے۔

إِنَّهُ لَقَوْلُكَ أَن كَيْفَ يُمْنُهُ فِي يَكْتَبُ مَكْنُونٍ لَا يَمْسُكُهُ إِلَّا الْمَطَهَّرُونَ ہ سابقہ آیات میں مواقع النجوم کی قسم کھا کر جو مضمون جو آپ قسم کا بیان کرنا ہے، وہ ان آیات میں مذکور ہے، جس کا حاصل قرآن کریم کا محرم و محفوظ ہونا اور مشرکین کے اس خیال کی تردید ہے کہ یہ کسی انسان کا بنایا ہوا یا معاذ اللہ شیطان کا انشاء کیا ہوا کلام ہے۔

يَكْتَبُ مَكْنُونٍ کے لفظی معنی چھپی ہوئی مستور کتاب، مراد اس سے لوح محفوظ ہے، لَا يَمْسُكُهُ إِلَّا الْمَطَهَّرُونَ، یہاں دو مسئلے غور طلب اور ائمہ تفسیر میں مختلف فیہ ہیں، اول یہ کہ نحوی ترکیب کے اعتبار سے اس جملے میں دو احتمال ہیں، ایک یہ کہ جس کتاب کی ایک صفت مکنون آئی یہ جملہ اسی کتاب کی دوسری صفت ہے، اور ضمیر لا یمسہ کی اسی کتاب کی طرف راجع ہے، اس صورت میں معنی آیت کے یہ ہوتے ہیں کتاب مکنون یعنی لوح محفوظ کو سوائے پاک لوگوں کے اور کوئی نہیں چھو سکتا، اور یہ بھی ظاہر ہے کہ اس صورت میں مَطَهَّرُونَ کی مراد صرف فرشتے ہی ہو سکتے ہیں، جن کی رسائی لوح محفوظ تک ہو سکے، اور یہ بھی ظاہر ہے کہ اس صورت میں لفظ مَسَّ اپنے حقیقی معنی ہاتھ سے چھونے کے مفہوم میں نہیں لیا جاسکتا، بلکہ مَسَّ کرنے اور چھونے کے مجازی اور لازمی معنی مراد لینے ہوں گے، یعنی لوح محفوظ میں لکھے ہوئے مضامین پر مطلع ہونا، کیونکہ لوح محفوظ کو ہاتھ سے چھونا کسی مخلوق فرشتے وغیرہ کا کام نہیں (قرطبی) بیان اہل قرآن کے مذکور الصدر خلاصہ تفسیر میں یہی ترکیب اور مفہوم اختیار کر کے تفسیر کی گئی ہے۔

دوسرا احتمال اس جملے کی ترکیب نحوی میں یہ ہے کہ اس کو قرآن کی صفت بنایا جائے جو اوپر اِنَّه لَقَوْلُكَ

مگر ”یم“ میں مذکور ہی اس صورت میں لَا یَمْسُہ کی ضمیر قرآن کی طرف راجع ہوگی، اور اس سے مراد وہ صحیفہ ہوگا جس میں قرآن لکھا ہوا ہو، اور لفظ مَسَّ اپنے حقیقی معنی ہاتھ سے چھونے کے مفہوم میں رہے گا، محباز کی ضرورت نہ ہوگی، اسی لئے قرطبی وغیرہ مفسرین نے اس کو ترجیح دی ہے، اور امام مالکؒ نے فرمایا کہ آیت لَا یَمْسُہ إِلَّا الْمُطَهَّرُونَ کی تفسیر میں جو کچھ میں نے منسلک ہے اُن سب میں بہتر قول ہے کہ اس کا وہی مفہوم ہے جو سورۃ عبس کی آیت کا ہے یعنی فِي مَصْحَفٍ مُّكْرَمٍ مَّزْفُوعَةٍ مُّطَهَّرَةٍ بِأَيْدِي سَفَرَةٍ کرام بزرگ قرطبی و روح المعانی اور اس کا حاصل یہ ہے کہ یہ جملہ کتاب مکھون کی صفت نہیں بلکہ قرآن کی صفت ہے، اور قرآن سے مراد وہ صحیفے ہیں جو وحی لانیوالے فرشتوں کے ہاتھ میں دیئے جاتے ہیں۔

دوسرا مسئلہ غور طلب اور مختلف فیہ اس آیت میں یہ ہے کہ مُطَهَّرُونَ سے کون مراد ہیں صحابہ و تابعین اور مفسرین کی ایک بڑی جماعت کے نزدیک مُطَهَّرُونَ سے مراد فرشتے ہیں جو معاصی اور ذائل سے پاک و معصوم ہیں یہ قول حضرت انسؓ اور سعید بن جبیرؓ سے منقول ہے (قرطبی) حضرت ابن عباسؓ کا بھی یہی قول ہے (ابن کثیر) امام مالکؒ نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے (قرطبی)

اور بعض حضرات مفسرین نے فرمایا کہ قرآن سے مراد وہ صحیفہ ہے جو ہمارے ہاتھوں میں ہے، اور مُطَهَّرُونَ سے مراد وہ لوگ ہیں جو نجاست ظاہری اور معنوی یعنی حدیث اصغر و اکبر سے پاک ہوں، حدیث اصغر کے معنی بے وضو ہونے کے ہیں، اس کا ازالہ وضو کرنے سے ہو جاتا ہے، اور حدیث اکبر جنابت اور حیض و نفاس کو کہا جاتا ہے جس سے پاکی کے لئے غسل ضروری ہے، یہ تفسیر حضرت عطاءؒ، طاؤسؒ، سالمؒ اور حضرت محمد باقر رحمہم اللہ سے منقول ہے (روح) اس صورت میں جملہ لَا یَمْسُہ اگرچہ جملہ خبریہ ہے مگر اس خبر کو بحکم انشاء یعنی نبی و ممانعت کے معنی میں قرار دیا جائے گا، اور مطلب آیت کا یہ ہوگا کہ صحیفہ قرآن کو چھونا بغیر طہارت کے جائز نہیں اور طہارت کے مفہوم میں یہ بھی داخل ہے کہ ظاہری نجاست سے بھی اس کا ہاتھ پاک ہو، اور بے وضو بھی نہ ہو، اور حدیث اکبر یعنی جنابت بھی نہ ہو، قرطبی نے اسی تفسیر کو اظہر فرمایا ہے، تفسیر مظہری میں اسی کی ترجیح پر زور دیا ہے، حضرت فاروق اعظمؓ کے اسلام لانے کے واقعہ میں جو مذکور ہے کہ انھوں نے اپنی بہن کو قرآن پڑھتے ہوئے پایا تو اوراق قرآن کو دیکھنا چاہا، ان کی بہن نے یہی آیت پڑھ کر اوراق قرآن اُن کے ہاتھ میں دینے سے انکار کیا، کہ اس کو پاک لوگوں کے سوا کوئی نہیں چھو سکتا، فاروق اعظمؓ نے مجبور ہو کر غسل کیا، پھر یہ اوراق پڑھے، اس واقعہ سے بھی اسی آخری تفسیر کی ترجیح ہوتی ہے، اور روایات حدیث جن میں غیر ظاہر کو قرآن کے چھونے سے منع کیا گیا ہے، ان روایات کو بھی بعض حضرات نے اس آخری تفسیر کی ترجیح کے لئے پیش کیا ہے۔

مگر چونکہ اس مسئلے میں حضرت ابن عباسؓ اور حضرت انسؓ وغیرہ کا اختلاف ہے جو اوپر آچکا ہے، اس لئے بہت حضرات نے بے وضو قرآن کو ہاتھ لگانے کی ممانعت کے مسئلے میں آیت مذکورہ سے استدلال چھوڑ کر

صرف روایات حدیث کو پیش کیا ہے (روح المعانی) وہ احادیث یہ ہیں :-

۱۔ مالکؒ نے موطا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ مکتوب گرامی نقل کیا ہے جو آپؐ نے حضرت عمرو بن حزمؒ کو لکھا تھا، جس میں ایک جملہ یہ بھی ہے لَا يَمَسُّ الْقُرْآنَ إِلَّا طَاهِرٌ (ابن کثیر) یعنی قرآن کو وہ شخص نہ چھوئے جو طاہر نہ ہو۔

اور روح المعانی میں یہ روایت مسند عبد الرزاق، ابن ابی داؤد اور ابن المنذر سے بھی نقل کی ہے اور طبرانی دابن مردویہ نے حضرت عبداللہ ابن عمرؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لَا يَمَسُّ الْقُرْآنَ إِلَّا طَاهِرٌ (روح المعانی) یعنی قرآن کو ہاتھ نہ لگائے بجز اس شخص کے جو پاک ہو۔

مسئلہ : روایات مذکورہ کی بناء پر جمہور امت اور ائمہ اربعہ کا اس پر اتفاق ہے کہ قرآن کریم کو ہاتھ لگانے کے لئے طہارت شرط ہے اس کے خلاف گناہ ہے، ظاہری نجاست سے ہاتھ کا پاک ہونا، با وضو ہونا حالت جنابت میں نہ ہونا سب اس میں داخل ہے، حضرت علی مرتضیٰؓ، ابن مسعودؓ، سعد بن ابی وقاصؓ، سعید ابن زیدؓ، عطاء اور زہریؓ، نخعیؓ، حکمؓ، حمادؓ، امام مالکؓ، شافعیؒ، ابو حنیفہؒ سب کا یہی مسلک ہے، اور جو اختلاف اقوال نقل کیا گیا ہے وہ صرف اس بات میں ہے کہ یہ مسئلہ جو احادیث مذکورہ سے ثابت اور جمہور امت کے نزدیک مسلم ہے، کیا یہ بات قرآن کی آیت مذکورہ سے بھی ثابت ہے یا نہیں، بعض حضرات نے اس آیت کا مفہوم اور احادیث مذکورہ کا مفہوم ایک قرار دیا، اور اس آیت اور احادیث مذکورہ کے مجموعہ سے اس مسئلہ کو ثابت کیا، دوسرے حضرات نے آیت کو استدلال میں پیش کرنے سے بوجہ اختلاف صحابہ احتیاط کی، لیکن احادیث مذکورہ کی بناء پر مسلک سب نے یہی اختیار کیا کہ بے وضو بے طہارت قرآن کو ہاتھ لگانا جائز نہیں، اس لئے خلاف مسئلے میں نہیں، بلکہ اس کی دلیل میں ہوا ہے۔

مسئلہ : قرآن مجید کا غلاف جو جلد کے ساتھ سلا ہوا ہو وہ بھی بحکم قرآن ہے، اس کو بھی بغیر وضو وغیر طہارت کے ہاتھ لگانا با اتفاق ائمہ اربعہ ناجائز ہے، البتہ قرآن مجید کا جزدان جو علیحدہ کپڑے کا ہوتا ہے اگر اس میں قرآن بند ہے تو اس جزدان کے ساتھ قرآن کریم کو ہاتھ لگانا بلا وضو ابو حنیفہؒ کے نزدیک جائز ہے، مگر امام مالکؒ و شافعیؒ کے نزدیک یہ بھی ناجائز ہے (منظری)

مسئلہ : جو کپڑا آدمی نے پہنا ہوا ہے اس کی آستین یا دامن سے قرآن مجید کو بلا وضو چھونا بھی جائز نہیں، البتہ علیحدہ رد مال یا چادر سے چھوا جاسکتا ہے (منظری)

مسئلہ : علمائے فرمایا کہ اسی آیت سے بدرجہ اولیٰ یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ جنابت یا حیض و نفاس کی حالت میں قرآن کی تلاوت بھی جائز نہیں، جب تک غسل نہ کرے، کیونکہ مصحف میں لکھے ہوئے حروف و نفوس کی جب یہ تعظیم واجب ہے تو اصل حروف جو زبان سے ادا ہوتے ہیں ان کی تعظیم اس سے زیادہ اہم اور واجب ہونا چاہئے، اس کو مقتضی تو یہ تھا کہ بے وضو آدمی کو بھی تلاوت قرآن جائز نہ ہو، مگر حضرت

ابن عباسؓ کی حدیث جو بخاری و مسلم میں ہے اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی حدیث جو مسند احمد میں ہے اس سے بغیر وضو کے تلاوت قرآن فرمانا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے، اس لئے فقہائے بلا وضو تلاوت کی اجازت دی ہے (تفسیر منطری)

اَفِيْهِذَا الَّذِيْ يَنْتَ اَنْتُمْ مَذْهَبُوْنَ، مَذْهَبُوْنَ، اِذْ هَا نَ سَ مَشَقُّوْنَ، جس کے لغوی معنی تیل کی مالش کرنے کے ہیں اور تیل مالش سے اعضاء نرم ہو جاتے ہیں اس لئے نرم کرنے اور ناجائز مواقع میں نرمی برتنے کے معنی اور نفاق کے مفہوم میں استعمال ہونے لگا، آیت مذکورہ میں یہ لفظ آیات الہیہ کی تصدیق میں نفاق یا تکذیب کے معنی میں استعمال ہے،

فَلَوْ لَا اِذَا بَلَغَتِ الْحُلُقُومَ وَاَنْتُمْ حَيِّذَعِن تَنْظُرُوْنَ ۝ وَنَحْنُ اقْرَبُ اِلَيْهِمْ مِنْكُمْ وَلٰكِنْ لَا تَبْصِرُوْنَ ۝ فَلَوْ لَا اِنْ كُنْتُمْ غَيْرَ مَدِينِيْنَ تَرْجِعُوْنَهَا اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝
سابقہ آیات میں پہلے عقلی دلائل سے پھر حق تعالیٰ کی طرف سے ستاروں کی قسم کھا کر اور ان کے مقہور و مغلوب ہونے کی کیفیت کی طرف اشارہ کر کے دو باتیں ثابت کی گئی ہیں، اول یہ کہ قرآن اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اس میں کسی شیطان و جن وغیرہ کا کوئی تصرف نہیں ہو سکتا جو کچھ اس میں ہے وہ حق ہے، دوسرا مسئلہ جو قرآن کے مسائل میں خاص اہمیت رکھتا ہے، وہ قیامت آنا اور سب مردوں کا زندہ ہو کر رب العزت کے سامنے حساب کے لئے پیش ہونا ہے، اور اس کے آخر میں کفار و مشرکین کا ان سب دلائل واضحہ کے خلاف قرآن کی حقانیت اور قیامت میں مردوں کے زندہ ہونے سے انکار کا ذکر کیا گیا تھا۔

قیامت اور مرنے کے بعد زندہ ہونے سے انکار گویا ان کی طرف سے اس کا دعویٰ ہے کہ ان کی جان اور روح خود ان کے قبضہ میں ہے اور ان کی اپنی زندگی میں ان کو بھی کچھ دخل ہے، ان کے اس خیال باطل کی تردید کے لئے آیات مذکورہ میں ایک قریب الموت انسان کی مثال دے کر بتلایا کہ جب اس کی روح حلق میں پہنچتی ہے اور ہم یعنی مرنے والے کے عزیز و قریب دوست احباب سب اس کے حال کو دیکھ رہے ہوتے ہیں، اور بقاضائے محبت و تعلق یہ بھی چاہتے ہیں کہ اس کی روح نہ بکلی، یہ زندہ رہے، مگر اس وقت سب کو اپنی بیچارگی اور عاجزی کا احساس و اقرار ہوتا ہے کہ کوئی اس مرنے والے کی جان نہیں بچا سکتا اس حق تعالیٰ نے فرمایا کہ اس وقت اپنے علم و قدرت کے لحاظ سے ہم تمہاری نسبت اُس مرنے والے سے زیادہ قریب ہوتے ہیں، قریب ہونے سے مراد اس کے اندر دنی اور ظاہری حالات سے واقفیت اور اس پر پوری قدرت ہے، اور فرمایا کہ مگر تم ہمارے اس قرب کو اور مرنے والے کے زیر تصرف ہونے کو آنکھوں سے نہیں دیکھتے، خلاصہ یہ ہے کہ تم سب مل کر اس کی زندگی اور روح کی حفاظت چاہتے ہو مگر تمہاری بات نہیں چلتی، ہم اپنے علم و قدرت کے اعتبار سے اس کے زیادہ قریب ہیں، وہ ہمارے زیر تصرف اور مشیت و حکم کے تابع ہے، جس لمحہ میں اس کی روح نکالنا ہم طے کر چکے ہیں، اس کو کوئی روک نہیں سکتا، اس مثال کو سامنے کر کے ارشاد

ہوتا ہے کہ اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ مرنے کے بعد تمہیں زندہ نہیں کیا جاسکتا، اور تم اتنے قوی اور بہادر ہو کہ خدا تعالیٰ کی گرفت سے باہر ہو تو ذرا اپنی قوت و قدرت کا امتحان یہیں کر دیکھو کہ اس مرنے والے کی روح کو نکلنے سے بچاؤ یا نکلنے کے بعد اس میں کوٹا دو، اور جب تم سے اتنا بھی نہیں ہو سکتا تو پھر اپنے آپ کو خدا تعالیٰ کی گرفت سے باہر سمجھنا اور مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے سے انکار کرنا کس قدر بے عقلی کی علامت ہے۔

فَأَمَّا إِن كَانَ مِنَ الْمُقْسِمِينَ، سابقہ آیات میں مختلف دلائل اور مختلف عنوانات سے یہ واضح کر دیا گیا کہ دنیا کی موجودہ زندگی کا ایک روز ختم ہو جانا اور مرنے کے وقت سب عزیزوں، دوستوں، بیبیوں کا عا جز ہو جانا روز مشاہدہ میں اتنا ہے اسی طرح اس کو بھی یقینی سمجھو کہ مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہو کر اپنے اعمال کا حساب بھی دینا ہے، اور حساب کے بعد جزاء و سزا بھی یقینی ہے، اور جزاء و سزا میں کل مخلوق کا تین گروہوں میں تقسیم ہو جانا اور ہر ایک کی جزاء الگ الگ ہونا جو شروع سورت میں بیان ہو چکا ہے، اس کا اجمال پھر یہاں ذکر کر دیا گیا کہ مرنے کے بعد اگر یہ شخص معتز بن لین سابقین کے گروہ میں سے ہے تو راحت ہی راحۃ آرام ہی آرام ہے، اور اگر سابقین معتز بن میں نہیں مگر اصحاب الیمین یعنی عام و منین صالحین میں سے ہے تو بھی جنت کی نعمتوں سے سرفراز ہوگا، اور اگر تیسرے گروہ یعنی اصحاب شمال کفار و مشرکین میں سے ہو تو جہنم کی آگ اور کھولتے ہوئے پانی سے اس کو سابقہ پڑے گا، آخر میں فرمایا:-

إِنَّ هَذَا لَهُوَ حَتَّىٰ الْيَقِينِ، یعنی یہ جزاء و سزا جس کا ذکر اوپر ہوا ہے حق اور بالکل یقینی امر ہے، اس میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں،

فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ الْعَظِيمِ، ختم سورۃ پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب ہے کہ آپ اپنے رب کے نام کی تسبیح پڑھتے رہئے، یعنی اس کی پاکی تمام اُن چیزوں سے جو اس کے لائق شان ہیں بیان کرتے رہئے، اس میں نماز کی تسبیحات بھی داخل ہیں اور خارج نماز کی تسبیحات بھی، اور خود نماز کو بھی بعض اوقات تسبیح سے تعبیر کر دیا جاتا ہے تو یہ حکم نماز کے اہتمام کا بھی ہو گیا، واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

تَمَّتْ

سُورَةُ الْوَاقِعَةِ بِحَسَنِ اللَّهِ وَعَوْنِهِ
لَيْلَةُ الثَّلَاثَةِ عَشْرِينَ مِنْ رَجَبِ الثَّانِي
سَنَةِ ١٣٩١ هـ وَنُشِئَ اللَّهُ تَعَالَى سُورَةُ الْحَدِيدِ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

سُورَةُ الْحَدِيدِ

سُورَةُ الْحَدِيدِ مِائَتَانِ نِصْفٌ وَهِيَ تِسْعٌ وَعِشْرُونَ آيَةً وَأَرْبَعٌ رُكُوعَاتٌ

سورۃ حدید مدینہ میں نازل ہوئی اور اس کی آیتیں آیتیں ہیں اور چار رکوع ،

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ○

شروع اللہ کے نام سے جو بجد مہربان نہایت رحم والا ہے ،

سَبَّحَ لِلَّهِ مَا فِي السَّمُوتِ وَالْأَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ① لَهُ

اللہ کی پاکی بولتا ہے جو کچھ ہی آسمانوں میں اور زمین میں اور وہی ہے زبردست حکمتوں والا ، اسی کے لئے

مَلِكُ السَّمُوتِ وَالْأَرْضِ يُمْحِي وَيُحْيِي وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ②

ہی راج آسمانوں کا اور زمین کا ، جلاتا ہے اور مارتا ہے اور وہ سب کچھ کر سکتا ہے ،

هُوَ الْأَوَّلُ وَالْآخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ③

وہی پہلے پہلا اور سب سے پہلا اور باہر اور اندر اور وہ سب کچھ جانتا ہے ،

هُوَ الَّذِي خَلَقَ السَّمُوتِ وَالْأَرْضَ فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوَىٰ

وہی ہے جس نے بنائے آسمان اور زمین چھ دن میں پھر قائم ہوا

عَلَى الْعَرْشِ يَعْلَمُ مَا يَلِجُ فِي الْأَرْضِ وَمَا يَخْرُجُ مِنْهَا وَمَا يَنْزِلُ

تخت پر جانتا ہے جو اندر جاتا ہے زمین کے اور جو اس سے نکلتا ہے اور جو کچھ اُترتا ہے

مِّنَ السَّمَاءِ وَمَا يَعْرَجُ فِيهَا وَهُوَ مَعَكُمْ أَيْنَ مَا كُنْتُمْ وَاللَّهُ بِمَا

آسمان سے اور جو کچھ اس میں چڑھتا ہے اور وہ تمہارے ساتھ ہی جہاں کہیں تم ہو ، اور اللہ جو تم

تَعْمَلُونَ بَصِيرًا ﴿۵۷﴾ لَهُ مُلْكُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَإِلَى اللَّهِ تُرْجَعُ

کرتے ہو اس کو دیکھتا ہے، اسی کے لئے ہر راج آسمانوں کا اور زمین کا اور اللہ ہی تک پہنچتے ہیں

الْأُمُورِ ﴿۵۸﴾ يُوَلِّجُ اللَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُوَلِّجُ النَّهَارَ فِي اللَّيْلِ وَهُوَ

سب کام، داخل کرتا ہر رات کو دن میں اور داخل کرتا ہر دن کو رات میں اور اس کو

عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ﴿۵۹﴾

خبر ہے جیوں کی بات کی،

خلاصہ تفسیر

اللہ کی پاکی بیان کرتے ہیں سب جو کچھ آسمانوں اور زمین میں (مخلوقات) ہیں (زبانِ قال سے یا زبانِ حال سے) اور وہ زبردست (اور) حکمت والا ہے اسی کی سلطنت ہے آسمانوں اور زمین کی وہی حیات دیتا کر اور وہی موت دیتا ہے اور وہی ہر چیز پر قادر ہے وہی (سب مخلوق سے) پہلے ہے اور وہی (سب کے فنا ذاتی یا صفاتی سے) پیچھے (بھی رہے گا، یعنی اس پر نہ پہلے کبھی عدم طاری ہوا اور نہ آئندہ کسی درجہ میں اس پر عدم طاری ہونے کا امکان ہے، اس لئے سب سے آخر میں وہی ہے) اور وہی (مطلق وجود کے اعتبار سے از روئے دلائل نہایت) ظاہر ہے اور وہی (کنہ ذات کے اعتبار سے نہایت) مخفی ہے (یعنی کوئی اس کی ذات کا ادراک نہیں کر سکتا) اور (گو وہ خود تو ایسا ہے کہ مخلوق کو ایک حیثیت سے معلوم ہے اور ایک حیثیت سے غیر معلوم لیکن مخلوق سب من کل الوجوہ اس کو معلوم ہے اور) وہ ہر چیز کا خوب جاننے والا ہے (اور) وہ ایسا (قادر) ہے کہ اس نے آسمان اور زمین کو چھ روز کی مقدار (زمانہ) میں پیدا کیا پھر عرش پر (جو کہ مشابہ ہر تخت سلطنت کے اس طرح) قائم (اور جلوہ فرما) ہوا (جو اس کی شان کے لائق ہے اور) وہ سب کچھ جانتا ہے جو چیز زمین کے اندر داخل ہوتی ہے (مثلاً بارش) اور جو چیز اس میں سے نکلتی ہے (مثلاً نباتات) اور جو چیز آسمان سے اترتی ہے اور جو چیز اس میں چڑھتی ہے (مثلاً ملائکہ کہ نزول و عروج کرتے ہیں اور مثلاً احکام جن کا نزول ہوتا ہے اور اعمال عباد جن کا صعود ہوتا ہے) اور (جس طرح ان چیزوں کا اس کو علم ہے اسی طرح تمھارے تمام احوال کا بھی اس کو علم ہے چنانچہ وہ (علم و اطلاع کے اعتبار سے) تمھارے ساتھ رہتا ہے خواہ تم لوگ کہیں بھی ہو (یعنی تم کسی جگہ اس سے مخفی نہیں رہ سکتے) اور وہ تمھارے سب اعمال کو بھی دیکھتا ہے اسی کی سلطنت ہے آسمانوں اور زمین کی اور اللہ ہی کی طرف سب امور (جو ہر یہ و عرضیہ) لوٹ جاویں گے (یعنی قیامت میں پیش ہو جاویں گے، اسی میں توحید کے ساتھ ضمناً قیامت کا بھی اثبات ہو گیا) وہی رات (کے اجزاء) کو دن میں داخل کرتا ہے (جس سے دن بڑا ہو جاتا ہے) اور وہی دن (کے

اجزاء) کورات میں داخل کرتا ہے (جس سے رات بڑی سوجاتی ہے) اور (اس قدرت کے ساتھ اس کا علم ایسا ہے کہ) وہ دل کی باتوں (تک) کو جانتا ہے۔

معارف و مسائل

سورہ حدید کی بعض خصوصیات | پانچ سورتوں کو حدیث میں مُسْتَحَات سے تعبیر کیا گیا ہے، جن کے شروع میں بَسْمِ اللہ یا بَسْمِ اللہ آیا ہے، ان میں سے پہلی یہ سورت حدید ہے، دوسری حشر، تیسری صفت، چوتھی جمعہ، پانچویں تغابن، اوداؤد، ترمذی، نسائی میں حضرت عریاض بن ساریہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات کو سونے سے پہلے یہ مستحاث پڑھا کرتے تھے، اور آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ ان میں ایک آیت ایسی ہے جو ہزار آیتوں سے افضل ہے، ابن کثیر نے یہ روایت نقل کرنے کے بعد فرمایا کہ وہ افضل آیت سورہ حدید کی یہ آیت ہے: (هُوَ الْأَوَّلُ وَالْآخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ)۔

ان پانچ سورتوں میں سے تین یعنی حدید، حشر، صفت میں تو لفظ بَسْمِ اللہ بصیغہ ماضی آیا ہے، اور آخری دو یعنی جمعہ اور تغابن میں بَسْمِ اللہ بصیغہ مضارع، اس میں اشارہ اس طرف ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی تسبیح اور ذکر ہر زمانے ہر وقت ماضی و مستقبل اور حال میں جاری رہنا چاہیے (منظری)۔

دسویں شیطانیہ کا علاج | حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ اگر کبھی تمہارے دل میں اللہ تعالیٰ اور دین حق کے معاملے میں شیطان کوئی وسوسہ ڈالے تو یہ آیت آہستہ سے پڑھ لیا کرو: (هُوَ الْأَوَّلُ وَالْآخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ) (ابن کثیر)۔

اس آیت کی تفسیر اور اَوَّلُ وَاخِرُ، ظَاہِرُ وَاِبْطِنُ کے معنی میں حضرات مفسرین کے اقوال دس سے زیادہ منقول ہیں، جن میں کوئی تعارض نہیں، سبھی کی گنجائش ہے، لفظ اَوَّلُ کے معنی تو تقریباً متعین ہیں، یعنی وجود کے اعتبار سے تمام موجودات و کائنات سے مقدم اور پہلا ہے، کیونکہ ساری موجودات اسی کی پیدا کی ہوئی ہیں اس لئے وہ سب سے اَوَّلُ ہے، اور آخر کے معنی بعض حضرات نے یہ کہے ہیں کہ تمام موجودات کے فنا ہونے کے بعد بھی وہ باقی رہے گا، جیسا کہ آیت (كُلُّ شَيْءٍ عَالِقٌ إِلَّا وَجْهَهُ) میں اس کی تصریح ہے، اور فنا سے مراد عام ہے خواہ فنا و عدم کا وقوع ہو جائے، جیسا قیامت کے روز عام مخلوقات فنا ہو جاوے گی، یا فنا کا وقوع نہ ہو، مگر اس کی فنا و عدم ممکن ہو اور وہ اپنی ذات میں عدم کے خطرہ سے خالی نہ ہو، اس کو موجود ہونے کے وقت بھی فانی کہہ سکتے ہیں، اس کی مثال جنت و دوزخ اور ان میں داخل ہونے والے اچھے بُرے انسان ہیں کہ اُن کا وجود فنا نہیں ہو گا مگر باوجود وقوع فنا نہ ہونے کے امکان و احتمال فنا سے بھر بھی خالی نہیں، صرف حق تعالیٰ کی ذات ہے جس پر کسی حیثیت اور کسی مفہوم سے نہ پہلے کبھی عدم طاری ہوا اور نہ آئندہ کبھی اس کا امکان ہے، اس لئے اس کو سب سے آخر کہہ سکتے ہیں۔

اور امام غزالیؒ نے فرمایا کہ حق تعالیٰ کو آخر باعتبار معرفت کے کہا گیا ہے کہ سب کے آخر معرفت اس کی ہے انسان علم و معرفت میں ترقی کرتا رہتا ہے، مگر یہ سب درجات جو اس کو حاصل ہوئے راستہ کی مختلف منزلیں ہیں اس کی انتہا اور آخری حد حق تعالیٰ کی معرفت ہے (از روح المعانی)

اور ظاہر سے مراد وہ ذات جو اپنے ظہور میں ساری چیزوں سے فائق اور برتر ہو، اور ظہور چونکہ وجود کی فرع ہے، تو جب حق تعالیٰ کا وجود سب موجودات پر فائق اور مقدم ہے اس کا ظہور بھی سب پر فائق ہے کہ اس سے زیادہ اس عالم میں کوئی چیز ظاہر نہیں کہ اس کی حکمت و قدرت کے مظاہر دنیا کے ہر ہر ذرہ میں نمایاں ہیں، اور باطن اپنی ذات کی کُنہ اور حقیقت کے اعتبار سے ہے، کہ اس کی حقیقت تک کسی عقل و خیال کی رسائی نہیں ہو سکتی۔

اے برتر از قیاس و تمان و خیال دوہم
لے بروں از جملہ قال و قیل من
وہم معکم آیتنا کتبتہم، یعنی اللہ تمہارے ساتھ ہے تم جہاں کہیں بھی ہو، اس معیت کی حقیقت اور کیفیت کسی مخلوق کے احاطہ علم میں نہیں آ سکتی، مگر اس کا وجود یقینی ہے، اس کے بغیر انسان کا نہ وجود قائم رہ سکتا ہے نہ کوئی کام اس سے ہو سکتا ہے، اس کی مشیت و قدرت ہی سے سب کچھ ہوتا ہے، جو ہر حال اور ہر جگہ میں انسان کے ساتھ ہے، واللہ اعلم

اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ وَاَنْفِقُوْا مِمَّا جَعَلَكُمْ مُّسْتَخْفِیْنَ فِیْهِ فَالَّذِیْنَ

یقین لاؤ اللہ پر اور اس کے رسول پر اور خرچ کرو اس میں سے جو تمہارے ہاتھ میں دیا ہو اپنا نائب کر کر، سو جو

اٰمِنُوْا مِنْكُمْ وَاَنْفِقُوْا لِمِمَّ اَجْرٌ کَبِیْرٌ ۝۷ وَمَا لَكُمْ لَا تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ

لوگ تم میں یقین لائے ہیں اور خرچ کرتے ہیں ان کو بڑا ثواب ہے، اور تم کو کیا ہوا کہ یقین نہیں لاتے اللہ پر

وَالرَّسُوْلُ یَدْعُوْكُمْ لِتُؤْمِنُوْا بِرَبِّكُمْ وَقَدْ اَخَذَ مِنْكُمْ اٰمَانَ اِنْ كُنْتُمْ

اور رسول بلاتا ہے تم کو کہ یقین لاؤ اپنے رب پر اور لے چکا ہے تم سے عہد پکا اگر ہو تم

مُؤْمِنِیْنَ ۝۸ هُوَ الَّذِیْ یُنْزِلُ عَلٰی عَبْدٍ اٰیٰتٍ بَّیِّنٰتٍ لِّیُخْرِجَ کُمْ مِّنَ

ماننے والے، وہی ہے جو اتارتا ہے اپنے بندے پر آیتیں صاف کہ نکال لائے تم کو

الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ ۚ وَاِنَّ اللّٰهَ بِکُمْ لَءَوْفٰ رَحِیْمٌ ۝۹ وَمَا لَكُمْ اَلَّا

اندھیروں سے اُجلے میں اور اللہ تم پر نرمی کرے خواہی مہربان، اور تم کو کیا ہوا ہے کہ خرچ

تُفَقُّوْا فِي سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلِلّٰهِ مِيرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَا يَسْتَوِي

نہیں کرتے اللہ کی راہ میں اور اللہ ہی کو بچ رہتی ہر شے آسمانوں اور زمین میں برابر نہیں

مِنْكُمْ مَّنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقَاتِلًا اُولٰٓئِكَ اَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنْ

تم میں جس نے کہ خرچ کیا فتح (مکہ) سے پہلے اور لڑائی کی، ان لوگوں کا درجہ بڑا ہے ان سے

الَّذِيْنَ اَنْفَقُوْا مِنْۢ بَعْدِ وَقَاتِلُوْا وَلَا وَعَدَ اللّٰهُ الْحَسَنٰٓى وَاللّٰهُ بِمَا

جو کہ خرچ کریں اس کے بعد اور لڑائی کریں اور سب سے وعدہ کیا ہے اللہ نے خوبی کا اور اللہ کو

تَعْمَلُوْنَ خَيْرٌ ۙ مِّنْ ذٰلَّذِيْ يُفْرِضُ اللّٰهُ قَرْضًا حَسَنًا فَيُضِعُّهُ

خیر ہی جو کچھ تم کرتے ہو، کون ہے ایسا کہ قرض دے اللہ کو اچھی طرح پھر وہ اس کو دونا کر دے

لَهُ وَلَهُ اَجْرٌ كَرِيْمٌ ۝۱۱

اس کی واسطے اور اس کو ملے ثواب عزت کا

خُلَاصَةُ تَفْسِيْر

تم لوگ اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور ایمان لا کر جس مال میں تم کو اس نے دوسروں کا قاسم مقام بنایا ہے اس میں سے (اس کی راہ میں) خرچ کرو (اس عنوان بتخلات میں اس طرف اشارہ ہے کہ یہ مال تم سے پہلے اور کسی کے پاس تھا اور اسی طرح تمہارے بعد کسی اور کے ہاتھ میں چلا جاوے گا، پس جب یہ سدا رہنے والی چیز نہیں تو اس کو اس طرح جوڑ جوڑ کر رکھنا کہ ضروری مصرت میں بھی خرچ نہ کیا جائے حماقت کے سوا کیا ہے) سو (اس حکم کے موافق) جو لوگ تم میں سے ایمان لے آویں اور ایمان لا کر اللہ کی راہ میں خرچ کریں ان کو بڑا ثواب ہوگا اور جو لوگ ایمان لاویں ان سے ہم پوچھتے ہیں کہ تمہارے لئے اس کا کون سبب ہے کہ تم اللہ پر ایمان نہیں لاتے (اسی میں ایمان بالرسول بھی آگیا) حالانکہ (دواعی قویہ ایمان لانے کے موجود ہیں وہ یہ کہ) رسول (صلی اللہ علیہ وسلم جن کی رسالت دلائل سے ثابت ہے) تم کو اس بات کی طرف بلارہے ہیں کہ تم اپنے رب پر اسی کی دی ہوئی تعلیم کے مطابق ایمان لاؤ (ایک داعی قویہ ہوا) اور (دوسرا داعی یہ کہ) خود خدا نے تم سے ایمان لانے کا میثاق اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ میں) عہد کیا تھا (جس کا اجمالی اثر تمہاری فطرت میں بھی موجود ہے اور اللہ کے رسول جو معجزات اور دلائل لیکر آئے انہوں نے بھی اس کی یاد دہانی کی سو) اگر تم کو ایمان لانا ہو (قویہ دواعی کافی ہیں ورنہ پھر ایمان لانے کے لئے کس داعی کا انتظار ہے) کہ قولہ تعالیٰ فَبَايَ حَدِيثًا بَعْدَ الشَّرِّ اَيَاتِهِ يَوْمَئِذٍ اَسْأَلُكُمْ اَنْ تَكُوْنُوْا مِّنَ الْمُتَّقِيْنَ

کی اور شرح ہے کہ) وہ ایسا (رحیم) ہے کہ اپنے بندہ (خاص محمد صلی اللہ علیہ وسلم) پر صاف صاف آیتیں بھیجتا کہ (جو حسن عبارت اور اعجاز خاص کی وجہ سے مقصود پر واضح دلالت کرتی ہے) تاکہ وہ (بندہ خاص) تم کو (کفر و جہل کی تارکیوں سے) ایمان اور علم حقائق کی روشنی کی طرف لاوے (کفر لہ تعالیٰ یخرج الناس من الظلمات الی النور یا ذین ربہم) اور بے شک اللہ تمھارے حال پر بڑا شفیق مہربان ہے (کہ اس نے ایسا اندھیروں سے نکالنے والا تمھاری طرف بھیجا) اور (اس مضمون میں تو ایمان نہ لانے پر سوال تھا، اب اللہ کی راہ میں خرچ نہ کرنے پر سوال ہے کہ ہم پوچھتے ہیں کہ) تمھارے لئے اس کا کون سبب ہے کہ تم اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے حالانکہ (اس کا بھی ایک قوی داعی ہے وہ یہ کہ) سب آسمان و زمین اخیر میں اللہ ہی کا رہنما رہے گا (جب سب مالک مر جاویں گے اور وہی رہ جاوے گا پس جب سب مال ایک روز چھوڑنا ہے تو خوشی سے کیوں نہ دیا جائے کہ ثواب بھی ہو، اور آسمان کا ذکر کرنا باوجودیکہ کوئی مخلوق اس کی مالک نہیں شاید اس نکتہ کے لئے ہو کہ جیسے آسمان بلا شرکت اس کی ملک ہو اسی طرح زمین بھی حقیقت کے اعتبار سے تو فی الحال بھی اسی کی ملک ہے اور آخر کار ظاہری طور پر بھی اسی کی ملک رہ جاوے گی، یہ مضمون لفظ مستخلفین کی شرح کے طور پر ہو گیا آگے خرچ کرنے والوں کے درجات کا تفصیل بتلاتے ہیں کہ گو خرچ کرنا بوجہ مامور بہ ہونے کے ہر ایک کے لئے جو ایمان لا کر خرچ کرے موجب اجر ہے، لیکن پھر بھی تفاوت ہے وہ یہ کہ جو لوگ فتح مکہ سے پہلے (فی سبیل اللہ) خرچ کر چکے اور (فی سبیل اللہ) لڑ چکے (اور جو کہ بعد فتح مکہ کے لڑے اور خرچ کیا دونوں برابر نہیں بلکہ) وہ لوگ درجہ میں ان لوگوں سے بڑے ہیں جنھوں نے (فتح مکہ کے) بعد میں خرچ کیا اور لڑے اور (یوں) اللہ تعالیٰ نے بھلائی (یعنی ثواب) کا وعدہ سب سے کر رکھا ہے اور اللہ تعالیٰ کو تمھارے سب اعمال کی پوری خبر ہے (اس لئے ثواب دونوں وقت کے عمل پر دیں گے، اس لئے جن لوگوں کو موقع فتح مکہ کے قبل خرچ کا نہیں ملا ہم ان کو بھی ترغیباً کہتے ہیں کہ) کوئی شخص ہے جو اللہ تعالیٰ کو ابھی طرح (یعنی خلوص کے ساتھ) قرض کے طور پر دے پھر خدا تعالیٰ اس (دیئے ہوئے ثواب) کو اس شخص کے لئے بڑھاتا چلا جائے اور (مضاعفت کے ساتھ) اس کے لئے اجر پسندیدہ (تجویز کیا گیا) ہے (مضاعفت سے تو مقدار بڑھانے کو بیان کیا گیا اور لفظ کریم سے اس جزاء کی کیفیت بہتر ہونے کی طرف اشارہ ہے)۔

معارف و مسائل

وَقَدْ أَخَذَ مِيثَاقَهُمْ اِس سے میثاق ازل بھی مراد ہو سکتا ہے، جب کہ حق تعالیٰ نے مخلوق کے پیدا ہونے سے پہلے ہی وجود میں آنے والی تمام ارواح کو جمع کر کے ان سے ربوبیت یعنی اللہ تعالیٰ کے رب العالمین ہونے کا اقرار اور عہد لیا تھا جس کا ذکر قرآن میں (اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوا بَلٰی) کے الفاظ سے آیا ہے، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس میثاق سے وہ عہد میثاق مراد ہو جو پچھلے انبیاء اور ان کی امتوں سے

خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے اور ان کی مدد کرنے کے متعلق لیا گیا ہے، جس کا ذکر قرآن کریم کی اس آیت میں ہے (ثُمَّ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهِ وَلَتَنْصُرُنَّهُ قَالَ أَأَقْرَرْتُمْ وَأَخَذْتُمْ عَلَىٰ ذَٰلِكُمْ إِصْرِي قَالُوا أَقْرَرْنَا وَقَدْ آتَيْنَا مَعَكُمْ مِنَ الشَّهِيدِينَ ۝)

اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِينَ، یعنی اگر تم مؤمن ہو، یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ کلام ان کفار سے ہو رہا ہے جن کے مؤمن نہ ہونے پر تنبیہ اس سے پہلے آچکی ہے، وَ مَا كُنْتُمْ لَآؤُمِنُونَ بِاللّٰهِ پھر ان کو یہ کہنا کیسے درست ہوگا کہ اگر تم مؤمن ہو؟

جواب یہ ہے کہ کفار و مشرکین بھی اللہ تعالیٰ پر تو ایمان کے مدعی تھے، بتوں کے بارے میں یہ کہتے تھے کہ ہم ان کی پرستش اس لئے کرتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کے سامنے ہماری سفارش کریں گے مَا تَعْبُدُونَ إِلَّا لِيُقَرَّرَ بُرْهَانِي ۖ لَئِنْ كُنْتُمْ إِلاَّ تَعْلَمُونَ، تو مطلب آیت کا یہ ہوا کہ تم جو اللہ پر ایمان رکھنے کے مدعی ہو اگر تمہارا یہ دعویٰ سچا ہے تو پھر ایمان باللہ کی صحیح اور معتبر صورت اختیار کرو جو اس کے بغیر نہیں ہو سکتی کہ اللہ پر ایمان لانے کے ساتھ اس کے رسول پر بھی ایمان لاؤ۔

وَاللّٰهُ يَمْلِكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ، میراث اصل میں اُس ملکیت کو کہا جاتا ہے جو پچھلے مالک کے انتقال کے بعد اس کے بعد زندہ رہنے والے وارثوں کو ملا کرتی ہے، اور یہ ملک جبری ہوتی ہو مرنے والا چاہے یا نہ چاہے، جو وارث ہوتا ہے ملکیت اس کی طرف منتقل ہو جاتی ہے، یہاں حق تعالیٰ کی ملکیت آسمان و زمین کو میراث کے لفظ سے تعبیر کرنے میں یہ حکمت ہے کہ تم چاہو یا نہ چاہو جس جس چیز کے مالک آج تم سمجھے جاتے ہو وہ سب بالآخر حق تعالیٰ کی ملکیت خاصہ میں منتقل ہو جائے گی، مراد یہ ہے کہ اگرچہ حقیقی مالک تمام اشیاء عالم کا پہلے بھی حق تعالیٰ ہی تھا مگر اس نے اپنے فضل سے کچھ اشیاء کی ملکیت تمہارے نام کر دی تھی، اور اب وہ ظاہری ملکیت بھی تمہاری باقی نہیں رہے گی، بلکہ حقیقتہً اور ظاہر ہر طرح اللہ تعالیٰ ہی کی ملک ہو جائے گی، اس لئے اس وقت جبکہ تمہیں ظاہری ملکیت حاصل ہے اگر تم اللہ کے نام پر خرچ کر دو گے تو اس کا بدلہ تمہیں آخرت میں مل جائے گا، اس طرح گویا اللہ کی راہ میں خرچ کی ہوئی چیز کی ملکیت تمہارے لئے دائمی ہو جائے گی۔

ترمذی میں حضرت عائشہ رضی سے روایت ہے کہ ایک روز ہم نے ایک بکری ذبح کی جس کا اگر حصہ تقسیم کر دیا، صرف ایک دست گھر کے لئے رکھ لیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے دریافت کیا کہ اس بکری کے گوشت میں سے تقسیم کے بعد کیا باقی رہا ہے؟ میں نے عرض کیا کہ ایک دست رہ گیا ہے، تو آپ نے فرمایا کہ یہ ساری بکری باقی رہی صرف یہ دست باقی نہیں رہا، جس کو تم باقی سمجھ رہی ہو، کیونکہ ساری بکری اللہ کی راہ میں خرچ کر دی گئی، وہ اللہ کے یہاں تمہارے لئے باقی رہے گی اور یہ دست جو اپنے

کھانے کے لئے رکھا ہے، اس کا آخرت میں کوئی معاوضہ نہیں اس لئے یہ یہیں فنا ہو جائے گا، (منظری)
گذشتہ آیات میں اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کی تاکید بیان فرمانے کے بعد اگلی آیت میں یہ بتلایا گیا کہ
کہ اللہ کی راہ میں جو کچھ جس وقت بھی خرچ کیا جائے ثواب تو ہر ایک پر ہر ایک حال میں ملے گا، لیکن ثواب کے
درجات میں ایمان و اخلاص اور مسابقت کے اعتبار سے فرق ہوگا، اس کے لئے فرمایا:

لَا يَسْتَوِي مَنۢ أَنفَقَ مِّنۢ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقَاتِلٌ�ۥ ۚ أَلۢيٰۤسَ لِلَّذِينَ سَبَقُواۥ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ
خرچ کرنے والے دو قسم کے لوگ ہیں، ایک وہ جو فتح مکہ سے پہلے ایمان لے آئے، اور مومن ہو کر اللہ کی
راہ میں مال خرچ کیا، دوسرے وہ جو فتح مکہ کے بعد جہاد میں شریک ہوئے اور فی سبیل اللہ خرچ میں بھی
یہ دونوں قسمیں اللہ کے نزدیک برابر نہیں، بلکہ درجاتِ ثواب کے اعتبار سے ان میں تفاضل ہے، فتح
مکہ سے پہلے ایمان لانے والے اور جہاد کرنے والے اور خرچ کرنے والے درجہ ثواب کے اعتبار سے
بڑھے ہوئے ہیں، دوسری قسم سے یعنی جن لوگوں نے فتح مکہ کے بعد اسلامی خدمات میں شرکت کی،
فتح مکہ کو صحابہ کرامؓ آیات مذکورہ میں حق تعالیٰ نے صحابہ کرام کے دو طبقے قرار دیے ہیں، ایک
کے درجات متعین کرنے جنہوں نے فتح مکہ سے پہلے مسلمان ہو کر اسلامی خدمات میں حصہ لیا، دوسرے
کے لئے حد فاصل قرار وہ لوگ جنہوں نے فتح مکہ کے بعد یہ کام کیا ہے، پہلے لوگوں کا مقام بہ نسبت
دوسرے لوگوں کے اللہ تعالیٰ کے نزدیک بلند ہونے کا اعلان اس آیت میں
دینے کی حکمت
فرمایا گیا ہے۔

فتح مکہ میں ان دونوں طبقوں میں حد فاصل قرار دینے کی ایک بڑی حکمت تو یہ ہے کہ فتح مکہ مکرمہ
سے پہلے پہلے سیاسی حالات اور اسباب ظاہرہ کے اعتبار سے مسلمانوں کی بقاء و فناء اور اسلام کے
آگے بڑھنے پھیلنے یا بہت سی تحریکات کی طرح مُردہ ہو جانے کے احتمالات ظاہر ہیں نظروں میں جیسا
انماز سے گردش کرتے رہتے تھے، دنیا کے ہوشیار لوگ کسی ایسی جماعت یا تحریک میں شرکت نہیں
کیا کرتے جس کے شکست کھا جانے یا ختم ہو جانے کا خطرہ سامنے ہو، انجام کا انتظار کرتے رہتے
ہیں، جب کامیابی کے امکانات روشن ہو جائیں تو شریک ہو جاتے ہیں، اور بعض لوگ اگرچہ اس
کو حق و صحیح سمجھتے ہوں لیکن مخالفین کی ایذاؤں کے خوف اور اپنے ضعف کے سبب شرکت کرنے
کی ہمت نہیں کرتے، لیکن باعزم و ہمت لوگ جو کسی نظریہ اور عقیدہ کو صحیح اور حق سمجھ کر قبول کرتے
ہیں وہ فتح و شکست اور جماعت کی قلت و کثرت پر نظر کے بغیر اس کے قبول کی طرف دوڑتے ہیں،
فتح مکہ سے پہلے جو لوگ ایمان لائے ان کے سامنے مسلمانوں کی قلت اور ضعف اور اس کی وجہ
سے مشرکین کی ایذاؤں کا سلسلہ تھا، خصوصاً ابتداء اسلام کے وقت کہ اسلام و ایمان کا اظہار کرنا
اپنی جان کی بازی لگانے اور اپنے گھر بار کو ہلاکت کے لئے پیش کر دینے کے مرادف تھا، یہ ظاہر ہے

کہ ان حالات میں جنہوں نے اسلام قبول کر کے اپنی جانوں کو خطرہ میں ڈالا اور پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نصرت اور دین کی خدمت میں اپنے جان و مال کو لگایا ان کی قوتِ ایمان اور اخلاصِ عمل کو دوسرے لوگ نہیں پہنچ سکتے۔

رفتہ رفتہ حالات بدلتے گئے مسلمانوں کو قوت حاصل ہوتی گئی، یہاں تک کہ مکہ مکرمہ فتح ہو کر پورے عرب پر اسلام کی حکومت قائم ہو گئی، اس وقت جیسا کہ قرآن کریم میں مذکور ہے **يَذْخَبُونَ فِي** **دِينِ اللَّهِ أَفْوَاجًا**، یعنی لوگ اللہ کے دین میں فوج در فوج ہو کر داخل ہوں گے اس کا ظہور ہوا کیونکہ بہت سے لوگ اسلام کی حقانیت پر تو یقین رکھتے تھے، مگر اپنے ضعف اور مخالفین اسلام کی قوت و شوکت اور ان کی ایذاؤں کے خوف سے اسلام و ایمان کا اظہار کرتے ہوئے جھجکتے تھے، اب ان کی راہ سے یہ رکاوٹ دور ہو گئی، تو فوج در فوج ہو کر اسلام میں داخل ہو گئے، قرآن کریم کی اس آیت نے ان کا بھی اکرام و احترام کیا ہے، اور ان کے لئے بھی مغفرت و رحمت کا وعدہ دیا ہے، لیکن یہ بتلادیا کہ ان کا درجہ اور مقام ان لوگوں کے برابر نہیں ہو سکتا، جنہوں نے اپنی ہمت و اولوالعزمی اور قوتِ ایمان کے سبب مخالفین اور ایذاؤں کے خوف و خطر سے بالاتر ہو کر اسلام کا اعلان کیا، اور آٹے وقت میں اسلام کے کام آئے۔

خلاصہ یہ ہے کہ عزم و ہمت اور قوتِ ایمان کے درجات متعین کرنے کے لئے فتح مکہ سے پہلے اور بعد کے حالات ایک حد فاصل کی حیثیت رکھتے ہیں، اسی لئے آیت مذکورہ میں فرمایا کہ یہ دونوں طبقے برابر نہیں ہو سکتے۔

تمام صحابہ کرام کے لئے آیات مذکورہ میں اگرچہ صحابہ کرام میں باہمی درجات کا تفاضل ذکر کیا گیا ہے لیکن آخر میں فرمایا **وَكُلًّا وَعَدَ اللَّهُ الْحُسْنَى**، یعنی باوجود باہمی فرق مراتب مغفرت و رحمت کی بشارت اور صحابہ کا باقی امت سے امتیاز

یہ وعدہ صحابہ کرام کے ان دونوں طبقوں کے لئے ہے جنہوں نے فتح مکہ سے پہلے یا بعد میں اللہ کی راہ میں خرچ کیا، اور مخالفین اسلام کا مقابلہ کیا، اس میں تشریفاً صحابہ کرام کی پوری جماعت شامل ہو جاتی ہے، کیونکہ ایسے افراد تو شاذ و نادر ہی ہو سکتے ہیں جنہوں نے مسلمان ہو جانے کے باوجود اللہ کے لئے کچھ خرچ بھی نہ کیا ہو اور مخالفین اسلام کے مقابلہ و مقاتلہ میں بھی شریک نہ ہوئے ہوں، اس لئے قرآن کریم کا یہ اعلان مغفرت و رحمت پوری جماعت صحابہ کرام کے لئے عام اور شامل ہے۔

ابن حزمؒ نے فرمایا کہ اس کے ساتھ قرآن کی دوسری آیت سورۃ انبیاء کو ملاؤ جس میں فرمایا ہے **إِنَّ الَّذِينَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِنَّا الْحُسْنَىٰ أُولَٰئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُونَ لَا يَسْمَعُونَ حَسِيسَهَا وَهُمْ**

فَیَمَّا اشْتَمَّتْ اَنْفُسُهُمْ خَلِدُوْنَ ؕ یعنی جن لوگوں کے لئے ہم نے حُسنیٰ کو معسر کر دیا ہے وہ جہنم سے ایسے دور رہیں گے کہ اس کی تکلیف وہ آدازیں بھی اُن کے کانوں تک نہ پہنچیں گی، اور اپنی دلخواہ نعمتوں میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔

آیات زیر بحث میں کَلَّا وَعَدَ اللّٰهُ اِنَّ حُسْنٰی مذکور ہے اور اس آیت میں جن کے لئے حُسنیٰ کا وعدہ ہوا ان کے لئے جہنم کی آگ سے بہت دور رہنے کا اعلان ہے، اس کا حاصل یہ ہے کہ قرآن کریم نے اس کی ضمانت دیدی کہ حضرات صحابہ سابقین و آخرین میں سے کسی سے بھی اگر عمر بھر میں کوئی گناہ سرزد ہو بھی گیا تو وہ اس پر قائم نہ رہے گا تو بہ کرے گا یا پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت و نصرت اور دین کی خدمات عظیمہ اور ان کی بے شمار حسنات کی وجہ سے اللہ تعالیٰ ان کو معاف فرما دے گا، اور ان کی موت اس سے پہلے نہ ہوگی کہ ان کا گناہ معاف ہو کر وہ صاف و بیباق ہو جائیں، یا دنیا کے مصائب و آفات اور زیادہ سے زیادہ برزخ میں کوئی تکلیف ان کے سینات کا کفارہ ہو جائے۔

اور جن احادیث میں بعض صحابہ کرام پر مرنے کے بعد عذاب کا ذکر آیا ہے وہ عذابِ آخرت و عذابِ جہنم کا نہیں برزخ یعنی قبر کا عذاب ہے، یہ کوئی بعید نہیں ہے کہ صحابہ کرام میں سے اگر کسی سے کوئی گناہ سرزد ہوا اور اتفاقاً تو بہ کر کے اس سے پاک ہو جانے کا بھی موقع نہیں ہوا تو ان کو برزخی عذاب کے ذریعہ پاک کر دیا جائے گا تاکہ آخرت کا عذاب اُن پر نہ رہے۔

صحابہ کرامؓ کا مقام قرآن وحدیث خلاصہ یہ ہے کہ حضرات صحابہ کرام عام اُمت کی طرح نہیں وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اُمت کے درمیان اللہ تعالیٰ کا بنایا ہوا ایک واسطہ ہیں، اُن کے بغیر اُمت کو قرآن پہنچنے کا کوئی راستہ ہے اور نہ معانیِ قرآن اور تعلیمات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا، اس لئے اسلام میں اُن کا ایک خاص مقام ان کے مقاماتِ کتبِ تاریخ کی رطب دیا بس روایات سے نہیں پہچانے جاتے، بلکہ قرآن و سنت کے ذریعہ پہچانے جاتے ہیں۔

ان میں سے اگر کسی سے کوئی لغزش اور غلطی بھی ہوتی ہے تو اکثر وہ اجتہادی خطا ہوتی ہے جس پر کوئی گناہ نہیں، بلکہ حسب تصریح احادیث صحیحہ ایک اجر ہی ملتا ہے، اور اگر.... فی الواقع کوئی گناہ ہی ہو گیا تو اَوَّل وہ اُن کے عمر بھر کے اعمالِ حسنہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلام کی نصرت و خدمت کے مقابلہ میں صفر کی حیثیت رکھتا ہے، پھر اُن میں خستیت اور خوفِ خدا کا یہ عالم تھا کہ معمول سے گناہ سے بھی لرز جاتے اور فوراً توبہ کرتے، اور اپنے نفس پر اس کی سزا جاری کرنے کے لئے کوشش کرتے تھے، کوئی اپنے آپ کو مسجد کے ستون سے باندھ دیتا، اور جب تک توبہ قبول ہو جانے کا یقین نہ ہو جائے بندھا کھڑا رہتا تھا، اور پھر ان میں سے ہر ایک کی حسنات اتنی ہیں کہ وہ خود گناہوں کا کفارہ

ہو جاتی ہیں، اُن سب پر مزید یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اُن کی خطاؤں کی مغفرت کا عام اعلان اس آیت میں اور دوسری آیات میں فرمادیا، اور صرف مغفرت ہی نہیں بلکہ رَضِیَ اللہُ عَنْہُمْ وَرْضَوْا عَنْہُ فرما کر اپنی رضا کی بھی سند دیدی، اس لئے اُن کے آپس میں جو اختلافات اور مشاجرات پیش آئے اُن کی وجہ سے اُن میں سے کسی کو بُرا کہنایا اُس پر طعن و تشنیع کرنا قطعاً حرام اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق موجب لعنت اور اپنے ایمان کو خطرہ میں ڈالنا ہے۔ نعوذ باللہ منہ

آجکل تاریخ کی جھوٹی سچی، قوی ضعیف روایات کی بناء پر جو بعض لوگوں نے بعض حضرات صحابہ کو مورد طعن و الزام بنایا ہے، اول تو اس کی بنیاد جو تاریخی روایات پر ہے وہ بنیاد ہی متزلزل ہے، اور اگر کسی درجہ میں اُن روایات کو قابل التفات مان بھی لیا جائے تو قرآن و حدیث کے کھلے ہوئے ارشادات کے خلاف اُن کی کوئی حیثیت نہیں رہتی، وہ سب مغفور ہیں۔

صحابہ کرام کے بارے میں پوری امت کا اجماعی عقیدہ واجب ہے، اور ان کے آپس میں جو اختلافات اور مشاجرات پیش آئے اُن کے معاملے میں سکوت کرنا، کسی کو مورد الزام نہ بنانا لازم ہے، عقائدِ اسلامیہ کی تمام کتابوں میں اس اجماعی عقیدہ کی تصریحات موجود ہیں، امام احمدؒ کا رسالہ جو بروایت اصطرخی معروف ہے اس کے بعض الفاظ یہ ہیں :-

”کسی کے لئے جائز نہیں کہ صحابہ کرام کی کسی بُرائی کا ذکر کرے، یا اُن میں سے کسی پر طعن کرے یا کوئی عیب یا نقصان ان کی طرف منسوب کرے اور جو ایسا کرے اس کو سزا دینا واجب ہے“

لَا يَجُوزُ لِأَحَدٍ أَنْ يَذْكُرَ شَيْئًا مِنْ مَسَاوِيهِمْ وَلَا يَطْعُنَ عَلَى أَحَدٍ مِنْهُمْ بِعَيْبٍ وَلَا تَقْصِفَ فَمَنْ فَعَلَ ذَلِكَ وَجَبَ كَأَدْيِيهِ، (شرح العقيدة الواسطية

معروف بہ الدرۃ المفیۃ، ص ۳۸۹)

اور ابن تیمیہؒ نے الصارم المسلول میں صحابہ کرام کے متعلق فضائل و خصوصیات کی بہت سی آیات اور روایات حدیث لکھنے کے بعد لکھا ہے :-

جہاں تک ہمارے علم میں ہے ہم اس معاملہ میں علماء، فقہاء، صحابہ و تابعین اور تمام اہل سنت و الجماعہ کے درمیان کوئی اختلاف نہیں پاتے کیونکہ سب کا اس پر اجماع ہے کہ امت پر واجب یہ ہے کہ سب صحابہ کرام کی مدح و ثناء کرے اور ان کے لئے استغفار کرے

وَهَذَا إِمْرًا لَا تَعْلَمُ فِيهِ خِلَافًا بَيْنَ أَهْلِ الْإِسْلَامِ وَاعْلَمُوا أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالْتَّابِعِينَ لَهُمْ بِإِحْسَانٍ وَسَائِرَ أَهْلِ السُّنَّةِ وَالْجَمَاعَةِ قَائِمُهُمْ مُجْتَمِعُونَ عَلَى أَنَّ الْوَاجِبَ الثَّنَاءُ

عَلَيْهِمْ وَالْإِسْخْفَارُ لَهُمْ وَالْتَّوْحُّمُ
عَلَيْهِمْ وَالْتَّرَضُّعِيُّ عَنْهُمْ وَاعْتِقَادُ
مَحَبَّتِهِمْ وَمَوَالَاةُ هَيْمٍ وَعُقُوبَةُ
مَنْ آسَأَ فِيهِمْ الْقَوْلُ

اور ان کو اللہ کی رحمت و رضا کے ساتھ ذکر
کرے، اُن کی محبت اور دوستی پر ایمان رکھے
اور جو اُن کے معاملہ میں بے ادبی کرے اس
کو سزا دے ۱۱

اور ابن تیمیہ نے شرح عقیدہ واسطیہ میں تمام اُمتِ محمدیہ اہل السنۃ والجماعۃ کا عقیدہ بیان
کرتے ہوئے مشاجراتِ صحابہ کے متعلق لکھا ہے :-

وَيُنْسَكُونَ عَمَّا شَجَرَ بَيْنَ الصَّحَابَةِ
وَيَقُولُونَ هَذِهِ الْأَنْثَارُ الْمُرَوِّدِيَّةُ
فِي مَسَاوِيهِمْ مِنْهَا مَا هُوَ كَذِبٌ وَ
مِنْهَا مَا زِيدَ فِيهَا وَنُقِصَ وَغَيْرُ
وَجْهَةٍ وَالصَّحِيحُ مِنْهُ هُمْ فِيهِ
مَعْدُورُونَ أَمَّا مُجْتَهِدُونَ مُصِيبُونَ
وَأَمَّا مُجْتَهِدُونَ مُخْطِئُونَ، وَهُمْ
مَعَ ذَلِكَ لَا يَعْتَقِدُونَ أَنَّ كُلَّ وَاحِدٍ
مِنَ الصَّحَابَةِ مَعْصُومٌ مِنْ كَبَائِرِ
الْأَشْيَاءِ وَصَغَائِرِهَا بَلْ يُجَوِّزُونَ عَلَيْهِمُ
الدُّنُوبَ فِي الْجُمْلَةِ وَلَهُمْ مِنَ
الْفَضَائِلِ وَالسَّوَابِغِ مَا يُوجِبُ
مَغْفِرَةً مَا يَصْدُرُ مِنْهُمْ حَتَّى أَكْثَرُ
يُغْفَرُ لَهُمْ مِنَ السَّيِّئَاتِ مَا لَا
يُعْقَلُ لِمَنْ أَبْعَدَ هُمْ

اہلِ سنۃ والجماعۃ سکوت اختیار کرتے ہیں اُن
اختلافی معاملات سے جو صحابہ کرام کے درمیان
پیش آئے اور کہتے ہیں کہ جو روایات اُن میں سے
کسی پر عیب لگانے والی ہیں اُن کی حقیقت یہ ہے کہ
بعض تو بالکل جھوٹ ہیں، اور بعض میں کثرتِ تہذیب
کر کے ان کی اصل حقیقت بگاڑ دی گئی ہے
اور جو کچھ صحیح ہے وہ اس میں معذور ہیں کیونکہ
راہنوں نے جو کچھ کیا اللہ کے لئے کیا اجتہاد
سے کیا، اس اجتہاد میں یا وہ صحیح بات پر تھے
(تو دوسرے ثواب کے مستحق تھے) یا خطا پر
تھے (تو معذور اور ایک ثواب کے مستحق تھے)
ان تمام باتوں کے ساتھ وہ اس کے معتقد
نہیں کہ ہر صحابی چھوٹے بڑے گناہوں سے معصوم
ہے بلکہ ان سے گناہ کا صدور ممکن ہے، مگر ان کے
فضائل اور اسلام کی عظیم الشان خدمات ایسی

ہیں جو ان سب کی مغفرت کی مقضی ہیں یہاں تک کہ ان کی مغفرت و معافی اتنی وسیع ہوگی جو اُمت
میں دوسروں کے لئے نہ ہوگی ۱۲

مقامِ صحابہ اور اُن کے درجات و فضائل پر مفصل بحث سورۃ فتح کی آیات (وَالَّذِينَ مَعَهُ الْخِزْيَانَةُ) کے
تحت گذر چکی ہے، اور احقر نے اس بحث پر ایک مفصل رسالہ (مقامِ صحابہ) کے نام سے لکھ دیا ہے جو جگہ جگہ
شائع ہو چکا ہے، جس میں عدالتِ صحابہ، مشاجراتِ صحابہ اور ان کے بارے میں تاریخی روایات کی حیثیت اور
درجہ کی مکمل تحقیق ہے اس کو دیکھ لیا جائے۔

يَوْمَ تَرَى الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ يَسْعَىٰ نُورُهُمْ بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَ

جس دن تو دیکھے ایمان والے مردوں کو اور ایمان والی عورتوں کو درڑتی ہوئی چلتی ہوئی انکی روشنی انکے آگے اور

بِأَيْمَانِهِمْ بُشْرًا لَّهُمْ الْيَوْمَ جَنَّتُ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ

ان کے دایرے خوش خبری ہر دم کو آج کے دن باغ ہیں کہ نیچے بہتی ہیں جن کے نہریں سدا رہو

فِيهَا ذَلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ﴿١٢﴾ يَوْمَ يَقُولُ الْمُنِفِقُونَ وَالْمُنَافِقَاتُ

ان میں، یہ جو ہر بھی ہر بڑی مراد ملنی، جس دن کہیں گے دغا باز مرد اور عورتیں

لِلَّذِينَ آمَنُوا انْظُرُوا نَارًا تَلْقَىٰ مِنْ نُّورِكُمْ قِيلَ ارْجِعُوا وَرَاءَكُمْ

ایمان والوں کو راہ دیکھو ہماری اہم بھی روشنی لے لیں تمھارے نور سے کوئی کہے گا لوٹ جاؤ پیچھے،

قَالَتِيسُوا نُورًا طَفِرَبَ بَيْنَهُمْ سُوْرِلَهُ بَابٌ بَاطِنُهُ فِيهِ الرَّحْمَةُ

پھر ڈھونڈھ لو روشنی پھر کھڑی کر دی جائے ان کے پیچ میں ایک دیوار جس میں ہوگا دروازہ اسکے اندر رحمت ہوگی

وَزَآهْرُهُ مِنْ قِبَلِهِ الْعَذَابُ ﴿١٣﴾ ينادُ وَهُمْ أَلَمْ تَكُنْ مَعَكُمْ قَالُوا

اور باہر کی طرف عذاب، یہ اُن کو پکاریں گے کیا ہم نہ تھے تمھارے ساتھ کہیں گے

بَلَىٰ وَلَٰكِنَّكُمْ فَتَنْتُمْ أَنْفُسَكُمْ وَتَرَبَّصْتُمْ وَارْتَبْتُمْ وَغَرَّتْكُمُ

کیوں نہیں لیکن تم نے بھلا دیا اپنے آپ کو اور راد دیکھتے رہے اور دھوکے میں پڑے اور بہک گئے،

الْأَمَانِي حَتَّىٰ جَاءَ أَمْرُ اللَّهِ وَغَرَّكُمْ بِاللَّهِ الْغُرُورُ ﴿١٤﴾ قَالِيَوْمَ لَا

اپنے خیالوں پر یہاں تک کہ آپہنچا حکم اللہ کا اور تم کو بہکا دیا اللہ کے نام سے اس دغا باز نے، سو آج تم سے

يُؤْخَذُ مِنْكُمْ فِدْيَةٌ وَلَا مِنَ الَّذِينَ كَفَرُوا ط مَاؤُكُمْ النَّارُ هِيَ

قبول نہ ہوگا فدیہ دینا اور نہ مسکروں سے تم سب کا گھر دوزخ ہے وہی ہے

مَوْلَاكُمْ وَبِئْسَ الْمَصِيرُ ﴿١٥﴾ أَلَمْ يَأْنِ لِلَّذِينَ آمَنُوا أَنْ تَخْشَعَ

رفیق تمھاری اور بُری جگہ جا پہنچے، کیا وقت نہیں آیا ایمان والوں کو کہ گڑ گڑائیں ان کے

قُلُوبُهُمْ لِيَذْكُرُوا اللَّهَ وَمَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ وَلَا يَكُونُوا كَالَّذِينَ

دل اللہ کی یاد سے اور جو اُترا ہے سچا دین اور نہ ہوں اُن جیسے جن کو

أَوْتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلُ فَطَالَ عَلَيْهِمُ الْأَمَدُ فَقَسَتْ قُلُوبُهُمْ وَكَثِيرٌ

کتاب ملی تھی اس سے پہلے پھر دراز گزری اُن پر مدت پھر سخت ہو گئے ان کے دل اور بہت

مَنْهُمْ فَسِقُونَ ۱۶ ۱۷ إَعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ يُحْيِي الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا قَدْ بَيَّنَّا

اُن میں نافرمان ہیں، جان رکھو کہ اللہ زندہ کرتا ہے زمین کو اس کے مرجانے کے بعد ہم نے کھول کر

لَكُمْ الْآيَاتِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ۱۸ إِنَّ الْمُسْلِمِينَ وَالْمُسْلِمَاتِ

سنا دینا تم کو پتے اگر تم کو سمجھ ہے، تحقیق جو لوگ خیرات کرنے والے ہیں مرد اور عورتیں

وَأَقْرَضُوا اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا يَضَعُ لَهُمْ وَلَهُمْ أَجْرٌ كَرِيمٌ ۱۹ وَالَّذِينَ

اور قرض دیتے ہیں اللہ کو اچھی طرح اُن کو ملتا ہے دُونا اور ان کو ثواب ہر عزت کا، اور جو لوگ

آمَنُوا بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ أُولَٰئِكَ هُمُ الصِّدِّيقُونَ وَالشُّهَدَاءُ عِنْدَ

یقین لائے اللہ پر اور اس کے سب رسولوں پر وہی ہیں سچے ایمان والے اور لوگوں کا احوال بتلانے والے

رَبِّهِمْ لَهُمْ أَجْرُهُمْ وَنُورُهُمْ وَالَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا

اپنے رب کے پاس ان کے واسطے ہے اُن کا ثواب اور انکی روشنی، اور جو لوگ منکر ہوئے اور جھٹلایا ہماری باتوں

أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْجَحِيمِ ۲۰

کو وہ ہیں دوزخ کے لوگ،

خُلاصۂ تفسیر

(وہ دن بھی یاد کرنے کے قابل ہے) جس دن آپ مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں کو دیکھیں گے

کہ ان کا نور اُن کے آگے اور اُن کے داہنی طرف دوڑتا ہوگا (یہ نور پل صراط پر سے گزرنے کے لئے ان کے ہمراہ

ہوگا، اور ایک روایت میں ہے کہ بائیں طرف بھی ہوگا، کذا فی الدر المنثور، تو تخصیص داہنی طرف کی شاید

اس لئے ہو کہ اس طرف نور زیادہ قوی ہو، اور نکتہ اس تخصیص میں شاید یہ ہو کہ یہ علامت ہو ان کے نئے اعمال

داہنے ہاتھ میں دیئے جانے کا، اور سامنے نور ہونا تو ایسے موقع پر عادت عامہ ہے اور ان سے کہا جا و گیا کہ

آج تم کو بشارت ہے ایسے باغوں کی جن کے نیچے سے نہریں جاری ہوں گی جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے،

(اور یہ بڑی کامیابی ہے) ظاہر یہ ہے کہ یہ بات بھی اسی وقت کہی جاوے گی، اور اس وقت بطور خبر دینے

کے کہی جا رہی ہے، اور بشارت تم کہنے والے غالباً فرشتے ہیں، لقولہ تعالیٰ تَنْزِيلٌ عَلَيْهِمُ الْمَلَائِكَةُ أَلَّا

تَخَافُوا وَلَا تَحْزَنْفُوا ۚ اِنَّ آيٰتِہٖ تُزٰلِہٖ ۚ باحق تعالیٰ خود اس خطاب سے مشرت فرمادیں اور یہ وہ دن ہوگا جس روز منافق مرد اور منافق عورتیں مسلمانوں سے (پل صراط پر) کہیں گے کہ (ذرا) ہمارا انتظار کر لو کہ ہم بھی تمہارے نور سے کچھ روشنی حاصل کر لیں یہ اس وقت ہوگا جبکہ مسلمان اپنے اعمال و ایمان کی برکت سے بہت آگے بڑھ جادینگے اور منافقین جو کہ پل صراط پر مسلمانوں کے ساتھ چڑھائے جاویں گے پیچھے اندھیرے میں رہ جاویں گے خواہ اُن کے پاس پہلے ہی سے نور نہ ہو، یا جیسا کہ درمنثور کی ایک روایت میں ہے کہ ان کے پاس بھی قدرے نور ہو اور پھر وہ نقل ہو جاوے، اور حکمت عطاء نور میں یہ ہو کہ دنیا میں ظاہری اعمال کے اعتبار سے وہ مسلمانوں کے ساتھ رہا کرتے تھے مگر باعتبار اعتقاد کے دل سے جدا تھے، اس لئے اُن کو اَوَّلَ اُنْ اَعْمَالِ ظاہری کے وجہ سے نور مل جاوے مگر پھر دل میں ایمان و تصدیق نہ ہونے کے سبب وہ نور مفقود ہو جاوے، و نیز ان کے خداع اور دھوکہ کی جزا بھی یہی ہو کہ اَوَّلَ اُنْ کو نور مل گیا پھر خلافت گمان مفقود ہو گیا، غرض وہ مسلمانوں سے پھرنے کو کہیں گے) اُن کو جواب دیا جاوے گا (یہ جواب دینے والے خواہ فرشتے ہوں یا مؤمنین ہوں) کہ تم اپنے پیچھے لوٹ جاؤ پھر (وہاں سے) روشنی تلاش کر دو (حسب روایت درمنثور اس پیچھے سے مراد وہ جگہ ہے جہاں ظلمت شدیدہ کے بعد پل صراط پر چڑھنے کے وقت نور تقسیم ہوا تھا، یعنی نور تقسیم ہونے کی جگہ رہے وہاں جا کر لو، چنانچہ وہ اُدھر جاویں گے جب وہاں بھی کچھ نہ ملے گا، پھر اُدھر ہی آویں گے) پھر (مسلمانوں کے پاس نہ پہنچ سکیں گے بلکہ) اُن (فریقین) کے درمیان میں ایک دیوار قائم کر دی جاوے گی جس میں ایک دروازہ (بھی) ہوگا (جس کی کیفیت یہ ہے کہ) اس کے اندر دنی جانب میں رحمت ہوگی اور بیرونی جانب کی طرف عذاب ہوگا حسب روایت درمنثور یہ دیوار اعراف ہے، اور اندرونی جانب سے مؤمنین کی طرف والی جانب اور بیرونی جانب سے مراد کافروں کی طرف والی جانب اور رحمت سے مراد جنت اور عذاب سے مراد دوزخ ہے، اور شاید یہ دروازہ بات چیت کے لئے ہو یا اسی دروازہ میں سے جنت کا راستہ ہو اور زیادہ تحقیق اعراف کی سورۃ اعراف کے رکوع پنجم میں گذری ہے، غرض جب اُن میں اور مسلمانوں میں دیوار حائل ہو جائے گی اور یہ خود تاریکی میں رہ جاویں گے تو اس وقت یہ (منافق) ان (مسلمانوں) کو پکارینگے کہ کیا (دنیا میں) ہم تمہارے ساتھ نہ تھے یعنی اعمال و طاعات میں تمہارے شریک رہا کرتے تھے، تو آج بھی رفا کرنا چاہتے) وہ (مسلمان) کہیں گے کہ (ہاں) تھے تو ہسی لیکن (ایسا ہونا کس کام کا کیونکہ محض ظاہر میں ساتھ تھے اور باطنی حالت تمہاری یہ تھی کہ) تم نے اپنے کو گمراہی میں پھنسا رکھا تھا اور (وہ گمراہی یہ تھی کہ تم پیغمبر اور مسلمانوں سے عداوت رکھتے تھے، اور اُن پر حوادث واقع ہونے کے) تم منتظر (اور متمنی) رہا کرتے تھے اور (اسلام کے حق ہونے میں) تم شک رکھتے تھے اور تم کو تمہاری بیہودہ تمناؤں نے دھوکہ میں ڈال رکھا تھا، یہاں تک کہ تم پر خدا کا حکم آپہنچا (مراد بیہودہ تمناؤں سے یہی کہ اسلام مٹ جاوے گا اور یہ کہ ہمارا مذہب حق ہے اور موجب نجات ہے، اور مراد حکم خدا سے موت ہے، یعنی عمر بھر اُن ہی کفریات پر مصر رہو تو یہ بھی نہ کی) اور تم کو دھوکہ دینے والے (یعنی شیطان) نے اللہ کے ساتھ دھوکہ میں ڈال رکھا تھا،

رہ یہ کہ اللہ تعالیٰ ہم پر مواخذہ نہ کرے گا، حاصل مجموعہ کا یہ ہے کہ ان کفریات کی وجہ سے تمہاری معیت ظاہر ہے نجات کے لئے کافی نہیں، غرض آج نہ تم سے کوئی معاذ نہ لیا جاوے گا اور نہ کافروں سے (یعنی اول تو معاذ نہ دینے کے واسطے تمہارے پاس کوئی چیز ہے نہیں، لیکن بالفرض اگر ہوتی بھی تب بھی مقبول نہ ہوتی، کیونکہ دارالجزا ہے دارالعمل نہیں اور) تم سب کا ٹھکانا دوزخ ہے وہی تمہاری (ہمیشہ کے لئے) رفیق ہے اور وہ (واقعی) بڑا ٹھکانا ہے (یہ قول فَاَلْيَوْمَ الْآخِرُ یا تو مومنین کا ہو یا حق تعالیٰ کا اس تمام تر بیان سے ثابت ہو گیا کہ جس ایمان میں طاعتِ ضروریہ کی کمی ہو وہ گو کالعدم نہیں، لیکن کامل بھی نہیں، اس لئے اگلی آیات میں اس کی تکمیل کے لئے بصورتِ عتاب کے مسلمانوں کو حکم فرماتے ہیں کہ) کیا ایمان والوں میں سے جو لوگ طاعتِ ضروریہ میں کمی کرتے ہیں جیسے گناہنگار مسلمانوں کی حالت ہوتی ہے تو کیا ان کے لئے (اب بھی) اس بات کا وقت نہیں آیا کہ ان کے دل خدا کی نصیحت کے اور جو دینِ حق (منجانب اللہ) نازل ہوا ہے (کہ وہی نصیحتِ خداوندی ہے) اس کے سامنے ٹھک جاویں (یعنی دل سے عزم پابندی طاعتِ ضروریہ و ترکِ معاصی کا کر لیں اور اس کو خشنوع بمعنی سکون اس لئے کہا کہ دل کا حالتِ مطلوبہ پر رہنا سکون ہے اور معصیت کی طرف جانا مشابہ حرکت کے ہے) اور (خشنوع بالمعنی المذکور میں دیر کرنے سے جس کا حاصل توبہ میں دیر کرنا ہے وہ) ان لوگوں کی طرح نہ ہو جائیں جن کو ان کے قبل کتاب (آسمانی) ملی تھی (یعنی یہود و نصاریٰ) کہ انھوں نے بھی برخلافِ مقتضائے اپنی کتابوں کے شہوات و معاصی میں اپنا ک شروع کیا (پھر اسی حالت میں) اُن پر ایک زمانہ دراز گزر گیا (اور توبہ نہ کی) پھر (اس توبہ نہ کرنے سے) ان کے دل (خوب ہی) سخت ہو گئے (کہ ندامت و ملامت اضطراری بھی نہ ہوتی تھی) اور (اس کی نوبت یہاں تک پہنچی کہ اسی قسادت کی بدولت) بہت سے آدمی اُن میں کے (آج) کافر ہیں (کیونکہ معصیت پر اصرار اور اس کو اچھا سمجھنا اور نبی برحق کی عداوت اکثر سببِ کفر بن جاتا ہے، مطلب یہ کہ مسلمان کو جلدی توبہ کر لینا چاہئے، کیونکہ بعض اوقات پھر توبہ کی توفیق نہیں رہتی، اور بعض اوقات کفر تک نوبت پہنچ جاتی ہے، آگے فرماتے ہیں کہ اگر تم لوگوں کے دلوں میں معاصی سے کوئی خرابی کم و بیش پیدا ہو گئی ہو تو اس کو اس دہم کی بناء پر توبہ سے مانع نہ سمجھو کہ اب توبہ سے کیا اصلاح ہوگی بلکہ) یہ بات جان لو کہ اللہ تعالیٰ (کی ایسی شان ہے کہ وہ) زمین کو اس کے خشک ہوئے پیچھے زندہ کر دیتا ہے (بس اسی طرح توبہ کرنے پر اپنی رحمت سے قلبِ مردہ کو زندہ اور درست کر دیتا ہے، پس مایوس نہ ہونا چاہئے کیونکہ) ہم نے تم سے (اس کے) نظائر بیان کر دیئے ہیں تاکہ تم سمجھو (مخبرہ سے مراد جیسا مدارک میں ہے احیاء ارض ہے اور شاید حج لانا اور جہ تکرار وقوع کے ہو، آگے فضیلتِ انفاق مذکورہ بالا کی ارشاد ہے یعنی) بلاشبہ صدقہ دینے والے مرد اور صدقہ دینے والی عورتیں ادویہ (صدقہ دینے والے) اللہ کو خلوص کے ساتھ قرض دے رہے ہیں وہ صدقہ (باعتبارِ ثواب کے) ان کے لئے بڑھادیا جائے گا اور (مضاعفہ کے ساتھ) اُن کے لئے اجر پسندیدہ (تجزیہ کیا گیا) ہے (تفسیر اس کی ابھی گزر چکی ہے) اور (آگے فضیلتِ ایمان مذکورہ بالا

کی ارشاد ہے کہ جو لوگ اللہ پر اور اس کے رسولوں پر پورا ایمان رکھتے ہیں (یعنی جن میں ایمان اور تصدیق اور پابندی طاعت مکمل درجہ میں ہوا) ایسے ہی لوگ اپنے رب کے نزدیک صدیق اور شہید ہیں (جس کا بیان سورۃ نساء کے رکوع ہنم میں آچکا ہے، یعنی یہ مراتب کمال ایمان کامل ہی کی بدولت نصیب ہوتے ہیں، اور شہید کا حاصل باذل نفس فی اللہ ہے، یعنی جو اپنی جان کو اللہ کی راہ میں پیش کر دے گو قتل نہ ہوا کیونکہ وہ اختیار کا خاج ہے، ان کے لئے (جنت میں) ان کا اجر (خاص) اور (صراط پر) ان کا نور (خاص) ہوگا اور آگے کفایت کا ذکر فرماتے ہیں کہ جو لوگ کافر ہوئے اور ہماری آیتوں کو جھٹلایا یہی لوگ دوزخی ہیں۔

معارف و مسائل

يَوْمَ تَرَى الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ يَسْعَىٰ نُورُهُمْ بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَبِأَيْمَانِهِمْ،

یعنی وہ دن یاد رکھنے کے قابل ہے جس دن آپ مؤمن مرد اور مؤمن عورتوں کو دیکھیں گے کہ ان کا نور ان کے آگے آگے اور دائیں طرف ہوگا الخ

اس دن سے مراد قیامت کا دن ہے، اور یہ نور عطا ہونے کا معاملہ پل صراط پر چلنے سے کچھ پہلے پیش آئے گا، اس کی تفصیل ایک حدیث میں ہے جو حضرت ابو امامہ باہلی سے مروی ہے، ابن کثیر نے اس کو بحوالہ ابن ابی حاتم نقل کیا ہے، حدیث طویل ہے جس میں ابو امامہؓ کا دمشق میں ایک جنازہ میں شریک ہونا اور فارغ ہونے کے بعد لوگوں کو موت اور آخرت کی یاد دلانے کے لئے موت اور قبر پھر حشر کے کچھ حالات بیان فرمانا ذکر ہوا اس کے چند جملوں کا ترجمہ یہ ہے کہ:-

”پھر تم قبروں سے میدان حشر کی طرف منتقل کئے جاؤ گے، جس میں مختلف مراحل اور موافقت ہوں گے، ایک مرحلہ ایسا آئے گا کہ حکم خداوندی کچھ چہرے سفید اور روشن کر دیئے جاویں گے اور کچھ چہرے کالے سیاہ کر دیئے جاویں گے، پھر ایک مرحلہ ایسا آئے گا کہ میدان حشر میں جمع ہونے والے سب لوگوں پر جن میں مؤمن و کافر سب ہوں گے، ایک شدید ظلمت اور اندھیری طاری ہو جائے گی، کسی کو کچھ نظر نہ آئے گا، اس کے بعد نور تقسیم کیا جائے گا ہر مؤمن کو نور عطا کیا جائے گا (ابن ابی حاتم ہی کی دوسری روایت میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے منقول ہے کہ مؤمن میں یہ نور بقدر ان کے اعمال کے تقسیم ہوگا، کسی کا نور مثل پہاڑ کے کسی کا کھجور کے درخت کے مثل کسی کا قامت انسانی کے برابر ہوگا، سب کم نور اس شخص کا ہوگا جس کے صرف انگڑے میں نور ہوگا اور وہ بھی کبھی روشن ہو جائے گا کبھی بجھ جائے گا، ابن کثیر) پھر حضرت ابو امامہ باہلیؓ نے فرمایا کہ منافقین اور کفار کو کوئی نور نہ دیا جائے گا، اور فرمایا کہ اسی واقعہ کو قرآن کریم نے ایک مثال کے عنوان سے اس آیت میں بیان فرمایا ہے:

رَأَوْ كُظُمُلَتٍ فِي بَحْرِ لُجِّي يَغْشَاهُ مَوْجٌ مِّن قَوْقِهِ مَوْجٌ مِّن قَوْقِهِ سَعَابٌ
ظَلُمْتُ بَعْضَهُمَا قَوْقٍ بَعْضٌ إِذَا أَخْرَجَ يَدَكَ لَمْ يَكُنْ يَرَاهَا وَمَنْ لَّمْ يَجْعَلِ اللَّهُ
لَهُ نُورًا فَمَا لَهُ مِن نُّورٍ اور فرمایا کہ مؤمنین کو جو نور عطا ہوگا (اس کا حال دنیا کے نور
کی طرح نہیں ہوگا کہ جہاں کہیں نور ہو اس کے پاس والے بھی اس سے فائدہ اٹھاتے ہیں) بلکہ
جس طرح کوئی اندھا آدمی دوسرے بصیر آدمی کے نورِ بصیر سے نہیں دیکھ سکتا اسی طرح مؤمنین
کے اس نور سے کوئی کافر یا فاسق فائدہ نہیں اٹھا سکے گا (ابن کثیر)

حضرت ابوامامہ باہلیؓ کی اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جس موقف میں ظلمت شدیدہ کے بعد حق تعالیٰ کی
طرف سے مؤمن مردوں اور مؤمن عورتوں میں نور تقسیم ہوگا اسی وقت سے کافر اور منافق اس نور سے
محروم رہیں گے، اُن کو کسی قسم کا نور ملے ہی گا نہیں۔

نگر طبرانی نے حضرت ابن عباسؓ سے ایک مرفوع روایت یہ نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
نے فرمایا کہ:

”پہلی صراط کے پاس اللہ تعالیٰ ہر مؤمن کو نور عطا فرمادیں گے اور ہر منافق کو بھی مگر جس وقت
یہ پہلی صراط پر پہنچ جائیں گے تو منافقین کا نور سلب کر لیا جائے گا (ابن کثیر)

اس سے معلوم ہوا کہ منافقین کو بھی ابتداء میں نور دیا جائے گا، مگر پہلی صراط پر پہنچ کر یہ نور سلب
ہو جائے گا، بہر حال خواہ ابتداء ہی سے اُن کو نور نہ ملا ہو یا مل کر بجھ گیا ہو، اس وقت وہ مؤمنین سے درخواست
کریں گے کہ ذرا ٹھہر دہم بھی تمہارے نور سے کچھ فائدہ اٹھالیں کیونکہ ہم دنیا میں بھی نماز، زکوٰۃ، حج، جہاد
سب چیزوں میں تمہارے شریک رہا کرتے تھے، تو ان کو اس درخواست کا جواب نامنظوری کی شکل میں
دیا جائے گا، جس کا بیان آگے آتا ہے، اور منافقین کے مناسب حال تو یہی ہے کہ پہلے ان کو بھی مسلمانوں کی
طرح نور ملے پھر اس کو سلب کر لیا جائے جس طرح وہ دنیا میں خدا و رسول کو دھوکا دینے کی ہی کوشش میں
گئے رہے تھے، ان کے ساتھ قیامت میں معاملہ بھی ایسا ہی کیا جائے گا جیسے کسی کو دھوکہ دینے کے لئے
کچھ روشنی دکھلا کر بھگادی جائے، جیسا کہ اُن کے بارے میں قرآن کریم کا یہ ارشاد ہے یُخٰنِ عٰوَنَ اللّٰہُ
وَهُوَ خٰدِعُهُمْ، یعنی منافقین اللہ کو دھوکا دینے کی کوشش کرتے ہیں اور اللہ ان کو دھوکہ دینے والا
ہے، امام بغویؒ نے فرمایا کہ اس دھوکہ سے یہی مراد ہے کہ پہلے نور دیدیا جائے گا مگر عین اُس وقت جب
نور کی ضرورت ہوگی سلب کر لیا جائے گا، اور یہی وہ وقت ہوگا جبکہ مؤمنین کو بھی یہ اندیشہ لگ جائے گا
کہ کہیں ہمارا نور بھی سلب نہ ہو جائے، اس لئے وہ اللہ تعالیٰ سے دعا کریں گے کہ ہمارے نور کو آخر تک
پورا کر دیجئے، جس کا ذکر اس آیت میں ہے رِیَؤْمَ لَا یُخٰزِی اللّٰہُ الشَّیْءَ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَهُ لُؤْمٌ
یَسْغِیْ بَیْنَ اَیِّیْہِمْ وَیَا یٰمَسٰہِیْمُ یَقُوْنُوْنَ رَبَّنَا اَنْتَ لَنَا نُورٌ وَاَنْتَ الْاٰیۃُ (منظہری)

مسلم، احمد اور دارقطنی میں حضرت جابر بن عبد اللہؓ کی مرفوع حدیث میں بھی آیا ہے کہ شروع میں مومن و منافق دونوں کو نور دیا جائے گا پھر پل صراط پر پہنچ کر منافقین کا نور سلب ہو جائے گا۔

اور تفسیر منطری میں ان دونوں روایتوں کی تطبیق اس طرح بیان کی ہے کہ اصل منافقین جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں تھے اُن کو تو شروع ہی سے کفار کی طرح کوئی نور نہ ملے گا، مگر وہ منافقین جو اس اُمت میں بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہوں گے جن کو منافقین کا نام تو اس لئے نہیں دیا جائے گا کہ وحی کا سلسلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہو چکا اور کسی کے بارے میں بغیر وحی قطعی کے یہ حکم نہیں لگایا جاسکتا کہ وہ دل سے مومن نہیں، صرف زبان کا اقرار ہے، اس لئے اُمت میں کسی کو یہ حق نہیں کہ کسی کو منافق کہے، لیکن اللہ تعالیٰ تو جانتا ہے کہ کس کے دل میں ایمان ہے کس کے دل میں نہیں تو ان میں سے جو لوگ اللہ تعالیٰ کے علم میں منافق ہیں گو ظاہر میں ان کی منافقت نہیں کھلی ان کے ساتھ یہ معاملہ ہوگا کہ شروع میں اُن کو بھی نور دیا جائے گا بعد میں سلب کر لیا جائے۔

اس قسم کے منافقین اُمت کے وہ لوگ ہیں جو قرآن و حدیث میں تحریف کر کے ان کے معانی کو بگاڑتے اور اپنے مطلب کے موافق بناتے ہیں۔ نعوذ باللہ منہ

میدانِ حشر میں نور اور | اس جگہ تفسیر منطری میں قرآن و حدیث سے محشر کی ظلمت و نور کے اسباب بھی بیان کر دیے
ظلمت کے اسباب | ہیں جو علی تحقیقات سے زیادہ اہم ہیں وہ نقل کرتا ہوں (لعل اللہ تعالیٰ میری زقنا نوراً)

(۱) ابوداؤد و ترمذی نے حضرت بریدہؓ اور ابن ماجہ نے حضرت انسؓ سے یہ مرفوع حدیث روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ”خوش خبری سنا دو ان لوگوں کو جو اندھیری راتوں میں مسجد کی طرف جاتے ہیں قیامت کے روز مکمل نور کی ہو اور اسی مضمون کی روایات حضرت سہل بن سعدؓ، زید بن حارثہؓ، ابن عباسؓ، ابن عمرؓ، حارثہ ابن وہبؓ، ابوامامہؓ، ابوالدرداءؓ، ابوسعیدؓ، ابو موسیٰؓ، ابو ہریرہؓ، عائشہ صدیقہؓ وغیرہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے بھی منقول ہیں (منطری)

(۲) مسند احمد اور طبرانی میں حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مَنْ حَافِظٌ عَلَى الصَّلَاةِ كَانَتْ لَهُ نُورٌ وَبُرْهَانٌ وَنَجَاتٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَمَنْ لَمْ يُحَافِظْ عَلَيْهَا لَمْ يَكُنْ لَهُ نُورٌ وَلا بُرْهَانٌ وَلا نَجَاتٌ وَكَانَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مَعَ قَارُونَ وَهَامَانَ وَفِرْعَوْنَ جو شخص باپنجوں نمازوں کی محافظت کرے گا (یعنی ان کے اوقات اور آداب کو پابندی کے ساتھ بجالائے گا) اس کے لئے یہ نماز قیامت کے روز نور اور بُرہان اور نجات بن جائے گی، اور جو اس پر محافظت نہ کرے گا نہ اُس کے لئے نور ہوگا نہ بُرہان اور نہ نجات اور وہ قارون اور ہامان اور فرعون کے ساتھ ہوگا، اور طبرانی نے حضرت ابوسعیدؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو سورہ کہت پڑھے گا قیامت کے روز اس کے لئے اتنا نور ہوگا جو اس کی جگہ سے مکہ مکرمہ تک پھیلے گا، اور ایک

روایت میں ہے کہ جو شخص جمعہ کے روز سورۃ کہف پڑھے گا قیامت کے روز اس کے قدموں سے آسمان کی بلندی تک نور چمکے گا۔

(۴) امام احمد نے حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص قرآن کی ایک آیت بھی تلاوت کرے گا وہ آیت اس کے لئے قیامت کے روز نور ہوگی۔

(۵) دیلمی نے حضرت ابو ہریرہؓ سے مرفوعاً روایت کیا ہے کہ مجھ پر درود بھیجا پل صراط پر نور کا سبب بنے گا۔
(۶) طبرانی نے حضرت عبادہ بن صامتؓ سے یہ حدیث روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کے احکام بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ حج و عمرہ کے احرام سے فارغ ہونے کے لئے جو سر منڈایا جاتا ہے اس میں جو بال زمین پر گرنا ہے وہ قیامت کے روز نور ہوگا۔

(۷) مسند بزار میں حضرت ابن مسعودؓ سے مرفوعاً روایت ہے کہ منیٰ میں حجرات کی رمی کرنا قیامت کے روز نور ہوگا۔

(۸) طبرانی نے بسند جید حضرت ابو ہریرہؓ سے مرفوعاً روایت کیا ہے کہ جس شخص کے بال حالت اسلام میں سفید ہو جائیں وہ اس کے لئے قیامت کے دن نور ہوگا۔

(۹) بزار نے بسند جید حضرت ابو ہریرہؓ سے مرفوعاً روایت کیا ہے کہ جو شخص اللہ کی راہ میں جہاد میں ایک تبر بھی پھینکے گا اس کے لئے قیامت میں نور ہوگا۔

(۱۰) بیہقی نے شعب الایمان میں بسند منقطع حضرت ابن عمرؓ سے مرفوعاً روایت کیا ہے کہ بازار میں اللہ کا ذکر کرنے والے کو اس کے ہر بال کے مقابلے میں قیامت کے روز ایک نور ملے گا۔

(۱۱) طبرانی نے حضرت ابو ہریرہؓ سے مرفوعاً نقل کیا ہے کہ جو شخص کسی مسلمان کی مصیبت تکلیف کو دور کر دے تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے پل صراط پر نور کے دو شعبے بنا دیگا جس سے ایک جہان روشن ہو جائیگا جس کی تعداد اللہ کے سوا کوئی نہیں جان سکتا۔

(۱۲) بخاری و مسلم نے حضرت ابن عمرؓ سے اور مسلم نے حضرت جابرؓ سے اور حاکم نے حضرت ابو ہریرہؓ اور حضرت ابن عمرؓ سے اور طبرانی نے ابن زیادؓ سے روایت کیا ہے کہ ان سب نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (إِيَّاكُمْ وَالظُّلْمَ فَإِنَّهُ هُوَ الظُّلْمُ يَوْمَ الْقِيَمَةِ) یعنی تم ظلم سے بہت بچو، کیونکہ ظلم ہی قیامت کے روز ظلمات اور اندھیری ہوگی۔

لَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الظُّلُمَاتِ وَنَسْأَلُهُ النُّوْرَ اَتَامَ يَوْمِ الْقِيَامَةِ

يَوْمَ يَقُولُ الْمُسْلِمُونَ وَالْمُسْلِمَاتُ لَنَبِيِّنَا اَمَنُوا اَلْظُّلُمَاتُ نَا نَفْسُ مِنْ نُّوْرِكُمْ

یعنی اس روز جب منافق مرد اور منافق عورتیں مؤمنین سے کہیں گے کہ ذرا ہمارا انتظار کرو ہم بھی تمہارے نور سے فائدہ اٹھالیں۔

قِيلَ ادْخُلُوا اَرْضَكُمْ فَانْتَمِسُوا نُورًا، اُن سے کہا جائے گا کہ پیچھے نہ لو جہاں یہ نور تقسیم ہوا تھا وہیں نور تلاش کرو، یہ بات یا تو مؤمنین اُن کے جواب میں کہیں گے یا فرشتے جواب دیں گے دیکھا وہی عن ابن عباس وقادة قولین

فَضْرِبَ بَيْنَهُم بِسُورَةٍ بَابُ بَابُهَا فِيهِ الرَّحْمَةُ وَظَاهِرُهَا مِنْ قَبْلِ الْعَذَابِ يَعْنِي مُؤْمِنِينَ يَأْفِرُونَ كَاجَوَابِ سُنْ كَرِمْ نَافِقِينَ اُتِيَ جَنَّةُ كِي طَرَفِ لُطَيْسِ كَ جَہاں نور تقسیم ہوا تھا، وہاں کچھ نہ پاویں گے تو پھر اُس طرف آویں گے، اُس وقت یہ مؤمنین تک پہنچنے نہ پاویں گے بلکہ ان کے اور مؤمنین کے درمیان ایک دیوار حائل کر دی جائے گی جس کے پر لی طرف جہاں مؤمنین ہوں گے رحمت ہوگی اور اس طرف جہاں منافقین ہوں گے عذاب ہوگا۔

رُوحُ الْمُعَانِي فِي ابْنِ زَيْدٍ كَقَوْلِ نَقْلِ كَيْسٍ كَہے کہ یہ دیوار اعراف ہوگی جو مؤمنین و کفار کے درمیان حائل کر دی جائے گی، اور بعض دوسرے مفسرین نے دیوار اعراف کے علاوہ کوئی دوسری دیوار قرار دی ہے اور اس دیوار میں جو دروازہ رکھا جائے گا یا تو اس لئے کہ اس کے رستہ سے مؤمنین و کفار میں باہم گفتگو ہو سکے، یا مؤمنین کو اسی دروازے سے گزارنے کے بعد بند کر دیا جائے گا۔

فَاذْكُرْ :۔ اس نور کے معاملے میں کفار کا کہیں ذکر نہیں آیا، کیوں کہ ان میں نور کا کوئی احتمال ہی نہ تھا، منافقین کے نور کے بارے میں دو روایتیں آئیں کہ اول ہی سے ان کو نور نہ ملے گا، یا ملنے کے بعد پل صراط پر جانے کے وقت بجھا دیا جائے گا، اور ان کے اور مؤمنین کے درمیان ایک دیوار حائل کر دی جائے گی، اس مجموعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ پل صراط کے ذریعہ جہنم کو پار کرنا یہ صرف مؤمنین کے لئے ہوگا کفار و مشرکین پل صراط پر نہیں چڑھیں گے، وہ جہنم کے دروازوں کے راستے جہنم میں ڈال دیئے جائیں گے، اور مؤمنین پل صراط کے راستے سے گزریں گے، پھر گناہگار مؤمن جن کے لئے ان کے اعمال کی ہر چند روز جہنم میں رہنا ہے، وہ اس پل سے گر کر جہنم میں پہنچیں گے، باقی مؤمنین صحیح سالم گذر کر جنت میں داخل ہوں گے، وصرح بہ الشاہ عبدالقادر الدہلویؒ ویؤیدہ ما فی الدررہنہنا واللہ اعلم

الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي آمَنُوا أَنْ تَخْشَعَ قُلُوبُهُمْ لِذِكْرِ اللَّهِ وَمَا تَزَلْ مِنَ الْحَقِّ، یعنی کیا اب بھی وقت نہیں آیا ایمان والوں کے لئے کہ ان کے قلوب اللہ کے ذکر کے لئے جھک جائیں اور نرم ہو جائیں، اور اس قرآن کے لئے جو اُن پر نازل کیا گیا۔

خشوع قلب سے مراد دل کا نرم ہونا اور وعظ و نصیحت کو قبول کرنا اور اس کی اطاعت کرنا (ابن کثیر) قرآن کے لئے خشوع یہ ہے کہ اس کے احکام و امر و نواہی کی مکمل اطاعت کے لئے تیار ہو جائے، اور اس پر عمل کرنے میں کسی سستی اور کمزوری کو راہ نہ دے (روح المعانی) یہ عتاب و تنبیہ مؤمنین کو ہے، حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے

بعض مومنین کے قلوب میں عمل کے اعتبار سے کچھ سستی معلوم کی اس پر یہ آیت نازل ہوئی (ابن کثیر) امام اعمشؒ نے فرمایا کہ مدینہ طیبہ پہنچنے کے بعد صحابہ کرام کو کچھ معاشی سہولتیں اور آرام ملا تو بعض حضرات میں عمل کی جدوجہد جو ان کی عادت تھی اس میں کچھ کمی اور سستی پائی گئی اس پر یہ آیت نازل ہوئی (روح المعانی) حضرت ابن عباسؓ کی مذکورہ روایت میں یہ بھی ہے کہ یہ آیت عتاب نزول قرآن سے تیرہ سال بعد نازل ہوئی (رداۃ عنہ ابن ابی حاتم) اور صحیح مسلم میں حضرت ابن مسعودؓ کی روایت ہے کہ ہمارے اسلام لانے کے چار سال بعد اس آیت کے ذریعہ ہم پر عتاب و تنبیہ نازل کی گئی۔ واللہ اعلم بہر حال حاصل اس عتاب و تنبیہ کا مومنین کو مکمل خشوع اور عمل صالح کے لئے مستعد رہنے کی تعلیم ہے، اور خشوع قلب ہی پر تمام اعمال کا مدار ہے۔

حضرت شہاد بن ادسؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سب سے پہلے جو چیز لوگوں سے اٹھالی جائے گی وہ خشوع ہے (ابن کثیر)

کیا ہر مومن صدیق و شہید ہے؟ [وَالَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ أُولَٰئِكَ هُمُ الصِّدِّيقُونَ وَالشُّهَدَاءُ] اس آیت سے معلوم ہوا کہ صدیق و شہید ہر مومن کو کہا جاسکتا ہے، اور حضرت قتادہؓ اور عمر بن میمون نے اس آیت کی بناء پر فرمایا کہ ہر وہ شخص جو اللہ اور اس کے رسولؐ پر ایمان لائے وہ صدیق و شہید ہے، ابن جریر نے حضرت براہ بن عازبؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا **مُؤْمِنُوا أُمَّتِي شُهَدَاءُ** یعنی میری امت کے سب مومن شہید ہیں، اور اس کی دلیل میں آپ نے آیت مذکورہ تلاوت فرمائی۔

ابن ابی حاتم نے حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کیا ہے کہ ایک روز ان کے پاس کچھ حضرات صحابہ جمع تھے، انہوں نے فرمایا **كُلُّكُمْ صِدِّيقٌ وَ شَهِيدٌ** یعنی تم میں سے ہر ایک صدیق بھی ہے شہید بھی، لوگوں نے تعجب سے کہا کہ ابو ہریرہؓ یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟... تو حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا کہ میری بات کا یقین نہیں آتا تو قرآن کی یہ آیت پڑھ لو: **وَالَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ أُولَٰئِكَ هُمُ الصِّدِّيقُونَ وَالشُّهَدَاءُ**

لیکن قرآن کریم کی ایک دوسری آیت سے بظاہر یہ مستفاد ہوتا ہے کہ صدیق و شہید ہر مومن نہیں، بلکہ مومنین میں سے ایک اعلیٰ طبقہ کے لوگوں کو صدیق و شہید کہا جاتا ہے، آیت یہ ہے: **وَالَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ أُولَٰئِكَ هُمُ الصِّدِّيقُونَ وَالشُّهَدَاءُ** کیونکہ اس آیت میں انبیاء کے ساتھ عام مومنین میں تین طبقے خصوصیت سے ذکر کئے گئے ہیں، صدیقین، شہداء اور صالحین، اور ظاہر اس سے یہ ہے کہ ان تینوں کے مفہوم اور مصداق میں فرق ہے، ورنہ تینوں کو الگ الگ کہنے کی ضرورت نہ ہوتی، اسی لئے بعض حضرات نے فرمایا کہ صدیقین و شہداء تو دراصل مومنین

کے مخصوص اعلیٰ طبقات کے لوگ ہیں، جو بڑی صفات عالیہ کے حامل ہیں، یہاں سب عوامین کو صدیق و شہید فرمانے کا حاصل یہ ہے کہ ہر مومن بھی ایک حیثیت سے صدیقین و شہداء کے حکم میں ہے، اور ان کے زمرہ میں لاحق سمجھا جائے گا۔

اور روح المعانی میں ہے کہ مناسب یہ ہے کہ اس آیت میں الَّذِينَ آمَنُوا سے مراد وہ مومن لئے جاویں جو ایمان کامل رکھتے ہیں اور طاعات کے پابند ہیں، ورنہ وہ مومن جو شہوات اور غفلت میں مہمک ہو اس کو صدیق و شہید نہیں کہا جاسکتا۔

اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اَللَّعَانُ فِیْ لَا یُکْفِرُوْنَ شَہِدَآءُ، یعنی لوگوں پر لعنت کرنے والے شہداء میں شامل نہ ہوں گے، اور حضرت فاروق اعظمؓ نے ایک مرتبہ لوگوں سے فرمایا کہ ”تمہیں کیا ہو گیا کہ تم دیکھتے ہو کہ کوئی آدمی لوگوں کی عزت و اہرود کو محروم کرتا ہے اور تم اس کو نہ روکتے ہو، نہ کوئی بُرا مانتے ہو، ان حضرات نے عرض کیا کہ ہم اس کی بدزبانی سے ڈرتے ہیں کہ ہم کچھ بولیں گے تو وہ ہماری بھی عزت و اہرود پر حملہ کرے گا، حضرت فاروق اعظمؓ نے فرمایا اگر یہ بات ہے تو تم لوگ شہداء نہیں ہو سکتے، ابن اثیر نے یہ روایت نقل کر کے اس کا مطلب یہ بتلایا کہ ایسی مداخلت کرنے والے اُن شہداء میں شامل نہیں ہوں گے جو قیامت کے روز انبیاء سابقین کی امتوں کے مقابلہ میں شہادت دیں گے، (روح المعانی)

تفسیر مظہری میں ہے کہ اس آیت میں الَّذِينَ آمَنُوا سے مراد صرف وہ حضرات ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں ایمان لائے اور آپ کی صحبت سے مشرف ہوئے۔

اور آیت میں لفظ هُمْ الصِّدِّیْقُوْنَ جو کلمہ حصہ ہے یہ اس پر دلالت کرتا ہے کہ صدیقیت صحابہ کرام میں منحصر ہے، حضرت مجدّد الف ثانیؒ نے فرمایا کہ صحابہ کرام سب کے سب کمالات نبوت کے حامل تھے، جس شخص نے ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایمان کے ساتھ دیکھ لیا، وہ کمالات نبوت میں مستغرق ہو گیا۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

اعْلَمُوا أَنَّهَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَلَهْوٌ وَزِينَةٌ وَتَفَاخُرٌ بَيْنَكُمْ

جان رکھو کہ دنیا کی زندگی یہی ہے کھیل اور تماشہ اور بناؤ اور بڑائیاں کرنی آپس میں

وَتَكَاسُرٌ فِیْ الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ كَمَثَلِ غَيْثٍ اَعْجَبَ الْكُفَّارَ

اور بہتائیت ڈھونڈھنی مال کی اور اولاد کی جیسے حالت ایک میٹھ کی جو خوش لگا کسانوں کو

نَبَاتُهُ ثُمَّ يَهِیْجُ فَتَرَاهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ يَكُوْنُ حُطَامًا وَفِی الْاٰخِرَةِ

اس کا سبزہ پھر زوریر آتا ہے پھر قودیکے زرد ہو گیا پھر ہو جاتا کھردنڈا ہوا گھاس اور آخرت میں

عَنْ أَبِي شَيْدٍ ۙ وَمَغْفِرَةً مِّنَ اللَّهِ وَرِضْوَانًا ط وَمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا

سخت عذاب ہے اور معافی بھی ہر اللہ سے اور رضامندی اور دنیا کی زندگانی تو یہی

الْأَمْتَاعُ الْغُرُورِ ۝ سَابِقُوا إِلَىٰ مَغْفِرَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا

ہے مال دغا کا ، دوڑو اپنے رب کی معافی کی طرف کو اور بہشت کو جس کا پھیلاؤ ہے

كَعَرْضِ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ لِذَٰلِكَ الَّذِينَ آمَنُوا بِاللهِ وَرُسُلِهِ ذَٰلِكَ

جیسے پھیلاؤ آسمان اور زمین کا تیار رکھی ہو واسطے ان کے جو یقین لائے اللہ پر اور اس کے رسولوں پر یہ

فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَن يَشَاءُ ۚ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ ۝

فضل اللہ کا ہی دے اس کو جس کو چاہے اور اللہ کا فضل بڑا ہے ،

خلاصہ تفسیر

تم خوب جان لو کہ (آخرت کے مقابلہ میں) دنیوی حیات (ہرگز قابل اشتغال چیز نہیں کیونکہ) محض

ہو و لعب اور (ایک ظاہری) زینت اور باہم ایک دوسرے پر فخر کرنا (قوت و جمال اور دنیوی ہنر و کمال

میں) اور اموال اور اولاد میں ایک کا دوسرے سے اپنے کو زیادہ بتلانا ہے (یعنی مقاصد دنیا کے یہ ہیں کہ بچپن

میں ہو و لعب کا غلبہ رہتا ہے اور جوانی میں زینت و تفاخر کا اور بڑھاپے میں مال و دولت آل و اولاد کو گنونا

اور یہ سب مقاصد فانی اور خواب و خیال محض ہیں جس کی مثال ایسی ہے (جیسے مینھ (برستا) ہے کہ اس کی

پیداوار (کھیتی) کاشتکاروں کو ابھی معلوم ہوتی ہے پھر وہ (کھیتی) خشک ہو جاتی ہے سو اس کو تو زرد دیکھتا

ہے پھر وہ چورا چورا ہو جاتی ہے (اسی طرح دنیا چند روزہ بہار ہے پھر زوال و انحلال، یہ تو دنیا کی حالت

ہوتی) اور آخرت (کی کیفیت یہ ہے کہ اس) میں (دو چیزیں ہیں ایک تو کفار کے لئے) عذاب شدید ہے اور

(دوسری اہل ایمان کے لئے) خدا کی طرف سے مغفرت اور رضامندی ہے (اور یہ دونوں باقی ہیں، پس

آخرت تو باقی ہے) اور دنیوی زندگانی محض (فانی ہے، جیسے فرض کرو کہ ایک) دھوکہ کا اسباب ہو (دوسرے

تفسیرہ فی آل عمران قریباً من الآخر، پس جب متاع دنیا فانی اور دولت آخرت باقی ہے جو ایمان کی

بدولت نصیب ہوتی ہے تو تم کو چاہئے کہ تم اپنے پروردگار کی مغفرت کی طرف دوڑو اور (نیز) ایسی جنت کی طرف

جس کی وسعت آسمان اور زمین کی وسعت کی برابر ہے (یعنی اس سے کم کی نفی ہے، زیادہ کی نفی نہیں،

اور) وہ ان لوگوں کے واسطے تیار کی گئی ہے جو اللہ پر اور اس کے رسولوں پر ایمان رکھتے ہیں (اور) یہ

(مغفرت و رضوان) اللہ کا فضل ہے وہ اپنا فضل جس کو چاہیں عنایت کریں اور اللہ بڑے فضل والا ہے،

اس میں اشارہ ہے کہ اپنے اعمال پر کوئی مفسر در نہ ہو، اور اپنے اعمال پر تحقیق جنت کا مدعی نہ ہو، یہ محض نفل ہے جس کا مدار ہماری مشیت پر ہے، مگر ہم نے اپنی رحمت سے ان عملوں کے کرنے والوں کے ساتھ مشیت متعلق کر لی، اگر ہم چاہتے تو مشیت نہ کرتے کہ اَلْقُدْرَةُ تَتَعَلَّقُ بِالْغَدَّتَيْنِ

معارف و مسائل

سابقہ آیات میں اہل جنت کے اور اہل جہنم کے حال کا بیان تھا، جو آخرت میں پیش آئے گا اور دائمی ہوگا، اور آخرت کی نعمتوں سے محروم اور عذاب میں گرفتار ہونے کا بڑا سبب انسان کی دنیا کی فانی لذتیں اور ان میں مہمک ہو کر آخرت سے غفلت ہونا ہے، اس لئے ان آیات میں دنیا پر فانی کا ناقابل اعتماد ہونا بیان کیا گیا ہے۔

پہلے ابتداء عمر سے آخر تک جو کچھ دنیا میں ہوتا ہے، اور جس میں دنیا دار مہمک و مشغول اور اس پر خوش رہتے ہیں اُس کا بیان ترتیب کے ساتھ یہ ہے کہ دنیا کی زندگی کا خلاصہ بہ ترتیب چند چیزیں اور چند حالات ہیں، پہلے لعب پھر کھیل پھر زینت پھر تفاخر، پھر مال و اولاد کی کثرت پر ناز و فخر۔

لعب وہ کھیل ہے جس میں فائدہ مطلق پیش نظر نہ ہو، جیسے بہت چھوٹے بچوں کی حرکتیں، اور کھیل وہ کھیل ہے جس کا اصل مقصد تو تفریح اور دل بہلانا اور وقت گزاری کا مشغلہ ہوتا ہے، ضمنی طور پر کوئی ورزش یا دوسرا فائدہ بھی اس میں حاصل ہو جاتا ہے جیسے بڑے بچوں کے کھیل، گیند شنواری یا نشانہ بازی وغیرہ، حدیث میں نشانہ بازی اور شیرنے کی مشق کو اچھا کھیل فرمایا ہے، زینت بدن اور لباس وغیرہ کی معروف ہے، ہر انسان اس دور سے گزرتا ہے کہ عمر کا بالکل ابتدائی حصہ تو خالص کھیل یعنی لعب میں گزرتا ہے، اس کے بعد کھیل شروع ہوتا ہے، اس کے بعد اس کو اپنے تن بدن اور لباس کی زینت کی فکر ہونے لگتی ہے اس کے بعد معصروں ہم عمروں سے آگے بڑھنے اور ان پر فخر جتلانے کا داعیہ پیدا ہوتا ہے۔

اور انسان پر جتنے دور اس ترتیب سے آتے ہیں غور کرو تو ہر دور میں وہ اپنے اسی حال پر قانع اور اسی کو سب سے بہتر جانتا ہے، جب ایک دور سے دوسرے کی طرف منتقل ہو جاتا ہے تو سابقہ دور کی کمزوری اور لغویت سامنے آ جاتی ہے، بچے ابتدائی دور میں جن کھیلوں کو اپنا سرمایہ زندگی اور سب سے بڑی دولت جانتے ہیں، کوئی اُن سے چھین لے تو ان کو ایسا ہی صدمہ ہوتا ہے جیسا کہ کسی بڑے آدمی کا مال اسباب اور کوٹھی بنگلہ چھین لیا جائے، لیکن اس دور سے آگے بڑھنے کے بعد اس کو حقیقت معلوم ہوتی ہے کہ جن چیزوں کو ہم نے اُس وقت مقصود زندگی بنایا ہوا تھا وہ کچھ نہ تھیں، سب خرافات تھیں، بچپن میں لعب، پھر کھیل میں مشغولیت رہی جوانی میں زینت اور تفاخر کا مشغلہ ایک مقصد بن رہا، بڑھاپا آیا، اب مشغلہ بیکارگی و الاموال و الاولاد کا ہو گیا، کہ اپنے مال و دولت کے اعداد و شمار اور اولاد

ونسل کی زیادتی پر خوش ہوتا رہے ان کو گنتا گنتا رہے، مگر جیسے جوانی کے زمانے میں بچپن کی حرکتیں لغو معلوم ہونے لگی تھیں بڑھاپے میں پہونچ کر جوانی کی حرکتیں لغو و ناقابل التفات نظر آنے لگیں، اب بڑے میاں کی آخری منزل بڑھاپا ہے، اس میں مال کی بہتات، اولاد کی کثرت و قوت اور ان کے جاہ و منصب پر فخر سرمایہ زندگی اور مقصود اعظم بنا ہوا ہے، قرآن کریم کہتا ہے کہ یہ حال بھی گزر جانے والا ہے اور فانی ہے، اگلا دور برزخ پھر قیامت کا ہے اس کی فکر کرو کہ وہ ہی اصل ہے، قرآن کریم نے اس ترتیب کے ساتھ ان سب مشاغل و مقاصد دنیویہ کا زوال پذیر ناقص، ناقابل اعتماد ہونا بیان فرمادیا، اور آگے اس کو ایک کھیتی کی مثال سے واضح فرمایا:-

تَمَثَّلِ خَيْثَ أَغْجَبَ الْكَفَّارُ نَبَاتَهُ ثُمَّ يَحْتَبِمْ قَدْرَهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ يَكُونُ حُطًّا مَّا غِثَ كَ
معنی بارش کے ہیں، اور لفظ کفار جو مومنین کے مقابلہ میں آتا ہوا گو یہ معنی تو معروف و مشہور ہی ہیں، اس کے ایک دوسرے لغوی معنی کا اشتکار کے بھی آتے ہیں، اس آیت میں بعض حضرات نے یہی معنی مراد لئے ہیں، اور مطلب آیت کا یہ قرار دیا ہے کہ جس طرح بارش سے کھیتی اور طرح طرح کی نباتات اُگتی ہیں، اور جب ہری بھری ہوتی ہیں تو کاشتکار ان سے خوش ہوتا ہے، اور بعض دوسرے حضرات مفسرین نے لفظ کفار کو اس جگہ بھی معروف معنی میں لیا ہے کہ کافر لوگ اس سے خوش ہوتے ہیں اس پر جو یہ اشکال ہے کہ کھیتی ہری بھری دیکھ کر خوش ہونا تو کافر کے ساتھ مخصوص نہیں، مسلمان بھی اس سے خوش ہوتا ہے، اس کا جواب حضرات مفسرین نے یہ دیا ہے کہ مومن کی خوشی اور کافر کی خوشی میں بڑا فرق ہے، مومن خوش ہوتا ہے تو اس کی فکر کا صحیح حق تعالیٰ کی طرف پھر جاتا ہے، وہ یقین کرتا ہے کہ یہ سب کچھ اس کی قدرت و حکمت اور رحمت کا نتیجہ ہے، وہ اس چیز کو زندگی کا مقصود نہیں بناتا، پھر اس خوشی کے ساتھ اس کو آخرت کی فکر بھی ہر وقت لگی رہتی ہے، اس لئے جو مومن ایمان کے تقاضے کو پورا کرتا ہے دنیا کی بڑی سے بڑی دولت بھی وہ ایسا خوش اور مگن اور مست نہیں ہوتا جیسا کافر ہوتا ہے، اس لئے یہاں خوشی کا اظہار کفار کی طرف منسوب ہے۔

آگے اس مثال کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ کھیتی اور دوسری نباتات پھول پھولاریاں جب ہری بھری ہوتی ہیں تو سب دیکھنے والے خصوصاً کفار بڑے خوش اور مگن نظر آتے ہیں، مگر آخر کار پھر وہ خشک ہونا شروع ہوتی ہے، پہلے زرد پیلی پڑ جاتی ہے پھر بالکل خشک ہو کر چور چورا ہو جاتی ہے، یہی مثال انسان کی ہے کہ شروع میں تروتازہ حسین خوب صورت ہوتا ہے، بچپن سے جوانی تک کے مراحل اسی حال میں طے کرتا ہے، مگر آخر کار بڑھاپا آ جاتا ہے جو آہستہ آہستہ بدن کی تازگی اور حسن و جمال سب ختم کر دیتا ہے، اور بالآخر مر کر مٹی ہو جاتا ہے، دنیا کی بے ثباتی اور زوال پذیر ہونے کا بیان فرمانے کے بعد پھر اصل مقصود آخرت کی فکر کی طرف توجہ دلانے کے لئے آخرت کے حال کا ذکر فرمایا۔

فِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ مُّشِيدٌ وَمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللَّهِ وَرِضْوَانٌ، یعنی آخرت میں انسان ان دو

حالات میں سے کسی ایک میں ضرور پہونچے گا، ایک حال کفار کا ہے اُن کے لئے عذاب شدید ہے، دوسرا

حال مومنین کا ہے ان کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے مغفرت اور رحمت ہے۔

یہاں عذاب کا ذکر پہلے کیا گیا کیونکہ دنیا میں مست و مغرور ہونا جو پہلی آیات میں مذکور ہے اس کا نتیجہ بھی عذاب شدید ہے، اور عذاب شدید کے مقابلہ میں دو چیزیں ارشاد فرمائیں، مغفرت اور رضوان، جس میں اشارہ ہے کہ گناہوں اور خطاؤں کی معافی ایک نعمت ہے جس کے نتیجہ میں آدمی عذاب سے بچ جاتا ہے مگر یہاں صرف اتنا ہی نہیں بلکہ عذاب سے بچ کر پھر جنت کی دائمی نعمتوں سے بھی سرفراز ہوتا ہے، جس کا سبب رضوان یعنی حق تعالیٰ کی خوشنودی ہے۔

اس کے بعد دنیا کی حقیقت کو ان مختصر الفاظ میں بیان فرمایا: مَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا إِلَّا مَتَاعٌ الْآخِرَةُ

یعنی ان سب باتوں کو دیکھنے سمجھنے کے بعد ایک عاقل و بصیر انسان کے لئے اس کے سوا کوئی تیجہ دنیا کے بارے میں نہیں رہ سکتا، کہ وہ ایک دھوکہ کا سرمایہ ہے اصلی سرمایہ نہیں جو آٹے وقت میں کام آئے، پھر آخرت کے عذاب و ثواب اور دنیا کی بے ثباتی بیان فرمائے گا لازمی اثر یہ ہونا چاہئے کہ انسان دنیا کی لذتوں میں منہمک نہ ہو آخرت کی نعمتوں کی فکر زیادہ کرے اس کا بیان اگلی آیات میں اس طرح آیا:

تَابِعُوا آلِي مَعْصِيََةٍ مِّنْ رَبِّكُمْ وَحَقَّعْ عَرْصَهَا كَعَرْصِ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ، یعنی مسابقت کرو

اپنے رب کی مغفرت اور اس جنت کی طرف جس کا عرض آسمان و زمین کے عرض کی برابر ہے۔

مسابقت کرنے سے یہ مراد بھی ہو سکتی ہے کہ عمر اور صحت و قدرت کا کچھ بھروسہ نہیں، نیک اعمال میں سستی اور طال مٹولی نہ کر وہ ایسا نہ ہو کہ پھر کوئی بیماری یا عذر آ کر تمہیں اس کام کے قابل نہ چھوڑے، یا موت ہی آجائے تو حاصل مسابقت کا یہ ہے کہ عجز و ضعف اور موت سے مسابقت کرو گمان کے گننے سے پہلے پہلے لیے اعمال کا ذخیرہ کر لو جو جنت تک پہنچانے کا ذریعہ بن سکیں۔

اور مسابقت کے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ نیک اعمال میں دوسروں سے آگے بڑھنے کی کوشش کرو، جیسا کہ حضرت علیؑ نے اپنی نصائح میں فرمایا کہ: تم مسجد میں سب سے پہلے جانے والے اور سب سے آخر میں نکلنے والے بنو، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا کہ جہاد کی صفوں میں سے پہلی صف میں رہنے کے لئے بڑھو، حضرت انسؓ نے فرمایا کہ جماعت نماز میں پہلی تکبیر میں حاضر رہنے کی کوشش کرو (روح)

جنت کی تعریف میں فرمایا کہ اس کا عرض آسمان و زمین کے برابر ہوگا، سورۃ آل عمران میں بھی اسی مضمون کی آیت پہلے آچکی ہے، اس میں لفظ سموات جمع کے ساتھ آیا ہے، جس سے معلوم ہوا کہ آسمان سے مراد ساتوں آسمان ہیں اور معنی یہ ہیں کہ ساتوں آسمانوں اور زمین کی وسعت کو ایک جگہ جمع کر لو تو وہ جنت کا عرض ہو، یعنی چوڑائی، اور یہ ظاہر ہے کہ طول ہر چیز کا اس کے عرض سے زائد ہوتا ہے، اس سے ثابت ہوا کہ جنت کی وسعت ساتوں آسمانوں اور زمین کی وسعت سے بڑھی ہوئی ہے، اور لفظ عرض کبھی مطلق وسعت کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے، اس میں طول کا مقابلہ مقصود نہیں ہوتا، دونوں صورتوں میں جنت کی

عظیم الشان وسعت کا بیان ہو گیا،

ذَلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ، اس سے پہلی آیت میں جنت اور اس کی نعمتوں کے لئے مسابقت اور کوشش کا حکم تھا، اس سے کسی کو یہ خیال پیدا ہو سکتا تھا کہ جنت اور اس کی لازوال نعمتیں ہمارے عمل کا ثمرہ اور ہمارا عمل اس کے لئے کافی ہے، اس آیت میں حق تعالیٰ نے یہ ارشاد فرمایا کہ تمہارے اعمال حصول جنت کے لئے علت کافیہ نہیں ہیں، جن پر عطا جنت کا مرتب ہونا لازمی ہی ہو، انسان کے عمر بھر کے اعمال تو ان نعمتوں کا بدلہ بھی نہیں ہو سکتے جو دنیا میں اس کو مل چکی ہیں، ہمارے یہ اعمال جنت کی لازوال نعمتوں کی قیمت نہیں بن سکتے، جنت میں جو بھی داخل ہو گا وہ اللہ تعالیٰ کے فضل و احسان ہی سے داخل ہو گا، جیسے صحیحین میں حضرت ابو ہریرہؓ کی مرفوع حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں کسی کو صرف اس کا عمل نجات نہیں دلا سکتا، صحابہؓ نے عرض کیا کہ کیا آپ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہاں میں بھی اپنے عمل سے جنت حاصل نہیں کر سکتا بجز اس کے کہ اللہ تعالیٰ کا فضل و رحمت ہو جائے (منظری)

مَا أَصَابَ مِنْ مُصِيبَةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي أَنْفُسِكُمْ إِلَّا فِي كِتَابٍ مِنْ

کونئی آفت نہیں پڑتی ملک میں اور نہ تمہاری جانوں میں جو لکھی نہ ہو ایک کتاب میں پہلے اس سے کہ

قَبْلَ أَنْ تَنْبَرَأَ أَهْلًا إِنَّ ذَلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرٌ ۝۲۲ لِكَيْلَا تَأْسَوْا عَلَى مَا فَاتَكُمْ

پیدا کریں ہم اس کو دنیا میں، بیشک یہ اللہ پر آسان ہی، تاکہ تم غم نہ کھایا کرو اس پر جو ہاتھ نہ آیا اور

وَلَا تَفْرَحُوا بِمَا آتَاكُمْ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُورٍ ۝۲۳ الَّذِينَ

نہ تنگی کیا کرو اس پر جو تم کو اس نے دیا، اور اللہ کو خوش نہیں آتا کوئی اترائی والا بڑائی مانو والا، وہ جو کہ

يَبْخُلُونَ بِأَمْوَالِهِمْ النَّاسَ بِالْبُخْلِ وَمَنْ يَتَوَلَّ فَإِنَّ اللَّهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيدُ ۝۲۴

آپ نہ دیں اور سکھلائیں لوگوں کو بھی نہ دینا، اور جو کوئی منہ موڑے تو اللہ آپ پر بے پردا سب خوب ہو سکے ساتھ موصوف

خلاصہ تفسیر

کونئی مصیبت نہ دنیا میں آتی ہے اور نہ خاص تمہاری جانوں میں مگر وہ (سب) ایک کتاب میں (یعنی لوح محفوظ میں) لکھی ہیں قبل اس کے کہ ہم ان جانوں کو پیدا کریں (یعنی تمام مصیبتیں خارجی ہوں یا داخلی، وہ سب مقدر ہیں اور) یہ اللہ کے نزدیک آسان کام ہے (کہ واقع ہونے سے پہلے لکھ دیا، کیونکہ اس کو علم غیب

حاصل ہے اور ہم نے یہ بات اس واسطے بتلا دی ہے تاکہ جو چیز تم سے جاتی رہے (تندرستی یا اولاد یا مال) تم اس پر (اتنا) بچ کر دو (جو حق تعالیٰ کی مرضی کے طلب کرنے اور آخرت کے امور میں مشغول ہونے میں رکاوٹ ہو جاوے اور طبعی تکلیف کا مضائقہ نہیں) اور تاکہ جو چیز تم کو عطا فرمائی ہو (اسکی نسبت بھی یہی سمجھ کر خدا تعالیٰ نے اپنی رحمت فضل سے عطا فرمانا تجویز کر دیا تھا اور اسی نے تم کو دی ہے) اس پر اتراد نہیں (کیونکہ اتراد تو وہ جسکا استحقاق ذاتی ہو اور جب دوسرو کی مشیت حکم سے ایک چیز ملی ہو اس پر اتراد کما کیا حق ہے) اور آگے اس ترانے پر عید کی (اللہ تعالیٰ کسی ترانے کی شیخی باز کو پسند نہیں کرتا) اختیال کا لفظ اکثر اندرونی فضائل پر اترانے کے لئے اور فخر اکثر خارجی اشیاء مال و مرتبہ وغیرہ پر اترانے کے لئے مستعمل ہوتا ہے، آگے بخل کی مذمت ہے کہ جو ایسے ہیں کہ دنیا کی محبت کی وجہ سے (خود بھی) خدا کے نزدیک پسندیدہ حقوق میں صرف کرنے سے (بخل کرتے ہیں) دگو اپنی خواہشات و گناہوں میں کتنا ہی اسرار کریں) اور (اس گناہ کے مرتکب بھی ہوتے ہیں کہ) دوسرے لوگوں کو بھی بخل کی تعلیم کرتے ہیں (الَّذِينَ الْخَالِصَ جو ترکیب میں بدل ہے یہ مقصود نہیں کہ وعید ان افعال کے مجموعہ کے ساتھ متعلق ہے، کیونکہ ظاہر ہے کہ ہر بُری خصلت پر وعید ہے، بلکہ اشارہ اس طرف ہے کہ دنیا کی محبت ایسی ہے جس سے اکثر بُری صفات جمع ہو ہی جاتی ہیں، اختیال اور افتخار بھی اور بخل بھی وغیر ذالک) اور (یہی دنیا کی محبت کبھی حق سے روگردانی کرنے تک پہنچا دیتی ہے جس کے حق میں یہ وعید ہو کہ) جو شخص (دین حق سے جس کی ایک فرع انفاق فی سبیل اللہ بھی ہے) اعراض کرے گا تو اللہ تعالیٰ (کا کوئی نقصان نہیں، کیونکہ وہ سب کی عبادت اور اموال سے) بے نیاز ہیں (اور اپنی ذات و صفات میں کامل اور) سزاوارِ حمد ہیں۔

معارف و مسائل

دنیا کی دو چیزیں انسان کو اللہ کی یاد اور آخرت کی فکر سے غافل کرنے والی ہیں، ایک راحت و عیش جس میں مبتلا ہو کر انسان اللہ کو بھلا بیٹھتا ہے اس سے بچنے کی ہدایت سابقہ آیات میں آچکی ہے دوسری چیز مصیبت و غم ہے، اس میں مبتلا ہو کر بھی بعض اوقات انسان مایوس اور خدا تعالیٰ کی یاد سے غافل ہو جاتا ہے، آیات مذکورہ میں اس کا بیان ہے۔

مَا أَصَابَ مِنْ مُصِيبَةٍ فِي الْأَرْضِ مِنْ شَيْءٍ وَلَا فِي أَنْفُسِكُمْ إِلَّا فِي كِتَابٍ مِنْ قَبْلِ أَنْ نَبْرَأَهَا

یعنی جو کوئی مصیبت تم کو زمین میں یا اپنی جانوں میں پہنچتی ہے وہ سب ہم نے کتاب یعنی لوح محفوظ میں مخلوقات کو پیدا کرنے سے بھی پہلے لکھ دیا تھا، زمین کی مصیبت سے مراد قحط، زلزلہ، کھیت اور زرع میں نقصان، تجارت میں گھاٹا، مال و دولت کا ضائع ہو جانا، دوست احباب کی موت سب داخل ہیں اور اپنی جانوں کی مصیبت میں ہر طرح کے امراض اور زخم اور چوٹ وغیرہ شامل ہیں۔

يَكِيدُ لَا تَأْسُوا عَلَىٰ مَا قَاتَلَكُمْ وَلَا تَفْرَحُوا بِمَا آتَاكُمْ، مطلب اس آیت کا یہ ہے کہ دنیا

میں جو کچھ مصیبت یا راحت، خوشی یا غم انسان کو پیش آتا ہے وہ سب حق تعالیٰ نے لوح محفوظ میں انسان کے پیدا ہونے سے پہلے ہی لکھ رکھا ہے، اس کی اطلاع تمہیں اس لئے دی گئی تاکہ تم دنیا کے اچھے بُرے حالات پر زیادہ دھیان نہ دو، نہ یہاں کی تکلیف و مصیبت یا نقصان و فقدان کچھ زیادہ حسرت و افسوس کرنے کی چیز ہے اور نہ یہاں کی راحت و عیش یا مال و حجاج اتنا زیادہ خوش اور مست ہونے کی چیز ہے جس میں مشغول ہو کر اللہ کی یاد اور آخرت سے غافل ہو جاؤ۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے فرمایا کہ ہر انسان طبعی طور پر بعض چیزوں سے خوش ہوتا ہے بعض سے غمگین، لیکن ہونا یہ چاہئے کہ جس کو کوئی مصیبت پیش آئے وہ اس پر صبر کر کے آخرت کا اجر و ثواب کمائے، اور جو کوئی راحت و خوشی پیش آئے وہ اس پر شکر گزار ہو کر اجر و ثواب حاصل کرے (رواہ الحاکم و صحیح از روح) اگلی آیت میں راحت و آرام یا مال و دولت پر اترنے والے اور فخر کرنے والوں کی مذمت بیان فرمائی: **وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ مَنِ الْمُنَّكَالِ الْغَوْرِ** یعنی اللہ تعالیٰ پسند نہیں کرتا اترنے والے، فخر کرنے والے کو، اور یہ ظاہر ہے جس کو پسند نہیں کرتا اس سے بغض و نفرت رکھتا ہے، مطلب یہ ہے کہ دنیا کی نعمتوں پر اترنے اور فخر کرنے والے اللہ تعالیٰ کے نزدیک مبغوض ہیں، مگر عزوانِ تعبیر میں پسند نہ کرنا ذکر کر کے شاید اس طرف اشارہ ہے کہ عقلمند عاقبت اندیش انسان کا فرض یہ ہونا چاہئے کہ وہ اپنے ہر کام میں اس کی فکر کرے کہ وہ اللہ کے نزدیک پسند ہی یا نہیں، اس لئے یہاں ناپسند ہونے کا ذکر فرمایا گیا۔

لَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنَاتِ وَأَنزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتَابَ وَالْمِيزَانَ

ہم نے بھیجے ہیں اپنے رسول نشانیاں دیکھ اور اُتاری اُن کے ساتھ کتاب اور ترازو

لِيَقُومَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ وَأَنزَلْنَا الْحَدِيدَ فِيهِ بَأْسٌ شَدِيدٌ

تاکہ لوگ سیدھے رہیں انصاف پر اور ہم نے اُتارا لوہا اس میں سخت لڑائی ہے اور لوگوں

مَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَلِيَعْلَمَ اللَّهُ مَن يَنصُرُهُ وَرُسُلَهُ بِالْغَيْبِ إِنَّ

کے کام چلتے ہیں اور تاکہ معلوم کرے اللہ کون مدد کرتا ہے اس کی اور اس کے رسولوں کی بن دیکھے بیشک

اللَّهُ قَوِيٌّ عَزِيزٌ

اللہ زور آور ہے زبردست

خُلاصۃ تفسیر

ہم نے (اسی اصلاحِ آخرت کے لئے) اپنے پیغمبروں کو کھٹے کھٹے احکام دیے کر بھیجا اور ہم نے انکے

ساتھ کتاب کو اور اس کتاب میں بالخصوص انصاف کرنے (کے حکم) کو (جس کا تعلق حقوق العباد سے ہے) نازل کیا تاکہ لوگ (حقوق اللہ اور حقوق العباد میں) اعتدال پر قائم رہیں (اس میں ساری شریعت آگئی جو معتدل یعنی بین الافراط والتفريط ہے) اور ہم نے لوہے کو پیدا کیا جس میں شدید ہیبت ہے (تاکہ اس کے ذریعہ سے عالم کا انتظام رہے کہ ڈر سے بہت سی بے انتظامیاں بند ہو جاتی ہیں) اور (اس کے علاوہ) لوگوں کے اور بھی طرح طرح کے فائدے ہیں (چنانچہ اکثر آلات لوہے سے بنتے ہیں) اور (اس لئے لوہا پیدا کیا) تاکہ اللہ تعالیٰ (ظاہری طور پر) جان لے کہ بے (اس کے خدا کو) دیکھے اس کی اور اس کے رسولوں کی (یعنی دین کی) کون مدد کرتا ہے (کیونکہ جہاد میں بھی کام آتا ہے تو یہ بھی آخر دی نفع ہوا اور جہاد کا حکم اس لئے نہیں کہ اللہ اس کا محتاج ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ (خود) قوی زبردست ہے بلکہ تمھارے ثواب کے لئے ہے)۔

معارف و مسائل

آسمانی کتابوں اور انبیاء علیہم السلام کے بھیجے کا اصل مقصد لوگوں کو عدل و انصاف پر قائم کرنا ہے،

اس سے مراد یہ بھی ہو سکتا ہے کہ واضح احکام ہوں، جیسا کہ خلاصہ تفسیر میں یہی ترجمہ لیا گیا ہے، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس سے معجزات اور نبوت و رسالت پر واضح دلائل مراد ہوں (کما فسترہ بہ ابن کثیر و ابن جبرین) اور بیتنت کے بعد آنز لنا معہم الکتاب میں کتاب نازل کرنے کا علیحدہ ذکر بظاہر اسی تفسیر کا مؤید ہے کہ بیتنت سے مراد معجزات و دلائل ہوں اور احکام کی تفصیل کے لئے کتاب نازل کرنے کا ذکر فرمایا گیا کتاب کے ساتھ ایک دوسری چیز میزان نازل کرنے کا بھی ذکر ہے، میزان اصل میں اس آلہ کو کہا جاتا ہے، جس سے کسی چیز کا وزن کیا جائے، جس کی عام صورت ترازو ہے، اور مروءہ ترازو کے علاوہ مختلف چیزوں کے وزن تولنے کے لئے جو دوسرے مختلف قسم کے آلات ایجاد ہوتے رہتے ہیں، وہ بھی میزان کے مفہوم میں داخل ہیں، جیسے آجکل روشنی، ہوا وغیرہ کے ناپنے والے آلات ہیں۔

اس آیت میں کتاب کی طرح میزان کے لئے بھی نازل کرنے کا ذکر فرمایا ہے، کتاب کا آسان نازل ہونا اور فرشتوں کے ذریعہ پیغمبر تک پہنچنا تو معلوم و معروف ہے، میزان کے نازل کرنے کا کیا مطلب اس کے متعلق تفسیر روح المعانی منظری وغیرہ میں ہے کہ انزال میزان سے مراد ان احکام کا نزول ہے جو ترازو استعمال کرنے اور انصاف کرنے کے متعلق نازل ہوئے، اور قرطبی نے فرمایا کہ دراصل انزال تو کتاب ہی کا ہوا ہے، ترازو کے وضع کرنے اور ایجاد کرنے کو اس کے ساتھ لگا دیا گیا ہے،

جیسا کہ عرب کے کلام میں اس کی نظر امر موجود ہیں تو گویا مفہوم کلام کا یہ ہے کہ **أَنْزَلْنَا إِلَيْنَا الْكِتَابَ وَوَضَعْنَا الْمِيزَانَ** یعنی ہم نے اتاری کتاب اور ایجاد کی ترازو، اس کی تائید سورۃ رحمن کی آیت **وَالسَّمَاءَ كَرَفَعْنَاهَا وَوَضَعْنَا الْمِيزَانَ** سے بھی ہوتی ہے کہ اس میں میزان کے ساتھ لفظ وضع استعمال فرمایا ہے۔

اور بعض روایات میں ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام پر حقیقی معنی میں آسمان سے ترازو نازل کی گئی تھی اور حکم دیا گیا تھا کہ اس سے وزن کر کے حقوق پورے کرنا چاہئیں واللہ اعلم کتاب اور میزان کے بعد ایک تیسری چیز کے نازل کرنے کا ذکر ہے، یعنی حدید (لوہا) اس کے نازل کرنے کا مطلب بھی اس کو پیدا کرنا ہے، جیسا کہ قرآن کریم کی ایک آیت میں چوپایہ جانوروں کے متعلق بھی لفظ انزال استعمال فرمایا ہے، حالانکہ وہ کہیں آسمان سے نازل نہیں ہوتے، زمین پر پیدا ہوتے ہیں، آیت یہ ہے **وَأَنْزَلْنَا لَكُمْ مِنْ الْأَنْعَامِ فَمِنْهَا ذَوُا أَجْ،** یہاں بالتفانق **أَنْزَلْنَا** سے مراد خلقنا ہے، یعنی تخلیق کو انزال کے لفظ سے تعبیر کر دیا ہے، جس میں اشارہ اس طرف پایا جاتا ہے کہ دنیا میں جو کچھ ہے وہ سب اس اعتبار سے منزل من السماء ہے کہ اس کے پیدا ہونے سے بھی بہت پہلے وہ لوح محفوظ میں لکھا ہوا تھا۔ (روح)

حدید یعنی لوہے کو نازل کرنے کی دو حکمتیں آیت میں بیان فرماتی ہیں، اول یہ کہ مخالفین پر اس کا رعب پڑتا ہے، اور سرکشوں کو اس کے ذریعہ احکامِ الہیہ اور عدل و انصاف کے احکام کا پابند بنایا جاسکتا ہے، دوسرے یہ کہ اس میں لوگوں کے لئے بہت منافع حق تعالیٰ نے رکھے ہیں، کہ جس قدر صنعتیں اور ایجادات و مصنوعات دنیا میں ہوئی یا آئندہ ہو رہی ہیں ان سب میں لوہے کی ضرورت ہے، لوہے کے بغیر کوئی صنعت نہیں چل سکتی۔

فائدہ کا :- یہاں یہ بات بھی غور طلب ہے کہ اس آیت میں اصل مقصد پیغمبروں اور کتابوں کے بھیجے اور میزانِ عدل ایجاد کرنے اور اس کے استعمال کرنے کا یہ بیان کیا ہے، کہ **يَقُومَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ**، یعنی لوگ انصاف پر قائم ہو جائیں، اس کے بعد ایک تیسری چیز یعنی لوہے کے نازل کرنے یعنی ایجاد کرنے کا بھی ذکر فرمایا گیا ہے، یہ بھی درحقیقت اُسی عدل و انصاف کی تکمیل کیلئے ہے جو پیغمبر اور کتاب کے نازل کرنے سے مقصود ہے، کیونکہ انبیاء علیہم السلام اور آسمانی کتابیں عدل و انصاف قائم کرنے کے واضح دلائل دیتے ہیں، اور نہ کرنے کی صورت میں عذابِ آخرت سے ڈراتے ہیں، میزان ان حدود کو بتلاتی ہے جن سے انصاف کیا جاتا ہے، مگر سرکش معاند جو نہ کسی دلیل سے مانتا ہے نہ ترازو کی تقسیم کے مطابق عمل کرنے کو تیار ہے، اگر اس کو آزاد چھوڑ دیا جائے تو وہ دنیا میں عدل و انصاف قائم نہ ہونے دے گا، اس کو پابند کرنا لوہے اور تلواریں کا کام ہے جو حکومت

سیاست کرنے والے آخر میں بدرجہ مجبوری استعمال کرتے ہیں۔

فائدہ ثانیہ؛ یہاں یہ بات بھی قابل نظر ہے کہ قرآن کریم نے دنیا میں عدل و انصاف کرنے کے لئے دو چیزوں کو تو اصل قرار دیا، ایک کتاب، دوسرے میزان، کتاب کے حقوق کی ادائیگی اور اس میں کمی بیشی کی ممانعت کے احکام معلوم ہوتے ہیں، اور میزان سے وہ حصے متعین ہوتے ہیں جو دوسروں کے حقوق ہیں، انہی دونوں چیزوں کے نازل کرنے کا مقصد لِقَوْمِ النَّاسِ بِالْقِسْطِ قرار دیا ہے، حدید کا ذکر اس کے بعد آخر میں فرمایا جس میں اشارہ ہے کہ اقامتِ عدل و انصاف کیلئے لوہے کا استعمال بدرجہ مجبوری ہے، وہ اصل ذریعہ اقامتِ عدل و انصاف کا نہیں ہے۔

اس سے ثابت ہوا کہ خلقِ خدا کی اصل اصلاح اور ان کا عدل و انصاف پر قائم کرنا درحقیقت ذہنوں کی تربیت اور تعلیم سے ہوتا ہے، حکومت کا درزبردستی دراصل اس کام کے لئے نہیں، بلکہ راستہ سے رکاوٹ دُور کرنے کے لئے بدرجہ مجبوری ہے، اصل چیز ذہنوں کی تربیت اور تعلیم و تلقین ہے۔

وَلْيَعْلَمِ اللَّهُ مَنْ يَنْصُرُهُ وَرُسُلَهُ بِالْغَيْبِ، یہاں وَلْيَعْلَمِ حروفِ عطف کے ساتھ آیا ہے، روح المعانی میں ہے کہ یہ عطف ایک محذوف جملہ پر ہے، یعنی لِيَنْفَعَهُمْ اور مطلب آیت کا یہ ہو کہ ہم نے لوہا اس لئے پیدا کیا کہ مخالفوں پر اس کا رعب پڑے، اور اس لئے کہ لوگ اس سے صنعت و حرفت میں فائدہ اٹھائیں، اور اس لئے کہ قانونی اور ظاہری طور پر اللہ تعالیٰ یہ جان لیں کہ کون لوگ لوہے کے آلاتِ حرب کے ذریعہ اللہ اور اس کے رسولوں کے مددگار بنتے ہیں، اور دین کے لئے جہاد کرتے ہیں، قانونی اور ظاہری طور پر اس لئے کہا گیا ہے کہ ذاتی طور پر توحیٰ تعالیٰ کو سب کچھ پہلے ہی سے معلوم ہے، مگر انسان جب عمل کر لیتا ہے تو وہ نامہ اعمال میں لکھا جاتا ہے، قانونی طور پر اس کا اسی سے ہوتا ہے۔

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوحًا وَإِبْرَاهِيمَ وَجَعَلْنَا فِي ذُرِّيَّتِهِمَا السُّبُورَ

اور ہم نے بھیجا نوح کو اور ابراہیم کو اور ٹھہرا دی دو نون کی اولاد میں پیغمبری اور

الْكِتَابَ فَمِنْهُمْ مُهْتَدٍ وَكَثِيرٌ مِنْهُمْ فَسِقُونَ ﴿۳۶﴾ ثُمَّ قَفَّيْنَا عَلَىٰ

کتاب پھر کوئی ان میں راہ پر ہے اور بہت ان میں نافرمان ہیں، پھر پیچھے بھیجے اُن کے

آثَارِهِمْ بِرُسُلِنَا وَقَفَّيْنَا بِعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ وَاتَيْنَاهُ الْإِنجِيلَ

قدموں پر اپنے رسول اور پیچھے بھیجا ہم نے عیسیٰ مریم کے بیٹے کو اور اس کو ہم نے دی انجیل

وَجَعَلْنَا فِي قُلُوبِ الَّذِينَ اتَّبَعُوهُ رَأْفَةً وَرَحْمَةً ط وَرَهْبَانِيَّةَ

اور رکھ دی اس کے ساتھ چلنے والوں کے دل میں نرمی اور ہرمانی اور ایک ترک کرنا دنیا کا

لَا يَبْتَدِعُوهُمَا مَا كُتِبَ لَهُمَا عَلَيْهِمْ إِلَّا ابْتِغَاءَ رِضْوَانِ اللَّهِ فَمَا رَعَوْهُمَا

جو انھوں نے نئی بات نکالی تھی ہم نے نہیں لکھا تھا یہ اُن پر لکھا گیا چاہئے کہ اللہ کی رضا مندی پھر نہ نبایا اس کو

حَقَّ رِعَايَتِهِمَا ۚ فَآتَيْنَا الَّذِينَ آمَنُوا مِنْهُمْ أَجْرَهُمْ ۚ وَكَثِيرٌ مِنْهُمْ

جیسا چاہئے تھا نبایا، پھر دیا ہم نے ان لوگوں کو جو ایمان دار تھے اُن کا بدلہ، اور بہت اُن میں

فَاسِقُونَ ﴿۲۷﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَآمِنُوا بِرَسُولِهِ يُؤْتِكُمْ

نا فرمان ہیں، اے ایمان والو ڈرتے رہو اللہ سے اور یقین لاؤ اس کے رسول پر دے گا تم کو

كَفَلَيْنِ مِنْ رَحْمَتِهِ ۚ وَيَجْعَلَ لَكُمْ نُورًا تَمْشُونَ بِهِ ۚ وَيَغْفِرَ لَكُمْ ۚ

دو حصے اپنی رحمت سے اور رکھ دے گا تم میں روشنی جس کو لے پھرو اور تم کو معاف کرے گا

وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿۲۸﴾ لَعَلَّكُمْ يَكْتُشِبُ أَلَّا يَقْدِرُونَ

اور اللہ معاف کر نیوالا ہر زبان، تاکہ نہ جانیں کتاب والے کہ پا نہیں سکتے کوئی

عَلَى شَيْءٍ مِّنْ فَضْلِ اللَّهِ ۚ وَأَنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَن تَشَاءُ ۚ

چیز اللہ کے فضل میں سے اور یہ کہ بزرگی اللہ کے ہاتھ ہی دیتا ہے جس کو چاہے،

وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ ﴿۲۹﴾

اور اللہ کا فضل بڑا ہے،،،،

اور اللہ کا فضل بڑا ہے،،،،

خلاصہ تفسیر

اور ہم نے (مخلوق کی اسی اصلاح آخرت کے لئے) نوح (علیہ السلام) اور ابراہیم (علیہ السلام)

کو پیغمبر بنا کر بھیجا اور ہم نے ان کی اولاد میں پیغمبری اور کتاب جاری رکھی (یعنی اُن کی اولاد میں بھی

بعض پیغمبر اور ان میں سے بعض صاحب کتاب بنائے) سو (جن جن لوگوں کے پاس یہ پیغمبر آئے) اُن

لوگوں میں بعض تو ہدایت یافتہ ہوئے اور بہت سے ان میں نافرمان تھے اور یہ مذکور پیغمبر تو صاحب

شریعت مستقل تھے، ان میں بعض صاحب کتاب بھی تھے جیسے موسیٰ علیہ السلام، جو حضرت نوح علیہ السلام

اور ابراہیم دونوں کی اولاد میں تھے، اور بعض اگرچہ صاحب کتاب نہیں تھے جیسے ہود اور صالح علیہما السلام

کہ ان کا صاحب کتاب ہونا منقول نہیں مگر شریعت ان کی مستقل تھی، بہر حال بہت سے نبی تو صاحب

شریعت مستقل بھیجے) پھر اُن کے بعد اور رسولوں کو (جو کہ صاحب شریعت مستقل نہ تھے) یکے بعد

بھیجتے رہے (جیسے موسیٰ علیہ السلام کے بعد تورات کے احکام کی تعمیل کرانے کے لئے بہت سے پیغمبر آئے) اور ان کے بعد (پھر ایک صاحب شریعت مستقلہ کو یعنی) عیسیٰ بن مریم کو بھیجا اور ہم نے ان کو انجیل دی اور (ان کی امت میں دو قسم کے لوگ ہوئے ایک ان کا اتباع کرنے والے یعنی اُن پر ایمان لانے والے اور دوسرے انکار کرنے والے) اور جن لوگوں نے ان کا اتباع کیا تھا (یعنی قبم اول) ہم نے ان کے دلوں میں شفقت اور رحم (ایک دوسرے کے ساتھ جو کہ اخلاقی حمیدہ میں سے ہے) پیدا کر دیا (کقولہ تعالیٰ فی الصّحافۃ رَحْمًا مِّنْهُمْ) اور شاید بوجہ اس کے کہ ان کی شریعت میں جہاد نہ تھا، اس کے مقابل کی صفت اِسْتَدْرَآءُ عَلٰی الْکُفَّارِ ذکر نہیں فرمائی، غرض غالب اُن پر شفقت و رحمت تھی) اور (ہماری طرف سے تو ان لوگوں کو صرف احکام میں اتباع کرنے کا حکم ہوا تھا، لیکن ان متبعین میں بعض وہ ہوئے کہ) انھوں نے رہبانیت کو خود ایجاد کر لیا رہبانیت کا حاصل نکاح اور جائز لذتوں اور اختلاط کا چھوڑنا ہوا اور اس کے ایجاد کا سبب یہ ہوا تھا کہ عیسیٰ علیہ السلام کے بعد جب لوگوں نے احکامِ اہلبیت کو چھوڑنا شروع کیا تو بعض اہل حق بھی تھے جو اظہار حق کرتے رہتے تھے، یہ بات خواہش نفسانی والوں کو مشکل معلوم ہوئی اور انھوں نے اپنے بادشاہوں سے درخواست کی کہ ان لوگوں کو مجبور کیا جاوے کہ ہمارے ہم مشرب بن کر رہیں جب اُن کو مجبور کیا گیا تو انھوں نے درخواست کی کہ ہم کو اجازت دی جائے کہ ہم ان لوگوں سے کوئی تعلق و غرض نہ رکھیں اور آزادانہ زندگی بسر کریں خواہ گوشہ میں بیٹھ کر یا سفر و سیاحت میں عمر گزار کر، چنانچہ اسی پر وہ چھوڑ دیئے گئے (کذا فی الدر المنثور) اس مقام پر یہی ذکر ہے کہ انھوں نے رہبانیت کو ایجاد کر لیا) ہم نے ان پر اس کو واجب نہ کیا تھا لیکن انھوں نے حق تعالیٰ کی رضا کے واسطے (اپنے دین کو محفوظ رکھنے کے لئے) اس کو اختیار کر لیا تھا سو (پھر اُن راہبوں میں زیادہ وہ ہوئے کہ) انھوں نے اس (رہبانیت) کی پوری رعایت نہ کی (یعنی جس غرض سے اس کو اختیار کیا تھا اور وہ غرض اللہ کی رضا جوئی تھی اس کا اہتمام نہیں کیا یعنی اصل احکام کی بجا آوری نہ کی، گو صورتہ رہبان اور احکام کی بجا آوری کا اظہار کرتے رہے، اس طرح رہبانوں میں دو قسم کے لوگ ہو گئے، احکام کی رعایت کرنے والے، اور رعایت نہ کرنے والے، اور ان میں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے معاصر تھے اُن کے حق میں رعایت احکام کی ایک شرط یہ بھی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لادیں، اس لئے عہد مبارک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم میں احکام کی رعایت و اہتمام کرنے والے وہ لوگ ہوئے جو آپ پر ایمان لائے، اور جنھوں نے آپ پر ایمان سے گریز کیا وہ احکام کی رعایت نہ کرنے والوں میں شامل ہوئے) سو ان میں سے جو (حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر) ایمان لائے ہم نے ان کو ان کا اجر (وعدہ کیا ہوا) دیا (مگر ایسے کم تھے) اور زیادہ اُن میں نا فرمان ہیں کہ آپ پر ایمان نہیں لائے اور چونکہ اکثریت نا فرمانوں کی تھی اس لئے سب ہی کی طرف رعایت نہ کرنا منسوب کر دیا گیا کہ فَمَا رَعَوْهَا فرمایا، معلوم ہوا کہ یہ نفی رعایت اکثر کے

اعتبار سے ہے اور قلیل جو ایمان لائے تھے ان کا بیان آخر آیت میں قَاتِلِينَ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْهُمْ
أَجْرَهُمْ میں بیان فرمایا۔

یہاں تک عیسائیوں میں سے ایمان لانے والوں اور نہ لانے والوں کی دو قسموں کا ذکر تھا، آگے
ایمان والوں کا حکم ہے کہ اے (عیسیٰ علیہ السلام پر) ایمان رکھنے والو تم اللہ سے ڈرو اور (اس ڈر کے
مقتضیٰ پر عمل کرو یعنی) اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) پر ایمان لاؤ اللہ تعالیٰ تم کو اپنی رحمت سے
(نواب کے) دو حصے دے گا (جیسے سورۃ قصص میں اُولَئِكَ يُؤْتُونَ أَجْرَهُمْ مَرَّتَيْنِ الآیۃ ہے) اور تم کو
ایسا نور عنایت کرے گا کہ تم اس کو لئے ہوئے چلتے پھرتے ہو گے (یعنی ایسا ایمان دے گا جو ہر وقت
ساتھی رہے گا یہاں سے پہلے صراط تک) اور تم کو بخش دے گا کیونکہ اسلام سے زمانہ کفر کے سب گناہ
معاف ہو جاتے ہیں) اور اللہ غفور کریم ہے (اور یہ دو تیس تم کو اس لئے عنایت کر گیا) تاکہ (جس وقت
ان عطایا کا ظہور ہو یعنی قیامت کے روز اس وقت) اہل کتاب کو (یعنی جو ایمان نہیں لائے ان کو) یہ
بات معلوم ہو جائے کہ ان لوگوں کو اللہ کے فضل کے کسی جزو پر بھی (بغیر ایمان لائے) دسترس نہیں
اور یہ (بھی معلوم ہو جائے) کہ فضل اللہ کے ہاتھ میں ہے وہ جس کو چاہے دیدے (چنانچہ اسکی مشیت
اس کے فضل کے ساتھ مسلمانوں سے متعلق ہوئی تو انہی کو عنایت فرمادیا) اور اللہ بڑے فضل والا ہے
(مطلب یہ کہ ان کا غرور اور زعم ٹوٹ جاوے کہ وہ حالت موجودہ میں بھی اپنے کو فضل کا مورد اور
مغفرت کا محل سمجھتے ہیں)۔

معارف و مسائل

سابقہ آیات میں اس عالم کی ہدایت اور اس میں قسط یعنی عدل و انصاف قائم کرنے کے لئے
انبیاء و رسول اور ان کے ساتھ کتاب اور میز آن نازل کرنے کا عمومی ذکر تھا، مذکورہ آیات میں ان
میں سے خاص خاص انبیاء و رسل کا ذکر ہے، پہلے حضرت نوح علیہ السلام کا کہ وہ آدم ثانی ہیں، اور بعد
طوفان نوح کے دنیا میں باقی رہنے والی سب مخلوق ان کی نسل سے ہے، دوسرے حضرت ابراہیم خلیل اللہ
علیہ الصلوٰۃ والسلام کا جو ابوالانبیاء اور قدوة الخلائق ہیں اُن دونوں کے ذکر کے ساتھ یہ اعلان فرمادیا کہ
آئندہ جتنے انبیاء اور آسمانی کتابیں دنیا میں آئیں گی وہ سب انہی دونوں کی ذریت میں ہوں گی، یعنی
حضرت نوح علیہ السلام کی وہ شاخ اس فضیلت کے لئے مخصوص کر دی گئی جس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام
ہیں، یہی وجہ ہے کہ بعد میں جتنے انبیاء مبعوث ہوئے اور جتنی کتابیں نازل ہوئیں وہ سب حضرت ابراہیم
علیہ السلام کی اولاد میں ہیں۔

ان کے خصوصی ذکر کے بعد پورے سلسلہ انبیاء کو ایک مختصر جملے میں بیان فرمایا ثُمَّ قَفَّيْنَا عَلَىٰ

اِثَارِہٖمْ سَلٰمًا) آخر میں خصوصیت کے ساتھ آخر انبیاء بنی اسرائیل حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر کر کے حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی شریعت کا ذکر فرمایا گیا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانے والے اُن کے حواریں کی خاص صفت یہ بتلائی گئی (وَجَعَلْنَا فِي قُلُوبِ الَّذِينَ اتَّبَعُوهُ دَرَاهِنًا وَرَحْمَةً) یعنی جن لوگوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام یا انجیل کا اتباع کیا ہم نے اُن کے دلوں میں رافت اور رحمت پیدا کر دی، یعنی یہ لوگ آپس میں ایک دوسرے پر جہربان و حسیم ہیں، یا پوری خلق خدا کے ساتھ ان کو شفقت و رحمت کا تعلق ہے، رافت و رحمت کے دونوں لفظ ایک دوسرے کے ہم معنی اور مراد سمجھے جاتے ہیں، یہاں مقابلہ کی وجہ سے بعض حضرات نے فرمایا کہ رافت شدت رحمت کو کہا جاتا ہے گویا عام رحمت سے اس میں زیادہ مبالغہ ہے، اور بعض نے فرمایا کہ کسی شخص پر رحمت و شفقت کے دو لفظ عادت ہوتے ہیں، ایک یہ کہ وہ اگر کسی تکلیف و مصیبت میں مبتلا ہے تو اس کی تکلیف کو دور کر دیا جائے اس کو رافت کہا جاتا ہے، دوسرے یہ کہ اس کو کسی چیز کی ضرورت ہو تو وہ دیدی جائے، یہ رحمت ہے، غرض رافت کا تعلق دفع مضرت کے ساتھ ہے، اور رحمت کا جلب منفعت کے ساتھ، اور چونکہ دفع مضرت ہر اعتبار سے مقدم سمجھی جاتی ہے، اس لئے عموماً جب یہ دونوں لفظ ایک جا بولے جاتے ہیں تو رافت کو رحمت پر مقدم بولا جاتا ہے۔

یہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اصحاب جن کو حواریں کہا جاتا ہے اُن کی خصوصی صفت رافت و رحمت بیان فرمائی گئی ہے، جیسا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام کی چند صفات سورۃ فتح میں بیان فرمائی ہیں، جن میں ایک صفت رَحْمًا رُبِّیْہُمْ بھی ہے، مگر وہاں اس صفت سے پہلے صحابہ کرام کی خاص صفت اَبَشْرًا عَلٰی الْکُفَّارِ بھی بیان فرمائی ہے، وجہ فرق کی یہ معلوم ہوتی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں کفار سے جہاد و قتال کے احکام نہ تھے، اس لئے کفار کے مقابلہ میں شدت ظاہر کرنے کا وہاں کوئی محل نہ تھا واللہ اعلم

رہبانیت کا مفہوم وَرَهْبَانِيَّةً ابْتَدَعُوْهَا، رہبانیت، رہبان کی طرف منسوب ہے، راہب اور رہبان اور ضروری تشریح کے معنی ہیں ڈرنے والا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد جب بنی اسرائیل میں فسق و فجور عام ہو گیا، خصوصاً ملوک اور رؤسائے احکام انجیل سے کھلی بغاوت شروع کر دی، ان میں جو کچھ علماء و صلحاء تھے انھوں نے اس بد عملی سے روکا تو انکو قتل کر دیا گیا، جو کچھ بچ رہے انھوں نے دیکھا کہ اب منع کرنے اور مقابلہ کرنے کی طاقت نہیں، اگر ہم ان لوگوں میں مل جل کر رہے تو ہمارا دین بھی برباد ہوگا، اس لئے ان لوگوں نے اپنے اوپر یہ بات لازم کر لی کہ اب دنیا کی سب جائز لذتیں اور آرام بھی چھوڑ دیں، نکاح نہ کریں، کھانے پینے کے سامان جمع کرنے کی فکر نہ کریں، رہنے سہنے کے لئے مکان اور گھر کا اہتمام نہ کریں، لوگوں سے دور کسی جنگل پہاڑ میں بسر کریں، یا پھر خانہ بدوشوں کی طرح زندگی سیاحت

میں گزار دیں، تاکہ دین کے احکام پر آزادی سے پورا پورا عمل کر سکیں، ان کا یہ عمل چونکہ خدا کے خوف سے تھا، اس لئے ایسے لوگوں کو راہب یا رہبان کہا جانے لگا، ان کی طرف نسبت کر کے ان کے طریقہ کو رہبت سے تعبیر کرنے لگے۔

ان کا یہ طریقہ چونکہ حالات سے مجبور ہو کر اپنے دین کی حفاظت کے لئے تھا اس لئے اصالتہ کوئی مذموم چیز نہ تھی، البتہ ایک چیز کو اللہ کے لئے اپنے اوپر لازم کر لینے کے بعد اس میں کوتاہی اور خلا درزی بڑا گناہ ہے، جیسے نذر اور رخصت کا حکم ہے کہ وہ اصل سے تو کسی پر لازم و واجب نہیں ہوتی، خود کوئی شخص اپنے اوپر کسی چیز کو نذر کر کے حرام یا واجب کر لیتا ہے تو پھر شرعاً اس کی پابندی واجب خلا و رزی گناہ ہو جاتی ہے، مگر ان میں سے بعض لوگوں نے رہبانیت کا نام رکھ کر دنیا طلبی اور عیش و عشرت کا ذریعہ بنالیا، کیونکہ عام آدمی ایسے لوگوں کے معتقد ہوتے، تحفے تحائف اور نذرانے آنے لگے، لوگوں کا ان کی طرف رجوع ہوا تو فواجش کی نوبت آنے لگی۔

قرآن کریم نے آیت مذکورہ میں ان کی اسی بات پر نکیر فرمائی، کہ خود ہی تو اپنے اوپر ترک لذات کو لازم کیا تھا، جو منجانب اللہ ان پر لازم نہ کیا گیا تھا، اور جب لازم کر لیا تو پھر اس کی پابندی ان کو کرنا چاہتے تھے، لیکن اسکی خلاف درزی کی۔

ان لوگوں کا یہ طریقہ اصل سے مذموم نہ تھا، حضرت عبداللہ بن مسعود کی حدیث اس پر شاہد ہے ابن کثیرؒ نے بروایت ابن ابی حاتم و ابن جریر ایک طویل حدیث نقل کی ہے جس میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بنی اسرائیل بہتر فرقوں میں تقسیم ہو گئے تھے جن میں سے صرف تین فرقوں کو عذاب نجات ملی، جنہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد ظالم و جابر بادشاہوں اور دولت و قوت والے فاسق و فاجر لوگوں کو ان کے فسق و فجور سے روکا، ان کے مقابلہ میں حق کا کلمہ بلند کیا، اور دین عیسیٰ علیہ السلام کی طرف دعوت دی، ان میں سے پہلے فرقہ نے قوت کے ساتھ ان کا مقابلہ کیا، مگر ان کے مقابلہ میں مغلوب ہو کر قتل کر دیئے گئے، تو پھر ان کی جگہ ایک دوسری جماعت کھڑی ہوئی، جن کو مقابلہ کی اتنی بھی قوت و طاقت نہیں تھی، مگر کلمہ حق پہنچانے کے لئے اپنی جانوں کی پروا کئے بغیر ان کو حق کی طرف بلایا، ان سب کو بھی قتل کر دیا گیا، بعض کو آروں سے چیرا گیا، بعض کو زندہ آگ میں جلایا گیا، مگر انہوں نے اللہ کی رضا کے لئے ان سب مصائب پر صبر کیا، یہ بھی نجات پا گئے، پھر ایک تیسری جماعت ان کی جگہ کھڑی ہوئی جن میں نہ مقابلہ کی قوت تھی نہ ان کے ساتھ رہ کر خود اپنے دین پر عمل کرنے کی صورت بنتی تھی، اس لئے ان لوگوں نے جنگلوں اور پہاڑوں کا راستہ لیا، اور راہب بن گئے، یہی وہ لوگ ہیں جن کا اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ذکر کیا ہے، وَرَهْبَانِيَّةٍ ابْتَغَوْهَا مَا كَتَبْنَاَهَا عَلَيْهِمْ۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بنی اسرائیل میں سے اصل رہبانیت اختیار کرنے والے جنہوں نے رہبانیت کے لوازم کی رعایت کی اور مصائب پر صبر کیا وہ بھی نجات یافتہ لوگوں میں سے ہیں۔

آیت مذکورہ کی اس تفسیر کا حاصل یہ ہوا کہ جس طرح کی رہبانیت ابتداءً اختیار کرنے والوں نے اختیار کی تھی وہ اپنی ذات سے مذموم اور بُری چیز نہ تھی، البتہ وہ کوئی حکم شرعی بھی نہیں تھا، ان لوگوں نے اپنی مرضی و خوشی سے اس کو اپنے اوپر لازم کر لیا تھا، بُرائی اور مذمت کا پہلو یہاں سے شروع ہوا کہ اس التزام کے بعد بعض لوگوں نے اس کو نبھایا نہیں، اور چونکہ تعداد ایسے ہی لوگوں کی زیادہ ہو گئی تھی، اس لئے **لَا كَثْرَتُ عَمَلِكُمْ اَكْثَرِيَّت** یعنی اکثریت کے عمل کو نکل کی طرف منسوب کر دینا عرف عام ہے، اس قاعدہ کے موافق قرآن نے عام بنی اسرائیل کی طرف یہ منسوب کیا کہ انہوں نے جس رہبانیت کو اپنے اوپر لازم کر لیا تھا اس کو نبھایا نہیں، اور اس کی شرائط کی رعایت نہیں کی، اسی کو فرمایا **فَقَدَارَ عَوْهَا حَقٌّ رِعَايَتُهَا**

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اس رہبانیت کے متعلق جو قرآن نے فرمایا **اِبْتَدَعُوْهَا** یعنی اس کو انہوں نے ایجاد کر لیا، اس میں لفظ ابتداء جو بدعت سے مشتق ہے وہ اس جگہ اپنے لغوی معنی یعنی اختراع و ایجاد کے لئے بولا گیا ہے، شریعت کی اصطلاحی بدعت مراد نہیں ہے جس کے بارے میں حدیث میں ارشاد ہے **كُلُّ بِدْعٍ ضَلَالَةٌ** یعنی ہر بدعت گمراہی ہے۔

فسرآن کریم کے نسق و نظم میں غور کر س تو یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے سب سے پہلے تو اس جملے پر نظر ڈالئے **وَجَعَلْنَا فِيْ كُلِّ مَعْزَلٍ اٰیٰتٍ لِّمَنْ اَتَّبَعُوْهُ رَاحَةً وَرَحْمَةً وَرَهْبَانِيَّةً** جس میں حق تعالیٰ نے اپنی نعمت کے اظہار کے سلسلے میں فرمایا کہ ہم نے ان کے دلوں میں رافت، رحمت، رہبانیت پیدا کر دی، نسق کلام بتلاتا ہے کہ جس طرح رافت و رحمت مذموم نہیں اسی طرح ان کی اختیار کردہ رہبانیت بھی اپنی ذات سے کوئی مذموم چیز نہ تھی ورنہ مقام امتنان میں رافت و رحمت کے ساتھ رہبانیت کا ذکر کرنے کی کوئی وجہ نہیں تھی، اسی لئے جن حضرات نے مطلقاً رہبانیت کو مذموم و ممنوع قرار دیا ان کو اس جگہ رہبانیت کے عطف میں غیر ضروری تاویل کرنا پڑی، کہ اس کو رافت و رحمت پر عطف نہیں مانا بلکہ ایک مستقل جملہ یہاں محذوف قرار دیا یعنی **اِبْتَدَعُوْهُ** (کما فعلا العسر طی) لیکن مذکورہ تفسیر پر اس تاویل کی کوئی ضرورت نہیں رہتی، آگے بھی قرآن کریم نے ان کے اس ابتداء پر کوئی نکیر اور رد نہیں فرمایا، بلکہ نکیر اس پر کی گئی کہ انہوں نے اس اختیار کردہ رہبانیت کو نبھایا نہیں، اس کے حقوق و شرائط کی رعایت نہیں کی، یہ بھی جب ہی ہو سکتا ہے کہ ابتداء کو لغوی معنی میں لیا جائے، شرعی اور اصطلاحی معنی ہوتے تو قرآن خود اس پر بھی نکیر کرتا، کیونکہ بدعت اصطلاحی خود ایک گمراہی ہے۔

اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی مذکورہ حدیث سے اور بھی یہ بات واضح ہو گئی کہ ترتیب اختیار کرنے والی جماعت کو نجات یافتہ جماعتوں میں شمار فرمایا، اگر یہ بدعت اصطلاحی کے مجرم ہوتے تو

نجات یافتہ میں شمار نہ ہوتے بلکہ گراہوں میں شمار کئے جاتے۔

کیا رہبانیت مطلقاً مذموم و ناجائز | صحیح بات یہ ہے کہ لفظ رہبانیت کا عام اطلاق ترک لذات و ترک مباحات ہے، یا اس میں کچھ تفصیل ہے؟ کے لئے ہوتا ہے، اس کے چند درجے ہیں، ایک یہ کہ کسی مباح و حلال چیز کو اعتقاد یا عملاً حرام قرار دے، یہ تو دین کی تحریت و تغیر ہے، اس معنی کے اعتبار سے رہبانیت قطعاً حرام ہے، اور آیت قرآن (يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَحْزَنْهُمْ مُوَاطَّئَتُ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكُمْ) اور اس کی امثال میں اسی کی ممانعت و حرمت کا بیان ہے، اس آیت کا عنوان لَا تَحْزَنْهُمْ مُوَاطَّئَتُ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكُمْ اس کی ممانعت اس لئے ہے کہ یہ اللہ کی حلال کی ہوئی چیز کو اعتقاداً یا عملاً حرام قرار دے رہا ہو جو احکامِ الہیہ میں تبدیل و تحریف کے مرادف ہے۔

دوسرا درجہ یہ ہے کہ مباح کے کرنے کو اعتقاداً یا عملاً حرام قرار نہیں دیتا، مگر کسی دنیوی یا دینی ضرورت کی وجہ سے اس کو چھوڑنے کی پابندی کرتا ہے، دنیوی ضرورت جیسے کسی بیماری کے خطرہ سے کسی مباح چیز سے پرہیز کرے، اور دینی ضرورت یہ کہ یہ محسوس کرے کہ میں نے اس مباح کو اختیار کیا تو انجامِ کار میں کسی گناہ میں مبتلا ہو جاؤں گا، جیسے جھوٹ، غیبت وغیرہ سے بچنے کے لئے کوئی آدمی لوگوں سے اختلاط ہی چھوڑ دے، یا کسی نفسانی رذیلہ کے علاج کے لئے چند روز بعض مباحات کو ترک کر دے اور اس ترک کی پابندی بطور علاج و دوا کے اس وقت تک کرے، جب تک یہ رذیلہ دور نہ ہو جائے، جیسے صوفیائے کرام مبتدی کو کم کھانے کم سونے، کم اختلاط کی تاکید کرتے ہیں کہ یہ ایک مجاہدہ ہوتا ہے نفس کو اعتدال پر لانے کا جب نفس پر قابو ہو جاتا ہے، کہ ناجائز تک پہنچنے کا خطرہ نہ رہے تو یہ پرہیز چھوڑ دیا جاتا ہے، یہ درحقیقت رہبانیت نہیں، تقویٰ ہے جو مطلوب فی الدین اور اسلافِ کرام صحابہ و تابعین اور ائمہ دین سے ثابت ہے۔

تیسرا درجہ یہ ہے کہ کسی مباح کو حرام تو قرار نہیں دیتا مگر اس کا استعمال جس طرح سنت سے ثابت ہو اس طرح کے استعمال کو بھی چھوڑنا ثواب اور افضل جان کر اس سے پرہیز کرتا ہے، یہ ایک قسم کا غلو ہے، جس سے احادیث کثیرہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے، اور جس حدیث میں لَا رَهْبَانِيَّةَ فِي الْأِسْلَامِ آیا ہے، یعنی اسلام میں رہبانیت نہیں، اس سے مراد ایسا ہی ترک مباحات ہے کہ ان کے ترک کو افضل و ثواب سمجھے، بنی اسرائیل میں جو رہبانیت اولیٰ شروع ہوئی وہ اگر حفاظتِ دین کی ضرورت سے تھی تو دوسری قسم یعنی تقویٰ میں داخل ہے، لیکن اہل کتاب میں غلو فی الدین کی آفت بہت تھی، وہ اس غلو میں پہلے درجہ میں تحریمِ حلال تک پہنچے تو حرام کے مرتکب ہوئے اور تیسرے درجہ تک پہنچے تو بھی ایک مذموم فعل کے مجرم بنے۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَآمِنُوا بِرَسُولِهِ يُؤْتِكُمْ كِفْلَيْنِ مِنْ رَحْمَتِهِ

اس آیت میں یَا یٰۤاَیُّہَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا سے مراد اہل کتاب ہیں جو عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لاتے، قرآن کریم کی عام عادت یہ ہے کہ اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کا لفظ صرف مسلمانوں کے لئے بولا جاتا ہے، یہود و نصاریٰ کیلئے اہل کتاب کا لفظ آتا ہے، کیونکہ صرف حضرت موسیٰ و عیسیٰ علیہما السلام پر ان کا ایمان کافی اور معتبر نہیں جب تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہ لائیں، اس لئے وہ اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کہلانے کے مستحق نہیں، مگر یہاں اس عام عادت کے خلاف یہ لفظ نصاریٰ کے لئے بولا گیا، شاید اس میں حکمت یہ ہو کہ آگے ان کو حکم کیا گیا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام پر صحیح ایمان لانے کا تقاضا یہ ہے کہ خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی ایمان لاؤ، اور جب وہ ایسا کر لیں تو اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کے خطاب کے مستحق ہو گئے۔

آگے اس تکمیل ایمان پر ان سے یہ وعدہ کیا گیا ہے کہ ان کو دوہرا اجر و ثواب ملے گا، ایک پہلے نبی حضرت موسیٰ یا عیسیٰ علیہما السلام پر ایمان لانے اور ان کی شریعت پر عمل کرنے کا اور دوسرا خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کا اور آپ کی شریعت پر عمل کرنے کا، اس میں اشارہ اس طرف ہے کہ اگرچہ یہود و نصاریٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہ لانے کے وقت تک کافر تھے اور کافر کی کوئی عبادت مقبول نہیں ہوتی، اس کا مقصد یہ تھا کہ پچھلی شریعت پر جو عمل کیا وہ سب اکارت ہو گیا، مگر اس آیت نے یہ بتلادیا کہ اہل کتاب کافر جب مسلمان ہو جائے تو زمانہ کفر کے کئے ہوئے نیک اعمال بھی پھر اس کے بحال کر دیئے جاتے ہیں، اس لئے دوہرا اجر ہو جاتا ہے۔

یٰۤاَیُّہَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اٰتِیْکُمْ اٰہْلُ الْکِتٰبٍ، اس میں لَآ زَادَہُ ہے، معنی یٰۤاَیُّہَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کے ہیں، اور مطلب آیت کا یہ ہے کہ مذکورہ صدر احکام اس لئے بیان کئے گئے تاکہ اہل کتاب سمجھ لیں کہ وہ اپنی موجودہ حالت میں کہ صرف حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر تو ایمان ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نہیں، اس حالت میں وہ اللہ کے کسی فضل کے مستحق نہیں جب تک حضرت خاتم الانبیاء پر ایمان نہ لے آئیں، واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

تمت سورۃ الحدید

بحمد اللہ تعالیٰ وعونہ للسادس والعشرين من الریح الشانی
یوم الاثنين بعد العشاء ویتلوه انشاء اللہ سورۃ المحبۃ دلتہ !!!

$$\frac{YA}{2}$$

تَوْعظُونَ بِهِ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ﴿۳﴾ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ

تم کو نصیحت ہوگی اور اللہ خبر رکھتا ہے جو کچھ تم کرتے ہو، پھر جو کوئی نہ پائے تو روزے میں

شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَتَمَاسَّ سَابِغَةً فَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَاطْعَامُ

دو مہینے کے لگاتار پہلے اس سے کہ آپس میں چھوئیں، پھر جو کوئی یہ نہ کر سکے تو کھانا دینا ہے

سِتِّينَ مَسْكِينًا ذَلِكَ لِيُتَوَدَّعُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَتِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ

ساتھ محتاجوں کا، یہ (حکم) اس واسطے کہ تابعدار ہو جائے اللہ کے اور اس کے رسول کے اور حدیں بنائی ہیں اللہ کی

وَاللَّكْفِيرِينَ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿۴﴾ إِنَّ الَّذِينَ يُحَادُّونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ

اور منکروں کی واسطے عذاب ہو دردناک، جو لوگ کہ مخالفت کرتے ہیں اللہ کی اور اس کے رسول کی وہ

كَبُرُوا كَمَا كُتِبَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَقَدْ أَنْزَلْنَا آيَاتٍ بَيِّنَاتٍ وَ

خوار ہوتے ہیں جیسے کہ خوار ہوئے وہ لوگ جو ان سے پہلے تھے، اور ہم نے اتاری ہیں آیتیں بہت صاف، اور

لِلَّكْفِيرِينَ عَذَابٌ مُهِينٌ ﴿۵﴾ يَوْمَ يَبْعَثُهُمُ اللَّهُ جَمِيعًا فَيُنَبِّئُهُم بِمَا

منکروں کے واسطے عذاب ہو ذلت کا، جس دن کہ اٹھائے گا اللہ ان سب کو پھر جنٹلائے گا انکو

عَمَلُوا أَحْصَاهُ اللَّهُ وَتَسْوَدُّ وَاللَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ ﴿۶﴾

ان کے کئے کا، اللہ نے وہ سب گن رکھے ہیں اور وہ بھول گئے اور اللہ کے سامنے ہے ہر چیز

سبب نزول

اس سورت کی ابتدائی آیات کے نزول کا سبب ایک خاص واقعہ ہے کہ حضرت اوس

بن القمامت نے ایک مرتبہ اپنی بیوی خولہ کو یہ کہہ دیا کہ اَسْتِ عَلٰی كُنْظَرِ امِّي تَوَمِرْ

حق میں ایسی ہے جیسے میری ماں کی پشت یعنی حرام ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے زمانہ جاہلیہ

میں یہ لفظ ابدی اور دائمی حرمت کے لئے بولے جاتے تھے، جو طلاق مغلطہ سے بھی زیادہ سخت ہے، حضرت

خولہؓ یہ واقعہ پیش آنے پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اس کا حکم شرعی معلوم کرنے کے لئے

حاضر ہوئیں، اس وقت تک اس خاص مسئلے کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر کوئی وحی نازل نہ ہوئی

تھی، اس لئے آپ نے قول مشہور کے موافق ان سے فرمایا مَا آذَانُكَ إِلَّا قَدْ حُرِّمَتْ عَلَيَّ يَعْنِي مِثْرِي رَأَيْتُ

میں تو تم اپنے شوہر پر حرام ہو گئیں، وہ یہ سنکر واویلا کرنے لگیں کہ میری جوانی سب اس شوہر کی خدمت میں

ختم ہو گئی، اب بڑھاپے میں انھوں نے مجھ سے یہ معاملہ کیا، میں کہاں جاؤں؟ میرا اور میرے بچوں کا گذارہ

کیسے ہوگا؟ اور ایک روایت میں ہے کہ خولہؓ نے یہ عرض کیا کہ مَا ذَكَرْتَ طَلَاقًا، یعنی میرے شوہر نے طلاق کا

تو نام بھی نہیں لیا تو پھر طلاق کیسے ہو گئی، اور ایک روایت میں ہے کہ خولہؓ نے اللہ تعالیٰ سے فریاد کی اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْکُوْا اِلَیْکَ، اور ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے خولہؓ سے یہ فرمایا مَا اَمَرْتُ فِیْ شَانِکَ بِشَیْءٍ حَتّٰی الْاُنَّ، یعنی ابھی تک تمھارے مسئلے کے متعلق مجھ پر کوئی حکم نازل نہیں ہوا (ان سب روایات میں کوئی تضاد و تعارض نہیں، سبھی اقوال صحیح ہو سکتے ہیں)، اس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں، کذا فی الدر المنثور و ابن کثیر اس لئے اس سورت کی ابتدائی آیات میں اس خاص مسئلے کا جس کا نام ظہار ہے حکم شرعی بیان فرمایا گیا، جس میں حق تعالیٰ نے حضرت خولہؓ کی فریاد سنی اور ان کے لئے آسانی فرمادی، ان کی وجہ سے حق تعالیٰ نے قرآن میں یہ مستقل احکام نازل فرمادیئے، اسی لئے حضرات صحابہ ان کا بڑا احترام کرتے تھے، ایک روز فاروق اعظمؓ ایک مجمع کے ساتھ چلے جا رہے تھے، یہ عورت خولہؓ سامنے آ کر کھڑی ہو گئیں، کچھ کہنا چاہتی تھیں حضرت عمرؓ نے راستہ میں ٹھہر کر ان کی بات سنی، بعض لوگوں نے کہا کہ آپ نے اس بڑبھیا کی خاطر اتنے بڑے مجمع کو روک رکھا، تو آپ نے فرمایا کہ خبر ہے یہ کون ہے؟ یہ وہ عورت ہے جس کی بات اللہ تعالیٰ نے سات آسمانوں کے اوپر سنی، میں کون تھا کہ ان کی بات کو ٹال دیتا، واللہ اگر یہ خود ہی رخصت نہ ہو جاتی تو میں رات تک ان کے ساتھ یہیں کھڑا رہتا (ابن کثیر)

خلاصہ تفسیر

بے شک اللہ تعالیٰ نے اس عورت کی بات سن لی جو آپ سے اپنے شوہر کے معاملے میں جھگڑتی تھی (مثلاً یہ کہتی تھی مَا ذَکَرْتَ لَاقًا، یعنی اُس نے طلاق کا صیغہ تو ذکر نہیں کیا پھر حرمت کیسے ہو گئی) اور (اپنے بچ و غم کی) اللہ تعالیٰ سے شکایت کرتی تھی (مثلاً یہ کہا تھا اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْکُوْا اِلَیْکَ) اور اللہ تعالیٰ تم دونوں کی گفتگو سن رہا تھا (اور) اللہ تعالیٰ (تو) سب کچھ سننے والا سب کچھ دیکھنے والا ہے تو اس کی بات کو کیسے نہ سنتا، اور قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ سے خدا تعالیٰ کا مقصود اپنے لئے سمع ثابت کرنا نہیں بلکہ عورت کی محلیف کو ختم کرنا اور اس کی عاجزی کو قبول کرنا ہے) تم میں جو لوگ اپنی بیبیوں سے ظہار کرتے ہیں (مثلاً یوں کہہ دیتے ہیں اَنْتِ عَلٰی کَظَرٍ اُمِّیْ) وہ (بیبیاں)، ان کی مائیں نہیں ہیں، ان کی مائیں تو بس وہی ہیں جنھوں نے ان کو جنما ہے (اس لئے یہ الفاظ کہنے سے یہ عورتیں ان کی مائیں نہیں ہو گئیں تاکہ ہمیشہ کی حرمت مثل ماں کے ثابت ہو جائے، اور کوئی دوسرا سبب بھی دائمی حرمت کا کسی دلیل سے متحقق نہیں، مثلاً تحریم نسب، رضاع یا مصاہرۃ وغیرہ، پس دائمی حرمت کی نفی ہو گئی) اور وہ لوگ (جو کہ بیبیوں کو ماں کہتے ہیں) بلاشبہ ایک نامعقول اور جھوٹ بات کہتے ہیں (اس لئے گناہ ضرور ہوگا) اور (اگر اس گناہ کا تدارک کر دیا جاوے تو وہ گناہ معاف بھی ہو جائے گا کیونکہ) یَقِیْنًا اللّٰهُ تعالیٰ معاف کر دینے والے بخش دینے والے ہیں اور (آگے اس تدارک کا بعض صورتوں کے اعتبار

سے بیان ہے کہ جو لوگ اپنی بیبیوں سے ظہار کرتے ہیں، پھر اپنی کہی ہوئی بات کے مقتضائے (جو تحریم زوجہ پر اتلائی کرنا چاہتے ہیں) یعنی بیبیوں سے نفع حاصل کرنا چاہتے ہیں، تو ان کے ذمہ ایک غلام یا لونڈی کا آزاد کرنا ہے قبل اس کے کہ دونوں (میاں بی بی) باہم اختلاط کریں (صحبت سے یا اسباب صحبت سے) اس (کفارہ کا حکم کرنے) سے تم کو نصیحت کی جاتی ہے (کفارہ سے علاوہ تکفیر سیئات کے یہ بھی نفع ہے کہ اس سے آئندہ کو تمہیں تنبیہ ہو جاوے گی) اور اللہ تعالیٰ کو تمہارے سب اعمال کی پوری خبر ہے (کہ کفارہ کے متعلق پوری بجا اور سی احکام کی کرتے ہو یا نہیں، پس کفارہ میں دو حکمتیں ہو گئیں، ایک گناہ کی معافی جس کی طرف اشارہ ہے *تَعْفُو عَفْوٌ* ہیں، دوسری زجر و تنبیہ جس کا *تَوْعِظُونَ* میں بیان ہے، اور یہ دوسری کھٹ بھی کفارہ کی تینوں قسموں میں ہے، لیکن غلام یا لونڈی آزاد کرنا چونکہ کفارہ کے اقسام میں ذکر مقدم ہے اس لئے اس کو اس کے ساتھ ذکر کر دیا گیا) پھر جس کو (غلام، لونڈی) میسر نہ ہو تو اس کے ذمہ پے پے (یعنی لگاتار) دو مہینے کے روزے ہیں قبل اس کے کہ دونوں (میاں بی بی) باہم اختلاط کریں پھر جس سے یہ بھی نہ ہو سکیں تو اس کے ذمہ ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا ہے، آگے اس حکم کا مثل دیگر احکام کے واجب التصدیق ہونا اس لئے بیان فرماتے ہیں کہ اس حکم کا مقصد قدیم رسم اور جاہلیت کے حکم کو توڑنا ہے، اس لئے اہتمام مناسب ہوا پس ارشاد ہوا کہ یہ حکم اس لئے (بیان کیا گیا) ہے تاکہ (اس حکم سے متعلق مصلحتوں کے حاصل کرنے کے علاوہ) اللہ اور رسول پر ایمان (بھی) لے آؤ (یعنی ان احکام میں ان کی تصدیق بھی کر دو کہ ایمان سے متعلق مصالح بھی حاصل ہوں) اور آگے مزید تاکید کے لئے ارشاد ہے کہ یہ اللہ کی حدیں (باندھی ہوئی) ہیں (یعنی خداوندی ضابطے ہیں) اور کافروں کے لئے (جو کہ ان احکام کی تصدیق نہیں کرتے بالخصوص) سخت دردناک عذاب ہوگا (اور مطلق عذاب عمل میں خلل ڈالنے والے کو بھی ہو سکتا ہے، اور کچھ اسی حکم کی تخصیص نہیں بلکہ) جو لوگ اللہ اور رسول کی مخالفت کرتے ہیں (خواہ کسی حکم میں کریں جیسے کفارہ) وہ (دنیا میں بھی) ایسے ذلیل ہوں گے جیسے ان سے پہلے لوگ ذلیل ہوئے (چنانچہ کئی غزوات میں اُس کا وقوع ہوا) اور (سزا کیسے نہ ہو کیونکہ) ہم نے کھلے کھلے احکام (جن کی صحت اعجاز آیات سے ثابت ہے) نازل کئے ہیں (تو ان کا انکار لا محالہ موجب سزا ہوگا اور یہ سزا تو دنیا میں ہوگی) اور کافروں کو (آخرت میں بھی) ذلت کا عذاب ہوگا (اور آگے اس عذاب کا وقت بتلاتے ہیں کہ یہ اس روز ہوگا) جس روز ان سب کو اللہ تعالیٰ دوبارہ زندہ کرے گا پھر ان سب کا کیا ہوا ان کو بتلا دیگا (کیونکہ) اللہ تعالیٰ نے وہ محفوظ کر رکھا ہے اور یہ لوگ اس کو بھول گئے ہیں (خواہ حقیقت یا باعتبار بے فکری و بے التفاتی کے) اور اللہ ہر چیز پر مطلع ہے (خواہ ان کے اعمال ہوں یا اور کچھ)۔

معارف و مسائل

قَدْ نَبِّئَ اللَّهُ الْآيَةَ، ان آیات کا سبب نزول جو اوپر بیان ہو چکا ہے اس میں یہ بتلایا گیا ہے کہ یہ عورت جس کا ذکر اس آیت میں ہے وہ حضرت اوس ابن الصامت کی بیوی خولہ بنت ثعلبہ ہیں، جن کے شوہر نے ان سے ظہار کر لیا تھا، اور یہ اس کی شکایت کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔

حق تعالیٰ نے اس کو یہ عزت بخشی کہ اس کے جواب میں قرآن کی یہ آیات نازل ہوئیں اور ان میں صرف ظہار کا حکم شرعی اور اس کی تکلیف دور کرنے کا انتظام ہی نہیں فرمایا، بلکہ اس کی دلدراری کے لئے شروع کلام میں فرمادیا کہ ہم اس عورت کی باتیں سن رہے تھے، جو اپنے شوہر کے معاملہ میں آپ سے مجادلہ کر رہی تھی، مجادلہ سے مراد وہ جھگڑا جس سے مراد ایک مرتبہ جواب دیدینے کے باوجود اپنی تکلیف کو بار بار بیان کر کے آپ کو متوجہ کرنا ہے، اور بعض روایات میں یہ بھی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اُن کو یہ جواب دیا کہ تمہارے معاملہ میں مجھ پر کوئی حکم اللہ کا نازل نہیں ہوا تو اس پر غم زدہ کی زبان سے یہ نکلا کہ یوں تو آپ پر ہر چیز کے حکم نازل ہوتے رہتے ہیں میرے بارے میں کیا ہوا کہ وحی بھی رک گئی؟ (عسطلی) اور اللہ تعالیٰ سے فریاد شروع کی وَتَشْتَكِي إِلَى اللَّهِ اس پر حق تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

حضرت صدیقہ عائشہؓ فرماتی ہیں پاک ہر وہ ذات جس کا سماع تمام آوازوں کو محیط ہے، ہر ایک کی آواز سناتا ہے میں اُس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس موجود تھی، جب خولہ بنت ثعلبہؓ اپنے شوہر کی شکایت بیان کر رہی تھیں، مگر اتنے قریب ہونے کے باوجود ان کی بعض باتیں نہ سن سکی تھی، مگر حق تعالیٰ نے اُن سب کو سنا اور فرمایا قَدْ سَمِعَ اللَّهُ (بخاری، ابن کثیر)

الَّذِينَ يُظْهِرُونَ مِنْكُمْ مِّنْ نِّسَائِهِمْ، يُظَاهِرُونَ، ظہار بکسر ظاء سے مشتق ہے جو بیوی کو اپنے اوپر حرام کر لینے کی ایک خاص صورت کے لئے بولا جاتا ہے اور زمانہ اسلام سے پہلے رائج و معروف ہے، وہ صورت یہ ہے کہ شوہر اپنی بیوی کو یہ کہہ دے اَنْتِ عَلَيَّ كَظَرٍ اُتَى، یعنی تو مجھ پر ایسی حرام ہے جیسے میری ماں کی پشت، اس موقع پر پشت کا ذکر شاید بطور کنایہ کے ہے، کہ اصل مراد تو بطن تھا ذکر پشت کا کر دیا رکما ذکرہ (العسطلی)

ظہار کی تعریف اصطلاح شرع میں ظہار کی تعریف یہ ہے کہ اپنی بیوی کو اپنی محرماتِ ابدیہ، ماں بہن اور حکم شرعی بیٹی وغیرہ کے کسی ایسے عضو سے تشبیہ دینا جس کو دیکھنا اس کے لئے جائز نہیں، ماں کی پشت بھی اس کی ایک مثال ہے، زمانہ جاہلیت میں یہ لفظ دائمی حرمت کے لئے بولا جاتا تھا، اور طلاق کے لفظ سے بھی زیادہ شدید سمجھا جاتا تھا، کیونکہ طلاق کے بعد تو رجعت یا نکاح جدید ہو کر

پھر بیوی بن سکتی ہے مگر ظہار کی صورت میں رسم جاہلیت کے مطابق اُن کے آپس میں میاں بیوی ہو کر رہنے کی قطعی کوئی صورت نہ تھی۔

آیات مذکورہ کے ذریعہ شریعت اسلامیہ نے اس رسم کی اصلاح دو طرح فرمائی، اول تو خود اس رسم ظہار کو ناجائز و گناہ قرار دیا، کہ جس کو بیوی سے علیحدگی اختیار کرنا ہے اس کا طریقہ طلاق ہے اس کو اختیار کرے، ظہار کو اس کام کے لئے استعمال نہ کرے کیونکہ یہ ایک لغو اور جھوٹا کلام ہے کہ بیوی کو مال کہہ دیا، قرآن کریم نے فرمایا يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ إِنَّكُمْ أَنْفُسَكُمْ، یعنی اُن کے اس بیہودہ کلام کی وجہ سے بیوی ماں نہیں بن جاتی، ماں تو وہی ہے جس کے بطن سے پیدا ہوا ہے، پھر فرمایا وَالَّذِينَ آمَنُوا لَا يَقُولُوا مِثْلَ الْقَوْلِ الَّذِي قِيلَ لَهُمْ، یعنی اُن کا یہ قول جھوٹ بھی ہے کہ خلاف واقع بیوی کو ماں کہہ رہا ہے اور منکر یعنی گناہ بھی ہے۔

دوسری اصلاح یہ فرمائی کہ اگر کوئی نادانقت جاہل یا احکام دین سے غافل آدمی ایسا کر ہی بیٹھے تو اس لفظ سے حرمت ابدی شریعت اسلام میں نہیں ہوتی، لیکن اس کو کھلی چھٹی بھی نہیں دیجائی کہ ایسا لفظ کہنے کے بعد پھر بیوی سے پہلے کی طرح اختلاط و انتفاع کرتا رہے، بلکہ اس پر ایک جبرانہ کفارہ کا لگایا گیا، کہ اگر پھر یہ اپنی بیوی سے رجوع ہونا چاہتا ہے اور سابق کی طرح بیوی سے انتفاع چاہتا ہے تو کفارہ ادا کر کے اپنے اس گناہ کی تلافی کرے، بغیر کفارہ ادا کئے بیوی حلال نہ ہوگی، اگلی آیت میں وَالَّذِينَ يُلَظِّمُونَ مِن نِّسَاءٍ هُمْ شَرٌّ لِّعَوْدُونَ لِمَا قَالُوا کا یہی مطلب ہے، يَعُوْدُونَ لِمَا قَالُوا میں حرف لام کو عن کے معنی میں لیا گیا، یعنی رجوع کرتے ہیں وہ اپنے قول سے اور حضرت ابن عباسؓ سے يَعُوْدُونَ کی تفسیر بلفظ يَعُوْدُونَ بھی منقول ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ یہ قول کہنے کے بعد وہ اپنے قول پر نادم ہو جائیں اور پھر بیوی سے اختلاط کرنا چاہیں (منظری)

اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کفارہ کا وجوب بیوی کے ساتھ اختلاط حلال ہونے کی غرض سے ہے اس کے بغیر حلال نہیں، خود ظہار اس کفارہ کی علت نہیں، بلکہ ظہار کرنا ایک گناہ ہے جس کا کفارہ توبہ و استغفار ہے، جس کی طرف آیت کے آخر میں وَارْتَدَّ اللَّهُ تَعَفُّوْهُ سے اشارہ کر دیا گیا ہے، اس لئے اگر کوئی شخص ظہار کر بیٹھے اور اب بیوی سے اختلاط نہیں رکھنا چاہتا تو کوئی کفارہ لازم نہیں، البتہ بیوی کی حق تلفی ناجائز ہے، اگر وہ مطالبہ کرے تو کفارہ ادا کر کے اختلاط کرنا یا پھر طلاق دے کر آزاد کرنا واجب ہے، اگر یہ شخص خود نہ کرے تو بیوی حاکم اسلام کی طرف مراجعت کر کے شوہر کو اس پر مجبور کر سکتی ہے، یہ سب مسائل کتب فقہ میں مفصل لکھے گئے ہیں۔

فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ، یعنی کفارہ ظہار کا یہ ہے کہ ایک غلام یا لونڈی آزاد کرے، اگر اس پر قدرت نہ ہو تو دو چہینے کے لگاتار مسلسل روزے رکھے، اور کسی بیماری یا صنعت کے

سبب اتنے روزوں پر بھی قدرت نہ ہو تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے، یعنی دونوں وقت پیٹ بھرانی کھانا ساٹھ مسکینوں کو کھلا دے، اور کھانا کھلانے کے قائم مقام یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ساٹھ مسکینوں کو فی کس ایک فطرہ کی مقدار گندم یا اس کی قیمت دیدے، فطرہ کی مقدار ہمارے موجودہ وزن کے اعتبار سے پودوسہ گندم ہیں اس کی قیمت بھی دی جاسکتی ہے۔

ظہار سے متعلق احکام اور اس کے کفارہ کے مفصل مسائل کتب فقہ میں دیکھے جاسکتے ہیں۔
حدیث میں ہے کہ حضرت خولہ بنت ثعلبہؓ کی وادیا اور فریاد پر جب آیات مذکورہ اور کفارہ ظہار کے احکام نازل ہوئے اور شوہر سے دائمی مفارقت و حرمت سے بچنے کا راستہ نکل آیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے شوہر کو بلایا، دیکھا کہ ضعیف البصر بوڑھا آدمی ہے، آپ نے اس کو نازل شدہ آیات اور کفارہ کا حکم سنایا کہ ایک غلام یا لونڈی آزاد کردہ، اس نے کہا کہ یہ میری قدرت میں نہیں کہ غلام خرید کر آزاد کرو آپ نے فرمایا کہ پھر دو مہینے کے مسلسل روزے رکھو، اس نے کہا کہ قسم ہے اُس ذات کی جس نے آپؐ کو برحق بنایا، میری حالت یہ ہے کہ اگر دن میں دو تین مرتبہ کھانا نہ کھاؤں تو میری نگاہ بالکل ہی جاتی رہتی ہے، آپ نے فرمایا کہ پھر ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلاؤ، اس نے عرض کیا کہ یہ بھی میری قدرت میں نہیں مجسز اس کے کہ آپ ہی کچھ مدد کریں، آپ نے اس کو کچھ غلہ عطا فرمایا، پھر کچھ دوسرے لوگوں نے جمع کر دیا اس طرح ساٹھ مسکینوں کو فطرے کی مقدار دے کر کفارہ ادا ہو گیا (ابن کثیر)

ذَٰلِكَ لِقَاءُ إِيَّتِي أَتَى اللَّهُ وَلَٰكِنْ حُذِرَ اللَّهُ وَرِثَ اللَّهُ عَذَابُ الْجَحِيمِ ۝
اس آیت میں لِقَاءُ مَنُوراً فرمایا اور مراد ایمان سے شرائع و احکام پر عمل کرنا ہے، اور پھر فرمایا کہ یہ کفارہ وغیرہ کے احکام اللہ کی مقرر کردہ حدود ہیں، ان سے تجاوز کرنا حرام ہے، اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ اسلام نے نکاح، طلاق، ظہار اور دوسرے سب معاملات میں جاہلیت کی رسوم کو مٹا کر ان کی جگہ معتدل اور صحیح طریقوں کی تعلیم دی ہے، تم اس پر قائم رہو اور جو لوگ ان حدود شرعیہ کے منکر اور کافر ہیں ان کو دردناک سزا ملے گی، اِنَّ الَّذِیْنَ یُعَادُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ کَیۡتُوۡا کَمَا کُیۡتَ الَّذِیۡنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۝
سابقہ آیت میں حدود اللہ اور شریعت اسلام کے احکام کی پابندی کی تاکید کی تھی، اس میں ان لوگوں پر وعید ہے جو حدود اللہ کے مخالف اور منکر ہیں، اس وعید میں اُن کے لئے دنیا میں بھی انجام کار ذلت و خواری اور ان کے کفریہ عزائم کی ناکامی کا بیان ہوا اور آخرت میں عذاب الیم کا۔

اَخْصَنۡهُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ ۝
اس پر تنبیہ ہے کہ غافل انسان دنیا میں گناہ اور فسق و فجور کے کام کرتا رہتا ہے جو اس کو یاد بھی نہیں رہتے اور بھولنے کا سبب دراصل یہ ہوتا ہے کہ وہ اس کام کو کوئی اہمیت نہیں دیتے اس لئے وہ بھی نہیں رہتا، وہ سب اللہ تعالیٰ کے پاس لکھے ہوئے ہیں، یہ تو کر کے بھول گئے، مگر اللہ تعالیٰ کو سب یاد ہیں سب پر محاسبہ اور عذاب ہو گا۔

أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ مَا يَكُونُ مِنْ

تو نے نہیں دیکھا کہ اللہ کو معلوم ہے جو کچھ ہر آسمانوں میں اور جو کچھ ہر زمین میں، کہیں نہیں ہوتا

نَجْوَى ثَلَاثَةٍ إِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ وَلَا خَمْسَةٍ إِلَّا هُوَ سَادِسُهُمْ وَلَا

مشرکہ تین کا جہاں وہ نہیں ہوتا ان میں چوتھا اور نہ پانچ کا جہاں وہ نہیں ہوتا ان میں چھٹا اور نہ

أَدْنَى مِنْ ذَلِكَ وَلَا أَكْثَرَ إِلَّا هُوَ مَعَهُمْ آيِنَ مَا كَانُوا بِهِ يَنْبِئُهُمْ

اس سے کم اور نہ زیادہ جہاں وہ نہیں ہوتا ان کے ساتھ جہاں کہیں ہوں، پھر چلا دے گا ان کو

بِمَا عَمِلُوا يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِنَّ اللَّهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ① أَلَمْ تَرَ إِلَى

جو کچھ انہوں نے کیا قیامت کے دن، بیشک اللہ کو معلوم ہے ہر چیز، تو نے نہ دیکھا اُن

الَّذِينَ نَهَوْا عَنِ النَّجْوَى ثُمَّ يَعُودُونَ لِمَا نَهَوْا عَنْهُ وَيَتَنَجَّوْنَ

لوگوں کو جن کو منع ہوئی کانا پھوسی پھر بھی وہی کرتے ہیں جو منع ہو چکا ہے اور کانیں باتیں کرتے ہیں

بِالْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَمَعْصِيَتِ الرَّسُولِ وَإِذَا جَاءُوكَ حَيَّوْكَ

گناہ کی اور زیادتی کی اور رسول کی نافرمانی کی اور جب آئیں تیری پاس تجھ کو وہ دعا دیں

بِمَا لَمْ يُحْيِكَ بِهِ اللَّهُ لَوِيقُولُونَ فِي أَنْفُسِهِمْ لَوْلَا يُعَذِّبُنَا اللَّهُ

جو دعا نہیں دی تجھ کو اللہ نے اور کہتے ہیں اپنے دل میں کیوں نہیں عذاب کرتا ہم کو اللہ اس پر

بِمَا نَقُولُ حَسْبُهُمْ جَهَنَّمُ يَصْلَوْنَهَا فَبِئْسَ الْمَصِيرُ ② يَا أَيُّهَا

جو ہم کہتے ہیں کافی ہے ان کو دوزخ داخل ہوں گے اس میں سو بڑی جگہ پہنچے، اے ایمان

الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا تَنَاجَيْتُمْ فَلَا تَتَنَاجَوْا بِالْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَ

والوجہ ہم بات کردکان میں تو مت کرو بات گناہ کی اور زیادتی کی اور

مَعْصِيَتِ الرَّسُولِ وَتَنَاجَوْا بِالْبِرِّ وَالتَّقْوَى وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي

رسول کی نافرمانی کی اور بات کرد احسان کی اور پرہیزگاری کی اور ڈرتے رہو اللہ سے جس

إِلَيْهِ تُحْشَرُونَ ③ إِنَّمَا النَّجْوَى مِنَ الشَّيْطَانِ لِيَحْزَنَ الَّذِينَ

کے پاس تم کو جمع ہونا ہے، یہ جو ہے کانا پھوسی سو شیطان کا کام ہے تاکہ دلگیر کرے

اٰمَنُوْا وَلَيْسَ بِصَارِہِمۡ شَیْءٌ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰہِ وَعَلٰی اللّٰہِ فَلَیَتَوَكَّلِ

ایمان والوں کو اور وہ اُن کا کچھ نہ بگاڑے گا بدون اللہ کے حکم کے اور اللہ پر چاہئے کہ

اَلْمُؤْمِنُوْنَ ۱۰ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اِذَا قِیْلَ بِکُمْ تَفْسَحُوْا فِی

بھروسہ کریں ایمان والے ، اے ایمان والو جب کوئی تم کو کہے کہ کھل کر بیٹھو مجلسوں

اَلْمَجٰلِسِ فَاَفْسَحُوْا فِیْہِ اللّٰہُ لَکُمْ ۚ وَاِذَا قِیْلَ اَنْشُرُوْا فَاَنْشُرُوْا

میں تو کھل جاؤ اللہ شادگی دے تم کو ، اور جب کوئی کہے کہ اُٹھ کھڑے ہو تو اُٹھ کھڑے ہو

یَرْفَعُ اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْکُمْ ۖ وَالَّذِیْنَ اٰوْتُوْا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ ط

اللہ بلند کرے گا اُن کے لئے جو کہ ایمان رکھتے ہیں تم میں سے اور علم اُن کے درجے ،

وَاللّٰہُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرٌ ۱۱ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اِذَا نَادٰیٰکُمْ

اور اللہ کو خبر ہے جو کچھ تم کرتے ہو ، اے ایمان والو جب تم کان میں بات کہنا چاہو

الرَّسُوْلُ فَقَدْ مَّوٰبِقَیْنِیْدٰی نَجُوْکُمْ صَدَقَۃٌ ۚ ذٰلِکَ خَبِیْرٌ

رسول سے تو آگے بھیج لو اپنی بات کہنے سے پہلے خیرات ، یہ بہتر ہے تمہارے ،

لَکُمْ وَاَطٰہَرُ ط فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فَاِنَ اللّٰہُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۱۲ ؕ اَسْفَقْتُمْ

حق میں اور بہت ستمرا ، پھر اگر نہ پاؤ تو اللہ بخشنے والا ہر بان ہے ، کیا تم ڈر گئے

اَنْ تُقِلَّ مَّوٰبِقَیْنِیْدٰی نَجُوْکُمْ صَدَقَۃٌ ط فَاِذَا لَمْ تَفْعَلُوْا وَتَابَ

کہ آگے بھیجا کرو کان کی بات سے پہلے خیراتیں سوجب تم نے نہ کیا اور اللہ نے

اللّٰہُ عَلَیْکُمْ فَاَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَآتُوا الزَّکٰوۃَ وَاطِیْعُوا اللّٰہَ وَرَسُوْلَہُ ط

معاف کر دیا تم کو تو اب تم قائم رکھو نماز اور دیتے رہو زکوٰۃ اور حکم پر چلو اللہ اور اس کے رسول کے

وَاللّٰہُ خَبِیْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۱۳

اور اللہ کو خبر ہے جو کچھ تم کرتے ہو ،

شان نزول | اسباب نزول ان آیات کے چند واقعات ہیں ، اول یہود اور مسلمانوں میں صلح تھی ،

لیکن یہود جب کسی مسلمان کو دیکھتے تو اس کے خیالات پریشان کرنے کے لئے آپس میں سرگوشی

کرنے لگے، وہ مسلمان سمجھا کہ میرے خلاف کوئی سازش کر رہے ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود کو اس سے منع فرمایا مگر وہ باز نہ آئے، اس پر آیت اَلَمْ تَرَ اِلٰی الَّذِیْنَ نَهَوْا عَنِ الْيَحْيٰی النَّازِلِ ہوئی۔

دوم: اسی طرح منافقین بھی باہم سرگوشی کیا کرتے اس پر آیت اِذَا تَنَاجَوْا فَلَا تَنَاجَوْا الْیٰۤاۤا اور آیت اِنَّمَا الْیٰۤاۤا النَّازِلِ ہوئی، سوم: یہود آپ کے حضور میں آتے تو براہ شرارت بجائے اَلَسَّلَامُ عَلَیْکُمْ کہنے کے اَلَسَّلَامُ عَلَیْکُمْ کہتے، سام: بمعنی موت کے ہیں، چہارم منافقین بھی اسی طرح کہتے ان دونوں واقعوں پر وَ اِذَا جَاہِزٌ مِّنْکُمْ فَیَنْوَلِّ الْیٰۤاۤا النَّازِلِ ہوا، اور ابن کثیر نے امام احمد کی روایت سے یہ بھی نقل کیا ہے کہ یہود اس طرح سلام کر کے خفیہ کہتے لَوْ لَا یُعَذِّبُنَا اللّٰهُ بِمَا نَفْعُوْا، یعنی اگر ہم نے یہ گناہ کیا ہے تو ہم پر عذاب کیوں نہیں آتا، پنجم ایک بار آپ صفہ مسجد میں تشریف رکھتے تھے اور مجلس میں مجمع زیادہ تھا، چند صحابہ جو غزوہ بدر کے شرکار میں سے تھے آئے تو ان کو کہیں جگہ نہ ملی، اور نہ اہل مجلس نے ایسا کیا کہ مل کر بیٹھ جاتے جس سے جگہ کھل جاتی، آپ نے جب دیکھا تو بعض آدمیوں کو مجلس سے اٹھنے کے لئے فرمادیا، منافقین نے طعن کیا کہ یہ کونسی انصاف کی بات ہے، اور آپ نے یہ بھی فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس شخص پر رحم کرے جو اپنے بھائی کے لئے جگہ کھول دے، سولوگوں نے جگہ کھول دی، اس پر آیت یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اِذَا قِیْلَ لَکُمْ تَفْشَوْا الْیٰۤاۤا النَّازِلِ ہوئی، رواہ ابن کثیر عن ابی حاتم، مجموعہ اجزاء روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ اول آپ نے جگہ کھولنے کے لئے فرمایا ہوگا، بعضوں نے تو جگہ کھول دی، جو کافی نہ ہوئی ہوگی، اور بعضوں نے جگہ نہیں کھولی، آپ نے تادیباً جیسے مدارس کے طلبہ میں ہوتا ہے اُن کو اٹھ جانے کے لئے فرمایا جو کہ منافقین کو ناگوار ہوا۔

ششم بعض اغنیاء حضور کی خدمت میں حاضر ہو کر بڑی دیر تک آپ سے سرگوشی کیا کرتے اور فقرا کو استفادہ کا وقت کم ملتا، آپ کو ان لوگوں کا دیر تک بیٹھنا اور دیر تک سرگوشی کرنا ناگوار گذرتا اس پر آیت اِذَا تَنَاجَوْا فَیَنْوَلِّ الْیٰۤاۤا النَّازِلِ ہوئی، فتح البیان میں زید بن اسلم سے بلا سند نقل کیا ہے کہ یہود و منافقین بلا ضرورت آپ سے سرگوشیاں کرتے، مسلمانوں کو اس خیال سے کہ شاید کسی نقصان دہ بات کی سرگوشی ہو ناگوار گذرتا، اس پر اُن کو منع کیا گیا، جس کا ذکر آیت نَهَوْا عَنِ الْیٰۤاۤا میں ہے، مگر جب وہ باز نہ آئے تو یہ محکم نازل ہوا اِذَا تَنَاجَوْا فَیَنْوَلِّ الْیٰۤاۤا النَّازِلِ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اہل باطل اس سرگوشی سے رُک گئے، کیونکہ حب مال کی وجہ سے صدقہ اُن کو گوارا نہ تھا۔

ہفتم جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سرگوشی کرنے سے پہلے صدقہ دیے کا حکم ہوا تو بہت سے آدمی ضروری بات کرنے سے بھی رُک گئے، اس پر آیت وَ اَشْفَقْتُمْ نازل ہوئی، حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ صدقہ دینے کے حکم میں پہلے سے بھی قٰیْلَ لَمْ تَحِبُّوْا دین ناداروں کو رخصت دیدی گئی تھی، لیکن بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ نہ تو بالکل نادار ہوتے ہیں اور نہ پورے صاحب ثروت ہوتے ہیں گو صاحب نصاب ہوں، غالباً ایسے لوگوں کو تنگی پیش آتی ہوگی کہ کم سستی

کی وجہ سے تو خرچ کرنا شاق ہوا اور اپنی ناداری میں بھی شبہ ہوا، اس لئے نہ صدقہ دے سکے اور نہ اپنے کو محلِ رخصت سمجھا، اور سرگوشی کرنا کوئی عبادت نہ تھی کہ اس کا چھوڑنا ملامت کا سبب ہو سکے، اس لئے اس سے ترک گئے، (الروایات کلمانی الدر المنثور) ان اسباب نزول سے فہم تفسیر میں اعانت و سہولت ہوگی (از بیان ہفت قرآن)

خلاصہ تفسیر

کیا آپ نے اس پر نظر نہیں فرمائی (مطلب اوروں کو سنانا ہی جو ممنوع کی ہوئی سرگوشی سے باز نہ آتے تھے) کہ اللہ تعالیٰ سب کچھ جانتا ہے جو آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے (اور اسی میں ان کی تاجی یعنی سرگوشی بھی داخل ہے پس) کوئی سرگوشی تین آدمیوں کی ایسی نہیں ہوتی جس میں چوتھا وہ (یعنی اللہ تعالیٰ) نہ ہو اور نہ پانچ کی (سرگوشی) ہوتی ہے جس میں چھٹا وہ نہ ہو اور نہ اس (عدد) سے کم (میں ہوتی ہے جیسے دو یا چار آدمیوں میں) اور نہ اس سے زیادہ (میں ہوتی ہے، جیسے چھ سات یا زیادہ آدمیوں میں) مگر وہ (ہر حالت میں) اُن لوگوں کے ساتھ ہوتا ہے، (خواہ) وہ لوگ کہیں بھی ہوں، پھر ان (سب) کو قیامت کے روز اُن کے کئے ہوئے کام بتلا دئے گا، بے شک اللہ تعالیٰ کو ہر بات کی پوری خبر ہے (اس آیت کا مضمون بعنوان کلی اگلے مضامین جزئیہ کی تہمید ہے) یعنی یہ ایذا مسلمین کے لئے باطل سرگوشی کرنے والے خدا سے ڈرتے نہیں کہ خدا کو سب خبر ہے اور ان کو سزا دے گا، آگے وہ جزئی مضامین ہیں، یعنی کیا آپ نے ان لوگوں پر نظر نہیں فرمائی جن کو سرگوشی سے منع کر دیا گیا تھا (مگر) پھر (بھی) وہ وہی کام کرتے ہیں، جس سے اُن کو منع کر دیا گیا تھا اور گناہ اور ظلم اور رسول کی نافرمانی کی سرگوشیاں کرتے ہیں (یعنی ایسی سرگوشی کرتے ہیں جس میں بوجہ مہنی عنہ ہونے کے خود بھی گناہ ہے اور مسلمانوں کو غمگین کرنے کی وجہ سے عدوان یعنی ظلم بھی ہے، اور بوجہ اس کے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم منع فرما چکے تھے رسول کی نافرمانی بھی ہر جیسا واقعہ اول اور دوم میں بیان ہوا) اور وہ لوگ (ایسے ہیں کہ) جب آپ کے پاس آتے ہیں تو آپ کو ایسے لفظ سے سلام کرتے ہیں جس سے اللہ نے آپ کو سلام نہیں فرمایا (یعنی اللہ تعالیٰ کے الفاظ تو یہ ہیں **سَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِينَ، سَلَامٌ عَلَى عِبَادِهِ الَّذِينَ اصْطَفَى، صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا**، اور وہ کہتے ہیں **اَلْسَامُ عَلَيْكَ**) اور اپنے جی میں (یا اپنے آپس میں) کہتے ہیں کہ (اگر یہ پیغمبر ہیں تو) اللہ تعالیٰ ہم کو ہمارے اس کہنے پر (جس میں سراسر آپ کی بے ادبی ہے) سزا (فوراً) کیوں نہیں دیتا (جیسا واقعہ سوم و چہارم میں گذرا، آگے ان کے اس فعل کی وعید اور اس قول کا جواب ہی کہ جلدی عذاب بعض حکمتوں کے سبب نہ آنے سے مطلقاً عذاب نہ دینا لازم نہیں آتا) اُن (کی سزا)

کے لئے جہنم کافی ہے اس میں یہ لوگ (ضرور) داخل ہوں گے سو وہ بُرا ٹھکانہ ہے (آگے ایمان والوں کو خطاب ہے جس سے منافقین کے ساتھ مشابہت کرنے سے ان کو بھی ممانعت کی گئی ہے اور منافقین کو بھی سنانا منظور ہے کہ تم تو مدعی ایمان کے ہو تو مقتضائے ایمان پر عمل کر دے اور ارشاد ہے کہ) اور ایمان والوں کو جب تم (کسی ضرورت سے) سرگوشی کرو تو گناہ اور زیادتی اور رسول کی نافرمانی کی سرگوشیاں مت کرو (تفسیر ان الفاظ کی ابھی گزری ہے) اور نفع رسانی اور پرہیزگاری کی باتوں کی سرگوشیاں کرو (بترعدوان کا مقابل ہے، اس سے مراد وہ نفع ہے جو دوسروں تک پہنچے، اور تقویٰ، آتم اور معصیت الرسول یعنی رسول کی نافرمانی کا مقابل ہے) اور اللہ سے ڈرو جس کے پاس تم سب جمع کئے جاؤ گے، ایسی سرگوشی محض شیطان کی طرف سے (یعنی اس کے بہکانے سے) ہے تاکہ مسلمانوں کو بچ میں ڈالے (جیسا واقعہ اول میں بیان ہوا) اور (آگے اُن مسلمانوں کی تسلی ہے کہ رنجیدہ نہ ہو اکریں، کیونکہ) وہ (شیطان) بدون خدا کے ارادہ کے ان (مسلمانوں) کو کچھ ضرر نہیں پہنچا سکتا (مطلب یہ کہ اگر بالعرض وہ شیطان کے بہکانے سے تمہارے خلاف ہی کوئی تدبیر کر رہے ہیں تب بھی وہ ضرر بغیر مشیت ازلہ کے تم کو نہیں پہنچ سکتا پھر کیوں فکر میں پڑتے ہو) اور مسلمانوں کو (ہر امر میں) اللہ ہی پر توکل کرنا چاہئے (آگے واقعہ پنجم کے متعلق حکم ہے، یعنی مجلس میں کچھ لوگ بعد میں آجائیں تو اُن کے لئے جگہ کھولنے کا حکم ہے کہ) اے ایمان والو! جب تم سے کہا جاوے (یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمادیں یا اولی الامر یا واجب الاطاعت لوگوں میں سے کوئی کہے) کہ مجلس میں جگہ کھول دو (جس میں آنے والے کو بھی جگہ مل جاوے) تو تم جگہ کھول دیا کرو (اور آنے والے کو جگہ دیدیا کرو) اللہ تعالیٰ تم کو (رحمت میں) کھلی جگہ دے گا اور جب (کسی ضرورت سے) یہ کہا جاوے کہ (مجلس سے) اٹھ کھڑے ہو تو اٹھ کھڑے ہو اگر وہ (خواہ اٹھنے کے لئے اس غرض سے کہا جاوے کہ آنے والے کے لئے جگہ کھل جاوے اور خواہ اس وجہ سے کہا جاوے کہ صدر مجلس کو اُس وقت کسی مصلحت، مشورۃ خاص یا کسی ضرورت آرام یا عبادت وغیرہ سے تنہائی کی ضرورت ہو جو بغیر تنہائی کے مطلقاً حاصل نہ ہو سکیں یا کامل نہ ہو سکیں، پس صدر مجلس کے کھڑے ہونے کے حکم سے اٹھ جانا چاہئے، اور یہ حکم غیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بھی عام ہے، کذا فی الروح، پس صاحب مجلس کو ضرورت کے وقت اس کی اجازت ہے کہ کسی شخص کو اٹھ جانے کے لئے کہہ دے، البتہ آنے والے کو نہ چاہئے کہ کسی کو اٹھا کر اس کی جگہ بیٹھ جائے، جیسا کہ حدیث میں ہے، (رواہ الشیخان) غرض حکم یہ دیا گیا کہ صدر مجلس کے کہنے سے اٹھ جایا کرو) اللہ تعالیٰ اس حکم کی اطاعت سے (تم میں ایمان والوں کے اور ایمان والوں میں) اُن لوگوں کے (اور زیادہ) جن کو علم (دین) عطا ہوا ہے (آخر دی ادرجے بلند کر دے گا) یعنی اس حکم کو بجالانے والوں کی تین قسمیں ہیں، ایک کفار جو کسی مصلحت دنیویہ سے مان لیں جیسے منافقین وہ تو لفظ منکم کی بناء پر اس وعدہ سے خارج ہیں

دوسرے اہل ایمان جو صاحب علم نہ ہوں ان کے لئے محض رفیع درجات ہے، تیسرے وہ اہل ایمان جو اہل علم بھی ہوں، چونکہ بوجہ علم و معرفت ان کے عمل کا منشاء زیادہ خشیت و زیادہ خلوص ہے، جس سے عمل کا ثواب بڑھ جاتا ہے ان کے لئے مزید رفیع درجات ہیں، اور اللہ تعالیٰ کو تمھارے سب اعمال کی پوری خبر ہے (کہ کس کا عمل ایمان کے ساتھ ہے اور کس کا بغیر ایمان کے، پھر اس میں کس کے عمل میں کم خلوص ہو اور کس کے عمل میں زیادہ خلوص ہے، اس لئے ہر ایک کی جزا و جزا میں تفاوت رکھا، آگے واقعہ ششم کے متعلق حکم ہے جو واقعہ اول و دوم سے مربوط ہے یعنی اے ایمان والو جب تم رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) سے سرگوشی (کرنے کا ارادہ) کیا کرو تو اپنی اس سرگوشی سے پہلے کچھ خیرات (مساکین کو) دیدیا کرو (جس کی مقدار آیت میں منصوص نہیں، اور روایات حدیث میں مختلف مقداریں آئی ہیں ظاہراً مقدار غیر معین معلوم ہوتی ہو، لیکن معتد بہ ہونا ضروری ہے) یہ تمھارے لئے (ثواب حاصل کرنے کے واسطے) بہتر ہے اور (گناہوں) پاک ہونے کا اچھا ذریعہ ہے (کیونکہ طاعت سے گناہوں کا کفارہ ہوتا ہے، یہ مصلحت مالدار مومنین کے اعتبار سے ہے، اور فقراء مومنین کے اعتبار سے یہ ہے کہ ان کو نفع مالی پہنچے گا، جیسے لفظ صدقہ سے معلوم ہوتا ہے، کیونکہ صدقہ کے مصارف فقراء ہی ہیں، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اعتبار سے یہ ہے کہ اس میں آپ کی شان کی بلندی ہے، اور منافقین کی سرگوشی سے آپ کو جو تکلیف ہوتی تھی اس سے نجات اور آرام ہے، کیونکہ ان کو ضرورت تو تناجی یعنی سرگوشی کی تھی نہیں، اور بے ضرورت محض اس لئے مال خرچ کرنا ان کو از حد شاق تھا، اور غالباً اس صدقہ میں حکم یہ ہوگا کہ سب کے سامنے صدقہ کریں تاکہ نہ کرنے والا دھوکہ نہ دے سکے، آگے فرماتے ہیں کہ یہ حکم تو مقدور کی حالت میں ہے) پھر اگر تم کو (صدقہ دینے کا) مقدور نہ ہو (اور ضرورت پڑے سرگوشی کی) تو اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے (اس صورت میں اس نے تم کو معاف کر دیا ہے، اس سے ظاہراً معلوم ہوتا ہے کہ یہ حکم صدقہ کا واجب تھا، مگر ناداری کی صورت مستثنیٰ تھی، آگے واقعہ ہفتم کے متعلق جو کہ واقعہ ششم سے مربوط ہے ارشاد ہے کہ) کیا تم (یعنی تم میں سے بعض جن کا بیان واقعہ ہفتم کے ذیل میں ہوا ہے) اپنی سرگوشی کے قبل خیرات دینے سے ڈر گئے سو (خیر) جب تم (اس کو) نہ کر سکو اور اللہ تعالیٰ نے تمھارے حال پر عنایت فرمائی کہ بالکل اس کو منسوخ کر کے معاف فرما دیا جس کی حکمت ظاہر ہے کہ جس مصلحت کے واسطے یہ حکم واجب ہوا تھا وہ مصلحت حاصل ہو گئی کیونکہ مصلحت سبب اب تھی جو بعد نسخ بھی باقی رہی کہ لوگ احتیاط کرنے لگے، غرض ارشاد ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے اس کو منسوخ فرما دیا تو تم (دوسری عبادت کے پابند ہو یعنی نماز کے پابند ہو اور زکوٰۃ دیا کرو اور اللہ و رسول کا کہنا مانا کرو) مطلب یہ ہے کہ اس کے نسخ کے بعد تمھارے قرب قبول نجات کے لئے احکام باقیہ پر استقامت دہمیشگی ہی کافی ہے) اور اللہ کو تمھارے سب اعمال کی (اور ان کی حالت ظاہری و باطنی کی) پوری خبر ہے

معارف و مسائل

آیات مذکورہ اگرچہ خاص واقعات کی بناء پر نازل ہوئی ہیں جن کا ذکر اور پر شان نزول میں آچکا ہے، لیکن یہ ظاہر ہے کہ سبب نزول کچھ بھی ہو ہدایات قرآنی عام ہوتی ہیں، ان میں عقائد و عبادات اور معاملات، معاشرت کے متعلق تمام احکام ہوتے ہیں، ان آیات میں بھی باہمی سرگوشی اور مشورے کے متعلق چند ایسی ہی ہدایات ہیں۔

خفیہ مشوروں کے متعلق ایک ہدایت

خفیہ مشورہ عموماً مخصوص رازدار دوستوں میں ہوتا ہے، جن پر یہ اطمینان کیا جاتا ہے کہ اس راز کو کسی پر ظاہر نہ کریں گے، اس لئے ایسے موقع پر ایسے منصوبے بھی بنائے جاتے جن میں کسی پر ظلم کرنا ہے، کسی کو قتل کرنا ہے، کسی کی املاک پر قبضہ کر لینا ہے، وغیرہ، حق تعالیٰ نے ان آیات میں ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا علم ساری کائنات پر حاوی ہے تم کہیں کیسا ہی چھپ کر مشورہ کرو اللہ تعالیٰ اپنے علم اور سمجھ و بصیرت کے اعتبار سے تمہارے پاس موجود ہوتا ہے، اور تمہاری ہر بات کو دیکھتا سنتا اور جانتا ہے، اگر اس میں کوئی گناہ کر دے تو سزا سے نہ بچو گے، اس میں بتلانا تو یہ ہے کہ تم کہتے ہی کم یا زیادہ آدمی مشورہ اور سرگوشی میں شریک ہو حق تعالیٰ ان میں موجود ہوتا ہے، مثال کے طور پر رد و عد و بتلا دیئے گئے، تین اور پانچ، یعنی اگر تم تین آدمی مشورہ کر رہے ہو تو سمجھو کہ چوتھا اللہ تعالیٰ وہاں موجود ہے، اور پانچ آدمی مشورہ کر رہے ہو تو سمجھو کہ چھٹا حق تعالیٰ موجود ہے، تین اور پانچ کے عدد کی تخصیص میں شاید اس طرف اشارہ ہو کہ جماعت کے لئے اللہ کے نزدیک طاق عدد پسند ہو دمایکون من تجوی ثلثۃ (الایہ) کا یہی حاصل ہے۔

سرگوشی اور مشورے کے متعلق ایک ہدایت

آقمت قرآنی الذین تموموا عن التجوی، واقعہ شان نزول میں بتلایا گیا ہے کہ جس زمانے میں یہود سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معاہدہ صلح ہو گیا تھا اس وقت وہ کھل کر تو مسلمانوں کے خلاف کوئی کام نہ کر سکتے تھے، مگر اسلام اور مسلمانوں سے دل میں بھرا ہوا بغض نکالنے کا ایک طریقہ اختیار کیا تھا کہ جب صحابہ کرام میں سے کسی کو اپنے قریب آتے دیکھتے تو باہم سرگوشی اور خفیہ مشورہ کی شکل بنا لیتے، اور آنے والے مسلمانوں کی طرف کچھ اشارے کرتے جس سے ان کو یہ خیال پیدا ہوتا کہ ہمارے خلاف کوئی سازش کر رہے ہیں اور اس سے پریشانی اور بے ہوشی ہوتا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ایسی سرگوشی سے منع فرمایا، تموموا عن التجوی میں اسی ممانعت کا بیان ہے۔ اس ممانعت سے یہ حکم مسلمانوں کے لئے بھی نکل آیا کہ وہ بھی آپس میں کوئی سرگوشی اور مشورہ اس طرح نہ کریں جس سے دوسرے کسی مسلمان کو ایذا پہنچے۔

بخاری و مسلم وغیرہ میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے فرمایا: اِذَا كُنْتُمْ ثَلَاثَةً فَلَا يَتَسَاءَلُونَ دُونََ الْآخِرِ حَتَّى يَخْتَلِطُوا بِالْأَوَّلِ
فَإِنَّ ذَلِكَ يَحْزَنُهُ، یعنی جس جگہ تم تین آدمی جمع ہو تو دو آدمی تیسرے کو چھوڑ کر باہم سرگوشی اور خفیہ
باتیں نہ کیا کرو جب تک دوسرے آدمی نہ آجائیں، کیونکہ اس سے اس کی دشمنی ہوگی (غیریت اور اجنبیت
کا احساس ہوگا اور ممکن ہو کہ ایسے شبہات پیدا ہو جائیں کہ شاید یہ دونوں کوئی بات میرے خلاف کر رہے
ہیں جو مجھ سے چھپاتے ہیں) (از منطری)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا تَسَاءَلْتُمْ عَنْ ثَمَرِ الْوَعْدِ وَإِنْ مَعْصِيَةِ
الرَّسُولِ وَتَسَاءَلُوا بِالْبَيِّنَاتِ وَالْقَوَى، سابقہ آیات میں کفار کو ناجائز سرگوشی پر تنبیہ کی گئی تھی، اس
آیت میں مسلمانوں کو ہدایت ہے، کہ اپنی سرگوشیوں اور مشوروں میں اس کا دھیان رکھیں کہ اللہ تعالیٰ
کو ہمارے سب حالات اور گفتگو کا علم ہے اور اسی استحضار کے ساتھ یہ کوشش کریں کہ اُن کے مشورے
اور سرگوشی میں کوئی بات فی نفسہ گناہ کی یا دوسروں پر ظلم کرنے کی یا کسی خلاف شرع کام کی نہ ہو، بلکہ جب
بھی آپس میں مشورہ کرو نیک کاموں کے لئے کرو۔

کفار کی شرارت پر بھی نرمی اور شریفانہ مدافعت کی ہدایت

تو بجائے السَّلَامُ عَلَيْكُمْ کے اَلْسَامُ عَلَيْكُمْ کہتے تھے، سَام کے معنی موت کے ہیں، اور لفظوں میں زیادہ
فرق نہ ہونے کے سبب مسلمانوں کو اس طرف التفات نہ ہوتا تھا، ایک روز ایسا ہی ہوا، صدیقہ عائشہؓ
بھی سُن رہی تھیں جب انھوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اَلْسَامُ عَلَيْكُمْ کہا تو صدیقہ عائشہؓ نے
جواب دیا اَلْسَامُ عَلَيْكُمْ وَتَعَسَّكُمُ اللّٰهُ وَغَضِبَ عَلَيْكُمْ یعنی ہلاکت تم پر ہو اور خدا کی لعنت و غضب
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صدیقہؓ کو ایسا کہنے سے روکا اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فحش کلام کو
پسند نہیں فرماتے، آپ کو سختی و درشتی سے بچنا اور نرمی اختیار کرنا چاہیے، صدیقہؓ نے عرض کیا کہ
یا رسول اللہؐ کیا آپ نے نہیں سنا کہ ان لوگوں نے آپ کو کیا کہلایا، آپ نے فرمایا کہ ہاں سُن بھی لیا اور
اس کا معتدل بدلہ بھی لے لیا، کہ میں نے جواب میں کہہ دیا عَلَيْكُمْ یعنی ہلاکت تم پر ہو اور یہ ظاہر ہے کہ انکی
دعا قبول ہوگی نہیں، میری دعا قبول ہوگی، اس لئے اُن کی شرارت کا بدلہ ہو گیا (رواہ البخاری از منطری)

بعض آداب مجلس | يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا قِيلَ لَكُمْ تَقَسَّحُوا فِي الْمَجَالِسِ فَافْسَحُوا الْآيَةَ،
یہ حکم عام مجالس کا ہے جہاں مسلمانوں کا اجتماع ہو کہ جب مجلس میں کچھ لوگ بعد میں آجائیں تو مسلمان اُن کیلئے
جگہ دینے کی کوشش کریں اور سٹ کر بیٹھ جائیں، ایسا کرنے پر اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہے کہ اُن کیلئے
اللہ تعالیٰ وسعت پیدا فرمادیں گے، یہ وسعت آخرت میں تو ظاہر ہی ہے، کچھ بعید نہیں کہ دنیوی محبت
میں بھی یہ وسعت حاصل ہو۔

اس آیت میں دوسرا حکم آداب مجلس کے متعلق یہ ہے کہ إِذَا قِيلَ النَّشْرُ وَالنَّشْرُ یعنی جب (تم میں سے کسی سے) کہا جائے کہ مجلس سے اٹھ جاؤ تو اسے اٹھ جانا چاہئے یہ اس آیت میں لفظ قِيلَ مجہول استعمال فرمایا ہو اس کا ذکر نہیں کہ یہ کہنے والا کون ہو، مگر احادیث صحیحہ سے معلوم ہوتا ہے کہ خود آنے والے شخص کو اپنے لئے جگہ کرنے کے واسطے کسی کو اس کی جگہ سے اٹھانا جائز نہیں۔

صحیحین اور مسند احمد میں حضرت عبداللہ بن عمر کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لَا يَقِيْمُ السَّجْدَ الْجُلُ الْيَمَنُ مَجْلِسٍ فِيْهِ وَلَكِنْ تَفْسَحُوْا وَتَوَسَّعُوْا، یعنی کوئی شخص کسی دوسرے شخص کو اس کی جگہ سے اٹھا کر اس کی جگہ نہ بیٹھے، بلکہ مجلس میں کشادگی پیدا کر کے آنے والے کو جگہ دیدیا کر دو (ابن کثیر)

اس سے معلوم ہوا کہ کسی کو اس کی جگہ سے اٹھ جانے کے لئے کہنا آنے والے شخص کے لئے تو جائز نہیں اس لئے ظاہر یہ ہے کہ اس کا کہنے والا میر مجلس یا مجلس کا انتظام کرنے والے افراد ہو سکتے ہیں، تو مطلب آیت کا یہ ہوا کہ اگر میر مجلس یا اس کی طرف سے مقرر کردہ منتظمین کسی کو اس کی جگہ سے اٹھ جانے کیلئے کہیں تو ادب مجلس یہ ہے کہ اُن سے مزاحمت نہ کرے، اپنی جگہ سے اٹھ جائے، کیونکہ بعض اوقات خود صاحب مجلس کسی ضرورت سے خلوت اختیار کرنا چاہتا ہے، یا کچھ مخصوص لوگوں سے کوئی راز کی بات کرنا چاہتا ہے، یا بعد میں آنے والے حضرات کے لئے اس کے سوا کوئی انتظام نہیں پاتا کہ بعض بے تکلف لوگوں کو مجلس سے اٹھا دے جن کے متعلق معلوم ہو کہ ان کا کوئی نقصان مجلس سے اٹھنے میں نہیں ہوگا، یہ دوسرے وقت میں استفادہ کر سکیں گے۔

البتہ صاحب مجلس یا منتظمین مجلس کے لئے یہ لازم ہے کہ طریقہ ایسا اختیار کریں کہ اُٹھنے والا اپنی خفت محسوس نہ کرے، اس کو ایذا نہ پہنچے۔

اور جس واقعہ میں یہ آیت نازل ہوئی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صُفۃ مسجد میں تشریف رکھتے تھے، یہ جگہ حاضرین سے پُر ہو چکی تھی، بعد میں بعض اکابر صحابہ جو شرکاء بدر ہونے کے سبب قابل احترام زیادہ تھے وہ پہنچے، اور جگہ نہ ہونے کے سبب کھڑے رہے، اُس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے تو عام حکم یہ دیا کہ ذرا کھسک کر مجلس میں کشادگی پیدا کرو اور اُن کو جگہ دیدو، اور بعض حضرات صحابہ کو اٹھ جانے کے لئے بھی فرمایا، جن کو مجلس سے اٹھایا ان میں یہ بھی احتمال ہے کہ وہ ہر وقت کے حاضر باش لوگ ہوں جن کے اس وقت کی مجلس سے اٹھ جانے میں کوئی بڑا نقصان نہیں تھا، اور یہ بھی ممکن ہو کہ آپ نے جب مجلس میں وسعت کرنے اور سمٹ کر بیٹھنے کا حکم دیا تو کچھ لوگوں نے اس پر عمل نہیں کیا، اُن کو تادیباً مجلس سے اٹھ جانے کا حکم دیا ہو۔

بہر حال اس آیت اور احادیث واردہ سے آداب مجلس کے متعلق ایک تو یہ بات معلوم ہوئی

کہ اہل مجلس کو چاہئے کہ بعد میں آنے والوں کو جگہ دینے کی کوشش کریں، اور دوسری بات آنے والوں کے لئے یہ ثابت ہوئی کہ وہ کسی کو اس کی جگہ سے نہ اٹھائیں، تیسری بات صاحب مجلس کے لئے یہ ثابت ہوئی کہ وہ ضرورت سمجھے تو بعض لوگوں کو مجلس سے اٹھا دینے کی بھی اس کو گنجائش ہے، اور بعض دوسری روایات حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ آنے والوں کے لئے ادب یہ ہے کہ پہلے سے بیٹھے ہوئے لوگوں میں گھسنے کے بجائے کسی کنائے پر بیٹھ جائے جیسا کہ صحیح بخاری کی ایک حدیث میں تین آنے والے شخصوں کا ذکر ہے ان میں ایک وہ بھی ہے جو مجلس میں جگہ نہ پانے کی وجہ سے ایک گوشہ میں بیٹھ گیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی پھر تعریف و ثناء فرمائی۔

مسئلہ: مجلس کے آداب میں سے ایک یہ بھی ہے کہ دو شخصوں کے درمیان بغیر ان کی اجازت کے داخل نہ ہو، کہ بعض اوقات دونوں کے یک جا بیٹھنے میں ان کی کوئی خاص مصلحت ہوتی ہے، حضرت انسہ بن زید لیشی ثکی روایت ابو داؤد و ترمذی میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لَا يَجْلِسُ لِرَجُلٍ اَنْ يُفَرِّقَ بَيْنَ اِثْنَيْنِ اِلَّا بِاِذْنِهِمَا یعنی کسی شخص کے لئے حلال نہیں کہ دو شخص جو ملے بیٹھے ہیں ان کے درمیان تفریق پیدا کرے جب تک کہ ان سے ہی اجازت نہ ملے (ابن کثیر)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا تَجَمَعْتُمْ اَلرَّسُوْلَ الْاٰلِيَّةَ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تعلیم و اصلاح خلق کے کام میں تو شب و روز مشغول رہتے ہی تھے، مجالس عامہ میں سب حاضرین مجلس آپ کے ارشادات سے فائدہ اٹھاتے تھے، اس سلسلے میں ایک صورت یہ بھی تھی کہ بعض لوگ آپ سے علحدگی میں خفیہ بات کرنا چاہتے اور آپ وقت دیدیتے تھے، یہ ظاہر ہے کہ ایک ایک شخص کو الگ وقت دینا بڑا وقت بھی چاہتا ہے اور محنت بھی، اس میں کچھ منافقین کی شرارت بھی شامل ہو گئی کہ مخلص مسلمانوں کو ایذا پہنچانے کے لئے آپ سے علحدگی اور سرگوشی کا وقت مانگتے اور اس میں مجلس کو طویل کر دیتے تھے بعض ناواقف مسلمان بھی بات لمبی کر کے مجلس طویل کر دیتے تھے، حق تعالیٰ نے آپ سے یہ بوجھ ہلکا کرنے کے لئے ابتداء یہ حکم نازل فرمایا کہ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے علحدگی میں خفیہ بات کرنا چاہے وہ پہلے کچھ صدقہ کر دے، اس صدقہ کی کوئی مقدار قرآن میں منقول نہیں، مگر جب یہ آیت نازل ہوئی تو سب پہلے حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اس پر عمل فرمایا، اور ایک دینار صدقہ کر کے آپ سے علحدگی میں بات کرنے کا وقت لیا۔

اس آیت پر صرف حضرت علیؓ اور یہ بھی عجیب اتفاق ہے کہ اس حکم سے چونکہ بہت صحابہ کرام کو تنگی پیش آئی اس لئے بہت جلد ہی منسوخ کر دیا گیا، حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرمایا کرتے تھے کہ قرآن میں ایک آیت ایسی ہے جس پر میرے سوا کسی نے عمل نہیں کیا، نہ مجھ سے پہلے کسی نے عمل کیا، اور نہ میرے بعد کوئی کرے گا، پہلے نہ کرنا

تو ظاہر ہے بعد میں نہ کرنا اس لئے کہ منسوخ ہو گئی وہ آیت یہی تقدیم صدقہ کی ہو (ابن کثیر)
یہ حکم اگرچہ منسوخ ہو گیا مگر جس مصلحت کے لئے جاری کیا گیا تھا وہ اس طرح حاصل ہو گئی کہ مسلمان تو
اپنی دلی محبت کے تقاضہ سے ایسی مجلس طویل کرنے سے بچ گئے اور منافقین اس لئے کہ عام مسلمانوں کے طرز کے
خلافت ہم نے ایسا کیا تو ہم پہچان لئے جا دیں گے اور لفافہ کھل جاوے گا، واللہ اعلم

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ تَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ مَّا هُمْ مِنْكُمْ

کیا تو نے نہ دیکھا اُن لوگوں کو جو دوست ہوئے ہیں اس قوم کے جن پر غصہ ہوا ہے اللہ نہ وہ تم میں ہیں

وَلَا مِنْهُمْ ۖ وَيَحْلِفُونَ عَلَى الْكُذِبِ وَهُمْ يَعْلَمُونَ ﴿۱۴﴾ أَعَدَّ اللَّهُ لَهُمْ

اور نہ اُن میں ہیں، اور قسمیں کھاتے ہیں بھوٹ بات پر اور ان کو خبر ہے، تیار رکھا ہے اللہ نے اُن کیلئے

عَذَابًا شَدِيدًا ۖ إِنَّهُمْ سَاءَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿۱۵﴾ اتَّخَذُوا أَيْمَانَهُمْ

سخت عذاب بیشک وہ بُرے کام میں جو وہ کرتے ہیں، بنا رکھا ہے اپنی قسموں کو

جُنَّةً فَصَدُّوا عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ فَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِينٌ ﴿۱۶﴾ لَنْ تَغْنِيَ

ڈھال پھر روکتے ہیں اللہ کی راہ سے تو ان کو زلت کا عذاب ہے، کام نہ آئیں گے

عَنْهُمْ أَمْوَالُهُمْ وَلَا أَوْلَادُهُمْ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا ۖ أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ

ان کو اُن کے مال اور نہ اُن کی اولاد اللہ کے ہاتھ سے کچھ بھی، وہ لوگ ہیں دوزخ

النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿۱۷﴾ يَوْمَ يَبْعَثُهُمُ اللَّهُ جَمِيعًا فَيَحْلِفُونَ لَهُ

کے وہ اسی میں پڑے رہیں گے، جس دن جمع کرے گا اللہ ان سب کو پھر قسمیں کھائیں گے اُس کے

كَمَا يَحْلِفُونَ لَكُمْ وَيَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ عَلَىٰ شَيْءٍ ۖ أَلَا إِنَّهُمْ هُمُ

آجھے جیسے کھاتے ہیں تمہارے آگے، اور خیال رکھتے ہیں کہ وہ کچھ بھلی راہ پر ہیں، سنتا ہی وہی ہیں اصل

الْكَاذِبُونَ ﴿۱۸﴾ اسْتَعِذَّ عَلَيْهِمُ الشَّيْطَانُ فَأَنسَاهُمْ ذِكْرَ اللَّهِ ط

جھوٹے، قابو کر لیا ہے اُن پر شیطان نے پھر بھلا دی اُن کو اللہ کی یاد،

أُولَٰئِكَ حِزْبُ الشَّيْطَانِ ۖ أَلَا إِنَّ حِزْبَ الشَّيْطَانِ هُمُ الْخَاسِرُونَ ﴿۱۹﴾

وہ لوگ ہیں گروہ شیطان کا، سنتا ہی جو گروہ ہر شیطان کا وہی خراب ہوتے ہیں،

إِنَّ الَّذِينَ يُعَادُّونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ أُولَئِكَ فِي الْأَذَلِّينَ ۝

جو لوگ خلاف کرتے ہیں اللہ کا اور اس کے رسول کا وہ لوگ ہیں سبکے بے قدر لوگوں میں ،

كَتَبَ اللَّهُ لَا غَلِبَنَّ أَنَا وَرُسُلِي ۚ إِنَّ اللَّهَ قَوِيٌّ عَزِيزٌ ۝

اللہ لکھ چکا کہ میں غالب ہوں گا اور میرے رسول بیشک اللہ زور آور ہوں زبردست ، تو نہ پائے گا کسی

قَوْمًا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ يُوَادُّونَ مَنْ حَادَّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ

قوم کو جو یقین رکھتے ہوں اللہ پر اور پچھلے دن پر کہ دوستی کریں ایسوں سے جو مخالف ہو کر اللہ کے اور اس کے

وَلَوْ كَانُوا آبَاءَهُمْ أَوْ أَبْنَاءَهُمْ أَوْ إِخْوَانَهُمْ أَوْ عَشِيرَتَهُمْ ۚ أُولَئِكَ

رسول کے خواہ وہ اپنے باپ ہوں یا اپنے بیٹے یا اپنے بھائی یا اپنے گھرانے کے ، ان کے دلوں میں

كَتَبَ فِي قُلُوبِهِمُ الْإِيمَانَ وَأَيَّدَهُم بِرُوحٍ مِّنْهُ ۖ وَيَدْخُلُهُمُ

اللہ نے لکھ دیا ہے ایمان اور ان کی مدد کی ہر اپنے غیب کے فیض سے اور داخل کر دیا ان کو

جَنَّتْ تَحْتَهُ مِنَ تَحْتِهَا إِلَّا نَهْرٌ خَالِدِينَ فِيهَا ۖ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ

باغوں میں جن کے نیچے بہتی ہیں نہریں ہمیشہ رہیں ان میں اللہ ان سے راضی اور

وَرَضُوا عَنْهُ ۚ أُولَئِكَ حِزْبُ اللَّهِ ۚ أَلَا إِنَّ حِزْبَ اللَّهِ هُمُ

وہ اس سے راضی وہ لوگ ہیں گردہ اللہ کا سننا ہر جو گردہ ہے اللہ کا وہی

الْمُقْلِحُونَ ۝

مراد کو پہونچنے ،

خُلاصۃ تفسیر

کیا آپ نے ان لوگوں پر نظر نہیں فرمائی جو ایسے لوگوں سے دوستی کرتے ہیں جن پر اللہ نے غضب کیا ہے

پہلے لوگوں سے مراد منافقین ہیں اور دوسرے لوگوں سے مراد یہود و جمیع کفار مجاہدین ، اور منافقین

چونکہ یہودی تھے اس لئے ان کی دوستی یہود سے اور اسی طرح اور کفار سے بھی مشہور اور معلوم ہے (یہ منافق)

لوگ نہ تو پورے پورے تم میں ہیں اور نہ (پورے پورے) ان ہی میں بلکہ ظاہر میں تو تم سے ملے ہوئے ہیں ،

اور باطناً و عقیدۃ کفار کے ساتھ ہیں) اور جھوٹی بات پر قسمیں کھا جاتے ہیں (وہ جھوٹی بات یہی ہے کہ ہم

مسلمانوں میں شامل ہیں بقولہ تعالیٰ وَیَخْلِفُونِ بِاِیْمَانِهِمْ لِمَنْ تَشَاءُ وَ مَا هُمْ بِمَنْكُومٍ اور وہ (خود بھی) جانتے ہیں (کہ ہم بھڑے ہیں، آگے اُن کے لئے وعید ہے کہ) اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے سخت عذاب ہتیا کر رکھا ہے (کیونکہ) بیشک وہ بُرے بُرے کام کیا کرتے تھے (چنانچہ کفر و نفاق سے بدتر کونسا کام ہوگا؟ اور اپنی بُرے کاموں میں سے ایک بُرا کام یہ ہے کہ) انھوں نے اپنی (ان جھوٹی) قسموں کو (اپنے بچاؤ کے لئے) ڈھال بنا رکھا ہے (تاکہ مسلمان ہم کو مسلمان سمجھ کر بہاری جان و مال سے تعرض نہ کریں) پھر (اوروں کو بھی) خدا کی راہ (یعنی دین) سے روکتے رہتے ہیں (یعنی پہکاتے رہتے ہیں) سو (اس وجہ سے) اُن کے لئے ذلت کا عذاب ہونے والا ہے (یعنی وہ عذاب جیسا شدید ہوگا ایسا ہی ذلیل کرنے والا بھی ہوگا، اور جب وہ عذاب ہونے لگے گا تو) اُن کے اموال اور اولاد اللہ (کے عذاب) سے اُن کو ذرا نہ بچا سکیں گے (اور) یہ لوگ دوزخی ہیں اس میں تعین فرمادی اُس عذاب شدید و مہین کی کہ وہ دوزخ ہے اور وہ لوگ اس (دوزخ) میں ہمیشہ رہنے والے ہیں (آگے وقت عذاب کا بتلاتے ہیں کہ وہ عذاب اُس روز ہوگا جس روز اللہ تعالیٰ ان سب کو (مع دیگر مخلوقات کے) دوبارہ زندہ کرے گا سو یہ اس کے رد و رد بھی (جھوٹی) قسمیں کھا جاویں گے جس طرح تمھارے سامنے قسمیں کھا جاتے ہیں (جیسا مشرکین کی جھوٹی قسم قیامت کے دن اس آیت میں مذکور ہے وَاللّٰہُ رَبُّنَا مَا کُنَّا مُشْرِکِیْنَ) اور یوں خیال کریں گے کہ ہم کسی اچھی حالت میں ہیں (کہ اس جھوٹی قسم کی بدولت بچ جاویں گے) خوب سن لو یہ لوگ بُرے ہی جھوٹے ہیں (کہ خدا کے سامنے بھی جھوٹ بولنے سے نہ چو کے اور ان کی جو حرکات اور پر مذکور ہیں وجہ اس کی یہ ہے کہ) اُن پر شیطان نے پورا تسلط کر لیا ہے (کہ اس کے کہنے پر عمل کر رہے ہیں) سو اُس نے اُن کو خدا کی یاد بھلا دی (یعنی اس کے احکام کو چھوٹ بیٹھے واقعی) یہ لوگ شیطان کا گروہ ہے، خوب سن لو کہ شیطان کا گروہ ضرور برباد ہونے والا ہے (آخرت میں تو ضرور اور گاہے دنیا میں بھی، اور ان کی یہ حالت کیوں نہ ہو کہ یہ اللہ اور رسول کے مخالفت ہیں، اور قاعدہ کلیہ ہر کہ) جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرتے ہیں یہ لوگ (اللہ کے نزدیک) سخت ذلیل لوگوں میں ہیں (جب اللہ کے نزدیک ذلیل ہیں تو آثار مذکورہ کا ترشہ کیا مستبعد ہی، اور جس طرح خدا تعالیٰ نے ان کے لئے ذلت تجویز فرما رکھی ہے اسی طرح مطیعین کے لئے عزت، کیونکہ وہ لوگ اللہ اور رسولوں کے متبع ہیں اور) اللہ تعالیٰ نے یہ بات (اپنے حکم ازلی میں) لکھ دی ہے کہ میں اور میرے پیغمبر غالب رہیں گے (جو کہ حقیقت پر عزت کی، مقصود یہاں غلبہ بیان کرنا ہے انبیاء کا، اپنا ذکر تشریف انبیاء کے لئے فرمادیا پس جب رُسل ذمی عزت ہیں تو ان کے متبعین بھی، اور معنی غلبہ کے سورۃ مائدہ کی آیت اِنَّ حِزْبَ اللّٰہِ هُمُ الْغٰلِبُوْنَ اور سورۃ مؤمن کی آیت لَنْ نَّضْمِرَہُمْ سَلٰمًا اِلٰہِکَ ذِیْلِیْ میں گزر چکے ہیں، بیشک اللہ تعالیٰ قوت والا غلبہ والا ہے (اس لئے وہ جس کو چاہے غالب کر دے، آگے دوستی کفار میں منافقین کے حال کے خلاف اہل ایمان کا حال بیان فرماتے ہیں کہ) جو لوگ اللہ پر اور قیامت کے دن پر (پورا پورا) ایمان رکھتے

ہیں آپ اُن کو نہ دیکھیں گے کہ وہ ایسے شخصوں سے دوستی رکھیں جو اللہ اور رسول کے برخلاف ہیں گو وہ اپنے باپ یا بیٹے یا بھائی یا کنبہ ہی کیوں نہ ہوں ان لوگوں کے دلوں میں اللہ تعالیٰ نے ایمان ثبت کر دیا ہے اور ان (کے قلوب) کو اپنے فیض سے قوت دی ہے رفیع سے مراد نور ہے، یعنی مقتضائے ہدایت پر ظاہراً عمل و باطناً سکون قلب و ہُوَ الْمَذْكُورُ نِی قولہ تعالیٰ فُہُوْ عَلٰی فُورِ مِّنْ رَّیْبٍ، چونکہ یہ نور سببِ ہر زیادتِ حیات معنویہ کا اس لئے اس کو روح سے تعبیر فرمایا، یہ دولت تو ان کو دنیا میں ملی، بقولہ تعالیٰ اُوْلَئِکَ عَلٰی ہُدٰی مِّنْ رَّیْبٍ، اور آخرت میں اُن کو یہ نعمت ملے گی کہ اُن کو ایسے باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے سے نہریں جاری ہوں گی جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے، اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہوگا اور وہ اللہ سے راضی ہونگے یہ لوگ اللہ کا گروہ ہے خوب سن لو کہ اللہ ہی کا گروہ فلاح پانے والا ہے بقولہ تعالیٰ اُوْلَئِکَ ہُمُ الْمُفْلِحُوْنَ، بعد قولہ اُوْلَئِکَ عَلٰی ہُدٰی مِّنْ رَّیْبٍ،

معارف و مسائل

اَلَمْ تَرَ اِلٰی الَّذِیْنَ تَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللّٰهُ عَلَیْہِمْ، ان آیات میں حق تعالیٰ نے ان لوگوں کی بد حالی اور انجامِ کارِ عذابِ شدید کا ذکر فرمایا ہے جو اللہ کے دشمنوں کافروں سے دوستی رکھیں کفار خواہ مشرکین ہوں یا یہود و نصاریٰ یا دوسرے اقسام کے کفار کسی مسلمان کے لئے دلی دوستی کسی سے جائز نہیں اور وہ عقلاً ہو بھی نہیں سکتی، کیونکہ مؤمن کا اصل سرمایہ اللہ تعالیٰ کی محبت ہے، کفار اللہ تعالیٰ کے مخالف اور دشمن ہیں، اور جس شخص کے دل میں کسی شخص کی سچی محبت اور دوستی ہو اس سے یہ ممکن ہی نہیں ہو سکتا کہ وہ اس کے دشمن سے بھی محبت اور دوستی رکھے، اسی لئے قرآن کریم کی بہت سی آیات میں موالاتِ کفار کی شدید حرمت و ممانعت کے احکام آئے ہیں، اور جو مسلمان کسی کافر سے دلی دوستی رکھے تو اس کو کفار ہی کے زمرہ میں شامل سمجھے جانے کی وعید آئی ہے، لیکن یہ سب احکام دلی اور قلبی دوستی کے متعلق ہیں۔

کفار کے ساتھ حسن سلوک، ہمدردی، خیر خواہی، اُن پر احسان، حسن اخلاق سے پیش آنا یا تجارتی اور اقتصادی معاملات اُن سے کرنا، دوستی کے مہموم میں داخل نہیں، یہ سب امور کفار کے ساتھ بھی جائز ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کا کھلا ہوا تعامل اس پر شاہد ہے، البتہ ان سب چیزوں میں اس کی رعایت ضروری ہے کہ ان کے ساتھ ایسے معاملات رکھنا اپنے دین کے لئے مضر نہ ہو اپنے ایمان اور عمل میں شستی پیدا نہ کرے اور دوسرے مسلمانوں کے لئے بھی مضر نہ ہو۔

اس مسئلہ میں موالات اور مواسات کے فرق کی پوری تفصیل سورۃ آل عمران آیت لَا یَجِزُ لَ الْمُؤْمِنُوْنَ اَلْکُفْرِیْنَ اُولَیْئَکَ کے تحت معارف القرآن جلد دوم صفحہ ۴۵ تا ۴۹ میں

گزر چکی ہے وہاں مطالعہ کر لیا جائے۔

وَيَخْلِفُونَ عَلَى الْكُفْرِ، بعض روایات میں ہے کہ یہ آیت عبداللہ بن ابی اور عبداللہ بن نبشل منافق کے بارے میں نازل ہوئی، جس کا واقعہ یہ ہے کہ ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام کے ساتھ تشریف رکھتے تھے تو فرمایا کہ اب تمھارے پاس ایک ایسا شخص آنے والا ہے جس کا قلب قلب جبار ہے اور جو شیطان کی آنکھوں سے دیکھتا ہے، اس کے بعد ہی عبداللہ بن نبشل منافق داخل ہوا جو نیلگوں چشم، گندم گوں، پست قد، خفیف النحیہ تھا، آپ نے اس سے فرمایا کہ تم اور تمھارے ساتھی مجھے کیوں گالیاں دیتے ہو؟ اس نے حلف کر کے کہا کہ میں نے ایسا نہیں کیا، پھر اپنے ساتھیوں کو بھی بلالیا انھوں نے بھی یہ جھوٹا حلف کر لیا، حق تعالیٰ نے اس آیت میں ان کے جھوٹ کی خبر دیدی (قرطبی)

مسلمان کی دلی دوستی لَا تَجْعَلُ قَوْلُكَ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ الْيَوْمَ الْأَخِيرِ يَوْمَ تَدْعُ إِلَى الْإِسْلَامِ وَلَا تَكُونَ مِنَ الْكَافِرِينَ کسی کافر سے نہیں ہو سکتی، پہلی آیات میں کفار و مشرکین سے دوستی کرنے والوں پر غضب الہی اور عذاب شدید کا ذکر تھا، اس آیت میں مؤمنین مخلصین کا حال ان کے مقابل بیان فرمایا کہ وہ کسی ایسے شخص سے دوستی اور دلی تعلق نہیں رکھتے جو اللہ کا مخالف یعنی کافر ہے، اگرچہ وہ ان کا باپ یا اولاد یا بھائی یا اور قریبی عزیز ہی کیوں نہ ہو۔

صحابہ کرام سہمی کا حال یہ تھا، اس جگہ مفسرین نے بہت سے صحابہ کرام کے واقعات ایسے بیان کئے ہیں جن میں باپ بیٹے، بھائی وغیرہ سے جب کوئی بات اسلام یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف مٹنی تو سارے تعلقات کو بھلا کر ان کو سزا دی بعض کو قتل کیا۔

عبداللہ بن ابی منافق کے بیٹے عبداللہ کے سامنے اس کے منافق باپ نے حضور کی شان میں گستاخانہ کلمہ بولا تو انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت طلب کی کہ میں اپنے باپ کو قتل کر دوں، آپ نے منع فرمادیا، حضرت ابوبکرؓ کے سامنے ان کے باپ ابو قحافہ نے حضور کی شان میں کچھ کلمہ گستاخانہ کہہ دیا تو ارحم امت صلیق اکبرؓ کو اتنا غصہ آیا کہ زور سے طمانچہ رسید کیا جس سے ابو قحافہ گر پڑے، آپ کو اس کی اطلاع ہوئی تو فرمایا کہ آئندہ ایسا نہ کرنا، حضرت ابو عبیدہ بن جراح کے والد جراح غزوہ اُحد میں کفار کے ساتھ مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے آئے تو میدان جہاد میں وہ بار بار حضرت ابو عبیدہؓ کے سامنے آتے وہ ان کے دپے تھے، یہ سامنے سے ٹل جاتے، جب انھوں نے مسلسل یہ صورت اختیار کی تو ابو عبیدہؓ نے ان کو قتل کر دیا، یہ اور ان کے امثال بہت سے واقعات صحابہ کرام کے پیش آئے، ان پر آیات مذکورہ نازل ہوئیں (قرطبی)

مسئلہ: بہت سے حضرات فقہاء نے یہی حکم فساق و فجار اور دین سے عملاً منحرف مسلمانوں کا قرار دیا ہے کہ ان کے ساتھ دلی دوستی کسی مسلمان کی نہیں ہو سکتی، کام کاج کی ضرورتوں میں اشتراک

یا مصاجبت بقدر ضرورت الگ چیز ہے، دل میں دوستی کسی فاسق و فاجر کی اسی وقت ہوگی جبکہ فسق و فجور کے جراثیم خود اس کے اندر موجود ہوں گے، اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی دعاؤں میں فرمایا کرتے تھے اَللّٰهُمَّ لَا تَجْعَلْ لِّفَاجِرٍ عَلٰی يَدَايْ، یعنی یا اللہ مجھ پر کسی فاجر آدمی کا احسان نہ آنے دیجئے، کیونکہ شریف نفس انسان اپنے محسن کی محبت پر طبعاً مجبور ہوتا ہے اس لئے فساق و فجار کا احسان قبول کرنا جو ذریعہ ان کی محبت کا بنے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے بھی پناہ مانگی (قرطبی)

وَ اَيَّدْهُمْ بِرُوحٍ مِّنْهُ، یہاں رُوح کی تفسیر بعض حضرات نے نور سے کی ہے جو منجانب اللہ مؤمن کو ملتا ہے اور وہی اس کے عمل صالح کا اور قلب کے سکون و اطمینان کا ذریعہ ہوتا ہے، اور یہ سکون و اطمینان ہی بڑی قوت ہے، اور بعض حضرات نے رُوح کی تفسیر قرآن اور دلائل قرآن سے کی ہے وہی مؤمن کی اصل طاقت و قوت ہے، (قرطبی) واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

تَبَّتْ

سُورَةُ الْمُجَادَلَةِ بِحَمْدِهِ وَعَوْنِهِ لِقُرْآنِهِ
مَجْمَعِي الْأَوَّلِي سَلَّمَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ
وَبِاللَّهِ الْحَمْدُ وَيَسْئَلُوهُ إِشَاءَ اللَّهِ تَعَالَى
تَفْسِيرُ سُورَةِ الْحَشْرِ

سُورَةُ الْحَشْرِ

سُورَةُ الْحَشْرِ مَدَنِيَّةٌ وَهِيَ أَرْبَعٌ وَعِشْرُونَ آيَةً وَكَثُرَتْ رُكُوعَاتُهَا

سورۃ حشر مدینہ میں نازل ہوئی اور اس کی چوبیس آیتیں ہیں اور تین رکوع ،

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ○

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے ،

سَبَّحَ لِلَّهِ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيزُ

اللہ کی پاک بیان کرتا ہے جو کچھ ہر آسمانوں میں اور زمین میں اور وہی ہے زبردست

الْحَكِيمُ ① هُوَ الَّذِي أَخْرَجَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ

حکمت والا ، وہی ہے جس نے نکال دیا ان کو جو منکر ہیں کتاب والوں میں

مِنْ دِيَارِهِمْ لِأَوَّلِ الْحَشْرِ مَا ظَنَنْتُمْ أَنْ يَخْرِجُوا وَظَنُوا

ان کے گھروں سے پہلے ہی اجتماع پر لشکر کے ، تم نہ اُٹھ کر تھے کہ نکلیں گے وہ اور وہ خیال

أَنْتُمْ مَا نَعْتَهُمْ حُصُونَهُمْ مِنَ اللَّهِ فَانْتَهَمُ اللَّهُ مِنْ حَيْثُ

رکھتے تھے کہ ان کو بچالیں گے ان کے قلعے اللہ کے ہاتھ سے پھر پہنچا ان پر اللہ جہاں سے ان کو

لَمْ يَحْتَسِبُوا وَقَدْ فِي قُلُوبِهِمُ الرَّعْبُ يَخْرِبُونَ بُيُوتَهُمْ

خیال نہ تھا ، اور ڈال دی اُن کے دلوں میں دھماک اُجاڑنے لگے اپنے گھر

بِأَيْدِيهِمْ وَأَيْدِي الْمُؤْمِنِينَ فَاعْتَبِرُوا يَا أُولِيَ الْأَبْصَارِ ②

اپنے ہاتھوں اور مسلمانوں کے ہاتھوں ، سو عبرت پکڑو اے آنکھ والو ،

دفعۃً اللہ علیہ وسلم

وَلَوْلَا أَن كَتَبَ اللَّهُ عَلَيْهِمُ الْجَلَاءَ لَعَذَّبَهُمْ فِي الدُّنْيَا وَلَهُمْ فِي

اور اگر نہ ہوتی یہ بات کہ لکھ دیا تھا اللہ نے ان پر جلا وطنی ہوتا تو ان کو عذاب دیتا دنیا میں اور آخرت

الْآخِرَةِ عَذَابُ النَّارِ ۝ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ شَاقُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ ۚ وَ

میں ان کے لئے ہے آگ کا عذاب ، یہ اس لئے کہ وہ مخالفت ہوئے اللہ سے اور اس کے رسول سے اور

مَنْ يُشَاقِّ اللَّهَ فَإِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ ۝ مَا قَطَعْتُمْ مِثْرًا

جو کوئی مخالفت ہو اللہ سے تو اللہ کا عذاب سخت ہے ، جو کاٹ ڈالا تم نے کھجور کا

لَيْسَ أَوْ تَرَكْتُمُوهَا قَائِمَةً عَلَىٰ أُصُولِهَا فَبِإِذْنِ اللَّهِ وَلِيُخْزِيَ الْفَاسِقِينَ ۝

درخت بار نہز دیا کھڑا اپنی جھڑ پر سو اللہ کے حکم سے اور تاکہ رسوا کرے منافقین کو

پہلی سورت میں یہودی دوستی جو منافقین نے اختیار کر رکھی تھی اس کی مذمت کا بیان

تھا، اس سورت میں یہود پر دنیا میں جلا وطنی کی سزا اور آخرت کا عذاب مذکور ہے

اور قصہ ان یہود کا یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ طیبہ میں تشریف

لائے تو یہود سے معاہدہ صلح کا ہو چکا تھا، اور ان یہودیوں کے مختلف قبائل میں ایک قبیلہ بنو نضیر کا تھا وہ

بھی معاہدہ صلح میں داخل تھا، اور یہ لوگ مدینہ طیبہ سے دو میل پر رہتے تھے، ایک مرتبہ یہ واقعہ پیش آیا

کہ عمر بن امیہ ضمری کے ہاتھ سے دو قتل ہو گئے تھے جن کا خون بہا سب کو مل کر ادا کرنا تھا، آپ نے اپنے

مسلمانوں سے اس کے لئے چندہ حاصل کیا، پھر یہ ارادہ ہوا کہ یہود بھی اوروں کے صلح نامہ مسلمانوں کے ساتھ ہیں

خونہا کی رسم میں ان کو بھی شریک کیا جائے، اس کام کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قبیلہ بنو نضیر

کے پاس تشریف لے گئے، انھوں نے یہ سازش کی کہ آپ کو قتل کر دینے کا موقع ہمارے ہاتھ آ گیا، اس لئے

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک جگہ بٹھلا دیا، اور کہا کہ ہم خونہا کی رسم جمع کرنے کا انتظام کرتے ہیں،

اور خفیہ مشورہ کر کے یہ طے کیا کہ جس دیوار کے نیچے آپ تشریف فرما ہیں کوئی شخص اوپر چڑھ کر کوئی بڑا

بھاری پتھر آپ کے اوپر چھوڑ دے کہ آپ کا کام تمام ہو جائے، آپ کو فوراً بذریعہ وحی ان کی یہ سازش

معلوم ہو گئی، آپ وہاں سے اٹھ کر واپس تشریف لائے اور ان سے کہلا بھیجا کہ تم نے عہد شکنی کر کے صلح

توڑ دی اس لئے اب تمہیں دس روز کی ہلت دی جاتی ہے اس میں تم جہاں چاہو چلے جاؤ، اس مدت کے بعد

جو شخص یہاں نظر آوے گا اس کی گردن مار دی جاوے گی، انھوں نے چلے جانے کا ارادہ کیا تو عبد اللہ

ابن ابی منافق نے ان کو روکا، کہ کہیں نہ جاؤ، میرے پاس دو ہزار آدمیوں کی جمیعت ہے جو اپنی جان

دیدیں گے، تم پر آنچ نہ آنے دیں گے، اور روح المعانی میں ابن اسحق کی روایت سے اس میں عبد اللہ

کے ساتھ ولید بن مالک اور سؤید اور راعش کا شریک ہونا بھی لکھا ہے، یہ لوگ ان کے کہنے میں آگئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہلا بھیجا کہ ہم کہیں نہیں جائیں گے، آپ سے جو کچھ ہو سکے کر لیجئے، آپ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ اس قبیلہ پر حملہ آور ہوئے، اور یہ لوگ قلعہ بند ہو گئے، اور منافقین منہ چھپا کر بیٹھ گئے، آپ نے ان کا محاصرہ کر لیا، اور ان کے درخت جلا دیئے، کچھ کٹوا دیئے، آخر تنگ آ کر انہوں نے جلا وطن ہونا منظور کر لیا، آپ نے اس حال میں بھی ان کے ساتھ یہ رعایت کی کہ حکم دیدیا کہ جتنا سامان تم ساتھ لے جا سکتے ہو لیاؤ، بجز ہتھیار کے وہ ضبط کر لئے جاویں گے، یہ لوگ بکھل کر کچھ شام میں چلے گئے، کچھ خیبر میں، اور حرص دنیا کی وجہ سے اپنے گھروں کی کڑیاں، تختے، کواڑ تک اکھاڑ کر لے گئے، اور یہ قصہ غزوہ اُحُد کے بعد ربیع الاول ۳ھ میں پیش آیا، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانہ خلافت میں ان کو دوسرے یہودیہ تک شام کی طرف نکال دیا، یہ دونوں جلا وطنی حشر اول اور حشر ثانی کہلاتی ہیں، کذافی زاوالمعا

خلاصہ تفسیر

اللہ کی پاکی بیان کرتے ہیں سب جو کچھ آسمانوں اور زمین میں (مخلوقات) ہیں اور وہ زبردست (اور) حکمت والا ہے چنانچہ اس کی عکس نشان اور قدرت اور حکمت کا ایک اثر یہ ہے کہ وہی ہر جہاں (ان) کفار اہل کتاب یعنی بنی نصیر کو ان کے گھروں سے پہلی بار اکٹھا کر کے نکال دیا، (یعنی بقول نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم) اس کے قبل ان پر یہ مصیبت واقع نہ ہوئی تھی، یہ مصیبت ان پر پہلی بار ہی آئی ہے جو ان کی حرکات شنیعہ کا ثمرہ ہے اور اس میں ایک لطیف اشارہ ہے ایک پیشین گوئی کی طرف کہ ان کے لئے پھر بھی ایسا اتفاق ہوگا، چنانچہ دوبارہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تمام یہود کو جزیرہ عرب سے نکال دیا، کذافی الخازن اور اشارہ کو لطیف اس لئے کہا گیا کہ لفظ اول ہمیشہ مقتضی نہیں ہوتا کہ اس کا کوئی ثانی بھی ہو، چنانچہ بولتے ہیں فلاں عورت کے پہلی ہی بار بچہ پیدا ہوا ہے، ان کا گھروں سے نکال دینا مسلمانوں کی طاقت اور غلبہ کا اثر تھا، آگے اس کی تقریر ہے کہ اے مسلمانوں ان کا سامان دشوکت دیکھ کر تمہارا گمان بھی نہ تھا کہ وہ دیکھی اپنی گھروں سے نکلیں گے اور (خود) انہوں نے یہ گمان کر رکھا تھا کہ ان کے قلعے ان کو اللہ کے انتقام سے بچالیں گے (یعنی اپنے قلعوں کے استحکام پر ایسے مطمئن تھے کہ ان کے دل میں انتقام غیبی کا خطرہ بھی نہ آتا تھا، پس ان کی حالت مشابہ اس شخص کے تھی جس کا یہ گمان ہو کہ ان کے قلعے اللہ کی گرفت سے بچالیں گے، اور اگر خاص قبیلہ بنو نصیر کے قلعے متعدد نہ ہوں تو ھو ھو ھو ھو جمع کی ضمیر مطلق یہودی کی طرف ہوگی، اور اہم کی ضمیر بھی، اور صرف ظن کی ضمیر بنی نصیر کی طرف ہو جاوے گی، یعنی بنی نصیر کا یہ خیال تھا کہ سب یہود کو ان کے قلعے حوادث سے بچالیں گے، ان سب یہودیوں میں یہ بھی آگئے، کہ اپنے قلعہ کو اپنا محافظ سمجھتے تھے) سو ان پر خدا کا عقاب ایسی جگہ سے پہنچا کہ ان کو خیال (اور گمان) بھی نہ تھا،

مراد اس جگہ سے یہ ہے کہ مسلمانوں کے ہاتھوں نکالے گئے جن کی بے سرو سامانی پر نظر کر کے اس کا احتمال بھی نہ تھا کہ یہ بے سامان ان باسامیوں پر غالب آجائیں گے، اور ان کے دلوں میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کا رعب ڈال دیا کہ اس رعب کی وجہ سے نیکے کا قصہ کیا اور اس وقت یہ حالت تھی کہ اپنے گھروں کو خود اپنے ہاتھوں سے بھی اور مسلمانوں کے ہاتھوں سے بھی اُجاڑ رہے تھے (یعنی خود بھی کڑی سختی لے جانے کے واسطے اپنے مکانات کو منہدم کرتے تھے اور مسلمان بھی ان کے قلب کو صدمہ پہنچانے کے واسطے منہدم کرتے تھے، اور مسلمانوں کے منہدم کرنے کو بھی ان کی طرف منسوب اس لئے کیا کہ سبب اس انہدام کا وہی لوگ تھے، کیونکہ انھوں نے عہد شکنی کی اور وہ فعل یہود کا ہے پس اسناد سبب کی طرف ہو گئی، اور مسلمانوں کا ہاتھ بمنزلہ آلہ کے ہو گیا) سوائے دانش مند و (اس حالت کو دیکھ کر) عبرت حاصل کرو (کہ انجام خدا و رسول کی مخالفت کا بعض اوقات دنیا میں بھی نہایت بُرا ہوتا ہے) اور اگر اللہ تعالیٰ ان کی قسمت میں جلا وطن ہونا نہ لکھ چکتا تو ان کو دنیا ہی میں (قتل کی) سزا دیتا (جس طرح ان کے بعد بنی قریظہ کے ساتھ معاملہ کیا گیا) اور (گو دنیا میں عذاب قتل سے بچ گئے لیکن) ان کے لئے آخرت میں دوزخ کا عذاب (تیار) ہے (اور) یہ (سزائے جلا وطنی دنیا میں اور سزائے نار آخرت میں) اس سبب ہے کہ ان لوگوں نے اللہ کی اور اس کے رسول کی مخالفت کی اور جو شخص اللہ کی مخالفت کرتا ہے (اور وہی مخالفت رسول کی بھی ہے) تو اللہ تعالیٰ سخت سزا دینے والا ہے (یہ مخالفت دو طرح کی ہوئی، ایک نقص عہد سے جس سے کہ سزائے جلا وطنی ہوئی اور دوسرے عدم ایسا سے جو سبب عذاب آخرت کا ہے، آگے یہود کے ایک طعن کا جواب ہے جو درختوں کے کاٹنے اور جلانے کے باب میں کیا تھا کہ ایسا کرنا فساد ہے اور فساد مذموم ہے کذا فی الدرر نیز بعض مسلمانوں نے باوجود اجازت کے یہ سمجھ کر کہ ترک جائز جائز ہے اور آخر میں یہ درخت مسلمانوں ہی کے ہو جائیں گے تو ان کا رہنا ہی بہتر ہے، نہیں کاٹے، اور بعض نے یہ سمجھ کر کہ یہود کا دل رکھے گا کاٹ دیئے، کذا فی الدرر، جواب کے ساتھ ان دونوں فعل کی بھی تصویب ہے پس ارشاد ہے کہ) جو کجوروں کے درخت تم نے کاٹ ڈالے (اسی طرح جو جلادیتے) یا ان کو ان کی جڑوں پر (سجھا لیا) کھڑا رہنے دیا سو دونوں باتیں) خدا ہی کے حکم (اور رضا) کے موافق ہیں اور تاکہ کافروں کو ذلیل کرے (یعنی دونوں فعل میں مصلحت ہے، چنانچہ ترک میں بھی مسلمانوں کی ایک کامیابی اور کفار کو غیظ میں ڈالنا ہے کہ یہ مسلمان اس کو برتیں گے، اور قطع کرنے اور جلادینے میں بھی مسلمانوں کی دوسری کامیابی یعنی ظہور آثار غلبہ اور کفار کو غیظ میں ڈالنا ہے کہ مسلمان ہماری چیزوں میں کیسے تصرفات کر رہے ہیں، پس دونوں امر جائز ہیں، اور حکمت پر مبنی ہونے کے سبب ان میں کوئی قباحت نہیں۔

معارف و مسائل

سورۃ حشر کی خصوصیات | سورۃ حشر پوری یہود کے قبیلۃ بنو نضیر کے متعلق نازل ہوئی ہے (قَالَ ابْنِ اسحق) اور حضرت ابن عباسؓ اس سورت کا نام ہی سورۃ بنی نضیر کہا کرتے تھے (ابن کثیر) بنو نضیر یہود کا ایک قبیلہ ہے جو حضرت ہارون علیہ السلام کی اولاد میں ہے، ان کے آباد اجداد تورات کے عالم تھے، جس میں حضرت خاتم الانبیاء علیہ السلام کی خبر اور آپؐ کا حلیہ اور علامات مذکور تھے، اور یہ کہ ان کی ہجرت یثرب (مدینہ) کی طرف ہوگی، یہ خاندان اس طبع میں کہ خاتم الانبیاءؐ کے ساتھ رہیں شام سے مدینہ طیبہ منتقل ہوا تھا، ان کے موجودہ لوگوں میں بھی کچھ تورات کے عالم تھے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ تشریف لانے کے بعد علامات دیکھ کر پہچان بھی لیا تھا کہ فیہی خاتم الانبیاءؐ ہیں، لیکن اُن کا خیال تھا کہ وہ آخری نبی ہارون علیہ السلام کی اولاد میں اُن کے خاندان میں ہوں گے، اور خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم بنی اسرائیل کے بجائے بنی اسمعیل میں مبعوث ہوتے تو اس حیل نے ان لوگوں کو ایمان لانے سے روک دیا، مگر دل میں اُن کے اکثر لوگ آپؐ کے آخر الانبیاءؐ ہونے کو جانتے پہچانتے تھے، اور غزوۃ بدر میں مسلمانوں کی حیرت انگیز فتح اور مشرکین کی شکست دیکھ کر ان کا یہ یقین کچھ اور بڑھا بھی تھا، اس کا اقرار ان کی زبانوں سے سنا بھی گیا، مگر اس ظاہری فتح و شکست کو حق و باطل کے پہچاننے کا معیار بنالینا ہی ایک بودی اور کمزور بنیاد تھی، نتیجہ یہ ہوا کہ غزوۃ اُحاح میں جب ابتداء مسلمانوں کو شکست ہوئی، کچھ حضرات صحابہ شہید ہوئے تو ان کا یقین متزلزل ہو گیا، اور اس کے بعد سے انھوں نے مشرکین مکہ کے ساتھ ساز باز شروع کر دی۔

اس سے پہلے یہ واقعہ ہو چکا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ طیبہ پہنچ کر حکیمانہ سیاست کے مقتضی پر سب سے پہلا کام یہ کیا تھا کہ مدینہ طیبہ میں اور شہر کے آس پاس کچھ یہود کے قبائل آباد تھے، ان سے معاہدہ صلح اس پر کر لیا تھا کہ یہ لوگ نہ مسلمانوں کے خلاف جنگ کریں گے اور نہ کسی جنگ کرنے والے کی امداد کریں گے، اگر ان پر کوئی حملہ آوے تو مسلمان ان کی امداد کریں گے، صلحنامہ میں اور بھی بہت سی دفعات تھیں جن کی تفصیل سیرت ابن ہشام وغیرہ میں مذکور ہے، اسی طرح یہود کے تمام قبائل کی جن میں بنو نضیر بھی داخل تھے، مدینہ طیبہ سے دو میل کے فاصلہ پر اُن کی بستی اور مضبوط قلع اور باغات تھے۔

غزوۃ اُحاح تک تو یہ لوگ بظاہر اس صلحنامہ کے پابند نظر آتے، مگر اُحاح کے بعد انھوں نے غداری کی اور خفیہ خیانت شروع کر دی، اس غدروہ خیانت کی ابتداء اس سے ہوئی کہ بنو نضیر کا ایک سردار کعب بن اشرف غزوۃ اُحاح کے بعد اپنے یہودیوں کے چالیس آدمیوں کے ایک قافلہ کے ساتھ

مکہ معظمہ پہنچا اور یہاں کے کفار قریش جو غزوہ بدر کی شکست کا بدلہ لینے کی نیت سے غزوہ احد پر گئے تھے، اور اس میں بالآخر شکست کھا کر واپس ہو چکے تھے اُن سے ملاقات کی، اور ان دونوں میں رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کے خلاف جنگ کرنے کا ایک معاہدہ ہونا قرار پایا، جس کی تکمیل اس طرح کی گئی کہ کعب بن اشرف اپنے چالیس یہودیوں کے ساتھ اور ان کے بالمقابل ابوسفیان اپنے چالیس قریشیوں کے ساتھ حرم بیت اللہ میں داخل ہوئے، اور بیت اللہ کا پردہ پھوٹ کر یہ معاہدہ کیا کہ ہم ایک دوسرے کا ساتھ دیں گے اور مسلمانوں کے خلاف جنگ کریں گے۔

کعب بن اشرف اس معاہدہ کے بعد مدینہ طیبہ واپس آیا تو جبریل امین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ سارا واقعہ اور معاہدہ کی تفصیل بتلا دی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کعب بن اشرف کے قتل کا حکم جاری فرما دیا، چنانچہ محمد بن مسلمہ صحابیؓ نے اس کو قتل کر دیا۔

اس کے بعد بنو نضیر کی مختلف خیانتیں اور سازشیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوتی رہیں، جن میں ایک وہ واقعہ ہے جو اوپر شان نزول کے عنوان سے لکھا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کی سازش کی، اور اگر فوری طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بذریعہ وحی اس سازش پر مطلع نہ ہوتے تو یہ لوگ اپنی سازش قتل میں کامیاب ہو جاتے، کیونکہ جس مکان کے نیچے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو انھوں نے بٹھایا تھا اس کی چھت پر چڑھ کر ایک بڑا بھاری پتھر آپ کے سر مبارک پر چھوڑ دینے کا منصوبہ تقریباً مکمل ہو چکا تھا، جو شخص اس منصوبہ کو عملی صورت دینے والا تھا اس کا نام عمر بن حجاج تھا، حق تعالیٰ جل شانہ نے آپ کی حفاظت فرمائی اور یہ منصوبہ فیل ہو گیا۔

ایک عبرت یہ بھی عجیب معاملہ ہے کہ بعد کے واقعہ میں سارے ہی بنو نضیر جلا وطن ہو کر مدینہ سے نکل گئے، مگر ان میں سے صرف دو آدمی مسلمان ہو کر محفوظ و مامون رہے، ان دو میں ایک یہی عمر بن حجاج تھے دوسرے اُن کے چچا یا من بن عمرو بن کعب تھے (ابن کثیر)

عمر بن امیہ ضمری کا واقعہ | شان نزول کے واقعہ میں جو یہ ذکر آیا ہے کہ عمرو بن امیہ ضمری کے ہاتھ سے دو قتل ہو گئے تھے ان کا خون بہا جمع کرنے کی کوشش رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے اسی خون بہا کے سلسلے میں بنو نضیر کا چندہ حاصل کرنے کے لئے آپ ان کی بستی میں تشریف لے گئے تھے، اس کا واقعہ ابن کثیر نے یہ بیان کیا ہے کہ مسلمانوں کے خلاف کفار کی سازشیں اور مظالم کی داستان تو بہت طویل ہے، ان میں سے ایک واقعہ تبر معونہ کا تاریخ اسلام میں معروف و مشہور ہے، کہ بعض منافقین کفار نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی بستی میں تبلیغ اسلام کے لئے صحابہ کرام کی ایک جماعت بھیجی کہ درخوا کی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نشر صحابہ کرام اُن کے ساتھ کئے، بعد میں حقیقت یہ کھلی کہ ان لوگوں نے یہ محض سازش کی تھی، ان سب کو گھیر کر قتل کرنے کا منصوبہ بنایا تھا اور وہ اس

میں کامیاب ہو گئے، ان میں سے صرف عمرو بن امیہ ضمری کسی طرح نکل کر بھاگ جانے میں کامیاب ہو گئے، جو بزرگ ابھی کفار کی یہ غداری اور خیانت اور اپنے اہلتر بھائیوں کا بیدردی سے قتل دیکھ کر آ رہی تھے اُن کا جذبہ کفار کے مقابلہ میں کیا ہوگا ہر شخص خود اندازہ کر سکتا ہے، اتفاق یہ ہوا کہ مدینہ طیبہ واپس آنے کے وقت راستہ میں ان کو دو کافروں سے سابقہ پڑا، انھوں نے دونوں کو قتل کر دیا، بعد میں معلوم ہوا کہ دونوں آدمی قبیلہ بنی عامر کے تھے جن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معاہدہ صلح تھا۔

مسلمانوں کے معاہدات آجکل کے سیاسی لوگوں کے معاہدات تو ہوتے نہیں کہ پہلے ہی خلافت دہری اور عہد شکنی کی راہیں تلاش کر لی جاتی ہیں، یہاں تو جو کچھ زبان یا قلم سے نکلتا تھا دین و مذہب اور خداتعالیٰ کے حکم کی حیثیت رکھتا تھا، اور اس کی پابندی لازمی تھی، جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس غلطی کا علم ہوا تو آپ نے اصولِ شرعیہ کے مطابق ان دونوں مقتولوں کی دیت (خونہا) ادا کرنے کا فیصلہ فرمایا اور اس کے لئے مسلمانوں سے چندہ کیا، اس میں بنو نضیر کے پاس بھی چندہ کے سلسلے میں جانا ہوا (ابن کثیر) بنو نضیر کو جلا وطن کرنے کے وقت آج کے بڑے حکمران اور بڑی حکومتیں جو انسانی حقوق کے تحفظ پر بڑے اسلام اور مسلمانوں کی رواداری بڑے لکچر دیتے ہیں اور اس کے لئے ادائے قائم کرتے ہیں اور دنیا میں تحفظ موجودہ اہل سیاست کے لئے سبق آموز محکمہ حقوق انسانیت کے چودھری کہلاتے ہیں ذرا اس واقعہ پر نظر ڈالیں کہ بنو نضیر کی مسلسل سازشیں، خیانتیں، قتل رسول م کے منصوبے جو آپ کے سامنے آتے رہے اگر آجکل کے کسی حکمران اور کسی سربراہ مملکت کے سامنے آئے ہوتے تو ذرا دل پر ہاتھ رکھ کر سوچئے کہ وہ ان لوگوں کے ساتھ کیا معاملہ کرتا، آجکل تو زندہ لوگوں پر پیٹرول چھڑک کر میدان صاف کر دینا کسی بڑے اقتدار و حکومت کا بھی محتاج نہیں، کچھ غنڈے شریعہ ہو جاتے ہیں اور یہ سب کچھ کر ڈالتے ہیں، شاہانہ غیظ و غضب کے کرشمے کچھ اس سے آگے ہی ہوتے ہیں۔

مگر یہ حکومت خدا کی اور اس کے رسول م کی ہے جب خیانتیں اور غداریاں انتہا کو پہنچ گئیں تو اس وقت بھی ان کے قتل عام کا ارادہ نہیں فرمایا، اُن کے مال و اسباب چھین لینے کا کوئی تصور نہیں تھا، بلکہ (۱) اپنا سب سامان لے کر صرف ہشر خالی کر دینے کا فیصلہ کیا (۲) اور اس کے لئے بھی دس روز کی جہلت دی کہ آسانی سے اپنا سامان ساتھ لے کر اطمینان سے کسی دوسرے مقام پر منتقل ہو جائیں جب اس کی بھی خلافت و رزی کی تو قومی اقدام کی ضرورت پیش آئی، (۳) اس لئے کچھ درخت تو جلائے گئے، کچھ کاٹے گئے کہ اُن پر اثر پڑے، مگر قلعہ کو آگ لگا دینے کا یا اُن کے قتل عام کا حکم اس وقت بھی نہیں دیا گیا۔

(۴) پھر جب مجبور ہو کر ان لوگوں نے شہر خالی کر دینا منظور کر لیا تو اس فوجی اقدام کے باوجود ان کو یہ اختیار دیا گیا کہ ایک اونٹ پر جس قدر سامان ایک آدمی لے جاسکتا ہے لے جائے، اُسی کا

نتیجہ تھا کہ انھوں نے اپنے مکانوں کی کڑیاں، تختے، دروازے، کواڑ تک اتار کر لاد لئے۔

(۵) اس ساز و سامان کے ساتھ منتقل ہونے والوں کو کسی مسلمان نے ترجیحی نظر سے نہیں دیکھا، امن و

عافیت اور پورے اطمینان کے ساتھ سامان لیکر رخصت ہوئے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ معاملات اس وقت کے ہیں جبکہ آپ کو اپنے دشمن سے انتقام

پورا پورے لینے کی مکمل قدرت و طاقت حاصل تھی، ان غدار، خائن، سازشی دشمنوں کے ساتھ اُس وقت

آپ کا یہ معاملہ اسی کی نظیر ہے جو فتح مکہ کے بعد اپنے قدیمی دشمنوں کے ساتھ آپ نے فرمایا۔

لَاؤِلِ الْاَحْشَرِ، بنو نضیر کی اس جلا وطنی کو قرآن کریم نے اقل حشر فرمایا، حشر کے معنی اٹھ جانے

کھڑے ہو جانے کے ہیں، اول حشر کہنے کی ایک وجہ خلاصہ تفسیر میں بیان ہو چکی ہے کہ یہ لوگ زمانہ قدیم میں

ایک جگہ آباد تھے، نقل مکانی اور جلا وطنی کا یہ واقعہ اُن کو پہلی بار پیش آیا، اور دوسری وجہ یہ بھی ہے

کہ اسلام کا اصل حکم آگے یہ آنے والا تھا کہ جزیرۃ العرب کو غیر مسلموں سے خالی کرایا جائے، تاکہ وہ

اسلام کا ایک مستحکم قلعہ بن سکے، اس کے نتیجے میں ایک دوسرا حشر آئندہ بشکل جلا وطنی ہونے والا تھا، جو علامہ

حضرت فاروق اعظمؓ کے عہد خلافت میں ہوا کہ ان میں سے جو لوگ منتقل ہو کر خیبر میں آباد ہو گئے تھے انکو

جزیرۃ العرب باہر چلے جانے کا حکم دیا گیا، اس لحاظ سے بنو نضیر کی یہ جلا وطنی پہلا حشر اور دوسری جلا وطنی

بعد عمری دوسرا حشر ہوا۔

فَاَتَاهُمُ اللّٰهُ مِنْ حَيْثُ لَمْ يَحْتَسِبُوْا، اس کا لفظی ترجمہ تو یہ ہو کہ آگیا ان کے پاس اللہ

تعالیٰ اس انداز سے کہ ان کو اس کا گمان بھی نہ تھا، اللہ کے آنے سے مراد اس کے حکم اور حکم بردار فرشتوں

کا آنا ہے۔

يَخْرِبُوْنَ بَنُو قَهْطَمٍ يَّأَيُّ مِهْمٍ رَّاْيِدِي الْمَوْعِنِيْنَ، اُن کا اپنے مکانات کا اپنے ہاتھوں

خراب کرنا تو اس طرح ہوا کہ اپنے دروازے، کواڑ ساتھ لے جانے کے لئے اکھاڑے، اور مسلمانوں کے

ہاتھوں اس طرح کہ جب یہ قلعہ بند تھے تو قلعہ سے باہر مسلمانوں نے اُن پر اثر ڈالنے کے لئے درختوں اور مکانوں

کو ویران کیا۔

مَا قَطَعْتُمْ مِنْ لِّيْسَةٍ اَوْ نَرَتْكُمْ مُّوَاهَا فَاِثْمَةٌ عَلٰٓى اَصْوِلِهَا فَيَاْذِنِ اللّٰهُ وَلِيْ خُزَي

الْفَيْسِقِيْنَ، لفظ لیسۃ کھجور کے ہر درخت یا عجمہ کے علاوہ باقی درختوں کے لئے بولا جاتا ہے، بنو نضیر

کے باغات کھجور کے تھے جب قلعہ بند ہو گئے تو بعض صحابہ کرام نے ان لوگوں کو غیظ دلانے اور اُن پر

رعب ڈالنے کے لئے اُن کی کھجوروں کے چند درختوں کو کاٹ کر یا جلا کر ختم کر دیا، اور بعض دوسرے

صحابہ کرام نے خیال کیا کہ انشاء اللہ فتح ہماری ہوگی، اور یہ درخت اور باغات مسلمانوں کے ہاتھ آئیں گے

تو کیوں ان کو ضائع کیا جائے وہ ان کے کاٹنے جلانے سے باز رہے، یہ ایک رائے کا اختلاف تھا، بعد

میں جب آپس میں گفتگو ہوتی تو جن حضرات نے کچھ درخت کاٹے یا جلاتے تھے اُن کو یہ فکر ہوتی کہ شاید ہم گناہگار ہو گئے کہ جو مال مسلمانوں کو ملنے والا تھا اُس کو نقصان پہونچایا، اس پر آیت مذکورہ نازل ہوئی جس نے دونوں فریق کے عمل کو جائز و درست فرمایا، اور دونوں کو باذن اللہ میں داخل کر کے حکم الہی کی تعمیل قرار دیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس آیت میں ان درختوں کے کاٹنے جلانے یا اُن کو باقی چھوڑنے کے دونوں مختلف عملوں کو باذن اللہ فرمایا ہے، حالانکہ قرآن کی کسی آیت میں دونوں میں سے کوئی بھی حکم مذکور نہیں، ظاہر تو یہ ہے کہ دونوں حضرات نے جو عمل کیا، وہ اپنے اجتہاد سے کیا، زیادہ سے زیادہ یہ ہو سکتا ہے کہ انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت لی ہو مگر قرآن نے اس اجازت کو جو کہ ایک حدیث تھی اذن اللہ قرار دے کر واضح کر دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حق تعالیٰ کی طرف سے تشریع احکام کا اختیار دیا گیا ہے، اور جو حکم آپ جاری فرمادیں وہ اللہ تعالیٰ ہی کے حکم میں داخل ہے، اس کی تعمیل شرعی آیات کی تعمیل کی طرح فرض ہے۔

اجتہاد میں اختلاف کی دونوں جانبوں میں دوسرا اہم اصول اس آیت سے یہ معلوم ہوا کہ جو لوگ اجتہاد شرعی کی میں کسی کو گناہ نہیں کہہ سکتے، صلاحیت رکھتے ہیں، اگر ان کا اجتہاد کسی مسئلے میں مختلف ہو جائے، ایک فریق جائز قرار دے اور دوسرا ناجائز، تو عند اللہ یہ دونوں حکم درست اور جائز ہوتے ہیں، ان میں سے کسی کو گناہ و معصیت نہیں کہہ سکتے، اور اسی لئے اس پر بھی عن المتکر کا قانون جاری نہیں ہوتا، کیونکہ ان میں سے کوئی جانب بھی منکر شرعی نہیں، اور ویحذریٰ النفسین میں درختوں کے کاٹنے یا جلانے والوں کے عمل کی توجیہ بیان کی گئی ہے کہ وہ بھی فساد میں داخل نہیں بلکہ کفار کو ذلیل کرنے کے قصد سے موجب ثواب ہے۔ مسئلہ: بحالت جنگ کفار کے گھروں کو منہدم کرنا یا جلانا اسی طرح درختوں اکھیتوں کو برباد کرنا جائز ہے یا نہیں اس میں ائمہ فقہاء کے مختلف اقوال ہیں، امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ سے بحالت جنگ ان سب کاموں کا جائز ہونا منقول ہے، مگر شیخ ابن ہمام نے فرمایا کہ یہ جواز اس وقت میں ہے جبکہ اس کے بغیر کفار پر غلبہ پانا مشکل ہو یا اس صورت میں جبکہ مسلمانوں کی فتح کا گمان غالب نہ ہو، تو یہ سب کام اس لئے جائز ہیں کہ ان سے کفار کی طاقت و شوکت کو توڑنا مقصود ہے، یا عدم فتح کی صورت میں اُن کے مال کو ضائع کرنا بھی ان کی قوت کو کمزور کر دینے کے لئے اس میں داخل ہے (مظہری)۔

وَمَا أَفَاءَ اللَّهُ عَلَى رَسُولِهِ مِنْهُمْ فَمَا أَوْجَفْتُمْ عَلَيْهِ مِنْ خَيْلٍ وَ

اور جو مال کہ لوٹا دیا اللہ نے اپنے رسول پر ان سے سوتم نے نہیں دوڑائے اس پر گھوڑے اور

لَا رِكَابَ وَلَكِنَّ اللَّهَ يُسَلِّطُ رُسُلَهُ عَلَىٰ مَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ

نہ اونٹ و لیکن اللہ غلبہ دیتا ہر اپنے رسولوں کو جس پر چاہے اور اللہ سب کچھ

شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿۶﴾ مَا أَفَاءَ اللَّهُ عَلَىٰ رَسُولِهِ مِنْ أَهْلِ الْقُرَىٰ فَلِلَّهِ وَ

کر سکتا ہے ، جو مال کوٹایا اللہ نے اپنے رسول پر بستیوں والوں سے سوا اللہ کے واسطے

لِلرَّسُولِ وَلِذِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسْكِينِ وَابْنِ السَّبِيلِ لَا

اور رسول کے اور قربات والے کے اور یتیموں کے اور محتاجوں کے اور مسافروں کے ،

كِي لَا يَكُونَ دُولَةً بَيْنَ الْأَغْنِيَاءِ مِنْكُمْ وَمَا أَتَاكُمُ الرَّسُولُ

تاکہ نہ آئے لینے دینے میں دولت مندوں کے تم میں سے اور جو آئے تم کو رسول

فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا وَاتَّقُوا اللَّهَ ط إِنَّ اللَّهَ

سولے لو اور جس سے منع کرے سو چھوڑ دو ، اور ڈرتے رہو اللہ سے بیشک اللہ کا

شَدِيدُ الْعِقَابِ ﴿۷﴾ لِلْفَقْرَاءِ الْمُهَاجِرِينَ الَّذِينَ أُخْرِجُوا مِنْ

عذاب سخت ہے ، واسطے ان مفلسوں وطن چھوڑنے والوں کے جو نکالے ہوئے آئے

دِيَارِهِمْ وَأَمْوَالِهِمْ يُبْتَغُونَ فَضْلًا مِنَ اللَّهِ وَرِضْوَانًا وَيُنْصَرُونَ

ہیں اپنے گھروں سے اور اپنے مالوں سے ڈھونڈتے آئے ہیں اللہ کا فضل اور اس کی رضامندی اور مدد

اللَّهُ وَرَسُولُهُ أُولَٰئِكَ هُمُ الصَّادِقُونَ ﴿۸﴾ وَالَّذِينَ تَبَوَّءُوا الدَّارَ

کرنے کو اللہ کی اور اس کے رسول کی ، وہ لوگ وہی ہیں سچے ، اور جو لوگ جگہ پکڑ رہے ہیں اس گھر میں

وَالْإِيمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّونَ مَنْ هَاجَرَ إِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُونَ فِي

اور ایمان میں ان سے پہلے سے وہ محبت کرتے ہیں اس سے جو وطن چھوڑ کر آئے ان کے پاس اور نہیں پاتے اپنے

صُدُّوهُمْ حَاجَةً قَلِيلًا أَوْ تَوَارَوْا بِوُجُوهِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ وَكُلُوا

دل میں تنگی اس چیز سے جو ان (مہاجرین) کو دیکھ کر اور مقدم رکھتے ہیں ان کو اپنی جان سے اور

كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ وَمَنْ يُوْثِقْ شَيْئًا نَفْسِهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ

اگرچہ ہو بڑا اور پر فاقہ ، اور جو پکڑ لیا اپنے جی کے لالچ سے تو وہی لوگ ہیں

الْمُفْلِحُونَ ۝۹ وَالَّذِينَ جَاءُوا مِنْ بَعْدِهِمْ يَقُولُونَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا

مراد پانے والے ، اور واسطے ان لوگوں کے جو آئے ان کے بعد کہتے ہوئے اے رب بخش ہم کو

وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِينَ سَبَقُونَا بِالْإِيمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِي قُلُوبِنَا غِلًا

اور ہمارے بھائیوں کو جو ہم سے پہلے داخل ہوئے ایمان میں اور نہ رکھ ہمارے دلوں میں تیر

لِلَّذِينَ آمَنُوا رَبَّنَا إِنَّكَ رَءُوفٌ رَحِيمٌ ۝۱۰

ایمان والوں کا اے رب تو ہی ہے نرمی والا مہربان ،

خلاصہ تفسیر

دو پر جو بیان ہوا وہ تو بنی نصیر کی جانوں کے ساتھ معاملہ تھا اور ان کے اموال کے ساتھ جو معاملہ ہوا اس کا بیان یہ ہے کہ جو کچھ اللہ نے اپنے رسول کو ان سے دلوایا سو اس میں تم کو کوئی مشقت نہیں پڑی، چنانچہ تم نے اس پر (یعنی اس کے حاصل کرنے پر) نہ گھوڑے دوڑائے اور نہ اونٹ (مطلب یہ کہ نہ سفر کی مشقت ہوئی، کیونکہ مدینہ سے دھیل پر ہے، اور نہ قتال کی اور برائے نام جو مقابلہ کیا گیا وہ غیر معتد بہ تھا کذا فی الروح، اس لئے اس مال میں تمہارا استحقاق تقسیم و تسلیم کا نہیں، جس طرح مال غنیمت میں ہوتا ہے) لیکن اللہ تعالیٰ (کی عادت ہے کہ) اپنے رسولوں کو (اپنے دشمنوں میں سے) جس پر چاہے (خاص طور پر) مسلط فرما دیتا ہے (یعنی محض رعب سے مغلوب کر دیتا ہے، جس میں کسی کو کچھ مشقت اٹھانی نہیں پڑتی، چنانچہ ان رسولوں میں سے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اموال بنی نصیر پر اسی طرح مسلط فرمادیا، اس لئے اس میں تمہارا کوئی حق نہیں ہے بلکہ اس میں مالکانہ تصرف کرنے کا مکمل اختیار آپ کو ہی ہے) اور اللہ تعالیٰ کو ہر چیز پر پوری قدرت ہے پس وہ جس طرح چاہے دشمنوں کو مغلوب کر دے اور جس طرح چاہے اپنے رسول کو اختیار اور تصرف دے، اور جیسا اموال بنی نصیر کا یہ حکم ہے اسی طرح جو کچھ اللہ تعالیٰ (اسی طور پر) اپنے رسول کو دوسری بستیوں کے (کافر) لوگوں سے دلوائے (جیسا باغ ذک اور ایک جزو خیر کا اسی طرح ہاتھ آیا) سو اس میں بھی تمہارا کوئی استحقاق ملکیت کا نہیں بلکہ (وہ بھی) اللہ کا حق ہے (یعنی وہ جس طرح چاہے اس میں حکم دے جیسا کہ اور سب چیزوں میں اس کا اسی طرح کا حق ہے اور تخصیص حصر کے لئے نہیں) اور رسول کا (حق ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اُن کو اس مال میں لگا تصرفات اپنی صوابدید سے کرنے کا اختیار دیدیا ہے) اور آپ کے (قرابت داروں کا (حق ہے) اور یتیموں کا (حق ہے) اور غریبوں کا (حق ہے) اور مسافروں کا (حق ہے) یعنی یہ سب حسب صوابدید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، اس مال کے مصرف ہیں، اور ان میں بھی انحصار نہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

جس کو اپنی رائے سے دینا چاہیں وہ بھی اس میں شامل ہے، اور مذکورہ اقسام کا خاص طور پر ذکر شاید اس لئے کیا گیا کہ اُن کے بارے میں یہ شبہ ہو سکتا تھا کہ جب شرکاء جہاد کا اس مال میں استحقاق نہیں تو یہ اقسام جو شریک جہاد بھی نہیں ان کا بھی حق نہیں ہوگا، مگر آیت میں اُن کا ذکر خاص اوصاف یتیم، غریب، مشرک وغیرہ کے ساتھ کر کے اشارہ کر دیا کہ یہ لوگ اپنے ان اوصاف کی وجہ سے اس مال کے مصرف باختیار نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہو سکتے ہیں جہاد کی شرکت سے اس کا تعلق نہیں، پھر ان اوصاف میں ایک وصف ذوی القربی یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریبی رشتہ داروں کا بھی ہے، ان کو اس مال میں سے اس لئے دیا جاتا تھا کہ یہ سب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مددگار تھے، ہر مشکل کے وقت کام آتے تھے، یہ حصہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد منقطع ہو گیا، جیسا کہ سورۃ انفال میں اس کا بیان آچکا ہے، اور یہ حکم مذکور اس لئے مقرر کر دیا تاکہ وہ (مال فنی) تمھارے مالداروں کے قبضہ میں نہ آجائے جیسا جاہلیت میں سب غنائم و محاصل جنگ اصحاب اقتدار کھا جاتے تھے، اور نفزار بالکل محروم رہ جاتے تھے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے رسول کی رائے پر رکھا اور مصارف بھی بتلا دیتے کہ آپ باوجود مالک ہونے کے پھر بھی اہل حاجت و مواقع مصلحت عامہ میں صرف فرمادیں گے (اور جب یہ معلوم ہو گیا کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی رائے پر ہونے میں حکمت ہو تو) رسول تم کو جو کچھ دیدیا کریں وہ لیلیا کر دو اور جس چیز کے لینے سے تم کو روک دیں تم رُک جایا کرو (اور بجوم الفاظ یہی حکم ہے تمام افعال و احکام میں بھی) اور اللہ سے ڈرو بیشک اللہ تعالیٰ (مخالفت کرنے پر) سخت سزا دینے والا ہے (اور یوں تو فنی میں مطلقاً سب مساکین کا حق ہو لیکن) ان حاجت مند ہاجرین کا (بالخصوص) حق ہے جو اپنے گھروں سے اور اپنے مالوں سے (جبراً و ظلماً) جدا کر دیئے گئے (یعنی کفار نے ان کو اس قدر تنگ کیا کہ گھر بار چھوڑ کر ہجرت پر مجبور ہوئے اور اس ہجرت سے) وہ اللہ تعالیٰ کے فضل (یعنی جنت) اور رضامندی کے طالب ہیں (کسی دنیوی غرض سے ہجرت نہیں کی) اور وہ (لوگ) اللہ اور اس کے رسول (کے دین) کی مدد کرتے ہیں (اور) یہی لوگ (ایمان کے) سچے ہیں اور (نیز) ان لوگوں کا (بھی حق ہے) جو دارالاسلام (یعنی مدینہ) میں اور ایمان میں ان (ہاجرین) کے (آنے کے) قبل سے قرار پکڑے ہوئے ہیں (مراد اس سے انصاری حضرات ہیں، اور مدینہ میں اُن کا پہلے قرار پکڑنا تو ظاہر ہے کہ وہ یہیں کے باشندے تھے، اور ایمان میں پہلے قرار پکڑنے کا یہ مطلب نہیں کہ سب انصار کا ایمان سب ہاجرین سے مقدم ہو، بلکہ مراد یہ ہے کہ ہاجرین کے مدینہ میں آنے سے پہلے ہی یہ حضرات مشرف باسلام ہو چکے تھے، خواہ اصل ایمان ان کا بعض ہاجرین کے ایمان سے مؤخر ہی ہوا جو اُن کے پاس ہجرت کر کے آتا ہے اس سے یہ لوگ محبت کرتے ہیں اور ہاجرین کو مال غنیمت وغیرہ میں سے) جو کچھ ملتا ہے اس سے یہ (انصار) بوجہ محبت کے، اپنے دلوں میں کوئی رشک نہیں پاتے اور (بلکہ اس سے بھی) بڑھ کر محبت کرتے ہیں کہ

اطعام وغیرہ میں ان کو اپنے سے مقدم رکھتے ہیں اگرچہ ان پر فاقہ ہی ہو (یعنی خود لبسا اوقات فاقہ سے بیٹھ رہتے ہیں اور مہاجرین کو کھلا دیتے ہیں) اور (واقعی) جو شخص اپنی طبیعت کے بخل سے محفوظ رکھا جائے (جیسے یہ لوگ ہیں کہ حرص اور اس کے مقتضایہ عمل کرنے سے اللہ تعالیٰ نے ان کو پاک رکھا) ایسے ہی لوگ فلاح پانے والے ہیں اور ان لوگوں کا بھی اس مال فنی میں حق ہے (جو درالاسلام میں یا ہجرت میں یا دنیا میں) ان (مہاجرین و انصار مذکورین) کے بعد آئے (یا آویں گے) جو دعاء کرتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار ہم کو بخش دے اور ہمارے ان بھائیوں کو (بھی) جو ہم سے پہلے ایمان لائے ہیں (خواہ نفس ایمان یا ایمان کامل کہ موقوف ہجرت پر تھا) اور ہمارے دلوں میں ایمان والوں کی طرف سے کینہ نہ ہونے کیجو (یہ دعاء متقدمین کے علاوہ معاصرین کو بھی شامل ہے) اے ہمارے رب آپ بڑے شفیق رحیم ہیں۔

معارف و مسائل

وَمَا أَقَاءَ اللَّهُ عَلَى رَسُولِهِ مِنْهُمْ الْآيَةَ، لفظ آقَاءَ فنی سے مشتق ہے جس کے معنی کوٹنے کے ہیں، اسی لئے دوسرے کے بعد جو چیزوں کا سایہ مشرق کی طرف کوٹتا ہے اس کو بھی فنی کہا جاتا ہے، اموال غنیمت جو کفار سے حاصل ہوتے ہیں ان سب کی اصل حقیقت یہ ہے کہ ان کے باغی ہو جانے کی وجہ سے ان کے اموال بھی سرکار ضبط ہو جاتے ہیں اور ان کی ملکیت سے نکل کر پھر مالک حقیقی حق تعالیٰ کی طرف کوٹ جاتے ہیں، اس لئے ان کے حاصل ہونے کو آقائے کے لفظ سے تعبیر کیا گیا، اس کا تقاضا یہ تھا کہ کفار سے حاصل ہونے والے تمام قسم کے اموال کو فنی ہی کہا جاتا، مگر جو مال جہاد و قتال کے ذریعہ حاصل ہوا اس میں انسانی عمل اور جدوجہد کو بھی ایک قسم کا دخل ہے، اس لئے اس کو تو لفظ غنیمت سے تعبیر فرمایا گیا، وَأَعْلَمُوا أَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِنْ شَيْءٍ، لیکن جس کے حصول میں جہاد و قتال کی بھی کوئی ضرورت نہ پڑی اس کو لفظ فنی سے تعبیر فرمایا گیا، اس آیت کا حاصل یہ ہوا کہ جو مال بغیر جہاد و قتال کے حاصل ہوا ہے وہ مجاہدین و غنائین میں مال غنیمت کے قانون کے مطابق تقسیم نہیں ہوگا، بلکہ اس میں کئی اختیار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں ہوگا جس کو جتنا چاہیں عطا فرمادیں یا اپنے لئے رکھیں، البتہ یہ پابندی لگا دی گئی کہ چند اقسام مستحقین کی متعین کر دی گئیں کہ اس مال کی تقسیم انہیں اقسام میں دائر رہنی چاہئے، اس کا بیان اگلی آیت میں اس طرح فرمایا مَا أَقَاءَ اللَّهُ عَلَى رَسُولِهِ مِنْ أَهْلِ الْقُرَى، اس میں اہل قسری سے مراد بنو نضیر اور ان جیسے دوسرے قبائل بنو قریظہ وغیرہ ہیں جن کے اموال بغیر قتال کے حاصل ہوئے، آگے مصارف و مستحقین کی پانچ قسمیں بتلائی گئیں ہیں جن کا بیان آگے آتا ہے۔

آیات مذکورہ میں فنی کے احکام، اس کے مستحقین اور ان میں تقسیم کا طریقہ کار بیان فرمایا ہے۔

سورۃ انفال کے شروع میں مال غنیمت اور فتنی کا فرق واضح طور پر بیان ہو چکا ہے، کہ غنیمت اس مال کو کہا جاتا ہے جو کفار سے جہاد و قتال کے نتیجہ میں مسلمانوں کے ہاتھ آتا ہے، اور فتنی وہ مال ہے جو بغیر جہاد و قتال کے ان کے حاصل ہو، خواہ اس طرح کہ وہ اپنا مال چھوڑ کر بھاگ گئے، یا رضامندی سے بصورتِ جزیہ و خراج یا تجارتی ڈیوٹی وغیرہ کے ذریعہ ان سے حاصل ہوتا ہے۔

اس کی کچھ تفصیل شروع سورۃ انفال میں معارف القرآن جلد چہارم صفحہ ۲۳۶، ۲۳۷ میں اور مزید تفصیل اسی سورۃ انفال کی آیت ۴۱ کے تحت معارف القرآن جلد چہارم صفحہ ۲۳۶ میں بھی جا چکی ہے۔

یہاں یہ بات قابلِ غور ہے کہ سورۃ انفال کی آیت ۴۱ میں جو الفاظ خمس غنیمت کے متعلق آئے ہیں تقریباً وہی الفاظ یہاں مال فتنی کے بارے میں ہیں، سورۃ انفال میں ہے: **وَأَعْلَمُوا أَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَإِنَّ لِلَّهِ خُمُسَهُ وَلِلرَّسُولِ وَلِذِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسْكِينِ وَابْنِ السَّبِيلِ**، ان دونوں آیتوں میں مال کے حقداروں میں چھ نام ذکر کئے گئے، اللہ، رسول، ذوی القربی، یتیم، مسکین، مسافر، یہ ظاہر ہے کہ اللہ جل شانہ، تو دنیا و آخرت اور تمام مخلوقات کا مالک حقیقی ہے، اس کا نام مبارک و حصوں کے بیان میں محض تبرکاً اس فائدہ کے لئے ہے کہ اس سے اس مال کی شرافت و فضیلت اور حلال و طیب ہونے کی طرف اشارہ ہو جائے، حسن بصری، قتادہ، عطاء، ابراہیم، شعبی اور عام مفسرین کا یہی قول ہے (مظہری)۔

اللہ جل شانہ کا نام ذکر کرنے سے اس مال کی فضیلت و شرافت کی طرف اشارہ کس طرح ہوا اس کا تفصیلی بیان سورۃ انفال کی تفسیر میں ہو چکا ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کے لئے مال صدقہ جو مسلمانوں سے حاصل ہوتا ہے، وہ بھی حلال نہیں فرمایا، مال غنیمت اور فتنی جو کافروں سے حاصل ہوا اس پر یہ شبہ ہو سکتا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے کیسے حلال ہوا؟ اس شبہ کا ازالہ اللہ جل شانہ کا نام اس جگہ ذکر کر کے اس طرح کیا گیا کہ درحقیقت ہر چیز کا مالک اللہ تعالیٰ ہے، اس نے اپنے فضل سے ایک خاص قانون کے تحت السالوں کو حق ملکیت دیا ہے، لیکن جو انسان باغی ہو جائے ان کو صحیح راستہ پر لانے کے لئے اول تو انبیاء علیہم السلام اور آسمانی ہدایات بھی گئیں جو ان سے بھی متاثر نہیں ہوئے ان کو یہ حق دیا گیا کہ کم از کم اسلامی قانون کی اطاعت قبول کر لیں اور مقررہ جزیہ و خراج اپنے مال میں سے حکومت کو ادا کیا کریں، جن لوگوں نے اس سے بھی بغاوت کی ان کے مقابلہ میں جہاد و قتال کا حکم ہو گیا جس کا حاصل یہ ہے کہ ان کی جان اور مال قابلِ احترام نہیں، ان کے اموال بھی حکومتِ الہیہ ضبط ہو گئے، اور بذریعہ جہاد و قتال جو مال ان سے حاصل ہوا وہ کسی انسان کی ذاتی ملکیت نہیں رہا، بلکہ براہِ راست اللہ تعالیٰ کی ملک میں واپس ہو گیا، اور لفظ فتنی میں اس مفہوم کی طرف اشارہ بھی ہے کہ اس کے اصلی معنی ٹوٹنے ہی کے ہیں، اس مال کو فتنے اس لئے کہا گیا کہ یہ اصل مالک حقیقی اللہ تعالیٰ کی ملکیت کی طرف لوٹ گیا۔

اب اس میں کسی انسانی ملکیت کا کوئی دخل نہیں، اس کے بعد جن مستحقین کو اس میں کوئی حصہ دیا جائے گا یہ براہ راست اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوگا، اس لئے ایسا ہی حلال طیب ہوگا جیسے پانی اور خود آگنے والی گھاس جو براہ راست حق تعالیٰ کا عطیہ انسان کے لئے ہے اور حلال طیب ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا نام اس جگہ ذکر کرنے سے اشارہ اس طرف ہے کہ یہ سارا مال دراصل اللہ کا ہے، اس کی طرف سے مستحقین کو دیا جاتا ہے، یہ کسی کا صدقہ و خیرات نہیں۔

اب مستحقین اور مصارف کُل پانچ رہ گئے، رسول، ذوی القربی، یتیم، مسکین، مشافر یہی پانچ مصارف مال غنیمت کے خمس کے ہیں، جس کا بیان سورۃ انفال میں آیا ہے، اور یہی مصارف مال فتنے کے ہیں اور دونوں کا حکم یہ ہے کہ یہ سب اموال درحقیقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے بعد آپ کے خلفاء کے محل اختیار میں ہوتے ہیں وہ چاہیں تو ان سب اموال کو عام مسلمانوں کے مفاد کے لئے روک لیں، اور بیت المال میں جمع کر دیں، کسی کو کچھ نہ دیں اور چاہیں تقسیم کر دیں، البتہ تقسیم کئے جاویں تو ان پانچ اقسام میں دائر رہیں (قرطبی)

خلفائے راشدین اور دوسرے صحابہ کرام کے تعامل سے ثابت ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تو مال فتنی آپ کے اختیار میں تھا، آپ کی صواب دید کے مطابق صرف کیا جاتا تھا، آپ کے بعد آپ کے خلفاء کے اختیار اور صواب دید پر رہا۔

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جو حصہ اس مال میں رکھا گیا تھا وہ آپ کی وفات کے بعد ختم ہو گیا ذوی القربی کو اس مال میں سے دینے کی دو وجہ تھیں، ایک نصرت رسول، یعنی اسلامی کاموں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد کرنا، اس لحاظ سے اغنیاء ذوی ہستربی کو بھی اس میں سے حصہ دیا جاتا تھا۔

دوسرے یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذوی القربی پر مال صدقہ حرام کر دیا گیا ہے، تو ان کے فقراء و مسکین کو صدقہ کے بدلہ میں مال فتنی سے حصہ دیا جاتا تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد نصرت و امداد کا سلسلہ ختم ہو گیا، تو یہ وجہ باقی نہ رہی، اس لئے اغنیاء ذوی القربی کا حصہ بھی حصہ رسول کی طرح ختم ہو گیا، البتہ فقراء ذوی ہستربی کا حصہ بحیثیت فقراء و احتیاج کے اس مال میں باقی رہا، اور وہ اس مال میں دوسرے فقراء و مسکین کے مقابلہ میں مقدم رکھے جاویں گے (کذا فی الہدایہ) اس کی پوری تفصیل سورۃ انفال میں آچکی ہے۔

فَلَا يَكُونُ دُولَةً بَيْنَ الْأَغْنِيَاءِ مِنْكُمْ، دُولَةُ، بضم دال اس مال کو کہا جاتا ہے جس کا آپس میں لین دین کیا جائے (قرطبی) معنی آیت کے یہ ہیں کہ مال فتنے کے مستحقین اس لئے متعین کر دیئے تاکہ یہ مال تمھارے مالداروں اور توانگروں میں گردش کرنے والی دولت نہ بن جائے۔ اس میں اشارہ اس رسم جاہلیت کو مٹانے کی طرف ہے جس میں اس طرح کے تمام اموال پر رئیس خود قابض و مالک ہو جاتا تھا،

غریبوں، مسکینوں کے حق کا اس میں کوئی حصہ نہ رہتا تھا۔

اقتصادِ دولت پر اسلامی حق تعالیٰ رب العالمین ہے، اس کی مخلوق ہونے کی حیثیت سے انسانی ضروریات قوانین کی ضرب کاری، میں تمام انسانوں کا یکساں حق ہے، اس میں مومن و کافر کا بھی فرق نہیں کیا گیا، خاندانی اور طبقاتی امیرو غریب کا کیا امتیاز ہوتا، اللہ تعالیٰ نے دنیا میں تقسیمِ دولت کا بہت بڑا حصہ جو انسان کی فطری اور اصلی ضروریات پر مشتمل ہے اس کی تقسیم خود اپنے دستِ قدرت میں رکھ کر اس طرح فرمائی ہے کہ اس سے ہر طبقہ ہر خطہ ہر مرکز و ردقی یکساں فائدہ اٹھا سکے، ایسی اشیاء کو اللہ جل شانہ نے اپنی حکمت بالغہ سے عام انسانی دستبرد اور قبضہ و تسلط سے مافوق بنا دیا ہے کہ کسی کی مجال نہیں کہ اس پر ذاتی قبضہ جمائے، ہوا، فضا، آفتاب، مہتاب اور سیاروں کی روشنی، فضا میں پیدا ہونے والے بادل ان کی بارش، یہ چیزیں ایسی ہیں کہ اُن کے بغیر انسان حقوڑی دیر بھی زندہ نہیں رہ سکتا، ان سب کو قدرت حق سبحانہ و تعالیٰ نے ایسا وقت عام بنا دیا کہ کوئی بڑی سے بڑی حکومت و طاقت اس پر قبضہ نہیں جمائے، یہ چیزیں اللہ کی مخلوق کو ہر جگہ یکساں ملتی ہیں۔

اشیاء ضرورت کی دوسری قسط زمین سے نکلنے والا پانی اور کھانے کی چیزیں ہیں، یہ اگرچہ اتنی عام نہیں مگر اسلامی قانون میں پہاڑوں اور غیر آباد جنگلوں اور قدرتی چشموں کو وقف عام چھوڑ کر ایک خاص قانون کے تحت خاص خاص انسانوں کو زمین کے بعض حصوں پر جائز حق ملکیت بھی دیا جاتا ہے اور ناجائز قبضہ و تسلط جمانے والے بھی زمین پر قبضہ جمالیتے ہیں، لیکن قدرتی طور پر زمین کے فوائد کوئی بڑا سرمایہ دار بھی بغیر غریبوں، کسانوں، مزدوروں کو ساتھ لئے حاصل نہیں کر سکتا، اس لئے ایک گونہ قبضہ کے باوجود وہ اس میں دوسرے کمزور غریبوں کو حصہ دینے پر مجبور ہے۔

تیسری قسط سونا چاندی روپیہ پیسہ ہے جو اصلی اور فطری ضروریات میں داخل نہیں، مگر حق تعالیٰ نے اس کو تمام ضروریات کی تحصیل کا ذریعہ بنا دیا ہے، اور یہ معادن سے نکالنے کے بعد خاص قانون کے تحت نکالنے والوں کی ملکیت ہو جاتا ہے، اور اُن سے اُن کی ملکیت مختلف طریقوں پر دوسروں کی طرف منتقل ہوتی رہتی ہے، اور اگر اس کی گردش پورے انسانوں میں خاطر خواہ ہوتی رہے تو کوئی انسان بھوکا نہ لگا نہیں رہ سکتا، مگر ہوتا ہے کہ مال سے صرف خود ہی فائدہ اٹھائے، دوسروں تک اس کا فائدہ نہ پہنچے، اس بخل و حرص نے دنیا میں اقتصادِ دولت اور سرمایہ پرستی کے پرانے اور نئے بہت سے طریقے ایجاد کرائے، جن کے ذریعہ اس دولت کی گردش صرف سرمایہ داروں اور بڑے لوگوں کے ہاتھوں تک محدود ہو کر رہ گئی، عام غریب مساکین محروم کر دیے گئے، جس کے ردِ عمل نے دنیا میں کمیونزم اور سوشلزم جیسے نامعقول طریقے ایجاد کئے۔

اسلامی قانون نے ایک طرف تو شخصی ملکیت کا اتنا احترام کیا کہ ایک شخص کے مال کو اس کی جان

کی برابر اور جان کو بیت اللہ کی حرمت کے برابر قرار دیا اس پر کسی کے ناجائز تصرف کو شدت سے روکا، دوسری طرف جو ہاتھ ناجائز طور پر اس کی طرف ہڑھارہ ہاتھ کاٹ دیا گیا، تیسری طرف ایسے تمام دروازے بند کر دیئے کہ قدرتی وسائل سے حاصل ہونے والی چیزوں پر کوئی خاص شخص یا جماعت قبضہ کر کے بیٹھ جاتے اور عوام کو محروم کر دے۔

کسب و اكتساب کے مروجہ طریقوں میں سود، سٹہ، بھو ایسی چیزیں ہیں کہ ان کے ذریعہ دولت سمٹ کر چند افراد و اشخاص میں دائر ہو کر بجاتی ہے، ان سب کو سخت حرام قرار دے کر تمام معاملات تجارت اور کرایہ داری وغیرہ میں ان کی جرم کاٹ دی، اور جو دولت کسی شخص کے پاس جائز طریقوں سے جمع ہوئی اس میں بھی غریبوں، فقیروں کے حقوق، زکوٰۃ، عشر، صدقہ الفطر، کفارات وغیرہ مقررہ فرائض کی صورت میں اور اس سے زائد رضا کارانہ صورت میں قائم فرما دیئے، اور ان سب اخراجات کے بعد بھی جو کچھ انسان کے مرنے کے وقت تک باقی رہ گیا اس کو ایک خاص حکیمانہ اصول کے مطابق تقسیم کر دیا کہ اس کا حق دار اسی مرنے والے کے رشتہ داروں کو اقرب فالاقرب کے اصول پر بنادیا اس کو عام فقراء میں تقسیم کرنے کا قانون اس لئے نہ بنایا کہ ایسا ہوتا تو مرنے والا اپنے مرنے سے پہلے ہی اس کو جاوے جا خرچ کر کے فارغ ہونے کی خواہش طبعی طور پر رکھتا، اپنے ہی خویش و عزیز کو ملتا دیکھ کر یہ داعیہ اس کے دل میں پرورش نہ پائے گا۔

یہ طریقہ تو کسب و اكتساب کے عام مروجہ طریقوں میں استثنائے دولت سے بچانے کا اختیار کیا، دوسرا طریقہ دولت حاصل ہونے کا جنگ و جہاد ہے، اس سے حاصل ہونے والے اموال میں وہ تقسیم شرعی جاری فرمادی جس کا ذکر کچھ سورۃ انفال میں گذرا ہے، اور کچھ اس سورت میں بیان ہوا ہے، کیسے بے بصیرت ہیں وہ لوگ جو اسلام کے اس منصفانہ، عادلانہ اور حکیمانہ نظام کو چھوڑ کر نئے نئے ازموں کو اختیار کر کے امن عالم کو برباد کر رہے ہیں۔

مَا أَنشَأَكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوا وَمَا نَهَاكُمُ عَنْهُ فَأْتُوا إِنَّ اللَّهَ إِلَٰهِي، یہ آیت اگرچہ مال فتنے کی تقسیم کے سلسلے میں آئی ہے، اور اس سلسلے کے مناسب اس کا مفہوم یہ ہے کہ مال فتنے میں اگرچہ اللہ تعالیٰ نے مستحقین کے طبقات بیان کر دیئے ہیں مگر ان میں کس کو اور کتنا دیں اس کی تعیین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صواب دید پر رکھی ہے، اس لئے مسلمانوں کو اس آیت میں ہدایت دی گئی کہ جس کو جتنا آپ عطا فرمادیں اس کو راضی ہو کر لے لیں اور جو نہ دیں اس کی فکر میں نہ پڑیں، آگے اس کو ارْتَقُوا اللہ کے حکم سے متوکد کر دیا، کہ اگر اس معاملے میں کچھ غلط چیلے پہلے بنا کر زائد وصول کر بھی لیا تو اللہ تعالیٰ کو سب خبردار وہ اس کی سزا دے گا۔

حکم رسول مثلاً حکم قرآن کے لیکن الفاظ آیت عام ہیں، صرف اموال کے ساتھ مخصوص نہیں، بلکہ احکام بھی واجب التحمیل ہے، اس میں داخل ہیں، اس لئے عام انداز میں آیت کا مفہوم یہ ہے کہ جو کوئی حکم یا مال یا اور کوئی چیز آپ کسی کو عطا فرمادیں وہ اس کو لے لینا چاہئے، اور اس کے مطابق عمل کے لئے تیار ہو جائے اور جس چیز سے روک دیں اس سے روکنا چاہئے۔

بہت سے صحابہ کرام نے اسی عام مفہوم کو اختیار کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر حکم کو اس آیت کی بناء پر فسران ہی کا حکم اور واجب تعمیل قرار دیا ہے، قرطبی نے فرمایا کہ اس آیت میں آنی کے بالمقابل نہی کا لفظ آیا ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آنی کے معنی یہاں آمر کے ہیں جو نہی کا صحیح مقابل ہے، (۱۴) اور فسران کریم نے نہی کے مقابل میں آمر کے لفظ کو چھوڑ کر آنی کا لفظ استعمال شاید اس لئے فرمایا تاکہ جس مضمون کے سیاق میں یہ آیت آئی ہے یعنی مال فتنے کی تقسیم اس پر بھی آیت کا مضمون شامل رہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے ایک شخص کو احرام کی حالت میں سلعے ہوئے پکڑے پہنے دیکھا تو حکم دیا کہ یہ کپڑے اُتار دو، اس شخص نے کہا کہ آپ اس کے متعلق مجھے قرآن کی کوئی آیت بتا سکتے ہیں؟ جس میں سلعے ہوئے کپڑوں کی ممانعت ہو، حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا ہاں وہ آیت میں بتاتا ہوں، پھر یہی آیت مَا أَتَاكُمُ الرَّسُولُ بِظُرْكُمْ سُنَادی، امام شافعیؒ نے ایک مرتبہ لوگوں سے کہا کہ میں تمہارے ہر سوال کا جواب قرآن سے دے سکتا ہوں، پوچھو جو کچھ پوچھنا ہے، ایک شخص نے عرض کیا کہ ایک محرم نے زبور (تنتیا) مار ڈالا تو اس کا کیا حکم ہے؟ امام شافعیؒ نے یہی آیت مَا أَتَاكُمُ الرَّسُولُ تلاوت کر کے حدیث سے اس کا حکم بیان فرما دیا (قرطبی)۔

لِلْفَقْرِ آءُ الْفَقْرِ جَرِيْنٌ، ان چند آیات میں آخر رکوع تک فقراء مہاجرین و انصار اور ان کے بعد آنے والی عام اُمت کے افراد کا بیان ہے، ترکیب نحوی کے اعتبار سے لِلْفَقْرِ آءُ الْفَقْرِ لِيْذِي الْقُوٰى کا بدل قرار دیا گیا جو اس سے پہلی آیت میں مذکور ہے (منظری) اور مطلب آیت کا یہ ہے کہ بھلی آیت میں جو عام یتیموں، مساکین اور مسافریں کو ان کے فتنہ و احتیاج کی بناء پر مال فتنے کے مستحقین میں شمار کیا گیا ہے، ان آیات میں اس کی مزید تشریح اس طرح کی گئی ہے کہ اگرچہ حقدار اس مال میں تمام ہی فقراء و مساکین ہیں لیکن پھر ان میں یہ حضرات اور سب لوگوں سے مقدم ہیں جن کی دینی خدمات اور ذاتی اوصاف و کمالات دینیہ معروف ہیں۔

اموال صدقات میں صلحاء اور اس سے معلوم ہوا کہ اموال صدقات خصوصاً مال فتنے اگرچہ عام فقراء مسلمین کی حاجت دینی خدا انجام دینے والے رفع کرنے کے لئے ہیں، لیکن ان میں بھی نیک صالح دیندار خصوصاً دینی خدمات انجام دینے والے طلباء، علماء، اوروں سے مقدم رکھے جائیں، اسی لئے اسلامی

حکومتوں میں تعلیم و تبلیغ اور اصلاح حلقہ میں مشغول علماء اور مفتیوں، قاضیوں کو ان کے گزارہ کے اخراجات مال فتنے ہی سے دینے کا رواج تھا، کیونکہ ان آیات میں صحابہ کرام میں بھی اوّل و درجے قائم کئے گئے، ایک مہاجرین جنہوں نے سب سے پہلے اسلام اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بڑی قربانیاں پیش کیں اور اسلام کے لئے بڑے مصائب جھیلے، بالآخر مال و جائیداد، وطن اور تمام خویش و اقرباء کو خیر باد کہہ کر مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کی، دوسرے انصار مدینہ ہیں، جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھ آنے والے مہاجرین حضرات کو بلا کر دنیا کو اپنا مخالف بنایا اور ان حضرات کی ایسی میزبانی کی کہ جس کی نظیر دنیا میں نہیں ملتی، ان دونوں طبقوں کے بعد تیسرا درجہ ان مسلمانوں کا قرار دیا جو حضرات صحابہ کے بعد

مشرق باسلام ہوئے اور ان کے نقش قدم پر چلے جس میں قیامت تک آنے والے مسلمان سب شریک ہیں اگر ان تینوں طبقات کے کچھ فضائل و کمالات اور دینی خدمات کا بیان ہے۔

الَّذِينَ أُخْرِجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ وَأَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِنَ اللَّهِ وَ
رِضْوَانًا وَيَنْصَرُّوْنَ إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ أُولَٰئِكَ هُمُ الصَّادِقُونَ ۝

فضائل مہاجرین

اس میں مہاجرین کا پہلا وصف یہ بیان فرمایا کہ ان کو ان کے وطن اور مال و جائداد سے نکال دیا گیا، یعنی کفار مکہ نے صرف اس جرم میں کہ یہ لوگ مسلمان اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حامی و مددگار ہو گئے تھے ان پر طرح طرح کے مظالم کئے یہاں تک کہ وہ اپنا وطن اور مال و جائداد چھوڑ کر ہجرت کرنے پر مجبور ہو گئے، بعض لوگ بھوک سے مجبور ہو کر پیٹ کو پتھر باندھ لیتے تھے، اور بعض لوگ سردی کا سامان نہ ہونے کے سبب زمین میں گر کر صاف کھود کر اس میں سردی سے بچتے تھے (منہری، قرطبی)

ایک اہم مسئلہ، مسلمانوں کے اموال پر کفار کے قبضہ کا حکم اس آیت میں حضرات مہاجرین کو فقراء فرمایا ہے، اور فقیر وہ شخص ہوتا ہے جس کی ملک میں کچھ نہ ہو یا کم از کم بقدر نصاب کوئی چیز نہ ہو، حالانکہ حضرات مہاجر

میں سے اکثر مکہ مکرمہ میں اصحاب اموال و جائداد تھے، اگر ہجرت کے بعد بھی وہ اموال ان کی ملکیت ہوتے تو ان کو فقراء کہنا درست نہ ہوتا، قرآن کریم نے ان کو فقراء فرما کر اس طرف اشارہ کر دیا کہ ہجرت کے بعد ان کی جائداد اور مال جو مکہ میں چھوڑ آئے اور کفار نے ان پر قبضہ کر لیا وہ ان کی ملک سے نکل گئے۔

اسی لئے امام اعظم ابو حنیفہؒ و امام مالکؒ نے فرمایا کہ اگر مسلمان کسی جگہ ہجرت کر کے چلے آویں اور ان کے مال و جائداد پر کفار قابض ہو جائیں، یا خدا نخواستہ کسی دارالاسلام پر وہ غالب آکر مسلمانوں کے اموال و جائداد چھین لیں تو یہ اموال و جائداد کفار کے مکمل قبضہ مالکانہ سے بعد انہی کی ملک ہو جاتے ہیں، ان کے تصرفات بیع و شراء ان اموال مسلمین میں نافذ ہوتے ہیں، روایات حدیث سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے تفسیر منہری میں اس جگہ وہ سب روایات نقل کی ہیں۔

دوسری صفت مہاجرین کی اس آیت میں یہ ذکر فرمائی ہے يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِنَ اللَّهِ وَرِضْوَانًا، یعنی ان کے اسلام میں داخل ہونے اور پھر ہجرت کر کے مال و وطن کو چھوڑنے کی کوئی دنیاوی غرض نہ تھی، بلکہ صرف اللہ کا فضل و رضا مطلوب تھی جس سے ان کا کمال اخلاص معلوم ہوا، لفظ فضل عموماً دنیاوی نعمت کے لئے اور رضوان آخرت کی نعمت کے لئے بولا جاتا ہے، اس لئے مفہوم یہ ہوا کہ ان حضرات نے اپنے تمام سابقہ اسباب عیش مکان، جائداد وغیرہ کو تو چھوڑ دیا، اب دنیاوی ضروریات بھی اور آخرت کی نعمتیں بھی صرف اسلام کے سایہ میں مطلوب تھیں اور دنیا کی ضروریات زندگی بھی اللہ و رسول کی رضا کے تحت حاصل کرنا مقصود تھا۔

تیسرا وصف حضرات مہاجرین کا یہ بیان فرمایا وَيَنْصَرُّوْنَ إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ، یعنی یہ سب

انہوں نے اس لئے اختیار کئے کہ اللہ اور اس کے رسول کی مدد کریں، اللہ کی مدد سے مراد اس کے دین کی مدد ہے جس میں انہوں نے حیرت انگیز قربانیاں پیش کیں۔

چوتھا وصف اُن کا اُولَئِکَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ، یعنی یہی لوگ قول و عمل کے سچے ہیں، کلمۃ اسلام پڑھ کر جو عہد اللہ در رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے باندھا تھا اس میں بالکل پورے اُترے، اس آیت نے تمام صحابہ مہاجرین کے صادق ہونے کا عام اعلان کر دیا، جو شخص ان میں سے کسی کو جھوٹا قرار دے وہ مسلمان نہیں ہو سکتا، کیونکہ وہ اس آیت کا منکر ہے، معاذ اللہ، روافض جو ان حضرات کو منافق کہتے ہیں یہ اس آیت کی کھلی تکذیب ہے، ان حضرات مہاجرین کا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک یہ مقام تھا کہ اپنی دعاؤں میں اللہ تعالیٰ سے ان فقراء مہاجرین کا وسیلہ دے کر دعا فرماتے تھے (مسارواہ البغوی، مظہری)

فضائل انصار اَلَّذِیْنَ تَبَوَّعُوا الدَّارَ الْاِیْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ الْاٰیۃ، تَبَوَّعُ کے معنی ٹھکانے بنانے کے ہیں اور دار سے مراد دارِ ہجرت یا دارِ ایمان یعنی مدینہ طیبہ ہے، مدینہ طیبہ کی ایک خاص فضیلت | اسی لئے حضرت امام مالکؒ ایک حیثیت سے مدینہ طیبہ کو باقی دنیا کے سب شہروں سے افضل قرار دیتے تھے، فرماتے تھے کہ دنیا کے تمام شہر اور ملک جہاں جہاں اسلام پہنچا اور پھیلا ہے سب جہاد کے ذریعہ فتح ہوئے ہیں یہاں تک کہ مکہ مکرمہ بھی، بجز مدینہ طیبہ کے یہ صرف ایمان کی فتح ہوئی (قرطبی) اس آیت میں تَبَوَّعُ کے تحت میں دار کے ساتھ ایمان کا بھی ذکر فرمایا ہے، حالانکہ ٹھکانا پھرنے کا تعلق کسی مقام اور جگہ سے ہوتا ہے، ایمان کوئی ایسی چیز نہیں جس میں ٹھکانا پھرنے کا تعلق ہو، اس لئے بعض حضرات نے فرمایا کہ یہاں ایک لفظ محذوف ہے، یعنی اَخْلَصُوا یا تَمَكَّنُوا، مطلب یہ ہوگا کہ یہی وہ حضرات ہیں جنہوں نے دارِ ہجرت میں ٹھکانا بنایا اور ایمان میں مخلص اور مضبوط ہوئے، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہاں استعارہ کے طور پر ایمان کو ایک محفوظ مکان سے تشبیہ دے کر اس میں پناہ گزین ہو جانے کو بیان فرمایا ہو، اور لفظ مِنْ قَبْلِهِمْ یعنی مہاجرین سے پہلے کا مطلب یہ ہے کہ ان انصار مدینہ کی ایک فضیلت یہ ہے کہ جو شہر اللہ کے نزدیک دارِ ہجرت اور دارِ الایمان بننے والا تھا، اس میں ان لوگوں کا قیام و قرار مہاجرین سے پہلے ہو چکا تھا، اور مہاجرین کے یہاں منتقل ہونے سے پہلے ہی یہ حضرات ایمان قبول کر کے اس میں ہجرت ہو چکے تھے۔

دوسری صفت حضرات انصار کی اس آیت میں بیان کی گئی ہے یُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَیْہِمْ، یعنی یہ حضرات ان لوگوں سے محبت رکھتے ہیں جو ہجرت کر کے ان کے شہر میں چلے آئے ہیں جو عام دنیا کے انسانوں کے مزاج کے خلاف ہے، ایسے اُجڑے ہوئے خستہ حال لوگوں کو اپنی بستی میں جگہ دینا کون پسند کرتا ہے، ہر جگہ ملکی اور غیر ملکی کے سوالات کھڑے ہوتے ہیں، مگر ان حضرات انصار نے

صرف یہی نہیں کیا کہ ان کو اپنی بستی میں جگہ دی، بلکہ اپنے مکانوں میں آباد کیا اور اپنے اموال میں حصہ دار بنایا، اور اس طرح عزت و احترام کے ساتھ ان کا استقبال کیا کہ ایک ایک ہاجر کو اپنے پاس جگہ دینے کے لئے کئی کئی انصاری حضرات نے درخواست کی یہاں تک کہ قرعہ اندازی کرنا پڑی، قرعہ کے ذریعہ جو ہاجر جس انصاری کے حصہ میں آیا اس کو سپرد کیا گیا (منہری)

تیسرا وصف حضرات انصار کا یہ بیان فرمایا وَلَا يَجِدُونَ فِي صُفْدِهِمْ حَاجَةً أَلِيًّا اس جملے کا تعلق اُس خاص واقعہ سے ہے جو بنو نضیر کے جلا وطن ہونے اور اُن کے باغات و مکانات پر مسلمانوں کا قبضہ ہونے کے وقت پیش آیا۔

اموال بنو نضیر کی صورت یہ تھی کہ جب اس آیت میں اموال فے کی تقسیم ہاجرین و انصار وغیرہ میں کرنے کا تقسیم کا واقعہ اختیار نہی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیدیا گیا، یہ وہ وقت تھا کہ ہاجرین کے پاس نہ اپنا کوئی مکان تھا نہ جائداد، وہ حضرات انصار کے مکانوں میں رہتے اور انہی کی جائدادوں میں محنت مزدوری کر کے گزارہ کرتے تھے، جب بنو نضیر اور بنو قینقاع کے اموال بطور فے کے مسلمانوں کو حاصل ہوئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار مدینہ کے سردار ثابت بن قیس بن شماسؓ کو بلا کر فرمایا کہ اپنی قوم انصاری کو میرے پاس بلا دو، انھوں نے پوچھا یا رسول اللہ انصار کے اپنے قبیلہ خزرج کو یا سب انصار کو؟ آپ نے فرمایا سب ہی کو بلانا ہے، یہ حضرات سب جمع ہو گئے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خطبہ دیا، جس میں حمد و صلوة کے بعد انصار مدینہ کی اس بات پر مدح و ثناء فرمائی کہ انھوں نے جو سلوک اپنوجہاں بھائیوں کے ساتھ کیا وہ بڑے عزم و ہمت کا کام تھا، اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے بنو نضیر کے اموال آپ لوگوں کو دیدیئے ہیں، اگر آپ چاہیں تو میں ان اموال کو ہاجرین و انصار سب میں تقسیم کر دوں اور ہاجرین بدستور سابق آپ کے مکانوں میں رہائش پذیر رہیں، اور آپ چاہیں تو ایسا کیا جائے کہ یہ بے گھر دے زر لوگ ہیں، یہ اموال صرف ان میں تقسیم کر دیئے جائیں، اور یہ لوگ آپ کے گھروں کو چھوڑ کر الگ اپنے اپنے گھر بسالیں۔

یہ سن کر انصار مدینہ کے دو بڑے سردار حضرت سعد بن عبادہؓ اور سعد بن معاذؓ کھڑے ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ ہماری رائے یہ ہے کہ یہ سب اموال بھی صرف ہاجر بھائیوں میں تقسیم فرما دیجئے اور وہ پھر بھی ہمارے مکانوں میں بدستور مقیم رہیں، اُن کی بات سُکر تمام حاضرین انصار بول اٹھے کہ ہم اس فیصلے پر راضی اور خوش ہیں، اُس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام انصار اور انصار انصار کو دعادی، اور ان اموال کو صرف ہاجرین میں تقسیم فرمادیا، انصار میں سے صرف دو حضرات کو جو بہت حاجت مند تھے اس میں سے حصہ عطا فرمایا، یعنی ہہل بن حنیفؓ اور ابو دجانہؓ، اور سعد بن معاذؓ کو ایک تلوار عطا فرمائی جو ابن ابی الحقیق کی ایک ممتاز تلوار تھی (منہری بحوالہ بسیل الرشاد محمد بن یوسف الصالحی)

آیت مذکورہ میں جو یہ ارشاد فرمایا لَا يَجِدُونَ فِي مُدُونِهِمْ حَاجَةً أَلَوْ تَوَدَّ، اس میں حاجت سے مراد ہر ضرورت کی چیز ہے، اور تَوَدَّ اُو تَوَدَّ اُو کی ضمیر مہاجرین کی طرف راجع ہے، معنی آیت کے یہ ہیں کہ اس تقسیم میں جو کچھ مہاجرین کو دیدیا گیا، انصار مدینہ نے خوشی سے اس کو اس طرح قبول کیا کہ گویا ان کو ان چیزوں کی کوئی حاجت ہی نہیں، اُن کو دینے سے بُرا ماننا یا شکایت کرنا اس کا تو دور دور کوئی امکان ہی نہ تھا، اس کے بالمقابل جب بحرین فتح ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چاہا کہ یہ پورا مال صرف انصار میں تقسیم کر دیا جائے مگر انصار نے اس کو قبول نہ کیا، بلکہ عرض کیا ہم اُس وقت تک نہ لیں گے جب تک ہم اے مہاجر بھائیوں کو بھی اس میں سے حصہ نہ دیا جائے (رواہ البخاری عن انس بن مالک، از ابن کثیر)

چوتھا وصف: انصار مدینہ رضی اللہ عنہم کا اس آیت میں یہ ذکر فرمایا ہے: وَكَيْفُ ثَرُونِ عَلٰی اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ۔ خَصَاصَةٌ کے معنی فقر و فاقہ کے ہیں، اور ایشار کے معنی دوسروں کی خواہش اور حاجت کو اپنی خواہش و حاجت پر مقدم رکھنے کے ہیں، معنی آیت کے یہ ہیں کہ حضرات انصار اپنے اوپر دوسروں کو یعنی مہاجرین کو ترجیح دیتے تھے کہ اپنی حاجت و ضرورت کو پورا کرنے سے پہلے ان کی حاجت کو پورا کرتے تھے، اگرچہ یہ خود عاجمندانہ اور فقر و فاقہ میں ہوں۔

حضرات صحابہ خصوصاً انصار: اگرچہ تفسیر آیات کے لئے بیان واقعات کی ضرورت نہیں، مگر یہ واقعات ہر لسان کے ایشار کے چند واقعات اعلیٰ انسانیت کا سبق دینے والے اور زندگی میں انقلاب لانے والے ہیں، اس لئے حضرات مفسرین نے اس موقع پر ان کو تفصیل سے لکھا ہے، خصوصاً قرطبی نے اسی سے چند واقعات نقل کئے جاتے ہیں۔

ترمذی میں حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ ایک انصاری کے گھرات کو کوئی مہمان آگیا، اُن کے پاس صرف اتنا کھانا تھا کہ یہ خود اور اُن کے بچے کھا سکیں، انھوں نے اپنی بیوی سے فرمایا کہ بچوں کو تو کسی طرح سُلا دو اور گھر کا چراغ نکل کر دو، پھر مہمان کے سامنے کھانا رکھ کر برابر بیٹھ جاؤ، کہ مہمان سمجھے کہ ہم بھی کھا رہے ہیں، مگر ہم نہ کھائیں، تاکہ مہمان با فراغت کھانا کھا سکے، اس پر یہ آیت مذکورہ یُوْثِرُوْنَ عَلٰی اَنْفُسِهِمْ نازل ہوئی (قال الترمذی هذا حسن صحیح)

اور ترمذی ہی میں حضرت ابوہریرہؓ سے ایک دوسرا واقعہ یہ منقول ہے کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میں بھوک سے پریشانی ہوں، آپ نے ازواج مطہرات میں سے ایک کے پاس اطلاع بھیجی تو ان کا جواب آیا کہ ہمارے پاس تو اس وقت بجز پانی کے کچھ نہیں، دوسری کے پاس پیچام بھیجا وہاں سے بھی یہی جواب آیا، پھر تیسری چوتھی یہاں تک کہ تمام اہل بیت المؤمنین کے پاس بھیجا اور سب کا ایک ہی جواب آیا کہ پانی کے سوا ہمارے پاس کچھ نہیں اب اپنے حاضرین مجلس خطا فرمایا کہ کون ہے جو آج رات اس شخص کی ہمانی کرے ایک انصاری عرض کیا کہ یا رسول اللہ میں کرونگا وہ انکو سنا لیگے اور جا کر گھر میں پوچھا کہ کھانے کو کچھ ہے تو بیوی بتلایا کہ صر اتنا ہے

کہ ہمارے بچے کھالیں، انصاری بزرگ نے بچوں کو سلا دینے کے لئے فرمایا اور فرمایا کہ ہمان کے سامنے کھانا رکھنے اور خود ساتھ بیٹھ جانے کے بعد اٹھ کر چراغ مغل کر دینا کہ ہمارے نہ کھانے کا ہمان کو احساس نہ ہو، ہمان نے کھانا کھالیا، جب یہ صبح کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے اس معاملہ کو جو تم نے گزشتہ رات اپنے ہمان کے ساتھ کیا بہت پسند فرمایا۔

اور ہمدوی نے ایک ایسا ہی واقعہ ایک انصاری بزرگ کا حضرت ثابت بن قیسؓ کے ساتھ رات کو چراغ مغل کر کے کھانا کھلانے کا ذکر کیا ہے، اور تمام واقعات کے ساتھ روایت میں یہ بھی ہے کہ آیت مذکورہ اس واقعہ میں نازل ہوئی ہے۔

اور شیریں نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے نقل کیا ہے کہ صحابہ کرام میں سے ایک بزرگ کو کسی شخص نے ایک بکری کا سر بطور ہدیہ پیش کیا، اس بزرگ نے خیال کیا کہ ہمارا فلاں بھائی اور اس کے اہل و عیال ہم سے زیادہ ضرور تمند ہیں، یہ سران کے پاس بھیج دیا، اس دوسرے بزرگ کے پاس پہنچا تو اسی طرح انھوں نے تیسرے کے پاس اور تیسرے نے چوتھے کے پاس بھیج دیا، یہاں تک کہ سات گھروں میں پھرنے کے بعد پھر پہلے بزرگ کے پاس واپس آگیا، اس واقعہ پر آیات مذکورہ نازل ہوئیں، یہی واقعہ ثعلبیؒ نے حضرت انسؓ سے بھی روایت کیا ہے۔

موطارام مالکؒ میں حضرت عائشہؓ سے روایت ہو کہ ایک مسکین نے اُن سے سوال کیا، ان کے گھر میں صرف ایک روٹی تھی اور ان کا اس روز روزہ تھا، آپ نے اپنی خادمہ سے فرمایا کہ یہ روٹی اس کو دیدو خادمہ نے کہا کہ اگر یہ دیدی گئی تو شام کو آپ کے افطار کرنے کے لئے کوئی چیز نہ رہے گی، حضرت صدیقہؓ نے فرمایا کہ پھر بھی دیدو، یہ خادمہ کہتی ہیں کہ جب شام ہوئی تو ایک ایسے شخص نے جس کی طرف سے ہدیہ دینے کی کوئی رسم نہ تھی ایک سالم بکری بھستی ہوئی اور اس کے اوپر آٹے میدے کا خول چڑھا ہوا پختہ جو عرب میں سب بہترین کھانا سمجھا جاتا ہے، اُن کے پاس بطور ہدیہ بھیج دیا، حضرت صدیقہؓ نے خادمہ کو بلایا کہ آؤ یہ کھاؤ یہ تمہاری اُس روٹی سے بہتر ہے۔

اور نسائی نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا واقعہ نقل کیا ہے کہ وہ بیمار تھے، اور انگور کو جی چاہا ان کے لئے ایک درہم میں ایک خوشہ انگور کا خرید کر لایا گیا، اتفاق سے ایک مسکین آگیا اور سوال کیا، آپ نے فرمایا کہ یہ خوشہ اس کو دیدو، حاضرین میں سے ایک شخص خفیہ طور پر اس کے پیچھے گیا اور خوشہ اس مسکین سے خرید کر پھر ابن عمرؓ کو پیش کر دیا، مگر یہ سائل پھر آیا اور سوال کیا تو حضرت ابن عمرؓ نے پھر اس کو دیدیا، پھر کوئی صاحب خفیہ طور پر گئے اور اس مسکین کو ایک درہم دے کر خوشہ خرید لائے، اور حضرت ابن عمرؓ کی خدمت میں پیش کر دیا، وہ سائل پھر آنا چاہتا تھا لوگوں نے منع کر دیا، اور حضرت ابن عمرؓ کو اطلاع ہوئی کہ یہ وہی خوشہ ہی جو انھوں نے صدقہ میں دیدیا تھا، تو ہرگز نہ کھاتے، مگر ان کو یہ

خیال ہو کہ لانے والا بازار سے لایا ہے اس لئے استعمال فرمایا۔

اور ابن مبارک نے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت فاروق اعظمؓ نے چار سو دینار ایک تحصیل میں بھر کر تحصیل غلام کے سپرد کی کہ ابو عبیدہ بن جراحؓ کے پاس لجاؤ کہ ہدیہ ہو قبول کر کے اپنی ضرورت میں صرف کریں، اور غلام کو ہدایت کر دی کہ ہدیہ دینے کے بعد کچھ دیر گھر میں ٹھیر جانا اور یہ دیکھنا کہ ابو عبیدہ اس رقم کو کیا کرتے ہیں، غلام نے حسب ہدایت یہ تحصیل حضرت ابو عبیدہؓ کی خدمت میں پیش کر دی اور ذرا ٹھیر گیا، ابو عبیدہؓ نے تحصیل لے کر کہا کہ اللہ تعالیٰ اُن کو یعنی عمر بن خطابؓ کو اس کا صلہ دے اور اُن پر رحمت فرمائے، اور اُسی وقت اپنی کنیز کو کہا کہ وہ سات فلاں شخص کو پانچ فلاں کو دے آؤ، یہاں تک کہ پورے چار سو دینار اسی وقت تقسیم کر دیئے۔

غلام نے واپس آ کر واقعہ بیان کر دیا، حضرت عمر بن خطابؓ نے اُسی طرح چار سو دینار کی ایک دوسری تحصیل تیار کی ہوئی غلام کو دے کر ہدایت کی کہ معاذ بن جبلؓ کو دے آؤ، اور وہاں بھی دیکھو وہ کیا کرتے ہیں، یہ غلام لے گیا، انھوں نے تحصیل لے کر حضرت عمرؓ کے حق میں دعا دی رَحِمَہُ اللہُ وَوَصَلِہُ، یعنی اللہ اُن پر رحمت فرمائے اور اُن کو صلہ دے، اور یہ بھی تحصیل لے کر فوراً تقسیم کرنے کے لئے بیٹھ گئے، اور اس کے بہت سے حصے کر کے مختلف گھروں میں بھیجتے رہے، حضرت معاذؓ کی بیوی یہ سب ماجرا دیکھ رہی تھیں، آخر میں بولیں کہ ہم بھی تو بخدا مسکین ہی ہیں، ہمیں بھی کچھ ملنا چاہئے، اس وقت تحصیل میں صرف دو دینار رہ گئے تھے وہ انکو دیدیئے، غلام یہ دیکھنے کے بعد ٹوٹا اور حضرت عمرؓ سے بیان کیا، تو آپ نے فرمایا کہ یہ سب بھائی بھائی ہیں سب کا مزاج ایک ہی ہے۔

اور حذیفہ عدویؓ فرماتے ہیں کہ میں جنگ یرموک میں اپنے چچا زاد بھائی کی تلاش شہداء کی لاشوں میں کرنے کے لئے نکلا، اور کچھ پانی ساتھ لیا، کہ اگر ان میں کچھ جان ہوئی تو پانی پلا دوں گا، ان کے پاس پہنچا تو کچھ رقی زندگی کی باقی تھی، میں نے کہا کہ کیا آپ کو پانی پلا دوں، اشارہ سے کہا کہ ہاں، مگر فوراً ہی قریب ایک دوسرے شہید کی آواز آہ کی آئی تو میرے بھائی نے کہا کہ یہ پانی اُن کو دیدو، ان کے پاس پہنچا اور پانی دینا چاہا تو تیسرے آدمی کی آواز ان کے کان میں آئی، اس نے بھی اس تیسرے کو دینے کے لئے کہہ دیا، اُسی طرح یکے بعد دیگرے سات شہیدوں کے ساتھ یہی واقعہ پیش آیا، جب ساتویں شہید کے پاس پہنچا تو وہ دم توڑ چکے تھے، یہاں سے اپنے بھائی کے پاس پہنچا تو وہ بھی ختم ہو چکے تھے۔

یہ چند واقعات ہیں جن میں کچھ انصار کے کچھ ہاجرین کے ہیں، اکثر کے بارے میں کہا گیا ہو کہ آیت اِثَارِ اس واقعہ میں نازل ہوئی، مگر ان میں کوئی تضاد و اختلاف نہیں، کیونکہ جس طرح کے واقعہ میں ایک آیت نازل ہو چکی ہے اگر اسی طرح کا کوئی دوسرا واقعہ پیش آجائے تو یہ کہہ دیا جاتا ہے کہ اس میں یہ آیت نازل ہوئی اور حقیقت یہ ہے کہ یہ سبھی واقعات نزول آیت کا سبب یا مصداق ہیں۔

ایک شبہ کا جواب

حضرات صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے واقعات ایشار جواد پر بیان ہوتے ہیں اُن پر ایک شبہ روایات حدیث سے یہ ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے اپنا پورا مال صدقہ کر ڈالنے سے منع فرمایا ہے، جیسا کہ ایک حدیث میں ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک بیضہ کے برابر سونے کا ٹکڑا بغرض صدقہ پیش کیا، تو آپ نے اس کو اسی کی طرف پھینک کر ارشاد فرمایا کہ تم میں سے بعض لوگ اپنا سارا مال صدقہ کرنے کو لے آتے ہیں پھر محتاج ہو کر لوگوں سے بھیک مانگتے ہیں۔

جواب اس شبہ کا اہنی روایات سے یہ نکلتا ہے کہ لوگوں کے حالات مختلف ہوتے ہیں، ہر حال کا حکم الگ ہی، پورا مال صدقہ کر ڈالنے کی ممانعت اُن لوگوں کے لئے ہے جو بعد میں فقر و فاقہ پر صبر نہ کر سکیں، اپنی صدقہ کئے ہوئے پر بچتیاں، یا پھر لوگوں سے بھیک مانگنے پر مجبور ہو جائیں، اور وہ لوگ جن کے عزم و ہمت اور ثبات و استقلال کا یہ حال ہو کہ سب کچھ خرچ کر ڈالنے کے بعد فقر و فاقہ پر انھیں کوئی پریشانی نہ ہو، بلکہ ہمت کے ساتھ اس پر صبر کر سکتے ہوں اُن کے لئے سارا مال اللہ کی راہ میں خرچ کر ڈالنا جائز ہے، جیسا کہ حضرت صدیق اکبرؓ نے ایک چار میں چندہ میں اپنا سارا مال پیش کر دیا تھا، اسی کے نظائر یہ واقعات ہیں جو اس جگہ مذکور ہیں، ایسے حضرات نے اپنے اہل و عیال کو بھی اسی صبر و استقلال کا نوگر بنا رکھا تھا، اس لئے اس میں ان کی بھی کوئی حق تلفی نہ تھی، اگر مال خود اہل و عیال کے قبضہ میں ہوتا تو وہ بھی ایسا ہی کرتے، (قرطبی باضافہ اشیاء) حضرات ہاجرین کی طرف سے دنیا میں کوئی اجتماعی کام یک طرفہ رواداری و ایشار سے قائم نہیں رہتا جب تک ایشار انصار کی مکافات دونوں طرف سے اسی طرح کا معاملہ نہ ہو، اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے جیسا اس کی ترغیب دی کہ مسلمان آپس میں ایک دوسرے کو ہدیہ دے کر باہمی محبت بڑھایا کریں، اسی طرح جن کو ہدیہ دیا گیا ہے ان کو یہ بھی تعلیم دی کہ تم بھی ہدیہ دینے والے کے احسان کی مکافات کرو، اگر مالی وسعت اللہ تعالیٰ عطا فرمادے تو مال سے ورنہ دعا ہی سے اس کی مکافات کرو بے حسی کے ساتھ کسی کے احسانات کا بار سر پر لیتے رہنا شرافت اور خلق کے خلاف ہے۔

حضرات ہاجرین کے معاملہ میں حضرات انصار نے بڑے ایشار سے کام لیا، اپنے مکانوں، دکانوں، کاروبار، زمین اور زراعت میں ان کو شریک کر لیا، لیکن جب اللہ تعالیٰ نے ان ہاجرین کو وسعت عطا فرمائی تو انھوں نے بھی حضرات انصار کے احسانات کی مکافات میں کمی نہیں کی۔

قرطبی نے بحوالہ صحیحین حضرت انس بن مالکؓ سے روایت کی ہے کہ جب ہاجرین مکہ مکرمہ سے مدینہ طیبہ آئے تو ان کے ہاتھ میں کچھ نہ تھا، اور انصار مدینہ زمین جاتا دلا لے تھے، انصار نے ان حضرات کو ہر چیز نصف نصف تقسیم کر دی، اپنے باغات کے آدھے پھل سالانہ اُن کو دینے لگے، اور حضرت انسؓ کی والدہ ام سلیمؓ نے اپنے چند درخت کھجور کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیدیے تھے، جو آنحضرتؐ

صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسامہ بن زید کی والدہ اُم ایمن کو عطا فرمادیتے۔

امام زہری کہتے ہیں کہ مجھے حضرت انس بن مالکؓ نے خبر دی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب خیبر کے جہاد سے کامیابی کے ساتھ فارغ ہو کر مدینہ طیبہ واپس آئے (اس غزوہ میں مسلمانوں کو اموال غنیمت کافی مقدار میں ہاتھ آئے) تو سب مہاجرین نے حضرات انصار کے سب عطایا کا حساب کر کے ان کو واپس کر دیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میری والدہ کے درخت اُم ایمنؓ سے لے کر ان کو واپس کر دیتے، اور اس کی جگہ اُم ایمنؓ کو اپنے باغ میں سے درخت عطا فرماتے۔

وَمَنْ يُؤْتِ شَيْئًا فَنَفْسِهِ فَادْلِكِ هُمْ الْمُفْلِحُونَ ۝ حضرت انصار کے ایشار اور اللہ کی راہ میں کچھ قربان کر دینے کا ذکر کرنے کے بعد عام ضابطہ ارشاد فرمایا کہ جو لوگ اپنے نفس کے بخل سے بچ گئے تو اللہ کے نزدیک وہ ہی فلاح و کامیابی پانے والے ہیں، لفظ شیح اور بخل تقریباً ہم معنی ہیں، لفظ شیح میں کچھ مبالغہ ہے کہ بہت شدید بخل کو کہا جاتا ہے، بخل و شیح اگر حقوق واجبہ میں کیا جائے خواہ وہ اللہ کے حقوق ہوں، جیسے زکوٰۃ، صدقۃ الفطر، عشر، قربانی وغیرہ کہ ان کی ادائیگی میں بوجہ بخل کے کوتاہی کرے، یا انسانوں کے حقوق واجبہ ہوں جیسے اہل و عیال کا نفقہ یا اپنے حاجمند والدین اور عزیزوں کا نفقہ واجبہ جو بخل ان حقوق واجبہ کی ادائیگی سے مانع ہو وہ قطعاً حرام ہے، اور جو امور مستحبہ اور فضائل انفاق سے مانع ہو وہ مکروہ و مذموم اور جو محض رسمی چیزوں میں خرچ سے مانع ہو وہ شرعاً بخل نہیں۔

بخل و شیح اور دوسروں پر حسد ایسی مذموم خصلتیں ہیں کہ قرآن و حدیث میں ان کی بڑی مذمت آتی ہے، اور جو ان سے بچ جائے اس کے لئے بڑی بشارت ہے حضرات انصار کی جو صفات اور بیان ہوئی ہیں ان میں ان کا بخل و حسد سے بری ہونا واضح ہے۔

کیونکہ اور حسد سے پاک ہونا ابن کثیر نے بحوالہ امام احمد حضرت انسؓ سے روایت کیا ہے :-

جنتی ہونے کی علامت یہ کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے آپؐ نے فرمایا

کہ ابھی تمہارے سامنے ایک شخص آنے والا ہے جو اہل جنت میں سے ہے، چنانچہ ایک صاحب انصار میں سے آئے، جن کی ڈاڑھی سے تازہ وضو کے قطرات ٹپک رہے تھے، اور باتیں ہاتھ میں اپنے نعلین لئے ہوئے تھے، دو سکر دن بھی ایسا ہی واقعہ پیش آیا اور یہی شخص اسی حالت کے ساتھ سامنے آیا، تیسرے روز پھر یہی واقعہ پیش آیا اور یہی شخص اپنی مذکورہ حالت میں داخل ہوا، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجلس سے اٹھ گئے تو حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ اس شخص کے پیچھے لگے (تاکہ اس کے اہل جنت ہونے کا راز معلوم کریں) اور ان کا کہا کہ میں نے کسی جھگڑے میں قسم کھالی ہے کہ میں تین روز تک اپنے گھر نہ جاؤں گا، اگر آپ مناسب سمجھیں تو تین روز مجھے اپنے یہاں رہنے کی جگہ دیدیں، انھوں نے منظور فرمایا،

عبداللہ بن عمروؓ نے یہ تین راتیں اُن کے ساتھ گزاریں، تو دیکھا کہ رات کو تہجد کے لئے نہیں اُٹھتے البتہ جب سونے کے لئے بستر پر جاتے تو کچھ اللہ کا ذکر کرتے تھے پھر صبح کی نماز کے لئے اُٹھ جاتے تھے، البتہ اس پورے عرصہ میں میں نے ان کی زبان سے بجز کلمہ خیر کے کوئی کلمہ نہیں سنا، جب تین راتیں گزر گئیں اور قریب تھا کہ میرے دل میں ان کے عمل کی حقارت آجائے تو میں نے اُن پر اپنا راز کھول دیا کہ ہمارے گھر کوئی جھگڑا نہیں تھا، لیکن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تین روز تک یہ سنتا رہا کہ تمھارے پاس ایک ایسا شخص آنے والا ہے جو اہل جنت میں سے ہے اُس کے بعد تینوں دن آپ ہی آئے، اس لئے میں نے چاہا کہ میں آپ کے ساتھ رہ کر دیکھوں کہ آپ کا وہ کیا عمل ہے جس کے سبب یہ فضیلت آپ کو حاصل ہوئی، مگر عجیب بات ہو کر میں نے آپ کو کوئی بڑا عمل کرتے نہیں دیکھا، تو وہ کیا چیز ہے جس نے آپ کو اس درجہ پر پہنچایا، انھوں نے کہا میرے پاس تو بجز اس کے کوئی عمل نہیں جو آپ نے دیکھا ہے، میں یہ سن کر واپس آنے لگا تو مجھے بتلا کر کہا کہ ہاں ایک بات ہو کہ میں اپنے دل میں کسی مسلمان کی طرف سے کینہ اور بُرائی نہیں پاتا، اور کسی پر حسد نہیں کرتا جس کو اللہ نے کوئی خیر کی چیز عطا فرمائی، عبداللہ بن عمروؓ نے کہا کہ بس یہی وہ صفت ہے جس نے آپ کو یہ بلند مقام عطا کیا ہے۔ ابن کثیر نے اس کو نقل کر کے فرمایا کہ اس کو نسائی نے بھی عمل الیوم واللیلہ میں نقل کیا ہے اور اس کی اسناد صحیح علی شرط الشیخین ہے۔

مہاجرین و انصار کے بعد | وَالَّذِينَ جَاءُوا مِن بَعْدِهِمْ اٰلٰئِهٖ ، اس آیت کے مفہوم میں صحابہ کرام عام امت کے مسلمان | مہاجرین و انصار کے بعد پیدا ہونے والے قیامت تک کے مسلمان شامل ہیں، اور اس آیت نے ان سب کو مال فنی میں حقدار قرار دیا ہے، یہی سبب تھا کہ حضرت فاروق اعظمؓ نے دنیا کے بڑے ممالک عراق، شام، مصر وغیرہ فتح کئے، تو اُن کی زمینوں کو غنائین میں تقسیم نہیں فرمایا بلکہ ان کو اٹھلے آنے والی نسلوں کے لئے وقف عام رکھا، کہ ان کی آمدنی اسلامی بیت المال میں آتی رہے اور اس سے قیامت تک آنے والے مسلمان فائدہ اٹھا سکیں، بعض صحابہ کرام نے جو اُن سے مفتوحہ زمینوں کی تقسیم کا سوال کیا تو انھوں نے اسی آیت کا حوالہ دے کر فرمایا کہ اگر میرے سامنے آئندہ آنے والی نسلوں کا معاملہ نہ ہوتا تو میں جو ملک فتح کرتا اس کی سب زمینوں کو بھی غنائین میں تقسیم کر دیتا جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کی زمینوں کو تقسیم فرمادیا تھا، اگر یہ ساری زمینیں موجود مسلمانوں میں تقسیم ہو گئیں تو آنے والے مسلمانوں کے لئے کیا باقی رہے گا (رواہ مالک، قرطبی) امت کے حق پر ہونے کی پہچان | اس مقام میں حق تعالیٰ نے پوری امت محمدیہ کے تین طبقے کئے، مہاجرین، صحابہ کرام کی محبت و عظمت پر | انصار اور باقی تمام امت، مہاجرین و انصار کے خاص اوصاف اور

فضائل بھی اس جگہ ذکر فرمائے، مگر باقی اُمت کے فضائل و کمالات اور اوصاف میں سے صرف ایک چیز یہ بتلائی کہ وہ صحابہ کرام کی سبقت ایمانی اور ایمان کے ہم تک پہنچانے کا ذریعہ ہونے کو پہچانیں اور سب کے لئے دُعائے مغفرت کریں اور اپنے لئے یہ دعا کریں کہ ہمارے دلوں میں کسی مسلمان سے کینہ و نفرت نہ رہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام کے بعد والے جتنے مسلمان ہیں اُن کا ایمان و اسلام قبول ہونے اور نجات پانے کے لئے یہ شرط ہو کہ وہ صحابہ کرام کی عظمت و محبت اپنے دلوں میں رکھتے ہوں اور اُن کے لئے دعا کرتے ہوں، جس میں یہ شرط نہیں پائی جاتی وہ مسلمان کہلانے کے قابل نہیں، اسی لئے حضرت مصعب بن سعدؓ نے فرمایا کہ اُمت کے تمام مسلمان تین درجوں میں ہیں، جن میں سے دو درجے تو گزشتہ یعنی مہاجرین و انصار، اب صرف ایک درجہ باقی رہ گیا، یعنی وہ جو صحابہ کرام سے محبت رکھے، اُن کی عظمت پہچانے، اب اگر تمہیں اُمت میں کوئی جگہ حاصل کرنی ہے تو اسی تیسرے درجہ میں داخل ہو جاؤ۔ حضرت حسینؓ سے کسی نے حضرت عثمان غنیؓ کے بارے میں سوال کیا (جبکہ ان کی شہادت کا واقعہ پیش آچکا تھا) تو انہوں نے سوال کرنے والے سے پوچھا کہ تم مہاجرین میں سے ہو؟ اس نے انکار کیا، پھر پوچھا کہ انصار میں سے ہو؟ اس نے اس کا بھی انکار کیا تو فرمایا بس اب تیسری آیت اَلَّذِیْنَ جَاؤُوْا مِنْ اٰخِرِ سِمْۡكِمَہِۭ رَہْ گئی، اگر تم عثمان غنیؓ کی شان میں شک و شبہ پیدا کرنا چاہتے ہو تو اس درجہ سے بھی نکل جاؤ گے۔

قرطبی نے فرمایا کہ یہ آیت اس کی دلیل ہے کہ صحابہ کرام کی محبت ہم پر واجب ہے، حضرت امام مالکؒ نے فرمایا کہ جو شخص کسی صحابی کو بُرا کہے یا اس کے متعلق بُرائی کا اعتقاد رکھے اس کا مسلمانوں کے مالِ فتنے میں کوئی حصہ نہیں، پھر اسی آیت سے استدلال فرمایا، اور چونکہ مالِ فنی میں حصہ ہر مسلمان کا ہے تو جس کا اس میں حصہ نہ رہا اس کا اسلام و ایمان ہی مشکوک ہو گیا۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے سب مسلمانوں کو اصحابِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے استغفار اور دعا کرنے کا حکم دیا، حالانکہ اللہ تعالیٰ کے علم میں تھا کہ ان کے آپس میں جنگِ مہدال کے فتنے بھی پیدا ہوں گے، (اس لئے کسی مسلمان کو مشاجراتِ صحابہ کی وجہ سے ان میں سے کسی سے بدگمان ہونا جائز نہیں)۔

حضرت صدیقہ عائشہؓ نے فرمایا کہ میں نے تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ یہ اُمت اُس وقت تک ہلاک نہیں ہوگی جب تک اس کے پچھلے لوگ اگلوں پر لعنت و ملامت نہ کریں گے۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا کہ جب تم کسی کو دیکھو کہ کسی صحابی کو بُرا کہتا ہے تو اس سے کہو کہ جو تم میں سے زیادہ بُرا ہے اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت، یہ ظاہر ہے کہ زیادہ بُرے صحابہ تو ہونے نہیں ہو سکے یہی ہوگا جو اُن کی بُرائی کر رہا ہے، خلاصہ یہ ہے کہ صحابہ کرام میں سے کسی کو بُرا کہنا سبب لعنت ہے۔

اور عوام بن حوشب نے فرمایا کہ میں اس اُمت کے پہلے لوگوں کو اس بات پر مستقیم اور مضبوط پایا کر کہ وہ لوگوں کو یہ تلقین کرتے تھے کہ صحابہ کرام کے فضائل اور محاسن بیان کیا کرو تاکہ لوگوں کے دلوں میں ان کی محبت پیدا ہو، اور وہ مشاجرات اور اختلافات جو ان کے درمیان پیش آئے ہیں ان کا ذکر نہ کیا کرو جس سے ان کی جرات بڑھے (اور وہ بے ادب ہو جائیں) (یہ سب روایات تفسیر قرطبی سے لی گئی ہیں)۔

الْمَرَّةَ إِلَى الَّذِينَ نَافَقُوا يَقُولُونَ لِإِخْوَانِهِمُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ

کیا تو نے نہیں دیکھا ان لوگوں کو جو دغا بازی ہیں کہتے ہیں اپنے بھائیوں کو جو کہ کافر ہیں

أَهْلِ الْكِتَابِ لَيْنٌ أَخْرَجْتُمْ لَنَا جُنَّ مَعَكُمْ وَلَا نَطِيعُ فَيْكُمَا أَحَدًا

اہل کتاب میں سے اگر تم کو کوئی نکال دیا تو ہم بھی نکلیں گے تمہاریساتھ اور کہانہ مانیں گے کسی کا تمہارے ساتھ

أَبَدًا وَلَئِنْ قُوتِلْتُمْ لَنَنْصُرَنَّكُمْ وَاللَّهُ يَشْهَدُ إِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ ۝۱۱

میں بھی اور اگر تم سے لڑائی ہوئی تو ہم تمہاری مدد کریں گے، اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ وہ جھوٹے ہیں،

لَيْنٌ أَخْرَجُوا لَا يَخْرُجُونَ مَعَهُمْ وَلَئِنْ قُوتِلُوا لَا يَنْصُرُوهُمْ

اگر وہ نکالے جائیں یہ نہ نکلیں گے ان کے ساتھ، اور اگر ان سے لڑائی ہوئی یہ نہ مدد کریں گے ان کی،

وَلَئِنْ نَصَرُوهُمْ لَيُولِيَنَّ الْآدِبَارَ ثُمَّ لَا يَنْصُرُونَ ۝۱۲ لَا نَسْتَعِذُّ

اور اگر مدد کریں گے تو بھاگیں گے پیٹھ پھیر کر، پھر کہیں مدد نہ پائیں گے، البتہ تمہارا

أَشَدَّ رَهْبَةً فِي صُدُورِهِمْ مِنَ اللَّهِ ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَا يَفْقَهُونَ ۝۱۳

ڈر زیادہ ہے ان کے دلوں میں اللہ کے ڈر سے یہ اس لئے کہ وہ لوگ سمجھ نہیں رکھتے،

لَا يَفْقَهُونَ تِلْكَ جَمِيعًا وَلَا فِي قُرَى مُحَصَّنَةٍ أَوْ مِنْ وَرَاءِ حُبْطٍ

لڑ نہ سکیں گے تم سے سب مل کر مگر بستیوں کے کوٹ میں یا دیواروں کی ادٹ میں

بِأَسْمِهِمْ بَيْنَهُمْ شِدَّةٌ تَحَسُّبُهُمْ جَمِيعًا وَقُلُوبُهُمْ شَتَّىٰ ذَٰلِكَ

ان کی لڑائی آپس میں سخت ہے، تو سمجھو وہ اکٹھے ہیں اور ان کے دل جدا جدا ہو رہے ہیں، یہ

بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَا يَعْقِلُونَ ۝۱۴ كَذَلِكِ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ قَرِيبًا ذَاتُ

اس لئے کہ وہ لوگ عقل نہیں رکھتے، جیسے قعر ان لوگوں کا جو ہرچہ ہیں ان کے پہلے قریب ہی چھٹی انھوں نے

وَيَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝۱۵ كَسَلِ الشَّيْطَانُ إِذْ قَالَ

سزا اپنے کام کی اور ان کے لئے عذاب دردناک ہو، جیسے قصہ شیطان کا جب کہ

لِلْإِنْسَانِ أَكْفَرُ ۚ فَلَمَّا كَفَرَ قَالَ إِنِّي بَرِيءٌ مِّنكَ إِنِّي أَخَافُ اللَّهَ

انسان کو تو منکر ہو پھر جب وہ منکر ہو گیا کہ میں الگ ہوں تجھ سے میں ڈرتا ہوں اللہ سے

رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝۱۶ فَكَانَ عَاقِبَتَهُمَا أَنَّهُمَا فِي النَّارِ خَالِدِينَ

جورب سارے جہان کا، پھر انجام دونوں کا یہی کہ وہ دونوں ہیں آگ میں ہمیشہ رہیں اسی

فِيهَا وَذَلِكَ جَزَاءُ الظَّالِمِينَ ۝۱۷

میں اور یہی ہے سزا گنہگاروں کی

خلاصہ تفسیر

کیا آپ نے ان منافقین (یعنی عبداللہ بن ابی وغیرہ) کی حالت نہیں دیکھی کہ اپنے (ہم مذہب) بھائیوں سے کہ کفار اہل کتاب ہیں (یعنی بنی نصیر سے) کہتے ہیں (یعنی کہتے تھے) کیونکہ یہ سورت واقعہ جلا وطنی بنی نصیر کے بعد نازل ہوئی ہے، لہذا فی الروح مستدلاً بالحدیث والتسیر کہ واللہ (ہم ہر حال میں تمہارے ساتھ ہیں) پس اگر تم (اپنے وطن سے جبراً نکالے گئے تو ہم (بھی) تمہارے ساتھ (اپنے وطن سے) نکل جاویں گے اور تمہارے معاملہ میں ہم کبھی کسی کا کہنا نہ مانیں گے (یعنی ہم کو خواہ کوئی کیسا ہی سمجھا دے کہ خروج و قتال میں جو آئندہ مذکور ہو تمہارا ساتھ نہ دیں لیکن ہم نہ مانیں گے) پس جملہ لا یطیع سیاق و سباق دونوں کے متعلق ہے) اور اگر تم سے کسی کی لڑائی ہوئی تو ہم تمہاری مدد کریں گے اور اللہ گواہ ہے کہ وہ بالکل جھوٹے ہیں (یہ تو ان کے کاذب ہونے کا اجمالاً بیان ہوا آگے تفصیلاً فرماتے ہیں کہ) واللہ اگر اہل کتاب نکالے گئے تو یہ (منافقین) ان کے ساتھ نہیں نکلیں گے اور اگر ان سے لڑائی ہوئی تو یہ ان کی مدد نہ کریں گے اور اگر (بغرض محال) ان کی مدد بھی کی (اور لڑائی میں شریک ہوئے) تو پیٹھ پھیر کر بھاگیں گے پھر ان کے بھاگ جانے کے بعد ان (اہل کتاب) کی کوئی مدد نہ ہوگی (یعنی جو ناصر تھے وہ تو بھاگ گئے اور دوسرا بھی کوئی ناصر نہ ہوگا) پس لا محالہ مغلوب و مقہور ہوں گے، غرض منافقین کی جو غرض ہے کہ اپنے ان بھائیوں پر کوئی آفت نہ لے دیں، اس میں ہر طرح ناکامی رہی گی، چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ جب آخر میں بنی نصیر نکالے گئے تو منافقین ان کے ساتھ نکلے نہیں اور جب اول میں ان کا محاصرہ کیا گیا جس میں احتمال قتال کا تھا تو اس میں انھوں نے نصرت نہیں کی، اور بعد وقوع واقعہ کے اس طرح فرمانا لَئِنْ أُخْرِجُوا لَيُخْرِجُوهُنَّ واقع ہونے پر

دلائل کرتا ہے یا تو واقعہ ماضیہ کو مستحضر و موجود فرض کرنے پر مبنی ہے تاکہ اُن کا خلف و عد اور ان کا مخدول ہونا خوب
پیش نظر ہو جاوے اور یا آئندہ جو احتمال مہموم تھا ساتھ دینے کا اس کی نفی کر دی، آگے اس ساتھ نہ دیے کا
سبب فرماتے ہیں کہ، بیشک ہم لوگوں کا خوف ان (منافقین) کے دلوں میں اللہ سے بھی زیادہ ہے (یعنی دعویٰ ایمان جو
یہ اپنا ڈرنا اللہ تعالیٰ سے بیان کرتے ہیں وہ تو خلافت واقع ہے ورنہ کفر کو کیوں نہ چھوڑ دیتے، اور تمہارا واقعی
خوف ہی اس خوف کی وجہ سے یہ لوگ ان بنی نصیر کا ساتھ نہیں دے سکتے اور) یہ (ان کا تم سے ڈرنا
اور خدا سے نہ ڈرنا) اس سبب ہے کہ وہ ایسے لوگ ہیں کہ (بوجہ کفر کے خدا تعالیٰ کی عظمت کو سمجھتے نہیں،
اور یہ یہود عام ہیں بنی نصیر وغیرہ بنی نصیر الگ الگ تو تمہارے مقابلہ کا کیا حوصلہ کرتے) یہ لوگ
(تو) سب مل کر بھی تم سے نہ لڑیں گے مگر حفاظت والی بسیوں میں یا دیوار (قلعہ و شہر سپاہ) کی آڑ میں (حفاظت
سے مراد عام ہے، خندق سے ہو یا قلعہ وغیرہ سے اور اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ کبھی ایسا واقعہ پیش آیا ہو کہ
منافقین نے مسلمانوں کا مقابلہ کسی قلعہ اور محفوظ مقام سے کیا ہو، کیونکہ مقصود یہ ہے کہ اگر کبھی یہود یا منافقین
اکیلے اکیلے یا جمع ہو کر تمہارے مقابلہ میں آئے بھی تو ان کا مقابلہ محفوظ قلعوں میں یا شہر سپاہ کی دیوار کے پیچھے
سے ہوگا، چنانچہ یہود بنی قریظہ و اہل خیبر اسی طرح مقابلہ میں پیش آئے اور منافقین نہ اُن کے ساتھ ہوئے
اور نہ اُن کا کبھی اتباع جو صلہ ہوا کہ کھل کر مسلمانوں کے مقابلہ پر آئیں، اس میں مسلمانوں کی تشجیح یعنی ہمت
افزائی بھی ہے کہ ان سے اندیشہ نہ رکھیں، اور ان کے بعض قبائل جیسے اوس و خزرج کے واقعات جنگ
دیکھ کر یہ اندیشہ نہ کیا جاوے کہ شاید اسی طرح اہل اسلام کے مقابلہ میں کسی وقت یہ بھی آسکیں، بات
یہ ہے کہ، ان کی لڑائی آپس (ہی) میں بڑی تیز ہے (مگر مسلمانوں کے مقابلہ میں کوئی چیز نہیں ہے اور اسی
طرح یہ احتمال نہ کیا جاوے کہ گو بمقابلہ اہل اسلام کے تنہا یہ ضعیف ہوں مگر بہت سے ضعیفہ مل کر قوی
ہو جاتے ہیں شاید اس طرح یہ سب جمع ہو کر مسلمانوں کا مقابلہ کر سکیں، یہ احتمال اس لئے قابل التفات
نہیں کہ) اے مخاطب تو ان کو (ظاہر میں) متفق خیال کرتا ہے، حالانکہ ان کے قلوب غیر متفق ہیں (یعنی گو
عداوت اہل حق ان سب میں ایک وجہ اشتراک کی ہے، مگر خود بھی تو ان میں اختلاف عقائد کی وجہ سے
افراق اور عداوت ہے جیسا سورہ مائدہ میں گذر چکا ہے وَ اَلْقَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ الْخَالِصَةَ اور ان کے باہم
مجمع ہونے کے احتمال کی نفی بھی زیادہ تاکید و تقویت مقصود کے لئے ہے ورنہ حق تعالیٰ کی مشیت ان کی
مغلوبی و مغوری کے ساتھ ہو چکی ہے، تو اگر اتفاق ہو بھی جاتا تو کیا کام آتا، آگے اس نا اتفاقی کی وجہ
بیان کرتے ہیں کہ یہ (تشتت قلوب) اس وجہ سے ہے کہ وہ ایسے لوگ ہیں جو (دین کی) عقل نہیں رکھتے،
(اس لئے ہر ایک اپنے اپنے خیال کا تابع ہے، اور جب نظریات اور اغراض مختلف ہوں تو اس کے لئے
اختلاف قلوب لازم ہے، اور اس پر یہ شبہ نہ کیا جاوے کہ بے دینوں میں بسا اوقات اتفاق دیکھا جاتا
ہے، بات یہ ہے کہ یہاں مقصود قاعدہ کلیہ بیان کرنا نہیں، بلکہ اُن میں جو نا اتفاقی تھی اس کا سبب بیان

کرنا مقصود ہے کہ اُن کے لئے یہی امر سبب ہو گیا تھا، چنانچہ ظاہر ہے آگے بالخصوص بنی نصیر اور ان منافقین کی جھوٹوں نے وعدہ نصرت کر کے دھوکہ میں ڈالا، اور عین وقت پر دغادی ان کی حالت کا بیان ہے کہ ان کے مجموعہ کی ردِ مثالیں ہیں، ایک مثال خاص بنی نصیر کی اور دوسری منافقین کی، بنی نصیر کی مثال تو ان لوگوں کی سی مثال ہے جو ان سے کچھ ہی پہلے ہوئے ہیں جو (دنیا میں بھی) اپنے کردار کا مزہ کچھ چکے ہیں، اور آخرت میں بھی) اُن کے لئے دردناک عذاب (ہونے والا) ہے (مراد ان سے یہود بنی قینقار ہیں، جن کا قصہ یہ ہوا کہ واقعہ بدر کے بعد انھوں نے آپ سے سلسلہ ہجری میں عہد شکنی کر کے جنگ کی، پھر مغلوب و مہزور ہوئے، اور قلعہ سے آپ کے فیصلہ پر باہر نکلے، اور سب کی مشکیں باندھ لی گئیں، پھر عبداللہ بن ابی تکفہ اصرار و الحاح کی وجہ سے ان کی اس شرط پر جان بخشی کی گئی کہ مدینہ سے چلے جائیں، چنانچہ وہ اذرعات شام کو نکل گئے اور اُن کے اموال مالِ غنیمت کی طرح تقسیم کئے گئے، کذا فی زاد المعاد، اور ان منافقین کی مثال) شیطان کی سی مثال ہے کہ (اول تو) انسان سے کہتا ہے کہ تو کافر ہو جا پھر جب وہ کافر ہو جاتا ہے (اور کفر کے وبال میں گرفتار ہوتا ہے خواہ دنیا میں خواہ آخرت میں) تو اس وقت صاف جواب دیتا ہے اور) کہہ دیتا ہے کہ میرا بچھ سے کوئی واسطہ نہیں میں تو اللہ رب العالمین سے ڈرتا ہوں دنیا میں ایسی تبری کا قصہ تو سورۃ انفال آیت ذَرِیْنَ کَہْمُ الشَّیْطٰنُ اَعْمٰی کَہْمُ الخ میں گزر چکا ہے اور آخرت میں تبری مُضَلِّکِیْن کی ضالتیں سے آیات متعدّدہ میں مذکور ہے) سو آخری انجام دونوں کا یہ ہوا کہ دونوں دوزخ میں گئے جہاں ہمیشہ رہیں گے، (ایک ضلال کی وجہ سے دوسرا ضلال کی وجہ سے) اور ظالموں کی یہی سزا ہے (پس جس طرح اس شیطان نے اس انسان کو اول پہنکایا پھر وقت پر ساتھ نہ دیا اور دونوں خسران میں پڑے، اسی طرح ان منافقین نے اول بنی نصیر کو بُری راہ سے دی، کہ تم نکلو نہیں، پھر عین وقت پر اُن کو دھوکہ دیا، اور دونوں بلا میں پھنسے، بنی نصیر تو جلا وطنی کی مصیبت میں اور منافقین ناکامیابی کی ذلت میں مبتلا ہوئے۔

معارف و مسائل

تَمَثَّلِ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ قَرِیْبًا الخ یہ بنو نصیر کی مثال کا بیان ہے اور الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ کی تفسیر میں حضرت مجاہدؒ نے فرمایا کہ کفار اہل بدر مراد ہیں اور حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا بنو قینقار (قبیلہ یہود) مراد ہیں، اور دونوں کا انجام بدر اور مقتول و مغلوب اور ذلیل و خوار ہونا اس وقت واضح ہو چکا تھا، کیونکہ بنو نصیر کی جلا وطنی کا واقعہ غزوہ بدر واحد کے بعد واقع ہوا ہے، اور بنو قینقار کا واقعہ بھی بدر کے بعد پیش آچکا تھا، بدر میں مشرکین عرب کے ستر سردار مارے گئے، اور باقی بڑی ذلت و خواری کے ساتھ واپس ہوئے، اور بقول ابن عباسؓ یہ مراد ہیں تو مطلب آیت کا واضح ہے کہ ان کے بارے میں جو آیت میں فرمایا: ذَا قُوَّ اَوْ بَالِیْ اَمْرِہِمْ، یعنی انھوں نے اپنے سرِ قوت کا بدلہ کھ لیا،

یہ آخرت سے پہلے دنیا ہی میں آنکھوں کے سامنے آگیا، اسی طرح اگر اَلَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ سے مراد یہودی کا قبیلہ بنو قینقاع ہو تو ان کا واقعہ بھی ایسا ہی عبرتناک ہے۔

بنو قینقاع کی جلا وطنی | واقعہ یہ تھا کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کر کے مدینہ طیبہ تشریف لائے تو مدینہ کے آس پاس جتنے قبائل یہود کے تھے سب کے ساتھ ایک معاہدہ صلح کا ہو گیا تھا، جس کی شرائط میں یہ داخل تھا کہ ان میں سے کوئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کے کسی مخالفت کی امداد نہ کرے گا، ان معاہدہ کرنے والوں میں قبیلہ بنو قینقاع بھی شامل تھا، مگر اس نے چند مہینوں کے بعد ہی عذر و ہمدشکنی شروع کر دی اور غزوہ بدر کے موقع پر مشرکین کے ساتھ خفیہ سازش و امداد کے کچھ واقعات سامنے آئے، اُس وقت یہ آیت قرآن نازل ہوئی (وَ اِتَّخَفَوْا مِنْ قَوْمٍ خِيَانَةً فَانْصَبْ اِلَيْهِمْ عَلٰی سَوَآءٍ) یعنی اگر (معاہدہ اور صلح کے بعد) کسی قوم کی خیانت کا خطرہ لاحق ہو تو آپ ان کا معاہدہ صلح ختم کر سکتے ہیں: بنو قینقاع اس معاہدہ کو اپنی غداری سے خود توڑ چکے تھے، اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے خلاف جہاد کا اعلان فرمایا اور غلام جہاد حضرت حمزہؓ کو عطا فرمایا اور مدینہ طیبہ کے شہر پر حضرت ابولبابہؓ کو اپنا خلیفہ مقرر کر کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی تشریف لے گئے، یہ لوگ مسلمانوں کا لشکر دیکھ کر اپنے قلعہ میں بند ہو گئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قلعہ کا محاصرہ کر لیا، پندرہ روز تک تو یہ لوگ محصور ہو کر صبر کرتے رہے، بالآخر اللہ نے ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا، اور یہ سمجھ گئے کہ مقابلہ سے کام نہ چلے گا اور قلعہ کا دروازہ کھول دیا، اور کہا کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ پر راضی ہیں جو آپ ہمارے بارے میں نافذ کریں۔

آپ کا فیصلہ ان کے مردوں کے قتل کا ہونے والا تھا، کہ عبد اللہ بن ابی منافق نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بے حد اصرار و الحاح کیا کہ اُن کی جان بخشی کر دی جائے، بالآخر آپ نے یہ فیصلہ فرمایا کہ یہ لوگ بستی خالی کر کے جلا وطن ہو جائیں، اور ان کے اموال مسلمانوں کا مال غنیمت ہونگے، اس قرار داد کے مطابق یہ لوگ مدینہ چھوڑ کر ملک شام کے علاقہ اُدُرعات میں چلے گئے، اور ان کے اموال کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مال غنیمت کے قانون کے مطابق اس طرح تقسیم فرمایا کہ ایک خمس بیت المال کا رکھ کر باقی چار خمس غنیمت میں تقسیم کر دیئے۔

غزوہ بدر کے بعد یہ پہلا خمس تھا جو بیت المال میں داخل ہوا، یہ واقعہ بروز شنبہ ۵ اربوآل سلمہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت سے بیس ماہ بعد پیش آیا۔

سَمَّيْتُ الشَّيْطَانَ اِذْ قَالَ لِلْاِنْسَانِ اكْفُرْ الْاٰیۃ یہ دوسری مثال اُن منافقین کی ہے جنہوں نے بنو نضیر کو جلا وطنی کا حکم نہ ماننے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ پر جنگ کرنے کے لئے ابھارا اور ان کی مدد کرنے کا وعدہ کیا، مگر جب مسلمانوں نے ان کا محاصرہ کیا تو کوئی منافق امداد کو نہ پہنچا، ان کی مثال قرآن کریم نے شیطان کے ایک واقعہ سے دی ہے کہ شیطان نے انسان کو کفر پر آمادہ کیا اور

اور اس سے طرح طرح کے وعدے کئے، مگر جب وہ کفر میں مبتلا ہو گیا تو سب ٹکڑے ہو گئے۔

شیطان کے ایسے واقعات خدا جانے کتنے ہوتے ہوں گے، ان میں سے ایک واقعہ تو خود قرآن کریم میں منصوص ہے جس کا بیان سورۂ انفال کی ان آیات میں آیا ہے: **وَإِذْ زَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطَانُ أَعْمَالَهُمْ وَقَالَ لَا غَالِبَ لَكُمْ الْيَوْمَ مِنَ النَّاسِ إِنَِّّي بَرَأْتُ لَكُمُ الْبَشَرِ كُلَّ شَيْءٍ فَإِنَّكُمْ لَمَّا تَرَأَوْتُمُ الْفُتَنَ تَكْصِفُونَ عَلَىٰ غَيْبَتِي وَقَالَ إِنِّي بَرَأْتُ لَكُمْ الْبَشَرِ كُلَّ شَيْءٍ** یہ واقعہ غزوہ بدر کا ہے جس میں شیطان نے بطور وسوسہ کے یا بشکل انسانی سامنے آکر مشرکین مکہ کو مسلمانوں کے مقابلہ پر ابھارا اور اپنی مدد کا یقین دلایا، مگر جب مسلمانوں سے مقابلہ ہوا تو مدد کرنے سے صاف انکار کر دیا، اس واقعہ کی پوری تشریح معارف القرآن جلد چہارم صفحہ ۲۵۶ سے صفحہ ۲۵۸ تک تفصیل کے ساتھ آچکی ہے۔

اگر آیت مذکورہ میں اسی واقعہ کی طرف اشارہ ہے تو یہ ارشاد کہ شیطان انسان سے کفر کرنے کو کہتا ہے، اور جب وہ کر لیتا ہے تو اس سے بڑی ہو کر الگ ہو جاتا ہے، اس پر یہ شبہ ہوتا ہے کہ اس واقعہ میں بظاہر شیطان نے ان کو کفر کرنے کے لئے نہیں کہا، کافر تو وہ پہلے ہی سے تھے، شیطان نے تو ان کو مقابلہ پر جمع کرنے کے لئے کہا تھا، جواب ظاہر ہے کہ کفر پر جمع رہنے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ پر قتال کرنے کو کہنا بھی اسی حکم میں ہے کہ ان کو کفر کرنے کے لئے کہا جاتے۔

اور تفسیر مظہری و قرطبی و ابن کثیر وغیرہ میں اس جگہ شیطان کی اس مثال کے واقعات بنی اسرائیل کے متعدد دراہبوں اور عبادت گزاروں کو شیطان کے بہکا کر کفر تک پہنچا دینے کے متعلق نقل کئے ہیں، مثلاً بنی اسرائیل کا ایک راہب عبادت گزار جو اپنے صومعہ میں ہمیشہ عبادت میں مشغول رہتا، اور روزی اس طرح رکھتا تھا کہ دس دن میں صرف ایک مرتبہ افطار کرتا تھا، ستر سال اس کے اسی حال میں گزرے، شیطان بعین اس کے پیچھے پڑا، اور اپنے سب زیادہ مکارا ہوشیار شیطان کو اس کے پاس بصورت راہب عبادت گزار بنا کر بھیجا جس نے اس کے پاس جا کر اس راہب بھی زیادہ عبادت گزار کی کا ثبوت دیا، یہاں تک کہ راہب کو اس پر اعتماد ہو گیا۔

بالآخر یہ مصنوعی راہب شیطان اس بات میں کامیاب ہو گیا کہ اس راہب کو کچھ دعائیں ایسی سکھائیں جس سے بیماروں کو شفا ہو جائے، پھر اس نے بہت سے لوگوں کو اپنے اثر سے بہا کر کے ان کو خود ہی اس راہب کا پتہ دیا، جب یہ راہب ان پر دُعا پڑھتا تو یہ شیطان اپنا اثر اس سے ہٹا دیتا، وہ شفا یاب ہو جاتا تھا، اور عرصہ دراز تک یہ سلسلہ جاری رکھنے کے بعد اس نے ایک اسرائیلی سردار کی حسین لڑکی پر اپنا یہ عمل کیا اور اس کو بھی راہب کے پاس جانے کا مشورہ دیا، یہاں تک کہ اس کو راہب کے صومعہ تک پہنچانے میں کامیاب ہو گیا اور رفتہ رفتہ اس کو اس لڑکی کے ساتھ زنا میں مبتلا کرنے میں کامیاب ہوا، جس کے نتیجے میں اس کو حمل ہو گیا، تو رسوائی سے بچنے کے لئے اس کو قتل کرنے کا مشورہ دیا، قتل کرنے کے بعد شیطان ہی، نہ سب

واقعہ قتل وغیرہ بتلا کر راہب کے خلاف کھڑا کر دیا یہاں تک کہ لوگوں نے اس کا صومعہ ٹوٹا دیا اور اس کو قتل کر کے سولی دینے کا فیصلہ کیا، اس وقت شیطان اس کے پاس پھر پہنچا کہ اب تو تیری جان بچنے کی کوئی صورت نہیں، ہاں اگر تو مجھے سجدہ کرے تو میں تجھے بچا سکتا ہوں، راہب سب کچھ گناہ پہلے کر چکا تھا، کفر کا راستہ ہموار ہو چکا تھا اس نے سجدہ بھی کر لیا، اس وقت شیطان نے صاف کہہ دیا کہ تو میرے قبضہ میں نہ آتا تھا میں نے یہ سب کر تیرے بتلائے کفر کرنے کے لئے کئے تھے، اب میں تیری کوئی مدد نہیں کر سکتا۔

یہ واقعہ تفسیر قرطبی اور منہری میں تفصیل کے ساتھ لکھا ہے۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَيْرِ اللَّهِ وَاتَّقُوا اللَّهَ

اے ایمان والو! ڈرتے رہو اللہ سے اور چاہئے کہ دیکھ لے ہر ایک جی کیا بھیجا ہر کل کے واسطے اور دیتے رہو اللہ سے

إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ ۝۱۸ وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ نَسُوا اللَّهَ فَأَنسَاهُمْ

بیشک اللہ کو خبر ہی جو تم کرتے ہو، اور مت ہو ان جیسے جنہوں نے بھلا دیا اللہ کو پھر اللہ نے بھلا دی

أَنفُسَهُمْ ۖ أُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ ۝۱۹ لَا يَسْتَوِي أَصْحَابُ النَّارِ

ان کو آن کے جی وہ لوگ وہی ہیں نافرمان، برابر نہیں دوزخ والے اور

وَأَصْحَابُ الْجَنَّةِ ۖ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ هُمُ الْفَائِزُونَ ۝۲۰ لَوْ أَنزَلْنَا

بہشت والے، بہشت والے جو ہیں وہی ہیں مراد پانے والے، اگر ہم اتار دیتے

هَٰذَا الْقُرْآنَ عَلَىٰ جَبَلٍ لَّرَأَيْتَهُ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللَّهِ ۖ

یہ قرآن ایک پہاڑ پر توڑ دیکھ لیتا کہ وہ دب جاتا پھٹ جاتا اللہ کے ڈر سے،

وَتِلْكَ الْأَمْثَالُ لِنُظِّرَ بِهَا لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ ۝۲۱ هُوَ اللَّهُ الَّذِي

اور یہ مثالیں ہم سناتے ہیں لوگوں کو تاکہ وہ غور کریں، وہ اللہ ہے جس کے سوا

لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ ۖ عِلْمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ ۖ هُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ ۝۲۲

ہندگی نہیں کسی کی، جانتا ہی جو پوشیدہ اور جو ظاہر ہے، وہ ہے بڑا جہربان، رسم والا،

هُوَ اللَّهُ الَّذِي لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ ۖ الْمَلِكُ الْقَدُّوسُ السَّلَامُ الْمُؤْمِنُ

وہ اللہ ہے جس کے سوا ہندگی نہیں کسی کی، وہ بادشاہ ہی پاک ذات سب عیبوں سے سالم امان دین والا

الْمُهَيْمِنُ الْعَزِيزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ مَبْحَثُ اللَّهِ عَمَّا يَشْرَكُونَ ﴿۲۲﴾

پناہ میں لینے والا زبردست دباؤ والا صاحب عظمت پاک ہو اللہ ان کے شریک بتلانے سے ،

هُوَ اللَّهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ لَهُ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنَىٰ يُسَبِّحُ لَهُ

وہ اللہ ہی بنانے والا کھال کھڑا کر نیوالا صورت کھینچنے والا اسی کے ہیں سب نام خاصے پاک بول رہا ہو اس کی

مَا فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿۲۳﴾

جو کچھ ہر آسمانوں میں اور زمین میں اور وہی ہے زبردست حکمتوں والا ،

خلاصہ تفسیر

اے ایمان والو! تم نے نافرمانوں کا انجام سن لیا سو تم اللہ سے ڈرتے رہو اور ہر شخص دیکھ بھال کر کل (قیامت) کے واسطے اُس نے کیا (ذخیرہ) بھیجا ہے (یعنی اعمالِ صالحہ میں کوشش کرو جو کہ ذخیرہ آخرت میں) اور (جس طرح تحصیلِ طاعات و اعمالِ صالحہ میں تقویٰ کا حکم ہے، اسی طرح سیدنا تمہاری سے بچنے کے بارے میں تم کو حکم ہے کہ) اللہ سے ڈرتے رہو، بے شک اللہ تعالیٰ کو تمہارے اعمال کی سب خبر ہے (پس معاصی کے ارتکاب سے اندیشہ عقوبت ہے، پس پہلا اتَّقُوا اللہ طاعات کے متعلق ہے جس کا قرینہ قَدْ مَتَّ بَعْدَہِ ہے، اور دوسرا معاصی کے متعلق ہے، جس کا قرینہ خَيْرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ ہے) اور آگے ان احکام کی مزید تاکید کے لئے ارشاد ہے کہ تم ان لوگوں کی طرح مت ہو جنہوں نے اللہ کے احکام سے بے پروائی کی (یعنی عمل بالاحکام کو ترک کر دیا، اس طرح کہ اوامر کے خلاف کیا اور نواہی کا ارتکاب کیا) سو (اُف اس کا یہ ہوا کہ) اللہ تعالیٰ نے خود اُن کی جان سے ان کو بے پروا بنا دیا (یعنی اُن کی ایسی عقل ماری گئی کہ خود اپنے نفع حقیقی کو نہ سمجھا اور نہ حاصل کیا) یہی لوگ نافرمان ہیں (اور نافرمانی کی سزا بھگتیں گے اور اب پرچن دو قسم کے لوگوں کا ذکر ہوا، یعنی ایک وہ جو اہل تقویٰ ہوتے اور دوسرے وہ جو تارکِ احکام ہوتے ان میں ایک اہل جنت ہیں دوسرے اہل نار اور اہل نار اور اہل جنت باہم برابر نہیں بلکہ) جو اہل جنت ہیں وہ لوگ کامیاب ہیں اور اہل نار ناکام ہیں جیسا اوپر اُولَئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ سے معلوم ہوا پس تم کو اصحابِ الجنت میں سے ہونا چاہیے، اہل نار میں سے نہ ہونا چاہیے اور یہ چند نصائح جس قرآن کے ذریعہ سے تم کو سنائے جاتے ہیں وہ ایسا ہے کہ اگر ہم اس فتران کو کسی پہاڑ پر نازل کرتے (اور اس میں سمجھنے کا مادہ رکھ دیتے اور شہوات کا مادہ نہ رکھتے) تو (اے مخاطب) تو اس کو دیکھتا کہ خدا کے خوف سے دَب جاتا اور پھٹ جاتا (یعنی فتران فی نفسہ ایسا موثر اور قوی الاثر ہے، مگر انسان میں بوجہ غلبہ شہوات کے قابلیت فاسد ہو گئی جس کے سبب تاثر نہیں ہوتا، پس اُن کو چاہئے کہ تحصیلِ طاعات اور ترکِ معاصی سے اپنی شہوت

کو مغلوب کرے تاکہ مواظق قرآن سے اس کو تاثر ہو اور احکام پر استقامت و استقامت اور ذکر و فکر نصیب ہو جس کا ادھر حکم ہوا ہے اور ان مضامین عجیبہ کو ہم لوگوں کے (رفع کے) لئے بیان کرتے ہیں تاکہ وہ سوچیں (اور) منتفع ہوں، اسی لئے یہ مضمون کو اُنزِلْنَا الخ یہاں بیان کیا گیا، آگے حق تعالیٰ کے صفات کمال بیان کئے جاتے ہیں جس سے حق تعالیٰ کی عظمت قلب پر نقش ہو کر احکام بجالانے میں مددگار ثابت ہو، پس ارشاد ہوا کہ وہ ایسا معبود ہو کہ اس کے سوا کوئی اور معبود (بننے کے لائق) نہیں وہ جاننے والا ہے پوشیدہ چیزوں کا اور ظاہر چیزوں کا وہی بڑا مہربان رحم والا ہے اور چونکہ توحید نہایت ہتم بالشان چیز ہے، اس لئے اس کی تائید کے لئے مکر فرمایا کہ وہ ایسا معبود ہے کہ اس کے سوا کوئی اور معبود (بننے کے لائق) نہیں وہ بادشاہ ہے (سب عیبوں سے) پاک ہے، سالم ہے (یعنی نہ ماضی میں اس میں کوئی عیب ہوا جو حاصل ہو قدوسی کا اور نہ آئندہ اس کا احتمال ہے جو حاصل ہے سلام کا (کذا فی الکبیر) اپنے بندوں کو خوف کی چیزوں سے (امن دینو) والا ہے (اپنے بندوں کی خوف کی چیزوں سے) نگہبانی کرنے والا ہے (یعنی آفت بھی نہیں آنے دیتا اور آتی ہوئی کو بھی دور کر دیتا ہے) زبردست ہو خرابی کا درست کر دینے والا ہے، بڑی عظمت والا ہے، اللہ تعالیٰ (جس کی یہ شان ہے کہ) لوگوں کے شرک سے پاک ہے وہ معبود (برحق) ہے پیدا کرنے والا ہے، ٹھیک ٹھیک بنانے والا ہے (یعنی ہر چیز کو حکمت کے موافق بناتا ہے) صورت (شکل) بنانے والا ہے، اس کے اچھے اچھے نام ہیں (جو اچھی اچھی صفتوں پر دلالت کرتے ہیں) سب چیزیں اس کی تسبیح (و تقدیس) کرتی ہیں (حالاً یا قالاً) جو آسمانوں میں اور زمین میں ہیں اور وہی زبردست حکمت والا ہے پس ایسے با عظمت کے احکام کی بجا آوری ضرور اور نہایت ضرور ہے۔

معارف و مسائل

سورۃ حشر میں شروع سے کفار اہل کتاب اور مشرکین و منافقین کے حالات و معاملات اور ان پر دنیا و آخرت کے وبال کا بیان فرمانے کے بعد اب آخر سورت تک مومنین کو متنبہ کرنا اور اعمال صالحہ کی پابندی کرنے کی ہدایت ہے۔

مذکورہ آیات میں سے پہلی آیت میں ایک بلیغ انداز سے آخرت کی فکر اور اس کے لئے تیاری کا حکم ہے جس میں پہلے فرمایا: **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَاسْتَقِيمُوا** کَفَسْ مَا قَدَّمْتُمْ بَعْدَ عَيْنِ ابے ایمان والو اللہ سے ڈرو اور تم میں سے ہر نفس کو اس پر غور کرنا چاہئے کہ اس نے آخرت کے لئے کیا سامان بھیجا ہے۔

یہاں چند باتیں غور طلب ہیں: ۱۔ اولیٰ۔ یہ کہ اس آیت میں قیامت کو لفظ عَدَس سے تعبیر کیا جس کے معنی ہیں آنے والی کھل، اس میں تین چیزوں کی طرف اشارہ ہے، اول پوری دنیا کا بمقابلہ آخرت نہایت

قلیل و مختصر ہونا ہے کہ ساری دنیا آخرت کے مقابلہ میں ایک دن کی مثل ہے، اور حساب کے اعتبار سے تو یہ نسبت ہونا بھی مشکل ہے، کیونکہ آخرت داعی ہے جس کی کوئی انتہا اور انقطاع نہیں، انسانی دنیا کی عمر تو چند ہزار سال ہی بتلائی جاتی ہے، اگر زمین و آسمان کی تخلیق سے حساب لگائیں تو چند لاکھ سال ہو جائیں گے، مگر پھر ایک محدود مدت ہے، غیر محدود اور غیر مستناہی سے اس کو کوئی بھی نسبت نہیں ہوتی۔

بعض روایات حدیث میں ہے **اَللّٰهُ تَبَّآ یَوْمٌ وَّ لَنَافِیْہِ صَوْمٌ**، ساری دنیا ایک دن ہے اور اس دن میں ہمارا روزہ ہے، اور غور کرو تو تخلیق انسانی سے شروع کر دیا تخلیق زمین و آسمان سے یہ دونوں چیزیں ایک فرد انسانی کے لئے قابل اہتمام نہیں، بلکہ ہر فرد کی دنیا تو اس کی عمر کے ایام و سال ہیں، اور وہ آخرت کے مقابلہ میں کتنی حقیر مدت ہے، اس کا ہر شخص اندازہ کر سکتا ہے۔

دوسرا اشارہ اسی میں قیامت کے یقینی ہونے کی طرف ہے، جیسے آج کے بعد کل کا آنا الیقینی ہر کسی کو اس میں شبہ نہیں ہوتا، اسی طرح دنیا کے بعد قیامت و آخرت کا آنا یقینی ہے۔
تیسرا اشارہ اس طرف ہے کہ قیامت بہت قریب ہی جیسے آج کے بعد کل کچھ دور نہیں، بہت قریب بھی جاتی ہے، اسی طرح دنیا کے بعد قیامت بھی قریب ہے۔

اور قیامت ایک تو پورے عالم کی ہے جب زمین و آسمان سب فنا ہو جائیں گے، وہ بھی اگرچہ ہزاروں لاکھوں سال کے بعد ہو مگر بمقابلہ مدت آخرت کے بالکل قریب ہی ہے، دوسری قیامت ہر انسان کی اپنی ہے جو اس کی موت کے وقت آجاتی ہے، جیسا کہ کہا گیا ہے **مَنْ مَاتَ فَقَدْ قَامَتْ قِیَامَتُہٗ**، یعنی جو شخص مر گیا اس کی قیامت تو ابھی قائم ہو گئی، کیونکہ قبر ہی سے عالم آخرت کے آثار شروع ہو جاتے ہیں اور عذاب و ثواب کے نمونے سامنے آجاتے ہیں، کیونکہ عالم قبر جسکو عالم برزخ بھی کہا جاتا ہے اس کی مثال دنیا کی انتظار گاہ (ویٹنگ روم) کی سی ہے جو فرسٹ کلاس سے لے کر تھرڈ کلاس تک کے لوگوں کے لئے مختلف قسم کے ہوتے ہیں، اور محرموں کا ویٹنگ روم حلالیات یا جیل خانہ ہوتا ہے، اسی انتظار گاہ ہی سے ہر شخص اپنا درجہ اور حیثیت متعین کر سکتا ہے، اس لئے مرنے کے ساتھ ہی ہر انسان کی اپنی قیامت آجاتی ہے، اور انسان کا مرنا اللہ تعالیٰ نے ایک ایسا معتمہ بنایا ہے کہ کوئی بڑے سے بڑا فلسفی اور سائنس دان اس کا یقینی وقت معترض نہیں کر سکتا، بلکہ ہر وقت ہر آن انسان اس خطہ سے باہر نہیں ہوتا، کہ شاید اگلا گھنٹہ زندگی کی حالت میں نہ آئے، خصوصاً اس برق رفتار زمانہ میں تو ہر ٹھیل ہونے کے واقعات نے اس کو روزمرہ کی بات بنا دیا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ اس آیت میں قیامت کو لفظ غد سے تعبیر کر کے بے فکرے انسان کو متنبہ کر دیا کہ قیامت کو کچھ دور نہ سمجھو وہ آنے والی کل کی طرح قریب ہے، اور ممکن یہ بھی ہے کہ کل سے پہلے ہی آجائے۔

دوسری غور طلب بات اس آیت میں یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے اس میں انسان کو اس پر غور و فکر کرنے کی دعوت دی کہ قیامت جس کا آنا یقینی بھی ہے اور قریب بھی اس کے لئے تم نے کیا سامان بھیجا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ انسان کا اصل وطن اور مقام آخرت ہے، دنیا میں اس کا مقام ایک مسافر کی طرح ہے، وطن کے دائمی قیام و قرار کے لئے یہیں سے کچھ سامان بھیجا ضروری ہے، اور انسان کے اس سفر کا اصل مقصد یہی ہے کہ یہاں رہ کر کچھ کمائے اور جمع کرے پھر اس کو اپنے وطن آخرت کی طرف بھیج دے اور یہ بھی ظاہر ہے کہ یہاں سے دنیا کا سامان مال و دولت کوئی وہاں ساتھ نہیں لے جاسکتا تو بھیجنے کی ایک ہی صورت ہے کہ ایک ملک سے دوسرے ملک کی طرف مال منتقل کرنے کا جو طریقہ دنیا میں رائج ہے کہ یہاں کی حکومت کے بینک میں جمع کر کے دوسرے ملک کی کرنسی حاصل کر لے جو وہاں چلتی ہے، یہی صورت آخرت کے معاملہ میں ہے کہ جو کچھ یہاں اللہ کی راہ میں اور اللہ کے احکام کی تعمیل میں خرچ کیا جاتا ہے وہ آسمانی حکومت کے بینک (اسٹیٹ بینک) میں جمع ہو جاتا ہے، وہاں کی کرنسی ثواب کی صورت میں اس کے لئے لکھ دی جاتی ہے، اور وہاں پہنچ کر بغیر کسی دعوے اور مطالبہ کے اس کے حوالہ کر دی جاتی ہے۔

اور لفظ تَقَوُّوا اللہ سے نیک اعمال اور بد اعمال دونوں کے لئے جس نے نیک اعمال آگے بھیجے ہیں اس کو ثواب کی صورت میں آخرت کے نقد (کرنسی) مل جائے گی، اور جس نے بُرے اعمال آگے بھیجے ہیں وہاں اس پر ضرر و جرم عائد ہوگی، اس کے بعد لفظ تَقَوُّوا اللہ کا اعادہ کیا گیا، یہ تاکید کے لئے بھی ہو سکتا ہے، اور وہ مراد بھی ہو سکتی ہے جو اوپر خلاصہ تفسیر میں بیان ہوئی ہے کہ پہلے تَقَوُّوا اللہ سے واجبات و فرائض کی ادائیگی کا اہتمام سکھایا گیا ہے، اور دوسرے تَقَوُّوا اللہ سے گناہوں سے بچنے کا اہتمام بتلایا گیا ہے۔

اور یہ بھی ممکن ہے کہ پہلے تَقَوُّوا اللہ سے اعمال و احکام خداوندی کی تعمیل کر کے آخرت کے لئے کچھ سامان بھیجنے کا حکم ہو، اور دوسرے تَقَوُّوا اللہ سے اس طرف ہدایت ہو کہ دیکھو جو سامان وہاں بھیجتے ہو اس کو دیکھ لو کہ وہ کوئی کھوٹا خراب سامان نہ ہو جو وہاں کام نہ آئے، کھوٹا سامان وہاں کے لئے وہ ہے کہ جس کی صورت تو عمل صالح کی ہو مگر اس میں اخلاص اللہ کی رضا کے لئے نہ ہو بلکہ نام و نمود یا اور کوئی غرض نفسانی شامل ہو، یا وہ عمل جو صورت میں تو عبادت ہے مگر دین میں اس کا کوئی ثبوت نہ ہونے کی وجہ سے بدعت و گمراہی ہے، تو اس دوسرے تَقَوُّوا اللہ کا خلاصہ یہ ہوا کہ آخرت کے لئے محض سامان کی صورت بنادینا کافی نہیں، دیکھ کر بھیجو کہ کھوٹا سامان نہ ہو جو وہاں نہ لیا جائے۔

فَأَنسِلْهُمْ أَفْسُسَهُمْ، یعنی ان لوگوں نے اللہ کو بھول اور زبان میں کیا ڈالاد در حقیقت خود اپنے آپ کو اس بھول میں ڈال دیا کہ اپنے نفع نقصان کی خبر نہ رہی۔

تَوَّأَنَزَّاهُمْ عَلَىٰ جِبِلٍّ، یہ ایک تمثیل ہے کہ اگر قرآن پہاڑوں جیسی سخت اور

نفیل چیز پر نارگیا ہوتا اور جس طرح انسان کو فہم و شعور دیا گیا ہے اُن کو بھی دیدیا جاتا تو پہاڑ بھی اس قرآن کی عظمت کے سامنے جھک جاتے بلکہ ریزہ ریزہ ہو جاتے، مگر انسان اپنی خواہش پرستی اور خود غرضی میں مبتلا ہو کر اپنے فطری شعور کو کھو بیٹھا، وہ ستر اُن سے متاثر نہیں ہوتا، گویا یہ ایک فرضی مثال ہو کہ پہاڑوں میں شعور ہوتا اور بعض حضرات نے فرمایا کہ پہاڑوں اور درختوں اور دنیا کی تمام چیزوں میں شعور و ادراک ہونا عقل و نقل سے ثابت ہے، اس لئے یہ کوئی فرضی مثال نہیں حقیقت ہو (منظری) واللہ اعلم

انسان کو آخرت کی فکر اور قرآن کی عظمت بتلانے کے بعد آخر میں حق تعالیٰ کی چند صفات کمال کا ذکر کر کے سورت کو ختم کیا گیا۔

عَلِيمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ، یعنی اللہ تعالیٰ ہر چھپی اور کھلی چیز اور غائب و حاضر کا پوری طرح جاننے والا ہے، اَنْفَعُ دُمُی، بفہم قاف وہ ذات جو ہر عیب سے پاک اور ہر ایسی چیز سے بری ہو جو اس کے شایان شان نہیں، اَلْمُؤْمِنِیْنَ، یہ لفظ جب انسان کے لئے بولا جاتا ہے تو اس کے معنی ایمان لانیو آ اور اللہ و رسول کے کلام کی تصدیق کرنے والے کے آتے ہیں، اور جب یہ لفظ اللہ تعالیٰ کے لئے بولا جاتا ہے تو اس کے معنی امن دینے والے کے ہوتے ہیں، (کما قالہ ابن عباسؓ) یعنی وہ اللہ و رسول پر ایمان لانے والوں کو ہر طرح کے عذاب و مصیبت سے امن اور سلامتی دینے والا ہے۔

اَلْمُهَيِّمِیْنَ، اس کے معنی ہیں نگرانی کرنے والا رکذا قال ابن عباس و مجاہد وقادہ) قاموس میں ہے کہ یَمْنَنَ یَتَمَنُّ کے معنی دیکھ بھال اور نگرانی کرنے کے آتے ہیں (منظری)

اَلْعَزِیْزُ بِمَعْنٰی قَوِی، اَلْجَبَّارُ، صاحب جبروت و عظمت، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ لفظ جبر سے مشتق ہو، جس کے معنی ٹوٹی ہڈی وغیرہ کو جوڑنے کے آتے ہیں، اسی لئے جبیرہ اُس بیٹی کو کہا جاتا ہے جو ٹوٹی ہوئی ہڈی کو جوڑنے کے بعد اس پر باندھی جاتی ہے، تو معنی اس لفظ کے یہ ہوں گے کہ وہ ہر ٹوٹی ہوئی شکستہ و ناکارہ چیز کی اصلاح کر کے درست کر دینے والا ہے (منظری)

اَلْمُسْتَكْبِرُ بِمَعْنٰی مُکْبَرٌ اور وہ کبریا سے مشتق ہے، جس کے معنی بڑائی کے ہیں اور ہر بڑائی... درحقیقت اللہ جل شانہ کے لئے مخصوص ہے، جو کسی چیز میں کسی کا محتاج نہیں، اور جو محتاج ہو وہ بڑا نہیں ہو سکتا، اس لئے اللہ تعالیٰ کے سوا دوسروں کے لئے یہ لفظ عیب اور گناہ ہے، کیوں کہ حقیقت میں بڑائی حاصل نہ ہونے کے باوجود بڑائی کا دعویٰ جھوٹا ہے اور وہ ذات جو حقیقت میں سب بڑی اور بے نیاز ہے اس کی خاص صفت میں شرکت کا دعویٰ ہے، اس لئے متکبر کا لفظ اللہ تعالیٰ کے لئے صفت کمال ہے اور غیر اللہ کے لئے جھوٹا دعویٰ۔

اَلْمُصَوِّرُ کے معنی صورت بنانے والا، مراد یہ ہے کہ تمام مخلوقات کو حق تعالیٰ نے خاص خاص شکل و صورت عطا فرمائی ہے جس کی وجہ سے وہ دوسری چیزوں سے ممتاز ہوئی اور پہچانی جاتی ہے

دنیا کی عام مخلوقات آسمانی اور زمینی خاص خاص صورتوں ہی سے پہچانی جاتی ہیں، پھر ان میں انواع و اقسام کی تقسیم اور ہر نوع و صنف کی جداگانہ ممتاز شکل و صورت اور ایک ہی نوع انسانی میں مرد و عورت کی شکل و صورت کا امتیاز پھر سب مردوں سب عورتوں کی شکلوں میں باہم ایسے امتیازات کہ اربوں کھربوں انسان دنیا میں پیدا ہوئے ایک کی صورت بالکلیہ دوسرے سے نہیں ملتی کہ بالکل امتیاز نہ ہو سکے، یہ کمال قدرت صرف ایک ہی ذات حق جل شانہ کا ہے جس میں اس کا کوئی شریک نہیں جس طرح غیر اللہ کے لئے کبریا جائز نہیں کہ کبریا صرف اللہ جل شانہ کی صفت ہو، اسی طرح تصویر سازی غیر اللہ کے لئے جائز نہیں کہ وہ بھی اللہ تعالیٰ کی مخصوص صفت میں شرکت کا عملی دعویٰ ہے۔

لَہُ الْاَسْمَاءُ الْحُسْنٰی یعنی اللہ تعالیٰ کے اچھے اچھے نام ہیں، قرآن کریم میں ان کی تعداد متعین نہیں فرمائی، صحیح احادیث میں تناؤ لے تعداد بتلائی ہے، ترمذی کی ایک حدیث میں یہ سب یک جا مذکور ہیں اور بہت سے علماء نے اسماء حسنیٰ پر مستقل کتابیں لکھی ہیں، احقر کا بھی ایک مختصر رسالہ اسماء حسنیٰ کے نام سے مناجات مقبول کے شروع میں طبع ہوا ہے۔

یُسَبِّحُ لَہُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ، یہ تسبیح زبان حال سے ہونا تو ظاہر ہی ہے کہ ساری مخلوقات اور ان کے اندر رکھی ہوئی عجیب و غریب صفتیں اور صورتیں زبان حال سے اپنے بنانے والے کی حمد و ثناء میں مشغول ہیں، اور ہو سکتا ہے کہ حقیقی تسبیح مراد ہو کیونکہ تحقیق یہی ہے کہ تمام اشیاء کو عالم میں اپنی اپنی حیثیت کا عقل و شعور ہے، اور عقل و شعور کا سب سے پہلا مقتضی اپنے بنانے والے کو پہچاننا اور اس کا شکر گزار ہونا ہے، اس لئے ہر چیز حقیقتاً تسبیح کرتی ہو تو اس میں کوئی بعد نہیں، اگرچہ ہم ان کی تسبیح کو کانوں سے نہ سن سکیں اسی لئے قرآن کریم نے ایک جگہ فرمایا ہے وَ لٰکِنْ لَا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَہُمْ، یعنی تم ان کی تسبیح کو سنتے سمجھتے نہیں۔

سورۃ حشر کی آخری آیات ترمذی میں حضرت معقل بن یسار سے روایت ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کے فوائد و برکات فرمایا کہ جو صبح کے وقت تین مرتبہ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ السَّمِیْعِ الْعَلِیْمِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ، اور اس کے بعد ایک مرتبہ سورۃ حشر کی آخری تین آیتیں ہُوَ اللّٰهُ الَّذِیْ لَا اِلٰہَ اِلَّا ہُوَ، سے آخر سورت تک پڑھ لے تو اللہ تعالیٰ ستر ہزار فرشتے مقرر فرما دیتے ہیں جو شام تک اس کے لئے رحمت کی دعا کرتے رہتے ہیں، اگر اس دن میں وہ مر گیا تو شہادت کی موت حاصل ہوگی، اور جس نے شام کو یہی کلمات تین مرتبہ پڑھ لئے تو یہی درجہ اس کو حاصل ہوگا (منظری)

سَمِیْعٌ

بِعَوْنِ اللّٰهِ تَعَالٰی سُبْحٰنَہٗ وَحَمْدُہٗ سُوْرَةُ الْحَشْرِ

یَعٰنِیْہِمْ جَمَادِی الْاُولٰی ۱۳۹۱ھ ضحٰی یَوْمِ الْاَحَدِ وَیَلُوْہَا اَنْشَاءُ اللّٰہِ تَعَالٰی سُوْرَةُ الْمُنْتَحِنَةِ

سُورَةُ الْمُتَحَنِّنَةِ

سُورَةُ الْمُتَحَنِّنَةِ مَدَنِيَّةٌ وَهِيَ ثَلَاثُ عَشْرَةَ آيَةً وَفِيهَا مِائَتَانِ

سورۃ ممتحنہ مدینہ میں نازل ہوئی اور اس کی تیرہ آیتیں اور دو رکوع ہیں

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ○

شروع اللہ کے نام سے جو بجد ہر بان نہایت رحم والا ہے

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا عَدُوِّي وَعَدُوَّكُمْ أَوْلِيَاءَ

اے ایمان والو نہ پھر دو میرے اور اپنے دشمنوں کو دوست نہ آن کو

تَلْقَوْنَ إِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ وَقَدْ كَفَرُوا بِسَلْجَاءِ كُفْرٍ مِّنَ الْحَقِّ

پیغام بھیجتے ہو دوستی سے اور وہ منکر ہوتے ہیں اس سے جو تمہارے پاس آیا سچا دین

يُخْرِجُونَ الرِّسُولَ وَإِيَّاكُمْ أَن تَبْلُغُوا إِلَى اللَّهِ رَبِّكُمْ إِنَّكُمْ كُنْتُمْ

نکلنے ہیں رسول کو اور تم کو اس بات پر کہ تم ماننے ہو اللہ کو جو رب ہے تمہارا، اگر تم نکلے ہو

خَرَجْتُمْ جِهَادًا فِي سَبِيلِي وَابْتِغَاءَ مَرْضَاتِي فَأَسْرُون إِلَيْهِمْ

لڑنے کو میری راہ میں اور طلب کرنے کو میری رضامندی تم انکو چھپا کر بھیجتے ہو دوستی کے

بِالسُّودَّةِ وَأَنَا أَعْلَمُ بِمَا أَخْفَيْتُمْ وَمَا أَعْلَنْتُمْ وَمَنْ يَفْعَلْهُ

پیغام، اور مجھ کو خوب معلوم ہے جو چھپایا تم نے اور جو ظاہر کیا تم نے اور جو کوئی کرے تم

مِّنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَاءَ السَّبِيلِ ① إِنَّ يَتَّقُوا كُفْرًا يَكُونُوا لَكُمْ

میں یہ کام تو وہ بھول گیا سیدھی راہ اگر تم ان کے ہاتھ آجاؤ ہو جائیں تمہارے

أَعْدَاءُ وَيَبْسُطُوا إِلَيْكُمْ أَيْدِيَهُمْ وَأَلْسِنَتَهُم بِالسُّوءِ وَوَدُّوا لَوْ

دشمن اور چلائیں تم پر اپنے ہاتھ اور اپنی زبانیں بُرائی کے ساتھ اور چاہیں کہ کسی

تَكْفُرُونَ ۲۰ لَنْ تَنْفَعَكُمْ أَرْحَامُكُمْ وَلَا أَوْلَادُكُمْ يَوْمَ الْقِيَمَةِ

طرح تم بھی منکر ہو جاؤ، ہرگز کام نہ آئیں گے تمہارے کہنے والے اور نہ تمہاری اولاد قیامت کے دن

يَفْصِلُ بَيْنَكُمْ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ۲۱ قَدْ كَانَتْ لَكُمْ

وہ فیصلہ کر گیا تم میں اور اللہ جو تم کرتے ہو دیکھتا ہے، تم کو چال چلنی چاہئے

أَسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِي إِبْرَاهِيمَ وَالَّذِينَ مَعَهُ إِذْ قَالُوا الْقَوْمِ هُمُ

اچھی ابراہیم کی اور جو اس کے ساتھ تھے، جب انھوں نے کہا اپنی قوم کو ہم

بَرَاءٌ وَأَمْنَكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا

الگ ہیں تم سے اور ان سے کہ جن کو تم پوجتے ہو اللہ کے سوائے ہم منکر ہوئے تم سے اور کھل

بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَاءُ أَبَدًا حَتَّى تُؤْمِنُوا بِاللَّهِ

پڑی ہم میں اور تم میں دشمنی اور بیر ہمیشہ کو یہاں تک کہ تم یقین لاؤ اللہ

وَحْدَهُ إِلَّا قَوْلَ إِبْرَاهِيمَ لِأَبِيهِ لَا تُغْفِرَ لَكَ وَمَا أَمَلْتُ

اکیلے پر مگر ایک کہنا ابراہیم کا اپنے باپ کو کہ میں مانگوں گا معافی تیرے لئے اور اگلی نہیں میں

لَكَ مِنَ اللَّهِ مِنْ شَيْءٍ رَبَّنَا عَلَيْكَ تَوَكَّلْنَا وَإِلَيْكَ أَنْتَبْنَا وَ

تیرے نفع کا اللہ کے ہاتھ سے کسی چیز کا، اے رب ہمارے ہم نے تجھ پر بھروسہ کیا اور تیری طرف رجوع ہوئے

إِلَيْكَ الْمَصِيرُ ۲۲ رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِلَّذِينَ كَفَرُوا وَآوَغْوَ

اور تیری طرف ہر سب کو پھرانا، اے رب ہمارے مت جانچ ہم پر کافروں کو اور ہم کو معاف کر

لَنَا رَبَّنَا إِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۲۳ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيهِمْ

اے رب ہمارے تو ہی ہے زبردست حکمت والا، البتہ تم کو بھلی چال چلنی چاہئے

أَسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَهُوَ يُتَوَلَّى

ان کی جو کوئی امید رکھتا ہو اللہ کی اور پچھلے دن کی، اور جو کوئی مٹہ پھیرے

۱۴
عن المتأخرين ۱۲
السماع الوقف على القيمة ۱۲

فَإِنَّ اللَّهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيدُ ۝۶

تو اللہ وہی ہے بے پردا سب تعریفوں والا

خلاصہ تفسیر

اے ایمان والو تم میرے دشمنوں اور اپنے دشمنوں کو دوست مت بناؤ کہ ان سے دوستی کا اظہار کرنے لگو یعنی گودل سے دوستی نہ ہو مگر ایسا دوستانہ برتاؤ بھی مت کرو) حالانکہ تمہارے پاس جو دین حق آچکا ہے وہ اس کے مستکر ہیں (جس سے اُن کا دشمن خدا تعالیٰ ہونا معلوم ہوا جو آیت میں بلفظ عَدُوٌّ مبیان کیا گیا) رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کو اور تم کو اس بنا پر کہ تم اپنے پروردگار اللہ پر ایمان لے آئے شہر بدر کر چکے ہیں (یہ بیان ہے عَدُوٌّ کُم کا، یعنی وہ صرف اللہ کے دشمن نہیں تمہارے بھی دشمن ہیں، غرض ایسے لوگوں سے دوستی مت کرو) اگر تم جبراً راستہ میں جہاد کرنے کی غرض سے اور میری رضامندی ڈھونڈنے کی غرض سے (اپنے گھروں سے) نکلے ہو (کفار کی دوستی جس کا حاصل کفار کی رضامندی کی فکر ہے، اور یہ حق تعالیٰ کی رضا جوئی اور اس کے مناسب اعمال کے منافی ہے) تم اُن سے چپکے چپکے دوستی کی باتیں کرتے ہو (یعنی اڈل تو دوستی ہی بُری چیز ہے، پھر خفیہ پیغام بھیجنا جو خصوصی ربط و تعلق کی علامت ہے یہ اور زیادہ بُرا ہے) حالانکہ مجھ کو سب چیزوں کا خوب علم ہے تم جو کچھ چھپا کر کرتے ہو اور جو ظاہر کر کے کرتے ہو (یعنی مثل دوسرے موافق مذکورہ کے یہ امر بھی ان کی دوستی سے مانع ہونا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کو ہر چیز کی خبر ہے) اور آگے اس پر وعید ہے کہ جو شخص تم میں سے ایسا کرے گا وہ راہِ راست سے بہک گیا، راہِ انجام مگر اہول کا معلوم ہی ہے آگے اُن کی دشمنی کا بیان ہے کہ وہ تمہارے ایسے سخت دشمن ہیں کہ اگر ان کو تم پر دسترس ہو جاوے تو فوراً (اظہارِ عداوت کرنے لگیں اور وہ اظہارِ عداوت یہ کہ تم پر بُرائی (اور ضرر رسانی) کے ساتھ دست درازی اور زبان درازی کرنے لگیں یہ تو دنیوی نقصان ہی) اور دینی اضرار یہ کہ وہ اس بات کے متمنی ہیں کہ تم کافر رہی، ہو جاؤ پس ایسے لوگ کب قابلِ دوستی ہیں اور اگر تم کو دوستی کے بارے میں اپنے اہل و عیال کا خیال ہو تو خوب سمجھ لو کہ تمہارے رشتہ دار اور اولاد قیامت کے دن تمہارے (کچھ) کام نہ آویں گے خدا (ہی) تمہارے درمیان فیصلہ کرے گا اور اللہ تمہارے سب اعمال کو خوب دیکھتا ہے (پس ہر عمل کا فیصلہ ٹھیک ٹھیک کرے گا، پس اگر تمہارے اعمال موجب سزا ہوں گے تو اس سزا سے اولاد وارحام بچا نہ سکیں گے، پھر اُن کی رعایت میں خدا کے حکم کے خلاف کرنا بہت مذموم امر ہے، اور اس سے اموال کا قابلِ رعایت نہ ہونا اور زیادہ ظاہر ہے، آگے حکم مذکور پر بھریں کے لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قصہ ارشاد ہو کہ تمہارے لئے

ابراہیم علیہ السلام) میں اور ان لوگوں میں جو کہ (ایمان و اطاعت میں) ان کے شریک حال تھے ایک عمدہ نمونہ ہے۔
 یعنی اس بارہ میں کفار سے ایسا برتاؤ رکھنا چاہیے، جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کے متبعین نے کیا۔
 جبکہ ان سب نے (اوقات مختلفہ میں) اپنی قوم (کے لوگوں) سے کہہ دیا کہ ہم تم سے اور جن کو تم اللہ کے سوا
 معبود سمجھتے ہو ان سے بیزاریں (اوقات مختلفہ میں) اپنے قوم (کے لوگوں) سے کہہ دیا کہ ہم تم سے اور جن کو تم اللہ کے سوا
 یہ بات اپنی قوم سے کہی تھی اس وقت وہ بالکل تہمتا تھے، پھر جو جو آپ کے ساتھ ہوتے گئے کفار سے قطع تعلق
 قولا وفعلا کرتے گئے آگے اس بیزاری کا بیان ہے کہ ہم تمھارے (یعنی کفار اور ان کے معبودین کے) منکر
 ہیں (یعنی تمھارے عقائد اور معبودات کی عبادت کے منکر ہیں، یہ تو تبری باعتبار عقیدہ کے ہوئی) اور تبری
 باعتبار معاملہ اور برتاؤ کے یہ ہو کہ ہم میں اور تم میں ہمیشہ کے لئے عداوت اور بغض (زیادہ) ظاہر ہو گیا (کیونکہ
 بناء عداوت کی اختلاف عقائد ہے، اور اب اس کا زیادہ اعلان ہو گیا تو عداوت کا بھی زیادہ اظہار ہو گیا،
 عداوت اور بغض متقارب ہیں اور دونوں کا جمع کرنا تاکید کے لئے ہے اور یہ عداوت ہم کو تم سے ہمیشہ رہیگی)
 جب تک تم اللہ واحد پر ایمان نہ لاؤ (غرض ابراہیم علیہ السلام اور ان کے متبعین نے کفار سے صاف قطع
 تعلق کر دیا) لیکن ابراہیم (علیہ السلام) کی اتنی بات تو اپنے باپ سے ہوئی تھی (جس سے بظاہر ان کے
 ساتھ محبت و دوستی کا احتمال تھا) کہ میں تمھارے لئے استغفار ضرور کروں گا اور تمھارے لئے (استغفار سے زیادہ)
 مجھ کو خدا کے آگے کسی بات کا اختیار نہیں (کہ دعا کو قبول کرالوں یا باوجود ایمان نہ لانے کے تم کو
 عذاب سے بچالوں، مطلب یہ ہے کہ اتنی بات تو ابراہیم علیہ السلام نے کہی تھی جس کا مطلب تم میں سے
 بعض لوگ مطلق استغفار سمجھ گئے حالانکہ یہاں استغفار کے دوسرے معنی ہیں، یعنی ان کے لئے یہ دعا کرنا
 کہ وہ ایمان لا کر مغفرت کے مستحق بن جائیں جس کی سب کو اجازت ہے اور واقع میں وہ قطع تعلق کے خلاف
 بھی نہیں مگر ظاہری صورت تعلق اور ظاہری معنی استغفار کے اعتبار سے صورۃ اس کو مستثنیٰ کیا جاتا ہے،
 یہ گفتگو تو ابراہیم کی اپنی قوم سے ہوئی، آگے ان کی دعا کا مضمون ہے، یعنی کفار سے قطع تعلق کر کے انھوں
 نے اس بارے میں حق تعالیٰ سے عرض کیا کہ اے ہمارے پروردگار ہم (کفار سے اعلان براءت و عداوت
 سے معاملے میں) آپ پر توکل کرتے ہیں اور (آپ ہی ہماری تمام جمہات و مشکلات کی کفالت اور دشمنوں کی
 ایذاؤں سے حفاظت فرما دیں گے، نیز ایمان لائیں) آپ ہی کی طرف رجوع کرتے ہیں اور (اعتقاد رکھتے ہیں)
 آپ ہی کی طرف (سب کو) لوٹنا ہے (پس اس اعتقاد کی وجہ سے ہم نے جو کچھ کفار سے اعلان براءت کیا
 محض خلوص سے کیا ہے، اس میں کوئی ذیروی غرض نہیں اور اس سے مقصود تفاخر بھی نہیں بلکہ عرض
 حال بغرض سوال ہے اور) اے ہمارے پروردگار ہم کو کافروں کا تختہ مشق نہ بنا، (یعنی ہم پر اس تبری
 سے یہ کافر ظلم نہ کرنے پاویں) اور اے ہمارے پروردگار ہمارے گناہ معاف کر دیجئے بے شک آپ زبردست
 حکمت والے ہیں (اور ہر طرح کی آپ کو قدرت حاصل ہے) بے شک ان لوگوں میں (یعنی ابراہیم علیہ السلام

اور ان کے متبعین میں) تمھارے لئے یعنی ایسے شخص کے لئے عمدہ نمونہ ہے جو اللہ کے سامنے جانے کا اور قیامت کے دن (کے آنے) کا اعتقاد رکھتا ہو یعنی یہ اعتقاد مقتضی ہے اس بارہ میں اتباع ابراہیمی کو اور آگے دوسرے طرز پر وعید ہر جیسے اس سے پہلے وَمَنْ يَفْعَلْ فِي دُعَايِہِ یعنی جو شخص (اس حکم سے) رُکروانی کر گیا سو (اسی کا ضرر ہوگا، کیونکہ) اللہ تعالیٰ (تو) بالکل بے نیاز اور (بوجہ جامع الکملات ہونے کے) سزاوار

حمد ہے۔

معارف و مسائل

اس سورت کا ابتدائی حصہ کفار و مشرکین سے موالات اور دوستانہ تعلقات رکھنے کی حرمت و نعت میں آیا ہے اور اس کے نزدیک کا ایک خاص واقعہ ہے۔

شان نزول تفسیر قرطبی میں قشیری اور ثعلبی کے حوالہ سے مذکور ہے کہ غزوہ بدر کے بعد فتح مکہ سے پہلے مکہ مکرمہ کی ایک مغنیہ عورت جس کا نام سارہ تھا، پہلے مدینہ طیبہ آئی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پوچھا کہ کیا تم ہجرت کر کے آئی ہو تو کہا کہ نہیں، آپ نے پوچھا کہ کیا پھر تم مسلمان ہو کر آئی ہو؟ اس نے اس کا بھی انکار کیا، آپ نے فرمایا کہ پھر یہاں کس غرض سے آئی ہو؟ اس نے کہا کہ آپ لوگ مکہ مکرمہ کے اعلیٰ خاندان کے لوگ تھے، آپ ہی میں میرا گزارہ تھا، اب مکہ کے بڑے سردار تو غزوہ بدر میں مارے گئے اور آپ لوگ یہاں چلے آئے ہیں، میرا گزارہ مشکل ہو گیا، میں سخت حاجت و ضرورت میں مبتلا ہو کر آپ سے مدد لینے کے لئے یہاں آئی ہوں، آپ نے فرمایا کہ تم تو مکہ مکرمہ کی پیشہ در مغنیہ ہو وہ مکہ کے لوحوان کیا ہوئے (جو تجھ پر روپیہ پیسے کی بارش کیا کرتے تھے) اس نے کہا کہ واقعہ بدر کے بعد (انکی تقریبات اور جشن طرب ختم ہو چکے ہیں) اس وقت سے کسی نے مجھے نہیں بلایا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی عبدالمطلب کو اس کی امداد کرنے کی ترغیب دی، انھوں نے اس کو نقد اور پوشاک وغیرہ دے کر رخصت کیا۔

اور یہ وہ زمانہ تھا جب صلح حدیبیہ کے معاہدہ کو کفار قریش نے توڑ ڈالا تھا، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار مکہ پر حملہ آور ہونے کا ارادہ کر کے اس کی خفیہ تیاری شروع کر رکھی تھی، اور یہ دعا بھی کی تھی کہ ہمارا راز اہل مکہ پر قبل از وقت فاش نہ ہو، ادھر مہاجرین اولین میں ایک صحابی حاطب بن ابی بلتعہؓ تھے جو اصل سے یمن کے باشندے تھے، مکہ مکرمہ میں آکر مقیم ہو گئے تھے وہاں ان کا کوئی کنبہ قبیلہ نہ تھا وہیں مسلمان ہو گئے، پھر ہجرت کر کے مدینہ طیبہ آ گئے، ان کے اہل و عیال بھی مکہ ہی میں تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور بہت سے صحابہ کرام کی ہجرت کے بعد مشرکین مکہ اُن مسلمانوں کو جو مکہ مکرمہ میں رہ گئے تھے ستاتے اور پریشان کرتے تھے، جنہاں مہاجرین کے خویش و عزیز مکہ میں موجود تھے، ان کو تو

کسی درجہ میں تحفظ حاصل تھا، حاطبؓ کو یہ فکر تھی کہ میرے اہل و عیال کو دشمنوں کی ایذاؤں سے بچانے والا وہاں کوئی نہیں، انھوں نے اپنے اہل و عیال کے تحفظ کا موقع غنیمت جانا کہ اہل مکہ پر کچھ احسان کر دیا جائے تو وہ ان کے بچوں پر ظلم نہ کریں گے۔

ان کو اپنی جگہ یہ یقین تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تو حق تعالیٰ فتح ہی عطا فرمائیں گے، آپ کو یا اسلام کو یہ راز فاش کر دینے سے کوئی نقصان نہیں پہنچے گا، اگر میں نے ان کو کوئی خط لکھ کر اس کی اطلاع کر دی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارادہ تم لوگوں پر حملہ کرنے کا ہے تو میرے بچوں کی حفاظت ہو جائیگی یہ غلطی ان سے ہو گئی کہ ایک خفیہ خط اہل مکہ کے نام لکھ کر اس جانے والی عورت سارہ کے سپرد کر دیا (قرطبی منہری) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حق تعالیٰ نے بذریعہ وحی اس معاملہ کی اطلاع دیدی اور یہ بھی آپ کو معلوم ہو گیا کہ وہ عورت اس وقت روضہ خاخ کے مقام تک پہنچ چکی ہے۔

صحیحین بخاری و مسلم میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اور ابو مرثد اور زبیر بن عوام کو حکم دیا کہ گھوڑوں پر سوار ہو کر اُس عورت کا تعاقب کرو وہ تمہیں روضہ خاخ میں ملے گی، اور اس کے ساتھ حاطب بن ابی بلتعہ کا خط بنام مشرکین مکہ ہے اس کو پکڑ کر وہ خط واپس لے لو، حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ ہم نے حسب الحکم تیزی کے ساتھ تعاقب کیا، اور ٹھیک اسی جگہ جہاں کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی تھی اس عورت کو اونٹ پر سوار جاتے ہوئے پکڑ لیا، اور ہم نے کہا کہ وہ خط نکالو جو تمہارے پاس ہے، اس نے کہا کہ میرے پاس کوئی کسی کا خط نہیں۔ ہم نے اس کے اونٹ کو بٹھا دیا اس کی تلاشی لی مگر خط ہمیں ہاتھ نہ آیا، لیکن ہم نے دل میں کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خبر غلط نہیں ہو سکتی، ضرور اس نے خط کو کہیں چھپا یا ہے، تو اب ہم نے اس کو کہا کہ یا تو خط نکال دو ورنہ ہم تمہارے کپڑے اُتروائیں گے۔

جب اُس نے دیکھا کہ اب ان کے ہاتھ سے نجات نہیں تو اپنے ازار میں سے یہ خط نکالا، ہم یہ خط لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو گئے، حضرت عمر بن خطابؓ نے واقعہ سننے ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ اس شخص نے اللہ اور اس کے رسولؐ اور سب مسلمانوں سے خیانت کی کہ ہمارا راز کفار کو لکھ دیا، مجھے اجازت دیجیے کہ میں اس کی گردن مار دوں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حاطب بن ابی بلتعہ سے پوچھا کہ تمہیں کس چیز نے اس حرکت پر آمادہ کیا؟ حاطب بن ابی بلتعہ نے عرض کیا یا رسول اللہ میرے ایمان میں اب بھی ذرا فرق نہیں ہے، بات یہ ہے کہ میرے دل میں یہ خیال آیا کہ میں اہل مکہ پر کچھ احسان کر دوں تاکہ وہ میرے اہل و عیال کو کچھ نہ کہیں، میرے سوا دوسرے حضرات جہاں جبرین میں کوئی ایسا نہیں جس کا نسب قبیلہ وہاں موجود نہ ہو جو ان کے اہل و عیال کی حفاظت کرے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حاطبؓ کا بیان سُن کر فرمایا کہ اس نے سچ کہا، اس کے معاملہ میں خیر کے سوا کچھ نہ کہو، حضرت فاروق اعظمؓ نے (اپنی غیرتِ ایسانی سے) پھر اپنی بات دُھرائی اور اُن کے قتل کی اجازت مانگی، آپؓ نے فرمایا کہ کیا یہ اہل بدرِ دُعا یعنی غزوۂ بدر کے شرکار ہیں؟ اللہ تعالیٰ نے سب شرکارِ غزوۂ بدر کی مغفرت کا اور ان کے لئے وعدۂ جنت کا اعلان فرمادیا ہے، یہ سُن کر حضرت فاروق اعظمؓ کی آنکھوں میں آنسو آگئے اور عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ ہی حقیقت کا علم رکھتے ہیں (یہ بخاری کی روایت کتاب المغازی غزوۂ بدر میں ہے، از ابن کثیر) اور بعض روایات میں حاطبؓ کا یہ قول بھی ہے کہ میں نے یہ کام اسلام اور مسلمانوں کو ضرر پہنچانے کے لئے ہرگز نہیں کیا، کیونکہ میرا یقین تھا کہ آپؐ کو فتح ہی ہوگی، اہل مکہ کو خبر بھی ہوگئی تو آپؐ کا کوئی نقصان نہیں ہوگا۔

اس واقعہ کی بناء پر سورۃ ممتحنہ کی ابتدائی آیات نازل ہوئیں جن میں اس واقعہ پر سرزنش اور تنبیہ اور مسلمانوں کو کفار کے ساتھ کسی قسم کے دوستانہ تعلق رکھنے کو حرام قرار دیا گیا۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا عَدُوِّي وَعَدُوَّكُمْ كُفْرًا وَلِيَآءَ تُلْفُونَ إِلَيْهِمْ بِالْمُؤَدَّةِ
یعنی اے ایمان والو! میرے دشمن اور اپنے دشمن کو دوست نہ بناؤ کہ تم اُن کو دوستی کے پیغام دو، اس میں اسی واقعہ مذکورہ کی اشارہ ہے کہ اس طرح کا خطا کفار کو لکھنا ان کو دوستی کا پیغام دینا ہے، اور آیت میں لفظ کفار کو چھوڑ کر عَدُوِّي اور عَدُوَّكُمْ کا عنوان اختیار کرنے میں اَدَل تو اس حکم کی علت اور دلیل کی طرف اشارہ ہو گیا کہ اپنے اور خدا کے دشمنوں سے دوستی کی توقع رکھنا سخت دھوکہ ہے اس سے بچو دوسرے اس طرف بھی اشارہ ہو گیا کہ کافر جب تک کافر ہے وہ کسی مسلمان کا جب تک کہ وہ مسلمان ہے دوست نہیں ہو سکتا، وہ خدا کا دشمن ہے تو مسلمان جو خدا کی محبت کا دعویدار ہے اس سے اس کی دوستی کیسے ہو سکتی ہے۔

وَقَدْ كَفَرَ يَتَّخِذُ إِيمَانًا كُفْرًا مِّنَ الْخِيَرَةِ يَخْرِجُونَ الرِّسُولَ فَإِنَّا كُفْرًا أَن تَوَعُّوْا
بِاللَّهِ وَتَتَّخِذُوا حَقَّ سَعْيِكُمْ فِي الدِّينِ يَسْبِيحُونَ
یا اللہ! جب تک کہ حق سے مراد قرآن یا اسلام ہے، اس آیت میں ان کا کفر جو اصل سبب ہے عداوت کا اس کا بیان کرنے کے بعد ان کی ظاہری عداوت کو بھی بتلایا کہ انہوں نے تم کو اور تمہارے رسولؐ کو ان کے وطن عزیز سے نکالا اور اس نکالنے کی وجہ کوئی دنیاوی سبب نہ تھا بلکہ صرف تمہارا ایمان اس کا سبب تھا، تو یہ بات کھل گئی کہ جب تک تم مؤمن ہو وہ تمہارے دوست نہیں ہو سکتے، اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ جیسا حاطبؓ نے خیال کیا تھا کہ اُن پر کچھ احسان کر دوں گا تو وہ میرے اہل و عیال کی حفاظت کریں گے، یہ خیال غلط ہے، کیونکہ وہ تمہارے دشمن ایمان کی وجہ سے ہیں، جب تک خدا نخواستہ تمہارا ایمان سلب نہ ہو جاوے ان سے کسی دوستی و تعلق کی توقع رکھنا دھوکہ ہے۔

إِن كُنْتُمْ تَحِبُّونَ حَقَّ دِينِي وَابْتِغَاءَ مَرْضَاتِي، اس میں بھی اشارہ اس طرف ہے کہ اگر تمہاری ہجرت واقعی اللہ کے لئے اور اس کی رضا جوئی کے لئے تھی تو کسی کافر دشمن خدا سے اس کی

کیسے توقع رکھی جاسکتی ہے کہ وہ تمہاری کوئی رعایت کرے۔

لَيْسَ دُونِ إِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ وَأَنَا أَعْلَمُ بِمَا أَخْفَيْتُمْ وَمَا أَعْلَنُكُمْ، اس میں یہ بھی بتلادیا کہ جو لوگ کفار سے خفیہ دوستی رکھیں وہ یہ نہ سمجھیں کہ ان کی یہ حرکت پوشیدہ رہ جائے گی، اللہ تعالیٰ کو ان کے چھپے اور کھلے ہر حال اور عمل کی خبر ہے، جیسا کہ واقعہ مذکورہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بذریعہ وحی خبردار کر کے سازش کو پکڑوا دیا۔

إِنْ يَشْفَوْكُمْ كُفْرُكُمْ أَنْتُمْ أَعْدَاءُ وَيَكْبُطُوا إِلَيْكُمْ أَيْدِيَهُمْ وَأَلْسِنَتُهُمْ بِالسُّعْيِ بَيْنِي
ان لوگوں سے یہ امید رکھنا کہ وہ موقع پانے کے باوجود تمہارے ساتھ کوئی رد و لاری برتیں گے اس کا کوئی امکان نہیں، ان کو جب بھی تم پر غلبہ حاصل ہوگا تو ان کے ہاتھ اور زبان تمہاری بُرائی اور خرابی کے سوا کسی چیز کی طرف نہ اٹھیں گے۔

وَكَذَلِكَ تَكْفُرُكُمْ، اس میں اشارہ ہے کہ جب تم ان سے دوستی کا ہاتھ بڑھاؤ گے تو ان کی دوستی صرف تمہارے ایمان کی قیمت پر ہوگی، جب تک تم کفر میں مستحلانہ ہو جاؤ، وہ کبھی تم سے راضی نہ ہوں گے۔

لَنْ تَنْفَعَكُمْ أَرْحَامُكُمْ وَلَا أَوْلَادُكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يَفْصِلُ بَيْنَكُمْ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ، یعنی قیامت کے روز تمہارے رشتے ناتے اور تمہاری اولاد تمہارے کام نہ آئیں گے، اللہ تعالیٰ قیامت کے روز یہ سب تعلقات ختم کر دیں گے، اولاد ماں باپ سے اور ماں باپ اولاد سے بھگتے پھریں گے، اس میں حضرت عاطبؓ کے عذر کی تردید ہے کہ جس اولاد کی محبت میں مبتلا ہو کر یہ کام کیا تھا سمجھ لو کہ قیامت کے دن وہ اولاد تمہارے کچھ کام نہ کئے گی، اور اللہ تعالیٰ سے کوئی راز اور خفیہ چیز چھپنے والی نہیں۔

اگلی آیات میں کفار سے ترک موالات کی تاکید و تاکید کے لئے حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا واقعہ ذکر کیا گیا ہے کہ اُن کا تو سارا خاندان مشرکین کا تھا، انھوں نے سب بیزاری اور برائت کا ہی نہیں بلکہ عداوت کا اعلان کر دیا، اور بتلادیا کہ جب تک تم ایک اللہ پر ایمان نہ لاؤ گے اور اپنے مشرک سے باز نہ آؤ گے ہم اے تمہارے درمیان بغض و عداوت کی دیوار حاصل رہے گی، قَدْ كَانَتْ كُفْرُكُمْ سَوْفَ حَسَنَةٌ فِي آلِبَرَاهِيمَ (تَا حَتَّى تَوَدَّ مِنْوَالِ اللَّهِ وَحَدَّ كَا كَا سِي مَطْلَب ہے۔

ایک شبہ کا جواب | اوپر کی آیت میں مسلمانوں کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اُسوۂ حسنہ اور سنت پر چلنے کی تاکید فرمائی گئی ہے، اور حضرت ابراہیم علیہ السلام سے اپنے والد مشرک کے لئے استغفار کرنا ثابت ہے، جس کا ذکر سورۃ توبہ وغیرہ میں آیا ہے تو اتباع سنت ابراہیمی کے حکم سے کسی کو یہ شبہ ہو سکتا تھا کہ اپنے مشرک والدین یا عزیزوں کے لئے دعا پر مغفرت کرنا بھی اس میں داخل ہے، یہ جائز ہونا چاہیے، اس لئے اس اُسوۂ ابراہیمی کے اتباع سے اس کو مستثنیٰ کر کے فرمادیا کہ اور سب چیزوں میں اُسوۂ ابراہیمی کا اتباع لازم ہے، مگر ان کے اس فعل کی اقتدار

مسلمانوں کے لئے جائز نہیں کہ مشرک والدین اور عزیزوں کے لئے دعائے مغفرت کرنے لگیں، آیتِ الاقْوَلِ اِبْرٰہِیْمَ لَا یَبِیْہِ لَا سْتَغْفِرُكَ بَدَل، کا یہی مطلب ہے، اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کا عذر سورۃ توبہ میں آچکا ہے کہ انھوں نے باپ کے لئے استغفار کا وعدہ ممانعت سے پہلے کر لیا تھا، یا اس گمان پر کر لیا تھا کہ اس کے دل میں ایمان آ گیا ہے، جب معلوم ہوا کہ وہ خدا کا دشمن ہے تو اس سے بھی برائت و بیزاری کا اعلان کر دیا، فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهُ اَنَّهُ عَدُوٌّ قَدِیْہِ تَبَيَّنَ اِلَیْہِہُ الْاٰیۃُ، کا یہی مطلب ہے۔

اور بعض حضرات مفسرین نے اَلَا قَوْلِ اِبْرٰہِیْمَ کے استثناء کو استثناء منقطع قرار دیا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کا اپنے باپ کے لئے استغفار اس اسوۃ ابراہیمی کے منافی نہیں کیونکہ انھوں نے اس بنا پر استغفار کر لیا تھا کہ انھوں نے گمان کیا تھا کہ وہ مسلمان ہو گیا، پھر جب حقیقت معلوم ہو گئی تو استغفار چھوڑ دیا اور برائت و بیزاری کا اعلان فرما دیا، اور ایسا کرنا اب بھی جائز ہے، کہ جس شخص کو کسی کافر کے متعلق گمان غالب یہ ہو جائے کہ وہ مسلمان ہو گیا ہے، اس کے استغفار کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں (قرطبی) خلاصہ تفسیر مذکور میں بھی اسی صورت کو اختیار کر کے تفسیر کی گئی ہے وَاللّٰہُ سَاجِدٌ تَعَالٰی عَلٰم

عَسٰی اللّٰہُ اَنْ یَّجْعَلَ بَیْنَکُمْ وَبَیْنَ الَّذِیْنَ عَادٰیْہُمْ مِّنْہُمْ مَّوَدَّةً ط

امید ہے کہ کرے اللہ تم میں اور جو دشمن ہیں تمھارے ان میں دوستی

وَاللّٰہُ قَدِیْرٌ وَاللّٰہُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ④ لَا یَنْہٰکُمُ اللّٰہُ عَنِ الَّذِیْنَ

اور اللہ سب کچھ کر سکتا ہے اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے، اللہ تم کو منع نہیں کرتا ان لوگوں سے

لَمْ یَقَاتِلُوْکُمْ فِی الدِّیْنِ وَلَمْ یُخْرِجُوْکُمْ مِّنْ دِیَارِکُمْ اَنْ تَبْرُوْہُمْ

جو لڑے نہیں تم سے دین پر اور نہ نکالا نہیں تم کو تمھارے گھروں سے کہ ان سے کر دو بھلائی اور

وَتَقْسِطُوْا اِلَیْہُمْ اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْمُقْسِطِیْنَ ⑤ اِنَّمَا یَنْہٰکُمُ اللّٰہُ عَنِ

انصاف کا سلوک بیشک اللہ چاہتا ہے انصاف والوں کو، اللہ تو منع کرتا ہے تم کو ان سے

الَّذِیْنَ قَاتَلُوْکُمْ فِی الدِّیْنِ وَاَخْرَجُوْکُمْ مِّنْ دِیَارِکُمْ وَظَاہِرٌ وَّاعْلٰی

جو لڑے تم سے دین پر اور نہ نکالا تم کو تمھارے گھروں سے اور شریک ہوئے تمھارے

اِخْرَاجُکُمْ اَنْ تَوَلَّوْہُمْ وَمَنْ یَّتَوَلَّہُمْ فَاُولٰٓئِکَ هُمُ الظَّالِمُوْنَ ⑥

نکالنے میں کہ ان سے کر دو دوستی اور جو کوئی ان سے دوستی کری سو وہ لوگ دہی ہیں گنہگار

خلاصہ تفسیر

اور چونکہ ان کی عداوت سن کر مسلمانوں کو فکر ہو سکتی تھی کچھ قطع قرابات سے طہارنج ہو سکتا تھا، اس لئے بطور بشارت کے آگے پیشینگوئی فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ سے امید ہی (یعنی ارہر سے وعدہ ہے) کہ تم میں اور ان لوگوں میں جن سے بمقامی عداوت ہے دوستی کر دے (گو بعض ہی سے ہی، یعنی ان کو مسلمان کر دے جس سے عداوت مبتدل بہ صداقت ہو جائے) اور (اس کو کچھ بعید نہ سمجھو کیونکہ) اللہ کو بڑی قدرت ہے (چنانچہ فتح مکہ کے روز بہت آدمی خوشی سے مسلمان ہو گئے، مطلب یہ کہ اول تو اگر قطع تعلق ہمیشہ کے لئے ہوتا تب بھی بوجہ مامور بہ ہونے کے واجب العمل تھا، پھر خاص کر جبکہ تھوڑی سی مدت کے لئے کرنا پڑا اور پھر مشارکت فی الایمان سے دوستی اور تعلق بدستور عود کر آئے تو کوئی فکر کی بات نہیں) اور (اب تک جو کسی سے اس حکم کے خلاف خطا ہو گئی ہے جس سے اب وہ تائب ہو چکا ہے تو) اللہ تعالیٰ (اس کے لئے) غفور رحیم ہے (اور یہاں تک تو دوستانہ تعلقات کی نسبت حکم فرمایا تھا کہ ان کا قطع واجب ہو گئے محسنانہ تعلقات کے حکم کی تفصیل فرماتے ہیں وہ یہ کہ) اللہ تعالیٰ تم کو ان لوگوں کے ساتھ احسان اور انصاف کا برتاؤ کرنے سے منع نہیں کرتا جو تم سے دین کے بارے میں نہیں لڑے اور تم کو تمھارے گھروں سے نہیں نکالا (مراد وہ کافر ہیں جو ذمی یا مصالح ہوں، یعنی محسنانہ برتاؤ ان سے جائز ہے، باقی رہا عدل و انصاف کا منصفانہ برتاؤ تو اس میں ذمی یا مصالح کی شرط نہیں بلکہ وہ تو ہر کافر بلکہ جانور کے ساتھ بھی واجب ہے، اس آیت میں عدل و انصاف سے مراد محسنانہ برتاؤ کرنا ہے، اس لئے مصالحین کے ساتھ مخصوص کیا گیا) اللہ تعالیٰ انصاف کا برتاؤ کرنے والوں سے محبت رکھتے ہیں (البتہ) صرف ان لوگوں کے ساتھ دوستی (یعنی بر و احسان) کرے سے اللہ تعالیٰ تم کو منع کرتا ہے جو تم سے دین کے بارے میں لڑے ہوں (خواہ بالفعل یا بالعزم) اور تم کو تمھارے گھروں سے نکالا ہو اور اگر نکالا نہ بھی ہو لیکن تمھارے نکالنے میں رکالنے والوں کی مدد کی ہو (یعنی ان کے ساتھ شریک ہوں خواہ ان کے عمل میں شرکت کی ہو یا عزم و ارادہ اس کا رکھتے ہوں اس میں وہ سب کافر آگئے جن سے مسلمانوں کا کوئی معاہدہ صلح کا یا عقد ذمتہ نہیں تھا، ان کے ساتھ بر و احسان کا معاملہ جائز نہیں بلکہ ان سے جنگ اور مقابلہ مطلوب ہے) اور جو شخص ایسوں سے دوستی (کا برتاؤ یعنی بر و احسان کا برتاؤ) کرے گا سودہ لوگ گنہگار ہوں گے۔

معارف و مسائل

سابقہ آیات میں کفار سے دوستانہ تعلق رکھنے کی سخت ممانعت و حرمت کا بیان آیا ہے اگرچہ وہ کفار رشتہ و قرابت میں کتنے ہی قریب ہوں، صحابہ کرام اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے احکام کے

معاملہ میں نہ ذاتی خواہش کی پرواہ کرتے تھے نہ کسی خویش و عزیز کی، اس پر عمل کیا گیا جس کے نتیجے میں گھر گھر یہ صورت پیش آئی کہ باپ مسلمان بیٹا کا فر یا اس کے برعکس ہے تو دوستانہ تعلق قطع کر دیا گیا، ظاہر ہے انسانی فطرت اور طبیعت پر یہ عمل آسان نہ تھا، اس لئے آیات مذکورہ میں حق تعالیٰ نے ان کی اس مشکل کو عنقریب آسان کر دی کی خبر سنائی۔

بعض روایات حدیث میں ہے کہ کوئی اللہ کا بندہ جب اللہ کی رضا جوئی کے لئے اپنی کسی محبوب چیز کو چھوڑتا ہے تو بعض اوقات اللہ تعالیٰ اسی چیز کو حلال کر کے اس تک پہنچا دیتے ہیں، اور بعض اوقات اس سے بہتر چیز عطا فرما دیتے ہیں

ان آیات میں حق تعالیٰ نے اس طرف اشارہ فرمادیا کہ آج جو لوگ کفر پر ہیں اور اس کی وجہ سے وہ ہتھائے دشمن ہنم ان کے دشمن ہو قریب ہو کہ اللہ تعالیٰ اس عداوت کو دوستی سے تبدیل فرمائے، مطلب یہ کہ ان کو ایمان کی توفیق عطا فرما کر تمہارے تعلقات باہمی کو پھر از سر نو ہموار کر دے، اس پیشینگوئی کا ظہور فتح مکہ کے وقت اس طرح ہوا کہ بجز ان کفار کے جو قتل کئے گئے اور سب مسلمان ہو گئے (منظری) قرآن کریم میں اس کا بیان یَا خُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللّٰہِ اَوْ اَجَا..... میں کیا گیا ہے، کہ یہ لوگ فوج فوج بڑی تعدادوں میں اللہ کے دین اسلام میں داخل ہو جائیں گے، اور ایسا ہی ہوا۔

صحیح بخاری میں حضرت اسماء بنت ابی بکر صدیق رضی عنہا سے روایت ہے کہ ان کی والدہ بحالت کفر مکہ مکرمہ سے مدینہ طیبہ پہنچیں (مسند احمد کی روایت میں ہے کہ یہ واقعہ اس وقت کا ہے جبکہ غزوہ حدیبیہ کے بعد قریش مکہ سے معاہدہ صلح ہو گیا تھا اور ان کی والدہ کا نام قُتیلہ ہے، یہ اپنی بیٹی اسماءؓ کے لئے کچھ تحفے ہدیئے لے کر مدینہ پہنچیں تو حضرت اسماءؓ نے ان کے تحفے قبول کرنے سے انکار کر دیا، اور اپنے گھر میں آنے کی بھی اجازت اس وقت تک نہ دی جب تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت نہ کر لیا، غرض حضرت اسماءؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ میری والدہ مجھ سے ملنے کے لئے آئی ہیں اور وہ کافر ہیں میں ان کے ساتھ کیا سلوک کروں؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنی والدہ کی صلہ رہی کر یعنی ان کے ساتھ اچھا سلوک کر ڈال اس پر یہ آیات نازل ہوئیں، لَا تَجْعَلُوْا اللّٰہَ عِزًّا الَّذِیْنَ

لَمْ یُفَعِّلُوْا کُمْ فِی الدِّیْنِ۔

بعض روایات میں ہے کہ حضرت اسماءؓ کی والدہ قُتیلہ کو صدیق اکبرؓ نے زمانہ جاہلیت میں طلاق دیدی تھی، حضرت اسماءؓ اس کے بطن سے تھیں اور ان کی بہن ام المومنین حضرت عائشہؓ رضی اللہ عنہا صدیق اکبرؓ کی دوسری بیوی ام رومان کے بطن سے تھیں، یہ مسلمان ہو گئی تھیں۔ (ابن کثیر و منظری)

اس آیت میں ایسے کفار جنہوں نے مسلمانوں سے مقاتلہ نہیں کیا، اور ان کے گھروں سے نکالنے میں بھی کوئی حصہ نہیں لیا ان کے ساتھ احسان کے معاملہ اور اچھے سلوک اور عدل و انصاف کرنے کی

ہدایت دی گئی ہے، عدل و انصاف تو ہر کافر کے ساتھ ضروری ہے، جس میں کافر ذمی اور مصالح اور کافر حربی و دشمن سب برابر ہیں، بلکہ اسلام میں تو عدل و انصاف جانوروں کے ساتھ بھی واجب ہے کہ ان کی قتل سے زیادہ باران پر نہ ڈالے اور ان کے چالے اور آرام کی نگہداشت رکھے، اس آیت میں اصل مقصود پر و احسان کرنے کی ہدایت ہے۔

مسئلہ: اس آیت سے ثابت ہوا کہ نفلی صدقات ذمی اور مصالح کافر کو بھی دیئے جاسکتے ہیں صرف کافر حربی کو دنیا ممنوع ہے۔

إِنَّمَا يَنْهَى اللَّهُ عَنِ الْكُفَّارِينَ قَاتِلُوكُمْ فِي الدِّينِ (إلى) أَنْ تَوَلَّوْهُمْ، (اس آیت میں اُن کفار کا بیان ہے جو مسلمانوں کے مقابلہ میں جنگ و قتال کر رہے ہوں، اور مسلمانوں کو ان کے گھروں سے نکالنے میں کوئی حصہ لے رہے ہوں، اُن کے ہاں میں ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اُن کے ساتھ موالات اور دوستی سے منع فرماتا ہے، اس میں پر و احسان کا معاملہ کرنے کی ممانعت نہیں، بلکہ صرف قلبی دوستی اور دوستانہ تعلقات کی ممانعت ہے، اور یہ ممانعت کچھ ان میں برسر پیکار دشمنوں کے ساتھ نہیں بلکہ اہل ذمہ اور اہل صلح کافروں کے ساتھ بھی قلبی موالات اور دوستی جائز نہیں، اس سے تفسیر منظری میں یہ مسئلہ نکالا ہے کہ حربی یعنی برسر جنگ کفار کے ساتھ عدل و انصاف تو اسلام میں ضروری ہے ہی، اور ممانعت صرف موالات یعنی دوستی کی گئی، پر و احسان کی ممانعت نہیں کی گئی، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ محسانہ سلوک برسر پیکار دشمنوں کے ساتھ بھی جائز ہے، البتہ دوسری نصوص کی بنا پر یہ شرط ہے کہ ان کے ساتھ احسان کا معاملہ کرنے سے مسلمانوں کو کسی نقصان و ضرر کا خطرہ نہ ہو، جہاں یہ خطرہ ہو وہاں پر و احسان اُن پر جائز نہیں، ہاں عدل و انصاف ہر حال میں ہر شخص کیلئے ضروری اور واجب، واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا جَاءَكُمْ الْمُؤْمِنَاتُ مُهَاجِرَاتٍ فَامْتَحِنُوهُنَّ

اے ایمان والو جب آئیں تمہارے پاس ایمان والی عورتیں وطن چھوڑ کر تو ان کو جانچ لو

اللَّهُ أَعْلَمُ بِإِيمَانِهِنَّ فَإِنْ عَلِمْتُمُوهُنَّ مُؤْمِنَاتٍ فَلَا تَرْجِعُوهُنَّ

اللہ خوب جانتا ہے ان کے ایمان کو پھر اگر جانو کہ وہ ایمان پر ہیں تو مت پھیرو ان کو

إِلَى الْكُفَّارِ لَآ هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ وَلَا هُمْ يَحِلُّونَ لَهُنَّ ط وَآتُوهُم

کافروں کی طرف نہ یہ عورتیں حلال ہیں اُن کافروں کو اور نہ وہ کافر حلال ہیں ان عورتوں کو، اور دیو اُن کافروں

مَا أَنْفَقُوا وَلَا جَنَاحَ عَلَيْكُمْ أَنْ تَنْكِحُوهُنَّ إِذَا آتَيْتُمُوهُنَّ

کو جو ان کا خرچ ہوا ہو اور گناہ نہیں تم کو کہ نکاح کر لو ان عورتوں سے جب اُن کو دو

أَجْرُهُنَّ وَلَا تُمْسِكُوا بِعِصَمِ الْكَوَافِرِ وَسْئَلُوا مَا أَنْفَقْتُمْ وَلَيْسَ لَكُمْ أَنْتُمْ وَلَا آبَاؤُكُمْ مِنْهُ شَيْءٌ ۚ سَبِيلُ اللَّهِ خُتِمَ بِمَا لَا يَمْلِكُ الْكَافِرُ أَنْ يَنْفِقَ إِلَّا أَنْفَقَ ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۚ إِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ ۝

انکے ہر اور نہ رکھو اس قبضہ میں ناموس کافر عورتوں کے اور تم مانگ لا جو تم نے خرچ کیا اور وہ کافر مانگ لیں جو انھوں نے خرچ کیا، یہ حکم اللہ بچکم بینکم واللہ علیم حکیم ۱۰ ۝ وَإِنْ فَاتَكُمْ شَيْءٌ

اللہ کا فیصلہ ہر تم میں فیصلہ کرنا ہو اور اللہ سب کچھ جاننے والا حکمت والا ہے : اور اگر جاتی رہیں تمھارا ہاتھ سے مِّنْ أَزْوَاجِكُمْ إِلَى الْكُفَّارِ فَعاقِبْتُمْ فَاتُوا الَّذِينَ ذَهَبَتْ أَزْوَاجُهُمْ

کچھ عورتیں کافروں کی طرف پھر تم ہاتھ مارو تو دیدو ان کو جن کی عورتیں جاتی رہی ہیں جتنا مِثْلَ مَا أَنْفَقُوا ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي أَنْتُمْ بِهِ مُؤْمِنُونَ ۝ یَا أَيُّهَا

انھوں نے خرچ کیا تھا، اور ڈرتے رہو اللہ سے جس پر تم کو یقین ہے : اے نبیؐ اِذَا جَاءَكَ الْمُؤْمِنَاتُ مُبَایِعَاتٍ عَلَىٰ أَنْ لَا يُشْرِكْنَ بِاللَّهِ شَيْئًا

جب آئیں تیرے پاس مسلمان عورتیں بیعت کرنے کو اس بات پر کہ شریک نہ ٹھہرائیں اللہ کا کسی کو وَلَا يَسْرِقْنَ وَلَا يَزْنِينَ وَلَا يَقْتُلْنَ أَوْلَادَهُنَّ وَلَا يَأْتِينَ بِمُهْتَمٍ

اور چوری نہ کریں اور بدکاری نہ کریں اور اپنی اولاد کو نہ مار ڈالیں، اور طوفان نہ لائیں يَفْتَرِيَنَّهُ بَيْنَ آيِدِيهِنَّ وَأَرْجُلِهِنَّ وَلَا يَعْصِيَنَّكَ فِي مَعْرُوفٍ

باندھ کر اپنے ہاتھوں اور پاؤں میں اور تیری نافرمانی نہ کریں کسی بھلے کام میں فَبَايِعُهُنَّ وَاسْتَغْفِرْ لَهُنَّ اللَّهُ ۚ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۝ یَا أَيُّهَا

تو گواں کو بیعت کر لے اور معافی مانگ ان کے واسطے اللہ سے بیشک اللہ بخشنے والا مہربان ہے : اے الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ قَدْ يَسْأَلُونَ

ایمان والو مت دوستی کر دو ان لوگوں سے کہ غصہ ہوا ہے اللہ ان پر وہ آس توڑ چکے ہیں پچھلے الْآخِرَةَ كَمَا يَنْتَسِ الْكُفَّارُ مِنْ أَصْحَابِ الْقُبُورِ ۝

گھر سے جیسے آس توڑی مسکروں نے قبر والوں سے : اَلَا

خلاصہ تفسیر

سبب نزول کا واقعہ | یہ آیتیں بھی ایک خاص موقع کے متعلق ہیں اور وہ موقع صلح حدیبیہ کا ہے

جس کا بیان آغاز سورۃ فتح میں ہوا ہے، منجملہ ان شرطوں کے جو صلح نامہ میں لکھی گئی تھیں ایک شرط یہ بھی تھی کہ جو شخص مسلمانوں میں سے کافروں کی طرف چلا جاوے وہ واپس نہ دیا جاوے، اور جو شخص کافروں میں سے مسلمانوں کی طرف چلا جاوے وہ واپس دیدیا جاوے، چنانچہ بعض مسلمان مردائے اور واپس کر دیئے گئے پھر بعض عورتیں مسلمان ہو کر آئیں، ان کے اقارب نے ان کی واپسی کی درخواست کی، اس پر یہ آیتیں حدیبیہ میں نازل ہوئیں جس میں عورتوں کے واپس کرنے کی ممانعت کی گئی، پس عموم مضمون صلح نامہ کا اس سے مخصوص اور منسوخ ہو گیا، اور ایسی عورتوں کے باب میں کچھ خاص احکام معسر رکئے گئے، اور ان کے ساتھ کچھ احکام ایسی عورتوں کے باب میں مقرر ہوئے جو پہلے مسلمانوں کے نکاح میں تھیں مگر اسلام نہ لائیں اور مکہ ہی میں رہیں اور چونکہ مداران احکام کا ان عورتوں کا مسلمان ہونا ہے، اس لئے طریق امتحان بھی بتلایا گیا، پس خطاب عام ارشاد فرماتے ہیں کہ اے ایمان والو جب تمھارے پاس مسلمان عورتیں (دارالحرب کے) ہجرت کر کے آویں، (خواہ مدینہ میں کہ دارالاسلام ہے خواہ حدیبیہ میں کہ معسر اسلام حکم دارالاسلام میں ہے کذا فی کتاب الحد و من الہدایۃ) تو تم ان (کے مسلمان ہونے) کا امتحان کر لیا کرو (جس کا طریقہ آگے خطاب خاص آیا ہے) البتہ میں آتا ہے اور اس امتحان میں ظاہری امتحان پر اکتفاء کیا کرو کیونکہ ان کے (حقیقی) ایمان کو (تو) اللہ ہی خوب جانتا ہے (تم کو تحقیق ہو ہی نہیں سکتا) پس اگر ان کو (اس امتحان کی رُو سے) مسلمان سمجھو تو ان کو کفار کی طرف واپس مت کرو (کیونکہ) نہ تو وہ عورتیں ان کافروں کے لئے حلال ہیں اور نہ وہ کافران عورتوں کے لئے حلال ہیں (کیونکہ مسلمان عورت کا نکاح کافر مرد سے مطلقاً نہیں رہتا، اور اس صورت میں) ان کافروں نے جو کچھ (مہر کے بابت ان عورتوں پر) خرچ کیا ہو وہ ان کو ادا کر دو اور تم کو ان عورتوں سے نکاح کرنے میں کچھ گناہ نہ ہوگا جبکہ تم ان کے ہر ان کو دیدو اور (اے مسلمانوں) تم کافر عورتوں کے تعلقات کو باقی مت رکھو (یعنی جو تمھاری بیبیاں دارالحرب میں کفر کی حالت میں رہ گئیں ان کا نکاح تم سے زائل ہو گیا، ان کے تعلقات کا کوئی اثر باقی مت سمجھو) اور (اس صورت میں) جو کچھ تم نے (ان عورتوں کے ہر میں) خرچ کیا ہو (ان کافروں سے) مانگ لو اور (اسی طرح) جو کچھ ان کافروں نے (مہر کے بابت) خرچ کیا ہو وہ (تم سے) مانگ لیں (جیسا اور ارشاد ہوا ہے اَلَّذِیْنَ آمَنُوا لَمْ يَلْبِسُوا اٰیْمَانَهُمْ بِمَا اَلْفَقُوْا شَیْئًا یَّکْرِیْهُمُ مَّعْنُوْنٌ بِاِخْتِلَافِ عٰوَانِ اس لئے ہو کہ تمھارے ذمہ جو دوسروں کا حق ہو اس کو زیادہ مت کہد سمجھو) یہ (جو کچھ کہا گیا) اللہ کا حکم ہے (اس کا اتباع کرو) وہ تمھارے درمیان (ایسا ہی مناسب) فیصلہ کرتا ہے اور اللہ بڑا علم اور حکمت والا ہے (علم و حکمت کے مناسب احکام مقرر فرماتا ہے) اور اگر تمھاری بیبیوں میں سے کوئی بی بی کافروں میں رہ جانے سے (بالکل) ہی تمھارے ہاتھ نہ آئے (یعنی وہ نہ ملے اور نہ اس کا بدلہ مہر ملے اور) پھر (کافروں کو ہر دینے کی) تمھاری ذمہ داری (یعنی تمھارے ذمہ کسی کافر کا حق) ہر واجب الادا ہو (تو) تم وہ ہر ان کافروں کو نہ دو بلکہ جن (مسلمانوں) کی بیبیاں ہاتھ سے نکل گئیں (جن کا ابھی ذکر ہوا تھا تم میں) جتنا (مہر) انھوں نے

ران پیسوں پر) خرچ کیا تھا اس کے برابر (اس رقم واجب الادا میں سے) تم ان کو دید و اور اللہ سے کہ جس پر تم ایمان رکھتے ہو ڈرتے رہو (احکام واجبہ میں خلل مت ڈالو، آگے خطاب خاص میں طریق امتحان ایمان کا فرماتے ہیں کہ) اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم جب مسلمان عورتیں آپ کے پاس (اس غرض سے) آویں کہ آپ سے ان باتوں پر بیعت کریں کہ اللہ کے ساتھ کسی شے کو شریک نہ کریں گی اور نہ چوری کریں گی اور نہ بدکاری کریں گی اور نہ اپنے بچوں کو قتل کریں گی اور نہ کوئی بہتان کی اولاد دلا دیں گی جس کو اپنے ہاتھوں اور پاؤں کے درمیان (نطفہ شوہر سے جنی ہوئی) اولاد ہونے کا دعویٰ کر کے بہنا لیوں (جیسا جاہلیت میں بعض عورتوں کا دستور تھا کہ کسی غیر کا بچہ اٹھا لائیں اور کہہ دیا کہ میرے خاوند کا ہے، اور یا کسی سے بدکاری کی اور اس نطفہ حرام کو اپنے خاوند کا بتلا دیا کہ اس میں علاوہ گناہ زنا کے اپنے شوہر کے ساتھ غیر کے بچے کا الحاق بھی ہے، جس پر حدیث میں بھی وعید آئی ہے، رواہ ابوداؤد والنسائی) اور مشروع باتوں میں وہ آپ کے خلاف نہ کریں گی (اس میں سب احکام شرعیہ آگئے، پس وہ عورتیں اگر ان شرطوں کو قبول کر لیں جن کا اعتقاد شرط ایمان ہے اور التزام عمل شرط کمال ایمان ہے) تو آپ ان کو بیعت کر لیا کیجئے اور ان کے لئے اللہ سے (پچھلے گناہوں کی) مغفرت طلب کیا کیجئے، بیشک اللہ غفور رحیم ہے (مطلب یہ کہ جب ان احکام کے حق اور واجب العمل سمجھے گا اظہار کریں تو ان کو مسلمان سمجھئے، اور ہر چند کہ خود اسلام ہی سے پچھلے گناہوں کی مغفرت ہو جاتی ہے، مگر یہاں استغفار کا حکم یا تو مکمل طور پر آثار مغفرت حاصل کرنے کے لئے ہے، اور یا حاصل اس کا دعاء ہی، قبول ایمان کی جس پر مغفرت مرثب ہوتی ہے) لے ایمان والو! ان لوگوں سے (بھی) دوستی مت کرو جن پر اللہ تعالیٰ نے غضب فرمایا ہے (مراد اس سے یہود ہیں، بقولہ تعالیٰ فی المائدۃ، مَنْ آخَصَّ اللَّهُ وَغَضِبَ عَلَيْهِ الْآيَةُ) کہ وہ آخرت کے (خیر و ثواب) سے ایسے ناامید ہو گئے ہیں جیسا کفار جو قبروں میں (مدفون) ہیں (خیر و ثواب آخرت سے) ناامید ہیں (جو کا فرم جاتا ہے بوجہ اس کے کہ اس کو معاینہ آخرت کا ہو جاتا ہے، حقیقت امر بریقین کے ساتھ مطلع ہو جاتا ہے کہ اب میری بخشش ہرگز نہ ہوگی، چونکہ حسب آیت یَعْرِضُونَہُمْ لِمَا يَعْرِضُونَ أَبْنَاءَہُمْ آپ کی نبوت کو اور اسی طرح مخالف نبی کے کافر اور غیر ناجی ہونے کو خوب جانتے ہیں، گو عار و حسد کی وجہ سے اتباع نہ کرتے تھے، اس لئے ان کو دل سے یقین تھا کہ ہم ناجی نہیں ہیں، گو شیخی کے مارے ظاہراً اس کے خلاف کرتے ہوں، پس حاصل یہ ہوا کہ جن کی گمراہی ایسی مسلم ہے کہ وہ خود بھی دل سے اس کو تسلیم کرتے ہیں ایسے گمراہوں سے تعلق رکھنا کیا ضرور! اور یہ نہ سمجھا جائے کہ جو گمراہ اشد درجہ کا نہ ہو اس سے دوستی جائز ہے، جواز دوستی سے تو مطلق کفر مانع ہے، مگر اس صفت سے وہ عدم جواز اور شدید ہو جاوے گا، اور شاید تخصیص یہود کی اس جگہ اس لئے ہو کہ مدینہ میں یہود زیادہ تھے اور دوسرے وہ لوگ شریر و مفسد بھی بہت تھے) ۛ

معارف و مسائل

معاہدہ صلح حدیبیہ کی | سورۃ فتح میں حدیبیہ کا واقعہ تفصیل سے آچکا ہے، جس میں بالآخر قریش مکہ اور بعض شرائط کی تحقیق، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان ایک معاہدہ صلح دس سال کے لئے لکھا گیا اس معاہدہ کی بعض شرائط ایسی تھیں جن میں دُوب کر صلح کرنے اور مسلمانوں کی بظاہر مغلوبیت محسوس ہوتی تھی، اسی لئے صحابہ کرام میں اس پر غم و غصہ کا اظہار ہوا، مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باشاراتِ ربانی یہ محسوس فرما رہے تھے کہ اس وقت کی چند روزہ مغلوبیت بالآخر ہمیشہ کے لئے فتح مبین کا پیش خیمہ بننے والی ہے، اس لئے قبول فرمالیا، اور پھر سب صحابہ کرام بھی مطمئن ہو گئے۔

اس صلح نامہ کی ایک شرط یہ بھی تھی کہ اگر مکہ مکرمہ سے کوئی آدمی مدینہ جائے گا تو آپ اس کو واپس کر دیں گے، اگرچہ وہ مسلمان ہی ہو، اور اگر مدینہ طیبہ سے کوئی مکہ مکرمہ چلا جائے گا تو قریش مکہ اس کو واپس نہ کریں گے، اس معاہدہ کے الفاظ عام تھے جس میں بظاہر مرد و عورت دونوں داخل تھے، یعنی کوئی مسلمان مرد یا عورت جو بھی مکہ مکرمہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جائے اس کو آپ واپس کریں گے۔

جس وقت یہ معاہدہ مکمل ہو چکا اور ابھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مقام حدیبیہ میں تشریف فرما تھے کئی ایسے واقعات پیش آئے جو مسلمانوں کے لئے بہت صبر آزمائی تھے، جن میں ایک واقعہ ابو جندل کا ہے، جن کو قریش مکہ نے قید میں ڈالا ہوا تھا، وہ کسی طرح ان کی قید سے چھوٹ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچ گئے، صحابہ کرام میں ان کو دیکھ کر سخت تشویش پھیلی کہ معاہدہ کی رو سے ان کو واپس کیا جانا چاہیے، اور ہم اپنے مظلوم بھائی کو پھر ظالموں کے ہاتھ میں دیدیں، یہ کیسے ہو گا؟

مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم معاہدہ تحریر فرما چکے تھے اور اصولِ شریعت کی حفاظت اور ان پر پختگی کو ایک فرد کی وجہ سے نہیں چھوڑ سکتے تھے، اور اس کے ساتھ آپ کی چشمِ بقیعہ عنقریب ان سب مظلوموں کی فاتحانہ نجات کا بھی گویا مشاہدہ کر رہی تھی، طبعی رنج و تکلیف تو ابو جندل کی واپسی میں آپ کو بھی یقیناً ہوگی، مگر آپ نے معاہدہ کی پابندی کی بنا پر ان کو سمجھا بھجا کر رخصت کر دیا۔

اس کے ساتھ ایک دوسرا واقعہ یہ پیش آیا کہ سجدہ بنت الحارث الاسلمیہ جو مسلمان تھیں مگر صیغی بن انصیب کے نکاح میں تھیں جو کافر تھا، بعض روایات میں اس کا نام مسافر الخزومی بتلایا گیا ہے (اس وقت تک مسلمانوں اور کفار میں رشتہ مناکحت طرفین سے حرام نہیں ہوا تھا) یہ مسلمان عورت مکہ سے بھاگ کر آپ کی خدمت میں حاضر ہو گئیں ساتھ ہی ان کا شوہر حاضر ہوا، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مطالبہ کیا کہ میری عورت مجھے واپس کی جائے، کیونکہ آپ نے یہ شرط قبول کر لی ہے اور ابھی تک اس معاہدہ کی ہر بھی خشک نہیں ہوئی۔

اس واقعہ پر یہ آیات مذکورہ نازل ہوئیں جن میں دراصل مسلمانوں اور مشرکین کے درمیان عقد مناکحت کو حرام قرار دیا گیا ہے، اور اس کے نتیجہ میں یہ بھی کہ جو عورت مسلمان خواہ اس کا مسلمان ہونا پہلے سے معلوم ہو جیسے سعیدہ مذکورہ تھیں، یا بوقت ہجرت اس کا مسلمان ہونا صحیح طور سے ثابت ہو جائے، وہ اگر ہجرت کر کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچ جائے اس کو کفار کے قبضہ میں واپس نہ دیا جائے، کیونکہ وہ اپنی کافر شوہر کے لئے حلال نہیں رہی (تفسیر قرطبی میں یہ واقعہ حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے نقل کیا ہے) غرض ان آیات کے نزول نے یہ واضح کر دیا کہ صلحنامہ کی یہ شرط کہ جو بھی مسلمان آپ کے پاس پہنچے آپ واپس کریں گے اپنے لفظی عموم کے ساتھ جس میں مرد و عورت دونوں داخل ہیں صحیح نہیں، یہ شرط صرف مردوں کے حق میں قبول کی جاسکتی ہے، عورتوں کے معاملہ میں یہ شرط قابل قبول نہیں، ان کے بارے میں صرف اتنا کیا جاسکتا ہے کہ جو عورت مسلمان ہو کر ہجرت کرے اس کے کافر شوہر نے جو کچھ اس پر جرہ کی صورت میں خرچ کیا ہے وہ خرچ اس کو واپس کیا جائے گا، ان آیات کی بناء پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شرط کے مفہوم کو واضح فرمادیا، اور اس کے مطابق سعیدہ مذکورہ کو واپس نہیں کیا۔

بعض روایات میں ہے کہ ام کلثوم بنت عتبہؓ ابی معیط مکہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچ گئیں، ان کے خاندان کے لوگوں نے واپسی کا مطالبہ عموم شرط کی وجہ سے کیا اس پر یہ آیات نازل ہوئیں اور بعض روایات میں ہے کہ ام کلثوم عمرو بن عاص کے نکاح میں تھیں جو ابھی تک مسلمان نہیں ہوئے تھے، یہ ادراکے ساتھ ان کے دو بھائی مکہ سے بھاگ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچ گئے اور ساتھ ہی عمرو بن عاص شوہر ام کلثوم وغیرہ نے آکر ان کی واپسی کا مطالبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا، آپ نے شرط کے مطابق ان کے دونوں بھائی عمارہ اور ولید کو واپس کر دیا، مگر ام کلثوم کو واپس نہیں فرمایا، اور ارشاد فرمایا کہ یہ شرط مردوں کے لئے تھی عورتیں اس میں شامل نہیں، اس پر یہ آیات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کے لئے نازل ہوئیں۔

اس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچنے والی دوسری عورتوں کے بھی کچھ واقعات روایات میں مذکور ہیں، اور یہ ظاہر ہے کہ ان میں کوئی تضاد نہیں ہو سکتا ہے کہ یہ متعدد واقعات سب ہی پیش آئے ہوں۔

شرط مذکور سے عورتوں کا استثناء نقص عہد نہیں بلکہ ایک شرط کی وضاحت بقول مندریقین ہے !!! کے الفاظ اگرچہ عام تھے، مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک وہ عورتوں کے لئے عام اور شامل نہیں تھے، اس لئے آپ نے اس کی وضاحت دیں حدیثیہ کے مقام پر فرمادی اور اسی کی تصدیق پر یہ آیات نازل ہوئیں۔

اور بعض روایات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے تو اس شرط کو عموم کے ساتھ قبول فرمایا تھا

جس میں عورتیں بھی شامل تھیں، ان آیات کے نزول نے اس کے عموم کو منسوخ قرار دیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش مکہ پر اسی وقت یہ واضح کر دیا کہ عورتیں اس شرط میں داخل نہ ہونگی، چنانچہ عورتوں کو آپ نے واپس نہیں فرمایا، اس سے معلوم ہوا کہ یہ صورت نہ نقض عہد کی تھی جس کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی امکان ہی نہ تھا، اور نہ یہ بند عہد کی صورت تھی یعنی معاہدہ کو ختم کر دینے کی، بلکہ ایک شرط کی وضاحت کا معاملہ تھا، خواہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد پہلے ہی سے یہ ہو یا نزول آیت کے بعد آپ نے اس عموم کو صرف فردوں تک محدود کرنے کے لئے فرما دیا ہو، بہر حال ہوا یہ ہے کہ اس توضیح کے بعد بھی معاہدہ صلح کو طرفین نے قبول کیا اور اس پر ایک مدت تک طرفین سے عمل ہوتا رہا، اس صلح کے نتیجے میں راستے مأمون ہوئے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ملک و نیل کے نام خطوط بھیجے، اور اسی کے نتیجے میں ابوسفیان کا قافلہ بے فکری کے ساتھ ملک شام تک پہنچا، جہاں ہر قتل نے ان کو اپنے دربار میں بلا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات و واقعات کی تحقیق کی۔

خلاصہ یہ ہے کہ اس شرط صلح کے عام الفاظ میں، عورتوں کا شامل نہ ہونا خواہ پہلے ہی سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر میں تھا یا نزول آیت کے بعد آپ نے عورتوں کو اس عموم سے خارج کیا، بہر صورت کفار قریش اور مسلمانوں کے درمیان یہ معاہدہ اس وضاحت کے بعد بھی مکمل ہی سمجھا گیا، اور ایک عرصہ تک اس پر عمل ہوتا رہا، اس لئے اس شرط کی وضاحت کو نقض عہد یا بند عہد میں داخل نہیں کیا جاسکتا، واللہ اعلم، آگے آیات کا مفہوم ان کے الفاظ کے تحت دیکھئے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا جَاءَكُمْ الْمُؤْمِنَاتُ مُهَجِرَاتٍ فَامْتَحِنُوهُنَّ ۚ اللَّهُ أَعْلَمُ
بِإِيمَانِهِنَّ ۚ مراد آیت کی یہ ہے کہ عورتوں کو شرط صلح سے مستثنیٰ ہونگی وجہ اُن کا مسلمان اور مؤمن ہونا ہے مکہ سے مدینہ آنے والی عورتوں میں احتمال اس کا بھی تھا کہ ان میں سے کوئی اسلام و ایمان کی خاطر نہیں، بلکہ اپنے شوہر سے ناراضی کے سبب یا مدینہ کے کسی شخص سے محبت کے سبب یا کسی دوسری دنیوی غرض سے ہجرت کر کے آگئی ہو وہ عند اللہ اس شرط سے مستثنیٰ نہیں، بلکہ اس کو واپس کرنا شرط صلح کے تحت ضروری ہے، اس لئے مسلمانوں کو حکم دیا گیا کہ ہجرت کر کے آنے والی عورتوں کے ایمان کا امتحان لو، اس کے ساتھ ہی یہ جملہ فرمایا کہ اللَّهُ أَعْلَمُ بِإِيمَانِهِنَّ، اس میں اشارہ کر دیا کہ حقیقی اور اصل ایمان کا تعلق تو انسان کے دل سے ہے، جس پر اللہ کے سوا کسی کو اطلاع نہیں، البتہ آدمی کے زبانی اقرار اور قرآن سے ایمان کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے، پس مسلمان اسی کے مامور و مکلف ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی عنہما سے روایت ہے کہ اُن کے امتحان کا طریقہ یہ تھا کہ ہاجر عورت سے حلف لیا جاتا تھا کہ وہ اپنے شوہر سے بغض و نفرت کی وجہ سے نہیں آئی، اور نہ مدینہ کے کسی آدمی کی محبت کی وجہ سے اور نہ کسی دوسری دنیوی غرض سے بلکہ اس کا آنا خالص اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم

کی محبت و رضا جوئی کے لئے ہے، جب وہ یہ حلف کر لیتی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو مدینہ میں رہنے کی اجازت دیتے، اور اس کا ہر وغیرہ جو اس نے اپنے کافر شوہر سے وصول کیا تھا وہ اس کے شوہر کو واپس دیدیتے تھے۔ (عشرطبی)

اور حضرت صدیقہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے ترمذی میں روایت ہے جس کو ترمذی نے حسن صحیح کہا ہے، آپ نے فرمایا کہ اُن کے امتحان کی صورت وہ بیعت تھی جس کا ذکر اگلی آیات میں تفصیل سے آیا ہے اِذَا جَاءَكَ الْمُؤْمِنَاتُ يُبَايِعُكَ الْاَيَةُ، گویا آنے والی ہاجر عورتوں کے امتحان ایمان کا طریقہ ہی یہ تھا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک پر ان چیزوں کا عہد کریں جو اس بیعت کے بیان میں آگے آئی ہیں، اور یہ بھی کچھ بعید نہیں کہ ابتدائی طور پر پہلے وہ کلمات اُن سے کہلوائے جاتے ہوں جو بروایت ابن عباسؓ اور ذکر کئے گئے ہیں اور اس کی تکمیل اس بیعت سے ہوتی ہو جس کا آگے ذکر ہے۔ واللہ اعلم

فَاِنْ عَلِمْتُمُوهُنَّ مُؤْمِنَاتٍ فَلَا تَرْجِعُوهُنَّ اِلَى الْكُفَّارِ، یعنی جب بطرز مذکور ان ہاجرات کے ایمان کا امتحان لے کر تم ان کو مؤمن قرار دیدو تو پھر ان کو کفار کی طرف واپس کرنا جائز نہیں۔
لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ وَلَا هُمْ يَحِلُّونَ لِهِنَّ، یعنی نہ یہ عورتیں کافر مردوں پر حلال ہیں اور نہ کافر مرد اُن کے لئے حلال ہو سکتے ہیں کہ ان سے دوبارہ نکاح کر سکیں۔

مسئلہ:- اس آیت نے یہ واضح کر دیا کہ جو عورت کسی کافر کے نکاح میں تھی اور پھر وہ مسلمان ہو گئی تو کافر سے اس کا نکاح خود بخود فسخ ہو گیا، یہ اس کے لئے اور وہ اس کے لئے حرام ہو گئے، اور یہی وجہ عورتوں کو شرط صلح میں واپس سے مستثنیٰ کرنے کی ہے کہ اب وہ اس کے شوہر کا فرکیلئے حلال نہیں رہی۔
وَالَّذِينَ هُمْ مِمَّا آتَقَوْا، یعنی ہاجر عورتوں کے کافر شوہر نے اس کے نکاح میں جو ہر وغیرہ اس کو دیا ہے وہ سب اس کے شوہر کو واپس دیا جائے، کیونکہ شرط صلح سے مستثنیٰ صرف عورتوں کی واپس تھی، جو بوجہ اُن کے حرام ہو جانے کے نہیں ہو سکتی، مگر جو مال انھوں نے ان کو دیا ہے وہ حسب شرط واپس کر دینا چاہئے اس مال کی واپسی کا خطاب ہاجر عورتوں کو نہیں کیا گیا کہ تم واپس کر دو بلکہ عام مسلمانوں کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ واپس کریں، کیونکہ بہت ممکن بلکہ غالب یہ ہو کہ جو مال ان کے شوہر نے اُن کو دیا تھا وہ ختم ہو چکا ہو، اب اُن سے واپس دلانے کی صورت ہی نہیں ہو سکتی، اس لئے یہ فریضہ عام مسلمانوں پر ڈال دیا گیا کہ معاہدہ صلح کو پورا کرنے کے لئے اس کی طرف سے کافر شوہروں کا مال واپس کر دیں، اگر بیت المال سے دیا جاسکتا ہے تو وہاں سے ورنہ عام مسلمانوں کے چندے سے (من عشرطبی)

وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اَنْ تَنْكِحُوهُنَّ اِذَا آتَيْتُمُوهُنَّ اُجُورَهُنَّ، پچھلی آیت میں یہ واضح ہو چکا ہے کہ ہجرت کر کے آنے والی مسلمان عورت کا نکاح اس کے کافر شوہر سے فسخ ہو چکا ہے اور یہ اس پر حرام ہو چکی ہے، اس آیت میں اسی حکم کا تکملہ یہ ہے کہ اب مسلمان مرد سے اس کا نکاح ہو سکتا ہے، اگرچہ سابق

شوہر کا فرزند بھی ہے اور اس نے طلاق بھی نہیں دی، مگر شرعی حکم سے نکاح فسخ ہو چکا ہے، اس کو دوسرے مرد سے اس کا نکاح حلال ہو گیا۔

کافر مرد کی بیوی مسلمان ہو جائے تو نکاح فسخ ہو جانا آیت مذکورہ سے معلوم ہو چکا، لیکن دوسرے کسی مسلمان مرد سے اس کا نکاح کس وقت جائز ہو گا، اس کے متعلق امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ کے نزدیک اصل ضابطہ تو یہ ہے کہ جس کافر مرد کی عورت مسلمان ہو جائے تو حاکم اسلام اس کے شوہر کو بلا کر کہے کہ اگر تم بھی مسلمان ہو جاؤ تو نکاح برقرار رہے گا، ورنہ نکاح فسخ ہو جائے گا، اگر وہ اس پر بھی اسلام لانے سے انکار کر دے تو اب ان دونوں میں فرقت کی تکمیل ہو گئی، اس وقت وہ کسی مسلمان مرد سے نکاح کر سکتی ہے، مگر یہ ظاہر ہے کہ حاکم اسلام کا شوہر کو حاضر کرنا وہیں ہو سکتا ہے جہاں حکومت اسلام کی ہو، دارالکفر یا دارالحرب میں ایسا واقعہ پیش آئے تو شوہر سے اسلام کے لئے کہنے اور اس کے انکار کی صورت نہیں ہوگی جس سے دونوں میں تفریق کا فیصلہ کیا جاسکے، اس لئے اس صورت میں زوجین کے درمیان تفریق کی تکمیل اس وقت ہوگی جب یہ عورت ہجرت کر کے دارالاسلام میں آجائے یا مسلمانوں کے لشکر میں آجائے، دارالاسلام میں آنے کی صورت مذکورہ واقعات میں مدینہ طیبہ پہنچنے کے بعد ہو سکتی ہے، اور لشکر اسلام مدینہ میں بھی موجود تھا، اس میں پہنچنے سے بھی اس کا تحقق ہو جاتا ہے، جس کو فقہاء کی اصطلاح میں اختلاف دارین سے تعبیر کیا گیا ہے۔ یعنی جب کافر مرد اور اس کی بیوی مسلمان کے درمیان دارین کا فاصلہ ہو جائے، یعنی ایک دارالکفر میں ہر دوسرا دارالاسلام میں تو یہ تفریق مکمل ہو کر عورت دوسرے سے نکاح کیلئے آزاد ہو جاتی ہے (دہلیہ وغیرہ) اور اس آیت میں جو اذآئینمؤہن اُجوزہن کو بطور شرط کے فرمایا کہ تم ان سے نکاح کر سکتے ہو۔

بشرطیکہ اُن کے ہر دید وایہ در حقیقت نکاح کی شرط نہیں، کیونکہ باتفاق امت نکاح کا انعقاد ادائیہر پر موقوف اور مشروط نہیں ہے، البتہ نکاح پر ہر کی ادائیگی واجب و لازم ضرور ہے، یہاں اس کو بطور شرط کے شاید اس لئے ذکر کیا گیا ہے کہ ابھی ایک ہر تو اس کے کافر شوہر کو واپس کرایا جا چکا ہے، ایسا ہو کہ اب اس سے نکاح کرنے والے مسلمان یہ سمجھ بیٹھیں کہ ہر تو دیا جا چکا، اور جدید ہر کی ضرورت نہیں اس لئے فرمادیا کہ اس ہر کا تعلق پچھلے نکاح سے تھا، یہ دوسرا نکاح ہو گا تو اس کا جدید ہر لازم ہے۔

وَلَا تَنْسَوُا الْعَهْدَ فَإِنَّ كُفْرًا فِیْہِ عَصَمٌ عَصَمٌ کِیْ جَمْعِہِ، جس کے اصلی معنی حفاظت اور استحکام کے ہیں، مراد اس سے وہ عقد نکاح وغیرہ ہیں جن کی حفاظت کی جاتی ہے۔

کُفْرًا جمع کافرہ کی ہے، اور مراد اس سے مشرک عورت ہے، کیونکہ کافرہ کتابیہ سے نکاح کی اجازت قرآن کریم میں منصوص ہے، مراد آیت کی یہ ہے کہ اب تک جو مسلمانوں اور مشرکوں کے درمیان منکحات کی اجازت تھی وہ ختم کر دی گئی، اب کسی مسلمان کا نکاح مشرک عورت سے جائز نہیں، اور جو نکاح پہلے ہو چکے ہیں وہ بھی ختم ہو چکے، اب کسی مشرک عورت کو اپنے نکاح میں روکنا حلال نہیں۔

جس وقت یہ آیت نازل ہوئی تو جن صحابہ کرام کے نکاح میں کوئی مشرک عورت تھی اس کو چھوڑ دیا، حضرت فاروق اعظمؓ کے نکاح میں دو مشرک عورتیں اُس وقت تک تھیں جو بوقت ہجرت مکہ مکرمہ میں رہ گئی تھی، حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے یہ آیت نازل ہونے کے بعد دونوں کو طلاق دیدی (رواہ البغوی بسند الزہری کذا فی المنہری) اور طلاق سے مراد اس جگہ چھوڑ دینا اور قطع تعلق کر لینا ہے، اصطلاحی طلاق کی یہاں ضرورت ہی نہیں، کیونکہ اس آیت کے ذریعہ نکاح ٹوٹ چکا ہے۔

وَأَسْأَلُكُمْ إِنَّمَا آتَفَقْتُمْ عَلَيْهِ لَنُحْكُمَ بِمَا آتَفَقُوا، یعنی جب معاملہ یہ ٹھہرا کہ جو عورت مسلمان ہو کر ہجرت کر کے مدینہ طیبہ آجائے تو وہ واپس مکہ نہ بھیجی جائے گی، البتہ اس کے شوہر نے جو ہر وغیرہ اس کو دیا ہو وہ اس کے شوہر کو واپس دیا جائے گا، اسی طرح اگر کوئی مسلمان عورت خدائے متعالیٰ سے مرتد ہو کر مکہ معظمہ چلی جائے یا پہلے ہی سے کافر ہو مگر مسلمان شوہر کے قبضہ سے نکل جائے (خلاصہ تفسیر میں اسی صورت کو شاید اس لئے اختیار کیا گیا ہے کہ ایسا کوئی واقعہ پیش ہی نہیں آیا کہ کوئی مسلمان عورت مرتد ہو کر مکہ چلی گئی ہو، اور پھر وہیں کافر ہو کر رہ گئی ہو، ہاں ایسے واقعات پیش آئے کہ جو پہلے ہی سے کافر تھیں وہ اپنے مسلمان شوہر کے قبضہ سے نکل کر مکہ ہی میں رہیں) کفار مکہ اس کو واپس نہیں کریں گے، مگر اس کے مسلمان شوہر نے جو ہر وغیرہ اس کو دیا ہے اس کی واپسی کفار مکہ کے ذمہ ہوگی، اس لئے ان معاملات کا تصفیہ باہمی حساب فہمی سے کر لیا جائے، طریقین سے جو کچھ ہر وغیرہ میں خرچ کیا گیا ہے وہ دریافت کر کے اس کے مطابق لین دین کر لیا جائے اس حکم پر مسلمانوں نے تو بطیب خاطر عمل کیا کہ احکامِ قرآن کی پابندی اُن کے نزدیک فرض ہے اس لئے جتنی عورتیں ہجرت کر کے آئیں سب کے ہر وغیرہ ان کے کافر شوہروں کو واپس بھیج دیئے، مگر کفار مکہ کا قرآن پر ایمان نہیں تھا، انہوں نے عمل نہ کیا، اس پر اگلی آیت نازل ہوئی، (ذکرہ البغوی عن الزہری منہری) وَإِنْ فَاتَكُمْ شَيْءٌ مِّنْ أَزْوَاجِكُمْ إِلَى الْكُفَّارِ فَعَلَيْكُمْ الْاِيَةُ، عَاقِبْتُمْ، معاقبہ سے مشتق ہے جس کے ایک معنی انتقام اور بدلہ لینے کے بھی ہیں، یہاں یہ معنی بھی مراد ہو سکتے ہیں (کما روی عن قتادہ و مجاہد، قرطبی) اس صورت میں مطلب آیت کا یہ ہوگا کہ مسلمانوں کی کچھ عورتیں اگر کفار کے قبضہ میں آجائیں تو شرط صلح کے ماتحت ادوار پر لازم تھا کہ اُن کے مسلمان شوہروں کو ان کا دیا ہوا ہر وغیرہ واپس کریں جیسا کہ مسلمانوں کی طرف سے ہاجرات کے کافر شوہروں کو ان کا ہر واپس کیا گیا، لیکن جب کفار نے ایسا نہ کیا اور مسلمان عورتوں کے ہر ان کو ادا نہ کئے تو ان کے اس عمل کا اگر تم انتقام اور بدلہ لیلو اس طرح کہ کفار مکہ کو جو رقم ہاجرات کے ہر کی ادا کرنا تھی تم بھی وہ اپنے حق کے مطابق رد کر لو تو اس کا حکم یہ ہے کہ قَاتُوا الَّذِیْنَ ذَهَبَتْ أَزْوَاجُهُمْ مِّثْلَ مَا آتَفَقُوا، یعنی تم اس رقم میں سے جو ہاجرات کے ہر کی رد کر لی گئی ہے، ان مسلمان شوہروں کے خرچ کئے ہوئے ہر وغیرہ ادا کر دو جن کی عورتیں کفار مکہ کے قبضہ میں آ گئی ہیں۔ دوسرے معنی عَاقِبْتُمْ، عَقَبْتُمْ، عَقَبْتُمْ کے جنگ میں مالی غنیمت حاصل کرنے کے بھی ہیں، اور اس

آیت میں لفظ عَاَقِبْتُمْ کی یہ تینوں تراتیں بھی مختلف قرار سے منقول ہیں، اور حضرت قتادہ و مجاہد سے ان تینوں لفظوں کے معنی غنیمت کے بھی منقول ہیں، اس صورت میں معنی آیت کے یہ ہوں گے کہ جن مسلمان شوہروں کی عورتیں کفار کے قبضہ میں چلی گئیں اور شرط صلح کے مطابق کفار نے ان کے ہر مسلمان شوہروں کو ادا نہیں کیا پھر مسلمانوں کو مال غنیمت حاصل ہوا تو ان شوہروں کا حق مال غنیمت ان کو ادا کر دیا جائے (قرطبی)

کیا مسلمانوں کی کچھ عورتیں مرتد ہو کر مکہ چلی گئی تھیں ۱۹ | اس آیت میں جس معاملے کا حکم بیان کیا گیا ہے اس کا واقعہ بعض حضرات کے نزدیک صرف ایک ہی پیش آیا تھا کہ حضرت عیاض بن غنم قریشی کی بیوی ام الحکم بنت ابی سفیان مرتد ہو کر مکہ مکرمہ چلی گئی تھی، اور پھر یہ بھی اسلام کی طرف لوٹ آئی۔

اور حضرت ابن عباسؓ نے محل چھ عورتوں کا اسلام سے انحراف اور کفار کے ساتھ مل جانا ذکر فرمایا ہے جن میں سے ایک تو یہی ام الحکم بنت ابی سفیان تھیں اور باقی پانچ عورتیں وہ تھیں جو ہجرت کے وقت ہی مکہ مکرمہ میں رک گئیں اور پہلے ہی سے کافر تھیں، جب قرآن کی یہ آیت نازل ہوئی جس نے مسلم و کافر کے نکاح کو توڑ دیا، اس وقت بھی وہ مسلمان ہونے کے لئے تیار نہ ہوئیں، اس کے نتیجہ میں یہ بھی ان عورتوں میں شمار کی گئیں، جن کا ہر ان کے مسلمان شوہروں کو کفار مکہ کی طرف سے واپس ملنا چاہئے تھا، جب انھوں نے نہیں دیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مال غنیمت سے ان کا یہ حق ادا کیا۔

اس سے معلوم ہوا کہ مدینہ سے مکہ چلے جانے اور مرتد ہونے کا تو صرف ایک ہی واقعہ تھا، باقی پانچ عورتیں پہلے ہی سے کافر پر تھیں، اور کفر پر قائم رہنے کی وجہ سے وہ مسلمانوں کے نکاح سے اس آیت کی بناء پر بیکل گئیں، اس لئے ان کو بھی اس ضمن میں شمار کیا گیا ہے، اور ایک عورت جس کا مرتد ہو کر مکہ چلے جانا مذکور ہوا ہے یہ بھی بعد میں پھر مسلمان ہو گئیں (قرطبی) اور لغوی نے روایت ابن عباسؓ نقل کیا ہے کہ باقی پانچ عورتیں جو اس میں شمار کی گئی ہیں وہ بھی بعد میں مسلمان ہو گئیں۔ (مظہری)

عورتوں کی بیعت | يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا جَاءَكَ الْمُؤْمِنَاتُ يُمَيِّتُكِ اللَّهُنَّ الْأَيَّةُ، اس آیت میں مسلمان عورتوں سے ایک تفصیل بیعت لینے کا ذکر ہے جس میں ایمان و عقائد کے ساتھ احکام شرعیہ کی پابندی کا بھی معاہدہ ہے، سابقہ آیات جن کے سیاق میں یہ آیت بیعت آئی ہے وہ اگرچہ ان ہجرات کے ایمان کا امتحان کرنے کے سلسلے میں ہے، اور یہ بیعت ان کے امتحان ایمان کی تکمیل ہے، لیکن الفاظ آیت عام ہیں، نو مسلم ہجرات کے ساتھ مخصوص نہیں، بلکہ سب مسلمان عورتوں کے لئے عام ہیں، اور واقعہ بھی اسی طرح پیش آیا، کہ بیعت مذکور میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کرنے والی صرف نو مسلم ہجرات ہی نہیں دوسری قدیم عورتیں بھی شریک تھیں، جیسا کہ صحیح بخاری میں اُمّ عطیہؓ سے اور بسند لغوی امیمہؓ بنت رقیہؓ سے منقول ہے، حضرت امیمہؓ سے روایت ہے کہ میں نے چند دوسری عورتوں کی معیت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی تو آپؐ نے جن احکام شرعیہ کی پابندی کا معاہدہ اس بیعت میں لیا

اس کے ساتھ یہ کلمات بھی تلقین فرمائے کہ فِيمَا اسْتَطَعْتُمْ دَأْفَقْتُمْ، یعنی ہم اُن چیزوں کی پابندی کا عہد اسی حد تک کرتے ہیں جہاں تک ہماری استطاعت و طاقت میں ہے، ایمہ نے اس کو نقل کر کے فرمایا کہ اس سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمت و شفقت ہم پر خود ہماری ذات سے بھی زائد تھی کہ ہم نے تو بلا کسی قید و شرط کے عہد کرنا چاہا تھا آپ نے اس شرط کی تلقین فرمادی، تاکہ کسی اضطراری حالت میں خلافت درزی ہو جائے تو عہد شکنی میں داخل نہ ہو (منظری)

اور صحیح بخاری میں حضرت عائشہ صدیقہؓ نے اس بیعت نسا کے متعلق فرمایا کہ عورتوں کی یہ بیعت صرف گفتگو اور کلام کے ذریعہ ہوتی، مردوں کی بیعت میں جو ہاتھ پر ہاتھ رکھنے کا دستور ہے، عورتوں کی بیعت میں ایسا نہیں کیا گیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک نے کبھی کسی غیر محرم کے ہاتھ کو نہیں چھوا (منظری)

اور روایات حدیث سے ثابت ہو کہ یہ بیعت نسا صرف اس واقعہ حدیبیہ کے بعد ہی نہیں بلکہ بار بار ہوتی رہی، یہاں تک کہ فتح مکہ کے روز بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مردوں کی بیعت سے فارغ ہونے کے بعد کوہ صفا پر عورتوں سے بیعت لی، اور پہاڑ کے دامن میں حضرت عمر بن خطابؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ کو دہرا کر نیچے جمع ہونے والی عورتوں کو پہونچا رہے تھے جو اس بیعت میں شریک تھیں۔

اس وقت بیعت ہونے والی عورتوں میں ابوسفیان کی بیوی ہند بھی داخل تھیں، جو شروع میں حیا کے سبب اپنے آپ کو چھپانا چاہتی تھیں، پھر بیعت میں کچھ احکام کی تفصیل آئی تو بولنے اور دریافت کرنے پر مجبور ہو گئیں، کئی سوالات کئے، یہ واقعہ تفصیل سے تفسیر منظری میں مذکور ہے۔

مردوں کی بیعت میں اجماع | مردوں سے جو بیعت لی گئی وہ عموماً اسلام اور جہاد پر لی گئی ہے، عملی احکام کی اور عورتوں کی بیعت میں تفصیل | تفصیل اس میں نہیں ہے، بخلاف عورتوں کی بیعت کے کہ اس میں وہ تفصیل ہو جو آگے آرہی ہے، وجہ فرق کی یہ ہے کہ مردوں سے ایمان و اطاعت کی بیعت لینے میں یہ سب احکام داخل تھے، اس لئے تفصیل کی ضرورت نہیں سمجھی گئی، اور عورتیں عموماً عقل و فہم میں مردوں سے کم ہوتی ہیں اس لئے ان کی بیعت میں تفصیل مناسب سمجھی گئی، یہ اس بیعت کی ابتداء ہے جو عورتوں سے شروع ہوئی مگر آگے یہ عورتوں کے ساتھ مخصوص نہیں رہی، مردوں سے بھی اپنی چیزوں کی بیعت لینا روایات حدیث میں ثابت ہے، (کماروی عن عبادۃ بن الصامتؓ) (قرطبی) اس کے علاوہ جن احکام کی پابندی کا عہد عورتوں سے لیا گیا عموماً عورتیں ان میں بے راہی اختیار کرنے کی عادی ہوتی ہیں، اس لئے بھی خصوصیت سے ان کی بیعت میں مندرجہ ذیل تفصیل آئی، يٰۤاَيُّهَا يٰۤاَيُّهَا عَلٰى اَنْ لَا يَكُنَّ كُنَّ بِاللهِ شَيْئًا، الاية اس میں پہلی بات تو وہی ایمان کی اور شرک سے بچنے کی ہے، جو عام مردانہ بیعتوں میں بھی آتی ہے، دوسری بات چوری نہ کرنا ہے، بہت سی

عورتیں اپنے شوہر کے مال میں چوری کرنے کی عادی ہوتی ہیں، اس لئے ذکر کیا گیا، تیسری بات زنا سے پرہیز کرنا ہے جس میں عورتیں پختہ ہو جاویں تو مردوں کو بھی نجات آسان ہو جائے، چوتھی بات یہ ہے کہ اپنی بچوں کو قتل نہ کریں۔ زمانہ جاہلیت میں لڑکیوں کو زندہ دفن کر کے ہلاک کر دینے کا رواج تھا، اس کو روکا گیا، پانچویں بات یہ ہے کہ افراء اور بہتان نہ باندھیں، اس بہتان کی مانعت کے ساتھ یہ الفاظ بھی ہیں (يَبْنَؤُاَيُّنَ وَيَعْنُ قُلُوبُهُنَّ) یعنی اپنے ہاتھ پاؤں کے درمیان بہتان نہ باندھیں، ان کا ذکر اس لئے کیا گیا کہ قیامت کے روز انسان کے ہاتھ پاؤں ہی اس کے اعمال پر شہادت دیں گے، مطلب یہ ہوا کہ ایسے گناہ کے ارتکاب کے وقت یہ خیال رہنا چاہئے کہ میں چار گواہوں کے درمیان یہ کام کر رہا ہوں جو میرے خلاف گواہی دیں گے۔ یہاں لفظ بہتان عام ہے اپنے شوہر پر ہو یا کسی دوسرے پر، کیونکہ افراء و بہتان ہر شخص پر یہاں تک کہ کافر پر بھی حرام ہے، خصوصاً اپنے شوہر پر بہتان اور بھی اس شد گناہ ہے، اور شوہر پر بہتان لگانے کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ عورت کسی اور شخص کا بچہ لے کر اس کو اپنے شوہر کا بچہ ظاہر کرے اور اس کے نسب میں داخل کرے، اور یہ بھی کہ معاذ اللہ بدکاری کرے اور حمل رہ جائے جس کے نتیجہ میں یہ بچہ شوہر کے نسب میں داخل سمجھا جائے۔

چھٹی بات ایک عام ضابطہ ہے کہ وَلَا تَعْصِيْكَ فِي مَعْرُوْفٍ، یعنی وہ کسی نیک کام میں کپکپ چھٹی بات ایک عام ضابطہ ہے کہ، یہاں "معروف" یعنی نیک کام کی قید لگانا جب کہ یہ یقینی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی حکم معروف اور نیک کے ہوا ہو ہی نہیں سکتا، یا تو اس لئے ہے کہ عام مسلمان پوری طرح سمجھ لیں کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے خلاف کسی مخلوق کی اطاعت جائز نہیں، یہاں تک کہ رسول کی اطاعت بھی اس شرط کے ساتھ مشروط کر دی گئی۔

اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہاں معاملہ عورتوں کا ہے، ان سے عام اطاعت کہ ان کے کسی حکم کے خلاف نہ کریں گی، کسی کے دل میں اس سے شیطان گمراہی کے دوسے پیدا کر سکتا ہے اس کا راستہ روکنے کے لئے یہ قید لگادی، واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

تمت

سورة الممتحنة بعون اللہ تعالیٰ و حمدہ
عشرین غلت من جمادی الاولیٰ ۱۳۹۱ھ
یوم الثلثاء تیلوہا الشار اللہ سورة الصفت

سُورَةُ الصَّفِّ

سُورَةُ الصَّفِّ مَدَنِيَّةٌ وَهِيَ أَرْبَعٌ عَشْرَةَ آيَةً وَفِيهَا رُكُوعَانِ

سورۃ صف مدینہ میں نازل ہوئی اور اس کی چودہ آیتیں ہیں اور دو رکوع ،

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بحد ہر بان نہایت رحم والا ہے ،

سَبَّحَ لِلَّهِ مَا فِي السَّمُوتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيزُ

اللہ کی پاکی بولتا ہے جو کچھ ہے آسمانوں اور جو کچھ ہے زمیں میں اور وہی ہے زبردست

الْحَكِيمُ ① يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لِمَ تَقُولُونَ مَا لَا تَفْعَلُونَ ②

حکمت والا ، اے ایمان والو کیوں کہتے ہو منہ سے جو نہیں کرتے ،

كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللَّهِ أَنْ تَقُولُوا مَا لَا تَفْعَلُونَ ③ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ

بڑی بیزاری کی بات ہے اللہ کے یہاں کہہ دو چیز جو نہ کرو اللہ چاہتا ہے اُن

الَّذِينَ يَقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِهِ صَفًّا كَأَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَرْصُورٌ ④

لوگوں کو جو لڑتے ہیں اس کی راہ میں قطار باندھ کر گویا وہ دیوار ہیں سیدہ پلائی ہوئی ،

وَإِذْ قَالَ مُوسَى لِقَوْمِهِ يُقَوْمِ لِمَ تَقُولُونَ وَقَدْ تَعْلَمُونَ

اور جب کہا موسیٰ نے اپنی قوم کو اے قوم میری کیوں ستاتے ہو مجھ کو اور تم کو معلوم ہے

أَنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ فَلَمَّا زَاغُوا أَزَاغَ اللَّهُ قُلُوبَهُمْ ⑤

کہ میں اللہ کا بھیجا ہوا آیا ہوں تمہارے پاس ابھرجب پھرتے تو پھیر دیے اللہ نے اُن کے دل

وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ۝۵ وَاِذْ قَالَ عِيسٰى ابْنُ مَرْيَمَ

اور اللہ راہ نہیں دیتا نافرمان لوگوں کو ، اور جب کہا عیسیٰ مریم کے بیٹے نے

يٰبَنِيْ اِسْرٰٓئِيْلَ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ

اے بنی اسرائیل میں بھیجا ہوا آیا ہوں اللہ کا تمہارے پاس یقین کر نیوالا اس پر جو مجھ سے آگے ہے

مِنَ التَّوْرَةِ وَمُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ يَّآتِيْ مِنْۢ بَعْدِي اَسْمٰٓءُ اَحْمَدُ ط

توریت اور خوش خبری سننے والا ایک رسول کی جو آئے گا میرے بعد اس کا نام ہے احمد

فَلَمَّا جَآءَهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ قَالُوْٓا هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۝۶ وَمَنْ اَظْلَمُ

پھر جب آیا ان کے پاس کھلی نشانیاں لیکر کہنے لگے یہ جادو ہے صریح ، اور اس سے زیادہ بے انصاف

مِمَّنْ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُوَ يُدْعٰى اِلَى الْاِسْلَامِ وَاللّٰهُ

کون جو باندھے اللہ پر جھوٹ اور اس کو بھلاتے ہیں مسلمان ہونے کو اور اللہ

لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝۷ يٰرَيِّدُوْنَ لِيُطْفِئُوْٓا نُوْرَ اللّٰهِ

راہ نہیں دیتا بے انصاف لوگوں کو ، چاہتے ہیں کہ بجھا دیں اللہ کی روشنی اپنے

بَاَفْوَٓا هِمَّ وَاللّٰهُ مِتَّمْ نُوْرُهُ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُوْنَ ۝۸ هُوَ الَّذِيْ

منہ سے اور اللہ کو پوری کرنی، کہ اپنی روشنی اور پڑے بُرا مانیں منکر ، وہی ہے جس نے

اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ

بھیجا اپنا رسول راہ کی سوجھ دے کر اور سچا دین کہ اس کو اوپر کرے سب دینوں سے اور

كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ۝۹

پڑے بُرا مانیں شرک کرنے والے

خلاصہ تفسیر

سب چیزیں اللہ کی پاکی بیان کرتی ہیں (قالا یا حالاً) جو کچھ آسمانوں میں ہیں اور جو کچھ زمین میں ہیں اور وہی زبردست محنت والا ہے پس جو ایسا با عظمت و شان ہو اس کی اطاعت ہر حکم میں ضروری ہے، جن میں سے ایک حکم جہاد کا ہے، جو اس سورت میں مذکور ہے، جس کے نزول کا سبب یہ ہے کہ

ایک بار بعض مسلمانوں نے باہم تذکرہ کیا کہ اگر ہم کو کوئی ایسا عمل معلوم ہو جو حق تعالیٰ کے نزدیک نہایت محبوب ہو تو ہم اس کو عمل میں لادیں اور اس سے قبل جنگ اُحد میں بعضے جہاد سے بھاگ چکے تھے جس کا قصہ سورۃ آل عمران میں ہے، اور نیز وقت نزول حکم جہاد کے بعض کو وہ حکم گراں گذرا تھا، جس کا قصہ سورۃ نسا میں ہے اس پر یہ ارشاد نازل ہوا اے ایمان والو ایسی بات کیوں کہتے ہو جو کرتے نہیں ہو خدا کے نزدیک یہ بات بہت ناراضی کی ہے کہ ایسی بات کہو جو کرو نہیں، اللہ تعالیٰ تو ان لوگوں کو (خاص طور پر) پسند کرتا ہے جو اس کے رستہ میں اس طرح میل کر ٹپکتے ہیں کہ گویا وہ ایک عمارت ہے جس میں سیسہ پلایا گیا ہے (یعنی جس طرح یہ عمارت مستحکم ناقابل شکست ہوتی ہے، اسی طرح وہ مجاہدین دشمن کے مقابلہ سے ہٹتے نہیں، مطلب یہ ہوا کہ تم جو کہتے ہو کہ ہم کو وہ کام معلوم ہوتا.... جو اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب ہو تو یہ عمل تو جہاد ہے پھر اس کے نزدیک کے وقت گرائی کیوں ہوتی تھی اور اُحد میں کیوں بھاگ گئے تھے، باوجود ان تمام امور کے پیش نظر ہونے کے نہایت نازیبا بات اور خدا کو ناپسند ہے، ایسے دعویٰ کی باتیں کرنا جس کا خلاف ہونا معلوم بھی ہو چکا ہے تو اس میں لاف زنی اور غلط دعویٰ پر زجر کیا گیا، وعظ بے عمل اس کے مفہوم سے خارج ہے) اور آگے کفار کے مستحق قتل و قتال ہونے کی علت یعنی ایذا رسانی، تکذیب، مخالفت رسول کا بیان فرمانا مقصود ہے اور اسی کی مناسبت سے موسیٰ علیہ السلام و عیسیٰ علیہ السلام کا قصہ ذکر فرماتے ہیں پس ارشاد ہے کہ وہ وقت قابل ذکر ہے (جبکہ موسیٰ علیہ السلام) نے اپنی قوم سے فرمایا کہ اے میری قوم مجھ کو کیوں ایذا پہنچاتے ہو حالانکہ تم کو معلوم ہے کہ میں تمہارے پاس اللہ کا بھیجا ہوا آیا ہوں (وہ ایذا میں مختلف طور پر تھیں جن میں سے بعض بعض قرآن مجید میں بھی خصوص سورۃ بقرہ میں مذکور ہیں اور حاصل ان سب کا سرکشی اور مخالفت ہے) پھر جب اس فہمائش پر بھی (وہ لوگ ٹیڑھے ہی رہے) اور راہ پر نہ آئے (تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کو اور (زیادہ) ٹیڑھا کر دیا (یعنی ما وہ مخالفت اور عصیان کا اور زیادہ بڑھ گیا جیسا کہ قاعدہ ہے کہ گناہ پر مداومت کرنے سے اللہ تعالیٰ کی طرف قلب کا میلان اور اس کی اطاعت کا جذبہ کم ہوتا چلا جاتا ہے) اور اللہ تعالیٰ (کا معمول ہے کہ وہ) لیے نافرمانوں کو ہدایت (کی توفیق) نہیں دیتا راسی طرح یہ لوگ رسول اللہ کو انواع مخالفت سے ایذا میں پہنچاتے ہیں، اس لئے اُن کا ٹیڑھا ہونا اور فسق زیادہ ہوتا جاتا ہے کہ امید اصلاح کی نہیں رہی، پس ان کا فساد مٹانے کے لئے قتال کا حکم دینا مصلحت ہوا) اور اسی طرح وہ وقت بھی قابل تذکرہ ہے (جبکہ عیسیٰ بن مریم علیہ السلام) نے (ارشاد) فرمایا کہ اے بنی اسرائیل میں تمہارے پاس اللہ کا بھیجا ہوا آیا ہوں کہ مجھ سے پہلے جو توراۃ (آج بھی) ہے میں اسکی تصدیق کرنے والا ہوں اور میرے بعد جو ایک رسول آنے والے ہیں جن کا نام (مبارک) احمد ہوگا میں ان کی بشارت دینے والا ہوں اور اس بشارت کا عیسیٰ علیہ السلام سے منقول ہونا خود اہل کتاب کے بیان سے حدیثوں میں ثابت ہے، چنانچہ خازن میں بردایۃ ابو داؤد بخاشی بادشاہ حبشہ کا جو کہ نصاریٰ کے علم

بھی تھے، یہ قول آیا ہے کہ واقعی آپ ہی ہیں جن کی بشارت عیسیٰ علیہ السلام نے دی تھی، اور خازن ہی ہیں
ترمذی سے عبد اللہ بن سلام کا قول جو کہ علماء یہودیوں سے تھے آیا ہے کہ توراۃ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کی صفت لکھی ہے اور یہ کہ عیسیٰ علیہ السلام آپ کے ساتھ مدفون ہوں گے، اور چونکہ عیسیٰ علیہ السلام
توراۃ کے مبلغ تھے، اس لئے توراۃ میں اس بشارت کا ہونا نیز عیسیٰ علیہ السلام سے منقول کہا جاوے گا،
اور مولانا رحمت اللہ صاحب نے انبار الحق میں خود توراۃ کے موجودہ نسخوں سے متعدد بشارتیں نقل کی ہیں
جلد دوم صفحہ ۱۶۴ مطبوعہ قسطنطنیہ اور ان مضامین کا اناجیل موجودہ میں نہ ہونا اس لئے مضر نہیں کہ
حسب تحقیق علماء محققین اناجیل کے نسخے محفوظ نہیں رہے، مگر تاہم جو کچھ موجود ہیں ان میں بھی اس قسم کا مضمون
موجود ہے، چنانچہ یوحنا کی انجیل مترجمہ عربی مطبوعہ لندن ۱۸۳۱ء و ۱۸۳۲ء کے چودھویں باب میں ہے کہ
”تھاری لئے میرا جانا ہی بہتر ہے، کیونکہ اگر میں نہ جاؤں تو فارقلیط تمھارے پاس نہ آوے، پس اگر میں جاؤں تو
اس کو تمھارے پاس بھیج دوں گا“ فارقلیط ترجمہ احمد کا ہے، اہل کتاب کی عادت ہے کہ وہ ناموں کا بھی ترجمہ
کر دیتے ہیں، عیسیٰ علیہ السلام نے عبرانی میں احمد فرمایا تھا، جب یونانی میں ترجمہ ہوا تو بیرکلوٹوس لکھ دیا جس
کے معنی ہیں احمد یعنی بہت سراہا گیا، بہت حمد کرنے والا، پھر جب یونانی سے عبرانی میں ترجمہ کیا تو اس کو
فارقلیط کر دیا، اور بعض عبرانی نسخوں میں اب تک نام مبارک احمد موجود ہے، دیکھو پادری پارکھرست کی یہ
عبارت دبا دحمہ خل بکرثیم از حایت الاسلام مطبوعہ بریلی ۱۸۴۳ء ص ۸۱ ترجمہ اپالوجی گاؤفری
ہیٹنگس مطبوعہ لندن ۱۸۲۹ء، اور اس فارقلیط کی نسبت اس انجیل یوحنا میں یہ الفاظ ہیں: ”وہ تمہیں
سب چیزیں سکھائے گا“ اس جہان کا سردار آتا ہے “ وہ اگر دنیا کو گناہ پر اور راستی اور عدالت (کے خلاف) پر
سزا دے گا“ یہ ہیں وہ الفاظ جو نبی مستقل ہونے پر دال ہیں، اور پوری بحث اس مقام کی تفسیر حقانی میں ہے
اس کا ایک شتمہ نقل کیا گیا ہے، غرض عیسیٰ علیہ السلام نے یہ ارشاد فرمایا، پھر جب یہ تمام مضامین ارشاد
فرما کر اپنی نبوت کے اثبات کے لئے (وہ عیسیٰ علیہ السلام) ان لوگوں کے پاس کھلی دلیلیں لائے تو وہ لوگ
ان دلائل یعنی معجزات کی نسبت کہنے لگے کہ یہ مریخ جادو ہے، (اور جادو بتا کر نبوت کی تکذیب کی، کمانی
المائدۃ وَاِذْ كَفَعْتُ بَنِي إِسْرَءِیْلَ عَنْكَ اِذْ جِئْتَهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ الْاِخْرٰی اِیسی طرح بعد عیسیٰ علیہ السلام کے پھر
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور رسالت میں کفار موجود دین نے آپ کی تکذیب کی اور مخالفت کی اور یہ
ظلم عظیم ہے، پس اس ظلم کا تعدیہ مٹانے کے لئے قتال کا حکم دینا مصلحت ہوا) اور (واقعی) اس شخص سے
زیادہ کون ظالم ہوگا جو اللہ پر جھوٹ باندھے، حالانکہ وہ اسلام کی طرف بلایا جاتا ہو اور اللہ ایسے ظالم لوگوں
کو ہدایت (کی توفیق) نہیں دیا کرتا (اللہ پر جھوٹ باندھنا یہ ہے کہ نبوت کی تکذیب کی، اثبات المنفی اور
نفی المثبت یعنی جو چیز اللہ کی طرف سے نہ ہو اس کو اللہ کی طرف منسوب کرنا اور جو اللہ کی طرف سے واقع میں
اس کی نفی کرنا، دونوں افتراء علی اللہ ہیں، اور وہ ہوید یعنی اس لئے بڑھایا کہ اس سے زیادہ تقبیح ہو گئی، یعنی

خود تو متنبہ کرنے سے بھی متنبہ نہ ہوا اور واللہ لا یتبدیٰ اس لئے بڑھایا کہ اُن کی حالت موجودہ اصلاح سے بعید ہو گئی اس لئے سزائے قتال ہی تجویز کیا جانا مصلحت ہوا، چنانچہ جس کو اب بھی اسلام کی خبر نہ پہنچی ہو، اول اس کو دعوت اسلام کرنا چاہئے جب اس سے انکار کرے جو کہ ظاہرِ اعلامتِ ناامیدی کی ہے تب جہاد مشروع ہے اگے ترغیبِ جہاد کیلئے وعدہ نصرت و غلبہ حق اور مغلوبیتِ باطل ارشاد ہے کہ یہ لوگ یوں چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور (یعنی دین اسلام) کو اپنے منہ سے (پھونک مار کر) بجھا دیں (یعنی تدبیرِ عملی کے ساتھ منہ سے بھی رد و اعتراض کی باتیں اس غرض سے کرتے ہیں کہ دین حق کو فروغ نہ ہو، اور بعض اوقات قوی شہادت موثر ہو جاتے ہیں، یا یہ تمثیل ہو کہ ان کی ایسی مثال ہے جیسے کوئی منہ سے نورِ آہی کو بجھانا چاہتا ہو یعنی ایسے طریقہ سے بجھا دے جس میں کام رہے) حالانکہ اللہ اپنے نور (مذکور) کو کمال تک پہنچا کر رہے گا گو کافر لوگ کیسے ہی ناخوش ہوں (چنانچہ) وہ اللہ ایسا ہے جس نے (اسی اتمامِ نور کے لئے) اپنے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کو ہدایت (کا سامان یعنی قرآن) اور سچا دین (یعنی اسلام) دے کر (دنیا میں) بھیجا ہے تاکہ اس (دین) کو (کہ وہ نور مذکور ہی) تمام (بقیہ) دینوں پر غالب کر دے (کہ یہی اتمام ہے) گو مشرک کیسے ہی ناخوش ہوں، (و قد مر تفسیر الاتمام والظہور فی سورۃ البرۃ فی مثل ہذہ الآیۃ)

معارف و مسائل

شانِ نزول | ترمذی نے حضرت عبداللہ بن سلامؓ سے روایت کیا ہے، اور حاکم نے اس کو روایت کر کے سند کو صحیح قرار دیا ہے، کہ صحابہ کرام کی ایک جماعت نے آپس میں یہ مذاکرہ کیا کہ اگر ہمیں یہ معلوم ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب عمل کونسا ہے تو ہم اس پر عمل کریں، بقوی نے اس میں یہ بھی نقل کیا ہے کہ ان حضرات میں سے بعض نے کچھ ایسے الفاظ بھی کہے کہ اگر ہمیں احب الاعمال عند اللہ معلوم ہو جائے تو ہم اپنی جان و مال سب اُس کے لئے قربان کر دیں (منظری)

ابن کثیر نے جو اہلِ مسند احمد روایت کیا ہے کہ ان چند حضرات نے آپس میں جمع ہو کر یہ مذاکرہ کیا، اور چاہا کہ کوئی صاحبِ جا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی کا سوال کریں مگر کسی کی ہمت نہ ہوئی ابھی یہ لوگ اسی حالت پر تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سب لوگوں کو نام بنام اپنے پاس بلایا (جس سے معلوم ہوا کہ آپ کو بذریعہ وحی ان کا اجتماع اور ان کی گفتگو معلوم ہو گئی تھی) جب یہ سب لوگ حاضر خدمت ہو گئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوری سورۃ صفت پڑھ کر سنائی جو اسی وقت آپ پر نازل ہوئی تھی۔

اس سورۃ نے یہ بھی بتلادیا کہ احب الاعمال جس کی تلاش میں یہ حضرات تھے وہ جہاد فی سبیل اللہ ہے اور ساتھ ہی ان حضرات نے جو ایسے کلمات کہے تھے کہ اگر ہمیں معلوم ہو جائے تو ہم اس پر عمل

کرنے میں ایسی ایسی جاب بازی دکھائیں وغیرہ جن میں ایک قسم کا دعویٰ ہے کہ ہم ایسا کر سکتے ہیں، اس پر ان حضرات کو تنبیہ کی گئی کہ کسی قوم کے لئے ایسے دعوے کرنا درست نہیں، اُسے کیا معلوم ہے کہ وقت پر وہ اپنے ارادے کو پورا کر بھی سکے گا یا نہیں، اس کے اسباب کا جمع ہونا اور موانع کا زائل ہونا اس کے اختیار میں نہیں، پھر خود اس کے دست و بازو اور اعضاء و جوارح بلکہ قلبی عزم و ارادہ ان میں سے کوئی چیز بھی بالکلیہ اس کے قبضہ میں نہیں اسی لئے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی قرآن کریم میں یہ تلقین کی گئی ہے کہ جو کام آپ کو آئندہ کل میں کرنا ہو اگر اس کو بیان کرنا ہے تو انشاء اللہ کی قید کے ساتھ بیان کر دو کہ اگر اللہ نے چاہا تو میں کل فلاں کام کر دوں گا وَلَا تَقُولَنَّ إِنِّي فَاعِلٌ ذَلِكْ عَدَا لَانَ يَشَاءُ اللَّهُ) صحابہ کرام کی نیت و قصد خواہ دعویٰ کا نہ ہو مگر صورت دعویٰ کی تھی وہ اللہ کے نزدیک پسند نہیں کہ کوئی شخص کسی کام کے کرنے کا دعویٰ کرے بجز اس کے کہ اس کو اللہ کی مشیت کے حوالہ کرے، اور انشاء اللہ ساتھ کہے، اس تنبیہ کیلئے یہ آیات نازل ہوئیں۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقُولُوا إِنَّمَا تَفْعَلُونَ مَا لَا تَفْعَلُونَ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللَّهِ أَنْ تَقُولُوا مَا لَا تَفْعَلُونَ ہ مَا لَا تَفْعَلُونَ کے ظاہری معنی تو یہ ہیں کہ جو کام تمہیں کرنا نہیں ہے اس کا دعویٰ کیوں کرتے ہو جس سے ایسے کام کے دعوے کی مانعت تو واضح ہو ہی گئی، جس کو کرنے کا عزم و ارادہ ہی انسان کے دل میں ہو کیونکہ یہ تو محض ایک جھوٹا دعویٰ ہے نام و نمود وغیرہ کے لئے ہو سکتا ہے، مگر ظاہر ہے کہ شانِ نزول کے واقعہ میں جن صحابہ نے مذاکرہ کیا وہ ایسے نہ تھے کہ دل میں کچھ کرنے کا ارادہ ہی نہ ہو اور دعویٰ کریں، اس لئے اس کے مفہوم میں یہ بھی شامل ہے کہ اگرچہ دل میں عزم و ارادہ کام کرنے کا ہو پھر بھی اپنے نفس پر بھروسہ کر کے دعویٰ کرنا کہ ہم فلاں کام کریں گے شانِ عبدیت کے خلاف ہے، اول تو اس کے کہنے ہی کی کیا ضرورت ہے جب موقع ملے کر گزرنا چاہتے، اور کسی مصلحت سے کہنا بھی پڑے تو اس کو انشاء اللہ کے ساتھ مقید کر دے تو پھر وہ دعویٰ نہیں رہے گا۔

مسئلہ: اس سے معلوم ہوا کہ ایسے کام کا دعویٰ کرنا جس کے کرنے کا ارادہ ہی نہ ہو اور اس کو کرنا ہی نہ ہو یہ تو گناہ کبیرہ اور اللہ کی سخت ناراضی کا سبب ہے، کَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللَّهِ کا مصداق یہی ہے، اور جہاں یہ صورت نہ ہو بلکہ ارادہ کرنے کا ہو وہاں بھی اپنی قوت و قدرت پر بھروسہ کر کے دعویٰ کرنا ممنوع و مکروہ ہے۔

دعویٰ اور دعوت میں فرق | مذکورہ تفسیر سے یہ معلوم ہو گیا کہ ان آیات کا تعلق دعوے سے ہے کہ جو کام آدمی کو کرنا نہیں ہے اس کا دعویٰ کرنا اللہ تعالیٰ کی ناراضی کا سبب ہے، رہا معاملہ دعوت و تبلیغ اور وعظ و نصیحت کا کہ جو کام آدمی خود نہیں کرتا اُس کی نصیحت دوسروں کو کرے، اور اس کی طرف دوسرے مسلمانوں کو دعوت دے، وہ اس آیت کے مفہوم میں تو شامل نہیں، اس کے احکام دوسری آیات اور احادیث میں مذکور ہیں، مثلاً قرآن کریم نے فرمایا آتَا مُرُودِنَ النَّاسِ يَأْتِيهِمْ وَتَنَسَوْنَ أَنْفُسَكُمْ، یعنی

تم لوگوں کو تو نیک کام کا حکم دیتے ہو اور خود اپنے آپ کو بھلا دیتے ہو کہ خود اس نیکی پر عمل نہیں کرتے۔ اس آیت نے امر بالمعروف اور وعظ و نصیحت کرنے والوں کو اس بات پر شرمندہ کیا ہے کہ لوگوں کو ایک نیک کام کی دعوت دو اور خود اس پر عمل نہ کرو اور مقصد یہ ہے کہ جب دوسروں کو نصیحت کرتے ہو تو خود اپنے آپ کو نصیحت کرنا اس سے مقدم ہے جس کام کی طرف لوگوں کو بلاتے ہو خود بھی اس پر عمل کرو۔ لیکن یہ نہیں فرمایا کہ جب خود نہیں کرتے تو دوسروں کو کہنا بھی چھوڑ دو، اس سے معلوم ہوا کہ جس نیک کام کے خود کرنے کی ہمت و توفیق نہیں ہے اس کی طرف دوسروں کو بلانے اور نصیحت کرنے کا سلسلہ نہ چھوڑے، امید ہے کہ اس وعظ و نصیحت کی برکت سے کسی وقت اُس کو بھی عمل کی توفیق ہو جاوے، جیسا کہ بکثرت تجربہ و مشاہدہ میں آیا ہے، البتہ اگر وہ عمل واجب یا سنت مؤکدہ کے درجہ میں ہو تو آیات مذکورہ پر نظر کر کے اپنے نفس میں نادم و شرمندہ ہونے کا سلسلہ جاری رکھنا بھی واجب ہے، اور اگر مستحبات کے متعلق ہے تو یہ سلسلہ نہایت بھی مستحب ہے۔

اگلی آیات میں اُس اصل معاملہ کا ذکر ہے جو اس سورت کے نزول کا سبب بنا، یعنی اس کا بیان کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک کونسا عمل زیادہ محبوب ہے، اس کے متعلق ارشاد فرمایا اِنَّ اللّٰهَ يَحِبُّ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِهِ حَقًّا كَاٰهَمُمْ بَنِيَّائِمْ مَّرْصُوْعِمْ ہ یعنی اللہ تعالیٰ کے نزدیک محبوب وہ صفہ قتال ہے جو اللہ کے دشمنوں کے مقابلہ میں اللہ کا کلمہ بلند کرنے کے لئے قائم ہو اور مجاہدین کے عزم و ہمت کی وجہ سے ایک سلسلہ پلائی ہوئی دیوار کی طرح ہو کہ اُن کے قدموں میں کوئی تزلزل نہ آئے۔

اس کے بعد حضرت موسیٰ اور عیسیٰ علیہما السلام کے جہاد فی سبیل اللہ اور اللہ کی راہ میں دشمنوں کی ایذا میں پہننے کا ذکر ہے، اور اس کے بعد پھر مسلمانوں کو جہاد کی تلقین کی گئی، حضرت موسیٰ اور عیسیٰ علیہما السلام کے واقعات جن کا ذکر اس جگہ آیا ہے ان میں بھی بہت سے علمی و عملی فوائد اور ہدایات ہیں، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قصہ میں ہے کہ انھوں نے جب بنی اسرائیل کو اپنی نبوت کے ماننے اور اطاعت کرنے کی دعوت دی تو دو چیزوں کو خصوصیت سے ذکر فرمایا ایک یہ کہ وہ کوئی انوکھے رسول نہیں انوکھی باتیں لے کر نہیں آئے بلکہ وہ باتیں ہیں جو پہلے انبیاء علیہم السلام کہتے آئے ہیں، اور پہلی آسمانی کتابوں میں مذکور ہیں، اور بعد میں بھی جو آخری پیغمبر آئے والے ہیں وہ بھی اسی قسم کی ہدایات لیکر آئیں گے۔ یہاں پہلی کتابوں میں سے تو رات کا خصوصیت سے ذکر غالباً اس لئے کیا کہ بنی اسرائیل پر نازل ہونے والی قریشی کتاب وہی تھی ورنہ تصدیق انبیاء تو سب پچھلی کتابوں کو شامل اور عام ہے، نیز اس میں اشارہ اس طرف بھی ہے کہ شریعت عیسوی اگرچہ مستقل شریعت ہے مگر اس کے اکثر احکام شریعت موسوی اور تورات کے احکام ہی کے مطابق ہیں، صرف چند احکام ہیں جو بدلے گئے ہیں، یہ تو پچھلے انبیاء اور کتابوں کی تصدیق کا مضمون تھا، دوسری چیز یہ کہ بعد میں آئے والے رسول کی خوش خبری سنائی، اس میں بھی

اس طرف اشارہ ہے کہ اُن کی ہدایات بھی اسی کے مطابق ہوں گی، اس لئے اس پر ایمان لانا عین تقاضا و عقل و دیانت ہے۔

ساتھ ہی جس آنے والے رسول کی خوش خبری عیسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو سنائی، اس کا نام پتہ بھی انجیل میں بتلادیا گیا، اس میں بنی اسرائیل کو اس کی ہدایت ہو کہ جب وہ رسول تشریف لائیں، تو تمہارا فرض ہوگا کہ اُن پر ایمان لاؤ، اور ان کی اطاعت کرو، مَبَشِّرَ اٰیٰتِ سُوْلٍ یَّاۤتِیْ مِنْ اَبْحَدٍ اَشْمٰۤکَ اَحْمَدُ، میں اسی کا بیان ہے، اس میں آنے والے رسول کا نام احمد بتلایا گیا ہے، ہمارے نبی خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کا نام محمد بھی تھا اور احمد بھی اور بھی متعدد نام تھے، مگر انجیل میں آپ کا نام احمد بتلانے میں شاید یہ مصلحت ہو کہ محمد نام رکھنے کا عرب میں قدیم سے دستور تھا، اس لئے اس نام کے دوسرے آدمی بھی عرب میں تھے، بخلاف احمد کے، یہ نام عرب میں معروف نہیں تھا، وہ آپ کی ذات ہی کے ساتھ مخصوص تھا۔

انجیل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت یہ سب کو معلوم ہے اور خود یہود و نصاریٰ کو بھی اس کا افسرہ کرنا پڑا ہے کہ تورات و انجیل میں تحریف ہوئی ہے، اور حقیقت تو یہ ہے کہ ان دونوں کتابوں میں تحریف اتنی ہوئی ہے کہ اصل کلام کا پہچانا بھی آسان نہیں رہا، موجودہ تحریف شدہ انجیل کی بنا پر آجکل کے عیسائی قرآن کی اس خبر کو تسلیم نہیں کرتے کہ انجیل میں کہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام احمد لیکر خوش خبری دی گئی ہو، اس کا مختصر جواب وہ کافی ہے جو اوپر خلاصہ تفسیر میں آچکا ہے۔

اور مفصل جواب کے لئے حضرت مولانا رحمۃ اللہ کیرانوی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب اہل ارحم کا مطالعہ کیا جائے جو مذہب عیسائیت کی حقیقت اور انجیل میں تحریفات اور باوجود تحریفات کے اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارتیں موجود ہونے کے متعلق بے نظیر کتاب ہے، خود بڑے عیسائیوں کے مقبولے چھپے ہوئے ہیں کہ اگر دنیا میں یہ کتاب شائع ہوتی رہی تو عیسائیت کا کبھی فروغ نہیں ہو سکتا۔ یہ کتاب عربی زبان میں لکھی گئی تھی پھر ترکی، انگریزی میں اس کے ترجمے چھپے، مگر اس کے شواہد موجود ہیں کہ عیسائی مشن نے اس کتاب کو گم کر دینے میں اپنی پوری کوشش صرف کی ہے، اس کا اردو ترجمہ اب تک نہیں ہوا تھا، حال میں اس کا اردو ترجمہ دارالعلوم کراچی کے مدرس مولانا اکبر علی صاحب نے اور تحقیقات جدیدہ مفیدہ موجودہ زمانے کی مطبوعہ انجیلوں سے مولانا محمد تقی صاحب استاذ دارالعلوم نے لکھی ہیں جو تین جلدوں میں شائع ہو چکی ہے، اس کی تیسری جلد میں صفحہ ۸۲ سے صفحہ ۳۶۲ تک اپنی بشارتوں کی تفصیل موجودہ انجیلوں کے حوالہ سے اور شبہات کے جوابات مذکور ہیں۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا هَلْ أَدُلُّكُمْ عَلَىٰ تِجَارَةٍ تُنْجِيكُمْ مِنْ عَذَابِ أَلِيمٍ ۝

اے ایمان والو! میں بتاؤں تم کو ایسی سوداگری جو بچائے تم کو ایک عذاب دردناک سے،

تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَتُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ بِأَمْوَالِكُمْ وَأَنْفُسِكُمْ ذَلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ۝

ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسول پر اور لڑو اللہ کی راہ میں اپنے مال سے اور اپنی

جان سے، یہ بہتر ہے تمہارے حق میں اگر تم سمجھ رکھتے ہو، بخشنے کا وہ تمہارے گناہ

وَيُدْخِلْكُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ وَمَسَاكِنَ طَيِّبَةً فِي جَنَّاتٍ

اور داخل کرے گا تم کو باغوں میں جن کے نیچے بہتی ہیں نہریں اور مستحضرے گھروں میں بنے کے

عَدْنٍ ذَٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ۝

باغوں کے اندر یہ بڑی مراد ملنی، اور ایک اور چیز ہے حکومت چاہتے ہو مدد اللہ کی طرف اور فتح

قَرِيبٌ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِينَ ۝

جلدی اور خوش سنائے ایمان والوں کو، اے ایمان والو! تم ہو جاؤ مددگار اللہ کے

كَمَا قَالَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ لِّلْحَوَارِيِّينَ مَنْ أَنْصَارِي إِلَى اللَّهِ قَالَ الْحَوَارِيُّونَ

جیسے کہا عیسیٰ مریم کے بیٹے نے اپنے یاروں کو کون ہے مدد کر میری اللہ کی راہ میں، بولے یار

نَحْنُ أَنْصَارُ اللَّهِ فَأَمَّا تِلْكَ الْأَفْئِدَةُ مِنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ وَكَفَرَتِ

ہم ہیں مددگار اللہ کے پھر ایمان لایا ایک فرقہ بنی اسرائیل سے اور منکر ہوا ایک

طَائِفَةٌ فَأَيَّدْنَا الَّذِينَ آمَنُوا عَلَىٰ عَدُوِّهِمْ فَأَصْبَحُوا ظَاهِرِينَ ۝

فرقہ پھر قوت دی ہم نے ان کو جو ایمان لائے تھے ان کے دشمنوں پر پھر ہو رہے غالب،

خلاصہ تفسیر

آگے اول جہاد کا ثمرہ آخرت پھر ثمرہ دنیویہ کا وعدہ کر کے ترغیب دیتے ہیں، اے ایمان والو! کیا میں تم کو

ایسی سوداگری بتاؤں جو تم کو ایک دردناک عذاب سے بچالے (وہ یہ ہے کہ) تم لوگ اللہ پر اور اس کے رسول پر

ایمان لاؤ اور اللہ کی راہ میں اپنے مال و جان سے جہاد کرو یہ تمہارے لئے بہت ہی بہتر ہے اگر تم کچھ سمجھ رکھتے ہو

رجب ایسا کر دے گا تو اللہ تعالیٰ تمہارے گناہ معاف کرے گا اور تم کو جنت کے ایسے باغوں میں داخل کرے گا کہ جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی اور عمدہ مکانوں میں (داخل کرے گا) جو ہمیشہ پہنے کے باغوں میں رہنے) ہونگے یہ بڑی کامیابی ہے اور اس ثمرہ حقیقیہ آخر دیہ کے علاوہ ایک اور ثمرہ (دنویہ) بھی ہے کہ تم اس کو بھی خاص طور پر پسند کرتے ہو یعنی اللہ کی طرف سے مدد اور جلدی فتح یابی ہے اس کا خاص طور پر محبوب ہونا اس لئے ہے کہ انسان طبعاً ثمرہ عاجلہ بھی چاہتا ہے اور (اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم) آپ (ان تمام امور کی) مؤمنین کو بشارت دیدیجئے چنانچہ فتح و نصرت کی پیشینگوئی کا ظہور اسلامی فتوحات سے ظاہر ہوا آگے اصحاب عیسیٰ علیہ السلام کا قصہ یاد دلا کر نصرت دین کی ترغیب دیتے ہیں کہ اے ایمان والو تم اللہ کے (دین کے) مددگار ہو جاؤ (اس طریقہ سے جو تمہارے لئے مشروع ہے یعنی جہاد) جیسا کہ حواریین اپنی شریعت کے طریقہ کے موافق ناصر دین ہوئے تھے جبکہ لوگ کثرت سے عیسیٰ علیہ السلام کے دشمن اور مخالف تھے اور جبکہ (عیسیٰ بن مریم علیہ السلام) نے (ان) حواریین سے فرمایا کہ اللہ کے واسطے میرا کون مددگار ہوتا ہے، وہ حواری بولے ہم اللہ (کے دین) کے مددگار ہیں (چنانچہ ان حواریین نے دین کی یہ مدد کی کہ اس کی اشاعت میں کوشش کی) سو (اس کوشش کے بعد) بنی اسرائیل میں سے کچھ لوگ ایمان لائے اور کچھ لوگ منکر رہے، پھر ان میں باہم اختلاف مذہبی سے عداوت اور خانہ جنگیاں ہوئیں یا مذہبی گفتگو ہوتی) سو ہم نے ایمان والوں کی ان کے دشمنوں کے مقابلہ میں تائید کی سو وہ غالب ہو گئے (اسی طرح تم دین محمدی کے لئے کوشش اور جہاد کرو، اور اگر ابتداءً ان خانہ جنگیوں کی کفار کی طرف سے ہو تو اس سے دین عیسوی میں جہاد کا ہونا لازم نہیں آتا)

معارف مسائل

تَوَافِقُ مِثْلُ مَا لِلَّهِ وَتَمُوتُ لِيَهْ وَتُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ بِأَمْوَالِكُمْ وَأَنْفُسِكُمْ
اس آیت میں ایمان اور مجاہدہ بالمال والنفس کو تجارت فرمایا ہے، کیونکہ جس طرح تجارت میں کچھ مال خرچ کرنے اور محنت کرنے کے صلہ میں منافع حاصل ہوتے ہیں ایمان کے ساتھ اللہ کی راہ میں جان و مال خرچ کرنے کے بدلے میں اللہ کی رضا اور آخرت کی دائمی نعمتیں حاصل ہوتی ہیں، جس کا ذکر آگے آیت میں ہے کہ جس نے یہ تجارت اختیار کی اللہ تعالیٰ اس کے گناہ معاف کر دے گا، اور جنت میں اس کو پاکیزہ و بہترین مسکن و مکانات عطا فرما دے گا، جن میں ہر طرح کے آرام و عیش کے سامان ہونگے جیسا کہ حدیث میں مساکن طیبہ کی تفسیر میں اس کا بیان آیا ہے، آگے آخرت کی نعمتوں کے ساتھ کچھ دنیا کی نعمتوں کا بھی وعدہ فرماتے ہیں:-

وَالْآخِرَىٰ مَجْزِيَّتُهَا نَصْرٌ مِنَ اللَّهِ وَفَتْحٌ قَرِيبٌ لِّقَوْلِ الْآخِرَىٰ نِعْمَتٌ كِى صِفَتِ هِىَ مَعْنٰى يٰ

یہ ہیں کہ آخرت کی نعمتیں اور حقیقت کے مکانات تو ملیں گے ہی جیسا کہ وعدہ کیا گیا ہے، ایک نعمت نقد دنیا میں بھی ملنے والی ہے وہ ہے اللہ کی مدد اور اس کے ذریعہ فتح قریب یعنی دشمنوں کے ممالک کا فتح ہونا، یہاں قریب اگر بمقابلہ آخرت کے لیا جائے تو بعد میں آنے والی اسلامی فتوحات عرب و عجم کی سب اس میں داخل ہیں اور قریب عرفی مراد لیا جائے تو اس کا پہلا مصداق فتح خیبر ہے، اور اس کے بعد فتح مکہ مکرمہ ہے، اور اس فتح قریب کے متعلق ﴿يَجْزِيكَ هَذَا بِمَا فَرَّيَا يَعْنِي يَهْ نُفَعْدُ نَعْمَتِ تَهْمَارِي﴾ پسندیدہ اور محبوب ہے، کیونکہ انسان فطری طور پر محبت پسند واقع ہوا ہے، قرآن کریم میں ہے ﴿كَانَ الْإِنْسَانُ عَجُولًا﴾، یعنی ہے انسان جلد باز، اس کا یہ مفہوم نہیں کہ آخرت کی نعمتیں ان کو محبوب نہ تھیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ آخرت کی نعمتوں کی طلب و محبت تو ظاہر ہی ہے، مگر طبعی طور پر کچھ نقد نعمت دنیا میں بھی تمہیں مطلوب محبوب ہے، وہ بھی عطا کی جائے گی۔

سَمَّا قَالَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ لِلْحَوَارِيِّينَ مَنْ أَنْصَارِي إِلَى اللَّهِ، حواریین، حواری کی جمع ہو جس کے معنی مخلص دوست کے ہیں جو ہر عیسائی پاک و صاف ہو (روح ازاد ہو) اسی لئے جو لوگ عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائے ان کو حواری کہا جاتا ہے، اور وہ بارہ آدمی تھے جیسا کہ سورۃ آل عمران میں گذر چکا ہے۔ اس آیت میں زمانہ عیسیٰ علیہ السلام کے ایک واقعہ کا ذکر کر کے مسلمانوں کو اس کی ترغیب دی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے دین کی مدد کے لئے تیار ہو جائیں، جیسا کہ علیہ السلام جب دشمنوں سے تنگ آئے تو لوگوں سے کہا مَنْ أَنْصَارِي إِلَى اللَّهِ، یعنی اللہ کے دین کی اشاعت میں کون میرا مددگار ہوتا ہے جس پر بارہ آدمیوں نے وفاداری کا عہد کیا اور پھر دین عیسوی کی اشاعت میں خدمات انجام دیں، تو مسلمانوں کو بھی چاہئے کہ اللہ کے دین کے انصار و مددگار بنیں۔

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اس حکم کی تعمیل ایسی کی کہ پچھلی امتوں میں اس کی نظیر نہیں ملتی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد اور دین کی خاطر سب عرب و عجم سے دشمنی خریدی، ان کی ایذا میں سہیں، اپنی جان و مال اور اولاد کو اس پر قربان کیا، اور بالآخر اللہ تعالیٰ نے اپنی فتح و نصرت سے نوازا، اور سب دشمنوں پر ان کو غالب فرمایا ان کے ممالک ان کے ہاتھ آئے اور دنیا کی فرمانروائی بھی ان کو نصیب ہوئی۔

فَأَمَّا تَطَائِفُةٌ مِّنْ بَنِي إِسْرَآئِيلَ وَكَفَرَتْ طَائِفَةٌ فَأَيَّدْنَا الَّذِينَ آمَنُوا عَلَىٰ

عَدُوِّهِمْ فَاصْبَحُوا ظَاهِرِينَ۔

عیسائیوں کے تین فرقے | بغوی نے اس آیت کی تفسیر میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت کیا ہے کہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان میں اٹھایا تو عیسائیوں میں تین فرقے ہو گئے، ایک فرقہ نے کہا کہ وہ خود خدا ہی تھے آسمان میں چلے گئے، دوسرے فرقہ نے کہا کہ وہ خدا تو نہیں بلکہ خدا کے بیٹے

تھے اللہ نے ان کو اٹھالیا اور دشمنوں پر فوقیت دیدی، تیسرے فرقہ نے وہ بات کہی جو صحیح اور حق ہے، کہ وہ نہ خدا تھے نہ خدا کے بیٹے بلکہ اللہ کے بندے اور اس کے رسول تھے، اللہ تعالیٰ نے ان دشمنوں سے حفاظت اور رفعت درجہ کے لئے اٹھالیا، یہ لوگ صحیح مومن تھے، تینوں فرقوں کے ساتھ کچھ عوام لگ گئے اور باہمی نزاع بڑھتے بڑھتے باہم قتال کی نوبت آگئی، اتفاق سے دونوں کافر فرقے مومنین پر غالب آگئے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا، جنھوں نے اس مومن فرقہ کی تائید کی اس طرح انجام کار وہ مومن فرقہ بحیثیت حجت و دلیل کے غالب آگیا (منظری)

اس تفسیر کے مطابق الَّذِينَ آمَنُوا سے... مومنین اُمت عیسیٰ علیہ السلام ہی مراد ہوں گے جو حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی تائید و حمایت سے مظفر و منصور ہوں گے (منظری) اور بعض حضرات نے فرمایا کہ رفیع عیسیٰ علیہ السلام کے بعد عیسائیوں میں دو فرقے ہو گئے، ایک عیسیٰ علیہ السلام کو خدا یا خدا کا بیٹا قرار دے کر مشرک ہو گیا، دوسرا صحیح دین پر قائم رہا جو انکو اللہ کا بندہ اور رسول کہنے کا قائل تھا، پھر ان مشرکین و مومنین میں باہم جنگ ہوئی، تو اللہ تعالیٰ نے مومنین اُمت عیسیٰ علیہ السلام کو اس اُمت کے کافروں پر غالب کر دیا، مگر مشہور یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مذہب میں جہاد و قتال کا حکم نہیں تھا، اس لئے مومنین کا قتال کرنا بعید معلوم ہوتا ہے (روح المعانی) مگر اوپر خلاصہ تفسیر میں اس کے جواب میں اشارہ کر دیا گیا ہے کہ اس کا امکان ہے کہ جنگ کی ابتداء کفار نصاریٰ کی طرف سے ہوئی ہو اور مومنین مدافعت پر مجبور ہو گئے ہوں، تو یہ جہاد و قتال کے حکم میں نہیں آتا، واللہ اعلم۔

تَمَّتْ

سُورَةُ الصَّفٰتِ بِحَمْدِ اللّٰهِ وَعَوْنِهِ
لِلْحَادِي وَالْعِشْرِينَ مِنْ جُمَادَى الْاُولٰ
لِسَلَامٍ يَوْمَ الْاُخْيَيسِ قَبِلُوْهَا اِنْشَاءَ اللّٰهِ
سُورَةُ الْجُمُعَةِ۔

منہج بنہج بنہج بنہج

سُورَةُ الْجُمُعَةِ

سُورَةُ الْجُمُعَةِ مَدَانِيَّةٌ وَهِيَ إِحْدَى عَشْرَةَ آيَةً وَفِيهَا رُكُوعَانِ

سورۃ جمعہ مدینہ میں نازل ہوئی اس کی گیارہ آیتیں ہیں اور دو رکوع ،

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بجد ہر بان نہایت رحم والا ہے ،

يَسْبِيحُ لِلَّهِ مَا فِي السَّمُوتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ الْمَلِكِ الْقُدُّوسِ

اللہ کی پاک بوتا ہے جو کچھ کہہ آسمانوں میں اور جو کچھ کہہ زمین میں بادشاہ پاک ذات

الْعَزِيزِ الْحَكِيمِ ① هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمَمِينَ رَسُولًا مِنْهُمْ

زبردست حکمتوں والا ، وہی ہے جس نے اٹھایا ان پڑھوں میں ایک رسول انہی میں سے

يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ

پڑھ کر سنا تا ہے ان کو اس کی آیتیں اور ان کو سنوارتا ہے اور سکھاتا ہے ان کو کتاب اور عقلندی

وَأِنْ كَانُوا مِنْ قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُبِينٍ ② وَالْآخَرِينَ مِنْهُمْ لَمَّا

اور اس سے پہلے وہ بڑے ہوتے تھے صریح بھول میں ، اور اٹھایا ان رسول کو ایک دوسرے لوگوں کی واسطے بھی

يَلْحَقُوا بِهِمْ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ③ ذَلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ

انہی کی جوابی نہیں ملے انہیں اور وہی ہے زبردست حکمت والا ، یہ بڑائی اللہ کی ہے دیتا ہے جس کو

مَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ ④ مَثَلُ الَّذِينَ حُمِّلُوا التَّوْبَةَ

چاہے اور اللہ کا فضل بڑا ہے ، مثال ان لوگوں کی جن پر لادی توبہ

ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوهُمَا كَمَثَلِ الْخِمَارِ يَحْمِلُ أَسْفَارًا بِئْسَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِينَ

پھر نہ اٹھائی انھوں نے جیسے مثال گدھے کی کہ بیٹھ پرے چلتا ہر کتابیں، بُری مثال ہو ان لوگوں کی جنھوں نے

كَذَّبُوا بِآيَاتِ اللَّهِ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ﴿٥﴾ قُلْ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ

جھٹلایا اللہ کی باتوں کو اور اللہ راہ نہیں دیتا بے انصاف لوگوں کو، تو کہہ اے یہودی

هَادُوا وَإِنْ زَعَمْتُمْ أَنتُمْ أَكْثَرُ أَوْلِيَاءُ لِلَّهِ مِنْ دُونِ النَّاسِ فَتَمَتَّ السَّوْتُ

ہونے والے اگر تم کو دعویٰ ہے کہ تم دوست ہو اللہ کے سب لوگوں کے سوائے تو مٹا دلہے مرنے کو

إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿٦﴾ وَلَا يَتَمَنَّوْنَ أَنْ أَبَدَ بِسَاقِدَةٍ أَيْدِيهِمْ

اگر تم سچے ہو، اور وہ بھی نہ منائیں گے اپنا مرنا ان کاموں کی وجہ سے جنکو آگے بھیج چکے ہیں اُنکے ہاتھ

وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِالظَّالِمِينَ ﴿٧﴾ قُلْ إِنَّ السَّوْتِ الَّذِي تَفِرُّونَ مِنْهُ فَإِنَّهُ

اور اللہ کو خوب معلوم ہیں سب گنہگار، تو کہہ موت وہ جس سے تم بھاگتے ہو سودہ تم سے ضرور

مُلَاقِيكُمْ ثُمَّ تَرْدُّونَ إِلَىٰ عِلَمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا

ملنے والی ہے پھر تم پھرے جاؤ گے اس چھپے اور کھلے جانے والے کے پاس پھر جتلا رہے گا تم کو

كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿٨﴾

جو تم کرتے تھے،

خلاصہ تفسیر

سب چیزیں جو کچھ آسمانوں میں ہیں اور جو کچھ زمین میں ہیں (قالا یا حالاً) اللہ کی پاکی بیان کرتی ہیں،

جو کہ بادشاہ ہے (عیبوں سے) پاک ہو زبردست ہو حکمت والا ہے وہی ہے جس نے (عرب کے) ناخواندہ

لوگوں میں اپنی (کی قوم) میں سے (یعنی عرب میں سے) ایک پیغمبر بھیجا جو ان کو اللہ کی آیتیں پڑھ پڑھ کرتا

ہیں اور ان کو رِغَاءِ باطلہ اور اخلاقِ ذمیہ سے (پاک کرتے ہیں اور ان کو کتاب اور دانشمندی کی باتیں

جس میں سب علوم ضروریہ دینیہ آگئے) سکھلاتے ہیں اور یہ لوگ (آپ کی بعثت کے) پہلے سے کھلی مگر اسی میں

تھے (یعنی شرک و کفر میں اور مراد اکثر ہیں کیونکہ جاہلیت میں بھی بعض موجد تھے، مگر تاہم بحیل ہدایت کے

وہ بھی مداح تھے) اور (علاوہ ان موجودین کے) دوسروں کے لئے بھی (آپ کو مبعوث فرمایا) جو (اسلام

لاکے) ان میں سے ہونے والے ہیں لیکن ہمنوزان میں شامل نہیں ہوئے (خواہ بوجہ اس کے کہ موجود ہیں مگر

اسلام نہیں لائے یا بوجہ اس کے کہ ابھی پیدا ہی نہیں ہوئے اس میں تمام اُمت قیامت تک عربی و عجمی سب آگئے اور ان کو منہمک اس لئے فرمایا، کیونکہ مسلمان سب رشتہ اسلام میں منسلک اور متحد ہیں کذا فی الخازن) اور وہ زبردست حکمت والا ہے کہ اپنی قدرت اور حکمت سے ایسا ہی بھیجا اور پہلی آیت میں فی نفسہ ان صفات کا اثبات مقصود تھا پس تکرار نہ رہا اور یہ (رسول کے ذریعہ سے ضلال سے نکل کر کتاب و حکمت و ہدایت کی طرف آنا) خدا کا فضل ہے وہ فضل جسکو چاہتا ہے دیدیتا ہے، اور اللہ بڑے فضل والا ہے، اگر سب کو بھی عنایت کرے تو وسعت ہی، مگر وہ اپنی حکمت سے جس کو چاہے تخصیص فرماتا ہے، اور جسکو چاہے بے بہرہ رکھتا ہے، جیسا کہ اوپر اُمتیں کے ایمان لانے سے اور آئندہ کی آیت میں علماء یہود کے ایمان نہ لانے سے یہ امر ظاہر ہے، آگے بعض تمکیز بین رسالت کی تفسیح ہے کہ جن لوگوں کو توراۃ پر عمل کرنے کا حکم دیا گیا پھر انھوں نے اس پر عمل نہیں کیا اُن کی حالت اُس گدھے کی سی حالت ہے جو بہت سی کتابیں لادے ہوئے ہے مگر ان کتب کے نفع سے محروم ہے، اسی طرح اصل مقصود اور نفع علم کا عمل ہے، جب یہ نہ ہوا اور صرف تحصیل و حفظ علم میں تعصب ہوا تو بالکل ایسی ہی مثال ہو گئی اور گدھے کی تخصیص اس لئے کہ وہ جانوروں میں بیوقوف مشہور ہے تو اس میں زیادہ تنفیہ ہو گئی غرض، ان لوگوں کی بُری حالت ہے، جنھوں نے خدا کی آیات کو جھٹلایا (جیسے یہ یہودی ہیں) اور اللہ تعالیٰ ایسے ظالموں کو (توفیق) ہدایت دے گی نہیں دیا کرتا کیونکہ جان کر عناد کرتے ہیں اور اگر ہدایت ہوگی تو بعد ترک عناد کے ہوگی اور تورات پر عمل کرنے کے لوازم میں سے ہے ایمان لانا آنحضرتؐ پر جیسا کہ اس میں حکم ہے، پس ایمان نہ لانا مستلزم ہے ترکِ عمل بالتوراۃ کو اور اگر یہ لوگ یہ کہیں کہ ہم باوجود اس حالت کے بھی اللہ کے مقبول ہیں تو آپ (ان سے) کہہ دیجئے کہ اے یہودیو! اگر تمھارا یہ دعویٰ ہے کہ تم بلا شریک غیرے اللہ کے مقبول (محبوب) ہو تو تم (اس کی تصدیق کے لئے ذرا) موت کی تمنا کر کے (دکھلا) دو اگر تم (اس دعویٰ میں) سچے ہو اور (ہم سچے ہی یہ کہہ دیتے ہیں کہ) وہ (خاص مدعی) کبھی اس (موت) کی تمنا نہ کریں گے بوجہ (خوب منزا) ان اعمال (کفریہ) کے جو اپنے ہاتھوں سے ملے ہیں اور اللہ تعالیٰ کو خوب اطلاع ہے ان ظالموں (کے حال) کی رجب تاریخِ مقدس کی آدھے گی، فرد قرار داجرم سنا کر سزا کا حکم کر دیا جائے گا اور اس وعدہ منرا کی تاکید کیلئے آپ (ان سے) یہ بھی کہہ دیجئے کہ جس موت سے تم بھگتے ہو (اور اس کی تمنا باوجود دعویٰ ولایت کے اس لئے نہیں کرتے ہو کہ سزا بھگتنا ہوگی) وہ (موت ایک روز) تم کو آ پھر طے گی پھر تم پوشیدہ اور ظاہر کے جاننے والے (خدا) کے پاس لے جائے جاؤ گے پھر وہ تم کو تمھارے سب کچھ ہونے کام بتلا دے گا (اور سزا دے گا)۔

معارف و مسائل

يَسْبَحُ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ، قرآن کریم کی جو سورتیں بَسْمِ اللّٰہ سے شروع

ہوتی ہیں اُن کو مسجات کہا جاتا ہے، اُن سب میں تمام زمین و آسمان اور جو کچھ ان میں ہے سب کیلئے اللہ تعالیٰ کی تسبیح خوانی ثابت کی گئی ہے، یہ تسبیح حالی یعنی بزبان حال تو ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مخلوقات کا ذرہ ذرہ اپنے صانع حکیم کی حکمت و قدرت پر گواہی دیتا ہے یہی اس کی تسبیح ہے، اور صحیح بات یہ ہے کہ ہر چیز اپنے اپنے طرز میں حقیقی تسبیح کرتی ہے، کیونکہ حقیقت یہ ہے کہ شعور و ادراک اللہ تعالیٰ نے ہر شجر و حجر اور ہر چیز میں اس کے حوصلے کے مطابق رکھا ہے اس عقل و شعور کا لازمی تقاضا تسبیح ہے، مگر ان چیزوں کی تسبیح کو لوگ سنتے نہیں، اسی لئے قرآن کریم میں فرمایا وَلَٰكِنْ لَا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ، اکثر سورتوں کے شروع میں تسبیح بصیغہ ماضی آیا ہے، صرف سورہ جمعہ اور سورہ تغابن میں بلفظ مضارع تسبیح لایا گیا ہے، تغیر عنوان میں ایک بلاغت و لطافت بھی اس کا سبب ہو گئی ہے، وہ یہ کہ صیغہ ماضی قطعیت اور یقین پر دلالت کرتا ہے اس لئے اکثر وہی استعمال فرمایا اور صیغہ مضارع کی دلالت استمرار و دوام پر ہے، دو جگہ اس فائدہ کے لئے صیغہ مضارع استعمال فرمایا۔

هَٰذَا الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِنْهُمْ، اُمّیین، اُمّی کی جمع ہے، ناخواندہ شخص کو کہا جاتا ہے، عرب کے لوگ اس لقب سے معروف ہیں، کیونکہ ان میں نوشت و خواندہ کار و اج نہیں تھا بہت کم آدمی لکھ پڑھتے تھے، اس آیت میں حق تعالیٰ کی عظیم قدرت کے اظہار کے لئے خاص طور پر عربوں کے لئے یہ لقب اختیار فرمایا، اور یہ بھی کہ جو رسول بھیجا گیا وہ بھی اُمّی میں سے ہے یعنی اُمّی ہے، اس لئے یہ معاملہ بڑا حیرت انگیز ہے کہ قوم ساری اُمّی اور جو رسول بھیجا گیا وہ بھی اُمّی، اور جو فراتس اس رسول کے سپرد کئے گئے جن کا ذکر اگلی آیت میں آ رہا ہے وہ سب علی تعلیمی اصلاحی ایسے ہیں کہ نہ کوئی اُمّی ان کو سکھا ہے اور نہ اُمّی قوم اُن کو سیکھنے کے قابل ہے۔

یہ صرف حق تعالیٰ جلّ شانہ کی قدرت کاملہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اعجاز ہی ہو سکتا ہے کہ آپ نے جب تعلیم و اصلاح کا کام شروع فرمایا تو انہی اُمّیتین میں وہ علماء اور حکماء پیدا ہو گئے جن کے علم و حکمت، عقل و دانش اور ہر کام کی عمدہ صلاحیت نے سارے جہان سے اپنا لوہا منوالیا، بعثت نبوی کے تین مقصد | يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ، اس آیت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تین وصف نعمائے الہیہ کے ضمن میں بتلاتے گئے ہیں، ایک تلاوت آیات قرآن، یعنی قرآن پڑھ کر اُمت کو ننانا، دوسرے اُن کو ظاہری اور باطنی ہر طرح کی گندگی اور نجاست سے پاک کرنا، جس میں بدن اور لباس وغیرہ کی ظاہری پاکی بھی داخل ہے، اور عقائد و اعمال اور اخلاق و عادات کی پاکیزگی بھی، تیسرے تعلیم کتاب و حکمت۔

یہ تینوں چیزیں اُمت کے لئے حق تعالیٰ کے انعامات بھی ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے مقاصد بھی۔

يَتْلُو عَلَيْهِمْ اٰیٰتِهٖ، تلاوت کے اصل معنی اتباع و پیروی کے ہیں، اصطلاح میں یہ لفظ کلام اللہ کے پڑھنے کے لئے استعمال ہوتا ہے، اور آیات سے آیات قرآن کریم مراد ہیں، لفظ عَلَیْہُمْ سے یہ بتلایا گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک منصب اور مقصد بعثت یہ ہے کہ آیات قرآن لوگوں کو پڑھ کر سنا دیں۔ آیت مذکورہ میں بعثت نبوی کا دوسرا مقصد یٰۤاٰیٰہُمْ بتلایا ہے، یہ ترکیب سے مشتق ہے، جس کے معنی پاک کرنے کے ہیں، بیشتر معنوی اور باطنی پاکی کے لئے بولا جاتا ہے، یعنی کفر و شرک اور بُرے اخلاق و عادات سے پاک ہونا اور کبھی مطلقاً ظاہری اور باطنی پاکی کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے، یہاں بظاہر یہی عام معنی مراد ہیں۔

تیسرا مقصد یُعَلِّمُہُمْ اَلْکِتٰبَ وَ اَلْحِکْمَۃَ، کتاب سے مراد قرآن کریم اور حکمت سے مراد وہ تعلیمات و ہدایات ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قولاً یا عملاً ثابت ہیں، اسی لئے بہت سے حضرات مفسرین نے یہاں حکمت کی تفسیر سنت سے فرمائی ہے۔

ایک سوال و جواب | یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ بظاہر ترتیب کا تقاضا یہ تھا کہ تلاوت کے بعد تعلیم کا ذکر کیا جاتا اس کے بعد ترکیب کا، کیونکہ ان تینوں وظائف کی ترتیب طبعی یہی ہے کہ پہلے تلاوت یعنی تعلیم الفاظ پھر تعلیم معانی، اور ان دونوں کے نتیجے میں اعمال و اخلاق کی درستی جو ترکیب کا مفہوم ہے، مگر قرآن کریم میں یہ آیت کئی جگہ آئی ہے، اکثر جگہوں میں ترتیب بدل کر تلاوت اور تعلیم کے درمیان ترکیب کا ذکر فرمایا ہے۔

روح المعانی میں اس کی یہ کیفیت بتلائی ہے کہ اگر ترتیب طبعی کے مطابق رکھا جاتا تو یہ تینوں چیزیں مل کر ایک ہی چیز ہوتی جیسے معالجات کے نسخوں میں کئی دوائیں مل کر مجموعہ ایک ہی دوا کہلاتی ہے، اور یہاں اسی حقیقت کو واضح کرنا ہے کہ یہ تینوں چیزیں الگ الگ مستقل نعمتِ خداوندی ہیں اور تینوں کو الگ الگ فرائض رسالت قرار دیا گیا ہے، اس ترتیب کے بدلنے سے اس طرف اشارہ ہو سکتا ہے۔

اس آیت کی مکمل تفسیر و تشریح بہت سے اہم مسائل و فوائد پر مشتمل سورۃ بسترہ میں گذر چکی ہے اس کو دیکھ لیا جائے، معارف القرآن جلد اول صفحہ ۲۷۲ سے ۲۸۳ تک یہ مضامین آئے ہیں۔

وَ اٰخِرَیْنَ مِنْہُمْ لَمَّا یَلْحَقُوْا بِہُمْ وَ ہُوَ الْغَیْثُ الْمُزِیْزُ الْحَکِیْمُ، آخرین کے لفظی معنی دوسرے لوگ۔ لَمَّا یَلْحَقُوْا بِہُمْ کے معنی جو ابھی تک ان لوگوں یعنی امتیہ کے ساتھ نہیں ملے، مراد ان سے وہ تمام مسلمان ہیں جو قیامت تک اسلام میں داخل ہوتے رہیں گے، دکاروی عن ابن زید و مجاہد وغیرہا اس میں اشارہ ہے کہ قیامت تک آنے والے مسلمان سب کے سب مؤمنین اولین یعنی صحابہ کرام ہی کے ساتھ ملحق سمجھے جائیں گے، یہ بعد کے مسلمانوں کیلئے بڑی بشارت ہے (روح)

لفظ آخرین کے عطف میں دو قول ہیں، بعض حضرات نے اس کو اُمّیتین پر عطف قرار دیا ہے، جس کا حاصل یہ ہوتا ہے کہ بھیجا اللہ نے اپنا رسول اُمّیتین میں اور ان لوگوں میں جو ابھی اُن سے نہیں ملے، اس پر جو یہ شبہ ہوتا ہے کہ اُمّیتین یعنی موجودین میں رسول بھیجنا تو ظاہر ہے، جو لوگ ابھی آئے ہی نہیں ان میں بھیجنے کا کیا مطلب ہوگا، اس کا جواب بیان القرآن میں یہ دیا ہے کہ ان میں بھیجنے سے مراد ان کیلئے بھیجنا ہے، کیونکہ لفظ فی عربی زبان میں اس معنی کے لئے بھی آتا ہے۔

اور بعض حضرات نے فرمایا کہ (آخرین کا عطف تعلیم کی ضمیر منصوب پر ہے، جس کا مطلب یہ ہوگا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تعلیم دیتے ہیں اُمّیتین کو بھی اور اُن لوگوں کو بھی جو ابھی اُن کے ساتھ ملے نہیں۔) (اختارہ فی المنہری)

صحیح بخاری و مسلم میں حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہو کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ سورۃ جمعہ آپ پر نازل ہوئی، اور آپ نے ہمیں سنائی، جب آپ نے یہ آیت پڑھی ذَاخِرِیْنَ مِنْهُمْ لَمَّا یَلْحَقُوا بِهِمْ، تو ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ یہ کون لوگ ہیں جن کا ذکر آخرین کے لفظ سے کیا گیا ہے، آپ نے اس وقت سکوت فرمایا، مگر سرسوال کیا گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا دست مبارک حضرت سلمان فارسیؓ پر رکھ دیا (جو اس وقت مجلس میں موجود تھے) اور فرمایا کہ اگر ایمان ثریا ستارہ کی بلندی پر بھی ہوگا تو ان کی قوم کے کچھ لوگ وہاں سے بھی ایمان کو لے آئیں گے (منہری)

اس روایت میں بھی اہل فارس کی تخصیص کا کوئی ثبوت نہیں بلکہ اتنا ثابت ہوا کہ یہ بھی آخرین کے مجموعہ میں داخل ہیں، اس حدیث میں اہل عجم کی بڑی فضیلت ہے (منہری)

مَثَلُ الَّذِينَ حُمِلُوا التَّوْرَةَ ثُمَّ لَمْ يَجْعَلُوا كَمَثَلِ الْيَحْيَىٰ إِذْ حَمَلَ آسْفَارًا، سفر بکسر سین کی جمع ہے، بڑی کتاب کو کہا جاتا ہے، سابقہ آیات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت و نبوت اُمّیتین میں ہونا اور آپ کی بعثت کے تین مقاصد کا ذکر جن الفاظ میں آیا ہے، پچھلی آسمانی کتاب توراۃ میں بھی آپ کا ذکر تقریباً اپنی الفاظ و صفات کے ساتھ آیا ہے، جس کا مقتضی یہ تھا کہ یہود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھتے ہی آپ پر ایمان لے آتے، مگر ان کو دنیا کے جاہ و مال نے توراۃ کے احکام سے اندھا کر دیا اور باوجود توراۃ کا علم ہونے کے عمل کے اعتبار سے ایسے ہو گئے جیسے بالکل جاہل ناواقف ہوں، اُن لوگوں کی مذمت مذکورہ آیت میں اس طرح کی گئی کہ یہ لوگ جن پر تورات لاد دی گئی تھی، یعنی اُن کو بے مانگے اللہ کی یہ نعمت دیدی گئی تھی، مگر انھوں نے اس کے اٹھانے کا حق ادا نہ کیا یعنی تورات کے احکام کی پروا نہ کی، ان کی مثال ایسی ہے جیسے گدھے کی پشت پر علوم و فنون کی بڑی بڑی کتابیں لاد دی جاتی ہیں، یہ گدھا اُن کا بوجھ تو

اٹھاتا ہے مگر ان کے مضامین کی نہ اس کو کچھ خبر ہے نہ اُن سے کوئی فائدہ اس کو پہونچتا ہے، یہود کا بھی یہی حال ہے کہ دنیا سازی کے لئے قورات تولتے پھرتے ہیں اور لوگوں میں اس کے ذریعہ جاہ اور اپنا مقام بھی پیدا کرنا چاہتے ہیں مگر اس کی ہدایات سے کوئی فائدہ نہیں اٹھاتے۔

عالم بے عمل کی مثال | حضرات مفسرین نے فرمایا کہ جو مثال یہود کی دی گئی ہے، یہی مثال اُس عالم دین کی ہے جو اپنے علم پر عمل نہ کرے ۵

نہ محقق بود نہ دانش مند چار پائے بروکتا بے چسند

قُلْ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ هَادُوا إِنْ زَعَمْتُمْ أَنَّا إِلَٰهٌ فَإِنَّا إِلَٰهٌ وَإِلَٰهُ الْبَنَاتِ وَمَنْ يَمْلِكُ أَنْ يُبَدِّلَ مَا فَعَلْنَا لِقَوْمٍ كَافِرِينَ

اَلْمَوْتُ اِنْ كُنْتُمْ مُّحِقِّينَ هَیْوَ دِیْنِے کُفْر و شرک اور ساری بد اخلاقیوں کے باوجود یہ دعویٰ بھی رکھتے تھے غنم اَبْنَاءُ اللّٰہِ وَ اَحْبَاؤُہُ یعنی ہم تو اللہ کی اولاد اور محبوب ہیں، اور اپنے سوا کسی کو جنت کا مستحق نہ کہتے تھے بلکہ یوں کہا کرتے تھے تَنْ یُّدْخِلُ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ تَحَنَّنَ ھُوْدًا، گو یا وہ آخرت کے عذاب سے اپنے آپ کو بالکل محفوظ و مامون سمجھتے اور جنت کی نعمتوں کو اپنی ذاتی جاگیر سمجھتے تھے، اور یہ ظاہر ہے کہ جس شخص کا یہ ایمان ہو کہ آخرت کی نعمتیں دنیا کی نعمتوں سے ہزاروں درجے افضل و بہتر ہیں اور دنیا میں ہر وقت یہ بھی دیکھتا رہتا ہے کہ یہاں کی زندگی ریخ و غم اور تکلیفوں سے اور محنتوں سے خالی نہیں اور بیماریاں بھی آتی ہی رہتی ہیں، اور اس کو یہ بھی یقین ہو کہ موت آتے ہی مجھے وہ عظیم اور دائمی نعمتیں ضرور مل ہی جائیں گی، تو اس کا مقتضایہ یہ ہے کہ اگر اس میں ذرا بھی عقل و فہم ہے تو اس کے دل میں موت کی تمنا پیدا ہو اور وہ دل سے چاہے کہ موت جلد آجائے تاکہ دنیا کی مکدر اور ریخ و غم سے بھری ہوئی زندگی سے نکل کر خالص راحت اور آرام کی دائمی زندگی میں پہونچ جائے۔

اس لئے آیت مذکورہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدایت کی گئی کہ آپ یہود سے فرمائیے کہ اگر تمھارا یہ دعویٰ کہ ساری مخلوق میں تم ہی اللہ کے محبوب اور لاڈلے ہو اور تمہیں یہ خطرہ بالکل نہیں کہ آخرت میں تمہیں کوئی عذاب ہو سکتا ہے تو پھر عقل کا تقاضا یہ ہے کہ تم موت کی تمنا کرو، اور اس کے مشتاق رہو۔

پھر قرآن نے خود ان کی تکذیب کر دی اور فرمایا وَلَا یَسْتَوِیْکَ اَبَدًا اَیْمًا قَدْ مَتَّ اَیْدِیْہِمْ یعنی یہ لوگ ہرگز موت کی تمنا نہ کریں گے بوجہ اس کے کہ اُن کے ہاتھوں نے (آخرت کے لئے کفر و شرک اور اعمالِ بد) آگے بھیج رکھے ہیں وہ خوب جانتے ہیں کہ آخرت میں ہمارے لئے عذاب جہنم کے سوا کچھ نہیں، اور یہ دعویٰ اللہ کے مقبول و محبوب ہونے کے بالکل جھوٹ ہیں جن کا جھوٹ ہونا خود اُن پر بھی واضح ہے، مگر دنیا کے کچھ فوائد حاصل کرنے کے لئے ایسے دعوے کرتے ہیں، اور وہ یہ بھی جانتے ہیں کہ اگر ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمانے پر موت کی تمنا ظاہر کر دی تو وہ ضرور قبول ہو جائے گی اور ہم

مرجائیں گے، اس لئے فرمایا کہ وہ ہرگز ایسی تمنا نہیں کر سکتے۔

ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر اس وقت ان میں کوئی موت کی تمنا کرتا تو اسی وقت مرجاتا (روح)

موت کی تمنا جاتر ہر یا نہیں | یہ بحث مفصل سورۃ بقرہ میں گزر چکی ہے، حدیث میں موت کی تمنا کرنے سے منع فرمایا گیا ہے، اس کا بڑا سبب یہ ہے کہ کسی شخص کو دنیا میں یہ یقین کرنے کا حق نہیں ہے کہ وہ مرے ہی جنت میں ضرور جائے گا، اور کسی قسم کے عذاب کا اس کو خطرہ نہیں تو ایسی حالت میں موت کی تمنا کرنا اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنی بہادری جتانے کا مرادف ہے۔

قُلْ إِنْ أَلْمُوتُ الَّذِي تَفِرُّونَ مِنْهُ فَإِنَّهُ مُلَاقِيكُمْ، یعنی یہود جو اس دعوے کے باوجود موت کی تمنا سے گریز کرتے ہیں اس کا حاصل موت سے گریز کرنا اور بھاگنا ہے، ان کو آپ فرمادیں کہ جس موت سے تم بھاگتے ہو وہ تو آکر رہے گی، اس وقت نہیں تو پھر بعد چند روز کے، اس لئے موت سے فرار بالکل بیهوشی کے بس ہی میں نہیں۔

اسباب موت سے فرار کے احکام | جو چیزیں عادتاً موت کا سبب ہوتی ہیں، ان سے فرار مقتضائے عقل بھی ہے، مقتضائے شرع بھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک جھکی ہوئی دیوار کے نیچے سے گزرے تو تیزی کے ساتھ نکل گئے، اسی طرح کہیں آگ لگ جائے وہاں سے نہ بھاگنا، عقل و شرع دونوں کے خلاف ہے، مگر وہ فرار من الموت جس کی مذمت آیت مذکورہ میں وارد ہوئی ہے اس میں داخل نہیں، جبکہ عقیدہ سالم ہو اور یہ جانتا ہو کہ جس وقت موت آجائے گی تو میرا بھاگنا مجھے بچانہ سکے گا اگر چونکہ اس کو معلوم نہیں کہ یہ آگ یا زہر یا کوئی دوسری ہلک چیز متعین طور پر میری موت اس میں نکھدی گئی ہے، اس لئے اس سے بھاگنا فرار من الموت جو مذموم ہے اس میں داخل نہیں۔

باقی رہا طاعون یا وبا جس بستی میں آجائے اس سے بھاگنا یہ ایک مستقل مسئلہ ہے جس کی تفصیلات کتب فقہ و حدیث میں مذکور ہیں وہاں دیکھی جاسکتی ہیں، اور تفسیر روح المعانی میں اس آیت کے ذیل میں بھی اس پر کافی بحث کر کے مسئلہ کو واضح کر دیا ہے، یہاں اس کے نقل کی گنجائش نہیں،

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نُودِيَ لِلصَّلَاةِ مِنْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا

اے ایمان والو! جب اذان ہو نماز کی جمعہ کے دن تو دوڑو اللہ

إِلَىٰ ذِكْرِ اللَّهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ ۚ ذَلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ⑨

کی یاد کرو اور چھوڑ دو خرید و فروخت یہ بہتر ہے تمھارے حق میں اگر تم کو سمجھ ہے

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَقِصِبِ الصَّلَاةَ فَإِنَّشِ رَوَانِي الْأَرْضِ وَابْتَغُوا مِن فَضْلِ اللَّهِ

پھر جب تمام ہو چکے نماز تو پھیل پڑ زمین میں اور ڈھونڈو فضل اللہ کا

وَإِذْكُرُوا اللَّهَ كَثِيرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ۝ وَإِذَا رَأَوْا تِجَارَةً أَوْ

اور یاد کرد اللہ کو بہت سا تاکہ تمھارا بھلا ہو ، اور جب دیکھیں سودا بھٹا یا کچھ

لَهُمْ الْفَضْلُ إِلَيْهَا وَتَرَكَوْكَ قَائِمًا قُلْ مَا عِنْدَ اللَّهِ خَيْرٌ مِّنْ

تمہارا متفرق ہو جاتیں اس کی طرف اور تجھ کو چھوڑ جائیں کھڑا تو کہہ جو اللہ کے پاس ہر سو بہتر ہے

اللَّهُمَّ مِنَ التِّجَارَةِ وَاللَّهُ خَيْرُ الرِّزْقَيْنِ ۝

تمہارے سے اور سوداگری سے اور اللہ بہتر ہے روزی دینے والا

خُلاصۃ تفسیر

اے ایمان والو جب جمعہ کے روز نماز (جمعہ) کے لئے اذان کہی جایا کرے تو تم اللہ کی یاد دہانی نماز و خطبہ کی طرف (فوراً) چل پڑا کرو اور خرید و فروخت (اور اسی طرح دوسرے مشاغل مانعہ عن السعی) کما فی رد المحتار (چھوڑ دیا کرو) اور تخصیص بیع کی بوجہ زیادہ اہتمام کے ہے کہ اس کے ترک کو فوت نفع سمجھا جاتا ہے) یہ (چل پڑنا مشاغل بیع وغیرہ کو چھوڑ کر) تمھارے لئے زیادہ بہتر ہے اگر تم کو کچھ سمجھ ہو دیکھو کہ اس کا نفع باقی ہے اور بیع وغیرہ کا نفع فانی) پھر جب نماز (جمعہ کی) پوری ہو چکے (اور اگر ابتداء میں خطبہ مؤخر تھا تو نماز پورا ہونے سے مراد اس کا مع متعلقات کے پورا ہونا ہے) جس کا حاصل نماز اور خطبہ کا پورا ہو چکا ہے (تو اس وقت تم کو اجازت ہے کہ) تم زمین پر چل پھرو اور خدا کی روزی تلاش کرو (یعنی اُس وقت دنیا کے کاموں کے لئے چلنے پھرنے کی اجازت ہے) اور (اس میں بھی) اللہ کو بکثرت یاد کرتے رہو یعنی اشغال دنیویہ میں ایسے منہمک مت ہو جاؤ کہ احکام و عبادات ضروریہ سے غافل ہو جاؤ تاکہ تم کو فلاح ہو اور (بعض لوگوں کا خیال ہو کہ) وہ لوگ جب کسی تجارت یا مشغولی کی چیز کو دیکھتے ہیں تو اس کی طرف ددڑنے کے لئے بکھر جاتے ہیں اور آپ کو کھڑا ہوا چھوڑ جاتے ہیں، آپ فرمادیجئے کہ جو چیز (از قسم ثواب و قرب) خدا کے پاس ہے وہ ایسے مشغلہ اور تجارت سے بدرجہا بہتر ہے اور اگر اس سے افزودنی رزق کی طبع ہو تو سمجھو کہ اللہ سب سے اچھا روزی پہنچانے والا ہے (اس کی طاعت ضروریہ میں مشغول رہنے پر رزق مقدر دیتا ہے) پھر کہیں اس کے احکام کو ترک کیا جائے؟

معارف و مسائل

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا تَوَدَّعَى لِلصَّلَاةِ مِنْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا إِلَىٰ ذِكْرِ اللَّهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ، يَوْمَ الْجُمُعَةِ، اس دن کو یوم جمعہ اس لئے کہا جاتا ہے کہ یہ مسلمانوں کے اجتماع کا دن ہے، اور آسمان و زمین اور تمام کائنات کی تخلیق جو حق تعالیٰ نے چھ دن میں فرمائی ہے ان چھ میں سے آخری دن جمعہ ہے جس میں تخلیق کی تکمیل ہوئی، اسی دن میں آدم علیہ السلام پیدا کئے گئے، اسی روز میں اُن کو جنت میں داخل کیا گیا، پھر اسی دن میں اُن کو زمین کی طرف اتارا گیا، اسی دن میں قیام قائم ہوگی، اور اسی دن میں ایک گھڑنی ایسی آتی ہے کہ اس میں انسان جو بھی دُعا کرے قبول ہوتی ہے یہ سب باتیں احادیث صحیحہ سے ثابت ہیں (ابن کثیر)

اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے لئے اجتماع اور عید کا ہر ہفتہ میں یہ دن جمعہ کا رکھا تھا، مگر پچھلی اُمتوں کو اس کی توفیق نہ ہوئی، یہود نے یوم السبت (سینچر کے دن) کو اپنا یوم اجتماع بنا لیا، نصاریٰ نے اتوار کو، اللہ تعالیٰ نے اس اُمت کو اس کی توفیق بخشی، کہ انھوں نے یوم جمعہ کا انتخاب کیا، (کمار واہ البخاری و مسلم عن ابی ہریرۃؓ، ابن کثیر) زمانہ جاہلیت میں اس دن کو یوم عروہ کہا جاتا تھا، سب سے پہلے عرب میں کعب بن لوی نے اس کا نام جمعہ رکھا، اور قریش اُس دن جمع ہوتے، اور کعب بن لوی خطبہ دیتے تھے، یہ واقعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پانسو ساٹھ سال پہلے کا ہے۔

کعب بن لوی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اجداد میں سے ہیں، اُن کو حق تعالیٰ نے زمانہ جاہلیت میں بھی بہت پرستی سے بچایا، اور توحید کی توفیق عطا فرمائی تھی، انھوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی خوش خبری بھی لوگوں کو سنائی تھی، قریش میں ان کی عظمت کا عالم یہ تھا کہ ان کی وفات جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پانسو ساٹھ سال پہلے ہوئی، اسی سے اپنی تايخ شمار کرنے لگے، عرب کی تايخ ابتداء میں بنا یہ کعبہ سے لی جاتی تھی کعب بن لوی کی وفات کے بعد اس سے تايخ جاری ہو گئی، پھر جب واقعہ فیل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کے سال میں پیش آیا تو اس واقعہ سے عرب کی تايخ کا سلسلہ جاری ہو گیا، خلاصہ یہ ہے کہ جمعہ کا اہتمام عرب میں قبل از اسلام بھی کعب بن لوی کے زمانہ میں ہو چکا تھا، اور اس دن کا نام جمعہ رکھنا بھی انہی کی طرف منسوب ہے (مظہری)

بعض روایات میں ہے کہ انصار مدینہ نے قبل از ہجرت فرضیت جمعہ نازل ہونے سے پہلے اپنے اجتہاد سے جمعہ کے روز جمع ہونے اور عبادت کرنے کا اہتمام کر رکھا تھا، (کمار واہ عبد الرزاق باسناد صحیح عن محمد بن سیرین) از مظہری

تُرْوَدُ إِلَى الصَّلَاةِ مِنْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ نداءِ صلوٰۃ سے مراد اذان ہے، اور مِنْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ بمعنی فی یوم الجمعہ ہے، قَاسِقُوا إِلَى ذِكْرِ اللَّهِ، سعی کے معنی دوڑنے کے بھی آتے ہیں اور کسی کام کو اہتمام کے ساتھ کرنے کے بھی، اس جگہ یہی دوسرے معنی مراد ہیں، کیونکہ نماز کے لئے دوڑتے ہوئے آنے کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا، اور یہ ارشاد فرمایا ہے کہ جب نماز کے لئے آؤ تو سکینت اور وقار کے ساتھ آؤ، آیت کے معنی یہ ہیں کہ جب جمعہ کے دن جمعہ کی اذان دی جائے تو اللہ کے ذکر کی طرف دوڑو، یعنی نماز و خطبہ کے لئے مسجد کی طرف چلنے کا اہتمام کرو، جیسا درڑنے والا کسی دوسرے کام کی طرف توجہ نہیں دیتا، اذان کے بعد تم بھی کسی اور کام کی طرف بجز نماز و خطبہ کے توجہ نہ دو (ابن کثیر) ذِکْرُ اللَّهِ سے مراد نماز جمعہ بھی ہو سکتی ہے اور خطبہ جمعہ جو نماز جمعہ کے شرائط و فرائض میں داخل ہے وہ بھی اس لئے مجموعہ دونوں کا مراد لیا جائے یہ بہتر ہے (مظہری وغیرہ)

وَذُرُّوا الْبَيْعَ، یعنی چھوڑ دو بیع (فروخت کرنے کو) صرف بیع کہنے پر اکتفاء کیا گیا اور مراد بیع و شراء (یعنی خرید و فروخت) دونوں ہیں، وجہ اکتفاء کی یہ ہے کہ ایک کے چھوٹنے سے دوسرا خود بخود چھوٹ جائے گا، جب کوئی فروخت کرنے والا فروخت نہ کرے گا تو خرید والے کے لئے خرید نے کا راستہ ہی نہ رہے گا۔

اس میں اشارہ اس طرف معلوم ہوتا ہے کہ اذان جمعہ کے بعد جو خرید و فروخت کو اس آیت نے حرام کر دیا ہے اس پر عمل کرنا تو بچنے والوں اور خریداروں سب پر فرض ہے، مگر اس کا عملی انتظام اس طرح کیا جائے کہ دکانیں بند کر دی جائیں تو خریداری خود بخود بند ہو جائے گی، اس میں حکمت یہ ہے کہ گاہکوں اور خریداروں کی تو کوئی حد و شمار نہیں ہوتی اُن سب کے روکنے کا انتظام آسان نہیں، فروخت کرنے والے دکاندار متعین اور محدود ہوتے ہیں ان کو فروخت سے روک دیا جائے تو باقی سب خرید سے خود رک جائیں گے، اس لئے ذُرُّوا الْبَيْعَ میں صرف بیع چھوڑ دینے کے حکم پر اکتفاء کیا گیا۔

فَاعْلَیْکُمْ:۔ اذان جمعہ کے بعد سارے ہی مشاغل کا ممنوع کرنا مقصود تھا جن میں زراعت تجارت، مزدوری سبھی داخل ہیں، مگر قرآن کریم نے صرف بیع کا ذکر فرمایا، اس سے اس طرف بھی اشارہ ہو سکتا ہے کہ جمعہ کی نماز کے مخاطب شہروں اور قصبوں والے ہیں، چھوٹے دیہات اور جنگلوں میں جمعہ نہیں ہوگا، اس لئے شہروں اور قصبوں میں جو مشاغل عام لوگوں کو پیش آتے ہیں ان کی ممانعت فرمائی گئی وہ بیع و شراء کے ہوتے ہیں، بخلاف گاؤں والوں کے کہ ان کے مشاغل کاشت اور زمین سے متعلق ہوتے ہیں، اور باتفاق فقہائے اُمت یہاں بیع سے مراد فقط فروخت کرنا نہیں بلکہ ہر وہ کام جو جمعہ کی طرف جانے کے اہتمام میں مغل ہو وہ سب بیع کے مفہوم میں داخل ہی اس لئے

اذان جمعہ کے بعد کھانا پینا، سونا، کسی سے بات کرنا، یہاں تک کہ کتاب کا مطالعہ کرنا وغیرہ سب ممنوع ہیں، صرف جمعہ کی تیاری کے متعلق جو کام ہوں وہ کئے جاسکتے ہیں۔

اذان جمعہ شروع میں صرف ایک ہی تھی جو خطبہ کے وقت امام کے سامنے کہی جاتی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں پھر صدیق اکبرؓ اور فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے زمانے میں اسی طرح رہا، حضرت عثمان غنیؓ کے زمانے میں جب مسلمانوں کی تعداد زیادہ ہو گئی، اور اطراف مدینہ میں پھیل گئی، امام کے سامنے والی خطبہ کی اذان دور تک سنائی نہ دیتی تھی، تو عثمان غنیؓ نے ایک اور اذان مسجد سے باہر اپنے مکان زور پر شروع کرادی، جس کی آواز پورے مدینہ میں پہونچنے لگی، صحابہ کرام میں سے کسی نے اس پر اعتراض نہیں کیا، اس لئے یہ اذان اول باجماع صحابہ مشروع ہو گئی اور اذان جمعہ کے وقت بیع و شراء وغیرہ تمام مشاغل حرام ہو جانے کا حکم جو پہلے اذان خطبہ کے بعد ہوتا تھا اب پہلی اذان کے بعد سے شروع ہو گیا، کیونکہ الفاظ قرآن (تُؤَدِّیْ لِلصَّلَاةِ مِنْ یَوْمِ الْجُمُعَةِ) اس پر بھی صادق ہیں یہ تمام باتیں حدیث و تفسیر اور فقہ کی عام کتابوں میں بلا اختلاف مذکور ہیں۔

اس پر پوری اہمیت کا اجماع و اتفاق ہے کہ جمعہ کے روز ظہر کے بجائے نماز جمعہ فرض ہے، اور اس پر بھی اجماع و اتفاق ہے کہ نماز جمعہ عام پانچ نمازوں کی طرح نہیں اس کے لئے کچھ مزید شرائط ہیں، پانچوں نمازیں تنہا بلا جماعت کے بھی پڑھی جاسکتی ہیں، دو آدمی کی بھی جماعت سے اور جمعہ بغیر جماعت کے ادا نہیں ہوتا، اور جماعت کی تعداد میں فقہاء کے اقوال مختلف ہیں، اسی طرح نماز پنجگانہ ہر جگہ دریا، پہاڑ، جنگل میں ادا ہو جاتی ہے، مگر جمعہ جنگل، صحرا میں کسی کے نزدیک ادا نہیں ہوتا، عورتوں، مریموں، مسافروں پر جمعہ فرض نہیں، وہ جمعہ کی ظہر کی نماز پڑھیں، جمعہ کس قسم کی بستی والوں پر فرض ہے اس میں ائمہ فقہاء کے اقوال مختلف ہیں، امام شافعیؒ کے نزدیک جس بستی میں چالیس مرد احرار، عاقل، بالغ بستے ہوں اس میں جمعہ ہو سکتا ہے اس سے کم میں نہیں، امام مالکؒ کے نزدیک ایسی بستی کا ہونا ضروری ہے جس کے مکانات متصل ہوں اور اس میں بازار بھی ہو، امام عظیم ابو حنیفہؒ کے نزدیک جمعہ کے لئے یہ شرط ہے کہ وہ شہر قصبہ یا بڑا گاؤں ہو جس میں گلی کوچے اور بازار ہوں اور کوئی قاضی حاکم فیصلہ معاملات کے لئے ہو، مسئلہ اور اس کے دلائل کی تفصیل کا یہ موقع نہیں، حضرات علماء نے اس موضوع پر مستقل کتابیں لکھ کر سب کچھ واضح کر دیا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ یَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اور قَامُوا بِاتِّفَاقٍ جمہور اہمیت عام مخصوص البعض ہے، علی الاطلاق ہر مسلمان پر جمعہ فرض نہیں، بلکہ کچھ قیود و شرائط سب کے نزدیک ہیں، اختلاف صرف شرائط کی تعیین میں ہے، البتہ جہاں فرض ہے ان کے لئے اس فرض کی بڑی اہمیت و تاکید ہے

ان لوگوں میں بلا عذر شرعی کوئی جمعہ چھوڑ دے تو احادیث صحیحہ میں اُس پر سخت وعیدیں آئی ہیں، اور نماز جمعہ اس کے شرائط و آداب کے ساتھ ادا کرنے والوں کے مخصوص فضائل و برکات کا وعدہ ہے۔

قَالَ أَقْبَضَ الصَّلَاةَ فَأَنْتَشِرُ وَإِنِّي أَلْهَضُ وَأَبْتَغِي أَمِنْ فَضْلِ اللَّهِ، سابقہ آیات میں اذان جمعہ کے بعد بیع و شرار وغیرہ کے تمام دنیوی امور کو ممنوع کر دیا گیا تھا، اس آیت میں اس کی اجازت دیدی گئی کہ نماز جمعہ سے فایغ ہونے کے بعد تجارتی کاروبار اور اپنا اپنا رزق حاصل کرنے کا اہتمام سب کر سکتے ہیں۔

جمعہ کے بعد تجارت | حضرت عاکب بن مالک رضی اللہ عنہ جب نماز جمعہ سے فایغ ہو کر باہر آتے تو دروازہ دُکب میں برکت مسجد پر کھڑے ہو کر یہ دعا کرتے تھے؛

اللَّهُمَّ إِنِّي أَجِئْتُ دَعْوَتَكَ وَصَلَيْتُ
فَرَضَيْتَ وَأَنْتَشَرْتُ كَمَا أَمَرْتَنِي
فَادْرَأْنِي مِنْ فَضْلِكَ وَأَنْتَ خَيْرُ
الرَّازِقِينَ (رواہ ابن ابی حاتم)

یعنی یا اللہ میں نے تیرے حکم کی اطاعت کی اور تیرا فرض ادا کیا اور جیسا کہ تو نے حکم دیا، نماز پڑھ کر میں باہر جاتا ہوں تو اپنے فضل سے مجھے رزق عطا فرما اور تو تو سب بہتر رزق دینے والا ہے ۝

اور بعض سلف صالحین سے منقول ہے کہ جو شخص نماز جمعہ کے بعد تجارتی کاروبار کرتا ہو اللہ تعالیٰ اس کے لئے ستر مرتبہ برکات نازل فرماتے ہیں، (ابن کثیر)

وَأَذْكُرُ وَاللَّهُ كَثِيرًا لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ، یعنی نماز جمعہ سے فایغ ہو کر سب معاش تجارت وغیرہ میں لگو، مگر کفار کی طرح خدا سے غافل ہو کر نہ لگو، عین خرید و فروخت اور مزدوری کے وقت بھی اللہ کی یاد جاری رکھو۔

وَإِذَا رَأَوْا تِجَارَةً أَوْ لَهْوًا انفَضُوا إِلَيْهَا وَتَرَكُوكَ قَائِمًا قُلْ مَا عِنْدَ اللَّهِ خَيْرٌ مِّنْ اللَّهْوِ وَمِنَ التِّجَارَةِ وَاللَّهُ خَيْرُ الرَّازِقِينَ، اس آیت میں ان لوگوں کو تنبیہ کی گئی ہے جو جمعہ کا خطبہ چھوڑ کر تجارتی کام کی طرف متوجہ ہو گئے تھے، امام ابن کثیرؒ نے فرمایا کہ یہ واقعہ اس وقت کا ہے جبکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ جمعہ نماز جمعہ کے بعد دیا کرتے تھے جیسا کہ عیدین میں اب بھی یہی معمول ہے، ایک جمعہ کے روز یہ واقعہ پیش آیا کہ نماز جمعہ سے فایغ ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ دے رہے تھے، کہ اچانک ایک تجارتی قافلہ مدینہ طیبہ کے بازار میں پہنچا، اور ڈھول باجہ وغیرہ سے اس کا اعلان ہونے لگا، اس وقت نماز جمعہ سے فراغت ہو چکی تھی، خطبہ ہو رہا تھا، بہت سے حضرات صحابہ بازار چلے گئے اور آپ کے ساتھ تھوڑے سے حضرات رہ گئے، جن کی تعداد بارہ بتلائی گئی ہے (یہ روایت ابو داؤد نے مراسیل میں بیان فرمائی ہے)، بعض روایات حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت

پر فرمایا کہ اگر تم سب کے سب چلے جاتے تو مدینہ کی ساری دادی عذاب کی آگ سے بھر جاتی (راہ ابو یعلیٰ، ابن کثیر)
 امام تفسیر مقاتل کا بیان ہے کہ یہ تجارتی قافلہ وحیہ بن خلف سہمی کا تھا، جو ملک شام سے آیا تھا، اور
 تجارت مدینہ میں اس کا قافلہ عموماً تمام ضروریات لے کر آیا کرتا تھا، اور جب مدینہ کے لوگوں کو اس کی آمد کی خبر
 ملتی تھی تو سب مرد و عورت اس کی طرف دوڑتے تھے، یہ وحیہ بن خلف اس وقت تک مسلمان نہ تھے بعد
 میں داخل اسلام ہوئے۔

اور حسن بصریؒ اور ابو مالکؒ نے فرمایا کہ یہ وہ زمانہ تھا جبکہ مدینہ میں اشیاء ضرورت کی کمی اور سخت
 گرانی تھی (تفسیر منہری) یہ اسباب تھے کہ حضرات صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی بڑی جماعت تجارتی
 قافلہ کی آواز پر مسجد سے نکل گئی، اول تو نماز فرض ادا ہو چکی تھی، خطبہ کے متعلق یہ معلوم نہ تھا کہ جمعہ میں
 وہ بھی فرض کا جزو ہے، دوسرے اشیاء کی گرانی، تیسرے تجارتی قافلہ پر لوگوں کا ٹوٹ پڑنا، جس سے
 ہر ایک کو یہ خیال ہو سکتا تھا کہ دیر کروں گا تو اپنی ضروریات نہ پاسکوں گا۔

بہر حال ان اسباب کے تحت صحابہ کرام سے یہ اعتراض ہوئی جس پر حدیث مذکور میں وعید کے
 الفاظ آئے کہ سب کے سب چلے جاتے تو اللہ کا عذاب آجاتا، اسی پر عار دلانے اور تنبیہ کرنے کے لئے
 آیت مذکورہ نازل ہوئی، اِذَا رَاَوْا تِجَارَةً، اور اسی کے سبب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ کے
 معاملے میں اپنا طرز بدل دیا کہ نماز جمعہ سے پہلے خطبہ دینے کا معمول بنالیا، اور یہی اب سنت ہے (ابن کثیر)
 آیت مذکورہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا گیا ہے کہ آپ اُن لوگوں کو بتلا دیں کہ جو
 کچھ اللہ کے پاس ہے وہ اس تجارت اور ڈھول ڈھماکہ سے بہتر ہے جس میں آخرت کا ثواب تو مراد ہے ہی
 یہ بھی بعید نہیں کہ نماز و خطبہ کی خاطر تجارت و کسب معاش کو چھوڑنے والوں کے لئے اللہ تعالیٰ کی
 طرف سے دنیا میں بھی خاص برکات نازل ہوں، جیسا کہ اوپر سلف صالحین سے بروایت ابن کثیر نقل
 کیا گیا ہے :

تَمَّتْ

أَخْبَرَنَا اللَّهُ سُوْرَةُ الْجُمُعَةِ
 يَوْمَ الْخَمِيْسِ ثَمَادَى الْاَوَّلِ سَمِ

سُورَةُ الْمُنَافِقِينَ

سُورَةُ الْمُنَافِقِينَ مَدَنِيَّةٌ وَهِيَ إِحْدَى عَشْرَةَ آيَةً وَفِيهَا سِتُّونَ آيَاتٍ

سورۃ منافقون مدنیہ میں نازل ہوئی اور اس کی گیارہ آیتیں ہیں اور دو رکوع ،

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بحد ہر بان نہایت رحم والا ہے ،

إِذَا جَاءَكَ الْمُنَافِقُونَ قَالُوا نَشْهَدُ إِنَّكَ لَرَسُولُ اللَّهِ وَاللَّهُ

جب آئیں تیرے پاس منافق کہیں ہم قائل ہیں تو رسول ہے اللہ کا ، اور اللہ

يَعْلَمُ إِنَّكَ لَرَسُولُهُ وَاللَّهُ يَشْهَدُ إِنَّ الْمُنَافِقِينَ لَكَاذِبُونَ ①

جانتا ہے کہ تو اس کا رسول ہے ، اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ یہ منافق جھوٹے ہیں ،

اتَّخَذُوا آيَاتِنَا هُمُ حُنَّةٌ فَأَصْدُوا عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ إِتْمَامَ سَاءِ

انہوں نے رکھا ہر اپنی قسموں کو ڈھال بنا کر پھر دیتے ہیں اللہ کی راہ سے یہ لوگ بُرے کام

مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ② ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ آمَنُوا ثُمَّ كَفَرُوا فَطُبِعَ عَلَى

ہیں جو کر رہے ہیں ، یہ اس لئے کہ وہ ایمان لاتے پھر منکر ہو گئے پھر ہر گنگی

قُلُوبِهِمْ فَهُمْ لَا يَفْقَهُونَ ③ وَإِذَا رَأَيْتَهُمْ تُعْجِبُكَ أَجْسَامُهُمْ

ان کے دل پر سو وہ اب کچھ نہیں سمجھتے ، اور جب تو دیکھے اُن کو تو اچھے لگیں تجھ کو اُن کے ڈیل ،

وَإِنْ يَقُولُوا تَسْمَعُ لِقَوْلِهِمْ كَأَنَّهُمْ خَشَبٌ مُسْتَنْدِلٌ يَحْسَبُونَ

اور اگر بات کہیں سنے تو اُن کی بات کیسے ہیں جیسے کہ کڑی لگادی دیوار سے ، جو کوئی چنیں جائیں

كُلَّ صِيحَةٍ عَلَيْهِمْ طَهُمُ الْعَدُوِّ فَاحْذَرُهُمْ قَاتِلَهُمُ اللَّهُ أَنَّى يُؤْفَكُونَ ﴿۳﴾

ہم ہی پر بلا آئی دہی میں دشمن ان سے بچنا رہ گروں مائے ان کی اللہ کہاں سے بھرے جاتے ہیں

وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ تَعَالَوْا يَسْتَغْفِرْ لَكُمْ رَسُولُ اللَّهِ لَوَّوْا أَسْفَافًا وَسَهُمُ

اور جب کہے ان کو آؤ معاف کرانے تم کو رسول اللہ کا شکاتے ہیں اپنے سر

وَرَأَيْتَهُمْ يَصُدُّونَ وَهُمْ مُسْتَكْبِرُونَ ﴿۵﴾ سَوَاءٌ عَلَيْهِمْ أَسْتَغْفَرْتَ

اور تو دیکھے کہ وہ روکتے ہیں اور وہ غرور کرتے ہیں برابر ہے ان پر تو معافی چاہے

لَهُمْ أَمْ لَمْ تُسْتَغْفِرْ لَهُمْ لَمْ يَكُنْ يَغْفِرُ اللَّهُ لَهُمْ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي

ان کی یا نہ معافی چاہے ہرگز نہ معاف کرے گا ان کو اللہ بیشک اللہ راہ نہیں دیتا

الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ ﴿۶﴾ هُمُ الَّذِينَ يَقُولُونَ لَا تُنْفِقُوا عَالِي مَن عِنْدَ

نافرمان لوگوں کو دہی میں جو کہتے ہیں خرچ مت کرو ان پر جو پاس رہتے ہیں

رَسُولِ اللَّهِ حَتَّى يُنْفِقُوا وَبِهِ خَزَائِنُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ

رسول اللہ کے یہاں تک کہ متفرق ہو جائیں اور اللہ کے میں خزانے آسمانوں کے اور زمین کے

وَلَكِنَّ الْمُنَافِقِينَ لَا يَفْقَهُونَ ﴿۷﴾ يَقُولُونَ لَئِنْ رَجَعْنَا إِلَى الْمَدِينَةِ

لیکن منافق نہیں سمجھتے کہتے ہیں البتہ اگر ہم پھر گئے مدینہ کو تو

لَيُخْرِجَنَّ الْأَعَزُّ مِنْهَا الْأَذَلَّ وَلِلَّهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُولِهِ وَلِلْمُؤْمِنِينَ

کمال دیگا جس کا زور ہو وہاں سے کمزور لوگوں کو اور زور تو اللہ کا ہے اور اس کے رسول کا اور ایمان والوں کا

وَلَكِنَّ الْمُنَافِقِينَ لَا يَعْلَمُونَ ﴿۸﴾

لیکن منافق نہیں جانتے ، ، ،

خلاصہ تفسیر

جب آپ کے پاس یہ منافقین آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم (دل سے) گواہی دیتے ہیں کہ آپ بے شک

اللہ کے رسول ہیں، اور یہ تو اللہ کو معلوم ہے کہ آپ اللہ کے رسول ہیں (اس میں تو ان کے قول کی تکذیب

نہیں کی جاتی) اور (باوجود اس کے) اللہ تعالیٰ گواہی دیتا ہے کہ یہ منافقین (اس کہنے میں) جھوٹے ہیں،

کہ ہم دل سے گواہی دیتے ہیں، کیونکہ وہ گواہی محض زبانی ہے اعتقادِ قلب سے نہیں) ان لوگوں نے اپنی قسموں کو (اپنی جان و مال کو بچانے کے لئے) ڈھال بنا رکھا ہے (کیونکہ اظہارِ کفر کرتے تو ان کی حالت بھی مثل دوسرے کفار کے ہو جاتی کہ جہاد کیا جاتا اور قتل و غارت ہوتا) پھر اس لازمِ خرابی کے ساتھ متعدی خرابی بھی ہے کہ یہ لوگ (دوسروں کو بھی) اللہ کی راہ سے روکتے ہیں بے شک ان کے یہ اعمال بہت ہی بُرے ہیں (اور ہمارا) یہ کہنا کہ ان کے اعمال بہت بُرے ہیں، اس سبب سے ہے کہ یہ لوگ (اول ظاہر میں) ایمان لے آئے پھر (اپنے شیاطین کے پاس جا کر کلماتِ کفر یہ اِنَّا مَعَكُمْ اَوْ اِنَّا نَحْنُ مُسْتَبْرِؤْنَ کہہ کر) کافر ہو گئے، (مطلب یہ کہ اُن پر بُرے اعمال کا حکم کرنا اُن کے نفاق کے سبب سے ہے کہ وہ بدترین عمل کفر ہے) سورہ اس نفاق کی وجہ سے، اُن کے دلوں پر فہر کدی گئی، تو یہ (حق بات کو) نہیں سمجھتے اور (ظاہر میں یہ ایسے چمکے چمکے ہیں کہ) جب آپ اُن کو دیکھیں تو شان و شوکت ظاہری کی وجہ سے، اُن کے قد و قامت آپ کو خوشنما معلوم ہوں اور (باقوں میں ایسے ہیں کہ) اگر یہ باتیں کرنے لگیں تو آپ ان کی بات (غایت فصاحت و شیرینی کی وجہ سے) سُن لیں (لیکن چونکہ اندر خاک بھی نہیں ہے اس لئے قد و قامت ظاہری کے ساتھ باطنی کمالات خالی ہونے کے سبب ان کی ایسی مثال ہے کہ) گویا یہ لکڑیاں ہیں جو (دیوار کے) ہمارے سے لگائے ہوئی (کھڑی) ہیں (کہ جثہ میں تو لمبی چوڑی موٹی موٹی مگر بے جان محض اور عام عادت یہ ہے کہ اکثر جو لکڑی فی الحال کام میں نہیں لگتی وہ اس طرح رکھ دی جاتی ہے، ایسی لکڑی بے نفع محض بھی ہے، اسی طرح یہ لوگ ظاہری دیکھنے میں تو شاندار ہیں لیکن اندر سے محض بیکار اور چونکہ بوجہ عدم اخلاص و عدم ایمان کے ہر وقت ان کو اندیشہ رہتا ہے کہ کبھی مسلمانوں کو ہمارے حال کی اطلاع کسی قرینہ سے یا بذریعہ وحی کے نہ ہو جائے اور مثل دیگر کفار کے ہم پر بھی جہاد وغیرہ نہ ہونے لگے اس خیال سے ایسے خائف رہتے ہیں کہ) ہر غل پکار کر (گو کسی وجہ سے ہو) اپنے ہی اوپر (پڑنے والی) خیال کرنے لگتے ہیں (یعنی جب کوئی شور و غل ہوتا ہے یہی سمجھتے ہیں کہ کہیں ہمارے اوپر بھی افتاد پڑنے والی نہ ہو حقیقت میں) یہی لوگ (تمہارے پورے) دشمن ہیں آپ ان سے ہوشیار رہتے (یعنی اُن کی کسی بات پر اعتماد نہ کیجئے) خدا اُن کو غارت کریں کہاں (دینِ حق سے) پھرے چلے جاتے ہیں (یعنی روزانہ دہری ہو جاتے ہیں) اور ان کے تکبر اور شرارت کی یہ کیفیت ہو کہ جب اُن سے کہا جاتا ہے کہ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس) آؤ تمہارے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، استغفار کریں تو وہ اپنا سر پھیر لیتے ہیں اور آپ اُن کو دیکھیں گے کہ وہ (اس خیر خواہ اور استغفار رسول سے) تکبر کرتے ہوئے بے رُخی کرتے ہیں (جب اُن کے کفر کی یہ حالت ہے تو اُن کے حق میں دونوں باتیں برابر ہیں خواہ آپ اُن کے لئے استغفار کریں یا اُن کے لئے استغفار نہ کریں اللہ تعالیٰ اُن کو ہرگز نہ بخشے گا) مطلب یہ کہ اگر وہ آپ کے پاس آتے بھی اور آپ ان کی ظاہری حالت کے اعتبار سے استغفار بھی فرماتے تب بھی اُن کو کچھ نفع نہ ہوتا، یہ تو ماضی کے اعتبار سے اُن کی حالت ہوئی، اور

آئندہ کے لئے یہ ہرگز بے شک اللہ تعالیٰ ایسے نافرمان لوگوں کو (توفیق) ہدایت (کی) نہیں دیتا یہ وہ ہیں جو کہتے ہیں کہ جو لوگ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس (جمع) ہیں اُن پر کچھ خرچ مت کرو یہاں تک کہ یہ آپ ہی منتشر ہو جائیں گے اور ران کا یہ کہنا جہل محض ہے کیونکہ اللہ ہی کے ہیں سب خزانے آسمانوں اور زمین کے ویسے منافق سمجھے نہیں ہیں (کہ رزق کا مدار اہل شہر کے نفقات کو سمجھتے ہیں اور) یہ (لوگ) یوں کہتے ہیں کہ اگر ہم اب مدینہ میں ٹوٹ کر جا دیں گے تو عزت والا وہاں سے ذلت والے کو باہر نکال دیا جائے گا (یعنی ہم اُن مسافر پر دیسیوں کو نکال باہر کر دیں گے) اور اس قول میں جو اپنے کو عزت والا اور مسلمانوں کو ذلت والا کہتے ہیں یہ جہل محض ہے، بلکہ اللہ ہی کی ہے عزت (بالذات) اور اس کے رسول کی (بواسطہ تعلق باللہ کے) اور مسلمانوں کی (بواسطہ تعلق مع اللہ... والرسول کے) ویسے منافق جانتے نہیں (بلکہ مدار امور فانیہ کو سمجھتے ہیں)۔

معارف و مسائل

سورۃ منافقون کے نزول | یہ واقعہ محمد بن اسحق کی روایت کے مطابق شعبان ۱۱ھ میں اور قتادہ و عروہ کی روایت کے مطابق شعبان ۱۲ھ ہجری میں غزوۃ بنی المصطلق کے موقع پر پیش آیا ہے (منہری) جو محمد بن اسحق اور اکثر علماء مغازی و سیر کی روایت کے مطابق یہ ہرگز کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر ملی کہ بنی المصطلق کے رئیس حارث بن ضرار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف جنگ کی تیاری کر رہے ہیں، یہ حارث بن ضرار جویریہ کے والد ہیں جو بعد میں مسلمان ہو کر ازواج مطہرات میں داخل ہوئیں، اور خود حارث بن ضرار بھی بعد میں مسلمان ہو گئے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب ان کی جنگی تیاری کی خبر ملی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں کی ایک جماعت کے ساتھ ان کے مقابلہ کے لئے نکلے، اس جہاد کے لئے نکلنے والے مسلمانوں کے ساتھ بہت سے منافق بھی اس طبع میں نکلے کہ ہمیں بھی مال غنیمت میں حصہ ملے گا، کیونکہ یہ لوگ باوجود دل میں کافر و منکر ہونے کے یہ یقین رکھتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کی مدد آپ کے ساتھ ہے اور آپ ہی غالب اور فاتح ہوں گے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب بنی المصطلق کے مقام پر پہنچے تو حارث بن ضرار کے لشکر سے سامنا اس پانی کے چشمہ یا کنوئیں پر ہوا جو مریض کے نام سے معروف تھا، اسی لئے اس غزوہ کو غزوۃ مریض بھی کہا جاتا ہے، جانبین سے جنگ کی صفیں مرتب ہو کر تیروں کے ساتھ مقابلہ ہوا، جس میں بنی المصطلق کے بہت سے آدمی مارے گئے باقی بھاگنے لگے، حق تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فتح عطا فرمائی، ان کے کچھ اموال غنیمت اور کچھ مرد و عورت قید ہو کر مسلمانوں کے ہاتھ آئے، اس جہاد کا قصہ

تو ختم ہوا۔

مگر اس کے بعد ابھی مسلمانوں کا لشکر اسی مُرئیض کے پانی پر جمع تھا کہ ایک ناگوار
واقعہ یہ پیش آگیا کہ ایک ہاجر اور ایک انصاری میں اسی پانی پر باہم جھگڑا
ہو گیا اور نوبت باہم قتل و قتل کی آگئی، ہاجر نے اپنی مدد کے لئے ہاجرین کو پکارا اور انصاری نے انصا
روں کی مدد کے لئے کچھ افراد پہنچ گئے، اور قریب تھا کہ مسلمانوں کے باہم ایک فتنہ کھڑا ہو جائے،
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی اطلاع ہوئی تو فوراً موقع پر تشریف لے گئے، اور سخت ناراضی کے
ساتھ فرمایا ”مَتَابَايَ دَعْوَى الْجَاهِلِيَّةِ“ (یعنی یہ جاہلیت کا نعرہ کیسا ہے) کہ وطنی اور نسی قومیت
کو بنیاد بنا کر امداد و دفاع کا معاملہ ہونے لگا، اور فرمایا ”كُفُّوا هَاتَيْنِئِمَّتَيْنِ“ (اس نعرہ کو چھوڑ دو
یہ بدبودار نعرہ ہے) اور فرمایا کہ ہر مسلمان کو اپنے ہر مسلمان بھائی کی مدد کرنا چاہئے خواہ وہ ظالم ہو یا مظلوم
مظلوم کی مدد کرنا تو ظاہر ہے کہ اس کو ظلم سے بچائے اور ظالم کی مدد کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اس کو ظلم
سے روکے، کیونکہ اس کی حقیقی مدد یہی ہے، مراد یہ تھی کہ ہر معاملہ میں یہ دیکھنا چاہئے کہ مظلوم کون ہے،
ظالم کون، پھر ہر مسلمان کا خواہ وہ ہاجر ہو یا انصاری اور کسی قبیلہ و خاندان کا ہو یہ فرض ہو جاتا ہے
کہ مظلوم کو ظلم سے چھڑائے، اور ظالم کا ہاتھ روکے، خواہ وہ اپنا حقیقی بھائی اور باپ ہی کیوں نہ ہو، یہ نسی
اور وطنی قومیت جاہلانہ اور بدبودار نعرہ ہے جس سے گندگی کے سوا کچھ ہاتھ نہیں آتا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد سنتے ہی جھگڑا ختم ہو گیا، اس معاملہ میں زیادتی ججاء
ہاجر کی ثابت ہوئی، اس کے بالمقابل سنان بن وبرہ جہنی انصاری کو زخم آگیا تھا، حضرت عباد
بن صامتؓ کے سمجھانے سے سنان بن وبرہ نے اپنا حق معاف کر دیا، اور جھگڑنے والے ظالم و مظلوم
پھر بھائی بھائی بن گئے۔

منافقین کی ایک جماعت جو مال غنیمت کی طمع میں مسلمانوں کے ساتھ لگی ہوئی تھی، ان کا سردار
عبداللہ بن ابی تھا جو دل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں سے دشمنی رکھتا تھا، مگر دنیوی فوائد
کی خاطر اپنے کو مسلمان کہتا تھا، اس کو جب ہاجرین و انصار کے باہم تصادم کی خبر ملی تو اس نے مسلمانوں
میں تفرقہ ڈالنے کا موقع غنیمت پایا اور اپنی مجلس میں جس میں منافقین جمع تھے اور مؤمنین میں سے
صرف زید بن ارقمؓ موجود تھے..... اس نے انصار کو ہاجرین کے خلاف بھڑکایا اور کہنے لگا
کہ تم نے ان کو اپنے وطن میں بلا کر اپنے سروں پر مسلط کیا، اپنے اموال و جائداد ان کو تقسیم کر کے دیدیے
یہ تمہاری روٹیوں پر پلے ہوئے اب تمہارے ہی مقابلہ پر آئے ہیں، اگر تم نے اب بھی اپنے انجام کو نہ سمجھا
تو آگے یہ تمہارا جینا مشکل کر دیں گے، اس لئے تمہیں چاہئے کہ آئندہ مال سے ان کی مدد نہ کرو تو خود
ہی ادھر ادھر بھاگ جائیں گے، اور اب تمہیں چاہئے کہ جب مدینہ پہنچ جاؤ تو تم میں سے جو غنیمت

ہے وہ ذلیل کو نکال باہر کرے۔

اس کی مراد عزت دلے سے خود اپنی جماعت اور انصار تھے، اور ذلیل سے مراد معاذ اللہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مہاجرین صحابہ تھے، حضرت زید بن ارقمؓ نے جب اس کا یہ کلام سنا تو فوراً بولے کہ واللہ تو ہی ذلیل و خوار اور مبغوض ہے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کی طرف سے دی ہوئی عزت اور مسلمانوں کی دلی محبت سے کامیاب ہیں۔

عبداللہ بن ابی جحک اپنے نفاق پر پردہ ڈالنا چاہتا تھا اسی لئے الفاظ صاف نہ بولے تھے، اس وقت زید بن ارقمؓ کے اظہار غضب کے اس کو ہوش آیا کہ میرا کفر ظاہر ہو جائے گا، تو حضرت زیدؓ سے عذر کیا کہ میں نے تو یہ بات ہنسی میں کہی تھی، میرا مطلب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف کچھ کرنا نہیں تھا۔

حضرت زید بن ارقمؓ اس مجلس سے اٹھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور ابن ابی کایہ سارا واقعہ کہہ سنایا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ خبر بہت شاق ہوئی، چہرہ مبارک پر تغیر کے آثار نظر آنے لگے (زید بن ارقمؓ کم عمر صحابی تھے) آپ نے اُن سے کہا کہ لڑکے تم جھوٹ تو نہیں بول رہے ہو؟ زید بن ارقمؓ نے قسم کھا کر کہا کہ نہیں میں نے اپنے کانوں سے اس کے یہ کلمات سنے ہیں، آپ نے پھر فرمایا کہ تمہیں کچھ شبہ تو نہیں ہو گیا، زید بن ارقمؓ نے پھر وہی جواب دیا، اور پھر ابن ابی کایہ کی یہ بات مسلمانوں کے پورے لشکر میں پھیل گئی، اور آپس میں اس بات کے سوا کوئی بات ہی نہ رہی، ادھر حضرات انصار سب زید بن ارقمؓ کو ملامت کرنے لگے، کہ تم نے قوم کے سردار پر تہمت لگائی، اور قطع رحمی کی، زید بن ارقمؓ نے فرمایا کہ خدا تعالیٰ کی قسم پورے قبیلہ خزرج میں مجھے ابن ابی کایہ سے زیادہ کوئی محبوب نہیں مگر جب اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف یہ کلمات کہے تو میں اسے برداشت نہیں کر سکا، اور اگر میرا باپ بھی ایسی بات کہتا تو میں اس کو بھی ضرور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچاتا۔

دوسری طرف حضرت عمر بن خطابؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا یا رسول اللہ مجھے اجازت دیجئے کہ میں اس منافق کی گردن مار دوں، اور بعض روایات میں ہے کہ فاروق اعظمؓ نے یہ عرض کیا کہ آپ عباد بن بشر کو حکم دیدیجئے کہ اس کا سر قلم کر کے آپ کے سامنے پیش کریں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے عمر اس کا کیا ہو گا کہ لوگوں میں یہ شہرت دی جائیگی کہ میں اپنے اصحاب کو قتل کر دیتا ہوں، اس لئے آپ نے ابن ابی کایہ کے قتل سے روک دیا، حضرت فاروق اعظمؓ کے اس کلام کی خبر عبداللہ بن ابی منافق کے بیٹے کو پہنچی، ان کا نام بھی عبداللہ تھا، اور یہ بچے مسلمان تھے، یہ فوراً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ اگر آپ کا ارادہ میرے باپ کو ان کی اس گفتگو کے نتیجہ میں قتل کرنے کا ہے تو آپ مجھے حکم دیدیجئے میں اپنے باپ کا سر کاٹ کر آپ کی خدمت میں اس سے پہلے کہ آپ اپنی مجلس سے اٹھیں پیش کر دوں گا، اور عرض کیا کہ پورا قبیلہ خزرج اس کا گواہ ہے

کہ اُن میں کوئی بھی مجھ سے زیادہ اپنے والدین کی خدمت و اطاعت کرنے والا نہیں ہے، مگر اللہ و رسول کے خلاف اُن کی بھی کوئی چیز برداشت نہیں ہو سکتی، اور مجھے خطرہ ہے کہ اگر آپ نے کسی اور کو میرے باپ کے قتل کا حکم دیا اور اس نے قتل کر دیا تو ایسا نہ ہو کہ جب میں اپنے باپ کے قاتل کو چلتا پھرتا دیکھوں تو مجھ پر غیرت نسی غالب آجائے اور میں اُسے قتل کر بیٹھوں، جو میرے لئے عذاب کا سبب بنے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہ میرا ارادہ اس کے قتل کا ہے نہ میں نے کسی کو اس کا حکم دیا ہے۔

اس واقعہ کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عام عادت کے خلاف بے وقت سفر کرنے کا اعلان عام فرمادیا اور خود ناقہ قصولی پر سوار ہو گئے، جب عام حضرات صحابہ روانہ ہو گئے تو آپ نے عبد اللہ ابن ابی کو بلایا اور دریافت کیا کہ کیا تم نے ایسا کہا ہے؟ یہ قسمیں کھا گیا، کہ میں نے ہرگز ایسا نہیں کہا یہ لڑکا زید بن ارقم جھوٹا ہے، عبد اللہ بن ابی کی اپنی قوم میں عزت تھی سب نے یہ قرار دیا کہ شاید زید بن ارقم کو کچھ مغالطہ لگ گیا ہے، ابن ابی نے ایسا نہیں کہا۔

بہر حال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن ابی کی قسم اور عذر کو قبول کر لیا، اور لوگوں میں زید بن ارقم پر غصہ اور اُن کی ملامت اور تیز ہو گئی، اور یہ اُس اُرسوائی کے سبب لوگوں سے چھپے رہنے لگے، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پورے لشکر اسلام کے ساتھ پورے دن پھر پوری رات سفر کیا، اور اگلے روز صبح کو بھی برابر سفر کرتے رہے، یہاں تک کہ دھوپ تیز ہونے لگی، اُس وقت آپ نے قافلہ کو ایک جگہ ٹھہرایا، پورے ایک دن ایک رات کے مسلسل سفر سے تھکے ہوئے صحابہ کرام جب اس منزل پر اُترے تو فوراً سب محو خواب ہو گئے۔

راوی کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عام سفر کرنے کی عادت کے خلاف فوری طور پر بے وقت سفر شروع کرنے اور پھر سفر کو اتنا طویل کرنے کا مقصد یہ تھا کہ ابن ابی کے واقعہ کا چرچا جو تمام مسلمانوں میں پھیل گیا تھا مسلمانوں کو سفر کے ایسے شغل میں لگا دے کہ یہ چرچا ختم ہو جائے۔ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سفر شروع کیا، اسی دوران میں جب تک ابن ابی کے بارے میں قرآن کی آیات نازل نہ ہوئی تھیں تو عبادہ بن صامتؓ نے اس کو نصیحت کی کہ تو خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنے جرم کا اعتراف کرے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تیرے لئے استغفار فرمادیں گے، تیری نجات ہو جائے گی، ابن ابی نے اُن کی نصیحت سن کر اپنا سراں طرف سے پھیر لیا، حضرت عبادہ نے اسی وقت فرمایا کہ ضرور تیرے اس اعراض کے بارے میں قرآن ... نازل ہوگا۔

ادھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سفر میں تھے اور زید بن ارقم بار بار آپ کے قریب آتے تھے کیونکہ ان کو اپنی جگہ یقین تھا کہ اس شخص منافق نے مجھے پوری قوم میں جھوٹا قرار دے کر رسوا کیا ہے ضرور میری تصدیق اور اس شخص کی نکیر میں قرآن نازل ہوگا، اچانک زید بن ارقم نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

پردہ کیفیت طاری ہوئی جو وحی کے وقت ہوتی تھی کہ سلس پھولنے لگا اور پیشانی مبارک پر پسینہ بہنے لگا اور آپ کی سواری ناقہ بوجھ سے دبنے لگی، تو ان کو امید ہوئی کہ اب کوئی وحی اس بارے میں نازل ہوگی، یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ کیفیت رفع ہوئی، میری سواری چونکہ آپ کے قریب تھی آپ نے اپنی سواری ہی پر سے میرا کان پکڑا اور فرمایا: **يَا غُلَامُ مَدَّ يَدَكَ لِلَّهِ خِيَرْتُكَ وَتَرَكْتُ سُوءَ التَّمَنِّيَةِ فِي يَدِي ابْنِ أَبِي قَلْبَةَ إِلَى خِيَرَتِي** یعنی لے لڑکے کے اللہ نے تیری بات کی تصدیق کر دی اور پوری سورۃ منافقون اسی واقعہ ابن ابی قلیبہ کے متعلق نازل ہوئی،

اس روایت سے معلوم ہوا کہ سورۃ منافقون دوران سفر ہی میں نازل ہو گئی تھی مگر بغوی کی روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ پہنچ گئے اور زید بن ارقمؓ رسوائی کے خوف سے گھر میں چھپ کر بیٹھ رہے اُس وقت یہ سورت نازل ہوئی، واللہ اعلم۔

ایک روایت میں ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ کے قریب وادی عقیق میں پہنچے تو عبد اللہ بن ابی منافق کے مؤمن صاحبزادے عبد اللہ آگے بڑھے اور تمام سواروں میں تلاش کرتے ہوئے اپنے باپ ابن ابی کی سواری کے قریب پہنچ کر باپ کی اوٹنی کو بٹھا دیا، اور اس کے گھٹنے پر پاؤں رکھ کر باپ سے خطاب کیا کہ خدا کی قسم! تم مدینہ میں داخل نہیں ہو سکو گے جب تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمہیں داخل ہونے کی اجازت نہ دیں، اور جب تک تم یہ بات واضح نہ کرو کہ تم نے جو بات کہی ہے کہ عزت والا ذات والے کو نکال دے گا، اس میں عزت والا کون ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا تم؟ عبد اللہ بن عبد اللہ ابن ابی اپنے باپ کا راستہ روکے ہوئے کھڑے تھے، اور پاس سے گزرنے والے لوگ عبد اللہ کو ملامت کر رہے تھے کہ باپ کے ساتھ ایسا معاملہ کرتا ہے، آخر میں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سواری اُن کے قریب آئی تو معاملہ کے متعلق دریافت کیا، لوگوں نے بتلایا کہ عبد اللہ مؤمن نے اپنے باپ کا راستہ اس لئے روکا ہوا ہے کہ جب تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو مدینہ میں داخل ہونے کی اجازت نہیں دیں گے یہ مدینہ میں داخل نہ ہو سکے گا، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ ابن ابی منافق بیٹے سے مجبور ہو کر یہ کہہ رہا ہے کہ میں تو بچوں اور عورتوں سے بھی زیادہ ذلیل ہوں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سن کر صاحبزادے سے کہا کہ انکار آجھوڑ دو، مدینہ میں جانے دو، تب بیٹے نے راستہ چھوڑا۔

سورۃ منافقون کے نزول کا قصہ تو اتنا ہی تھا جو اوپر لکھا گیا، قصہ کے شروع میں یہ بھی اجمالاً ذکر ہوا ہے کہ غزوہ بنی المصطلق کا اصل ذمہ دار اُمّ المؤمنین حضرت جویریہؓ کا والد حارث بن ضرار ہوا تھا، بعد میں حضرت جویریہؓ کو اللہ تعالیٰ نے شرف اسلام کے ساتھ اہمات المؤمنین میں داخل ہونے کا شرف عطا فرمایا اور باپ بھی مسلمان ہو گیا۔

اس کا واقعہ مسند احمد، ابوداؤد وغیرہ میں یہ منقول ہے کہ جب بنو لمصطلق کو شکست ہوئی تو مال غنیمت کے ساتھ ان کے کچھ قیدی بھی ہاتھ آئے، اسلامی قانون کے مطابق سب قیدی اور مال غنیمت مجاہدین میں تقسیم کر دیئے گئے، قیدیوں میں حارث بن حزار کی بیٹی جویریہ بھی تھیں، یہ حضرت ثابت بن قیس بن شماس کے حصہ میں آگئیں، انھوں نے جویریہ کو بصورت کتابت آزاد کرنے کا ارادہ فرمایا، جسکی صورت یہ ہوتی ہے کہ غلام یا کنیز پر کچھ رقم مقرر کر دی جائے اور اس کو محنت مزدوری یا تجارت کی اجازت دیدی جائے وہ مقرر رقم کما کر مالک کو ادا کر دے تو آزاد ہو جائے۔

جویریہ پر جو رقم مقرر کی تھی وہ بڑی رقم تھی جس کی ادائیگی ان کے لئے آسان نہ تھی وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور درخواست کی کہ میں مسلمان ہو چکی ہوں، شہادت دیتی ہوں کہ اللہ ایک ہے اس کے ساتھ کوئی شریک نہیں اور آپ اللہ کے رسول ہیں، پھر اپنا واقعہ سنایا کہ ثابت بن قیس جن کے حصہ میں میں آئی ہوں انھوں نے مجھے مکاتب بنادیا ہے، مگر دسم کتابت کی ادائیگی میرے بس میں نہیں، آپ اس میں میری کچھ مدد فرمادیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی درخواست قبول فرمائی اور ساتھ ہی ان کو آزاد کر کے اپنی زوجیت میں لینے کا ارادہ ظاہر فرمایا، جویریہ کے لئے یہ بہت بڑی نعمت تھی وہ کیسے قبول نہ کرتیں، بخوشی خاطر قبول کیا، اور یہ ازواج مطہرات میں داخل ہو گئیں، اُم المؤمنین حضرت جویریہ کا بیان ہے کہ غزوہ بنی لمصطلق میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لانے سے تین دن پہلے میں نے خواب میں دیکھا تھا کہ یثرب کی طرف سے چاند چلا اور میری گود میں آکر گر گیا، اس وقت تو میں نے یہ خواب کسی سے ذکر نہ کیا تھا اب اس کی تعبیر آنکھوں سے دیکھ لی۔

یہ سردار قوم کی بیٹی تھیں، ان کے ازواج مطہرات میں داخل ہونے سے پورے قبیلہ پر بھی اچھے اثرات مرتب ہوئے اور ایک فائدہ ان تمام عورتوں کو پہونچا جو ان کے ساتھ گرفتار ہوئی تھیں، اور ان کی رشتہ دار تھیں، کیونکہ ان کا اُم المؤمنین ہو جانا معلوم کرنے کے بعد جس جس مسلمان کے پاس ان کی رشتہ دار کوئی کنیز تھی سب نے ان کو آزاد کر دیا کہ ان کی عزیز کسی عورت کو کنیز بنا کر اپنے پاس رکھنا ادب کے خلاف سمجھا، اس طرح نئو کنیزیں ان کے ساتھ آزاد ہو گئیں اور پھر ان کے والد بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک معجزہ دیکھ کر مسلمان ہو گئے۔

واقعہ مذکورہ میں اہم | سورۃ منافقون کے نزول کا واقعہ اس کی تفسیر کے سمجھنے میں تو معین ہے ہی، اس کے ہدایات و فوائد | ضمن میں بہت اہم ہدایات و مسائل، اخلاق، سیاست اور معاشرت کے متعلق آگئے ہیں، اس لئے احقر نے اس واقعہ کی پوری تفصیل یہاں نقل کی ہے، وہ ہدایات یہ ہیں:-

اسلامی سیاست کا سنگ بنیاد غزوہ بنی المصطلق میں پیش آنے والا ایک انصاری اور ایک مہاجر کا جھگڑا اور دونوں طرف سے انصار و مہاجرین کو اپنی اپنی مدد کے لئے پکارنا، یہ وہ جاہلیت کا بت تھا جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے توڑ دیا تھا، اور مسلمانوں کو اس کا رہنے والا ہو کسی رنگ و زبان اور کسی نسل و قوم کا ہو سب کو آپس میں بھائی بھائی بنادیا، انصار و مہاجرین میں باقاعدہ پھر مواخات کر کران کی مشترک اسلامی برادری بنادی تھی، مگر شیطان کا یہ پُرانا جال ہے جس میں لوگوں کو پھنسا کر باہمی جھگڑوں کے وقت قوم و وطن اور زبان و رنگ وغیرہ کو تعاون و تناصر کی بنیاد بنادیتا ہے، جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ تعاون و تناصر کا اسلامی معیار حق و انصاف سب کے ذہنوں سے اوجھل ہو جاتا ہے، صرف برادری اور قومیت کی بنیاد پر ایک دوسرے کی مدد کرنے کا اصول بن جاتا ہے، اس طرح وہ مسلمانوں کو مسلمانوں سے بھڑا دیتا ہے، اس واقعہ میں بھی کچھ ایسی ہی صورت بن رہی تھی، مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فوراً موقع پر پہونچ کر اس فتنہ کو ختم کر دیا اور بتلایا کہ یہ جاہلیت و کفر کا بدلودار نعرہ ہے، اس سے بچو، اور پھر سب کو قرآنی اصول تعاون پر قائم کر دیا جس میں ارشاد ہے تَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ، یعنی مسلمانوں کے لئے کسی کی مدد کرنے یا مدد حاصل کرنے کا معیار یہ ہونا چاہئے کہ جو شخص عدل و انصاف اور نیکی پر ہے اس کی مدد کرو، اگرچہ وہ نسب و خاندان اور زبان و وطن میں تم سے الگ ہو اور جو شخص کسی گناہ اور ظلم پر ہو اس کی ہرگز مدد نہ کرو اگرچہ وہ تمہارا باپ اور بھائی ہی ہو، یہی وہ معقول اور منصفانہ بنیاد ہے جس کو اسلام نے قائم فرمایا، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر قدم پر اس کی خود رعایت فرمائی، اور سب کو اس کے تابع رہنے کی تلقین فرمائی، اور اپنے آخری خطبہ حجۃ الوداع میں اعلان فرمایا کہ جاہلیت کی سب رسمیں میرے قدموں کے نیچے مستل دی گئی ہیں، اب عربی، عجمی، کالے گورے، ملکی غیر ملکی کے امتیازات کے بت ٹوٹ چکے ہیں، باہمی تعاون و تناصر کی اسلامی بنیاد صرف حق و انصاف ہے، سب کو اس کے تابع چلنا ہے۔

اس واقعہ نے ہمیں یہ بھی سبق دیا ہے کہ دشمنان اسلام آج سے نہیں بلکہ ہمیشہ سے مسلمانوں کا شہزادہ منتشر کرنے کے لئے یہی برادری اور وطنی قومیت کا حربہ استعمال کرتے ہیں، جب تک جس وقت موقع ملتا ہے اسی سے کام لے کر مسلمانوں میں تفرقہ ڈالتے ہیں۔

افسوس ہے کہ زمانہ دراز سے پھر مسلمان اپنے اس سبق کو بھول گئے، اور اغیار نے مسلمانوں کی اسلامی وحدت کے ٹکڑے کرنے میں پھر وہی شیطانی جال پھیلا دیا، اور دین و اصول دین سے غفلت کی بناء پر عام دنیا کے مسلمان اس جال میں پھنس کر باہمی خانہ جنگیوں کے شکار ہو گئے، اور کفر و الحاد کے مقابلہ کے لئے اُن کی متحدہ قوت پاش پاش ہو گئی، صرف عربی و عجمی ہی نہیں عربوں میں مصری، شامی

حجازی، یعنی ایک دوسرے سے متحد نہ رہی، ہندوستان اور پاکستان میں پنجابی، بنگالی، سندھی، ہندی، پٹھان اور بلوچی باہم آویزش کے شکار ہو گئے، فال اللہ المشتکی، دشمنان اسلام ہماری آویزش سے کھیل رہی ہیں اس کے نتیجے میں وہ ہر میدان میں ہم پر غالب آتے جاتے ہیں اور ہم ہر جگہ شکست خوردہ غلامانہ ذہنیت میں مبتلا اپنی کی پناہ لینے پر مجبور نظر آتے ہیں کاش آج بھی مسلمان اپنے قرآنی اصول اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایات پر غور کریں، غیروں کے سہارے جینے کے بجائے خود اسلامی برادری کو مضبوط بنالیں، رنگ و نسل اور زبان و وطن کے بتوں کو پھر ایک دفعہ توڑ ڈالیں تو آج بھی خدا تعالیٰ کی نصرت و امداد کا مشاہدہ کھلی آنکھوں ہونے لگے۔

صحابہ کرام کی اسلامی اصول پر | اس واقعہ نے یہ بھی بتلایا کہ اگرچہ وقتی طور پر شیطان نے کچھ لوگوں کو بینظیر ثابت قدمی اور مقام بلند | نعرۂ جاہلیت میں مبتلا کر دیا تھا، مگر درحقیقت سب کے دلوں میں ایمان رچا بسا ہوا تھا، ذرا سی تنبیہ پر سب ان خیالات سے تائب ہو گئے، اور ان کے دلوں پر اللہ اور رسول کی محبت و عظمت کا ایسا غلبہ تھا جس میں کوئی رشتہ نامہ برادری اور قومیت حائل نہ ہوئی، اس کی شہادت خود اسی واقعہ میں اول زید بن ارقم کے بیان سے واضح ہوئی کہ وہ خود بھی قبیلہ خزرج کے آدمی ہیں اور ابن ابی اس قبیلہ کا سردار تھا، اور زید بن ارقم بھی اس کی عزت و عظمت کے قائل تھے لیکن جس وقت اس کی زبان سے مؤمنین ہاجرین اور خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف الفاظ سنے تو برداشت نہ کر سکے، اُسی مجلس میں ابن ابی کو منہ توڑ جواب دیا، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے شکایت پیش کر دی، اگر آجکل کی برادری پرستی ہوتی تو اپنی برادری کے سردار کی یہ بات وہ کبھی حضور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک نہ پہنچاتے۔

اس واقعہ میں خود ابن ابی کے صاحبزادے عبداللہ کے واقعہ نے اس کو کس قدر روشن کر دیا، کہ ان کی محبت و عظمت کا اصل تعلق صرف اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول سے تھا، جب اپنے باپ سے ان کے خلاف بات سنی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر خود اپنے باپ کا سر قلم کرنے کی پیشکش کر دی اور اجازت طلب کی، آپ نے اس سے روک دیا، تو مدینہ کے قریب پہنچ کر باپ کی سواری کو بٹھا دیا، اور مدینہ جانے کا راستہ روک کر باپ کو مجبور کیا کہ وہ یہ اقرار کرے کہ عزت دار حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں وہ خود ذلیل و خوار ہے، پھر آپ کی اجازت ملنے سے پہلے باپ کا راستہ نہیں کھولا، جس کو دیکھ کر بے ساختہ زبان پر آتا ہے کہ

تو نخل خوش ثمر کیسی کہ سرد و سمن ۴ ہمہ زخولش بریدند و با تو پیوستند
اس کے علاوہ بدر و احد اور احزاب کی جنگوں نے تو بذریعہ تلوار اس قوم پرستی اور وطن پرستی کے بُت کے ٹکڑے اڑائے ہیں، جس نے ثابت کر دیا کہ مسلمان کسی قوم و وطن اور کسی رنگ و زبان کا ہو

وہ سب آپس میں بھاتی بھاتی ہیں، اور جو اللہ در رسول کو نہ مانے وہ اگرچہ حقیقی بھائی اور باپ ہی کیوں نہ ہو وہ دشمن ہے ۵

بزار خویش کہ بیگانہ از خدا باشد فداے یک تن بیگانہ کا شنا باشد
مسلمانوں کے مصالح عامہ کی رعایت اس واقعہ نے ہمیں ایک سبق یہ دیا کہ جو کام فی نفعہ جائز و درست ہو مگر اور ان کو غلط فہمی سے بچانے کا اہتمام اس کے کرنے سے کوئی یہ خطرہ ہو کہ کسی مسلمان کو خود غلط فہمی پیدا ہوگی، یا دشمنوں کو غلط فہمی پھیلانے کا موقع ملے گا تو یہ کام نہ کیا جائے، جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رئیس المنافقین ابن ابی کانفاق کھل جانے کے بعد بھی فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے اس مشورہ کو قبول نہیں فرمایا کہ اس کو قتل کیا جائے، کیونکہ اس میں خطرہ یہ تھا کہ دشمنوں کو عام لوگوں میں یہ غلط فہمی پھیلانے کا موقع مل جائے گا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کو بھی قتل کر دیتے ہیں۔
مگر دوسری روایات سے یہ ثابت ہے کہ غلط فہمی کے خطرہ سے ایسے کاموں کو چھوڑا جاسکتا ہے جو مقام شرعیہ میں سے نہ ہوں گو مستحب اور کار ثواب ہوں، کسی مقصد شرعی کو ایسے خطرہ سے ترک نہیں کیا جاسکتا بلکہ خطرہ کے ازالہ کی فکر کی جائے گی اور اس کام کو کیا جائے گا۔

سورت کا ترجمہ اور خلاصہ تفسیر اور لکھا جا چکا ہے، اب اس کے خاص خاص جملوں کی مزید توضیح دیجئے۔ **وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا يَسْتَغْفِرْ لَكُمْ رَسُولُ اللَّهِ** الآية، عبد اللہ بن ابی رئیس المنافقین جس کے معاملہ میں یہ سورت نازل ہوئی ہے جس میں اس کی قسموں کا جھوٹا ہونا واضح کر دیا گیا تو لوگوں نے اس کو ازراہ خبر خواہی یہ کہا کہ تجھے معلوم ہے کہ تیرے بارے میں قرآن میں کیا نازل ہوا ہے، اب بھی قتل نہیں گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو جا، (اور اعتراف جرم کر لے) تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تیرے لئے استغفار فرمادیں گے، اس نے جواب میں کہا کہ تم لوگوں نے مجھے کہا کہ ایمان لے آؤ میں نے ایمان اختیار کر لیا، پھر تم نے مجھے اپنے مال میں سے زکوٰۃ دینے کو کہا وہ دینے لگا، اب اس کے سوا کیا رہ گیا ہے کہ میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو سجدہ کیا کروں، اس پر آیات مذکورہ نازل ہوئیں، جن میں واضح کر دیا گیا کہ جب اُس کے دل میں ایمان ہی نہیں تو اس کے لئے کسی کا استغفار نافع نہیں ہو سکتا۔

ابن ابی اس واقعہ کے بعد مدینہ طیبہ پہنچ کر چند روز ہی زندہ رہا، پھر جلد ہی مر گیا (منظری)
هُمْ الَّذِينَ يَقُولُونَ لَا نَسْتَغْفِرُ لَكُمْ رَسُولُ اللَّهِ یعنی یسْتَفْضُوا، یہ وہی قول ہے جو ججہا جہا جبر اور سان انصاری کے جھگڑے کے وقت ابن ابی نے کہا تھا، جس کا جواب اللہ تعالیٰ نے یہ دیدیا کہ یہ بیوقوف یوں سمجھ رہے ہیں کہ ہاجرین ہماری داد و پیش کے محتاج ہیں ہم ہی ان کو دیتے ہیں حالانکہ تمام آسمان و زمین کے خزانے تو اللہ کے ہاتھ میں ہیں وہ چاہیں تو ہاجرین کو ہمارے کسی امداد کے بغیر سب کچھ دے سکتے ہیں، اس کا ایسا سمجھنا چونکہ بے عقلی اور بیوقوفی کی دلیل ہے اس لئے قرآن حکیم نے اس جگہ

لَا يَفْقَهُونَ كَالْفُطُورِ اخْتِيار فرما کر بتلا دیا کہ ایسا خیال کرنے والا بے عقل و بے سمجھ ہیں۔

يَقُولُونَ لَئِنْ رَجَعْنَا إِلَى الْمَدِينَةِ لَيُخْرِجَنَّ الْأَعَزُّ مِنَّمَا الْأَذَلُّ، یہ بھی اسی منافق عبد اللہ ابن ابی کا قول ہے جس میں اگرچہ الفاظ صاف نہیں ہوئے مگر مطلب ظاہر تھا کہ اس نے اپنے آپ کو اور انصاری مدینہ کو عزت والا اور ان کے مقابل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مہاجرین صحابہ کو معاذ اللہ ذلیل قرار دیا اور انصاری مدینہ کو اس پر بھڑکانا چاہا کہ ان کمزور اور ذلیل لوگوں کو مدینہ سے نکال باہر کریں، حق تعالیٰ نے اس کے جواب میں اس کی بات کو اسی پر الٹ دیا کہ اگر عزت والوں نے ذلت والوں کو نکالا تو اس کا خمیازہ تمہیں کو بھگتنا پڑے گا، کیونکہ عزت تو اللہ اور اللہ کے رسول اور مومنین کا حق ہے، مگر تم اپنی جہالت کی بناء پر اس سے بے خبر ہو، یہاں قرآن کریم نے لَا يَعْلَمُونَ کالفظ استعمال فرمایا اور اس سے پہلے لَا يَفْقَهُونَ فرمایا تھا، وجہ فرق کی یہ ہے کہ کوئی انسان اپنے آپ کو دوسرے انسان کا رازق سمجھ بیٹھے تو یہ سراسر عقل کے خلاف ہے، اس کا یہ سمجھنا بیوقوفی اور بے عقلی کی علامت ہے، اور عزت و ذلت دنیا میں کبھی کسی کو کبھی کسی کو ملتی رہتی ہے، اس لئے اس میں مغالطہ ہو تو یہ واقعات سے بے خبری اور نادانگی کی دلیل ہے، اس لئے یہاں لَا يَعْلَمُونَ فرمایا۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُلْهِكُمْ أَمْوَالُكُمْ وَلَا أَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ

اے ایمان والو! غافل نہ کرو دیں تم کو تمہاری مال اور تمہاری اولاد اللہ کی یاد

اللَّهِ وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْخَاسِرُونَ ۙ وَأَنْفِقُوا مِنْ مَّا

سے اور جو کوئی یہ کام کرے تو وہی لوگ ہیں ٹوٹے میں اور خرچ کر دیکھ ہمارا

رَزَقْنَاكُمْ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَأْتِيَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ فَيَقُولَ رَبِّ لَوْلَا أَخْرَجْتَنِي

دیا ہوا اس سے پہلے کہ آپہنچے تم میں کسی کو موت تب کہے اے رب کیونکہ ڈھیل دی تو نے مجھ کو ایک

إِلَىٰ أَجَلٍ قَرِيبٍ فَأَصْدَقَ وَأَكْنَ مِنَ الصَّالِحِينَ ۙ وَلَنْ يُؤَخَّرَ

تھوڑی سی مدت کہ میں خبرات کرتا اور ہو جاتا نیک لوگوں میں اور ہرگز نہ ڈھیل دیکھا اللہ

اللَّهُ نَفْسًا إِذَا جَاءَ أَجْلُهَا وَاللَّهُ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ ۙ

کسی جی کو جب آپہنچا اس کا وعدہ اور اللہ کو خبر ہے جو تم کرتے ہو

خلاصہ تفسیر

اے ایمان والو! تم کو تمہارے مال اور اولاد (مراد اس سے مجموعہ دنیا ہے) اللہ کی یاد (اور اگلا

سے (مراد اس سے مجبور دین ہو) غافل نہ کرنے پادیں (یعنی دنیا میں ایسے مہنگے مت ہو جانا کہ دین میں غفلت پڑنے لگے) اور جو ایسا کرے گا ایسے لوگ ناکام رہنے والے ہیں کیونکہ نفع دنیوی تو ختم ہو جاوے گا اور آخرت کا ضرر اور خسارہ مستد یا دائم رہ جائے گا) اور (مخلہ طاعات کے ایک طاعت مالیہ کا حکم کیا جاتا ہے کہ لَا تُلْهِكُمْ أَمْوَالُكُمْ کے عام مضمون میں سے ایک فرد خاص ہے یعنی) ہم نے جو کچھ تم کو دیا ہے اس میں سے (حقوق واجبہ کی) اس سے پہلے پہلے خرچ کر لو کہ تم میں سے کسی کی موت آکھڑی ہو پھر وہ (بطور تمناء حسرت) کہنے لگے کہ اے میرے پروردگار مجھ کو اور تھوڑے دنوں مہلت کیوں نہ دی کہ میں خیر خیرات دے لیتا اور نیک کام کرنے والوں میں شامل ہو جاتا اور اس کی یہ تمناء حسرت اس لئے غیر مفید ہے کہ) اللہ تعالیٰ کسی شخص کو جبکہ اس کی میعاد (عمر کی) ختم ہونے پر آجاتی ہے ہرگز مہلت نہیں دیتا اور اللہ کو تمھارے سب کاموں کی پوری خبر ہے (ویسی ہی جزاء کے مستحق ہو گئے)۔

معارف و مسائل

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُلْهِكُمْ أَمْوَالُكُمْ - اس سورت کے پہلے رکوع میں منافقین کی جھوٹی قسموں اور ان کی سازشوں کا ذکر تھا، اور سب کا خلاصہ دنیا کی محبت سے مغلوب ہونا تھا، اسی وجہ سے ظاہر میں اسلام کا دعویٰ کرتے تھے کہ مسلمانوں کی زد سے بھی بچیں اور اموال غنیمت وغیرہ کا حصہ بھی ملے، اسی وجہ سے ان کی یہ سازش تھی کہ مہاجرین صحابہ پر خرچ کرنا بند کر دو، اس دوسرے رکوع میں خطا مومنین مخلصین کو ہے، جس میں ان کو اس سے ڈرایا گیا ہے کہ دنیا کی محبت میں ایسے مدہوش نہ ہو جائیں جیسے منافقین ہو گئے، دنیا کی سب سے بڑی دو چیزیں ہیں جو انسان کو اللہ سے غافل کرتی ہیں، مال اور اولاد، اس لئے ان دونوں کا نام لیا گیا، ورنہ مراد اس سے پوری متاع دنیا ہے اور حاصل ارشاد کا یہ ہے کہ مال و اولاد سے محبت ایک درجہ میں مذموم نہیں، ان کے ساتھ ایک درجہ تک اشتغال صرف جائز نہیں بلکہ واجب بھی ہو جاتا ہے، مگر اس کی یہ حد فاصل ہر وقت سامنے رہنا چاہیے کہ یہ چیزیں انسان کو اللہ تعالیٰ کے ذکر سے غافل نہ کر دیں، یہاں ذکر سے مراد بعض مفسرین نے پانچ وقت کی نماز بعض نے حج اور زکوٰۃ، بعض نے قرآن قرار دیا ہے، حضرت حسن بصریؒ نے فرمایا کہ ذکر سے مراد یہاں تمام طاعات عبادات ہیں، اور یہی قول سب کا جامع ہے (قرطبی)

خلاصہ یہ ہے کہ اس دنیاوی معیشت کے سامان میں اس قدر مشغول رہنے کی تو اجازت ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ذکر یعنی طاعت سے انسان کو غافل نہ کر دے کہ ان کی محبت میں مبتلا ہو کر فرائض واجبہ کی ادائیگی میں کوتاہی کرنے لگے یا حرام اور مکروہات میں مبتلا ہو جائے، اور جو ایسا کرے ان کے بارے میں ہُوَ أُولَٰئِكَ هُمُ الْخٰسِرُونَ، یعنی یہی لوگ ہیں خسارہ میں پڑنے والے، کیونکہ انھوں نے آخرت کی عظیم اور

ہمیشہ باقی رہنے والی نعمتوں کے بدلے میں دنیا کی حقیر اور فانی نعمتوں کو اختیار کر لیا اس سے بڑا خسارہ کیا ہوگا۔

وَأَنفِقُوا مِمَّا رَزَقْنَاكُمْ مِمَّنْ قَبْلُ أَنْ يَأْتِيَنَّ أَحَدَكُمْ الْمَوْتُ، اس آیت میں موت کے آجانے سے مراد موت کے آثار کا مشاہدہ ہے، اور مراد یہ ہے کہ موت کے آثار سامنے آنے سے پہلے صحت و قوت کی حالت میں اپنے اموال اللہ کی راہ میں خرچ کر کے آخرت کے درجات حاصل کر لو، ورنہ موت کے بعد یہ مال وغیرہ تمھارے کچھ کام نہ آئے گا، اور معلوم ہو چکا ہے کہ ذکر سے مراد تمام طاعات اور احکام شرعی کی پابندی ہے جس میں ضرورت کے مواقع پر مال خرچ کرنا بھی داخل ہے پھر یہاں صرف انفاق مال کو خدا کر کے بیان کر نیکی دو وجہ ہو سکتی ہیں اول یہ کہ اللہ اور اس کے احکام کی تعمیل سے انسان کو غفلت میں ڈالنے والی سبک بڑی چیز مال ہی ہے، اس لئے جن چیزوں میں مال خرچ کرنا ہوتا ہے، جیسے زکوٰۃ، عشر حج وغیرہ ان کو مستقلاً بیان کر دیا، دوسری وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ موت کے آثار کا مشاہدہ ہونیکے وقت یہ تو نہ کسی کے بس میں ہے نہ کسی کو اس کا تصور ہو سکتا ہے کہ اس وقت قضاء شدہ نمازیں ادا کروں یا فوت شدہ حج فرض ادا کروں یا رمضان کے فوت شدہ روزے رکھوں مگر مال سامنے ہوتا ہے اور یہ یقین ہو ہی جاتا ہے کہ اب یہ مال میرے ہاتھ چلا، تو اس وقت بھی تمنا ہو سکتی ہے کہ جلد سے جلد مال کو خرچ کر کے مالی عبادات کی کوتاہی سے نجات حاصل کر لیں، نیز یہ کہ صدقہ تمام دوسری بلاؤں اور عذاب کے ٹلا دینے میں بھی مؤثر ہے۔

صحیح بخاری و مسلم میں حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دینا کیا کہ کوئی صدقہ سب سے زیادہ اجر و ثواب کھتا ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایسے وقت اللہ کی راہ میں خرچ کرنا جب کہ انسان تندرست ہو اور اپنی آئندہ ضروریات کے پیش نظر یہ خوف بھی ہو کہ مال خرچ کر ڈالا تو کہیں بعد میں خود محتاج نہ ہو جاؤں، اور فرمایا کہ اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کو اس وقت تک نہ ٹلاؤ جب تک کہ روح تمھارے حلق میں آجائے اور مرنے لگو تو اس وقت کہو کہ اتنا مال فلاں کو دید و اتنا فلاں کام میں خرچ کر دو۔

فَيَقُولُ رَبِّ لَا أَخَّرْ تَنِي إِلَىٰ أَجَلٍ قَرِيبٍ، حضرت ابن عباسؓ نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا کہ جس شخص کے ذمہ زکوٰۃ واجب تھی اور ادا نہیں کی یا حج فرض تھا اور ادا نہیں کیا وہ موت سامنے آ جانے کے بعد اللہ تعالیٰ سے اس کی تمنا کرے گا کہ میں پھر دنیا کی طرف لوٹ جاؤں، یعنی موت میں اور کچھ ہمت مل جائے، تاکہ میں صدقہ خیرات کروں اور فرائض سے سبکدش ہو جاؤں، اَكُنَّ مِنَ الصَّالِحِينَ، یعنی وہ مرنے کے وقت یہ بھی تمنا کرے گا کہ کچھ ہمت مل جائے تو ایسے اعمال کروں جن کی وجہ صالحین میں داخل ہو جاؤں یعنی جو فرائض و واجبات چھوڑے ہیں ان کو قضا کروں جن محرمات و مکروہات میں مبتلا ہوں ان کو توبہ استغفار کر کے مباح ہو جاؤں، مگر حق تعالیٰ نے اگلی آیت میں بتلادیا کہ موت کے آجانے کے بعد کسی کو ہمت نہیں دی جاتی یہ تمنائیں لغو و فضول ہیں۔

تَمَّتْ

بحمد اللہ تعالیٰ سورۃ المنافقون قبل صلوٰۃ الجمعة الثالثة عشر

من جمادی الثانیۃ ۱۳۹۱ھ

سُورَةُ التَّغَابُنِ

سُورَةُ التَّغَابُنِ مَدَنِيَّةٌ وَهِيَ ثَمَانِي عَشْرَةَ آيَةً وَفِيهَا رُكُوعَانِ

سورة تغابن مدینہ میں نازل ہوئی اور اس کی اٹھارہ آیتیں ہیں اور دو رکوع ،

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

شروع اللہ کے نام سے جو بھد مہربان نہایت رحم والا ہے ،

يَسْبِيحُ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ

پاک بول رہا ہے اللہ کی جو کچھ ہے آسمانوں میں اور جو کچھ ہے زمین میں ، اسی کا راجہ ہے اور اسی کی تعریف ہے

وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ① هُوَ الَّذِي خَلَقَكُمْ فَمِنْكُمْ كَافِرٌ وَ

اور وہی ہر چیز کر سکتا ہے ، وہی ہے جس نے تم کو بنایا پھر کوئی تم میں منکر ہے اور

مِنْكُمْ مُّؤْمِنٌ ② وَاللّٰهُ يَمَّا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ③ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ

کوئی تم میں ایمان دار اور اللہ جو تم کرتے ہو دیکھتا ہے ، بنایا آسمانوں کو اور

الْاَرْضِ بِالْحَقِّ وَصَوَّرَكُمْ فَأَحْسَنَ صُوَرَكُمْ ④ وَالِيهِ الْمَصِيرُ ⑤ يَعْلَمُ مَا فِي

زمین کو تدبیر سے اور صورت پہنچی تمہاری پھر ابھی بنائی تمہاری صورت اور اس کی طرف سب کو پھر جانا ہے ، جاتا ہے جو کچھ

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَيَعْلَمُ مَا تُسْرَوْنَ وَمَا تُعْلِنُونَ ⑥ وَاللّٰهُ عَلِيمٌ

ہو آسمانوں میں اور زمین میں اور جانتا ہے جو تم چھپاتے ہو اور جو کھول کر کرتے ہو اور اللہ کو معلوم ہے

بِذٰلِكَ الصَّدُورِ ⑦ اَلَمْ يَأْتِكُمْ نَبُوءُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَبْلُ ز

جیوں کی بات ، کیا پہنچی نہیں تم کو خبر ان لوگوں کی جو منکر ہو چکے ہیں پہلے

فَذَاقُوا وَبَالَ أَمْرِهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۵ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُ كَانَتْ تَائِبَاتِهِمْ

پھراٹھوں نے جکھی سزا اپنے کام کی اور اُن کو عذاب دردناک ہوا، یہ اس لئے کہ لاتے تھے اُن کے پاس

رُسُلَهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ فَقَالُوا أَبَشَرٌ مِّثْلُكُمْ وَنَسُوا فُكْرَهُمْ وَأَتَوَلَّوْا وَاسْتَعْنَىٰ

اُن کے رسول نشانیاں پھر کہتے کیا آدمی ہم کو راہ بھنائیں گے پھر منکر ہوئے اور مٹھ موڑ لیا اور اللہ نے

اللَّهُ ط وَاللَّهُ مُغْنِيٌّ حَمِيدٌ ۶ زَعَمَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنَّا لَنُيَبْعَثُ أَقْلًا

بے پروائی کی اور اللہ بے پرواہ ہے سب تعریفوں والا، دعویٰ کرتے ہیں منکر کہ ہرگز اُنکو کوئی نہ اٹھائے گا، تو کہہ کیوں

بَلَىٰ وَرَبِّي لَتُبْعَثُنَّ ثُمَّ لَتُنَبَّيُنَّ بِمَا عَمِلْتُمْ ط وَذَٰلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرٌ ۷

نہیں قسم ہر میرے رب کی تم کو بیشک اٹھانا ہی پھر تم کو جتلا نا ہی جو کچھ تم نے کیا، اور یہ اللہ پر آسان ہے،

فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ وَالنُّوْرَ الَّذِيْ اَنْزَلْنَا وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ

سو ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسول پر اور اس نور پر جو ہم نے اتارا، اور اللہ کو تمہارے سب کام

خَبِيرٌ ۸ يَوْمَ يَجْمَعُكُمْ لِيَوْمِ الْجَمْعِ ذَٰلِكَ يَوْمُ التَّغَابُنِ وَمَنْ

کی خبر ہے، جس دن تم کو اکٹھا کریگا جمع ہونے کے دن وہ دن ہے ہارجیت کا، اور جو کوئی

يَوْمَ مَنْ بِاللّٰهِ وَيَعْمَلْ صَالِحًا يُكَفِّرْ عَنْهُ سَيِّئَاتِهِ وَيُدْخِلْهُ جَنَّاتٍ

یقین لائے اللہ پر اور کرے کام بھلا اتار دیا اس پر سے اس کی بُرائیاں اور داخل کر دیا اسکو باغوں

تَجْرِىٰ مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ذَٰلِكَ الْفَوْزُ

میں جن کے نیچے بہتی ہیں ندیاں رہا کریں اُن میں ہمیشہ، یہی ہے بڑی مراد

الْعَظِيمُ ۹ وَالَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ

ملنی، اور جو لوگ منکر ہوئے اور جھٹلا ئیں انہوں نے ہماری آیتیں وہ لوگ ہیں دوزخ والے

النَّارِ خَالِدِينَ فِيهَا ط وَبِئْسَ الْمَصِيرُ ۱۰

رہا کریں اسی میں، اور بُری جگہ جا پہنچے،

خلاصہ تفسیر

سب چیزیں جو کچھ کہ آسمانوں میں ہیں اور جو کچھ کہ زمین میں ہیں اللہ کی پاکی (قالا یا حالام بیان

کرتی ہیں اسی کی سلطنت ہو اور وہی تعریف کے لائق ہے اور وہ ہر شے پر قادر ہے، (یہ تمہید اگلے بیان کی ہے کہ وہ ایسے صفات کمال کے ساتھ متصف ہو تو اس کی اطاعت واجب اور معصیت قبیح ہے) وہی ہے جس نے تم کو پیدا کیا (جو مقتضی اس کا تھا کہ سب ایمان لاتے) سو (باوجود اس کے بھی) تم میں بعضے کافر ہیں اور بعضے مومن ہیں اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال (ایمانیہ و کفریہ) کو دیکھ رہا ہے (بس ہر ایک کے مناسب جزاء دے گا) اسی نے آسمانوں اور زمین کو ٹھیک طور پر (یعنی پر حکمت و پر منفعت) پیدا کیا اور تمہارا نقشہ بنایا سو عمرہ نقشہ بنایا (کیونکہ اعضاء انسانی کے برابر کسی حیوان کے اعضاء میں تناسب نہیں) اور ایسے پاس (سبکو) ڈٹا ہوا (اور) وہ سب چیز دیکھ جانتا ہے جو آسمانوں اور زمین میں ہیں اور سب چیز دیکھ جانتا ہے جو تم پوشیدہ کرتے ہو اور جو علانیہ کرتے ہو اور اللہ تعالیٰ دلوں تک کی باتوں کو جاننے والا ہے، اور یہ تمام امور مقتضی اس کو ہیں کہ تم اس کی اطاعت کیا کرو اور علاوہ اُن مقتضیات کے (کیا تم کو ان لوگوں کی خبر نہیں پہنچی کہ وہ خبر پہنچنا بھی مقتضی وجوب اطاعت کو ہے) جنہوں نے (تم سے) پہلے کفر کیا، پھر انہوں نے اپنے (ان) اعمال کا وبال (دنیا میں بھی) چکھا اور (اس کے علاوہ آخرت میں بھی) ان کے لئے عذاب دردناک ہوئے والا ہے یہ (وبال عاجل و عذاب آجل) اس سبب سے ہے کہ ان لوگوں کے پاس اُن کے پیغمبر دلائل واضح لے کر آئے تو ان لوگوں نے (ان رسولوں کی نسبت) کہا کہ کیا آدمی ہم کو ہدایت کریں گے (یعنی بشر کہیں پیغمبر یا مادی ہو سکتا ہے) غرض انہوں نے کفر کیا اور اعراض کیا اور خدا نے (بھی ان کی کچھ) پرواہ نہ کی (بلکہ مقہور کر دیا) اور اللہ (سب) بے نیاز (اور) ستودہ صفات ہے (اس کو نہ کسی معصیت سے ضرر اور نہ کسی طاعت سے نفع، خود مطیع و عاصی ہی کا نفع اور ضرر ہے اور) یہ کافر (مضمون عذاب آخرت کا سن کر جیسا کہ لہم عذاب الیم میں مذکور ہے) یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ ہرگز دوبارہ زندہ نہ کئے جاویں گے (جس کے بعد عذاب الیم کا وقوع بتلایا جاتا ہے) آپ کہہ دیجئے کہ کیوں نہیں؟ واللہ ضرر دوبارہ زندہ کئے جاوے گا پھر جو کچھ تم نے کیا ہے تم سب کو جتلا دیا جاوے گا (اور اس پر سزا دی جاوے گی) اور یہ (رجعت جزاء) اللہ کو (بوجہ کمال قدرت) بالکل آسان ہے سو (جب یہ مقتضیات ایمان کے مجتمع ہیں تو تم کو چاہئے کہ تم اللہ پر اور اس کے رسول پر اور اس نور پر (یعنی قرآن پر) جو کہ ہم نے نازل کیا ہے ایمان لاؤ اور اللہ تمہارے سب اعمال کی پوری خبر رکھتا ہے (اور اس دن کو یاد کرو) جس دن کہ تم سب کو اس جمع ہونے کے دن میں جمع کرے گا یہی دن ہے سود و زیاں (کے ظاہر ہونے) کا (یعنی مسلمانوں کا نفع اور کافروں کا نقصان اُس روز عملاً ظاہر ہو جاوے گا) اور (بیان اس کا یہ ہے کہ) جو شخص اللہ پر ایمان رکھتا ہوگا اور نیک کام کرتا ہوگا اللہ اس کے گناہ دور کر دیگا اور اس کو (جنت کے) ایسے باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی جنہیں ہمیشہ ہمیشہ کیلئے رہیں گے (اور) یہ بڑی کامیابی ہے اور جن لوگوں نے کفر کیا ہوگا اور ہماری آیتوں کو جھٹلایا ہوگا یہ لوگ دوزخی ہیں اس میں ہمیشہ رہیں گے اور وہ بُرا ٹھکانا ہے ۛ

معارف و مسائل

خَلَقَكُمْ فَمِنْكُمْ كَافِرٌ وَمِنْكُمْ مُؤْمِنٌ، یعنی اللہ تعالیٰ نے تم کو پیدا کیا پھر تم میں بعض کافر ہو گئے بعض مؤمن رہے، اس میں لفظ فَمِنْكُمْ کا حرف فَا جَوَاقِب (یعنی ایک چیز کا دوسرے کے بعد ہونے) پر دلالت کرتا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ اول تخلیق و آفرینش میں کوئی کافر نہیں تھا، یہ کافر مؤمن کی تقسیم بعد میں اس کسب و اختیار کے تابع ہوئی جو اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کو بخشا ہے، اور اسی کسب و اختیار کی وجہ سے اس پر گناہ و ثواب عائد ہوتا ہے، ایک حدیث سے بھی اس مفہوم کی تائید ہوتی ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے رُكُلُ الْمُؤْمِنِ يُوَدُّ عَلَى الْفِطْرَةِ قَابِئًا يَهُودًا اِنْهَ وَيَنْصَرِي اِنْهَ الْحَدِيثُ) یعنی ہر پیدا ہونے والا انسان فطرت سلیمہ پر پیدا ہوتا ہے (جس کا تقاضا مؤمن ہونا ہے) مگر پھر اس کے ماں باپ اس کو یہودی یا نصرانی وغیرہ بنا دیتے ہیں (قرطبی)

قرآن حکیم نے اس جگہ انسان کو دو گروہوں میں تقسیم کیا ہے، کافر مؤمن جس سے دو قومی نظریے

اس برادری کے افراد ہیں، اس برادری کو قطع کرنے اور ایک الگ گروہ بنانے والی چیز صرف کفر ہے جو شخص کافر ہو گیا، اس نے انسانی برادری کا رشتہ توڑ دیا، اس طرح پوری دنیا میں انسانوں میں تہذیب اور گروہ بندی صرف ایمان و کفر کی بنا پر ہو سکتی ہے، رنگ اور زبان، نسب و خاندان، وطن اور ملک میں سے کوئی چیز ایسی نہیں جو انسانی برادری کو مختلف گروہوں میں بانٹ دے، ایک باپ کی اولاد اگر مختلف شہروں میں بسنے لگے یا مختلف زبانیں بولنے لگے یا ان کے رنگ میں تفاوت ہو تو وہ الگ الگ گروہ نہیں ہو جاتے، اختلاف رنگ و زبان اور وطن و ملک کے باوجود یہ سب آپس میں بھائی ہی ہوتے ہیں، کوئی سمجھدار انسان ان کو مختلف گروہ نہیں قرار دے سکتا۔

زمانہ جاہلیت میں نسب اور قبائل کی تفریق کو قومیت اور گروہ بندی کی بنیاد بنا دیا گیا، اسی طرح ملک و وطن کی بنیاد پر کچھ گروہ بندی ہونے لگی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سب بتوں کو توڑا، اور مسلمان خواہ کسی ملک اور کسی خطہ کا ہو کسی رنگ اور خاندان کا ہو، کوئی زبان بولتا ہو ان سب کو ایک برادری قرار دیا بِنَصِّ قُرْآنِ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ اِخْوَةٌ (مؤمنین سب کے سب آپس میں بھائی بھائی ہیں) اسی طرح کفار کسی ملک و قوم کے ہوں وہ اسلام کی نظر میں ملت واحدہ ہیں یعنی ایک قوم ہیں۔

قرآن کریم کی مذکورہ صدر آیت بھی اس پر شاہد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کل بنی آدم کو صرف کافر مؤمن دو گروہوں میں تقسیم فرمایا، اختلاف رنگ و زبان کو قرآن کریم نے اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کی نشانی

اور انسان کے لئے بہت سے معاشی فوائد پر مشتمل ہونے کی بناء پر ایک عظیم نعمت تو قرار دیا ہے مگر اس کو بنی آدم میں گروہ بندی کا ذریعہ بنانے کی اجازت نہیں دی۔

اور ایمان و کفر کی بناء پر دو قوموں کی تقسیم یہ ایک امر اختیاری پر مبنی ہے، کیونکہ ایمان بھی اختیار امر ہے اور کفر بھی، اگر کوئی شخص ایک قومیت چھوڑ کر دوسری میں شامل ہونا چاہے، تو بڑی آسانی سے اپنی عقائد بدل کر دوسرے میں شامل ہو سکتا ہے، بخلاف نسب و خاندان، رنگ اور زبان اور ملک و وطن کے کہ کسی انسان کے اختیار میں نہیں کہ اپنا نسب بدل دے یا رنگ بدل دے، زبان اور وطن اگرچہ بدلے جاسکتے ہیں مگر زبان و وطن کی بنیاد پر بننے والی قومیں دوسروں کو عادتاً اپنے اندر جذب کرنے پر کبھی آمادہ نہیں ہوتیں خواہ اُن کی ہی زبان بولنے لگے اور اُن کے وطن میں آباد ہو جائے۔

یہی وہ اسلامی برادری اور ایمانی اخوت تھی جس نے تھوڑے ہی عرصہ میں مشرق و مغرب، جنوب و شمال، کالے گورے، عرب عجم کے بے شمار افراد کو ایک لڑی میں پرو دیا تھا، جس کی قوت و طاقت کا مقابلہ دنیا کی قومیں نہ کر سکیں، تو انھوں نے پھر اُن بتوں کو زندہ کیا، جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلام نے پاش پاش کر دیا تھا، مسلمانوں کی عظیم ترین ملت واحدہ کو ملک و وطن اور زبان اور رنگ اور نسب اور خاندان کے مختلف ٹکڑوں میں تقسیم کر کے ان کو باہم ٹکرا دیا، اس طرح دشمنان اسلام کی یلغار کے لئے میدان صاف ہو گیا، جس کا نتیجہ آنکھیں آج دیکھ رہی ہیں، کہ مشرق و مغرب کے مسلمان جو ایک قوم ایک دل تھے اب چھوٹے چھوٹے گروہوں میں منحصر ہو کر ایک دوسرے سے برسرِ پیکار ہیں، اور اُن کے مقابلہ پر کفر کی طاغوتی قوتیں باہمی اختلاف رکھنے کے باوجود مسلمانوں کے مقابلہ میں ملت واحدہ ہی معلوم ہوتی ہیں۔

وَصَوَّرَ كُلُّهُمْ فَأَحْسَنَ صُورَتَهُمْ (اس نے تمھاری صورت بنائی پھر تمھاری صورتوں کو بہتر بنایا)

صورت گری در حقیقت خالق کائنات کی مخصوص صفت ہے، اسی لئے اسماء الہیہ میں اللہ تعالیٰ کا نام مصوّر آیا ہے، اور غور کرو کہ کائنات میں کتنی اجناس مختلف ہیں اور ہر جنس میں کتنی انواع مختلفہ، ہر نوع میں اصناف مختلفہ اور ہر صنف میں لاکھوں کروڑوں افراد مختلفہ پائے جاتے ہیں، ایک کی صورت دوسرے سے نہیں ملتی، ایک نوع انسانی میں ملکوں اور خطوں کے اختلاف سے نسلوں اور قوموں کے اختلاف کے شکل و صورت میں کھبے ہوئے امتیازات، پھر ان میں ہر فرد کی شکل و صورت کا دوسرے سب سے ممتاز ہونا ایک ایسی حیرت انگیز صنعت و صورت گری ہے کہ عقل حیران رہ جاتی ہے، انسانی چہرہ جو چھ شاخ و برگ سے زیادہ نہیں، اربوں پدموں انسانوں میں ایک ہی طرح کا چہرہ ہونے کے باوجود ایک کی صورت بالکل دوسرے سے نہیں ملتی کہ بیچا تناد شوار ہو جائے، آیت مذکورہ میں ایک نعمت صورت گری ہر اس کا ذکر فرمایا اس کے بعد فرمایا فَأَحْسَنَ صُورَتَهُمْ، یعنی شکل انسانی کو ہم نے تمام کائنات و مخلوقات

کی صورتوں سے زیادہ حسین اور بہتر بنایا ہے، کوئی انسان اپنی جماعت میں کتنا ہی بد شکل بد صورت سمجھا جاتا ہو مگر باقی تمام حیوانات وغیرہ کے اشکال کے اعتبار سے وہ بھی حسین ہے، فبارک اللہ احسن الخالقین۔

فَقَالُوا آآبَشْرٌ مِّثْلُكُمْ وَمِنَّا، لفظ بشر اگرچہ مفرد ہے مگر معنی میں جمع کے ہے، اس لئے یہ ہڈ و ن جمع کا لفظ اس کے لئے استعمال فرمایا گیا، بشریت کو نبوت و رسالت کے منافی سمجھنا بھی کفار کا خیال باطل تھا جس پر قرآن میں جا بجا رد کیا گیا ہے، افسوس ہے کہ اب مسلمانوں میں بھی بعض لوگ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بشریت کے منکر پاتے جاتے ہیں، انھیں سوچنا چاہئے کہ وہ کدھر جا رہے ہیں، بشر ہونا نہ نبوت کے منافی ہے نہ رسالت کے بلکہ مقام کے منافی ہے، اور نہ رسول کے فور ہونے کے منافی ہے، وہ نور بھی ہیں بشر بھی ان کے نور کو چراغ اور آفتاب و ماہتاب کے نور پر قیاس کرنا غلطی ہے۔

قَالُمُؤْاٰلِلّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ وَالتَّوْدِرَالَّذِیْ اٰمَنَّا (تو ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسول پر، اور اس نور پر جو ہم نے نازل کیا ہے) نور سے مراد اس جگہ قرآن ہے، کیونکہ نور کی حقیقت یہ ہے کہ وہ خود بھی ظاہر اور روشن ہو اور دوسری چیزوں کو بھی ظاہر و روشن کر دے، قرآن کا اپنے اعجاز کی وجہ سے خود روشن اور ظاہر ہونا کھلی بات ہے اور اس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کے راضی ہونے اور ناراض ہونے کے اسباب اور احکام و شرائع اور تمام حقائق عالم آخرت جن کے جاننے کی انسان کو ضرورت ہو وہ روشن ہو جاتے ہیں۔

قیامت کو یوم تغابن | یَوْمَ یَجْمَعُکُمْ لِبَیْوْمِ الْاٰجْمِعِ ذٰلِکَ یَوْمَ التَّغَابِنِ جس روز تم کو اللہ تعالیٰ جمع کرے گا کہنے کی وجہ سے جمع کرنے کے دن میں، یہ دن ہوگا تغابن کا یعنی خسارہ کا، یوم الجمع اور یوم التغابن دونوں قیامت کے نام ہیں، یوم الجمع ہونا اس دن کا تو ظاہر ہے کہ تمام مخلوق اولین و آخرین کو اس روز حیات کتاب اور جزا و سزا کے لئے جمع کیا جائے گا، اور یوم التغابن اس لئے کہ تغابن غبن سے مشتق ہے جس کے معنی خسارے اور نقصان کے ہیں، مالی نقصان اور خسارہ کو بھی غبن کہا جاتا ہے، اور رائے اور عقل کے نقصان کو بھی، امام راغب اصفہانی نے مفردات القرآن میں فرمایا کہ مالی خسارے کے لئے یہ لفظ بصیغہ مجہول غِبْنٌ فَلَانٌ ہُوَ مَغْبُوْنٌ استعمال کیا جاتا ہے، اور عقل و رائے کے نقصان کے لئے باب سَمْعٍ سے غِبْنٌ استعمال کیا جاتا ہے، لفظ تغابن اصل کے اعتبار سے دو طرفہ کام کے لئے بولا جاتا ہے، کہ ایک آدمی دوسرے کو اور دوسرا اس کو نقصان پہونچائے، یا اس کے نقصان و خسارہ کو ظاہر کرے، یہاں مراد یک طرفہ اظہار غبن ہے، جیسا کہ یک طرفہ استعمال بھی اس لفظ کا معروف و مشہور ہے، قیامت کو یوم تغابن کہنے کی وجہ یہ ہے کہ احادیث صحیحہ میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کے لئے آخرت میں دو گھر پیدا کئے ہیں، ایک جہنم میں دوسرا جنت میں، اہل جنت کو جنت میں داخل کرنے سے پہلے اُن کا وہ مقام بھی دکھلایا جائے گا، جو ایمان اور عمل نہ ہونے کی صورت میں اس کے لئے مقرر تھا تاکہ اس کو دیکھنے کے بعد جنت کے مقام کی اور زیادہ قدر اس کے دل میں پیدا ہو، اور اللہ تعالیٰ کا مزید شکر گزار ہو، اسی طرح اہل جہنم کو جہنم میں داخل کرنے سے

پہلے اُن کا جنت کا وہ مقام دکھلایا جائے گا جو ایمان اور عمل صالح کی صورت میں اُن کے لئے مقرر تھا تاکہ اُن کو اور زیادہ حسرت ہو، ان روایات میں یہ بھی ہے کہ پھر جنت میں جو مقامات اہل جہنم کے تھے وہ بھی اہل جنت کو مل جائیں گے، اور جہنم میں جو مقامات اہل جنت کے تھے وہ بھی اہل جہنم کے حصہ میں آجائیں گے، یہ روایات حدیث صحیحین اور دوسری کتب حدیث میں مختلف الفاظ سے مفصل آئی ہیں، اس وقت جبکہ کفار فجار اور اشقیاء کے جلتی مقامات بھی اہل جنت کے قبضہ میں آئیں گے، تو ان کو اپنے غبن اور خسارے کا احساس ہوگا کہ کیا چھوڑا اور کیا پایا۔

صحیح مسلم اور ترمذی وغیرہ میں حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ کو سے سوال فرمایا کہ تم جانتے ہو مفلس کون شخص ہے؟ صحابہؓ نے عرض کیا کہ جس شخص کے پاس مال متاع نہ ہو اس کو مفلس سمجھتے ہیں، آپؐ نے فرمایا کہ میری امت کا مفلس وہ شخص ہے جو قیامت میں اپنے اعمالِ صالحہ نماز، روزہ، زکوٰۃ وغیرہ کا ذخیرہ لے کر آئے گا مگر اس کا حال یہ ہوگا کہ دنیا میں کسی کو گالی دی، کسی پر بہتان باندھا، کسی کو مارا یا قتل کیا، کسی کا مال ناحق لے لیا تو یہ سب جمع ہوں گے اور اپنے حقوق کا مطالبہ کریں گے، کوئی اس کی نماز لے جائے گا، کوئی روزہ، کوئی زکوٰۃ اور دوسری حسنت، اور جب حسنت ختم ہو جائیں گی تو مظلوموں کے گناہ اس نظام پر ڈال کر بدلہ چکایا جائے گا، جس کا انجام یہ ہوگا کہ یہ جہنم میں ڈال دیا جائیگا اور صحیح بخاری میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص کے ذمہ کسی کا کوئی حق ہو اس کو چاہئے کہ دنیا ہی میں اس کو ادا یا معاف کر اگر سبکدوش ہو جائے، ورنہ قیامت کے دن درہم دینار تو ہوں گے نہیں جس کا مطالبہ ہوگا اس کو اس شخص کے اعمالِ صالحہ دے کر بدلہ چکایا جائے گا، اعمالِ صالحہ ختم ہو جائیں گے تو بعد اس کے حق کے مظلوم کا گناہ اس پر ڈال دیا جائے گا (منظہری)

حضرت ابن عباسؓ اور دوسرے ائمہ تفسیر نے قیامت کو یوم التغابن کہنے کی یہی وجہ بیان کی ہے اور بہت سے ائمہ تفسیر نے فرمایا کہ اُس دن غبن اور خسارے کا احساس صرف کفار فجار اور اشقیاء ہی کو نہیں بلکہ صالحین مؤمنین کو بھی اس طرح ہوگا کہ کاش ہم عمل اور زیادہ کرتے تاکہ جنت کے مزید درجہ حاصل کرتے، اس روز ہر شخص کو اپنی عمر کے اوقات پر حسرت ہوگی، جو فضول ضائع کئے، جیسا کہ حدیث میں ہے:-

”جو شخص کسی مجلس میں بیٹھا اور پوری مجلس میں اللہ کا ذکر نہ کیا تو یہ مجلس قیامت کے روز اس کے لئے حسرت بنے گی۔“

مَنْ جَلَسَ مَجْلِسًا لَمْ يَذْكُرِ اللَّهَ فِيهِ
كَانَ عَلَيْهِ تَوْبَةٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ،

قرطبی میں ہے کہ ہر مؤمن بھی اس روز احسان عمل میں اپنی کوتاہی پر اپنے غبن و خسارہ کا احساس کرے گا قیامت کا نام یوم تغابن رکھنا ایسا ہی ہے جیسا کہ سورۃ مریم میں اس کا نام یوم المحسرة آیا ہے۔

وَأَنذِرْهُمْ يَوْمَ الْحَسْرَةِ إِذْ قُضِيَ الْأَمْرُ، روح المعانی میں اس آیت کی تفسیر یہ لکھی ہو کہ اس روز ظالم اور بد عمل لوگ اپنی تقصیرات پر حسرت کریں گے، اور مؤمنین صالحین نے بھی جو احسانِ عمل میں کوتاہی کی ہے اس پر ان کو حسرت ہوگی، اس طرح قیامت کے روز سبھی اپنی اپنی کوتاہی پر نادم اور عمل کی کمی پر غبن و خسارہ کا احساس کریں گے، اس لئے اس کو یوم التغابن کہا گیا۔

مَا أَصَابَ مِنْ مُّصِيبَةٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ وَمَنْ يُؤْمِنْ بِاللَّهِ يَهْدِ اللَّهُ قَلْبَهُ

نہیں پہنچتی کوئی تکلیف بدون حکم اللہ کے اور جو کوئی یقین لائے کہ اللہ پر وہ راہ بتلائے اس کے دل کو

وَاللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ۝۱۱ وَأَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ فَإِنْ تَوَلَّيْتُمْ

اور اللہ کو ہر چیز معلوم ہے، اور حکم مانو اللہ کا اور حکم مانو رسول کا پھر اگر تم منہ موڑو

فَأِنَّمَا عَلَى رُسُلِنَا الْبَلَاغُ الْمُبِينُ ۝۱۲ اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ وَعَلَى اللَّهِ

تو ہمارے رسول کا تو یہی کام ہے پہنچا دینا کھول کر، اللہ اس کے سوا کسی کی بندگی نہیں اور اللہ پر

فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ ۝۱۳ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنِّ مِنْ آزْوَاجِكُمْ وَأ

چاہتے بھروسہ کریں ایمان والے، اے ایمان والو تمہاری بعض جوڑدہیں اور

أَوْلَادِكُمْ وَعَدُوَّالْكُفْرَ فَأَحْذَرُوا هُمُومَ ۝۱۴ وَإِنْ تَعَفَّوْا وَتَصَفَّحُوا وَتَغْفِرُوا

اولاد دشمن ہیں تمہارے سو ان سے بچتے رہو اور اگر معاف کرو اور درگزر کرو اور بخشو

فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ۝۱۵ إِنَّمَا أَمْوَالُكُمْ وَأَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ وَاللَّهُ

تو اللہ ہی بخشنے والا مہربان، تمہاری مال اور تمہاری اولاد یہی ہیں جا بچنے کو اور اللہ

عِنْدَهُ أَجْرٌ عَظِيمٌ ۝۱۶ فَاتَّقُوا اللَّهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ وَأَسْمَعُوا وَأَطِيعُوا

جو اس کے پاس ہے ثواب بڑا، سو ڈرو اللہ سے جہاں تک ہو سکے اور سناؤ اور مانو اور

أَنْفِقُوا خَيْرًا لِّأَنْفُسِكُمْ وَمَنْ يُؤْنَسْ نَفْسِهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ

خرچ کرو اپنے بھلے کو اور جس کو بچا دیا اپنے جی کے لالچ سے سو وہ لوگ وہی

الْمُفْلِحُونَ ۝۱۷ إِنْ تَقَرُّضُوا مِنَ اللَّهِ قَرْضًا حَسَنًا لَّيُضْعِفَهُ لَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ

مرا د کو پہنچے، اگر قرض دو اللہ کو اچھی طرح پر قرض دینا وہ دونا کر دے تم کو اور تم کو بخشنے

وَاللّٰهُ شَكُوْرٌ حَلِيْمٌ ۝۱۸ عَلِمَ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝۱۹

اور اللہ قدر دان، بخشنے والا، جاننے والا پوشیدہ اور ظاہر کا زبردست حکمت والا،

خلاصہ تفسیر

(جس طرح کفر آخرت کی فلاح سے کلیتہً مانع ہے، اسی طرح اموال و اولاد اور بیوی وغیرہ میں مشغول ہو کر خدا سے تعالیٰ کے احکام میں کوتاہی کرنا بھی ایک درجہ میں فلاح آخرت سے مانع ہو اس لئے مصیبت میں تو یہ سمجھنا چاہئے کہ کوئی مصیبت بدون خدا کے حکم کے نہیں آتی (اور یہ سمجھ کر صبر و رضا اختیار کرنا چاہئے) اور جو شخص اللہ پر (پورا) ایمان رکھتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے قلب کو (صبر و رضا کی) راہ دکھا دیتا ہے اور اللہ ہر چیز کو خوب جانتا ہے (کہ کس نے صبر و رضا اختیار کیا اور کس نے نہیں کیا، اور ہر ایک کو حسب حکمت جزاء و سزا دیتا ہے) اور (خلاصہ کلام یہ ہے کہ ہر امر میں جس میں مصائب بھی داخل ہیں) اللہ کا کہنا مانو اور رسول کا کہنا مانو اور اگر تم (اطاعت سے) اعراض کرو گے تو (یاد رکھو کہ) ہمارے رسول کے ذمہ صرف صاف صاف پہنچا دینا ہے (جس کو وہ باحسن وجہ کر چکے ہیں، اس لئے ان کا تو کوئی ضرر نہیں تمہارا ہی ضرر ہوگا، اور چونکہ اللہ کو ضرر ہونے کا احتمال ہی نہیں، اس لئے اس کو یہاں بیان نہیں کیا اور تم لوگوں کو اور خصوصاً اہل مصیبت کو یوں سمجھنا چاہئے کہ) اللہ کے سوا کوئی معبود (بننے کے قابل) نہیں اور مسلمانوں کو اللہ ہی پر (مکمل) (غیر میں) توکل رکھنا چاہئے۔ اے ایمان والو! (جیسا مصیبت میں تم کو صبر و رضا کا حکم کیا گیا ہے اسی طرح نعمت کے بارے میں تم کو منہمک نہ ہونے کا حکم کیا جاتا ہے پس نعمت کے بارے میں یوں سمجھنا چاہئے کہ) تمہاری بعض بیبیاں اور اولاد تمہارے (دین کے) دشمن ہیں (جبکہ وہ اپنے نفع دنیوی کے واسطے تم کو ایسی بات کا حکم کریں جو تمہارے لئے مضر آخرت ہو) سو تم ان سے (یعنی ایسوں سے) ہوشیار رہو (اور ان کے ایسے امر پر عمل مت کرو) اور اگر (تم کو ایسی فرمائشوں پر غصہ آئے اور تم ان پر تشدد کرنے لگو اور وہ اس ذلت معذرت اور توبہ کریں اور تم (اس وقت ان کی وہ خطا) معاف کر دو (یعنی سزا نہ دو) اور درگزر کر جاؤ (یعنی زیادہ ملامت نہ کرو) اور بخشد (یعنی اس کو دل سے اور زبان سے بھلا دو) تو اللہ تعالیٰ (تمہارے گناہوں کا) بخشنے والا، (اور تمہارے حال پر) رحم کرنے والا ہے (اس میں ترغیب ہے عفو کی اور یہ بعض اوقات واجب ہے جبکہ عقوبت سے احتمال غالب ہے باقی کا ہو، اور بعض اوقات مستحب ہے، آگے اولاد کے ساتھ اموال کے متعلق بھی اسی قسم کا مضمون ہے کہ) تمہارے اموال اور اولاد پس تمہارے لئے ایک آزمائش کی چیز ہے (کہ دیکھیں کون ان میں پرہیزگار کے احکام کو بھول جاتا ہے اور کون یاد رکھتا ہے) اور (جو شخص ان میں پرہیزگار کو یاد رکھے گا تو) اللہ کے پاس (اس کے لئے) بڑا اجر ہے تو ان سب باتوں کو سن کر جہاں تک تم سے ہو سکے اللہ سے ڈرتے رہو اور (اس کے احکام) سنو اور مانو اور (بالخصوص مواقع حکم میں) خرچ (بھی) کیا کرو یہ تمہارے لئے بہتر ہوگا (غالباً اس کی تخصیص اس لئے ہے کہ یہ نفس پر زیادہ مشاق ہے) اور جو

شخص نفسانی حرص سے محفوظ رہا ایسے ہی ایک (آخرت میں) فلاح پانے والے ہیں آگے اس کے بہتر اور اور موجب فلاح ہونے کا بیان ہے کہ، اگر تم اللہ کو اچھی طرح (خلوص کے ساتھ) قرض دو گے تو وہ اس کو تمہارے لئے بڑھاتا چلا جائے گا اور تمہارے گناہ بخش دیے گا، اور اللہ بڑا قادر دان ہے (کہ عمل صالح کو قبول فرماتا ہے اور) برابر دہا رہے (کہ عمل معصیت پر فی الفور مواخذہ نہیں فرماتا اور) پوشیدہ اور ظاہر (اعمال) کا جاننے والا ہے (اور) زبردست ہے (اور) حکمت والا ہے (شکوہ سے حکیم) تک تمام مضامین سورت کے لئے بمنزلہ علت کے ہیں کہ سب مضامین ان پر مرتب و متفرع ہو سکتے ہیں)

معارف و مسائل

مَا أَصَابَ مِنْ مُصِيبَةٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ وَمَنْ يُؤْمِنْ بِاللَّهِ يَهْدِ اللَّهُ قَلْبَهُ "یعنی کسی کو کوئی مصیبت اللہ کے اذن کے بغیر نہیں پہونچتی اور جو شخص اللہ پر ایمان لاتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے قلب کو ہدایت فرما دیتا ہے" مطلب یہ ہے کہ یہ امر تو اپنی جگہ ایک یقینی حقیقت ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اذن و مشیت کے بغیر کہیں کوئی ذرہ بھی نہیں ہل سکتا، اللہ کے اذن کے بغیر نہ کوئی کسی کو نقصان دیکھ سکتا ہے نہ نفع اور راحت، مگر جس شخص کا اللہ پر اور اس کی تقدیر پر ایمان نہیں ہوتا مصیبت کے لئے وقت اس کے لئے قرار و سکون کا کوئی سامان نہیں ہوتا، وہ ازالہ مصیبت کے لئے ہاتھ پیر مارتا رہتا ہے، بخلاف مومن کے جس کا تقدیر الہی پر ایمان ہے اللہ تعالیٰ اس کے قلب کو اس پر مطمئن کر دیتا ہے کہ جو کچھ ہوا اللہ تعالیٰ کے اذن و مشیت سے ہوا، جو کچھ مصیبت مجھے پہونچی وہ پہونچی ہی تھی اس کو کوئی ٹلا نہیں سکتا، اور جس مصیبت سے نجات ہوئی وہ نجات ہونا ہی تھی، کسی کی مجال نہیں جو اس مصیبت کو مجھ پر ڈال دے، اس ایمان و اعتقاد کے نتیجہ میں اس کو آخرت کے ثواب کا وعدہ بھی سامنے ہوتا ہے جس سے دنیا کی بڑی سے بڑی مصیبت آسان ہو جاتی ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمِنَ آيَاتِ اللَّهِ لَدِكُمُ عَدُوٌّ وَأَنْتُمْ قَاعِدُونَ هُمُ

"یعنی اے مسلمانو! تمہاری بعض بیبیاں اور اولاد تمہارے دشمن ہیں، ان کے شر سے بچتے رہو" ترمذی و حاکم وغیرہ نے بسند صحیح حضرت ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے کہ یہ آیت ان مسلمانوں کے بارے میں نازل ہوئی جو ہجرت مدینہ کے بعد مکہ مکرمہ میں داخل اسلام ہوئے، اور ارادہ کیا کہ ہجرت کر کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو جائیں، مگر ان کے اہل و عیال نے ان کو نہ چھوڑا کہ ہجرت کر کے چلے جائیں۔ (روح)

(اور یہ زمانہ وہ تھا کہ مکہ سے ہجرت کرنا ہر مسلمان پر فرض تھا) قرآن کریم کی آیت مذکورہ میں ایسی بیوی اور اولاد کو انسان کا دشمن قرار دیا، اور ان کے شر سے بچتے رہنے کی تاکید فرمائی، کیونکہ

اس سے بڑا دشمن انسان کا کون ہو سکتا ہے جو اس کو ہمیشہ ہمیشہ کے عذاب اور جہنم کی آگ میں مبتلا کر دے۔ اور حضرت عطار بن ابی رباح کی روایت یہ ہے کہ یہ آیت عوف بن مالک اشجعی کے بارے میں نازل ہوئی، جن کا واقعہ یہ تھا کہ یہ مدینہ میں موجود تھے، اور جب کسی غزوہ و جہاد کا موقع آتا تو جہاد کے لئے جانے کا ارادہ کرتے تھے مگر ان کے بیوی بچے فساد کرنے لگتے کہ ہمیں کس پر چھوڑ کر جاتے ہو؟ یہ ان کی فساد سے متاثر ہو کر رک جاتے تھے (روح، ابن کثیر)

ان دونوں روایتوں میں کوئی تضاد نہیں، دونوں ہی آیت کا سبب نزول ہو سکتے ہیں، کیوں کہ اللہ کا فرض خواہ ہجرت ہو یا جہاد جو بیوی اور اولاد فرض کی ادائیگی میں مانع ہوں وہ اس کی دشمن ہیں۔ **وَإِنْ تَعَفُّواْ وَتَصْفَحُواْ وَتَغْفِرُواْ فَإِنَّ اللّٰهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ** سابقہ آیت میں جن کے بیوی بچوں کو دشمن قرار دیا ہے ان کو جب اپنی غلطی پر توبہ ہو تو ارادہ کیا کہ آئندہ اپنے اہل و عیال کے ساتھ سختی اور تشدد کا معاملہ کریں گے، اس پر آیت کے اس حصہ میں یہ ارشاد نازل ہوا کہ اگرچہ ان بیوی بچوں نے تمھارے لئے دشمن کا سا کام کیا کہ تمھیں ارادے فرض سے مانع ہوئے، مگر اس کے باوجود ان کے ساتھ تشدد اور بے رحمی کا معاملہ نہ کرو بلکہ عفو و درگزر اور معافی کا برتاؤ کرو تو یہ تمھارے لئے بہتر ہے، کیونکہ اللہ جل شانہ کی عادت بھی مغفرت و رحمت کی ہے۔

گناہگار بیوی بچوں سے مسئلہ: عطار نے اس آیت سے استدلال کیا کہ اہل و عیال سے کوئی کام خلافت بیزاری اور بغض نہیں چاہا شرع بھی ہو جائے تو ان سے ہزار ہو جانا اور ان سے بغض رکھنا یا ان کے لئے بددعا کرنا مناسب نہیں (روح)

إِنَّمَا آمَوَ الْكُفْرُ وَالْآلُ كُفْرٌ فِتْنَةٌ فتنہ کے معنی ابتلا اور امتحان کے ہیں، مراد آیت کی یہ ہے کہ مال و اولاد کے ذریعہ اللہ تعالیٰ انسان کی آزمائش کرتا ہے کہ ان کی محبت میں مبتلا ہو کر احکام و فرائض سے غفلت کرتا ہے، یا محبت کو اپنی حد میں رکھ کر اپنے فرائض سے غافل نہیں ہوتا، مال و اولاد انسان کے حقیقت یہ ہے کہ مال و اولاد کی محبت انسان کے لئے بڑا فتنہ اور آزمائش ہیں، انسان لئے بڑا فتنہ ہیں، اگر گناہوں میں خصوصاً حرام کمالی میں اپنی محبت کی وجہ سے مبتلا ہوتا ہے،

ایک حدیث میں ہے کہ قیامت کے روز بعض اشخاص کو لایا جائے گا اُس کو دیکھ کر لوگ کہیں گے :- **أَكَلْ عِيَالَهُ حَسَنَاتٍ** ”یعنی اُس کی نیکیوں کو اس کے عیال نے کھا لیا“ (روح) ایک حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اولاد کے بارے میں فرمایا **مَبْتَخَلَةٌ مَّجْبُوتَةٌ** ”یعنی یہ بچل اور جبن یعنی نامردی اور کمزوری کے اسباب ہیں“ کہ ان کی محبت کی وجہ سے آدمی اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنے سے رکتا ہے، انہی کی محبت کی وجہ سے جہاد میں شرکت سے رہ جاتا ہے، بعض سلف صالحین کا قول ہے **أَلْعِيَالُ سُوْسُ الطَّاعَاتِ** ”یعنی عیال انسان کی نیکیوں کے لئے گھن ہے“ جیسا گھن غلہ کو کھا جاتا ہے یہ اس کی نیکیوں کو

”کھا جاتے ہیں“

”كَانُوا اللَّهُ مَا اسْتَطَعُوا“ یعنی تقویٰ اختیار کرو مقدور ہو۔ جب آیت اَتَقُوا اللَّهَ حَتَّىٰ تَقَاتِبَ نازل ہوئی جس کے معنی یہ ہیں کہ اللہ سے ایسا تقویٰ اختیار کرو جیسا کہ اللہ کا حق ہے، ”توصاہبہ کرامؓ پر بہت بھاری اور شاق ہوا کہ اللہ کے حق کے مطابق تقویٰ کس کے بس میں ہے، اس پر یہ آیت نازل ہوئی جس نے بتلادیا کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اس کی طاقت اور مقدور سے زیادہ تکلیف نہیں دی، تقویٰ بھی اپنی طاقت کے مطابق واجب ہے، مقصد یہ ہے کہ حصولِ تقویٰ میں اپنی پوری توانائی اور کوشش کر لے تو اس سے اللہ کا حق ادا ہو جائے گا (روحِ ملخصاً)

تَمَّتْ سُورَةُ الْغَايَةِ بِإِذْنِ اللَّهِ الْجَدِيدِ

سُورَةُ الطَّلَاقِ

سُورَةُ الطَّلَاقِ مَدَنِيَّةٌ وَهِيَ اثْنَا عَشَرَ آيَةً وَفِيهَا ذِكْرُكَ

سورة طلاق مدینہ میں نازل ہوئی اور اس کی بارہ آیتیں اور ذکر کوع ہیں

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا طَلَقْتُمُ النِّسَاءَ فَطَلِّقُوهُنَّ لِعَدَّتِهِنَّ وَأَحْصُوا الْعِدَّةَ

اے نبی جب تم طلاق دو عورتوں کو تو ان کو طلاق دو ان کی عدت پر اور گنتے رہو عدت کو

وَأَشْفُوا لِلَّهِ رَبِّكُمْ لَا تَخْرِجُوهُنَّ مِنْ بُيُوتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ إِلَّا أَنْ

اور دو اللہ سے جو سچا تمھارا رب ہے ان کو ان کے گھروں سے اور وہ بھی نہ نکلیں مگر جو

يَأْتِيَنَّ بِقَاحٍ شَهْءٍ مُبَيِّنَةٍ وَتِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ وَمَنْ يَتَعَدَّ حُدُودَ اللَّهِ

کریں صریح بے حیائی اور یہ حدیں ہیں باندھی ہوئی اللہ کی اور جو کوئی بڑھے اللہ کی حدوں سے

فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهُ لَا تَدْرِي لَعَلَّ اللَّهَ يُحْدِثُ بَعْدَ ذَلِكَ أَمْرًا ①

تو اس نے بڑا کیا اپنا اس کو خبر نہیں شاید اللہ پیدا کر دے اس طلاق کے بعد نئی صورت پھر جب

بَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَأَمْسِكُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ أَوْ فَارِقُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ وَأَشْهِدُوا

پہنچیں اپنے وعدہ کو تو رکھ لو ان کو دستور کے موافق یا چھوڑ دو ان کو دستور کے موافق اور گواہ کرلو

ذَوِي عَدْلٍ مِّنْكُمْ وَأَقِيمُوا الشَّهَادَةَ لِلَّهِ ذَلِكُمْ يُوعَظُ بِهِ مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ

دو معتبر اپنے میں کے اور سیدھی ادا کرو گواہی اللہ کے واسطے یہ بات جو ہے اس سے سمجھ جائیگا جو کوئی یقین رکھتا

بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَلْ لَهُ مَخْرَجًا ② وَيَرْزُقْهُ مِنْ

ہوگا اللہ پر اور پچھلے دن پر اور جو کوئی ڈرتا ہے اللہ سے وہ کر دے اسکا گزارہ اور روزی دے اس کو

حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ وَمَنْ يَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ فَهُوَ حَسْبُهُ ③ إِنَّ اللَّهَ بَالِغُ أَمْرِهِ

جہاں سے اسکو خیال بھی نہ ہو اور جو کوئی بھروسہ رکھے اللہ پر تو وہ اسکو کافی ہے، تحقیق اللہ پورا کر لیتا ہے اپنا کام

قَدْ جَعَلَ اللَّهُ لِكُلِّ شَيْءٍ قَدْرًا ④ وَالَّذِي يُكْسِنُ مِنَ النِّحْيِضِ مِنْ

اللہ نے رکھا ہے ہر چیز کا اندازہ اور جو عورتیں نا امید ہو گئیں حیض سے

نِسَائِكُمْ إِنْ ارْتَبْتُمْ فَعِدَّتُهُنَّ ثَلَاثُ أَشْهُرٍ ⑤ وَالَّذِي لَمْ يَحْضَنْ وَأُولَاتُ

تمھاری عورتوں میں اگر تم کو شبہ رہ گیا تو ان کی عدت ہے تین مہینے اور ایسے ہی جن کو حیض نہیں آیا اور جن کے

الْأَحْمَالُ أَجَلُهُنَّ أَنْ يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ⑥ وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَلْ لَهُ مِنْ

پیش میں بچہ ہے ان کی عدت یہ کہ جن میں پیش کا بچہ اور جو کوئی ڈرتا ہے اللہ سے کر دے اس کے نام میں

اَمْرُهُ يُسْرًا ۴) ذٰلِكَ اَمْرُ اللّٰهِ اَنْزَلَهُ اِلَيْكُمْ وَمَنْ يَشَقَّ اللّٰهُ يَكْفُرْ عَنْهُ

آسانی یہ حکم ہے اللہ کا جو اتارا تمہاری طرف اور جو کوئی دشوار ہے اللہ سے اتار دے اس پر

سَيَاتِهِ وَيُعْظَمُ لَهُ اَجْرًا ۵) اَسْكِنُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنْتُمْ مِنْ وُجُوْهِكُمْ

اسکی بڑائیاں اور بڑا دے اس کو ثواب ان کو گھر دو رہنے کے واسطے جہاں تم آپ رہو اپنے مقدور کے موافق

وَلَا تَضَارُّوْهُنَّ لِتُضَيِّقُوْا عَلَيْهِنَّ ۚ وَاِنْ كُنَّ اُولَاتٍ حَمِلٌ فَلْيَقُوْا

اور ایذا دینا نہ چاہو ان کو تاکہ تنگ نہ آو ان کو اور اگر رکھتی ہوں پیٹ میں بچہ تو ان پر

عَلَيْهِنَّ حَتّٰى يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ۚ فَاِنْ اَرْضَعْنَ لَكُمْ فَارْتُوْهُنَّ اَجُوْرَهُنَّ ۚ

خرچ کر دو جب تک جنیں پیٹ کا بچہ پھر اگر وہ دودھ پلائیں تمہاری خاطر، تو دودھ ان کو ان کا بدلہ

وَاَتِمُّوْا بَيْنَكُمْ بِمَعْرُوْفٍ ۚ وَاِنْ تَعَاَسَرْتُمْ فَمَنْ دُضِعْ لَكُمْ اُخْرٰى ۖ لِيُنْفِقْ

اور سکھاؤ آپس میں نیکی اور اگر ضد کرو آپس میں تو دودھ پلائے گی اسکی خاطر اور کوئی عورت چاہیے

ذُوْ سَعَةٍ مِّنْ سَعَتِهِ ۚ وَمَنْ قُدِّرَ عَلَيْهِ رِزْقُهُ فَلْيُنْفِقْ مِمَّا آتٰهُ اللّٰهُ

خرچ کرے وسعت والا اپنی وسعت کی موافق، اور جسکو پتی ملی ہے اسکی روزی تو خرچ کرے جیسا کہ دیا ہے اسکو اللہ نے

لَا يَكِلُفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا مَا اَتٰهَا ۚ سَيَجْعَلُ اللّٰهُ بَعْدَ عُسْرٍ يُسْرًا ۖ

اللہ کسی پر تکلیف نہیں رکھتا مگر اسی قدر جو اس کو دیا اب کر دے گا اللہ سختی کے پیچھے کچھ آسانی

خلاصہ تفسیر اے پیغمبر (آپ لوگوں سے کہہ دیجئے کہ) جب تم لوگ ایسی عورتوں کو طلاق دینے لگو (جن کے ساتھ

خلوت ہو چکی ہے کیونکہ عدت کا حکم ایسی عورتوں سے متعلق ہے جیسا کہ دوسری آیت میں ہے ثُمَّ طَلَقْتُمُوْهُنَّ

مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمْسُوْهُنَّ فَمَا لَكُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ ۚ) تو ان کو (زمانہ) عدت (یعنی حیض) سے پہلے (یعنی

طہر میں) طلاق دو (اور یہاں حدیث صحاح سے ثابت ہے کہ اس طہر میں صحبت نہ ہو جس میں طلاق دینا ہے)

اور (طلاق دینے کے بعد) تم عدت کو یاد رکھو (یعنی مرد و عورت سب یاد رکھیں، لیکن خطاب میں تخصیص

صیغہ مذکر کی اشارہ اس طرف ہے کہ عورتوں میں غفلت غالب ہوتی ہے تو مردوں کو بھی اسکا اہتمام رکھنا

چاہیے، کما فی المدا رک) اور اللہ سے ڈرتے رہو جو تمہارا رب ہے (یعنی ان ابواب میں جو اسکے احکام ہیں ان

کے خلاف نہ کرو۔ مثلاً یہ کہ تین طلاق دفعۃً مت دو اور یہ کہ حالت حیض میں طلاق مت دو جیسا کہ احادیث

صحیحہ میں آیا ہے، اور یہ کہ عدت میں) ان عورتوں کو ان کے (رہنے کے) گھروں سے مت نکالو (کیونکہ مسکنی

یعنی حق سکونت مطلقہ کا مثل منکوحہ کے واجب ہے) اور نہ وہ عورتیں خود نکلیں (کیونکہ مسکنی محض شور

کا حق نہیں ہے جو اس کی رضا سے ساقط ہو جاوے بلکہ حق الشرع ہے) مگر ہاں کوئی کھلی بیہیائی کریں

تو اور بات ہے (یعنی مثلاً منکب بدکاری یا سر قہ کی ہوں تو سزا کے لئے نکالی جاویں یا بقول بعض عمار

زبان دازی اور ہمہ وقت کا تکرار رکھتی ہوں تو ان کو نکال دینا جائز ہے) اور یہ سب خدا کے مقرر

۲۸

کئے ہوئے احکام ہیں اور جو شخص احکام خداوندی سے تجاوز کر گیا (مثلاً اس عورت کو گھر سے نکال دیا) اس کے اپنے اور ظلم کیا (یعنی گناہگار ہوا) آگے طلاق دینے والے کو ترغیب دیتے ہیں کہ طلاق میں طلاقِ رجعی بہتر ہے پس ارشاد ہے کہ اسے طلاق دینے والے) تجھ کو خبر نہیں شاید اللہ تعالیٰ بعد اس (طلاق دینے) کے کوئی نئی بات (تیرے دل میں) پیدا کر دے (مثلاً طلاق پر ندامت ہو تو طلاقِ رجعی میں اسکا تدارک آسانی سے ہو سکے گا) پھر جب وہ (مطلقہ) عورتیں (جبکہ ان کو طلاقِ رجعی دی ہو بقرینہ فاسکدہ) اپنی عدت گزرنے کے قریب پہنچ جاویں (اور عدت ختم نہیں ہوئی) تو (تم کو دو اختیار ہیں یا تو) ان کو قاعدہ کی موافق (رجعت کر کے) نکاح میں رہنے دو یا قاعدہ کے موافق ان کو رہائی دو (یعنی انقضائے عدت تک رجعت نہ کرو مطلب یہ کہ تیسری بات مست کرو کہ رکھنا بھی مقصود نہ ہو مگر تطویل عدت کے ذریعہ عورت کو تکلیف پہنچانی غرض سے رجعت کر لو) اور (جو کچھ بھی کرو مرافقت یا مفارقت اس پر) آپس میں سے دو مستبر شخصوں کو گواہ کر لو۔ (پس متوہ ہے کذا فی الہدایہ والنہایہ رجعت میں تو اس لئے کہ بعد انقضائے عدت کبھی عورت اختلاف نہ کرنے لگے اور مفارقت میں اسلئے کہ کبھی اپنا نفس شرارت نہ کرنے لگے کہ جھوٹا دعویٰ کر دے کہ میں رجعت کر چکا تھا) اور (اسے گواہ اگر گواہی کی حاجت پڑے تو) تم ٹھیک ٹھیک اللہ کے واسطے (بلاؤ و در عایت) گواہی دو۔ اس مضمون سے اس شخص کو نصیحت کی جاتی ہے جو اللہ پر اور یوم قیامت پر یقین رکھتا ہو (مطلب یہ کہ ایماندار ہی نصائح سے منتفع ہوتے ہیں اور یوں تو نصائح سب کے لئے عام ہیں) اور (اوپر جو تقویٰ کا حکم ہے احکام کے بعد اس کی متعدد فضیلتیں ارشاد فرماتے ہیں، اول فضیلت یہ کہ) جو شخص اللہ سے ڈرتا ہو اللہ تعالیٰ اس کے لئے (مضرتوں سے) نجات کی شکل نکال دیتا ہے اور (منافع عطا فرماتا ہے چنانچہ ایک بڑی منفعت ہے رزق، سو) اس کو ایسی جگہ سے رزق پہنچاتا ہے جہاں اسکا گمان بھی نہیں ہوتا، اور (ایک شعبہ اس تقویٰ کا توکل ہے اس کی یہ خاصیت ہے کہ) جو شخص اللہ پر توکل کر گیا تو اللہ تعالیٰ اس (کی اصلاح مہات) کے لئے کافی ہے (یعنی اپنی کفایت کا اثر خاص اصلاح مہات میں ظاہر فرماتا ہے ورنہ اسکی کفایت تو تمام عالم کے لئے عام ہے اور یہ اصلاح مہات بھی عام ہے حتّٰی ہو یا باطناً ہو کیونکہ) اللہ تعالیٰ اپنا کام (جس طرح چاہتا ہے) پورا کر کے رہتا ہے (اور اسی طرح اصلاح مہات کا وقت بھی اُسی کے ارادہ پر ہے کیونکہ) اللہ تعالیٰ نے ہر شے کا ایک انداز (اپنے علم میں) مقرر کر رکھا ہے (اور اسی کے موافق اس کو واقع کرنا قرین حکمت ہوتا ہے آگے پھر عود ہے احکام کی طرف یعنی اوپر تو عدت کا اجمالاً ذکر تھا) اور (تفصیل اسکی آگے ہے وہ یہ کہ) تمہاری (مطلقہ) بیبیوں میں سے جو عورتیں (بوجہ زیادت عمر کے) حیض آنے سے ناامید ہو چکی ہیں اگر تم کو (ان کی عدت کے تعین میں) شبہ ہو (جیسا کہ واقع میں شبہ ہوا تھا اور پوچھا تھا) تو انکی عدت تین مہینے ہیں اور اسی طرح جن عورتوں کو (اب تک بوجہ کم عمری کے) حیض نہیں آیا (ان کی عدت بھی تین مہینے ہیں) اور حاملہ عورتوں کی عدت ان کے اس حل کا پیدا ہو جانا ہے (خواہ کامل ہو یا ناقص بشرطیکہ کوئی

عضو بن گیا ہو گو ایک انگلی ہی ہے) اور (چونکہ تقویٰ خود بھی مہتمم بالشان ہے اور احکام مذکورہ میں جو کہ متعلق بمعاملات دُنیا ہیں عام طبائع میں خیال ہو سکتا ہے کہ ان دُنوی معاملات کو دین سے کیا تعلق ہم جس طرح چاہیں کر لیں اسلئے آگے پھر تقویٰ کا مضمون ہے یعنی) جو شخص اللہ سے ڈرے اللہ تعالیٰ اس کے ہر کام میں آسانی کر دے گا (آخرت کی یا دُنیا کی ظاہر آیا باطناً، آگے پھر تاکید امثال احکام کے لئے ارشاد ہے کہ) یہ (جو کچھ مذکور ہوا) اللہ کا حکم ہے جو اس نے تمہارے پاس بھیجا ہے اور جو شخص (ان معاملات میں اور دوسرے امور میں بھی) اللہ تعالیٰ سے ڈرے گا اللہ تعالیٰ اس کے گناہ دُور کر دے گا (جو سب سے بڑی مضرت سے نجات ہے) اور اس کو بڑا اجر دے گا (جو سب سے بڑی منفعت کا حصول ہے، آگے پھر مطلقات کے احکام کا بیان ہے یعنی عدت میں علاوہ عدم تطویل عدت اور حق سُکنی کے ان کے کچھ اور حقوق بھی ہیں وہ یہ کہ) تم ان (مطلقہ) عورتوں کو اپنی وسعت کے موافق رہنے کا مکان دو جہاں تم رہتے ہو (یعنی عدت میں سُکنی بھی مطلقہ کا واجب ہے البتہ طلاق بائن میں ایک مکان میں خلوت کے ساتھ دونوں کا رہنا جائز نہیں بلکہ پردہ حائل ہونا ضرور ہے) اور ان کو تنگ کرنے کے لئے (سُکنی کے بارے میں) تکلیف مت پہنچاؤ (مثلاً کوئی ایسی بات کرنے لگو جس سے وہ پریشان ہو کر نکل جائیں) اور اگر وہ (مطلقہ) عورتیں حمل والیاں ہوں تو حمل پیدا ہونے تک ان کو (کھانے پینے کا) خرچ دو (بخلاف غیر حمل والیوں کے کہ ان کے نفقہ کی حد تین حیض یا تین ماہ ہیں۔ اور یہ احکام تو عدت کے متعلق تھے) پھر اگر (عدت کے بعد) وہ (مطلقہ) عورتیں (جبکہ پہلے سے بچہ والیاں ہوں یا بچہ ہی پیدا ہونے سے ان کی عدت ختم ہوئی ہو) تمہارے لئے (بچہ کو اُجرت پر) دودھ پلا دیں تو تم ان کو (مقررہ) اُجرت دو اور (اُجرت کے بارے میں) باہم مناسب طور پر مشورہ کر لیا کرو (یعنی نہ تو عورت اس قدر زیادہ مانگے کہ مرد کو دوسری آٹا ڈھونڈھنی پڑے اور نہ مرد اس قدر کم دینا چاہے کہ عورت کا کام نہ چل سکے بلکہ حتیٰ الامکان دونوں اس کا خیال رکھیں کہ ماں ہی دودھ پلا دے کہ بچہ کی اس میں زیادہ مصلحت ہے) اور اگر تم باہم کشمکش کر دو گے تو کوئی دوسری عورت دودھ پلا دے گی (مقصود اس خبر سے امر ہے یعنی اور کسی آٹا کو تلاش کر لیا جاوے نہ ماں کو مجبور کیا جاوے نہ باپ کو اور صورتِ خیر میں یہ نکتہ ہے کہ مرد کو کم اُجرت تجویز کرنے پر عتاب ہے کہ آخر کوئی عورت پلا دے گی اور وہ بھی غالباً بہت کم نہ لے گی پھر یہ کمی ماں ہی کے لئے کیوں تجویز کی جاوے اور عورت کو زیادہ اُجرت مانگنے پر عتاب ہے کہ تو نہ پلا دے گی اور کوئی میسر ہو جاوے گی کیا دُنیا میں ایک تو ہی ہے جو اس قدر گراں بنتی ہے آگے بچہ کے نفقہ کے بارے میں ارشاد ہے کہ) وسعت والے کو اپنی وسعت کے موافق (بچہ پر) خرچ کرنا چاہیے اور جس کی آمدنی کم ہو تو اس کو چاہیے کہ اللہ نے اس کو قبضہ دیا ہے اس میں سے خرچ کرے (یعنی امیر آدمی اپنی حیثیت کے موافق خرچ اُٹھا دے اور غریب آدمی اپنی حیثیت کے موافق کیونکہ) خدا تعالیٰ کسی شخص کو اس سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا جتنا اس کو دیا ہے (اور غلگست آدمی خرچ کرنا ہوا اس سے نہ ڈرے کہ خرچ کرنے سے بالکل ہی کچھ نہ رہے گا جیسا بعض آدمی اس خوف سے اولاد کو قتل کر ڈالتے ہیں

پس ارشاد ہے کہ (خدا تعالیٰ تنگی کے بعد جلدی فراغت بھی دیدیگا) گو بقدر ضرورت و حاجت روای ہستی، و ہذا
 کفرہ تعالیٰ وَلَا تَقْتُلُوا أَوْلَادَكُمْ خَشِیۡۃً اِمْلَاقٍ فَمَنْ زَنٰهُ فَمِنْ زَوٰجِہِہٖ فَاِذَا کَفَرَ

معارف و مسائل

نکاح و طلاق کی شرعی حیثیت | معارف القرآن جلد اول ص ۵ میں سورۃ بقرہ کی تفسیر میں اسی عنوان مذکور کے
 اور ان کا حکیمانہ نظام | تحت میں پوری تفصیل لکھی جا چکی ہے اس کو ملاحظہ فرمائیں جسکا خلاصہ یہ ہو کہ
 نکاح و طلاق کا معاملہ ہر مذہب ملت میں عام معاملات بیع و شراء اور اجارہ کی طرح نہیں کہ طرفین کی رضامندی
 سے جس طرح چاہیں کر لیں بلکہ ہر مذہب و ملت کے لوگ ہمیشہ سے اس پر متفق ہیں کہ ان معاملات کو ایک خاص
 مذہبی تقدس حاصل ہے اسی کی ہدایات کے تحت یہ کام سرانجام پانے چاہئیں۔ اہل کتاب یہود و نصاریٰ
 تو بہر حال ایک آسمانی دین اور آسمانی کتاب سے نسبت رکھتے ہیں ان میں سیکڑوں تحریفات کے باوجود اتنی
 قدر مشترک اب بھی باقی ہے کہ ان معاملات میں کچھ مذہبی حدود و قیود کے پابند ہیں۔ کفار و مشرکین جو کوئی آسمانی
 کتاب اور مذہب نہیں رکھتے مگر کسی نہ کسی صورت میں خدا تعالیٰ کے قائل ہیں جیسے ہندو، آریہ، سکھ، مجوس
 آتش پرست، نجوم پرست لوگ وہ بھی نکاح و طلاق کے معاملات کو عام معاملات بیع و شراء یا اجارہ کی طرح
 نہیں سمجھتے ان کے یہاں بھی کچھ مذہبی رسوم ہیں جن کی پابندی ان معاملات میں لازم سمجھتے ہیں اور انھیں اصول
 و رویہ تمام مذاہب فرق کے عالمی قوانین چلتے ہیں۔

صرف دہریہ اور لامذہب منکر خدا لوگوں کا ایک فرقہ ہے جو خدا و مذہب ہی سے بیزار ہے وہ ان چیزوں
 کو بھی اجارہ کی طرح یا بھی رضامندی سے طے ہو جانے والا ایک معاملہ قرار دیتے ہیں جسکا مقصد اپنے شہوانی
 جذبات کی تسکین سے آگے کچھ نہیں۔ افسوس ہے کہ آجکل دنیا میں یہی نظریہ عام ہوتا جاتا ہے جسے انسانوں
 کو جنگل کے جانوروں کی صف میں کھر کر دیا ہے اِنَّا لِلّٰہِ وَاِلَیْہِ رَاجِعُونَ۔

شریعت اسلام ایک مکمل اور پاکیزہ نظام حیات کا نام ہے۔ اس میں نکاح کو صرف ایک معاملہ اور
 معاہدہ نہیں بلکہ ایک گونہ عبادت کی حیثیت بخشی ہے جس میں خالق کائنات کی طرف سے انسانی فطرت
 میں رکھے ہوئے شہوانی جذبات کی تسکین کا بہترین اور پاکیزہ سامان بھی ہے اور مرد و عورت کے ازدواجی
 تعلقات سے جو عمرانی مسائل بقائے نسل اور تربیت اولاد کے متعلق ہیں ان کا بھی معتدلانہ اور حکیمانہ بہترین
 نظام موجود ہے۔

اور چونکہ معاملہ ازدواج کی درستی پر عام نسل انسانی کی درستی موقوف ہے اسلئے قرآن کریم میں ان عالمی
 مسائل کو تمام دوسرے معاملات سے زیادہ اہمیت دی ہے۔ قرآن کریم کو بغور پڑھنے والا یہ عجیب مشاہدہ
 کرے گا کہ دنیا کے عام معاشی مسائل میں سب سے اہم تجارت شرکت اجارہ وغیرہ ہیں۔ قرآن حکیم نے

ان کے تو صرف اصول بتلانے پر اکتفا فرمایا ہے ان کے فردعی مسائل قرآن میں شاذ و نادر ہیں۔ بخلاف نیکاح و طلاق کے کہ انہیں صرف اصول بتلانے پر اکتفا نہیں فرمایا بلکہ انکے بیشتر فردعی اور جزئیات کو بھی برادرا حق تعالیٰ نے قرآن کریم میں نازل فرمایا ہے۔

یہ مسائل قرآن کی اکثر سورتوں میں متفرق اور سورۃ نسا میں کچھ زیادہ تفصیل سے آئے ہیں یہ سورت جو سورۃ طلاق کے نام سے موسوم ہے اس میں خصوصیت سے طلاق اور عدت وغیرہ کے احکام کا ذکر ہے اسی لئے بعض روایات حدیث میں اسکو سورۃ نسا صغریٰ بھی کہا گیا ہے یعنی چھوٹی سورۃ نسا (قرطبی بحوالہ بخاری) اسلامی اصول کا رخ یہ ہے کہ جن مرد و عورت میں اسلامی اصول کے مطابق ازدواجی تعلق قائم ہو وہ پائیدار اور عمر بھر کا رشتہ ہو جس سے ان دونوں کا دنیا و دین بھی درست ہو اور ان سے پیدا ہونے والی اولاد کے اعمال و اخلاق بھی درست ہوں۔ اسی لئے نیکاح کے معاملے میں شروع سے آخر تک ہر قدم پر اسلام کی ہدایات یہ ہیں کہ اس تعلق کو تلخیوں اور رنجشوں سے پاک صاف رکھنے کی اور اگر کبھی پیدا ہو جائے تو انکے ازالہ کی پوری کوشش کی گئی ہے۔ لیکن ان تمام کوششوں کے باوجود بعض اوقات طرفین کی زندگی کی فلاح اسی میں منحصر ہو جاتی ہے کہ یہ تعلق ختم کر دیا جائے جن مذاہب میں طلاق کا اصول نہیں ہے انہیں ایسے اوقات میں سخت مشکلات کا سامنا ہوتا ہے اور بعض اوقات انتہائی بُرے نتائج سامنے آتے ہیں اسلئے اسلام نے قوانین نیکاح کی طرح طلاق کے بھی اصول و قواعد مقرر فرمائے مگر ساتھ ہی یہ ہدایات بھی دیدیں کہ طلاق اللہ تعالیٰ کے نزدیک نہایت مبغوض و مکروہ کام ہے جہاں تک ممکن ہو اس سے پرہیز کرنا چاہیے، حدیث میں بروایت حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حلال چیزوں میں سب سے زیادہ مبغوض اللہ کے نزدیک طلاق ہے اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت ہے کہ بنی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تَزَوُّجًا وَلَا تَطْلُقًا اِنَّ الطَّلَاقَ يَهْتَدِ مِنْهُ عَرَشُ السَّجْنِ، یعنی نیکاح کرو اور طلاق نہ دو کیونکہ طلاق سے عرشِ رحمن بھجنا ہے اور حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عورتوں کو طلاق نہ دو بغیر کسی بدکاری کے کیونکہ اللہ تعالیٰ ان مردوں کو پسند نہیں کرتا جو صرف ذائقہ چکھنے والے ہیں اور اُن عورتوں کو پسند نہیں کرتا جو صرف ذائقہ چکھنے والی ہیں (قرطبی بروایت شعبی) اور دارقطنی نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ نے زمین پر جو کچھ پیدا فرمایا ہے اُن سب میں اللہ کے نزدیک محبوب غلاموں کو آزاد کرنا ہے، اور جتنی چیزیں زمین پر پیدا کی ہیں اُن سب میں مبغوض و مکروہ طلاق ہے (از قرطبی)

بہر حال اسلام نے اگرچہ طلاق کی حوصلہ افزائی نہیں کی بلکہ تا بمقدور اُس سے روکا ہے لیکن بعض ضرورت کے مواقع میں اجازت دی تو اُس کے لئے کچھ اصول و قواعد بنا کر اجازت دی۔ جبکا حاصل یہ ہو کہ اس رشتہ ازدواج کو ختم ہی کرنا ضروری ہو جائے تو وہ بھی خوبصورتی اور حُسن معاملہ کیساتھ انجام پائے

محض غصہ نکالنے اور استقامی جذبات کا کھیل بنانے کی صورت نہ بننے پائے۔ اس سورت میں احکام طلاق کو اس طرح شروع کیا گیا کہ اَوَّلُ رَسُوْلٍ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کو یَاٰیہَا النَّبِیُّ کے عنوان سے خطاب کیا گیا جو امام قرطبی کے بیان کے مطابق ان مواقع میں استعمال ہوتا ہے جہاں حکم تمام امت کیلئے عام ہو اور جس جگہ کوئی حکم رسول کی ذات سے متعلق ہوتا ہے تو وہاں یَاٰیہَا الرَّسُوْلُ سے خطاب کیا جاتا ہے۔

اس جگہ یَاٰیہَا النَّبِیُّ کا تقاضا یہ تھا کہ آگے بھی بصیغہ مفرد احکام کا بیان ہوتا مگر یہاں اسکے خلاف بصیغہ جمع خطاب فرمایا اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ جو اگرچہ بلا واسطہ خطاب نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کو ہے اور بصیغہ جمع خطاب کرنے میں آنحضرت صلی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی تعظیم و تکریم بھی ہے ساتھ ہی اس طرف اشارہ بھی کہ یہ حکم آپ کے لئے مخصوص نہیں تمام امت اس میں شریک ہے۔

اور بعض حضرات نے اس جگہ جملہ محذوف قرار دیکر آیت کی تفسیر یہ کی ہے یَاٰیہَا النَّبِیُّ قُلْ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ، یعنی اے نبی آپ مسلمانوں کو بتلا دیں کہ جب وہ طلاق دیا کریں تو آگے بیان کئے ہوئے قانون کی پابندی کریں۔ اور خلاصہ تفسیر میں اسی کو اختیار کیا گیا ہے۔ آگے بعض احکام طلاق کا بیان ہے۔

پہلا حکم طَلَّقُوْهُنَّ اِِذَا طَلَّقْتُمْ، عدت کے لفظی معنی عدد شمار کرنے کے ہیں۔ شرعی اصطلاح میں اُس مدت کو کہا جاتا ہے جس میں عورت ایک شوہر کے نکاح سے نکلنے کے بعد دوسرے نکاح سے ممنوع ہوتی ہے۔ اس مدت انتظار کو عدت کہا جاتا ہے۔ اور کسی شوہر کے نکاح سے نکلنے کی صورتیں دو ہوتی ہیں۔ ایک یہ کہ شوہر کا انتقال ہو جائے، اس کی عدت کو عدتِ وفات کہا جاتا ہے جو غیر حاملہ کے لئے چار ماہ دس دن مقرر ہے۔ دوسری صورت نکاح سے نکلنے کی طلاق ہے۔ عدتِ طلاق غیر حاملہ عورت کیلئے امام اعظم ابوحنیفہ اور بعض دوسرے ائمہ کے نزدیک تین حیض پورے ہیں اور امام شافعی اور بعض دوسرے ائمہ کے نزدیک تین طہر عدت طلاق ہے بہر حال اُس کے لئے کچھ ایام یا مہینے مقرر نہیں جتنے مہینوں میں تین حیض یا تین طہر پورے ہو جاویں وہ ہی عدتِ طلاق ہوگی۔ اور جن عورتوں کو ابھی کم عمری کی وجہ سے حیض نہیں آیا یا زیادہ عمر ہو جانے کے سبب حیض منقطع ہو چکا ہے اُن کا حکم آگے مستقلاً آ رہا ہے اور اسی طرح حمل والی عورتوں کا حکم بھی آگے آ رہا ہے اس میں عدتِ وفات اور عدتِ طلاق دونوں یکساں ہیں۔ طَلَّقُوْهُنَّ اِِذَا طَلَّقْتُمْ، اور صحیح مسلم کی حدیث میں ہے کہ رسول اللّٰہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے اس کو طَلَّقُوْهُنَّ اِِذَا طَلَّقْتُمْ فرمایا اور حضرت ابن عمرؓ اور ابن عباس رضی اللّٰہُ عنہما کی قرأت میں بھی ایک روایت میں اِِذَا طَلَّقْتُمْ اور دوسری ایک روایت میں فِیْ قَبْلِ اِِذَا طَلَّقْتُمْ منقول ہے (روح)

اور صحیحین بخاری و مسلم میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے اپنی عورت کو بحالت حیض طلاق دیدی تھی۔ حضرت فاروق اعظمؓ نے اسکا ذکر رسول اللّٰہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم سے کیا تو آپ سخت

ناراض ہوئے پھر فرمایا،

لَا رَاجِعَ لَهَا فِيمَا كَانَتْ تَطْهَرُ ثُمَّ خِيفَ فِطْرُهَا
فَإِنْ بَدَّالَهُ فَلْيُطْلَقْهَا طَاهِرًا قَبْلَ أَنْ يَمْسُهَا
فَتَلَاقَ الْعِدَّةُ الَّتِي أَمَرَهَا اللَّهُ تَعَالَى أَنْ
يُطْلَقَ بِهَا النِّسَاءُ

(بخاری و مسلم از منہری)

ان کو چاہیے کہ بحالت حیض دی ہوئی طلاق سے رجوع کر لیں
پھر اپنی زوجیت میں رکھیں یہاں تک کہ حیض سے طہارت
ہو جائے اور پھر اس کے بعد حیض آئے اُس حیض سے طہارت
ہو جائے اس وقت اگر طلاق دینا ہی ہے تو اس طہر میں مباشرت
وصحبت کئے بغیر طلاق دیدیں۔ یہی وہ عدت ہے جسکا اللہ تعالیٰ
نے آیت (مذکورہ) میں حکم دیا ہے۔

اس حدیث سے چند باتیں ثابت ہوئیں۔ اول یہ کہ حالت حیض میں طلاق دینا حرام ہے دوسرے یہ کہ اگر
کسی نے ایسا کر لیا تو اس طلاق سے رجعت کر لینا واجب ہے (بشرطیکہ طلاق قابل رجعت ہو جیسا کہ ابن عمرؓ کے
واقعہ میں تھی) تیسرے یہ کہ جس طہر میں طلاق دینا ہے اس میں عورت سے مباشرت وصحبت نہ ہو۔ چوتھے یہ کہ آیت
قرآن فَطَلَّقُوهُنَّ إِعْدًا تَوَہَّیْنَ کی یہی تفسیر ہے۔

آیت مذکورہ کی دونوں قرار توں سے پھر ایک روایت حدیث سے آیت مذکورہ کا یہ مفہوم متعین ہو گیا کہ
جب کسی عورت کو طلاق دینا ہو تو عدت شروع ہونے سے قبل طلاق دی جائے۔ امام اعظم ابو حنیفہؒ کے نزدیک
چونکہ عدت حیض سے شروع ہوتی ہے تو معنی آیت کے یہ قرار دیئے کہ جس طہر میں طلاق دینے کا ارادہ ہو وہیں
عورت سے مباشرت نہ کرے اور آخر طہر میں حیض شروع ہونے سے پہلے طلاق دیدے۔ اور امام شافعیؒ
وغیرہ کے نزدیک چونکہ عدت طہر ہی سے شروع ہوتی اسلئے اِیْتَابِلْ عِدَّتِہَا کا مفہوم یہ قرار دیا کہ بالکل شروع
طہر میں طلاق دیدی جائے اور یہ بحث کہ عدت تین حیض ہیں یا تین طہر اسکا بیان سورہ بقرہ کی آیت ثَلَاثًا
قُرْءٰن کی تفسیر میں گزر چکا ہے۔

بہر حال طلاق کے متعلق پہلا حکم اس آیت سے باجماع اُمت یہ ثابت ہوا کہ حالت حیض میں طلاق دینا
بھی حرام ہے اور ایسے طہر میں جس میں عورت کے ساتھ مباشرت وصحبت کر لی ہو اس میں بھی طلاق دینا حرام ہے
اور وجہ حرمت کی دونوں میں یہ ہے کہ ان دونوں صورتوں میں عورت کی عدت طویل ہو جائے گی جو اُس کے
لئے باعث تکلیف ہے کیونکہ جس حیض میں طلاق دی یہ حیض تو عدت میں شمار نہیں ہوگا بلکہ حیض کے ایام
پورے ہوں اور مذہب ابو حنیفہؒ کے مطابق اسکے بعد کا طہر بھی خالی گزرے پھر جب دوسرا حیض آئے تو
اس وقت عدت شروع ہوگی جس میں بڑی تطویل ہے اور مذہب شافعیؒ کے مطابق بھی کم از کم حیض کے بقیہ
ایام جو عدت سے پہلے گزر گئے وہ زیادہ ہو جائیں گے۔ طلاق کا یہ پہلا حکم ہی اس اہم ہدایت پر مشتمل ہے
کہ طلاق کوئی غصہ بکالنے یا انتقام کی چیز نہیں بلکہ بدرجہ مجبوری طرفین کی راحت کا انتظام ہے اسلئے طلاق
دینے کے وقت ہی سے اسکا خیال رکھنا ضروری ہے کہ عورت کو طول عدت کی بلا وجہ تکلیف نہ پہنچے۔

اور یہ حکم صرف ان عورتوں کے لئے ہیں جن پر عدت گزارنا حیض یا طہر سے لازم ہے اور جن عورتوں پر عدت واجب ہی نہیں مثلاً وہ عورت جس سے خلوت ہی ابھی تک نہیں ہوئی اُس پر سرے سے عدت ہی لازم نہیں اسکو حالت حیض میں بھی طلاق دیدی جائے تو جائز ہے اسی طرح وہ عورت جس کو کم عمری یا زیادتی عمر کے سبب حیض نہیں آتا اسلئے اُس کی عدت میں حیض و طہر کا کوئی اعتبار ہی نہیں بلکہ ان کی عدت مہینوں کے حساب سے تین ماہ ہے انکو کسی بھی حالت میں طلاق دیدی جائے یا صحبت و مباشرت کے بعد طلاق دیدی جائے سب جائز ہے جیسا کہ آئندہ آیات میں آ رہا ہے (از منظر ہی مع بعض تشریحات)

دُو مِسْكٰلٍ حُكْمٌ وَاَخْصُوا الْعِدَّةَ ۝۱۰ احصار کے معنے شمار کرنے کے ہیں۔ معنے آیت کے یہ ہیں کہ عدت کے ایام کو اہتمام کے ساتھ یاد رکھنا چاہیے ایسا نہ ہو کہ بھول میں پڑ کر اختتام عدت سے پہلے ہی ختم سمجھ لے۔ اور یہ ذمہ داری ایام عدت کو محفوظ رکھنے کی مرد و عورت دونوں پر عائد ہے مگر یہاں صیغہ مذکر استعمال کیا گیا کیونکہ عام طور پر جو احکام مرد و عورت میں مشترک ہیں انہیں عموماً خطاب بصیغہ مذکر ہی آتا ہے عورتیں تبعاً اس میں داخل سمجھی جاتی ہیں اور اس خاص مسئلہ میں وہ حکمت بھی ہو سکتی ہے جو خلاصہ تفسیر میں لکھی گئی ہے کہ عورتوں میں غفلت کا احتمال زیادہ ہے اسلئے براہ راست ذمہ داری مردوں پر ڈال دی گئی

تیسرا احکام لَا تَنْكِحُوهُنَّ مِنْ بَيْوتِهِنَّ وَلَا يَنْكِحُنَّ (نہ نکالو ان کو ان کے گھروں سے) اس میں لفظ بيوتهن میں (مکانات) کو ان عورتوں کے بیوت فرما کر اس طرف اشارہ کیا کہ جب تک ان کا حق سکنتی (سکونت) مرد کے ذمہ ہے اس گھر میں اسکا حق ہے اس میں سکونت کو بحال رکھنا کوئی احسان نہیں بلکہ ادائی واجب ہے بیوی کے حقوق میں سے ایک حق سکنتی بھی ہے۔ اس آیت نے بتلادیا کہ یہ حق صرف طلاق دیدینے سے ختم نہیں ہو جاتا بلکہ ایام عدت تک عورت کو اسی جگہ رہنے کا استحقاق ہے۔ اور ان کا گھر سے نکال دینا قبل تمام عدت کے ظلم و حرام ہے اسی طرح خود ان کے لئے باختیار خود ان گھروں سے نکل جانا بھی حرام ہے اگرچہ شوہر بھی اس کی اجازت دیدے کیونکہ ایام عدت اسی مکان میں گزارنا شوہر ہی کا حق نہیں بلکہ حق الشرعی ہے جو منجانب اللہ معتدہ پر لازم ہے (مذاہب و مذہب الحنفیہ ۲)

چوتھا حکم اِنَّ اَنْ يَّاتِيَنَّ بِفَاَحْشَةٍ مُّبَيَّنَةٍ، یعنی مقدمہ عورتوں کو ان کے گھروں سے نکالنا حرام ہے مگر اس میں سے یہ صورت مستثنیٰ ہے کہ عورت کسی کھلی بے حیائی میں مبتلا ہو جائے۔ اس کھلی بے حیائی سے کیا مراد ہے اس میں ائمہ تفسیر کے تین قول منقول ہیں۔

اولیٰ یہ کہ بے حیائی سے مراد خود ہی گھر سے نکل جانا ہے تو اس صورت میں یہ استثناء صرف صورت استثناء ہے جس سے خروج من البیت کی اجازت دینا مقصود نہیں بلکہ اس کی ممانعت کو اور زیادہ مؤکد کرنا ہے اسکی مثال ایسی ہے جیسے یہ کہا جائے کہ فلاں کام کسی کو نہیں کرنا چاہیے بجز اس کے کہ وہ آدمیت ہی سے نکل جائے، یا کہ اپنی ماں کو گالی نہ دو بجز اسکے کہ تم ماں کے بالکل ہی نافرمان ہو جاؤ

$\frac{1}{2}$

یہ نقصان عام ہے دینی بھی اور دنیاوی بھی، دینی نقصان تو اس خلافت شرع کرنے کا گناہ اور اس کا وبال آخرت ہے اور دنیاوی نقصان یہ ہے کہ جو شخص شرعی ہدایات کے بغیر طلاق دے بیٹھتا ہے وہ اکثر تین طلاقیں تک پہنچ جاتا ہے جس کے بعد آپس میں رجوع یا نکاح جدید بھی نہیں ہو سکتا اور آدمی اکثر طلاق دینے کے بعد پچھتا رہا ہے اور مصیبت جھیلتا ہے خصوصاً جبکہ صاحب اولاد بھی ہو، اس لئے یہ مصیبت دنیا ہی میں اپنی جان پر پڑی اور بہت سے لوگ جو بیوی کو تکلیف دینے اور نقصان پہنچانے کی نیت سے ظالمانہ طلاق دیتے ہیں گو اس کی تکلیف عورت کو بھی کچھ پہنچ جائے لیکن اس کے لئے ظلم پر ظلم اور دہرا وبال ہو جائے گا ایک اللہ کی مقرر کردہ حدود کو توڑنے کا دوسرے عورت پر ظلم کرنے کا جس کی حقیقت یہ ہے کہ ۷

پنداشت ستمگر جفا بر ما کرد ۛ برگردن دے بماند و بر ما بگذشت

لَا تَذَرْنِي لَعَلَّ اللَّهَ يُحْدِثَ لَكَ ذِكْرًا، یعنی تم نہیں جانتے شاید اللہ تعالیٰ اس غیظ و غضب کے بعد کوئی دوسری حالت پیدا فرمادیں کہ بیوی سے جو راحتیں ملتی تھیں اور اولاد کی پرورش اور گھر کے انتظام کی سہولتیں تھیں ان کا خیال کر کے تم پھر اپنی طلاق پر پچھتاؤ اور دوبارہ اس کو نکاح میں رکھنے کا ارادہ کرو تو دوبارہ نکاح میں رہنے کی صورت بھی ہو سکتی ہے جبکہ تم طلاق کے وقت حدود شرعیہ کی رعایت کرو کہ بلا وجہ طلاق کو بائن نہ کرو بلکہ رجعی رہنے دو جس میں رجعت کرنے کا شوہر کو اختیار ہوتا ہے رجعت کر لینے سے پہلے نکاح بدستور قائم رہ جاتا ہے اور یہ کہ تین طلاق تک نوبت نہ پہنچا دو جس کے بعد رجعت کا حق نہیں رہتا اور دونوں کی رضامندی کے باوجود آپس میں دوبارہ نکاح بھی شرعاً حلال نہیں ہوتا۔

فَإِذَا بَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَأَمْسِكُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ أَوْ فَارِقُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ، أَجَلَهُنَّ میں لفظ اجل بمعنی عدت ہے اور بلوغ اجل سے مراد عدت کا اختتام کے قریب ہونا ہے۔ طلاق کے متعلق پانچواں حکم اس آیت میں یہ ارشاد ہوا ہے کہ جب طلقة بیوی کی عدت ختم کے قریب پہنچے تو اب نکاح سے بخل جانے کا وقت آگیا اس وقت تک وقتی تاثرات اور غم و غصہ کی کیفیت بھی ختم ہو جانی چاہیے اس وقت پھر سنجیدگی کے ساتھ غور کرو کہ نکاح رکھنا بہتر ہے یا اسکا بالکل منقطع کر دینا اگر نکاح میں رکھنے کی رائے ہو جائے تو اس کو روک لو جس کی مسنون صورت اگلی آیت کے اشارہ اور حدیث کے ارشاد کے مطابق یہ ہے کہ زبان سے کہہ دو کہ میں نے اپنی طلاق سے رجوع کر لیا اور اس پر دو گواہ بھی بنا لو۔

اور اگر اب بھی یہی رائے قائم ہو کہ نکاح ختم کرنا ہے تو پھر اسکو خوبصورتی کے ساتھ آزاد کر دو۔ یعنی عدت ختم ہو جانے دو عدت پوری ہوتے ہی وہ آزاد ہو مختار ہو جائے گی۔

چھٹا حکم اختتام عدت کے وقت بیوی کو روکنا اور نکاح میں رکھنا طے ہو یا آزاد کر دینا، دونوں میں قرآن کریم نے معروف کی قید لگا دی ہے۔ معروف کے لفظی معنی پہچانا ہوا طریقہ اور مراد اس سے یہ ہے کہ جو طریقہ شریعت و سنت سے ثابت اور اسلام اور مسلمانوں میں عام طور پر معروف ہے وہ اختیار کر دہ یہ ہے کہ اگر نکاح میں رکھنا اور رجعت کرنا طے کر دو تو آگے اس کو زبانی یا عملی ایذا نہ پہنچاؤ اور اُس پر احسانِ جلاؤ اور اس کی جو عملی یا اخلاقی کمزوری طلاق کا سبب بن رہی تھی آگے خود بھی اُس پر صبر کر نکاح عزم کر لو تاکہ پھر وہ تلخی پیدا نہ ہو، اور اگر آزاد کرنا طے ہو تو اس میں معروف و مسنون طریقہ یہ ہے کہ اس کو ذلیل و خوار کر کے یا بڑبھلا کہہ کر گھر سے نہ نکالو بلکہ حُسنِ اخلاق کے ساتھ رخصت کرو۔ اور جیسا کہ قرآن کریم کی دوسری آیات سے ثابت ہے چلتے وقت اس کو کوئی جوڑا کپڑے کا دیکر رخصت کرنا کم از کم مستحب ضرور ہے، بعض صورتوں میں واجب بھی ہے جس کی تفصیل کتب فقہ میں ہے۔

ساقوا حکم آیت مذکورہ میں روکنے یا آزاد کرنے کے دو اختیار دینے سے نیز اس سے پہلی آیت میں لَعَلَّ اللّٰهُ يَجْعَلَ لَكُمْ مِنْكُمْ ذَلِكُمْ اَمْرًا سے ضمنی طور پر یہ مستفاد ہوا کہ منشاءِ ربانی یہ ہے کہ طلاق دینے کی مجبوری ہی پیش آجائے تو طلاق ایسی دی جائے جس میں رجعت کرنے کا حق باقی رہے جس کی مسنون صورت یہ ہے کہ صاف لفظوں میں صرف ایک طلاق دیدے اور اُس کے ساتھ اظہارِ غیظ و غضب کے لئے ایسا کوئی لفظ نہ بولے جو رشتہ نکاح کو بالکل منقطع کر دینے پر دلالت کرتا ہو مثلاً کہدے کہ میرے گھر سے نکل جاؤ۔ یا کہدے تمہیں بہت سخت طلاق دیتا ہوں یا کہدے کہ اب میرا تم سے کوئی تعلق نکاح کا باقی نہیں ایسے الفاظ اگر طلاق صریح کے ساتھ بھی کہدے جادیں یا خود یہی الفاظ بہ نیت طلاق کہدے جادیں تو اس سے رجعت کا حق باطل ہو جاتا ہے۔ یہ اصطلاحِ شرع میں طلاق بائن ہو جاتی ہے جس سے نکاح فوراً ٹوٹ جاتا ہے اور رجعت کا حق باقی نہیں رہتا۔ اور اس سے زیادہ اشد یہ ہے کہ طلاق کو تین کے عدد تک پہنچا دے کہ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ شوہر کا صرف حق رجعت ہی سلب نہیں ہو جائے گا بلکہ آئندہ اگر مرد و عورت دونوں راضی ہو کر باہم نکاح بھی کرنا چاہیں تو نکاح جدید بھی نہ ہو سکے گا جیسا کہ سورہ بقرہ کی آیت میں ہے فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهَا مِنْ بَعْدُ حَتَّى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرًا

تین طلاق بیک وقت دینا حرام ہے | آجکل دین سے بے پرواہی اس کے احکام سے غفلت بڑی طرح عام مگر کسی نے ایسا کیا تو تینوں طلاق واقع ہو جائیں گی اس پر اُمت کا اجماع ہے | اس کا مشاہدہ ہوتا ہے کہ تین طلاقیں دینے والے بعد میں پچھتاتے ہیں اور اس فکر میں رہتے ہیں کہ کسی طرح بیوی ہاتھ سے نہ جائے۔ حدیث صحیح میں تین طلاق بیک وقت دینے پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سخت غضبناک ہونا امام نسائی نے بروایت محمود بن لبید رحمہ نقل کیا ہے اسی لئے بیک وقت

تین طلاق دینا باجماع اُمت حرام و ناجائز ہے۔ اور اگر کوئی شخص تین طہر میں الگ الگ تین طلاقیں تک پہنچ جائے تو اسکے ناپسندیدہ ہونے پر بھی اُمت کا اجماع اور خود قرآن کی آیات کے اشارہ سے ثابت ہر صورت اس میں اختلاف ہے کہ یہ صورت بھی حرام و ناجائز اور طلاق بدعی میں داخل ہے یا ایسا نہیں، امام مالکؒ کے نزدیک حرام ہے امام اعظم ابو حنیفہ و شافعی حرام تو نہیں کہتے یعنی اس صورت کو طلاق بدعی میں شمار نہیں کرتے بلکہ طلاق سنت میں داخل سمجھتے ہیں مگر ناپسندیدہ فعل انکے نزدیک بھی ہے تفصیل اسکی سورہ بقرہ کی تفسیر معارف القرآن جلد اول ص ۵۷ میں مذکور ہے۔

مگر جس طرح تین طلاق بیکے وقت دینے کے حرام ہونے پر پوری اُمت کا اجماع ہے اسی طرح اسپر بھی اجماع ہے کہ حرام ہونے کے باوجود کوئی شخص ایسا کر گزرے تو تینوں طلاق واقع ہو کر آئندہ آپس میں نکاح جدید بھی حلال نہیں ہوگا۔ پوری اُمت میں کچھ اہل حدیث اور اہل تشیع کے سوا تمام مذاہب اربعہ اسپر متفق ہیں کہ تین طلاق بیکے وقت بھی دیدی گئیں تو تینوں واقع ہو جائیں گی کیونکہ کسی فعل کے حرام ہونے سے اُس کے آثار کا وقوع متاثر نہیں ہوا کرتا جیسے کوئی کسی کو بے گناہ قتل کر دے تو یہ فعل حرام ہونے کے باوجود مقتول تو بہر حال مر رہی جائیگا۔ اسی طرح تین طلاق بیکے وقت حرام ہونے کے باوجود تینوں کا وقوع لازمی امر ہے۔ اور صرف مذاہب اربعہ کا ہی نہیں بلکہ اسپر صحابہ کرام کا بھی اجماع حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں منقول و معروف ہے اسکا بھی مکمل بیان معارف القرآن جلد اول ص ۵۷ تا ص ۵۸ میں تفصیل کے ساتھ آچکا ہے اس کو دیکھ لیا جاوے۔

وَأَشْهِدُوا ذَوَىٰ عَدْلٍ مِّنكُمْ وَأَقِيمُوا الشَّهَادَةَ لِلَّهِ یعنی گواہ بنا لو اپنے مسلمانوں میں سے دو معتبر آدمیوں کو اور قائم کرو شہادت کو ٹھیک ٹھیک۔

آٹھواں حکم اس آیت سے یہ معلوم ہوا کہ اختتام عدت کے وقت خواہ رجعت کر کے بیوی کو روکنا طے کیا جائے یا عدت پوری کر کے آزاد کرنا طے کیا جائے دونوں صورتوں میں اپنے اس فعل رجعت یا ترک رجعت پر دو معتبر گواہ بنا لو۔ یہ حکم اکثر ائمہ کے نزدیک استحبائی ہے رجعت اس پر موقوف نہیں۔ اور گواہ بنانے کی حکمت رجعت کرنے کی صورت میں تو یہ ہے کہ کہیں کل کو عورت رجعت سے انکار کر کے اسکے نکاح سے نکل جانے کا دعوائے نہ کرنے لگے اور ترک رجعت اور انقطاع نکاح کی صورتیں اسلئے کہ کل کو خود اپنا نفس ہی کہیں شرارت یا بیوی کی محبت سے مغلوب ہو کر یہ دعویٰ نہ کرنے لگے کہ عدت گزرنے سے پہلے رجعت کر لی تھی۔ ان دو گواہوں کے لئے ذَوَىٰ عَدْلٍ فرما کر بتلادیا کہ شرعی اور اصطلاحی معنی میں عدل یعنی ثقہ و معتبر ہونا گواہوں کا ضروری ہے ورنہ ان کی شہادت پر قاضی کوئی فیصلہ نہیں دیگا۔ اور اَقِيمُوا الشَّهَادَةَ لِلَّهِ میں عام مسلمانوں کو خطاب ہے کہ اگر تم کسی ایسے واقعہ رجعت یا انقطاع نکاح کے گواہ ہو اور قاضی کی عدالت میں گواہی دینے کی نوبت آوے تو کسی رو رعایت یا مخالفت و عداوت کی وجہ سے سچی گواہی دینے میں

ذرا بھی فرق نہ کرو۔

ذَلِكُمْ يُوعَظُ بِهِ مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ، یعنی اس مذکورہ مضمون سے اس شخص کو نصیحت کی جاتی ہے جو ایمان رکھتا ہو اللہ پر اور آخری دن یعنی قیامت پر۔ اس میں آخرت کا خصوصیت سے ذکر اس لئے کیا گیا کہ زوجین کے باہمی حقوق کی ادائیگی بغیر تقویٰ اور فکر آخرت کے کسی سے نہیں کرائی جاسکتی۔

جرم و سزا کے قوانین میں قرآن حکیم کا عجیب و غریب حکیمانہ اور مرتبہ اصول کا پڑانا دستور ہے ہر قوم و ملک میں قوانین اور تعزیرات کی کتابیں لکھی گئی ہیں۔ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ قرآن کریم بھی اللہ کے قانون کی کتاب ہے مگر اسکا طرز تمام دنیا کی کتب

قوانین سے نرالا اور عجیب ہے کہ ہر قانون کے آگے پیچھے خوفِ خدا اور فکر آخرت کو سامنے کر دیا جاتا ہے۔ تاکہ ہر انسان قانون کی پابندی کسی پولیس اور نگران کے خوف سے نہیں بلکہ اللہ کے خوف سے کرے کوئی دیکھے یا نہ دیکھے، خلوت ہو یا جلوت ہر صورت میں پابندی قانون کو ضروری سمجھے۔ صرف یہی سبب ہے کہ قرآن پر صحیح ایمان رکھنے والوں میں کسی سخت سے سخت قانون کی تنفیذ بھی زیادہ دشوار نہیں ہوتی اس کے لئے اسلامی حکومت کو پولیس اور اس پر اسپیشل پولیس اور اسپرخصیہ پولیس کا جال پھیلائی ضرورت نہیں پڑتی۔

قرآن کریم کا یہ مرتبہ اصول تمام ہی قوانین میں عام ہے۔ خصوصیت سے میاں بیوی کے تعلقات اور باہمی حقوق کے قوانین میں اسکا سب سے زیادہ اہتمام کیا گیا ہے کیونکہ یہ تعلقات ہی ایسے ہیں کہ ان میں نہ ہر کام پر کوئی شہادت دیتا ہو سکتی ہے نہ عدالتی تحقیق زوجین کے حقوق باہمی کی کمی کوتاہی کا صحیح اندازہ

رکھا سکتی ہے ان کا تمام تر مدار خود زوجین ہی کے قلوب اور انکے اعمال و افعال پر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نکاح کے خطبہ مسنونہ میں قرآن کریم کی جو تین آیتیں پڑھنا سنت سے ثابت ہے یہ تینوں آیتیں تقویٰ کے حکم سے شروع اور اسی پر ختم ہوتی ہیں جن میں یہ اشارہ ہے کہ نکاح کرنے والوں کو ابھی سے یہ سمجھ لینا ہے کہ کوئی دیکھے

یا نہ دیکھے مگر حق تعالیٰ ہمارے کھلے اور چھپے سب اعمال سے بلکہ دلوں کے پوشیدہ خیالات تک سے واقف ہے ہم نے آپس کے حقوق کی ادائیگی میں کوتاہی نہ کی، ایک سے دوسرے کو تکلیف پہنچی تو عالم السرائر کے سامنے جوابدہی کرنا ہوگی، اسی طرح سورۃ طلاق میں جبکہ طلاق کے چند احکام بیان فرمائے گئے تو پہلے ہی حکم کے بعد

وَاتَّقُوا اللَّهَ رَبَّكُمْ فرما کر تقویٰ کی ہدایت فرمائی پھر چار احکام کا ذکر کرنے کے بعد یہ وعظ و نصیحت کی کہ جو شخص ان کی خلاف ورزی کرتا ہے وہ کسی اور پر نہیں بلکہ اپنی ذات ہی پر ظلم کرتا ہے اسکا وبال اسی کو تباہ کر دینگا وَمَنْ يَتَعَدَّ حُدُودَ اللَّهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهُ پھر اور چار ضمنی احکام و قوانین ذکر کرنے کے بعد دوبارہ اس

ہدایت کو دہرایا گیا ذَلِكُمْ يُوعَظُ بِهِ مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ آگے ایک آیت میں تقویٰ کے فضائل اور اس کی دینی و دنیوی برکات کا بیان فرمایا پھر اسی آیت کے آخر میں اللہ پر توکل اور بھروسہ رکھنے کی برکات ارشاد فرمائی گئیں اسکے بعد پھر چند احکام عدت کے بیان فرمائے اور اسکے بعد پھر دو آیتوں

میں تقویٰ کے مزید برکات و ثمرات کا بیان آیا اور اسکے بعد پھر کچھ نکاح و طلاق کے متعلقات بیوی کے نفقہ اور اولاد کے دودھ پلانے وغیرہ کے احکام بتلائے گئے۔ طلاق و عدت اور عورتوں کے نفقہ اور دودھ پلانے وغیرہ کے احکام میں بار بار کہیں ذکر آخرت کہیں تقویٰ کی فضیلت و برکت اور کہیں توکل کے برکات اور کچھ احکام بیان کر کے پھر تقویٰ کے مکرر سکھانے کے فضائل کا بیان بظاہر بے جوڑ معلوم ہوتا ہے مگر قرآن کریم کے اس مرتبہ انہوں کی حکمت سمجھ لینے کے بعد اسکا جوڑ اور گہرا ربط بھی واضح ہو گیا۔ اب آیات مذکورہ کی تفسیر و تشریح دیکھئے۔

وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَلْ لَهُ مَخْرَجًا وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ، یعنی جو شخص اللہ سے ڈرے اور اللہ سے ڈرے اس کے لئے ہر مشکل و مصیبت سے نجات کا راستہ نکال دیں گے اور اسکو بے گمان رزق عطا فرما دیں گے لفظ تقویٰ کے اصل اور لغوی معنی بچنے کے ہیں۔ شرعی اصطلاح میں گناہوں سے بچنے کے لئے یہ لفظ بولا جاتا ہے اور جب اللہ تعالیٰ کی طرف اضافت و نسبت ہوتی ہے تو ترجمہ اللہ سے ڈرنے کا کر دیا جاتا ہے اور مطلب یہ ہوتا ہے کہ اللہ کی نافرمانی اور معصیت سے بچے اور ڈرے۔

اس آیت میں تقویٰ کی دو برکتیں بیان فرمائی ہیں۔ اول یہ کہ تقویٰ اختیار کرنے والے کیلئے اللہ تعالیٰ بچنے کا راستہ نکال دیتے ہیں۔ کس چیز سے بچنا، اس میں صحیح بات یہ ہے کہ یہ عام ہے دنیا کی سب مشکلات و مصائب کے لئے بھی اور آخرت کی سب مشکلات و مصائب کے لئے بھی اور مطلب آیت کا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ متقی یعنی گناہوں سے بچنے والے آدمی کے لئے دنیا و آخرت کی ہر مشکل و مصیبت سے نجات کا راستہ نکال دیتے ہیں، اور دوسری برکت یہ ہے کہ اس کو ایسی جگہ سے رزق عطا فرماتے ہیں جہاں اسکو خیال و گمان بھی نہیں ہوتا۔ صحیح بات یہی ہے کہ رزق سے بھی اس جگہ مراد ہر ضرورت کی چیز ہے خواہ دنیا کی ہو یا آخرت کی، مؤمن متقی کے لئے اللہ تعالیٰ کا وعدہ اس آیت میں یہ ہے کہ اس کی ہر مشکل کو بھی آسان کر دیتا ہے اور اس کی ضروریات کا بھی تکفل کرتا ہے اور ایسے راستوں سے اسکی ضروریات مہیا کر دیتا ہے جسکا اس کو وہم و گمان بھی نہیں ہوتا (کذا فی الروح)

مناسبت مقام کی وجہ سے بعض حضرات مفسرین نے اس آیت کی تفسیر میں یہ فرمایا ہے کہ طلاق دینے والے شوہر اور مطلقہ بیوی دونوں یا ان میں جو بھی تقویٰ اختیار کرنے والا ہو گا اللہ تعالیٰ اسکو طلاق اور انقطاع نکاح کے بعد پیش آنے والی ہر مشکل و تکلیف سے نجات عطا فرمائیں گے اور مرد کو اسکے مناسب بیوی اور عورت کو اسکے مناسب شوہر عطا فرمائیں گے اور ظاہر ہے کہ آیت کا اصل مفہوم جو تمام مشکلات اور ہر قسم رزق کے لئے عام اور شامل ہے اس میں زوجین کی یہ مشکلات و ضروریات بھی شامل ہیں (کذا فی روح المعانی)

آیت مذکورہ کا شان نزول | حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ عوف بن مالک اشجعی فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ میرے لڑکے سالم کو دشمن گرفتار

کر کے لے گئے، اس کی ماں سخت پریشان ہے مجھے کیا کرنا چاہیے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں تم کو اور لڑکے کی والدہ کو حکم دیتا ہوں کہ تم کثرت کے ساتھ لاحول ولا قوۃ الا باللہ پڑھا کر دو۔ ان دونوں نے حکم کی تعمیل کی، کثرت سے یہ کلمہ پڑھنے لگے اسکا یہ اثر ہوا کہ جن دشمنوں نے لڑکے کو قید کر رکھا تھا وہ کسی روز ذرا غافل ہوئے لڑکا کسی طرح اُن کی قید سے بھل گیا اور اُن کی کچھ بچریاں بھگا کر ساتھ لیکر اپنے والد کے پاس پہنچ گیا۔ بعض روایات میں ہے کہ اُن کا ایک اونٹ ان کو لے گیا اس پر سوار ہوئے اور دوسرے اونٹوں کو ساتھ لگا یا سب کو لیکر والد کے پاس پہنچ گئے، اُن کے والد یہ خبر لیکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور بعض روایات میں ہے کہ یہ سوال بھی کیا کہ یہ اونٹ بچریاں جو میرا لڑکا ساتھ لے آیا ہے یہ ہمارے لئے جائز و حلال ہیں یا نہیں۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ الْآیۃ -

اور بعض روایات میں ہے کہ عوف بن مالک شجعی اور ان کی بیوی کو جب لڑکے کی مفارقت نے زیادہ بے چین کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو تقویٰ اختیار کرنے کا حکم دیا، اور اس میں کچھ بعد نہیں کہ تقویٰ کا بھی حکم دیا ہوا اور کثرت لاحول ولا قوۃ اللہ پڑھنے کا بھی (یہ سب روایات روح المعانی میں ابن مرددیہ سے من طریق ابی صلیح عن ابن عباس رضی نقل کی گئی ہیں)

اس شانِ نزول سے بھی یہ معلوم ہوا کہ اگرچہ اس مقام پر یہ آیت طلاق سے تعلق رکھنے والے مرد و عورت کے متعلق آئی ہے مگر مفہوم اسکا عام ہے سب کے لئے شامل ہے۔

مسئلہ۔ اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوا کہ کوئی مسلمان کفار کی قید میں آجائے اور وہ ان کا کچھ مال لیکر واپس آجائے تو یہ مال بحکم مال غنیمت حلال ہے اور مال غنیمت کے عام قاعدہ کے مطابق اس کا پانچواں حصہ بیت المال کو دینا بھی اس کے ذمہ نہیں جیسا کہ واقعہ حدیث میں اس مال میں سے خمس نہیں لیا گیا۔ حضرت فقہاء نے فرمایا کہ کوئی مسلمان چھپ کر بغیر امان و اجازت لئے ہوئے دار الحرب میں چلا جائے اور وہاں سے کفار کا کچھ مال چھین کر یا کسی طرح لے آئے اور دارالاسلام میں پہنچ جائے تو اس کا بھی یہی حکم ہے۔ لیکن جو شخص کفار سے امان اور اجازت لیکر اُن کے ملک میں جائے جیسا آجکل وزیر اعلیٰ کا دستور ہے تو اس کے لئے جائز نہیں کہ ان کا کوئی مال بغیر اُن کی رضامندی کے لئے آئے۔ اسی طرح جو شخص قید ہو کر اُن کے ملک میں چلا جائے پھر کفار میں سے کوئی آدمی اس کے پاس کوئی امانت رکھ دے تو اس امانت کا لے آنا بھی حلال نہیں، پہلی صورت میں تو اس لئے کہ امان لے کر جانے سے ایک معاہدہ اُن کے درمیان ہو گیا اب بغیر ان کی رضامندی کے اُن کے جان و مال میں کوئی تصرف کرنا عہد شکنی میں داخل ہے اور دوسری صورت میں بھی امانت رکھنے والے سے علی معاہدہ ہوتا ہے کہ جب وہ مانگے گا امانت اس کو دیدی جائے گی، اب امانت واپس نہ کرنا

بدعہدی اور عہد شکنی ہے جو شرعاً حرام ہے (منظہری)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ہجرت سے پہلے بہت سے کفار اپنی امانتیں رکھ دیتے تھے۔ ہجرت کے وقت آپ کے قبضہ میں ایسی کچھ امانتیں تھیں ان کو آپ اپنے ساتھ نہیں لائے بلکہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو اسی کام کے لئے اپنے پیچھے چھوڑا کہ وہ جس جس کی امانت ہے اس کو سپرد کر دیں۔

مصابب سے نجات اور | حدیث مذکور میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عوف بن مالک کو مصیبت مقاصد کے حصول کا مجرب نسخہ سے نجات اور حصول مقصد کے لئے یہ تلقین فرمائی کہ کثرت کیساتھ لا حول ولا قوۃ الا باللہ پڑھا کریں۔ حضرت مجدد الف ثانی ؒ نے فرمایا کہ دینی اور دنیاوی ہر قسم کے مصائب اور مضرتوں سے بچنے اور منافع و مقاصد کو حاصل کرنے کے لئے اس کلمہ کی کثرت بہت مجرب عمل ہے اور اس کثرت کی مقدار حضرت مجدد ؒ نے یہ بتلای ہے کہ روزانہ پانسو مرتبہ یہ کلمہ لا حول ولا قوۃ الا باللہ پڑھا کرے اور سو سو مرتبہ درود شریف اس کے اول و آخر میں پڑھ کر اپنے مقصد کے لئے دُعا کیا کرے (تفسیر منظہری) اور امام احمد رحمہ اللہ اور حاکم بیہقی، ابونعیم وغیرہ نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اور حاکم نے اس کی اسناد کو صحیح کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک روز اس آیت وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَلْ لَهُ مَخْرَجًا الْآیۃ کی تلاوت بار بار فرماتے رہے یہاں تک کہ مجھے میند آنے لگی پھر فرمایا کہ اے ابوذر اگر سب آدمی صرف اس آیت کو اختیار کر لیں تو سب کے لئے کافی ہے (روح المعانی) کافی ہونے کی مراد ظاہر ہے کہ تمام دینی اور دنیوی مقاصد میں کامیابی کے لئے کافی ہے۔

وَمَنْ يَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ فَهُوَ حَسْبُهُ إِنَّ اللَّهَ بَالِغُ أَمْرِهِ قَدْ جَعَلَ اللَّهُ لِكُلِّ شَيْءٍ قَدْرًا
یعنی جو شخص اللہ پر توکل اور بھروسہ کرے جیسا کہ اللہ اس کی مہات کے لئے کافی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے کام کو جس طرح چاہے پورا کرے ہوتا ہے اُس نے ہر چیز کا ایک اندازہ مقرر کر دیا ہے اسی کے مطابق سب کام ہوتے ہیں۔ ترمذی اور ابن ماجہ نے حضرت عمر بن خطابؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے
لَا تُكَلِّمُوا تَوَكَّلُوا عَلَى اللَّهِ حَقَّ تَوَكُّلِهِ لِمَنْ قَدْ كَلَّمَ كَمَا يُرْزَقُ الطَّيْرُ تَغْدُو إِخْصَاءً وَتَرُدُّ بَطَانًا
اگر تم اللہ پر توکل کرتے جیسا کہ اس کا حق ہے تو بیشک اللہ تعالیٰ تمہیں اس طرح رزق دیتا جیسا پرندے جانوروں کو دیتا ہے کہ صبح کو اپنے گھونسلوں سے بھوکے بچے نکلتے ہیں اور شام کو پیٹ بھرے ہوئے واپس ہوتے ہیں

اور صحیح بخاری و مسلم میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت میں سے ستر ہزار آدمی بے حساب جنت میں داخل ہوں گے، ان کے اوصاف میں ایک یہ بھی ہے کہ وہ اللہ پر توکل کرنے والے ہوں گے (منظہری)

توکل کے معنی یہ نہیں کہ اللہ کے پیدا کئے ہوئے اسباب آلات کو چھوڑ دے بلکہ مراد یہ ہے کہ اسباب اختیار کرے مگر بھروسہ اسباب پر کرنے کے بجائے اللہ تعالیٰ پر کرے کہ جب تک اُس کی مشیت و

ارادہ نہ ہو جائے کوئی کام نہیں ہو سکتا۔ مذکورہ آیت میں تقویٰ اور توکل کے فضائل و برکات بیان کرنے کے بعد مزید چند احکام طلاق و عدت کے بیان فرمائے ہیں، **وَإِلَىٰ يَدَيْكَ مِنَ الْيَمِينِ مِنَ الْمَحِيضِ مِنْ نِسَاءِكَ** **إِنْ ارْتَبْتُمْ فَعِدَّتُهُنَّ ثَلَاثًا أَشْهُرًا وَإِلَىٰ لَمَ يَحِضْنَ وَأُولَاتُ الْأَحْصَالِ أَجَلُهُنَّ أَنْ يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ**، اس آیت میں مطلقہ عورتوں کی عدت کی مزید تفصیل ہے جس میں تین قسم کی عورتوں کی عدت کا عام قاعدہ عدت سے جدا گانہ حکم مذکور ہے۔

عدت طلاق کے متعلق نواہ حکم | عدت طلاق عام حالات میں تین حیض پورے ہیں جس کا بیان سورہ بقرہ میں ہو چکا ہے لیکن وہ عورتیں جن کو عمر کی زیادتی یا کسی بیماری وغیرہ کے سبب حیض آنا بند ہو چکا ہو اسی طرح وہ عورتیں جن کو کم عمری کے سبب ابھی تک حیض آنا شروع نہ ہوا ہو ان کی عدت آیت مذکورہ میں تین حیض کے بجائے تین مہینے مقرر فرمادی اور حاملہ عورتوں کی عدت وضع حمل قرار دی ہے خواہ وہ کتنے ہی دنوں میں ہو۔

إِنْ ارْتَبْتُمْ، یعنی اگر تمہیں شک ہو، مراد شک سے یہ ہے کہ اصل عدت حیض سے شمار ہوتی ہے اور ان عورتوں کا حیض تو بند ہے تو پھر عدت کی شمار کیسے ہوگی یہ تردد مراد ہے۔

آگے پھر تقویٰ کی فضیلت و برکت کا بیان ہے **وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَلْ لَهُ مِنْ أَمْرِهِ يُسْرًا** یعنی جو شخص اللہ سے ڈرتا ہے اللہ اس کے کام میں آسانی کر دیتا ہے یعنی دنیا و آخرت کے کام اس کیلئے آسان ہو جاتے ہیں اس کے بعد پھر طلاق و عدت کے احکام مذکورہ کی پابندی کی تاکید ہے **ذَلِكَ أَمْرُ اللَّهِ أَنْزَلَهُ إِلَيْكُمْ** یہ حکم ہے اللہ کا جو تمہاری طرف نازل کیا گیا ہے اس کے بعد پھر تقویٰ کی ایک اور فضیلت کا بیان ہے **وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَلْ لَهُ سُبُلًا مِّنْ أَمْرِهِ وَيُخْرِجْهُ مِنْهُ مَخْرَجًا**، یعنی جو شخص اللہ سے ڈرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کے گناہوں کا کفارہ کر دیں گے اور اس کا اجر بڑھا دیں گے۔

تقویٰ کی پانچ برکات | آیات مذکور میں جو تقویٰ کے فضائل و برکات کا بیان آیا اس کا خلاصہ پانچ چیزیں ہیں ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ متقی کے لئے دنیا و آخرت کے مصائب و مشکلات سے نجات کا راستہ نکال دیتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ اُس کے لئے رزق کے ایسے دروازے کھول دیتے ہیں جن کی طرف اس کا دھیان بھی نہیں جاتا، تیسرے یہ کہ اُس کے سب کاموں میں آسانی پیدا فرما دیتے ہیں۔ چوتھے یہ کہ اس کے گناہوں کا کفارہ کر دیتے ہیں۔ پانچویں یہ کہ اس کا اجر بڑھا دیتے ہیں اور ایک دوسری جگہ تقویٰ کی یہ برکت بھی بتلائی گئی ہے کہ اس کی وجہ سے اس کو حق و باطل کی پہچان آسان ہو جاتی ہے آیت **إِنْ تَتَّقُوا اللَّهَ يَجْعَلْ لَكُمْ فُرْقَانًا** کا یہی مطلب ہے۔ آگے پھر مطلقہ عورتوں کی عدت اور ان کے نفقہ کا بیان اور عام عورتوں کے حقوق کی ادائیگی کی تاکید ہے **أَن يَكُونُوا مِنْ حَيْثُ سَكَنْتُمْ مِنْ دُونِ كُفْرٍ وَلَا نِفَارٍ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ** اس آیت کا تعلق اُس پہلے حکم سے ہے جو اوپر آچکا ہے کہ مطلقہ عورتوں کو ان کے گھروں سے نہ نکالو۔ اس آیت میں اس کا

ایجابی پہلو ذکر کیا گیا کہ ان کو عدت پوری ہونے تک اپنی وسعت و قدرت کی مطابق رہنے کا مکان دو جہاں تم خود رہتے ہو اسی مکان کے کسی حصہ میں رکھو۔ اگر مطلقہ بطلاق رجعی ہے جب تو باہم کسی پردہ کی بھی ضرورت نہیں، ہاں اگر طلاق بائن دی ہے یا تین طلاق دیدی ہیں تو اب رشتہ نکاح ٹوٹ چکا ہے اسکو سابق شوہر سے پردہ کرنا چاہیے اس لئے پردہ کیساتھ اسی مکان میں رہنے کا انتظام کیا جائے۔

دسواں مجکم مطلقہ عورتوں کو ﴿لَا تَحْضُوا ذَوَاهُنَّ﴾ اسکا مطلب یہ ہے کہ ایام عدت میں جبکہ مطلقہ عورت ایام عدت میں پریشان نہ کر دے تمھارے ساتھ رہے تو طعن تشنیع کر کے یا اس کی ضروریات میں تنگی کر کے اس کو پریشان نہ کر دے کہ وہ نکلنے پر مجبور ہو جائے۔

وَرَأَى كُنْجٌ أَوْ كَلَتْ حَمْلٌ فَأَنْفَقُوا عَلَيْهِنَّ حَتَّى يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ، یعنی اگر مطلقہ عورتیں حمل الیاں ہوں تو ان پر اسوقت تک خرچ کرتے رہو جب تک کہ ان کا حمل پیدا نہ ہو جائے۔

گیارہواں مجکم مطلقات کا نفقہ عدت اس آیت میں بتلایا گیا ہے کہ مطلقہ عورتیں اگر حاملہ ہوں تو ان کا نفقہ اسوقت تک شوہر پر لازم ہے جب تک کہ حمل پیدا ہو..... اسی لئے مطلقہ حاملہ کے متعلق پوری اُمت کا

اجماع ہے کہ اسکا نفقہ اس کی عدت جو وضع حمل ہے پوری ہونے تک شوہر پر واجب ہے۔ باقی جو مطلقہ حاملہ نہیں اگر اس کو طلاق رجعی دی گئی ہے تو اسکا نفقہ عدت بھی شوہر پر باجماع اُمت واجب ہے باقی وہ مطلقہ جس کو طلاق بائن یا تین طلاق دی گئی ہیں یا جس نے خلع وغیرہ کے ذریعہ اپنا نکاح فسخ کرایا ہو اسکے متعلق امام شافعیؒ و احمدؒ اور بعض دوسرے ائمہ کا قول یہ ہے کہ ان کا نفقہ شوہر پر واجب نہیں اور

امام عظیم ابو حنیفہؒ کے نزدیک اسکا نفقہ بھی شوہر پر لازم ہے ان کے نزدیک جس طرح حق سکنی تمام مطلقات کے لئے واجب ہے اسی طرح نفقہ بھی ہر قسم کی مطلقات کے لئے واجب ہے اور دلیل یہی آیت ہے

جس میں عام مطلقات کے لئے حق سکنی دینے کو لازم کیا گیا ہے یعنی ﴿مَنْ كَتَبَ مِنْكُمْ طَلَقًا فَليَسِّرْهُ لِمَنْ طَلَّقَ﴾

مَنْ وَجَدَ كِتَابَ طَلَقٍ فَليَسِّرْهُ لِمَنْ طَلَّقَ اور ایک قرأت دوسری قرأت کے لئے مفیسر ہوتی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ آیت مذکورہ کی مشہور قرأت جس میں لفظ انفقوا مذکور نہیں اس میں بھی یہ لفظ محذوف ہے

اور اس نے جس طرح تمام مطلقات کا حق سکنی شوہروں پر لازم کیا ہے اسی طرح حق نفقہ بھی ایام عدت تک واجب کر دیا ہے اور اس کی تائید حضرت فاروق اعظمؓ اور دوسرے متعدد صحابہ کرام کے اس قول سے ہوتی کہ انھوں نے فاطمہ بنت قیسؓ کی جن کو ان کے شوہر نے تین طلاق دیدی تھی ان کی اس روایت کو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نفقہ ان کے شوہر پر لازم نہیں کیا یہ کہہ کر رد فرمایا کہ ہم انکی اس

روایت کی بنا پر کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کو نہیں چھوڑ سکتے جس میں تمام مطلقات کا نفقہ عدت شوہروں پر واجب کیا گیا ہے (رواہ سلم)

خلاصہ یہ ہے کہ حمل والی عورتوں کا نفقہ عدت تو صراحۃً اس آیت نے واجب قرار دیا ہے اسی لئے اس پر اجماع اُمت ہے۔ اسی طرح مطلقہ رجعیہ کا چونکہ ابھی تک نکاح ٹوٹا نہیں ہے اس کا نفقہ بھی باتفاق واجب ہے مطلقہ بائنہ یا ثنتہ وغیرہ کے معاملہ میں فقہار اُمت کا اختلاف ہے امام اعظم رحمہ کے نزدیک اس کا بھی نفقہ واجب ہے اس کی مکمل تفصیل اسی آیت کی تفسیر میں تفسیر مظہری میں دیکھی جاسکتی ہے۔

بارہواں حکم، رضاعت یعنی بچہ کو دودھ پلانے کی اجازت۔ جب تک عورت شوہر کے نکاح میں ہے اس وقت تک بچوں کو دودھ پلانا خود ماں کے ذمہ بحکم قرآن واجب ہے وَالْوَالِدَاتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ اَوْ كَاتِمَاتٍ اور جو کام کسی کے ذمہ خود واجب ہو اس پر معاوضہ لینا رشوت کے حکم میں ہے جسکا لینا بھی ناجائز ہے اور دینا بھی۔ اور آیامِ عدت بھی اس معاملے میں بحکم نکاح ہیں کیونکہ عورت کا نفقہ جس طرح بحالت نکاح شوہر پر لازم ہے عدت میں بھی واجب ہے، البتہ جب وضعِ حمل کے ذریعہ عدت ختم ہوگئی اور عورت آزاد ہوگئی اسکا نفقہ بھی شوہر پر واجب نہیں رہا، اب اگر یہ اس بچے کو دودھ پلانے تو آیت مذکورہ نے اسکا معاوضہ لینے اور دینے کو حاکم قرار دے دیا۔

نَدِيرُ هُوَ اُنْ حَكَمٌ وَاَنْعَمُوْا اَيْتُكُمْ بِمَعْرُوْفٍ . اہتمار کے لفظی معنی باہم مشورہ اور ایک دوسرے کی بات قبول کرنے کے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ دودھ پلانے کی اجرت میں زوجین کو اسکی ہدایت دی گئی ہے کہ باہمی نزاع کی نوبت نہ آنے دیں۔ مطلقہ بیوی عام اجرت سے زیادہ نہ مانگے، شوہر عام اجرت کے مطابق دینے سے انکار نہ کرے ایک دوسرے کیساتھ رواداری کا معاملہ کریں۔

چودھواں حکم **وَإِنْ تَعَاَسَ رِجْلُكُم مِّنْ مَّضْمَعٍ لَّهٗ الْخَوْرٰی**، یعنی اگر دودھ پلانے کا معاملہ باہمی مشورہ سے طے نہ ہو پائے یا مطلقہ عورت اگر اپنے بچے کو معاذضہ لیکر بھی دودھ پلانے سے انکار کر دے تو اُس کو قضاۃ مجبور نہیں کیا جائیگا بلکہ یہ سمجھا جائے گا کہ ماں کی شفقت بچے پر سب سے زیادہ ہونیکے باوجود جب انکار کر رہی ہے تو کوئی واقعی عذر ہوگا لیکن اگر فی الواقع اس کو عذر نہیں محض غصہ و ناراضی کی وجہ سے انکار کرتی ہے تو عند اللہ وہ گنہگار ہوگی مگر قاضی کی عدالت اس کو دودھ پلانے پر مجبور نہیں کرے گی۔

اسی طرح اگر شوہر کو دودھ پلانے کی اجرت دینے کی وجہ افلاس کے قدرت نہیں اور کوئی دوسری عورت بلا معاوضہ یا اس معاوضہ سے کم پر دودھ پلانے کو تیار ہو جو معاوضہ مطلقہ ماں مانگتی ہے تو شوہر کو مجبور نہیں کیا جائیگا کہ وہ ماں کا مطالبہ منظور کر کے اسی سے دودھ پلاوے بلکہ دونوں صورتوں میں دوسری عورت سے اس کو دودھ پلویا جاسکتا ہے۔ ہاں اگر دوسری دودھ پلانے والی عورت بھی اتنا ہی معاوضہ طلب کرے جتنا ماں کر رہی ہے تو شوہر کے لئے باتفاق فقہاء جائز نہیں کہ ماں کو چھوڑ کر دوسری عورت سے اسی معاوضہ پر دودھ پلاوے۔

مسئلہ۔ اگر دوسری عورت سے دودھ پلوانا طے ہو جائے تو یہ ضروری ہے کہ دودھ پلانے والی عورت اس کی ماں کے پاس رکھ کر دودھ پلاوے۔ ماں سے الگ کر کے دودھ پلوانا جائز نہیں کیونکہ حضانت یعنی تربیت اور اپنی نگرانی میں رکھنا از روئے احادیث صحیحہ ماں کا حق ہے اس سے یہ حق سلب کرنا جائز نہیں (تفسیر مظہری)

پند ہوا انکم، بیوی کے نفقہ کی مقدار میں شوہر کی حالت کا اعتبار ہوگا **لِيُنْفِقَ ذُو سَعَةٍ مِّنْ سَعَتِهِ وَ مَن مِّنْ قَدَرٍ فَعَلَيْهِ رِزْقُهَا**، یعنی فرج کرے وسعت والا آدمی اپنی وسعت کے مطابق اور جس شخص پر رزق تنگ ہو وہ اپنی آمدنی کے مطابق فرج کرے۔ اس سے معلوم ہوا کہ بیوی کے نفقہ میں بیوی کی حالت کا اعتبار نہیں کیا جائیگا بلکہ شوہر کی حالت کے مطابق نفقہ دینا واجب ہوگا۔ اگر شوہر مالدار ہے تو امیرانہ نفقہ دینا واجب ہے اگرچہ بیوی مالدار نہ ہو بلکہ تنگ دست فقیر ہو، اور اگر شوہر غریب ہے تو غریبانہ نفقہ اس کے مقدور کے مطابق واجب ہوگا اگرچہ بیوی مالدار ہو۔ امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا یہی مذہب ہے۔ بعض دوسرے فقہاء کے اقوال اسکے خلاف بھی ہیں (تفسیر مظہری)

لَا يَكْلِفُ اللَّهُ نَفْسًا لَّا مَأْتَهَا سَبْعًا، یہ اُسی سابقہ جملہ کی مزید تشریح ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی کو اسکی وسعت و قدرت سے زیادہ کی تکلیف نہیں دیتا اسلئے نادار مفلس شوہر پر یہی حیثیت کا نفقہ واجب ہوگا جو حیثیت اس کی اس وقت ہے۔ آگے بیوی کو غریبانہ نفقہ پر قناعت اور اُس پر صبر کی تلقین کے لئے فرمایا **لِيُنْفِقَ ذُو سَعَةٍ مِّنْ سَعَتِهِ**، یعنی کسی کو یہ خیال نہ کرنا چاہیے کہ موجودہ حالت میں تنگی ہے تو یہ تنگی ہمیشہ رہے گی بلکہ تنگی اور فراخی اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے وہ تنگی کے بعد فراخی بھی دے سکتا ہے۔

فائدہ | اس آیت میں ایسے شوہروں کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے فراخی ملنے کی طرف اشارہ ہے جو مقدور بھرتقات واجبہ پورا کر سکی کوشش میں رہیں۔ بیوی کو تنگ رکھنے کی عادت نہ ہو۔ (روح المعانی) واللہ اعلم

وَكَأَيِّن مِّن قَرْيَةٍ عَتَتْ عَنْ أَمْرِ رَبِّهَا وَرُسُلِهِ فَحَاسِبْنَهَا حَسَابًا شَدِيدًا

اور کتنی بستیوں کے بیکل چھپیں حکم سے اپنے رب کے اور اس کے رسولوں کے پھر اپنے حسابیں پڑھو ان کو سخت حسابیں
وَعَذَّبْنَاهَا عَذَابًا نَّكَرًا ۝۸ فَذَاقَتْ وَبَالَ أَمْرِهَا وَكَانَ عَاقِبَةُ
اور آفت ثمالی ان پر بن دیکھی آفت پھر چھپی انھوں نے سزا اپنے کام کی اور آخر کو ان کے کام

أَمْرَهَا خُسْرًا ⑨ أَعَدَّ اللَّهُ لَهُمْ عَذَابًا شَدِيدًا ۖ فَاتَّقُوا اللَّهَ يَا أُولِي

الْأَلْبَابِ ۖ الَّذِينَ آمَنُوا ۖ قَدْ أَنزَلَ اللَّهُ إِلَيْكُمْ ذِكْرًا ۖ ⑩ رَسُولًا يَتْلُوا

عَلَيْكُمْ آيَاتِ اللَّهِ مُبَيِّنَاتٍ لِّيُخْرِجَ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ

مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ ۚ وَمَنْ يُؤْمِن بِاللَّهِ وَيَعْمَلْ صَالِحًا يُدْخِلْهُ

فِي جَنَّةٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ۖ قَدْ أَحْسَنَ

اللَّهُ لَهُ رِزْقًا ۖ ⑪ اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ سَبْعَ سَمَاوَاتٍ وَمِنَ الْأَرْضِ مِثْلَهُنَّ

يَتَنَزَّلُ الْأَمْرُ بَيْنَهُنَّ لِتَعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ

وَأَنَّ اللَّهَ قَدْ أَحَاطَ بِكُلِّ شَيْءٍ عِلْمًا ۖ ⑫

اور اللہ کے علم میں سب کچھ ہے اور اللہ ہر چیز کو جانتا ہے اور اللہ نے اس کو روزی اللہ وہ ہے جس نے بنائے سات آسمان اور زمین بھی اتنی ہی

خلاصہ تفسیر

اور بہت سی بستیوں میں جنہوں نے اپنے رب کے حکم (ماننے) سے اور اسکے رسولوں سے سرتابی کی سوہم نے اُن (کے اعمال) کا سخت حساب کیا (مطلب یہ کہ ان کے اعمال کفریہ میں سے کسی عمل کو معاف نہیں کیا بلکہ سب پر سزا تجویز کی، یہاں حساب سے پریش کے طور پر حساب مراد نہیں) اور ہم نے ان کو بڑی بھاری سزا دی (کہ عذاب کے ذریعہ ہلاک کئے گئے) غرض انہوں نے اپنے اعمال کا وبال چکھا اور ان کا انجام کار خسارہ ہی ہوا (یہ تو دنیا میں ہوا اور آخرت میں) اللہ تعالیٰ نے اُن کے لئے ایک سخت عذاب تیار کر رکھا ہے (اور جب انجام نافرمانی کا یہ ہے) تو اسے سمجھا دو جو کہ ایمان لائے جو تم خدا سے ڈرو (کہ ایمان بھی اس کو مقفیٰ ہے اور ڈرنا یہ کہ اطاعت کرو اور اسی اطاعت کا طریقہ بتلانے کے لئے) خدا نے تمہارے پاس ایک نصیحت نامہ بھیجا (اور وہ نصیحت نامہ دیکر) ایک ایسا رسول (بھیجا) جو تم کو اللہ کے صاف صاف احکام پر پڑھ پڑھ کر سناتے ہیں تاکہ ایسے لوگوں کو کہ جو ایمان لادیں اور اچھے عمل کریں (کفر و جہل کی) تاریکیوں سے (ایمان اور علم و عمل کے) نور کی طرف

لے آویں (مطلب یہ کہ جو نصیحت اس رسول کے ذریعہ سے پہنچے اس پر عمل کرنا بھی اطاعت ہے) اور (آگے اطاعت یعنی ایمان و عمل صالح پر وعدہ ہے کہ) جو شخص اللہ پر ایمان لا دیگا اور اچھے عمل کر لگا خدا اسکو (جنت کے) ایسے باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے سے نہریں جاری ہیں ان میں ہمیشہ ہمیشہ کیلئے رہیں گے بیشک اللہ نے (ان کو بہت) اچھی روزی دی (آگے اللہ کا واجب اطاعت ہونا بیان کیا جاتا ہے یعنی) اللہ ایسا ہے جس نے سات آسمان پیدا کئے اور ان ہی کی طرح زمین بھی (سات پیدا کی جیسا تریذی وغیرہ کی حدیث میں ہے کہ ایک زمین کے نیچے دوسری زمین ہے اس کے نیچے تیسری زمین اسی طرح سات زمینیں ہیں اور) ان سب (آسمانوں اور زمینوں) میں (اللہ تعالیٰ کے) احکام (تشریعی یا کنونی یا دونوں) نازل ہوتے رہتے ہیں (اور یہ اس لئے بتلادیا گیا) تاکہ تم کو معلوم ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ ہر شے پر قادر ہے اور اللہ ہر چیز کو (اپنے) احاطہ علمی میں لئے ہوئے ہے (اس لئے اللہ تعالیٰ کا واجب اطاعت ہونا ظاہر ہے)

معارف و مسائل

فَحَسْبُنَا جِسَابًا شَدِيدًا وَعَذَابُهُمْ عَذَابًا مُّشْكُورًا، آیت میں ان قوموں کے حساب و عذاب کا جو ذکر ہے وہ آخرت میں ہونیوالا ہے مگر یہاں اسکو بلفظ ماضی حاسبنا اور عذابنا سے تعبیر کر دینا یا تو اس کے یقینی ہونے کی طرف اشارہ کرنے کے لئے ہے کہ گویا یہ کام ہو چکا (کافی الروح) اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ حساب سے مراد اس جگہ سوالات اور پریشانی نہ ہو بلکہ اس کی سزا کی تعیین ہو جیسا کہ خلاصہ تفسیر مذکور میں لیا گیا اور یہ بھی احتمال ہے کہ حساب شدید اگرچہ آخرت میں ہو گا مگر صحائف اعمال میں اس کی کتابت تو ہو چکی ہو اور ہو رہی ہے اسکو حساب کر دینے سے تعبیر کیا گیا اور عذاب سے مراد دنیا کا عذاب ہو جو بہت سی پہلی قوموں پر نازل ہوا ہے اس صورت میں آیہ الا جملہ اَعَدَّ اللَّهُ لَهُمْ عَذَابًا شَدِيدًا صرف یہ آفرینے کے عذاب سے متعلق ہے گا قَدْ اَنْزَلَ اللَّهُ إِلَيْكُمْ ذِكْرًا وَرُؤُوسًا، اس آیت کی آسان توجیہ یہ ہے کہ یہاں لفظ اَرْسَلُ محذوف مانا جائے تو معنی یہ ہونگے کہ نازل کیا ذکر یعنی قرآن کو اور بھیجا رسول کو خلاصہ تفسیر میں اسی کو اختیار کر کے تفسیر کی گئی ہے حضرات مفسرین نے دوسری توجیہات بھی لکھی ہیں مثلاً یہ کہ ذکر سے مراد خود رسول ہوں کہ ذکر اللہ کی کثرت کے سبب ان کا وجود گویا خود ذکر اللہ بن گیا وغیر ذلک (روح)

سات زمینیں کہاں کہاں | اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ سَبْعَ سَمَاوَاتٍ وَمِنَ الْأَرْضِ مِثْلَهُنَّ، اس آیت سے کس صورت میں ہیں۔ اتنی بات تو واضح طور پر ثابت ہے کہ جس طرح آسمان سات ہیں ایسی ہی زمینیں بھی سات ہیں۔ پھر یہ سات زمینیں کہاں کہاں اور کس وضع و صورت میں ہیں، اور نیچے طبقات کی صورت میں تہہ برتہ ہیں یا ہر ایک زمین کا مقام الگ الگ ہے اگر اور نیچے طبقات ہیں تو کیا جس طرح سات آسمانوں میں ہر دو آسمان کے درمیان بڑا فاصلہ ہے اور ہر آسمان میں الگ الگ فرشتے آباد ہیں اسی طرح

ایک زمین اور دوسری زمین کے درمیان بھی فاصلہ اور ہوا فضا وغیرہ ہیں اور اُس میں کوئی مخلوق آباد یا یہ طبقات زمین ایک دوسرے سے پیوستہ ہیں۔ قرآن مجید اس سے ساکت ہے اور روایات حدیث جو اس بارے میں آئی ہیں انہیں اکثر احادیث میں ائمہ حدیث کا اختلاف ہے بعض نے ان کو صحیح و ثابت قرار دیا ہے بعض نے موضوع و منکھڑت تک کہہ دیا ہے اور عقلاً یہ سب صورتیں ممکن ہیں۔ اور ہماری کوئی دینی یا دنیوی ضرورت اس کی تحقیق پر موقوف نہیں نہ ہم سے قبر میں یا حشر میں اسکا سوال ہوگا کہ ہم ان سات زمینوں کی وضع و صورت اور محل وقوع اور اُس میں بسنے والی مخلوقات کی تحقیق کریں، اس لئے اسلم صورت یہ ہے کہ بس اس پر ایمان لائیں اور یقین کریں کہ زمینیں بھی آسمانوں کی طرح سات ہی ہیں، اور سب کو اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے پیدا فرمایا ہے۔ اتنی ہی بات قرآن نے بیان کی ہے جس کو قرآن نے بیان کرنا ضروری نہیں سمجھا ہم بھی اُس کی فکر و تحقیق میں کیوں پڑیں۔ حضرات سلف صالحین کا ایسی صورتوں میں یہی طرز عمل رہا ہے۔ اُنہوں نے فرمایا ہے اَبْهَمُوا مَا ابْهَمَ اللَّهُ، یعنی جس چیز کو اللہ تعالیٰ نے مبہم چھوڑا ہے تم بھی اُسے مبہم رہنے دو جبکہ اسمیں تمہارے لئے کوئی عملی حکم نہیں اور تمہاری کوئی دینی یا دنیوی ضرورت اُس سے متعلق نہیں۔ خصوصاً یہ تفسیر عوام کے لئے لکھی گئی ہے ایسے خالص علمی اختلافی مباحث اسمیں نہیں لئے گئے جن کی عوام کو ضرورت نہیں ہے۔

يَتَنَزَّلُ الْأَمْرُ بِرَبِّكُمْ، یعنی اللہ کا حکم ان ساتوں آسمانوں اور ساتوں زمینوں کے درمیان نازل ہوتا رہتا ہے اور حکم الہی کی دو قسم ہیں۔ ایک تشریعی جو اللہ کے مکلف بندوں کے لئے بذریعہ وحی بواسطہ انبیاء بھیجا جاتا ہے جیسے زمین میں انسان اور جن کے لئے آسمانوں سے فرشتے یہ تشریعی احکام انبیاء تک لیکر آتے ہیں جن میں عقائد، عبادات، اخلاق، معاملات، معاشرت کے قوانین ہوتے ہیں اُن کی پابندی پر ثواب اور خلاف ورزی پر عذاب ہوتا ہے۔ دوسری قسم حکم کی حکم مکتوبی ہے۔ یعنی تقدیر الہی کی تنفیذ سے متعلق احکام جس میں کائنات کی تخلیق اور اُس کی تدریجی ترقی اور اُس میں کمی بیشی اور موت و حیات داخل ہیں یہ احکام تمام مخلوقات الہیہ پر حاوی ہیں۔ اسلئے اگر ہر دوزمینوں کے درمیان فضا اور فاصلہ اور اسمیں کسی مخلوق کا آباد ہونا ثابت ہو جائے خواہ مخلوق مکلف احکام شرعیہ کی نہ ہو تو اُس پر بھی یَتَنَزَّلُ الْأَمْرُ صادق ہے کہ اللہ تعالیٰ کا امر مکتوبی اُس پر بھی حاوی ہے واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

تَمَّتْ سُورَةُ الطَّلَاق بِعَوْنِ اللَّهِ وَحَمْدِهِ فِي الْخَرِيفِ مِنْ
جُمَادَى الثَّانِيَةِ سَنَةِ ۱۳۹۱ يَوْمَ الْاِحْدِ وَاللَّهُ الْمَوْفِقُ وَالْمُعِينُ

سُورَةُ التَّحْرِيمِ

سُورَةُ التَّحْرِيمِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ ثَلَاثَتَا عَشْرَةَ آيَةً وَفِيهَا أَرْبَعُونَ
سورة تحریم مدینہ میں نازل ہوئی اور اس کی بارہ آیتیں ہیں اور دو رکوع

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بھید مہربان نہایت رحم والا ہے

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكَ تَبْتَغِي مَرْضَاتَ أَزْوَاجِكَ
اے نبی تو کیوں حرام کرتا ہے جو حلال کیا اللہ نے تجھ پر چاہتا ہے تو رضامندی اپنی عورتوں کی

وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ۱ قَدْ فَرَضَ اللَّهُ لَكُمْ تَحِلَّةَ أَيْمَانِكُمْ وَاللَّهُ
اور اللہ بخشنے والا ہے مہربان مقرر کر دیا ہے اللہ نے تمہارے لئے کھول ڈالنا تمہاری قسموں کا اور اللہ

مَوْلَاكُمْ وَهُوَ الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ ۲ وَإِذَا أَسَرَ النَّبِيُّ إِلَى بَعْضِ أَزْوَاجِهِ
مالک ہے تمہارا اور وہی ہے سب کچھ جانتا حکمت والا اور جب پھنسیا کر کہی نبی نے اپنی کسی عورت سے

حَدِيثًا فَلَمَّا نَبَّأَتْ بِهِ وَأَظْهَرَهُ اللَّهُ عَلَيْهِ عَرَفَ بَعْضَهُ وَأَعْرَضَ
ایک بات پھر جب اُس نے خبر کر دی اسی تو اللہ نے بتلا دی نبی کو وہ بات تو بتلائی نبی نے اس سے کچھ اور بتلا دی

عَنْ بَعْضٍ فَلَمَّا نَبَّأَهَا بِهِ قَالَتْ مَنْ أَنْبَأَكَ هَذَا قَالَ نَبَاكَ
کچھ پھر جب وہ بتلائی عورت کو بولی تجھ کو کس نے بتلا دی یہ کہا مجھ کو بتایا

الْعَلِيمُ الْخَبِيرُ ۳ إِنْ تَتُوبَا إِلَى اللَّهِ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوبُكُمَا وَإِنْ
اُس خبر والے واقف نے اگر تم دونوں تو یہ کرتی ہو تو بھٹک پڑے ہیں دل تمہارے اور

إِنْ تَظْهَرَا عَلَيْهِ فَإِنَّ اللَّهَ هُوَ مَوْلَاهُ وَجِبْرِيلُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِينَ
اگر تم دونوں چرٹھائی کرو گی اس پر تو اللہ ہے اس کا رفیق اور جبریل اور نیک بخت ایمان والے

وَالْمَلَائِكَةُ بَعْدَ ذَلِكَ ظَهِيرٌ ۴ عَسَى رَبُّهُ أَنْ طَلَّقَنَّ أَنْ يُبْدِلَهُ
اور فرشتے اسکے پیچھے مددگار ہیں اگر نبی چھوڑ دے تم سب کو ابھی اس کا رب بدلے میں دیدے

اَزْوَاجًا خَيْرًا اِمْنًا مِّنْ مَّسِيئَةٍ مَّوْمِنَةٍ قِيَّتٍ تَبَيَّتْ عِيْدَاتِ

اس کو عورتیں تم سے بہتر حکم بردار یقین رکھنے والیاں نمازیں کھڑی ہونے والیاں تو بہتر نوا لیاں بندگی بجالانے

سَلَامَتِ تَبَيَّتْ وَ اَبْكَارًا ⑤

والیاں روزہ رکھنے والیاں بیابیاں اور کنواریاں

خلاصہ تفسیر

اے نبی جس چیز کو اللہ نے آپ کے لئے حلال کیا ہے آپ (قسم کھا کر) اس کو (اپنے اوپر) کیوں حرام فرماتے ہیں (پھر وہ بھی) اپنی بیبیوں کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے (یعنی گو کسی مباح کا ترک کر دینا جائز ہے اور اس ترک کا مؤکد بالقسم کرنا بھی کسی مصلحت سے جائز ہے لیکن تاہم خلاف اولیٰ ہے خصوصاً جبکہ اسکا داعی بھی ضعیف ہو۔ یعنی بیبیوں کی رضا جوئی ایسے امر میں جس میں ان کا راضی کرنا ضروری نہ تھا) اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے (کہ گناہ تک کو معاف کر دیتا ہے اور آپ سے تو کوئی گناہ بھی نہیں ہوا اسلئے یہ عتاب نہیں بلکہ شفقت و رافت آپ سے کہا جاتا ہے کہ آپ نے ایک جائز نفع کو ترک کر کے کیوں تکلیف اٹھائی اور چونکہ آپ نے قسم کھالی تھی اسلئے عام خطاب سے قسم کا کفارہ دینے کی نسبت ارشاد فرماتے ہیں کہ) اللہ تعالیٰ نے تم لوگوں کے لئے تمھاری قسموں کا کھولنا (یعنی قسم توڑنے کے بعد اسکے کفارہ کا طریقہ) مقرر فرما دیا ہے اور اللہ تمھارا کارساز ہے اور وہ بڑا جاننے والا بڑی حکمت والا ہے (اسلئے وہ اپنے علم و حکمت سے تمھاری مصلحتوں اور ضرورتوں کو جان کر تمھاری بہت سی دشواریوں کو آسان کر دینے کے طریقے مقرر فرما دیتا ہے چنانچہ کفارہ کے ذریعہ قسم کی پابندی کی کلفت کا علاج کر دیا) اور (آگے بیبیوں کو سنا تے ہیں کہ وہ وقت یاد کرنے کے قابل ہے) جبکہ پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اپنی کسی بی بی سے چپکے سے ایک بات فرمائی (وہ بات یہی تھی کہ میں پھر شہد نہ پیوں گا مگر کسی سے کہنا نہیں) پھر جب اس بی بی نے وہ بات (دوسری بی بی کو) بتلا دی اور پیغمبر کو اللہ تعالیٰ نے (بذریعہ وحی) اس کی خبر کر دی تو پیغمبر نے (اس نظر سے کہ دینے والی بی بی کو) تھوڑی سی بات تو جلا دی (کہ تو نے ہماری یہ بات دوسری سے کہدی) اور تھوڑی سی بات کو ٹال گئے (یعنی آپ کا کرم اس غایت تک پہنچا کہ اپنے حکم کے خلاف کرنے پر جو بی بی کی شکایت کرنے بیٹھے تو شکایت کے وقت بھی اس کہی ہوئی بات کے پورے اجزاء کا اعادہ نہیں فرمایا کہ تو نے میری یہ بات کہدی اور یہ بھی کہدی بلکہ کچھ اجزاء کا ذکر کیا اور کچھ اجزاء کا نہیں کیا تاکہ جو بی بی مخاطب ہے اسکو گمان ہو کہ ان کو اتنی ہی بات کہنے کی خبر ہوئی ہے زائد کی نہیں ہوئی تو شرمندگی کم ہو دھڑا اسھل الاقوال فی تفسیر ہذین البعضین) سو جب پیغمبر نے اس بی بی کو وہ بات جلائی تو وہ کہنے لگی کہ آپ کو اس کی کس نے خبر کر دی، آپ نے فرمایا کہ مجھ کو بڑے جاننے والے بڑے خبر رکھنے والے (یعنی خدا) نے خبر کر دی

(یہ بیبیوں کو شاید اس لئے سنایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پورے راز پر مطلع ہونا مسکرا آپ کے کریمانہ معاملہ سے اپنی کارروائی پر زیادہ شرمندہ ہوں اور توبہ کریں چنانچہ آگے خود بیبیوں کو توبہ وغیرہ کا خطاب ہے کہ) اے (پیغمبر کی) دونوں بیبیو اگر تم اللہ کے سامنے توبہ کر لو تو (بہتر ہے کیونکہ مقتضی توبہ کا موجود ہے وہ یہ کہ) تمہارے دل (اس طرف) مائل ہو رہے ہیں (کہ دوسری بیبیوں سے ہٹا کر آپ کو اپنا ہی بنا لیں اور گو یہ امر باعتبار اسکے کہ صل مقتضی اسکا حُب رسول ہے قبیح نہیں ہے لیکن چونکہ اس میں دوسروں کے حقوق کا تلافی اور دل شکنی لازم آتی ہے اور مستلزم قبیح قبیح ہوتا ہے اس اعتبار سے قبیح و موجب للتوبہ ہے) اور اگر (اسی طرح) پیغمبر کے مقابلے میں تم دونوں کا رروائیاں کرتی رہیں تو (یاد رکھو کہ) پیغمبر کا رفیق اللہ ہے اور جبریل ہیں اور نیک مسلمان ہیں اور ان کے علاوہ فرشتے (آپ کے) مددگار ہیں (مطلب یہ کہ تمہاری ان سازشوں سے آپ کا کوئی ضرر نہیں ہے بلکہ تمہارا ہی ضرر ہے کیونکہ جس شخص کے حامی ایسے ہوں آگے خلاف مزاج کارروائیاں کرنے کا انجام ظاہر ہے کہ بُرا ہی بُرا ہے اور چونکہ بعض اسباب نزول ہیں حضرت عائشہ و حفصہ کے علاوہ اور بیبیاں بھی شریک تھیں جیسے حضرت سودہ و صفیہ، اسلئے آگے صیغہ جمع سے خطاب فرماتے ہیں کہ تم یہ دوسو دل میں نہ لانا کہ آخر تو مرد کو بیبیوں کی ضرورت ہوتی ہے اور ہم سے بہتر عورتیں کہاں ہیں اس لئے چار دنا چار ہماری سب باتیں سہی جاویں گی سو یہ سمجھ لو کہ) اگر پیغمبر تم غور لو کو طلاق دیدیں تو ان کا پروردگار بہت جلد تمہارے بدلے ان کو تم سے اچھی بیبیاں دیدیگا جو سلام والیاں ایمان والیاں فرمانبرداری کرنے والیاں توبہ کرنے والیاں عبادت کرنے والیاں روزہ رکھنے والیاں ہونگی کچھ بیوہ اور کچھ کنواریاں (بعض مصالح سے بیوہ بھی مرغوب ہوتی ہے جیسے تجربہ سلیقہ ہم عمری وغیرہ اس لئے اس کو بھی اوصاف رغبت میں شمار فرمایا)

معارف و مسائل

آیات تحریم کا واقعہ نزول صحیح بخاری وغیرہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول شریف تھا کہ عصر کے بعد کھڑے کھڑے سب بیبیوں کے پاس (خبر گیری کے لئے) تشریف لاتے تھے۔ ایک روز حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے پاس معمول سے زیادہ ٹھیرے اور شہد پیا تو مجھ کو رشک آیا اور میں نے حفصہ سے مشورہ کیا کہ ہم میں سے جس کے پاس تشریف لاویں وہ یوں کہے کہ آپ نے مغفیر نوش فرمایا ہے۔ مغفیر ایک خاص قسم کا گوند ہے جس میں کچھ بدبو ہوتی ہے چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ آپ نے فرمایا کہ میں نے تو شہد پیا ہے۔ ان بی بی نے کہا کہ شاید کوئی کبھی مغفیر کے درخت پر بیٹھی ہو اور اس کا رس چوسا ہو (اسی وجہ سے شہد میں بھی بدبو آنے لگی) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بدبو کی چیزوں سے بہت پرہیز فرماتے تھے اسلئے آپ نے قسم کھالی کہ پھر میں شہد نہ پیوں گا اور اس خیال سے کہ حضرت زینب کا جی

برُائے ہو اس کے اخفاری کی تاکید فرمائی مگر ان بی بی نے دوسری سے کہہ دیا۔ اور بعض روایات میں ہے کہ حضرت حفصہ شہید پلانے والی ہیں اور حضرت عائشہ و سودہ و صفیہ صلاح مشورہ کرنے والی اور بعض روایات میں یہ قصہ دوسری طرح بھی آیا ہے۔ ممکن ہے کہ کئی واقعے ہوں اور ان سب کے بعد یہ آیتیں نازل ہوئی ہوں (از بیان القرآن)

خلاصہ ان آیات کا یہ ہے کہ اس واقعہ میں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حلال چیز یعنی شہد کو بذریعہ قسم اپنے اوپر حرام کر لیا تھا یہ فعل جبکہ کسی ضرورت و مصلحت سے ہو تو جائز ہے گناہ نہیں۔ مگر اس واقعہ میں ضرورت ایسی نہ تھی کہ اسکی وجہ سے آپ خود کوئی تکلیف اٹھا دیں اور ایک حلال چیز کو چھوڑ دیں کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کام ازواج مطہرات کو راضی کرنے کیلئے کیا تھا، اور ایسے معاملے میں ان کا راضی کرنا آپ کے ذمہ لازم تھا اسلئے اللہ تعالیٰ نے از روئے شفقت و عنایت فرمایا۔

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكَ؟ تَبْتَغِي مَرْضَاتَ أَزْوَاجِكَ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ
اس آیت میں بھی قرآن کریم کے عام اسلوب کی مطابقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کا نام لیکر خطاب نہیں کیا بلکہ يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ کے لقب سے خطاب فرمایا جو آپ کا خصوصی اعزاز و اکرام ہے اور پھر فرمایا کہ اپنی ازواج کی رضا جوئی کے لئے آپ اپنے اوپر ایک حلال چیز کو کیوں حرام کرتے ہیں۔ یہ کلام اگرچہ از روئے شفقت ہوا مگر صورت جواب طلبی کی تھی جس سے یہ خیال ہو سکتا تھا کہ شاید آپ سے کوئی بڑی غلطی ہو گئی اسلئے ساتھ ہی فرمایا وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ یعنی اگر گناہ ہوتا بھی تو اللہ تعالیٰ مغفرت اور معاف کرنے والے ہیں۔

مسئلہ۔ کسی حلال چیز کو اپنے اوپر حرام کرنے کی تین صورتیں ہیں جبکہ مفضل ذکر سورہ مائدہ کی آیت يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُحَرِّمُوا طَيِّبَاتٍ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكُمْ، کے تحت معارف القرآن جلد سوم میں چکا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص کسی حلال قطعی کو عقیدہ حرام قرار دے تو یہ کفر اور گناہ عظیم ہے۔ اور اگر عقیدہ حرام نہ سمجھے مگر بلا کسی ضرورت و مصلحت کے قسم کھا کر اپنے اوپر حرام کر لے تو یہ گناہ ہے اس قسم کو توڑنا اور کفارہ ادا کرنا اس پر واجب ہے جس کا ذکر آگے آتا ہے۔ اور کوئی ضرورت و مصلحت ہو تو جائز مگر خلافِ اولیٰ ہے اور تیسری صورت یہ ہے کہ نہ عقیدہ حرام سمجھے نہ قسم کھا کر اپنے اوپر حرام کرے مگر عملاً اس کو ہمیشہ ترک کرنے کا دل میں عزم کر لے یہ عزم اگر اس نیت سے کرے کہ اس کا دائمی ترک باعثِ ثواب ہے تب تو یہ بدعت اور ربانیت ہے جو شرعاً گناہ اور مذموم ہے اور اگر ترک دائمی کو ثواب سمجھ کر نہیں بلکہ اپنے کسی جسمانی یا روحانی مرض کے علاج کے طور پر کرتا ہے تو بلا کراہت جائز ہے بعض صوفیائے کرام سے جو ترک لذائذ کی حکایتیں منقول ہیں وہ اسی صورت پر محمول ہیں۔

واقعہ مذکورہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قسم کھالی تھی نزولِ آیت کے بعد اس قسم کو توڑا،

اور کفارہ ادا فرمایا جیسا کہ درمنثور کی روایت میں ہے کہ آپ نے ایک غلام کفارہ قسم میں آزاد کیا (از بیان القرآن) **فَذَرْنِ اللَّهَ لَكُمْ تَحِلَّةَ أَيْمَانِكُمْ**، یعنی اللہ تعالیٰ نے ایسی صورتوں میں جہاں قسم کا توڑنا ضروری یا مستحسن ہو تمہاری قسموں سے حلال ہونے یعنی قسم توڑ کر کفارہ ادا کر دینے کا راستہ نکال دیا ہے جسکا ذکر دوسری آیات میں مفصل ہے۔

وَرَأَى اسْرًا شَيْئًا إِلَى بَعْضِ اَزْوَاجِهِ حَيًّا يَتَانَا، یعنی جبکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی کسی بی بی سے ایک راز کی بات کہی۔ وہ راز کی بات صحیح اور اکثر روایات کی رو سے یہی تھی کہ آپ نے حضرت زینب رض کے پاس جو شہد پیا اور دوسری ازواج کو بھاری معلوم ہوا آپ نے ان کو راضی کرنے کے لئے شہد پینے کی قسم کھالی مگر یہ فرمایا کہ اسکی کسی کو خبر نہ ہوتا کہ زینب کو رنج نہ پہنچے مگر اس بی بی نے یہ راز دوسری پر ظاہر کر دیا جسکا ذکر اگلی آیت میں ہے۔ اس راز کی بات کے متعلق دوسری روایات میں اور بھی چند پیسزین منقول ہیں مگر اکثر اور صحیح روایات میں یہی ہے جو لکھا گیا۔

فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهُمْ وَأَظْهَرَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ حُكْمَ بَعْضِهِمْ وَأَعْرَضَ عَنْ بَعْضٍ، یعنی جب اس بی بی نے وہ راز کی بات دوسری بی بی سے کہہ ڈالی اور اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی خبر کر دی کہ اس نے آپکا راز فاش کر دیا تو آپ نے اس بی بی سے افشاء راز کا شکوہ تو کیا مگر پوری بات نہیں کھولی یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کرم اور حسن خلق تھا کہ پوری بات کھولنے سے ان کو زیادہ خجالت اور شرمندگی ہوگی۔ جس بی بی سے راز کی بات کہی گئی تھی وہ کون تھیں اور جس پر راز ظاہر کیا وہ کون، قرآن کریم نے اسکو بیان نہیں کیا، اکثر روایات حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ راز کی بات حضرت حفصہ سے کہی گئی تھی انھوں نے حضرت عائشہ سے ذکر کر دیا، جیسا کہ صحیح بخاری کی حدیث میں حضرت ابن عباس سے اسکا بیان آگے آئے گا۔

بعض روایات حدیث میں ہے کہ حضرت حفصہ کے راز فاش کرنے پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کو طلاق دینے کا ارادہ فرمایا مگر اللہ نے جبریل امین کو بھیجا کہ ان کی طلاق سے روک دیا اور فرمایا کہ بہت نماز گزار بکثرت روزے رکھنے والی ہیں اور اُن کا نام جنت میں آپ کی بیبیوں میں لکھا ہوا ہے (منظری)

إِنْ تَتُوبَا إِلَى اللَّهِ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوبُكُمَا، ازواج مطہرات میں سے جن دو کا اجمالی ذکر آدرا آیا ہے کہ انھوں نے باہم مشورہ کر کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے شہد پینے پر ایسا طرز اختیار کیا جس سے آپ نے شہد پینے سے قسم کھالی اور پھر آپ نے اسکے اخفاء کے لئے فرمایا تھا وہ اخفاء نہیں کیا بلکہ ایک نے دوسری پر بات کھول دی۔ یہ دو کون ہیں انکے متعلق صحیح بخاری وغیرہ میں حضرت ابن عباس کی ایک طویل روایت ہے جس میں انھوں نے فرمایا کہ عرصہ تک میرے دل میں یہ خواہش تھی کہ میں ان دو عورتوں کے متعلق عمر بن خطاب سے دریافت کروں جن کے متعلق قرآن میں آیا ہے **إِنْ تَتُوبَا إِلَى اللَّهِ**، یہاں تک ایک موقع آیا کہ عمر بن خطاب حج کے لئے نکلے اور میں بھی شریک سفر ہو گیا۔ دوران سفر میں ایک روز عمر بن خطاب رض قضاء حاجت

کے لئے جنگل کی طرف تشریف لے گئے اور واپس آئے تو میں نے وضو کے لئے پانی کا انتظام کر رکھا تھا میں نے آپ کے ہاتھوں پر پانی ڈالا۔ اور وضو کرتے ہوئے میں نے سوال کیا کہ یہ دو عورتیں جن کے متعلق قرآن میں اِنْ تَوَدَّآ آیا ہے کون ہیں حضرت عمرؓ نے فرمایا آپ سے تعجب ہے کہ آپ کو خبر نہیں یہ دونوں عورتیں حفصہ اور عائشہ ہیں۔ اسکے بعد حضرت عمرؓ نے اپنا ایک طویل قصہ اس واقعہ سے متعلق ذکر فرمایا جس میں اس واقعہ کے پیش آنے سے پہلے کے کچھ حالات بھی بیان فرمائے جن کی پوری تفصیل تفسیر مظہری میں ہے۔ آیت مذکورہ میں ان دونوں ازواج مطہرات کو مستقل خطاب کر کے ارشاد فرمایا کہ اگر تم توبہ کرو جیسا کہ اس واقعہ کا تقاضا ہے کہ تمہارے دل حق سے مائل ہو گئے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور آپ کی رضا جوئی ہر مومن کا فرض ہے مگر تم دونوں نے باہم مشورہ کر کے ایسی صورت اختیار کی جس سے آپ کو تکلیف پہنچی یہ ایسا گناہ ہے کہ اس سے توبہ کرنا ضروری ہے اور آگے فرمایا۔

وَإِنْ تَظْهَرُوا عَلَيْهِ فَإِنَّ اللَّهَ هُوَ مَوْلَاهُ وَجِبْرِيلُ الْآیۃ، اس میں یہ بتلادیا کہ اگر تم نے توبہ کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو راضی نہ کیا تو یہ نہ سمجھو کہ آپ کو کوئی نقصان پہنچے گا کیونکہ آپ کا تو اللہ مولیٰ اور کفیل ہے اور جبریل امین اور سب نیک مسلمان اور اُن کے بعد سب فرشتے، جس کی رفاقت و اعانت پر سب لگے ہوں اس کو کوئی کیا نقصان پہنچا سکتا ہے۔ نقصان و ضرر جو کچھ ہے تمہارا ہی ہے آگے انھیں کے متعلق فرمایا۔

عَسَىٰ رَبُّهُمَا إِنْ طَلَّقَكُنَّ أَنْ يُبَيِّنَ لَكُمُ الْآرَاجَ خَيْرًا مِّنْكُمْ الْآیۃ، اس میں عورتوں کے اس خیال کا جواب ہے کہ اگر ہمیں طلاق دیدی تو ہم جیسی دوسری عورتیں شاید آپ کو نہ ملیں۔ حاصل ارشاد کا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت سے کیا چیز باہر ہے اگر وہ تمہیں طلاق دیدیں تو وہ تم جیسی ہی نہیں بلکہ تم سے بہتر عورتیں عطا فرمادے گا، اس سے یہ لازم نہیں آیا کہ ان سے بہتر عورتیں اس وقت موجود تھیں ہو سکتا ہے کہ اس وقت نہوں اور جب ضرورت پڑے اللہ تعالیٰ دوسری عورتوں کو ان سے بہتر بنا دیں۔ ان آیات میں جیسا کہ خاص ازواج مطہرات کے اعمال و اخلاق کی اصلاح اور ان کی تادیب تربیت کا بیان تھا آگے عام مومنین کو اس کا حکم دیا گیا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قُوا أَنْفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا وَقُودُهَا

اے ایمان والو بچاؤ اپنی جان کو اور اپنے گھر والوں کو اس آگ سے جسکی پھٹیاں ہیں

النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ عَلَيْهَا مَلَائِكَةٌ غِلَظٌ شِدَادٌ لَا يَعْصُونَ اللَّهَ

آدمی اور پتھر اُس پر مقرر ہیں فرشتے تند خو زبردست نافرمانی نہیں کرتے اللہ کی

مَا أَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُونَ ۝ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ كَفَرُوا لَا

جو بات فرمائے اُن کو اور وہی کام کرتے ہیں جو اُن کو حکم ہو اے منکر ہونے والو مست

تَعْتَذِرُوا الْيَوْمَ إِنَّكُمْ تَجْزُونَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ۝

بہانے بتلاؤ آج کے دن وہی بدلہ پاؤ گے جو تم کرتے تھے

خلاصہ تفسیر

اے ایمان والو (جب رسول کی بیسیوں کو بھی عمل صالح اور اطاعت سے چارہ نہیں جیسا کہ اوپر معلوم ہوا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس پر مامور ہیں کہ اپنی ازواج کو نصیحت کر کے عمل صالح پر آمادہ کریں تو باقی سب امت پر بھی یہ فریضہ اور زیادہ ہو گیا کہ اپنے اہل و عیال کی اصلاح اعمال و اخلاق میں غفلت نہ برتیں اسلئے حکم دیا گیا کہ) تم اپنے کو اور اپنے گھر والوں کو (دوزخ کی) اُس آگ سے بچاؤ جسکا ایندھن (سوختہ) آدمی اور پتھر ہیں (اپنے کو بچانا خود اطاعت احکام کرنا اور گھر والوں کو بچانا ان کو احکام الہیہ کا سکھانا اور ان پر عمل کرانے کے لئے زبان سے ہاتھ سے بقدر امکان کوشش کرنا ہے۔ آگے اُس آگ کی دوسری حالت کا بیان ہے کہ) جس پر تند خو (اور مضبوط قوی) فرشتے (متعین) ہیں (کہ نہ وہ کسی پر رحم کریں نہ کوئی ان کا مقابلہ کر کے بچ سکے) جو خدا کی (ذرا) نافرمانی نہیں کرتے کسی بات میں جو ان کو حکم دیتا ہے اور جو کچھ ان کو حکم دیا جاتا ہے اُس کو (فوراً) بجالاتے ہیں (غرض اس دوزخ پر ایسے فرشتے مقرر ہیں جو کافروں کو دوزخ میں داخل کر کے چھوڑیں گے اور اس وقت کافروں سے کہا جائیگا کہ) اے کافرو تم آج عذر (بمعدرت) مت کرو۔ (کہ بے سود ہے) بس تم کو تو اُسی کی سزا مل رہی ہے جو کچھ تم (دُنیا میں) کیا کرتے تھے۔

معارف و مسائل

فَوَآ آهْلِيكُمْ وَاَهْلِيكُمْ الْآيَةُ، اس آیت میں عام مسلمانوں کو حکم ہے کہ جہنم کی آگ سے اپنے آپ کو بھی بچائیں اور اپنے اہل و عیال کو بھی پھرنا جہنم کی ہولناک شدت کا ذکر فرمایا اور آخر میں یہ بھی فرمایا کہ جو اس جہنم کا مستحق ہوگا وہ کسی زور طاقت جتھے یا خوشامد یا رشوت کے ذریعہ ان فرشتوں کی گرفت سے نہیں بچ سکے گا جو جہنم پر مسلط ہیں جنکا نام زبانیہ ہے۔

لفظ آهْلِيكُمْ میں اہل و عیال سب داخل ہیں جنہیں بیوی، اولاد، غلام، باندیاں سب داخل ہیں اور بعید نہیں کہ ہمہ وقتی نوکر چاکر بھی غلام باندیوں کے حکم میں ہوں۔ ایک روایت میں ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضرت عمر بن خطابؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ! اپنے آپ کو جہنم سے بچانے کی فکر تو سمجھ میں آگئی (کہ ہم گناہوں سے بچیں اور احکام الہیہ کی پابندی کریں) مگر اہل و عیال کو ہم کس طرح جہنم سے بچائیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اسکا طریقہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے

اثر نے بتلای ایک مثل منکروں کے واسطے عورت نوح کی اور عورت لوط کی

كَانَتْ تَحْتَ عَبْدَيْنِ مِنْ عِبَادِنَا صَالِحِينَ فَخَانَتْهُمَا فَلَمْ يُغْنِيَا عَنْهُمَا

گھر میں تھیں دونوں دونوں کے ہمارے نیک بندوں میں سے پھر انھوں نے ان سے چوری کی پھر وہ کام نہ آئے

مِنَ اللَّهِ شَيْئًا وَقِيلَ ادْخُلَا النَّارَ مَعَ الدَّٰخِلِينَ ⑩ وَضَرَبَ اللَّهُ

ان کے اللہ کے ہاتھ سے کچھ بھی اور حکم ہوا کہ چلی جاؤ دوزخ میں جانوروں کے ساتھ اور اللہ نے بتلای

مَثَلًا لِلَّذِينَ آمَنُوا امْرَأَتُ فِرْعَوْنَ إِذْ قَالَتْ رَبِّ ابْنِ لِي عُنْدَكَ

ایک مثل ایمان والوں کے لئے عورت فرعون کی جب بولی اے رب بنا میرے واسطے اپنے پاس

بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ وَبَنِيَ لَهَا فِرْعَوْنُ وَاعْمِلْهُ وَتَجْنِّي مِنَ الْقَوْمِ

ایک گھر بہشت میں اور بنانا نکال مجھ کو فرعون سے اور اس کے کام سے اور بنانا نکال مجھ کو

الظَّالِمِينَ ⑪ وَمَرْيَمَ ابْنَتَ عِمْرَانَ الَّتِي أَحْصَتُ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا

لوگوں سے اور مریم بیٹی عمران کی جس نے رو کے رکھا اپنی شہوت کی جگہ کو پھر بنے چھوٹک

فِيهِ مِنْ رُوحِنَا وَصَدَّقَتْ بِكَلِمَاتِ رَبِّهَا وَكُتِبَ لَهَا وَكَانَتْ مِنَ الْغَنِيِّينَ ⑫

دی اس میں ایک اپنی طرف سے جان اور سچا جانا اپنے رب کی باتوں کو اور اسکی تمناؤں کو اور وہ سچی بندگی کرنے والوں میں

خلاصہ تفسیر

(ان آیات میں دوزخ سے بچنے کا طریقہ بتلایا گیا ہے اور وہی اہل دعیال کو بتلا کر جہنم کی آگ سے بچانے

کا طریقہ ہے وہ یہ ہے) اے ایمان والو تم اللہ کے سامنے سچی توبہ کرو (یعنی دل میں گناہ پر کامل ندامت ہو اور

آئندہ اُسکے نہ کرنے کا پختہ قصد ہو اس میں تمام احکام دین فرائض واجبات بھی داخل ہو گئے کہ ان کا چھوڑنا

گناہ ہے اور تمام محرمات و مکروہات بھی آگئے کہ ان کا کرنا گناہ ہے) اُمید (یعنی وعدہ) ہے کہ تمہارا رب

(اس توبہ کی بدولت) تمہارے گناہ معاف کر دیگا اور تم کو (جنت کے) ایسے باغوں میں داخل کر دیگا جتنے

نیچے نہریں جاری ہونگی (اور یہ اُس روز ہوگا) جس دن کہ اللہ نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کو اور جو سلمان (ایمان

اور دین کی رو سے) ان کے ساتھ ہیں ان کو رؤسوانہ کر دیگا ان کا نور ان کے داہنے اور ان کے سامنے دوڑتا ہوگا

(جیسا کہ سورہ حدید میں گزر چکا ہے اور وہ) یوں دعا کرتے ہونگے کہ اے ہمارے رب ہمارے لئے ہمارے اس نور کو اخیر

تک رکھئے (یعنی راستہ میں گل نہ ہو جاوے) اور ہماری مغفرت فرما دیجئے آپ ہر شے پر قادر ہیں (اور اس دعا

کی وجہ یہ ہوگی کہ قیامت میں ہر مومن کو کچھ نہ کچھ نور عطا ہوگا جسوقت پل صراط کے پاس پہنچ کر منافقین کا نور

بجھ جاویگا جسکا ذکر سورہ حدید میں آچکا ہے اسوقت مومنین یہ دعا کریں گے کہ منافقین کی طرح ہماری

نور بھی سلب نہ ہو جائے (کذا فی الدر المنثور عن ابن عباس) اے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کفار (سے بذریعہ تلوار)

اور منافقین سے (بذریعہ زبان و بیان حجت) بھاد کیجئے اور ان پر سختی کیجئے (دنیا میں تو یہ اس سزا کے مستحق ہوئے)

اور (آفرت میں) اُن کا ٹھکانا دوزخ ہے اور وہ بُری جگہ ہے (آگے اس کا بیان ہے کہ آخرت میں ہر شخص کو اپنا ہی ایمان کام آئے گا۔ کافر کو کسی اُس کے خویش و عزیز کا ایمان عذاب سے نہ بچائے گا، اسی طرح مومن کے خویش و عزیز کافروں تو مومن کو اس کا کوئی نقصان نہیں پہنچے گا) اللہ تعالیٰ کافروں (کی عبرت) کے لئے نوح کی بی بی اور لوط کی بی بی کا حال بیان فرماتا ہے، وہ دونوں ہمارے خاص بندوں ہیں دُنیک بندوں کے نکاح میں تھیں سو اُن عورتوں نے اُن دونوں بندوں کا حق ضائع کیا (یعنی بوجہ اُن کے نبی ہونے کے اُن کا حق یہ بھی تھا کہ اُن پر ایمان لائیں اور دینی احکام میں اُن کی اطاعت کرتیں جو انھوں نے نہیں کی) تو وہ دونوں نیک بندے اللہ کے مقابلے میں اُن کے ذرا کام نہ آ سکے اور ان دونوں عورتوں کو (بوجہ کافر ہو جانے کے) حکم ہو گیا کہ تم دونوں بھی دوسرے جہنم میں داخل ہونے والوں کے ساتھ جہنم میں داخل ہو جاؤ (یہاں تک کافروں کی عبرت کے لئے واقعہ بیان کیا گیا تھا، آگے مسلمانوں کے اطمینان کے لئے فرمایا) اللہ تعالیٰ مسلمانوں (کی تسلی) کے لئے فرعون کی بی بی (حضرت آسیہ) کا حال بیان کرتا ہے جبکہ اُن بی بی نے دُعا کی کہ اے میرے پروردگار میرے واسطے جنت میں اپنے قرب میں مکان بنائیے اور مجھ کو فرعون (کے شر) سے اور اسکے عمل (کفر کے ضرر اور اثر) سے محفوظ رکھئے اور مجھ کو تمام ظالم (یعنی کافر) لوگوں (کے ظاہری اور باطنی ضرر) سے محفوظ رکھئے اور انیز مسلمانوں کی تسلی کے لئے اللہ تعالیٰ عمران کی بیٹی حضرت مریم کا حال بیان کرتا ہے جنھوں نے اپنے ناموس کو (حرام اور حلال دونوں) محفوظ رکھا، سو ہم نے اُن کے چاک گریبان میں (بواسطہ جبریل علیہ السلام) اپنی روح پھونک دی اور انھوں نے اپنے پروردگار کے پیغاموں کی (جو ملائکہ کے ذریعے پہنچے تھے) اور اُس کی کتابوں کی (جن میں تورت و انجیل بھی ہیں) تصدیق کی (یہ بیان ہے اُن کے عقائد کا) اور وہ اطاعت والوں میں سے تھیں (یہ بیان ہے اُن کے اعمال کا)

معارف و مسائل

تَوْبًا إِلَى اللَّهِ تَوْبَةً نَّصُوحًا، توبہ کے لفظی معنی لوٹنے اور رجوع ہونے کے ہیں، مراد گناہوں سے لوٹنا ہے۔ اور اصطلاح قرآن و سنت میں توبہ اس کا نام ہے کہ آدمی اپنے پچھلے گناہ پر نادم ہو اور آئندہ اُس کے پاس نہ جانے کا پختہ عزم کرے۔ اور نصوح کو اگر مصدر نصوح اور نصیحت سے لیا جائے تو اس کے معنی خالص کرنے کے ہیں، اور مصدر نصاحت سے مشتق قرار دیں تو اس کے معنی کپڑے کو سینے اور چوڑ لگانے کے ہیں۔ پہلے معنی کے اعتبار سے نصوح کے معنی یہ ہونگے کہ وہ ریا اور نمود سے خالص ہو۔ محض اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی اور خوفِ عذاب سے گناہ پر نادم ہو کر اسکو چھوڑ دے اور دوسرے معنی کے اعتبار سے نصوح اس مطلب کے لئے ہوگا کہ اعمالِ صالحہ کا لباس جو گناہ کی وجہ سے پھٹ گیا ہے توبہ اسے خرق یعنی پھٹن کو جوڑنے والی ہے۔ حضرت حسن بصریؒ نے فرمایا کہ توبہ نصوح یہ ہے کہ آدمی اپنے گزشتہ عمل پر نادم ہو اور پھر اس کی طرف نہ لوٹنے کا پختہ ارادہ اور عزم رکھتا ہو۔ اور کلبی نے فرمایا کہ توبہ نصوح یہ ہے کہ زبان سے

استغفار کرے اور دل میں نادم ہو اور اپنے بدن اور اعضاء کو آئندہ اُس گناہ سے روکے۔

اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے سوال کیا گیا کہ توبہ کیا ہے؟ تو آپ نے فرمایا جس میں چھ چیزیں جمع ہوں۔
(۱) اپنے گزشتہ برے عمل پر ندامت (۲) جو فرائض واجبات اللہ تعالیٰ کے چھوٹے ہیں ان کی قضا (۳) کسی کمال وغیرہ ظلماً لیا تھا تو اُس کی واپسی (۴) کسی کو ہاتھ یا زبان سے ستایا اور تکلیف پہنچائی تھی تو اُس سے معافی (۵) آئندہ اُس گناہ کے پاس نہ جانے کا پختہ عزم و ارادہ (۶) اور یہ کہ جس طرح اُس نے اپنے نفس کو اللہ کی نافرمانی کرتے ہوئے دیکھا ہے اب وہ اطاعت کرتے ہوئے دیکھ لے (منظہری)
حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے جو شرائط توبہ بیان فرمائی ہیں وہ سبھی کے نزدیک مسلم ہیں بعض نے مختصر بعض نے مفصل بیان کر دیا ہے۔

عَسَىٰ رَبُّكُمْ أَن يَغْفِرَ لَكُمْ ۚ وَاللَّيْلَةُ لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ
اس وعدہ کو بلفظ امید تعبیر کر کے اس طرف اشارہ کر دیا کہ توبہ ہو یا انسان کے دوسرے اعمال صالحہ ان میں سے کوئی بھی جنت و مغفرت کی قیمت نہیں اور نہ اللہ کے ذمہ از روئے انصاف یہ لازم آتا ہے جو عمل صالح کرے اس کو ضرور جنت ہی میں داخل کرے کیونکہ اعمال صالحہ کا ایک بدلہ تو ہر انسان کو دنیوی زندگی میں عطا ہونے والی نعمتوں سے مل چکا ہے۔ اس کے بدلے میں از روئے قانون و قاعدہ جنت ملنا ضروری نہیں وہ محض اللہ تعالیٰ کے فضل و انعام ہی پر موقوف ہے جیسا کہ حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں کسی کو صرف اسکا عمل نجات نہیں دلا سکتا۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا آپ کو بھی آپ نے فرمایا ہاں مجھے بھی جب تک کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و رحمت کا معاملہ نہ فرماویں (بخاری و مسلم) از منظہری

قَدْ رَبَّ اللَّهُ مَثَلًا ۚ لِّلَّذِينَ كَفَرُوا ۖ اٰمَرَاتٌ مُّؤَيَّدَةٌ ۚ اٰلَیْہِ سُوْرَتٌ مِّنْ اٰیٰتِہِ لَعَلَّہُمْ یَرْجِعُوْنَ
مثالیں بیان فرمائی ہیں، پہلی دو عورتیں دو پیغمبروں کی بیویاں ہیں جنہوں نے دین کے معاملے میں اپنے شوہروں کی مخالفت کی، کفار و مشرکین کی امداد و موافقت خفیہ کرتی رہیں اس کے نتیجہ میں جہنم میں گئیں، اللہ کے مقبول و برگزیدہ پیغمبروں کی زوجیت بھی ان کو عذاب سے نہ بچا سکی، انہیں ایک حضرت نوح علیہ السلام کی بی بی ہے جن کا نام وانلہ بیان کیا گیا ہے اور دوسری حضرت نوح علیہ السلام کی بی بی جس کا نام والہہ کہا گیا ہے (قرطبی) ان کے ناموں میں اور بھی مختلف اقوال ہیں۔ تیسری وہ عورت ہے جو سب سے بڑے کافر خدای کے مدعی فرعون کی بیوی تھی مگر موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آئی، اُس کو اللہ تعالیٰ نے یہ درجہ دیا کہ دنیا ہی میں اس کو جنت کا مقام دکھلا دیا، شوہر کی فرعونیت اس کی راہ میں کچھ حائل نہیں ہو سکی چونکہ حضرت مریم ہیں جو کسی کی بی بی نہیں مگر ایمان اور اعمال صالحہ کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کو یہ درجہ دیا کہ ان کو نبوت کے کمالات عطا فرمائے، اگرچہ جہور اُمت کے نزدیک نبی نہیں۔
ان سب مثالوں سے یہ واضح کر دیا کہ ایک مومن کا ایمان اسکے کسی کافر عزیز کے کام نہیں آ سکتا اور

ایک کافر کا کفر اُس کے کسی مومن عزیز کو نقصان نہیں پہنچا سکتا، اس لئے انبیاء و اولیاء کی بیویاں اس پر بے فکر نہ ہوں کہ ہمیں ہمارے شوہروں کی وجہ سے نجات ہو ہی جائے گی اور کسی کافر فاجر کی بیوی یہ فکر نہ کرے کہ اس کا کفر میرے لئے کسی مضرت کا سبب بن جائیگا بلکہ ہر ایک مرد و عورت کو اپنے ایمان و عمل کی فکر خود کرنا چاہیے

وَضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا لِّلَّذِينَ آمَنُوا امْرَأَتَ فِرْعَوْنَ إِذْ قَالَتْ رَبِّ ابْنِ لِي عِنْدَ رَبِّكَ بَيْتًا فِی الْجَنَّةِ

یہ مثال فرعون کی بیوی حضرت آسیہ بنت مزاحم کی ہے جس وقت موسیٰ علیہ السلام جادو گروں کے مقابلے میں کامیاب ہوئے اور جادو گر مسلمان ہو گئے تو اس بی بی نے اپنے ایمان کا اظہار کر دیا، فرعون نے ان کو سخت سزا دینا تجویز کیا، بعض روایات میں ہے کہ ان کو چومینہ کر کے سینے پر بھاری پتھر رکھ دیا یعنی چاڑوں ہاتھوں پیروں میں میخیں گاڑ دیں کہ حرکت نہ کر سکیں۔ اس حالت میں انھوں نے اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کی جو اس آیت میں مذکور ہے اور بعض روایات میں ہے کہ یہ تجویز کیا کہ اوپر سے بہت بھاری پتھر ان کے سر پر ڈال دیا جائے، ابھی ڈالنے نہیں پائے تھے کہ انھوں نے دعا کی اور اللہ تعالیٰ نے ان کی روح قبض کر لی، پتھر جسم بے جان پر گرا۔ اور دعا میں یہ فرمایا کہ میرے رب جنت میں اپنے پاس گھر بنا دے اللہ تعالیٰ نے دنیا ہی میں ان کو جنت کا گھر دکھلادیا (منظہری)

وَصَدَّقَتْ بِكَلِمَاتِ رَبِّهَا وَكُنْتِ مِنَ الْغَاثِیْنَ

پر اترتے ہیں۔ اور کتب سے مراد معروف آسمانی کتابیں انجیل۔ زبور۔ تورات ہیں وَكَانَتْ مِنَ الْغَاثِیْنَ قانت کی جمع ہے جس کے معنی عابدہ کے ہیں جو اپنی عبادت و طاعت پر مداومت کرتا ہے۔ یہ حضرت مریم کی صفت ہے۔ حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مردوں میں سے بہت لوگ کامل و مکمل ہوئے ہیں مگر عورتوں میں سے صرف آسیہ فرعون کی بیوی اور مریم بنت عمران کامل ہوئیں (بخاری و مسلم۔ از منظہری) ظاہر یہ ہے کہ مراد کمالات نبوت ہیں کہ باوجود عورت ہونے کے ان کو حاصل ہوئے (منظہری) واللہ اعلم

تَمَّتْ سُورَةُ التَّحْرِیمِ بِعَوْنِ اللَّهِ وَحَمْدِهِ فِی یَوْمِ رَجَبِ ۱۳۹۱ یَوْمِ الشَّكَاةِ

سُورَةُ الْمَلِكِ

سُورَةُ الْمَلِكِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ ثَلَاثُونَ آيَةً وَفِيهَا رَكْعَتَانِ
سورہ ملک مکہ میں نازل ہوئی اور اس کی تین آیتیں ہیں اور دو رکوع

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

شروع اللہ کے نام سے جو مہربان نہایت رحم والا ہے

تَبَرُّكَ الَّذِي رَبِّدَهُ الْمُلْكُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ①

بڑی برکت ہے اس کی جس کے ہاتھ میں ہے راج اور وہ سب کچھ کر سکتا ہے جس نے بنایا

الْمَوْتُ وَالْحَيَاةُ لِيَبْلُوَكُمْ أَيُّكُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا وَهُوَ الْعَزِيزُ الْغَفُورُ ②

مرنا اور جینا تاکہ تم کو جانچے کون تم میں اچھا کرتا ہے کام اور وہ زبردست ہے بخشنے والا

الَّذِي خَلَقَ سَبْعَ سَمَاوَاتٍ طِبَاقًا مَا تَرَى فِي خَلْقِ الرَّحْمَنِ مِنْ تَفَوُّتٍ

جس نے بنائے سات آسمان تہہ پر تہہ کیا دیکھتا ہے تو رحمن کے بنائے میں کچھ فرق

فَارْجِعِ الْبَصَرَ هَلْ تَرَى مِنْ قُطُورٍ ③ ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَيْنِ يَنْقَلِبْ

پھر دوبارہ نگاہ کر کہیں نظر آتی ہے تجھ کو دراڑ پھر تو ٹاکر نگاہ کر دو دوبارہ لوٹ آئے گی

إِلَيْكَ الْبَصَرُ خَاسِئًا وَهُوَ حَسِيرٌ ④ وَلَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَاءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيحٍ

تیرے پاس تیری نگاہ زد ہو کر تھک کر اور ہم نے رونق دی سب سے ورلے آسمان کو چراغوں سے

وَجَعَلْنَاهَا رُجُومًا لِلشَّيَاطِينِ وَأَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابَ السَّعِيرِ ⑤

اور ان سے کر رکھی ہے پتھر پھینک مار شیطانوں کے واسطے اور رکھا ہے ان کے واسطے عذاب دہکتی آگ کا اور

لِلَّذِينَ كَفَرُوا وَإِنَّهُمْ عَذَابُ الْبُحْتِ وَبِئْسَ الْمَصِيرُ ⑥ إِذَا أَقْبُوا

جو لوگ منکر ہوئے اپنے رب سے ان کے واسطے ہے عذاب دوزخ کا اور بڑی جگہ جا بیٹھے جب اس میں ڈالے

فِيهَا سَمِعُوا لَهَا شَهِيقًا وَهِيَ تَفُورٌ ⑦ تَكَادُ تَمَيِّزُ مِنَ الْغَيْظِ كُلَّمَا أُلْقِيَ

جائیں گے سس گے اسکا دھاڑنا اور وہ اچھل رہی ہوگی ایسا لگتا ہے کہ پھٹ پڑیگی جوش سے جوت پرلے اس میں

فِيهَا قَوْجٌ سَأَلَهُمْ خَزَنَتُهَا أَلَمْ يَأْتِكُمْ نَذِيرٌ ۝ قَالُوا بَلَىٰ قَدْ جَاءَنَا نَذِيرٌ ۝

ایک گروہ بڑے چھپیں ان سے دوزخ کے دار و نہ کیا نہ پہنچا تھا تمہارے پاس کوئی ڈر ستانے والا وہ بولیں کیوں نہیں ہمارے پاس پہنچا تھا ڈر ستانے والا

فَكَذَّبْنَا وَقُلْنَا مَا نَزَّلَ اللَّهُ مِنْ شَيْءٍ إِنْ أَنْتُمْ إِلَّا فِي ضَلَالٍ كَبِيرٍ ۝

پھر بھٹکے جھٹلایا اور کہا نہیں آسمانی اللہ نے کوئی چیز تم کو پڑے ہوئے ہو بڑے بہکادے میں

وَقَالُوا لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ أَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِي أَصْحَابِ السَّعِيرِ ۝

اور کہیں گے اگر ہم ہوتے سنیے یا سمجھتے تو نہ ہوتے دوزخ والوں میں سو قائل ہو گئے

بِذُنُوبِهِمْ فَسُبْحَٰنَ أَصْحَابِ السَّعِيرِ ۝ إِنَّ الَّذِينَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُم بِالْغَيْبِ

اپنے گناہ کے اب دفع ہو جائیں دوزخ والے جو لوگ ڈرتے ہیں اپنے رب سے بن دیکھے

لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَأَجْرٌ كَبِيرٌ ۝ وَأَسِرُّوا قَوْلَكُمْ وَأَجْهَرُوا بِهِ إِنَّهُ عَلِيمٌ

ان کے لئے معافی ہے اور ثواب بڑا اور تم چھپا کر کہو اپنی بات یا کھول کر وہ خوب جانتا ہے

بِذَاتِ الصُّدُورِ ۝ أَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ ۝

جیوں کے بھید بھلا وہ نہ جائے جس نے بنایا اور وہی ہے بھید جاننے والا خبردار وہی ہے

الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ ذَلُولًا فَامْشُوا فِي مَنَاكِبِهَا وَكُلُوا مِنْ

جس نے کیا تمہارے آگے زمین کو پست اب چلو پھرو اس کے کندھوں پر اور کھاؤ کچھ اس کی

رِزْقِهِ وَإِلَيْهِ النُّشُورُ ۝ أَمْ أَنْتُمْ مِّنْ فِي السَّمَاءِ أَنْ يَخْسِفَ بِكُمْ

دی ہوئی روزی اور اسی کی طرف جی اٹھنا ہے کیا تم نہ ہو گئے اس سے جو آسمان میں ہے اس سے کہ دھندلے تم کو

الْأَرْضَ فَإِذَا هِيَ تَمُورُ ۝ أَمْ أَنْتُمْ مِّنْ فِي السَّمَاءِ أَنْ يُرْسِلَ عَلَيْكُمْ

زمین میں پھر بھی وہ لرزے لگے یا نہ ہو گئے ہو اس سے جو آسمان میں ہے اس بات سے کہ برسا دے تم پر

حَاصِبًا ۚ فَسَتَعْلَمُونَ كَيْفَ نَذِيرٌ ۝ وَلَقَدْ كَذَّبَ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ

مینہ پتھروں کا، سو جان لو گے کیسا ہے میرا ڈرانا اور جھٹلایکے ہیں جو ان سے پہلے تھے

فَكَيْفَ كَانَ نَكِيرٌ ۝ أَوَلَمْ يَرَوْا إِلَى الطَّيْرِ فَوْقَهُمْ صَفًى وَيَقْبِضْنَ ۚ

پھر کیسا ہوا سیرا انکار اور کیا نہیں دیکھتے ہو اڑتے جانوروں کو اپنے اوپر پکڑ کھولے ہوئے اور پر چھپکتے ہوئے

مَا يُمْسِكُهُنَّ إِلَّا الرَّحْمَنُ إِنَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ بَصِيرٌ ۝ أَمْ مَنْ هَذَا الَّذِي

ان کو کوئی نہیں تمام رہا رحمن کے سوائے اس کی نگاہ میں ہے ہر چیز بھلا وہ کون ہے جو

هُوَ جُنْدُ لَكُمْ يَنْصَرُّكُمْ مِّنْ دُونِ الرَّحْمَنِ إِنَّ الْكُفْرَ وَنَ إِلَّا فِي غُرُورٍ ۝

فوج ہے تمہاری مدد کرے تمہاری رحمن کے سوائے منکر پڑے ہیں بڑے بہکائے میں

أَمَّنْ هَذَا الَّذِي يَرْزُقُكُمْ إِنْ أَمْسَكَ رِزْقَهُ ۚ بَلْ لَجُّوا فِي عُتُوٍّ وَنُفُورٍ ۝۲۱

بھلا وہ کون ہے جو روزی دے تم کو اگر وہ رکھ چھوڑے اپنی روزی کوئی نہیں پرار رہے ہیں شرارت اور بد کنی پر

أَمَّنْ يَمْشِي مَكْبًا عَلًى وَجْهَهُ أَهْدَىٰ أَمَّنْ يَمْشِي سَوِيًّا عَلًى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ۝۲۲

بھلا ایک جو چلے آؤندھا اپنے منہ کے بل وہ سیدھی راہ پائے یا وہ شخص جو چلے سیدھا ایک سیدھی راہ پر

قُلْ هُوَ الَّذِي أَنْشَأَكُمْ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ وَالْأَفْئِدَةَ ۚ قَلِيلًا

تو کہہ دہی ہے جس نے تم کو بنا کھڑا کیا اور بنادئیے تمہارے واسطے کان اور آنکھیں اور دل تم بہت

مَا تَشْكُرُونَ ۝۲۳ قُلْ هُوَ الَّذِي ذَرَأَكُمْ فِي الْأَرْضِ وَإِلَيْهِ تُحْشَرُونَ ۝۲۴

تھوڑا حق مانتے ہو تو کہہ دہی ہے جس نے بکھیر دیا تم کو زمین میں اور اسی کی طرف اکٹھے کئے جاؤ گے

وَيَقُولُونَ مَتَىٰ هَذَا الْوَعْدُ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ۝۲۵ قُلْ إِنَّمَا الْعِلْمُ عِنْدَ

اور کہتے ہیں کب ہوگا یہ وعدہ اگر تم سچے ہو تو کہہ خبر تو ہے اللہ ہی کے

اللَّهِ وَإِنَّمَا أَنَا نَذِيرٌ مُبِينٌ ۝۲۶ فَلَمَّا رَأَوْهُ زُلْفَةً سَيَّئَتْ وُجُوهُ الَّذِينَ

پاس اور میرا کام تو یہی ڈرنا دینا ہے کھول کر پھر جب دیکھیں گے کہ وہ پاس آگیا تو بگڑ جائیں گے منہ منکروں

كَفَرُوا وَقِيلَ هَذَا الَّذِي كُنْتُمْ بِهِ تَدَّعُونَ ۝۲۷ قُلْ أَرَأَيْتُمْ إِنْ أَهْلَكْنِي

کے اور کہے گا یہی ہے جس کو تم مانگتے تھے تو کہہ بھلا دیکھو تو اگر ہلاک کر دے مجھ کو

اللَّهُ وَمَنْ مَّعِيَ أَوْ رَحِمَنَا ۖ فَمَنْ يُجِزُّ الْكَافِرِينَ مِنْ عَذَابٍ أَلِيمٍ ۝۲۸

اللہ اور میرے ساتھ والوں کو یا ہم پر رحم کرے پھر وہ کون ہے جو بچائے منکروں کو عذاب دردناک سے

قُلْ هُوَ الرَّحْمَنُ أَمَّنَّا بِهِ وَعَلَيْهِ تَوَكَّلْنَا ۖ فَسْتَعْمِلُونَ مَنْ هُوَ فِي ضَلَالٍ

تو کہہ دہی رحمن ہے ہم نے اس کو مانا اور اسی پر بھروسہ کیا سو اب تم جان لو گے کون پڑا ہے صریح

مُبِينٍ ۝۲۹ قُلْ أَرَأَيْتُمْ إِنْ أَصْبَحَ مَاؤُكُمْ غَوْرًا فَمَنْ يَأْتِيكُمْ بِمَاءٍ مَّعِينٍ ۝۳۰

پرکائے میں تو کہہ بھلا دیکھو تو اگر ہو جائے صبح کو پانی تمہارا خشک پھر کون ہے جو لائے تمہارے پاس پانی تمہارا

خلاصہ تفسیر

وہ (خدا) بڑا عالیشان ہے جس کے قبضہ میں تمام سلطنت ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے جس نے موت اور حیات کو پیدا کیا تاکہ تمہاری آزمائش کرے کہ تم میں کون شخص عمل میں زیادہ اچھا ہے (حسین علی میں موت کا تو دخل یہ ہے کہ موت کی فکر سے انسان دنیا فانی اور قیامت کے اعتقاد سے آفرت کو باقی سمجھ کر وہاں کے ثواب حاصل کرنے اور وہاں کے عذاب سے بچنے کے لئے مستعد ہو سکتا ہے اور حیات کا دخل یہ ہے کہ اگر حیات نہ ہو تو عمل کس وقت کرے، پس حسن عمل کے لئے موت بمنزلہ شرط کے اور حیات بمنزلہ طرفہ کے ہے

اور چونکہ موت عدم محض نہیں ہے اس لئے اس پر خلوقیت کا حکم صحیح ہے) اور وہ زبردست (اور) بخشے والا اور
 (کہ اعمال غیر حسنہ پر عذاب اور اعمال حسنہ پر مغفرت و ثواب مرتب فرماتا ہے) جس نے سات آسمان اوپر
 تھے پیدا کئے (جیسے حدیث صحیح میں ہے کہ ایک آسمان سے اوپر بفاصلہ دراز دوسرا آسمان ہے پھر اسی
 طرح اس سے اوپر تیسرا اور علیٰ ہذا۔ آگے آسمان کا استحکام بیان فرماتے ہیں کہ اسے دیکھنے والے) تو خدا کی
 اس صنعت میں کوئی خلل نہ دیکھے گا سو (اب کی بار) پھر نگاہ ڈال کر دیکھ لے کہیں تجھ کو کوئی خلل نظر
 آتا ہے (یعنی بلا تامل تو بہت بار دیکھا ہوگا اب کی بار تامل سے نگاہ کر) پھر بار بار نگاہ ڈال کر دیکھ (آخر کار)
 نگاہ ذیل اور در ماندہ ہو کر تیری طرف لوٹ آدے گی (اور کوئی رخنہ نظر نہ آویگا یعنی وہ جس چیز کو جیسا چاہے
 بنا سکتا ہے چنانچہ آسمان کو مضبوط بنانا چاہا کہ باوجود زمان دراز گزر جانے کے اب تک اس میں کوئی خلل نہیں
 آیا۔ و ہذا کقولہ تعالیٰ وَمَا لَهَا مِنْ فُرُوجٍ، اسی طرح کسی شے کو ضعیف اور جلد متاثر ہونے والی بنا دیا غرض
 اس کو ہر طرح کی قدرت ہے) اور (ہماری قدرت کی دلیل یہ ہے کہ) ہم نے قریب کے آسمان کو چراغوں (یعنی
 ستاروں) سے آراستہ کر رکھا ہے اور ہم نے ان (ستاروں) کو شیطانوں کے مارنے کا ذریعہ بھی بنایا ہے (جس کی
 حقیقت سورہ حجر میں گزری ہے) اور ہم نے ان (شیاطین) کے لئے (شہاب کی مار کے علاوہ جو کہ دنیا میں ہوتا ہے
 آخرت میں بوجہ ان کے کفر کے) دوزخ کا عذاب (بھی) تیار کر رکھا ہے اور جو لوگ اپنے رب (کی توحید) کا
 انکار کرتے ہیں ان کے لئے دوزخ کا عذاب ہے اور وہ بُری جگہ ہے جب یہ لوگ اس میں ڈلے جاویں گے تو اسکی
 ایک بڑی زور کی آواز سنیں گے اور وہ اس طرح جوش مارتی ہوگی جیسے معلوم ہوتا ہے کہ (ابھی) غصہ کے مارے
 پھٹ پڑے گی (یا تو اللہ تعالیٰ اس میں ادراک اور غصہ پیدا کر دیگا کہ مبغوضین حق پر اس کو بھی غیظ آوے گا اور
 یا مقصود تمثیل ہے یعنی جیسے کوئی غصہ سے جوش میں آتا ہے اسی طرح وہ شدت اشتعال سے جوش میں آوے گی
 اور) جب اس میں کوئی گروہ (کافروں کا) ڈالا جاوے گا تو اس کے محافظان لوگوں سے پوچھیں گے کہ کیا تمہارے
 پاس کوئی ڈرانے والا (پیغمبر) نہیں آیا تھا (جس نے تم کو اس عذاب سے ڈرایا ہو جس کا مقتضایہ تھا کہ اس
 سے ڈرتے اور بچنے کا سامان کرتے۔ یہ سوال بطور توبیخ ہے یعنی پیغمبر تو آئے تھے اور یہ سوال ہر نئے جانے والے
 گروہ سے ہوگا کیونکہ دوزخ میں حسب تفادیت مراتب کفر سب فرقے کفار کے یکے بعد دیگرے جاویں گے) وہ
 کافر (بطور اعتراف کے) کہیں گے کہ واقعی ہمارے پاس ڈرانے والا (پیغمبر) آیا تھا سو (ہماری شامت ممتی
 کہ) ہم نے اس کو جھٹلایا اور کہہ دیا کہ خدا تعالیٰ نے (از قبیل احکام و کتب) کچھ نازل نہیں کیا (اور) تم بُری
 غلطی میں پڑے ہو۔ اور (وہ کافر فرشتوں سے یہ بھی) کہیں گے کہ ہم اگر سُنتے یا بچتے (یعنی پیغمبروں کے کہنے کو
 قبول کرتے اور مانتے) تو ہم اہل دوزخ میں (شامل) نہ ہوتے غرض اپنے جرم کا اقرار کریں گے سواہل دوزخ
 پر لعنت ہے۔ بیشک جو لوگ اپنے پروردگار سے بے دیکھے ڈرتے ہیں (اور ایمان و اطاعت اختیار کرتے ہیں)
 ان کے لئے مغفرت اور اجر عظیم (مقرر) ہے۔ اور تم لوگ خواہ چھپا کر بات کہو یا پکار کر کہو (اسکو سب خبر ہے کیونکہ)

وہ دلوں تک کی باتوں سے خوب آگاہ ہے (اور بھلا) کیا وہ نہ جانے گا جس نے پیدا کیا ہے اور وہ باریک بین ہے۔ (اور) پورا باخبر ہے (حاصل استدلال کا یہ ہے کہ وہ ہر شے کا خالق مختار ہے پس تمہارے احوال و اقوال کا بھی خالق ہر اور کسی چیز کی تخلیق بغیر علم کے نہیں ہو سکتی اس لئے اللہ کو ہر چیز کا علم ضروری ہوا اور تخصیص اقوال کی مقصود نہیں بلکہ حکم عام ہے افعال بھی اس میں داخل ہیں تخصیص ذکر یہ شاید اس بنا پر ہو کہ اقوال کثیر الوقوع ہیں غرض اس کو سب علم ہے وہ ہر ایک کو مناسب جزا دیگا) وہ ایسا (منعم) ہے جس نے تمہارے لئے زمین کو مسخر کر دیا، (کہ تم اس میں ہر طرح کے تصرفات کر سکتے ہو) سو تم اس کے رستوں میں چلو (پھر) اور خدا کی روزی میں سے (جو زمین میں پیدا کی ہے) کھاؤ (پیو) اور (کھاپی کر اس کو یاد رکھنا کہ) اسی کے پاس دوبارہ زندہ ہو کر جانا ہے (پس یہ اس کو مقضیٰ ہے کہ اس کی نعمتوں کا شکر ادا کرو جو ایمان و طاعت ہے) کیا تم لوگ اس سے بیخوف ہو گئے ہو جو کہ آسمان میں (بھی اپنا حکم اور تصرف رکھتا) ہے کہ وہ تم کو (مثل قارون کے) زمین میں دھنسا دے پھر وہ زمین تمہارا (کڑا لٹ پلٹ ہو) نے لگے (جس سے تم اور نیچے اتر جاؤ اور زمین کے اجزاء تمہارے اوپر آکر مل جاویں) یا تم لوگ اس سے بیخوف ہو گئے ہو جو کہ آسمان میں (بھی اپنا حکم اور تصرف رکھتا) ہے کہ وہ تم پر (مثل عاد کے) ایک ہوائے تند بھیج دے (جس سے تم ہلاک ہو جاؤ یعنی مقضیٰ تمہارے کفر کا یہی ہے) سو (اگر کسی مصلحت سے عذاب عاجل تم پر سے ٹل رہا ہے تو کیا ہوا) غریب (مرتے ہی) تم کو معلوم ہو جائے گا کہ میرا ڈرنا (عذاب سے) کیسا (واقع اور صحیح) تھا اور (اگر بدو ن عذاب عاجل کے کفر کا مبغوض ہونا ان کی سمجھ میں نہ آوے تو اس کا نمونہ بھی موجود ہے چنانچہ) ان سے پہلے جو لوگ ہو گزرے ہیں انہوں نے (دین حق کو) جھٹلایا تھا سو (دیکھ لو ان پر) میرا عذاب کیسا (واقع) ہوا (جس سے صاف معلوم ہوا کہ کفر مبغوض ہے پس اگر کسی مصلحت سے یہاں عذاب ٹل گیا تو دوسرے عالم میں حسب وعید واقع ہو گا اور اوپر خَلَقَ سَبْعَ سَمَاوَاتٍ اِنْ مِّنْ دَلَالٍ تَوْحِيدِ بَيَانِ ہوئے جو آسمان کے متعلق ہیں پھر هُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ اِنْ مِّنْ زَمِيْنٍ كَسَمَلَقَ چیزوں کا بیان ہوا، آگے جو یعنی فضاء آسمانی کے متعلقہ دلائل کا بیان ہے) کیا ان لوگوں نے اپنے اوپر پرندوں کی طرف نظر نہیں کی کہ پر پھیلائے ہوئے (اڑتے پھرتے) ہیں اور (کبھی اسی حالت میں) پر سمیٹ لیتے ہیں (اور دونوں حالتوں میں باوجود تقیل اور وزنی ہونے کے زمین اور آسمان کی درمیانی فضاء میں پھرتے رہتے ہیں پر نہیں گرجاتے اور) بجز (خدائے) رحمان کے ان کو کوئی تھاے ہوئے نہیں ہے بیشک وہ ہر چیز کو دیکھ رہا ہے (اور جس طرح چاہے اس میں تصرف کر رہا ہے) ہاں (خدا کے تصرفات تو من لئے اب بتلاؤ کہ) رحمن کے سوا وہ کون ہے کہ وہ تمہارا شکر بن کر (آفات سے) تمہاری حفاظت کر سکے (اور) کافر (جو اپنے معبود کی نسبت ایسا خیال رکھتے ہیں) تو (وہ) زے دھوکہ میں ہیں (اور) ہاں (یہ بھی بتلاؤ کہ) وہ کون ہے جو تم کو روزی پہنچا دے اگر اللہ تعالیٰ اپنی روزی بند کر لے (مگر یہ لوگ اس سے بھی متاثر نہیں ہوتے) بلکہ یہ لوگ سرکشی اور نفرت (معن لُحَى) پر جم رہے ہیں (خلاصہ یہ کہ تمہارے معبودات باطلہ ہیں وغیرہ نہ کسی مضرت کے

دفع پر قادر ہیں وہو المراد بقولہ تعالیٰ یَنْصُرُکُمْ اور نہ ایصالِ منافع پر قادر ہیں وہو المراد بقولہ تعالیٰ یَرْزُقُکُمْ، پھر ان کی عبادت محض بے وقوفی ہے، یعنی جس کافر کا حال اوپر سنا ہے اِنَّ الْکَافِرَ وَنَدَّالًا فِیْ غُرُوْرٍ بَلْ لَّجُوْا فِیْ سُلُوْرٍ وَّ نُفُوْرٍ سو (اس کو ستر سوچو کہ) کیا جو شخص (بوجہ ناہمواری راہ کے ٹھوکریں کھاتا ہو اور) منہ کے بل گرتا ہو اچل رہا ہو وہ منزل مقصود پر زیادہ پہنچنے والا ہو گا یا وہ شخص (زیادہ منزل مقصود پر پہنچنے والا ہو گا) جو سیدھا ایک ہوا سرگ پر چلا جا رہا ہو (یہی حال ہے مومن و کافر کا کہ مومن کے چلنے کا رستہ بھی دینِ مستقیم اور وہ چلتا بھی ہے سیدھا ہو کر افراطِ تفریط سے بچ کر اور کافر کے چلنے کا رستہ بھی زیغ و ضلالت کا ہے۔ اور چلنے میں بھی ہر وقت مہالک و مخادف میں گرتا جاتا ہے پس ایسی حالت میں کیا منزل پر پہنچے گا اور اوپر دلائل قحیدہ متعلق آفات کے تھے آگے متعلق انفس کے ارشاد ہیں۔ آپ (ان سے) کہئے کہ وہی (ایسا قادر مہم) ہے جس نے تم کو پیدا کیا اور تم کو کان اور آنکھیں اور دل دیئے (مگر) تم لوگ بہت کم شکر کرتے ہو (اور) آپ (یہ بھی) کہئے کہ وہی ہے جس نے تم کو روئے زمین پر پھیلا یا اور تم اسی کے پاس (قیامت کے روز) اکٹھے کئے جاؤ گے اور یہ لوگ (جب قیامت کا ذکر سنتے ہیں کما فی ہذہ السورۃ من قولہ اَلِیْمُ الشُّوْرُ وَاِنْ قَوْلُهُ اِلَیْمُ یُخْشَوْنَ تو) کہتے ہیں کہ یہ وعدہ کب ہو گا اگر تم (یعنی پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے متبعین مومنین) سچے ہو (تو بتلاؤ) آپ (جواب میں) کہہ دیجئے کہ یہ (تعیین کا) علم تو خدا ہی کو ہے اور میں تو محض (علی الاجمال مگر) صاف صاف ڈرانے والا ہوں پھر جب اس (عذابِ قیامت) کو پاس آتا ہو ادیکھیں گے (پاس آتا ہو ادیکھنا یہ کہ اعمال کا محاسبہ ہو گا دوزخ میں جانے کا حکم ہو گا جس سے متیقن ہو جائے گا کہ اب عذاب سر پر آگیا غرض جب اس کو پاس آتا ہو ادیکھیں گے) تو (مارے غم کے) کافروں کے منہ بگڑ جا دیں گے (کقولہ تعالیٰ وَجُوْدٌ یُّوْمِیْنٍ عَلَیْہَا غَبَرَةٌ تَرْهَقُہَا قَرَارٌ) اور (ان سے) کہا جا دیگا یہی ہے وہ جس کو تم مانگا کرتے تھے کہ عذاب لاؤ، عذاب لاؤ۔ اور یہ کفار ان مضامین حقہ توحید و بعث و غیرہ کو شکر جو ایسی باتیں کرتے ہیں شَاعِرٌ تَرْتَمِمْ بِہِ رَسَبِ الْمُنُوْنِ - اِنْ کَادَ لَیُبْذِلَنَّآ عَنْ اِلٰہِنَا الْوَلَا اَنْ صَبَرْنَا عَلَیْہَا، جنکا حاصل انتظار آپ کی ہلاکت کا اور آپ کو نعوذ باللہ منسوب الی الضلال کرنا ہے آگے اسکے جواب کی تعلیم ہے جس میں عذاب کفار کی تقریر اور دوسرے مضامین سے اس کی متمیم ہے ارشاد ہوتا ہے کہ) آپ (ان سے) کہئے کہ تم یہ بتلاؤ کہ اگر خدا تعالیٰ مجھ کو اور میرے ساتھ والوں کو (موانع تمہاری تمنائے) ہلاک کر دے یا (ہماری اُمید اور اپنے وعدہ کے مطابق) ہم پر رحمت فرما دے تو دونوں حالت میں اپنی خبر لو اور یہ بتلاؤ کہ) کافروں کو عذاب دردناک سے کون بچائے گا (یعنی ہماری توجو حالت ہوگی دنیا میں ہوگی اور انجام اس کا ہر حال میں اچھا ہے کقولہ تعالیٰ هَلْ تَرْتَبِیْوْنَ بِنَا اِلَّا اَحَدَی الْحَسَنِیْنَ اَلَمْ مگر اپنی کہو کہ تم ہر جو مصیبت عظیم آنے والی ہے اس کو کون روکے گا اور ہمارے دنیوی حوادث سے تمہاری وہ مصیبت کیسے مل جاوے گی تو اپنی فکر چھوڑ کر ہمارے حوادث کا انتظار ایک فنول حرکت ہے۔ یہ جواب ہے ترقیض الہی کا اور)

آپ (ان سے یہ بھی کہئے کہ وہ بڑا جہر بان ہے ہم اس پر (اس کے حکم کی موافق) ایمان لائے اور ہم اس پر توکل کرتے ہیں) پس ایمان کی برکت سے تو وہ ہم کو عذابِ آخرت سے محفوظ رکھے گا اور توکل کی برکت سے حوادثِ دنیویہ کو دفع یا سہل کر دیگا یہ بھی منصوص کا تتمہ جواب ہے) سو (جب تم پر عذابِ الیم آیا والا ہے اور ہم انشاء اللہ تعالیٰ ایمان کی برکت سے اس عذاب سے محفوظ رہنے والے ہیں تو) عنقریب تم کو معلوم ہو جاوے گا (جب اپنے آپ کو عذاب میں مبتلا اور ہم کو اس سے محفوظ دیکھو گے) کہ صریح گمراہی میں کون ہے (یعنی تم ہو جیسا کہ ہم کہتے ہیں یا ہم ہیں جیسا کہ تم کہتے ہو یہ جواب ہے) اِنْ كَادَ لَيُضِلَّنَا الْاِلٰهَ كَا، اَكْهَ تَقْرِیْہُ مَضْمُونُ بِالَا فَمَنْ يُّجَارِ الْكُفْرَانِ الْاِلٰهَ كَا یعنی اوپر جو کہا گیا ہے کہ تم کو عذابِ الیم سے کوئی نہیں بچا سکتا، ان کو اگر اپنے الہ باطلہ کا گھنڈ ہو کہ وہ بچالیں گے تو اس زعم کے ابطال و ازالہ کے لئے ان سے) آپ (یہ) کہہ دیجئے کہ اچھا یہ بتلاؤ کہ اگر تمہارا پانی (جو کنوؤں میں ہے) نیچے کو (اُتر کر) غائب ہی ہو جائے سودہ کون ہے جو تمہارے پاس سوت کا پانی لے آئے (یعنی کنوؤں کی سوت کو جاری کر دے اور اعماقِ ارض سے اوپر لے آئے اور اگر کسی کو کھود لینے پر ناز ہو تو اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہے کہ اس کو اور نیچے غائب کر دے و علیٰ ہذا، پس جب خدا کے مقابلے میں کسی کو اتنی بھی قدرت نہیں کہ معمولی طبعی واقعات میں تصرف کر سکے تو عذابِ آخرت سے بچانے کی کیا قدرت ہوگی)

معارف و مسائل

فضائل سورۃ ملک | اس سورت کو حدیث میں واقعہ اور منجیہ بھی فرمایا ہے۔ واقعہ کے معنی بچانے والی اور منجیہ کے معنی نجات دینے والی، حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اھی المانعة المنجیة تبخیه من عذاب القبر، یعنی یہ سورت عذاب کو روکنے والی اور عذاب سے نجات دینے والی ہے۔ یہ اپنے پڑھنے والے کو عذابِ قبر سے بچالے گی (رواہ الترمذی وقال حدیث حسن غریب از قرطبی) اور حضرت ابن عباس رض سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرا دل چاہتا ہے کہ سورۃ ملک ہر مومن کے دل میں ہو (ذکرہ الشعلبی) اور حضرت ابو ہریرہ رض سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کتاب اللہ میں ایک ایسی سورت ہے جس کی آیتیں تو صرف تین ہیں قیامت کے روز یہ ایک شخص کی سفارش کرے گی یہاں تک کہ اس کو جہنم سے نکال کر جنت میں داخل کر دے گی اور وہ سورۃ تبارک ہے (قرطبی۔ از ترمذی)

تَبَارَكَ الَّذِي مَلَكَ الْمُلُكُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ، لفظ تَبَارَكَ برکت سے مشتق ہے جس کے لفظی معنی بڑھنے اور زیادہ ہونے کے ہیں یہ لفظ جب اللہ تعالیٰ کی شان میں بولا جاتا ہے تو سب سے بالا و برتر ہونے کے معنی میں آتا ہے جیسے اللہ اکبر، بیدہ الملک۔ اللہ کے ہاتھ میں ہے ملک اللہ جل شانہ کے لئے قرآن کریم میں جا بجا لفظ یَذِّبُ بمعنی ہاتھ استعمال ہوا ہے اللہ تعالیٰ جسم اور اعضاء سے بالا و برتر ہے۔

اسلئے یہ لفظ متشابہات میں سے ہے جس کے حق ہونے پر ایمان لانا واجب ہے اور اس کی کیفیت و حقیقت کسی کو معلوم نہیں ہو سکتی اُس کے درپے ہونا درست نہیں۔ اور ملک سے مراد آسمانوں اور زمینوں کی اور دنیا و آخرت کی حکومت ہے۔ اس آیت میں حق تعالیٰ کے لئے چار صفات کا دعویٰ ہے۔ اول اسکا موجود ہونا، دوسرے انتہائی درجے کی صفات کمال کا مالک اور سب سے بالا اور تر ہونا، تیسرے آسمان و زمین پر اُس کی حکومت ہونا، چوتھے ہر چیز پر اسکا قادر ہونا، اگلی آیات میں اس دعوے کے دلائل ہیں جو اللہ تعالیٰ کی مخلوقات ہی میں غور و فکر کرنے سے واضح ہوتے ہیں اسلئے اگلی آیات میں تمام کائنات و مخلوقات کی مختلف انواع و اصناف سے اللہ تعالیٰ کے وجود اور توحید پر اور اس کے کمال علم و قدرت پر استدلال کیا گیا ہے سب سے پہلے اشرف المخلوقات انسان کے اپنے وجود میں جو دلائل قدرت ہیں اُن کی طرف متوجہ فرمایا، اَلَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیْوةَ ۝۱۱ میں اسکا بیان ہے اس کے بعد کئی آیتوں میں آسمانوں کی تخلیق میں غور و فکر سے استدلال فرمایا اَلَّذِیْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ ۝۱۲، اس کے بعد زمین کی تخلیق اور اُس کے فوائد متعلقہ میں غور و فکر کا بیان ہوا اَلَّذِیْ جَعَلَ لَکُمُ الْاَرْضَ ذَلُوًا ۝۱۳ سے دو آیتوں میں فرمایا، پھر فضائے آسمانی میں رہنے والی مخلوق پرندوں کا ذکر فرمایا اَوَلَمْ یَرَوْا اِلَی الْقَیْطِ ۝۱۴ غرض اس پوری سورت میں اہل مضمون حق تعالیٰ کے وجود اور اس کے کمال علم و قدرت پر کائنات عالم کے مشاہدہ سے دلائل پیش کرنا ہے۔ ضمناً دوسرے مضامین کفار کی سزا اور مومنین کی جزا کے بھی آگئے ہیں۔ خود انسان کے نفس میں جو دلائل اللہ تعالیٰ کے کمال علم و قدرت کے ہیں، اُن کی طرف دو لفظوں سے ہدایت فرمائی۔

موت و حیات کی حقیقت | خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیْوةَ، یعنی پیدا کیا اس نے موت اور حیات کو۔ احوال انسانی میں سے یہاں صرف دو چیزیں موت و حیات بیان کی گئیں کیونکہ یہی دونوں انسان کے تمام عمر کے احوال و افعال پر حاوی ہیں۔ حیات کے لئے پیدا کرنے کا لفظ تو اپنی جگہ ظاہر ہے کہ حیات ایک وجودی چیز ہے تخلیق و تکوین کا اُس سے متعلق ہونا ظاہر ہے لیکن موت جو بظاہر ایک عدم کا نام ہے اس کے ساتھ تخلیق کا تعلق کس طرح ہوا، اس کے جواب میں ائمہ تفسیر سے متعدد اقوال منقول ہیں۔ سب سے زیادہ واضح بات یہ ہے کہ موت عدم محض کا نام نہیں بلکہ روح اور بدن کا تعلق منقطع کر کے روح کو ایک مکان سے دوسرے مکان میں منتقل کرنے کا نام ہے اور یہ ایک وجودی چیز ہے۔ غرض جس طرح حیات ایک حال ہے جو جسم انسانی پر طاری ہوتا ہے اسی طرح موت بھی ایک ایسا ہی حال ہے اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور بعض دوسرے ائمہ تفسیر سے جو یہ منقول ہے کہ موت و حیات دو مجسم مخلوق ہیں، موت ایک مینڈھے کی شکل میں اور حیات ایک گھوڑی کی شکل میں ہے۔ اس سے مراد بظاہر اس صحیح حدیث کا بیان ہے جس میں یہ ارشاد ہے کہ جب قیامت میں اہل جنت جنت میں اور اہل دوزخ دوزخ میں داخل ہو چکیں گے تو موت کو ایک مینڈھے کی شکل میں لایا جائے گا اور پل صراط کے پاس اُس کو ذبح کر کے اعلان کر دیا جائے گا کہ اب جو جس

حالت میں ہے وہ دائمی اور ابدی ہے اب کسی کو موت نہیں آئے گی، مگر اس حدیث سے یہ لازم نہیں آتا کہ دنیا میں موت کوئی جسم ہو بلکہ جس طرح دنیا کے بہت سے احوال و اعمال قیامت میں مجسم اور متشکل ہو جائیں گے جو بہت سی احادیث صحیحہ سے ثابت ہے اسی طرح موت جو انسان کو پیش آنے والی ایک حالت ہے وہ بھی قیامت میں مجسم ہو کر مینڈھے کی شکل میں ذبح کر دی جائے گی (قرطبی)

اور تفسیر مظہری نہیں فرمایا کہ موت اگرچہ عدمی چیز ہے مگر عدم محض نہیں، بلکہ ایسی چیز کا عدم ہے جس کو وجود میں کسی وقت آنا ہے اور ایسے تمام معدومات کی شکلیں عالم مثال میں قبل از وجودنا سوتی موجود ہوتی ہیں جن کو اعیان ثابتہ کہا جاتا ہے ان اشکال کی وجہ سے ان کو قبل الوجود بھی ایک قسم کا وجود حاصل ہے اور عالم مثال کے موجود ہونے پر بہت سی روایات حدیث سے استدلال فرمایا ہے واللہ اعلم

موت و حیات کے درجات مختلف | تفسیر مظہری میں ہے کہ حق تعالیٰ جل شانہ نے اپنی قدرت اور حکمت بالغہ سے مخلوقات و ممکنات کو مختلف اقسام میں تقسیم فرما کر ہر ایک کو حیات کی ایک قسم عطا فرمائی ہے۔ سب سے زیادہ کامل و مکمل حیات انسان کو عطا فرمائی جس میں یہ صلاحیت بھی رکھ دی کہ وہ حق تعالیٰ کی ذات و صفات کی معرفت ایک خاص حد تک حاصل کر سکے اور یہ معرفت ہی بنا بر تکلیف احکام شرعیہ اور وہ بار بار مانسک جس کے اٹھانے سے آسمان و زمین اور پہاڑ سب ڈر گئے اور انسان نے اپنی اس خداداد صلاحیت کے سبب اٹھالیا اس حیات کے مقابل وہ موت ہے جس کا ذکر قرآن کریم کی آیت **أَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَأَحْيَيْنَاهُ** میں ذکر فرمایا ہے کہ کافر کو مردہ اور مومن کو زندہ قرار دیا گیا کیونکہ کافر نے اپنی اس معرفت کو ضائع کر دیا جو انسان کی مخصوص حیات تھی، اور بعض اصناف و اقسام مخلوقات میں یہ درجہ حیات کا تو نہیں مگر جس و حرکت موجود ہے اس کے مقابل وہ موت ہے جس کا ذکر قرآن کریم کی آیت **كُنُتُمْ أَمْوَاتًا فَأَحْيَاكُمْ ثُمَّ تُمَيِّتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيكُمْ** میں آیا ہے کہ اس جگہ حیات سے مراد جس و حرکت اور موت سے مراد اس کا ختم ہو جانا ہے۔ اور بعض اقسام ممکنات میں یہ جس و حرکت بھی نہیں صرف نمو (بڑھنے کی صلاحیت) ہے جیسے عام درختوں اور نباتات میں اس کے بالمقابل وہ موت ہے جس کا ذکر قرآن کی آیت **يُخَيِّطُ الْأَرْضَ بُعْدًا مَوْحًا** میں آیا ہے۔ حیات کی یہ تین قسمیں انسان، حیوان، نبات میں منحصر ہیں ان کے علاوہ اور کسی چیز میں یہ اقسام حیات نہیں ہیں اسی لئے حق تعالیٰ پتھروں سے بنے ہوئے بتوں کے متعلق فرمایا **أَمْوَاتٌ غَيْرُ أَحْيَاءٍ** لیکن اس کے باوجود جادا میں بھی ایک خاص حیات موجود ہے جو وجود کیساتھ لازم ہے۔ اسی حیات کا اثر ہے جس کا ذکر قرآن کریم میں ہے **وَأَنْ قَدْ شَيْءٌ إِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهِ** یعنی کوئی چیز ایسی نہیں جو اللہ کی حمد کی تسبیح نہ پڑھتی ہو۔ اور آیت میں موت کا ذکر مقدم کرنے کی وجہ بھی اس بیان سے واضح ہو گئی کہ اصل کے اعتبار سے موت ہی مقدم ہے، ہر چیز جو وجود میں آئی ہے پہلے موت کے عالم میں تھی بعد میں اس کو حیات عطا ہوئی ہے اس لئے موت کا ذکر مقدم کیا گیا۔ اور یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ آگے جو موت و حیات کی تخلیق کیونکہ انسان کی آزمائش و

دفع کرنے کے لئے اگر کارے بنادینے کا یہ مطلب ہو سکتا ہے کہ ستاروں میں سے کوئی مادہ آتشیں انہی طرف چھوڑ دیا جاتا ہو ستارے اپنی جگہ رہتے ہوں، عوام کی نظر میں چونکہ یہ شعلہ ستارہ کی طرح حرکت کرتا ہوا نظر آتا ہے اسلئے اس کو ستارہ ٹوٹنا اور عربی میں انقضا ض الکوکب کہہ دیتے ہیں (قرطبی)

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ شیاطین جو آسمانی خبریں پھرنے کے لئے چڑھتے ہیں وہ کواکب اور ستاروں سے نیچے ہی دفع کر دیئے جاتے ہیں (قرطبی) یہاں تک مختلف مخلوقات میں غور و فکر کے ذریعہ حق تعالیٰ کے کمال علم و قدرت کے دلائل بیان ہوئے آگے منکرین اور کفار کا عذاب اور پھر مومنین اور اطاعت شعار لوگوں کا ثواب بیان ہوا ہے وَالَّذِينَ كَفَرُوا يُوجِبُهُمْ عَذَابٌ جَهَنَّمٌ سے سات آیتوں تک یہ مضمون چلا ہے۔ آگے پھر وہی علم و قدرت کا بیان ہے۔

هُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ ذُلُولًا، ذلول کے نفعی معنی منقاد و مطیع کے ہیں اس جانور کو ذلول کہا جاتا ہے جو سواری دینے میں شوخی نہ کرے۔ مناکب، منکب کی جمع ہے منڈھے کو کہتے ہیں۔ کسی بھی جانور کا منڈھا سواری کی جگہ نہیں ہوتی بلکہ اُس کی کمر یا گردن ہوتی جو جانور سوار ہونے والوں کے لئے اپنے منڈھے بھی پیش کر دے وہ بہت ہی مطیع و منقاد اور سخر ہو سکتا ہے اسلئے فرمایا کہ زمین کو تمہارے لئے ہم نے ایسا مسخر و مطیع بنا دیا ہے کہ تم اس کے منڈھوں پر چڑھتے پھرو۔ زمین کو حق تعالیٰ نے ایک ایسا قوام بخشا ہے کہ نہ تو پانی کی طرح سیال اور بہنے والا ہے نہ روٹی اور کچھڑ کی طرح دبے والا، کیونکہ زمین ایسی ہوتی تو اس پر کسی انسان کا رہنا ٹھہرنا ممکن نہ ہوتا اسی طرح زمین کو لوہے پتھر کی طرح سخت بھی نہیں بنایا اگر ایسا ہوتا تو اس میں درخت اور کھیتی نہ ہوتی جاسکتی اس میں کنویں اور نہریں نہ کھودی جاسکتیں اس کو کھود کر اونچی عمارتوں کی بنیاد نہ رکھی جاسکتی، اس قوام کے ساتھ اس کو ایسا سکون بخشا کہ اُس پر عمارتیں ٹھہر سکیں چلنے پھرنے والوں کو لغزش نہ ہو۔

وَلَا تَلْوَا مِنْ رِزْقِهِ وَلَا يَلْبَسُ الشُّوْرُ پہلے زمین کے اطراف میں چلنے پھرنے کی ہدایت فرمائی اسکے بعد فرمایا کہ اللہ کا رزق کھاد۔ اس میں اشارہ ہو سکتا ہے کہ تجارت کے لئے سفر اور مال کی درآمد برآمد اللہ کے رزق کا دروازہ ہے اَلْبَسَ الشُّوْرُ میں بتلادیا کہ کھانے پینے رہنے سہنے کے فوائد زمین سے حاصل کرنے کی اجازت ہے مگر موت اور آخرت سے بے فکر نہ رہو کہ انجام کار اُسی کی طرف ٹوٹ کر جانا ہے۔ زمین پر رہتے ہوئے آخرت کی تیاری میں لگے رہو۔ اس میں تو اس بات سے ڈرایا گیا تھا کہ آخر کار قیامت میں اللہ کی طرف ٹوٹنا ہے، آگے اس پر تنبیہ کی گئی ہے کہ زمین پر رہنے بسنے کے وقت بھی اللہ کا عذاب آسکتا ہے ارشاد فرمایا،

أَمْ أَمِنْتُمْ مَنِ فِي السَّمَاءِ أَنْ يَخْسِفَ بَكُورًا رِضًا فَإِذَا هِيَ تَمُورُ، کیا تم اس سے بیخوف ہو کہ آسمان والا تمہیں زمین کے اندر خسف کر کے دھنسا دے اور زمین تمہیں نگل جائے یعنی اگرچہ اللہ نے زمین کو ایسا معتدل قوام دیا ہے کہ آدمی بغیر کھودے ہوئے اسکے اندر نہیں اُتر سکتا، لیکن وہ اس پر بھی قادر ہے کہ اس کو ایسا بنادے کہ یہی زمین اپنے اوپر رہنے والوں کو نگل جائے، اسکے بعد دنیا میں بسنے والوں کو ایک اور طرح کے عذاب سے ڈرایا کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو تمہارے اوپر یعنی آسمان سے پتھر بھی برس کر تمہیں ہلاک کیا جاسکتا ہے

اللہ کے منکر اور نافرمان دنیا میں اس سے بے فکر ہو کر نہ بیٹھیں۔

اَمْ اَمْسَتْكُمْ مَنْ فِي السَّمَاۤءِ اَنْ يُّرْسِلَ عَلَيْكُمْ حَاصِبًا ۖ فَسَتَعْمَوْنَ كَيْفَ نَذِيرٍ ۚ یعنی کیا تم اس سے بے خوف ہو کہ آسمان والا تم پر آسمان سے پتھر برسا دے، اس وقت تمہیں اس ڈرانے کا انجام معلوم ہو گا مگر اس وقت معلوم ہونا بے سود ہو گا، آج جبکہ تم صحیح سالم محفوظ و مأمون ہو اس کی فکر کرو۔ اس کے بعد پچھلی ان قوموں کے واقعات کی طرف اشارہ کیا جن پر دنیا میں عذاب الہی نازل ہوا ہے مطلب یہ ہے کہ ان کے حال سے عبرت حاصل کرو وَلَقَدْ كَذَّبَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَكَيْفَ كَانَ تَكْوِيْرُ كَايِیْہِیْ مطلب ہے اسکے بعد پھر اصل مضمون سورت کی طرف رجوع ہے کہ ممکنات و مخلوقات کے حالات سے حق تعالیٰ کی توحید اور علم و قدرت پر استدلال ہے خود انسان کے نفوس، آسمان، ستارے، زمین وغیرہ کے حالات کا بیان پہلے آچکا ہے آگے ان پرندوں کا ذکر ہے جو فضا، آسمانی میں اڑتے پھرتے ہیں۔

اَوَلَمْ يَرَوْا اِلَى الْفَلَكِ الْاَلَاۤئِہِ، یعنی کیا وہ پرندوں کو اپنے سروں پر اڑتے ہوئے نہیں دیکھتے جو کبھی اپنے بازوؤں کو پھیلا دیتے ہیں اور کبھی سمیٹ لیتے ہیں۔ ان میں غور کرو کہ یہ وزنی جسم ہیں عام قاعدہ کی رو سے وزنی جسم جب اوپر چھوڑا جائے تو اسے زمین پر گر جانا چاہیے، ہوا ان وزنی جسموں کو عام طور پر نہیں روک سکتی مگر اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے ان پرندے جانوروں کو ایسی وضع پر بنایا ہے کہ وہ ہوا پر ٹھیر سکیں اور ہوا پر اپنے اجسام کا بوجھ ڈالنے اور اس میں تیرتے ہوئے پھرنے کے لئے حق تعالیٰ نے اس بظاہر بے عقل و شعور جانور کو یہ سلیقہ سکھا دیا ہے کہ وہ اپنے پروں کو پھیلائے اور سمیٹنے کے ذریعہ ہوا کو مستحضر کر لیتا ہے اور ظاہر ہے کہ ہوا میں یہ صلاحیت پیدا کرنا، پرندوں کے پروں کو اس وضع پر بنانا پھر ان کو اپنے پروں کے ذریعہ ہوا پر کنٹرول کرنے کا سلیقہ سکھانا یہ سب حق تعالیٰ ہی کی قدرت کاملہ سے ہے۔

یہاں تک ممکنات و موجودات کی مختلف اصناف کے حالات میں غور و فکر کے ذریعہ حق تعالیٰ کے وجود اور توحید اور بے نظیر علم و قدرت کے دلائل جمع فرمائے گئے جن میں ذرا بھی غور و فکر کر لو گے کہ حق تعالیٰ پر ایمان لانے کے سوا چارہ نہیں رہتا، آگے ختم سورت تک کفار و فجار منکرین اور بد عمل لوگوں کو عذاب الہی سے ڈرایا گیا ہے۔ پہلے اس پر تنبیہ کی گئی کہ اگر اللہ تعالیٰ کسی قوم پر عذاب نازل کرنا چاہیں تو دنیا کی کوئی طاقت اُس کو نہیں روک سکتی، تمہارے لشکر اور سپاہی اُس سے تم کو نہیں بچا سکتے، چنانچہ ارشاد فرمایا،

اٰمَنْ هٰذَا الَّذِیْ هُوَ جُنْدٌ لَّکُمْ یَنْصُرُکُمْ مِّنْ دُوْنِ الرَّحْمٰنِ ۚ اِنَّ الْکَافِرِیْنَ غَوَّیْرُوْہِ ۝
اس کے بعد اس سے ڈرایا گیا کہ اللہ تعالیٰ کا جو رزق تم کو آسمان سے پانی برسنے اور زمین سے نباتات اگانے کے ذریعہ مل رہا ہے، یہ کوئی تمہاری ذاتی جاگیر نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی عطا و بخشش ہے وہ اسکو روک بھی سکتا ہے اٰمَنْ هٰذَا الَّذِیْ یُزِیْرُکُمْ اِنْ اَمْسَکَ رِزْقَہٗ کَايِیْہِیْ مطلب ہے۔ آگے کفار کے حال پر نفوس ہے جو نہ آیات قدرت میں خود غور کرتے ہیں نہ دوسرے بتانے والوں کی بات سنتے ہیں بَلْ کَذَّبُوْا فِیْ عِشْوٰہِ

وَنُفُوزٍ، یعنی یہ لوگ برابر اپنی سرکشی اور حق سے دُوری میں بڑھتے ہی جاتے ہیں۔ آگے میدان قیامت میں کافرو مُومن کا جو حال ہونا ہے اسکا ذکر ہے کہ قیامت کے میدان میں کفار اس طرح حاضر کئے جاویں گے کہ پاؤں پر چلنے کے بجائے سر کے بل چلیں گے۔ صحیح بخاری و مسلم میں حضرت انسؓ کی روایت ہے کہ صحابہ کرام نے سوال کیا کہ کفار چہرے کے بل کیسے چلیں گے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس ذات نے اُن کو پیروں پر چلایا ہے کیا وہ اس پر قادر نہیں کہ اُن کو چہروں اور سروں کے بل چلا دے۔ اسی کو اس آیت میں بیان فرمایا ہے۔

اَقْمِنْ يَتَشَفَعُ لَكَ عَلٰى وَجْهِهِ اَهْدٰى اِلٰى اَقْنٰ يَتَشَفَعُ سَوِيًّا عَلٰى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ۝ یعنی کیا وہ آدمی جو آوندھا اپنے چہرہ کے بل چلے زیادہ ہدایت پانے والا ہے یا وہ جو سیدھا چلنے والا ہے۔ سیدھا چلنے والے سے مراد مومن ہے کہ ہدایت یافتہ وہی ہو سکتا ہے۔ آگے پھر انسانی تخلیق میں حق تعالیٰ کی قدرت و حکمت کے چند مظاہر کا بیان ہے۔

قُلْ هُوَ الَّذِي اَنْشَاَكُمْ وَجَعَلَ لَكُمُ الرِّمَاقَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْئِدَةَ قَلِيلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ۝ یعنی آپ کہہ دیجئے کہ اللہ ہی وہ ذات ہے جس نے تمہیں پیدا کیا اور تمہارے کان، آنکھیں اور دل بنائے۔ مگر تم لوگ شکر گزار نہیں ہوتے۔

سمع و بصر اور قلب کی تخصیص | اس میں اعضائے انسانی میں سے اُن تین اعضاء کا ذکر ہے جن پر علم و ادراک اور شعور موقوف ہے۔ فلاسفہ نے علم و ادراک کے پانچ ذریعہ بیان کئے ہیں جن کو حواس خمسہ کہا جاتا ہے۔ یعنی سُننا، دیکھنا، سونگھنا، چکھنا اور چھونا، سونگھنے کے لئے ناک اور چکھنے کے لئے زبان اور چھونے کی قوت سارے بدن میں حق تعالیٰ نے رکھی ہے۔ سُننے کے لئے کان اور دیکھنے کے لئے آنکھ بنائی ہے یہاں حق تعالیٰ نے ان پانچوں چیزوں میں سے صرف دو کا ذکر کیا ہے یعنی کان اور آنکھ، وجہ یہ ہے کہ سونگھتے چکھتے اور چھونے سے بہت کم چیزوں کا علم انسان کو حاصل ہوتا ہے اسکے معلومات کا بڑا مدار سُننے اور دیکھنے پر ہے اور ان میں بھی سُننے کو مقدم کیا گیا غور کرو تو معلوم ہو گا کہ انسان کو اپنی عمر میں جتنی معلومات ہوئی ہیں۔ اُن میں سُنی ہوئی چیزیں بہ نسبت دیکھی ہوئی چیزوں کے بدرجہا زائد ہوتی ہیں اس لئے اس جگہ حواس خمسہ میں سے صرف دو پر اکتفا کیا گیا ہے کہ بیشتر معلومات انسانی انھیں دو راہوں سے حاصل ہوتی ہیں اور تیسری چیز قلب کو بتلایا ہے کہ وہ اصل بنیاد اور مرکز علم کا ہے۔ کانوں سے سُنی ہوئی اور آنکھوں سے دیکھی ہوئی چیزوں کا علم بھی قلب پر موقوف ہے۔ قرآن کریم کی بہت سی آیات اس پر شاہد ہیں کہ قلب کو مرکز علم قرار دیا ہے بخلاف فلاسفہ کے کہ وہ دماغ کو اسکا مرکز مانتے ہیں۔

اس کے بعد پھر کفار و منکرین کو تنبیہ اور عذاب کی وعید کا بیان ہے۔ آخر سورت میں پھر ایک جملہ میں یہ ارشاد فرمایا کہ زمین پر بسنے والو اور اُس کو کھود کر کنویں بنانے والو اور اس کے پانی سے اپنے پینے پلانے اور نباتات اُگانے کا کام لینے والو اس بات کو نہ بھولو کہ یہ سب چیزیں کوئی تمہاری

ذاتی جاگیر نہیں صرف حق تعالیٰ کا عطیہ ہے کہ اس نے پانی برسیا اور اس پانی کو برف کی شکل میں بحرِ بجمد بن کر پہاڑوں کی چوٹیوں پر لا دیا کہ سڑنے اور خراب ہونے سے محفوظ رہے پھر اس برف کو آبستہ آبستہ پگھلا کر پہاڑوں کی عروق کے ذریعہ زمین کے اندر اتار دیا اور بغیر کسی پائپ لائن کے پوری زمین میں اس کا ایسا جال پھیلا دیا کہ جہاں چاہو زمین کھود کر پانی نکال لو سگریہ پانی جو اس نے زمین کی اوپر ہی کی سطح پر رکھ دیا ہے جس کو چند فٹ یا گز زمین کھود کر نکالا جاسکتا ہے یہ مالک و خالق کا عطیہ ہے اگر وہ چاہے تو اس پانی کو زمین کے نیچے کی سطح پر اتار دے جہاں تک تمہاری رسائی ممکن نہ ہو۔

قُلْ اَدْعٰیْتُكُمْ اِنْ اَصْبَحَ مَاؤُكُمْ غَوْرًا فَمَنْ يَّاتِيْكُمْ بِمَآءٍ مُّعِيْنٍ ، یعنی آپ ان لوگوں کو بتلاؤ کہ اس بات پر غور کریں کہ جو پانی کنوؤں کے ذریعہ باسانی نکال کر پی رہے ہو اگر وہ پانی زمین کی گہرائی میں اتر جائے تو تمہاری کونسی طاقت ہے جو اس جاری پانی کو حاصل کر سکے۔ حدیث میں ہے کہ جب آدمی یہ آیت تلاوت کرے تو اس کو کہنا چاہیے اَللّٰهُ رَبُّ الْعَالَمِیْنَ یعنی اللہ رب العالمین ہی پھر اس کو لاسکتا ہے ہماری کسی کی طاقت نہیں ۛ

تمت سورۃ الملک بحمد اللہ فی ثالث وحبیب ستمائوم النخائیس

سُورَةُ الْقَلَمِ

سُورَةُ الْقَلَمِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ ثَلَاثَتَانِ وَخَمْسُونَ آيَةً وَفِيهَا اَرْكُوعٌ
سُورَةُ قَلَمِ مکہ میں نازل ہوئی اور اس کی باون آیتیں ہیں اور اس میں دو رکوع

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

ن وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُونَ ۝۱ مَا أَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُونٍ ۝۲ وَإِنَّ لَكَ

نستم ہے قلم کی اور جو کچھ لکھتے ہیں تو نہیں اپنے رب کے فضل سے دیوانہ اور تیرے واسطے

لَا جَرَّاءَ غَيْرِ مَمْنُونٍ ۝۳ وَإِنَّكَ لَعَلَى خُلُقٍ عَظِيمٍ ۝۴ فَسَتَبْصُرُ وَيَبْصُرُونَ ۝۵

بدلہ ہے بے انتہا اور تو پیدا ہوا ہے بڑے خلق پر سوا ب تو بھی دیکھ لیکھا اور وہ بھی دیکھ لیں

بِأَيِّكُمْ الْمَفْتُونُ ۝۶ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيلِهِ وَهُوَ

کہ کون ہے تم میں جو بھل رہا ہے بیشک تیرا رب وہی خوب جانتے اس کو جو بہکا اس کی راہ سے اور وہی

أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ ۝۷ فَلَا تَطْعُمُ الْمَكْدِيبِينَ ۝۸ وَذُؤَالُو شُدْهِنُ

خوب جانتا ہے راہ پانے والوں کو سو تو کہنا مت مان جھٹلانے والوں کا وہ چاہتے ہیں کسی طرح تو ڈمیل

فَيْدُ هُونٍ ۝۹ وَلَا تَطْعُمُ كُلَّ حَلَاْفٍ مَّهِينٍ ۝۱۰ هَمَّازٍ مَّشَاءٍ ۝۱۱

ہو تو وہ بھی ڈھیلے ہوں اور تو کہنا مت مان کسی قسمیں کھانے والے بے قدر کا طعنے دے چغلی کھاتا

بِمِيمٍ ۝۱۱ مَنَّاعٍ لِلْخَيْرِ مُعْتَدٍ أَشِيمٍ ۝۱۲ عَتِلٌّ بَعْدَ ذَلِكَ زَنِيمٍ ۝۱۳

بھلے کام سے روکے حد سے بڑھ بڑا گنہگار اُجڑ ان سب کے پیچھے بدنام

أَنْ كَانَ ذَا مَالٍ وَبَنِينَ ۝۱۴ إِذَا نُشِئُ عَلَيْهِ ابْنٌ نَّارٌ ۝۱۵ أَسَاطِيرُ

اس واسطے کہ رکھتا ہے مال اور بیٹے جب سنائے اس کو ہماری باتیں کہ یہ نقلیں ہیں

الْأَوَّلِينَ ۝۱۵ سَنَسِفُهُ عَلَى الْخُرُطُومِ ۝۱۶ إِنَّا بَلَوْنَهُمْ كَمَا بَلَوْنَا

پہلوں کی اب داغ دیں گے ہم اس کو سونڈ پر ہم نے ان کو جانچا ہے جیسے جانچا تھا

أَصْحَابِ الْجَنَّةِ إِذْ أَقْسَمُوا لَيَصْرِمُنَّهَا مُصْبِحِينَ ۝ وَلَا يَسْتَنْوُونَ ۝

باغ والوں کو جب ان سب نے قسم کھائی کہ اسکا میوہ توڑیں گے صبح ہوتے اور انشا اللہ نہ کھا

فَطَافَ عَلَيْهِمُ طَائِفٌ مِّن رَّبِّكَ وَهُمْ نَائِمُونَ ۝ فَأَصْبَحَتْ كَالصَّرِيمِ ۝

پھر پھیرا گیا اُس پر کوئی پھیرے والا تیرے رب کی طرف سے اور وہ سوتے ہی رہے پھر صبح تک ہو رہا جیسے ٹوٹ چکا

فَتَنَادُوا مُصْبِحِينَ ۝ أَنْ ائْتُوا عَلٰی حَرْثِكُمْ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ۝

پھر آپس میں بولنے لگے صبح ہوتے کہ سو رہے چلو اپنے کھیت پر اگر تم کو توڑنا ہے

فَاُتْلُقُوا وَهُمْ يَتَخَفَتُونَ ۝ أَنْ لَا يَدْخُلَهَا الْيَوْمَ عَلَيْكُمْ مَّرْسِكُمْ ۝

پھر چلے اور آپس میں کہتے تھے چپکے چپکے کہ اندر نہ آنے پائے اس میں آج تمہارے پاس کوئی محتاج

وَعَدُوا عَلٰی حَرْثٍ قَدِيرٍ ۝ فَلََمَّا رَأَوْهَا قَالُوا إِنَّا لَضَالُونَ ۝ بَلْ

اور سو رہے چلے چکے ہوئے زور کے ساتھ پھر جب اس کو دیکھا بولے ہم تو راہ بھول آئے نہیں

نَحْنُ مُضْرُّومُونَ ۝ قَالَ أَوْسَطُهُمْ أَلَمْ أَقُلْ لَّكُمْ لَوْ لَا تُسَبِّحُونَ ۝ قَالُوا

ہماری تو قسمت بھوٹ گئی بولا بچلا اُن کا میں نے تم کو نہ کہا تھا کہ کیوں نہیں پاکی بولتے انشری بولے

تُسَبِّحُن رَبَّنَا إِنَّا كُنَّا ظَالِمِينَ ۝ فَأَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰی بَعْضٍ لَّيِّنًا وَمَوْنًا ۝ قَالُوا

یاک ذات ہے ہمارے رب کی ہم ہی تقصیر دار تھے پھر منہ کر کر ایک دوسرے کی طرف لگے اُلاہنا دینے بولے

يُؤْيِلْنَا إِنَّا كُنَّا ظَالِمِينَ ۝ عَسَىٰ رَبُّنَا أَنْ يُبْدِلَنَا خَيْرًا مِنْهَا إِنَّا إِلَىٰ

ہائے خرابی ہماری ام ہی تھے جد سے بڑھنے والے شاید ہمارا رب بدل دے ہم کو اس سے بہتر نام اپنے رب سے

رَبِّنَا رَاغِبُونَ ۝ كَذٰلِكَ الْعَذَابُ وَلَعَذَابُ الْآخِرَةِ أَكْبَرُ مَوْكَانُوا

آرزو رکھتے ہیں یوں آتی ہے آفت اور آخرت کی آفت تو سب سے بڑی ہے اگر ان کو

يَعْمُونَ ۝ إِنَّ لِلْمُتَّقِينَ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنَّتِ النَّعِيمِ ۝ أَفَنَجْعَلُ

سمجھ جوتی بہت ڈرنے والوں کو ان کے رب کے پاس باغ میں نعمت کے کیا ہم کر دیں گے

الْمُسْلِمِينَ كَالْمُجْرِمِينَ ۝ مَا لَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُونَ ۝ أَمْ لَكُمْ كِتَابٌ

حکم برداروں کو برابر گناہگاروں کے کیا ہو گیا تم کو کیسے ٹھہراتے ہو بات کیا تمہارے پاس کوئی کتاب ہے

فِيهِ تَذَرُسُونَ ۝ إِنْ لَّكُمْ فِيهِ لَمَّا تَخِيرُونَ ۝ أَمْ لَكُمْ آيْمَانٌ

جس میں پڑا لیتے ہو اُس میں ملتا ہے تم کو جو تم پسند کرو کیا تم نے ہم سے قسمیں لے لی ہیں

عَلَيْنَا بِالْغَةِ إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَمَةِ ۝ إِنْ لَّكُمْ لَمَّا تَحْكُمُونَ ۝ سَلِّمُوا

ٹھیک پہنچنے والی قیامت کے دن تک کہ تم کو ملے گا جو کچھ تم ٹھہراؤ گے بوجھ ان سے

أَيْمَهُمْ بِذٰلِكَ زَعِيمٌ ۝ أَمْ لَهُمْ شُرَكَاءُ ۝ فَلْيَأْتُوا بِشُرَكَائِهِمْ إِنْ

کو نشان میں اسکا ذمہ لیتا ہے کیا ان کے واسطے کوئی شریک ہیں پھر تو چاہیے لے آئیں اپنے اپنے شریکوں کو اگر وہ

كَانُوا صِدْقِينَ ۝۳۱ يَوْمَ يَكْشَفُ عَنْ سَاقٍ وَيُدْعَوْنَ إِلَى السُّجُودِ فَلَا

یہ ہیں جس دن کہ کھولی جائے پنڈلی اور وہ بلائے جائیں سجدہ کرنے کو پھر

يَسْتَطِيعُونَ ۝۳۲ خَاشِعَةً أَبْصَارُهُمْ تَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ وَقَدْ كَانُوا يُدْعَوْنَ

نہ کر سکیں جھکی پڑتی ہوں گی ان کی آنکھیں جڑھی آتی ہوگی ان پر ذلت اور پہلے ان کو بلائے رہے

إِلَى السُّجُودِ وَهُمْ سَلِيمُونَ ۝۳۳ قَدْ رَنَىٰ وَمَنْ يُكَذِّبُ هَذَا الْحَدِيثَ

سجدہ کرنے کو اور وہ تھے ایسے خاصے اب چھوڑ دے مجھ کو اور ان کو جو کہ جھٹلائیں اس بات کو

سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُونَ ۝۳۴ وَأُمْلِي لَهُمْ إِنَّ كَيْدِي مَتِينٌ ۝۳۵

اب ہم سیر سیر ہی اُٹھائیں گے ان کو جہاں سے ان کو پتہ بھی نہیں اور ان کو ڈھیل دیکھ جاتا ہوں بیشک میرا داؤد پکا ہے

أَمْ تَسْأَلُهُمْ أَجْرًا فَهُمْ مِنْ مَّغْرَمٍ مُثْقَلُونَ ۝۳۶ أَمْ عِنْدَهُمُ الْغَيْبُ فَهُمْ

کیا تو مانگتا ہے ان سے کچھ حق سو ان پر تادان کا بوجھ پڑ رہا ہے کیا ان کے پاس خیر ہے غیب کی سودہ

يَكْتَبُونَ ۝۳۷ فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ وَلَا تَكُنْ كَصَاحِبِ الْحُوتِ إِذْ نَادَىٰ

لکھ لاتے ہیں اب تو استقلال سے راہ دیکھتا رہ اپنے رب کے حکم کی اور مت ہرجیسا وہ پھل والا جب پکارا اس نے

وَهُوَ مَكْظُومٌ ۝۳۸ لَوْلَا أَنْ تَدَارَكَهُ نِعْمَةٌ مِنْ رَبِّهِ لَنُبِذَ بِالْعَرَاءِ وَهُوَ

اور وہ طعنے میں بھرا تھا اگر نہ سنبھالتا اس کو احسان نیرے رب کا تو پھینکا گیا ہی تھا چٹیل میدان میں الزام

مَذْمُومٌ ۝۳۹ فَاجْتَبِهْ رَبُّهُ فَجَعَلَهُ مِنَ الصَّالِحِينَ ۝۴۰ وَإِنْ يَكَادُ الَّذِينَ

کہا کہ پھر نواز اس کو اسکے رب نے پھر کر دیا اس کو نیکوں میں اور منکر تو لگ ہی رہے ہیں

كَفَرُوا بِالْكِتَابِ لِقَوْلِكَ بِأَبْصَارِهِمْ لَمَّا سَمِعُوا الذِّكْرَ وَيَقُولُونَ إِنَّهُ

کہ ہمسار ہیں تجھ کو اپنی نگاہوں سے جب سنتے ہیں قرآن اور کہتے ہیں وہ تو

لَيَجْعَلَنَّ ۝۴۱ وَمَا هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ لِلْعَالَمِينَ ۝۴۲

باؤلا ہے اور یہ قرآن تو یہی نصیحت ہے سامنے جہان والوں کو

خلاصہ تفسیر

ن (اس کے معنی اللہ ہی کو معلوم ہیں) قسم ہے قلم کی (جس سے مقادیر خلق نوح محفوظ پر لکھے گئے) اور (قسم ہے) ان (فرشتوں) کے لکھنے کی (جو کہ کاتب اعمال ہیں) حضرت ابن عباسؓ نے قلم اور ما یظنون کی یہی تفسیر فرمائی ہے (درمنثور) آگے جواب قسم ہے (کہ آپ اپنے رب کے فضل سے مجنون نہیں ہیں) جیسا منکرین نبوت کہتے ہیں (کذا فی الدرر ابن جریر فی سبب النزول) مطلب یہ کہ آپ نبی برحق ہیں اور یہ قسمیں اس مدعا کے نہایت مناسب ہیں کیونکہ منجملہ مقادیر کے نزول قرآن بھی ہے پس اس آیت میں

اشارہ ہے کہ نبوت آپ کی علم الہی میں پہلے ہی سے محقق و مکمل ہے پس ثبوت اسکا متیقن ہوا اور اعمال لکھنے والے فرشتے مصدقین و منکرین کے اعمال کو لکھ رہے ہیں پس انکار نبوت پر سزا ہوگی اس سے ذکر ایمان لانا واجب ہے اور بیشک آپ کے لئے (اس تبلیغ احکام پر) ایسا اجر (ملنے والا) ہے جو (کبھی) ختم ہونے والا نہیں (اس میں بھی تقریر ہے نبوت کی جو مستلزم ہے نفی مطاعن کو اور تقریر نبوت کے ساتھ متضمن ہے تسلی کو بھی کہ آپ چند روز بر داشت کر لیجئے کہ انجام اسکا عظیم ہے) اور بیشک آپ اخلاق (حسنہ) کے اعلیٰ پیمانے پر ہیں (کہ ہر فعل آپ کا موصوف باعتماد اور قرین رضائے ایزد متعال ہے اور مجنون میں اخلاق کا کمال کہاں ہوتا ہے یہ بھی جواب کے طعن مذکور کا آگے تسلیہ ہے یعنی یہ جو ایسے مہلات کہتے ہیں) سو (اسکا غم نہ کیجئے کیونکہ) عنقریب آپ بھی دیکھ لیں گے اور یہ لوگ بھی دیکھ لیں گے کہ تم میں کس کو جنون (حقیقی) تھا (یعنی جنون کی حقیقت ہے زوال عقل اور عقل کی غایت ہے ادراک نفع و ضرر اور ضرر معتد بہ وہ ہے جو ابدی ہو، پس قیامت میں ان کو بھی معلوم ہو جائے گا کہ عاقل اہل حق تھے جنہوں نے اس نفع کو حاصل کیا اور مجنون یہ خود تھے جو اس نفع سے محروم رہ کر ضرر ابدی میں مبتلا ہوئے اور چونکہ آپ کا پروردگار اس شخص کو بھی خوب جانتا ہے جو اس کی راہ سے بھٹکا ہوا ہے اور وہ راہ (راست) پر چلنے والوں کو بھی خوب جانتا ہے (اس لئے ہر ایک کو اس کے مناسب جزا و سزا دیگا اور اس جزا و سزا کے مناسب ہونے کو یہ منکرین بھی اس وقت سمجھ لیں گے جب حقیقت منکشف ہو جائے گی کہ عاقل کون تھا مجنون کون، آگے ذم منکرین کا مضمون ہے کہ جب آپ حق پر ہیں اور یہ لوگ باطل پر ہیں) تو آپ ان تکذیب کرنے والوں کا کہنا نہ مانئے (جیسا کہ اب تک نہیں مانا، اور وہ کہنا وہ ہے جو آگے مفہوم ہوتا ہے یعنی) یہ لوگ یہ چاہتے ہیں کہ آپ (نعوذ باللہ اپنے منصبی کام میں کہ تبلیغ ہے ذرا) ڈھیلے ہو جاویں تو یہ بھی ڈھیلے ہو جاتیں (آپ کا ڈھیلہ ہونا یہ کہ بت پرستی کی مذمت نہ کریں، اور ان کا ڈھیلہ ہونا یہ کہ آپ کی مخالفت نہ کریں۔ سورہ کافرون کی تفسیر میں ابن عباس رضی اللہ عنہ نے ڈھیلے ہونے کا یہی مطلب بیان فرمایا ہے۔ درنثور) اور آپ (بالخصوص) کسی ایسے شخص کا کہنا نہ مانیں جو بہت قسمیں کھانے والا ہو (مراد جھوٹی قسم کھانے والا ہے۔ عادتاً اکثر جھوٹے آدمی قسمیں بہت کھایا کرتے ہیں۔ اور جو اپنی حرکت شنیعہ کی وجہ سے عند اللہ و عند الخلق بے وقعت ہو (دل دکھانے کے لئے) طعنہ دینے والا ہو چغلیاں لگاتا پھرتا ہو، نیک کام سے دکنے والا ہو حد (اعتدال) سے گزرنے والا ہو گناہوں کا (ارتکاب) کرنے والا ہو، سخت مزاج ہو (اور) اس (سب) کے علاوہ بدنام (بھی) ہو (مراد ولد الزنا اور مطلب یہ ہے کہ اور اخلاق و افعال بھی اس کے خبیث ہوں چونکہ غالباً ولد الزنا کے اخلاق و افعال اچھے نہیں ہوتے اس لئے مجازاً اس سے یہ مراد لیا گیا، خلاصہ یہ کہ اول تو مطلقاً مکذبین کا پھر خصوص جبکہ وہ مکذبین ان ذمائم کے ساتھ بھی مقصفت ہوں جیسا کہ آپ کے مکذبین میں سے بعض بڑے بڑے ایسے ہی تھے اور اس درخواست میں شریک بلکہ اسکے بانی تھے غرض آپ ایسے شخص کا کہنا نہ مانئے اور وہ بھی محض) اس سبب سے کہ وہ مال اور اولاد والا ہو۔ (یعنی دنیا کی وجاہت رکھتا ہو اور ایسے شخص کی اطاعت سے اس لئے منع کیا جاتا ہے کہ اس شخص کی یہ

عادت ہے کہ جب ہماری آیتیں اس کے سامنے پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو وہ کہتا ہے یہ بے سند باتیں ہیں جو اگلوں سے منقول چلی آتی ہیں (مطلب یہ کہ آیات کی تکذیب کرتا ہے خلاصہ یہ کہ اُن کی اطاعت سے منع کرنے کی اصل علت اُن کی تکذیب ہے اور اسی بنا پر اَوَّلَ الْاَنْطِمْ الْمَكْذِبِینَ فرمایا گیا پھر بطور تخصیص بعد تعمیم کے ان مکذبین میں سے ایسے لوگوں کی اطاعت سے ممانعت کی گئی جو علاوہ تکذیب کے اور بُری عادتیں بھی رکھتے ہوں ایسوں کی اطاعت سے ممانعت مطلق مکذبین کی اطاعت کی ممانعت سے اور زیادہ اشد ہوگی لیکن اصل علت وہی تکذیب رہے گی آگے ایسے شخص کی سزا کا بیان ہے کہ ہم عنقریب اس کی ناک پر داغ لگا دیں گے۔ (یعنی قیامت میں اس کے چہرے اور ناک پر اس کے کفر کی وجہ سے کوئی علامت ذلت اور ہچچان کی لگا دیں گے جس سے وہ خوب رُسا ہو۔ حدیث مرفوع میں ایسا ہی وارد ہے کافی الدر المنثور۔ آگے اہل مکہ کو ایک قصہ سنا کر اُن کو وبال سے ڈرایا گیا ہے) ہم نے (جو ان اہل مکہ کو سامان عیش دے رکھا ہے جس پر یہ مغرور ہو رہے ہیں تو ہم نے) ان کی آزمائش کر رکھی ہے (کہ دیکھیں یہ نعمتوں کے شکر میں ایمان لاتے ہیں یا ناشکری و بیقدری کر کے کفر کرتے ہیں) جیسا (ان سے پہلے نعمتیں دے کر) ہم نے باغ والوں کی آزمائش کی تھی (یہ باغ بقول ابن عباس رضی اللہ عنہما اور بقول سفید بن جبیر رضی اللہ عنہما، کذا فی الدر المنثور اور یہ قصہ اہل مکہ میں مشہور معروف تھا اور جن باغ والوں کا یہ قصہ ہے اُن کجباپ کا اپنے وقت میں معمول تھا کہ ایک بڑا حصہ اس باغ کے پھل کا مساکین میں صرف کیا کرتا تھا جب وہ مر گیا تو ان لوگوں نے کہا کہ ہمارا باپ احمق تھا کہ اس قدر آمدنی مسکینوں کو دے دیتا تھا اگر یہ سب آدمے کس قدر فراغت ہو چناںچہ ان آیتوں میں ان کا بقیہ قصہ مذکور ہے یعنی یہ واقعہ آئندہ اس وقت ہوا جبکہ ان لوگوں نے (یعنی اکثر یا بعض نے بقولہ تعالیٰ قَالَ اَوْسَطُھُمْ باہم) قسم کھائی کہ اس (باغ) کا پھل ضرور صبح چل کر توڑ لیں گے اور (ایسا وثوق ہوا کہ) انھوں نے انشاء اللہ بھی نہیں کہا سو اس باغ پر آپکے رب کی طرف سے ایک پھسر نے والا (عذاب) پھر گیا (اور وہ ایک آگ تھی۔ کذا فی الدر عن ابن جریر، خواہ خالص آگ ہو یا ہوا میں ملی ہوئی ہو جیسے تو) اور وہ سورہے تھے پھر صبح کو وہ باغ ایسا رہ گیا جیسے کٹا ہوا کھیت (کہ خالی زمین رہ جاتی ہے اور بعض جگہ کاٹ کر جلا بھی دیا جاتا ہے مگر ان کو اس کی کچھ خبر نہیں تھی) صبح کے وقت (سو کر جو اٹھے تو) ایک دوسرے کو پکارنے لگے کہ اپنے کھیت پر سویرے چلو اگر تم کو پھل توڑنا ہے (کھیت یا تو مجازاً کہہ دیا ہو یا اس میں ایسی چیزیں بھی ہوں جو تنہ دار نہیں ہوتیں جیسے انگور وغیرہ یا کہ اس باغ کے متعلق کھیت بھی ہو) پھر وہ لوگ آپس میں چپکے چپکے باتیں کرتے چلے کہ آج تم تک کوئی محتاج نہ آنے پائے اور (برغم خود) اپنے کو اس کے نہ دینے پر قادر سمجھ کر چلے (کہ سب پھل گھر لے آ دیں گے اور کسی کو نہ دیں گے) کذا فی الدر عن ابن عباس (پھر جب) وہاں پہنچے اور (اس باغ کو) اس حالت میں (دیکھا تو کہنے لگے کہ بیشک ہم رستہ بھول گئے) اور کہیں نکل آئے کیونکہ یہاں تو باغ داغ کچھ بھی نہیں پھر جب موقع و

حدود کو دیکھ کر یقین کیا کہ وہی جگہ ہے تو اس وقت کہنے لگے کہ بھولے نہیں (بلکہ جگہ تو وہی ہے لیکن) ہماری قسمت ہی پھوٹ گئی (کہ باغ کا یہ حال ہو گیا) ان میں جو (کسی قدر) اچھا آدمی تھا وہ کہنے لگا کہ کیوں میں نے تم کو کہا نہ تھا (کہ ایسی نیت مرت کرو، مساکین کے دینے سے برکت ہوتی ہے اسی لئے اس شخص کو اللہ تعالیٰ نے اچھا کہا مگر عملاً یہ شخص بھی باوجود کراہت قلب کے سب کے ساتھ شریک ہو گیا تھا اس لئے احقر نے لفظ کسی قدر بڑھا دیا لان الاوسطاً مضافی)۔ پھر پہلی بات کو یاد دلا کر اس شخص نے کہا کہ اپنی شامت اعمال تو بھگت لی مگر اب (توبہ اور) تسبیح (و تقدیس) کیوں نہیں کرتے (تاکہ وہ گناہ معاف ہو اور اس سے زیادہ وبال نہ آجائے) سب (توبہ کے طور پر) کہنے لگے کہ ہمارا پروردگار پاک ہے (یہ تنزیہ ہے جو استغفار کی تمہید ہے) بیشک ہم قصور وار ہیں (یہ استغفار ہے) پھر ایک دوسرے کو مخاطب بنا کر باہم الزام دینے لگے (جیسا کام بگڑنے کے وقت اکثر لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ ہر شخص دوسرے کو رائے فاسدہ کا ذمہ دار بتلایا کرتا ہے پھر سب متفق ہو کر) کہنے لگے کہ بیشک ہم (سب ہی) حد سے نکلنے والے تھے (کسی ایک کی خطائے تھی ایک دوسرے پر الزام بیکار ہے سب ملکر توبہ کر لو) شاید (توبہ کی برکت سے) ہمارا پروردگار ہم کو اس سے اچھا باغ بدلے میں دیدے (اب ہم اپنے رب کی طرف رجوع ہوئے ہیں) (یعنی توبہ کرتے ہیں اور بدلنا عام ہے خواہ دنیا میں نعم البدل ملجائے خواہ آخرت میں اور ظاہر معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ مومن تھے مرتکب معصیت ہوئے تھے اور یہ بات کہیں سند کے ساتھ نظر سے نہیں گزری کہ آیا اس باغ کے عوض ان کو دنیا میں کوئی باغ ملا یا نہیں، البتہ بلا سند روح المعانی میں ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول لکھا ہے کہ اس سے اچھا باغ ان کو عطا کیا گیا واللہ اعلم۔ آگے قصہ کی غرض یعنی تحذیر کی تصریح ہے کہ خلاف حکم کرنے پر اسی طرح عذاب ہوا کرتا ہے (جب ہوا کرتا ہے یعنی اے اہل مکہ تم بھی ایسے عذاب کے مستحق ہو بلکہ اس سے بھی زیادہ کے کیونکہ عذاب مذکور تو محض معصیت پر تھا اور تم تو کفر کرتے ہو) اور آخرت کا عذاب اس (عذاب نبوی) سے بھی بڑھ کر ہے کیا خوب ہوتا کہ یہ لوگ (اس بات کو) جان لیتے (تاکہ ایمان لے آتے۔ آگے ان سزاؤں کی تحقیق کے لئے کفار کے خیال باطل کا ابطال فرماتے ہیں کہ وہ کہتے تھے لَئِنْ رُجِعْتُ إِلَىٰ رَبِّي لَأَكُونَنَّ مِنَ الْمُحْسِنِينَ) یعنی بیشک پرہیزگاروں کے لئے ان کے رب کے نزدیک آسائش کی جنتیں ہیں (یعنی سبب دخول جنت کا تقویٰ ہے اور اس سے کافر عادی ہیں تو ان کو جنت کیسے مل جاوے گی) کیا ہم فرمانبرداروں کو نافرمانبرداروں کے برابر کر دیں گے (یعنی اگر کافروں کو نجات ہو تو فرمانبرداروں اور نافرمانوں میں کیا فرق و امتیاز رہ جاوے گا جس سے فرمانبرداروں کی فضیلت ثابت ہو۔ کہو کہ تعالیٰ فی صَاحِبِ الْأَمْرِ نَجْعَلُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ كَالْمُفْسِدِينَ) تم کو کیا ہوا تم کیسا فیصلہ کرتے ہو کیا تمہارے پاس کوئی (آسمانی) کتاب ہے جس میں پڑھتے ہو کہ اس میں تمہارے لئے وہ چیز (لکھی) ہو جو تم پسند کرتے ہو یعنی اس میں لکھا ہو کہ تم کو آخرت میں حسنیٰ (یعنی نعمت ملے گی) کیا ہمارے ذمہ کچھ قسمیں چڑھی ہوئی ہیں جو تمہارے لئے کھائی گئی ہوں اور وہ قسمیں

قیامت تک باقی رہنے والی ہوں (جن کا یہ مضمون ہو) کہ تم کو وہ چیزیں ملیں گی جو تم فیصلہ کر رہے ہو (یعنی ثواب اور جنت) ان سے پوچھئے ان میں اسکا کون ذمہ دار ہے کیا ان کے ٹھہرائے ہوئے کچھ شریک (خدائی) ہیں (کہ انھوں نے ان کو ثواب دینے کا ذمہ لیا ہے) سو ان کو چاہیئے کہ یہ اپنے ان شریکوں کو پیش کریں اگر یہ سچے ہیں (غرض جب یہ مضمون کسی اسمانی کتاب میں نہیں دیئے بلا کتاب دوسرے طرق وحی سے ہمارا وعدہ نہیں جو مثل قسم کے ہوتا ہے پھر ایسی حالت میں کون شخص ان میں سے یا ان کے شرکار میں سے ذمہ داری کر سکتا ہے ہرگز نہیں، پھر دعویٰ کس بنا پر ہے۔ آگے ان لوگوں کی قیامت کی رسوائی کا ذکر ہے وہ دن یاد کرنے کے قابل ہے) جس دن کہ ساق کی تجلی فرمائی جاوے گی اور سجدہ کی طرف لوگوں کو بلایا جاوے گا (اسکا قصہ حدیث شیعین میں مرفوعاً اس طرح آیا ہے کہ حق تعالیٰ قیامت کے میدان میں اپنی ساق ظاہر فرما دے گا۔ ساق کہتے ہیں پنڈلی کو، اور یہ کوئی خاص صفت ہے جس کو کسی مناسبت سے ساق منسب فرمایا جیسا قرآن میں ہاتھ آیا ہے اور ایسے مفہومات متشابہات کہلاتے ہیں اور اسی حدیث میں ہے کہ اس تجلی کو دیکھ کر تمام مومنین مومنات سجدے میں گر پڑیں گے مگر جو شخص ریلے سجدہ کرتا تھا اس کی کمر تختہ کی طرح رہ جاوے گی سجدہ نہ کر سکے گا۔ اور سجدے کی طرف بلائے جانے سے یہ شبہ نہ کیا جاوے کہ وہ دارالتکلیف نہیں ہے کیونکہ بلائے جانے سے مراد امر بالسجود نہیں ہے بلکہ اس تجلی میں یہ اثر ہوگا کہ سب بالاضطرار سجدہ کرنا چاہیں گے جن میں مومن اس بات پر قادر ہو جائیں گے اور اہل ریا و نفاق قادر نہ ہونگے اور کفار کا قادر نہ ہونا اس سے بدرجہ اولیٰ مفہوم ہوتا ہے جسکا آگے ذکر ہے یعنی کفار بھی سجدہ کرنا چاہیں گے) سو یہ (کافر) لوگ سجدہ نہ کر سکیں گے (اور) انکی آنکھیں (مارے شرمندگی کے) جھلکی ہونگی (اور) ان پر ذلت چھانی ہوگی اور (وجہ اس کی یہ ہے کہ) یہ لوگ (دنیا میں) سجدہ کی طرف بلائے جایا کرتے تھے (اس طرح کہ ایمان لا کر عبادت کریں) اور وہ صحیح سالم تھے (یعنی سجدہ پر قادر بھی تھے چنانچہ ظاہر ہے کہ ایمان و عبادت فعل اختیار ہی ہے پس دنیا میں امتثال امر نہ کرنے سے آج ان کو یہ رسوائی و ذلت ہوئی اور دوسری آیت میں جو بنگاہ کا ادھر اٹھا رہنا آیا ہے وہ اس کے معارض نہیں کیونکہ گاہے غلبہ حیرت سے ایسا ہوگا اور گاہے غلبہ ندامت سے ایسا ہوگا، آگے کفار کے اس خیال کا رد ہے کہ عذاب میں دیر ہونے کو اپنے مقبول ہونے کی دلیل سمجھتے تھے اور اس کے ضمن میں آپ کی تسلی بھی ہے، یعنی جب اسکا مستحق عذاب ہونا اور پر کی آیتوں سے معلوم ہو چکا) تو مجھ کو اور جو اس کلام کو جھٹلاتے ہیں ان کو (اس حال موجودہ پر) رہنے دیجئے (یعنی عذاب میں دیر ہونے سے رنج نہ کیجئے) ہم ان کو بتا دیجئے (جہنم کی طرف) لو جارہی ہیں، اس طور پر کہ ان کو خبر بھی نہیں اور (دنیا میں ان پر عذاب نہ ڈالنے سے) ان کو مہلت دیتا ہوں بیشک میری تدبیر بڑی مضبوط ہے (آگے ان کے انکار نبوت پر تعجب ہے) کیا آپ ان سے کچھ معاوضہ مانگتے ہیں کہ وہ اس تاوان سے دیے جاتے ہیں (اس لئے آپ کی اطاعت سے نفرت ہے و نذاکقولہ تعالیٰ اَمْ تَسْأَلُهُمْ خَرْجًا) یا ان کے پاس غیب (کا علم) ہے کہ یہ (اس کو محفوظ رکھنے کے واسطے) لکھ لیا کرتے ہیں (یعنی کیا ان کو احکام

خداوندی خود کسی طریقہ سے معلوم ہو جاتے ہیں جس کی وجہ سے وہ صاحب وحی کے اتباع سے مستثنیٰ ہیں اور ظاہر ہے کہ دونوں امر نہیں ہیں پھر انکار نبوت عجیب ہے آگے آپ کا تسلیہ ہے، جب ان کا استحقاق عذاب اور کفر جو موجب تحقاق ہے معلوم ہو گیا اور یہ کہ ان کی ہمت استدراج یعنی ایک قسم کی ڈھیل ہے اور وقت موعود پر عذاب ہوگا تو آپ اپنے رب کی (اس) تجویز پر صبر سے بیٹھے رہیں اور (تنگدلی میں) مچھلی (کے پیٹ میں جانے) والے (پیغمبر یونس علیہ السلام) کی طرح نہ ہو جائے کہ وہ عذاب نازل نہ ہونے سے تنگدل ہوئے اور کہیں چلے گئے جسکا قصہ کئی جگہ تھوڑا تھوڑا آچکا ہے مضمون مقصود تشبیہ کا تو ختم ہو چکا، آگے بطور متمیم قصہ کے ارشاد ہے کہ وہ وقت بھی یاد کیجئے جبکہ یونس (علیہ السلام) نے (اپنے رب سے) دعا کی اور وہ غم سے گھٹ رہے تھے (یہ غم مجموعہ تھا کئی غموں کا ایک قوم کے ایمان نہ لانے کا۔ ایک عذاب کے ٹل جانے کا۔ ایک بلا اذن صریح حق تعالیٰ کے وہاں سے چلے آنے کا۔ ایک مچھلی کے پیٹ میں جمبوس ہونیکا اور وہ دعا یہ ہے لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ مُبْخِئْنَا بِمَا كُنْتَ مِنَ الظَّالِمِينَ جس سے مقصود معافی اور طلب نجات عن مجس ہے چنانچہ اس پر اللہ تعالیٰ کا فضل ہوا اور مچھلی کے پیٹ سے نجات ہوئی اسی کی نسبت ارشاد ہے کہ) اگر خداوندی احسان ان کی دستگیری نہ کرتا تو وہ (جس میدان میں مچھلی کے پیٹ سے نکال کر ڈال دیئے گئے تھے اس) میدان میں بد حالی کے ساتھ ڈالے جاتے (دستگیری سے مراد قبول توبہ ہے اور بد حالی سے مراد یہ کہ ان کی اجتہادی غلطی پر منجانب اللہ ان کو ملامت ہوئی چل اسکا اور آیت سورہ صافات کا یہ ہے کہ اگر یہ توبہ واستغفار نہ کرتے تب تو شکم ماہی سے نجات ہی نہ ہوتی کما قال فلولا آتاه كان الم

اور اگر توبہ واستغفار کرتے مگر اللہ تعالیٰ قبول نہ فرماتا تو اس توبہ واستغفار کی اس قدر دنیوی برکت تو ہوتی کہ شکم ماہی سے نجات ہو جاتی اور میدان میں جس طرح اب ڈالے گئے اسی طرح ڈالے جاتے لیکن اس وقت وہ ڈالا جانا مذموم ہوتا اور اب کا ڈالا جانا مذموم ہونے کی حالت میں نہیں ہوا کیونکہ قبول توبہ کے بعد خطا پر مذمت و ملامت نہیں ہوا کرتی) پھر ان کے رب نے ان کو (اور زیادہ) برگزیدہ کر لیا اور ان کو (زیادہ رتبہ کے) صالحین میں سے کر دیا (شاید اس متمیم قصہ سے یہ بھی مقصود ہو کہ اپنے اجتہاد پر عمل کرنا ان کو کیسا مضر ہوا اور توکل کیسا نافع ہوا اسی طرح عذاب کے بارے میں آپ بھی اپنی آئے سے جلدی نہ کیجئے بلکہ اللہ تعالیٰ پر توکل کیجئے کہ انجام بہتر ہوگا) اور (آگے آپ کی شان میں کفار کے مجنون کہنے کا ایک دوسرے انداز میں ابطال ہے شروع سورت میں اور انداز سے اس کو باطل کیا گیا تھا یعنی) یہ کافر جب قرآن سُنتے ہیں تو (شدت عداوت سے) ایسے معلوم ہوتے ہیں کہ گویا آپ کو اپنی نگاہوں سے پھسلا کر گرا دیں گے (یہ ایک محادرہ ہے جیسے بولتے ہیں کہ فلاں شخص اس طرح دیکھتا ہے جیسے کھا جائے گا کما فی روح المعانی نظر الی نظر ایکاد یصلح یعنی ادیکاد یا کلنی، مطلب یہ کہ شدت عداوت سے آپ کو بُری بُری نگاہوں سے دیکھتے ہیں) اور (اسی عداوت سے آپ کی نسبت) کہتے ہیں کہ (نفوذ باللہ) یہ مجنون ہیں حالانکہ یہ قرآن (جس کے

ساتھ آپ تکلم فرماتے ہیں) تمام جہان کے واسطے نصیحت ہے (اور مجنون آدمی کے متعلق ایسی اصلاح عام نہیں ہو سکتی اس میں تو جواب طعن جنون ظاہر ہے اور بیان عداوت سے بھی اس طعن کا ضعیف ہونا ثابت ہو گیا کیونکہ جس قول کا انتشار شدت عداوت ہو وہ قابل التفات نہیں)

معارف و مسائل

سُورہ ملک میں اللہ تعالیٰ کے وجود اور توحید اور علم و قدرت کے دلائل مشاہدہ کائنات سے بیان ہوئے ہیں اور کفار و منکرین پر عذاب شدید کا ذکر ہے۔ سورہ فون میں کفار کے اُن مطاعن کا جواب ہے جو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر کیا کرتے تھے۔ سب سے پہلا اُن کا طعن یہ تھا کہ اللہ کے بھیجے ہوئے کامل العقل کامل العلم جامع الفضائل رسول کو معاذ اللہ مجنون کہتے تھے، یا اسوجہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جو وحی فرشتہ کے ذریعہ نازل ہوتی تھی بوقت وحی اُس کے آثار آپ کے جسم مبارک پر دیکھے جاتے تھے، پھر آپ وحی سے محال شدہ آیات پڑھ کر سناتے تھے یہ معاملہ کفار کے فہم و ادراک سے باہر تھا اسلئے اس کو جنون قرار دیدیا۔ اور یا اسوجہ سے کہ آپ نے اپنی قوم اور پوری دنیا کے عقائد موجودہ کے خلاف یہ دعویٰ کیا کہ عبادت کے قابل اللہ کے سوا کوئی نہیں، جن خود تراشیدہ بتوں کو وہ خدا سمجھتے تھے، اُن کا بے علم و شعور ناقابل نفع و ضرر ہونا بیان کیا، آپ کے اس عقیدہ کا کوئی ساتھی نہ تھا آپ اکیلے یہ دعویٰ کر بغیر کسی ظاہری ساز و سامان کے ساری دنیا کے مقابلہ میں کھڑے ہو گئے۔ ظاہر بین نظروں میں اسکی کامیابی کا کوئی امکان نہیں تھا ایسے دعوے کو لیکر کھڑا ہونا جنون سمجھا گیا اور بغیر کسی سبب کے بھی بعض طعن برائے طعن ہو سکتا ہے کہ مجنون کہتے ہوں، سورہ نون کی ابتدائی آیتوں میں اُن کے اس خیال باطل کی تردید قسم کے ساتھ مؤکد کر کے بیان فرمائی ہے۔

ن وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُونَ ۝ مَا أَنتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمُنْجُوتٍ ۝ حَرْفٌ نُّونٌ مَّقْطَعٌ مِّنْ سَیِّ
جو قرآن کریم کی بہت سی سورتوں کے شروع میں لائے گئے ہیں، ان کے معنی اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہیں، یا اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو، اُمت کو اُس کی تحقیق میں پڑنے سے روک دیا گیا ہے۔

قلم سے کیا مراد ہے اور قلم کی فضیلت وَالْقَلَمِ میں واو حرف قسم ہے اور قلم سے مراد عام قلم بھی ہو سکتا ہے جس میں قلم تقدیر اور فرشتوں اور انسانوں کے سب قلم جن سے کچھ لکھا جاتا ہے سب داخل ہیں (کما ہو قول ابی حاتم البستی) اور خاص قلم تقدیر بھی مراد ہو سکتا ہے (کما ہو قول ابن عباس رض) اور اس قلم تقدیر کے متعلق حضرت عبادہ بن الصّامت رض کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے قلم پیدا کیا اور اُس کو حکم دیا کہ لکھ، قلم نے عرض کیا، کیا لکھوں تو حکم دیا کہ تقدیر الہی کو قلم نے (حکم کے مطابق) ابد تک ہونے والے تمام واقعات اور حالات کو لکھ دیا۔ (رواہ الترمذی وقال ہذا حدیث غریب) اور صحیح مسلم میں حضرت عبداللہ بن عمر رض کی حدیث ہے

کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ”اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوقات کی تقدیر کو آسمان و زمین کی تخلیق سے پچاس ہزار سال پہلے لکھ دیا تھا۔“

اور حضرت قتادہؓ نے فرمایا کہ قلم اللہ تعالیٰ کی ایک بڑی نعمت ہے جو اُس نے اپنے بندوں کو عطا فرمائی ہے اور بعض حضرات نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے ایک قلم، قلم تقدیر پیدا فرمایا جس نے تمام کائنات و مخلوقات کی تقدیریں لکھ دیں۔ پھر دوسرا قلم پیدا فرمایا جس سے زمین پر بسنے والے لکھتے ہیں اور لکھیں گے اس دوسرے قلم کا ذکر سورۃ اقرار میں آیا ہے عَلَّمَ بِالْقَلَمِ، واللہ اعلم آیت میں اگر قلم سے مراد قلم تقدیر لیا جائے جو سب سے پہلی مخلوق ہے تو اُس کی عظمت اور تمام چیزوں پر ایک برتری ظاہر ہے اس لئے اس کی قسم کھانا مناسب ہوا، اور اگر قلم سے مراد عام قلم لیے جاویں جس میں قلم تقدیر اور فرشتوں کے اقلام کے علاوہ انسانوں کے قلم بھی داخل ہیں تو اس کی قسم اس لئے کھائی گئی کہ دنیا میں بڑے بڑے کام سب قلم ہی سے ہوتے ہیں۔ ملکوں کی فتوحات میں تلوار سے زیادہ قلم کا موثر ہونا منقول و معروف ہے ابو حاتم بستی نے اسی مضمون کو دو شعروں میں فرمایا ہے۔

وَإِذَا الْقِسْمُ الْإِطَالُ يَوْمَ ابْسِيفِ هُمْ	وَعَلَّوْهُ قَمَائِكُ سَبِّ الْمَجْدِ وَالْكَرَمِ
جب کہ قسم کھائیں بہادر لوگ کسی دن اپنی تلوار کی	اور اس کو شمار کریں ان چیزوں میں جو انسان کو عزت و شرف بخشی ہیں
كُفَى الْقَلَمُ الْكِتَابَ عَنَّا أَوْ رَافِعَةً	فَلَا يَذْهَبُ إِنَّ اللَّهَ أَقْسَمُ بِالْقَلَمِ
تو کافی ہے لکھنے والوں کا قلم اُن کی عزت و برتری کے لئے	ہمیشہ ہمیشہ کے واسطے کیونکہ اللہ نے قسم کھائی ہے قسم کی۔

بہر حال اس آیت میں قلم تقدیر یا عام قلم خلاق کی اور پھر لفظ مَایِطُطُون میں کچھ ان قلموں سے لکھا گیا یا لکھا جائے گا اُس کی قسم کھا کر حق تعالیٰ نے کفار کے اس طعنہ باطلہ کا رد فرمایا کہ آپ مجنون ہیں ارشاد ہوا مَا أَنتَ بِمُجْنُونٍ رَبِّكَ بِمُحْمَدٍ، یعنی آپ اپنے رب کی نعمت و فضل کی وجہ سے ہرگز مجنون نہیں اسی میں بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بڑھا کر دعویٰ کی دلیل بھی دیدی کہ جس شخص پر اللہ تعالیٰ کی نعمت و رحمت مکمل ہو وہ کیسے مجنون ہو سکتا ہے اُس کو مجنون کہنے والا خود مجنون ہے۔

فائدہ | علماء نے فرمایا ہے کہ قرآن کریم میں حق تعالیٰ جس چیز کی قسم کھاتے ہیں وہ مضمون قسم پر ایک شہادت ہوتی ہے یہاں مایِطُطُون کے لفظ سے دنیا کی تاریخ میں جو کچھ لکھا گیا اور لکھا جا رہا ہے اس کو بطور شہادت پیش کیا ہے کہ دنیا کی تاریخ کو دیکھو، ایسے اعلیٰ اخلاق و اعمال والے کہیں مجنون ہوتے ہیں وہ تو دوسروں کی عقل درست کرنے والے ہوتے ہیں۔ آگے مضمون مذکور کی مزید تائید کے لئے فرمایا،

وَإِنَّ لَكَ لَأَجْرًا غَيْرَ مَمْنُونٍ (اور بیشک آپ کے لئے اجر عظیم ہے جو کبھی منقطع ہونے والا نہیں) مطلب یہ ہے کہ آپ کے جس کام کو یہ دیوانے جنون کہہ رہے ہیں وہ تو اللہ کے نزدیک سب سے بڑا مقبول عمل ہے اس پر آپ کو اجر عظیم ملنے والا ہے اور اجر بھی ایسا جو دائمی ہے کبھی منقطع نہیں ہوگا۔ کہیں کسی مجنون کے عمل پر بھی مجنون کو اجر

ملا کرتا ہے۔ آگے اسی مضمون کی مزید تائید و تاکید اس جملے سے فرمادی۔

وَإِنَّكَ لَعَلَىٰ خَلْقٍ عَظِيمٍ، اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق فاضلہ کاملہ میں غور و تفریح کی ہدایت

فرمائی گئی ہے کہ دیوانو ذرات و دیکھو کہیں مجنوںوں دیوانوں کے ایسے اخلاق و اعمال ہوا کرتے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خلق عظیم | حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ خلق عظیم سے مراد دین عظیم ہے کہ اللہ کے

نزدیک اس دین اسلام سے زیادہ کوئی محبوب دین نہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ آپ کا خلق خود قرآن و

یعنی قرآن کریم جن اعلیٰ اعمال و اخلاق کی تعلیم دیتا ہے آپ ان سب کا اعلیٰ نمونہ ہیں۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ

نے فرمایا کہ خلق عظیم سے مراد آداب القرآن ہیں یعنی وہ آداب جو قرآن نے سکھائے ہیں۔ حاصل سب کا تقریباً

ایک ہی ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود باوجود میں حق تعالیٰ نے تمام ہی اخلاق فاضلہ بدرجہ کمال جمع

فرمادیئے تھے خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بعثت لاقم مکارم الاخلاق یعنی مجھے اس کام کے

لئے بھیجا گیا ہے کہ میں اعلیٰ اخلاق کی تکمیل کروں (ابو حیان)

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے دس سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کی اس پوری مدت

میں جو کام میں نے کیا آپ نے کبھی یہ نہیں فرمایا کہ ایسا کیوں کیا اور جو کام نہیں کیا اُس پر کبھی یہ نہیں فرمایا کہ یہ

کام کیوں نہیں کیا (حالانکہ یہ ظاہر ہے کہ دس سال کی مدت میں خدمت کرنے والے کے بہت سے کام خلاف

طبع ہوئے ہونگے) (بخاری و مسلم)

اور حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ کے مکارم اخلاق کا یہ حال تھا کہ مدینہ کی کوئی نوٹڈی باندی بھی آپ کا

ہاتھ پکڑ کر جہاں لیجانا چاہے لیجا سکتی تھی (رواہ البخاری)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی اپنے ہاتھ سے کسی کو نہیں مارا بجز

جہاد فی سبیل اللہ کے کہ اس میں کفار کو مارنا قہر میں کرنا ثابت ہے ورنہ آپ نے نہ کسی خادم کو نہ کسی عورت کو

کبھی مارا، ان میں سے کسی سے خطا و لغزش بھی ہوئی تو اسکا انتقام نہیں لیا بجز اسکے کہ اللہ کے حکم کی

خلاف ورزی کی ہو تو اُس پر شرعی سزا جاری فرمائی (رواہ مسلم)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کبھی کسی چیز کا سوال نہیں کیا گیا جس کے

جواب میں آپ نے نہیں فرمایا ہو (بخاری و مسلم)

اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہ غصہ نہ فحش کے پاس جاتے تھے

نہ بازاروں میں شور و شغب کرتے تھے بُرائی کا بدلہ کبھی بُرائی سے نہیں دیتے تھے بلکہ معافی اور درگزر کا معاملہ

فرماتے تھے۔ اور حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میزانِ علی میں خلقِ حسن

کی برابر کسی عمل کا وزن نہیں ہوگا، اور اللہ تعالیٰ گالی گلوچ کرنے والے بد زبان سے بغض رکھتے ہیں (رواہ

الترمذی و قال حدیث حسن صحیح)

اور حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسلمان اپنے حسن خلق کی بدولت اس شخص کا درجہ حاصل کر لیتا ہے جو ہمیشہ رات کو عبادت میں جاگتا اور دن بھر روزہ رکھتا ہو (رواہ ابو داؤد)

اور حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مجھے مین کا عامل مقرر کر کے بھیجنے کے وقت (آفری و صیت جو آپ نے مجھے اس وقت فرمائی جبکہ میں اپنا ایک پاؤں رکاب میں رکھ چکا تھا وہ یہ تھی یا معاذ اَحْسَنُ خُلُقًا لِلنَّاسِ (اے معاذ لوگوں سے حسن خلق کا برتاؤ کرو۔ رواہ مالک) یہ سب روایات حدیث تفسیر مظہری سے نقل کئی ہیں۔

فَسْتَبْصِرُونَ وَيَبْصُرُونَ يَا أَيُّهَا الْمَفْتُونُ (عنقریب آپ بھی دیکھ لیں گے اور یہ کفار بھی دیکھ لیں گے تم میں کون مجنون ہے) مفتون اس جگہ مجھے مجنون ہے۔ پچھلی آیات میں آپ کو مجنون کہنے والوں کے طعنہ کو دلائل سے رد کیا گیا تھا اس آیت نے پیش گوئی کے طور پر یہ بتلایا کہ یہ بات یوں ہی ڈھکی چھپی رہنے والی نہیں ہے قریب آنے والے وقت میں سب آنکھوں سے دیکھ لیں گے کہ معاذ اللہ آپ مجنون تھے یا آپ کو مجنون کہنے والے پاگل دیوانے تھے چنانچہ تھوڑے ہی عرصہ میں یہ بات کھل کر دنیا کے سامنے آگئی اور انہیں مجنون کہنے والوں میں سے ہزاروں حلقہ گوش اسلام ہو کر آپ کے اتباع و محبت کو سرمایہ سعادت سمجھنے لگے۔ اور بہت سے اشقیاء جن کو توفیق نہیں ہوئی وہ دنیا میں بھی ذلیل و خوار ہوئے۔

فَلَا تَطْغَمُوا الْمَكِيدِينَ ۝ وَذُكُوتُ هُنَّ فَيَكُودُنَّ ۝ یعنی آپ ان جھٹلانے والوں کی بات نہ مانیں یہ تو یوں چاہتے ہیں کہ آپ کچھ تبلیغ احکام میں نرم پڑ جائیں اور شرک و بت پرستی سے ان کو روکنا چھوڑ دیں تو یہ بھی نرم پڑ جائیں کہ آپ پطعن تشنیع اور آپ کی ایذا رسانی چھوڑ دیں (قالہ ابن عباسؓ۔ قرطبی)

مسئلہ۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ کفار و فجار کے ساتھ یہ سودا کر لینا کہ ہم تمہیں کچھ نہیں کہتے تم ہمیں کچھ نہ کہو، یہ مہانت فی الدین اور ہرما ہے (مظہری) یعنی بلا کسی اضطرار و مجبوری کے ایسا معاہدہ جائز نہیں۔

وَلَا تَطْغَمُوا كُلَّ جَلَدٍ مَّهِينٍ ۝ هُمَا ذَا مَشَاةٍ بِمِثْلِهِمَا ۝ مَتَارِعَ الْخَيْرِ مَعْتَدٍ ۝ اذِيقُوهُ عَذَابًا بَعْدَ ذَلِكَ ذِكْرِي ۝ (آپ بات نہ مانیں ہر ایسے شخص کی جو بہت قسمیں کھانی والا ہو ذلیل ہو اور لوگوں پر عیب لگانے والا ہو غیبت کرنے والا ہو چغلی خوری کرنے والا ہو، نیک کاموں سے لوگوں کو روکنے والا ظلم و جور میں حد سے بڑھنے والا ہو بکثرت گناہ کرنے والا اور بہت قسمیں کھانے والا کج خلق بخیل ہو اور ان سب صفاتِ رذیلہ کے ساتھ وہ زنیم بھی ہو۔ زنیم کے معنی وہ شخص جس کا نسب کسی باپ سے ثابت نہ ہو۔ جس شخص کے یہ اوصاف بیان کئے گئے ہیں وہ ایسا ہی غیر ثابت النسب تھا۔

پہلی آیت میں عام کفار کی بات نہ ماننے اور دین کے معاملے میں ان کی وجہ سے کوئی مہانت نہ کرنے کا عام حکم تھا اس آیت میں ایک خاص شریر کافر و لسید بن مغیرہ کی صفاتِ رذیلہ بیان کر کے اس سے اعراض کرنے اور اس کی بات نہ ماننے کا خصوصی حکم دیا گیا ہے (کما رواہ ابن جریر عن ابن عباسؓ) آگے بھی کئی آیتوں میں اس شخص کی بد اخلاقی اور سرکشی کا ذکر فرمانے کے بعد فرمایا سَتَسِمُهُ عَلَى الْخُرُطُومِ یعنی

ہم قیامت کے روز اس کی ناک پر داغ لگا دیجئے جس سے اولین و آخرین میں اُس کی رُسوائی ظاہر ہو جائیگی اس کی ناک کو بغرض یقین خرطوم سے تعبیر کیا گیا ہے جو ہاتھی یا خنزیر کی ناک کے لئے مخصوص ہے۔

اِنَّا بَلَوْنَهُمْ كَمَا بَلَوْنَا اَصْحَابَ الْجَنَّةِ (یعنی ہم نے آزمائش میں ڈالائے ان (اہل مکہ) کو جس طرح آزمائش میں ڈالا تھا باغ والوں کو) سابقہ آیات میں کفار اہل مکہ کی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر طعن و تشنیع کا جواب تھا۔ ان آیات میں حق تعالیٰ نے پچھلے زمانے کا ایک قصہ ذکر کر کے اہل مکہ کو تنبیہ فرمائی اور عذاب سے ڈرایا۔ اہل مکہ کو آزمائش میں ڈالنے سے یہ مراد بھی ہو سکتی کہ جس طرح آئندہ آنے والے قصہ میں باغ والوں کو اللہ تعالیٰ نے اپنی نعمتوں سے سرفراز فرمایا انھوں نے ناشکری کی جس کے نتیجہ میں عذاب آگیا اور انکی نعمت سلب ہو گئی، حق تعالیٰ نے اہل مکہ پر اپنا سب سے بڑا انعام تو یہ فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے اندر پیدا فرمایا، اس کے علاوہ ان کی تجارتوں میں برکت عطا فرمائی اور ان کو خوشحال بنا دیا، یہ اُن کی آزمائش ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ان نعمتوں کے شکر گزار ہوتے ہیں اور اللہ و رسول پر ایمان لاتے ہیں یا اپنے کفر و عناد پر جھگڑتے ہیں۔ دوسری صورت میں ان کو باغ والوں کے قصہ سے عبرت حاصل کرنا چاہیئے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ کفر ان نعمت سے ان پر بھی ایسا ہی عذاب آجائے۔ یہ تفسیر اس صورت میں بھی صادق ہے جبکہ ان آیات کو بھی مثل اکثر سورت کے مکی قرار دیا جائے لیکن بہت سے حضرات مفسرین نے ان آیات کو مدنی قرار دیا ہے اور جس آزمائش کا یہاں ذکر ہے اُس سے مراد وہ قحط کا عذاب ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بددعا سے ان لوگوں پر مسلط ہوا تھا جس میں وہ بھوک سے مرنے لگے اور مردار جانور اور درختوں کے پتے کھانے پر مجبور ہو گئے تھے۔ یہ واقعہ ہجرت کے بعد کا ہے۔

باغ والوں کا قصہ | یہ باغ بعض سلف جیسے حضرت ابن عباس وغیرہ کے قول پر یمن میں تھا اور حضرت سعید بن جبیرؓ کی ایک روایت یہ ہے کہ صنعا جو یمن کا مشہور شہر اور دار السلطنت ہے اُس سے چھ میل کے فاصلے پر تھا اور بعض حضرات نے اسکا محل وقوع حبشہ کو بتلایا ہے (ابن کثیر) یہ لوگ اہل کتاب میں سے تھے اور یہ واقعہ رفع عینی علیہ السلام کے کچھ عرصہ بعد کا ہے (قرطبی)

آیت مذکورہ میں ان کو اصحاب الجنة یعنی باغ والوں کے نام سے تعبیر کیا ہے مگر مضمون آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے پاس صرف باغ ہی نہیں بلکہ کاشت کی زمینیں بھی تھیں۔ ہو سکتا ہے کہ باغ کے ساتھ ہی مزدع زمین بھی ہو مگر باغوں کی شہرت کے سبب باغ والے کہہ دیا گیا۔ واقعہ ان کا بروایت محمد بن مردان حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے اس طرح منقول ہے۔ صنعا یمن سے دو فرسخ کے فاصلے پر ایک باغ تھا جس کو صردان کہا جاتا تھا۔ یہ باغ ایک صالح اور نیک بندے نے لگایا تھا، اسکا عمل یہ تھا کہ جب کبھی کاٹتا تو جو درخت درختی سے باقی رہ جاتے تھے انکو فقرار و مساکین کیلئے چھوڑ دیتا تھا یہ لوگ اس سے غلہ حاصل کر کے اپنا گزارہ کرتے تھے۔

اسی طرح جب کھیتی کو گاہ کرغلہ نکالتا تو جو دانہ بھوسے کیساتھ اُر کر الگ ہو جاتا، اُس دانے کو بھی فقرا و مسکین کیلئے چھوڑ دیتا تھا، اسی طرح جب باغ کے درختوں سے پھل توڑتا تو توڑنے کے وقت جو پھل نیچے گر جاتا وہ بھی فقرا و مسکین چھوڑ دیتا تھا (یہی وجہ تھی کہ جب اس کی کھیتی کٹنے یا پھل توڑنے کا وقت آتا تو بہت سے فقرا و مسکین جمع ہو جاتے تھے) اس مرد صالح کا انتقال ہو گیا اس کے تین بیٹے باغ اور زمین کے وارث ہوئے، انھوں نے آپس میں گفتگو کی کہ اب ہمارا عیال بڑھ گیا ہے اور پیداوار اُن کی ضرورت سے کم ہے اس لئے اب ان فقرا کے لئے اتنا غلہ اور پھل چھوڑ دینا ہمارے بس کی بات نہیں۔ اور بعض روایات میں ہے کہ ان لڑکوں نے آزاد نو جوانوں کی طرح یہ کہا کہ ہمارا باپ تو بے وقوف تھا اتنی بڑی مقدار غلہ اور پھل کی لوگوں کو کٹا دیتا تھا۔ ہمیں یہ طریقہ بند کرنا چاہیے، آگے ان کا قصہ خود قرآن کریم کے الفاظ میں حسب ذیل ہے۔

اِذَا قَسَمُوا لَكَ زَرْعًا مَّضْمِيًّا ۝ وَلَا يَسْتَنْوُونَ ۝ یعنی انھوں نے آپس میں حلف قسم کر کے یہ عہد کیا کہ اب کی مرتبہ ہم صبح سویرے ہی جا کر کھیتی کاٹ لیں گے تاکہ مساکین فقرا کو خبر نہ ہو اور وہ ساتھ نہ لگ لیں، اور اپنے اس منصوبے پر اُن کو اتنا یقین تھا کہ انشاء اللہ کہنے کی بھی توفیق نہ ہوگی جیسا کہ سنت ہے کہ کل جو کام کرنا ہے جب اسکا ذکر کرے تو یوں کہے کہ ہم انشاء اللہ کل یہ کام کریں گے۔

لَا يَسْتَنْوُونَ کے معنی استنشاء نہ کرنے کے ہیں اور مراد اس استنشاء سے انشاء اللہ کہنا ہے اور بعض حضرات مفسرین نے استنشاء سے مراد یہ لیا ہے کہ ہم پورا پورا غلہ اور پھل لے آویں گے فقرا کا حصہ مستثنیٰ نہ کریں گے (منظری) فَطَافَ عَلَيْهِمَا طَائِفٌ مِّنْ رَبِّكَ (پھر پھر گیا اس کھیت اور باغ پر ایک پھر نے والا آپکے رب کی طرف سے۔ پھر نے والے سے مراد کوئی بلا، اور آفت ہے جس سے کھیتی اور باغ تباہ ہو جائے بعض روایات میں ہے کہ وہ ایک آگ تھی جس نے سب کھڑی کھیتی کو جلا کر خاک سیاہ کر دیا وَهُمْ نَائِمُونَ، یعنی یہ واقعہ نزول عذاب کا رات کو اس وقت ہوا جبکہ یہ لوگ بخواب تھے فَانْهَبَتْ كَالَّذِينَ نِمُّ، صُرْم کے معنی پھل وغیرہ کاٹنے کے ہیں۔ صُرْم بمعنی مصروم و مقطوع ہے مطلب یہ ہے کہ آگ نے اس کھیتی کو ایسا بنا دیا کہ جیسے کھیتی کاٹ لینے کے بعد صاف زمین رہ جاتی ہے۔ اور صریم کے معنی رات کے بھی آتے ہیں، اس معنی کے لحاظ سے مطلب یہ ہوگا کہ جب رات ایک سیاہ ہوتی ہے کھیتی بھی خاک سیاہ ہو گئی (منظری)

فَتَنَّا دَاوُدَ اٰمُصِيْبِيْنَ، یعنی صبح اندھیرے سے آپس میں ایک دوسرے کو آواز دیکر جگانے لگے کہ اگر کھیتی کاٹنا ہے تو سویرے چلو۔ وَهُمْ يَكْفُرُونَ، یعنی گھر سے نکلنے کے وقت آپس میں آہستہ بات کرتے تھے کہ کسی فقیر مسکین کو خبر نہ ہو جائے جو ساتھ لگے۔

وَقَدْ وَاَعْلٰى حٰرْدٍ قَدِ رِيْنٍ، حَرْد کے معنی منع کرنے اور غیظ و غضب دکھانے کے ہیں مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ اپنے خیال میں یہ سمجھ کر چلے کہ ہمیں اس پر قدرت ہے کہ ہم کسی فقیر و مسکین کو کچھ نہ دیں کوئی آ بھی جائے تو اُس کو دفع کر دیں۔

فَلَمَّا رَاَوْهَا قَالُوا لَآئِكَا لَهَآ كُوْنٌ، مگر جب اس جگہ کھیت باغ کچھ نہ پایا تو اول تو یہ کہنے لگے کہ ہم جگہ کو بھول کر کہیں اور آگئے، یہاں تو نہ باغ ہے نہ کھیت، مگر پھر قریبی مقامات اور نشانات پر غور کیا تو معلوم ہوا جگہ تو یہی ہے اور کھیت جگہ ختم ہو چکا ہے تو کہنے لگے بَلْ نَحْنُ مَحْذُوْمُوْنَ، یعنی ہم اس نعمت سے محروم کر دیئے گئے قَالَ اَوْ سَطَّهْمُ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ كُوْنًا تَسْتَحْسِبُوْنَ، ان میں سے جو درمیان آدمی تھا یعنی باپ کی طرح نیک صلح اللہ کی راہ میں خرچ پر خوش ہونے والا تھا دوسرے بھائیوں کی طرح بخیل سخت دل نہ تھا اس نے کہا کہ کیا میں نے تمہیں پہلے ہی نہیں کہا تھا کہ تم اللہ کے نام کی تسبیح کیوں نہیں کرتے، تسبیح کے نفعی معنی پاکی بیان کرنے کے ہیں، مطلب یہ ہے کہ فقراء مساکین سے اپنا مال بچالینے کی تدبیر کا منشاء یہ ہے کہ آپ یہ سمجھتے ہیں کہ اللہ تم کو اس کے بجائے اور نہ دیکھا حالانکہ اللہ تعالیٰ اس سے پاک ہے وہ خرچ کرنے والوں کو اپنے پاس سے اور زیادہ دیتا ہے (منظہری)

قَالُوا مُبِطِحٌ رَّبَّنَا اِنَّا كُنَّا ظَالِمِيْنَ، اس بھائی کی بات اس وقت تو کسی نے نہ سنی مگر اب سب نے اقرار کیا کہ اللہ تعالیٰ پاک ہے ہر نقص دہی سے اور ہم ظالم ٹھہرے کہ ہم نے فقراء کے حصہ کو بھی کھا لینا چاہا۔
تنبیہ | یہ درمیان آدمی جس نے صحیح بات کہی تھی اگرچہ دوسروں سے بہتر تھا مگر پھر بہر حال انہیں کیسا تھ ہو لیا اور انہیں کی غلط رائے پر عمل کے لئے تیار ہو گیا تھا اس لئے حشر اسکا بھی انہیں جیسا ہوا۔ کس سے معلوم ہوا کہ جو آدمی کسی گناہ سے لوگوں کو روکے مگر وہ نہ رکے، پھر خود بھی ان کے ساتھ لگا ہے اور گناہ میں شریک رہے تو یہ بھی انہیں کے حکم میں ہوتا ہے اس کو چاہیے کہ وہ نہیں روکے تو خود اپنے آپ کو اس گناہ سے بجائے فَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ يَتَلَآوَمُوْنَ، یعنی ان لوگوں نے اپنے جرم کا تو اعتراف کر لیا، لیکن اب الزام ایک دوسرے پر ڈالنے لگے کہ تو نے ہی اول ایسی غلط رائے دی تھی جس کے نتیجے میں یہ عذاب آیا۔ حالانکہ یہ جرم انہیں سے کسی کا تنہا نہیں تھا بلکہ سب یا اکثر اس میں شریک تھے۔

تنبیہ | آج کل اس معاملے میں ابتلا عام ہے کہ بہت سی جماعتوں کے مجموعی عمل کی وجہ سے کوئی ناکامی یا مصیبت پیش آجائے تو اس وقت ایک دوسرا عذاب ان پر یہ ہوتا ہے کہ اس کا الزام ایک دوسرے پر ڈالنے میں اپنا وقت ضائع کرتے ہیں۔

قَالُوا يٰوَيْلَنَا اِنَّا كُنَّا ظَالِمِيْنَ، یعنی ابتداءً ایک دوسرے پر الزام ڈالنے کے بعد جب غور کیا تو پھر سب نے اقرار کر لیا کہ ہم سب ہی سرکش گناہگار ہیں یہ اعتراف ندامت کے ساتھ ان کی توبہ کے قائم مقام تھا اسی بنا پر ان کو اللہ سے یہ امید ہوئی کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اس باغ سے بہتر باغ عطا فرمادیں گے۔

امام بخاری نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ جب ان سب لوگوں نے سچے دل سے توبہ کر لی تو اللہ تعالیٰ نے ان کو اس سے بہتر باغ عطا فرمادیا جس کے انگوروں کے خوشے اتنے بڑے تھے کہ ایک خوشہ ایک نجر پر لا داجلتا تھا (منظہری)

کَذٰلِكَ الْعَذَابُ ، اہل مکہ کے عذاب قحط کا اجمالی اور باغ والوں کے کھیت جل جائیگا یلی ذکر فرمائیے بعد عام ضابطہ ارشاد فرمایا کہ جب اللہ کا عذاب آتا ہے تو اسی طرح آیا کرتا ہے، اور دنیا میں عذاب آجانے سے بھی اُن کے آخرت کے عذاب کا کفارہ نہیں ہوتا بلکہ آخرت کا عذاب اسکے علاوہ اور اس سے زیادہ سخت ہوتا ہے۔

اگلی آیات میں اول نیک متقی بندوں کی جزا کا ذکر ہے اور اس کے بعد مشرکین مکہ کے ایک اور باطل دعوے کا رد وہ یہ کہ کفار مکہ کہا کرتے تھے کہ اول تو قیامت آنے والی نہیں اور دوبارہ زندہ ہو کر حساب کتاب کا قصہ سب افسانہ ہے اور اگر بالفرض ایسا ہو بھی گیا تو ہمیں وہاں بھی ایسی ہی نعمتیں اور مال و دولت ملے گا جیسا دنیا میں ملا ہوا ہے، اسکا جواب کئی آیتوں میں دیا گیا ہے کہ کیا اللہ تعالیٰ نیک بندوں اور مجرمین کو برابر کر دیں گے یہ کیسا عجیب و غریب فیصلہ ہے جس پر نہ کوئی سند نہ دلیل نہ کسی آسمانی کتاب سے اسکا ثبوت نہ اللہ کی طرف سے کوئی وعدہ و وعید کہ وہاں بھی تمہیں نعمت دیگا۔

قیامت کی ایک عقلی دلیل | ان آیات مذکورہ سے ثابت ہوا کہ قیامت آنا اور حساب کتاب ہونا اور نیک و بد کی جزا و سزا یہ سب عقلاً ضروری ہے کیونکہ اسکا تو دنیا میں ہر شخص مشاہدہ کرتا ہے اور کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ دنیا میں جو عموماً فساد و فحار بدکاظم چوراہوں نفع میں رہتے اور مزے اڑاتے ہیں، ایک چوراہوں کو ایک رات میں بعض اوقات اتنا کمالیتا ہے کہ شریف نیک آدمی عمر بھر میں بھی نہ کما سکے۔ پھر وہ نہ خوفِ خدا و آخرت کو جانتا ہے نہ کسی شرم و حیا کا پابند ہے اپنے نفس کی خواہشات کو جس طرح چاہے پورا کرتا ہے۔ اور نیک شریف آدمی اول تو خدا سے ڈرتا ہے وہ بھی نہ ہو تو برادری کی شرم و حیا سے مغلوب ہوتا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ دنیا کے کارخانے میں تو بدکار بد معاش کامیاب اور نیک شریف آدمی ناکام نظر آتا ہے اب اگر آگے بھی کوئی ایسا وقت نہ آئے جس میں حق و ناحق کا صحیح انصاف ہو نیک کو اچھا بدلہ ملے بد کو سزا ملے تو پھر اول تو کسی بُرائی کو بُرائی اور گناہ کو گناہ کہنا لغو و بے معنی ہو جاتا ہے کہ وہ ایک انسان کو بلا وجہ اسکی خواہشات روکنا ہے دوسرے پھر عدل و انصاف کے کوئی معنی باقی نہیں رہتے جو لوگ خدا کے وجود کے قائل ہیں وہ اسکا کیا جواب دیں گے کہ خدا تعالیٰ کا انصاف کہاں گیا۔

رہا یہ شبہ کہ دنیا میں بسا اوقات مجرم پکڑا جاتا ہے اُس کی رسوائی ہوتی ہے سزا پاتا ہے شریف آدمی کا امتیاز اس سے یہیں واضح ہو جاتا ہے اور عدل و انصاف حکومتوں کے قوانین سے قائم ہو جاتا ہے۔ یہ اس لئے غلط ہے کہ اول تو ہر جگہ اور ہر حال میں حکومت کی نگرانی ہو ہی نہیں سکتی، جہاں ہو جاوے وہاں عدالتی ثبوت ہر جگہ ہم پہنچنا آسان نہیں جس کے ذریعہ مجرم سزا پاسکے اور جہاں ثبوت بھی ہم پہنچ جائے تو زور و زور اور ثبوت و سفارش اور دباؤ کے کتنے چور دروازے ہیں جن سے مجرم نکل بھاگتا ہے۔ اور اس زمانے کی حکومتی اور عدالتی جرم و سزا کا جائزہ لیا جائے تو اس وقت تو سزا صرف وہ بے وقوف بے عقل یا بے سہار آدمی پاتا ہے جو ہوشیاری سے کوئی چور دروازہ نہ نکال سکے اور جس کے پاس نہ رشوت کے لئے پیسے ہوں نہ کوئی بُرا آدمی

اسکا مددگار ہو یا پھر وہ اپنی بے وقوفی سے ان چیزوں کو استعمال نہ کر سکے۔ باقی سب مجرم آزاد پھرتے ہیں۔
 قرآن کریم کے اس لفظ نے آفَنَجْعَلُ الْمُتَجَرِّمِينَ كَالْمُجْرِمِينَ، اس حقیقت کو واضح کر دیا کہ
 عقلاً یہ ہونا ضروری ہے کہ کوئی ایسا وقت آئے جہاں سب کا حساب ہو اور جہاں مجرموں کیلئے کوئی چور دروازہ
 نہ ہو اور جہاں انصاف ہی انصاف ہو اور نیکے بد کا کھل کر امتیاز واضح ہو اور اگر یہ نہیں ہے تو دنیا میں
 کوئی بڑا کام بڑا نہیں اور کوئی مجرم نہیں اور پھر خدائی عدل و انصاف کے کوئی معنی نہیں رہتے۔
 اور جب قیامت آنا اور اعمال کی جزا و سزا ہونا یقینی ہو گیا تو آگے کچھ احوال قیامت اور مجرمین
 کی سزا کا ذکر کیا گیا ہے جس میں قیامت کے دن کشف ساق کا اعجاز بیان ہوا ہے اس کی حقیقت
 خلاصہ تفسیر میں آچکی ہے۔

فَذَرْنِي وَ مَنْ يَبْغِي بِي هَلْ اَلْحَدِيثُ، یعنی آپ اس قیامت کی بات جھٹلانے والوں کو اور مجھے
 چھوڑ دیں پھر دیکھیں کہ ہم کیا کرتے ہیں۔ یہاں چھوڑ دینا ایک محاورہ کے طور پر فرمایا گیا ہے مراد اس سے
 اللہ پر بھروسہ اور توکل کرنا ہے اور حاصل اس کلام کا یہ ہے کہ کفار کی طرف سے یہ مطالبہ بھی بار بار پیش
 ہو کرتا تھا کہ اگر ہم واقعی اللہ کے نزدیک مجرم ہیں اور اللہ تعالیٰ ہمیں عذاب دینے پر قادر ہے تو پھر
 ہمیں عذاب ابھی کیوں نہیں دے ڈالتا ان کے ایسے دل آزار مطالبوں کی وجہ سے کبھی کبھی خود رسول اللہ
 صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک میں بھی یہ خیال پیدا ہوتا ہو گا اور ممکن ہے کسی وقت دعا بھی کی ہو کہ ان
 لوگوں پر اسی وقت عذاب آجائے تو باقی ماندہ لوگوں کی اصلاح کی توقع ہے اس پر یہ فرمایا گیا کہ اپنی حکمت
 کو ہم ہی خوب جانتے ہیں ایک حد تک ان کو مہلت دیتے ہیں فوراً عذاب نہیں بھیج دیتے اس میں بھی آزمائش
 بھی ہوتی ہے اور ایمان لانے کی مہلت بھی۔ آخر میں حضرت یونس علیہ السلام کے واقعہ کا ذکر فرما کر آنحضرت
 صلی اللہ علیہ وسلم کو نصیحت فرمائی گئی کہ جس طرح یونس علیہ السلام نے لوگوں کے مطالبے سے تنگ آکر عذاب کی دعا
 کر دی اور عذاب کے آثار سامنے بھی آگئے اور یونس علیہ السلام اس جائے عذاب سے دوسری جگہ منتقل بھی ہو گئے
 مگر پھر پوری قوم نے الحاح و زاری اور اخلاص کیساتھ توبہ کر لی اللہ تعالیٰ نے ان کو معافی دیدی اور عذاب
 ہٹا لیا تو اب یونس علیہ السلام نے یہ شرمندگی محسوس کی کہ میں ان لوگوں میں جھوٹا قرار پاؤں گا اس بدنامی کے
 خوف سے اللہ تعالیٰ کے اذن صریح کے بغیر اپنے اجتہاد سے یہ راہ اختیار کر لی کہ اب ان لوگوں میں واپس جائیں،
 اس پر حق تعالیٰ نے ان کی تنبیہ کے لئے دریا کے سفر پھر پھیلی کے نکل جانے کا معاملہ فرمایا اور پھر یونس علیہ السلام
 کے متنبہ ہو کر استغفار و معافی کی طرف متوجہ ہونے پر دوبارہ ان پر اپنے سابقہ انعامات کے دروازے
 کھول دیے۔ یہ واقعہ سورہ یونس اور دوسری سورتوں میں گزر چکا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ واقعہ یاد
 دلا کر اسکی نصیحت فرمائی کہ آپ ان لوگوں کے ایسے مطالبہ سے غلو نہ ہوں اور ان پر جلدی عذاب نازل کرنے کے
 خواہشمند نہ ہوں اپنی حکمتوں اور عالم کی مصلحتوں کو ہم ہی جانتے ہیں ہم پر توکل کریں۔

وَلَا تَكُنْ كَصَاحِبِ الْخُوْتِ، یہاں حضرت یونس علیہ السلام کو صاحبِ خُوت اسی مناسبت سے کہا گیا کہ وہ کچھ عرصہ مچھلی کے پیٹ میں رہے۔

وَاِنْ يَكْذِبُ الَّذِينَ كَفَرُوا لَيُزْلِقُوكَ بِاصْحَابِهِمْ اَلَا يَظُنُّوْنَكَ اَرْلَاقَ سَعْتٍ هِيَ تَسْتَفْتِیْهِمْ فَاَنْتَ لَا تَعْلَمُ
معنی لغزش دینے اور گرا دینے کے ہیں (راغب) مطلب یہ ہے کہ کفار مکہ آپ کو غضبناک اور ترچھی بنگا ہوں سے
دیکھتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ آپ کو اپنی جگہ اور مقام سے لغزش دیدیں جبکہ وہ اللہ کا کلام سننے میں اور کہنے لگتے ہیں کہ یہ
تو مجنون ہے وَمَا هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعَالَمِیْنَ، حالانکہ یہ کلام تو تمام جہان والوں کے لئے ذکر و نصیحت اور اُن کی
صلاح و فلاح کا ضامن ہے ایسے کلام والا کہیں مجنون کہا جاسکتا ہے۔ کفار کے جس طعنہ کا اس سورۃ کے شروع
میں جواب دیا گیا تھا ختم سورہ پر اُسی کا ایک دوسرے انداز سے جواب دیدیا گیا۔

اور امام نبوی وغیرہ مفسرین نے ان آیات کا ایک خاص واقعہ نقل کیا ہے کہ انسان کی نظر بد لگ جانا اور اس سے کسی انسان کو نقصان اور بیماری بلکہ ہلاکت تک پہنچ جانا، جیسا کہ حقیقت ہے اور احادیث صحیحہ میں اسکا حق ہونا اور کرب عرب میں بھی معروف و مشہور تھا اور مکہ میں ایک شخص نظر لگانے میں بڑا مشہور تھا اونٹوں بل جانوروں کو نظر لگا دیتا تو وہ فوراً مر جاتے تھے۔ کفار مکہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عداوت تو تھی ہی اور ہر طرح کی کوشش آپ کو قتل کرنے اور ایذا پہنچانے کی کیا کرتے تھے ان کو یہ سوجھی کہ اس شخص سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نظر لگواؤ، اور اس کو بلال لائے اس نے نظر بد لگانے کی اپنی پوری کوشش کر لی مگر اللہ تعالیٰ نے آپ کی حفاظت فرمائی یہ آیات اسی سلسلے میں نازل ہوئیں اور لَئِنْ لَقَوْنَكُمْ بِأَبْصَارِهِمْ میں اسی نجات دہ لگانے کو بیان فرمایا گیا ہے۔

فائدہ | حضرت حسن بصریؒ سے منقول ہے کہ جس شخص کو نظر بہ کسی انسان کی لگ گئی ہو اُس پر یہ آیات پڑھ کر دم کر دینا اسکے اثر کو زائل کر دیتا ہے یہ آیات **وَإِنْ يَكَادُ الَّذِينَ كَفَرُوا** سے آخر سورت تک ہیں (منظہری)

تَمَّتْ سُورَةُ الْقَلَمِ بِحَمْدِ اللَّهِ يَوْمَ الْاِحَادِ لَسْتُ مُضَيِّنٌ مِنْ رَجَبِ سَنَةِ ٩١٧ هـ

سُورَةُ الْحَاقَّةِ

سُورَةُ الْحَاقَّةِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ ثَلَاثَتَانِ وَخَمْسُونَ آيَةً وَفِيهَا رَكْعَتَانِ
سورة حاقہ مکہ میں نازل ہوئی اور اس کی باون آیتیں ہیں اور اس میں دو رکوع

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بید مہربان نہایت رحم والا ہے

الْحَاقَّةُ ۱ مَا الْحَاقَّةُ ۲ وَمَا أَدْرَاكَ مَا الْحَاقَّةُ ۳ كَذَّبَتْ ثَمُودُ

وہ ثابت ہو چکے والی کیا ہے وہ ثابت ہو چکے والی اور تو نے کیا سوچا کیا ہے وہ ثابت ہو چکے والی جھٹلایا ثمود اور

عَادٌ بِالْقَارِعَةِ ۴ فَأَمَّا ثَمُودُ فَأُهْلِكُوا بِالطَّاغِيَةِ ۵ وَأَمَّا عَادُ فَأُهْلِكُوا

عاد نے اس کوٹ ڈالنے والی کو سودہ جو ثمود تھے سو غارت کر دیئے گئے اُچھال کر اور وہ جو عاد تھے سو برباد ہوئے

بِرِيحٍ صَرْصَرٍ عَاتِيَةٍ ۶ سَخَّرَهَا عَلَيْهِمْ سَبْعَ لَيَالٍ وَثَنِيَةً أَيَّامٍ حُسُومًا

ٹھنڈی سٹائے کی ہوا سے بھل جانے والے ساتوں سے مقرر کر دیا اس کو اُن ہر سات رات اور آٹھ دن تک دھکا تار

فَتَرَى الْقَوْمَ فِيهَا صَرْعَى كَأَنَّهُمْ أُجِجُوا نَخْلًا خَاوِيَةً ۷ فَهَلْ

پھر تو دیکھے کہ وہ لوگ ہیں بکھر گئے گویا وہ ڈھنڈ ہیں سمجھ کر کے کھوکھلے پھر تو

تَرَى لَهُمْ مِنْ بَاقِيَةٍ ۸ وَجَاءَ فِرْعَوْنُ وَمَنْ قَبْلَهُ وَالْمُؤْتَفِكِ

دیکھتا ہے کوئی انہیں کا بچا اور آیا فرعون اور جو اس سے پہلے تھے اور اُلٹ جانے والی بستیوں

بِالْخَاطِئَةِ ۹ فَعَصَوْا رَسُولَ رَبِّهِمْ فَأَخَذَهُمْ أَخْذَةً رَابِيَةً ۱۰ إِنَّا

خطائیں کرتے ہوئے پھر حکم نہ مانا اپنے رب کے رسول کا پھر پکارا ان کو پکڑنا سخت ہم نے

لَمَّا طَغَا الْمَاءُ حَمَلْنَاكُمْ فِي الْجَارِيَةِ ۱۱ لِنَجْعَلَهَا لَكُمْ تَذْكِرَةً وَتَعِيَهَا

جس وقت پانی اُبل اُبلایا تم کو چلتی کشتی میں تاکہ رکھیں اس کو تمہاری یادگاری کے واسطے اور سینت کر رکھے

أُذُنٌ وَإِيعِيَةٌ ۱۲ فَإِذَا نُفِخَ فِي الصُّورِ نَفْخَةٌ وَاحِدَةٌ ۱۳ وَحُمِلَتِ

اسکو کان سینت کر رکھنے والا پھر جب پھونکا جائے صور میں ایک بار پھونکنا اور اٹھائی جائے

الْأَرْضُ وَالْجِبَالُ فَدُكَّتَا دَكَّةً وَاحِدَةً ۝۱۵ قِيَوْمَ يَدْعُ الْأَوَاقِعُ ۝۱۵

زمین اور پہاڑ پھر ٹوٹ دیئے جائیں ایک بار پھر اُس دن ہو پڑے وہ ہو پڑنے والی

وَالنَّشَقَّتِ السَّمَاءُ فَهِيَ يَوْمَئِذٍ يَوْمِيذٍ وَاهِيَةٌ ۝۱۶ وَالْمَلِكُ عَلَى أَرْجَائِهَا وَيَحْمِلُ

اور پھٹ جائے آسمان پھر وہ اُس دن بکھر رہا ہے اور فرشتے ہونگے اس کے کناروں پر اور اٹھائیں گے

عَرْشَ رَبِّكَ فَوْقَهُمْ يَوْمَئِذٍ ثَمَنِيَةٌ ۝۱۷ يَوْمَئِذٍ تُعْرَضُونَ لَا تَخْفَى مِنْكُمْ

تخت تیرے رب کا اپنے اوپر اس دن آٹھ شخص اس دن سامنے کئے جاؤ گے بچھپی نہ رہے گی تمہاری کوئی

خَافِيَةٌ ۝۱۸ فَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتَابَهُ بِيَمِينِهِ فَيَقُولُ هَاؤُمُ اقْرَءُوا

بچھپی بات سو جس کو ملا اس کا لکھا داہنے ہاتھ میں وہ کہتا ہے لےو پڑھو سیرا

كِتَابِي ۝۱۹ اِنِّي ظَنَنْتُ اَنِّي مُلْكٌ حَسْبَابِي ۝۲۰ فَهُوَ فِي عِيشَةٍ رَاضِيَةٍ ۝۲۱

لکھا میں نے خیال رکھا اس بات کا کہ مجھ کو ملے گا میرا حساب سو وہ ہیں من مانتے مکران میں

فِي جَنَّةٍ عَالِيَةٍ ۝۲۲ قُطُوفُهَا دَانِيَةٌ ۝۲۳ كُلُوا وَاشْرَبُوا هَنِيئًا مِمَّا اسْلَفْتُمْ

اوپر باغ میں جس کے میوے نیچے پڑے ہیں کھاؤ اور پیو بہانہ کر بدلہ اسکا جو آگے

فِي الْاَيَّامِ الْخَالِيَةِ ۝۲۴ وَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتَابَهُ بِشِمَالِهِ فَيَقُولُ لِيَلَيْتَنِي لَمْ

سیج چکے ہو تم پہلے دنوں میں اور جس کو ملا اس کا لکھا بائیں ہاتھ میں وہ کہتا ہے کیا اچھا ہوتا جو

اُوْتِيَ كِتَابِي ۝۲۵ وَلَمْ اَدْرِ مَا حِسَابِي ۝۲۶ لِيَلَيْتَهَا كَانَتِ الْقَاضِيَةَ ۝۲۷ مَا

مجھ کو نہ ملتا میرا لکھا اور مجھ کو خبر نہ ہوتی کہ کیا ہے حساب میرا کسی طرح وہی موت ختم کر جاتی کچھ

اَغْنَىٰ عَنِّي مَالِي ۝۲۸ هَلَكَ عَنِّي سُلْطَانِي ۝۲۹ خُذُوهُ فَغُلُّوهُ ۝۳۰ ثُمَّ

کام نہ آیا مجھ کو میرا مال باد ہوئی مجھ سے حکومت میری اس کو پکڑو پھر طوق ڈالو پھر

الْجَحِيمَ صَلُّوهُ ۝۳۱ ثُمَّ فِي سِلْسِلَةٍ ذَرْعُهَا سَبْعُونَ ذِرَاعًا فَاسْلُكُوهُ ۝۳۲

آگ کے ڈھیر میں اسکو ڈالو پھر ایک زنجیر میں جس کا طول ستر گز ہے اس کو جکڑ دو

اِنَّهٗ كَانَ لَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ ۝۳۳ وَلَا يَحْضُرُ عَلَى طَعَامِ الْمُسْكِيْنِ ۝۳۴

وہ تھا کہ یقین نہ لاتا تھا اللہ پر جو سب سے بڑا اور تائید نہ کرتا تھا فقیر کے کھانے پر

فَلَيْسَ لَهُ الْيَوْمَ هَهُنًا حَمِيمٌ ۝۳۵ وَلَا طَعَامٌ اِلَّا مِنْ غُسْلَيْنِ ۝۳۶ لَا يَكُلُهُ

سو کوئی نہیں آج اسکا یہاں دوستدار اور نہ کچھ ملے کھانا مگر زخموں کا دھو دن کوئی نہ کھائے اسکو

اِلَّا الْخَطِئُوْنَ ۝۳۷ فَلَا اُقْسَمُ بِمَا تُبْصِرُوْنَ ۝۳۸ وَمَا لَا تُبْصِرُوْنَ ۝۳۹ اِنْ

مگر وہی گناہگار سو تم کھاتا ہوں اُن چیزوں کی جو دیکھتے ہو اور جو چیزیں کہ تم نہیں دیکھتے یہ

لَقَوْلِ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ ۝۴۰ وَ مَا هُوَ يَقُوْلُ شَاعِرٌ قَلِيْلًا مَّا تُؤْمِنُوْنَ ۝۴۱

کہا ہے ایک پیغام لانے والے سردار کا اور نہیں ہے یہ کہا کسی شاعر کا تم تھوڑا یقین کرتے ہو

لَا يَقُولُ كَآهِنٌ قَلِيلًا مَّا تَدَّكَرُونَ ﴿٣٢﴾ تَنْزِيلٌ مِّن رَّبِّ الْعَالَمِينَ ﴿٣٣﴾ وَلَوْ

نہیں ہے کہا پر یہی والے کا تم بہت کم دھیان کرتے ہو یہ اتارا ہوا ہے جہان کے رب کا اور اگر

تَقُولَ عَلَيْنَا بَعْضُ الْأَقَاوِيلِ ﴿٣٤﴾ لَّا خُذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِينِ ﴿٣٥﴾ ثُمَّ

یہ بنا لاتا ہم پر کوئی بات تو ہم پکڑ لیتے اس کا داہنا ہاتھ پھر

لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِينَ ﴿٣٦﴾ فَمَا مِنْكُمْ مِّنْ أَحَدٍ عَنْهُ حَاجِزِينَ ﴿٣٧﴾ وَإِنَّ

کاٹ ڈالتے اس کی گردن پھر تم میں کوئی ایسا نہیں جو اس سے بچالے اور یہ

لَتَذَكَّرَ أَلَلْمُتَّقِينَ ﴿٣٨﴾ وَإِنَّا لَنَعْلَمُ أَنَّ مِنْكُمْ مُّكَذِّبِينَ ﴿٣٩﴾ وَإِنَّ

نقصیت ہے ڈرنے والوں کو اور ہم کو معلوم ہے کہ تم میں بھنے جھٹلاتے ہیں اور وہ

لَحَسْرَةٌ عَلَى الْكَافِرِينَ ﴿٤٠﴾ وَإِنَّ لِكُلِّ الْيَقِينِ ﴿٤١﴾ قِسْمًا بِأَسْمَارِكِ الْعَظِيمِ ﴿٤٢﴾

جو ہے بچتا وہاں ہے منکروں پر اور وہ جو ہے یقین کر نیکی قابل ہے اب بول پاکی اپنے رب کے نام کی جو ہے سب سے بڑا

خلاصہ تفسیر

وہ ہونے والی چیز کسی کچھ ہے وہ ہونے والی چیز اور آپ کو کچھ خبر ہے کہ کیسی کچھ ہے وہ ہونے والی چیز

(مقصود اس سے قیامت کی عظمت اور ہولناکیوں کا بیان ہے یہ استغاثات تہویل کے لئے ہیں) ثمود اور عاد

نے اس کھڑکھڑانے والی چیز (یعنی قیامت) کی تکذیب کی سو ثمود تو ایک زور کی آواز سے ہلاک کر دیئے گئے اور عاد جو

تھے سو وہ ایک تیز و تند ہوا سے ہلاک کئے گئے جس کو اللہ تعالیٰ نے ان پر سات رات اور آٹھ دن متواتر مسلط

کر دیا تھا سو (اے مخاطب اگر) تو (اس وقت وہاں موجود ہوتا تو) اس قوم کو اس طرح گرا ہوا دیکھتا کہ گویا وہ

گری ہوئی کھجوروں کے تنے (بڑے) ہیں (کیونکہ وہ بہت دراز قد تھے) سو کیا تجھ کو ان میں کا کوئی بچا ہوا نظر

آتا ہے (یعنی کوئی نہیں بچا، بقولہ تعالیٰ هَلْ يَخْشَىٰ مِنْهُمْ أَحَدٌ أَو تَسْمَعُ لَهُمْ رِكَّةً) اور (اسی طرح)

فرعون نے اور اس سے پہلے لوگوں نے (جن میں قوم نوح و عاد و ثمود سب آگئے) اور (قوم لوط کی) ملی ہوئی بستیوں

نے بڑے بڑے قصور کئے (یعنی کفر و شرک اس پر ان کے پاس رسول بھیجے گئے) سو انھوں نے اپنے رب

کے رسول کا (جو ان کی طرف بھیجا گیا تھا) کہنا نہ مانا (اور کفر و شرک سے باز نہ آئے جس میں تکذیب قیامت

بھی داخل ہے) تو اللہ تعالیٰ نے ان کو بہت سخت پکڑا (جن میں سے عاد و ثمود کا قصہ تو ابھی آچکا ہے اور

قوم لوط اور قوم فرعون کی عقوبت بہت سی آیتوں میں پہلے آچکی ہے اور قوم نوح کی عقوبت آگے بعض من امتنا

مذکور ہے یعنی) ہم نے جبکہ (نوح علیہ السلام کے وقت میں) پانی کو طغیانی ہوئی تم کو (یعنی تمہارے بزرگوں

کو جو مومن تھے اور ان کی نجات تمہارے وجود کا سبب ہوئی) کشتی میں سوار کیا (اور باقیوں کو غرق کر دیا)

تاکہ ہم اس معاملہ کو تمہارے لئے ایک یادگار (اور عبرت) بنادیں اور یاد رکھنے والے کا ان اس کو یاد رکھیں،

دکان کو یاد رکھنے والا مجازاً کہہ دیا۔ حاصل یہ کہ اس کو یاد رکھ کر سزا کے اسباب سے بچیں۔ یہ قصہ تو مکذبین قیامت کے ہوئے، آگے قیامت کے ہول و خوف کا بیان ہے یعنی) پھر جب صور میں کیا بارگی پھونک مار دی جاوے گی (مراد نفع اولیٰ ہے) اور (اسوقت) زمین اور پہاڑ (اپنی جگہ سے) اٹھائے جاویں گے (یعنی اپنی چیز سے ہٹا دیے جاویں گے) پھر دونوں ایک ہی دفعہ میں ریزہ ریزہ کر دیے جاویں گے تو اس روز وہ ہونے والی چیز ہو بڑے گی اور آسمان پھٹ جاوے گا اور وہ (آسمان) اس روز بالکل بودا ہوگا (چنانچہ پھٹ جانا دلیل ضعف ہے یعنی جیسا اسوقت وہ مضبوط ہے اور اس میں کہیں فطور و شقوق نہیں، اس روز اس میں یہ بات نہ رہے گی بلکہ ضعف و انشقاق ہو جاوے گا) اور فرشتے (جو آسمان میں پھیلے ہوئے ہیں جس وقت وہ پھٹنا شروع ہوگا) اس کے کناروں پر آجاویں گے (اس سے ظاہراً معلوم ہوتا ہے کہ آسمان بیچ میں سے پھٹ کر چاروں طرف سمٹنا شروع ہوگا اسلئے فرشتے بھی بیچ میں سے کناروں پر آکر ہوں گے۔ پھر آیت صَبَّعُوا فِي السَّمَوَاتِ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ کے مطابق ان فرشتوں پر بھی موت مسلط ہو جاوے گی (کذا فی الکیلید احدا الوجہین) اور یہ سب واقعات تو نفع اولیٰ کے وقت کے ہیں) اور (آگے نفع ثانیہ کے وقت کے واقعات ہیں کہ) آپ کے پروردگار کے عرش کو اس روز آٹھ فرشتے اٹھائے ہونگے (حدیث میں ہے کہ اب عرش کو چار فرشتے اٹھائے ہوئے ہیں قیامت کو آٹھ فرشتے اٹھاویں گے (کذا فی الدار فوعا)

غرض آٹھ فرشتے عرش کو اٹھا کر میدان قیامت میں لا دیں گے اور حساب شروع ہوگا جسکا آگے بیان ہے یعنی) جس روز تم (خدا کے روبرو حساب کے واسطے) پیش کئے جاؤ گے (اور) تمہاری کوئی بات (اللہ تعالیٰ سے) پوشیدہ نہ ہوگی پھر (نامہ اعمال اُڑا کر ہاتھ میں دینے جاویں گے تو) جس شخص کا نامہ اعمال اسکے داہنے ہاتھ میں دیا جاوے گا وہ تو (خوشی کے مارے آس پاس والوں سے) کہے گا کہ میرا نامہ اعمال پڑھ لو میرا (تو پہلے ہی سے) اعتقاد تھا کہ مجھ کو میرا حساب پیش آنے والا ہے (یعنی میں قیامت اور حساب کا معتقد تھا، مطلب یہ کہ میں ایمان اور تصدیق رکھتا تھا خدا تعالیٰ نے اس کی برکت سے آج مجھ کو نوازا) غرض وہ شخص پسندیدہ عیش یعنی بہشت بریں میں ہوگا جس کے میوے (اسقدر) مجھکے ہونگے (کہ جس حالت میں چاہیں گے لے سکیں گے اور حکم ہوگا کہ) کھاؤ اور پیو مزے کے ساتھ ان اعمال کے صلہ میں جو تم نے بامید صلوٰۃ گذشتہ ایام (یعنی زمانہ قیام دنیا) میں کئے ہیں اور جس کا نامہ اعمال اسکے بائیں ہاتھ میں دیا جاوے گا سو وہ (نہایت حسرت سے) کہے گا کیا اچھا ہوتا کہ مجھ کو میرا نامہ اعمال ہی نہ ملتا اور مجھ کو یہ ہی خبر نہ ہوتی کہ میرا حساب کیا ہے کیا اچھا ہوتا کہ (پہلی) موت ہی خاتمہ کر چکی (اور دوبارہ زندہ نہ ہوتے جس پر یہ حساب قیاب مرتب ہوا افسوس) میرا مال میرے کچھ کام نہ آیا، میرا جاہ (بھی) مجھ سے گیا گزرا (یعنی مال و جاہ سب بے سود ٹھیرے ایسے شخص کے لئے فرشتوں کو حکم ہوگا کہ) اس شخص کو پکڑو اور اس کے گلے میں طوق پہناؤ پھر دوزخ میں اس کو داخل کرو، پھر ایک ایسی زنجیر میں جس کی پیمائش ستر گز ہے اس کو جکڑ دو (اس گز کی مقدار خدا کو معلوم ہے

کیونکہ یہ گز وہاں کا ہوگا۔ آگے اس عذاب کی وجہ بتلاتے ہیں کہ) یہ شخص خدا کے بزرگ پر ایمان نہ رکھتا تھا (یعنی جس طرح ایمان لانا حسب تعلیم انبیاء ضروری تھا وہ ایمان نہ رکھتا تھا) اور (خود تو کسی کو کیا دیتا اور دوسروں کو بھی) غریب آدمی کے کھلانے کی ترغیب نہ دیتا تھا۔ (حاصل یہ کہ خدا کی غفلت اور مخلوق کی شفقت جو اصل عبادات متعلقہ حقوق اللہ و حقوق العباد ہیں یہ دونوں کا تارک اور منکر تھا اس لئے مستحق عذاب ہوا) سو آج اس شخص کا نہ کوئی دوست دار ہے اور نہ اس کو کوئی کھانے کی چیز نصیب ہے۔ بحر زحموں کے دھوون کے۔ (یعنی بحر ایک ایسی چیز کے جو گراہست و صورت میں مثل غسلین کے ہوگا جس سے زخم دھوئے گئے ہوں۔ اور یہ حصرا ضانی ہے اور مقصود اس سے نفی ہے مرغوب کھانوں کی ورنہ زقوم کی غذا ہونا خود آیات سے ثابت ہے غرض ان کا طعام غسلین ہوگا) جس کو بحر بڑے گناہگاروں کے کوئی نہ کھا دیکھا (آگے قرآن کی حقانیت ارشاد فرمائی جاتی ہے جس میں قیامت میں جزا و سزا ہونے کا بیان ہے اس کی تکذیب موجب تعذیب مذکور ہے) پھر (بعد بیان مضمون مجازاة کے) میں قسم کھاتا ہوں ان چیزوں کی بھی جن کو تم دیکھتے ہو اور ان چیزوں کی بھی جن کو تم نہیں دیکھتے (کیونکہ بعض مخلوقات بالفعل یا بالقوة آنکھوں سے دیکھنے کی صلاحیت رکھتی ہیں اور بعض مخلوقات بالفعل یا بالقوة یہ صلاحیت نہیں رکھتیں، اس قسم کو مقصود سے ایک خاص مناسبت ہے کہ قرآن مجید کا لانیوالا نظر نہ آتا تھا اور جن پر قرآن آتا تھا وہ نظر آتے تھے مراد یہ ہے کہ تمام مخلوق کی قسم ہے) کہ یہ قرآن (اللہ کا) کلام ہے ایک معزز فرشتہ کا لایا ہوا (پس جس پر یہ کلام نازل ہوا وہ ضرور رسول ہے) اور یہ کسی شاعر کا کلام نہیں ہے (جیسا کہ کفار آپ کو شاعر کہتے تھے مگر) تم بہت کم ایمان لاتے ہو (یہاں قلت سے مراد عدم ہے) اور یہ نہ کسی کا بن کا کلام ہے (جیسا بعض کفار آپ کو کہتے تھے مگر) تم بہت کم سمجھتے ہو (یہاں بھی قلت سے مراد عدم ہے غرض یہ نہ شعر ہے نہ کہانت ہے بلکہ) رب العالمین کی طرف سے بھیجا ہوا (کلام) ہے اور (آگے اس کی حقانیت کی ایک دلیل عقلی ارشاد ہوتی ہے کہ) اگر یہ (پیغمبر) ہمارے ذمہ کچھ (جھوٹی) باتیں لگا دیتے (یعنی جو کلام ہمارا نہ ہوتا اسکو ہمارا کلام کہتے اور جھوٹا دعویٰ نبوت کا کرتے) تو ہم ان کا داہنا ہاتھ پکڑتے پھر ہم ان کی رگِ دل کاٹ ڈالتے پھر تم میں کوئی ان کا اس سزا سے بچانے والا بھی نہ ہوتا (رگِ دل کاٹنے سے آدمی مر جاتا ہے مراد اس سے قتل ہے) اور بلاشبہ یہ قرآن متقیوں کے لئے نصیحت ہے (یعنی فی نفسہ حق ہونا اسکی صفت کمالیہ ذاتیہ ہے اور موجب نصیحت ہونا اسکی صفت کمالیہ ضافیہ ہے) اور (آگے مکذبین کی وعید ہے کہ ہم کو معلوم ہے کہ تم میں سے بعض تکذیب کرنے والے بھی ہیں) (پس ہم ان کو اس کی سزا دیں گے) اور (اس اعتبار سے) یہ قرآن کافروں کے حق میں موجب حسرت ہے (کیونکہ ان کے لئے بوجہ تکذیب کے سبب عذاب ہو گیا) اور یہ قرآن تحقیقی یقینی بات ہے سو (جس کا یہ کلام ہے) اپنے (اس) عظیم الشان پروردگار کے نام کی تسبیح (و تحمید) کیجئے۔

معارف و مسائل

اس سورت میں قیامت کے ہولناک واقعات اور پھر وہاں کفار و فجار کی سزا اور مومنین و متقین کا جزا کا ذکر ہے قیامت کے نام قرآن کریم میں بہت سے آئے ہیں۔ اس سورت میں قیامت کو حاقہ کے لفظ سے، پھر قارعہ کے، پھر واقعہ کے لفظ سے تعبیر کیا ہے اور یہ سب قیامت کے نام ہیں۔

لفظ حاقہ کے معنی حق اور ثابت کے بھی آتے ہیں اور دوسری چیزوں کو حق ثابت کرنے والی چیز کو بھی حاقہ کہتے ہیں۔ قیامت پر یہ لفظ دونوں معنی کے اعتبار سے صادق آتا ہے کیونکہ قیامت خود بھی حق ہے اور اس کا وقوع ثابت اور یقینی ہے اور قیامت مومنین کے لئے جنت اور کفار کے لئے جہنم ثابت اور مقرر کرنے والی بھی ہے۔ یہاں قیامت کے اس نام کے ساتھ سوال کو مکرر کر کے اسکے مانوق القیاس اور حیرت انگیز ہولناک ہونے کی طرف اشارہ ہے۔

قارعہ کے لفظی معنی کھڑکھڑانے والی چیز کے ہیں۔ قیامت کے لئے یہ لفظ اس لئے بولا گیا کہ وہ سب لوگوں کو مضطرب اور بے چین کرنے والی اور تمام آسمان و زمین کے اجسام کو منتشر کرنے والی ہے۔

طاغیہ طغیان سے مشتق ہے جس کے معنی حد سے نکل جانے کے ہیں۔ مراد ایسی سخت آواز ہے جو تمام دنیا کی آوازوں کی حد سے باہر ہے اور زیادہ ہے جس کو انسان کا قلب و دماغ برداشت نہ کر سکے۔ قوم ثمود کی نافرمانی جب حد سے بڑھ گئی تو ان پر اللہ کا عذاب اسی سخت آواز کی صورت میں آیا تھا جس میں تمام دنیا کی بیلیوں کی کرک اور دنیا بھر کی سب سخت آوازوں کا مجموعہ تھا جس سے آنکھیں دل پھٹ گئیں۔

رَبِّهِمْ صُرَّصٍ، اس سخت ہوا کو کہا جاتا ہے جو بہت زیادہ سرد بھی ہو۔

سَبْعَ لَيَالٍ وَثَلَاثِينَ آيَاتٍ، بعض روایات میں ہے کہ بدھ کی صبح سے یہ آندھی کا عذاب شروع ہو کر دسویں بدھ کی شام تک رہا اس طرح دن تو آٹھ ہو گئے اور راتیں سات آئیں۔

مُحْشَوًا، حاشم کی جمع ہے جس کے معنی قطع کرنے اور استیصال کرنے یعنی بالکل فنا کر دینے والے کے ہیں مَوْتَفَكَّتْ کے معنی باہم مختلف اور ملے جلے کے ہیں۔ حضرت لوط علیہ السلام کی بستیوں کو موفکات یا تو اس لئے کہا جاتا ہے کہ وہ سب آپس میں ملی ہوئی بستیاں تھیں اور یا اسلئے کہ عذاب آنیکے وقت جب ان کا تختہ الٹا گیا تو سب گڑمڑ ہو گئیں۔

فَإِذَا نَفَخَ فِي الصُّورِ نَفْخَةٌ وَاحِدَةٌ، ترمذی میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی مرفوع حدیث ہے کہ صور کوئی سینک (کی شکل کی کوئی چیز) ہے جس میں قیامت کے روز پھونکا جائے گا۔

نَفْخَةٌ وَاحِدَةٌ سے مراد یہ ہے کہ کبارگی اچانک یہ صور کی آواز ہوگی اور ایک آواز مسلسل رہے گی

یہاں تک کہ اس آواز سے سب مر جائیں گے۔ قرآن و سنت کی نصوص سے قیامت میں صور کے دو نغھے ہونا ثابت ہیں پہلے نغھے کو نغھے صعق کہا جاتا ہے جس کے متعلق قرآن کریم میں فَصَبَقَ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ یعنی اس نغھے سے تمام آسمان والے فرشتے اور زمین پر بسنے والے جن وانس اور تمام جانور ہیرویش ہو جائیں گے (پھر اسی بیہوشی میں سب کو موت آجائے گی) دوسرے نغھے کو نغھے بعث کہا جاتا ہے بعث کے معنی اٹھنے کے ہیں اس نغھے کے ذریعہ سب مردے پھر زندہ ہو کر کھڑے ہو جائیں گے جسکا ذکر قرآن کریم کی اس آیت میں ہے تُخْرَجُونَ مِنْهُمُ اخْرَیْ فَاِذَا هُمْ قِيَامٌ مُّتَبَرِّئُونَ، یعنی پھر صور دوبارہ پھونکا جائے گا جس سے اچانک سب کے سب مردے زندہ ہو کر کھڑے ہو جا دیں گے اور دیکھنے لگیں گے۔

بعض روایات میں جو ان دونوں نغھوں سے پہلے ایک تیسرے نغھے کا ذکر ہے جسکا نام نغھے فزع بتلایا گیا ہے۔ مجموعہ روایات و نصوص میں غور کر نیسے معلوم ہوتا ہے کہ وہ پہلا نغھے ہی ہے اسی کو ابتدا میں نغھے فزع کہا گیا ہے اور انتہار میں وہی نغھے صعق ہو جائے گا (منظہری)

وَيُخْرِجُ عَرْشَ رَبِّكَ فَوْقَهُمْ يَوْمَئِذٍ ثَمَنِيَّةٌ، یعنی قیامت کے روز عرشِ رحمن کو آٹھ فرشتے اٹھائے ہوئے ہونگے۔ بعض روایات حدیث میں ہے کہ قیامت سے پہلے تو یہ کام چار فرشتوں کے سپرد ہے قیامت کے روز ان کے ساتھ اور چار بڑھادیئے جا دیں گے۔

رہا یہ معاملہ کہ عرشِ رحمن کیا چیز ہے اُس کی حقیقت اور حقیقی شکل و صورت کیا ہے اور فرشتوں کا اُس کو اٹھانا کس صورت سے ہے یہ سب چیزیں وہ ہیں کہ نہ عقل انسانی انکا احاطہ کر سکتی ہے نہ ان مباحث میں ان کو غور و فکر کرنے اور سوالات کرنے کی اجازت ہے۔ سلف صالحین صحابہ و تابعین کا مسلک اس جیسے تمام معاملات میں یہ ہے کہ اس پر ایمان لایا جائے کہ اس سے جو کچھ اللہ جل شانہ کی مراد ہے وہ حق ہے اور اس کی حقیقت و کیفیت نامعلوم ہے۔

يَوْمَئِذٍ تُعْرَضُونَ لَا تَخْفَى مِنْكُمْ خَافِيَةٌ، یعنی اُس روز سب اپنے رب کے سامنے پیش ہونگے، کوئی چھپنے والا چھپ نہ سکے گا۔ اللہ تعالیٰ کے علم و بصیرت سے تو آج بھی کوئی نہیں چھپ سکتا اُس روز کی خصوصیت شاید یہ ہو کہ میدانِ حشر میں تمام زمین ایک سطح مستوی ہو جائے گی نہ کوئی غار رہیگا نہ پہاڑ نہ کوئی تعمیر مکان نہ کسی درخت وغیرہ کی آڑ، یہی چیزیں ہیں جن کے پیچھے دُنیا میں چھپنے والے چھپا کرتے ہیں وہاں ان میں سے کوئی چیز نہ ہوگی، کسی کو چھپنے کا امکان ہی نہ رہے گا۔

هَآؤُمَا فِرْعَوْنُ وَكَانِيصِيَّةُ نَفْثِ هَآؤُم خَدُّوْهُمُ خَدُّوْهُمُ کے معنی میں ہے جمع کے لئے بولا جاتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جسکا نامہ اعمال داہنے ہاتھ میں آئے گا وہ خوشی کے مارے اُس پاس کے لوگوں سے کہنے لگے گا کہ تو یہ میرا اعمال نامہ پڑھو۔

هَآؤُمَا فِرْعَوْنُ وَكَانِيصِيَّةُ، سلطان کے نفی معنی غلبہ تسلط کے ہیں، اسی لئے حکومت کو سلطنت اور

حاکم کو سلطان کہا جاتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ دنیا میں جو مجھے دوسرے لوگوں پر بڑائی اور غلبہ حاصل تھا میں سب میں بڑا مانا جاتا تھا آج وہ بڑائی اور غلبہ بھی کچھ کام نہ آیا اور سلطان بمعنی حجت بھی لیا جاسکتا ہے تو معنی یہ ہونگے کہ افسوس آج میرے ہاتھ میں کوئی حجت و سند نہیں جس کے ذریعہ عذاب سے نجات حاصل ہو سکے۔

حٰكُمٌ مُّذَكَّرٌ فَعْلُوْهُ، حکم فرشتوں کو ہو گا کہ اس مجرم کو پکڑو اور اس کے گلے میں طوق ڈالو لیکن الفاظ آیت میں اسکا ذکر نہیں کہ کون پکڑے اور طوق ڈالے، اسی لئے بعض روایات میں ہے کہ یہ حکم صادر ہو گا تو ہر درو دیوار اور ہر چیز مطیع و فرمانبردار نوکروں کی طرح ہے اس کے پکڑنے کو دوڑے گی۔

لَا تُفِي سِلْسِلَةً ذَرَعَاتُهَا سَبْعُونَ ذِرَاعًا قَاسًا لِّكَوْهُ، یعنی پھر اس کو ایک زنجیر میں پرودہ جی مقدار ستر گز ہے۔ زنجیر میں پرودے کا وہ مفہوم بھی مجازاً لیا جاسکتا ہے جو خلاصہ تفسیر میں لکھا گیا ہے کہ زنجیر میں جکڑ دو لیکن اسکے حقیقی معنی یہ ہیں کہ زنجیر انکے بدن کے اندر ڈال کر دوسری طرف نکال لو جیسے موتی یا تسبیح کے دانے پر دئے جاتے ہیں بعض روایات حدیث سے اسی حقیقی معنی کی تائید بھی ہوتی ہے (از منظر)

فَلَيْسَ لَهُ الْيَوْمَ لَهُمْ هَهُنًا سَجِيْرَةٌ وَلَا طَعَامٌ اِلَّا مِنْ غَسْلَانٍ، حمیم مخلص اور گہرے دوست کو کہا جاتا ہے اور غسلین بکسر غین وہ پانی ہے جس میں جہنمیوں کے زخموں کی پیپ وغیرہ دھوئی جادے گی۔ مطلب آیات کا یہ ہے کہ آج اسکا کوئی دوست عزیز اس کی حمایت نہ کر سکے گا اور اس کو عذاب سے نہ بچا سکے گا اور اسکے کھانے کے لئے سوائے اُس گندے پانی کے جس میں اہل جہنم کی پیپ اور پس پڑی ہوگی اور کچھ نہ ہوگا۔ اور کچھ نہ ہونے کا مفہوم اوپر خلاصہ تفسیر میں یہ بتلایا گیا ہے کہ مرغوب کھانوں میں سے کچھ نہ ہوگا۔ غسلین کی طرح کی کوئی اور کردہ بد ذائقہ چیز کی نفی نہیں اس لئے دوسری آیت میں جو اہل جہنم کا زقوم کھانا آیا ہے وہ اس کے منافی نہیں۔

فَلَا اُفْسِرُمْ مِمَّا بُنِیُوْنَ ۝ وَمَا لَا بُنْیُوْنَ، یعنی قسم ہے اُن تمام چیزوں کی جن کو تم دیکھتے ہو یا دیکھ سکتے ہو۔ اور جن کو تم نہ دیکھتے ہو نہ دیکھ سکتے ہو، اس میں تمام مخلوقات آگئیں۔ بعض حضرات نے فرمایا کہ نہ دیکھنے کی چیزوں سے مراد حق تعالیٰ کی ذات و صفات ہیں۔ بعض نے فرمایا کہ دیکھنے کی چیزوں سے مراد دنیا کی چیزیں ہیں اور نہ دیکھنے کی چیزوں سے مراد آخرت کی اشیاء (منظر) واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

وَاَكُوْا تَقُوْلُ عَلَيْنَا اِهْمُ، تَقُوْلُ کے معنی بات گھرنے کے ہیں۔ اور و تین قلب سے نکلنے والی وہ رگ ہے جس سے روح جسم انسانی میں پھیلتی ہے اسکے قطع کر دینے سے موت فوراً واقع ہو جاتی ہے۔

سابقہ آیات میں کفار مکہ کے اس بیہودہ خیال کا رد کیا گیا تھا، کوئی آپ کو شاعر اور آپ کے کلام کو شعر کہتا تھا، کوئی آپ کو کاہن اور کلام کو کہانت کہتا تھا۔ کاہن وہ شخص ہوتا ہے جو کچھ شیاطین سے خبریں پا کر کچھ نجوم کے اثرات سے معلوم کر کے آنے والے واقعات میں اُگل پچو باتیں کیا کرتا تھا۔ غرض آپ کو شاعر یا کاہن کہنے والوں کے الزام کا حاصل یہ تھا کہ آپ جو کلام سناتے ہیں یہ اللہ کی طرف سے نہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے

خود اپنے خیالات سے یا کاہنوں کی طسرح شیاطین سے کچھ کلمات جمع کر لئے ہیں اُن کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ مذکورہ آیات میں حق تعالیٰ نے اُن کے اس خیال باطل کو ایک دوسری صورت سے بڑی شدت کے ساتھ اس طرح رد کیا ہے کہ دیوانو، اگر یہ رسول معاذ اللہ ہماری طرف جھوٹی باتیں منسوب کرتے اور ہم پر افتراء پر دازی کرتے تو کیا ہم یوں ہی دیکھتے رہتے اور ان کو ڈھیل دیدیتے کہ خلق خدا کو گمراہ کریں۔ یہ بات کوئی عقل والا باور نہیں کر سکتا اس لئے اس آیت میں بطور فرض محال کے ارشاد فرمایا کہ اگر یہ رسول کوئی قول بھی اپنی طرف سے گھڑ کر ہماری طرف منسوب کرتے تو ہم ان کا داہنا ہاتھ پکڑ کر ان کی رگ جان کاٹ ڈالتے اور پھر ہماری سزا سے اُن کو کوئی بھی نہ بچا سکتا یہاں یہ شدت کے الفاظ ان جاہلوں کو سننے کے لئے فرض محال کے طور پر استعمال فرمائے ہیں۔ داہنا ہاتھ پکڑنے کی تخصیص غالباً اسلئے ہے کہ جب کسی مجرم کو قتل کیا جاتا ہے تو قتل کرنے والا اسکے بالمقابل کھڑا ہوتا ہے قتل کرنے والے کے بائیں ہاتھ کے مقابل مقتول کا داہنا ہاتھ ہوتا ہے اُس کو یہ قتل کرنے والا اپنے بائیں ہاتھ میں پکڑ کر داہنے ہاتھ سے اس پر حملہ کرتا ہے۔

تنبیہ | اس آیت میں ایک خاص واقعہ کے متعلق یہ فرمایا ہے کہ اگر خدا نخواستہ معاذ اللہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی طرف سے کوئی بات گھڑ کر اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کر دیتے تو آپ کے ساتھ یہ معاملہ کیا جاتا، اس میں کوئی عام ضابطہ بیان نہیں کیا گیا کہ جو شخص بھی نبوت کا جھوٹا دعویٰ کرے ہمیشہ اسکو ہلاک ہی کر دیا جائیگا، یہی وجہ ہے کہ دنیا میں بہت سے لوگوں نے نبوت کا جھوٹا دعویٰ کیا اُن پر کوئی ایسا عذاب نہیں آیا۔

فَسَيَحْمِلُنَّ أَوْسَارَهُنَّ اس سے پہلی آیتوں میں یہ بتلایا گیا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی طرف سے کچھ نہیں فرماتے جو کچھ ہے وہ اللہ کا کلام ہے اور وہ تقویٰ اختیار کرنے والوں کے لئے مذکورہ اور نصیحتیں مگر ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ ان سب قطعی اور یقینی امور کو جانتے ہوئے تم میں بہت سے آدمی اس کی تکذیب بھی کرتے رہیں گے جسکا نتیجہ آخرت میں اُن کی حسرت و یاس اور عذاب دائمی ہوگا اور آخر میں فرمایا **وَلَا تَحْزَنْ** **الْيَقِينِ**، یعنی یہ بات بالکل حق اور یقینی ہے اس میں کسی شک شبہ کی گنجائش نہیں۔ سب کے آخر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے فرمایا **فَسَيَحْمِلُنَّ أَوْسَارَهُنَّ** جس میں اشارہ ہے کہ آپ ان معاند کفار کی باتوں پر دھیان نہ دیں اور ان سے غم نہ ہوں بلکہ اپنے رب عظیم کی تسبیح و تقدیس کو اپنا مشغلہ بنالیں کہ یہی ان سب غموں سے نجات کا ذریعہ ہے اور یہ ایسا ہے جیسا دوسری جگہ قرآن کریم میں

فرمایا ہے **وَلَقَدْ نَعْلَمُ أَنَّكَ يَضِيقُ صَدْرُكَ بِمَا يَفْعَلُونَ** **فَسَيَحْمِلُنَّ أَوْسَارَهُنَّ** **وَكُنْ مِنَ السَّاجِدِينَ** یعنی ہم جانتے ہیں کہ آپ ان کفار کی بیہودہ گفتگو سے دل تنگ ہوتے ہیں اسکا علاج یہ ہے کہ آپ اپنے رب کی حمد میں مشغول ہو جائیں اور سجدہ گزاروں میں شامل ہو جائیں اُن کی باتوں کی طرف التفات نہ کریں ابو داؤد میں حضرت عقبہ ابن عامر جہنی کی روایت ہے کہ جب یہ آیت **فَسَيَحْمِلُنَّ أَوْسَارَهُنَّ** نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کو اپنے رکوع میں رکھو اور جب آیت **سَيَحْمِلُنَّ**

رَبِّكَ الْأَعْلَىٰ نازل ہوئی تو فرمایا کہ اس کو اپنے سجدہ میں رکھو۔ اسی لئے باجماع اُمت رکوع اور سجدے میں یہ دونوں تسبیحات پڑھی جاتی ہیں۔ جمہور کے نزدیک ان کا پڑھنا اور تین مرتبہ تکرار کرنا سنت ہے۔ بعض حضرات نے واجب بھی کہا ہے۔

تَمَّتْ سُوْرَةُ الْمَعَارِجِ بِحَمْدِ اللَّهِ تَعَالَىٰ

سُوْرَةُ الْمَعَارِجِ

سُوْرَةُ الْمَعَارِجِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ أَرْبَعٌ وَأَرْبَعُونَ آيَةً وَفِيهَا رُكُوعٌ وَرُكُوعٌ
سورة معارج مکہ میں نازل ہوئی اور اس کی چوالیس آیتیں ہیں اور دو رکوع

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

سَأَلَ سَائِلٌ بِعَذَابٍ وَاقِعٍ ۝ لِّلْكَافِرِينَ لَيْسَ لَهُ دَافِعٌ ۝ مِّنَ اللَّهِ ۚ

مانگا ایک مانگنے والے نے عذاب پڑنے والا منکروں کے واسطے کوئی نہیں اس کو ہٹانے والا آئے اللہ کی طرف سے

ذِي الْمَعَارِجِ ۝ تَعْرُجُ الْمَلَائِكَةُ وَالرُّوحُ إِلَيْهِ فِي يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهُ

جو چڑھتے درجوں والا ہے چڑھیں گے اس کی طرف فرشتے اور روح اس دن میں جس کا

خَمْسِينَ أَلْفَ سَنَةٍ ۝ فَاصْبِرْ صَبْرًا جَمِيلًا ۝ إِنَّهُمْ يَرَوْنَهُ بَعِيدًا ۝

پچاس ہزار برس سو صبر کر بھلی طرح کا صبر کرنا وہ دیکھتے ہیں اس کو دور

وَتَرَاهُ قَرِيبًا ۝ يَوْمَ تَكُونُ السَّمَاءُ كَالْمُهْلِ ۝ وَتَكُونُ الْجِبَالُ

اور ہم دیکھتے ہیں اس کو نزدیک جس دن ہوگا آسمان جیسے تانہا پگھلا ہوا اور ہونگے پہاڑ جیسے آدن

كَالْعِهْنِ ۝ وَلَا يَسْأَلُ حَمِيمٌ حَمِيمًا ۝ يَبْصُرُونَهُمُ يَوْمَ الْمُجْرِمِ ۝

رنگی ہوئی اور نہ پوچھے گا دوستار دوستار کو سب نظر آجائیں گے ان کو چاہے گا گناہگار کسی طرح

يَفْتَدِي مِنْ عَذَابٍ يَوْمَئِذٍ بِبَنِيهِ ۝ وَصَاحِبَتِهِ وَأَخِيهِ ۝

بھڑوائی میں دے کر عذاب سے اپنے بیٹے کو اور اپنی ساتھ والی کو اور اپنے بھائی کو اور

فَصِيبُكُمُ الَّذِي تُوِيَهُ ۝ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا ثُمَّ يُنْجِيهِ ۝

اپنے گھرنے کو جس میں رہتا تھا اور جتنے زمین پر ہیں سب کو پھر اپنے آپ کو بچائے ہرگز نہیں

۱۵) نَزَاعَةً لِّلشَّوٰی ۱۶) تَدْعُوْا مِّنْ اَدْبَرَ وَتَوَلٰی ۱۷) وَجَمَعَ

وہ تپتی ہوئی آگ ہے کھینچ لینے والی کلیجہ پکارتی ہے اس کو جس نے پیٹھ پھیر لی اور پھر کر چلا گیا اور جوڑا اور

۱۸) اِنَّ الْاِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوْعًا ۱۹) اِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوْعًا ۲۰)

سینت کر رکھا بیشک آدمی بنا ہے جی کا کچا جب پہنچے اس کو بُرائی تو بے صبرا

وَ اِذَا مَسَّهُ الْخَيْرُ مَنُوْعًا ۲۱) اِلَّا الْمَصْلٰیْنَ ۲۲) الَّذِیْنَ هُمْ عَلٰی

اور جب پہنچے اُس کو بھلائی تو بے توفیقا مگر وہ نمازی جو اپنی

صَلٰتِهِمْ دَآءِیْمُوْنَ ۲۳) وَالَّذِیْنَ فِیْ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُوْمٌ ۲۴) لِّلنِّسَآءِ

نماز پر قائم ہیں اور جن کے مال میں حصہ مقرر ہے مانگنے والے

وَالْمَحْرُوْمِ ۲۵) وَالَّذِیْنَ یُصَدِّقُوْنَ بِیَوْمِ الدِّیْنِ ۲۶) وَالَّذِیْنَ هُمْ

اور ہارسے ہونے کا اور جو یقین کرتے ہیں انصاف کے دن پر اور جو لوگ کہ

مِّنْ عَذَابِ رَبِّهِمْ مُّشْفِقُوْنَ ۲۷) اِنَّ عَذَابَ رَبِّهِمْ غَیْرُ مَأْمُوْنٍ ۲۸)

اپنے رب کے عذاب سے ڈرتے ہیں بیشک اُن کے رب کے عذاب سے کسی کو ڈر نہ ہونا چاہیے

وَالَّذِیْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ۲۹) اِلَّا عَلٰی اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَکَتْ

اور جو اپنی شہوت کی جگہ کو نکالتے ہیں مگر اپنی جوڑوں سے یا اپنے ہاتھ کے

اَیْمَانُهُمْ فَاتَّخِذُوْهُمْ غَیْرَ مَمْلُوْمِیْنَ ۳۰) فَمَنْ اِتَّبَعِ وَّرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ

مال سے سوائے ان پر نہیں کچھ اُلاننا پھر جو کوئی ڈھونڈے اس کے سوائے سو دہی ہیں

هُمْ الْعَدُوْنَ ۳۱) وَالَّذِیْنَ هُمْ لِاَمْتِنَتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رَاعُوْنَ ۳۲)

حد سے بڑھنے والے اور جو لوگ کہ اپنی امانتوں اور اپنے قول کو ناپتے ہیں

وَالَّذِیْنَ هُمْ بِشَہَادَتِهِمْ قَآئِمُوْنَ ۳۳) وَالَّذِیْنَ هُمْ عَلٰی صَلَآتِهِمْ

اور جو اپنی گواہیوں پر سیدھے ہیں اور جو اپنی نماز سے

یَحْفَظُوْنَ ۳۴) اُولٰٓئِكَ فِیْ جَنَّتٍ مُّكْرَمُوْنَ ۳۵) فَمَالِ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا

نبردوار ہیں وہی لوگ ہیں باغوں میں عزت سے پھر کیا ہوا ہے منکروں کو

قَبْلَکَ مُهْطِعِیْنَ ۳۶) عَنِ الْیَمِیْنِ وَعَنِ الشِّمَالِ عِزِّیْنَ ۳۷) اَیْطَمَعُ

تیری طرف دوڑتے ہوئے آتے ہیں داہنے سے اور بائیں سے غول کے غول کیا طمع رکھتا ہے

کُلُّ اَمْرِیْ مِنْہُمْ اَنْ یَّدْخُلَ جَنَّةً نَّعِیْمٌ ۳۸) کَلَّا اِنَّا خَلَقْنٰہُمْ مِّمَّا

ہر ایک شخص اُن میں کہ داخل ہو جائے نعمت کے باغ میں ہرگز نہیں ہم نے ان کو بنایا ہے جس سے وہ بھی

یَعْلَمُوْنَ ۳۹) فَلَا اُقْسِمُ بِرَبِّ الْمَشْرِیْقِ وَالْمَغْرِبِ اِنَّا لَقَدِرُوْنَ ۴۰)

جانتے ہیں سو میں قسم کھاتا ہوں مشرقوں اور مغربوں کے مالک کی تحقیق ہم کر سکتے ہیں

عَلَىٰ أَنْ تُبَدِّلَ خَيْرًا مِنْهُمْ ۖ وَمَا نَحْنُ بِمَسْبُوقِينَ ﴿۴۱﴾ فَذَرَهُمْ

کہ بدل کر لے آئیں اُن سے بہتر اور ہمارے قابو سے بچل نہ جائیں گے سو چھوڑ دے انکو

يَخْضِبُونَ وَيَلْعَبُونَ حَتَّىٰ يُلَاقُوا يَوْمَهُمُ الَّذِي يُوْعَدُونَ ﴿۴۲﴾ يَوْمَ

کہ باتیں بنائیں اور کھیلا کریں یہاں تک کہ بلجائیں اپنے اُس دن سے جسکا اُن سے وعدہ ہے جس دن

يَخْرُجُونَ مِنَ الْأَجْدَاثِ سِرَاجًا كَأَنَّهُمْ إِلَىٰ نُصُبٍ يُوفِضُونَ ﴿۴۳﴾

نکل پڑیں گے قبروں سے دَوڑتے ہوئے جیسے کسی نشانی پر دَوڑتے جاتے ہیں

خَاشِعَةً أَبْصَارُهُمْ تَرْهُقُهُمْ ذُلَّةٌ ۖ ذَٰلِكَ الْيَوْمُ الَّذِي

جھنکی ہوں گی اُن کی آنکھیں چڑھی آتی ہوگی اُن پر ذلت یہ ہے وہ دن جس کا

كَانُوا يُوعَدُونَ ﴿۴۴﴾

اُن سے وعدہ تھا

خلاصہ تفسیر

ایک مانگنے والا (براہ انکار) وہ عذاب مانگتا ہے جو کہ کافروں پر واقع ہونے والا ہے (اور) جسکا کوئی دفع کرنے والا نہیں (اور) جو اللہ کی طرف سے واقع ہوگا جو کہ سیڑھیوں کا (یعنی آسمانوں کا) مالک ہے (جن سیڑھیوں سے) فرشتے اور (اہل ایمان کی) رُوہیں اس کے پاس چڑھ کر جاتی ہیں (اس کے پاس سے مراد یہ ہے کہ عالم بالا میں جو موقع انکے عروج کا منتہا مقرر کیا گیا ہے وہاں جاتی ہیں اور چونکہ اس عروج کا راستہ آسمان ہیں اس لئے ان کو معارج (یعنی سیڑھیاں) فرمادیا اور وہ عذاب) ایسے دن میں (واقع) ہوگا جس کی مقدار (دنیا کے) پچاس ہزار سال (کی برابر) ہے (مراد قیامت کا دن ہے جو کچھ حقیقی مقدار سے کچھ اُس کے اشتداد سے کفایت کو اسقدر طویل محسوس ہوگا اور چونکہ کفر و سرکشی کے مراتب کے اعتبار سے اس کی شدت اور درازی مختلف ہوگی کسی کے لئے بہت زیادہ کسی کے لئے کچھ کم، اس لئے ایک آیت میں کالف مسئلہ آیا ہے اور کافروں کی تخصیص اس لئے کی کہ حدیث میں ہے کہ مومن کو وہ دن اسقدر ہلکا معلوم ہوگا جیسے ایک فرض پڑھنے کا وقت (کنز انی اللہ و عن ابی سعید و فروقا بروایت احمد والبیہقی وغیرہما) سو (جب عذاب کا آنا ثابت ہو تو) آپ (ان کی مخالفت پر) صبر کیجئے اور صبر بھی ایسا جس میں شکایت کا نام نہ ہو (یعنی انکے کفر و خلاف سے ایسے تنگ نہ ہو جسے کہ شکایت حکایت زبان پر آجاوے بلکہ یہ سمجھ کر تحمل کیجئے کہ ان کو سزا ہونے والی ہے اور اس یوم سزا کا جو ان کو انکار ہے سو) یہ لوگ اس دن کو (قیامت پر ایمان نہ ہونے کے سبب اسکے وقوع کو) بعید دیکھ رہے ہیں اور ہم (کو اسکا وقوع یقینی معلوم ہے اس لئے) اس کو (وقوع سے) قریب دیکھ رہے ہیں (اور وہ عذاب اس روز واقع ہوگا) جس دن (کہ) آسمان (رنگ میں) تیل کی تھٹھکی طرح

ہو جادوگیا) اور ایک آیت میں کَالَّذِہَانِ ہے جس کی تفسیر ایدم احمر یعنی سرخ چڑھے کی گئی ہے تو جمع دونوں میں یہ ہے کہ سرخی کی شدت سے بھی سیاہی کے مشابہ رنگ پیدا ہو جاتا ہے پس احمر اور اسود دونوں کہنا صحیح ہے۔ یا اول ایک رنگ ہو پھر دوسرا بدل جاوے کَمَا نَقَلَ ابْنُ کَثِیْرٍ فِی السَّحْلِ عَنْ الْحَسَنِ تَتَلَوْنَ الْوَانَا، اور اگر اس کی تفسیر بھی مثل بعض کے دُرْدِی زیت سے کی جاوے یعنی روغن زیتون کی تلچٹ، تو دونوں کا مفہوم متحد ہو جادوگیا، غرض آسمان سیاہ ہو جادوگیا اور پھٹ بھی جادوگیا) اور پہاڑ رنگین اون کی طرح (جو کہ دھنکی ہوتی ہے بقولہ تعالیٰ کَالْعِہْنِ الْمَذْفُوشِ) ہو جاویں گے (یعنی اڑتے پھریں گے اور رنگین سے تشبیہ اسلئے دی گئی کہ پہاڑ بھی مختلف رنگوں کے ہوتے ہیں کَمَا ہُوَ الْمَدَنُ کُوْرٍ فِی قَوْلِهِ تَعَالٰی وَمِنْ الْجِبَالِ جُدَدٌ بَیْضٌ وَجُدَدٌ سُودٌ اَلْوَانُهَا وَغَرَابِیْبٌ سُودٌ) اور (اُس روز) کوئی دوست کسی دوست کو نہ پوچھے گا (بقولہ تعالیٰ لَا تَسْأَلُوْنَ) باوجودیکہ ایک دوسرے کو دکھا بھی دیئے جاویں گے (یعنی ایک دوسرے کو دیکھیں گے مگر کوئی کسی کی ہمدردی نہ کرے گا اور سورہ صافات میں جو باہم سوال کر نیکا ذکر ہے وہ بطور اختلاف کے ہے بطور ہمدردی کے نہیں اسلئے وہ اس آیت کے منافی نہیں، اس روز) مجرم (یعنی کافر) اس بات کی تمنا کرے گا کہ اس روز کے عذاب سے چھوٹنے کے لئے اپنے بیٹوں کو اور بیوی کو اور بھائی کو اور کنبہ کو جن میں وہ رہتا تھا اور تمام اہل زمین کو اپنے فدیہ میں دیدے پھر یہ (فدیہ میں دیدینا) اس کو (عذاب سے) بچالے (یعنی اس روز ایسی نفسا نفسی ہوگی کہ ہر شخص کو اپنی فکر پڑ جاوے گی، اور کل تک جن پر جان دیتا تھا آج ان کو اپنے فائدے کے لئے عذاب کے سپرد کر دینے کو تیار ہوگا اگر اس کے قابو کی بات ہو لیکن) یہ ہرگز نہ ہوگا (یعنی نجات عن العذاب مطلقاً نہ ہوگی بلکہ) وہ آگ ایسی شعلہ زن ہے جو کھال (تک) اُتار دیگی (اور) وہ اس شخص کو (خود) بلا دیگی، جس نے (دنیا میں حق سے) پیٹھ پھیری ہوگی اور (طاعت سے) بے رخی کی ہوگی اور (دوسروں کا حق مار مار کر یا براہِ حرص مال) جمع کیا ہوگا پھر اس کو اٹھا اٹھا رکھا ہوگا (مطلب یہ کہ حقوق اللہ و حقوق العباد ضائع کئے ہوں گے، یا اشارہ ہے فسادِ عقائد و فسادِ اخلاق کی طرف اور بلانا معنی حقیقی پر محمول ہو سکتا ہے خلاصہ یہ کہ ایسے صفات موجب اتحاق نار ہیں اور اس مجرم میں یہ صفات پائے جاتے ہیں پھر نجات عن العذاب کب متصور ہے اور جمع فادعی سے کفار کا مکلف بالفروع ہونا لازم نہیں آتا، کیونکہ ان ردائل کی وجہ سے کفار کو اصل عذاب نہیں ہوگا بلکہ اشتداد عذاب ہوگا اور نفس عذاب کفر پر ہوگا، بخلاف گناہگار مومنین کے کہ ان کو معاصی پر نفس عذاب بھی ہو سکتا ہے والشر علم۔)

(آگے دوسرے ردائل کا ذکر ہے جو عذاب کا سبب ہوتے ہیں ان سے اہل ایمان کا استثناء اور پھر استثناء کا نتیجہ بیان ہے یعنی) انسان کم ہمت پیدا ہوا ہے (مراد انسان سے استثناء کو شامل کرنے کے بعد انسان کافر ہے اور پیدا ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ اول پیدائش کے وقت سے ہی وہ ایسا ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ اُس کی جبلت میں ایسا مادہ رکھا گیا ہے کہ وہ اپنے وقت پر پہنچ کر یعنی بلوغ کے بعد ان ردائل صفت

کا عادی ہو جائے گا، پس کم ہمتی سے مراد طبعی کم ہمتی نہیں ہے بلکہ کم ہمتی کے آثار ذمہ اختیاریہ مراد ہیں جن کو آگے بیان فرماتے ہیں یعنی جب اس کو تکلیف پہنچتی ہے تو (حد جواز سے زیادہ) جزع فزع کرنے لگتا ہے اور جب اس کو فایغ البالی ہوتی ہے تو (حقوق ضروریہ سے) بخل کرنے لگتا ہے (یہ تتمہ ہو گیا موجباً عذاب کا جو موتی ادبر سے شروع ہوئے ہیں) مگر وہ نمازی (یعنی نومن ان موجبات عذاب سے مستثنیٰ ہیں) جو اپنی نماز پر برابر توجہ رکھتے ہیں (یعنی نماز میں ظاہراً یا باطناً دوسری طرف توجہ نہیں کرتے جس کو قد افلح المؤمنون میں شاشعون سے تعبیر فرمایا ہے کذا نقل ابن کثیر عن عقبہ بن عامر بقولہ الذائق الساکن وعند فی الدار المنور اذا صلوا العر یلتفتوا عن یمین وکلا شمال) اور جن کے مالوں میں سوا لی اور بے سوا لی سب کا حق ہے (اس کے متعلق مضمون سورۃ ذاریات میں گزر چکا) اور جو قیامت کے دن کا اعتقاد رکھتے ہیں اور جو اپنے پروردگار کے عذاب سے ڈرنے والے ہیں (اور) واقعی ان کے رب کا عذاب بے خوف ہونے کی چیز نہیں (یہ جملہ معترضہ کے طور پر ہے) اور جو اپنی شرمگاہوں کو (حرام سے) محفوظ رکھنے والے ہیں لیکن اپنی بیبیوں سے یا اپنی (شرعی) لونڈیوں سے (حفاظت نہیں کرتے) کیونکہ ان پر (اسمیں) کوئی الزام نہیں ہاں جو اس کے علاوہ (اور جگہ شہوت رانی کا) طلبگار ہو ایسے لوگ حد (شرعی) سے نکلنے والے ہیں اور جو اپنی (سپردگی میں لی ہوئی) امانتوں اور اپنے عہد کا خیال رکھنے والے ہیں۔ اور جو اپنی گواہیوں کو ٹھیک ٹھیک ادا کرتے ہیں (ان میں کمی بیشی نہیں کرتے) اور جو اپنی (فرض) نماز کی پابندی کرتے ہیں (پس) ایسے لوگ بہشتوں میں عزت سے داخل ہونگے (ان آیات کی تفسیر سورۃ مؤمنون میں دیکھ لی جائے آگے کفار کی حالت کا عجیب ہونا اور وقوع قیامت کا مستبعد ہونا بیان فرماتے ہیں یعنی موجبات سعادت و شقاوت تو اوپر بدالات واضح معلوم ہو چکے) تو (معلوم باللیل ہونے کے بعد پھر) کافروں کو کیا ہوا کہ (ان مضامین کی تکذیب کے لئے) آپ کی طرف کو داہنے اور بائیں سے جھٹیں بن بن کر دوڑے آرہے ہیں (یعنی چاہئے تھا کہ ان مضامین کی تصدیق کرتے لیکن یہ لوگ متفق ہو ہو کر آپ کے پاس اس غرض سے آتے ہیں کہ ان مضامین کی تکذیب اور ان کے ساتھ استہزاء کریں جیسا کہ کفار عرب نبوت کی خبریں سن سن کر اسی غرض سے آتے تھے اور اسلام کو باطل سمجھنے کے ساتھ اپنے کو حق پر سمجھتے تھے اور حق ہونیکا ثمرہ جنت میں جانا ہے اس بنا پر وہ اپنے کو مستحق جنت بھی سمجھتے تھے کہ قولہ تعالیٰ وَلَیِّنْ رَّجِعْتُ اِلٰی رَبِّیْ اِنَّ لِیْ عِندَکَ لَلْحُجَّتَیْنِ، اس لئے اس کے متعلق بطور انکار فرماتے ہیں کہ) کیا ان میں ہر شخص اس کی ہوس رکھتا ہے کہ وہ آسائش کی جنت میں داخل کر لیا جاوے گی یہ ہرگز نہ ہوگا (کیونکہ موجبات جہنم کے ہوتے ہوئے جنت کیسے ملے گی اور یہ لوگ ان مضامین کی تکذیب میں نفس قیامت کی بھی تکذیب کرتے اور اسکو محال سمجھتے تھے آگے اسکے متعلق ارشاد ہے کہ ان کا استبعاد محض بے وقوفی ہے کیونکہ) ہم نے ان کو ایسی چیز سے پیدا کیا ہے جس کی ان کو بھی خبر ہے (پس جب ان کو معلوم ہے کہ نطفہ سے آدمی کو بنایا ہے اور ظاہر ہے کہ نطفہ سے کہ جس میں کبھی حیات نہیں آئی آدمی بننے تک چلتا بعد ہے اتنا بعد اجزا میت سے دوسری بار آدمی بننے تک نہیں ہے کیونکہ ان اجزا میں

ایک باریات پہلے آچکی ہے اس کو محال سمجھنا ان کی بے وقوفی ہے) پھر (دوسرے طور پر دفع استبعاد وقوع قیامت کے لئے) میں قسم کھاتا ہوں مشرقوں اور مغربوں کے مالک کی (معنی اس کے سورۃ صافات کے شروع میں گزرے ہیں آگے جو اب قسم ہے) کہ ہم اس پر قادر ہیں کہ (دنیا ہی میں) ان کی جگہ ان سے بہتر لوگ لگے آئیں (یعنی پیدا کر دیں) اور ہم (اس سے) عاجز نہیں ہیں (پس جب نئی مخلوق اور وہ بھی ایسی جس میں صفات کمال زیادہ ہوں جنہیں زیادہ اشیاء پیدا کرنا پڑیں ہم کو پیدا کرنا آسان ہے تو تم کو دوبارہ پیدا کرنا کون مشکل کام ہے۔ پہلا استدلال خود ان مسکین کی حالت کے اعتبار سے ہے اور دوسرا استدلال ان کے اشرار و فجار کے امکان مخلوقیت سے۔ اور جب باوجود وضوح حق مع الدلائل کے اپنے انکار و عناد سے باز نہیں آتے) تو آپ ان کو اسی شغل و تفریح میں بسنے دیجئے، یہاں تک کہ ان کو اپنے اس دن سے سابقہ واقع ہو جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا ہے جس دن یہ قبروں سے نکل کر اس طرح دوڑیں گے جیسے کسی پرستش گاہ کی طرف دوڑے جاتے ہیں (اور) ان کی آنکھیں (مارے شرمندگی کے) نیچے کو جھکی ہوگی (اور) ان پر ذلت چھائی ہوگی، یہ ہے ان کا وہ دن جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا تھا (جو کہ اب واقع ہو گیا)

معارف و مسائل

سَأَلْ سَائِلٌ، سوال کبھی کسی چیز کی تحقیق کے لئے ہوتا ہے اُسکے ساتھ عربی زبان میں صلہ حرف عن کا استعمال کیا جاتا ہے اور کبھی سوال بمعنی درخواست اور کسی چیز کی طلب کے ہوتا ہے یہاں ایسا ہی ہے اسی لئے اسکے صلہ میں بجائے عَنْ کے حرف بار آیا۔ یَعَذَابُ مَعْنٰی یہ ہیں کہ ایک مانگنے والے نے عذاب مانگا۔ نسائی میں حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ یہ مانگنے والا نصر بن حارث تھا جس نے قرآن اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب میں اس جرات سے کام لیا کہ کہنے لگا اَللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِكَ فَاَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَابًا مِنَ السَّمَاوَاتِ اَوْ اَنْتِنَا بِعَذَابِ الْيَمِّ، یعنی یہ دعا کی کہ یا اللہ اگر یہ قرآن ہی حق ہے اور آپ کی طرف سے، تو ہم پر آسمان سے پتھر برسائے یا کوئی دوسرا عذاب الیم بھیجے۔ (منظری) اللہ تعالیٰ نے اسکو غرور و بد میں مسلمانوں کے ہاتھوں عذاب دیا (منظری برداشت ابن ابی حاتم) اس شخص نے اللہ تعالیٰ کا جو عذاب اپنے منہ مانگا تھا آگے اس کی کچھ حقیقت کا بیان ہے کہ یہ عذاب کافروں پر ضرور واقع ہو کر ہے گا (خواہ دنیا میں یا آخرت میں یا دونوں میں) اس عذاب کو دفع کرنا کسی کے بس میں نہیں۔ یہ عذاب اللہ کی طرف سے ہے جو درجات عالیہ والا ہے۔ یہ آخری جملہ پہلے جملے کی دلیل بھی ہے کہ جو عذاب اللہ بالا و برتر کی طرف سے ہوا اسکو دفع کرنا اور ٹالنا کسی کے لئے کیسے ممکن ہو سکتا ہے۔

مَعَارِج، معراج کی جمع ہے عروج سے مشتق ہے جس کے معنی اوپر چڑھنے کے ہیں اور معراج و معراج اُس سیرھی کو کہا جاتا ہے جس میں نیچے سے اوپر چڑھنے کے لئے بہت سے درجات ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی صفت اس آیت میں ذی معارج اس معنی سے ہے کہ اللہ تعالیٰ درجات عالیہ والا ہے (کہ اقال سعید بن جبیر) اور یہ درجہ عالیہ اوپر نیچے سات آسمان ہیں۔ حضرت ابن خلدون نے فرمایا کہ ذی المعارج کے معنی ہیں۔ ذی السموات یعنی مالک سموات۔

تَعْرِجُ الْمَلَائِكَةُ وَالرُّوحُ، یعنی یہ درجات جو تہ بہ تہ اوپر نیچے ہیں ان درجات کے اندر چڑھتے ہیں فرشتے اور رُوح الامین یعنی جبریل امین۔ جبریل علیہ السلام بھی اگرچہ فرشتوں کے زمرہ میں شامل ہیں لیکن انکے خصوصی اعزاز کے لئے ان کا الگ نام ذکر فرمایا گیا ہے۔

فِي يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهُ أَلْفَ سَنَةٍ، یہ جملہ ایک فعل محذوف سے متعلق ہے یعنی يَقَعُ مطلب یہ ہے کہ یہ عذاب جسکا اوپر ذکر آیا ہے کہ کافروں پر ضرور واقع ہو کر رہے گا۔ اسکا وقوع اُس روز ہوگا جس کی مقدار پچاس ہزار سال کی ہوگی۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ صحابہ کرام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اُس دن کے متعلق سوال کیا جس کی مقدار پچاس ہزار سال ہوگی کہ یہ دن کتنا دراز ہوگا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قسم ہے اُس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ یہ دن مومن پر اتنا ہلکا ہوگا کہ ایک نماز فرض ادا کرنے کے وقت سے بھی کم ہوگا (رواہ احمد والبیہقی وابن حبان والبیہقی بسند حسن۔ مظہری)

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث روایت کی گئی ہے کہ

يَكُونُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ لَقَدْ رَمَا بَيْنَ الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ
الْخُرْجَةُ الْحَاكِمُ وَالْبَيْهَقِيُّ مَرْفُوعًا وَمَوْقُوفًا (مظہری)

یعنی یہ روز مومنین کے لئے اتنا ہوگا جتنا وقت ظہر و عصر کے درمیان ہوتا ہے یہ روایت حضرت ابو ہریرہ سے مرفوعاً بھی منقول ہے موقوفاً بھی

ان روایات حدیث سے معلوم ہوا کہ اس دن کا یہ طول کہ پچاس ہزار سال کا ہوگا ایک اضافی امر ہے کفار کے لئے اتنا دراز اور مومنین کے لئے اتنا مختصر ہوگا۔

روز قیامت کی درازی ایک ہزار سال پچاس کی تحقیق | اس آیت میں روز قیامت کی مقدار پچاس ہزار سال بتلائی ہے۔ اور سورہ تنزیل السجدہ کی آیت میں ایک ہزار سال آئے ہیں آیت یہ ہے يَذْكُرُ الْآخِرِينَ السَّمَاءُ إِلَى الْأَرْضِ ثُمَّ يَعْرُجُ إِلَيْهِ فِي يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهُ أَلْفَ سَنَةٍ مِمَّا تَعُدُّونَ، یعنی تدبیر کرتے ہیں امر الہی کی آسمان سے زمین تک پھر چڑھتے ہیں اس کی طرف ایک ایسے دن میں جس کی مقدار ایک ہزار سال ہے عام شمار کے اعتبار سے۔ بظاہر ان دونوں آیتوں کے مضمون میں تعارض اور تضاد ہے اسکا جواب مذکورہ روایات حدیث سے ہو گیا کہ اس دن کا طول مختلف گروہوں کے اعتبار سے مختلف ہوگا، تمام کفار کے لئے پچاس ہزار سال کا اور مومنین صالحین کے لئے ایک نازک وقت ان کے درمیان طوائف کفار ہیں ممکن ہے کہ بعض کے لئے صرف ایک ہزار سال کی برابر ہو۔ اور وقت کا دراز اور مختصر ہونا شدت و بے چینی اور آرام و عیش میں مختلف ہونا مشہور و معروف ہے کہ بے چینی اور شدت تکلیف کا ایک گھنٹہ بعض اوقات انسان کو ایک دن بلکہ ایک ہفتہ عشرہ سے زیادہ محسوس ہوتا ہے اور آرام و عیش کا بڑے سے بڑا وقت مختصر معلوم ہوتا ہے۔

اور آیت تنزیل السجدہ جس میں ایک ہزار سال کا دن بیان کیا گیا ہے اس کی ایک توجیہ تفسیر مظہری میں یہ بیان کی ہے کہ اس آیت میں جس دن کا ذکر ہے وہ دنیا ہی کے دنوں میں کا ایک دن ہے اس میں جبریل علیہ السلام اور فرشتوں کا آسمان سے زمین پر آنا پھر زمین سے آسمان واپس جانا اتنی بڑی مسافت کو طے کرتا ہے کہ انسان

طے کرتا تو اس کو ایک ہزار سال لگتے، کیونکہ احادیث صحیحہ میں آیا ہے آسمان سے زمین تک پانسو سال کی مسافت ہے تو پانسو سال اوپر سے نیچے آنے کے اور پانسو واپس جانے کے یہ کل ایک ہزار سال انسانی چال کے اعتبار سے ہیں کہ بالفرض انسان اس مسافت کو قطع کرتا تو آنے اور جانے میں ایک ہزار سال لگ جاتے۔ اگرچہ فرشتے اس مسافت کو بہت ہی مختصر وقت میں طے کر لیتے ہیں۔ تو سورۃ سجدہ کی آیت میں دنیا ہی کے دنوں میں سے ایک دن کا بیان ہوا اور سورۃ معارج میں قیامت کے دن کا بیان ہے جو ایام دنیا سے بہت بڑا ہوگا اور اس کی درازی اور کوتاہی مختلف لوگوں پر اپنے اپنے حالات کے اعتبار سے مختلف محسوس ہوگی۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

إِنَّهُمْ يَرَوْنَهُ بَعِيدًا وَكَانَ فِي بُيُوتِهِمْ قَرِيبًا، یہاں قریب و بعید باعتبار مسافت یا زمانے کے نہیں بلکہ بعید از امکان یا بعید از وقوع مراد ہے اور معنی آیت کے یہ ہیں کہ یہ لوگ تو قیامت کے وقوع بلکہ امکان کو بھی بعید سمجھ رہے ہیں اور ہم دیکھ رہے ہیں کہ اسکا وقوع یقینی ہے۔

وَلَا يَسْأَلُ حِمِيمٌ حِمِيمًا هَبْطًا وَهَبًا، حمیم کے معنی گہرے اور مخلص دوست کے ہیں قیامت کی شدت کا بیان ہے کہ اُس روز کوئی دوست کسی دوست کو نہ پوچھے گا، مدد کرنا تو درکنار، آگے یہ بھی بتلادیا کہ یہ نہ پوچھنا اس لئے نہیں کہ وہ دوست سامنے نہیں ہوگا بلکہ قدرت اللہ ان سب کو ایک دوسرے کے سامنے بھی کر دے گی، مگر ہر شخص نفسی نفسی کے عالم میں ہوگا کوئی کسی دوسرے کی تکلیف و راحت کی طرف التفات نہ کر سکے گا۔

كَلَّا إِنَّهَا لَنظَاهَرُكُمْ أَعْيُنًا لِّلشَّوْءِ، انہا کی ضمیر نار کی طرف راجع ہے اور نظا کے معنی خالص شعلہ غیر آمیزش کے اور شوائی شوائی کی جمع ہے جس کے معنی سر کی کھال کے بھی ہیں اور ہاتھوں پاؤں کی کھال کے بھی، یعنی جہنم کی آگ ایک سخت بھڑکنے والا شعلہ ہوگا جو دماغ کی یا ہاتھوں پاؤں کی کھال اُتار دیگا۔

تَبَّ عَوَّامٍ أَدْبَرَ وُجُوهًا وَتَوَلَّى وَجْهَهُ الْكَافِرُ، خود بلائے گی یہ آگ اُس شخص کو جس نے حق سے پیٹھ موڑی اور رُخ پھیرا اور مال جمع کیا پھر اس کو روک کر رکھا۔ مراد جمع کرنے سے وہ ہے کہ خلاف شرع ناجائز طریقوں سے جمع کرے اور روکنے سے مراد یہ ہے کہ مال پر عائد ہونے والے فرائض و واجبات ادا نہ کرے جیسا کہ احادیث صحیحہ سے ثابت ہے۔

إِنَّ الْإِنْسَانَ لِرَبِّهِ لَكَنُفٍ، ہلوع کے لفظی معنی مریض بے صبر کم ہمت آدمی کے ہیں حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ آیت میں ہلوع سے مراد وہ شخص ہے جو مال حرام کی حرص میں مبتلا ہو اور حضرت سعید بن جبیرؓ نے فرمایا کہ اس سے مراد بخیل آدمی ہے اور مقاتلؓ نے فرمایا کہ تنگدل بے صبر آدمی مراد ہے اور یہ سب معانی متقارب ہیں۔ ہلوع کے مفہوم میں سب داخل ہیں، اس ہلوع کی تشریح خود قرآن کے الفاظ میں آرہی ہے یہاں یہ شبہ نہ کیا جائے کہ جب اس کو پیدا ہی اس حال میں کیا ہے اور یہ عیب اس کی تخلیق میں کبھی تو پھر اسکا کیا قصور ہوا وہ مجرم کیوں قرار دیا گیا۔ وجہ یہ ہے کہ مراد اس سے انسانی فطرت اور جبلت میں رکھی ہوئی استعداد اور مادہ ہے سو اس میں حق تعالیٰ نے ہر خیر و صلاح کا مادہ اور استعداد بھی رکھی ہے اور شر و فساد

کی بھی۔ اور اس کو عقل و ہوش بھی عطا فرمایا اور اپنی کتابوں اور رسولوں کے ذریعہ ہر ایک کام کا انجام بھی بتلادیا تو اپنے اختیار سے مادہ شر و فساد کی پرورش کی اپنے اختیاری اعمال کو اُس رُخ پر ڈال دیا تو وہ مجرم ان اختیاری اعمال کی وجہ سے قرار پایا جو مادہ اُس کی پیدائش میں ودیعت رکھا گیا تھا اسکی وجہ سے اسکو مجرم نہیں قرار دیا گیا جیسا کہ آگے ہلوع کے معنی کی تشریح خود قرآن کریم نے کی ہے انہیں صرف افعال اختیار یہ کا ذکر فرمایا ہے وہ یہ ہیں۔

اِذَا مَسَّ الشُّرُكُوْنَ عَانَ وَاِذَا مَسَّهَ الْخَبْرُ مَمْنُوْعًا، یعنی اس انسان کی کم ہمتی اور بے صبری کا عالم یہ کہ جب اس کو کوئی تکلیف و مصیبت پیش آجاتی ہے تو صبر سے کام نہیں لیتا اور جب کئی راحت و آرام اور مال و دولت ملجاتا ہے تو اس میں بخل کرتا ہے۔ یہاں بے صبری اور جزع سے مراد وہ ہے جو حدود شرع سے باہر ہوں اسی طرح بخل سے مراد فرائض و واجبات کی ادائیگی میں کوتاہی ہے (کما مر) آگے عام انسانوں کی اس خصلت مذکورہ سے مومنین صالحین کو مستثنیٰ کیا گیا ہے اور اُن کے اعمال و اخلاق صالحہ کا ذکر کیا گیا ہے جو اِلَّا الْمَصْلِيْنَ سے شروع ہو کر عَلٰی صَلَاتِهِمْ دَائِمُوْنَ تک بیان کئے گئے ہیں۔ یہاں استنثار بلفظ مصلین کیا گیا ہے یعنی نمازی اور مراد اس سے مومنین ہیں اس میں اشارہ اس طرف ہے کہ نماز مومن کی پہلی اور سب سے بڑی علامت ہے مومنین کہلانے کے مستحق وہی لوگ ہو سکتے ہیں جو نمازی ہیں۔ آگے ان مصلین کی یہ صفت بتلائی ہے الَّذِيْنَ هُمْ عَلٰی صَلَاتِهِمْ دَائِمُوْنَ، مراد اس سے یہ ہے کہ وہ نمازی جو پوری نمازیں اپنی نماز کی طرف متوجہ رہیں ادھر ادھر التفات نہ کریں۔ امام بخاری نے اپنی سند کیساتھ ابوالخیر سے روایت کیا ہے کہ ہم نے حضرت عقبہ بن عامرؓ نے اس آیت عَلٰی صَلَاتِهِمْ دَائِمُوْنَ کا مطلب پوچھا کہ کیا اس کی مراد یہ ہے جو ہمیشہ ہمیشہ نماز پڑھتے ہیں انھوں نے فرمایا کہ نہیں یہ مراد نہیں بلکہ مراد یہ ہے کہ جو اول سے آخر نماز تک اپنی نماز کی طرف متوجہ رہے، دانے بائیں آگے پیچھے التفات نہ کرے اسکا حاصل مفہوم وہی ہوا جو سورہ مومنوں میں الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خَاشِعُوْنَ کا ہے تو اس جملہ میں نماز کے شروع کا ذکر ہوا اور آگے جو جملہ وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰی صَلَاتِهِمْ يَخْشِعُوْنَ آ رہا ہے اُس میں نماز اور آداب نماز پر مداومت کا ذکر ہے اسلئے مضمون میں تکرار نہ ہوا، آگے مومنین صالحین کی جو صفات بیان کی گئی ہیں یہ سب تقریباً وہی ہیں جو سورہ مومنوں میں بیان ہوئی ہیں اور اسی سورت میں اُن کے معانی کی پوری تفسیر مکمل لکھی جا چکی ہے اُس کو دیکھ لیا جاوے۔

مقادیر زکوٰۃ منجانب اللہ مقرر ہیں اُن میں کمی بیشی کا کسی کو اختیار نہیں ہے۔ اسلئے مقادیر زکوٰۃ خواہ نصاب زکوٰۃ سے متعلق ہوں یا مقدار واجب سے دونوں اللہ تعالیٰ طرف سے مقرر کردہ طے شدہ ہیں یہ زمانے اور حالات کے بدلنے سے نہیں بدل سکتیں۔

فَمَنْ ابْتَغَىٰ وَرَاءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ، اس سے پہلی آیت میں نفسانی خواہش اور شہوت کا جائز مصرف منکوحہ بیوی یا شرعی نوڈی بتلایا گیا تھا اس آیت میں ان دو صورتوں کے سوا شہوت رانی کی

ہر صورت کو ممنوع و ناجائز قرار دیا ہے اس میں نکاح کی وہ صورتیں بھی داخل ہیں جو شرعاً حلال نہیں جیسے ان عورتوں سے نکاح جن سے شرعاً نکاح حرام ہے اسی طرح متعہ جو شرعاً نکاح نہیں۔

اپنے ہاتھ سے شہوت پوری کرنا حرام ہے اور اکثر فقہاء رحمہم اللہ نے استمناء بالید یعنی اپنے ہاتھ سے شہوت پوری کر لینے کو بھی اس کے عموم میں داخل قرار دیکر حرام قرار دیا ہے۔ ابن جریر فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عطار سے اس کے متعلق پوچھا تو انہوں نے فرمایا مکروہ ہے۔ میں نے سنا ہے محشر میں کچھ ایسے لوگ آئیں گے جن کے ہاتھ حاملہ ہونگے میرا گمان یہ ہے کہ یہ وہی لوگ ہیں جو اپنے ہاتھ سے شہوت پوری کرتے ہیں۔ اور حضرت سعید بن جبیر نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ایک ایسی قوم پر عذاب نازل فرمایا جو اپنے ہاتھوں سے اپنی شرمگاہوں سے کھیلنے لگے۔ ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مکدعون من ذکک یدہ یعنی جو اپنے ہاتھ سے نکاح کرے وہ ملعون ہے۔ سند اس کی ضعیف ہے (منظری)

تمام حقوق اللہ اور سب حقوق العباد وَاللّٰہُ بَیْنَ ہُمْ لَا مُنْتَبِہٌ وَعَہْدٌ ہُمْ ذٰلِکَ اَمَانَتٌ مِّنْ ہُمْ امانت میں داخل ہیں۔

کامیغہ استعمال فرمایا ہے جیسے دوسری جگہ بھی اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ بِکُمْ اَنْ تُوْکَدُوْا اِلَآ مٰنَہُ اِلٰی اٰہْلِہَا فرمایا ہے دونوں جگہ بلفظ جمع لائیں اس طرف اشارہ ہے کہ امانت صرف وہ مال ہی نہیں جو کسی نے آپ کے پاس رکھ دیا ہو بلکہ تمام حقوق واجبہ جنکا ادا کرنا آپ کے ذمہ فرض ہے وہ سب امانت ہیں انہیں کوتاہی کرنا خیانت ہے اس میں تمام حقوق اللہ نماز روزہ حج زکوٰۃ بھی داخل ہیں اور تمام حقوق العباد جو ناجائز کسی پر واجب ہیں یا اس نے خود کسی معاہدے اور معاملے کے ذریعہ اپنے پر لازم کر لئے ہیں وہ سب امانت کی فہرست میں داخل اور ان کی ادائیگی فرض، اس میں کوتاہی خیانت ہے۔ (از منظری لخصاً)

وَاللّٰہُ بَیْنَ ہُمْ لَا مُنْتَبِہٌ اَقْبَلُ قَائِمُونَ، یہاں بھی لفظ شہادت کو بلفظ جمع لانے میں اس طرف اشارہ پایا جاتا ہے کہ شہادت کی بہت سی قسمیں ہیں اور ہر قسم شہادت کو قائم رکھنا واجب ہے۔ اس میں شہادت ایمان تو حید رسالت بھی داخل ہے۔ ہلال رمضان اور حدود شرعیہ کی شہادت بھی اور لوگوں کے باہمی معاملات جو کسی کے سامنے ہوئے ہوں ان کی شہادت بھی، کہ ان شہادتوں کا چھپانا اور ان میں کسی بیشی کرنا حرام ہے انکو صحیح صحیح قائم کرنا اس آیت کی رو سے فرض ہے (از منظری) واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

تَمَّتْ بِحَمْدِ اللّٰہِ یَوْمَ الثَّلَاثِ ۸ رَجَبِ ۱۴۰۹ھ

سُورَةُ نُوحٍ

سُورَةُ نُوحٍ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ ثَمَانٌ وَعِشْرُونَ آيَةً وَفِيهَا رُكُوعَانِ
سُورَةُ نُوحٍ مَكِّيَّةٌ مِثْلُهَا ثَمَانِيْنَ آيَاتٍ فِيْهَا اَرْكَعَانِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بحد مہربان نہایت رحم والا ہے

اِنَّا اَرْسَلْنَا نُوحًا اِلٰى قَوْمِهٖ اَنْ اَنْذِرْ قَوْمَكَ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّاتِيَهُمْ

ہم نے بھیجا نوح کو اُس کی قوم کی طرف کہ ڈرا اپنی قوم کو اس سے پہلے کہ پہنچے اُن پر

عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝۱ قَالَ يٰقَوْمِ اِنِّىْ لَكُمْ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ۝۲ اِنْ اَعْبُدُوْا اللّٰهَ

عذاب دردناک ۱ بولا اے قوم میری میں تم کو ڈرنا تا ہوں کھول کر کہ بندگی کرو اللہ کی

وَاشْكُوْهُ وَاَطِيعُوْا ۝۳ يَغْفِرْ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ وَيُؤَخِّرْكُمْ اِلٰى اَجَلٍ

اور اس سے ڈرو اور میرا کہنا مانو ۳ تاکہ بخشے وہ تم کو کچھ گناہ تمہارے اور ڈھیل دے تم کو ایک مقرر وعدہ

مُّسَمًّى ۝۴ اِنْ اَجَلَ اللّٰهِ اِذَا جَاءَ لَا يُؤَخِّرُكُمْ لَوْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝۵

نک وہ جو وعدہ کیا ہے اللہ نے جب آپہنچے گا اس کو ڈھیل نہ ہوگی اگر تم کو سمجھ ہے

قَالَ رَبِّ اِنِّىْ دَعَوْتُ قَوْمِيْ لَيْلًا وَنَهَارًا ۝۶ فَلَمْ يَزِدْهُمْ دُعَاۤىِّىْ

بولا اے رب میں بلاتا رہا اپنی قوم کو رات اور دن ۶ پھر میرے بلانے سے اور زیادہ

اِلَّا فِرَارًا ۝۷ وَاِنِّىْ كَلَّمْتُهُمْ لَتَغْفِرَ لَهُمْ جَعَلُوْا اَصْاٰىعَهُمْ فِىْ

بھاگنے لگے اور میں نے جب کبھی اُن کو بلایا تاکہ تو اُن کو بخشے ڈالنے لگے انگلیاں اپنے

اِذَا رِجْلِهِمْ وَاسْتَعْشَوْا ثِيَابَهُمْ وَاَصْرُوْا وَاَسْتَكْبَرُوْا ۝۸ اَسْتَكْبَارًا ۝۹ ثُمَّ

کانوں میں اور پسینے لگے اپنے اوپر کپڑے اور ضد کی اور غرور کیا بڑا غرور پھر

اِلٰى دَعْوَتِهِمْ جَهَارًا ۝۱۰ ثُمَّ اِنِّىْ اَعْلَنْتُ لَهُمْ وَاَسْرَرْتُ لَهُمْ اِسْرَارًا ۝۱۱

میں نے اُن کو بلایا بر ملا پھر میں نے ان کو کھول کر کہا اور چھپ کر کہا چپکے سے

فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ إِنَّهُ كَانَ غَفَّارًا ۝۱۰ يُرْسِلُ السَّمَاءَ عَلَيْكُمْ

تو میں نے کہا گناہ بخشو اور اپنے رب سے بیشک وہ ہے بخشنے والا چھوڑ دے گا آسمان کی تم پر

مِدْرَارًا ۝۱۱ وَيُمِدُّكُمْ بِأَمْوَالٍ وَبَنِينَ وَيَجْعَلُ لَكُمْ جَنَّاتٍ وَيَجْعَلُ

دھاریں اور بڑھادینگا تم کو مال اور بیٹوں سے اور بنادینگا تمھارے واسطے باغ اور بنادے گا

لَكُمْ أَنْهَارًا ۝۱۲ مَا لَكُمْ لَا تَرْجُونَ لِلَّهِ وَقَارًا ۝۱۳ وَقَدْ خَلَقَكُمْ أَطْوَارًا ۝۱۴

تمھارے لئے نہریں کیا ہوا ہے تم کو کیوں نہیں امید رکھتے اللہ سے بڑائی کی اور اسی نے بنایا تم کو طرح طرح سے

أَلَمْ تَرَوْا كَيْفَ خَلَقَ اللَّهُ سَبْعَ سَمَوَاتٍ طِبَاقًا ۝۱۵ وَجَعَلَ الْقَمَرَ فِيهِنَّ نُورًا

کیا تم نے نہیں دیکھا کیسے بنائے اللہ نے سات آسمان تہ پر تہ اور رکھا چاند کو ان میں اچالا

وَجَعَلَ الشَّمْسُ سِرَاجًا ۝۱۶ وَاللَّهُ أَنْبَتَكُمْ مِنَ الْأَرْضِ نَبَاتًا ۝۱۷ ثُمَّ يُعِيدُكُمْ

اور رکھا سورج کو چراغ بنا ہوا اور اللہ نے اُگایا تم کو زمین سے جھاکر پھر مکرر ڈالے گا تم کو

فِيهَا وَيُخْرِجُكُمْ إِخْرَاجًا ۝۱۸ وَاللَّهُ جَعَلَ لَكُمْ الْأَرْضَ بِسَاطًا ۝۱۹ لَتَسْلُكُوا

اس میں اور نکالے گا تم کو باہر اور اللہ نے بنادیا تمھارے لئے زمین کو بچھونا تاکہ چلو

مِنْهَا سُبُلًا فَجَاجًا ۝۲۰ قَالَ نُوحٌ رَبِّ إِنَّهُمْ عَصَوْنِي وَاتَّبَعُوا مَنْ لَمْ

اس میں کشادہ رستے کہا نوح نے اے رب میرے انھوں نے میرا کہا نہ مانا اور مانا ایسے کا جس کو

يَزِدُّهُ مَالَهُ وَوَلَدُهُ إِلَّا خَسَارًا ۝۲۱ وَمَكَرُوا مَكْرًا كَبِيرًا ۝۲۲ وَقَالُوا لَا

اچھے مال اور اولاد سے اور زیادہ ہو تو مالا اور داؤ کیا ہے بڑا داؤ اور بولے ہرگز

تَذَرُنَّ آلِهَتَكُمْ وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَلَا سُوَاعًا وَلَا يَغُوثَ وَيَعُوقَ وَ

نہ چھوڑو اپنے معبودوں کو اور نہ چھوڑو وڈ کو اور نہ سواع کو اور نہ یغوث کو اور یعوق اور

نَسْرًا ۝۲۳ وَقَدْ أَضَلُّوا كَثِيرًا ۝۲۴ وَلَا تَزِدِ الظَّالِمِينَ إِلَّا ضَلَالًا ۝۲۵ مِمَّا

نسر کو اور بہکا دیا بہتوں کو اور تو نہ زیادہ کرنا بے انصافوں کو سگر بھٹکانا کچھ وہ

خَطِئْتُمْ أَغْرِقُوا فَادْخُلُوا نَارًا ۝۲۶ فَلَمْ يَجِدُوا لَهُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ أَنْصَارًا ۝۲۷

اپنے گناہوں سے ڈبا ئے گئے پھر ڈالے گئے آگ میں پھر نہ پائے اپنے واسطے انھوں نے اللہ کے سوائے کوئی مددگار

وَقَالَ نُوحٌ رَبِّ لَا تَذَرْنِي عَلَى الْأَرْضِ مِنَ الْكَافِرِينَ دَيَّارًا ۝۲۸ إِنَّكَ

اور کہا نوح نے اے رب نہ چھوڑو نہ زمین پر منکروں کا ایک گھر بسنے والا مقرر

إِنْ تَذَرْنِي فَنَضْلُوكَ وَإِلَّا فَاجِرٌ أَكْفَارًا ۝۲۹ رَبِّ اغْفِرْ لِي

اگر تو چھوڑ دینگا ان کو بہکائیں گے تیرے بندوں کو اور جو جنیں گے سو ڈھیسٹھ حق کا منکر اے رب معاف کر

وَرَبِّ الدُّنْيَا وَلِمَنْ دَخَلَ بَيْتِي مُؤْمِنًا وَلِلْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ ۝۳۰

مجھ کو اور میرے مال باپ کو اور جو آئے میرے گھر میں ایماندار اور سب ایمان والے مردوں کو اور عورتوں کو

وَلَا تَزِدِ الظَّالِمِينَ إِلَّا تَبَارًا ۝۴۱

اور گنہگاروں پر بڑھتا رکھ یہی برباد ہونا

خلاصہ تفسیر

ہم نے نوح (علیہ السلام) کو ان کی قوم کے پاس (پیغمبر بنا کر) بھیجا تھا کہ تم اپنی قوم کو (دبا کر) ڈراؤ قبل اسکے کہ ان پر دردناک عذاب آوے (یعنی ان سے کہو کہ اگر ایمان نہ لاؤ گے تو تم پر عذاب الیم آویگا، خواہ دُنیوی یعنی طوفان یا اُخروی یعنی دوزخ غرض) انھوں نے (اپنی قوم سے) کہا کہ اسے میری قوم میں تمھارے لئے صاف صاف ڈرانے والا ہوں (اور کہتا ہوں) کہ تم اللہ کی عبادت (یعنی توحید اختیار) کرو اور اس سے ڈرو اور میرا کہنا مانو وہ تمھارے گناہ معاف کر دیگا (یعنی دُنیوی عذاب کی تحقیق سورہ احقاف میں گزر چکی) اور تم کو وقت مقرر (یعنی وقت موت) تک (بلا عقوبت) مہلت دیگا (یعنی ایمان نہ لانے پر جس عذاب کا مرنے سے پہلے وعدہ کیا جاتا ہے اگر ایمان لے آئے تو وہ عذاب نہ آویگا اور باقی موت کے لئے جو) اللہ کا مقرر کیا ہوا وقت (ہے) جب (وہ) آجا دیگا تو ٹلے گا نہیں۔ (یعنی موت تو آنا ہر حال میں ضروری ہے ایمان میں بھی اور کفر میں بھی لیکن دونوں حالتوں میں اتنا فرق ہے کہ ایک حالت میں علاوہ عذاب آخرت کے دُنیا میں بھی عذاب ہوگا اور ایک حالت میں مثل دُنیا و آخرت دونوں کے عذابوں سے محفوظ رہو گے) کیا خوب ہوتا اگر تم (ان باتوں کو) سمجھتے (جب مدہائے دراز تک ان نصائح کا کچھ اثر قوم پر نہ ہوا تو) نوح (علیہ السلام) نے (حق تعالیٰ سے) دُعا (اور التجا) کی کہ اے میرے پروردگار میں نے اپنی قوم کو رات کو بھی اور دن کو بھی (دین حق کی طرف) بلایا، سو میرے بلانے پر (دین سے) اور زیادہ بھاگتے رہے اور (وہ بھاگنا یہ ہوا کہ) میں نے جب کبھی اُن کو (دین حق کی طرف) بلایا تاکہ (انکے ایمان کے سبب) آپ اُن کو بخش دیں تو ان لوگوں نے اپنی انگلیاں اپنے کانوں میں دے لیں (تکہ حق بات سنیں بھی نہیں، اور یہ نفرت کی انتہا ہے) اور (نیز انتہائی بغض سے انھوں نے) اپنے کپڑے (اپنے اوپر) لپیٹ لئے تاکہ حق بات کہنے والے کو دیکھیں بھی نہیں، اور کہنے والا بھی اُن کو نہ دیکھے) اور (انھوں نے اپنے کفر و انکار پر) اصرار کیا اور (میری اطاعت سے) غایت درجہ کاتبکریا (مگر باوجود اس تنفیذ بکتر کے) پھر (بھی میں ان کو مختلف طریقوں سے نصیحت کرتا رہا چنانچہ) میں نے ان کو (دین حق کی طرف) یاد دلاؤں بلایا (مراد اس سے خطاب دو عظماء ہے جنہیں عادتہ آواز بلند ہوتی ہے) پھر میں نے ان کو (خطاب خاص کے طور پر) علانیہ بھی سمجھایا اور انکو بالکل خفیہ بھی سمجھایا (یعنی جتنے طریقے نفع کے ہو سکتے تھے سب ہی طرح سمجھایا، غرض اوقات میں بھی عموم کیا گیا، کما قال لَبَّاءُ وَلَهَّاءُ اور کیفیات میں بھی کما قال دَعَوْهُمْ جَهَّادًا ۱) اور (اس سمجھانے میں)

میں نے (ان سے یہ) کہا کہ تم اپنے پروردگار سے گناہ بخشو اور (یعنی ایمان لے آؤ تاکہ گناہ بخشے جائیں) بیشک وہ بخشنے والا ہے (اگر تم ایمان لے آؤ گے تو علاوہ اُفرادی نعمت کے) کہ (مغفرت ہے دنیوی نعمتیں بھی تم کو عطا کرے گا، چنانچہ) کثرت سے تم پر بارش بھیجے گا اور تمہارے مال اور اولاد میں ترقی دیگا اور تمہارے لئے باغ لگا دیگا اور تمہارے لئے نہریں بہا دیگا (ان نعمتوں کے ذکر سے شاید یہ فائدہ ہو کہ اکثر طبائع میں نقد اور جلد حاصل ہونے والی چیزوں کی طلب زیادہ ہے۔ درنثور میں قتادہ کا قول ہے کہ وہ لوگ دُنیا کے زیادہ مرے تھے اسلئے یہ فرمایا اور اس پر یہ شبہ نہ کیا جاوے کہ بسا اوقات یہ امور دنیویہ ایمان و استغفار پر مرتب نہیں ہوتے، بات یہ ہے کہ یا تو یہ وعدہ خاص انہی لوگوں کے لئے ہوگا اور اگر عام ہو تو قاعدہ ہے کہ موعود سے افضل کوئی چیز ملنا بھی ایفائے وعدہ ہی ہوتا ہے بلکہ وعدہ سے زیادہ، پس ایمان کامل پر روحانی مسرت و قناعت و رضا بالقضا ضرور عطا ہوتا ہے جو ان اشیاء سے بھی فضل و اکمل ہے بلکہ ساری متاع دُنیا اور سب اشیائے مذکورہ کا اصلی مقصد بھی تو دل کا سکون و آرام ہی ہے۔ آگے نوح علیہ السلام کا تتمہ کلام ہے یعنی میں نے ان سے یہ بھی کہا کہ) تم کو کیا ہوا کہ تم اللہ تعالیٰ کی عظمت کے مقتد نہیں ہو حالانکہ (مقتضیات اعتقاد عظمت کے موجود ہیں کہ) اس نے تم کو طرح طرح سے بنایا (کہ عناصر اربعہ سے تمہاری غذا، پھر غذا سے لطفہ اور لطفہ کے بعد علقہ و مُضغہ وغیرہ کی مختلف صورتوں سے گزر کر مکمل انسان بنایا یہ دلیل تو خود انسان کی ذات سے متعلق تھی، آگے دلیل آفاقی فرماتے ہیں کہ) کیا تم کو معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کس طرح سات آسمان اور پتلے پیدا کئے اور ان میں چاند کو نور (کی چیز) بنایا اور سورج کو (مثل) چراغ (روشن کے) بنایا (اور چاند کو سب آسمانوں میں نہیں ہے مگر فیہن باعتبار مجموعہ کے فرمادیا، اور اس کے متعلق کچھ سورہ فرقان میں گزر چکا ہے) اور اللہ تعالیٰ نے تم کو زمین سے ایک خاص طور پر پیدا کیا (یا تو اس طرح کہ حضرت آدم علیہ السلام مٹی سے بنائے گئے اور یا اس طرح کہ انسان لطفہ سے بنا اور لطفہ غذا سے اور غذا عناصر سے بنی اور عناصر میں غالب اجزاء مٹی کے ہیں) پھر تم کو (بعد مرگ) زمین ہی میں پیدا دیگا اور (قیامت میں پھر اسی زمین سے) تم کو باہر لے آویگا اور اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے زمین کو (مثل) فرش (کے) بنایا تاکہ تم اس کے کھلے رستوں میں چلو (یہ تہمت وہ کلام ہے جس کی حکایت نوح علیہ السلام نے حق تعالیٰ سے بطور فریاد کی اور یہ سب حکایت عرض کر کے) نوح (علیہ السلام) نے (یہ) کہا کہ اے میرے پروردگار ان لوگوں نے میرا کہنا نہیں مانا اور ایسے شخصوں کی پیروی کی کہ جن کے مال اور اولاد نے ان کو نقصان ہی زیادہ پہنچایا (مراد ان شخصوں سے رُوسا ہیں جن کا عوام اتباع کیا کرتے ہیں اور مال اور اولاد کا ان رُوسا کو نقصان پہنچانا بایں معنی ہے کہ مال و اولاد سرکشی کا سبب بن گئے) اور (انہوں نے جبکا اتباع کیا ہے وہ ایسے ہیں) جنہوں نے (حق کے مٹانے میں) بڑی بڑی تدبیریں کیں اور جنہوں نے (اپنے تابعین سے یہ) کہا کہ تم اپنے معبودوں کو ہرگز نہ چھوڑنا اور نہ (بالخصوص) وِد کو

اور سواغ کو اور یعقوب کو اور نسر کو چھوڑنا (خصوصیت ان کے ذکر کی اس لئے ہے کہ یہ بُست زیادہ مشہور تھے) اور ان (رئیس) لوگوں نے بہتوں کو (بہکا بہکا کر) گمراہ کر دیا (وہ مکر گباری گمراہ کرنا ہی) اور (چونکہ مجھ کو آپ کے ارشاد لَنْ يُؤْمِنَ مِنْ قَوْمِكَ إِلَّا مَنْ قَدْ آمَنَ سے معلوم ہو گیا کہ یہ اب ایمان نہ لا دیں گے اس لئے یہ بھی دُعا کرتا ہوں کہ) ان ظالموں کی گمراہی اور بڑھاد یجئے (تاکہ یہ لوگ مستحق ہلاکت ہو جائیں، اس سے معلوم ہوا کہ مقصود دعا کرنا زیادہ ضلال کی نہیں بلکہ استحقاق ہلاکت کی ہے اور تحقیق اس دُعا کی سورہ یونس میں قصہ موسیٰ علیہ السلام میں گزری ہے۔ غرض انجام ان لوگوں کا یہ ہوا کہ) اپنے ان ہی گناہوں کے سبب وہ غرق کئے گئے پھر (بعد غرق برزخی یا اُخروی) دوزخ میں داخل کئے گئے اور خدا کے سوا ان کو کچھ حمایتی بھی میسر نہ ہوئے اور نوح (علیہ السلام) نے (یہ بھی) کہا کہ اے میرے پروردگار کافروں میں سے زمین پر ایک باشندہ بھی مت چھوڑ (بلکہ سب کو ہلاک کر دے اور عموم ہلاکت و عموم بعثت کی بحث سورہ صافات میں گزری ہے آگے اس دعا کی علت ہے کیونکہ) اگر آپ ان کو مرنے میں پرہیز دیں گے تو (حسب ارشاد لَنْ يُؤْمِنَ الْاِنْسَانُ) یہ لوگ آپ کے بندوں کو گمراہ کریں گے اور (آگے بھی) ان کے محض فاجر اور کافر ہی اولاد پیدا ہوگی (اور کافروں کے لئے بد دُعا کرنے کے بعد مومنین کے لئے دُعا فرمائی کہ) اے میرے رب مجھ کو اور میرے ماں باپ کو اور جو مومن ہونے کی حالت میں میرے گھر میں داخل ہیں ان کو (یعنی اہل و عیال باستثنائے زوجہ اور کنعائے) اور تمام مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں کو بخش دیجئے اور (چونکہ مقصود مقام میں بد دُعا ہے کافروں کے لئے اور مومنین کے لئے دُعا محض مقابلے کی مناسبت سے ہو گئی تھی اسلئے پھر مضمون بد دعا کی طرف عود ہے جس میں لَا تَزِدِ الظَّالِمِينَ إِلَّا ضَلَالًا کے مقصود کی تفسیر ہے یعنی) ان ظالموں کی ہلاکت اور بڑھاد یجئے (یعنی ان کی نجات کی کوئی صورت نہ رہے ہلاک ہی ہو جاویں، اور یہی مقصود تھا اس دُعا سے کہ ان کی گمراہی بڑھادی جائے اور ظاہراً معلوم ہوتا ہے کہ نوح علیہ السلام کے والدین مومن تھے اور اگر اس کے خلاف ثابت ہو جائے تو والدین سے مراد آباء و اُمہات بعیدہ ہونگے، اول دُعا اپنے نفس کے لئے کی پھر اصول کے لئے پھر اہل و عیال کے لئے پھر عام تابعین کے لئے۔

معارف و مسائل

يُخَفِّرُ لَكُمْ مِنْ ذُنُوبِكُمْ، حرف مِنْ اکثر تبعيض یعنی جزئیت بتلانے کے لئے آتا ہے اگر یہ معنی لئے جاویں تو مطلب یہ ہے کہ ایمان لانے سے تمہارے وہ گناہ معاف ہو جائیں گے جن کا تعلق حقوق اللہ سے ہے کیونکہ حقوق العباد کی معافی کے لئے ایمان لانے کے بعد بھی یہ شرط ہے کہ جو حقوق ادائیگی کے قابل ہیں ان کو ادا کرے جیسے مالی واجبات، اور جو قابل ادائیگی نہیں جیسے زبان یا ہاتھ سے کسی کو ایذا

پہنچائی اُس سے معاف کرائے۔

حدیث میں جو یہ آیا ہے کہ ایمان لانے سے پہلے سب گناہ معاف ہو جاتے ہیں اس میں بھی حقوق العباد کی ادائیگی یا معافی شرط ہے۔ اور بعض مفسرین نے فرمایا کہ حرف مرنِ اس جگہ زائد ہے اور مراد یہ ہے کہ ایمان لانے سے تمہارے سب گناہ معاف ہو جائیں گے مگر دوسری نصوص کی بنا پر شرط مذکور بہر حال ضروری ہے۔

وَيَوْمَ نَحْضُرُكَ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى، اَجَل کے معنی مدت اور مسمیٰ سے مراد متعین کردہ۔ مطلب یہ ہے کہ اگر تم ایمان لے آئے تو اللہ تعالیٰ تمہیں اس مدت تک دنیا میں مہلت دیجو جو تمہارے لئے مقرر اور متعین ہو یعنی مقررہ مدت عمر سے پہلے تمہیں کسی دنیاوی عذاب میں پکڑ کر ہلاک نہ کریگا۔ اسکا حاصل یہ ہوا کہ اگر ایمان نہ لائے تو یہ بھی ممکن ہے کہ مدت مقررہ سے پہلے ہی تمہیں عذاب لا کر ہلاک کر دے۔ معلوم ہوا کہ عمر کی مدت مقررہ میں بعض اوقات کوئی شرط ہوتی ہے کہ اس نے فلاں کام کر لیا تو اس کی عمر مثلاً اتنی سال ہوگی اور نہ کیا تو ساٹھ سال میں موت تسلط کر دی جائے گی یا منفی کاموں میں اللہ کی ناشکری سے عمر گھٹ جانا اور بزرگساری سے عمر بڑھ جانا، اسی طرح بعض اعمال مثلاً والدین کی اطاعت و خدمت سے عمر میں ترقی ہونا جو احادیث صحیحہ سے ثابت ہے اسکا بھی یہی مطلب ہے۔

انسان کی عمر میں کمی زیادتی کی بحث | اس کی تشریح تفسیر مظہری میں یہ ہے کہ تقدیر اور قضائے الہی کی دو قسمیں ہیں ایک مبرم یعنی قطعی، دوسری معلق یعنی جو کسی شرط پر معلق ہو یعنی نوح محفوظ میں اس طرح لکھا جاتا ہے کہ فلاں شخص نے اگر اللہ کی اطاعت کی تو اس کی عمر مثلاً ستر سال ہوگی اور نہ کی تو پچاس سال میں مار دیا جائیگا اس دوسری قسم تقدیر میں شرط نہ پائے جانے پر تبدیلی ہو سکتی ہے۔ قرآن کریم میں ان دونوں قسم کی قضا و تقدیر کا ذکر اس آیت میں ہے تَعْلُو اللّٰهُ مَا يَشَاءُ وَيُعْذِلُكَ اَمَّا الْكِتَابُ یعنی اللہ تعالیٰ نوح محفوظ میں محو و اثبات یعنی ترمیم و تبدیل کرتا رہتا ہے اور اللہ کے پاس ہے اصل کتاب، اصل کتاب سے مراد وہ کتاب ہے جس میں تقدیر مبرم لکھی ہوئی ہے کیونکہ تقدیر معلق میں جو شرط لکھی گئی ہے اللہ تعالیٰ کو پہلے ہی سے یہ بھی معلوم ہے کہ وہ شخص یہ شرط پوری کرے گا یا نہیں، اس لئے تقدیر مبرم میں قطعی فیصلہ لکھا جاتا ہے۔

حضرت سلمان فارسیؓ کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، لا يورث القضاة الا الذماء ولا يزيد في العمر الا البقر رواه الترمذی (منظہری) یعنی قضائے الہی کو کوئی چیز بجز بقرہ کے نہیں روک سکتی اور کسی کی عمر میں زیادتی بجز بقرہ والدین کے نہیں ہو سکتی۔ بر کے معنی اُن کے ساتھ اچھا سلوک ہے اور مطلب اس حدیث کا یہی ہے کہ تقدیر معلق میں ان اعمال کی وجہ سے تبدیلی ہو سکتی ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ اس آیت میں جو اَجَلِ مُّسَمًّى تک مؤخر کرنے کو ان کے ایمان لانے پر موقوف کیا ہے یہ اُن کی عمر کے بارے میں تقدیر معلق کا بیان ہے جسکا اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کو معلوم

عطا فرمادیا ہوگا اسکے سبب سے انھوں نے اپنی قوم کو بتلایا کہ تم ایمان لائے تو جو صلی عمر تمہارے لئے اللہ نے مقرر فرمائی ہے وہاں تک تمہیں مہلت ملے گی اور کسی عذاب دُنیوی کے ذریعہ ہلاک نہ کئے جاؤ گے اور اگر ایمان نہ لائے تو اس صلی عمر سے پہلے ہی خدا تعالیٰ کا عذاب تمہیں ہلاک کر دیجگا اور آخرت کا عذاب اس صورت میں اسکے علاوہ ہوگا۔ آگے یہ بھی بتلادیا کہ ایمان لانے پر بھی ہمیشہ کے لئے موت سے نجات نہیں ہوگی بلکہ تقدیر مُبرّم میں جو تمہاری عمر لکھی ہوئی ہے اُس پر موت آنا ضروری ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت بالغہ سے اس عالم دُنیا کو دائمی نہیں بنایا یہاں کی ہر چیز کو فنا ہونا تقاضائے حکمت ہے اسیں ایمان و اطاعت اور کفر و معصیت سے کچھ فرق نہیں پڑتا۔ اِنَّ اَجَلَ اللّٰهِ اِذَا جَاءَ لَا يُؤَخَّرُ مِیْنِ اسکا بیان ہے آگے حضرت نوح علیہ السلام کا اپنی قوم کی اصلاح و ایمان کے لئے مسلسل مختلف قسم کی کوششوں میں لگے رہنے کا اور قوم کی طرف سے اُن کی مخالفت و تکذیب کا بیان تفصیل سے آیا ہے اور آخر میں مایوس ہو کر بددعا کرنے اور پوری قوم کے عذاب غرق میں مبتلا ہونے کا بیان ہے۔

حضرت ابن عباسؓ سے منقول ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کو چالیس سال کی عمر میں نبوت عطا ہوئی اور قرآنی تصریح کی مطابق انکی عمر پچاس کم ایک ہزار سال ہوگی، اس پوری مدت دراز میں نہ کبھی اپنی کوشش کو چھوڑا نہ کبھی مایوس ہوئے قوم کی طرف سے طح طح کی اندائیں دی گئیں سب پر صبر کرتے رہے۔

بروایت صحاح حضرت ابن عباسؓ سے منقول ہے کہ ان کی قوم ان کو اتنا مارتی کہ وہ گر جاتے تو انکو ایک کنبل میں پیٹ کر مکان میں ڈال دیتے تھے اور یہ سمجھتے تھے یہ مر گئے، مگر پھر جب اگلے روز ان کو ہوش آتا تو اُن کو اللہ کی طرف بلاتے اور تبلیغ کے عمل میں لگ جاتے۔ محمد بن اسحقؒ نے عبید بن عمرؒ دیشی سے روایت کیا کہ ان کو یہ خبر پہنچی ہے کہ نوح علیہ السلام کی قوم ان کا گلا گھونٹ دیتی تھی جس سے وہ بیہوش ہو جاتے اور جب ہوش آتا تو یہ دعا کرتے تھے رَبِّ اغْفِرْ لِقَوْمِیْ اِنَّہُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ۔ اے میرے پروردگار، میری قوم کو معاف کر دے کیونکہ وہ جانتے نہیں۔ انکی ایک نسل کے ایمان لانے سے مایوسی ہوئی تو یہ اُمید رکھتے تھے کہ انکی اولاد میں کوئی ایمان لے آئیگا وہ نسل بھی گزر جاتی تو تیسری نسل سے یہی توقع لگا کر اپنے فرض منصبی میں مشغول رہتے کیونکہ ان نسلوں کی عمریں اتنی طویل نہ تھیں جتنی حضرت نوح علیہ السلام کو بطور معجزہ عطا ہوئی تھی، جب ان کی نسل پر نسل گزرتی رہی اور ہر آنیوالی نسل پچھلی سے زیادہ شریر اور بدتر ثابت ہوئی تو حضرت نوح علیہ السلام نے بارگاہ رب العزت میں اپنا شکوہ پیش فرمایا جس میں بتلایا کہ میں نے ان کو رات دن اجتماعاً و افراداً، علانیہ اور خفیہ جو جو طریقہ کسی کو راستہ پر لایکا ہو سکتا ہے وہ سب اختیار کیا، کبھی اللہ کے عذاب سے ڈرایا، کبھی جنتوں کی نعمتوں کی ترغیب دلائی اور یہ بھی کہ ایمان اور عمل صالح کی برکت سے تمہیں دُنیا میں بھی فراخی اور خوشحالی نصیب ہوگی۔ کبھی اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کی نشانیوں کو پیش کر کے سمجھایا مگر انھوں نے ایک سنی، دوسری طرف حق تعالیٰ نے انکو یہی بتلادیا کہ آپکی پوری قوم میں جو ایمان لاتا تھا

لے آیا آگے انہیں کوئی ایمان قبول نہ کر سکا اِنَّا لَنُؤْمِنُ مِنْ قَوْمِكَ إِلَّا مَنْ قَدْ آمَنَ کا یہی مطلب ہے
 اُس وقت حضرت نوح علیہ السلام کی زبان پر بددعا کے کلمات آئے جس کا آگے ذکر کیا گیا جس کے نتیجے میں
 پوری قوم غرق و ہلاک ہو گئی۔ بحرِ مومنین کے جن کو ایک کشتی میں سوار کر لیا گیا تھا قوم کی فہاش کے سلسلہ
 میں نوح علیہ السلام نے ان کو اللہ تعالیٰ سے استغفار کرنے یعنی ایمان لا کر بچلے گناہوں کی معافی مانگنے کی
 دعوت دی اور اس کا دنیاوی نفع یہ بتلایا کہ يُرْسِلِ السَّمَاءَ عَلَيْكُمْ مِدْرَارًا وَيُمْدِدْكُمْ بِأَمْوَالٍ وَبَنِينَ
 اس سے اکثر علماء نے استدلال کیا ہے کہ گناہوں سے توبہ استغفار سے اللہ تعالیٰ بارش حسبِ موقع برسا دیتے ہیں
 قحط نہیں پڑنے دیتے اور مال و اولاد میں استغفار سے برکت ہوتی ہے کہیں کسی حکمتِ الہیہ کے تقاضے سے
 اسکے خلاف بھی ہوتا ہے مگر عادۃ اللہ عام لوگوں کے ساتھ ہی ہے کہ توبہ استغفار اور ترکِ معصیت سے دنیا
 کی بلائیں بھی ٹل جاتی ہیں۔ روایاتِ حدیث سے بھی اسکی تائید ہوتی ہے اَلَمْ تَرَ اَکَيْفَ خَلَقَ اللّٰهُ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ
 طِبَاقًا وَجَعَلَ الْقَمَرَ فِيْهِمْ نُوْرًا، اس آیت میں دلائل توحید و قدرت کے سلسلے میں سات آسمانوں
 کا طبق بر طبق ہونا اور پھر ان میں قمر کا نور ہونا ارشاد ہوا ہے جس میں نطقِ فیہن سے ظاہر ہے سمجھا جاتا ہے
 کہ چاند آسمانوں کے جرم کے اندر داخل ہے آجکل کی نئی تحقیقات و مشاہدات سے اس کے خلاف یہ مفہوم
 ہوتا ہے کہ چاند آسمانوں سے بہت نیچے فضا کے آسمانی میں ہے جس کو آجکل خلا کہا جاتا ہے اس کی مفصل
 تحقیق سورۃ فرقان کی آیت جَعَلَ فِي السَّمَاءِ بُرُوجًا وَجَعَلَ فِيْهَا سِرَاجًا وَقَمَرًا مُنِيرًا کی تفسیر میں گزر چکی ہے۔
 اس کو دیکھ لیا جائے۔ قوم کے شکوہ کے سلسلہ میں فرمایا وَفَكَرُوا مَكْرًا كَبَرًا کبار اکبر کا مبالغہ ہے جس کے معنی
 بہت بڑے کے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ انھوں نے بہت بڑا مکر کیا وہ یہ تھا کہ خود تو تکذیب کر کے ایذا میں
 پہنچاتے ہی تھے بستی کے غم و اُن شرروں کو بھی ان کے پیچھے ڈال دیتے تھے۔ اسی شکوہ میں کفار کا یہ قول نقل فرمایا
 کہ انھوں نے باہم معاہدہ کیا کہ لَا تَدْرُسْنَ وَلَا تَدْرُسْنَ وَلَا تَدْرُسْنَ وَلَا تَدْرُسْنَ وَلَا تَدْرُسْنَ وَلَا تَدْرُسْنَ وَلَا تَدْرُسْنَ
 کو خصوصاً ان پانچ بڑے بتوں کی عبادت کو نہ چھوڑ دینے پانچ نام ہیں پانچ بتوں کے۔

امام بغوی نے نقل کیا ہے کہ یہ پانچوں دراصل اللہ کے نیک صالح بندے تھے جو آدم علیہ السلام اور نوح
 کے درمیانی زمانے میں گزرے تھے اُن کے بہت سے لوگ معتقد اور متبع تھے ان لوگوں نے ان کی وفات کے
 بعد بھی ایک عرصہ دراز تک انھیں کے نقش قدم پر عبادت اور اللہ کے احکام کی اطاعت جاری رکھی۔
 کچھ عرصہ کے بعد شیطان نے ان کو سمجھایا کہ تم اپنے جن بزرگوں کے تابع عبادت کرتے ہو اگر ان کی تصویریں
 بنا کر سامنے رکھا کرو تو تمہاری عبادت بڑی مکمل ہو جائے گی خشوع و خضوع حاصل ہوگا۔ یہ لوگ اس
 فریب میں آ گئے ان کے مجتہد بنا کر عبادت گاہ میں رکھنے اور ان کو دیکھ کر بزرگوں کی یاد تازہ ہو جانیہ ایک
 خاص کیفیت محسوس کرنے لگے یہاں تک کہ اسی حال میں یہ لوگ سب یکے بعد دیگرے مر گئے اور بالکل نئی
 نسل نے ان کی جگہ لے لی تو شیطان نے ان کو یہ پڑھایا کہ تمہارے بزرگوں کے خدا اور معبود بھی بت تھے وہ

انہیں کی عبادت کیا کرتے تھے یہاں سے بُت پرستی شروع ہو گئی اور ان پانچ بتوں کی عظمت ان کے دلوں میں چونکہ رب سے زیادہ بیٹھی ہوئی تھی اس لئے باہمی معاہدے میں ان کا نام خاص طور سے لیا گیا۔

وَلَا تَزِدِ الظَّالِمِينَ إِلَّا ضَلَالًا، یعنی ان ظالموں کی گمراہی اور بڑھاد یکجہے۔ یہاں یہ شبہ نہ کیا جائے کہ انبیاء علیہم السلام کا فرض منصبی قوم کو ہدایت کرنا ہے۔ نوح علیہ السلام نے اُن کی گمراہی کی بددعا کیسے کی کیونکہ حقیقت یہ ہے کہ نوح علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے اسکی تو خبر دیدی تھی کہ اب انہیں کوئی مسلمان نہیں ہوگا اسلئے ان کا گمراہی اور کفر پر مرنا تو یقینی تھا حضرت نوح علیہ السلام نے ان کی گمراہی بڑھادینے کی دعا اسلئے فرمائی کہ جلد ان کا پیمانہ لبریز ہو جائے اور ہلاک کر دیے جائیں۔

وَمَا خَطِئْتُهُمْ أَغْرَقُوا فَأَوْدُخُوا نَارًا، یعنی یہ لوگ اپنی خطاؤں کفر و سرک کی وجہ سے پانی میں غرق کئے گئے تو یہ آگ میں داخل ہو گئے۔ یہ متضاد عذاب کہ ڈوبے پانی میں اور نکلے آگ میں، حق تعالیٰ کی قدرت سے کیا بعید ہے اور ظاہر ہے کہ یہاں جہنم کی آگ تو مراد نہیں کیونکہ اس میں داخلہ توقیامت کے حساب کتاب کے بعد ہوگا یہ برزخی آگ ہے جس میں داخل ہونے کی قرآن کریم نے خبر دی ہے۔

عذاب قبر قرآن سے ثابت ہے | اس آیت سے معلوم ہوا کہ عالم برزخ یعنی قبر میں رہنے کے زمانے میں بھی مردوں پر عذاب ہوگا۔ اس سے یہ بھی ظاہر ہے کہ جب قبر میں بد عمل کو عذاب ہوگا تو نیک عمل والوں کو ثواب اور نعمت بھی ملے گی۔ احادیث صحیحہ متواترہ میں قبر کے اندر عذاب و ثواب ہونیکا بیان اس کثرت اور وضاحت سے آیا ہے کہ انکار نہیں کیا جاسکتا اسلئے اس پر اُمت کا اجماع اور اسکا اقرار اہل سنت والجماعت کی علامت ہے

تَمَّتْ سُورَةُ نُوحٍ بِحَمْدِ اللَّهِ لِيَكُنَّ الْآرِبَاءُ رَجَبًا ۖ

سُورَةُ الْجِنِّ

سُورَةُ الْجِنِّ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ ثَمَانِيَةٌ وَعِشْرُونَ آيَةً وَفِيهَا رُكُوعَانِ
سورہ جن مکہ میں نازل ہوئی اور اسکی اٹھائیس آیتیں ہیں اور دو رکوع

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

قُلْ أَوْحَىٰ إِلَيَّ أَنَّهُ اسْمِعْ تَقَرُّمَنِ الْجِنِّ فَقَالُوا إِنَّا سَمِعْنَا قُرْآنًا عَجَبًا ۝

تو کہہ مجھ کو حکم آیا کہ سن گئے کتنے لوگ جنوں کے پھر کہنے لگے ہم نے سنا ہے ایک قرآن عجیب
يَهْدِي إِلَى الرُّشْدِ فَآمَنَّا بِهِ وَلَنْ نُشْرِكَ بِرَبِّنَا أَحَدًا ۝ وَأَنَّهُ تَعَلَّى جَدُّ

کہ سُنھاتا ہے نیک راہ سو ہم اُس پر یقین لائے اور ہرگز نہ شریک بتلائیں گے ہم اپنے رب کا کسی کو اور یہ کہ ادب بخانی ہے شان پروردگار
رَبِّنَا مَا اتَّخَذَ صَاحِبَةً وَلَا وَلَدًا ۝ وَأَنَّهُ كَانَ يَفْقُولُ سَفِيهِنَا عَلَى اللَّهِ

رب کی نہیں رکھی اُس نے جو رو نہ بیٹا اور یہ کہ ہم میں کا بیوقوف اللہ پر بڑھا کر
شَطَطًا ۝ وَأَنَّا ظَنَنَّا أَن لَّنْ نَقُولَ الْإِنسَ وَالْجِنُّ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا ۝ وَأَنَّهُ

بائیں کہا کرتا تھا اور یہ کہ ہم کو خیال تھا کہ ہرگز نہ بولیں گے آدمی اور جن اللہ پر جھوٹ اور یہ کہ
كَانَ رِجَالٌ مِّنَ الْإِنسِ يَعُوذُونَ بِرِجَالٍ مِّنَ الْجِنِّ فَزَادُوهُمْ رَهَقًا ۝

تھے کتنے مرد آدمیوں میں کے پناہ پکڑتے تھے کتنے مردوں کی جنوں میں کے پھر تو وہ اور زیادہ سر چڑھنے لگے
وَأَنَّهُمْ ظَنُّوا كَمَا ظَنَنْتُمْ أَن لَّنْ يَبْعَثَ اللَّهُ أَحَدًا ۝ وَأَنَّا لَمَسْنَا السَّمَاءَ

اور یہ کہ اُن کو بھی خیال تھا جیسا تم کو خیال تھا کہ ہرگز نہ اُٹھائے گا اللہ کسی کو اور یہ کہ ہم نے ٹٹول دیکھا آسمان کو
فَوَجَدْنَا مُلْمَأَتًا سَرَسًا شِدِيدًا وَشَهَبًا ۝ وَأَنَّا كُنَّا نَقْعُدُ مِنْهَا مَقَاعِدَ

پھر پایا اس کو بھر رہے ہیں اُس میں چوکیدار سخت اور انگارے اور یہ کہ ہم بیٹھا کرتے تھے ٹھکانوں میں
لِلسَّمْعِ ۚ فَمَنْ يَسْمِعِ الْإِنسَ يَحْدِثْ لَهُ شَهَابًا رَّصَدًا ۝ وَأَنَّا لَا نَدْرِي أَشَرُّ

سننے کے واسطے پھر جو کوئی اب سننا چاہے وہ پائے اپنے واسطے ایک انگار اگھات میں اور یہ کہ ہم نہیں جانتے کہ بُرا
أَرِيدُ بِمَنْ فِي الْأَرْضِ أَمْ أَرَادَهُمْ رَبُّهُمْ رَشَدًا ۝ وَأَنَّا مِنَّا الصَّالِحُونَ وَ

ارادہ ٹھہرا ہے زمین کے رہنے والوں پر یا چاہا ہے اُن کے حق میں انکے رب نے راہ پر لانا اور یہ کہ کوئی ہم میں نیک نہیں اور

مِنَادُونَ ذٰلِكَ كُنَّا طَرِيقَ قَدَدًا ۝۱۱ وَ اَنَّا ظَنَنَّا اَنْ لَّنْ نَعْجِزَ اللّٰهَ فِي

کوئی اس کے سوائے ہم تھے کئی راہ پر پھٹے ہوئے اور یہ کہ ہمارے خیال میں آگیا کہ ہم چھپ نہ جائیں گے اللہ سے

الْاَرْضِ وَلَنْ نَعْجِزَهُ هَرَبًا ۝۱۲ وَ اَنَّا لَمَّا سَمِعْنَا الْهُدٰى اَمْتَابِهٖ فَمَنْ

زمین میں اور نہ تھکا دیں گے اس کو بھاگ کر اور یہ کہ جب ہم نے سن لی راہ کی بات تو ہم نے اس کو مان لیا پھر جو کوئی

يُوْءٍ مِنْ رَّبِّهِ فَلَا يَخَافُ بَخْسًا وَّلَا رَهَقًا ۝۱۳ وَ اَنَّا مِمَّا الْمُسْلِمُونَ وَ

یقین لائے گا اپنے رب پر سودہ نہ ڈرے گا نقصان سے اور نہ زبردستی سے اور یہ کہ کچھ ہم میں حکم دار ہیں اور

مِمَّا الْقٰسِطُونَ فَمَنْ اَسْلَمَ فَاُولٰٓئِكَ تَحَرَّوْا رَشَدًا ۝۱۴ وَ اَمَّا الْقٰسِطُونَ

کچھ ہیں بے انصاف سو جو لوگ حکم میں آگئے سو انھوں نے اُٹھ کر لیا نیک راہ کو اور جو بے انصاف ہیں

فَكَانُوا لِحَبْلِهِمْ حَطْبًا ۝۱۵ وَ اَنْ لَّوِ اسْتَقَامُوا عَلٰى لَطْرِيقَتِهٖ لَاسْقَيْنَهُمْ

وہ ہوئے دوزخ کے ایندھن اور یہ حکم آیا کہ اگر لوگ سیدھے رہتے راہ پر تو ہم پلاتے ان کو

مَآءً غَدَقًا ۝۱۶ لِنَفْتِنَهُمْ فِيْهِ وَ مَنْ يُعْرِضْ عَنْ ذِكْرِ رَبِّهِ يَسْلُكْهُ عَذَابًا

پانی بھر کر تاکہ ان کو جانیں اسیں اور جو کوئی منحرف ہوئے اپنے رب کی یاد سے وہ ڈال دیا اس کو چڑھتے

صَعْدًا ۝۱۷ وَ اَنَّ الْمَسْجِدَ لِلّٰهِ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا ۝۱۸ وَ اَنَّ

عذاب میں اور یہ کہ مسجدیں اللہ کی یاد کی واسطے ہیں سو مت پکارو اللہ کے ساتھ کسی کو اور یہ کہ

لَمَّا قَامَ عَبْدُ اللّٰهِ يَدْعُوْهُ كَادُوْا يَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِ لَبَدًا ۝۱۹ قُلْ اِيْمَا

جب کھڑا ہوا اللہ کا بندہ کہ اس کو پکارے لوگوں کا بندھنے لگتا ہے اس پر ٹھٹھہ تو کہہ میں تو

ادْعُوْا رَبِّيْ وَلَا اُشْرِكُ بِهٖ اَحَدًا ۝۲۰ قُلْ اِنِّيْ لَا اَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّ

پکارتا ہوں میں اپنے رب کو اور شریک نہیں کرتا اس کا کسی کو تو کہہ میرے اختیار میں نہیں تمھارا بُرا اور

لَا رَشَدًا ۝۲۱ قُلْ اِنِّيْ لَنْ يُخَيِّرَنِيْ مِنَ اللّٰهِ اَحَدٌ ۝۲۲ وَ لَنْ اَجِدَ مِنْ

نہ راہ پر لانا تو کہہ مجھ کو نہ بچائے گا اللہ کے ہاتھ سے کوئی اور نہ پاؤں گا اس کے سوائے

دُوْنِهٖ مُلْتَحَدًا ۝۲۳ اِلَّا بَلَاغًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِسٰلَتُهٗ وَ مَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَ

کہیں سرک رہنے کو جگہ مگر پہنچانا ہے اللہ کی طرف سے اور اسکے پیغام لانے اور جو کوئی حکم نہ ملے اللہ کا اور

رَسُوْلَهٗ فَاِنَّ لَهُ نَارَ جَهَنَّمَ خٰلِيْنَ فِيْهَا اَبَدًا ۝۲۴ حَتّٰى اِذَا رَاوُا

اس کے رسول کا سوا اسکے لئے آگ ہے دوزخ کی رہا کریں اسیں ہمیشہ یہاں تک کہ جب دیکھیں گے

مَا يُوْعَدُوْنَ فَسَيَعْلَمُوْنَ مَنْ اَضْعَفُ نَاصِرًا وَّاَقْلُ عُدَدًا ۝۲۵ قُلْ

جو کچھ ان سے وعدہ ہوا تب جان لیں گے کس کے مددگار کمزور ہیں اور کتنی میں تھوڑے تو کہہ

اِنْ اَدْرِىْ اَقْرَبُ مَا تُوْعَدُوْنَ اَمْ يَجْعَلُ لَهٗ رَبِّيْ اَمَدًا ۝۲۶ عَلِمُ الْغَيْبِ

میں نہیں جانتا کہ نزدیک ہے جس چیز کا تم سے وعدہ ہوا ہے یا کرے اس کو میرا رب ایک مدت کے بعد جاننے والا جمید کا

فَلَا يُظْهِرُ عَلَىٰ غَيْبِهِ أَحَدًا ۖ إِلَّا مَن ارْتَضَىٰ مِن رَّسُولٍ فَإِنَّهُ يَسْلُكُ

سو نہیں خبر دیتا اپنے بھید کی کسی کو مگر جو پسند کر لیا کسی رسول کو تو وہ چلاتا ہے

مِن بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِن خَلْفِهِ رَصَدًا ۖ لِّيَعْلَمَ أَن قَدْ أَبْلَغُوا رِسَالَتِي

اُس کے آگے اور پیچھے چوکیدار تاکہ جانے کہ انھوں نے پہنچائے پیغام

رَزَّهُمْ وَاحِاطَ بِمَا لَدَيْهِمْ وَأَحْصَىٰ كُلَّ شَيْءٍ عَدَدًا ۚ

اپنے رب کے اور قابو میں رکھا ہے جو اُن کے پاس ہے اور گن لی ہے ہر چیز کی گنتی

خلاصہ تفسیر

شان نزول تفسیر آیات سے پہلے چند واقعات جاننے کے قابل ہیں جن کی ضرورت تفسیر میں پیش آوے گی۔ واقعہ اول، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے شیاطین آسمان تک پہنچ کر فرشتوں کی باتیں سُننے تھے، آپ کی بعثت کے بعد اُن کو شہاب ثاقب کے ذریعہ اس سُننے سے روک دیا گیا اور اسی حادثہ کی تحقیق کے ضمن میں یہ جنات آپ تک پہنچے جیسا کہ سورہ احقاف میں گذرا۔ واقعہ دوم، زمانہ جاہلیت میں عادت تھی کہ جب کسی جنگل یا وادی میں دورانِ سفر قیام کی نوبت آتی تو اس اعتقاد سے کہ جنات کے سردار ہماری حفاظت کریں گے یہ الفاظ کہا کرتے تھے اَعُوذُ بِعَزِيزِ هَذَا الْوَادِي مِنْ شَرِّ سَفَهَاءِ قَوْمٍ یعنی میں اس جنگل کے سردار کی پناہ لیتا ہوں اُس کی قوم کے بیوقوف شریر لوگوں سے۔ واقعہ سوم، مکہ مکرمہ میں آپ کی بددعا سے قحط پڑا تھا اور کئی سال تک رہا۔ واقعہ چہارم، جب آپ نے دعوتِ اسلام شروع کی تو کفار مخالفین کا آپ کے خلاف ہجوم اور زور بڑھا۔ پہلے دو واقعے تفسیر درمنثور سے اور آخری دو تفسیر ابن کثیر سے لئے گئے ہیں۔

آپ (ان لوگوں سے) کہئے کہ میرے پاس اس بات کی وحی آئی ہے کہ جنات میں سے ایک جماعت نے قرآن سنا پھر (اپنی قوم میں واپس جا کر) انہوں نے کہا کہ ہم نے ایک عجیب قرآن سنا ہے جو راہِ راست بتلاتا ہے سو ہم تو اس پر ایمان لے آئے (قرآن ہونا تو اُس کے مضمون سے معلوم ہوا اور عجیب ہونا اس سے کہ مشابہ کلامِ بشر کے نہیں) اور ہم (اب) اپنے رب کے ساتھ کسی کو ہرگز شریک نہ بنائیں گے (یہ بیان ہے آمتابہ کا) اور (انہوں نے ان مضامین کا بھی باہم تذکرہ کیا جو ذیل میں آئے ہیں اور وہ مضامین یہ ہیں کہ) ہمارے پروردگار کی بڑی شان ہے اُس نے نہ کسی کو بیوی بنایا اور نہ اولاد (کیونکہ ایسا ہونا عقلاً محال ہے۔ یہ بیان ہے لن ندرک کا) اور ہم میں جو احمق ہوئے ہیں وہ اللہ کی شان میں حد سے بڑھی ہوئی باتیں کہتے تھے (مُراد اس سے کلماتِ شرک بیوی اور اولاد کا اثبات وغیرہ ہیں) اور ہمارا (پہلے) یہ خیال تھا کہ انسان اور جنات کبھی خدا کی شان میں جھوٹ بات نہ کہیں گے (کیونکہ بڑی بے باکی کی

بات ہے اس میں وجہ اپنے مُشرک ہونے کی بیان کی کہ چونکہ اکثر جن و انس شرک کرتے تھے ہم سمجھے کہ خدا کی شان میں اتنے شخصوں نے جھوٹ پر اتفاق نہ کیا ہوگا۔ بس ہم نے بھی اسی طریقہ کو اختیار کر لیا حالانکہ نہ مطلق لوگوں کا اتفاق کوئی دلیل حقاقت ہے اور نہ ہر اتفاق کا اتباع عُذر ہے اور یہ شرک مذکور تو مُشرک تھا) اور (ایک شرک خاص تھا بعض آدمیوں کے ساتھ جس سے جنات کا کُفر اور بڑھ گیا تھا وہ یہ کہ) بہت سے لوگ آدمیوں میں سے ایسے تھے کہ وہ جنات میں سے بعضے لوگوں کی پناہ لیا کرتے تھے، سو اُن آدمیوں نے اُن جنات کی بددماغی اور بڑھادی (کہ وہ اس دہم میں مبتلا ہو گئے کہ ہم جنات کے سردار تو پہلے سے تھے اب آدمی بھی ہم کو ایسا بڑا سمجھتے ہیں بس اس سے بددماغی بڑھی اور کُفر و عناد پر اور زیادہ مہر ہو گئے۔ یہاں تک مضمون متعلق توحید کے تھا) اور (آگے بعثت یعنی قیامت کے متعلق ہے یعنی ان جنات نے باہم یہ بھی تذکرہ کیا کہ) جیسا تم نے خیال کر رکھا تھا ویسا ہی آدمیوں نے بھی خیال کر رکھا تھا کہ اللہ تعالیٰ کسی کو دوبارہ زندہ نہ کرے گا (مگر یہ مضمون بھی غلط ثابت ہوا اور بعثت کا حق ہونا معلوم ہوا) اور (آگے رسالت کے متعلق مضمون ہے، یعنی ان جنات نے باہم یہ بھی تذکرہ کیا کہ) ہم نے آسمان (کی خبروں) کی (موافق عادت سابقہ کے) تلاشی لینا چاہا سو ہم نے اُس کو سخت پہرہ (یعنی محافظ فرشتوں) اور شعلوں سے (کرجن کے ذریعہ سے حفاظت کی جاتی ہے) بھرا ہوا پایا (یعنی اب پہرہ ہو گیا کہ کوئی جن آسمانی خبر نہ لیجائے پائے اور جو بادے شہاب ثاقب سے مارا جائے) اور (اس کے قبل) ہم آسمان (کی خبر سننے) کے موقعوں میں (خبر) سننے کے لئے جا بیٹھا کرتے تھے (اور یہ مواقع خواہ اجزاء آسمان ہی کے ہوں اور یا اجزاء ہوا یا کسی ملاریا خلا کے ہوں جو کہ آسمان کے قریب ہوں اور جنات اپنی لطافت اور عدم ثقل کی وجہ سے اُس پر مستقر ہو سکتے ہوں جیسے بعض پرندے ہوا میں چلتے چلتے ٹھہر جاتے ہیں) سو جو کوئی اب سُنا چاہتا ہے تو اپنے لئے ایک تیار شعلہ پاتا ہے (اور تحقیق مباحث شہاب کی سورۃ حجر کے رکوع دوم میں گذری ہے۔ یہ مضمون رسالت کے متعلق ہے۔ مطلب یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے رسالت دی ہے اور دفع التباس کے لئے باب کہانت بند کر دیا ہے اور اس استراق یعنی خبروں کی چوری کا بند ہونا ہی سبب ہوا ان جنات کے پیچھے کا آپ کی خدمت میں، جیسا واقعہ اول میں مذکور ہے) اور (آگے مضامین مذکور کے متمات ہیں کہ) ہم نہیں جانتے کہ (ان ہدیدی پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے مبعوث فرمانے سے) زمین والوں کو کوئی تکلیف پہنچانا مقصود ہے یا اُن کے رب نے اُن کو ہدایت کرنے کا قصد فرمایا ہے (یعنی مقصود تکوینی ارسالِ رسل کا معلوم نہیں کیونکہ رسول کے اتباع سے رشد و ہدایت ہوتی ہے اور مخالفت سے مضرت و عقوبت اور اتباع اور مخالفت آئندہ کا ہم کو علم نہیں اس لئے ہم یہ نہیں جانتے کہ ان کے بھیجنے سے قوم کو سزا دینا مقصود ہے یا ہدایت دینا، شاید یہ اس لئے کہا کہ ان کو اپنی قوم کا انداز تھا کہ ایمان لانے والے کم ہوں گے اور وہ سزا کے مستحق ہو جائیں گے و نیز نفی علم غیب سے تقویت ہے مضمون توحید کی کہ دیکھو بعضے لوگ علم غیب کو جنات کی طرف نسبت کرتے ہیں مگر اُن کو اتنی بھی خبر نہیں) اور ہم میں (پہلے سے بھی) بعضے نیک (ہوتے آئے) ہیں اور بعضے اور طرح کے (ہوتے)

آئے ہیں (غرض) ہم مختلف طریقوں پر تھے (اسی طرح ان نبی کی خبر سن کر اب بھی ہم میں دونوں طریقے کے لوگ موجود ہیں) اور (ہمارا طریقہ تو یہ ہے کہ) ہم نے سمجھ لیا ہے کہ ہم زمین (کے کسی حصہ) میں (جا کر) اللہ تعالیٰ کو ہرا نہیں سکتے اور نہ (اور کہیں) بھاگ کر اُس کو ہرا سکتے ہیں (بھاگنے سے مراد زمین کے علاوہ آسمان وغیرہ میں بھاگ جانا ہے جو فی الارض کے مقابلہ سے معلوم ہوتا ہے) فہو قولہ تعالیٰ مَا أَنْتُمْ بِمُعْجِزِينَ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ شا۔ اس سے بھی مقصود انذار ہو کہ اگر کفر کریں گے تو خدا تعالیٰ کے عذاب سے بچ نہیں سکتے اور اپنے پہلے مختلف طریقوں کے بیان کرنے سے شاید یہ مقصود ہو کہ باوجود حق کے واضح ہو جانے کے بعض کا ایمان نہ لانا حق کے حق ہونے میں کوئی شبہ پیدا نہیں کر سکتا کیونکہ یہ تو ہمیشہ سے ہوتا آیا ہے) اور ہم نے جب ہدایت کی بات سُن لی تو ہم نے تو اُس کا یقین کر لیا سو (ہماری طرح) شخص اپنے رب پر ایمان لے آوے گا تو اُس کو نہ کسی کمی کا اندیشہ ہوگا اور نہ زیادتی کا (کمی یہ کہ اُس کی کوئی نیکی لکھنے سے رہ جائے اور زیادتی یہ کہ کوئی گناہ زیادہ لکھ لیا جاوے شاید مقصود اس سے ترغیب ہو) اور ہم میں بعضے تو (یہی مضامین انذار و ترغیب کو سمجھ کر) مسلمان (ہو گئے) ہیں اور بعضے ہم میں (بدستور سابق) بے راہ ہیں سو جو شخص مسلمان ہو گیا انہوں نے تو بھلائی کا راستہ ڈھونڈ لیا (جس پر ثواب مرتب ہوگا) اور جو بے راہ ہیں وہ دوزخ کے ایندھن ہیں (یہاں تک کلام جنات کا ختم ہو گیا جو معمول ہے قائلو کا) اور (آگے اُدھی رات کے دوسرے معمولات ہیں یعنی مجھ کو ان مضامین کی بھی وحی ہوئی ہے ایک یہ کہ) اگر یہ (مکہ والے) لوگ (سیدھے) رستے پر قائم ہو جاتے تو ہم اُن کو فراغت کے پانی سے سیراب کرتے تاکہ اس میں اُن کا امتحان کریں (کہ نعمت کا شکر ادا کرتے ہیں یا ناشکری و نافرمانی کرتے ہیں، مطلب یہ کہ اگر اہل مکہ شرک نہ کرتے جس کی مذمت اور پرہیز کلام جنات آپکی ہے تو اُن پر قحط مسلط نہ ہوتا جیسا واقعہ ثلاثہ میں مذکور ہے مگر انہوں نے بجائے ایمان کے اعراض کیا اس لئے مُبتلائے قحط ہوئے) اور (عقوبت کفر میں کچھ تخصیص اہل مکہ کی نہیں بلکہ) جو شخص اپنے پروردگار کی یاد (یعنی ایمان و اطاعت) سے روگردانی کرے گا اللہ تعالیٰ اُس کو سخت عذاب میں داخل کرے گا اور (ان وحی شدہ مضامین میں سے ایک یہ ہے کہ) جتنے سجدے ہیں وہ سب اللہ کا حق ہے (یعنی یہ جائز نہیں کہ کوئی سجدہ اللہ کو کیا جاوے اور کوئی سجدہ غیر اللہ کو جیسا مشرکین کرتے تھے) سو اللہ کے ساتھ کسی کی عبادت مت کرو (اس مضمون میں بھی توحید کی تقریر ہے جس کا اوپر ذکر تھا) اور (ان وحی شدہ مضامین میں سے ایک یہ ہے کہ) جب خدا کا خاص بندہ (مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں) خدا کی عبادت کرنے کھڑا ہوتا ہے تو یہ (کافر) لوگ اس بندہ پر بھیڑ لگانے کو ہو جاتے ہیں (یعنی تعجب و عداوت سے ہر شخص اس طرح دیکھتا ہے جیسے اب حملہ کرنے کے لئے بھیڑ لگا چاہتی ہے یہ بھی تتمہ ہے مضمون توحید کا کیونکہ اس میں مذمت ہے مشرکین کی کہ توحید سے ان کو عداوت اور نفرت ہے آگے اس تعجب

اور عداوت کے متعلق جواب دینے کے لئے آپ کو ارشاد ہے یعنی) آپ (ان سے) یہ کہہ دیجئے کہ میں تو صرف اپنے پروردگار کی عبادت کرتا ہوں اور اُس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتا (سو یہ کوئی تعجب اور عداوت کی بات نہیں یہ سب مضمون متعلق توحید تھا آگے رسالت کے متعلق مضمون ہے کہ) آپ (یہ بھی) کہہ دیجئے کہ میں تمہارے نہ کسی ضرر کا اختیار رکھتا ہوں اور نہ کسی بھلائی کا (یعنی تم جو ایسی فرمائشیں کرتے ہو کہ اگر آپ رسول ہیں تو ہم پر عذاب نازل کر دیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ میرے اختیار میں نہیں اور اسی طرح جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ ایک طرح ہم آپ کو رسول مان لیں کہ آپ مضامین توحید و قرآن میں کچھ تغیر و تبدل کر دیں تو اس کے جواب میں) آپ کہہ دیجئے کہ (اگر خدا نخواستہ میں ایسا کروں تو) مجھ کو خدا (کے غضب) سے کوئی نہیں بچا سکتا اور نہ میں اُس کے سوا کوئی پناہ (کی جگہ) پاسکتا ہوں (مطلب یہ کہ نہ خود کوئی میرا بچانے والا ہوگا اور نہ میری تلاش سے مل سکے گا اور کفار کے ایسے اقوال استعجال عذاب استبدال قرآن و دین کے قرآن میں جا بجا مذکور ہیں۔ اور اوپر لَا أَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَلَا رَشَدًا میں نفی اختیار نفع و ضرر کی فرمائی آگے اثبات منصب رسالت کا فرماتے ہیں کہ ضرر و نفع کا مالک ہونا تو لازمہ نبوت نہیں وہ تو منفی ہے) لیکن خدا کی طرف سے پہنچانا اور اُس کے پیغاموں کا ادا کرنا یہ میرا کام ہے اور (آگے توحید و رسالت دونوں کے متعلق مضمون ہے کہ) جو لوگ اللہ اور اُس کے رسول کا کہنا نہیں مانتے تو یقیناً اُن لوگوں کے لئے آتش دوزخ ہے جس میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے (مگر کفار اس وقت ان مضامین سے متاثر نہیں ہوتے بلکہ اُلٹ مسلمانوں کو ذلیل و حقیر سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں آتٰی الْفَرِیْقَیْنِ خَیْرٌ مَّقَامًا وَاَحْسَنُ نَدَبًا اور یہ اس جہالت سے باز نہ آویں گے) یہاں تک کہ جب اُس چیز کو دیکھ لیں گے جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا ہے اُس وقت جانیں گے کہ کس کے مددگار کمزور ہیں اور کس کی جماعت کم ہے (یعنی کافر ہی ایسے ہوں گے جن کے کوئی کام نہ آوے گا پس مراد جماعت سے جماعت مطیعہ ہے ناصر میں نافع اعلیٰ کی نفی ہوگئی اور عدداً میں نافع ادنیٰ کی۔ آگے قیامت کے متعلق کلام ہے کہ یہ لوگ قیامت کا وقت بطور انکار کے درفیت کرتے ہیں تو) آپ (اُن سے) کہہ دیجئے کہ مجھ کو معلوم نہیں کہ جس چیز کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے آیا وہ نزدیک (آنے والی) ہے یا میرے پروردگار نے اُس کے لئے کوئی مدت دراز مقرر کر رکھی ہے (لیکن ہر حال میں وہ آوے گی ضرور رہا علم تعین سو وہ محض غیب ہے اور) غیب کا جاننے والا وہی ہے سو (جس غیب پر کسی کو مطلع کرنا مصلحت نہیں ہوتا) وہ اپنے (ایسے) غیب پر کسی کو مطلع نہیں کرتا (اور علم تعین قیامت ایسا ہی ہے کہ اس پر کسی کو مطلع کرنے میں کوئی مصلحت نہیں کیونکہ وہ علوم متعلقہ بالنبوت سے نہیں جنکے حصول کو قرب انہی میں دخل ہوتا ہے پس ایسے غیب پر کسی کو مطلع نہیں کرتا) ہاں مگر اپنے کسی برگزیدہ پیغمبر کو (اگر کسی ایسے علم پر مطلع کرنا چاہتا ہے جو کہ علم نبوت سے ہو خواہ مثبت نبوت ہو جیسے پیشین گوئی خواہ فروغ نبوت سے ہو جیسے علم احکام) تو (اس طرح اطلاع دیتا ہے کہ) اُس پیغمبر کے آگے اور پیچھے

(یعنی جمیع جہات میں وحی کے وقت) محافظ فرشتے بھیج دیتا ہے (تاکہ وہاں شیاطین کا گذر نہ ہو جو کہ وحی کو فرشتہ سے سُن کر اور کسی سے جا کہیں یا کسی دوسرے وغیرہ کا القاء کر سکیں چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ایسے پہرہ دار فرشتے چار تھے کمافی روح المعانی اور یہ انتظام اس لئے کیا جاتا ہے) تاکہ (نظاہری طور پر) اللہ تعالیٰ کو معلوم ہو جاوے کہ ان فرشتوں نے اپنے پروردگار کے پیغام (رسول تک بحفاظت) پہنچا دیئے (اور اس میں کسی کا دخل و تصرف نہیں ہوا اور پہنچانے والا تو صرف وحی کا فرشتہ ہے لیکن معیت کی وجہ سے رصد یعنی محافظ فرشتوں کی طرف بھی اسناد فعل کی کر دی) اور اللہ تعالیٰ ان (پہرہ داروں) کے تمام احوال کا احاطہ کئے ہوئے ہے (اس لئے پہرہ دار ایسے مقرر کئے گئے ہیں جو اس کام کے پورے پورے اہل ہیں) اور اس کو ہر چیز کی گنتی معلوم ہے (پس وحی کے سب اجزاء ایک ایک کر کے اُس کو معلوم ہیں۔ اور وہ سب کی پوری حفاظت کرتا ہے، حاصل مقام یہ کہ تعین قیامت کا علم علوم نبوت سے نہیں اس لئے اس کا علم نہ ہونا نبوت کے منافی نہیں البتہ علوم نبوت عطا کئے جاتے ہیں اور ان میں احتمال خطا کا نہیں ہوتا تو ایسے علوم سے تم مستفید ہو اور زوائد کی تحقیق چھوڑو)

معارف و مسائل

نَفَرًا مِّنَ الْجِنَّةِ لَفْظِ نَفَرٍ تین سے دس تک عدد کے لئے بولا جاتا ہے۔ جن جنات کا یہاں ذکر ہے روایت یہ ہے کہ یہ نو حضرات تھے نصیبین کے رہنے والے۔

جنات کی حقیقت جن مخلوقات الہیہ میں ایک ایسی مخلوق کا نام ہے جو ذی اجسام بھی ہیں ذی روح بھی اور انسان کی طرح عقل و شعور والے بھی مگر لوگوں کی نظروں سے مخفی ہیں، اسی لئے ان کا نام جن رکھا گیا کہ جن کے لفظی معنی مخفی کے ہیں۔ ان کی تخلیق کا غالب مادہ آگ ہے جیسے انسان کی تخلیق کا غالب مادہ مٹی ہے۔ اس نوع میں بھی انسان کی طرح نر و مادہ یعنی مرد و عورت ہیں اور انسان ہی کی طرح ان میں توالتناسل کا سلسلہ بھی ہے۔ اور ظاہر یہ ہے کہ قرآن میں جن کو شیاطین کہا گیا ہے وہ بھی جنات ہی ہیں میں سے شریر لوگوں کا نام ہے۔ جنات اور فرشتوں کا وجود قرآن و سنت کی قطعی دلائل سے ثابت ہے جس کا انکار کفر ہے (تفسیر مظہری)

قُلْ اُوْحٰی اِلَیَّ سے معلوم ہوا کہ جنات کے جس واقعہ کا یہاں ذکر ہے اُس میں آپ نے قرآن سننے والے جنات کو دیکھا نہیں تھا اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی آپ کو اطلاع دی۔

سورۃ جن کے نزول کے صحیح بخاری، مسلم اور ترمذی وغیرہ میں حضرت ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ (اس واقعہ کی تفصیل واقعہ میں) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنات کو قرآن بالقصد سنایا نہیں بلکہ اُن کو دیکھا بھی نہیں۔ بلکہ واقعہ یہ پیش آیا کہ آپ اپنے کچھ صحابہؓ کے ساتھ بازارِ عکاظ کی طرف جا رہے تھے

اور یہ واقعہ اُس وقت کا ہے جبکہ شیاطین کو آسمان کی خبریں سُننے سے شہاب ثاقب کے ذریعہ روک دیا گیا تھا۔ اور جنات نے باہم مشورہ کیا کہ یہ حادثہ جو ہم پر آسمانی خبروں سے ممنوع ہو جانے کا پیش آیا ہے یہ کوئی اتفاقی بات معلوم نہیں ہوتی دُنیا میں کوئی نئی چیز پیش آئی ہے جو اس کا سبب ہوئی اور یہ طے کیا کہ زمین کے مشرق و مغرب اور ہر طرف میں جنات کے وفود جائیں اور اس کی تحقیق کر کے آویں کہ یہ نئی چیز کیا پیش آئی ہے۔ ان کا جو وفد تہامہ حجاز کی طرف بھیجا گیا تھا وہ مقام نخلہ پر پہنچے تو وہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کرامؓ کے ساتھ صبح کی نماز جماعت سے ادا کر رہے تھے۔ جنات کے اس وفد نے جب قرآن سنا تو قسمیں کھا کر آپس میں کہنے لگے کہ واللہ یہی کلام ہے جو ہمارے اور آسمانی خبروں کے درمیان حائل اور مانع بنا ہے۔ یہ لوگ یہاں سے لوٹے اور جا کر اپنی قوم سے یہ قصہ بیان کیا جس کا ذکر ان آیات میں ہے اِنَّا سَمِعْنَا قُرْآنًا عَجَبًا الآیہ۔ اللہ تعالیٰ نے اس سارے واقعہ کی خبر اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ان آیات میں دیدی۔

ابو طالب کی وفات اور آنحضرتؐ کا سفر طائف علیہ وسلم مکہ مکرمہ میں بے یار و مددگار رہ گئے تو آپؐ نے تنہا طائف کا سفر کیا کہ وہاں کے قبیلہ بنی ثقیف سے اپنی قوم کے مظالم کے مقابلہ میں کچھ مدد اور معاونت حاصل کر سکیں محمد بن اسحق کی روایت ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم طائف پہنچے تو قبیلہ ثقیف کے تین بھائیوں کے پاس گئے جو قبیلہ کے سردار اور شریف سمجھے جاتے تھے، یہ تین بھائی عکفیر کے بیٹے عبدیلیل اور سعود اور جمیب تھے، ان کے گھر میں ایک عورت قریش کی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کو اسلام کی دعوت دی اور اپنی قوم کے مظالم کا ذکر کر کے اُن سے معاونت کے لئے فرمایا۔ مگر ان تینوں نے بڑا سخت جواب دیا اور آپؐ سے اور کچھ کلام نہیں کیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب دیکھا کہ قبیلہ بنو ثقیف کے یہی تین آدمی ایسے شریف سمجھے جاتے تھے جن سے کسی معقول جواب کی اُمید تھی، ان سے بھی مایوسی ہو گئی تو آپؐ نے اُن سے فرمایا کہ اچھا اگر آپ لوگ میری مدد نہیں کرتے تو کم از کم میرے آنے کو میری قوم پر ظاہر نہ کرنا۔ مقصد یہ تھا کہ اُن کو خبر ملے گی تو اور زیادہ ستاویں گے، مگر ان ظالموں نے یہ بات بھی نہ مانی بلکہ اپنے قبیلہ کے بے وقوف لوگوں اور غلاموں کو آپؐ کے پیچھے لگا دیا کہ آپؐ کو گالیاں دیں اور شور مچائیں۔ اُن کے شور و شغب سے بہت سے اور شریہر جمع ہو گئے۔ آپؐ نے اُن کے شر سے بچنے کے لئے ایک باغ میں جو عقیہ اور شیبہ دو بھائیوں کا باغ تھا اُس میں پناہ لی اور یہ دونوں بھی اُس باغ میں موجود تھے۔ اُس وقت یہ شریہر لوگ آپؐ کو چھوڑ کر واپس ہوئے۔ اور آپؐ انگوروں کے باغ کے سائے میں بیٹھ گئے۔ یہ دونوں بھائی آپؐ کو دیکھ رہے تھے اور یہ بھی دیکھا تھا کہ ان کی قوم کے بے وقوفوں کے ہاتھوں آپؐ کو

کیا تکلیف اور اذیت پیش آئی۔ اسی درمیان وہ قریشی عورت بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ملی جو ان ظالموں کے گھر میں تھی۔ آپ نے اُس سے شکایت کی کہ تمہاری سُسرال کے لوگوں نے ہمارے ساتھ کیا معاملہ کیا۔

جب اس باغ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کچھ اطمینان حاصل ہوا تو آپ نے اللہ جل شانہ کی بارگاہ میں دُعا مانگنی شروع کی، اس دُعا کے الفاظ بھی عجیب و غریب ہیں، اور کسی موقع پر آپ کے

ایسے الفاظ دُعا منقول نہیں، وہ دُعا یہ ہے:-

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَشْكُوْا اِلَيْكَ ضَعْفَ قُوَّتِیْ
وَقِلَّةَ حِیْلَتِیْ وَهَوَانِیْ عَلَی النَّاسِ وَاَنْتَ اَرْحَمُ
الرَّاحِمِیْنَ وَاَنْتَ رَبُّ الْمُسْتَضْعِفِیْنَ فَانْتَ
رَبِّیْ اِلَیَّ مَنْ تَمَكِّنْ لِّیْ اِلَیَّ بَعِیْدٍ یَّتَجَهَّمُنِیْ
اَوْ اِلَیَّ عَدُوٍّ یَمْلِكُکَ اَمْرِیْ اِنْ لَّمْ
تَکُنْ سَاخِطًا عَلَیَّ فَلَا اُبَالِیْ وَلَکِنْ
عَافِیَّتَکَ هِیَ اَوْ سَعْمِیْ۔ اَعُوْذُ بِنُوْرٍ
وَجْهِکَ الَّذِیْ اَشْرَقَتْ لَہٗ
الظُّلُمَاتُ وَصَلَحَ عَلَیْہِ
اَمْرُ الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ مِنْ
اَنْ تُنْزِلَ لِّیْ غَضَبَکَ
لَکَ الْعِثْبَیْ سَحْبٌ
تَرْفُضُہٗ وَلَا حَوْلَ
وَ لَا قُوَّةَ
اِلَّا بِکَ

(مظہری باختصار)

یا اللہ میں آپ سے شکایت کرتا ہوں اپنی قوت کے ضعف اور کمزوری کی اور اپنی تدبیر کی ناکامی کی اور لوگوں کی نظروں میں اپنی حققت و بے توقیری کی اور آپ تو سب کام کرنے والوں سے زیادہ رحم کرنے والے ہیں اور آپ کمزوروں کی پرورش فرمانے والے ہیں آپ ہی میرے رب ہیں، آپ مجھے کس کے سپرد کرتے ہیں کیا ایک غیر آدمی کے جو مجھ پر حملہ کرے یا کسی دشمن کے جس کو آپ نے میرے معاملہ کا مالک بنا دیا ہے (کہ جو چاہے کرے) اگر آپ مجھ پر ناراض نہ ہوں تو مجھے ان سب چیزوں کی بھی پروا نہیں لیکن آپ کی عافیت میرے لئے زیادہ بہتر ہے (اُس کو طلب کرتا ہوں) میں آپ کی ذات مبارک کے نور کی پناہ لیتا ہوں جس سے تمام اندھیریاں روشن ہو جاتی ہیں اور اسکی بنا پر دنیا و آخرت کے سب کام درست ہو جاتے ہیں۔ اس بات سے کہ مجھ پر اپنا غضب نازل فرمائیں ہمارا کام ہی یہ ہے کہ آپ کو راضی کرنے اور منانے میں لگے رہیں جب تک کہ آپ راضی نہ ہو جائیں اور ہم تو کسی بُرائی سے بچ سکتے نہیں نہ کسی بھلائی کو حاصل کر سکتے ہیں۔ بجز آپ کی مدد کے۔

جب ربیعہ کے دونوں بیٹوں عتبہ اور شیبہ نے یہ حال دیکھا تو اُن کے دل میں رجم آیا اور اپنے ایک نصرانی غلام عداس نامی کو بلا کر کہا کہ انگور کا ایک خوشہ لو اور ایک طبق میں رکھ کر اُس شخص کے پاس لیجاؤ اور اُن سے کہو یہ کھائیں۔ عداس نے ایسا ہی کیا اُس نے جا کر انگور کا یہ طبق آپ کے سامنے رکھ دیا۔ آپ نے بسم اللہ پڑھ کر اُس کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ عداس یہ دیکھ رہا تھا کہ ہنسنے لگا واللہ یہ کلام یعنی بسم اللہ الرحمن الرحیم تو اس شہر کے لوگ نہیں بولتے۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس سے پوچھا

عداس تم کہاں کے رہنے والے ہو اور تمہارا کیا مذہب ہے۔ اُس نے کہا میں نصرانی ہوں اور نینوا کا رہنے والا ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اچھا تو اللہ کے نیک بندے یونس بن متی علیہ السلام کی بستی کے رہنے والے ہو۔ اُس نے کہا کہ آپ کو یونس بن متی کی کیا خبر۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ میرے بھائی ہیں کیونکہ وہ بھی اللہ کے نبی تھے میں بھی نبی ہوں۔

یہ سن کر عداس آپ کے قدموں پر گر پڑا اور آپ کے سر مبارک اور ہاتھوں پاؤں کو بوسہ دیا۔ عقبہ اور شبیبہ یہ ماجرا دیکھ رہے تھے، ایک نے دوسرے سے کہا کہ اُس نے ہمارے غلام کو تو خراب کر دیا۔ جب عداس ٹوٹ کر اُن کے پاس گیا تو انہوں نے کہا کہ عداس تجھے کیا ہوا کہ اس شخص کے ہاتھ پاؤں کو بوسہ دینے لگا۔ اُس نے کہا کہ میرے سردارو۔ اس وقت زمین پر اس سے بہتر کوئی آدمی نہیں۔ اس نے مجھے ایک ایسی بات بتلائی جو نبی کے سوا کوئی نہیں بتلا سکتا۔ انھوں نے کہا کبخت ایسا نہ ہو کہ یہ آدمی تجھے تیرے مذہب سے پھیر دے۔ کیونکہ تیرا دین بہر حال اُس کے دین سے بہتر ہے۔

اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم طائف سے مکہ مکرمہ کی طرف ٹوٹ گئے جبکہ ثقیف کی ہر خیر سے مایوس ہو گئے۔ واپسی میں آپ نے مقام نخلہ پر قیام فرمایا اور آخر شب میں نماز تہجد پڑھنے لگے۔ تو ملک ین نصیبین کے جنات کا یہ وفد بھی وہاں پہنچا ہوا تھا اُس نے قرآن سُنا اور سُن کر ایمان لے آئے اور اپنی قوم کی طرف واپس جا کر واقعہ بتلایا جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے آیات مذکورہ میں نازل فرمایا۔ (مظہری)

ایک صحابی جن کا واقعہ | ابن جوزی نے کتاب الصفوہ میں اپنی سند کے ساتھ حضرت سہل بن عبد اللہ سے نقل کیا کہ انھوں نے ایک مقام پر ایک بوڑھے جن کو دیکھا کہ بیت اللہ کی طرف نماز پڑھ رہا ہے اور اُون کا جُبَّہ پہنے ہوئے تھا جس پر بڑی رونق معلوم ہوتی تھی۔ نماز سے فارغ ہونے کے بعد حضرت سہل کہتے ہیں کہ میں نے اُن کو سلام کیا اور انھوں نے سلام کا جواب دے کر بتلایا کہ تم اس جُبَّہ کی رونق سے تعجب کر رہے ہو یہ جُبَّہ سات سو سال سے میرے بدن پر ہے، اسی جُبَّہ میں میں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے ملاقات کی، پھر اسی جُبَّہ میں محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی اور میں اُن جنات میں سے ہوں جن کے بارہ میں سورہ جن نازل ہوئی ہے (مظہری)

اور روایات حدیث میں جو لیلۃ الجن کا واقعہ مذکور ہے جس میں حضرت عبد اللہ بن مسعود آپ کے ساتھ تھے اُس میں آپ کا بالقصد جنات کو تبلیغ و دعوت کے لئے مکہ مکرمہ کے قریب جنگل میں جانا اور قرآن سُنانا منقول ہے وہ بظاہر اس واقعہ کے بعد کا قصہ ہے جس کا ذکر سورہ جن میں آیا ہے۔

اور علامہ خفاجیؒ نے فرمایا کہ احادیث معتبرہ سے ثابت ہوتا ہے کہ جنات کے وفد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں چھ مرتبہ حاضر ہوئے ہیں اس لئے ان دونوں باتوں میں کوئی تضاد نہیں کہ سورہ جن

والے واقعہ میں آپ کو جنات کے آنے اور قرآن سننے کی خبر بھی نہ تھی جب تک بذریعہ وحی آپ کو بتلایا نہ گیا اور یہ کہ یہ واقعہ مقام نخلہ کا اور طائف سے واپسی کے وقت کا ہے۔ اور دوسری روایات جن سے معلوم ہوتا ہے کہ شہر مکہ کے قریب ہی کے جنگل میں آپ بالقصد اسی کام کے لئے تشریف لے گئے کہ جنات کو دعوتِ اسلام دیں اور قرآن سنائیں یہ اس کے بعد پیش آیا (مظہری)

وَإِنَّ تَعْلٰی جَدَّ سَرِیْنَا جَدَّ کے معنی شان کے ہیں حق تعالیٰ کے لئے بولا جاتا ہے، تعالیٰ جدُّ یعنی بلند و بالا ہے اُس کی شان۔ یہاں جدُّہ کی ضمیر راجع کرنے کے بجائے لفظ رَبِّ مظہر رکھ دیا گیا جس میں اس علو شان کی دلیل بھی آگئی کیونکہ جو ذات مخلوق کی پروردگار ہے اُس کا سب مخلوق سے عالی شان ہونا ظاہر ہے۔

اس آیت میں وَآئَةُ کے عطف اور ترکیبِ نحوی میں مفسرین کا کلام طویل ہے عوام کو اسکی حاجت نہیں۔

وَآئَةُ كَانَ يَقُولُ سَفِيهُنَا عَلَى اللَّهِ شَطَطًا لَا قَآَظَنَّا أَنْ كُنْ نَقُولُ الْإِنْسُ وَالْجِنُّ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا۔ لفظ شَطَط کے معنی قول بعید از عقل اور ظلم و جور کے آتے ہیں، مراد یہ ہے کہ ایمان لانے والے جنات نے اب تک شرک و کفر میں مبتلا رہنے کا عذر یہ بیان کیا کہ ہماری قوم کے بے وقوف لوگ اللہ تعالیٰ کی شان میں بے سرو پا باتیں کہا کرتے اور ہمیں یہ گمان نہ تھا کہ کوئی انسان یا جن اللہ کی طرف جھوٹی بات کی نسبت کر سکتا ہے اس لئے ان بے وقوفوں کی بات میں آکر آج تک ہم کفر و شرک میں مبتلا تھے اب قرآن سنا تو حقیقت کھلی۔

وَآئَةُ كَانَ رِجَالٌ مِّنَ الْإِنْسِ يَعُوذُونَ بِرِجَالٍ مِّنَ الْجِنِّ فَزَادُوهُمْ رَهَقًا۔ اس آیت میں مومن جنات نے یہ بیان کیا ہے کہ جاہلیت کے لوگ جب کسی جنگل میں قیام کرتے تو اُس جنگل کے جنات کی پناہ مانگتے تھے اس سے جنات یہ سمجھ بیٹھے کہ ہم تو انسان سے بھی افضل ہیں کہ انسان بھی ہماری پناہ لیتا ہے۔ اس بات نے جنات کی گمراہی میں اور اضافہ کر دیا۔

حضرت رافع بن عمرؓ کا تفسیر مظہری میں ہے کہ ہوائے الجن میں سند کے ساتھ حضرت سعید بن جبیرؓ سے اسلام بسبب جنات یہ نقل کیا ہے کہ رافع بن عمرؓ صحابیؓ نے اپنا اسلام قبول کرنے کا ایک واقعہ یہ بتلایا ہے کہ میں ایک رات ایک ریگستان میں سفر کر رہا تھا۔ اچانک مجھ پر نیند کا غلبہ ہوا میں اپنی اونٹنی سے اُترا اور سو گیا اور سونے سے پہلے میں نے اپنی قوم کی عادت کے مطابق یہ الفاظ کہ لئے اَتَى اَعْوَفَ بَعْظِمِ هٰذَا الْوَادِی مِنْ الْجِنِّ یعنی میں پناہ لیتا ہوں اس جنگل کے جنات کے سردار کی۔ میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک شخص کے ہاتھ میں ایک ہتھیار ہے اُس کو وہ میری ناقہ کے سینہ پر رکھنا چاہتا ہے، میں گھبرا کر اُٹھا اور دائیں بائیں دیکھا کچھ نہ پایا تو میں نے دل میں کہا کہ یہ شیطانی خیال ہے

خواب اصلی نہیں اور پھر سو گیا اور بالکل غافل ہو گیا۔ تو پھر وہی خواب دیکھا پھر میں اُٹھا اور اپنی ناقہ کے چاروں طرف پھر اچھ نہ پایا مگر ناقہ کو دیکھا کہ وہ کانپ رہی ہے۔ میں پھر جا کر اپنی جگہ سو گیا، تو پھر وہی خواب دیکھا، میں بیدار ہوا تو دیکھا کہ میری ناقہ تڑپ رہی ہے اور پھر دیکھا ایک نوجوان ہے جس کے ہاتھ میں حربہ ہے یہ وہی شخص تھا جس کو خواب میں ناقہ پر حملہ کرتے دیکھا تھا۔ اور ساتھ ہی یہ دیکھا کہ ایک بوڑھے آدمی نے اُس کا ہاتھ پکڑ رکھا ہے جو ناقہ پر حملہ کرنے سے اُس کو روک رہا ہے۔ اسی عرصہ میں تین گورخر سامنے آگئے تو بوڑھے نے اُس نوجوان سے کہا ان تینوں میں سے جس کو تو پسند کرے وہ لے لے اور اس انسان کے ناقہ کو چھوڑ دے۔ وہ جوان ایک گورخر لے کر رخصت ہو گیا۔ پھر اُس بوڑھے نے میری طرف دیکھ کر کہا کہ اے بے وقوف جب تو کسی جنگل میں ٹھہرے اور وہاں کے جنات و شیطین سے خطرہ ہو تو تو یہ کہا کر اَعُوذُ بِاللّٰهِ رَبِّ مُحَمَّدٍ مِنْ هَوْلِ هَذَا الْوَادِي۔ یعنی میں پناہ پکڑتا ہوں رب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اس جنگل کے خوف اور شر سے اور کسی جن سے پناہ نہ مانگا کر کیونکہ وہ زنا چلا گیا جب انسان جنوں کی پناہ لیتا تھا۔ میں نے اس سے پوچھا کہ وہ کون ہیں۔ اُس نے کہا کہ یہ نبی عربی ہیں، نہ شرقی نہ غربی، پیر کے روز یہ مبعوث ہوئے ہیں۔ میں نے پوچھا کہ یہ کہاں رہتے ہیں، اُس نے بتلایا کہ وہ یثرب میں رہتے ہیں جو کھجوروں کی بستی ہے۔ میں نے صبح ہوتے ہی مدینہ کا راستہ لیا اور سواری کو تیز چلایا یہاں تک کہ مدینہ طیبہ پہنچ گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے دیکھا تو میرا سرا واقعہ مجھے سنایا اس سے پہلے کہ میں آپ سے کچھ ذکر کروں اور مجھے اسلام کی دعوت دی میں مسلمان ہو گیا۔ سعید بن جبیرؓ اس واقعہ کو نقل کر کے فرماتے تھے کہ ہمارے نزدیک اسی معاملہ کے متعلق قرآن میں یہ آیت نازل ہوئی ہے **وَآتٰكَ كَانَ رِجَالٌ مِّنَ الْاِلَاسِ يَعُوذُونَ بِرِجَالٍ مِّنَ الْيَحْيٰ**

وَآتٰكَ كَامَسْنَا السَّمَاءَ فَوَجَدْنَاهَا مُلْتَثًا حَرًّا شَدِيدًا وَشَهْبًا۔ لفظ سمار عربی لغت میں جس طرح آسمان کے لئے بولا جاتا ہے اُسی طرح بادل پر بھی لفظ سمار کا اطلاق عام اور معروف ہے۔ یہاں بظاہر سمار سے مراد یہی بادل ہے۔

جنات آسمانی خبریں سننے کیلئے صرف اور جنات و شیطین کا آسمانی خبریں سننے کے لئے آسمان تک جانے کا بادلوں تک جاتے تھے آسمان تک نہیں مطلب یہی ہے کہ بادلوں تک جاتے تھے اور وہاں سے آسمانی خبریں سننے تھے اور دلیل اس کی حضرت صدیقہ عائشہؓ کی حدیث ہے جو صحیح بخاری میں بالفاظ ذیل آئی ہے:-

قالت سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم يقول ان الملائكة تنزل في العنان و هو السحاب فتذكر الامر الذي قضی في السماء فتسرق الشياطين السمع فتسمعه فتتوجه الى حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ فرشتے عنان سمار میں اُترتے ہیں جس کے سنے بادل کے ہیں وہاں وہ ان فیصلوں کا تذکرہ کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے آسمان میں جاری فرمائے ہیں، یہاں سے شیطین یہ خبریں

الْكُفَّانَ فَيَكْذِبُونَ مَعَهَا مَاءٌ كَذِبٌ
من عند انفسهم (از منظر)

چراتے ہیں اور سن کر کاہنوں کے پاس لاتے ہیں اور اس میں
اپنی طرف سے سو جھوٹ ملا کر ان کو بتاتے ہیں۔

اور صحیح بخاری ہی میں حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے اور مسلم میں حضرت ابن عباسؓ کی روایت
سے جو یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ اصل آسمانوں میں پیش آتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کوئی حکم آسمان
میں جاری فرماتے ہیں تو سب فرشتے بغرض اطاعت اپنے پرمارتے ہیں اور جب کلام ختم ہو جاتا ہے
تو باہم تذکرہ کرتے ہیں کہ تمہارے رب نے کیا فرمایا۔ اس تذکرہ کو آسمانی خبریں چرلنے والے شیاطین
سن لیتے ہیں اور کاہنوں کے پاس اُس میں بہت سے جھوٹ شامل کر کے پہنچاتے ہیں۔

یہ مضمون حدیث عائشہؓ مذکورہ کے منافی نہیں کیونکہ اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ شیاطین آسمانوں
میں جا کر یہ خبریں چرلاتے ہیں بلکہ یہ ہو سکتا ہے کہ پہلے یہ خبریں درجہ بدرجہ آسمانوں میں فرشتوں کے
اندر پھیلتی ہوں، پھر فرشتے عنان سماء یعنی بادل تک آتے اور اس کا تذکرہ کرتے ہوں یہاں سے
شیاطین خبروں کی چوری کرتے ہوں جیسا کہ حضرت صدیقہ عائشہؓ کی حدیث میں ہے (کذا فی المنظر)

بہر حال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے شیاطین کا آسمانی خبریں سن کر کاہنوں
تک پہنچانے کا سلسلہ بغیر کسی رکاوٹ کے جاری تھا۔ شیاطین بادلوں تک پہنچ کر فرشتوں سے سن لیا
کرتے تھے مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت آپ کی آسمانی وحی کی حفاظت کیلئے
اس سلسلہ کو اس طرح بند کر دیا گیا کہ جب کوئی شیطان یہ خبریں سننے کے لئے اُپر آتا تو اُس کی طرف
شہاب ثاقب کا انگارہ پھینک کر اُس کو دفع کر دیا جاتا ہے۔ یہی وہ نیا حادثہ تھا جس کی شیاطین جِنّات
کو فکر ہوئی اور تحقیق حال کے لئے دُنیا کی مشرق و مغرب میں وفود بھیجے پھر مقام تحلہ میں آں حضرت
صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک وفد جِنّات کا قرآن سن کر ایمان لانا سورہ جن میں ذکر فرمایا گیا۔

شہاب ثاقب بعثت نبوی سے پہلے بھی تھے مگر یہاں یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ شہاب ثاقب جس کو عرف میں ستارہ
ان کے ذریعہ دفع شیاطین کا کام آپ کے زمانہ سے ہوا

زمانہ سے ہوتا آیا ہے اور اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ عہد نبوی کی تخصیص ہے۔ جواب یہ ہے کہ شہاب
ثاقب کا وجود تو پہلے سے تھا خواہ اس کی حقیقت وہ ہو جو فلاسفہ بیان کرتے ہیں کہ زمین سے کچھ
آتشیں مادّے فضا میں پہنچتے ہیں وہ کسی وقت بھڑک اُٹھتے ہیں۔ یا یہ ہو کہ خود کسی ستارہ اور سیارہ
سے یہ آتشیں مادّہ نکلتا ہو۔ بہر حال اس کا وجود اگرچہ ابتداء عالم سے ہے مگر اس آتشیں مادّہ سے
شیاطین کو دفع کرنے کا کام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے شروع ہوا۔ اور یہ بھی ضروری
نہیں کہ جتنے شہاب ثاقب نظر آتے ہیں سب سے ہی یہ کام لیا جاتا ہو۔ اس کی پوری تفصیل سورہ حجر
کی تفسیر میں گذر چکی ہے۔

४१

بھی اسی استغراق اور جامعیت کا اظہار مقصود ہے، یعنی ہر ہر فرد و جنس غیب کا علم جو اللہ رب العالمین کا مخصوص وصف ہے اُس پر وہ کسی کو قادر و غالب نہیں کرتا کہ کوئی جس غیب کو چاہے معلوم کر لے۔ مقصود اس کلام سے علم غیب گہلی کا جس سے جہان کا کوئی ذرہ مخفی نہ ہو اُس کی غیر اللہ سے نفی اور صرف اللہ تعالیٰ کے لئے اثبات ہے۔ لیکن کسی بے وقوف کو اس سے یہ شبہ ہو سکتا تھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی بھی غیب کی چیز کی خبر نہیں تو پھر وہ رسول کیا ہوئے، کیونکہ رسول کے پاس تو اللہ تعالیٰ ہزاروں غیب کی خبریں بذریعہ وحی بھیجتے ہیں۔ اور جس کے پاس اللہ کی وحی نہ آئے وہ نبی و رسول نہیں کہلا سکتا۔ اس لئے آگے آیت میں ایک استثناء کا ذکر فرمایا۔

علم غیب اور فی خبروں میں فرق

إِلَّا مَنِ ارْتَضَىٰ مِنْ رَسُولٍ فَإِنَّهُ يَسْلُكُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَيَخْلُفُهُ رَصَدًا ۚ

استثناء کا اُس سفیہانہ شبہ کا یہ جواب ہے کہ علم غیب گہلی کی نفی سے ہر غیب کی نفی مطلقاً مراد نہیں، بلکہ منصب رسالت کے لئے جس قدر علم غیب کی خبروں اور غیب کی چیزوں کا علم کسی رسول کو دینا ضروری ہے وہ اُن کو منجانب اللہ بذریعہ وحی دیدیا جاتا ہے اور وہ ایسے محفوظ طریقے سے دیا جاتا ہے کہ جب ان پر اللہ کی طرف سے کوئی وحی نازل ہوتی ہے تو اُس کے ہر طرف فرشتوں کا پہرہ ہوتا ہے تاکہ شیاطین اُس میں کوئی مداخلت نہ کر سکیں۔ اس میں اول تو لفظ رسول سے اُس غیب کی نوعیت متعین کر دی گئی جس کا علم رسول و نبی کو دیا جاتا ہے اور وہ ظاہر ہے علم شرائع و احکام بتمامہ اور غیب کی خبریں بقدر ضرورت وقت۔ اس کے بعد جو علم غیب رسول و نبی کو دیا جاتا ہے اُس کی نوعیت اگلے محلے سے یوں بھی متعین کر دی کہ وہ بذریعہ فرشتوں کے بھیجا جاتا ہے اور وحی لانے والے فرشتے کے گرد دوسرے فرشتوں کا پہرہ ہوتا ہے۔ اس سے یہ بات واضح ہو گئی کہ اس استثناء سے جس علم غیب کا نبی و رسول کے لئے اثبات ہے وہ بعض اور مخصوص علم غیب ہے جس کی ضرورت منصب رسالت کے لئے درپیش ہو۔

اس سے معلوم ہوا کہ یہ استثناء اصطلاحی لفظوں میں استثناء منقطع ہے، یعنی جس علم غیب گہلی کی اصل کلام میں غیر اللہ سے نفی کی گئی تھی مستثنیٰ میں اُس کا اثبات نہیں بلکہ مخصوص علوم غیبیہ کا اثبات ہے جس کو قرآن کریم میں جا بجا اَنْبَاءُ الْغَيْبِ کے الفاظ سے تعبیر کیا ہے تِلْكَ مِنْ اَنْبَاءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهَاۤ اِلَيْكَ۔

بعض ناواقف غیب اور انباء الغیب میں فرق نہیں سمجھتے اس لئے وہ انبیاء اور خصوصاً خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے علم غیب گہلی ثابت کرتے ہیں اور آپ کو بالکل اللہ تعالیٰ کی طرح عالم الغیب ہر ذرہ کائنات کا علم رکھنے والا کہنے لگتے ہیں جو کھلا ہوا شرک اور رسول کو خدائی کا درجہ دینا ہے، نعوذ باللہ منہ۔ اگر کوئی شخص اپنا خفیہ راز کسی اپنے دوست کو بتلا دے جو اور کسی کے علم میں نہ ہو تو اس سے دنیا میں کوئی بھی اس دوست کو عالم الغیب نہیں کہہ سکتا۔ اسی طرح انبیاء علیہم السلام کو ہزاروں

غیب کی چیزوں کا بذریعہ وحی بتلادینا اُن کو عالم الغیب نہیں بنادیتا خوب سمجھ لیا جائے۔
 جاہل عوام جو ان دونوں باتوں میں فرق نہیں کرتے جب اُن کے سامنے کہا جاتا ہے کہ رسول اللہ
 صلی اللہ علیہ وسلم عالم الغیب نہیں وہ اس کا یہ مطلب سمجھتے ہیں کہ آپ کو معاذ اللہ کسی غیب کی چیز کی
 خبر نہیں جس کا دنیا میں کوئی قائل نہیں اور نہ ہو سکتا ہے کیونکہ ایسا ہونے سے تو خود نبوت و رسالت
 کی نفی ہو جاتی ہے جس کا کسی مومن سے امکان نہیں۔

آخر سورت میں فرمایا وَ أَخْطَىٰ مَحَلًّا شَيْءٌ عَدَدًا۔ یعنی اللہ تعالیٰ ہی کی ذات خاص ہے جس کے
 علم میں ہر چیز کے اعداد و شمار ہیں۔ اُس کو پہاڑوں کے اندر جتنے ذرے ہیں اُن کا بھی عدد معلوم ہے،
 ساری دنیا کے دریاؤں میں جتنے قطرے ہیں ان کا شمار اُس کے علم میں ہے۔ ہر بارش کے قطروں اور
 تمام دنیا کے درختوں کے پتوں کے اعداد و شمار کا اُسی کو علم ہے۔ اس میں پھر علم غیب کُلّی کا ذاتِ حق
 سبحانہ و تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہونا واضح کر دیا کہ کسی کو مذکورہ استثناء سے غلط فہمی نہ ہو جائے۔
 مسئلہ علم غیب کے معنی اور اُس کے احکام سورہ نمل کی آیت قُلْ لَا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ
الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ کے تحت میں پوری تحقیق و تفصیل کے ساتھ گزر چکی ہے وہاں دیکھ لیا جائے واللہ
 سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

بِسْمِ اللّٰهِ تَعَالٰی سُوْرَةُ النِّجْمِ لَيْلَةَ الْجُمُعَةِ

۱۰ رَجَب ۱۳۹۱ھ

سُورَةُ الْمُرْسَلِ

سُورَةُ الْمُرْسَلِ مَكِّيَّةٌ مَثْنُوٌّ هِيَ عَشْرُونَ آيَةً وَفِيهَا رُكُوعَانِ
سورہ مرسل مکہ میں نازل ہوئی اور اس کی بیس آیتیں ہیں اور دو رکوع

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بخیر مہربان نہایت رحم والا ہے

يَا أَيُّهَا الْمُرْسَلُ ۱ قُمْ اللَّيْلَ إِلَّا قَلِيلًا ۲ نِصْفَهُ أَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِيلًا ۳

اے کہنے میں پسندے والے کھڑا رہ رات کو سحر کسی رات آدھی رات یا اس میں سے کم کر دے تھوڑا سا

أَوْزِدْ عَلَيْهِ وَرَتِّلِ الْقُرْآنَ تَرْتِيلًا ۴ إِنَّا سَنُلْقِي عَلَيْكَ قَوْلًا

یا زیادہ کر اس پر اور کھول کھول کر پڑھ قرآن کو صاف ہم ڈالنے والے ہیں تجھ پر ایک بات

ثَقِيلًا ۵ إِن نَّاشَأْتَ اللَّيْلَ هِيَ أَشَدُّ وَطْأً وَأَقْوَمُ قِيلًا ۶ إِنَّا لَكَ

وزن دار البتہ اٹھنا رات کو سخت روندنا ہے اور سیدھی نکلتی ہے بات البتہ تجھ کو

فِي النَّهَارِ سَبْحًا طَوِيلًا ۷ وَادْكُرْ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ إِلَيْهِ تَبْتِيلًا ۸

دن میں شغل رہتا ہے لمبا اور پڑھے جانا نام اپنے رب کا اور چھوٹ کر چلا آ اسکی طرف سب سے الگ ہو کر

رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ فَاتَّخِذْهُ وَكِيلًا ۹ وَأَصْبِرْ

مالک مشرق اور مغرب کا اُس کے سوا کسی کی بندگی نہیں سو پڑھے اسکو کام بنانے والا اور سہارا

عَلَى مَا يَقُولُونَ وَاهْجُرْهُمْ هَجْرًا جَمِيلًا ۱۰ وَذَرْنِي وَالْمُكَذِّبِينَ أُولِي

جو کچھ کہتے رہیں اور چھوڑ دے ان کو بھلی طرح کا چھوڑنا اور چھوڑ دے مجھ کو اور جھٹلانے والوں کو جو

النَّعْمَةِ وَهُمْ قَلِيلًا ۱۱ إِنَّ لَدَيْنَا أَنْكَالًا وَجَحِيمًا ۱۲ وَطَعَامًا

آرام میں رہے ہیں اور ڈھیل دیے ان کو تھوڑی سی البتہ ہمارے پاس بیڑیاں ہیں اور آگ کا ڈھیر اور کھانا گلے میں

ذَا غَصَّةٍ وَعَذَابًا أَلِيمًا ۱۳ يَوْمَ تَرْجُفُ الْأَرْضُ وَالْجِبَالُ وَكَانَتْ

اٹکنے والا اور عذاب دردناک جس دن کہ کانچے کی زمین اور پہاڑ اور ہو جائیں گے

الْجِبَالُ كَثِيرًا مَّهِيلًا ۱۴ إِنَّا أَرْسَلْنَا إِلَيْكُمْ رَسُولًا ۱۵ شَاهِدًا عَلَيْكُمْ

پہاڑ ریت کے تودے پھسلتے ہم نے بھیجا تمہاری طرف رسول بتلانے والا تمہاری باتوں کا

کَمَا أَرْسَلْنَا إِلَىٰ فِرْعَوْنَ رَسُولًا ۖ فَعَصَىٰ فِرْعَوْنُ الرَّسُولَ فَأَخَذْنَاهُ أَخْذًا

جیسے بھیجا فرعون کے پاس رسول پھر کہا نہ مانا فرعون نے رسول کا پھر پکڑی ہنسنے اس کو

وَبِيلًا ۚ فَكَيْفَ تَتَّقُونَ إِن كَفَرْتُمْ يَوْمًا يَجْعَلُ الْوِلْدَانَ شِيبًا ۚ ۱۷

و بال کی پکڑ پھر کیونکر بچو گے اگر منکر ہو گئے اُس دن سے جو کر ڈالے لڑکوں کو بوڑھا آسمان

مَنْقُطَرٍ ۖ كَانَ وَعْدُهُ مَفْعُولًا ۚ ۱۸

بھٹ جائیگا آسمان میں اس کا وعدہ ہونے والا ہے یہ تو نصیحت ہے پھر جو کوئی چاہے بنا لے

إِلَىٰ رَبِّهِ سَبِيلًا ۚ ۱۹

اپنے رب کی طرف راہ بیشک تیرا رب جانتا ہے کہ تو اٹھتا ہے نزدیک دو تہائی رات کے اور

نِصْفَهُ ۚ وَثُلُثَهُ ۚ وَطَائِفَةٌ مِّنَ الَّذِينَ مَعَكَ ۚ وَاللَّهُ يُقَدِّرُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ ۚ

آدھی رات کے اور تہائی رات کے اور کتنے لوگ تیرے ساتھ کے اور اللہ مانتا ہے رات کو اور دن کو

عِلْمَ أَن لَّنْ نَّخْصُوهُ ۚ فَتَابَ عَلَيْكُمْ ۖ فَاقْرَءُوا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْآنِ ۚ عَلِمَ

اُس نے جانا کہ تم اس کو پورا نہ کر سکو گے سو تم پر معافی بھیج دی اب پڑھو جتنا تم کو آسان ہو قرآن سے جانا کہ

أَن سَيَكُونُ مِنكُمْ مَّرْضَىٰ ۚ وَآخَرُونَ يَضْرِبُونَ فِي الْأَرْضِ يَبْتَغُونَ

کتنے ہوں گے تم میں بیمار اور کتنے اور لوگ پھریں گے ملک میں ڈھونڈتے

مِنْ فَضْلِ اللَّهِ ۚ وَآخَرُونَ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۚ فَاقْرَءُوا مَا

اللہ کے فضل کو اور کتنے لوگ لڑتے ہوں گے اللہ کی راہ میں سو پڑھ لیا کرو جتنا

تَيَسَّرَ مِنْهُ ۚ وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَاقْرَأُوا اللَّهَ قَرْضًا

آسان ہو اس سے اور قائم رکھو نماز اور دیتے رہو زکوٰۃ اور قرض دو اللہ کو اچھی طرح بار

حَسَنًا ۚ وَمَا تُقَدِّمُوا وَلَا تُؤَخِّرُوا ۚ فَمِنْ خَيْرٍ ۚ تَجِدُوهُ عِنْدَ اللَّهِ هُوَ خَيْرٌ

قرض دینا اور جو کچھ آگے بھیجو گے اپنے واسطے کوئی نیکی اس کو پاؤ گے اللہ کے پاس بہتر

وَأَعْظَمَ أَجْرًا ۚ وَاسْتَغْفِرُوا اللَّهَ ۚ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۚ ۲۰

اور ثواب میں زیادہ اور معافی مانگو اللہ سے بیشک اللہ بخشنے والا مہربان ہے

خلاصہ تفسیر

اے کپڑوں میں لپٹنے والے (وجہ اس عنوان سے خطاب کرنے کی یہ ہے کہ ابتدائے نبوت میں قریش نے دارالندوہ میں جمع ہو کر آپ کے بارہ میں مشورہ کیا کہ آپ کی حالت کے مناسب کوئی لقب تجویز کرنا چاہیے کہ اس پر سب متفق رہیں۔ کسی نے کہا کہ کاہن ہیں، اس کو دوسروں نے رد کر دیا۔ کسی نے

مجنوں کہا پھر اس کو بھی سب نے غلط قرار دیا۔ پھر ساحر کہا پھر بعض نے اس کو بھی رد کر دیا لیکن پھر یہی کہنے لگے کہ ساحر اس لئے ہیں کہ دوست کو دوست سے جدا کر دیتے ہیں۔ آپ کو یہ خبر پہنچ کر رنج ہوا اور رنج کی حالت میں لپٹ گئے۔ اکثر سوچ اور رنج میں آدمی اس طرح کر لیتا ہے اس لئے آپ کو خوش کرنے اور لطف کا اظہار کرنے کیلئے اس عنوان سے خطاب فرمایا، جیسا کہ حدیث میں ہے کہ آپ نے حضرت علیؓ کو ابتراب فرمایا تھا۔ غرض آپ کو خطاب ہے کہ ان باتوں کا رنج نہ کرو بلکہ حق تعالیٰ کی طرف مداومت کے ساتھ اور زیادہ توجہ رکھو اس طرح سے کہ رات کو (نماز میں) کھڑے رہا کرو مگر تھوڑی سی رات یعنی نصف رات (کہ اس میں آرام کرو) یا اُس نصف سے کسی قدر کم کر دو (یعنی نصف سے کم قیام کرو اور نصف سے زیادہ آرام کرو اور اس نصف سے کم کا مصداق ایک ثلث ہے بقرینہ قولہ تعالیٰ فیما بعد وَ ثُلُثُ) یا نصف سے کچھ بڑھا دو (یعنی نصف سے زیادہ قیام کرو اور نصف سے کم آرام کرو اور اس نصف سے زیادہ کا مصداق قریب دو ثلث کے ہے بقرینہ قولہ تعالیٰ فیما بعد اَدْنٰی مِنْ ثُلُثِ اللَّیْلِ، غرض قیام لیل تو امر و جوبی سے فرض ہوا مگر مقدار وقت قیام میں تین صورتوں میں اختیار ہے نصف شب، دو تہائی شب، ایک تہائی شب) اور (اس قیام لیل میں) قرآن کو خوب صاف صاف پڑھو (کہ ایک ایک حرف الگ الگ ہو اور یہی حکم غیر صلوٰۃ میں بھی ہے اور تخصیص محض مقام کی وجہ سے ہے، آگے قیام اللیل کے حکم کی علت اور مصلحت کا بیان ہے کہ) ہم تم پر ایک بھاری کلام ڈالنے کو ہیں (مُرَاد قرآن مجید ہے جو نزول کے وقت بھی آپ کی حالت کو متغیر کر دیتا تھا جیسا حدیثوں میں ہے کہ ایک بار آپ کی ران زید بن ثابت کی ران پر رکھی تھی، اُس وقت وحی نازل ہوئی تو زید بن ثابت کی ران پھٹنے لگی۔ اور جب آپ نزول وحی کے وقت ناقہ پر سوار ہوتے تو ناقہ گر دن ڈال دیتی اور حرکت نہ کر سکتی اور شدت کے جاڑوں میں آپ پسینہ پسینہ ہو جاتے۔ پھر علاوہ اس کے اس کا محفوظ رکھنا پھر دوسروں تک پہنچانے میں کلفتیں برداشت کرنا ان اعتبارات سے ثقیل کہا گیا۔ اور مقصد یہ ہے کہ قیام لیل کو شاق نہ سمجھنا ہم تو اس سے بھی بھاری بھاری کام تم سے لینے والے ہیں۔ قیام اللیل کا حکم آپ کو اسی لئے دیا گیا ہے کہ آپ خوگر ہوں ریاضت کے جس سے استعدادِ نفس اکمل و اقویٰ ہو کیونکہ ہم آپ پر قول ثقیل نازل کرنے والے ہیں تو اس کے لئے اپنی استعداد کا قوی کرنا ضروری ہے، آگے قیام لیل کی دوسری مصلحت ہے کہ) بے شک رات کا اٹھنا خوب مؤثر ہے (نفس کے) پکڑنے میں اور (دعا ہو یا قرأت ہو ظاہرًا و باطنًا) بات خوب ٹھیک نکلتی ہے (ظاہرًا تو اس طرح کہ فرصت کا وقت ہوتا ہے الفاظ دعا و قرأت کے خوب اطمینان سے ادا ہوتے ہیں اور باطنًا اس طرح کہ جی خوب لگتا ہے اور موافقتِ دل و زبان کا یہی مطلب ہے اور اس کا علت ہونا ظاہر ہے۔ آگے ایک تیسری علت ہے جس میں تخصیص شب کی حکمت کا بیان ہے وہ یہ کہ) بے شک تم کو دن میں بہت

کام رہتا ہے (دُنیوی بھی جیسے تدبیر مہمات خانہ داری اور دینی بھی جیسے تبلیغ اس لئے ان کاموں کے لئے رات تجویز کی گئی) اور (علاوہ قیام لیل کے جس کا اُد پر ذکر ہوا دوسرے اوقات میں بھی) اپنے رب کا نام یاد کرتے رہو اور سب سے (تعلق قطع کر کے اُسی کی طرف متوجہ رہو) (یعنی ذکر و تبتّل یہ ہر وقت کا فرض ہے اور تعلق قطع کرنے کا مطلب یہ ہے کہ خالق کا تعلق مخلوق کے سب تعلقات پر غالب ہے، آگے توحید کے ساتھ اس کی تاکید اور تصریح ہے یعنی) وہ مشرق و مغرب کا مالک ہے اُس کے سوا کوئی قابلِ عبادت نہیں تو اُسی کو اپنے کام سپرد کرنے کیلئے قرار دیئے رہو اور یہ لوگ جو جو باتیں کرتے ہیں اُن پر صبر کرو اور خوبصورتی کے ساتھ اُن سے الگ ہو جاؤ (الگ ہونا یہ کہ کوئی تعلق نہ رکھو اور خوبصورتی سے یہ کہ ان کی شکایت و انتقام کی فکر میں مت پڑو) اور (آگے ان کے عذاب کی خبر دے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی گئی ہے) مجھ کو اور ان جھٹلانے والوں کو ناز و نعمت میں رہنے والوں کو (حالت موجودہ پر) چھوڑ دو (یعنی رہنے دو و متر تفسیراً فی آیتہ فَذَرْنِي وَمَنْ يُكَذِّبُ بِهَذَا الْحَدِيثِ) اور ان لوگوں کو تھوڑے دنوں اور مہلت دیدو (یہ کنایہ ہے صبر و انتظار سے یعنی کچھ دن اور صبر کر لیجئے عنقریب ان کو سزا ہونے والی ہے کیونکہ) ہمارے یہاں بیڑیاں ہیں اور دوزخ ہے اور گلے میں پھنس جانے والا کھانا ہے (وَهَذَا كَقَوْلِهِ يَتَجَرَّعُهُ وَلَا يَكَادُ يُسِيغُهُ) اور دردناک عذاب ہے (پس ان لوگوں کو ان چیزوں سے سزا دی جاوے گی اور یہ سزا اُس روز ہوگی) جس روز زمین و پہاڑ پلنے لگیں اور پہاڑ (ریزہ ریزہ ہو کر) ریگ رواں ہو جائیں گے (پھر اُڑتے پھریں گے آگے مکذبین مذکورین کو بطور التفات کے خطاب ہے جس میں اثبات رسالت و تحقیق وعید بھی ہے یعنی) بے شک ہم نے تمہارے پاس ایک ایسا رسول بھیجا ہے جو تم پر (قیامت کے روز) گواہی دیں گے (کہ ان لوگوں نے تبلیغ کے بعد کیا برتاؤ کیا) جیسا ہم نے فرعون کے پاس ایک رسول بھیجا تھا، پھر فرعون نے اس رسول کا کہنا نہ مانا تو ہم نے اُس کو سخت پکڑنا پکڑا سو اگر تم (بھی بعثتِ رسول کے بعد نافرمانی اور) کفر کرو گے تو (اسی طرح ایک روز تم کو بھی مصیبت بھگتنا پڑے گی چنانچہ وہ مصیبت کا دن آنے والا ہے سو تم) اُس دن (کی مصیبت) سے کیسے بچو گے جو (اپنی شدت اور طول کی وجہ سے) بچوں کو بوڑھا کر دے گا، جس میں آسمان پھٹ جاوے گا بے شک اُس کا وعدہ ضرور ہو کر رہے گا (یہ بھی احتمال نہیں ہے کہ وہ وقت ٹل جاوے) یہ (تمام مضمون) ایک (بلیغ) نصیحت ہے سو جس کا جی چاہے اپنے پروردگار کی طرف رستہ اختیار کرے (یعنی اس تک پہنچنے کے لئے دین کا رستہ قبول کرے، آگے اس قیام لیل کی فرضیت کا نسخ ہے جو شروع سورت میں مذکور تھا یعنی) آپ کے رب کو معلوم ہے کہ آپ اور آپ کے ساتھ والوں میں سے بعض آدمی (کبھی) دو تہائی رات کے قریب اور (کبھی) آدھی رات اور (کبھی) تہائی رات (نماز میں) کھڑے رہتے ہیں اور رات اور دن

کا پورا اندازہ اللہ ہی کر سکتا ہے اس کو معلوم ہے کہ تم اس (مقدار وقت) کو ضبط نہیں کر سکتے (اور اس وجہ سے تم کو سخت مشقت لاحق ہوتی ہے کیونکہ انداز سے تخمینہ کرنے میں تو شبہ رہتا ہے کمی کا اور انداز سے زیادہ کرنے میں تمام رات کے قریب صرف ہو جاتا ہے تاکہ وقت مقدر یقیناً پورا ہو جاوے اور ان دونوں امر میں مشقت شدید ہے روحانی یا جسمانی) تو (ان وجوہ سے) اس نے تمہارے حال پر عنایت کی (اور اس سے پہلے حکم کو منسوخ فرما دیا) سو (اب) تم لوگ جتنا قرآن آسانی سے پڑھا جاسکے پڑھ لیا کرو (مراد اس قرآن پڑھنے سے تہجد پڑھنا ہے کہ اس میں قرآن پڑھا جاتا ہے اور یہ امر استحباب کے لئے ہے۔ مطلب یہ کہ تہجد کی فرضیت منسوخ ہو گئی اب جبکہ وقت تک آسان ہو بطور استحباب کے اگر چاہو پڑھ لیا کرو اور منسوخ ہونے کی اصل علت مشقت ہے جس پر عَلِمَ اَنْ لَّنْ غُثُثُوۃً کا قرینہ ہے اور اسکے قبل کا مضمون اسکی تہدید ہے، آگے اسی نسخ کی دوسری علت کا بیان ہے کہ) اس کو (یہ بھی) معلوم ہے کہ بعض آدمی تم میں بیمار ہونگے اور بعض تلاش معاش کے لئے ملک میں سفر کریں گے اور بعض اللہ کی راہ میں جہاد کریں گے (اس لئے بھی اس حکم کو منسوخ کر دیا کیونکہ ان حالتوں میں پابندی تہجد اور اس کے اوقات کی شکل تھی) سو (اس لئے بھی تم کو اجازت ہے کہ) (اب) تم لوگ جتنا قرآن آسانی سے پڑھا جاسکے پڑھ لیا کرو، اور (گو تہجد منسوخ ہو گیا مگر یہ احکام اب بھی باقی ہیں یعنی یہ کہ) نماز (فرض) کی پابندی رکھو اور زکوٰۃ دیتے رہو (قدم تفسیر فی اول المؤمنین) اور اللہ کو چھی طرح (یعنی اخلاص سے) قرض دو اور جو نیک عمل اپنے لئے آگے (ذخیرہ آخرت کا بنکر) بھیج دگے اس کو اللہ کے پاس پہنچ کر اس سے اچھا اور ثواب میں بڑا پاؤ گے (یعنی دنیوی اغراض میں خرچ کرنے سے جو عوض اور نفع مرتب ہوتا ہے اس سے بہتر اور اعظم نفقات خیر پر ملے گا) اور اللہ سے گناہ معاف کراتے رہو، بیشک اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے (استغفار بھی ان ہی احکام باقیہ میں ہے)

معارف و مسائل

يَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ، قُمْ مِلْ، کے لفظی معنی اپنے اوپر کپڑے لپیٹنے والا۔ تقریباً اسی کا ہم معنی لفظ مدثر ہے جو اگلی سورت میں آ رہا ہے۔ ان دونوں سورتوں میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک وقتی حالت اور مخصوص صفت کیساتھ خطاب کیا گیا ہے کیونکہ اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شدت خوف و فزع کے سبب سخت سردی محسوس کر رہے تھے اس لئے اپنے اوپر کپڑے ڈالنے کے لئے فرمایا یہ کپڑے ڈال دیجئے گئے تو آپ ان میں لپٹ گئے۔ واقعہ اسکا صحیحین بخاری و مسلم میں حضرت جابر رضی کی روایت سے یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فترت وحی کے زمانے کا ذکر فرما رہے تھے فترت کے لفظی معنی سُست یا بند ہو جانے کے ہیں، واقعہ اسکا یہ پیش آیا تھا کہ سب سے پہلے غار حراء میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر جبریل امین نازل ہوئے اور سورہ اقرآ کی ابتدائی آیتیں آپ کو سنائیں۔ یہ فرشتے کا نزول اور وحی کی شدت پہلے پہل تھی جسکا اثر طبعی

طور پر ہوا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ام المؤمنین حضرت خدیجہؓ کے پاس تشریف لے گئے سخت سردی محسوس کر رہے تھے اس لئے فرمایا زبونی زبونی یعنی ڈھانپو مجھے ڈھانپو۔ اسکا مفصل اور طویل واقعہ صحیح بخاری کے پہلے ہی باب میں مذکور ہے اس کے بعد کچھ دنوں تک یہ سلسلہ وحی کا بند رہا اس زمانے کو جس میں سلسلہ وحی بند رہا زمانہ فرت الوحی کہا جاتا ہے آپ نے اس زمانہ فرت کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ ایک روز میں چل رہا تھا کہ اچانک میں نے آواز سنی تو نظر آسمان کی طرف اٹھائی دیکھا کیا ہوں کہ وہ ہی فرشتہ جو غار حرا میں میرے پاس آیا تھا آسمان وزمین کے درمیان ایک معلق کرسی پر بیٹھا ہوا ہے۔ مجھے ان کو اس ہیئت میں دیکھ کر پھر وہ ہی رعب ہیئت کی کیفیت طاری ہو گئی جو پہلی ملاقات کے وقت ہو چکی تھی میں واپس اپنے گھر چلا آیا اور گھر والوں سے کہا کہ مجھے ڈھانپ دو اس پر یہ آیت نازل ہوئی **يَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ**، اس حدیث میں آیت **يَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ** کے نزول کا ذکر ہے ہو سکتا ہے کہ اسی حالت کو بیان کرنے کے لئے **يَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ** کا خطاب بھی آیا ہو اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ لفظ **مژمل** کے لقب کا واقعہ الگ وہ ہو جو خلاصہ تفسیر میں بیان ہوا ہے، اس عنوان سے خطاب کرنے میں ایک خاص لطف و عنایت کی طرف اشارہ ہے جیسے محبت و شفقت میں کسی کو اس کی وقتی حالت کے عنوان سے محض تلمظ کے لئے خطاب کیا جاتا ہے (روح المعانی) اس عنوان خاص سے خطاب فرما کر آپ کو نماز تہجد کا حکم اور اس کی کچھ تفصیل بتلائی ہے۔

نماز تہجد کے احکام اور انہیں تبدیلی لفظ **مژمل** اور **مژمل** خود اسکا پتہ دیتے ہیں کہ یہ آیات بالکل شروع اسلام اور نزول قرآن کے ابتدائی زمانے میں نازل ہوئی ہیں جبکہ اس وقت پانچ نمازیں امت پر فرض نہیں ہوئی تھیں کیونکہ پانچ نمازوں کی فرضیت توشب معراج میں ہوئی ہے۔

امام بغویؒ نے حضرت صدیقہ عائشہؓ وغیرہ کی احادیث کی بنا پر یہ فرمایا ہے کہ اس آیت کی رو سے قیام اللیل یعنی رات کی نماز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام امت پر فرض تھی اور یہ اس وقت کا واقعہ ہے جب پانچ نمازیں فرض نہیں تھیں۔

اس آیت میں قیام اللیل یعنی تہجد کی نماز کو صرف فرض ہی نہیں کیا گیا بلکہ اس میں کم از کم ایک چوتھائی رات سے مشغول رہنا بھی فرض قرار دیا گیا ہے کیونکہ ان آیات میں اصل حکم یہ تھا کہ تمام رات با استئذان قلیل نماز میں مشغول رہیں اور استئذان قلیل کا بیان اور تفصیل آگے آتی ہے۔

امام بغویؒ روایات حدیث کی بنا پر فرماتے ہیں کہ اس حکم کی تعمیل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رات کے اکثر حصہ کو نماز تہجد میں صرف فرماتے تھے یہاں تک کہ ان کے قدم ورم کر گئے اور یہ حکم خاصا بھاری معلوم ہوا۔ سال بھر کے بعد اسی سورت کا آخری حصہ **فَاقْرَءْ مَا تَيسَّرُ مِنْهُ** نازل ہوا جس نے اس طویل قیام کی پابندی منسوخ کر دی اور اختیار دیدیا کہ جتنی دیر کسی کے لئے آسان ہو سکے اتنا وقت خسار چکرنا نماز تہجد میں کافی ہے یہ مضمون ابوداؤد و نسائی میں حضرت صدیقہ عائشہؓ سے منقول ہے اور حضرت

ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جب پانچ نمازوں کی فرضیت شبِ معراج میں نازل ہوئی تو نماز تہجد کی فرضیت منسوخ ہو گئی البتہ سنت پھر بھی رہی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ اس پر مداومت فرمائی اسی طرح اکثر صحابہ کرام بڑی پابندی سے نماز تہجد ادا کرتے تھے (منظری) اب الفاظِ آیت کی تفسیر دیکھئے ارشاد فرمایا، **فَإِذَا لَئْلٌ أَكَلَتْ قَلِيلًا**، اللیل پر الف لام داخل ہونے سے اس نے پوری رات کے معنی دیئے تو مطلب آیت کا یہ ہو گیا کہ آپ ساری رات قیام اتیل میں مشغول رہیں بجز قلیل کے۔ مگر چونکہ یہ لفظ قلیل مبہم تھا اس لئے آگے اس کی تشریح اس طرح فرمادی **نِصْفًا أَوْ النِّقْصُ مِنْهُ قَلِيلًا أَوْ زِدْ عَلَيْهِ** یعنی اب آپ نصف رات قیام فرمائیں یا نصف سے کچھ کم کر دیں یا نصف سے کچھ بڑھا دیں۔ یہ بیان **الْأَقْلِيلُ** کے استثناء کا ہے۔ اس لئے اس پر یہ سوال ہو سکتا ہے کہ نصف تو قلیل نہیں کہلاتا۔ جواب یہ ہے کہ رات کا ابتدائی حصہ تو نماز مغرب پھر عشاء وغیرہ میں گزر رہی جاتا ہے اب نصف سے مراد باقی ماندہ کا نصف ہوگا وہ مجموعہ رات کے اعتبار سے قلیل ہے اور اس آیت میں چونکہ نصف سے کم کرنے کی بھی اجازت ہے نصف سے زائد کرنے کی بھی، اس لئے مجموعی طور پر اس کا یہ حاصل ہوا کہ کم از کم چوتھائی رات سے کچھ زیادہ قیام اتیل میں مشغول رہنا فرض ہوگا۔

ترتیل قرآن کا مطلب | **وَرَتَّلِ الْقُرْآنَ قَدْرًا**، ترتیل کے لفظی معنی کلمہ کو سہولت اور استقامت کے ساتھ منہ سے نکالنے کے ہیں (مفردات امام راغب) مطلب آیت کا یہ ہے کہ تلاوتِ قرآن میں جلدی نہ کریں، بلکہ ترتیل و تسہیل کے ساتھ ادا کریں اور ساتھ ہی اسکے معانی میں تدبر و غور کریں (قرطبی) **وَرَتَّلِ** کا عطف قصر اللیل پر ہے اور اس میں اس کا بیان ہے کہ رات کے قیام میں کیا کرنا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ نماز تہجد اگرچہ قرأت و تسبیح، رکوع و سجود سمی اجزائے نماز پر مشتمل ہے مگر اس میں اصل مقصود قرأت قرآنی ہے اسی لئے احادیث صحیحہ اس پر شاہد ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تہجد کی نماز بہت طویل ادا فرماتے تھے، یہی عادت صحابہ تابعین میں معروف رہی ہے۔

مسئلہ۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ قرآن کا صرف پڑھنا مطلوب نہیں بلکہ ترتیل مطلوب ہے جس میں ہر ہر کلمہ صاف صاف اور صحیح ادا ہو۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اسی طرح ترتیل فرماتے تھے حضرت ام سلمہؓ سے بعض لوگوں نے رات کی نماز میں آپ کی تلاوتِ قرآن کی کیفیت دریافت کی تو انھوں نے نقل کر کے بتلایا جس میں ایک ایک حرف واضح تھا (ترمذی۔ ابو داؤد۔ نسائی۔ ازمنظری)

مسئلہ۔ ترتیل میں تحسینِ صوت یعنی بقدر اختیار خوش آوازی سے پڑھنا بھی شامل ہے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کسی کی قرأت و تلاوت کو ایسا نہیں سنتا جیسا اُس نبی کی تلاوت کو سنتا ہے جو خوش آوازی کیساتھ جہراً تلاوت کرے (منظری) حضرت علقمہؓ نے ایک شخص کو حسن صوت کیساتھ تلاوت کرتے ہوئے دیکھا تو فرمایا **لَقَدْ رَتَّلَ الْقُرْآنَ**

فداہ ابی داؤدی، یعنی اس شخص نے قرآن کی ترتیل کی ہے میرے ماں باپ اس پر قربان ہوں (قرطبی)
اور اصل ترتیل وہی ہے کہ حروف و الفاظ کی ادائیگی بھی صحیح اور صاف ہو اور پڑھنے والا اسکے معانی پر غور کر کے
اُس سے متاثر بھی ہو رہا ہو جیسا کہ حسن بصری رحمہ سے منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر ایک شخص
پر ہوا جو قرآن کی ایک آیت پڑھ رہا تھا اور رو رہا تھا۔ آپ نے لوگوں سے فرمایا کہ تم نے اللہ تعالیٰ کا یہ حکم سنا ہے
وَرَتِّلِ الْقُرْآنَ تَرْتِیْلًا۔ بس یہی ترتیل ہے (جو یہ شخص کر رہا ہے) از قرطبی

اِنَّا سَنُلْقِیْ عَلَیْكَ قَوْلًا ثَقِیْلًا، ثقیل کے معنی بھاری کے ہیں اور قول ثقیل سے مراد قرآن ہے کیونکہ
اس کے بیان کردہ حلال و حرام اور جائز اور ناجائز کے حدود کی دائمی پابندی طبعی طور پر بھاری ہے بجز اسکے
کہ جس کے لئے اللہ تعالیٰ اس کو آسان بنادے اور قرآن کو قول ثقیل اسوجہ سے بھی کہا جاسکتا ہے کہ اسکے
نزول کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک خاص وزن اور شدت محسوس فرماتے تھے جس سے سخت سُر
کے زمانے میں بھی آپ کی پیشانی پسینہ پسینہ ہو جاتی تھی اور اگر اس وقت کسی اونٹنی پر سوار ہیں تو وہ اس کے
بوجھ سے اپنی گردن ڈال دیتی تھی جیسا کہ احادیث صحیحہ اس پر شاہد ہیں (صحیح بخاری وغیرہ)

اس آیت میں اس طرف اشارہ پایا جاتا ہے کہ نماز تہجد کا حکم اسلئے دیا گیا کہ انسان مشقت اٹھانے
کا خوگر بنے۔ یہ رات کو نیند کے غلبہ اور نفس کی راحت کے خلاف ایک جہاد ہے اس کے ذریعہ ثقیل بوجھل
احکام کی برداشت آسان ہو جائے گی جو قرآن میں نازل ہونے والے ہیں۔

اِنَّ نَاشِئَةَ اللَّیْلِ نَفْطٌ نَّاشِئٌ بوزن عافیت مصدر ہے جس کے معنی ہیں رات کی نماز کے لئے کھڑا
ہونا۔ حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ سونے کے بعد رات کی نماز کے لئے اُٹھنا ناشئہ الیل ہے اس معنی کے
لحاظ سے نَفْطٌ ناشئہ اللیل بمعنی تہجد ہو گیا کیونکہ تہجد کے لفظی معنی بھی رات میں سو کر اُٹھنے کے بعد نماز پڑھنے
کے ہیں۔ ابن کیسان نے فرمایا کہ آخر رات کے قیام کو ناشئہ اللیل کہا جاتا ہے۔ ابن زید نے فرمایا کہ رات
کے جس حصے میں بھی کوئی نماز پڑھی جائے وہ ناشئہ الیل میں داخل ہے۔ اور حضرت حسن بصریؒ نے فرمایا کہ
عشاء کی نماز کے بعد ہر نماز ناشئہ الیل میں داخل ہے۔ ابن ابی ملیک نے فرمایا کہ میں نے حضرت ابن عباسؓ
اور ابن زبیر رضی اللہ عنہما سے ناشئہ الیل کے معنی پوچھے تو انھوں نے فرمایا اَلِیْل کُلُّهَا ناشئہ یعنی
رات کے ہر حصہ کی نماز ناشئہ الیل میں داخل ہے (منظہری)

ان مجموعہ اقوال میں کوئی تضاد نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ قیام الیل اور ناشئہ الیل کا مفہوم اصل میں
عام ہے رات کے کسی بھی حصہ میں جو نماز پڑھی جائے اس پر ان دونوں لفظوں کا اطلاق ہو سکتا ہے خصوصاً
جو نماز عشاء کے بعد ہو جیسا کہ حسن بصری کا قول ہے لیکن جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور جمہور صحابہ و
تابعین اور صلحاء اُمت کا ہمیشہ یہ عمل رہا ہے کہ اس نماز کو سو کر اُٹھنے کے بعد آخر شب میں ادا کرتے تھے
اسلئے وہ افضل اعلیٰ اور موجب برکات زیادہ ہے اور نفس سنت قیام الیل اور ناشئہ الیل کی عشاء کی نماز کے

بعد نماز نفل سے ادا ہو جاتی ہے،
 هِيَ آسَنُ وَطَآءٌ، وَطَآءٌ میں دو قراءتیں ہیں، مشہور قراءۃ الفتح الواو وسكون الطاء، ہر وزن ضرب ہے جس کے
 معنی روندنے اور کچلنے کے آتے ہیں، اس کے اعتبار سے مطلب یہ ہوگا کہ رات کی نماز نفس کشی اور نفس کو کچلنے میں بہت معین
 ہے، یعنی نفس کو قابو میں رکھنے اور ناجائز خواہشات پر اڑنے سے روکنے میں نماز تہجد سے بڑی عمد ملتی ہے، خلاصہ تفسیر مذکور میں
 اسی کو اختیار کیا گیا ہے۔۔۔۔۔ دوسری قراءۃ میں وَطَآءٌ بکسر الواو وبالالف الممدودة بوزن کتاب ہے، اس صورت میں
 یہ مواطاة بمعنی موافقت کا مصدر ہے، قرآن کریم کی آیت لِيُوَاطِعُوا اَعْدَاءَ مَا حَرَّمَ میں اسی موافقت کے معنی ہیں، ائمہ تفسیر
 میں حضرت ابن عباسؓ اور ابن زیدؓ سے اس کے یہی معنی منقول ہیں، ابن زیدؓ نے فرمایا کہ مراد یہ ہے کہ رات کے وقت نماز
 کے لئے اٹھنا قلب نگاہ، کان اور زبان سب میں باہمی موافقت پیدا کر نہیں شدہ، یعنی بہت زیادہ مؤثر ہے،
 حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ آسَنُ وَطَآءٌ کے معنی یہ ہیں کہ کان اور قلب میں اس وقت زیادہ موافقت
 ہوتی ہے کہ رات کا وقت عموماً کاموں سے فراغت اور شور و شغب سے نجات اور سکون کا وقت ہوتا ہے، اس
 وقت جو الفاظ زبان سے نکلیں گے اپنے کان بھی ان کو سنیں گے اور دل بھی حاضر ہوگا،

وَأَقْوَمُ قِيْلًا، اور اقوم کے معنی زیادہ مستقیم و درست اور زیادہ ثابت کے ہیں۔ مراد
 یہ ہے کہ رات کے وقت میں تلاوت قرآن زیادہ درست اور جماد اور ثبات کیساتھ ہو سکتی ہے کیونکہ
 مختلف قسم کی آوازوں اور شور و شغب سے قلب اور ذہن مشوش نہیں ہوتا۔

خلاصہ اس آیت کا بھی حکم قیام اللیل کی حکمت بیان کرنا ہے اس سے پہلی آیت میں جو اس کی
 حکمت ارشاد فرمائی گئی تھی اِنَّا سَنُلْقِيْكَ قَوْلًا ثَقِيْلًا، یہ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات قدسی
 کے ساتھ خاص تھی کہ قول ثقیل یعنی قرآن کے نزول کا تعلق آپ ہی کی ذات سے ہے۔ اس دوسری آیت
 میں جو حکمت بیان ہوئی وہ سب اُمت کے لئے عام ہے کہ رات کی نماز میں دو وصف ہیں اول قلب زبان
 میں موافقت دوسرے تلاوت قرآن میں بوجہ سکون کے آسانی۔

اِنَّكَ لَفِي الثَّغَارِ سَبْحًا طَوِيْلًا، لفظ سبج کے لفظی معنی جاری ہونے اور گھومنے پھرنے کے ہیں اسی
 سے پانی میں تیرنے کو بھی سبج اور سباحت کہا جاتا ہے کہ پانی میں بغیر کسی رکاوٹ کے گھومنا پھرنا تیراکی کے ساتھ
 آسان ہے۔ یہاں مراد سبج سے دن بھر کے مشاغل ہیں جن میں تعلیم و تبلیغ اور اصلاح خلق کے لئے یا اپنی معاشی
 مصالح کے لئے چلنا پھرنا سب داخل ہیں۔

اس آیت میں قیام اللیل کے حکم کی تیسری حکمت و مصلحت کا بیان ہے یہ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور
 پوری اُمت کے لئے عام ہے وہ یہ کہ دن میں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اسی طرح دوسرے بھی حضرات کو
 بہت سے مشاغل چلنے پھرنے کے رہتے ہیں۔ فراغ بالی سے عبادت میں توجہ مشکل ہوتی ہے رات کا
 وقت اس کام کے لئے رہنا چاہیے کہ بقدر ضرورت نیند اور آرام بھی ہو جائے اور قیام اللیل کی عبادت بھی۔

فائدہ | حضرت فقہاء نے فرمایا کہ اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ علماء و مشائخ جو تعلیم و تربیت اور اصلاح خلق کی خدمتوں میں لگے رہتے ہیں اُن کو بھی چاہیے کہ یہ کام دن ہی تک محدود رہنے چاہئیں، رات کا وقت اللہ تعالیٰ کے حضور حاضری اور عبادت کے لئے فارغ رکھنا بہتر ہے جیسا کہ علمائے سلف کا تعامل اس پر شاہد ہے کوئی وقتی ضرورت دینی، تعلیمی، تبلیغی کبھی اتفاقات کو بھی اس میں مشغول رکھنے کی داعی ہو تو وہ بقدر ضرورت مستثنیٰ ہے۔ اس کی شہادت بھی بہت سے حضرات علماء و فقہاء کے عمل سے ثابت ہے۔

وَ اذْكُرْ اسْمَ رَبِّكَ وَ تَبَتَّلْ اِلَيْهِ تَبَتُّلاً، تَبَتُّلُ کے لفظی معنی مخلوق سے منقطع ہو کر خالق کی عبادت میں لگ جانے کے ہیں وَ اذْكُرْ اسْمَ رَبِّكَ کا عطف قَوْلِ التَّبَتُّلِ پر ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قیام اللیل یعنی رات کی نماز کا حکم دیا گیا ہے اور اس کے ضمن میں دن کی خاص خاص عبادتوں کی طرف بھی اشارہ کر دیا گیا کہ کافی قولہ اِنَّ لَكَ فِي الثَّمَارِ سَبْحًا طَوِيلًا۔ اس آیت میں ایک ایسی عبادت کا حکم ہے جو رات یا دن کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ ہر وقت اور ہر حال میں جاری رہتی ہے وہ ہے ذکر اللہ، اور مراد ذکر اللہ کے حکم سے اُس پر مداومت ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا تو تصور ہی نہیں ہو سکتا کہ آپ بالکل ذکر نہ کرتے ہوں اس لئے اس حکم کا منشاء دوام ذکر ہی ہو سکتا ہے (منظہری) اور مراد آیت کی یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا گیا کہ ذکر اللہ کو شب و روز ہمہ وقت جاری رکھیں اس میں نہ کبھی ذہول ہونا چاہیے نہ نستی۔ اور یہ مراد اُسی وقت ہو سکتی ہے جبکہ ذکر اللہ سے مراد عام لیا جائے خواہ زبان سے ہو یا قلب سے یا اعضاء و جوارح کو اللہ تعالیٰ کے احکام میں مشغول رکھنے سے۔ اور ایک حدیث میں جو حضرت صدیقہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے یہ آیا ہے کہ کان یذکر اللہ علی کلّ حین، یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر وقت اللہ کا ذکر فرماتے تھے یہ بھی اس عام معنی کی رو سے صحیح ہو سکتا ہے کیونکہ بیت الخلاء وغیرہ میں آپ کا ذکر لسانی نہ کرنا روایات حدیث سے ثابت ہے مگر ذکر قلبی ہر وقت جاری رہ سکتا ہے اور ذکر قلبی کی دو صورتیں ہیں ایک الفاظ متخیلہ کے ذریعہ ذکر کرنا، دوسرے اللہ تعالیٰ کی صفات و کمالات میں غور و فکر کرنا، کما افادہ شیخ التھانوی قدس سرہ۔

دوسرا حکم اس آیت میں یہ دیا گیا کہ تَبَتَّلْ اِلَيْهِ تَبَتُّلاً، یعنی آپ تمام مخلوقات سے قطع نظر کر کے صرف اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی اور اُس کی عبادت میں لگ جائیں اس کے عام مفہوم میں اللہ کی عبادت میں غیر اللہ کو شریک نہ کرنا بلکہ خاص اللہ کے لئے عبادت کرنا بھی داخل ہے اور یہ بھی کہ اپنے تمام اعمال و افعال اور حرکات و سکنات میں نظر اور بھروسہ صرف اللہ تعالیٰ پر رہے کسی مخلوق کو نفع و ضرر کا مالک یا حاجت روا اور مشکل کشا نہ سمجھیں۔ حضرت ابن زبیر نے فرمایا کہ تَبَتَّلْ کے معنی یہ ہیں کہ تمام دنیا و مافیہا کو چھوڑیں اور صرف اُس چیز کی طرف متوجہ رہیں جو اللہ کے پاس ہے (منظہری) لیکن جس تَبَتُّلِ اور مخلوق سے قطع تعلق کا حکم اس آیت میں دیا گیا ہے وہ اس ترک تعلقات اور ترک دنیا سے بالکل مختلف ہے جس کو قرآن میں رہبانیت کہا ہے اور اس کی مذمت کی طرف اشارہ کیا ہے وَ رَهْبَانِیَّةٍ ابْتَدِعُوْهَا۔ اور جس کے متعلق حدیث میں ہے (رہبانیت فی الاسلام)۔

کیونکہ رہبانیت اصطلاح شرع میں اُس ترک دنیا اور ترک تعلقات کا نام ہے جس میں تمام لذائذ اور حلال طیب اشیا کو بہ نیت عبادت چھوڑ دیا جائے یعنی یہ اعتقاد ہو کہ ان حلال چیزوں کے چھوڑے بغیر اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل نہیں ہو سکتی۔ یا عملاً ترک تعلقات اس طرح کرے کہ لوگوں کے حقوق و واجبات کی رعایت نہ کرے اُن میں خلل آئے اور یہاں جس تبثّل اور ترک تعلق کا حکم ہے وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے تعلق پر کسی دوسری مخلوق کا تعلق غالب نہ آجائے خواہ اعتقاداً یا عملاً اور ایسا ترک تعلق دنیوی تمام معاملات ازدواج و نکاح اور تعلقات رشتہ داری وغیرہ کے منافی نہیں بلکہ ان سب کے ساتھ جمع ہو سکتا ہے جیسا کہ تمام انبیاء علیہم السلام کی سنت خصوصاً سید الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پوری زندگی اور شمائل اس پر شاہد ہیں۔ یہاں جس مفہوم کو لفظ تبثّل سے تعبیر کیا گیا ہے اسی کا دوسرا عنوان سلف صالحین کی زبان میں اخلاص ہے۔ (منظہری)

فائدہ ہمسرہ ذکر اللہ کی کثرت اور تعلقات دنیا کے ترک کے معاملے میں صوفیائے کرام سلفاً و خلفاً سب سے آگے رہے ہیں۔ انہوں نے فرمایا کہ ہم جس مسافت کو طے کرنے اور راستہ قطع کرنے میں دن رات لگے ہوئے ہیں درحقیقت اُس کے دو قدم ہیں۔ پہلا قدم مخلوق سے انقطاع ہے اور دوسرا قدم وصول الی اللہ ہے۔ اور یہ دونوں ایک دوسرے کے لئے لازم و ملزوم ہیں۔ آیت مذکورہ میں انہیں دو قدموں کو دو جہلوں میں عطف کر کے بیان فرمایا گیا ہے **وَإِذْ كُنَّا نَمُرُّكُمْ وَأَنتُمْ تُكَذِّبُونَ**۔

یہاں ذکر اللہ سے مراد اُس پر ایسی مداومت ہے جس میں کبھی تصور و فتور نہ ہو اور کسی وقت اُس نے ہول نہ ہو۔ یہی وہ مقام ہے جس کو صوفیائے کرام کی اصطلاح میں وصول الی اللہ کہا جاتا ہے۔ اس طرح پہلے جملے میں آخری قدم کا ذکر فرمایا اور دوسرے جملے میں پہلے قدم کا۔ یہ ترتیب شاید اس لئے بدل گئی کہ اگرچہ عمل میں تبثّل یعنی قطع تعلقات (بالمعنی المذكور) مقدم ہے اور وصول الی اللہ اُس کے بعد اُس پر مرتب ہوتا ہے مگر چونکہ مقصد سالک کا یہ دوسرا ہی قدم ہے اور یہی درحقیقت مقصود المقاصد ہے اس کی اہمیت و افضلیت بتلانے کے لئے ترتیب طبعی و قوی کو بدل کر ذکر اللہ کو مقدم بیان فرمایا گیا۔ شیخ سعدی علیہ الرحمہ نے انہیں دو قدموں کو خوب بیان فرمایا ہے ۵

تعلق حجاب است و بے حالی : چو پیوند با بگسلی واصلی

ذکر اسم ذات یعنی اللہ اللہ کا اس آیت میں ذکر اللہ کے حکم کو لفظ اسم کیساتھ مقید کر کے **وَإِذْ كُنَّا نَمُرُّكُمْ** تکرار بھی مامور بہ ذکر و عبادت ہے فرمایا ہے **وَإِذْ كُنَّا نَمُرُّكُمْ** نہیں فرمایا اسمیں اشارہ اس طرف نکلتا ہے کہ اسم رب یعنی اللہ اللہ کا تکرار بھی مطلوب مامور بہ ہے (منظہری) بعض علماء نے جو صرف اسم ذات اللہ اللہ کے تکرار کو بدعت کہہ دیا ہے اس سے معلوم ہوا کہ اسکو بدعت کہنا صحیح نہیں۔ واللہ اعلم **رَبِّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ فَاتَّخِذْهُ وَكِيلًا** ، وکیل لغت میں اُس شخص کو کہا جاتا ہے جس کو کوئی کام سپرد کیا جائے۔ **فَاتَّخِذْهُ وَكِيلًا** کا مفہوم یہ ہوا کہ اپنے سب کاروبار

معاملات اور حالات کو اللہ کے سپرد کرو ساسی کا نام اصطلاح میں توکل ہے۔ اس سورت میں جو احکام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیئے گئے ہیں یہ انہیں پانچواں حکم ہے۔ امام یعقوب کرنی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ شروع سورت سے اس آیت تک مقامات سلوک کی طرف اشارہ ہے یعنی رات میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لئے خلوت۔ قرآن کریم میں اشتغال۔ ذکر اللہ پر دوام۔ ماسوی اللہ سے اعراض و ترک تعلق۔ اللہ تعالیٰ پر توکل۔ توکل کے آخری حکم سے پہلے اللہ تعالیٰ شانہ کی صفت رَبِّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ بیان کر کے اس طرف اشارہ کر دیا کہ جو ذات پاک مشرق و مغرب یعنی سارے جہان کی پالنے والی اور ان کی تمام ضروریات ابتدا سے انتہا تک پورا کرنے کی متکفل ہے۔ توکل اور بھروسہ کرنے کے قابل صرف وہی ذات ہو سکتی ہے اور اس پر بھروسہ کرنے والا کبھی محروم نہیں رہ سکتا جیسا کہ قرآن کریم کا ارشاد ہے وَمَنْ يَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ فَهُوَ حَسْبُهُ، یعنی جو شخص اللہ پر توکل (بھروسہ) کرتا ہے اللہ اس کے (سب مہمات و مشکلات کیلئے) کافی ہو جاتا ہے توکل کے معنی شرعی | اللہ پر توکل اور بھروسہ کے معنی نہیں کہ سب معاش اور دفع بلا کے جو اسباب و آلات قدرت حق نے آپ کو عطا فرمائے ہیں ان کو معطل کر کے اللہ پر بھروسہ کر دو، بلکہ حقیقت توکل کی یہ ہے کہ اپنے مقاصد کے لئے اللہ کی دی ہوئی قوت و توانائی اور جو اسباب میسر ہیں ان سب کو پورا استعمال کرو مگر اسباب مادیہ میں غلو اور انہماک زیادہ نہ کرو اعمال اختیار یہ کو کر لینے کے بعد نتیجہ کو اللہ کے سپرد کر کے بے فکر ہو جاؤ۔

توکل کا یہ مفہوم خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے۔ امام بخاری نے شرح السنۃ میں اور بیہقی نے شعب الایمان میں یہ حدیث روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان نفسا لن تموت حتی تستكمل رزقها الا فاتقوا الله واجملوا فی الطلب (مظہری) یعنی روح القدس (جبریل امین) نے میرے دل میں یہ بات ڈالی ہے کہ کوئی شخص اس وقت تک نہیں مرے گا جب تک وہ اپنے مقدر میں لکھا ہوا اللہ کا رزق پورا پورا حاصل نہیں کر لے گا، اس لئے تم خدا سے ڈرو اور اپنے مقاصد کی طلب میں اختصار سے کام لو، زیادہ منہمک نہ ہو کہ قلب کی توجہ ساری انہیں مادی اسباب و آلات میں محصور ہو کر رہ جائے۔ اور اللہ تعالیٰ پر توکل کر دو۔ اور ترمذی میں حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ترک دنیا اس کا نام نہیں کہ تم اپنے اوپر اللہ کی حلال کی ہوئی چیزوں کو حرام کر لو یا جو مال تمہارے پاس ہو اُسے خواہ مخواہ اُڑا دو، بلکہ ترک دنیا اس کا نام ہے کہ تمہارا اعتماد اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں جو چیز ہے اُس پر زیادہ ہو بہ نسبت اُس کے جو تمہارے ہاتھ میں ہے (مظہری)

وَأَصْبِرْ عَلَى مَا يَنْفُو لَوْ أَنَّ أَهْلَ جَهَنَّمَ هُجِرُوا بِجَهَنَّمَ، بقول امام کرنی یہ چٹا حکم جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا گیا ہے یعنی لوگوں کی ایذاؤں اور گالیوں پر صبر جمیل۔ یہ مقامات سلوک میں سب سے اعلیٰ مقام ہے کہ دشمنوں کی جفا و ایذا پر صبر کیا جائے، یعنی یہ حضرات جن لوگوں کی خیر خواہی اور ہمدردی میں اپنی ساری قوت و توانائی اور ساری عمر فرج کرتے ہیں انہیں کی طرف سے اُس کی جزا میں گالیاں، ایذاؤں، طرح طرح کے جور و تم ان کے

مقابلے میں آتے ہیں اُن پر صبر جمیل کرنا یعنی انتقام کا ارادہ بھی نہ کرنا یہ وہ اعلیٰ مقام ہے جو اصطلاح صوفیہ میں فنار کامل کے بغیر نصیب نہیں ہوتا۔

وَالَّذِينَ هُمْ عَنْ حُمُولِهَا سَمِعُوا، ہجر بفتح الہاء کے لفظی معنی کسی چیز کو رنج و ملال بیزاری کیساتھ چھوڑنے کے آتے ہیں۔ معنی یہ ہوئے کہ تکذیب کرنے والے کفار جو کچھ آپ کو ایذا کے کلمات کہتے ہیں آپ اس کا انتقام تو اُن سے نہ لیں مگر اُن سے تعلقات بھی نہ رکھیں۔ مگر ترک تعلق کے وقت انسان کی طبعی عادت یہ ہے کہ جس سے تعلق چھوڑا جائے اس کا شکوہ شکایت اور اُس کو بُرا بھلا کہتا ہے اسلئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کفار کے ہجر یعنی ترک تعلق کا جو حکم دیا گیا تو ساتھ ہجر اجمیل کی قید لگا دی گئی کہ آپ کے منصب عالی اور خلق عظیم کا تقاضا یہ ہے کہ جن کفار سے ترک تعلق کریں زبان بھی اُن کو بُرا کہنے سے محفوظ رکھیں۔

بعض حضرات مفسرین نے فرمایا ہے کہ آیات جہاد و قتال جو بعد میں نازل ہوئیں اُن سے اس آیت کا حکم منسوخ ہو گیا، لیکن غور کیا جائے تو منسوخ کہنے کی ضرورت نہیں، کیونکہ آیات مذکورہ میں کفار کی ایذاؤں پر صبر اور ہجر کی تلقین ہے یہ زجر اور سزا و قتال کے منافی نہیں، اس آیت کا حکم ہر وقت ہر حال میں ہی اور قتال و جہاد میں جو زجر و سزا ہے اس کا حکم خاص خاص اوقات میں ہے اور اسلامی قتال و جہاد درحقیقت کوئی انتقام یا اپنا غصہ نکالنا نہیں، جو صبر اور ہجر جمیل کے منافی ہو بلکہ خالص حکم خداوندی کی تعمیل ہے جس طرح صبر اور ہجر جمیل عام حالات میں اس کی تعمیل ہے یہاں تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کفار کی ایذاؤں پر صبر اور ترک انتقام کی تلقین تھی آگے آپ کی تسلی کے لئے ان کفار پر جو عذاب آخرت میں آنے والا ہے اس کا بیان ہے مقصد یہ ہے ان کی چند روزہ چیرہ دستی اور ظلم و جور سے آپ ملول نہ ہوں ان کو تو اللہ تعالیٰ سخت عذاب میں پھرنے والا ہے ہاں حکمت ربانی کے تقاضے سے کچھ مہلت دے رکھی ہو، اس میں آپ جلدی کی فکر نہ فرمادیں یہی مفہوم ہے بعد کی آیت (ذُرْنِي وَالْمُكَذِّبِينَ اُولِيَ النَّعْمَةِ وَمَهِّلْهُمْ قَلِيلًا) کا اس میں کفار مکذبین کو اُولی النعمۃ فرمایا ہے۔ نعمت بفتح النون کے معنی تنعم یعنی عیش و عشرت اور مال و اولاد کی بہتات کے ہیں اس میں اشارہ ہے کہ دُنیا کے مال و اولاد اور ناز و نعمت میں مست ہو جانا اُسی شخص سے ہو سکتا ہے جو آخرت کی تکذیب کرنے والا ہو۔ مومن کو بھی یہ چیزیں بسا اوقات نصیب ہوتی ہیں مگر وہ ان میں ایسا مست نہیں ہوتا اسلئے دُنیا کے ہر عیش و راحت کے وقت بھی اس کا قلب فکر آخرت سے خالی نہیں ہوتا۔ خالص عیش و عشرت اور بالکل بے فکری اس دُنیا میں کافروں اور آخرت کی تکذیب کرنے والوں ہی کا حصہ ہو سکتا ہے۔

آگے آخرت کے اس سخت ترین عذاب کا ذکر ہے جس میں پہلے انکال کا ذکر کیا جس کے معنی قید و بند اور زنجیروں کے ہیں۔ پھر جہنم کی شدید آگ کا ذکر فرمایا۔ پھر اہل جہنم کے دردناک کھانے کا ذکر ہر طعامًا ذَا عَصَۃٍ، عَصَۃ کے لفظی معنی گلے میں لگانے والے پھندے کے ہیں کہ کوئی لقمہ گلے میں اس طرح پھنس جائے کہ نہ نگلا جاسکے نہ باہر اُگلا جاسکے۔ ضریح اور زقوم جو اہل جہنم کو کھانے کے لئے دیا جائیگا انکا یہی حال ہوگا

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ اس میں آگ کے کانٹے ہونگے جو گلے میں پھنس جائیں گے (نفوذ باللہ منہ) آخر میں فرمایا **قَدْ أَبَا الْيَمِّ**، ان معین عذابوں کے ذکر کرنے کے بعد یہ ہم نطق لاکر اس طرف اشارہ کیا گیا کہ اور عذاب ان سے بھی زیادہ شدید و سخت ہیں جن کا کوئی انسان تصور نہیں کر سکتا۔ (اللہم احفظنا منها) سلف صالحین کا خوفِ آخرت | امام احمد۔ ابن ابی داؤد۔ ابن عدی اور بیہقی کی روایت ہے کہ ایک شخص نے قرآن کی یہ آیت سنی تو خوف سے بیہوش ہو گیا، اور حضرت حسن بصریؒ ایک دن روزہ سے تھے افطار کے وقت کھانا سامنے آیا تو اس آیت کا دھیان آگیا، کھانا نہ کھا سکے اٹھوا دیا۔ اگلے روز پھر شام کو ایسا ہی ہوا، کھانا اٹھوا دیا۔ تیسرے روز پھر ایسا ہی ہوا تو ان کے صاحبزادے حضرت ثابت بنانی اور زید ضبئی اور یحییٰ بکار کے پاس گئے اور حال سنایا، یہ تینوں حضرات آئے اور حضرت حسن کو کھانے کا بہت اصرار کرتے رہے جب مجبور ہو کر کچھ تناول فرمایا (روح المعانی)

آگے کچھ قیامت کے ہولناک واقعات کا بیان فرمایا **يَوْمَ تَرْجُفُ الْأَرْضُ وَالْجِبَالُ** الآیۃ اس کے بعد کفار مکہ کو فرعون اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ سنا کر اس سے ڈرایا گیا کہ جس طرح فرعون اپنے رسول حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تکذیب کر کے گرفتار عذاب ہوا، تم بھی اس پر جے رہے تو سمجھ لو کہ تم پر بھی ایسا ہی کوئی عذاب دنیا میں آ سکتا ہے۔ آخر میں فرمایا کہ اگر دنیا میں کوئی عذاب نہ بھی آیا تو قیامت کے اُس دن کے عذاب سے تمہیں کون بچا سکے گا جس کی ہولناکی اور طول کی وجہ سے بچے بوڑھے ہو جائیں گے۔ ظاہر یہ ہے کہ یہ روز قیامت کے شدید اور ہولناک ہونیکا بیان ہے کہ اس میں لوگوں پر ایسا خوف اور ہول طاری ہوگا کہ اگر کوئی بچہ بھی ہو تو بوڑھا ہو جائے غرض مراد اس سے ایک تمثیل ہے اور بعض حضرات نے فرمایا کہ مراد حقیقت ہے اور روز قیامت اس قدر طویل ہوگا کہ اُس میں ایک بچہ بھی بڑھاپے کی عمر کو پہنچ جائے گا (قرطبی و روح)

قیام الیل کی فرضیت منسوخ ہو گئی | شروع سورت میں **قِمِ الْيَلَّ** سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور سب مسلمانوں پر قیام الیل کو فرض قرار دیا گیا تھا اور اس قیام کا طویل ہونا بھی فرض تھا مگر اسکے طول میں اختیار دیا گیا تھا کہ آدھی رات سے کچھ کم یا کچھ زیادہ اور کم سے کم ایک تہائی رات ہونا چاہیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھ صحابہ کرام کی ایک جماعت اس فرض کی ادائیگی میں اکثر عزیمت پر عمل فرماتے اور زیادہ سے زیادہ رات کا وقت اس نماز میں گزارتے تھے جو دو تہائی رات کے قریب ہوتا تھا۔ ہر رات میں یہ عمل پھر دن میں دین کی دعوت و تبلیغ اور ذاتی ضرورتیں خصوصاً صحابہ کرام کہ بیشتر محنت مزدوری یا تجارت کرتے تھے، اس طویل و ثقیل نماز کی پابندی پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کے پاؤں درم کر آئے۔ ان کی یہ مشقت و محنت اللہ تعالیٰ کے سامنے تھی وہ اس سے بخوبی واقف تھے مگر علم الہی میں پہلے ہی سے متعین تھا کہ اتنی محنت کا فریضہ چند روز

ہی رکھا جائیگا تاکہ آپ اور صحابہ کرام محنت و ریاضت کے خوگر ہو جائیں جس کی طرف آیات مذکورہ میں بھی اِنَّا سَنُلْقِيْ عَلَيْكَ قَوْلًا ثَقِيْلًا میں اشارہ پایا جاتا ہے کہ آپ سے یہ محنت و مشقت اسلئے لیجا رہی ہے کہ آپ کو قول ثقیل یعنی قرآن کی خدمت سپرد ہونے والی تھی جو اس مشقت سے بڑی مشقت ہے۔ یہ حال علم ازلی کے مطابق جب یہ حکمت ریاضت و محنت کے خوگر بنانے کی پوری ہو گئی تو یہ فرض قیام للیل منسوخ کر دیا گیا۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کے مطابق یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آیات مذکورہ سے صرف طول قیام کی فرضیت منسوخ ہوئی ہو اہل نماز تہجد کا فرض بدستور رہا ہو پھر شب معراج میں پانچ نمازوں کی فرضیت کے وقت نماز تہجد کی فرضیت منسوخ ہوئی ہو، واللہ اعلم

اور ظاہر یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام امت سے یہ فرض منسوخ کر دیا گیا البتہ اسکا استحباب اور عند اللہ پسندیدہ ہونا پھر بھی باقی رہا اور اس میں بھی یہ آسانی کر دی گئی کہ وقت کی اور تلاوت قرآن کی کوئی تحدید نہیں رکھی گئی، ہر شخص اپنی اپنی طاقت و فرصت کے مطابق جتنے وقت میں ادا کر سکے کر لے اور اس میں جتنا قرآن پڑھنا آسانی سے ہو سکے پڑھ لے۔

احکام شرعیہ کے منسوخ ہونے کی حقیقت دنیا کی حکومتیں یا ادارے جو اپنے قوانین میں ترمیم و تدریج کرتے رہتے ہیں اس کی بیشتر وجہ تو یہ ہوتی ہے کہ تجربے کے بعد کوئی نئی صورت حال سامنے آتی ہے جو پہلے سے معلوم نہ تھی تو اس صورت حال کے مطابق پہلے حکم کو منسوخ کر کے دوسرا حکم جاری کر دیا جاتا ہے مگر احکام الہیہ جس میں اس کا کوئی تصور و احتمال ہی نہیں ہو سکتا کیونکہ اللہ تعالیٰ کے علم محیط ازلی اور ابدی سے کوئی چیز باہر نہیں۔ کوئی حکم شرعی جاری ہونے کے بعد لوگوں کے کیا حالات رہیں گے کیا کیا صورتیں پیش آئیں گی حق تعالیٰ کو پہلے ہی سے معلوم ہی نہیں باقیضائے حکمت و مصلحت کوئی حکم کچھ عرصہ کے لئے جاری کیا جاتا ہے پہلے ہی سے اسکا ہمیشہ جاری رکھنا مقصود نہیں ہوتا بلکہ ایک مدت اللہ کے علم میں متعین ہوتی ہے کہ اس مدت تک یہ حکم جاری رہیگا مگر اس مدت کا اظہار مخلوق پر مصلحت نہیں کیا جاتا، الفاظ کے عموم سے لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ حکم غیر موقت اور دائمی ہے عند اللہ جو اسکی مدت مقرر ہے جب وہ مدت ختم ہو کر حکم واپس لیا جاتا ہے تو مخلوق کی نظر میں وہ حکم کی منسوخی ہوتی ہے اور حقیقت میں وہ بیان مدت ہوتا ہے یعنی اس وقت مخلوق پر ظاہر کر دیا جاتا ہے کہ ہم نے یہ حکم ہمیشہ کے لئے نہیں بلکہ صرف اسی مدت کے لئے جاری کیا تھا اب وہ مدت ختم ہو گئی حکم باقی نہیں رہا۔

قرآن کریم میں بہت سی آیات کے منسوخ ہونے پر جو عامیانہ شبہ کیا جاتا ہے اس تقریر سے وہ شبہ رفع ہو گیا، کیا نماز تہجد خاص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اس آیت کے بعد بھی فرض رہی بعض ائمہ تفسیر نے اسی کو اختیار کیا ہے انکا استدلال سورہ بنی اسرائیل کی آیت وَ مِنَ الْبَيْتِ فَهَجَّجْنَاهُ بِحَبْلٍ مُّكْنًى نَّافِلَةً لَّكَ سے ہے جس میں نماز تہجد کو خاص آپ کے ذمہ ایک زائد فرض کی حیثیت سے عائد کیا گیا ہے کیونکہ نافلہ کے لغوی معنی زائدہ کے آتے ہیں اور مراد فریضہ زائدہ ہے مگر جمہور علماء کے نزدیک صحیح یہی ہے کہ فرضیت اس نماز کی امت اور

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دونوں سے منسوخ ہو گئی البتہ بطور احتیاب اس کی ادائیگی سب کے لئے باقی رہی اور آیت مذکورہ میں نَافِلَةٌ لِّكَ اپنے اصطلاحی معنی میں حکم نفل ہے پھر اس کی خصوصیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جو آیت میں لفظ لَکَ سے مفہوم ہوتی ہے اس کی کیا وجہ ہے یہ پوری تفصیل اور نماز تہجد کی فرضیت منسوخ ہونے کے بعد یہ نماز صرف نفل و مستحب کے درجہ میں رہی یا سنت مؤکدہ کے درجہ میں یہ پوری تحقیق سورہ بنی اسرائیل کی آیت مذکورہ کے تحت میں گزر چکی ہے وہاں دیکھ لیا جائے وہاں تہجد کے خاص فضائل اور مسائل کا بھی ذکر کر دیا گیا ہے۔

یہ آیت جن کے ذریعہ نماز تہجد کی فرضیت منسوخ ہوئی إِنَّ رَبَّكَ يَعْلَمُ سے شروع ہو کر فَاَقْرُؤْ مَا تَشْرُفُ مِنْهُ تک آئی ہے یہ آیت شروع سورت کی آیات سے ایک سال یا آٹھ ماہ بعد نازل ہوئی ہر سال بھر کے بعد قیام اللیل کی فرضیت منسوخ ہوئی، مسند احمد - مسلم - ابو داؤد - ابن ماجہ اور نسائی میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس سورت کے شروع میں قیام اللیل کو فرض کیا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام ایک سال تک اس کی پابندی کرتے رہے سورت کا آخری حصہ اللہ تعالیٰ نے بارہ مہینے تک آسمان میں روک رکھا سال بھر کے بعد آخری حصہ نازل ہوا جس میں قیام اللیل کی فرضیت منسوخ ہو کر تخفیف ہو گئی اور اسکے بعد قیام اللیل صرف نفل و مستحب گیا (از روح المعانی) پھر ان آیات میں تمسیح حکم کی علت یہ بتلائی ہے کہ عَلِمَ أَنْ كُنْ تَخْشَوُكَ یعنی اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے کہ تم اس کا احصاء نہ کر سکو گے۔ احصاء کے لفظی معنی شمار کرنے کے ہیں۔ مطلب آیت کا بعض حضرات مفسرین نے یہ قرار دیا ہے کہ قیام اللیل میں اللہ تعالیٰ نے اگرچہ مقدار وقت کی پوری تعیین نہیں فرمائی بلکہ ایک تہائی رات سے دو تہائی رات تک کے درمیان کا وقت مقرر فرمایا تھا مگر صحابہ کرام جب اس نماز میں مشغول ہوتے تو اشتغال نماز کے ساتھ یہ معلوم ہونا دشوار تھا کہ رات آدھی ہوئی یا کم و بیش کیونکہ اوقات معلوم کرنے کے ایسے آلات گھڑیاں وغیرہ اُس زمانے میں موجود نہ تھیں، اور ہتھیں بھی تب بھی مشغول نماز کے ساتھ بار بار گھڑیوں کو دیکھتے رہنا ان حضرات کے حالات اور ان کے خشوع و خضوع کے ساتھ آسان نہ تھا، یہ معنی ہوئے كُنْ تَخْشَوُكَ کے اور بعض حضرات نے یہاں احصاء سے مراد عمل احصاء یعنی اس طویل وقت اور نیت کے وقت کی نماز پر مداومت نہ کر سکا مراد لیا ہے۔ لفظ احصاء اس معنی کے لئے بھی مستعمل ہوتا ہے جیسا کہ حدیث میں اسماء اللہ الحسنى کے بارے میں آیا من احصاها دخل الجنة، اس میں لفظ احصاء کا مفہوم بہت سے علماء نے عمل احصاء لیا ہے یعنی اسماء اللہ الہیہ کے مقتضی پر پورا عمل ہونا، جیسا کہ معارف القرآن میں آیت وَإِنْ تَعَدُّوا نِعْمَتَ اللَّهِ لَا تَحْصُوهَا کے تحت میں اس کی تفصیل لکھی گئی (پارہ ۷ سورہ ابراہیم)

فَتَابَ عَلَيْكُمْ، لفظ توبہ کے اصلی معنی رجوع کے ہیں۔ گناہ سے توبہ کو بھی اسی لئے توبہ کہا جاتا ہے

کہ وہ اپنے پچھلے جرم و گناہ سے رجوع ہوتا ہے اس جگہ مراد صرف رجوع ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنا یہ حکم قیام اللیل کی فرضیت کا واپس لے لیا، آخر میں فرمایا۔

فَاَقْرِضُوا مِمَّا تَكْسِرُونَ الْقُرْآنَ، یعنی نماز تہجد جواب بجائے فرض کے مستحب یا سنت باقی رہ گئی ہے اس میں جس قدر قرآن آسانی سے کوئی شخص پڑھ سکے وہ پڑھ لیا کرے کسی خاص مقدار کی تعیین نہیں ہے اس آیت سے بہت سے مسائل فقہیہ نکلتے ہیں جو فقہ کی کتابوں میں مفصل مذکور ہیں وہاں دیکھا جاسکتا ہے وَاقْبِمُوا الصَّلَاةَ وَأَتُوا الزَّكَاةَ وَاقْرِضُوا اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا، اقْبِمُوا الصَّلَاةَ میں جہود مفسرین کے نزدیک نماز فرض مراد ہے اور یہ ظاہر ہے کہ نماز فرض پانچ ہیں جو بیلتہ المعراج میں فرض ہوئی ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قیام اللیل کی فرضیت جو ایک سال تک جاری رہی تھی اسی عرصہ میں بیلتہ الاسرار کا واقعہ پیش آیا جس میں پانچ نمازیں فرض کی گئیں اور اس کے بعد آیات مذکورہ کے ذریعہ نماز تہجد کی فرضیت منسوخ ہو گئی اور آخر سورت میں جو اقامت صلوٰۃ کا حکم آیا ہے اس سے مراد پانچ نمازیں فرض ہیں (ابن کثیر - قرطبی - بحر محیط)

اسی طرح اَتُوا الزَّكَاةَ میں زکوٰۃ سے زکوٰۃ فرض مراد ہے مگر مشہور یہ ہے کہ زکوٰۃ بعد ہجرت دوسرے سال میں فرض ہوئی، اور یہ آیت مکی ہے۔ ابتدائے اسلام میں نازل ہوئی ہے اس لئے بعض مفسرین نے خاص اس آیت کو مدنی کہا ہے۔ مگر ابن کثیر فرماتے ہیں کہ زکوٰۃ تو مکہ مکرمہ میں اوائل اسلام ہی میں فرض ہو گئی ہو مگر اس کے نصاب اور مقدار واجب کی تفصیلات مدینہ طیبہ میں ہجرت کے دوسرے سال میں بیان کی گئی ہوں، اس طرح آیت کے مکی ہونے کی صورت میں بھی اس کو زکوٰۃ فرض پر محمول کیا جاسکتا ہے۔ مروج المعانی میں بھی اسی کو اختیار کیا ہے اور اس کی پوری تحقیق احقر کے رسالہ نظام زکوٰۃ میں تفصیل سے آئی ہے۔

وَاقْرِضُوا اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا، اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے کو اس عنوان سے تعبیر کیا کہ گویا یہ خرچ کرنے والا اللہ کو قرض دے رہا ہے اس میں اسکے حال پر لطف و کرم کی طرف اشارہ بھی ہے اور اس کا بیان بھی کہ اللہ تعالیٰ غنی الاغنیاء ہے اُس کو دیا ہوا قرض کبھی مارا نہیں جاسکتا ضرور وصول ہوگا، اور چونکہ زکوٰۃ فرض کا حکم اس سے پہلے آچکا ہے اس لئے اقْرِضُوا اللَّهَ میں جس خیرات اور فی سبیل اللہ خرچ کرنے کا ذکر ہے اس کو اکثر حضرات نے صدقات نافلہ اور تبرعات پر محمول کیا ہے جیسے اپنے اقارب و اعزاء کو کچھ دینا یا مہمان کی مہمانی پر خرچ کرنا یا علماء و صلحاء کی خدمت کرنا وغیرہ اور بعض حضرات نے اس کا مفہوم یہ قرار دیا ہے کہ زکوٰۃ کے علاوہ بھی بہت سے مالی واجبات انسان پر عائد ہوتے ہیں۔ جیسے ماں باپ، بیوی، اولاد کا نفقہ واجبہ یا دوسری واجبات شرعیہ تو اَتُوا الزَّكَاةَ میں اداائے زکوٰۃ کا حکم دینے کے بعد دوسرے واجبات کا ذکر اقْرِضُوا اللَّهَ سے کر دیا گیا۔

وَمَا تَقْدِرُ مَوْلَا إِلَّا نَفْسُكَ مَوْجِنٌ خَيْرَ الْآيَةِ ، مَا تَقْدِرُ مَوْلَا إِلَّا نَفْسُكَ مَا مَطْلَبُ يَہ ہے کہ جو نیک کام اپنی زندگی میں کر گزرو وہ بہتر ہے اس سے کہ مرنیکے وقت وصیت کرو اس میں مالی عبادت صدقہ خیرات بھی داخل ہے اور نماز روزہ وغیرہ بھی جو کسی کے ذمہ قضا ہو اپنے ہاتھ سے اپنے سامنے اللہ کی راہ میں خرچ کر کے اُس سے سبکدوشی بہتر ہے بعد میں تو وارثوں کے اختیار میں بات رہتی ہے وہ کریں یا نہ کریں۔

حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام سے سوال کیا کہ تم میں ایسا کون ہے جو اپنے وارث کے مال سے بہ نسبت اپنے مال کے زیادہ محبت رکھتا ہو صحابہ کرام نے عرض کیا کہ ہم میں کوئی بھی ایسا نہیں جو اپنے وارث کے مال کی محبت خود اپنے مال سے زیادہ رکھے۔ آپ نے فرمایا سوچ سمجھ کر بات کرو صحابہ نے عرض کیا کہ ہمیں تو اس کے سوا کوئی دوسری صورت معلوم نہیں، آپ نے فرمایا (جب یہ بات تو سمجھ لو کہ تمہارا مال وہ ہے جو تم نے اپنے ہاتھ سے اللہ کی راہ میں خرچ کر دیا اور جو رہ گیا وہ تمہارا مال نہیں بلکہ تمہارے وارث کا مال ہے) ذکرہ ابن کثیر باسناد ابی یعلیٰ الموصلی ثم قال ورواہ البخاری عن حدیث حفص بن غیاث (الخ)

سُورَةُ الْمُرْسَلِ بِحَمْدِ اللَّهِ يَوْمَ الثَّلَاثَاءِ ٢٢ رَجَبِ ٩١٢ هـ

سورة المدثر

سورة المدثر مکیہ ۳۰ آیتیں ۵۶:۷۲ میں نازل ہوئی اور اس کی چھپن آیتیں ہیں اور اس میں ۵۶:۷۲ کو ع ہیں

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

بِأَيِّهَا الْمَدَّ ثَرُ ۱ قُمْ فَأَنْذِرْ ۲ وَرَبِّكَ فَكَبِّرْ ۳ وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ ۴

اے لحاف میں بٹھنے والے کھڑا ہو پھر ڈرنا دے اور اپنے رب کی بڑائی بول اور اپنے کپڑے پاک رکھ

وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ ۵ وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ ۶ وَلِرَبِّكَ فَاصْبِرْ ۷ فَاذَا

اور گندگی سے دور رہ اور ایسا نہ کر کہ احسان کرے اور بدلہ بہت چاہے اور اپنے رب سے امید رکھ پھر جب

يُقَرَّرِ فِي النَّاقُورِ ۸ فَذَلِكَ يَوْمٌ مِّنْ يَّوْمٍ عَسِيرٍ ۹ عَلَى الْكَافِرِينَ غَيْرُ

بجئے لگے وہ کھوکھری چیز پھر وہ اُس دن مشکل دن ہے مستکروں پر نہیں

يَسِيرُ ۱۰ ذَرْنِي وَمَنْ خَلَقْتُ وَحِيدًا ۱۱ وَجَعَلْتُ لَهُ مَالًا

آسان چھوڑ دے مجھ کو اور اس کو جس کو میں نے بنایا اتنا اور دیا میں نے اس کو مال

مَمْدُودًا ۱۲ وَبَيْنَيْنِ شُهُودًا ۱۳ وَمَهْدَتْ لَهُ تَمِيمًا ۱۴ ثُمَّ يَطْمَعُ

پھیلا کر اور بیٹھ مجلس میں بیٹھنے والے اور تیاری کر دی اسکے لئے خوب تیاری پھر لالچ رکھتا ہے

أَن آزِيدَ ۱۵ كَلَّا إِنَّهُ كَانَ لِآيَاتِنَا عَنِيدًا ۱۶ سَأُرْهِقُهُ صَعُودًا ۱۷

کہ اور بھی دوں ہرگز نہیں وہ ہے ہماری آیتوں کا مخالف اب اُس سے چڑھواؤں گا بڑی چڑھائی

إِنَّهُ فَكَّرَ وَقَدَّرَ ۱۸ فَقِيلَ كَيْفَ قَدَّرَ ۱۹ ثُمَّ قِيلَ كَيْفَ قَدَّرَ ۲۰

اُس نے فکر کیا اور دل میں ٹھہرایا، سو مارا جایو کیسا ٹھہرایا پھر مارا جایو کیسا ٹھہرایا

ثُمَّ نَظَرَ ۲۱ ثُمَّ عَبَسَ وَبَسَرَ ۲۲ ثُمَّ أَدْبَرَ وَاسْتَكْبَرَ ۲۳ فَقَالَ إِن

پھر نگاہ کی پھر تیوری چڑھائی اور منہ تھمھایا پھر پیٹھ پھیری اور غور کیا پھر بولا اور

هَذَا إِلَّا سِحْرٌ يُؤْتَوْنَ ۚ (۳۳) إِنْ هَذَا إِلَّا قَوْلُ الْبَشَرِ ۚ (۳۴) سَأَصْلِيهِ سَقَرٌ ۚ (۳۵)

کچھ نہیں یہ جادو ہے چلا آتا اور کچھ نہیں یہ کہا ہوا ہے آدمی کا اب اس کو ڈالوں گا آگ میں

وَمَا أَدْرَاكَ مَا سَقَرٌ ۚ (۳۶) لَا تُبْقِي وَلَا تَذَرُ ۚ (۳۷) لَوَاحٍ لِّلْبَشَرِ ۚ (۳۸) عَلَيْهَا

اور تو کیا سمجھا کیسی ہے وہ آگ نہ باقی رکھے اور نہ چھوڑے جلا دینے والی ہے آدمیوں کو اس پر

تِسْعَةَ عَشَرَ ۚ (۳۹) وَمَا جَعَلْنَا أَصْحَابَ النَّارِ إِلَّا مَلَائِكَةً ۚ وَمَا جَعَلْنَا

مقرر ہیں انیس فرشتے اور ہم نے جو رکھے ہیں دوزخ پر داروغہ وہ فرشتے ہی ہیں اور ان کی جو

عَذَابُهُمْ إِلَّا فِتْنَةً ۚ لِلَّذِينَ كَفَرُوا ۚ لِيَسْتَيْقِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ وَ

گنتی رکھی ہے سو جاننے کو مسکروں کے تاکہ یقین کریں وہ لوگ جن کو ملی ہے کتاب اور

يُزِدَ الَّذِينَ آمَنُوا إِيمَانًا وَلَا يَرْتَابَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ وَالْمُؤْمِنُونَ

بڑھے ایمانداروں کا ایمان اور دھوکا نہ کھائیں جن کو ملی ہے کتاب اور مسلمان

وَلِيَقُولَ الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَّرَضٌ وَالْكَافِرُونَ مَاذَا أَرَادَ اللَّهُ بِهَذَا

اور تاکہ کہیں وہ لوگ کہ جن کے دل میں روگ ہے اور مسکر کیا غرض تھی اللہ کو اس مثل

مَثَلًا ۚ كَذَلِكَ يُضِلُّ اللَّهُ مَن يَشَاءُ وَيَهْدِي مَن يَشَاءُ ۚ وَمَا يَعْلَمُ

سے یوں بچلاتا ہے اللہ جس کو چاہے اور راہ دیتا ہے جس کو چاہے اور کوئی نہیں جانتا

جُنُودَ رَبِّكَ إِلَّا هُوَ وَمَا هِيَ إِلَّا ذِكْرٌ لِّلْبَشَرِ ۚ (۴۰) كَلَّا وَالْقَمَرِ ۚ (۴۱) وَاللَّيْلِ

تیرے رب کے لشکر کو مگر خود وہی اور وہ تو سمجھانا ہے لوگوں کے واسطے سچ کہتا ہوں اور تم پر چاند کی اور رات کی

إِذَا دَبَّرَ ۚ (۴۲) وَالصُّبْحِ إِذَا اسْفَرَفَ ۚ (۴۳) إِنَّهَا لِأَحَدَى الْكُبَرِ ۚ (۴۴) نَذِيرًا

جب پیٹھ پھیرے اور صبح کی جب روشن ہووے وہ ایک ہے بڑی چیزوں میں کی ڈرانے والی ہے

لِّلْبَشَرِ ۚ (۴۵) لِمَن شَاءَ مِنْكُمْ أَن يَتَقَدَّمَ أَوْ يَتَأَخَّرَ ۚ (۴۶) كُلُّ نَفْسٍ بِمَا

لوگوں کو جو کوئی چاہے تم میں سے کہ آگے بڑھے یا پیچھے رہے ہر ایک جی اپنے کئے

كَسَبَتْ رَهِينَةً ۚ (۴۷) إِلَّا أَصْحَابَ الْيَمِينِ ۚ (۴۸) فِي جَنَّتِ يَتَسَاءَلُونَ ۚ (۴۹)

کاموں میں پھنسا ہوا ہے مگر داہنی طرف والے باغوں میں ہیں مل کر پوچھتے ہیں

عَنِ الْمُجْرِمِينَ ۚ (۵۰) مَا سَلَكَكُمْ فِي سَقَرٍ ۚ (۵۱) قَالُوا لَمْ نَكُ مِنَ الْمَصْلِينَ ۚ (۵۲)

گنہگاروں کا حال تم کا ہے سے جا پڑے دوزخ میں وہ بولے ہم نہ تھے نماز پڑھتے

وَلَمْ نَكُ نَطْعِمُ الْمِسْكِينَ ۚ (۵۳) وَكُنَّا نَخُوضُ مَعَ الْخَائِضِينَ ۚ (۵۴) وَكُنَّا

اور نہ تھے کھانا کھلاتے محتاج کو اور ہم تھے باتوں میں دھنستے دھنسنے والوں کے ساتھ اور ہم تھے

نُكَذِّبُ يَوْمَ الدِّينِ ﴿٣٦﴾ حَتَّىٰ أَتْنَا الْيَقِينَ ﴿٣٧﴾ فَمَا تَنْفَعُهُمْ شَفَاعَةُ

جہلائے انصاف کے دن کو یہاں تک کہ آپہنچی ہم پر وہ یقینی بات پھر کام نہ آئے گی انکے سفارش

الشَّافِعِينَ ﴿٣٨﴾ فَمَا لَهُمْ عَنِ التَّذْكَرَةِ مُعْرِضِينَ ﴿٣٩﴾ كَانَتْهُمْ حُمُرٌ مُسْتَنْفِرَةٌ ﴿٤٠﴾

سفارش کرنیوالوں کی پھر کیا ہوا ہے اُن کو کہ نصیحت سے منہ موڑتے ہیں گو یا کہ وہ گدھے ہیں بدکنے والے

فَرَسَاتٍ مِنْ قُسُورَةٍ ﴿٤١﴾ بَلْ يَرِيدُ كُلُّ امْرِئٍ مِنْهُمْ أَنْ يُؤْتَى صُفْحًا

بھاگے ہیں گل بجانے سے بلکہ چاہتا ہے ہر ایک مرد اُن میں کا کہ ملیں اس کو ورق

مُنَشَّرَةً ﴿٤٢﴾ كَلَّا بَلْ لَا يَخَافُونَ الْآخِرَةَ ﴿٤٣﴾ كَلَّا إِنَّهُ تَذَكُّرَةٌ ﴿٤٤﴾ فَمَنْ

کھلے ہوئے ہرگز نہیں پر وہ ڈرتے نہیں آخرت سے کوئی نہیں یہ تو نصیحت ہے پھر جو کوئی

شَاءَ ذَكَرَهُ ﴿٤٥﴾ وَمَا يَذْكُرُونَ إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ هُوَ أَهْلُ التَّقْوَىٰ وَأَهْلُ الْمَغْفِرَةِ ﴿٤٦﴾

چاہے اسکو یاد کرے اور وہ یاد بھی کریں کہ چاہے اللہ، وہی ہے جس سے ڈرنا چاہیے اور وہی ہے بخشنے کے لائق

التَّائِبِينَ
۱۶

خلاصہ تفسیر

اے کپڑے میں لپٹنے والے اٹھو (یعنی اپنی جگہ سے اٹھو یا یہ کہ مستعد ہو جاؤ) پھر (کافروں کو) ڈراؤ (جو کہ مقتضا منصب نبوت کا ہے اور یہاں تبشیر یعنی جنت کی بشارت کا اسلئے ذکر نہیں فرمایا کہ یہ آیت بالکل ابتدائے نبوت کی ہے اسوقت باستنار ایک دو کے کوئی مسلمان نہیں تھا تو انذار ہی النسب تھا) اور اپنے رب کی بڑائیاں کرو (کہ تبلیغ میں سب سے پہلی چیز توحید ہے) اور (آگے بعض ضروری اعمال و عقائد و اخلاق کی تعلیم ہے جس پر خود بھی عامل رہنا چاہیے کہ تبلیغ کے ساتھ اپنی اصلاح بھی ضروری ہے یعنی ایک تو) اپنے کپڑوں کو پاک رکھئے (یہ اعمال میں سے ہے اور چونکہ بالکل ابتداء میں نماز نہ تھی اس لئے اسکا حکم نہیں ہوا) اور (دوسرے یہ کہ) بتوں سے الگ رہو (جس طرح کہ اب تک الگ ہو۔ یہ عقائد میں سے ہے یعنی بدستور سابق توحید پر دوام رکھو اور باوجودیکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شے شرک میں مبتلا ہونے کا کوئی احتمال نہ تھا پھر بھی یہ حکم اس لئے دیا گیا کہ عقیدہ توحید کی اہمیت معلوم ہو کہ معصوم کو بھی باوجود احتیاج نہ ہونے کے اس کی تعلیم کی جاتی ہے) اور کسی کو اس غرض سے مت دو کہ (دوسرے وقت) زیادہ معاوضہ چاہو (یہ متعلق اخلاق کے ہے اور گواہوں کے لئے یہ امر جائز ہے مگر خلاف اولیٰ ہے جیسا سورہ روم کی آیت وَمَا أَقْبَضْتُمْ مِنْ رَحْمَةٍ لِّیٰ کی تفسیر سے معلوم ہو سکتا ہے لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان چونکہ اعلیٰ و ارفع ہے اس لئے آپ پر اس کو بھی حرام کر دیا گیا کما فی الرحمہ والاھم ان التھی للتحریر و انت من خواصہ علیہ السلام والسلام) اور پھر (انذار و تبلیغ میں جو ایذا پیش آوے اس پر) اپنے رب (کی خوشنودی) کے واسطے صبر کیجئے (یہ خاص اخلاق متعلقہ بال تبلیغ میں سے ہے پس یہ آیتیں جامع ہو گئیں اصلاح اعمال و اخلاق کو اپنے لئے بھی

دوسروں کے لئے بھی) پھر (اس ڈرانے کے بعد جو کوئی ایمان نہ لادے اس کے لئے یہ وعید ہے کہ) جس وقت صور پھونکا جاوے گا سو وہ وقت یعنی وہ دن کافروں پر ایک سخت دن ہوگا جس میں ذرا آسانی نہ ہوگی (آگے بعض خاص کفار کا ذکر ہے یعنی) مجھ کو اور اس شخص کو (اپنے اپنے حال پر) رہنے دو (کہ ہم اس سے غٹ لیں گے) جس کو میں نے (مال و اولاد سے خالی اور) اکیلا پیدا کیا (جیسا کہ پیدا ہونے کے وقت آدمی کے پاس نہ مال ہوتا ہے اور نہ اولاد، اور مراد اس سے ولید بن مغیرہ ہے جس کا قصہ معارف و مسائل کے تحت آئے گا) اور اس کو کثرت سے مال دیا اور پاس رہنے والے بیٹے (دیئے) اور سب طرح کا سامان اس کے لئے مہیا کر دیا پھر بھی (باوجود اس کے اس مال و اولاد کا شکر بجا نہ لایا کہ ایمان لے آتا بلکہ اس نعمت وافرہ کو براہ کفران و بیقدری قلیل سمجھ کر) اس بات کی ہوس رکھتا ہے کہ (اس کو) اور زیادہ دوں ہرگز (وہ زیادہ دینے کے قابل) نہیں (کیونکہ) وہ ہماری آیتوں کا مخالف ہے (اور مخالفت کیساتھ عدم قابلیت ظاہر ہے) (استدراج کا معاملہ اس سے الگ ہے) اس شخص کی نزول آیت کے روز سے ظاہراً بھی ترقی بند ہوگئی چنانچہ پھر نہ کوئی اولاد ہوئی اور نہ کچھ مال بڑھا۔ اور یہ سزا تو دنیا میں ہے اور آخرت) میں اس کو عنقریب (یعنی مرنیکے بعد) دوزخ کے پہاڑ پر چڑھاؤں گا (حدیث ترمذی میں مرفوعاً ہے کہ صَعُودُ دُوزَخٍ مِّنْ اَحَدٍ پہاڑ ہے شتر بر میں اس کی چوٹی پر پہنچے گا پھر وہاں سے گر پڑے گا پھر اسی طرح ہمیشہ چڑھے گا اور گرے گا اور وجہ اس سزا کی وہی عناد ہے جو اوپر مذکور ہوا، اور آگے بھی اس کی کچھ تفصیل ہے وہ یہ کہ) اس شخص نے (اس بات کی) سوچا کہ قرآن کی شان میں کیا بات تجویز کروں) پھر (سوچ کر) ایک بات تجویز کی (جس کا بیان آگے آتا ہے) سو اس پر خدا کی مار ہو کیسی بات تجویز کی (اور) پھر (مکرر) اس پر خدا کی مار ہو کیسی بات تجویز کی (یہ تعجیب مکرر اس کی سخت مذمت اور قابل تعجیب بات پر ہے یعنی کیسی بے جوڑ بات تجویز کی جس کا احتمال ہی نہیں ہو سکتا) پھر (حاضرین کے چہروں کو) دیکھا کہ وہ تجویز کی ہوئی بات ان سے کہوں) پھر منہ بنایا (تاکہ دیکھنے والے سمجھیں کہ اس کو قرآن سے بہت کراہت و انقباض ہے) اور زیادہ منہ بنایا پھر منہ پھیرا اور بکتر ظاہر کیا (جیسا عادت ہے کہ جس چیز کو قابل اعراض سمجھتے ہیں اس کا تذکرہ کرتے ہوئے بھی گردن پھیر لیتے ہیں اور اظہار تنفر کرتے ہیں) پھر بولا کہ بس یہ تو جادو ہے (جو اوروں سے) منقول (ہے) بس یہ تو آدمی کا کلام (یہ بیان ہے اس تجویز مذکور کا، مطلب یہ کہ اللہ کا کلام نہیں بلکہ بشر کا کلام ہے جس کو آپ کسی جادوگر سے نقل کر دیتے ہیں، یا آپ خود مصنف ہیں لیکن یہ مضامین مدعیان نبوت سابقین سے منقول ہیں اور اسلوب عبارت نعوذ باللہ آپ کے سحر کا اثر ہے۔ آگے اس عناد کی سزا تفصیلاً فرماتے ہیں جیسا اوپر سَأْرٰهُنَّ صَعُودًا میں اجمالاً فرمایا تھا پس عَذِیْبًا مِّنْ جُرْمٍ کَاذِبٍ اور سَأْرٰهُنَّ میں سزا کا ذکر اجمالاً اور اِنَّ کُنَّ عَذِیْبًا کی تفصیل ہے اور سَأْرٰهُنَّ - سَأْرٰهُنَّ کی تفصیل ہے یعنی) میں اس کو جلدی دوزخ میں دخل کر دینگا اور تم کو کچھ خبر ہے کہ دوزخ کیسی چیز ہے (وہ ایسی ہے کہ) نہ تو (داخل ہونے کے بعد داخل ہونے

دلے کی کوئی چیز جلانے سے) باقی رہنے دیگی اور نہ (داخل ہونے کے قبل جو کفار اس وقت باہر ہونگے نہ انہیں سکے کسی کو بغیر اپنے اندر لئے ہوئے) چھوڑے گی (اور) وہ (جلا کر) بدن کی حیثیت بگاڑ دیگی (اور) اس پر انبیاء فرشتے (جو اسکے خازن ہیں جنہیں ایک نام مالک ہے مقرر) ہونگے (جو کافروں کو انواع انواع عذاب دیں گے۔ حاصل یہ کہ فرشتے جن کی قوت معلوم ہے باوجودیکہ انہیں کا ایک بھی تمام اہل جہنم کی تعذیب کے لئے کافی ہے پھر انیس فرشتوں کے مقرر ہونے سے ظاہر ہے کہ عذاب کا بہت ہی اہتمام ہوگا اور نکتہ خاص انیس کے عدد میں حقیقتہً اللہ ہی کو معلوم ہے لیکن دوسرے حضرات نے جو ذکر کیا ہے ان سب میں اقرب وہ ہے جو اللہ نے اس حقیر کے دل میں افکار فرمایا ہے وہ یہ کہ اصل تعذیب کفار کی عقائد حقہ کی مخالفت پر ہے اور عقائد قطعہ جو عملیات کے متعلق نہیں حسب تفصیل رسالہ فروع الایمان نو ہیں۔ ایمان لانا اللہ تعالیٰ پر، اعتقاد رکھنا کہ عالم حادث ہے، ایمان لانا فرشتوں پر، ایمان لانا اس کی سب کتابوں پر، ایمان لانا پیغمبروں پر، ایمان لانا تقدیر پر، ایمان لانا قیامت کے دن پر، جنت کا یقین کرنا، دوزخ کا یقین کرنا، باقی سب عقائد انہیں کے ملحقات و فروع ہیں۔ اور عقائد قطعہ جو عملیات کے متعلق ہیں دس ہیں۔ پانچ مامورات کے متعلق، یعنی ان کے وجوب کا اعتقاد ضروری ہے۔ وہ پانچ مامورات جو شعار اسلام ہیں یہ ہیں تلفظ بالشہادتین، اقامت صلوٰۃ، ایثار زکوٰۃ، صوم رمضان، حج بیت اللہ۔ اور پانچ منہیات کے متعلق یعنی ان کی تحریم کا اعتقاد واجب ہے اور وہ پانچ منہیات جو کہ آیت امتحان وغیرہ میں مذکور ہیں یہ ہیں۔ سرقت، زنا، قتل، خصوصاً قتل اولاد، بہتان، عصیان فی المعروف جس میں غیبت و ظلم یتیموں کا سال ناجائز طور پر کھانا وغیرہ سب آگیا پس یہ سب عقائد ملا کر انیس ہوئے شاید ایک ایک عقیدہ کے مقابلے میں ایک ایک فرشتہ معین ہو اور چونکہ ان سب میں ایک عقیدہ سب سے بڑا ہے یعنی توحید اس لئے ان فرشتوں میں بھی ایک فرشتہ سب سے بڑا مقرر ہوا ہو یعنی مالک واللہ اعلم بکسرارہ) اور (اس آیت کا مضمون سن کر جو کفار نے تمسخر کیا جس کا بیان معارف کے تحت میں آئے گا اس پر اگلا مضمون نازل ہوا کہ ہم نے دوزخ کے کارکن (آدمی نہیں بلکہ) صرف فرشتے بنائے ہیں (جن میں سے ایک ایک فرشتہ میں تمام جہن و انس کی برابر قوت ہے کذا فی اللہ مرفوعاً ولفظہ لھکذا الھم مثل قوۃ الثقلین) اور ہم نے جو ان کی تعداد (ذکر و حکایت میں) صرف ایسی رکھی ہے جو کافروں کی گمراہی کا ذریعہ ہو (مراد اس سے انیس کا عدد ہے) تو اس لئے (کہ یہ نتائج اس پر مرتب ہوں یعنی) تاکہ اہل کتاب (مُسننے کیساتف) یقین کر لیں اور ایمان والوں کا ایمان اور بڑھ جائے اور اہل کتاب اور مومنین شک نہ کریں اور نہ کہ جن لوگوں کے دلوں میں (شک کا) مرض ہے وہ اور کافروں کو گمراہی لگیں کہ اس عجیب مضمون سے اللہ تعالیٰ کا کیا مقصود ہے (اہل کتاب کے یقین کی دو توجیہ ہو سکتی ہیں، ایک یہ کہ ان کی کتاب میں بھی یہ عدد لکھا ہو تو فہماً مان لیں گے اور اگر اب ان کی کتابوں میں یہ عدد نہ ہو تو ممکن ہے کہ کتابوں کے ضائع اور محرف

ہونے سے ضائع ہو گیا ہو اور دوسری وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ عددان کی کتاب میں نہ ہو لیکن وہ فرشتوں کی قوت کے قائل تھے اور بہت سے امور تو قیغیہ ان کی کتابوں میں موجود تھے تو ان کے پاس کوئی مبنی انکار کا نہ تھا پس یقین سے مراد عدم انکار و عدم استہزار ہوگا لیکن ظاہر تو وجہ اول ہے اور اہل ایمان کے ایمان کی زیادت کی بھی دو وجہ ہو سکتی ہیں، ایک یہ کہ اہل کتاب کے استیقان کو دیکھ کر ان کا ایمان کیفاً قوی ہو جائے کہ آپ باوجود عدم اختلاط اہل کتاب کے وحی سابق کے موافق خبر دیتے ہیں ضرور نبی برحق ہیں۔ دوسری وجہ یہ کہ جب کوئی مضمون نیا نازل ہوتا تھا اس پر ایمان لاتے تھے پس ایک فرد تصدیق کی اور بڑھی، اس سے بحیثیت کیت ایمان میں زیادتی ہوئی اور یونہی کتاب کو تاکید کے لئے بڑھایا کہ اثبات یقین اور نفی شک دونوں کی تصریح ہو جائے۔ اور مرض میں دو احتمال ہیں ایک تو شک کیونکہ ظہور حق کے بعد بعضے جاحد اور منکر ہوتے ہیں بعضے متردد ہوتے ہیں تو اہل مکہ میں بھی ایسے لوگ ہوں گے دوسرا بعضے نفاق تو اس میں پیشین گوئی ہوگی کہ مدینہ میں منافق ہونگے اور ان کا یہ قول ہوگا اور مومنین اور اہل کتاب کے اثبات و نفی شک کو جدا جدا اس لئے فرمایا کہ اہل کتاب کا یقین و نفی شک لغوی ہے اور مومنین کا شرعی، آگے فریقین کے حال پر بطور تفریح کے فرماتے ہیں کہ جس طرح حق تعالیٰ نے ایمان والوں کو اس باب میں خاص ہدایت کی اور کافروں کو اس باب میں خاص گمراہ کیا) اسی طرح اللہ تعالیٰ جسکو چاہتا ہے گمراہ کر دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے ہدایت کر دیتا ہے اور (آگے تہمت ہے مضمون سابق کا کہ جہنم کے خازن فرشتوں کا عدد انیس ایک خاص حکمت کی بنا پر ہے ورنہ تمہارے رب کے (ان) لشکروں (کی یعنی فرشتوں کی تعداد اس کثرت سے ہے کہ اس) کو بجز رب کے کوئی نہیں جانتا) اگر وہ چاہتے تو بے انتہا فرشتوں کو خازن بنا دیتے اور اب بھی گونہ خازن انیس ہیں مگر ان کے اور اعوان و انصار بہت کثرت سے ہیں چنانچہ حدیث مسلم میں ہے کہ جہنم کو اس حال میں حاضر کیا جائے گا کہ اس کی ستر ہزار باگیں ہونگی اور ہر باگ کو ستر ہزار فرشتے پکڑے ہونگے) اور (جو صل مقصود ہے جہنم کا حال بیان کرنے سے وہ عدد کی قلت یا کثرت یا تعیین یا انکشاف حکمت تخصیص یا عدم انکشاف پر موقوف نہیں اور وہ اصل مقصود یہ ہے کہ) دوزخ (کا حال بیان کرنا) صرف آدمیوں کی نصیبت کیلئے ہے (تاکہ وہاں کے عذاب کو سن کر ڈریں اور ایمان لادیں اور یہ مقصود کسی خاص خصوصیات پر موقوف نہیں پس مقتضای عقل کا بھی یہی ہے کہ اصل مقصود کو محفوظ و ملحوظ رکھ کر ان بالائی امور کے درپے نہ ہوں آگے جہنم کی عقوبت کا کسی قدر بیان ہے جس میں ذکر اللہ کے اجمال کی تفصیل ہے پس ارشاد ہے (کہ) بالتحقیق قسم ہے چاند کی اور رات کی جب جانے لگے اور صبح کی جب روشن ہو جائے کہ وہ دوزخ بڑی بھاری چیز ہے جو انسان کے لئے بڑا ڈرا ہے یعنی تم میں جو (خیر کی طرف) آگے بڑھے اس کے لئے بھی یا جو (خیر سے) پیچھے پڑے اس کے لئے بھی (مطلب یہ کہ جمیع مکلفین کے لئے نذیر ہے اور چونکہ نتائج اس انداز کے قیامت میں ظاہر ہونگے اس لئے قسم ایسی چیزوں کی کھائی گئی جو قیامت کے بہت ہی مناسب

چنانچہ قمر کا اول بڑھنا پھر گھٹنا نمونہ اس عالم کے نشوونما اور پھر ضحیٰ کا فنا کا ہے یہاں تک کہ چاند کے محاق یعنی بے نور ہو جانے کی طرح یہ بھی فانی محض ہو جائے گا، اسی طرح اس عالم دُنیا کو اس عالم آخرت کے ساتھ اختصار و اکتشاف حقائق میں ایسی نسبت ہے جیسے رات کو دن کے ساتھ۔ پس اس عالم کا ختم ہو جانا مشابہ رات گزر جانے کے ہے اور اس عالم کا ظہور مشابہ اسفار صبح کے ہے۔ آگے دُنیا اور اہل دُنیا کے بعض احوال کا بیان ہے (یعنی) ہر شخص اپنے اعمال (کفریہ) کے بدلہ میں (دوزخ میں) مجبوس ہو گا مگر داپنے والے (یعنی مومنین جس کی تفصیل سورہ واقعہ میں گزری ہے اور چونکہ یہاں اصحاب الیمین مقابل اصحاب الشمال کے ہے اسلئے مقربین کو بھی شامل ہے حاصل یہ کہ مومنین اس قید سے مستثنیٰ ہیں) کہ وہ بہشتوں میں ہونگے (اور) مجرموں (یعنی کفار) کا حال (خود ان کفار ہی سے) پوچھتے ہوں گے (اور) کیفیت باہمی کلام کی باوجود اُس بعد کے جو دوزخ اور جنت میں ہے۔ سورہ اعراف کی آیات و نادی اَصْحَابُ الْجَنَّةِ اَصْحَابُ النَّارِ کی تفسیر میں گزری ہے اور یہ سوال زہر و تنبیہ کے لئے ہو گا حاصل یہ کہ مومنین کفار سے پوچھیں گے کہ تم کو دوزخ میں کس بات نے داخل کیا وہ کہیں گے کہ ہم نہ تو نماز پڑھا کرتے تھے اور نہ غریب کو (جس کا حق واجب تھا) کھانا کھلایا کرتے تھے اور (جو لوگ دین حق کے ابطال کے مشغلہ میں رہتے تھے ان) مشغلہ میں رہنے والوں کے ساتھ ہم بھی (اس) مشغلہ (الباطالین) میں رہا کرتے تھے اور قیامت کے دن کو جھٹلایا کرتے تھے یہاں تک کہ (اسی حالت میں) ہم کو موت آگئی (اور) ہم ان حرکات سے باز نہ آئے یعنی خاتمہ اسی نافرمانی پر ہوا اسوجہ سے ہم دوزخ میں آئے اور اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ کفار مکلف بالفروع یعنی نماز روزہ احکام شرعیہ کے مامور ہوں کیونکہ جہنم میں دو چیزیں ہونگی ایک عذاب دوسرا شدت عذاب۔ پس ممکن ہے کہ مجموعہ اعمال مذکورہ سبب ہو مجموعہ عذاب اور شدت عذاب کا اس طرح کہ کفر و شرک تو سبب ہو تعذیب کا اور ترک صلوٰۃ وغیرہ سبب ہو زیادہ تعذیب کا اور کفار کے غیر مکلف بالفروع ہونے کے معنی یہ کہے جائیں گے کہ ان فروع پر نفس تعذیب نہ ہوگی اور زیادہ تعذیب اس لئے ہو سکتی ہے کہ اصول کے ضمن میں فروع بھی تبعاً آہی جاتے ہیں۔ اس لئے ضمناً مکلف ہونا زیادتی عذاب کا سبب ہو سکتا ہے) سو (حالت مذکورہ میں) انکو سفارش کرنے والوں کی سفارش نفع نہ دیگی (اور اس عدم نفع کا تحقق عدم شفاعت کے تحقق سے ہو گا یعنی کوئی ان کافروں کی شفاعت ہی نہ کر سکے گا بقولہ تعالیٰ قَدْ لَتَأْمِنَنَّ شَافِعِينَ، آگے ان کے اعراض پر تقریر ہے کہ جب کفر و اعراض کی بدولت ان کی یہ گت بننے والی ہے) تو ان کو کیا ہو گا کہ اس نصیحت (قرانی) سے روگردانی کرتے ہیں کہ گویا وہ وحشی گدھے ہیں جو شیر سے بھاگے جارہے ہیں (اس تشبیہ میں کہی امر کی رعایت ہے اول تو گدھا بے وقوفی اور حماقت میں مشہور ہے دوسرے اسکو وحشی فرض کیا جس کو گودھر کہتے ہیں کہ وہ جو چیزیں ڈرنے کی نہیں ہوتیں ان سے بھی بلا وجہ ڈرتا اور بدکتا بھاگتا ہے تیسرے شیر سے اسکا ڈرنا فرض کیا کہ اس صورت میں ان کا بھاگنا

انتہار درجہ ہوگا، اور اس بھاگنے کے اسباب میں ایک سبب یہ بھی ہے کہ یہ لوگ اس قرآن کو بزعم خود حجیت میں کافی نہیں سمجھتے، بلکہ ان میں ہر شخص یہ چاہتا ہے کہ اس کو کھلے ہوئے (آسمانی) نوشتے دیئے جائیں (جیسا دُرّ منشور میں قتادہ سے مروی ہے کہ بعضے کفار نے آپ سے کہا کہ اگر آپ چاہتے ہیں کہ ہم آپ کا اتباع کریں تو خاص ہمارے نام آسمان سے ایسے نوشتے آئیں جن میں آپ کے اتباع کا حکم لکھا ہو اور وہن اَقُولُ تَعَالَى حَتّٰی تَنْزِلَ عَلَيْنَا كِتَابًا نَقْرُؤُہُ اور مُنْشَرًّا کا بڑھانا تو ضیح مقصود کے لئے ہے یعنی جیسے معمولی خط ہوتے ہیں کہ کھولے جاتے ہیں اور پڑھے جاتے ہیں ایسے ہی نوشتے ہمارے پاس آنے چاہئیں، آگے اس بیہودہ درخواست کا رد ہے کہ یہ) ہرگز نہیں (ہو سکتا کیونکہ نہ اس کی ضرورت اور نہ ان لوگوں کو اس کی لیاقت بالخصوص اسوجہ سے کہ اس درخواست کا سبب یہ نہیں ہے کہ دل میں ان کے ارادہ ہو کہ اگر ایسا ہوگا تو اتباع کر لیں گے، بلکہ (سبب یہ ہے کہ) یہ لوگ آخرت (کے عذاب) سے نہیں ڈرتے (اس لئے حق کی طلب نہیں ہے اور یہ درخواستیں محض ضد اور ہٹ دھرمی سے ہیں حتیٰ کہ اگر یہ درخواستیں بالفرض پوری بھی ہو جاویں تب بھی یہ لوگ اتباع نہ کریں) (لَقَوْلِهِ تَعَالَى وَكُنَّا نَزَّلْنَا عَلَيْكَ كِتَابًا فِي ذِي طَاسٍ فَلْيُسْوِهْ بِآيَاتِهِمْ لِقَالِ الَّذِينَ كَفَرُوا اِنْ هَذَا اِلَّا سِحْرٌ مُّبِينٌ) آگے بطور نتیجہ کے اسکار اور اس پر زجر ہے کہ جب اس درخواست کا بیہودہ ہونا ثابت ہو گیا تو یہ) ہرگز نہیں (ہو سکتا بلکہ) یہ قرآن (ہی) نصیحت (کے لئے کافی) ہے، (دوسرے صحیفوں کی حاجت نہیں) سو (اس حالت میں) جسکا جی چاہے اس سے نصیحت حاصل کرے (اور جسکا جی چاہے نہ کرے جہنم میں جادے ہم کو کوئی ضرورت نہیں کہ مطلوبہ قسم کے نوشتے نازل کریں) اور (قرآن کے تذکرہ یعنی ہدایت ہونے میں اس سے شبہ نہ کیا جادے کہ بعض لوگوں کو اس سے تذکرہ و ہدایت نہیں ہوتی، بات یہ ہے کہ قرآن گو فی نفسہ تذکرہ ہے لیکن) بدون خدا کے چاہے یہ لوگ نصیحت قبول نہیں کریں گے (اور اس نہ چاہنے میں بعض حکمتیں ہیں لیکن قرآن فی نفسہ تذکرہ ضرور ہے پس اس سے تذکرہ حاصل کرو اور خدا کی اطاعت کرو کیونکہ) وہی ہے جس (کے عذاب) سے ڈرنا چاہیے اور (وہی ہے) جو (بندوں کے گناہ) معاف کرتا ہے (لَقَوْلِهِ تَعَالَى اِنَّ رَبَّكَ لَسَرِيعُ الْعِقَابِ وَاِنَّكَ لَغَفُورٌ رَّحِيمٌ)

معارف و مسائل

سُورَةُ مَكِّيَّةٌ قرآن کریم کی ان سورتوں میں سے ہے جو نزول قرآن کے بالکل ابتدائی دور میں نازل ہوئی ہیں اسی لئے بعض حضرات نے اس سورت کو سب سے پہلے نازل ہونی والی سورت بھی کہا ہے۔ اور روایات صحیحہ معروفہ کی رو سے سب سے پہلے سورہ اقرآ کی ابتدائی آیات نازل ہوئیں۔ پھر کچھ مدت تک نزول قرآن کا سلسلہ بند رہا جس کو زمانہ فترت وحی کا کہا جاتا ہے اسی زمانہ فترت کے آخر میں یہ واقعہ پیش آیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ میں کسی جگہ تشریف لیجا رہے تھے اوپر سے کچھ آواز سُنی تو آپ نے آسمان کی طرف نظر اٹھایا

دیکھا کہ وہ ہی فرشتہ جو غارِ حرا میں سورہ اقرآ کی آیات لیکر آیا تھا وہ ہی آسمان کے نیچے فضا میں ایک معلق کرسی پر بیٹھا ہوا ہے۔ اس کو اس حال میں دیکھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر وہی طبعی رعب ہیبت کی کیفیت طاری ہو گئی جو غارِ حرا میں نزولِ اقرآ کے وقت ہوئی تھی سخت سردی اور کپکپی کے احساس سے آپ گھر میں واپس تشریف لے گئے اور فرمایا ذَمَلُونِی ذَمَلُونِی یعنی مجھے ڈھانپو مجھے ڈھانپو۔ آپ کپڑوں میں لپٹ کر لیٹ گئے اس پر سورہ مدثر کی ابتدائی آیات نازل ہوئیں کما فی حدیث صحیحین۔ اسی لئے اس سورت میں آپ کو خطاب يَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ کے الفاظ سے کیا گیا، یہ لفظ دُثَار سے مشتق ہے جو اُن زائد کپڑوں کو کہا جاتا ہے جو آدمی عام لباس کے اور کسی سردی وغیرہ کے دفع کرنے کے لئے استعمال کیا کرتا ہے اس لفظ سے خطاب ایک جیسا کہ مشفقانہ خطاب ہے جیسا کہ هَٰذَا قَوْلُ میں بیان ہو چکا ہے۔ لفظ هَٰذَا قَوْلُ کے معنی بھی اسی کے قریب ہیں۔ رُوحِ المعانی میں جابر بن زید تابعی سے منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ سورہ مدثر، منزل کے بعد نازل ہوئی ہے اور بعض حضرات نے یہ روایت حضرت ابن عباسؓ سے بھی نقل کی ہے مگر صحیحین کی جو روایت اوپر نقل کی گئی ہے اس میں اس کی تصریح ہے کہ سب سے پہلے سورہ مدثر نازل ہوئی (اور مراد یہ ہے کہ فترت وحی کے بعد سب سے پہلے یہ سورت نازل ہوئی) اگر منزل کا نزول اس سے پہلے ہوا ہوتا تو حضرت جابر ابن عبد اللہؓ راوی حدیث اس کو بیان کرتے۔ اور یہ ظاہر ہے کہ لفظ مَزِيلٌ اور مَدَّثِرٌ دونوں تقریباً ہم معنی ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ ایک ہی واقعہ میں ان دونوں کا نزول ہوا اور وہ واقعہ وہی جبریل امین کو آسمان کے نیچے کرسی پر بیٹھے دیکھنے کا اور آپ کا گھر میں واپس ہو کر کپڑوں میں لپٹ جائیکا ہو جو اوپر مذکور ہوا ہے۔ اس سے کم از کم اتنا تو ثابت ہو جاتا ہے کہ سورہ منزل اور مدثر کی ابتدائی آیتیں فترت وحی کے بعد سب سے پہلے نازل ہونے والی آیات ہیں ان دونوں میں کون مقدم اور کون مؤخر؟ اس میں روایتیں مختلف ہو گئیں اور سورہ اقرآ کی ابتدائی آیات کا ان سب سے پہلے نازل ہونا تمام روایا صحیحہ سے ثابت ہے اور یہ دونوں سورتیں اگرچہ متقارب زمانے میں ایک ہی واقعہ میں نازل ہوئی ہیں مگر فرق دونوں میں یہ ہے کہ سورہ منزل کے شروع میں جو احکام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیئے گئے ہیں اُن میں اپنی ذاتی شخصی اصلاح سے متعلق ہیں۔ اور سورہ مدثر کے شروع میں جو احکام دیئے گئے ہیں ان کا تعلق زیادہ تر دعوت و تبلیغ اور اصلاحِ خلق سے ہے۔ سورہ مدثر میں سب سے پہلا حکم آپ کو یہ دیا گیا ہے کہ فَذَرْنِي يَوْمَئِذٍ یعنی کھڑے ہو جائیے اسکے معنی حقیقی قیام کے بھی ہو سکتے ہیں کہ آپ جو کپڑوں میں لپٹ کر لیٹ گئے ہیں اسکو چھوڑ کر کھڑے ہو جائیے اور یہ معنی بھی بعید نہیں کہ قیام سے مراد کام کے لئے مستعد اور تیار ہونا ہو اور مطلب یہ ہو کہ اب آپ ہمت کر کے خلقِ خدا کی اصلاح کی خدمت سنبھال لیں۔ فَاذْكُرْ انداز سے مشتق ہے جس کے معنی ڈرانے کے ہیں مگر ایسا ڈرانا جو شفقت و محبت پر مبنی ہوتا ہے جیسے باپ اپنے بچے کو سانپ بچھو اور آگ سے ڈراتا ہے انبیاء کی یہی شان ہوتی ہے اسلئے اُن کا لقب نذیر اور بشیر ہوتا ہے۔ نذیر کے معنی شفقت و ہمدردی کی بنا پر مضر چیزوں سے ڈرانے والا

اور بشیر کے معنی خوش خبری سنانے والا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بھی دونوں ہی لقب قرآن کریم میں جا بجا مذکور ہیں مگر اس جگہ صرف انذار کے ذکر پر اکتفا اس لئے کیا گیا کہ اس وقت مومن مسلمان تو گئے چنے چند ہی تھے باقی سب منکرین و کفار تھے جو کسی بشارت کے مستحق نہیں بلکہ ڈرانے ہی کے مستحق تھے۔

دوسرا حکم یہ دیا گیا کہ **ذَرِكْكَ فَاذْكِرْ** یعنی صرف اپنے رب کی بڑائی بیان کیجئے قول سے بھی، عمل سے بھی، لفظ رب اس جگہ اسلئے اختیار کیا گیا کہ یہ خود علت اس حکم کی ہے کہ جو سارے جہان کا پالنے والا ہے صرف وہی ہر بڑائی اور کبریائی کا مستحق ہے۔ تکبیر کے لفظی معنی اللہ اکبر کہنے کے بھی آتے ہیں جس میں نماز کی تکبیر تحریمہ اور دوسری تکبیرات بھی داخل ہیں اور خارج نماز بھی اذان اقامت وغیرہ کی تکبیرات میں شامل ہے۔ اس حکم کو نماز کی تکبیر تحریمہ کیساتھ مخصوص قرار دینے کا الفاظ قرآن میں کوئی اشارہ نہیں۔

تیسرا حکم یہ دیا گیا **وَتَبَيَّنَ لَكُ فُطْرُهُ**، ثیابِ ثوب کی جمع ہے اس کے اصلی اور حقیقی معنی کپڑے کے ہیں اور مجازی طور پر عمل کو بھی ثوب اور لباس کہا جاتا ہے، قلب اور نفس کو بھی اور خلق اور دین کو بھی۔ انسان کے جسم کو بھی لباس سے تعبیر کیا جاتا ہے جس کے شواہد قرآن اور محاورات عرب میں بکثرت ہیں۔ اس آیت میں حضرات مفسرین سے بھی معافی منقول ہیں اور ظاہر یہ ہے کہ یہ کوئی تضاد اور اختلاف نہیں۔ بطور عموم مجاز کے اگر ان الفاظ سے بھی معنی مراد لئے جاویں تو کوئی بُعد نہیں، اور معنی اس حکم کے یہ ہونگے کہ اپنے کپڑوں اور جسم کو ظاہری ناپاکیوں سے پاک رکھئے قلب اور نفس کو باطل عقاید و خیالات سے اور اخلاقِ رذیلہ سے پاک رکھئے۔ پانچامی یا تہند کوٹخنوں سے نیچے ٹکانے کی مانعت بھی اس سے مستفاد ہوتی ہے کیونکہ نیچے لٹکے ہوئے کپڑوں کا آلودہ ہو جانا بعید نہیں تو تطہیرِ ثوب کے حکم میں یہ بھی آگیا کہ کپڑوں کا استعمال اس طرح کرو کہ نجاست سے دور رہیں۔ اور کپڑوں کے پاک رکھنے میں یہ بھی داخل ہے کہ وہ مالِ حرام سے نہ بنائے جائیں کسی ایسی وضع و ہیئت کے نہ بنائے جائیں جو شرعاً ممنوع ہیں اور ظاہر آیت سے یہ ہے کہ یہ تطہیرِ ثوب کا حکم نماز کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ تمام حالات میں عام ہے اسی لئے فقہار نے فرمایا ہے کہ غیر حالت نماز میں بھی بغیر کسی ضرورت کے جسم کو ناپاک رکھنا یا ناپاک کپڑے پہنے رکھنا یا ناپاک جگہ میں بیٹھے رہنا جائز نہیں، ضرورت کے اوقات مستثنیٰ ہیں (از مظہری) اللہ تعالیٰ طہارت کو پسند فرماتے ہیں **إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ التَّوَّابِينَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِينَ**۔ اور حدیث میں طہارت کو نصف ایمان قرار دیا ہے اسلئے مسلمان کو ہر حال میں اپنے جسم اور مکان اور لباس کی ظاہری طہارت کا بھی اہتمام رکھنا ضروری ہے اور قلب کی باطنی طہارت کا بھی۔ واللہ اعلم

چوتھا حکم یہ دیا گیا **وَالرَّجْزَ قَالَهُمْ**، رَجَز بضم الراء کسر ہا دونوں کے ایک ہی معنی ہیں۔ ائمہ تفسیر مجاہد، عکرمہ، قتادہ، زہری، ابن زید وغیرہ نے اس جگہ رَجَز کے معنی بتوں کے قرار دیئے ہیں اور حضرت ابن عباسؓ کی ایک روایت میں اس سے مراد ہر گناہ اور معصیت منقول ہے۔ معنی آیت کے یہ ہیں کہ بتوں کو یا گناہ و معصیت کو چھوڑیے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو پہلے ہی سب کو چھوڑے ہوئے تھے آپ کو اسکا

حکم کرنے کے معنی یہ ہیں کہ آئندہ بھی ان چیزوں سے دور رہیں اور درحقیقت یہ حکم امت کے لئے تعلیم ہے جو غایت تاکید کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے دیا گیا ہے تاکہ وہ سمجھیں کہ جب پیغمبر معصوم کو بھی اسکا حکم ہے تو ہمیں اسکا کیسا اہتمام کرنا چاہیے۔

پانچواں محکم وَلَا تَقْنَنَّ تَشْكُرْ، یعنی کسی شخص پر احسان اس نیت سے نہ کیجئے کہ جو کچھ اس کو دیا ہے اس سے زیادہ وصول ہو جائیگا، اس سے معلوم ہوا کہ کسی شخص کو ہدیہ تحفہ اس نیت سے دینا کہ وہ اسکے معاوضہ میں اس سے زیادہ دیگا یہ مذموم و مکروہ ہے۔ قرآن کی دوسری آیت سے اگرچہ اسکا جواز عام لوگوں کے لئے معلوم ہوتا ہے مگر وہ بھی کراہت سے خالی نہیں اور شریفانہ اخلاق کے منافی ہے۔ خصوصاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے تو اس کو حرام قرار دیا گیا (قالہ ابن عباسؓ)

چھٹا محکم وَلَا تَقْنَنَّ تَشْكُرْ، صبر کے لفظی معنی اپنے نفس کو روکنے اور قابو میں رکھنے کے ہیں اسلئے صبر کے مفہوم میں یہ بھی داخل ہے کہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی پابندی پر اپنے نفس کو قائم رکھئے اور یہ بھی داخل ہے کہ اللہ کی حرام کی ہوی چیزوں سے نفس کو روکے اور یہ بھی داخل ہے کہ مصائب اور تکلیف میں اپنے اختیار کی حد تک جوع فرع اور شکایت سے بچے اسلئے یہ حکم ایک جامع حکم ہے جو تقریباً پورے دین کو شامل اس موقع پر اس حکم کی خصوصیت ممکن ہے اسلئے بھی ہو کہ اوپر کی آیات میں آپ کو حکم دیا گیا ہے کہ عام خلق خدا تعالیٰ کو دین حق کی طرف دعوت دیں کفر و شرک اور معاصی سے روکیں۔ یہ ظاہر ہے کہ اس کے نتیجہ میں بہت سے لوگ مخالفت و عداوت اور ایذا رسانی پر آمادہ ہو جائیں گے اسلئے داعی حق کو صبر و ضبط کا خوگر ہونا چاہیے۔ یہ چند احکام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دینے کے بعد قیامت اور اس کے ہولناک ہونیکا ذکر ہے۔ ناقور کے معنی صور کے ہیں اور نقص سے مراد صور میں پھونک مار کر آواز نکالنے کے ہیں۔ اور روز قیامت کا سبھی کفار کے لئے سخت و شدید ہونا بیان فرمانے کے بعد ایک خاص شریر کافر کے حالات اور اسکے عذاب شدید کا بیان ہے۔

ولید بن مغیرہ کی آمدنی | یہ کافر ولید بن مغیرہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے دنیا کی مال و دولت اور اولاد فراوانی کے ایک کروڑ گنیاں سالانہ ساتھ دی تھی، بقول ابن عباسؓ اس کی زمین جائداد باغات مکہ سے طائف تک پھیلے ہوئے تھے، اور بقول ثوری اس کی سالانہ آمدنی ایک کروڑ دینار تھی۔ بعض نے اس سے کم بھی بتلایا ہے اتنا سب کے نزدیک مسلم ہے کہ اسکے کھیت اور باغات کی آمدنی اور پیداوار سال بھر سردی گرمی کی ہر موسم میں مسلسل رہتی تھی قرآن کریم میں اسی کو فرمایا ہے وَجَعَلْتُ لَكَ مَا لَا حَاسِبُ لَكَ۔ اور یہ عرک سردار مانا جاتا تھا۔ لوگوں میں اسکا لقب ریحانہ قریش مشہور تھا یہ خود اپنے آپ کو بطور فخر و تکبر کے وحید ابن الوحید، یعنی یکتا کا بیٹا لیتا تھا کہ نہ قوم میں میری کوئی نظیر ہے نہ میرے باپ مغیرہ کی (قرطبی) مگر اس ظالم نے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی ناشکری کی اور قرآن کو کلام الہی یقین کر لینے کے باوجود اس نے جھوٹی بات

بنائی اور قرآن کو سحر اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ساحر کہا۔ اسکا واقعہ تفسیر قرطبی میں یہ بیان کیا ہے کہ جب قرآن کی آیت حمہ تَنْزِيلُ الْكِتَابِ مِنَ اللَّهِ الْعَزِيزِ الْعَلِيمِ سے اَلَيْهِ الْمَصْدِرُ تک نازل ہوئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی تلاوت کر رہے تھے ولید بن مغیرہ نے یہ قرأت سنی تو بسیاختہ اسکے کلام الہی ماننے اور یہ کہنے پر مجبور ہو گیا کہ، واللہ لقد سمعت منه كلاما ما هو من كلام الانس ولا من كلام الجن وان له لاجلاد وان عليه لطلاوة وان اعلاه لغمام وان اسفله لمغدق وانه ليعلم ولا يعطى عليه وما يقول هذا البشرا

واللہ میں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسا کلام سنا ہے جو نہ کسی انسان کا کلام ہو سکتا ہے نہ کسی جن کا اور اس میں بڑی حلاوت ہے اور اس پر خاص رونق ہے اسکا اعلیٰ پھل دینے والا اور اسفل پانی جاری کرنے والا ہے وہ بلاشبہ سب سے بالا و بلند ہو کر رہے گا اس پر کوئی غالب نہیں ہو سکتا یہ بشر کا کلام نہیں ہے۔

عرب کے سب سے بڑے مالدار سردار کا ایسا کہنا تھا کہ پورے قریش میں اسنے ایک زلزلہ ڈال دیا اور وہ سب اسلام و ایمان کی طرف مچکنے لگے، قریش کے کافر سرداروں کو فکر ہوئی اور جمع ہو کر مشورہ کرنے لگے۔ ابو جہل نے کہا کہ فکر نہ کرو میں ابھی جاتا ہوں اس کو ٹھیک کر دوں گا۔

ابو جہل اور ولید بن مغیرہ کا مکالمہ ابو جہل ولید بن مغیرہ کے پاس غمگین صورت بنا کر پہنچا (اور قصہ ایسی بات اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بنائی جس پر ولید کو غصہ آجاوے) ولید نے اس سے پوچھا کہ کیا بات تم غمگین حقانیت پر دونوں کا اتفاق نظر آتے ہو۔ ابو جہل نے کہا کہ غمگین کیسے نہ ہوں یہ سارے باہم چنہ کر کے تجھے

مال دیتے ہیں کہ تو اب بوڑھا ہو گیا ہے تیری مدد کرنا چاہیے مگر اب ان کو یہ معلوم ہوا کہ تم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ابن ابی قحانہ (ابو بکر رض) کے پاس اسلئے جاتے ہو کہ تمہیں کچھ کھانے پینے کو ملجاوے اور ان کی خوشامد میں انکے کلام کی تحسین و تعریف کرتے ہو (ظاہر یہ ہے کہ قریش کا چنہ کر کے ولید کو مال دینا بھی جھوٹ تھا جو صرف اسکو

غصہ دلانے کے لئے بولا گیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کھانے کی چیزیں لینا تو جھوٹ تھا ہی) اس پر ولید بن مغیرہ کے غصہ کی انتہا نہ رہی اور اسکے نتیجہ میں اس پر اپنے تکبر و تعلی کا جنون سوار ہو گیا کہنے لگا کہ میں محمد اور انکے ساتھیوں کے ٹکڑوں کا محتاج ہوں، کیا تم کو میرے مال و دولت کی کثرت معلوم نہیں قسم ہے لات اور

عزریٰ کی (دو بتوں کے نام ہیں) میں اسکا ہرگز محتاج نہیں۔ البتہ تم لوگ جو یہ کہتے ہو کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) مجنون ہیں یہ بات ایسی غلط ہے اسکا کوئی یقین نہیں کر سکتا کیا تم میں سے کسی نے ان کو کوئی مجنونانہ کام کرتے دیکھا ہی ابو جہل نے اقرار کیا کہ لا واللہ یعنی واللہ نے کوئی ایسا کام ان کا نہیں دیکھا، پھر ولید نے کہا تم لوگ انکو شاعر کہتے ہو

کیا تم نے ان کو کبھی شعر کہتے ہوئے سنا ہے (ایسی غلط بات کہنا اپنے آپ کو رسوا کرنا ہے) ابو جہل نے اس پر بھی یہی کہا لا واللہ۔ پھر ولید نے کہا کہ تم لوگ ان کو کذاب کہتے ہو تو بتلاؤ کہ تم نے عمر بھر میں کبھی ان کی کسی بات کو جھوٹا پایا ہے۔ اس پر بھی ابو جہل کو یہی اقرار کرنا پڑا لا واللہ، پھر ولید نے کہا کہ تم لوگ ان کو کاذب کہتے ہو تو کیا تم نے کبھی ان کے ایسے حالات اور کلمات دیکھے سنے ہیں جو کاذب ہوں گے ہو کر تے ہیں۔ ہم کاذبوں کی باتوں

کو اچھی طرح پہچانتے ہیں، اُن کا کلام کہانت نہیں ہو سکتا، اس پر بھی ابو جہل کو یہی اقرار کرنا پڑا لاؤ اللہ اور پورے قریش میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صادق امین کے لقب سے معروف تھے اب ابو جہل اپنے ان سب بہتانوں سے تو دستبردار ہو گیا، فکر یہ پڑی کہ آخر پھر کیا کہہ کر لوگوں کو اسلام سے روکا جائے اس لئے خود ولید ہی کو خطاب کر کے کہا کہ پھر تم ہی بتلاؤ کہ ان کو کیا کہا جائے، اس پر اس نے پہلے تو اپنے دل میں سوچا پھر ابو جہل کی طرف نظر اٹھائی پھر منہ بسورا جس سے نفرت کا اظہار ہو اور آخر میں کہنے لگا کہ ان کو یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مجنون، شاعر، کاہن، کذاب تو کچھ نہیں کہا جاسکتا، ہاں ان کو ساحر کہو تو بات چل جائے گی۔ یہ کجبت خوب جانتا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ساحر بھی نہیں اور نہ آپ کے کلام کو ساحر دوں کا کلام کہا جاسکتا ہے مگر اس نے بات بنائیکی یہ صورت تجویز کی کہ آپ کے کلام کے آثار بھی ایسے ہوتے ہیں جیسے ساحر دوں کے کیونکہ جیسے جادو گر اپنے عمل سے میاں بیوی، بھائی بھائی میں تفرقہ اور نفرت ڈالتے تھے (معاذ اللہ) آپ کے کلام کا بھی یہی اثر ہے کہ جو ایمان لے آتا ہے اپنے کافران باپ اور عزیزوں سے متنفر ہو جاتا ہے۔ اس کے اس واقعہ کے آخری اجزاء ہی کو قرآن کریم نے ان آیات میں بیان فرمایا ہے اِنَّهٗ فُكِّرَ وَقَدَّرَ فَقُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ ثُمَّ قُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ ثُمَّ نَظَرَ ثُمَّ عَبَسَ وَبَسَرَ ثُمَّ اَدْبَرَ وَاسْتَكْبَرَ فَقَالَ اِنْ هٰذَا اِلَّا سِحْرٌ وَّ بُحُوْرَةٌ اِنْ هٰذَا اِلَّا قَوْلُ الْبَشَرِ اس میں قَدَّرَ تقدیر سے شق کر جس کے نفی معنی تجویز کرنے کے ہیں۔ مراد اس سے یہ ہے کہ اس کجبت نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نبوت و رسالت پر یقین کامل ہو جانے کے باوجود غصہ اور غیرت سے مغلوب ہو کر مخالفت کرنا تو طے کر لیا مگر صاف جھوٹ بولنے سے پرہیز کرنا چاہتا تھا کہ اپنی رسوائی نہ ہو اس لئے بہت غور فکر کر کے یہ تجویز نکالی کہ ان کو ساحر اس بنا پر کہو کہ آپ کے کلام اور تلقین سے باپ بیٹے بھائی بھائی میں تفریق ہو جاتی ہے جیسے جادو سے ہوتی ہے اسی تقدیر و تجویز پر حق تعالیٰ نے اس پر مکر و لعنت قرآن میں فرمائی فَقُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ ثُمَّ قُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ

جھوٹ سے کفار بھی پرہیز کرتے تھے غور کیجئے کہ یہ قریشی سزاوار اور بھی کفار فجار اور طرح طرح کے معاصی و فواحش میں گرفتار تھے مگر جھوٹ ایک ایسا عیب ہے کہ یہ کفار بھی اس سے بھاگتے تھے۔ ابوسفیان کا واقعہ قبل از اسلام جو دربار قیصر روم میں پیش آیا، اُس سے بھی یہ معلوم ہوا کہ یہ لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت میں اپنی جان اور اولاد تک کو قربان کرنے کے لئے تیار تھے مگر ایسا جھوٹ بولنے کے لئے تیار نہیں تھے جس سے اُن کو دُنیا میں جھوٹا کہا جائے۔ افسوس ہے کہ اس معکوس ترقی کے زمانے میں یہ عیب عیب ہی نہیں رہا بلکہ سب سے بڑا ہنر ہو گیا اور کفار فجار ہی نہیں نیک دیندار مسلمانوں کے دلوں سے بھی اسکی نفرت نکل گئی بے تکان جھوٹ بولنے اور بولوانے کو فخر کے ساتھ بیان کرتے ہیں (نعوذ باللہ منہ)

اولاد کا اپنے پاس موجود ولید بن مغیرہ پر اللہ تعالیٰ نے جو دنیا میں انعامات مبذول فرمائے تھے اُن میں ایک ہونا ایک مستقل نعمت ہے یہ بھی فرمایا ہے کہ بَنِيْنَ شُعُوْبًا یعنی اولاد حاضر و موجود۔ اس سے معلوم ہوا کہ جیسا اولاد کا پیدا ہونا اور اسکا باقی رہنا اللہ تعالیٰ کے انعامات ہیں اسی طرح اولاد کا اپنے پاس حاضر و موجود ہونا

بھی ایک بڑا انعام ہے جو والدین کے لئے آنکھوں کی ٹھنڈک اور قلب کے سکون کا سب سے بڑا ذریعہ ہے اُن کی حاضری سے اپنی خدمت اور کاروبار میں امداد کا فائدہ مزید برآں ہے۔ اس منکوس ترقی نے جو یہ زمانہ کر رہا ہے صرف سونے چاندی کے سکوں بلکہ ان سکوں کے اقرار ناموں (نوٹوں) کا نام عیش و آرام رکھ لیا ہے جس کے لئے والدین بڑے فخر سے اولاد کو دوسرے ملکوں میں پھینک دیتے ہیں اور اس پر خوش ہوتے ہیں کہ اگرچہ سالہا سال بلکہ عمر بھر اولاد کی صورت بھی نہ دیکھیں مگر اُن کی بڑی تنخواہ اور آمدنی کی خبر ان کے کانوں تک پہنچتی ہے اور یہ اُس خبر کے ذریعہ اپنی برادری میں اپنی برتری ثابت کرتے رہیں معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ آرام و راحت کے مفہوم سے بھی بے خبر ہو گئے۔ اور اللہ تعالیٰ کو بھلائے کا یہی نتیجہ ہونا چاہیے کہ وہ خود اپنے آپ کو یعنی اپنے اہلی آرام و راحت کو بھی بھول جائے جیسا کہ قرآن کریم نے فرمایا **لَسَوْا لِلّٰہِ فَاَنسَوْا اَنْفُسَہُمْ**

وَمَا يَعْلَمُ جُنُودَ رَبِّکَ اِلَّا ھُوَ اِنَّہٗ تَفْسِیْرٌ مِّنْ سِیْرِ سے مقاتل نے فرمایا کہ یہ جواب ابو جہل کے کلام کا ہے اسے جب یہ آیت سنی کہ جہنم کے خازن اُنیس فرشتے ہیں تو قریشی جوانوں کو خطاب کر کے کہنے لگا کہ محمد کے ساتھی تو فقط اُنیس ہیں انکی تمہیں کیا فکر ہو سکتی ہے۔ اور یہی سدی سے نقل کیا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی **عَلَيْهَا تَسْعَةُ عَشْرَ** تو ایک بیہودہ کافر قریش جس کو ابوالاسلین کہا جاتا تھا بول اٹھا کہ اے قوم قریش کچھ فکر نہ کرو۔ ان اُنیس کے لئے تو میں اکیلا کافی ہوں میں اپنے داہنے بازو سے دس کو اور بائیں بازو سے نو کو دفع کر کے ان اُنیس کا خاتمہ کر دوں گا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ **اَحْمَقُوْا** اول تو فرشتہ ایک بھی سب کے لئے کافی ہے اور اُنیس کا عدد جو یہاں بتلایا گیا ہے یہ اُن فرشتوں کے بڑوں اور ذمہ داروں کا عدد ہے ان میں سے ہر ایک کے ماتحت خدای خدمات اور کفار و فجار کو عذاب دینے کے لئے لاتعداد فرشتے مقرر ہیں جن کا عدد اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا، آگے قیامت اور اہوال قیامت کا ذکر ہے ہمیں فرمایا **اِنَّہَا لَآخِذٌ بِالْکِبْرِیَّ** انہا کی ضمیر سقر کی طرف راجع ہے جب کا ذکر اوپر کی آیات میں آیا ہے۔ **کِبْرِیَّ** کا ف دفع بار کبریٰ کی جمع ہے یہ صفت ہے داہنیہ یا مصیبت کی، معنی آیت کے یہ ہوئے کہ یہ سقر یعنی جہنم جس میں ان کو داخل کیا جائے گا بڑی بڑی آفتوں اور مصیبتوں میں سے ایک ہے اس کے علاوہ اور طرح طرح کے عذاب ہیں۔

لَمَنْ شَاءَ مِنْکُمْ اَنْ یَّتَقَدَّمَ اَوْ یَتَاَخَّرَ یہاں تقدم سے مراد تقدم الی الایمان والطاعة اور تاخر سے مراد ایمان و طاعت سے پیچھے ہٹنا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جہنم کے عذاب سے ڈرنا جو اوپر کی آیت میں ہے یہ ہر ایک انسان کے لئے عام ہے پھر کوئی یہ ڈر نہ کر ایمان و طاعت کی طرف پیش قدمی کرتا ہو کوئی بے نصیب اس کے باوجود پیچھے رہ جاتا ہے۔

کُلُّ نَفْسٍ بِمَا کَسَبَتْ رَہِیْنَةٌ اِلَّا اَصْلَحَ الْیَمِیْنُ، رَہِیْنَةُ بمعنی مرہونہ ہے اور مراد اس سے اسکا مجبوس و مقید ہونا ہے جس طرح کوئی شخص قرض کے بدلے میں کوئی چیز رہن رکھ دے تو وہ چیز قرض خواہ کے قبضہ میں مجبوس رہتی ہے، مالک اُس سے کوئی فائدہ نہیں اٹھا سکتا، اسی طرح قیامت کے

روز ہر ایک نفس اپنے گناہوں کے بدلے میں مجبوس اور مقید رہیگا مگر اصحاب الیمین اس جس اور قید سے مستثنیٰ ہونگے۔ یہاں جس سے مراد جہنم میں مجبوس ہونا بھی ہو سکتا ہے جیسا کہ خلاصہ تفسیر مذکور میں لیا گیا ہے تو معنی یہ ہونگے کہ ہر شخص اپنے اپنے گناہوں کی سزا بھگتنے کے لئے جہنم میں مجبوس رہے گا مگر اصحاب الیمین اس سے مستثنیٰ ہونگے۔ اس سیاق سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ اصحاب الیمین سے مراد وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنا قرض ادا کر دیا یعنی اللہ تعالیٰ اور بندوں کے سب حقوق دنیا میں ادا کر دیئے تھے یا اللہ تعالیٰ اور بندوں نے معاف کر دیئے وہ فرض اور قرض سب ادا کر چکے اُن کے نفوس کے مرہون ہونے کی کوئی وجہ نہیں، یہ تفسیر نظر ہر صاف و بے تکلف ہے۔ اور اگر جس سے مراد حساب کتاب اور جنت و دوزخ کے داخلے سے پہلے کسی جگہ مجبوس ہونا ہے تو اسکا حاصل یہ ہوگا کہ تمام نفوس اپنے اپنے حساب کے لئے مجبوس ہونگے جب تک حساب نہ ہو جائے کوئی کہیں نہ جاسکے گا۔ اس صورت میں اصحاب الیمین جو مستثنیٰ کئے گئے اُن سے مراد یا تو وہ معصومین ہو سکتے ہیں جن کے ذمہ حساب نہیں، جیسے نابالغ بچے کما ہو قول علی کرم اللہ وجہہ یا پھر وہ لوگ جن کے بارے میں حدیث میں آیا ہے کہ اس اُمت کے بہت سے لوگ حساب سے مستثنیٰ کر دیئے جا دیں گے وہ بغیر حساب کے جنت میں داخل ہونگے۔ اور سورہ واقعہ میں جو حاضرینِ محشر کی تین قسمیں بتلائی ہیں۔ ایک سابقین و مقربین، دوسرے اصحاب الیمین، تیسرے اصحاب الشمال۔ یہاں مقربین کو بھی اصحاب الیمین میں شامل کر کے صرف اصحاب الیمین کے ذکر پر اکتفا کیا گیا لیکن اس معنی کے اعتبار سے تمام اصحاب الیمین کا حساب کے لئے مجبوس ہونے سے استثناء کسی نص سے ثابت نہیں یہ معنی پہلی تفسیر یعنی جس فی جہنم ہی کے ساتھ درست ہو سکتے ہیں۔ واللہ اعلم

فَمَا تَنْفَعُهُمْ شَفَاعَةُ الشَّافِعِينَ، تنفعہم کی ضمیر اُن مجرمین کی طرف راجع ہے جن کا ذکر اس سے پہلی آیت میں آیا ہے کہ انھوں نے اپنے چار جرائم کا اعتراف کیا، ایک یہ کہ وہ نماز نہیں پڑھتے تھے دوسرے یہ کہ وہ کسی سکینِ غریب کو کھانا نہیں کھلاتے تھے۔ مراد یہ ہے کہ غریبوں کی ضروریات پر فرح نہیں کرتے تھے، تیسرے یہ کہ اہل باطل جو اسلام و ایمان کے خلاف باتیں کرتے یا معاصی و فواحش میں مبتلا ہوتے ہیں یہ بھی انکے ساتھ لگے رہتے تھے اُن سے بیزاری کا اظہار نہیں کرتے تھے۔ چوتھے یہ کہ قیامت کا انکار کرتے تھے۔

اس آیت سے ثابت ہوا کہ ایسے مجرم جو ان سب گناہوں کے مرکب ہوں جن میں قیامت کی تکذیب بھی داخل ہے جو عین کفر ہے ایسے مجرموں کے لئے کسی کی شفاعت نافع نہ ہوگی، کیونکہ یہ کفار ہیں کسی کافر کی شفاعت کرنے کی بھی کسی کو اجازت نہیں ہوگی اور اگر کوئی کرے تو قبول نہیں ہوگی خواہ سارے شفاعت کرنے والے جمع ہو کر شفاعت کا زور لگائیں ہرگز نفع نہیں دیگی اسی کی طرف اشارہ کرنے کے لئے شفاعۃ الشافعیین بصیغہ جمع لایا گیا ہے۔

کافر کے لئے کسی کی شفاعت | اس آیت سے یہ بھی استفاد ہوتا ہے کہ کفار کے علاوہ مسلمانوں کے لئے اگرچہ وہ گنہگار نافع نہیں مومن کے لئے نافع ہوگی | ہوں شفاعت نفع دے گی جیسا کہ بہت سی احادیث صحیحہ میں انبیاء علیہم السلام

اور اولیاء صلیار بلکہ عام مومنین کا دوسروں کی شفاعت کرنا اور قبول ہونا ثابت ہے۔

خاندان

حضرت عبداللہ بن مسعود نے فرمایا کہ آخرت میں اللہ کے فرشتے اور انبیاء اور شہداء اور صالحین گناہگاروں کی شفاعت کریں گے اور وہ ان کی شفاعت سے جہنم سے نکال لئے جا دیں گے۔ بجز ان چار قسم کے مجرمین کے جن کا ذکر اوپر آیا ہے یعنی جو نماز و زکوٰۃ کے تارک ہیں اور جو اہل باطل کفار کی خلاف اسلام باتوں میں شریک رہتے ہیں اور جو قیامت کا انکار کرتے ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بے نماز اور تارک زکوٰۃ کے لئے شفاعت قبول نہیں ہوگی۔ مگر دوسری روایات سے صحیح یہ معلوم ہوتا ہے کہ آیت میں جن لوگوں کی شفاعت قبول نہ ہونا مذکور ہے وہ مراد ہیں جو ان چاروں جرائم کے مجرم ہوں جن میں تکذیب قیامت بھی داخل ہے۔ تکذیب کے علاوہ الگ الگ دوسرے جرم کرنے والے کی یہ سزا ہونا ضروری نہیں مگر بعض روایات حدیث میں خاص خاص گناہوں کے مرتکب کے متعلق بھی یہ آیا ہے کہ وہ شفاعت سے محروم رہے گا جیسے حدیث میں کہ جو شخص شفاعت کے حق ہونے ہی کا منکر ہو یا حوض کوثر کے وجود کا منکر ہو اس کا شفاعت اور حوض کوثر میں کوئی حصہ نہیں۔

فَمَا لَهُمْ عَنِ الشَّنْكَرَةِ مُعْرِضِينَ، یہاں تذکرہ سے مراد قرائی حکیم ہے کیونکہ تذکرہ کے لفظی معنی یاد دلانے والی چیز کے ہیں اور قرآن اللہ تعالیٰ کی صفات کمال اور اُس کی رحمت و غضب اور ثواب و عذاب کو یاد دلانے میں بے نظیر ہے اور آخر میں فرمایا کَلَّا لَا تَتَذَكَّرُ یعنی بلاشبہ قرآن تذکرہ ہے جس کو تم نے چھوڑ رکھا ہے قَسُورَتِ کے معنی شیر کے بھی آتے اور تیر انداز شکاری کے بھی اس جگہ صحابہ کرام سے دونوں منقول ہیں۔

هُوَ أَهْلُ السَّقْوَىٰ وَأَهْلُ الْمَغْفِرَةِ، اللہ تعالیٰ کا اہل تقویٰ ہونا بایں معنی ہے کہ صرف وہی اس کا مستحق ہے کہ اُس سے ڈرا جائے اور اُس کی نافرمانی سے بچا جائے اور اہل مغفرت ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ ہی ایسی ذات ہے جو بڑے سے بڑے مجرم گناہگار کو اُس کے سب گناہ جب چاہتے ہیں بخش دیتے ہیں اور کسی کا یہ حوصلہ نہیں ہو سکتا۔

تَمَّتْ سُورَةُ الْمَدَّثِ ثَابِتٌ حَمْدُ اللَّهِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ ۲۵ رَجَبِ سَنَةِ ۹۱۲ھ

سُورَةُ الْقِيَمَةِ

سُورَةُ الْقِيَمَةِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ اَرْبَعُونَ آيَةً وَفِيهَا رُكُوعٌ اَكْبَرُ
سورة قیامت مکہ میں نازل ہوئی اور اس کی چالیس آیتیں اور دو رکوع ہیں

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

لَا اُقْسِمُ بِیَوْمِ الْقِيَمَةِ ۝۱ وَلَا اُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللّٰوَامَةِ ۝۲ اَيَحْسَبُ

قسم کرتا ہوں قیامت کے دن کی اور قسم کھاتا ہوں جی کی کہ جو علامت کرے بُرائی پر کیا خیال رکھتا ہے

الْاِنْسَانُ اَلْکُنْ تَجْمَعُ عِظَامَهُ ۝۳ بَلْیَ قَدْرِیْنِ عَلٰی اَنْ تُسَوِّیَ

آدمی کہ جمع نہ کریں گے ہم اس کی ہڈیاں کیوں نہیں ہم ٹھیک کر سکتے ہیں اس کی

بَنَانَهُ ۝۴ بَلْ یُرِیْدُ الْاِنْسَانُ لِیَفْجُرَ اَمَامَهُ ۝۵ یَسْئَلُ اَیَّانَ یَوْمٍ

پوریاں بلکہ چاہتا ہے آدمی کہ دھٹائی کرے اس کے سامنے پوچھتا ہے کب ہوگا دن

الْقِيَمَةِ ۝۶ فَاِذَا بَرَقَ الْبَصَرُ ۝۷ وَخَسَفَ الْقَمَرُ ۝۸ وَجُمِعَ الشَّمْسُ

قیامت کا پھر جب چند صیغے لگے آنکھ اور گر جائے چاند اور اکٹھے ہوں سورج

وَالْقَمَرُ ۝۹ یَقُوْلُ الْاِنْسَانُ یَوْمَیْذٍ اَیْنَ الْمَقَرُّ ۝۱۰ کَلَّا لَا وَزَرَ ۝۱۱

اور چاند کہے گا آدمی اس دن کہاں چلا جاؤں بھاگ کر کوئی نہیں کہیں نہیں ہے بچاؤ

اِلٰی رَبِّکَ یَوْمَیْذٍ الْمُسْتَقَرُّ ۝۱۲ یُنَبِّئُ الْاِنْسَانُ یَوْمَیْذٍ بِمَا قَدَّمَ

تیرے رب تک ہے اس دن جا ٹھہرنا بتلا دیں گے انسان کو اس دن جو اس نے آگے بھیجا

وَاٰخَرَ ۝۱۳ بَلِ الْاِنْسَانُ عَلٰی نَفْسٍ بَصِیْرَةٌ ۝۱۴ وَکُوْا لَفٰی مُعَادِیْرَةٍ ۝۱۵

اور پیچھے چھوڑا بلکہ آدمی اپنے واسطے آپ دلیل ہے اور پڑا لاڈلے اپنے بھانے

لَا تُحَرِّکْ بِهٖ لِسَانَکَ لِتَعْجَلَ بِهٖ ۝۱۶ اِنَّ عَلَیْنَا جَمْعَهُ وَقُرْاٰنَهُ ۝۱۷

نہ چلا تو اس کے پڑھنے پر اپنی زبان تاکہ جلدی اس کو سیکھے، وہ تو ہمارا ذمہ ہے اس کو جمع رکھنا تیرے سینہ میں اور پڑھنا تیری زبان سے

فَإِذَا قَرَأْنَاهُ فَاتَّبِعْ قُرْآنَهُ ۝ ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهُ ۝ ۱۹ ۝ كَلَّا بَلْ تُحِبُّونَ

پھر جب ہم پڑھنے لگیں فرشتہ کی زبانی تو ساتھ رہ اُسکے پڑھنے کے، پھر مقرر ہمارا ذمہ ہے، اسکو کھول کر بتلانا، کوئی نہیں پر تم چاہتے ہو

الْعَاجِلَةَ ۝ وَتَذَرُونَ الْآخِرَةَ ۝ ۲۰ ۝ وَجُوهٌ يَوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ ۝ ۲۱ ۝ إِلَىٰ

جو جلد آئے اور چھوڑتے ہو جو دیر میں آئے کتنے منہ اُسدن تازہ ہیں اپنے

رَبِّهَا نَاضِرَةٌ ۝ ۲۲ ۝ وَجُوهٌ يَوْمَئِذٍ مُّسْوِرَةٌ ۝ ۲۳ ۝ تَظُنُّ أَنْ يُفْعَلَ

رب کی طرف دیکھنے والے اور کتنے منہ اُس دن اُداس ہیں خیال کرتے ہیں کہ اُن پر

بِهَا فَاقِرَّةٌ ۝ ۲۴ ۝ كَلَّا إِذَا بَلَغَتِ الثَّرَاقِي ۝ ۲۵ ۝ وَقِيلَ مِنْ سَكَنٍ رَّاٰ ۝ ۲۶ ۝

وہ آئے جس سے ٹوٹے کم ہرگز نہیں جس وقت جان پہنچے ہانس تک اور لوگ کہیں کون ہے جھاڑنے والا

وَوَظَنَ أَنَّهَا الْفِرَاقُ ۝ ۲۷ ۝ وَالتَّتَفَتِ النَّسَاقُ بِالنَّسَاقِ ۝ ۲۸ ۝ إِلَىٰ رَبِّكَ

اور وہ سمجھا کہ اب آیا وقت جدائی کا اور پیٹ گئی پیٹلی پر پیٹلی تیرے رب کی طرف ہے

يَوْمَئِذٍ الْمَسَاقُ ۝ ۲۹ ۝ فَلَا صَدَقَ وَلَا صِلَةَ ۝ ۳۰ ۝ وَلَكِنْ كَذَّبَ وَتَوَلَّىٰ ۝ ۳۱ ۝

اُس دن کھینچ کر چلا جانا پھر یہ یقین لایا اور نہ نماز پڑھی پھر جھٹلایا اور منہ موڑا

ثُمَّ ذَهَبَ إِلَىٰ أَهْلِهِ يَمُتِلٰی ۝ ۳۲ ۝ أَوَّلَىٰ لَكَ فَآوَلَىٰ ۝ ۳۳ ۝ ثُمَّ أَوَّلَىٰ لَكَ فَآوَلَىٰ ۝ ۳۴ ۝

پھر گیا اپنے گھر کو اگرتا ہوا خرابی تیری خرابی پر خرابی تیری پھر خرابی تیری خرابی پر خرابی تیری

أَيَحْسَبُ الْإِنْسَانُ أَنْ يُتْرَكَ سُدًى ۝ ۳۵ ۝ أَلَمْ يَكُنْ نَاطِقًا مِّنْ قَبْلِي يَمِينِي ۝ ۳۶ ۝

کیا خیال رکھتا ہے آدمی کہ چھوٹا رہے گا بے قید بھلا نہ تھا وہ ایک بوند منی کی جو شہکی

ثُمَّ كَانَ عَاقِبَتُهُ فِخْخًا ۝ ۳۷ ۝ فَخَلَقَ فَسَوَّىٰ ۝ ۳۸ ۝ فَجَعَلَ مِنْهُ الزَّوْجَيْنِ الذَّكَرَ

پھر تھا ہوا پھر اُس نے بنایا اور ٹھیک کر اٹھایا پھر کیا اسیں جوڑا

وَالْأُنثَىٰ ۝ ۳۹ ۝ أَلَيْسَ ذَٰلِكَ بِقَدِيرٍ عَلَىٰ أَنْ يُّحْيِيَ الْمَوْتَىٰ ۝ ۴۰ ۝

اور مادہ کیا یہ (خدا) زندہ نہیں کر سکتا مردوں کو

خلاصہ تفسیر

میں قسم کھاتا ہوں قیامت کے دن کی اور قسم کھاتا ہوں ایسے نفس کی جو اپنے اوپر لامرت کرے (یعنی نیکی کر کے یہ کہے کہ میں نے کیا کیا ہے اس میں اخلاص نہ تھا، اس میں غلامی خرابی رہ گئی تھی اور گناہ ہو جاوے تو بہت ہی نادام ہو۔ کذا فی الدر المنثور عن ابن عباس والحسن۔ پس اس معنی کے اعتبار سے یہ نفس مطمئنہ کو بھی شامل ہے اور جواب قسم مخدوف ہے یعنی تم ضرور مبعوث ہو گے، اور ان دونوں قسموں کا مناسب مقام ہونا ظاہر ہے قیامت تو سئلے کہ وہ طرف ہے حشر و نشر کا اور نفس تو امہ کا ایلئے کہ ایسا نفس قیامت کی عملی تصدیق کرنے والا ہوتا ہے۔ آگے

منکرین بعث پر زد ہے یعنی) کیا انسان خیال کرتا ہے کہ ہم اس کی ہڈیاں ہرگز جمع نہ کریں گے (انسان سے مراد کافر اور ہڈیوں کی تخصیص اس لئے کہ اصل عماد بدن یہی ہیں۔ آگے اس انکار کا جواب ہے یعنی) ہم ضرور جمع کریں گے (اور یہ جمع کرنا ہم کو کچھ دشوار نہیں) کیونکہ ہم اس پر قادر ہیں کہ اس کی انگلیوں کی پوریوں تک درست کر دیں (پوریوں کی تخصیص ذکری دوجہ سے ہے ایک یہ کہ یہ اطراف بدن ہیں اور تکمیل ہر شے کے بننے کی اس کے اطراف پر ہوتی ہے۔ چنانچہ ہمارے محاورہ میں بھی ایسے موقع پر پڑتے ہیں کہ میرے پور پور میں درد ہے یعنی تمام بدن میں۔ دوسرے یہ کہ پوریوں میں باوجود چھوٹی ہونے کے صنعت کی رعایت زیادہ ہے اور عادتاً یہ زیادہ دشوار ہے پس جو اس پر قادر ہوگا وہ آسان پر بدرجہ اولیٰ قادر ہوگا لیکن بعض آدمی قدرت الہیہ میں غور نہیں کرتا اور قیامت کا قائل نہیں ہوتا) بلکہ (ایسا) بعض آدمی (قیامت کا منکر ہو کر) یوں چاہتا ہے کہ اپنی آئندہ زندگی میں بھی (بے خوف و خطر ہو کر) فسق و فجور کرتا رہے (اس لئے بطور انکار کے) پوچھتا ہے کہ قیامت کا دن کب آئے گا (یعنی چونکہ اپنی تمام عمر معاصی و شہوات میں گزارنا طے کر چکا ہے اس لئے اس کو طلب حق کی نوبت ہی نہیں آتی کہ قیامت کا ہونا اس کو ثابت ہو اس لئے انکار پر مصر ہے اور انکار اُپوچھتا ہے کہ کب آئے گی) سو جس وقت (مارے حیرت کے) آنکھیں خیرہ ہو جاویں گی (اور وجہ اس حیرت کی یہ ہوگی کہ جن امور کی تکذیب کرتا تھا وہ دفعتاً نظر آجائیں گے کذا فی الجلالین) اور چاند بے نور ہو جاوے گا اور (چاند کی کیا تخصیص ہے بلکہ) سورج اور چاند (دونوں) ایک لٹ کے ہو جائیں گے (یعنی دونوں بے نور ہو جاویں گے، جیسا حدیث بخاری میں آیا ہے) (تکوران ومعنی کورت قال ابن عباس اظلمت رواھا فی الذر المنثور سورۃ التکوید) اور چاند کو جدایا کرنا شاید اس لئے ہو کہ عرب کو بوجہ قمری حساب رکھنے کے اس کا حال دیکھنے کا زیادہ اہتمام تھا) اس روز انسان کہے گا کہ اب کہ ہر بھاگوں (ارشاد ہوتا ہے کہ) ہرگز (بھاگنا ممکن) نہیں (ہوگا کیونکہ) کہیں پناہ کی جگہ نہیں (ہوگی) اس دن صرف آپ ہی کے رب کے پاس ٹھکانا (جانے کا) ہے (پھر خواہ جنت میں بھیجیں یا دوزخ میں اور رب کے سامنے جانے کے وقت) اس روز انسان کو اس کا سب اگلا پچھلا کیا ہوا جلا دیا جائے گا (اور انسان کا اپنے اعمال سے آگاہ ہونا کچھ اس جملہ پر موقوف نہ ہوگا) بلکہ انسان خود اپنی حالت پر (بوجہ انکشاف ضروری کے) خوب مطلع ہوگا گو (باقضائے طبیعت اس وقت بھی) اپنے جیلے (حوالے) پیش لاوے (جیسے کفار کہیں گے وَاللّٰہِ رَبِّنَا مَا کُنَّا مُشْرِکِیْنَ، مگر دل میں خود بھی جانیں گے کہ ہم جھوٹے ہیں غرض انسان اپنے سب حال کو خوب جانتا ہوگا اس لئے قبلانا اعلام کے لئے نہ ہوگا بلکہ تنبیہ و اتمام حجت و قطع جواب کے لئے ہوگا اور) اے پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) یٰۤاٰیُّہَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اور بِلِ الْاِنْسَانِ سے دو مضمون مستفاد ہوئے ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ تمام اشیاء کے عالم اور محیط ہیں۔ دوسرا یہ کہ حق تعالیٰ کی عادت ہے کہ جب حکمت مقتضی ہوتی ہے تو علوم غائبہ کثیرہ کو ذہن مخلوق میں حاضر کر دیتا ہی ہو ان علوم غائبہ کا حاضر ہو جانا خلاف عادت طبعی ہو جیسا کہ قیامت میں اس کا وقوع ہوگا جب یہ بات ہے تو آپ زول وحی کے وقت جیسا کہ اب تک آپ کی عادت ہے اس قدر مشقت نہ سہتے بھی ہیں، پڑھتے بھی ہیں،

دھیان بھی رکھتے ہیں محض اس احتمال سے کیوں برداشت کرتے ہیں کہ شاید کچھ مضمون میرے ذہن سے نکل جائے، کیونکہ جب ہم نے آپ کو نبی بنایا ہے اور آپ سے تبلیغ کا کام لینا ہے تو یہاں مقتضائے حکمت یہی ہوگا کہ وہ مضامین آپ کے ذہن میں حاضر رکھے جائیں اور ہمارا اس پر قادر ہونا تو ظاہر ہی ہے اسلئے آپ یہ مشقت برداشت نہ کیا کیجئے، اور جب وحی نازل ہوا کرے تو آپ (قبل وحی ختم ہو چکنے کے) قرآن پر اپنی زبان نہ ہلایا کیجئے تاکہ آپ اُس کو جلدی جلدی لیں (کیونکہ) ہمارے ذمہ ہے (آپکے قلب میں) اُس کا جمع کر دینا اور (آپ کی زبان سے) اسکا پڑھو ادینا (جب یہ ہمارے ذمہ ہے) تو جب ہم اُس کو پڑھنے لگا کریں (یعنی ہمارا فرشتہ پڑھنے لگا کرے) تو آپ (اپنے ذہن سے اور فکر سے ہمہ تن) اُس کے تابع ہو جایا کیجئے (یعنی ادھر ہی متوجہ ہو جایا کیجئے اور اُس کے دوہرانے میں مشغول نہ ہوا کیجئے) قَوْلُهُ تَعَالَى وَلَا تَعْجَلْ بِالْقُرْآنِ مِنْ قَبْلِ أَنْ يُقْضَىٰ إِلَيْكَ وَحْيُهُ (اے نبی) پھر (آپ کی زبان سے لوگوں کے سامنے) اسکا بیان کر دینا (بھی) ہمارے ذمہ ہے (یعنی آپ کو یاد کر دینا اور آپ کی زبان پر جاری کر دینا پھر تبلیغ کے وقت بھی اُسکا یاد رکھنا اور لوگوں کے سامنے پڑھنا دینا یہ سب ہمارے ذمہ ہے اور یہ مضمون استطراداً آگیا تھا۔ آگے پھر عود ہے خطاب مکرر کی طرف یعنی) اے مکرر (انسان کا اعمال) متقدمہ و متاخرہ پر مطلع کیا جانا قیامت میں ضرور ہے اور جیسا تم سمجھ رہے ہو کہ قیامت نہ ہوگی) ہرگز ایسا نہیں (اور نہ تمہارے پاس اس نفی کی کوئی دلیل ہے) بلکہ (صرف بات یہ ہے کہ) تم دُنیا سے محبت رکھتے ہو اور (اُس محبت میں نہ ہنک ہو کہ) آخرت (سے غافل ہو اور غفلت کے سبب اُس) کو چھوڑ بیٹھے ہو (پس بناؤ تمہاری اس نفی کی محض فاسد ہے سو قیامت ضرور ہوگی اور ہر ایک کو اُس کے اعمال پر مطلع کر کے اُن اعمال کے مناسب جزائے گی جس کی تفصیل یہ ہے کہ) بہت سے چہرے تو اس روز بارہائی ہونگے اپنے پروردگار کی طرف دیکھتے ہونگے اور بہت سے چہرے اس روز بدرہائی ہونگے (اور وہ لوگ) خیال کر رہے ہونگے کہ ان کے ساتھ کمر توڑ دینے والا معاملہ کیا جائے گا (یعنی اس کو عذاب شدید ہوگا۔ آگے دُنیا کی محبت پر زبر ہے کہ تم جو دُنیا کو محبوب اور آخرت کو متروک ہونے کے قابل سمجھ رہے ہو) ہرگز ایسا نہیں (کیونکہ دُنیا سے ایک روز مفارقت ہو نیوالی ہے اور بالآخر آخرت میں جانا ہے جسکا بیان یہ ہے کہ) جب جانِ منسلی تکثرِ منج جاتی اور (نہایت حسرت سے اسوقت) کہا جاتا ہے (یعنی تیمار دار کہتے ہیں) کہ (ارے) کوئی جھاڑ (پھونک کر) نے والا بھی ہے (مُراد مطلق معالج ہے چونکہ عرب میں جھاڑ پھونک کا زیادہ چرچا تھا اسلئے راقی سے تعبیر کیا) اور (اسوقت) وہ (مُردہ) یقین کر لیتا ہے کہ یہ مفارقت (دُنیا) کا وقت ہے اور (شدتِ سکراتِ موت سے) ایک پنڈلی دوسری پنڈلی سے لپٹ لپٹ جاتی ہے (مُراد اس سے ظہورِ آثارِ سکراتِ موت ہے کچھ تخصیصِ ساقین کے لپٹ جانے کی نہیں اسکا ذکر مثیلاً ہے۔ جب یہ حالتیں پیش آتی ہیں تو اُسے شخص) اس روز تیرے رب کی طرف جانا ہوتا ہے (پس ایسی حالت میں حبتِ عاجلہ و ترکِ آخرت کس درجہ نادانی ہے پھر خدا کے پاس پہنچنے کے بعد اگر وہ کافر ہے) تو اُس کا بُرا حال ہوگا کیونکہ اُس نے نہ تو (خدا و رسول کی) تصدیق کی تھی اور نہ نماز پڑھی تھی لیکن (خدا و رسول کی) تکذیب کی تھی اور (احکام سے) منہ موڑا تھا پھر (اس پر طرہ

معارف و مسائل

لَا أُفْسِدُ يَوْمَ الْقِيَمَةِ ذِكْرًا أَفْسَدَ بِالْأَفْسَادِ الْوَأَمَّةَ يَهَانَ قِسْمٌ مِنْ قِسْمٍ لَارِئًا رَائِدًا هُوَ - جب قسم کسی مخالف کی بات رد کرنے کے لئے کھائی جاتی ہے تو اُس کے شروع میں حرف لار اُس شخص کے خیالِ باطل کی نفی کے لئے زائد استعمال ہوتا ہے اور محاورات عرب میں یہ استعمال معروف و مشہور ہے - ہماری زبان میں بھی بعض اوقات کسی قابلِ تاکید مضمون کے بیان سے پہلے کہا جاتا ہے، نہیں آگے اپنا مقصد بیان کیا جاتا ہے - اس سورت میں قیامت و آخرت کے منکروں کو تنبیہ اور اُن کے شکوک و شبہات کا جواب ہے - سورت کو اول قیامت پھر نفسِ توامہ کی قسموں سے شروع فرمایا ہے اور جواب قسم بقرینہ مقام محذوف ہے یعنی قیامت ضرور آکر رہے گی - قیامت کی قسم تو اُس کی عظمت کے اثبات کے لئے مناسب مقام ہونا چاہیے - نفس کے معنی جان یا روح اسی طرح نفسِ توامہ کی قسم میں بھی اسکی عظمت اور قبولیت عند اللہ کا اظہار ہے - نفس کے معنی جان یا روح کے معروف ہیں اور توامہ لُوم بفتح اللام سے مشتق ہے جس کے معنی ملامت اور سرزنش کرنے کے ہیں - نفسِ توامہ سے مراد وہ نفس ہے جو خود اپنے اعمال کا محاسبہ کر کے اپنے آپ کو ملامت کرتا رہے یعنی جو گناہ سرزد ہوا یا عمل واجب میں کوتاہی ہوئی اُس پر خود اپنے آپ کو ملامت کرتا ہے کہ تو نے ایسا کیوں کیا اور اعمالِ خیر اور حسنات کے متعلق بھی اپنے آپ کو اس پر ملامت کرے کہ اس سے زیادہ نیک کام

کر کے اعلیٰ درجات کیوں نہ حاصل کئے۔ غرض مومن کامل اپنے ہر عمل خیر و شر اور حسنات و سیئات میں اپنے آپ کو ہمیشہ ملامت ہی کرتا ہے۔ گناہ یا واجب میں کوتاہی پر ملامت تو ظاہر ہے حسنات اور نیک کاموں میں ملامت کی وجہ یہ ہے کہ اے نفس تو یہ نیکی اس سے زیادہ بھی تو کر سکتا تھا اُس زیادتی سے کیوں محروم رہا۔ یہ تفسیر حضرت ابن عباس اور دوسرے ائمہ تفسیر سے منقول ہے (ابن کثیر وغیرہ) اور اسی مفہوم کی وجہ سے حضرت حسن بصریؒ نے نفسِ نواامہ کی تفسیر نفسِ مؤمنہ سے کی ہے۔ اور فرمایا کہ واللہ مومن تو ہمیشہ ہر حال میں اپنے نفس کو ملامت ہی کرتا ہے۔ سیئات پر تو ظاہر ہی ہے اپنے حسنات اور نیک کاموں میں بھی وہ بمقابلہ شانِ حق سبحانہ و تعالیٰ کے کمی اور کوتاہی محسوس کرتا ہے کیونکہ حق عبادت کو پورا ادا کرنا تو کسی کے بس میں نہیں اس لئے ادائے حق میں تقصیر اسکے سامنے رہتی ہے اُس پر ملامت کرتا ہے۔

نفسِ نواامہ کی تفسیر حضرت ابن عباس اور حسن بصریؒ وغیرہ کی اس تفسیر پر نفسِ نواامہ کی قسم کھانا حق تعالیٰ کی طرف سے ایسے نفوسِ مؤمنہ کے اکرام و شرف کے اظہار کے لئے ہے جو خود اپنے اعمال کا محاسبہ کر کے کوتاہی پر نادم ہوتے اور اپنے کو ملامت کرتے ہیں۔

نفسِ نواامہ اور مطمئنہ اور نفسِ نواامہ کی اس تفسیر کے مطابق یہ نفسِ مطمئنہ کو بھی شامل ہے نواامہ اور مطمئنہ دونوں نفسِ متقی کے لقب ہیں۔

نفسِ امارہ، نواامہ، مطمئنہ اور حضراتِ صوفیائے کرام نے اس میں تفصیل کی ہے کہ نفسِ اپنی جبلت و فطرت کے اعتبار سے **اِقَارِقَا بالسَّوء** ہوتا ہے یعنی انسان کو بُرے کاموں کی طرف بلانے اور اسیں مبتلا کرنے کا داعی ہوتا ہے مگر ایمان اور عملِ صالح اور ریاضت و مجاہدہ سے یہ نفسِ نواامہ نجات پاتا ہے کہ بُرائی اور کوتاہی پر نادم ہونے لگتا ہے مگر بُرائی سے بالکل قطع اسکا نہیں ہوتا۔ آگے عملِ صالح میں ترقی اور قربِ حق تعالیٰ کے حصول میں کوشش کرتے کرتے جب اسکا یہ حال ہو جائے کہ شریعت اس کی طبیعت بن جائے اور خلافتِ شرع کام سے طبعی نفرت بھی ہونے لگے تو اُس نفس کا لقب مطمئنہ ہو جاتا ہے۔ واللہ اعلم

آگے مکرینِ قیامت کے اس مامیانہ شبہ کا جواب ہے کہ مرنے کے بعد جب انسان مٹی ہو گیا اُس کی ہڈیاں بھی ریزہ ریزہ ہو کر منتشر ہو گئیں اُن کو دوبارہ کیسے جمع کر کے زندہ کیا جائے گا۔ جس کے جواب میں فرمایا بَلَىٰ قَدْ رِئِیْنَا عَلٰی اَنْ نُّسَوِّیَ بَنَاتِنَا، جس کا حاصل یہ ہے کہ تمہیں تو اس پر تعجب ہے کہ میت کے ذرات منتشر اور بوسیدہ ہڈیوں کو جمع کیسے کیا جا دے گا اور اُن میں دوبارہ حیات کیسے ڈالی جا دے گی۔ حالانکہ یہ بات پہلے ایک مرتبہ مشاہدہ میں آچکی ہے کہ ہر انسان کا وجود جو دُنیا میں پلتا اور بڑھتا ہے وہ دُنیا بھر کے مختلف ملکوں خطوں کے اجزاء اور ذرات کا مرکب ہوتا ہے تو جس ذات قادر نے پہلی مرتبہ ساری دُنیا میں بکھرے ہوئے ذرات کو ایک انسان کے وجود میں جمع کر دیا تھا اب دوبارہ جمع کر لینا اسکے لئے کیوں مشکل ہوگا، اور جس طرح پہلے اس کے ڈھانچے میں رُوح ڈال کر زندہ کیا تھا دوبارہ ایسا کرنے

میں کیا حیرت کی بات ہے۔

حشر اجساد میں قدرت حق تعالیٰ غور اس پر کرو کہ ایک انسان جس ہیئت و جسامت اور شکل و صورت پر پہلے کا عجیب و غریب عمل پیدا کیا گیا تھا قدرت حق دوبارہ بھی اس کے وجود میں اُنہی ساری چیزوں کو بغیر کسی ادنیٰ فرق کے جمع کر دے گی حالانکہ یہ اربوں پدموں انسان ابتدائے دنیا سے قیامت تک پیدا ہوتے اور فنا ہوتے رہے کس کی مجال ہے کہ ان سب کی شکلوں صورتوں اور قد و قامت کی کیفیتوں کو الگ الگ یاد بھی رکھ سکے اُس جیسا دوبارہ بنانا تو بڑا کام ہے مگر حق تعالیٰ نے اس آیت میں فرمایا کہ ہم صرف اسی پر قادر نہیں ہیں کہ میت کے سارے بڑے بڑے اجزاء و اعضاء کو دوبارہ اُسی طرح بنا دیں بلکہ انسانی وجود کی چھوٹی سے چھوٹی چیز کو بھی ہم ٹھیک اُسی طرح کر دیں جس طرح وہ پہلے تھی اس میں بنان یعنی انگلیوں کے پوروں کا خاص ذکر فرمایا کہ وہ سب سے چھوٹے اجزاء ہیں۔ جب ان چھوٹے اجزاء کی دوبارہ ساخت میں فرق نہیں آیا تو بڑے بڑے اعضاء ہاتھ پاؤں وغیرہ میں تو کیا فرق ہوتا۔

اور اگر غور کیا جائے تو شاید بنان یعنی انگلیوں کے پوروں کی تخصیص میں اس کی طرف بھی اشارہ ہو کہ حق تعالیٰ نے ایک انسان کو دوسرے انسان سے ممتاز کرنے کے لئے اُس کے سارے ہی بدن میں ایسی خصوصیات رکھی ہیں جن سے وہ پہچانا جاتا ہے اور ایک دوسرے سے ممتاز ہوتا ہے خصوصاً انسانی چہرہ جو چند اپنخ مریخ سے زائد نہیں، اسکے اندر قدرت حق نے ایسے امتیازات رکھے ہیں کہ اربوں پدموں انسانوں میں ایک کا چہرہ بالکل دوسرے کے ساتھ ایسا نہیں ملتا کہ امتیاز باقی نہ رہے۔ انسان کی زبان اور حلقوم بالکل ایک ہی طرح ہونے کے باوجود ایک دوسرے سے ایسی ممتاز ہے کہ بچے بوڑھے عورت مرد کی آوازیں الگ پہچانی جاتی ہیں اور ہر انسان کی آواز الگ الگ پہچانی جاتی ہے، اُس سے بھی زیادہ حیرت انگیز انسان کے انگوٹھے اور انگلیوں کے پوروں سے ہیں کہ اُن کے اوپر جو نقش و نگار خطوط کے جال کی صورت میں قدرت نے بنائے ہیں وہ کبھی ایک انسان کے دوسرے انسان کے ساتھ نہیں ملتے، صرف آدھ اپنخ کی جگہ میں ایسے امتیازات کہ اربوں انسانوں میں یہ پوروں مشترک ہونے کے باوجود ایک کے خطوط دوسرے سے نہیں ملتے۔ اور قدیم و جدید ہر زمانے میں نشان انگوٹھے کو ایک امتیازی چیز قرار دیکر عدالتی فیصلے اُس پر ہوتے ہیں، اور فنی تحقیق سے معلوم ہوا کہ یہ بات صرف انگوٹھے ہی میں نہیں ہر انگلی کے پوروں کے خطوط بھی اسی طرح ممتاز ہوتے ہیں۔

یہ سمجھ لینے کے بعد پوروں کے بیان کی تخصیص خود بخود سمجھ میں آ جاتی ہے اور مطلب یہ ہے کہ تمہیں تو اسی پر تعجب ہے کہ یہ انسان دوبارہ کیسے زندہ ہو گیا ذرا اس سے آگے سوچو اور غور کرو کہ صرف زندہ ہی نہیں ہو گیا بلکہ اپنی سابقہ شکل و صورت اور اسکے ہر امتیازی وصف کیساتھ زندہ ہوا ہے یہاں تک کہ انگوٹھے اور انگلیوں کے پوروں کے خطوط پہلی پیدائش میں جس طرح تھے اس نشأت ثانیہ میں بھی بالکل وہی ہونگے

فتبارک اللہ احسن الخالقین -

لَیَقْفُحُجْرًا مَّامًا ، لفظ امام بفتح الهمزة سامنے اور مستقبل کے معنے میں ہے اسلئے معنے آیت کے یہ ہو گئے کہ کافر اور غافل انسان اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کے ان مشاہدات میں غور نہیں کرتا کہ ماضی کے انکار پر تادم ہو کر اپنے مستقبل کو درست کر لے بلکہ مستقبل میں بھی وہ یہی چاہتا رہتا ہے کہ اپنے کفر و شرک اور انکار و تکذیب پر جمار ہے -

فَإِذَا بَرِقَ الْبَصَرُ وَخَسَفَ الْقَمَرُ وَجُمِعَ الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ ، یہ قیامت کے حالات کا بیان ہے بَرِقَ بفتح الباء و کسر راء کے معنے آنکھ خیرہ ہو گئی کہ دیکھ نہ سکی - قیامت کے روز سب کی نگاہیں خیرہ ہو جائیں گی ، نگاہ جھا کر کسی چیز کو نہ دیکھ سکیں گی - خَسَفَ الْقَمَرُ خسوف سے شتق ہے جس کے معنے روشنی ختم ہو کر تاریکی ہو جانے کے ہیں - معنے یہ ہیں کہ چاند بے نور ہو جائے گا - آگے وَجُمِعَ الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ میں یہ بتلایا کہ صرف چاند ہی بے نور نہیں ہو گا بلکہ آفتاب بھی بے نور ہو جائے گا جس کے متعلق دنیا کے فلاسفہ کا یہ کہنا ہے کہ اصل روشنی آفتاب میں ہے - چاند کی روشنی بھی آفتاب کی شعاعوں سے استفادہ ہی حق تعالیٰ نے فرمایا کہ قیامت کے روز یہ چاند اور سورج دونوں ایک ہی حال میں جمع کر دیئے جا دیں گے کہ دونوں بے نور ہونگے اور بعض حضرات نے فرمایا کہ چاند سورج کے جمع ہو جانیکا مطلب یہ ہے کہ اُس روز چاند اور سورج دونوں ایک ہی مطلع سے طلوع ہونگے جیسا کہ بعض روایات میں آیا ہے وَاللَّهُ عَالِمُ

يُنَبِّئُ الْإِنْسَانَ يَوْمَ مِيلَادِهِ مَا قَدْ مَ وَ آخِرُ ، یعنی اُس روز انسان کو بتلادیا جائیگا کہ اُس نے کیا آگے بھیجا کیا پیچھے چھوڑا -

حضرت عبداللہ بن مسعود اور ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ جو نیک کام اپنی موت سے پہلے کر لیا وہ آگے بھیج دیا ، اور جو نیک یا بد مفید یا مضر کوئی طریقہ کوئی رسم ایسی چھوڑی کہ اسکے بعد لوگ اس پر عمل کریں وہ پیچھے چھوڑا (اسکا ثواب یا عذاب اس کو ملتا رہے گا) اور حضرت قتادہ نے فرمایا کہ مَا قَدْ مَ سے مراد وہ عمل صالح ہے جو اپنی زندگی میں کر گزرا اور مَا آخِرُ سے مراد وہ عمل صالح ہے جس کو کر سکتا تھا مگر نہ کیا اور فرصت ضائع کر دی -

بَلِ الْإِنْسَانُ عَلَى نَفْسِهِ بَصِيرَةٌ ۚ وَكَوْاْلُنَّی مَعَادِیْرُکَ ، بصیر اور بصیرتہ کے معنے دیکھنے والے کے بھی آتے ہیں اور بصیرتہ کے معنے حجت کے بھی آتے ہیں جیسے قرآن کریم میں ہے قَدْ جَاءَکُمْ بَصَائِرُ مِّن رَّبِّکُمْ ، اس میں بصر بصیرتہ کی جمع ہے اور معنے اسکے حجت کے ہیں اور معاذیر معذار بمعنے عذر کی جمع ہے - معنے آیت کے یہ ہیں کہ اگرچہ عدالت کے ضابطہ کی رُو سے انسان کے سارے اعمال عشر میں اس کو ایک ایک کر کے بتلائے جا دیں گے مگر درحقیقت اس کو اس کی ضرورت نہیں ، کیونکہ وہ اپنے اعمال کو خوب جانتا ہے خود اس کو معلوم ہے کہ اس نے کیا کیا کام کئے - نیز یہ کہ محشر میں تمام اپنے اپنے اعمال

نیک و بد کا مشاہدہ بھی اُس کے سامنے ہو جائے گا جیسا کہ قرآن کریم نے فرمایا وَوَجَدُوا مَا عَمِلُوا حَافِظًا
یعنی جو عمل اُنھوں نے دنیا میں کیا تھا اُس کو محشر میں حاضر و موجود پائیں گے اور اُنکھوں سے دیکھ لیں گے
یہاں جو انسان کو اپنے نفس پر بصیرہ فرمایا اسکا یہی حاصل ہے۔

اور اگر بصیرہ کے معنی حجت کے لئے جاویں تو معنی یہ ہیں کہ انسان خود اپنے نفس پر حجت و دلیل ہوگا
وہ انکار بھی کرے گا تو اس کے اعضاء اقرار کریں گے مگر انسان اپنے جرائم و تقصیرات کو جاننے کے باوجود عذر تراشی
نہ چھوڑے گا اپنے کئے کا عذر بیان کرتا ہی رہے گا یہ معنی ہیں ذَلَّ النَّفْسُ مَعَاذَ رَبِّكَ کے۔

یہاں تک قیامت کے احوال اور احوال کا تذکرہ تھا اور آگے بھی یہی آنے والا ہے۔ در بیان میں چار
آیتوں کے اندر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک خاص ہدایت دی گئی ہے جو نزول وحی کے وقت نازل شدہ
آیات کے متعلق ہے وہ یہ کہ جب جبریل امین قرآن کریم کی کچھ آیات لیکر نازل ہوتے تو آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم کو اُن کے پڑھنے کے وقت ایک تو یہ فکر ہوتی تھی کہ کہیں اس کے سننے اور پھر اس کے مطابق پڑھنے
میں کوئی فرق نہ آجائے۔ دوسری فکر یہ ہوتی تھی کہ کہیں اسکا کوئی حصہ کوئی کلمہ ذہن سے نکل جائے اور
بھول جائیں اس لئے آپ کو جو وقت جبریل امین کوئی آیت سناتے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ساتھ ساتھ
پڑھتے اور زبان کو جلدی جلدی حرکت دینے لگتے تھے کہ بار بار پڑھ کر اس کو یاد کر لیں، آپ کی اس محنت
و مشقت کو دور کرنے کے لئے ان چار آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے قرآن کے صحیح صحیح پڑھوانے پھر یاد کر دینے
اور پھر اس کو مسلمانوں کے سامنے اُسی طرح پیش کر دینے کی ذمہ داری خود لے لی اور آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم کو فرمادیا کہ آپ اس غرض کے لئے زبان کو جلدی جلدی حرکت دینے کی زحمت نہ اٹھائیں۔ لَا
تَوَلَّوْا فِي لِسَانِكُمْ لِتَنْجَلُوا بِهِ پھر فرمایا اِنْ عَلَيْنَا جُمُوعًا وَقُرْآنًا، یعنی ان تمام آیات
کو آپ کے قلب میں جمع کر دینا پھر اُس کو اُسی طرح آپ سے پڑھوا دینا یہ سب ہمارے ذمہ ہے اس لئے آپ
اس کی فکر چھوڑ دیں اور فرمایا فَاِذَا قُلْتُمْ فَاقُولُوا نَحْنُ قُلُودٌ لِّقَوْمٍ، قرآن اس جگہ بمعنی قرأت ہے معنی یہ ہیں کہ
جب ہم یعنی ہماری طرف سے جبریل امین قرآن پڑھیں تو آپ ساتھ ساتھ نہ پڑھا کریں بلکہ ہمارے پڑھنے
کے بعد پڑھا کریں اور اس وقت خاموش ہو کر سنا کریں۔ یہاں باتفاق ائمہ اتباع قرآن سے مراد یہ ہے کہ
جب جبریل امین پڑھیں تو آپ خاموش رہ کر سنیں۔

امام کے پیچھے مقتدی کے | حدیث صحیح میں جو یہ آیا ہے کہ امام کو اقتدار اور اتباع ہی کے لئے بنایا گیا ہے
قرأت نہ کرنے کی ایک دلیل | اس لئے مقتدیوں کو اسکا اتباع کرنا چاہیے جب وہ رکوع کرے تو سب
مقتدی رکوع کر لیں جب وہ سجدہ میں جائے تو سب سجدہ میں جائیں۔ صحیح مسلم کی روایت میں اسی کیساتھ
یہ بھی ارشاد ہے کہ جب امام قرأت کرے تو تم خاموش رہ کر سنو اِذَا قُلْتُمْ فَاقُولُوا، یہ بھی اسکا بیان ہے
کہ مقصود امام کا اتباع ہے رکوع سجدے میں تو اتباع امام کی صورت یہ ہے کہ اُس کے ساتھ ساتھ وہ

افعال رکوع سجدے کے ادا کئے جاویں مگر قرارت کا اتباع یہ نہیں کہ ساتھ ساتھ پڑھا جائے بلکہ قرارت کا اتباع یہی ہے کہ جب امام قرارت کرے تو تم خاموش رہ کر سُنو۔ یہی استدلال ہے امام عظیم ابو حنیفہ اور بعض دیگر ائمہ کا اس معاملے میں کہ امام کے پیچھے مقتدی کو قرارت نہیں کرنا چاہیے۔ واللہ اعلم

آخر میں فرمایا شَرِیْقٌ عَلَیْنَا بَیِّنَاتٌ، اسکا مطلب یہ ہے کہ آپ یہ فکر بھی اپنے اوپر نہ رکھیں نازل شدہ آیات کا صحیح مفہوم اور مراد کیا ہے اسکا بتلانا سمجھا دینا بھی ہمارے ہی ذمہ ہے ہم قرآن کے ہر حرف و نطق اور اُس کی مراد کو آپ پر واضح کر دیں گے۔ ان چار آیتوں میں قرآن اور اُس کی تلاوت وغیرہ کے متعلق احکام بیان کرنے کے بعد آگے پھر قیامت کے احوال و احوال ہی کا بقیہ تذکرہ آتا ہے۔ یہاں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ان چار آیتوں کا اگلی پچھلی آیتوں سے ربط اور جوڑ کیا ہے۔ خلاصہ تفسیر مذکور میں اسکا ربط یہ بیان کیا گیا ہے کہ چار آیتوں سے پہلے جو قیامت کے حالات میں اسکا بیان ہے کہ اللہ تعالیٰ کا علم اتنا وسیع ہے کہ ایک ایک انسان کو جس کیفیت جس شکل و صورت میں وہ پہلے تھا اُسی میں دوبارہ پیدا فرمادیں گے یہاں تک کہ اُس کی انگلیوں کے پوروں کو اور اُن پر بنے ہوئے امتیازی خطوط و نشانات کو بھی بالکل پہلے جیسا بنا دیں گے اُس میں سرِ موقوف نہ ہوگا یہ جیسا ہو سکتا ہے کہ ذات حق تعالیٰ کا علم بھی بے انتہا ہے اور اسکا احصار اور محفوظ رکھنا بھی بے مثال ہے۔ اس کی مناسبت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان چار آیتوں میں تسلی دی گئی کہ آپ تو بھول بھی سکتے ہیں نقل میں غلطی کا بھی امکان ہو سکتا ہے مگر حق تعالیٰ ان سب سے بالا و برتر ہیں ان چیزوں کی ذمہ داری خود حق تعالیٰ نے اپنے ذمہ لے لی ہے اس لئے آپ قرآن کے کلمات کو محفوظ رکھنے یا اُن کے معانی سمجھنے میں غور کرنے کی زحمت چھوڑ دیں، یہ سب کام حق تعالیٰ خود انجام دیں گے۔ آگے پھر قیامت کے حالات کا بیان ہے۔

وَجُودٌ یُّؤْمِنُ بِالْآخِرَةِ إِلَى رَبِّهَا تَاْخِرَةً، نَاصِرَةٌ بِمَعْنَى تَرْتَاذِهِ عَنِ اُس رُوِیَ کَیْفَ جِہْرَی مَشَاشِشَ بَشَاشِ تَرْتَاذِهِ ہونگے اِلٰی رَبِّهَا تَاْخِرَةً، یعنی یہ جہرے اپنے رب کو دیکھ رہے ہونگے، اس سے ثابت ہوا کہ آخرت میں اہل جنت کو حق تعالیٰ کا دیدار پچشم سر نصیب ہوگا اس پر اہل سنت والجماعت اور سب علماء و فقہاء کا اجماع ہے، صرف معتزلہ اور خوارج منکر ہیں۔ وجہ انکار کی فلسفیانہ شبہات ہیں کہ آنکھ سے دیکھنے کے لئے دیکھنے والے اور جس کو دیکھا جائے اور ان دونوں کے درمیان مسافت کے لئے جو شرائط ہیں خالق و مخلوق کے درمیان اُن کا تحقق نہیں ہو سکتا۔ اہل سنت والجماعت کا مسلک ہے کہ آخرت میں حق تعالیٰ کی رویت و زیارت ان سب شرائط سے بے نیاز ہوگی نہ کسی جہت اور سمت سے اسکا تعلق ہوگا نہ کسی خاص شکل و صورت اور ہیئت سے۔ روایات حدیث سے یہ مضمون اور بھی زیادہ وضاحت سے ثابت ہے، البتہ اس رویت و زیارت میں اہل جنت کے مختلف درجات ہونگے، بعض کو یہ زیارت ہفتہ وار جمعہ کو حاصل ہوگی بعض کو روزانہ صبح شام اور بعض کے لئے یہ ہر وقت ہر حال میں رہے گی (مظہری)

تمت سورة القيمة بحمد الله ٢٤ رجب سنة ١٣٩١ هـ

سُورَةُ الدَّهْرِ

سُورَةُ الدَّهْرِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ أَحَدُ ثَلَاثِينَ آيَةً وَفِيهَا كَوْنُ عِلَالٍ
سورۃ دھر نکتہ میں نازل ہوئی اور اس کی آیتیں آیتیں ہیں اور دو رکوع

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

هَلْ أَتَى عَلَى الْإِنْسَانِ حِينٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُنْ شَيْئًا مَّذْكُورًا ①

کبھی گزرا ہے انسان پر ایک وقت زمانے میں کہ نہ تھا وہ کوئی چیز جو زبان پر آئی

إِنَّا خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ أَمْشَاجٍ ۖ نَّبْتَلِيهِ فَجَعَلْنَاهُ سَمِيعًا ۖ

ہم نے بنایا آدمی کو ایک دورنگی بوند سے ہم پلٹے رہے اسکو پھر کر دیا اسکو سنیے سننے

بَصِيرًا ② إِنَّا هَدَيْنَاهُ السَّبِيلَ ۖ إِمَّا شَاكِرًا ۖ وَإِمَّا كَفُورًا ③ إِنَّا

والا دیکھنے والا ہم نے اسکو سبھائی راہ یا حق مانتا ہے اور یا ناشکری کرتا ہے ہم نے

أَعْتَدْنَا لِلْكَافِرِينَ سَلَاسِلًا وَأَغْلَاقًا ۖ وَسَعِيرًا ④ إِنَّ الْإِبْرَارَ يَشْرَوْنَ

تیار کر رکھی ہیں منکروں کے واسطے زنجیریں اور طوق اور آگ دہکتی البتہ نیک لوگ بیٹے ہیں

مِنْ كَاسٍ كَانَ مَزَاجُهَا كَافُورًا ⑤ عَيْنًا يَشْرَبُ بِهَا عِبَادُ اللَّهِ

پیارے جس کی ملوثی ہے کافور ایک چشمہ ہے جس سے پیتے ہیں بندے اللہ کے

يُقَجِّرُونَهَا تَفْجِيرًا ⑥ يُؤْفُونَ بِالَّذِیْنَ لَمْ يَنفَعُوا يَوْمًا كَانَ شَرُّهُ

چلاتے ہیں وہ اُس کی نالیاں پورا کرتے ہیں منت کو اور ڈرتے ہیں اُس دن سے کہ اس کی بُرائی

مُسْتَطِيرًا ⑦ وَيُطْعَمُونَ الطَّعَامَ عَلَى حُبٍّ ۖ مُسْكِنًا ۖ وَيَتِمُّونَ

پھیل پڑے گی اور کھلاتے ہیں کھانا اُس کی محبت پر محتاج کو اور یتیم کو

وَأَسِيرًا ⑧ إِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللَّهِ لَا نُرِيدُ مِنْكُمْ جَزَاءً وَ

اور قیدی کو ہم جو تم کو کھلاتے ہیں سو خالص اللہ کی خوشی چاہنے کو نہ تم سے ہم چاہیں بدلہ اور

لَا شُكُورًا ۙ ۹ اِنَّا نَخَافُ مِنْ رَبِّنَا يَوْمًا عَبُوسًا قَمْطَرِيرًا ۙ ۱۰ فَوَقَّعْنَاهُمْ

نہ چاہیں شکر گزاری ہم ڈرتے ہیں اپنے رب سے ایک دن اُداسی والے کی سختی سے پھر بچالیا ان کو

اللَّهُ شَرَّ ذَلِكَ الْيَوْمِ وَلَقَّاهُمْ نَضْرَةً وَسُرُورًا ۙ ۱۱ وَجَزَاهُمْ بِمَا صَبَرُوا

اللہ نے بُرائی سے اُس دن کی اور ملا دی ان کو تازگی اور خوش وقتی اور بدلہ دیا ان کو اُن کے صبر پر

جَنَّةً وَحَرِيرًا ۙ ۱۲ مُتَكِبِينَ فِيهَا عَلَى الْأَرَائِكِ لَا يَرُونَ فِيهَا

بارغ اور پوشاک ریشمی تکبیر لگائے بیٹھیں اُس میں تختوں کے اوپر نہیں دیکھتے وہاں

شَمْسًا وَلَا زَمْهَرِيرًا ۙ ۱۳ وَدَانِيَةً عَلَيْهِمْ ظِلُّهَا وَذُلَّتْ أَقْطُوفُهَا

دھوپ اور نہ بھر اور نہ بھر اور نہ بھر اُن پر اسکی چھائیں اور پست کر رکھے ہیں اسکے پتے

تَنْزِيلًا ۙ ۱۴ وَيُطَافُ عَلَيْهِمْ بِانِيَةٍ مِنْ فِضَّةٍ وَأَكْوَابٍ كَانَتْ

نِزاک اور لوگ لئے پھرتے ہیں اُن کے پاس برتن چاندی کے اور آنچورے جو ہو رہے ہیں

قَوَارِيرًا ۙ ۱۵ قَوَارِيرًا مِنْ فِضَّةٍ قَدَّارُوهَا تَقْدِيرًا ۙ ۱۶ وَيُسْقَوْنَ

شیشے کے شیشے ہیں چاندی کے ماپ رکھا ہے اُن کا ماپ اور اُن کو وہاں

فِيهَا كَأَسَاكَانٍ مَزَاجُهُمْ مِنْ طَبِيبٍ مُنْقَلَبٍ ۙ ۱۷ عَيْنًا فِيهَا تُنْقَلِبُ ۙ ۱۸

پلاتے ہیں پیالے جس کی ملوثی ہے سوٹھ ایک چشمہ ہے اس میں اسکا نام کہتے ہیں سلسبیل

وَيَطُوفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ مُخَلَّدُونَ إِذَا رَأَيْتَهُمْ حَسِبْتَهُمْ

اور پھرتے ہیں انکے پاس لڑکے سدا رہنے والے جب تو اُن کو دیکھے خیال کرے

لَوْ لَوْ أَنشُورًا ۙ ۱۹ وَإِذَا رَأَيْتَ نَعِيمًا وَمُلُكًا كَبِيرًا ۙ ۲۰

کہ موتی ہیں پھرے ہوئے اور جب تو دیکھے وہاں تو دیکھے نعمت اور سلطنت بڑی

عَلَيْهِمْ ثِيَابٌ سُنْدُسٌ خُضْرٌ وَاسْتَبْرَقٌ زَوْجُونَ ۙ ۲۱ وَإِذَا رَأَيْتَهُمْ حَسِبْتَهُمْ

اُوپر کی پوشاک اُن کی کپڑے ہیں باریک ریشم کے سبز اور گارے اور اُن کو پہنائے جائیں گے کنگن

فِضَّةٍ ۙ ۲۲ وَسَقَاهُمْ رَبُّهُمْ شَرَابًا طَهُورًا ۙ ۲۳ إِنَّ هَذَا كَانَ لَكُمْ جَزَاءً

چاندی کے اور پلائے اُن کو اُن کا رب شراب جو پاک کرے دل کو یہ ہے تمہارا بدلہ اور

وَكَانَ سَعْيُكُمْ مَشْكُورًا ۙ ۲۴ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْآنَ تَنْزِيلًا ۙ ۲۵

کمای تمہاری تمہکانے لگی ہم نے اتارا تجھ پر قرآن سچ سچ اتارنا

فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ وَلَا تَطِعْ مِنْهُمْ إِشْمًا أَوْ كُفُورًا ۙ ۲۶ وَادْكُرْ اسْمَ

سو تو انتظار کر اپنے رب کے حکم کا اور کہنا مت مان اُن میں سے کسی گنہگار یا ناشکر کا اور لیتا رہ نام اپنے

رَبِّكَ بُكْرَةً وَأَصِيلًا ۝ (۱۵) وَمِنَ اللَّيْلِ فَاسْجُدْ لَهُ وَسَبِّحْهُ لَيْلًا طَوِيلًا ۝ (۱۶)

رب کا صبح اور شام اور کسی وقت رات کو سجدہ کر اُس کو اور پاکی بول اسکی بڑی رات تک

إِنَّ هُوَ لَآءِ يُخَيِّوْنَ الْعَاجِلَةَ وَيَذْرُونَ وَرَاءَهُمْ يَوْمًا ثَقِيلًا ۝ (۱۷)

یہ لوگ چاہتے ہیں جلدی بننے والے کو اور چھوڑ رکھا ہے اپنے پیچھے ایک بھاری دن کو

نَحْنُ خَلَقْنَاهُمْ وَشَدَدْنَا أَسْرَهُمْ وَلَا أَشْتَبَا بَدَلْنَا أَمْثَالَهُمْ تَبَعًا يَلَا ۝ (۱۸)

ہم نے اُن کو بنایا اور مضبوط کیا اُن کی جوڑ بندی کو اور جیسے ہم چاہیں بدل لائیں اُن جیسے لوگ بدل کر

إِنَّ هَذِهِ تَذْكِرَةٌ ۖ فَمَنْ شَاءَ اتَّخَذَ إِلَىٰ رَبِّهِ سَبِيلًا ۝ (۱۹) وَمَا

یہ تو نصیحت ہے پھر جو کوئی چاہے کر رکھے اپنے رب تک راہ اور تم نہیں

تَشَاءُونَ إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ ۖ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا حَكِيمًا ۝ (۲۰) يَدْخُلُ

چاہو گے مگر جو چاہے اللہ بیشک اللہ ہے سب کچھ جاننے والا حکمتوں والا داخل کر لے

مَنْ يَشَاءُ فِي رَحْمَتِهِ وَالظَّالِمِينَ أَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا ۝ (۲۱)

جس کو چاہے اپنی رحمت میں اور جو گناہگار ہیں تیار ہے ان کے واسطے عذاب دردناک

خلاصہ تفسیر

بیشک انسان پر زمانے میں ایک ایسا وقت بھی آچکا ہے جس میں وہ کوئی چیز قابل تذکرہ نہ تھا (یعنی انسان نہ تھا بلکہ نطفہ تھا اور اس سے قبل غذا اور اس سے پہلے عناصر کا جز رہتا) ہم نے اس کو مخلوط نطفہ سے پیدا کیا (یعنی مرد اور عورت دونوں کے نطفے سے کیونکہ عورت کی منی بھی اندر ہی اندر عورت کے رحم میں گرتی ہے۔ پھر کبھی نم رحم سے خارج ہو کر ضائع ہو جاتی ہے اور کبھی اندر رہ جاتی ہے اور مخلوط کے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ وہ اجزاء مختلفہ سے مرکب ہے چنانچہ ترکیب منی کی اجزاء مختلفہ سے ظاہر ہے غرض ہم نے اس کو ایسے نطفہ سے پیدا کیا) اس طور پر کہ ہم اس کو مکلف بنائیں تو (اسی واسطے) ہم نے اس کو مستعد دیکھتا (سمجھتا) بنایا (اور چونکہ محاورہ میں سمیع و بصیر استعمالاً مخصوص ہے عاقل کے ساتھ اسلئے عقل دینے کی جو کہ مدار ہے مکلف ہونے کا تصریح نہیں فرمائی گئی مگر مراد وہ بھی ہے۔ مطلب یہ کہ ہم نے ایسی ہیئات و صفات کے ساتھ پیدا کیا کہ اس میں احکام شرعیہ کا مکلف بننے کی قابلیت ہو، اس کے بعد جب مکلف ہونے کا وقت آگیا تو) ہم نے اس کو (بھلائی بُرائی پر مطلع کر کے) رستہ بتلایا (یعنی احکام کا مخاطب بنایا پھر) یا تو وہ شکر گزار (اور مؤمن) ہو گیا یا ناشکر (اور کافر) ہو گیا (یعنی جس رستہ پر چلنے کو اس کو کہا تھا جو اس پر چلا وہ مؤمن ہو گیا جو بالکل نہ چلا کافر ہو گیا۔ آگے فریقین کی جزاء کا ذکر ہے کہ) ہم نے کافروں کے لئے زنجیریں اور طوق اور آتش سوزاں تیار کر رکھی ہے (اور) جو نیک (لوگ) ہیں وہ ایسے جام شراب سے (شرابیں) پیوں گے

جس میں کافور کی آمیزش ہوگی یعنی ایسے چشمے سے (پیویں گے) جس سے خدا کے خاص بندے پیئیں گے اور جس کو وہ (خاص بندے جہاں چاہیں گے) بہا کر لے جائیں گے (اور یہ بہشتیوں کی ایک کرامت ہوگی کہ انہیں جنت ان کے تابع ہوگی جیسا کہ درمنثور میں ابن شوذب سے مروی ہے کہ جنتیوں کے ہاتھ میں سونے کی چھڑیاں ہوں گی وہ چھڑیوں سے جس طرف اشارہ کر دیں گے نہریں اُسی طرف چلنے لگیں گی۔ اور یہ کافور دُنیا کا کافور نہیں ہے بلکہ جنت کا کافور ہے جو سپیدی اور ٹھنکی اور تفریح و تقویتِ دل و دماغ میں اسکا مشارک ہے شراب میں خاص کیفیات حاصل کرنے کے لئے عادت ہے بعض مناسب چیزوں کے ملانے کی پس وہاں اس جام میں کافور ملایا جاوے گا اور وہ جام شراب ایسے چشمے سے بھرا جاوے گا جس سے مقرب بندے پیئیں گے تو ظاہر ہے کہ وہ اعلیٰ درجہ کا ہوگا سو اس سے ابرار کی بشارت میں تقویت ہوگئی اور اگر ابرار و عباد اللہ کا مصداق ایک ہو تو دو جگہ بیان کرنے سے جُدا جُدا مقصود ہے ایک جگہ اس کی آمیزش بتلانا ہے دوسری جگہ اسکا کثیر و سحر ہونا کہ اسبابِ عیش کی کثرت اور تابعِ طبیعت ہونا لذتِ عیش کو بڑھا دیتا ہے۔ آگے ان ابرار کی صفات مذکور ہیں کہ وہ لوگ واجبات کو پورا کرتے ہیں اور (ادا بھی کرتے ہیں غلو سے کیونکہ وہ) ایسے دن سے ڈرتے ہیں جس کی سختی عام ہوگی (یعنی کم دیش سب پر اس کی سختی کا اثر ہوگا مراد قیامت کا دن ہے الا من شاء اللہ تعالیٰ) اور (وہ لوگ ایسے مخلص ہیں کہ عباداتِ مالیہ میں بھی جس میں غالباً اخلاص کم ہوتا ہے کمال درجہ کا اخلاص رکھتے ہیں چنانچہ) وہ لوگ (محض) خدا کی محبت سے غریب اور یتیم اور قیدی کو کھانا کھلاتے ہیں (قیدی اگر مظلوم ہے کہ ظلماً قید کر لیا گیا تب تو اُس کی اعانت کا مستحق ہونا ظاہر ہے اور اگر ظالم ہے کہ ظلم کی سزا میں قید ہوا ہے تو شدتِ حاجت کے وقت اسکا اطعام بھی مستحق ہے اور وہ لوگ کھانا کھلا کر زبان سے یا دل سے یوں کہتے ہیں کہ) ہم تم کو محض خدا کی رضامندی کیلئے کھانا کھلاتے ہیں نہ ہم تم سے (اسکا علی) بدلہ چاہیں اور نہ (اسکا قوی) شکریہ (چاہیں اور ہم خدا کی رضامندی کے لئے اس واسطے تم کو کھانا کھلاتے ہیں کہ) ہم اپنے رب کی طرف سے ایک سخت اور تلخ دن کا اندیشہ رکھتے ہیں (تو اُمید رکھتے ہیں کہ ان مخلصانہ اعمال کی بدولت اُس دن کی تلخی اور سختی سے محفوظ رہیں اور اس سے معلوم ہوگا کہ خوفِ آخرت سے کوئی کام کرنا اخلاص اور ایثارِ مرضاة اللہ کے منافی نہیں) سو اللہ تعالیٰ انکو (اس طاعت و اخلاص کی برکت سے) اس دن کی سختی سے محفوظ رکھے گا اور ان کو تازگی اور خوشی عطا فرما دیگا، (یعنی چہروں پر تازگی اور قلوب میں خوشی دیگا) اور ان کی بختگی (یعنی استقامت فی الدین) کے بدلہ میں ان کو جنت اور ریشمی لباس دیگا اس حالت میں کہ وہ وہاں (جنت میں) سہریوں پر (آرام و عزت سے) تکیہ لگائے ہونگے (اور) نہ وہاں تپش (اور گرمی) پادیں گے اور نہ جاڑا (بلکہ فرحتِ بخش معتدل موسم ہوگا) اور یہ حالت ہوگی کہ وہاں کے یعنی جنت کے درختوں کے سائے اُن (بہشتیوں) پر جھکے ہونگے (یعنی قریب ہونگے اور سایہ اسبابِ تنعم سے ہے۔ جنت میں آفتاب ماہتاب نہیں ہونگے تو پھر سایہ کا کیا مطلب ہے ہو سکتا ہے کہ

دوسرے اجسام نورانیہ کی روشنی سے سایہ مقصود ہو، اور فائدہ سایہ کا غالباً یہ ہے کہ حالات بدلتے رہیں، ایک حال کتنے بھی آرام و لذت کا ہو آخر کار اُس سے طبیعت اُکتا جاتی ہے (اور اُن کے میوے اُن کے اختیار میں ہونگے) (کہ ہر وقت ہر طرح بلا مشقت لے سکیں گے) اور ان کے پاس (کھانے پینے کی چیزیں پہنچانے کے لئے) چاندی کے برتن لائے جاویں گے اور آنچورے جو شیشے کے ہوں گے (اور) وہ شیشے چاندی کے ہوں گے جن کو بھرنے والوں نے مناسب انداز سے بھرا ہوگا (یعنی اس میں مشروب ایسے انداز سے بھرا ہوگا کہ نہ اس وقت کی خواہش میں کمی رہے اور نہ اس سے بچے کہ دونوں میں بے لطفی ہوتی ہے اور چاندی کے شیشے کے یعنی کہ سفیدی تو چاندی جیسی ہوگی اور شفافی شیشہ جیسی اور دُنیا کی چاندی میں آر پار نظر نہیں آتا اور شیشے میں یہاں ایسی سفیدی نہیں ہوتی پس یہ ایک عجیب چیز ہوگی) اور وہاں اُن کو (علاوہ جام شراب مذکور بالا کے جس میں کافور کی آمیزش تھی اور بھی) ایسا جام شراب پلایا جاوے گا جس میں سونٹھ کی آمیزش ہوگی (کہ انتعاش حرارت غریزی اور منہ کا مزہ بدلنے کے لئے شراب میں اس کو بھی ملائے تھے) یعنی ایسے چشے سے جو وہاں ہوگا (اُن کو پلایا جاوے گا) جس کا نام (وہاں) سلبیل (مشہور) ہوگا (مجموعہ مقام بالا اور مقام ہذا سے معلوم ہوتا ہے کہ چشمہ مذکورہ بالا کی شراب میں آمیزش کافور کی ہوگی اور اس چشمہ مذکورہ مابعد کی شراب میں آمیزش زنجبیل کی ہوگی واللہ اعلم باسرارہ) اور ان کے پاس (یہ چیزیں لیکر) ایسے لڑکے آمدورفت کریں گے جو ہمیشہ لڑکے ہی رہیں گے (اور وہ اس قدر حسین ہیں کہ) اسے مخاطب اگر تو ان کو (چلتے پھرتے) دیکھے تو یوں سمجھے کہ موتی ہیں جو بکھر گئے ہیں (موتی سے تو تشبیہ صفائی اور اشراق میں اور بکھرے ہوئے کا وصف اُن کے چلنے پھرنے کے لحاظ سے جیسے بکھرے موتی منتشر ہو کر کوئی ادھر جا رہا ہے کوئی اُدھر جا رہا ہے اور یہ اعلیٰ درجہ کی تشبیہ ہے) اور (اُن مذکورہ اسبابِ نعم میں انحصار نہیں بلکہ وہاں اور بھی ہر سامان اس افراط اور رفعت کیساتھ ہوگا کہ) اے مخاطب اگر تو اس جگہ کو دیکھے تو تجھ کو بڑی نعمت اور بڑی سلطنت دکھلائی دے (اور) اُن جنتیوں پر باریک نشیم کے سبز کپڑے ہونگے اور دبیز نشیم کے کپڑے ہونگے (کیونکہ ہر لباس میں جُدا لطف ہے) اور ان کو چاندی کے لنگن پہنائے جاویں گے (اس سورت میں تین جگہ چاندی کے سامان کا ذکر آیا ہے اور دوسری آیات میں سونے کا مگر دونوں میں تعارض نہیں کیونکہ دونوں طرح کا سامان ہوگا اور حکمت انکی وہی تفسیر اور تغیر طبائع و نعمات کا ہے اور یہ شبہ کہ مردوں کو زیور میسوب ہے اسلئے مندفع ہے کہ ہر مقام کا مقتضا جُدا ہے یہاں عیب ہونا وہاں عیب ہونے کو مستلزم نہیں) اور اُن کا رب (جو اُن کو شراب پینے کو دیکھا جس کا اوپر ذکر آیا ہے تو وہ مثل شراب دُنیا کے ناپاک اور مزیل عقل و موجب خمار نہ ہوگی بلکہ اللہ تعالیٰ) ان کو پاکیزہ شراب پینے کو دیکھا (جس میں نہ نجاست ہوگی اور نہ کدورت و نہ اَقْوَلُہُ تَعَالٰی اَلْیَمِّنُ عَوْنٌ عَزَّوَجَلَّ وَ لَا یُزِفُوْنَ اور تین جگہ جو سورت میں ذکر شراب کا آیا ہے ہر جگہ غرض جُدا ہے جیسا تقریر ترجمہ سے واضح ہے پھر اول میں یشربون ہے دوسری جگہ یُسْقَوْنَ جو زیادتِ اکرام و اعزاز پر دلالت کرتا ہے

تیسری جگہ مَقْفُطٌ دَرَجَاتٍ میں نہایت ہی تشریف و تکریم ہے پس تکرار کا شائبہ نہ رہا۔ اور ان سب نعمتوں کو دے کر اہل جنت سے مسرت روحانی بڑھانے کے لئے کہا جاوے گا کہ (یہ تمہارا صلہ ہے اور تمہاری کوشش (جو دنیا میں کیا کرتے تھے) مقبول ہوئی) آگے فریقین کی جزاء کا ذکر کرنے کے بعد بطور تفریع معنوی کے آپ کو تسلی دینے کا بیان ہے۔ یعنی ان مخالفین کی سزا آپ نے سن لی، پس آپ اُن کی مخالفت سے غم نہ کیجئے اور اپنی عبادت اور دعوت و اصلاح کے کام میں لگے رہئے کہ علاوہ طاعت ہونے کے اس میں قلب کی بھی تو تقویت ہے اور بیان اس طاعت کا یہ ہے کہ (ہم نے آپ پر قرآن تھوڑا تھوڑا کر کے اتارا ہے) تاکہ تھوڑا تھوڑا لوگوں کو پہنچاتے رہیں اور انکو اس سے فائدہ اٹھانے میں آسانی ہو جیسا کہ سورہ اسراء کے آخر میں ہے وَفُتِّلْنَا فَاَفَرَّقْنَاهُ (سو آپ اپنے پروردگار کے حکم پر (کہ ہمیں) تبلیغ بھی داخل ہے) مستقل رہئے اور اُن میں سے کسی فاسق یا کافر کے کہنے میں نہ آئے (یعنی یہ جو تبلیغ سے منع کرتے ہیں کما فی الدر المنثور من سورۃ الکافریں، اسکی موافقت نہ کیجئے، مقصود اس سے اظہار اہتمام شان ہے ورنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اُن کی موافقت کرنے کا کوئی احتمال ہی نہیں تھا یہ تو عبادت معتدیکہ کامر ہوا) اور (آگے عبادت لازمہ کا امر ہے یعنی) اپنے پروردگار کا صبح و شام نام لیا کیجئے اور کسی قدر رات کے حصے میں بھی اس کو سجدہ کیا کیجئے (یعنی نماز فرض پڑھا کیجئے) اور رات کے بڑے حصے میں اُس کی تسبیح (و تقدیس) کیا کیجئے (مراد اس سے تہجد ہے علاوہ فرائض کے اور آگے تقویت تسلی کے لئے ایک اور مضمون ہے جس میں کفار کی مذمت بھی ہے یعنی ان لوگوں کی مخالفت کی اصل وجہ آپ کے ساتھ یہ ہے کہ) یہ لوگ دُنیا سے محبت رکھتے ہیں اور اپنے آگے (آنیوالے) ایک بھاری دن کو چھوڑ بیٹھے ہیں (پس حُب دُنیا نے انہماک رکھا ہے اسلئے حق کہنے سے بغض رکھتے ہیں اور یوم ثقیل کا ذکر سن کر چونکہ احتمال اُن کے انکار کا تھا اسلئے آگے اُس یوم ثقیل کے استبعاد کو دفع فرماتے ہیں یعنی) ہم ہی نے اُن کو پیدا کیا اور ہم ہی نے اُن کے جوڑ بند مضبوط کئے اور (نیز) جب ہم چاہیں اُن ہی جیسے لوگ ان کی جگہ بدل دیں (اور امرِ اول تو مشاہد ہے اور دوسرا امر ادنیٰ تنبیہ سے معلوم ہو سکتا ہے پس دونوں اُمروں سے قدرتِ الہیہ ظاہر ہے پھر مُردوں کو دوبارہ زندہ کرنے ہی میں کون بات زیادہ دشوار ہے کہ اس پر قدرت نہ ہو، آگے اُن تمام مضامین سابقہ پر بطور تفریع کے فرماتے ہیں کہ) یہ (سب جو مذکور ہوا کافی) نصیحت ہے سو جو شخص چاہے اپنے رب کی طرف راستہ اختیار کر لے (وقد مر فی لزقل) اور (قرآن کے تذکرہ ہونے میں اس سے شبہ نہ کیا جاوے کہ بعض کو اس سے ہدایت نہیں ہوتی، بات یہ ہے کہ قرآن فی نفسہ تذکرہ اور ہدایت کافی ہے لیکن) بدون خدا کے چاہے تم لوگ کوئی بات چاہ نہیں سکتے (اور بعض لوگوں کے لئے خدا کے نہ چاہنے میں بعضی حکمتیں ہوتی ہیں کیونکہ) خدا تعالیٰ بڑا علم والا اور حکمت والا ہے وہ جس کو چاہے اپنی رحمت میں داخل کر لیتا ہے اور (جس کو چاہے) کفر اور ظلم میں مبتلا رکھتا ہے پھر (ظالموں کے لئے اُس نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔

معارف و مسائل

سُورَةُ دَہر کا نام سُورَةُ انسان اور سُورَةُ الْاَبْرَار بھی ہے (روح) اس میں تخلیق انسانی کی ابتدا و انتہا اور اعمال پر جزا و سزا قیامت اور جنت و دوزخ کے خاص حالات نہایت بلیغ اور موثر انداز میں بیان ہوئے ہیں۔

هَلْ اَتَىٰ اَعْلٰی النَّاسِ حَیْثُ قِنَ اللّٰہُ لَمْ یَبْکُنْ شَیْئًا مَّذْکُورًا، حرفِ مصل در مصل استفہام کے لئے آتا ہے اور بعض اوقات کسی بدیہی اور کھلی ہوئی چیز کو بصورت استفہام اس لئے تعبیر کیا جاسکتا ہے کہ اسکا واضح ہونا اور نوکد ہو جائے کہ جس سے پوچھو گے یہی جوابے یگا، دوسرا احتمال ہی نہیں جیسے کوئی شخص نصف النہار کے وقت کسی سے کہے کہ کیا یہ دن نہیں ہے اس کی صورت تو استفہام کی ہے مگر در حقیقت اُسکے انتہائی واضح ہونیکا بیان ہے۔ اسی لئے ایسے مواقع میں بعض حضرات نے فرمایا کہ اس جگہ حرفِ مصل بمعنی قد ہے جو تحقیق واقع کے لئے بولا جاتا ہے۔ بہر دو صورت مطلب آیت کا یہ ہے کہ انسان پر ایک زمانہ دراز ایسا گزرا ہے کہ دُنیا میں کہیں اسکا نام و نشان یہاں تک کہ ذکر و تذکرہ تک نہ تھا۔ لفظِ حَیْثُ تنوین کے ساتھ ذکر کرنیے اسوقت اور زمانے کی درازی کی طرف اشارہ ہے اور اس آیت میں یہ زمانہ دراز انسان پر گزرنا بیان فرمایا ہے جس میں اسکا فی الجملہ کسی نہ کسی طرح کا وجود ہونا لازمی ہے عدم محض کے زمانے کو تو انسان پر گزرنا نہیں کہا جاسکتا اس لئے اکثر حضرات مفسرین نے فرمایا کہ اس زمانہ دراز سے جو انسان پر گزرا وہ زمانہ مراد ہے جو قرارِ حمل کے بعد سے پیدائش تک کا وقت ہے جو عادتہً نو مہینے ہوتے ہیں کہ اس میں انسان کی تخلیق پر جتنے دُور گزرتے ہیں لطفہ سے لیکر جسم اور اعضاء اور پھر اُس میں روح حیات آنے تک وہ سب شامل ہیں۔ اس پورے زمانے میں اگرچہ اسکا وجود ایک طرح قائم ہو چکا ہے مگر نہ کوئی جانتا ہے کہ لڑکا ہے یا لڑکی نہ کوئی اسکا نام ہے نہ کسی کو اسکی شکل و صورت معلوم ہے اس لئے اسکا کہینہ کر و تذکرہ تک نہیں ہے۔ اور اگر اس کو وسیع تر معنی دیئے جائیں تو تخلیق انسانی کی ابتدا جس طرح لطفہ سے سمجھی گئی ہے وہ لطفہ بھی جس غذا سے پیدا ہوا وہ غذا اور غذا سے پہلے اُس غذا کا مادہ کسی نہ کسی صورت سے دُنیا میں تھا اگر اُس زمانے کو بھی شامل کریں تو یہ زمانہ دراز ہزاروں سال کا ہو سکتا ہے۔ بہر حال حق تعالیٰ نے اس آیت میں انسان کو ایک ایسے امر کی طرف توجہ دلائی کہ اُس میں ذرا بھی شعور ہو اور کچھ بھی غور کرے تو اُس کو اپنی حقیقت کے انکشاف کے ساتھ اپنے پیدا کرنے والے اور بنانے والے کے وجود اور علم و قدرت پر مکمل ایمان و یقین کے سوا کوئی چارہ نہیں رہتا۔ اگر ایک ستر برس کا انسان اسکا مراقبہ کرے اور اس پر غور کرے کہ اب سے اکھتر سال پہلے اسکا کہیں نام و نشان نہیں تھا اور نہ اسکا کسی عنوان سے کوئی ذکر کر سکتا تھا۔ ماں باپ اور دادا دادی کے دل میں بھی اس کے مخصوص وجود کا کوئی خطرہ تک نہ تھا گو مطلق بچہ کا تصور ہو۔ اسوقت کیا چیز اُس کی ایجاد و تخلیق کی داعی ہوئی اور کس غیر العقول قدرت نے دُنیا بھر میں

پھیلے ہوئے ذرات کو اس کے وجود میں سمو کر اس کو ایک ہوشیار دانا، سمیع و بصیر انسان بنا دیا تو وہ بے ساختہ یہ کہنے پر مجبور ہو گا۔ **۵** مابہودیم و تقاضا ما نبود چہ لطف تو ناگفتہ ما می شنود

اس کے بعد تخلیق انسانی کی ابتداء کا بیان اس طرح فرمایا **۱** ثُمَّ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنْ نُطْفَةٍ أَمْشَاجٍ یعنی ہم نے پیدا کیا انسان کو ایک مخلوط نطفہ سے أَمْشَاجٍ، مشج یا مشج کی جمع ہے جس کے معنی مخلوط کے آتے ہیں اور یہاں ظاہر یہ ہے کہ مرد و زن کا مخلوط نطفہ مراد ہے جیسا کہ اکثر مفسرین نے فرمایا ہے اور روح المعانی میں بعض مفسرین سے نقل کیا ہے کہ أَمْشَاجٍ سے مراد اخلاط اربعہ یعنی خون، بلغم، سودار، صفراء ہیں جن سے نطفہ مرکب ہوتا ہے۔

ہر انسان کی تخلیق میں دنیا بھر کے اجزاء اور ذرات کی شمولیت اور اگر غور کیا جائے تو یہ اخلاط اربعہ مذکورہ بھی اقسام غذا سے حاصل ہوتے ہیں اور ہر انسان کی غذا میں غور کیا جائے تو اس میں دور دراز ملکوں و خطوں کے اجزاء آب و ہوا وغیرہ کے ذریعہ شامل ہوتے ہیں اس طرح ایک انسان کے موجودہ جسم کا تجزیہ اور تحلیل کی جائے تو معلوم ہو گا کہ وہ ایسے اجزاء اور ذرات کا مجموعہ ہے جو دنیا کے گوشہ گوشہ میں بکھرے ہوئے تھے۔ قدرت کے نظام عجیب نے حیرت انگیز طریقہ پر ان کو اس کے وجود میں سمویا ہے۔ اگر أَمْشَاجٍ کا مطلب یہ لیا جائے تو اس جگہ لفظ أَمْشَاجٍ کے ذکر سے منکرین قیامت کے سب سے بڑے شبہ کا ازالہ بھی ہو جائیگا کیونکہ ان خدا نا شناس لوگوں کے نزدیک قیامت قائم ہونے اور مردوں کے دوبارہ زندہ ہونے میں سب سے بڑا اشکال یہی ہے کہ انسان مرکب مٹی اور پھر ریزہ ریزہ ہو کر دنیا میں بکھر جاتا ہے ان کو دوبارہ جمع کرنا پھر انہیں روح ڈالنا ان کے نزدیک گویا ناممکن ہے۔

أَمْشَاجٍ بمعنی اخلاط کی تفسیر میں ان کے اس شبہ کا ایک صغ جواب ہے کہ ابتدائی تخلیق انسانی میں بھی تو دنیا بھر کے اجزاء و ذرات شامل تھے جس کو یہ ابتدائی تخلیق شکل نہ ہوئی اُس کے لئے اسکا دوبارہ پیدا کرنا کیوں مشکل ہو گیا اور اس تفسیر پر لفظ أَمْشَاجٍ کا اس جگہ اضافہ بھی ایک مستقل فائدہ کیلئے ہو سکتا ہے واللہ اعلم۔ نَبْتَلِيهِ ابتلا سے مشتق ہے جس کے معنی امتحان اور آزمائش کے ہیں یہ تخلیق انسانی کی غرض و حکمت کا بیان ہے کہ انسان کو اس شان کیسا تھپیدا کر نیک مقصد اُس کی آزمائش ہے جس کا بیان اگلی آیتوں میں آیا ہے کہ ہم نے انبیاء اور آسمانی کتابوں کے ذریعہ اُس کو راستہ دکھلا دیا کہ یہ راستہ جنت کی طرف اور دوسرا دوزخ کی طرف جاتا ہے اور اُسے اختیار دیدیا کہ ان میں سے جس کو چاہے اختیار کرے چنانچہ انہیں دو گروہ ہو گئے إِمَّا شَاكِرًا وَإِمَّا كَفُورًا یعنی ایک گروہ اُن لوگوں کا ہوا جنہوں نے اپنے پیدا کرنے والے اور نعمت دینے والے کو پہچان کر اس کا شکر ادا کیا اور اُس پر ایمان لایا دوسرا گروہ وہ ہوا جس نے اللہ کی نعمتوں کی ناشکری کی اور کافر ہوا۔ اس کے بعد ان دونوں گروہوں کی جزا اور انجام کا ذکر فرمایا کہ کافروں کیلئے زنجیریں اور طوق اور جہنم ہے اور ابرار یعنی ایمان و طاعت کے پابند لوگوں کے لئے بڑی بڑی نعمتیں ہیں سب سے

پہلے پینے کی چیزوں کا ذکر فرمایا کہ اُن کو ایسا جام شراب دیا جائیگا جس میں کافور کی آمیزش ہوگی (يَتَقَرَّبُونَ مِنْ كَأْسٍ كَانَ مِزَاجُهَا كَافُورًا) بعض مفسرین نے فرمایا کہ کافور جنت کے ایک چشمہ کا نام ہے اس شراب میں لذت و کیف بڑھانے کے لئے اُس چشمہ کا پانی شامل کیا جائیگا اور کافور کے مشہور معنی لئے جادیں تو ضروری نہیں کہ جنت کا کافور بھی دنیا کے کافور کی طرح ہو کھانے پینے کے قابل نہ ہو اس کافور کی خصوصیات جدا ہوں۔

عَيْنًا يَشْرَبُ بِهَا عِبَادُ اللَّهِ يُفَصِّلُ بَيْنَنَا وَتَرْكِبُ نَحْوِي فِي كَافُورًا كَابِدَلْ بھی ہو سکتا ہے اس صورت میں یہ متعین ہو جاتا ہے کہ آیت مذکورہ میں کافور سے مراد چشمہ جنت ہے اور عباد اللہ سے مراد وہی اللہ کے نیک بندے ہیں جن کا ذکر پہلے ابرار کے عنوان سے کیا گیا ہے اور اگر عینا کو من کا س سے بدل قرار دیں تو یہ کسی دوسرے چشمہ اور پانی کا بیان ہے اور اس صورت میں عباد اللہ سے مراد اہل جنت کی کوئی دوسری جماعت ہے جو ابرار سے کم درجہ میں ہیں۔

يُوفُونَ بِالنَّذْرِ، یہ بیان اسکا ہے کہ ابرار اور عباد اللہ کو یہ انعامات کس پیمانہ پر ملیں گے۔ معنی یہ ہیں کہ یہ لوگ جس کام کی اللہ کے لئے نذر (منت) مان لیتے ہیں اُس کو پورا کرتے ہیں۔ نذر کے لفظی معنی یہ ہیں کہ آپ اپنے اوپر کوئی ایسا کام واجب کر لیں جو شریعت سے آپ کے ذمہ واجب نہیں ہے۔ ایسی نذر کو پورا کرنا شرعاً واجب ہوتا ہے جس کی کچھ تفصیل آگے آتی ہے۔ یہاں اہل جنت کی جزائے عظیم اور انعامات کا سبب ایفاء نذر کو قرار دیا ہے۔ اس میں اشارہ اس کی طرف ہے کہ یہ لوگ جب اپنی طرف واجب کر دے چیزوں کی ادائیگی کا اہتمام کرتے ہیں تو جو فرائض و واجبات انکے اختیار سے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان پر لازم کیے گئے ہیں انکا اہتمام بدرجہ اولیٰ کرتے ہونگے۔ اس طرح لفظ ایفاء نذر میں درحقیقت تمام واجبات شرعیہ اور فرائض کی ادائیگی شامل ہوگئی اور انعامات جنت کا سبب مکمل اطاعت اور تمام فرائض و واجبات کو ادا کرنا ہوگا۔ بہر حال اس جملے سے ایفاء نذر کی اہمیت اور وجوب ثابت ہوا۔

مسئلہ۔ نذر (منت) کے منعقد ہونے کے لئے چند شرائط ہیں۔ اول یہ کہ جس کام کی نذر مانی جائے وہ جائز و حلال ہو معصیت نہ ہو۔ اگر کسی نے کسی گناہ اور ناجائز کام کی نذر مان لی تو اس پر لازم ہے کہ وہ ناجائز کام نہ کرے اپنی قسم کو توڑ دے اور قسم کا کفارہ ادا کرے، دوسری شرط یہ ہے کہ وہ اللہ کی طرف سے واجب نہ ہو اس لئے اگر کوئی شخص نماز فرض یا وتر واجب کی نذر مان لے تو یہ نذر لغو ہوگی وہ فرض یا واجب پہلے ہی سے اس پر واجب الادا ہے۔

امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ کے نزدیک یہ بھی شرط ہے کہ جس کام کو نذر بیعہ نذر اپنے اوپر واجب کیا ہے اُس کی جس سے کوئی عبادت شریعت میں واجب کی گئی ہو جیسے نماز روزہ صدقہ قربانی وغیرہ اور جس کی جس سے شرعاً کوئی عبادت مقصود نہیں ہے اس کی نذر ماننے سے نذر لازم نہیں ہوتی جیسے کسی مریض کی عیادت یا جنازے کے پیچھے چلنا وغیرہ جو اگرچہ عبادات ہیں مگر عبادت مقصودہ نہیں نذر دین کے

احکام کی تفصیل کتب فقہ میں دیکھی جائے۔

وَيُطْعَمُونَ الطَّعَامَ عَلَىٰ حَيْثُ مَسْكِنَتِهِمْ وَيَبْدَأُ وَيَسِيرًا، یعنی اہل جنت کے یہ انعامات اس سبب بھی ہیں کہ وہ دنیا میں مسکینوں، یتیموں و قیدیوں کو کھانا کھلاتے تھے علیٰ سببہ میں حرف علی بمعنی مع ہے۔ مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ ایسی حالت میں بھی غریبوں کو کھانا کھلاتے جبکہ وہ کھانا خود اپنے لئے بھی ان کو محبوب اور پسند ہے۔ یہی نہیں کہ اپنے سے زائد فالتو کھانا غریبوں کو دیدیں۔ مسکین اور یتیم کو کھانا کھلانے کا عبادت و ثواب ہونا تو ظاہر ہے۔ قیدی سے مراد ظاہر ہے کہ وہ قیدی ہے جس کو اصول شرعیہ کے مطابق قید میں رکھا گیا ہے خواہ وہ کافر ہو یا مسلمان مجرم۔ مگر ہر حال اسکا کھانا کھلانا حکومت اسلامی کی ذمہ داری ہے جو شخص اس کو کھانا کھلاتا ہے وہ گویا حکومت اور بیت المال کی اعانت کرتا ہے اسلئے قیدی چاہے کافر بھی ہو اسکو کھانا کھلانا ثواب ہو گا خصوصاً ابتداء اسلام میں تو قیدیوں کا کھانا پینا اور انکی حفاظت عام مسلمانوں میں تقسیم کر کے انکے ذمہ کر دیتی تھی جیسے غزوہ بدر کے قیدیوں کیساتھ معاملہ کیا گیا۔

قَوَارِيرَ مِنْ فِضَّةٍ، دنیا میں چاندی کا برتن کثیف ہوتا ہے آئینہ کی طرح نہیں ہو سکتا اور جو کاغذ سے تیار کیا جاتا ہے وہ چاندی نہیں ہو سکتا ان دونوں میں تضاد ہے مگر یہ جنت کی خصوصیت ہے کہ وہاں کی چاندی آئینہ کی طرح شفاف ہوگی۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ جنت میں جتنی چیزیں ملیں گی ان سب کی نظیر اور شبیہ دنیا میں بھی ملتی ہیں سوائے ان گلاسوں اور برتنوں کے جن کی ساخت چاندی سے ہے مگر آئینہ کی طرح شفاف ہیں۔

وَيُسْقَوْنَ فِيهَا كَأْسًا كَانَتْ مِنْ أَجْجَلٍ زَنْجَبِيلًا، زنجبیل کے معروف معنی سونٹھ کے ہیں اور عرب لوگ شراب میں اُس کی آمیزش کو پسند کرتے تھے اس لئے اس کو جنت میں بھی اختیار کیا گیا اور بعض حضرات نے فرمایا کہ جنت کی نعمتوں اور دنیا کی چیزوں میں نام کے اشتراک کے سوا کوئی چیز مشترک نہیں اس لئے وہاں کی زنجبیل کو دنیا کی زنجبیل پر قیاس نہیں کیا جاسکتا۔

وَحُلُوفًا أَسَاوِدَ مِنْ فِضَّةٍ، اساور، سوار کی جمع ہے کنگن کو کہا جاتا جو ہاتھوں میں پہننے کا زیور ہے اس آیت میں چاندی کے کنگن کا ذکر ہے اور ایک دوسری آیت میں اَسَاوِدَ مِنْ ذَهَبٍ آیا ہے یعنی کنگن سونے کے، ان دونوں میں کوئی تضاد نہیں، کیونکہ ہو سکتا ہے کہ کسی وقت چاندی کے کسی وقت سونے کے کنگن استعمال کئے جاویں یا بعض کے کنگن سونے کے ہوں بعض کے چاندی کے، مگر ایک سوال اس جگہ بہر حال ہے کہ چاندی کے کنگن ہوں یا سونے کے بہر حال یہ زیور ہیں جو عورتوں کے استعمال کے لئے ہوتے ہیں۔ مردوں کے لئے ایسے زیور پہننا عیب سمجھا جاتا ہے۔ جواب یہ ہے کہ کسی چیز کا عورتوں یا مردوں کے لئے مخصوص ہونا اور ان کیلئے مستحسن یا عیب ہونا یہ چیز عرف و عادت کے تابع ہوتی ہے بعض ملکوں یا قوموں میں ایک چیز بڑی عیب اور بُری سمجھی جاتی ہے دوسری قوموں میں وہ بڑا حسن سمجھا جاتا ہے۔ دنیا میں ملوک کسریٰ ہاتھ نہیں

کنگن اور سینے اور تاج میں زیورات استعمال کرتے تھے اور یہ اُن کا خاص امتیاز و اعزاز سمجھا جاتا تھا۔ مُلک کسریٰ فتح ہونے کے بعد جو خزان کسریٰ مسلمانوں کو ہاتھ آئے اُن میں کسریٰ کے کنگن بھی تھے۔ جب دُنیا کے مختلف مُلکوں اور قوموں کے معمولی جغرافیائی اور قومی تفادات سے یہ معاملہ مختلف ہو سکتا ہے تو جنت کو دُنیا پر قیاس کرنے کے کوئی معنی نہیں ہو سکتا ہے کہ وہاں زیور مردوں کے لئے بھی مستحسن سمجھا جائے۔

إِنَّ هَذَا كَانَ لَكُمْ جَزَاءً وَكَانَ سَعْيَكُمْ مَشْكُورًا، یعنی اہل جنت کو جنت میں پہنچنے کے بعد حق تعالیٰ کی طرف سے خطاب ہو گا کہ جنت کی یہ میری نعمتیں سب تمہارے اُن اعمال کی جزا ہے جو تم نے دُنیا میں کئے تھے اور تمہارے عمل اللہ کے نزدیک مقبول ہو گئے۔ یہ کلمات ان کو بطور مبارکباد کے کہے جائیں گے۔ اہل عشق و محبت سے پوچھئے تو جنت کی ساری نعمتیں ایک طرف اور رب العالمین کا یہ فرمانا ایک طرف سب نعمتوں سے بڑھ کر ہے کہ اس میں حق تعالیٰ ان کو اپنی رضا کامل کی سند دے رہے ہیں۔ عام اہل جنت کے انعامات کا ذکر کرنے کے بعد خاص ان انعامات کا ذکر کیا گیا جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر مبذول ہوئے اُن میں سب سے بڑا انعام تنزیل قرآن ہے اس انعام عظیم کا ذکر کرنے کے بعد اول تو آپ کو اس کی ہدایت کی گئی کہ مخالفین و کفار کی طرف سے جو ضد و انکار اور ان کی ایذاؤں کی تکلیف آپ کو پہنچتی ہے آپ اس پر صبر سے کام لیں۔ دوسرے اللہ کی عبادت کو دن رات کا مشغلہ بنائیں اسی سے کفار کی اذیت کا بھی ازالہ ہو گا۔

آخر میں معاند کفار کے کفر پر جے رہنے کی وجہ بتلائی گئی کہ یہ جاہل دُنیا کی سطحی سرسری اور فانی لذتوں میں ایسے مست ہو گئے کہ انجام کو یعنی آخرت کو بھلا بیٹھے حالانکہ ہم نے دُنیا میں بھی خود اُن کے وجود میں ایسی چیزیں رکھی تھیں کہ انہیں غور کرتے تو اپنے خالق و مالک کو پہچانتے۔ مَثَلًا نَحْنُ خَلَقْنَاهُمْ وَشَدَدْنَا أَسْرَهُمْ یعنی ہم نے ہی اُن کو پیدا کیا اور ان کے وجود کی صنعت میں ایک خاص کمال یہ رکھا کہ اُسکے جوڑ بند مضبوط و محکم بنائے۔

انسانی جوڑ بند میں کثرت قدرت | اس میں اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ انسان اپنے ایک ایک جوڑ بند پر نظر ڈالے کہ بقاضائے حکمت و راحت انسانی جوڑ دیکھنے میں نرم و نازک معلوم ہوتے ہیں اور نرم نرم پٹھوں کے ذریعہ ایک دوسرے سے جڑے ہوئے ہیں جس کا طبعی تقاضا یہ تھا کہ سال دو سال ہی میں یہ جوڑوں کے بندھن اعصاب گھس جاتے اور ٹوٹ جاتے خصوصاً جبکہ دن رات وہ حرکت میں رہتے ہیں موڑے توڑے جاتے ہیں اتنی شبانہ روز حرکت کیساتھ تو لوہے کے اسپرنگ بھی سال دو سال میں گھس کر ٹوٹ جاتے ہیں یہ نرم و نازک پٹھے دیکھو کس طرح اعضاء کے جوڑوں کو باندھے ہوئے ہیں نہ گھستے ہیں نہ ٹوٹتے ہیں۔ انسان اپنے ہاتھ کی انگلیوں کے جوڑوں کو دیکھے اور حساب لگائے کہ عمر بھر میں ان جوڑوں نے کتنی حرکتیں کی ہیں کیسے کیسے دور اور دباؤ ان پر ڈالے گئے ہیں کہ اگر فولاد بھی ہوتا تو گھس گیا ہوتا مگر یہ جوڑ ہیں جو ستر اسی سال چلنے پر بھی اپنی جگہ قائم ہیں۔ تبارک اللہ احسن الخالقین ✦

تَمَّتْ سُورَةُ الدَّهْرِ بِحَمْدِ اللَّهِ تَعَالَى

سُورَةُ الْمُرْسَلَاتِ

سُورَةُ الْمُرْسَلَاتِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ خَمْسُونَ آيَةً وَفِيهَا مَكْرُوهٌ
سُورَةُ مُرْسَلَاتٍ مکہ میں نازل ہوئی اور اسکی پچاس آیتیں ہیں اور دو رکوع

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

وَالْمُرْسَلَاتِ عُرْفًا ۱۱ وَالْعِصْفَاتِ عَصْفًا ۱۲ وَالنَّشَارِ نَشْرًا ۱۳ فَالْفَرْقَتِ

مترجم ہے چلتی ہواؤں کی دل کو خوش آتی، پھر جھونکا دینے والیوں کی زور سے، پھر اُبھارنے والیوں کی اٹھا کر، پھر بھاڑنے والیوں کی

قَرَقًا ۱۴ فَالْمُلْقَاتِ ذِكْرًا ۱۵ عَذْرًا أَوْ ذُرًّا ۱۶ إِنَّمَا تُوْعَدُونَ كَوَاقِعَ ۱۷

بانٹ کر پھر فرشتوں کی جو آسمان پر لائیں دہی الزام اُتارنے کو یا ڈرنے کو مقرر جو تم سے وعدہ ہوا وہ ضرور ہونا ہے

فَإِذَا التَّجُومُ طُمِسَتْ ۱۸ وَإِذَا السَّمَاءُ فُرْجَتْ ۱۹ وَإِذَا الْجِبَالُ سُفَّتْ ۲۰

پھر جب تارے مٹائے جائیں اور جب آسمان میں جھروکے پڑ جائیں اور جب پہاڑ اُڑا دیئے جائیں

وَإِذَا الرُّسُلُ أُقِيتَتْ ۲۱ لِأَيِّ يَوْمٍ أُجِّلَتْ ۲۲ لِيَوْمِ الْفَصْلِ ۲۳ وَمَا

اور جب رسولوں کا وقت مقرر ہو جائے کس دن کیواسطے ان چیزوں میں دیر ہے اس فیصلے کے دن کیواسطے اور تو نے

أَدْرَاكَ مَا يَوْمُ الْفَصْلِ ۲۴ وَيْلٌ يَوْمَئِذٍ لِلْمُكَذِّبِينَ ۲۵ أَلَمْ يُهْلِكْ

کیا بڑھا کیا ہے فیصلے کا دن غرابی ہے اُس دن جھٹلانے والوں کی کیا ہمنے نہیں مار کھایا

الْأَوَّلِينَ ۲۶ ثُمَّ نُنَبِّئُهُمُ الْآخِرِينَ ۲۷ كَذَلِكَ نَفْعَلُ بِالْمُجْرِمِينَ ۲۸

پہلوں کو پھر انکے پیچھے بھیجتے ہیں پچھلوں کو ہم ایسا ہی کیا کرتے ہیں گنہگاروں کے ساتھ

وَيْلٌ يَوْمَئِذٍ لِلْمُكَذِّبِينَ ۲۹ أَلَمْ نُخْلُقْكُمْ مِنْ مَّاءٍ مَّهِينٍ ۳۰ فَجَعَلْنَاهُ

غرابی ہے اُس دن جھٹلانے والوں کی کیا ہم نے نہیں بنایا تم کو ایک بے قدر پانی سے پھر رکھا اُس کو

فِي قَرَارٍ مَكِينٍ ۳۱ إِلَىٰ قَدَرٍ مَّعْلُومٍ ۳۲ فَقَدَرْنَا كَيْفَ ۳۳ فَنِعْمَ الْقَدِرُونَ ۳۴

ایک جگہ ہوئے ٹھکانے میں ایک وعدہ مقرر تک پھر ہم اسکو پورا کر سکتے سو ہم کیا خوب سکت والے ہیں

وَيْلٌ يَوْمَئِذٍ لِلْمُكَذِّبِينَ ﴿۳۲﴾ أَلَمْ تَجْعَلْ لِرِضْنِ كِفَاتًا ﴿۳۱﴾ أَحْيَاءُ وَأَمْوَاتًا ﴿۳۰﴾

خرابی ہے اُس دن جھٹلانے والوں کی کیا ہم نے نہیں بنائی زمین سیٹھنے والی زندوں کو اور مردوں کو

وَجَعَلْنَا فِيهَا رِوَادًا وَشَجَرًا وَأَسْقَيْنَاكُمْ قَاءً فُرَاتًا ﴿۳۲﴾ وَيْلٌ يَوْمَئِذٍ

اور رکھے ہم نے زمین میں بو جھ کے لئے پہاڑ اور پانی بھلائی اس کو پانی بیٹھا پیاس بجھائے اسی دن

لِلْمُكَذِّبِينَ ﴿۳۱﴾ انْطَلِقُوا إِلَى مَا كُنْتُمْ بِمُتَكِنِينَ بِهِ يَوْمَئِذٍ ﴿۳۰﴾ انْطَلِقُوا إِلَى ظِلٍّ

جھٹلانے والوں کی چل کر دیکھو جس چیز کو تم جھٹلاتے تھے چلو ایک چھاؤں میں

ذِي ثَلَاثِ شُعَبٍ ﴿۳۳﴾ لَا ظَلِيلٌ وَلَا يُغْنِي مِنَ الْهَبِ ﴿۳۲﴾ إِنَّهَا تَرْمِي بِشَرِّ

جس کی تین پھاٹکیں ہیں نہ گہری چھاؤں اور نہ کچھ کام آئے تپش میں وہ آگ پھینکتی ہے چنگاریاں

كَالْقَصْرِ ﴿۳۱﴾ كَأَنَّهُ جُمُلٌ صَفَرٌ ﴿۳۰﴾ وَيْلٌ يَوْمَئِذٍ لِلْمُكَذِّبِينَ ﴿۲۹﴾ هَذَا

جیسے محل گو بادہ اونٹ ہیں زرد خرابی ہے اشدن جھٹلانے والوں کی یہ وہ

يَوْمٌ لَا يَنْطِقُونَ ﴿۳۵﴾ وَلَا يُؤْذَنُ لَهُمْ فَيَعْتَذِرُونَ ﴿۳۴﴾ وَيْلٌ يَوْمَئِذٍ

دن ہے کہ نہ بولیں گے اور نہ ان کو حکم ہو کہ توبہ کریں خرابی ہے اُس دن

لِلْمُكَذِّبِينَ ﴿۳۵﴾ هَذَا يَوْمُ الْفَصْلِ جَمْعُكُمْ وَالْأَوَّلِينَ ﴿۳۴﴾ فَإِنْ كَانَ لَكُمْ

جھٹلانے والوں کی یہ ہے دن فیصلے کا جمع کیا ہم نے تم کو اور اگلوں کو پھر اگر کچھ داؤ ہے تمہارا

كَيْدٌ فَكَيْدُونَ ﴿۳۶﴾ وَيْلٌ يَوْمَئِذٍ لِلْمُكَذِّبِينَ ﴿۳۵﴾ إِنَّ الْمُتَّقِينَ

تو چلا لو مجھ پر خرابی ہے اشدن جھٹلانے والوں کی البتہ جو ڈرنے والے ہیں

فِي ظِلٍّ وَعُيُونٌ ﴿۳۷﴾ وَفَوَاكِهِ مِمَّا يَشْتَهُونَ ﴿۳۶﴾ كُلُوا وَاشْرَبُوا هَنِيئًا

وہ سائے میں ہیں اور خردوں میں اور میوے جس قسم کے وہ چاہیں کھاؤ اور پیو مزے سے

بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿۳۸﴾ إِنْ كَذَّبْتَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ﴿۳۷﴾ وَيْلٌ

بدلہ ان کاموں کا جو تم نے کئے تھے ہم پونہی دیتے ہیں بدلہ نیکی والوں کو خرابی ہے

يَوْمَئِذٍ لِلْمُكَذِّبِينَ ﴿۳۹﴾ كُلُوا وَتَمَتَّعُوا قَلِيلًا إِنَّكُمْ مُّجْرِمُونَ ﴿۳۸﴾

اُس دن جھٹلانے والوں کی کھاؤ اور برت لو تمہارے دنوں بیشک تم گنہگار ہو

وَيْلٌ يَوْمَئِذٍ لِلْمُكَذِّبِينَ ﴿۴۰﴾ وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ ارْكَعُوا لَا يَرْكَعُونَ ﴿۳۹﴾

خرابی ہے اُس دن جھٹلانے والوں کی اور جب کہیں ان کو کہ جھک جاؤ نہیں جھکتے

وَيْلٌ يَوْمَئِذٍ لِلْمُكَذِّبِينَ ﴿۴۱﴾ فَبِأَيِّ حَدِيثٍ بَعْدَهُ يُؤْمِنُونَ ﴿۴۰﴾

خرابی ہے اُس دن جھٹلانے والوں کی اب کس بات پر اس کے بعد یقین لائیں گے

خلاصہ تفسیر

قسم ہے اُن ہواؤں کی جو نفع پہنچانے کے لئے بھیجی جاتی ہیں پھر ان ہواؤں کی جو سختی سے چلتی ہیں جس سے خطرات کا احتمال ہوتا ہے اور ان ہواؤں کی جو بادلوں کو (اُٹھا کر) پھیلاتی ہیں (جس کے بعد بارش ہونے لگتی ہے) پھر ان ہواؤں کی جو بادلوں کو متفرق کر دیتی ہیں (جیسا بارش کے بعد ہوتا ہے) پھر ان ہواؤں کی جو (دل میں) اللہ کی یاد یعنی توبہ کا یا ڈرانے کا القاء کرتی ہیں (یعنی یہ ہوائیں مذکورہ حق تعالیٰ کی قدرت کاملہ پر دلالت کی وجہ سے خالق کائنات کی طرف متوجہ ہو جانے کا سبب ہو جاتی ہیں اور وہ توجہ دو طور سے ہوتی ہے ایک خوف سے جبکہ ان ہواؤں سے آثار خوف کے نمایاں ہوں اور دوسرا توبہ و معذرت سے اور یہ خوف و رجاء کی دونوں صورتیں ہو سکتا ہے۔ اگر ہوائیں نفع بخش ہوں تب تو خدا کی نعمتوں کو یاد کر کے اس کا شکر اور اپنی تقصیرات سے عذر کرتے ہیں اور اگر وہ ہوائیں خوفناک ہوں تو خدا کے عذاب سے ڈر کر اپنے معاصی سے توبہ کرتے ہیں، آگے جواب قسم ہے) کہ جس چیز کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے وہ ضرور ہونے والی ہے۔ (مراد قیامت ہے اور یہ سب قسمیں قیامت کے نہایت مناسب ہیں کیونکہ نفع اُدی کے بعد تمام عالم کی فساد کا واقعہ تیز آندھیوں کے مشابہ ہے اور نفع ثانیہ کے بعد کے واقعات مردوں کا زندہ ہونا وغیرہ مشابہ واقعات ہوائے نافع کے ہیں جس سے بارش اور بارش سے حیات نباتی اُبھرتی ہے۔ آگے اس کے وقوع پر تفریح فرماتے ہیں) سو جب ستارے بے نور ہو جاویں گے اور جب آسمان پھٹ جاوے گا اور جب پہاڑ اُڑتے پھریں گے اور جب سب پیغمبر وقت معین پر جمع کئے جاویں گے (اس وقت سب کا فیصلہ ہوگا، آگے اس یوم کا ہولناک ہونا مذکور ہے کہ کچھ معلوم ہے) کس دن کے لئے پیغمبروں کا معاملہ ملتوی رکھا گیا ہے (آگے جواب ہے کہ) فیصلہ کے دن کے لئے (ملتوی رکھا گیا ہے، مطلب اس سوال و جواب کا یہ معلوم ہوتا ہے کہ کفار جو رسولوں کی تکذیب کرتے آئے ہیں اور اب بھی اس اُمت کے کفار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کر رہے ہیں اور جب اس تکذیب پر عذاب آخرت سے ڈرائے جاتے ہیں تو آخرت کی بھی تکذیب کرتے ہیں اور یہ تکذیب فی نفسہ مقصدنی اس کو ہے کہ رسولوں کا جو قصہ کفار سے پیش آ رہا ہے اس کا فیصلہ ابھی ہو جاوے اور اس کی تاخیر سے کفار کو مزید انکار و تکذیب کا موقع ملتا ہے اور مسلمانوں کو طبعی طور پر اسکے جلد ہو جانے کی خواہش ہوتی ہے پس اس آیت میں استعجال کا جواب ہے کہ حق تعالیٰ نے بعض حکمتوں سے اس کو مؤخر کر رکھا ہے لیکن واقع ضرور ہوگا) اور (آگے اُس فیصلہ کے دن کا ہولناک ہونا مذکور ہے کہ) آپ کو معلوم ہے کہ وہ فیصلہ کا دن کیسا کچھ ہے (یعنی بہت سخت ہے اور جو لوگ اس امر حق یعنی وقوع قیامت کو جھٹلا رہے ہیں سمجھ رکھیں کہ) اُس روز (حق کے) جھٹلانے والوں کی بڑی خرابی ہوگی (آگے نظر سابقہ کے ذریعہ موجودہ لوگوں کو ڈرانا ہے) کیا ہم اگلے (کافر) لوگوں کو (عذاب سے)

ہلاک نہیں کر چکے پھر پچھلوں کو بھی (عذاب میں) اُن (پہلوں) ہی کے ساتھ ساتھ کر دیں گے (یعنی آپ کی اُمت کے کفار پر بھی وبالِ ہلاکت نازل کریں گے جیسا بدر و غیرہ غزوات میں ہوا) ہم مجرموں کے ساتھ ایسا ہی کیا کرتے ہیں (یعنی اُن کے کفر پر سزا دیتے ہیں خواہ دارین میں خواہ دارِ آخرت میں، اور جو اس امر حق یعنی کفر پر مستحق عذاب ہونے کے کو جھٹلا رہے ہیں سمجھ رکھیں کہ) اُس روز (حق کے) جھٹلانے والوں کی بڑی خرابی ہوگی (آگے وقوع قیامت اور احیاء موتی کو ذہنوں کے قریب کرنے کے لئے فرمایا) کیا ہم نے تم کو ایک بے قدر پانی (یعنی لطفہ) سے نہیں بنایا (یعنی ابتداء میں تم لطفہ تھے) پھر سمجھنے اسکو ایک وقت مقرر تک ایک محفوظ جگہ (یعنی عورت کے رحم) میں رکھا، غرض ہم نے (ان سب تصرفات کا) ایک اندازہ ٹھہرایا، سو ہم کیسے اچھے اندازہ ٹھہرانے والے ہیں (اس سے مُردوں کو دوبارہ زندہ کرنے پر قدرت ثابت ہوئی، پھر جو لوگ اس امر حق یعنی قدرت علی البعث کو جھٹلا رہے ہیں سمجھ رکھیں کہ) اس روز (حق کے) جھٹلانے والوں کی بڑی خرابی ہوگی (آگے اپنی بعض نعمتیں جن سے ترغیب اطاعت و ایمان ہونے لگتی ہیں یعنی) کیا ہم نے زمین کو زندوں اور مُردوں کی سمیٹنے والی نہیں بنایا کہ زندگی اسی پر بسر ہوتی ہے مرنے کے بعد دفن اور غرق ہوجانے اور جل جانے کی صورت میں بالآخر مٹی ہو کر اجزاء ارضیہ ہی میں کھپ جاتے ہیں اور اس حالت بعد الموت کا نعمت ہونا اس طرح ہے کہ اگر مُردے خاک نہ ہو جایا کرتے تو زندے پریشان ہو کر مُردہ سے بدتر ہو جاتے کہ اُن کو اپنے بسنے بلکہ چلنے پھرنے کی جگہ نہ ملتی) اور ہم نے اُس (زمین) میں اونچے اونچے پہاڑ بنائے (جن سے بہت سے منافع متعلق ہیں) اور ہم نے تم کو میٹھا پانی پلایا (اس نعمت کو خواہ مستقل کہا جاوے یا زمین ہی کے متعلق کہا جاوے کیونکہ مرکز پانی کا بھی زمین ہی ہے اور ان نعمتوں کا مقتضا وجوب توحید ہے۔ پس جو لوگ اس امر حق یعنی وجوب توحید کو جھٹلا رہے ہیں سمجھ رکھیں کہ) اُس روز (حق کے) جھٹلانے والوں کی بڑی خرابی ہوگی (آگے قیامت کی بعض سزاؤں کا بیان ہے یعنی قیامت کے روز کفار سے کہا جائے گا کہ) تم اس عذاب کی طرف چلو جس کو جھٹلایا کرتے تھے (جس میں کی ایک سزا وہ ہے جسکا بیان اس حکم میں ہے کہ) ایک سائبان کی طرف چلو جس کی تین شاخیں ہیں جس میں نہ (ٹھنڈا) سایہ ہے اور نہ وہ گرمی سے بچاتا ہے (مراد اس سائبان سے ایک دھواں ہے جو جہنم سے نکلے گا اور چونکہ کثرت سے ہوگا اسلئے بلند ہو کر پھٹ کر تین ٹکڑے ہو جاویں گے کما فی الطبری عن قتادۃ اور فراغ حساب تک کفار اسی دھوئیں کے احاطہ میں رہیں گے جیسا کہ مقبولین ظلّ عرش میں ہوں گے کذا فی الخازن، آگے اس دھوئیں کا اور حال مذکور ہے کہ) وہ انگارے برسا دیگا جیسے بڑے بڑے محل جیسے کالے کالے اونٹ (قاعدہ ہے کہ جب چنگاری آگ سے جھڑتی ہے تو بڑی ہوتی ہے۔ پھر بہت سے چھوٹے ٹکڑے ہو کر زمین پر گرتی ہے پس پہلی تشبیہ ابتدائی حالت کے اعتبار سے ہے اور دوسری تشبیہ انتہائی حالت کے اعتبار سے۔ کذا فی الروح، پھر

جو لوگ اس امر حق یعنی اس واقعہ کو جھٹلاتے ہیں سمجھ رکھیں کہ) اس روز (حق کے) جھٹلانے والوں کی بڑی خرابی ہوگی (آگے اور واقعہ متعلق کفار ہے یعنی) یہ وہ دن ہوگا جس میں وہ لوگ بول سکیں گے اور نہ ان کو اجازت (عذر پیش کرنے کی) ہوگی سو عذر بھی نہ کر سکیں گے (کیونکہ واقعہ میں کوئی معقول عذر ہوگا ہی نہیں، اور جو لوگ اس واقعہ حقہ کو بھی جھٹلاتے ہیں سمجھ رکھیں کہ) اس روز (حق کے) جھٹلانے والوں کی بڑی خرابی ہوگی (آگے بھی اسی یوم کا بیان ہے کہ ان لوگوں سے کہا جاوے گا کہ) یہ ہے فیصلہ کا دن (جس کی تم تکذیب کیا کرتے تھے) ہم نے (آج) تم کو اور آگلوں کو (فیصلے کے لئے) جمع کر لیا سو اگر تمہارے پاس (آج کے نتیجہ اور فیصلے سے بچنے کی) کوئی تدبیر ہو تو مجھ پر تدبیر چلاؤ (اور یہ کفار اس واقعہ حقہ کی بھی تکذیب کرتے ہیں سو سمجھ رکھیں کہ) اس روز (حق کے) جھٹلانے والوں کی بڑی خرابی ہوگی (آگے کفار کے مقابلے میں اہل ایمان کے ثواب کا بیان ہے یعنی) پرہیزگار لوگ سایوں میں اور چشموں میں اور مرغوب میوؤں میں ہوں گے (اور ان سے کہا جاوے گا کہ) اپنے اعمال (نیک) کے صلہ میں خوب مزے سے کھاؤ پیو ہم نیک لوگوں کو ایسا ہی صلہ دیا کرتے ہیں (اور یہ کفار نعمائے جنت کی بھی تکذیب کرتے ہیں سو سمجھ رکھیں کہ) اس روز (حق کے) جھٹلانے والوں کی بڑی خرابی ہوگی (آگے پھر توبیخ و تنبیہ ہے کفار کو، یعنی اے کافرو!) تم (دنیا میں) تھوڑے دن اور کھالو اور ہرست لو (عنقریب کبھی آنے والی ہے کیونکہ) تم بیشک مجرم ہو (اور مجرم کا یہی حال ہونے والا ہے اور جو لوگ سزائے جرم کو جھٹلاتے ہیں سمجھ رکھیں کہ) اس روز (حق کے) جھٹلانے والوں کی بڑی خرابی ہوگی اور (ان کافروں کی سکرشی اور جرم کی یہ حالت ہے کہ) جب ان سے کہا جاتا ہے کہ (خدا کی طرف) جھکو (یعنی ایمان اور عبدیت اختیار کرو) تو نہیں جھکتے (اس سے زیادہ کیا جرم ہوگا اور یہ لوگ اسکے جرم ہونے کو بھی جھٹلاتے ہیں سو سمجھ رکھیں کہ) اس روز (حق کے) جھٹلانے والوں کی بڑی خرابی ہوگی (اور ان تقریبات و تہدیدات قرآنیہ کا مقتضایہ تھا کہ سننے ہی ڈر کر ایمان لے آتے مگر جب اس پر بھی ان کو اثر نہیں) تو پھر اس (قرآن بلیغ الالفاظ والالذار) کے بعد اور کوئی بات پر ایمان لادیں گے (اسی کفار پر توبیخ اور ان کے ایمان سے آپ کو مایوس کرنا ہے)

معارف مسائل

صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیساتھ منیٰ کے ایک غار میں تھے اچانک سورۃ مرسلات نازل ہوئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو پڑھتے جاتے تھے اور میں آپ کے مبارک منہ سے اس کو سنتا یا د کرتا جاتا تھا، آپ کا دہن مبارک اس سورۃ کی حلاوت سے رطب (شاداب) ہو رہا تھا اچانک ایک سانپ نے ہم پر حملہ کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے قتل کا حکم دیا، ہم اُس کی طرف چھپے وہ نکل بھاگا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

کہ جس طرح تم اسکے شر سے محفوظ رہے وہ بھی تمہارے شر سے محفوظ ہو گیا (ابن کثیر)
اس سورت میں حق تعالیٰ نے چند چیزوں کی قسمیں کھا کر قیامت کے یقینی طور پر آنے کا ذکر فرمایا ہے، ان چیزوں کا نام قرآن میں بیان نہیں کیا گیا البتہ ان کی اس جگہ پانچ صفیں بیان فرمائی ہیں۔ مُرسلات، عاصفات، ناشرات، فارات، مُقیت الذکر کسی حدیث مرفوعہ میں اس کی پوری تعین نہیں آئی کہ ان صفات کے موصوفات کیا ہیں اس لئے صحابہ و تابعین کی تفسیریں اس معاملے میں مختلف ہو گئیں۔

بعض حضرات نے ان پانچوں صفات کا موصوف فرشتوں کو قرار دیا ہے اور یہ کہ ہو سکتا ہے کہ فرشتوں کی مختلف جماعتیں ان مختلف صفات کی حامل ہوں۔ بعض حضرات نے ان صفات کا موصوف ہواؤں کو قرار دیا ہے وہ بھی مختلف اقسام اور نوعیت کی ہوتی ہیں، اس لئے یہ صفاً مختلف اُن میں ہو سکتی ہیں۔ بعض حضرات نے ان کا موصوف خود انبیاء و رسل کو قرار دیا ہے۔ ابن جریر طبری نے اسی لئے اس معاملے میں توقف اور سکوت کو اسلم قرار دیا کہ احتمال دونوں ہیں ہم اپنی طرف سے کسی کو متعین نہیں کرتے۔

اور اس میں شبہ نہیں کہ جو پانچ صفات اس جگہ ذکر کی گئی ہیں اُن میں سے بعض تو ملائکہ اللہ پر زیادہ چسپاں اور اُن کے مناسب ہیں ان کو ریاح کی صفت بنائیں تو کھینچ تان اور تاویل کرنا پڑتی ہے، اور بعض صفات ایسی ہیں جو ریاح یعنی ہواؤں پر زیادہ چسپاں اور واضح ہیں اُن کو فرشتوں کی صفت بنائیں تو تاویل کے بغیر نہیں بنتی۔ اس لئے اس مقام میں بہتر فیصلہ ابن کثیر کا معلوم ہوتا ہے۔ انھوں نے فرمایا کہ شروع کی تین صفات ہواؤں کی صفیں ہیں ان تین میں ریاح اور ہواؤں کی قسم ہو گئی باقی آخری دو صفیں یہ فرشتوں کی صفات ہیں تو یہ فرشتوں کی قسم ہو گئی۔

ریاح کی صفت قرار دینے میں آخری دو صفتوں میں جو تاویل کیجاتی ہے وہ آپ خلاصہ تفسیر میں دیکھ چکے ہیں کیونکہ اُس میں اسی کو اختیار کر کے تفسیر کی گئی ہے۔ اسی طرح جن حضرات نے ان سب صفات کو صفات ملائکہ قرار دیا ہے ان کو پہلی تین صفات یعنی مُرسلات، عاصفات، ناشرات کو فرشتوں پر چسپاں کرنے کے لئے اسی طرح کی تاویلات سے کام لینا پڑا ہے۔ ابن کثیر کے اختیار کے مطابق معنی ان آیتوں کے یہ ہو گئے کہ قسم ہے ان ہواؤں کی جو بھی جاتی ہیں۔ عُرُفاً، یہاں عُرُفاً کا مفہوم وہ بھی ہو سکتا ہے جو خلاصہ تفسیر میں اوپر مذکور ہوا یعنی جو دوسرا اور نفع رسانی۔ جو ہوائیں بارش لیکر آتی ہیں اُن کی جو دوسرا اور نفع رسانی ظاہر ہے۔ اور دوسرے معنی عُرُفاً کے متتابع یعنی پے در پے کے بھی آتے ہیں۔ یہ معنی لئے جاویں تو مراد وہ ہوائیں ہونگی جو بادل اور بارش کو لئے ہوئے مسلسل اور متتابع چلتی ہیں۔ اور عاصفات عصف سے مشتق ہے جس کے لٹوی معنی ہوا کے تیز چلنے کے ہیں اس سے مراد وہ آندھیاں اور تیز ہوائیں ہیں جو بعض اوقات دُنیا میں آیا کرتی ہیں۔ اور ناشرات سے مراد وہ ہوائیں ہیں جو بارش ختم ہونے کے بعد بادل کو پھاڑ کر منتشر کر دیتی ہیں۔ اور فارات، یہ صفت فرشتوں کی ہے جو وحی الہی نازل کر کے حق و باطل میں

فرق واضح کر دیتے ہیں اور تعلقات ذکر ابھی فرشتوں کی صفت ہے اور ذکر سے مراد قرآن یا مطلق وحی ہے۔ اور مطلب یہ ہے کہ قسم ہے اُن فرشتوں کی جو بذریعہ وحی حق و باطل میں فرق اور امتیاز واضح کر دیتے ہیں اور قسم ہے اُن فرشتوں کی جو انبیاء علیہم السلام پر ذکر یعنی وحی اور قرآن کا انشاء کرتے ہیں۔ اس طرح کسی صفت میں تاویل اور کھینچ تان کی ضرورت پیش نہیں آتی۔

رہا یہ سوال کہ اس تفسیر کی بنا پر پہلے ہواؤں کی مختلف اقسام کی قسم کھائی گئی پھر فرشتوں کی، اُن دونوں میں ربط اور جوڑ کیا ہے سو کلام الہی کی حکمتوں کا احاطہ تو کوئی کر نہیں سکتا، یہ مناسبت بھی ہو سکتی ہے کہ ہواؤں کی دونوں قسمیں بارش والی نفع بخش اور سخت آندھیاں مضرت رساں یہ سب محسوسات میں سے ہیں ہر شخص اُن کو پہچانتا ہے پہلے غور و فکر کے لئے انسان کے سامنے ان کو لایا گیا، اس کے بعد فرشتوں اور وحی کو پیش کیا گیا جو محسوس نہیں مگر ذرا سے غور و فکر کرنے پر اُن کا یقین ہو سکتا ہے۔

عَنْ ذَا اَذْنَدَا يَهْ فَالْمَلٰٓئِكَةُ ذِكْرًا سَمِعَتْ لِهٖ ذِكْرًا وَحٰی اَنْبِیَآءُ عَلَیْہِمُ السَّلَامُ بِرَاسِلَتِہٖ نَازِلَہٗ کِی جائے گی کہ وہ اہل حق مومنین کے لئے اُن کی کوتاہیوں سے معذرت کا سبب بنے اور اہل باطل کفار کے لئے نذیر اور عذاب کے ڈرانے والا ثابت ہو۔

ہواؤں یا فرشتوں یا دونوں کی قسم کھا کر حق تعالیٰ نے فرمایا اِنَّمَا تُوَعَّدُونَ کَوَاقِعُ، یعنی تم سے جس قیامت اور حساب کتاب جزاء و سزا کا وعدہ بذریعہ انبیاء کیا جا رہا ہے وہ ضرور پورا اور واقع ہو کر ہے گا۔ آگے اس کے واقع ہونے کے وقت کے چند حالات کا ذکر ہے اول یہ کہ سب ستارے بے نور ہو جائیں گے جس کی یہ صورت بھی ہو سکتی ہے کہ یہ سب بالکل فناء ہی ہو جاویں، یا یہ کہ موجود رہیں مگر ان کا نور سلب ہو جائے، اس طرح پوری دنیا ایک انتہائی سخت اندھیری میں غرق ہو جائے گی۔ دوسرا حال یہ بیان فرمایا کہ آسمان پھٹ جائیں گے۔ تیسرا یہ کہ پہاڑ روئی کے گالوں کی طرح اڑتے پھریں گے۔ چوتھا حال یہ بتلایا گیا وَ اِذَا الرُّسُلُ اُقْتُتْ، اُقْتُتْ، توقیت سے مشتق ہے جس کے اصلی معنی تعیین وقت اور تحدید وقت کے ہیں اور بقول زمخشری کبھی اسکے معنی کسی مقررہ وقت پر پہنچ جانے کے بھی آتے ہیں (دکما فی الروح) اس جگہ یہی دوسرے معنی مناسب ہیں اور معنی آیت کے یہ ہونگے کہ انبیاء و رسل کے لئے جو میعاد اور وقت مقرر کیا گیا تھا کہ اس میں اپنی اپنی امتوں کے معاملے میں شہادت کے لئے حاضر ہوں وہ اس میعاد کو پہنچ گئے اور اُن کی حاضری کا وقت آگیا۔ اسی لئے خلاصہ تفسیر مذکور میں اسکا ترجمہ انبیاء کے جمع کرنے کے ساتھ کیا گیا۔ آگے قیامت کے دن کے عظیم اور ہولناک ہونے کا بیان ہے کہ وہ فیصلہ کا دن ہے جس میں مکذبین اور کفار کے لئے تباہی بربادی کے سوا کچھ نہیں ہوگا۔

وَيَلٰٓئِکُمْ مِّنَ الْمَمٰٓئِیْنِ کے یہی معنی ہیں۔ ویل کے معنی ہلاکت و بربادی کے ہیں اور بعض روایات حدیث میں ہے کہ ویل جہنم کی ایک وادی کا نام ہے جس میں اہل جہنم کے زخموں کی پیسپ

جمع ہوگی یہ جگہ مکذبین کے رہنے کی قرار دی جاوے گی۔ اس کے بعد موجودہ لوگوں کو پچھلی امتوں کے حالات سے عبرت حاصل کرنے کے لئے فرمایا اَلَمْ نُهْلِكِ الْاَوَّلَیْنَ ۝ ثُمَّ نُنَبِّئُہُمْ الْاٰخِرَیْنَ یعنی کیا ہم نے پہلے لوگوں کو ان کے کفر و عناد کی وجہ سے ہلاک نہیں کر دیا۔ قوم عاد و ثمود اور قوم نوط قوم فرعون وغیرہ کی طرف اشارہ ہے اور ثُمَّ نُنَبِّئُہُمْ الْاٰخِرَیْنَ مشہور معروف قرارت کے مطابق سکون عین عطف ہے هَلَاکِ پر جس کے معنی یہ ہیں کیا ہم نے اولین کے بعد آخرین کو بھی انکے پیچھے ہلاک نہیں کر دیا، اس لئے آخرین سے مراد بھی پچھلی امتوں ہی کے آخرین ہوں گے جن کی ہلاکت نزولِ قرآن سے پہلے واقع ہو چکی ہے اور دوسری ایک قرارت میں نُنَبِّئُہُمْ بضم عین بھی آیا ہے اس قرارت پر یہ جملہ الگ ہے اور آخرین سے مراد امت محمدیہ کے کفار ہیں۔ پچھلی امتوں کی ہلاکت اور عذاب کی خبر دینے کے بعد موجودہ کفار اہل مکہ کو آئندہ ان پر آنے والے عذاب کی خبر دینا مقصود ہے جیسا کہ غزوہ بدر وغیرہ میں مسلمانوں کے ہاتھوں ان پر عذابِ ہلاکت نازل ہوا۔

فرق یہ ہے کہ پچھلی امتوں پر آسمانی عذاب آتا تھا جس سے پوری بستیاں تباہ ہو جاتی تھیں۔ امت محمدیہ کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے یہ اکرام خاص ہے کہ ان کے کفار پر آسمانی عذاب نہیں آتا بلکہ ان کا عذاب مسلمانوں کی تلوار سے آتا ہے جس میں ہلاکت عام نہیں ہوتی صرف بڑے سرکش مجرم ہی مارے جاتے ہیں۔

اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ مَنَ کَفَاتَاہٖ اَحْیَاءُ وَاَمْوَاتًا، یعنی ہم نے زمین کو کفایت بنایا ہے زندہ اور مردہ انسانوں کے لئے، کفایت، کفایت سے مشتق ہے جس کے معنی ملانے اور جمع کر لینے کے ہیں کفایت وہ چیز جو بہت سی چیزوں کو اپنے اندر جمع کرے۔ زمین کو حق تعالیٰ نے ایسا بنایا ہے کہ زندہ انسان اسکی پیٹ پر سوار ہیں اور مردے سب اسکے پیٹ میں جمع ہیں۔

اِنَّمَا تُرْوٰی بِشَرِّ رَکَاظٍ ۝ کَاثَرٌ یَّجْلَتْ صُفْرًا، قصر کے معنی بڑا عالیشان محل۔ اور جالہ یعنی جمل اونٹ کو کہا جاتا ہے۔ صُفْرًا، صفر کی جمع ہے جس کے معنی زرد کے ہیں۔ مراد آیت کی یہ ہے کہ اس جہنم کی آگ سے اتنے بڑے بڑے شرارے اٹھیں گے جو ایک مستقل محل عالیشان کی برابر ہوں گے پھر وہ متفرق ہو کر چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں تقسیم ہوں گے وہ ٹکڑے زرد اونٹوں کی برابر ہوں گے اور بعض حضرات نے اس جگہ صُفْرًا ترجمہ سیاہ کیا ہے کیونکہ زرد اونٹ کی زردی سیاہی مائل ہوتی ہے (روح)

هٰذَا یَوْمٌ لَا یَنْظُرُوْنَ ۝ وَلَا یُؤْذَنُ لَہُمْ فِیَعْتِنِ دُونَ، یعنی اس دن میں کوئی بول نہ سکے گا اور نہ کسی کو اپنے کئے ہوئے عمل کا عذر پیش کرنے کی اجازت ہوگی، اور دوسری آیات قرآن میں جو

۱۔ اس مقام پر حضرت مصنف رحمۃ اللہ علیہ سے تسامح ہوا ہے، کیونکہ مشہور معروف قرارت سکون عین کی نہیں ہے ضم عین کی ہے، جیسا کہ کتب قرارت دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے، سکون عین کی قرارت درحقیقت شاذ ہے محمد علیہ السلام

کفار کا بولنا اور عذر پیش کرنا مذکور ہے وہ اس کے منافی نہیں کیونکہ محشر میں مختلف مواقع اور مقامات آئیں گے کسی مقام میں کلام اور عذر پیش کرنا ممنوع ہوگا، کسی میں اجازت ہوگی۔ (روح)

كُلُّوْا وَتَمَتَّعُوْا قَلِيْلًا اِنَّكُمْ مُّجْرِمُوْنَ ، یعنی کھاؤ پیو اور آرام اٹھاؤ تھوڑے دن کیونکہ تم مجرم ہو، آخر کار سخت عذاب میں جانا ہے۔ یہ مکذبین کو خطاب ہے دنیا میں، انبیاء کے ذریعہ ان کو کہا گیا ہے کہ یہ تمہارا عیش و آرام چند روزہ ہے پھر عذاب ہی عذاب ہے (کذا فسرہ البو حیان)

وَ اِذَا قِيْلَ لَهُمْ اَرْكَعُوْا لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ، یہاں اکثر مفسرین کے نزدیک رکوع سے مراد اس کے لغوی معنی یعنی جھکنا اور اطاعت کرنا ہے مطلب یہ ہے کہ جب دنیا میں ان کو احکام الہیہ کی اطاعت کے لئے کہا جاتا تھا تو یہ اطاعت نہ کرتے تھے۔ اور بعض حضرات نے رکوع کے اصطلاحی معنی بھی مراد لئے ہیں اور مطلب آیت کا یہ ہے کہ جب ان کو نماز کی طرف بلایا جاتا تھا تو یہ نماز نہ پڑھتے تھے۔ رکوع بول کر پوری نماز مراد لی گئی ہے (روح)

قِيْلَ اَيَّ حَيْثُ بَعْدَكَ يُؤْمِنُوْنَ ، یعنی جب یہ لوگ قرآن جیسی عجیب غریب بلیغ اور حکمتوں سے پر واضح دلائل کی کتاب پر ایمان نہ لائے تو اس کے بعد اب کس بات پر ایمان لائیں گے مراد ان کے ایمان سے مایوسی کا اظہار ہے۔ حدیث میں ہے کہ جب تلاوت کرنے والا اس آیت پر پہنچے تو اسکو کہنا چاہیے اٰمَنَّا بِاللّٰهِ ، یعنی ہم اللہ پر ایمان لے آئے۔ نماز سے خارج میں اور نوافل میں یہ الفاظ کہنے چاہئیں مگر فرائض میں اور سنن میں اس زیادتی سے احتراز کرنا روایات حدیث سے ثابت ہے اس لئے اُس میں نہ کہا جائے ، واللہ اعلم

تَمَّتْ سُوْرَةُ الْمُرْسَلَاتِ بِحَمْدِ اللّٰهِ الْاَخِرِ يَوْمَ رَجَبِ ۱۴۱۱ھ وَ تَبَّ

تَعَالَى الْجَزُّ النَّاسِعُ وَالْعَشْرُونَ مِنَ الْقُرْآنِ اللّٰهِ الْمَوْفِقِ لِاَتْمَامِ الْبَاقِي



سُورَةُ النَّبَاِ

سُورَةُ النَّبَاِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ اَرْبَعُونَ اَيَاتٌ وَفِيهَا اَرْبَعُونَ رُكُوْعًا
سورة نبا سکہ میں نازل ہوئی اور اس کی چالیس آیتیں ہیں اور دو رکوع

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شرع اللہ کے نام سے جو بید مہربان نہایت رحم والا ہے

عَمَّ يَتَسَاءَلُونَ ۝۱ عَنِ النَّبَاِ الْعَظِيمِ ۝۲ الَّذِي هُمْ فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ۝۳

کیا بات پوچھتے ہیں لوگ آپس میں پوچھتے ہیں اس بڑی خبر سے جس میں وہ مختلف ہیں

كَلَّا سَيَعْلَمُونَ ۝۴ ثُمَّ كَلَّا سَيَعْلَمُونَ ۝۵ اَلَمْ نَجْعَلْ لَّارْضِ مِهْلًا ۝۶

ہرگز نہیں اب جان لیں گے پھر بھی ہرگز نہیں اب جان لیں گے کیا ہم نے نہیں بنایا زمین کو بچھونا

وَالْجِبَالِ اَوْتَادًا ۝۷ وَخَلَقْنٰكُمْ اَزْوَاجًا ۝۸ وَجَعَلْنَا نَوْمَكُمْ سُبَاتًا ۝۹ وَ

اور پہاڑوں کو سیڑھیاں اور تم کو بنایا ہم نے جوڑے جوڑے اور بنایا عند کو تمہاری تکان دینے کے لئے اور

جَعَلْنَا اللَّيْلَ لِبَاسًا ۝۱۰ وَجَعَلْنَا النَّهَارَ مَعَاشًا ۝۱۱ وَبَنَيْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعًا

بنایا رات کو اور ڈھنا اور بنایا دن کمائی کرنے کو اور چھپی ہم نے تم سے اوپر سات

سِدَادًا ۝۱۲ وَجَعَلْنَا سِرَاجًا وَهَّاجًا ۝۱۳ وَاَنْزَلْنَا مِنَ الْمُعْصِرَاتِ مَاءً

پیشانی مضبوط اور بنایا ایک چراغ چمکتا ہوا اور اتارا نچرنے والی بدلیوں سے پانی کا

ثَجًّا جَا ۝۱۴ لِّنُخْرِجَ بِهِ حَبًّا وَنَبَاتًا ۝۱۵ وَجَعَلْنَا اَلْفَاغًا ۝۱۶ اِنَّ يَوْمَ الْفَصْلِ

ریلا تاکہ ہم نکالیں اس سے اناج اور سبزہ اور باغ پتوں میں لپٹے ہوئے بیشک دن فیصلہ کا ہے

كَانَ مِيقَاتًا ۝۱۷ يَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّورِ فَتَأْتُونَ اَفْوَاجًا ۝۱۸ وَفُتِحَتْ

ایک وقت ٹھہرا ہوا جس دن پھونکی جائے صور پھر تم چلے آؤ جٹ کے جٹ اور کھولا جائے

السَّمَاوُ فَكَانَتْ اَبْوَابًا ۝۱۹ وَسُيِّرَتِ الْجِبَالُ فَكَانَتْ سَرَابًا ۝۲۰ اِنَّ جَهَنَّمَ

آسمان تو ہو جائیں اس میں دروازے اور چلائے جائیں گے پہاڑ تو ہو جائیں گے چمکتا رہتا بیشک دوزخ ہے

اُسکا اہتمام شان ظاہر کرنا ہے، آگے اُن کے اختلاف کا بے وجہ اور باطل ہونا بیان کیا گیا ہے کہ جیسا یہ لوگ سمجھتے ہیں کہ قیامت نہ آوے گی) ہرگز ایسا نہیں (بلکہ قیامت آوے گی اور) اُن کو ابھی معلوم ہوا جاتا ہے (یعنی جب دُنیا سے رخصت ہونے کے بعد اُن پر عذاب واقع ہوگا تب حقیقت اور حقیقت قیامت کی منکشف ہو جاوے گی اور ہم) پھر (مکرر کہتے ہیں کہ جیسا یہ لوگ سمجھتے ہیں کہ قیامت نہ آوے گی) ہرگز ایسا نہیں (بلکہ آوے گی اور) اُن کو ابھی معلوم ہوا جاتا ہے (اور چونکہ وہ لوگ اس کو مستبعد یا محال سمجھتے ہیں، آگے اسکے امکان اور وقوع کا بیان ہے کہ اس کو محال سمجھنے سے ہماری قدرت کا انکار لازم آتا ہے اور ہماری قدرت کا انکار نہایت عجیب ہے کیونکہ) کیا ہم نے زمین کو فشرش اور پہاڑوں کو (زمین کی) میخیں نہیں بنایا (یعنی مثل میخوں کے بنایا، جیسا کسی چیز میں میخیں لگا دینے سے وہ چیز اپنی جگہ سے نہیں ہلتی اسی طرح زمین کو پہاڑوں سے مستقر کر دیا اس کی تحقیق سورہ نحل میں گزر چکی ہے اور) اس کے علاوہ ہم نے اور بھی دلائل قدرت ظاہر فرمائے چنانچہ ہم ہی نے تم کو جوڑا جوڑا (یعنی مرد و عورت) بنایا اور ہم ہی نے تمہاری نیند کو راحت کی چیز بنایا اور ہم ہی نے رات کو پردہ کی چیز بنایا اور ہم ہی نے دن کو معاش کا وقت بنایا اور ہم ہی نے تمہارے اوپر سات مضبوط آسمان بنائے اور ہم ہی نے (آسمان میں) ایک روشن چراغ بنایا (مراد آفتاب ہے لقولہ تعالیٰ وَجَعَلَ الشَّمْسُ سِرَاجًا) اور ہم ہی نے پانی بھرے بادلوں سے بہت پانی برسایا تاکہ ہم اس پانی کے ذریعہ سے غلہ اور سبزی اور گنجان باغ پیدا کریں (اور ان سب سے ہمارا کمال قدرت ظاہر ہے پھر قیامت پر ہمارے قادر ہونے کا کیوں انکار کیا جاتا ہے۔ یہ بیان تھا امکان کا آگے وقوع کا ذکر کر کے) بیشک فیصلہ کا دن ایک معین وقت ہے یعنی جس دن صور پھونکا جاوے گا پھر تم لوگ گردہ گردہ ہو کر آؤ گے (یعنی ہر امت جدا جدا ہوگی، پھر نومن جدا، کافر جدا، پھر ابرار جدا، اشرار جدا، سب ایک دوسرے سے ممتاز ہو کر میدان قیامت میں حاضر ہونگے) اور آسمان کھل جاوے گا پھر اس میں دروازے ہی دروازے ہو جاویں گے (یعنی اس قدر بہت سا کھل جاوے گا جیسے بہت سے دروازے ملا کر بہت بڑی جگہ کھلی ہوتی ہے پس کلام مبنی ہے تشبیہ پر، اب یہ شبہ نہیں ہو سکتا کہ دروازے تو آسمان میں اب بھی ہیں پھر اس دن دروازے ہونے کے کیا معنی، اور یہ کھلنا نزول ملائکہ کے لئے ہوگا جیسے سورہ فرقان میں تَشْفِقُ السَّمَاءُ سے تعبیر فرمایا ہے اور اس کی شرح وہاں گزری ہے) اور پہاڑ (اپنی جگہ سے) ہٹا دیئے جائیں گے سودہ ریت کی طرح ہو جاویں گے (لقولہ تعالیٰ کَتَبْنَا فَهَيْلًا۔ اور یہ واقعات نفخہ ثانیہ کے وقت ہوں گے البتہ تسیر جبال میں یہاں بھی اور جہاں جہاں واقع ہوا ہے دونوں احتمال ہیں یا تو نفخہ ثانیہ کے بعد کہ اس سے عالم کی سب چیزیں اپنی ہیئت پر عود کر آویں گی، جب حساب کا وقت آوے گا پہاڑوں کو زمین کے برابر کر دیا جاوے گا تاکہ زمین پر کوئی آڑ پہاڑ نہ رہے سب ایک ہی میدان میں نظر آویں، اور یا یہ نفخہ اولیٰ کا وقت ہوگا جس سے خود فنا کرنا مقصود بالذات ہوگا، پھر اس تقدیر پر یوم کو ان سب واقعات کا ظرف فرمانا اس بنا پر ہوگا کہ نفخہ اولیٰ سے نفخہ ثانیہ تک کا مجموعہ ایک یوم قرار دے لیا گیا اور اللہ اعلم

آگے اس یومِ انفصل میں جو فیصلہ ہوگا اسکا بیان ہے (یعنی) بیشک دوزخ ایک گھات کی جگہ ہے (یعنی عذاب کے فرشتے انتظار اور تاک میں ہیں کہ کافر آویں تو ان کو پکڑتے ہی عذاب دینے لگیں اور وہ) سرکشوں کا ٹھکانا (ہے) جس میں وہ بے انتہار زمانوں (پڑے) رہیں گے (اور) اس میں نہ تو وہ کسی ٹھنڈک (یعنی راحت) کا مزہ چکھیں گے (اس سے زہر یعنی سخت سردی کی نفی نہیں ہوئی) اور نہ پینے کی چیز کا (جس سے پیاس بجھے) بجز گرم پانی اور پیپ کے یہ (ان کو) پورا بدلہ ملیگا (اور وہ اعمال جن کا یہ بدلہ ہے یہ ہیں کہ) وہ لوگ حساب (قیامت) کا اندیشہ نہ رکھتے تھے اور ہماری (اُن) آیتوں کو (جن میں حساب و دیگر امور حقہ کی خبر تھی) خوب جھٹلاتے تھے اور ہم نے (اُن کے اعمال میں سے) ہر چیز کو (انکے نامہ اعمال میں) لکھ کر محفوظ کر رکھا ہے سو (ان اعمال پر ان کو مطلع کر کے کہا جادے گا کہ اب اُن اعمال کا) مزہ چکھو کہ ہم تم کو سزا ہی بڑھاتے چلے جائیگے (یہ تو کافروں کا فیصلہ ہوا آگے اہل ایمان کا فیصلہ مذکور ہے کہ) خدا سے ڈرنے والوں کے لئے بیشک کامیابی ہو (یعنی) (کھانے اور سیر کو) بلغ (جن میں طرح طرح کے میوے ہونگے) اور انگور (یہ تخصیص بعد از تعمیم اہتمام شان کیلئے ہے) اور (دل بہلانے کو) نوخاستہ ہم عمر عورتیں ہیں اور (پینے کو) لبالب بھرے ہوئے جام شراب (اور) وہاں نہ کوئی بہودہ بات سنیں گے اور نہ جھوٹ (کیونکہ یہ باتیں وہاں محض معدوم ہیں) یہ (ان کو اُن کی نیکیوں کا) بدلہ ملے گا جو کہ کافی انعام ہوگا آپ کے رب کی طرف سے جو مالک ہے آسمانوں اور زمین کا اور اُن چیزوں کا جو دونوں کے درمیان میں ہیں (اور جو) رحمان ہے (اور) کسی کو اس کی طرف سے (مستقل) اختیار نہ ہوگا کہ (اُس کے سامنے) عرض معروض کر سکے جس روز تمام ذی اروح اور فرشتے (خدا کے روبرو) صف بستہ (خشوع و خضوع کے ساتھ) کھڑے ہونگے (اُس روز) کوئی بول نہ سکے گا بجز اسکے جسکو رحمان (بولنے کی) اجازت دیدے اور وہ شخص بات بھی ٹھیک کہے (ٹھیک بات سے مراد وہ بات جس کی اجازت دی گئی ہے یعنی بولنا بھی محدود و مقید ہوگا یہ نہیں کہ جو چاہے بولنے لگے اور مستقل اختیار سے اوپر ہی مراد ہے، آگے اوپر کے تمام مضامین کا خلاصہ ہے کہ) یہ (دن جسکا اوپر ذکر ہوا) یقینی دن ہے سو جسکا جی چاہے (اسکے حالات منکر) اپنے رب کے پاس (اپنا) ٹھکانا بنا رکھے (یعنی نیک عمل کرے کہ وہاں نیک ٹھکانا ملے، آگے اتمام حجت ہے کہ لوگو) ہم نے تم کو ایک نزدیک آنے والے عذاب سے ڈرا دیا ہے (جو کہ ایسے دن میں واقع ہونے والا ہے) جس دن ہر شخص ان اعمال کو (اپنے سامنے حاضر) دیکھ لے گا جو اُس نے اپنے ہاتھوں کئے ہوں گے اور کافر (حسرت سے) کہے گا کہ کاش میں مٹی ہو جاتا (تاکہ عذاب سے بچتا، اور یہ اُس وقت کہے گا جب چوپائے جانور مٹی کر دیے جاویں گے، رواہ فی الدرر عن ابی ہریرۃ ر)۔

معارف و مسائل

عَمَّ يَتَسَاءَلُونَ لفظ عَمَّ دو حرفوں سے مرکب عن اور ما حرف ما استفہام کے لئے آتا ہے۔

اس ترکیب میں حرف ما میں سے الف ساقط کر دیا گیا ہے معنی یہ ہوئے کہ یہ لوگ کس چیز میں باہمی سوال جواب کر رہے ہیں، پھر خود ہی اسکا جواب دیا گیا **عَنِ النَّبِيِّ الْعَظِيمِ الَّذِي هُمْ فِيهِ مُخْتَلِفُونَ**، لفظ نَبَاء کے معنی خبر کے ہیں مگر ہر خبر کو نَبَا نہیں بلکہ جب کوئی عظیم الشان خبر ہو اُس کو نَبَا کہا جاتا ہے مراد اس انبا یعنی خبر عظیم الشان سے قیامت ہے اور معنی آیت کے یہ ہیں کہ یہ لوگ اہل مکہ اس عظیم الشان خبر یعنی قیامت کے بارے میں بحث اور سوال جواب کر رہے ہیں جس میں انکے آپس میں اختلاف ہو رہا ہے۔

حضرت ابن عباسؓ سے منقول ہے کہ جب قرآن کریم نازل ہونا شروع ہوا تو کفار مکہ اپنی مجلسوں میں بیٹھ کر اسکے متعلق رائے زنی اور چہ میگوئیاں کیا کرتے تھے۔ قرآن میں نیا کاذب ذکر اہمیت کیساتھ آیا ہے اور انکے نزدیک گویا یہ محال چیز تھی اسلئے اسینگفتگو بکثرت چلتی تھی، کوئی تصدیق کرتا کوئی انکار، اسلئے اس سورت کے شروع میں انکا یہ حال ذکر کر کے آگے قیامت کا واقع ہونا مذکور ہے اور اُن کے نزدیک جو اسکے واقع ہونے میں اشکال اور استبعاد تھا اسکا جواب دیا گیا۔ اور بعض حضرات مفسرین نے فرمایا کہ یہ سوال جواب کوئی واقعی تحقیق کیلئے نہیں تھا بلکہ محض استہزاء و تمسخر کے لئے تھا واللہ اعلم، قرآن کریم نے انکے جواب میں ایک ہی جملہ کو تاکید کے لئے دو مرتبہ فرمایا **كَلَّا سَيَعْلَمُونَ** کَلَّا کے معنی ہیں ہرگز نہیں، مراد یہ ہے کہ یہ سوال و جواب اور بحث و تحقیق سے سمجھ میں آنے والی چیز نہیں، وہ تو جب سامنے آئے گی اُس وقت حقیقت معلوم ہوگی۔ یہ ایک ایسی یقینی چیز ہے جس میں بحث و سوال اور انکار کی کوئی گنجائش نہیں۔ پھر فرمایا کہ اس کی حقیقت خود ان لوگوں پر عنقریب واضح ہو جائے گی یعنی مرنے کے بعد ان کو دوسرے عالم کی چیزوں کا انکشاف ہوگا اور وہاں کے ہولناک مناظر کو آنکھوں سے دیکھ لیں گے اسوقت حقیقت کھل جائے گی۔ اسکے بعد حق تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ اور حکمت و صنعت کے چند مناظر کا ذکر فرمایا ہے جن سے واضح ہو جاتا ہے کہ حق تعالیٰ کی قدرت کاملہ سے یہ کوئی بعید نہیں کہ وہ اس سارے عالم کو ایک مرتبہ فنا کر کے دوبارہ پھر ویسا ہی پیدا کر دے، اس میں زمین اور اس کے پہاڑوں کی تخلیق پھر انسان کی تخلیق مرد و عورت کے جوڑے کی صورت میں بیان فرمائی پھر انسان کی راحت اور صحت اور کاروبار کے لئے سازگار حالات پیدا کرنے کا ذکر فرمایا، اس میں ایک یہ ارشاد ہے **جَعَلْنَا نَوْمَكُمْ سُبَاتًا**، سُبَات سبت سے مشتق ہے جس کے معنی موڈنے اور قطع کرنے کے ہیں، نیند کو حق تعالیٰ نے ایسی چیز بنایا ہے کہ وہ انسان کے تمام ہجوم و غم اور افکار کو قطع کر کے اسکے قلب کو دماغ کو ایسی راحت دیتی ہے کہ دنیا کی کوئی راحت اسکا بدل نہیں ہو سکتی، اسی لئے سُبَات کا ترجمہ بعض حضرات نے راحت سے بھی کیا ہے۔

نیند بہت بڑی نعمت ہے یہاں حق تعالیٰ نے انسان کو جوڑے جوڑے بنانے کا ذکر فرمانے کے بعد اس کی راحت کے سب سامانوں میں سے خاص طور پر نیند کا ذکر فرمایا ہے۔ غور کیجئے تو یہ ایک ایسی عظیم الشان نعمت ہے کہ انسان کی ساری راحتوں کا مدار یہی ہے اور اس نعمت کو حق تعالیٰ نے پوری مخلوق کے لئے عام ایسا فرما دیا ہے کہ امیر، غریب، عالم، جاہل، بادشاہ اور مزدور سب کو یہ دولت یکساں سبک وقت عطا ہوتی ہے، بلکہ

دُنیا کے حالات کا تجربہ کریں تو غریبوں اور محنت کشوں کو یہ نعمت جیسی حاصل ہوتی ہے وہ مالداروں اور دُنیا کے بڑوں کو نصیب نہیں ہوتی، اُن کے پاس راحت کے سامان، راحت کا مکان، ہوا اور سردی گرمی کے اعتدال کی جگہ، نرم گدے تکیے سب کچھ ہوتے ہیں جو غریبوں کو بہت کم ملتے ہیں مگر نیند کی نعمت ان گدوں تکیوں یا کوشی بنگلوں کی فضا کے تابع نہیں، وہ تو حق تعالیٰ کی ایک نعمت ہے جو براہِ راست اُس کی طرف سے ملتی ہے بعض اوقات مفلس بے سامان کو بغیر کسی بستر تکیے کے کھلی زمین پر یہ نعمت فراوانی سے دیدی جاتی ہے اور بعض اوقات ساز و سامان والوں کو نہیں دی جاتی، اُن کو خواب آور گولیاں کھا کر حاصل ہوتی ہے اور بعض اوقات وہ گولیاں بھی کام نہیں کرتیں، پھر غور کرو کہ اس نعمت کو حق تعالیٰ نے جیسا ساری مخلوق انسان اور جانور کے لئے عام فرمایا ہے اور مفت بلا محنت سب کو دیا ہے اس سے بڑی نعمت یہ ہے کہ صرف مفت بلا محنت ہی نہیں بلکہ اپنی رحمتِ کاملہ سے اس نعمت کو جبری بنا دیا ہے کہ انسان بعض اوقات کام کی کثرت سے مجبور ہو کر چاہتا ہے کہ رات بھر جاگتا ہی رہے مگر رحمتِ حق جل شانہ اس پر جبراً نیند مسلط کر کے اس کو سلا دیتی ہے کہ دن بھر کا لگان دُور ہو جائے اور اُس کے قوی مزید کام کے لئے تیز ہو جائیں، آگے اسی نیند کی عظیم نعمت کا تذکرہ یہ بیان فرمایا کہ وَجَعَلْنَا الْبَيْتَ لِبَاسًا، یعنی رات کو ہم نے چھپانے کی چیز بنا دیا، اشارہ اس طرف ہے کہ انسان کو فطرۃً نیند اُس وقت آتی ہے جب روشنی زیادہ نہ ہو، ہر طرف سکون ہو، شور و غلب نہ ہو۔ حق تعالیٰ نے رات کو لباس یعنی اوڑھنے اور چھپانے کی چیز فرما کر اشارہ کر دیا کہ قدرت نے تمہیں صرف نیند کی کیفیت ہی عطا نہیں فرمائی بلکہ سارے عالم میں ایسے حالات پیدا کر دیئے جو نیند کے لئے سازگار ہوں۔ اَوّل رات کی تاریکی، دوسرے پورے عالم انسان اور جانور سب پر بیک وقت نیند کا مسلط ہونا کہ جب بھی سو جائیں گے تو پورے عالم میں سکون ہوگا ورنہ دوسرے کاموں کی طرح اگر نیند کے اوقات بھی مختلف لوگوں کے مختلف ہوا کرتے تو کسی کو بھی نیند کے وقت سکون میسر نہ آتا۔

اس کے بعد ارشاد فرمایا، وَجَعَلْنَا النَّهَارَ مَعَاشًا کہ انسان کی راحت و سکون کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ اس کو غذا وغیرہ کی ضروریات ملیں ورنہ وہ نیند موت ہو جائے گی۔ اگر ہمہ وقت رات ہی رہتی اور آدمی سوتا ہی رہتا تو یہ چیزیں کیسے حاصل ہوتیں، ان کے لئے جدوجہد اور محنت اور دُور دھوپ کی ضرورت ہے جو روشنی میں ہو سکتی ہیں اس لئے فرمایا کہ تمہاری راحت کو مکمل کرنے کے لئے ہم نے صرف رات اور ان کی تاریکی ہی نہیں بنائی بلکہ ایک روشن دن بھی دیا جس میں تم کا روزگار کر کے اپنی معاشی ضروریات حاصل کر سکو، فقبارک اللہ احسن الخالقین، اس کے بعد انسان کی راحت کے اس سامان کا ذکر ہے جو آسمان سے متعلق ہیں اُن میں سب سے بڑی نفع بخش چیز آفتاب کی روشنی ہے اس کا ذکر فرمایا وَجَعَلْنَا سِرَاجًا وَهَّاجًا یعنی ہم نے آفتاب کو ایک روشن بھڑکنے والا چراغ بنا دیا، پھر آسمان کے نیچے جو چیزیں انسان کی راحت کے لئے پیدا فرمائیں اُن میں سب سے زیادہ ضرورت کی چیز پانی برسانے والے بادل ہیں اس کا ذکر فرمایا

وَاَنْزَلْنَا مِنَ الْمُعْصِرَاتِ مَاءً ثَجَّاجًا، مُعْصِرَاتِ کی جمع ہے جو پانی سے بھرے ہوئے ایسے بادل کو کہا جاتا ہے جو برسنے ہی والا ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ بارش بادلوں سے نازل ہوتی ہے اور جن آیات میں آسمان سے نازل ہونے کا ذکر ہے یا تو ان میں بھی آسمان سے مراد فضائے آسمانی ہو جیسے کہ قرآن میں بکثرت لفظ سماء اس معنی کے لئے آیا ہے اور یہ یہ کہا جائے کہ کسی وقت براہ راست آسمان سے بھی بارش آسکتی ہے اس کے انکار کی کوئی وجہ نہیں، ان تمام صنائع قدرت اور انعامات ربانی کا ذکر فرمانے کے بعد پھر اصل مضمون قیامت کی طرف رجوع ہے۔

اِنَّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ كَانَ مِيقَاتًا، یعنی فیصلہ کا دن جس سے مراد قیامت ہے وہ ایک موقت اور متعین حد ہے جس پر یہ دنیا ختم ہو جائے گی جبکہ صور ٹھونکا جائے گا، اور دوسری آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ نفع صور دو مرتبہ ہوگا، پہلے نفع سے سارا عالم فنا ہو جائے گا، دوسرے نفع سے پھر زندہ و قائم ہو جائیگا، اس دوسرے نفع کے وقت سارے عالم کے اگلے پچھلے انسان اپنے رب کے سامنے فوج در فوج ہو کر حاضر ہونگے۔ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لوگ قیامت کے روز تین فوجوں میں تقسیم ہوں گے، ایک فوج ان لوگوں کی ہوگی جو پیٹ بھرے ہوئے لباس پہنے ہوئے سوار یوں پر سوار میدانِ حشر میں آئیں گے، دوسری فوج پیادہ لوگوں کی ہوگی جو چل کر میدان میں آئیں گے، تیسری فوج ان لوگوں کی ہوگی جن کو چہروں کے بل گھسیٹ کر میدانِ حشر میں لایا جائے گا (منظری برادیت نسائی و حاکم و بیہقی) بعض روایات میں افواج کی تشریح دس قسم کی افواج سے کی گئی ہے اور بعض حضرات نے فرمایا کہ حاضرینِ حشر کی بیشمار جماعتیں اپنے اپنے اعمال و کردار کے اعتبار سے ہونگی، ان اقوال میں کوئی تضاد نہیں، سب جمع ہو سکتے ہیں۔

وَسَيَكُنَّ الْجِبَالُ فَكَاتٍ سُورًا، سَيَكُنَّ سے مراد یہ ہے کہ پہاڑ جو آج ثبات و قرار میں بطور مثال کے پیش کئے جاتے ہیں یہ سب اپنی اپنی جگہوں کو چھوڑ کر ریزہ ریزہ ہو کر اڑتے پھرنے لگیں گے، سراب کے لفظی معنی ذہاب یعنی چلے جانیکے ہیں، جنگل کا وہ ریت جو دور سے چمکتا ہوا پانی کی صورت میں نظر آتا ہے اسکو بھی سراب اسی بنا پر کہتے ہیں کہ وہ قریب پہنچتے ہی نظر سے جاتا رہتا ہے (کذا فی الصحاح و الراغب)

اِنَّ جَهَنَّمَ كَانَتْ مِرْصَادًا، مِرْصَاد، وہ جگہ جہاں بیٹھ کر کسی کی نگرانی یا انتظار کیا جائے، جہنم سے مراد اس جگہ جہنم یعنی پل صراط ہے۔ یہاں ثواب دینے والے اور عذاب دینے والے دونوں فرشتے انتظار کرتے ہوں گے اہل جہنم کو عذاب کے فرشتے پکڑ لیں گے اور اہل جنت کے ساتھ ثواب کے فرشتے ان کو ان کے مقام پر پہنچا دیں گے (منظری)

حضرت حسن بصری ؓ نے فرمایا کہ جہنم کے پل پر نگراں فرشتوں کی چوکی ہوگی جس کے پاس جنت میں جانیسا پروانہ ہوگا، اسکو گزرنے دیا جائیگا جس کے پاس نہ ہوگا اسکو روک لیا جائے گا (قرطبی)

لِلطَّٰغِيْنَ مَا يَأْتِي، ظاہر یہ ہے کہ لِلطَّٰغِيْنَ، مَا يَأْتِي کے متعلق ہے اور یہ اِنْ جَعَلْتُمْ كَآثَکُمْ کی دوسری خبر ہے، اس طرح معنی دونوں جملوں کے یہ ہوئے کہ جس جَعَلْتُمْ تو ہر نیک و بد کے لئے انتظار گاہ ہے بھی کو اس کے اوپر سے گزرنا ہے اور جہنم طاعین کے لئے مستقر اور ٹھکانا ہے۔ طاعین طاعی کی جمع ہے طغیان سے شق ہے جس کے معنی ہیں سرکشی اور طاعی اس شخص کو کہا جاتا ہے جو سرکشی اور نافرمانی میں حد سے گزر جائے اور یہ بھی ہو سکتا ہے جبکہ وہ ایمان کے نکل جائے اسلئے طاعین سے مراد اس جگہ کفار ہونگے اور یہ بھی احتمال ہے کہ اس سے مراد وہ بد عقیدہ گمراہ مسلمانوں کے فرقے ہوں جو قرآن و سنت کی حدود سے نکلے ہوئے ہیں اگرچہ صراحۃً کفر اختیار نہیں کیا جیسے روافض، خوارج، معتزلہ وغیرہ (کما فی المظہری)

لَبِثْتُمْ فِيْهَا اَحْقَابًا، لَا يَبْتَئِنُّ، لَابَث کی جمع ہے جس کے معنی ٹھہرنے والے اور قیام کرنے والے کے ہیں، اَحْقَابٌ حقبہ کی جمع ہے، زمانہ دراز کو حقبہ کہا جاتا ہے، اس کی مقدار میں اقوال مختلف ہیں۔ ابن جریر نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے اس کی مقدار آٹھ سال نقل کی اور ہر سال بارہ مہینے کا اور ہر مہینہ تیس دن کا اور ہر دن ایک ہزار سال کا۔ اس طرح تقریباً دو کروڑ اٹھاسی لاکھ سال کا ایک حقبہ۔ اور حضرت ابو ہریرہؓ، عبد اللہ بن عمر، ابن عباس وغیرہ نے مقدار حقبہ انہی کے بجائے ستر سال قرار دی باقی حساب وہی ہے (ابن کثیر) مگر مسند بزار میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مرفوعاً یہ منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ،

لَا يَخْرُجُ أَحَدٌ مِّنَ النَّارِ حَتَّى يَمُوتَ فِيْهِ اَحْقَابًا وَالْحَقْبُ بَعْضُ وِثْمَانٍ سَنَةٍ كُلِّ سَنَةٍ ثَلَاثَاثَةٌ وَسِتُّونَ يَوْمًا مِّمَّا تَعْدُوْنَ

(از مظہری)

تم میں سے جو لوگ گناہوں کی سزا میں جہنم میں ڈالے جائیں گے کوئی اس وقت تک جہنم سے نہ نکلے گا جب تک میں چند اَحْقَاب نہ لے اور حقبہ کچھ اور آٹھ سال کا، اور ہر سال تین سو ساٹھ دن کا ہمارے موجودہ دنوں کے مطابق۔

اس حدیث میں اگرچہ اس آیت مذکورہ کی تفسیر مذکور نہیں ہے مگر بہر حال لفظ اَحْقَاب کے معنی کا بیان ہر چند صحابہ کرام سے جو اس میں ہر دن ایک ہزار سال کا منقول ہے اگر وہ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہوا ہے تو روایات حدیث میں تعارض ہوا، اس تعارض کے وقت کسی ایک پر جزم و یقین تو نہیں ہو سکتا مگر اتنی بات دونوں ہی روایتوں میں مشترک ہے کہ حقبہ یا حقبہ بہت ہی زیادہ طویل زمانے کا نام ہے اسی لئے بیضاوی نے اَحْقَاب کی تفسیر و حور متابعہ سے کی ہے یعنی پے درپے بہت سے زمانے۔

جہنم کے غلو اور دوام پر اشکال و جواب | حقبہ کی مقدار کتنی بھی طویل سے طویل قرار دی جائے بہر حال وہ متناہی اور محدود ہے۔ اس سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ اس مدت طویلہ کے بعد کفار اہل جہنم بھی جہنم سے نکل جاویں گے حالانکہ یہ قرآن مجید کی دوسری واضح نصوص کے خلاف ہے جن میں خُلِدْنَ فِيْهَا اَبَدًا کے الفاظ آئے ہیں اور اسی لئے اُمت کا اس پر اجماع ہے کہ نہ جہنم بھی فنا ہوگی، نہ کفار کبھی اس سے نکالے جائیں گے۔

سُدی نے حضرت عمرؓ بن عبداللہ سے نقل کیا ہے کہ کفار اہل جہنم کو اگر یہ خبر دی جائے کہ اُن کا قیام جہنم

میں دنیا بھر میں جتنی کنکریاں تھیں انکی برابر ہوگا تو وہ اس پر بھی خوش ہوں گے کہ بالآخر یہ کنکریاں اربوں کھربوں کی تعداد میں بھی پھر بھی محدود اور مقنا ہی تو ہیں، بہر حال کبھی نہ کبھی اس عذاب سے چھٹکارا ہو جائے گا اور اگر اہل جنت کو یہی خبر دی جائے کہ ان کا قیام جنت میں دنیا بھر کی کنکریوں کے عد کے مطابق سالوں ہی کا تو وہ انگلیں ہونگے کہ کتنی ہی مدت دراز سہی مگر بہر حال اس مدت کے بعد جنت سے نکال دیے جاویں گے (منظہری)

بہر حال اس آیت میں احتساب کے لفظ سے جو یہ مفہوم ہوتا ہے کہ چند احتساب کے بعد کفار اہل جہنم بھی جہنم سے نکال لئے جا دیں گے، تمام انصوص اور اجارعت امت کی خلاف ہونے کی بنا پر یہ مفہوم معتبر نہیں ہوگا کیونکہ اس آیت میں اس کی تصریح تو ہے نہیں کہ احتساب کے بعد کیا ہوگا صرف اتنا ذکر ہے مدت احتساب ان کو جہنم میں رہنا پڑیگا، اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ احتساب کے بعد جہنم نہیں رہے گا یا یہ لوگ اس سے نکال لئے جا دیں گے۔ اسی لئے حضرت حسنؓ نے اس کی تفسیر میں فرمایا کہ اس آیت میں حق تعالیٰ نے اہل جہنم کے لئے جہنم کی کوئی میعاد اور مدت مقرر نہیں فرمائی جس کے بعد ان کا اس سے نکل جانا سمجھا جائے بلکہ مراد یہ ہے کہ جب ایک حقہ زمانے کا گزر جائیگا تو دوسرا شروع ہو جائیگا، اسی طرح دوسرے کے بعد تیسرا چوتھا یہاں تک کہ ابد الابد یہی سلسلہ رہے گا، اور سعید بن جبیرؓ نے قتادہ سے بھی یہی تفسیر روایت کی ہے کہ احتساب سے مراد وہ زمانہ ہے جس کا انقطاع اور انتہا نہیں بلکہ ایک حقہ ختم ہوگا تو دوسرا حقہ آجائے گا اور یہی سلسلہ ابد تک ہیگا (ابن کثیرؒ منظہری) اور یہاں ایک دوسرا احتمال اور بھی ہے جس کو ابن کثیرؒ نے محتمل کے لفظ سے بیان کیا ہے اور قسریؒ نے فرمایا کہ یہ بات بھی ممکن ہے اور منظہریؒ نے اسی کو اختیار کیا ہے وہ احتمال یہ ہے کہ اس آیت میں لفظ طاعین سے مراد کفار نہ لئے جا دیں بلکہ وہ اہل توحید جو عقائد باطلہ کے سبب اسلام کے گمراہ فرقوں میں شمار ہوتے ہیں جن کو محدثین کی اصطلاح میں اہل اہوار کہا جاتا ہے وہ مراد ہوں تو آیت کا حاصل یہ ہوگا کہ ایسے اہل توحید کلمہ گو جو عقائد باطلہ رکھنے کے سبب کفر کی حدود تک پہنچے ہوئے تھے مگر صریح کافر نہ تھے وہ مدت احتساب جہنم میں رہنے کے بعد بالآخر کلمہ توحید کی بدولت جہنم سے نکال لئے جا دیں گے۔

منظہریؒ نے اس احتمال کی تائید میں وہ حدیث مرفوع بھی پیش کی جو ابوہریرہؓ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے بحوالہ مسند بزار نقل ہو چکی ہے جس میں آپؐ نے یہی بیان فرمایا ہے کہ مدت احتساب گزرنے کے بعد یہ لوگ جہنم سے نکال لئے جا دیں گے مگر ابو حیان نے فرمایا کہ بعد کی آیات اِنَّهُمْ كَانُوا لَا يَرْجُونَ حِسَابًا وَكَانُوا يَلْبِسُونَ كَذٰبًا اس احتمال کے منافی ہیں کہ طاعین سے مراد اس جگہ اہل توحید اور گمراہ فرقے ہوں کیونکہ ان آخری آیات میں قیامت کے انکار اور تکذیبِ رسل کی تصریح ہے اسی طرح ابو حیان نے مقاتل کے اس قول کو بھی فاسد قرار دیا ہے کہ اس آیت کو منسوخ مانا جائے۔

اور ایک جماعت مفسرین نے ایک تیسرا احتمال اس آیت کی تفسیر میں یہ قرار دیا ہے کہ اس آیت کے بعد کا جملہ لَا يَنْدَرُونَ فِيْهَا بَرْدًا وَلَا شَرًّا بَلْ اَصْحَابُهَا عَسَاقَا، یہ احتساباً سے جملہ حالیہ ہوا اور معنی آیت

کے یہ ہوں کہ احتساب کے زمانہ دراز تک یہ لوگ نہ ٹھنڈی لذیذ ہوا کا ذائقہ چکھیں گے نہ کسی کھانے اور پینے کی چیز کا بجز حمیم اور غشاق، پھر احتساب گزرنے کے بعد ہو سکتا ہے کہ یہ حال بدل جائے اور دوسری اقسام کے عذاب ہونے لگیں حمیم وہ کھوتا ہوا گرم پانی ہے کہ جب چہرہ کے قریب بیگا تو اس کا گوشت جل جائیگا اور جب پیٹ میں آجائیگا تو اندرونی اعضا کے ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں گے اور غشاق وہ خون اور پیپ وغیرہ جو اہل جہنم کے زخموں سے نکلے گی۔

جَزَاءٌ وَّ فَاقًا، یعنی جو سزا ان کو جہنم میں دی جائے گی وہ ان کے عقائد باطلہ اور اعمال سیئہ کی مطابق ہوگی اڑوئے عدل و انصاف اس میں کوئی زیادتی نہ ہوگی فَنُؤْفِكُوْا فَالْكَفُوْا لَكُمْ لَئِيْذٌ كَثِيْرٌ اَلَا عَذَابًا، یعنی جس طرح تم دنیا میں اپنے کفر و انکار میں زیادتی ہی کرتے چلے گئے اور اگر جبراً تمہیں موت نہ آجاتی تو اور بڑھتے ہی رہتے اسی طرح آج اُس کی جزا یہ ہے کہ تمہارا عذاب بڑھتا ہی چلا جائے یہاں تک کفار و فجار کی سزا کا بیان تھا آگے اسکے بالمقابل مومنین متقیین کے ثواب اور نعمائے جنت کا تذکرہ ہے۔ ان نعمتوں کا ذکر فرمانے کے بعد ارشاد فرمایا۔

جَزَاءُ قٰلٍ رَّحِيْمٍ عَطَاءٌ حَسَبًا، یعنی اوپر جنت کی جن نعمتوں کا ذکر آیا ہے یہ جزا ہے مومنین کے لئے اور عطا ہے اُن کے رب کی طرف سے عطائے کثیر۔ یہاں ان نعمتوں کو اول جزائے اعمال بتلایا پھر عطائے ربانی، بظاہر ان دونوں میں تضاد ہے کیونکہ جزا اُس چیز کو کہا جاتا ہے جو کسی چیز کے بدلے میں ہو اور عطا وہ ہے جو بلا کسی بدلے کے بطور انعام و احسان ہو۔ قرآن کریم نے ان دونوں لفظوں کو یکجا جمع کر کے اس طرف اشارہ کر دیا کہ جنت میں داخل ہونا اور اس کی نعمتیں صرف صورت اور ظاہر کے اعتبار سے تو اہل جنت کے اعمال کی جزا ہے لیکن حقیقت کے اعتبار سے وہ خالص عطائے ربانی ہے کیونکہ انسانی اعمال تو ان نعمتوں کا بھی بدلہ نہیں بن سکتے جو ان کو دنیا میں دیدی گئی ہیں آخرت کی نعمتوں کا حصول تو صرف حق تعالیٰ کا فضل و انعام اور عطائے محض ہے جیسا کہ حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ کوئی شخص اپنے عمل سے جنت میں نہیں جاسکتا جب تک حق تعالیٰ کا فضل نہ ہو صحابہ کرام نے عرض کیا کہ کیا آپ بھی، آپ نے فرمایا کہ ہاں میں بھی اپنے عمل سے جنت میں نہیں جاسکتا، اور لفظ حسابا کے دو معنے ہو سکتے ہیں، ائمہ تفسیر میں بعض نے پہلے بعض نے دوسرے معنے لئے ہیں پہلے معنی حساباً عطاء کا فیہا کثیرا کے ہیں یعنی ایسی عطا جو اس کی تمام ضرورتوں کے لئے کافی وافی اور کثیر ہو، یہ معنی اس محاورہ سے ماخوذ ہیں اَحْسَبْتُ فَلَا تَاٰی اَعْطَيْتُهُ فَاَيُّ كَيْفِيَّةٍ حَتّٰی قَالَ حَسْبِيْ يٰعْنٰی اَحْسَبْتُ کا لفظ اس معنے کے لئے آتا ہے کہ میں نے اس کو اتنا دیا کہ اُس کے لئے بالکل کافی ہو گیا یہاں تک کہ بول اُٹھا حَسْبِيْ یعنی بس میرے لئے بہت ہے۔ اور دوسرے معنے حساب کے موازنہ اور مقابلے کے بھی آتے ہیں۔ حضرت مجاہد نے اس جگہ ہی معنی لے کر مطلب آیت کا یہ قرار دیا کہ یہ عطائے ربانی اہل جنت پر ان کے اعمال کے حساب سے مبذول ہوگی، اس عطا میں رجا بحساب اخلاص اور احسان عمل کے ہونگے جیسا کہ احادیث صحیحہ میں صحابہ کرام کے اعمال کا درجہ باقی امت کے اعمال کے مقابلے میں یہ قرار دیا ہے کہ صحابی اگر اللہ کی راہ میں ایک مدخر خرچ کرے جو تقریباً ایک سیر ہوتا ہے، اور غیر صحابی اُحد پہاڑ کی برابر خرچ کرے تو صحابی کا ایک مداس پہاڑ سے بڑھا ہوا رہے گا۔ واللہ اعلم

لَا يَمْلِكُونَ مِنْهُ خِطَابًا، اس جملہ کا تعلق پہلے جملے جزاء سے ہے، رَبِّكَ عَطَاءٌ حَسَبًا سے بھی ہو سکتا ہے تو معنی یہ ہونگے کہ حق تعالیٰ جس کو جو درجہ ثواب کا عطا فرمادیں گے اُس میں کسی کو گفتگو کرنے کی مجال نہ ہوگی کہ فلاں کو زیادہ فلاں کو کم کیوں دیا گیا، اور اگر اس کو علیحدہ جملہ قرار دیا جائے تو مطلب یہ ہوگا کہ محشر میں کسی کو بغیر اجازت حق تعالیٰ خطاب کرنے کا اختیار نہ ہوگا اور یہ اجازت بعض موافق حشر میں ہوگی بعض میں نہ ہوگی۔

يَوْمَ يَقُومُ الرُّوحُ وَالْمَلَائِكَةُ صَفًّا، روح سے مراد بعض ائمہ تفسیر کے نزدیک جبریل امین ہیں، ان کا ذکر عام ملائکہ سے پہلے انکی عظمت شان کے اظہار کے لئے ہے۔ اور بعض روایات مرفوعہ میں ہے کہ روح اللہ تعالیٰ کا ایک عظیم الشان لشکر ہے جو فرشتے نہیں، ان کے سر اور ہاتھ پاؤں ہیں۔ اس تفسیر پر گویا دو صفیں ہوں گی، ایک صف روح کی دوسری فرشتوں کی۔

يَوْمَ يَنْظُرُ الْعَمْرُؤُ مَا قَدْ مَتَّ يَدَاهُ، ظاہر یہ ہے کہ اس سے مراد روز قیامت ہے، اور محشر میں ہر شخص اپنے اعمال کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لے گا خواہ اس طرح کہ نامہ اعمال اسکے ہاتھ میں آجائے گا اسکو دیکھے گا، یا اس طرح کہ اعمال محشر میں محکم اور متشکل ہو کر سامنے آجائیں گے جیسا کہ بعض روایات حدیث سے ثابت ہے۔ اور احتمال یہ بھی ہے کہ اس روز سے مراد موت کا دن ہو اور اپنے اعمال کا دیکھنا قبر و برزخ میں مراد ہو، کافی المنظری۔

وَيَقُولُ الْكَافِرُ لَيْسَ بِي كُفْرًا، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ قیامت کے روز ساری زمین ایک سطح مستوی ہو جائے گی جس میں انسان، جنات، زمین پر چلنے والے پالتو جانور اور وحشی جانور سب جمع کر دیے جائیں گے اور جانور و انسان سب کے سامنے ایک ہی سطح ہو جائے گی اور اس سے اسکا انتقام دلویا جائے گا یہاں تک کہ اگر کسی سینگ والی بکری نے بے سینگ بکری کو مارا تھا تو آج اسکا بھی بدلہ دلویا جائے گا، جب اس سے فراغت ہوگی تو سب جانوروں کو حکم ہوگا کہ مٹی ہو جاؤ وہ سب مٹی ہو جائیں گے، اسوقت کافر لوگ یہ تمنا کریں گے کہ کاش ہم بھی جانور ہوتے۔ اور اسوقت مٹی ہو جاتے، حساب کتاب اور جہنم کی سزا سے بچ جاتے، نفوذ باللہ منہ، واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

تَمَّتْ مِوَدَّةُ الْكِتَابِ بِحَمْدِ اللَّهِ لَيْلَةَ الْجُمُعَةِ ۲ شَعْبَانَ ۱۴۲۹ھ

سُورَةُ النَّازِعَاتِ

سُورَةُ النَّازِعَاتِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ سِتُّ وَأَرْبَعُونَ آيَةً وَفِيهَا مَكْرُوعٌ
سورہ نازعات مکہ میں نازل ہوئی اس کی پھیلائی آیتیں ہیں اور دو رکوع

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بید مہربان نہایت رحم والا ہے

وَالنَّازِعَاتُ غُرَقًا ۝۱ وَالشَّيْطَانُ نَسْفًا ۝۲ وَالسَّيِّئَاتُ سَبًّا ۝۳ فَالسَّيِّئَاتُ سَبًّا ۝۴

نہیں ہے گھسیٹ لائے والوں کی غوطہ رگاکر، اور بندہ جبرادینے والوں کی کھوکھر اور پیرنے والوں کی تیزی سے پھر آگے بڑھنے والوں کی ڈوڑر

فَالسُّدَّيْرَاتُ أَمْرًا ۝۵ يَوْمَ تَرْجُفُ الرَّاجِفَةُ ۝۶ تَتَّبِعُهَا الرَّادِفَةُ ۝۷

پھر کام بنانے والوں کی حکم سے جس دن کانچے کا پٹنے والی اُس کے پیچھے آئے دوسری

قُلُوبٌ يَوْمَئِذٍ وَاجِفَةٌ ۝۸ أَبْصَارُهَا خَاشِعَةٌ ۝۹ يَقُولُونَ أَيْنَا لَمْ نَرُدُّوهُمْ ۝۱۰

کہتے دل اُس دن دھڑکتے ہیں اُن کی آنکھیں جھک رہی ہیں لوگ کہتے ہم کیا ہم پھر آئیں گے

فِي الْخَافِرَةِ ۝۱۱ إِذَا كُنَّا عِظَامًا تَخِرَّةً ۝۱۲ قَالُوا إِنَّكَ إِذَا كُنَّا خَاسِرَةً ۝۱۳

آئیے پاؤں کیا جب ہم ہو چکیں ہڈیاں کھوکھری ہوئے تو تو یہ پھر آنا ہے ٹوٹے کا

فَاتَّسَاهَى زُجْرَةً ۝۱۴ وَاحِدَةً ۝۱۵ قَاذَاهُمْ بِالسَّاهِرَةِ ۝۱۶ هَلْ أَنْتَ حَدِيثُ مُوسَى ۝۱۷

سو وہ تو صرف ایک جھڑکی ہے پھر تبھی وہ آ رہی میدان میں کیا بڑی ہے تجھ کو بات موسیٰ کی

إِذْ نَادَاهُ رَبُّهُ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى ۝۱۸ إِذْ هَبَّ إِلَىٰ فِرْعَوْنَ إِنَّهُ

جب پکارا اُس کو اسکے رب نے پاک میدان میں جس کا نام طوی ہے جا فرعون کے پاس اس نے

طَغَىٰ ۝۱۹ فَقُلْ هَلْ لَكَ إِلَىٰ أَنْ تَزَكَّىٰ ۝۲۰ وَأَهْدِيكَ إِلَىٰ رَبِّكَ فَتَخْشَىٰ ۝۲۱

سراٹھایا پھر کہہ تیرا جی چاہتا ہے کہ تو سنور جائے اور راہ بتلاؤں تجھ کو تیرے رب کی طرف پھر تجھ کو ڈر ہے

فَأَرَاهُ الْآيَةَ الْكُبْرَىٰ ۝۲۲ فَكَذَّبَ وَعَصَىٰ ۝۲۳ ثُمَّ أَدْبَرَ يَسْعَىٰ ۝۲۴ فَخَشِرَ ۝۲۵

پھر دکھائی اسکو وہ بڑی نشانی پھر جھٹلایا اُسے اور نہ مانا پھر چلا پیٹھ پھیر کر تلاش کرتا ہوا پھر سب کو جمع کیا

وقف لازم وقف لازم وقف لازم

فَنَادَىٰ ۖ فَقَالَ أَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلَىٰ ۖ فَآخَذَهُ اللّٰهُ نَكَالَ الْاٰخِرَةِ ۖ

پھر پکارا تو کہا میں ہوں رب تمہارا سب سے اویس پھر کچڑا اُس کو اللہ نے سزا میں آخرت کی

وَالْاَوَّلٰی ۚ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّمَنْ یَّخْشٰی ۚ اَنْتُمْ اَشَدُّ خَلْقًا اَمَ

اور دُنیا کی بیشک اس میں سوچنے کی جگہ ہے جس کے دل میں ڈر ہے کیا تمہارا بنانا مشکل ہے یا

السَّمَاوِ بِذٰلِهَا ۚ رَفَعَ سَمَكُهَا قَسُوْلَهَا ۚ وَاَعْطَشَ لِبٰلِهَا وَاَخْرَجَ ضَرْبُهَا ۚ

آسمان کا اُسے اسکو بنالیا، اونچا کیا اسکا اُبھار پھر اسکو برابر کیا اور اندھیری کی رات اُس کی اور کھول نکالی اسکی دھوپ

وَالْاَرْضَ بَعْدَ ذٰلِكَ دَحٰیهَا ۚ اَخْرَجَ مِنْهَا مَآءَہَا وَمَرْعَہَا ۚ وَاَلْجَبَالَ

اور زمین کو اس کے پیچھے صاف بچھا دیا باہر نکالا زمین سے اسکا پانی اور چارا اور پہاڑوں کو

اَرْسٰہَا ۚ مَتَاعًا لَّکُمْ وِلَا تَعْمٰکُمْ ۚ فَاِذَا جَآءَتِ الطَّامَةُ الْکُبْرٰی ۚ

تائم کر دیا کام چلانے کو تمہارے اور تمہارے جو پاؤں کے پھر جب آئے وہ بڑا ہنگامہ

یَوْمَ یَتَذَكَّرُ الْاِنْسَانُ مَا سَعٰی ۚ وَبُرْزَتِ الْجَحِیْمُ لِمَنْ یَّزٰی ۚ فَاَمَّا مَنْ

جس دن کہ یاد کرے گا آدمی جو اُسے کمایا اور نکال ظاہر کر دیں دوزخ کو جو چاہے دیکھے سو جس نے کی ہو

طَغٰی ۚ وَاَثَرَ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا ۚ فَاِنَّ الْجَحِیْمَ هِیَ الْمَاوٰی ۚ وَاَمَّا مَنْ

شرارت اور بہتر سمجھا ہو دُنیا کا جینا سودورخ ہی ہے اُس کا ٹھکانا اور جو کویا

خَافَ مَقَامَ رَبِّہٖ وَنَهٰی النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰی ۚ فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِیَ الْمَاوٰی ۚ

ڈرا ہوا اپنے رب کے سامنے کھڑے ہونے سے اور روکا ہو اُس نے جی کو خواہش سے سو بہشت ہی ہے اُس کا ٹھکانا

یَسْئَلُوْكَ عَنِ السَّاعَةِ اٰیَانَ مُّرْسِہَا ۚ فِیْمَا اَنْتَ مِنْ ذٰکُرِہَا ۚ

تمہ سے پوچھتے ہیں وہ گھڑی کب ہوگا قیام اس کا تمہ کو کیا کام اُس کے ذکر سے

اِلٰی رَبِّکَ مُنْتَهٰہَا ۚ اِنَّمَا اَنْتَ مُنْذِرٌ مِّنْ یَّخْشٰہَا ۚ کَاَنَّهُمْ یَوْمَ

تیرے رب کی طرف ہے پہنچ اُس کی تو تو ڈر سنانے کے واسطے ہے اسکو جو اس سے ڈرتا ہے ایسا لگے گا جس دن

یَرَوْنَهَا لَہُمْ یَلْبِثُوْنَ اِلَّا عَشِیَّةً اَوْ ضُحًیًّا ۚ

دیکھیں گے اسکو کہ نہیں ٹھہرے تھے دُنیا میں مگر ایک شام یا صبح اُس کی

خلاصہ تفسیر

قسم ہے اُن فرشتوں کی جو (کافروں کی) جان سختی سے نکالتے ہیں اور جو (مسلمانوں کی) رُوح آسانی سے نکالتے ہیں گویا اُن کا) بند کھول دیتے ہیں اور جو (رُوحوں کو لیکر زمین سے آسمان کی طرف اس طرح سُرعت و سہولت سے چلتے ہیں جیسے گویا) تیرتے ہوئے چلتے ہیں پھر (جب رُوحوں کو لیکر پہنچتے ہیں تو ان ارواح کے باب میں جو

خدا کا حکم ہوتا ہے اسکے امتثال کے لئے (تیزی کیساتھ دوڑتے ہیں پھر) ان ارواح کے متعلق ثواب کا حکم ہو یا عقاب کا دوہوں امروں میں سے) ہر امر کی تدبیر کرتے ہیں (ان سب کی قسم کھا کر کہتے ہیں کہ) قیامت ضرور آوے گی جس روز ہلائیے والی چیز بلا ڈالے گی (مراد نفخہ اولیٰ ہے) جس کے بعد ایک پیچھے آنے والی چیز آجائے گی (مراد نفخہ ثانیہ ہے) بہت سے دل اُس روز دھڑک رہے ہونگے اُن کی آنکھیں (مارے ندامت کے) جھک رہی ہونگی (مگر یہ لوگ قیامت کا انکار کر رہے ہیں اور) کہتے ہیں کہ کیا ہم پہلی حالت میں پھر واپس ہونگے (پہلی حالت سے مراد حیات قبل المات ہے) کیا بعد الموت پھر حیات ثانیہ ہوگی؟ مقصود استبعاد ہے کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے (کیا جب ہم بوسیدہ ہڈیاں ہو جاویں گے پھر (حیات کی طرف) واپس ہونگے (مقصود استعصاب ہے کہ یہ سخت دشوار ہے) کہنے لگے کہ (اگر ایسا ہوتا تو) اُن صورت میں یہ واپسی (ہمارے لئے) بڑے خسارہ کی ہوگی (کیونکہ ہم نے تو اسکے لئے کچھ سامان نہیں کیا مقصود اس سے تسخر تھا اہل حق کے اس عقیدہ کے ساتھ، یعنی ان کے عقیدہ پر ہم بڑے خسارہ میں ہوں گے جیسے کوئی شخص کسی کو خیر خواہی سے ڈرائے کہ اس راہ مت جانا شیر ملے گا اور مخاطب تکذیب کے طور پر کسی سے کہے کہ بھائی اُدھر مت جانا شیر کھا جاوے گا مطلب یہ کہ وہاں شیر دیر کچھ بھی نہیں ہے۔ آگے استبعاد و استعصاب مذکور کا رد ہے کہ یہ لوگ جو قیامت کو بعید اور مشکل کہتے ہیں) تو (یہ سمجھ رکھیں کہ ہم کو کچھ مشکل نہیں بلکہ) وہ بس ایک ہی سخت آواز ہوگی جس سے سب لوگ فوراً ہی میدان میں آمو جو ہونگے (آگے مکذبین کی تحریف اور تکذیب پر اپنی تسلی کے لئے موسیٰ علیہ السلام کا قصہ فرعون کیساتھ بیان کیا جاتا ہے، پس فرماتے ہیں کہ) کیا آپ کو موسیٰ (علیہ السلام) کا قصہ پہنچا ہے جبکہ اُن کو انکے پروردگار نے ایک پاک میدان یعنی طولی میں (یہ اسکا نام ہے) پکارا کہ تم فرعون کے پاس جاؤ اس نے بڑی شرارت اختیار کی ہے سو اُس سے (جا کر) کہو کہ کیا تجھ کو اس بات کی خواہش ہے کہ تو درست ہو جاوے، اور (تیری درستی کی غرض سے) میں تجھ کو تیسرے رب کی طرف (ذات و صفات کی) رہنمائی کروں تو تو (ذات و صفات کو مٹ کر اس سے بڑھنے لگے) اور اس ڈر سے درستی ہو جاوے، غرض یہ حکم مٹ کر موسیٰ علیہ السلام اُن کے پاس گئے اور جا کر پیغام ادا کیا) پھر (جب اُس نے دلیل نبوت طلب کی تو) اُس کو بڑی نشانی (نبوت کی) دکھلائی (مراد معجزہ عصا ہے یا بارادہ جس میں مجموعہ عصا و بیڑہ ہے) تو اُس (فرعون) نے (اُن کو) جھٹلایا اور (اُن کا) کہنا نہ مانا پھر (موسیٰ علیہ السلام سے) جفا ہو کر (انکے خلاف) کوشش کرنے لگا اور (لوگوں کو) جمع کیا پھر (اُن کے سامنے) با آواز بلند تقریر کی اور کہا کہ میں تمھارا رب اعلیٰ ہوں (اعلیٰ قید واقعی کے طور پر کہا پس اصل مقصود اَنَّا رَبُّکُمْ ہے اور اعلیٰ صفت مادہ بڑھادی اور احترازی نہیں جس سے غیر اعلیٰ دوسرے رب کا ثبوت ہو) سو اللہ تعالیٰ نے اُس کو آخرت کے اور دنیا کے عذاب میں پکڑا۔ (دنیوی عذاب تو غرق ہے اور اُخروی عذاب خرق یعنی جلنا ہے) بیشک اس (واقعہ) میں ایسے شخص کے لئے بڑی عبرت ہے جو (اللہ تعالیٰ سے) ڈرے، (آگے قیامت کو بعید یا مشکل سمجھنے کا عقلی جواب ہے یعنی) بھلا تمھارا (دوسری بار) پسیدہ کرنا (فی نفسہ) زیادہ سخت ہے یا آسمان کا (اور فی نفسہ اس لئے کہا کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نسبت

سے تو سب مساوی ہیں اور ظاہر ہے کہ آسمان ہی کا پیدا کرنا زیادہ سخت ہے، پھر جب اس کو پیدا کر دیا تو تمہارا پیدا کرنا کیا مشکل ہے، آگے آسمان کے پیدا کرنا کی کیفیت بیان فرماتے ہیں کہ (اللہ نے اسکو بنایا) (اس طرح سے کہ) اسکی چھت کو بلند کیا اور اس کو درست بنایا (کہ کہیں ہمیں شقوق و فطور، پھٹا ہوا یا جوڑ پیوند تو نہیں) اور اس کی رات کو تاریک بنایا اور اسکے دن کو ظاہر کیا (رات اور دن کو آسمان کی طرف اسلئے منسوب کیا کہ رات اور دن آفتاب کے طلوع اور غروب ہوتے ہیں اور آفتاب آسمان سے متعلق ہے) اور اُسکے بعد زمین کو بچھایا (اور بچھا کر) اس سے اس کا پانی اور چارہ نکالا اور پہاڑوں کو (اُس پر) قائم کر دیا تمہارے اور تمہارے مواشی کے قائد پہنچانے کے لئے (اصل استدلال خلقِ سما سے تھا مگر زمین کا ذکر شاید اسلئے کر دیا کہ اسکے احوال ہر وقت پیش نظر ہیں اور گو سمار کے برابر نہ ہوں لیکن فی نفسہ انسان کی تخلیق سے زمین کی تخلیق بھی اشد ہے پس حاصل استدلال کا یہ ہوا کہ جب ایسی ایسی چیزیں بننے بنا دیں تو تمہارا دوبارہ زندہ کرنا کیا مشکل ہے آگے بعث کے بعد جو واقعات مجازاۃ کے متعلق ہونگے اُن کی تفصیل ہے یعنی قیامت کا امکان اور صحت وقوع تو ثابت ہو گیا) سو جب وہ بڑا ہنگامہ آویجا یعنی جس دن انسان اپنے کئے کو یاد کر چکا اور دیکھنے والوں کے سامنے دوزخ ظاہر کیا دیگی تو (اُس روز یہ حالت ہوگی کہ) جس شخص نے (حق سے) سرکشی کی ہوگی اور (آخرت کا منکر ہو کر اُس پر) دنیوی زندگی کو ترجیح دی ہوگی سو دوزخ اُسکا ٹھکانا ہوگا اور جو شخص (دُنیا میں) اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرا ہوگا (کہ قیامت اور آخرت اور حساب کتاب پر اسکا ایمان مکمل ہو) اور نفس کو (حرام) خواہش سے روکا (یعنی اعتقادِ صحیح کے ساتھ عملِ صالح بھی کیا) ہوگا سو جنت اُسکا ٹھکانا ہوگا (اور عملِ صالح طریقِ جنت ہے موقوف علیہ نہیں، چونکہ کفار بقصد انکار قیامت کے اسکا وقت پوچھا کرتے تھے آگے اسکا جواب ہے) یعنی یہ لوگ آپ سے قیامت کے متعلق پوچھتے ہیں کہ اسکا وقوع کب ہوگا (سو) اس کے بیان کر نیسے آپ کا کیا تعلق (کیونکہ بیان کا موقوف علیہ علم ہے اور قیامت کا معینِ وقت ہم نے کسی کو بتلایا نہیں بلکہ) اُس (کے علم کی تعیین) کا مدار صرف آپ کے رب کی طرف ہے (اور) آپ تو صرف (اخبارِ جمالی سے) ایسے شخص کے ڈرانے والے ہیں جو اس سے ڈرتا ہو (اور ڈر کر ایمان لانے والا ہو اور یہ لوگ جو جلدی مچا رہے ہیں تو سمجھ لیں کہ) جس روز یہ اس کو دیکھیں گے تو (اُن کو) ایسا معلوم ہوگا کہ گویا (دُنیا میں) صرف ایک دن کے آخری حصہ میں یا اسکے اول حصہ میں رہے ہیں (دس یعنی دُنیا کی مُدت طویۃ تصیر معلوم ہوگی اور سمجھیں گے کہ عذاب بڑی جلدی آگیا جس کی یہ استدعا کرتے ہیں حاصل یہ کہ جلد بازی کیوں کرتے ہو وقوع کے وقت اسکو یہی سمجھو گے کہ بڑی جلد ہو گیا جس دیر کو اب دیر سمجھ رہے ہو یہ دیر معلوم نہ ہوگی)

معارف و مسائل

وَاللَّزِزَاتُ عَنَزًا، نازعات، نزع سے مشتق ہے جس کے معنی کسی چیز کو کھینچ کر نکالنے کے آتے ہیں، اور غرقا اُس کی تاکید ہے کیونکہ غرق اور اغراق کے معنی کسی کام میں پوری قوت شدت خرچ کرنے کے ہیں محاورہ

میں کہا جاتا ہے اغرق النار في القوس یعنی کمان کھینچنے والے نے اس کے کھینچنے میں اپنی پوری قوت خرچ کر دی اس سورہ کے شروع میں ملائکہ کی چند صفات اور حالات بیان کر کے انکی قسم کھائی گئی ہے اور جواب قسم بدلات حال حذف کر دیا گیا، مراد اس سے قیامت اور حشر و نشر کا یقیناً واقع ہونا ہے۔ فرشتوں کی قسم شاید اس نسبت سے کھائی گئی ہے کہ اگرچہ فرشتے اس وقت بھی تمام عالم کے نظم و نسق میں خل رکھتے اور اپنی اپنی خدمت بجالاتے ہیں لیکن قیامت کے روز اسبابِ مادیہ کے سب شے ٹوٹ جائیں گے غیر مہولی حالات و واقعات پیش آویں گے، ان واقعات میں فرشتے ہی کام کریں گے۔ فرشتوں کی اس جگہ پانچ صفات وہ بیان کی گئی ہیں جن کا تعلق انسان کی موت اور نزعِ روح سے ہے مقصد تو قیامت کا حق ہونا بیان کرنا ہے، شروع اسکا انسان کی موت سے کیا گیا کہ ہر انسان کی موت خود اسکے لئے ایک جزوی قیامت ہے اور قیامت کے اعتقاد میں اسکا بڑا دخل ہے۔ ان پانچ صفات میں سے پہلی صفت الْمُؤْنِنَاتُ غُرَقًا، یعنی سختی کے ساتھ کھینچ کر نکالنے والے، مراد اس سے وہ عذاب کے فرشتے ہیں جو کافر کی روح سختی کے ساتھ نکالتے ہیں، مراد اس سختی سے روحانی سختی اور تکلیف ہے یہ ضروری نہیں کہ دیکھنے والوں کو بھی اس سختی کا احساس ہو اسی لئے بسا اوقات یہ بھی دیکھا جاتا ہے کہ کافر کی روح بظاہر آسانی سے نکلتی ہے مگر یہ آسانی ہمارے دیکھنے میں ہے جو سختی اُس کی روح پر ہو رہی ہے اس کو کون دیکھ سکتا ہے وہ تو اللہ تعالیٰ ہی کی خبر دینے سے معلوم ہو سکتی ہے۔ اس لئے اس جملے میں یہ خبر دیدی گئی ہے کہ کفار کی روح کو کھینچ کر سختی سے نکالا جاتا، دوسری صفت ہے وَاللَّيْطَاتُ نَشْطًا، ناشطات نشط سے مشتق ہے جس کے معنی بندھن کھول دینے کے ہیں۔ جس چیز میں پانی یا ہوا وغیرہ بھری ہوں اسکا بندھن کھول دینے سے وہ پانی وغیرہ آسانی کیساتھ نکل جاتا ہے اسیں مؤمن کی روح نکلنے کو اس سے تشبیہ دیکر بتلایا ہے کہ جو فرشتے مؤمن کی قبض روح پر مقرر ہیں وہ آسانی سے اُس کو قبض کرتے ہیں شدت نہیں کرتے، یہاں بھی آسانی روحانی مراد ہے جسمانی نہیں اس لئے کسی مسلمان بلکہ مرد صالح کو بوقت موت نزعِ روح میں دیر لگنے سے یہ نہیں کہا جاسکتا کہ اُس پر سختی ہو رہی ہے اگرچہ جسمانی طور پر یہ سختی دیکھی جاتی ہے۔ اصل وجہ یہ ہے کہ کافر کو نزعِ روح کے وقت ہی سے برزخ کا عذاب سامنے آ جاتا ہے، اسکی روح اس سے گھبرا کر بدن میں چھپنا چاہتی ہے، فرشتے کھینچ کر نکالتے ہیں، اور مؤمن کی روح کے سامنے عالمِ برزخ کا ثواب، نعمتیں اور بشارتیں آتی ہیں تو اُس کی روح تیزی سے ان کی طرف جانا چاہتی ہے۔

تیسری صفت فرشتوں کی وَالشَّيْخَاتُ سَبْقًا، یعنی سب سے پہلے تیرنے کے آتے ہیں، مراد اس جگہ تیزی سے چلنا ہے جیسے دریا میں کوئی آڑ پہاڑ نہیں ہوتا، تیرنے والا یا کشتی وغیرہ میں چلنے والا سیدھا اپنی منزل مقصود کی طرف جاتا ہے فرشتوں کی یہ صفت کہ تیز جانے والے ہیں یہ بھی ملائکہ موت سے متعلق ہے کہ انسان کی روح قبض کرنے کے بعد اس کو تیزی سے آسمان کی طرف لیجا لے ہیں۔

چوتھی صفت وَالشَّيْخَاتُ سَبْقًا ہے مراد یہ ہے کہ پھر یہ روح جو فرشتوں کے قبضہ میں ہے اس کو اسکے اچھے یا بُرے ٹھکانے پر پہنچانے میں سبقت اور عجلت سے کام لیتے ہیں۔ مؤمن کی روح کو جنت کی ہواؤں اور

نعمتوں کی جگہ میں کافر کی روح کو دوزخ کی ہواؤں اور عذابوں کی جگہ میں پہنچا دیتے ہیں۔

پانچویں صفت قائمہ ہوتی ہے۔ امر الہی کی تدبیر و تنفیذ کرنے والے یعنی ان ملائکہ موت کا آخری کام یہ ہوگا کہ جس روح کو ثواب اور راحت دینے کا حکم ہوگا اسکے لئے راحت کے سامان جمع کر دیں اور جس کو عذاب اور تکلیف میں ڈالنے کا حکم ہوگا اسکے لئے اسکا انتظام کر دیں۔

قبر میں ثواب و عذاب موت کے وقت فرشتوں کا آنا اور انسان کی روح قبض کر کے آسمان کی طرف لیجانا پھر اسکے اچھے یا بُرے ٹھکانے پر جلدی سے پہنچا دینا اور وہاں ثواب یا عذاب، تکلیف یا راحت کے انتظامات کر دینا ان آیات مذکورہ سے ثابت ہو گیا۔ یہ عذاب و ثواب قبر یعنی برزخ میں ہوگا۔ حشر کا عذاب و ثواب اس کے بعد ہے احادیث صحیحہ میں اسکی بڑی تفصیلات مذکور ہیں۔ حضرت برار بن عازبؓ کی ایک طویل حدیث مشکوٰۃ میں بحوالہ مسند احمد مذکور ہے۔

نفس اور روح کے متعلق حضرت قاضی شامہ اللہؒ کی تحقیق مفید

تحت گزر چکا ہے۔ اسی سلسلے کی مزید تحقیق و توضیح بہت دقت حضرت کاظمی شامہ پانی پتی قدس سرہ نے اس جگہ تحریر فرمائی ہے جس سے بہت سے اشکالات حل ہو جاتے ہیں وہ یہ ہے کہ حدیث مذکور سے یہ واضح ہوتا ہے کہ نفس انسانی ایک جسم لطیف ہے جو اسکے جسم کثیف کے اندر سمایا ہوا ہے اور وہ انھیں مادی عناصر راجعہ سے بنا ہے۔ فلاسفہ اور اطباء اسی کو روح کہتے ہیں مگر درحقیقت روح انسانی ایک جوہر مجرد اور لطیفہ ربانی ہے جو اس طبعی روح یعنی نفس کیساتھ ایک خاص تعلق رکھتا ہے اور طبعی روح یعنی نفس کی حیات خود اس لطیفہ ربانی پر موقوف ہے گویا اس کو روح الروح کہہ سکتے ہیں کہ جسم کی زندگی نفس سے ہے اور نفس کی زندگی اس روح سے وابستہ ہے اس روح مجرد اور لطیفہ ربانیہ کا تعلق اسی جسم لطیف یعنی نفس کیساتھ کیا اور کس طرح کا ہے اس کی حقیقت کا علم انکے پیدا کرنے والے کے سوا کسی کو نہیں، اور یہ جسم لطیف جسکا نام نفس ہے اسکو حق تعالیٰ نے اپنی قدرت سے ایک آمینہ کی مثال بنایا ہے جو آفتاب کے بالمقابل رکھ دیا گیا ہو تو آفتاب کی روشنی اس میں ایسی آجاتی ہے کہ یہ خود آفتاب کی طرح روشنی پھیلاتا ہے نفس انسانی اگر تعلیم و حی کی مطابق ریاضت و محنت کر لیتا ہے تو وہ بھی منور ہو جاتا ہے ورنہ وہ جسم کثیف کے خراب اثرات میں ملوث ہوتا ہے یہی جسم لطیف ہے جس کو فرشتے اوپر لیجاتے ہیں اور پھر اعزاز کے ساتھ نیچے لاتے ہیں جبکہ وہ منور ہو چکا ہو، ورنہ آسمان کے ردائے اسکے لئے نہیں کھلتے، اوپر ہی سے نیچے پٹخ دیا جاتا ہے۔ یہی جسم لطیف ہے جس کے بار میں حدیث مذکور میں ہے کہ ہمنے اسکو زمین کی مٹی سے پیدا کیا، پھر اس میں ٹوٹائیں گے پھر اسی سے دوبارہ پیدا کریں گے یہی جسم لطیف اعمال صالحہ سے منور اور خوشبودار بن جاتا ہے اور کفر و شرک سے بدبودار ہو جاتا ہے۔ باقی روح مجرد اسکا تعلق جسم کثیف کے ساتھ بواسطہ جسم لطیف یعنی نفس کے ہوتا ہے اس پر موت طاری نہیں ہوتی، قبر کا عذاب و ثواب بھی اسی جسم لطیف یعنی نفس سے وابستہ ہے اور اس نفس کا تعلق قبر سے ہی رہتا ہے اور روح مجرد علیین میں ہوتی ہے

اور روح مجرد اسکے ثواب عذاب سے بالواسطہ متاثر ہوتی ہے، اس طرح روح کا قبر میں ہونا بمعنی نفس کے صحیح ہے اور اسکا عالم ارواح یا علیین میں رہنا بمعنی روح مجرد صحیح ہے اس سے ان روایات مختلفہ کی تطبیق بھی ہو جاتی ہے، واللہ اعلم۔ آگے قیامت کے وقوع اور اسیں پہلے نفع صور سے سارے عالم کی فنا پھر دوسرے سے سارے عالم کی دوبارہ ایجاد اور اس پر کفار کے شبہ استبعاد کا جواب مذکور ہے اس کے آخر میں فرمایا قَدْ أَهْمَرْنَا بِالسَّاعَةِ سَاہِرَ سَطْحِ زَمَیْنٍ کو کہا جاتا ہے۔ قیامت میں جو زمین دوبارہ پیدا کی جاوے گی وہ پوری ایک سطح مستوی ہوگی۔ اسیں آڑ پہاڑ غارت یا غار نہیں ہوگا، اسی کو ساہرہ کہا گیا ہے، اسکے بعد کفار منکرین قیامت کی ضد اور عناد سے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا پہنچتی تھی اسکا ازالہ فرعون اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ بیان کر کے کیا گیا ہے کہ مخالفین سے ایسی ایذائیں کچھ آپ کے لئے مخصوص نہیں، انبیاء سابقین کو بھی بڑی بڑی ایذائیں ان سے پہنچی ہیں، انھوں نے صبر کیا، آپ بھی صبر سے کام لیں۔

فَاَخَذَ اللَّهُ نَكَالَ الْخِزْرِ وَالْأُولَىٰ، نکال ایسے عذاب کو کہا جاتا ہے جس کو دیکھ کر دوسروں کو عبرت ہو اور سبب ہم جائیں، نکال آخرت فرعون کے لئے آخرت کا عذاب ہے، اور نکال اولیٰ سے مراد وہ عذاب ہے جو دنیا میں اس کی پوری قوم کے غرق دریا ہو جانے سے ان کو پہنچا۔ آگے پھر منکرین حشر و نشر کے اس استبعاد اور شبہ کا ازالہ ہے کہ مرنے اور مٹی ہو جانے کے بعد کیسے دوبارہ زندہ کئے جاویں گے، اسیں حق تعالیٰ نے آسمان زمین اور ان کے اندر پیدا کی ہوئی عظیم مخلوقات کا ذکر کر کے انسان غافل کو اس پر متنبہ کیا ہے کہ جس ذات نے ایسی عظیم الشان مخلوقات کو ابتدائی وجود بغیر کسی مادہ و آلہ کے عطا فرمایا وہ اگر ان کو نیست و نابود کرنے کے بعد دوبارہ وجود عطا فرما دے تو تمھارے تعجب کا کیا مقام ہے۔ آگے پھر روز قیامت کی شدت اور اُس روز ہر شخص کے اعمال کا سامنے آجانا اور اہل جنت اور اہل جہنم کے دونوں ٹھکانوں کا بیان اور آخر میں اہل جنت اور اہل دوزخ کی خاص خاص علامات کا بیان ہے جس سے ایک انسان دنیا ہی میں یہ فیصلہ کر سکتا ہے کہ ضابطہ سے میرا ٹھکانا جنت میں ہے یا دوزخ میں، ضابطہ اس لئے کہا گیا ہے کہ کسی کی شفاعت یا بلا واسطہ حق تعالیٰ کی رحمت کے سی جہنمی کو اُس سے آزاد کر کے جنت میں پہنچا دینا جیسا کہ بہت سی آیات و روایات حدیث اس پر دلالت کرتی ہیں وہ ایک استثنائی حکم ہے اور اصل ضابطہ جنت یا دوزخ میں ٹھکانے کا وہی ہے جو ان آیات میں بیان فرمایا ہے۔

پہلے اہل جہنم کی خاص علامات بیان کی گئی وہ دو ہیں فَأَمَّا مَنْ ظَلَمَ وَ أَتَى الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا، اَوَّلَ طُغْيَانٍ یعنی اللہ تعالیٰ اور اسکے رسول کے احکام کی پابندی کے بجائے کشری کرنا، دوسرے دنیا کی زندگی کو آخرت پر ترجیح دینا۔ یعنی جب ایسا کوئی کام سامنے آئے کہ اسکے اختیار کرنے سے دنیا میں تو آرام یا لذت ملتی ہے مگر آخرت میں پیر عذاب مقرر ہے اس وقت وہ دنیا کی لذت کو ترجیح دے کر آخرت کی فکر کو نظر انداز کر دے جو شخص دنیا میں ان دو بلاؤں میں مبتلا ہے اس کے لئے فرمادیا فَإِنَّ الْجَحِيْمَ هِيَ الْمَأْوٰی، یعنی جہنم ہی اُسکا ٹھکانا ہے، اسکے بعد اہل جنت کی اسی طرح دو علامتیں بتلائی ہیں فَأَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهِ وَ تَتَّقَى النَّفْسَ مِنَ الْهَوٰی،

اول یہ کہ جس شخص کو دنیا میں اپنے ہر عمل ہر کام کے وقت یہ خوف لگا رہا کہ مجھے ایک روز حق تعالیٰ کے سامنے پیش ہو کر ان اعمال کا حساب دینا ہوگا، دوسرے جس نے اپنے نفس کو قابو میں رکھا، ناجائز خواہشوں سے اسکو روک دیا، جس نے دنیا میں یہ دو وصف حاصل کر لئے قرآن کریم نے اسکو یہ خوشخبری دیدی **وَإِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَأْوَىٰ**، یعنی جنت ہی اُس کا ٹھکانا ہے۔

مخالفت نفس کے تین درجے | آیت مذکورہ میں جنت کے ٹھکانے کی دو شرطیں بتلائی ہیں اور غور کیا جائے تو وہ نتیجہ کے اعتبار سے ایک ہی ہے، کیونکہ پہلی شرط خدا تعالیٰ کے حضور جوابدہی کا خوف ہے۔ دوسری شرط نفس کو ہوئی سے روکنا، اور حقیقت یہ ہے کہ خدا کا خوف ہی نفس کو تباہ ہوئی سے روکنے والی چیز ہے۔ حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ نے تفسیر نظہری میں فرمایا کہ مخالفت ہوئی کے تین درجے ہیں۔

اول درجہ تو یہ ہے کہ آدمی اُن عقائد باطلہ سے بچ جائے جو ظاہر نصوص اور اجماع سلف کے خلاف ہوں، اس درجہ میں پہنچکر وہ سُنی مسلمان کہلانے کا متحق ہو جاتا ہے۔

متوسط درجہ یہ ہے کہ وہ کسی معصیت اور گناہ کا ارادہ کرے پھر اس کو یہ بات یاد آجائے کہ مجھے اللہ کے سامنے حساب دینا ہے اس خیال کی بنا پر گناہ کو ترک کر دے۔ اسی متوسط درجہ کا کلمہ یہ ہے کہ آدمی شبہات سے بھی پرہیز کرے اور جس مباح و جائز کام میں مشغول ہونے سے کسی ناجائز کام میں مبتلا ہو جائیگا خطرہ ہو اُس جائز کام کو بھی ترک کر دے، جیسا کہ حضرت نعمان بن بشیرؓ کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جسے مشبہات سے پرہیز کر لیا اسے اپنی آبرو اور دین کو بچالیا اور جو شخص مشبہات میں مبتلا ہو گیا وہ بالآخر حرمت میں مبتلا ہو جائیگا، مراد مشبہات سے وہ کام ہیں جنہیں جائز و ناجائز ہونیکے دونوں احتمال ہوں، یعنی عمل کرنے والے کو یہ شبہ ہو کہ میرے لئے یہ کام جائز ہے یا ناجائز، مثلاً ایک شخص بیمار ہے وضو کرنے پر قادر تو ہے اور اسکا یقین پورا نہیں کہ میرے لئے وضو کرنا اس حالت میں مضر ہی ہے تو تیمم کا جواز اور عدم جواز مشتبہ ہو گیا اسی طرح کھڑے ہو کر نماز پڑھ تو سکتا ہے مگر مشقت بہت زیادہ ہے اسکی وجہ سے یہ اشتباہ ہو گیا کہ بیٹھ کر نماز میرے لئے درست ہو یا نہیں ایسے مواقع میں مشتبہ چیز کو چھوڑ کر یقینی جواز کو اختیار کرنا تقویٰ ہے اور مخالفت کا متوسط درجہ یہی ہے۔

مکابرہ نفس | نفس کی مخالفت ان چیزوں میں جو صریح طور سے گناہ اور سینات ہیں یہ تو اگر کوئی کوشش کرے تو باختیار خود بھی اہم کامیابی ہو جاتی ہے لیکن ایک ہلوی نفس وہ ہے جو عبادات اور اعمال حسنہ میں شامل ہو جاتی ہے، ریاء و نمود، خود پسندی، یہ ایسے دقیق گناہ اور شدید ہوائی نفس ہیں جس میں انسان اکثر خود بھی دھوکا کھاتا ہے اپنے عمل کو درست و صحیح سمجھتا رہتا ہے اور یہی وہ ہلوی نفس ہے جسکی مخالفت سب سے پہلے اور سب سے زیادہ ضروری ہے، مگر اس سے بچنے کا صحیح علاج اور مجرب نسخہ اسکے سوا نہیں کہ انسان کوئی ایسا شیخ کامل تلاش کرے جو کسی ہر شیخ کی خدمتیں رہ کر مجاہدات کر کے عیوب نفس اور انکے معالجہ سے واقف ہوا اپنے آپکو اسکے حوالہ کر دے اور اسکے مشورہ پر عمل کرے۔

شیخ امام حضرت یعقوب کرخیؒ فرماتے ہیں کہ میں اپنی ابتدائی عمر میں نجار تھا (دکڑی کا کام کرتا تھا) میں نے اپنے نفس میں سستی اور باطن میں ایک قسم کی ظلمت محسوس کی تو ارادہ کیا کہ چند روز روزے رکھوں تاکہ یہ ظلمت اور سستی دور ہو جائے، اتفاقاً اسی روز کے کچھ حالت میں ایک روز میں شیخ اجل امام بہاؤ الدین نقشبند رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا، شیخ نے مہمانوں کے لئے کھانا منگایا اور مجھے بھی کھانیکا حکم دیا اور فرمایا بہت برا بندہ ہے جو اپنی ہوائی نفسانی کا بندہ ہو جو اسکو گمراہ کرے اور فرمایا کہ کھانا کھا لینا اس روزے سے بہتر ہے جو ہوائی نفسانی کے ساتھ ہو، اسوقت مجھے احساس ہوا کہ میرا نفس عجیب خود پسندی کا شرکار ہو رہا تھا جس کو شیخ نے محسوس کیا اور مجھے ثابت ہو گیا کہ ذکر و شغل اور نفلی عبادات میں کسی شیخ کا مل کی اجازت و ہدایت درکار ہے کیونکہ وہ مکابر نفس سے واقف ہوتا ہے جس نفلی عمل میں کوئی نفس کا کید ہو گا اسی سے روکدیکھا، اس وقت میں نے حضرت شیخ نقشبند قدس سرہ سے عرض کیا کہ حضرت اگر ایسا شیخ جس کو اصطلاح میں فانی فی اللہ اور باقی باللہ کہا جاتا ہے کسی کو میسر نہ ہو تو وہ کیا کرے، شیخ نے فرمایا کہ اس کو چاہیے کہ استغفار کی کثرت کرے اور ہر نماز کے بعد بین مرتبہ استغفار کرنے کی پابندی کرے تاکہ پانچ وقت سو مرتبہ استغفار ہو جائے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ بعض اوقات میں اپنے قلب میں کہ ورت محسوس کرتا ہوں اور میں ہر روز اللہ تعالیٰ سے سو مرتبہ استغفار یعنی طلب مغفرت کرتا ہوں۔

تیسرا اعلیٰ درجہ مخالفت ہوائی نفسانی کا یہ ہے کہ کثرت ذکر اور مجاہدات و ریاضات کے ذریعہ اپنے نفس کو ایسا مڑکی بنا لے کہ اس میں وہ ہوائی نفسانی باقی ہی نہ رہے جو انسان کو شرکی طرف کھینچتی ہے یہ مقام ولایت خاصہ کا مقام ہے اور اسی شخص کو حاصل ہوتا ہے جس کو صوفیہ کی اصطلاح میں فانی فی اللہ اور باقی باللہ کہا جاتا ہے، یہی لوگ قرآن کی اس آیت کے مصداق ہیں جو شیطان کو مخاطب کر کے کہی گئی ہے إِنَّ عِبَادِي لَآتِيَن لَّكَ عَلَيْنِهِمْ سُلْطٰنٌ، یعنی میرے خاص بندوں پر تیرا قابو نہیں چل سکے گا، اور یہی مصداق ہیں اس حدیث کے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے لَا يَتُوبُ مِنْ أَحَدٍ كَرَّ حَقِّي يَكُونُ هَوَاةً يَتَعَالَمُ أَجْمَعُ، یعنی تم میں کوئی شخص اسوقت تک مومن کامل نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس کی ہوائی نفسانی میری تعلیمات کے تابع نہ ہو جائیں (اللہم ارزقناہ بفضلک و کریم)

آخر سورت میں کفار کے اس معاندانہ سوال کا جواب دیا گیا ہے کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے قیامت کی معین تاریخ اور وقت بتلانے پر اصرار کرتے تھے حاصل جواب یہ ہے کہ اسکو حق تعالیٰ نے اپنی حکمت بالغہ سے صرف اپنی ذات کیلئے مخصوص رکھا ہے اسکی اطلاع کسی فرشتے یا رسول کو بھی نہیں دی گئی ہے اسلئے یہ مطالبہ لغو ہے۔

قَمَّتْ سُورَةُ النَّازِعَاتِ الْحَمْدُ لِلَّهِ الشَّعْبِ ۹۱ ۱۰۰ دُوشنبہ

سُورَةُ عَبَسَ

سُورَةُ عَبَسَ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ اَثْنَتَانِ وَارْبَعُونَ آيَةً وَفِيهَا رُكُوعٌ وَاحِدٌ وَكَذَلِكَ
سُورَةُ عَبَسَ مَكِّيَّةٌ مِثْلُهَا فِي اَوَّلِهَا وَفِيهَا رُكُوعٌ وَاحِدٌ وَكَذَلِكَ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

عَبَسَ وَتَوَلَّى ۱ اَنْ جَاءَهُ الْاَعْمٰی ۲ وَمَا يَدْرِيكَ لَعَلَّهٗ يَزْكٰی ۳ اَوْ

توڑی ہٹھائی اور منہ موڑا اس بات سے کہ آیا اس کے پاس اندھا اور تجھ کو کیا خبر ہے شاید کہ وہ سنوڑتا یا

يَذْكُرْ فَتَنَّفَعَهُ ۴ الذِّكْرٰی ۵ اَمَّا مَنْ اِسْتَغْنٰی ۶ فَانْتَ لَهُ تَصَدٰی ۷ وَ

سوچتا تو کام آتا اس کے سمجھنا وہ جو پروا نہیں کرتا سو تو اس کی فکر میں ہے اور

مَا عَلَيْكَ اَلَا يَزْكٰی ۸ وَاَمَّا مَنْ جَاءَهُ الْيَسْعٰی ۹ وَهُوَ يَخْشٰی ۱۰ فَانْتَ

تجھ پر کچھ الزام نہیں کہ وہ نہیں درست ہوتا اور وہ جو آیا تیرے پاس دھڑکتا اور وہ ڈرتا ہے سو تو

عَنْهُ تَلَهٰی ۱۱ كَلَّا اِنَّهَا تَذْكِرَةٌ ۱۲ فَمَنْ شَاءَ ذَكَّرْهُ ۱۳ فِیْ صُحُفٍ

اس سے تغافل کرتا ہے یوں نہیں ہے تو نصیحت ہے پھر جو کوئی چاہے اس کو پڑھے لکھا ہے عزت کے

مَكْرَمَةٍ ۱۴ مَرْفُوعَةٍ مُّطَهَّرَةٍ ۱۵ بِاَيْدِیْ سَفَرَةٍ ۱۶ كِرَامٍ بَرَرَةٍ ۱۷

دروازوں میں اونچے رکھے ہوئے نہایت ستھرے ہاتھوں میں لیکنے والوں کے جو بڑے درجہ والے نیک کار ہیں

قِيلَ الْاِنْسَانُ مَا اَكْفَرُ ۱۸ مِنْ اٰیِّ شَیْءٍ خَلَقَ ۱۹ مِنْ نُّطْفَةٍ ۲۰

مارا جائیو آدمی کیسا ناشکر ہے کس چیز سے بنایا اس کو ایک بوند سے

خَلَقَ فَقَدَرَهُ ۲۱ ثُمَّ السَّبِيلَ یَسَّرَهُ ۲۲ ثُمَّ اَمَاتَهُ ۲۳ فَاَقْبَرَہُ ۲۴ ثُمَّ اِذَا

بنایا اس کو پھر اندازہ پر رکھا اسکو پھر راہ آسان کر دی اسکو پھر اسکو مڑا دیا پھر قبر میں رکھوا دیا اسکو پھر جب

شَاءَ اَنْشُرَہُ ۲۵ كَلَّا لَمَّا یَقْضِ مَا اَمْرُہُ ۲۶ فَلْيَنْظُرِ الْاِنْسَانُ اِلٰی

چاہا اٹھانکا اس کو ہرگز نہیں پورا نہ کیا جو اس کو فرمایا اب دیکھ لے آدمی اپنے

طَعَامٍ ۲۳) اِنَّا صَبَبْنَا الْمَاءَ صَبًّا ۲۵) ثُمَّ شَقَقْنَا الْأَرْضَ شَقًّا ۲۶) فَانْبَثْنَا

کھانے کو کہ ہم نے ڈالا پانی ادھر سے گر رہا تھا پھر چیرا زمین کو پھاڑ کر پھر اُگایا

فِيهَا حَبًّا ۲۷) وَعِنَبًا وَقَضْبًا ۲۸) وَزَيْتُونًا وَنَخْلًا ۲۹) وَحَدَائِقَ غُلْبًا ۳۰) وَ

اس میں اناج اور انگور اور ترکاری اور زیتون اور کھجوریں اور گھن کے باغ اور

فَاِكْهَةً ۳۱) وَآبَاءًا ۳۲) مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِأَنعَامِكُمْ ۳۳) فَاِذَا جَاءَتِ الصَّاحَّةُ ۳۴)

میوہ اور گھاس کام چلانے کو تمھارے اور تمھارے چوپایوں کے پھر جب آئے وہ کان پھوڑنے والی

يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ أَخِيهِ ۳۵) وَأُفٍّ وَأَيْبٍ ۳۶) وَصَاحِبَتِهِ وَبَنِيهِ ۳۷)

جس دن کہ بھاگے مرد اپنے بھائی سے اور اپنی ماں اور اپنے باپ سے اور اپنی ساتھی والی سے اور اپنے بیٹوں سے

لِكُلِّ امْرِيٍّ مِنْهُمْ يَوْمَئِذٍ شَأْنٌ يُغْنِيهِ ۳۸) وَوَجْهٌ يَوْمَئِذٍ مُسْفَرٌ ۳۹)

ہر مرد کو ان میں سے اُس دن ایک فکر لگا ہوا ہے جو اسکے لئے کافی ہے کتنے منہ اُسدن روشن ہیں

صَاحِكَةٌ مُسْتَبْشِرَةٌ ۴۰) وَوَجْهٌ يَوْمَئِذٍ عَلَيْهَا غَبَرَةٌ ۴۱) تَرْهَقُهَا

ہنسنے خوشیاں کرتے اور کتنے منہ اُس دن اُن پر گرد پڑی ہے پرہمی آتی ہے

قَتَرَةٌ ۴۲) اُولَٰئِكَ هُمُ الْكَافِرَةُ الْفَجَرَةُ ۴۳)

اُن پر سیاہی یہ لوگ وہی ہیں جو منکر ہیں ڈھینٹھ

خلاصہ تفسیر

شان نزول ان آیات کے نزول کا قصہ یہ ہے کہ ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بعض رؤسائے مشرکین کو سمجھا رہے تھے، بعض روایات میں انہیں سے بعض کے نام بھی آئے ہیں۔ ابو جہل بن ہشام، عتبہ بن ربیعہ، ابی بن خلف، اُمیہ بن خلف، شیبہ، کہاتے ہیں حضرت عبداللہ ابن ام مکتوم نابینا صحابی حاضر ہوئے اور کچھ پوچھا، یہ قطع کلام آپ کو ناگوار ہوا اور آپ نے ان کی طرف التفات نہیں کیا، اور ناگواری کی وجہ سے آپ چیں بچیں ہوئے، جب اس مجلس سے اٹھ کر گھر جانے لگے تو آشاد وحی کے نمودار ہوئے اور یہ آیتیں عُبَسَ وَتَوَلَّى الْوُجْہَ نَازِل ہوئیں، اسکے بعد جب وہ آپ کے پاس آئے آپ بڑی خاطر کرتے تھے ہٰذِلَ الرَّحْمٰنِ اٰیَاتِ کَلَّهَا فِی الدِّیْنِ الْمُنْتَوَرِضِ واقعہ مذکور کے متعلق ارشاد ہوتا ہے کہ پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) چیں بچیں ہوئے اور متوجہ نہ ہو گئے اس بات سے کہ ان کے پاس اندھا آیا (یہاں تو غائب کے صیغہ سے فرمایا اور یہ تکلم کے انتہائی لطف و کرم اور مخاطب کی تکریم ہے کہ رُو در رُو اس امر کی نسبت نہیں فرمائی) اور (آگے خطاب کا صیغہ بطور التفات کے اس لئے اختیار کیا کہ شبہ اعراض کا نہوا، ارشاد ہوتا ہے کہ) آپ کو کیا خبر شاید وہ (نابینا آپ کی تعلیم سے پورے طور پر) سُنَّوَر جاتا یا (کم سے کم کسی خاص امر میں) نصیحت قبول کرتا سو اس کو نصیحت کرنا (کچھ نہ کچھ) فائدہ پہنچاتا، تو جو

شخص (دین سے) بے پرواہی کرتا ہے آپ اس کی تو فکر میں پڑتے ہیں، حالانکہ آپ پر کوئی الزام نہیں کہ وہ نہ سنوے (اُس کی بے پرواہی ذکر کر کے اس کی طرف زیادہ توجہ نہ دینے کی ہدایت ہے) اور جو شخص آپ کے پاس (دین کے شوق میں) دوڑتا ہوا آتا ہے اور وہ (خدا سے) ڈرتا ہے آپ اس سے بے اعتنائی کرتے ہیں (ان آیات میں آپ کی اجتہادی لغزش پر آپ کو مطلع کیا گیا ہے، سنشہ اس اجتہاد کا یہ تھا کہ یہ امر تو متیقن اور ثابت ہے کہ اہم کام کو مقدم کرنا چاہیے، آپ نے کفر کی شدت کو موجب اہمیت سمجھا جیسے دو بیمار ہوں ایک کو ہیضہ ہوا اور دوسرے کو زکام، تو ہیضہ سے مرض کا علاج مقدم ہوگا۔ اور اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کا حاصل یہ ہے کہ مرض کی شدت اُس وقت موجب اہمیت ہے جب دونوں مرض طالب علاج ہوں، لیکن اگر مرض شدید والا علاج کا طالب ہی نہیں بلکہ مخالف ہو تو پھر مقدم وہ ہوگا جو طالب علاج ہے اگرچہ مرض اسکا خفیف ہو آگے ان مشرکین کی طرف اس قدر توجہ ضروری نہ ہونے کو ارشاد فرماتے ہیں کہ آپ آئندہ) ہرگز ایسا نہ کیجئے (کیونکہ) قرآن (محض ایک) نصیحت کی چیز ہے (اور آپ کے ذمہ صرف اس کی تبلیغ ہے) سو جب کا جی چاہے اس کو قبول کرے (اور جو قبول نہ کرے وہ جانے آپ کا کوئی ضرر نہیں، پھر آپ اس قدر اہتمام کیوں فرماتے ہیں۔ آگے قرآن کے اوصاف بیان فرماتے ہیں کہ) وہ (قرآن لوح محفوظ کے) ایسے صحیفوں میں (ثبت) ہے جو (عند اللہ) مکرم ہیں (یعنی پسندیدہ و مقبول ہیں، اور) رفیع المکان ہیں (کیونکہ لوح محفوظ تحت العرش ہے کہ فی القرآن المنثور سورۃ الاحقاف ۴، اور وہ) مقدس ہیں (شیاطین خبیثہ کی وہاں تک رسائی نہیں، کہوہ تعالیٰ لَا یَمَسُّہُ إِلَّا الْمَطہَّرُونَ) جو ایسے مکلفین والوں (یعنی فرشتوں) کے ہاتھوں میں (رہتے) ہیں کہ وہ مکرم (اور) نیک ہیں (یہ سب صفات اسکے من جانب اللہ ہونے پر دلالت کرتی ہیں جیسا کہ سورہ واقعہ کی آیت لَا یَمَسُّہُ إِلَّا الْمَطہَّرُونَ میں بیان ہوا ہے اور لوح محفوظ ہر چند کہ شئی واحد ہے مگر اسکے اجزاء کو صحف سے تعبیر فرمایا، اور ان فرشتوں کو کاتب اسلئے کہا کہ یہ لوح محفوظ سے بامر الہی نقل کر نیوالے ہیں۔ حاصل آیات کا یہ ہوا کہ قرآن من جانب اللہ نصیحت کے لئے ہے، آپ نصیحت کر کے اپنے فرض سے فارغ ہو جاویں گے خواہ کوئی ایمان لاوے یا نہ لاوے پس اس قسم کی تقدیم تاخیر کی کوئی ضرورت نہیں، یہاں تک آداب تذکیر و تبلیغ کے ہوئے آگے کفار کے اس سے فائدہ نہ اٹھانے پر ترجیح ہے کہ منکر آدمی پر (جو ایسے تذکرہ سے نصیحت حاصل کرے جیسے ابو جہل وغیرہ جن کو آپ سمجھاتے تھے اور وہ نہیں سمجھے تو ایسے شخص پر) خدا کی ماکہ وہ کیسا ناشکرا ہے (وہ دیکھتا نہیں کہ) اللہ تعالیٰ نے اسکو کیسی (حقیر) چیز سے پیدا کیا (آگے جواب ہے کہ) نطفہ سے (پیدا کیا، آگے اسکی کیفیت مذکور ہے کہ بہت سے انقلابات اور تغیرات کے بعد) اسکی صورت بنائی پھر اس (کے اعضا) کو اندازے سے بنایا (جیسا کہ سورہ الفیہ کی آیت فَخَلَقَ فَسُوًی میں گزر چکا ہے) پھر اسکو (پکھلنے کا) راستہ آسان کر دیا (چنانچہ ظاہر ہے کہ ایسے تنگ موقع سے اچھے خاصے نو مند بچہ کا صحیح سالم نکل آنا صاف دلیل ہے اللہ کے قادر اور عہد کے مقدور ہونے کی) پھر (بعد عمر ختم ہونے کے) اسکو موت دی پھر اسکو قبر میں لے گیا (خواہ اول سے خاک میں رکھ دیا جائے یا بعد چند سے خاک میں لجائے) پھر جب اللہ چاہے گا اسکو دوبارہ زندہ کر دیگا (مطلب یہ کہ سب تصرفات دلیل ہیں انسان کے داخل قدرت الہیہ ہونے کی اور نعمت

بھی ہیں۔ بعضے حتیٰ بعضے معنوی جسکا مقتضی تھا وجوب طاعت و ایمان مگر اس نے (ہرگز) شکر) نہیں (ادا کیا اور اس کو جو حکم کیا تھا اس کو بجا نہیں لایا، سو انسان کو چاہیے کہ (اپنی خلیق کے ابتدائی حالات پر نظر کرنے کے بعد اسباب بقا و تعیش پر نظر کرے مثلاً) اپنے کھانے کی طرف نظر کرے (تاکہ وہ باعث ہو حق شناسی اور اطاعت ایمان کا اور آگے نظر کرنے کا طریقہ بتاتے ہیں وہ یہ) کہ ہم نے عجیب طور پر پانی برسایا، پھر عجیب طور پر زمین کو پھاڑا، پھر ہم نے اس میں غلہ اور انگور اور ترکاری اور زیتون اور کھجور اور گنجان باغ اور میوے اور چارہ پیدا کیا (بعضی چیزیں) تمہارے اور (بعضی چیزیں) تمہارے مویشی کے فائدہ کے لئے (اور یہ سب بھی نعمت اور دلیل قدرت ہیں، اور اس مجموعہ میں ہر جزو مقتضی ہے وجوب شکر ایمان کو، یہاں تک تشبیہ ہوگی نصیحت قبول نہ کرنے پر، آگے عدم تذکر پر سزا اور تذکر پر ثواب آخرت مذکور ہے۔ یعنی اب تو یہ لوگ ناشکری اور کفر کرتے ہیں) پھر جو وقت کانوں کا بہر کر دینے والا شور برپا ہوگا (یعنی قیامت اس وقت ساری ناشکری کا مزا معلوم ہو جائیگا، آگے اس دن کا بیان ہے کہ) جن رز (ایسا) آدمی (جسکا اوپر بیان ہوا) اپنے بھائی سے اور اپنی ماں سے اور اپنے باپ سے اور اپنی بیوی سے اور اپنے بیٹوں سے بھاگے گا (یعنی کوئی کسی کی ہمدردی نہ کرے گا، کقولہ تعالیٰ لَا يَسْأَلُ خَلْقٌ خَلْقًا وَجْهَ يَوْمَ يَوْمٍ) ان میں ہر شخص کو (اپنا ہی) ایسا مشغلہ ہوگا جو اسکو اور طرف متوجہ نہ ہونے دیگا (یہ تو کفار کا حال ہوگا، آگے مجموعہ مومنین اور کفار کی تفصیل ہے کہ) بہت سے چہرے اس روز (ایمان کی وجہ سے) روشن (اور مسرت سے) خنداں شاداں ہونگے اور بہت سے چہروں پر اس روز (کفر کی وجہ سے) ظلمت ہوگی (اور اس ظلمت کیساتھ) ان پر (غم کی) کدورت چھائی ہوگی یہی لوگ کافر فاجر ہیں (کافر سے اشارہ ہے) فساد عقائد کی طرف اور فاجر سے فساد اعمال کی طرف)

معارف و مسائل

شان نزول میں جو واقعہ حضرت عبداللہ ابن اُم مکتوم نابینا صحابی رض کا نقل کیا گیا ہے اس میں بغوی نے یہ مزید روایت کیا ہے کہ حضرت عبداللہ رض کو نابینا ہونے کے سبب یہ تو معلوم نہیں ہو سکا کہ آپ کسی دو کسے سے گفتگو میں مشغول ہیں، مجلس میں داخل ہو کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو آواز دینی شروع کی اور بار بار آواز دی (مظہری) اور ابن کثیر کی ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک آیت قرآن پڑھوانے کا سوال کیا اور اس سوال کے فوری جواب دینے پر اصرار کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت مکہ کے کفار سرداروں کو دین کی تبلیغ کرنے اور سمجھانے میں مصروف تھے۔ یہ سردار عتبہ بن ربیعہ، ابو جہل ابن ہشام اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباس رض تھے جو اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس موقع پر عبداللہ ابن اُم مکتوم رض کا اس طرح خطاب کرنا اور ایک آیت کے الفاظ درست کر سیکے معمولی سوال پر فوری جواب کے لئے اصرار کرنا ناگوار ہوا جس کی بڑی وجہ یہ تھی کہ عبداللہ ابن اُم مکتوم بچے مسلمان اور ہر وقت کے حاضر باش

تھے دوسرے اوقات میں بھی سوال کر سکتے تھے، ان کے جواب کے مؤخر کرنے میں کسی دینی نقصان کا خطرہ نہ تھا۔ بخلاف رؤسائے قریش کے کہ یہ لوگ ہر وقت آپ کی خدمت میں آتے ہیں اور نہ ہر وقت اُن کو اللہ کا کلمہ پہنچایا جاسکتا ہے اس وقت یہ لوگ آپ کی بات سن رہے تھے جس سے انکے ایمان لایکی توقع کھجاسکتی تھی اور ان کی بات کاٹ دی جاتی تو ایمان ہی سے محرومی انکی ظاہر تھی۔ ان مجبوعہ حالات کی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن ام مکتومؓ سے رُخ پھیر کر اپنی ناگواری کا اظہار فرمایا اور جو گفتگو تبلیغِ حق کی رؤسائے قریش کے ساتھ جاری تھی اُس کو جاری رکھا، اس پر مجلس سے فارغ ہونے کے وقت سورہ عبس کی آیات مذکورہ نازل ہوئیں جس میں آپ کے اس طرزِ عمل کو ناپسندیدہ قرار دے کر آپ کو ہدایت کی گئی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ طرزِ عمل اپنے اجتہاد پر مبنی تھا کہ جو مسلمان آدابِ مجلس کی خلاف ورزی گفتگو اختیار کرے اسکو کچھ تنبیہ ہونی چاہیے تاکہ آئندہ وہ آدابِ مجلس کی رعایت کرے اس کے لئے تو آپ نے حضرت ابن ام مکتومؓ سے رُخ پھیر لیا، اور دوسری بات یہ تھی کہ بظاہر حال کفر و سرک سب سے بڑے گناہ ہیں انکے ازالہ کی فکر مقدم ہونا چاہیے بمقابلہ بن کے فردعی احکام کی تعلیم کے جو عبد اللہ ابن ام مکتومؓ چاہتے تھے مگر حق تعالیٰ جل شانہ نے آپ کے اس اجتہاد کو درست قرار نہیں دیا اور اس پر تنبیہ فرمایا کہ یہاں قابلِ غور یہ بات تھی کہ ایک شخص جو آپ سے دینی تعلیم کا طالب ہو کر سوال کر رہا ہے اسکے جواب کا فائدہ تو یقینی ہے اور جو آپ کا مخالف ہے آپ کی بات سُنا بھی پسند نہیں کرتا اُس سے گفتگو کا فائدہ مہموم ہے، مہموم کو یقینی پر ترجیح نہ ہونا چاہیے اور عبد اللہ ابن ام مکتومؓ سے جو آدابِ مجلس کی خلاف بات سرزد ہوئی اُن کا عندِ قرآن نے لفظاً علی کہہ کر بتلادیا کہ وہ نابینا تھے اسلئے اس کو نہ دیکھ سکتے تھے کہ آپ اس وقت کس شغل میں ہیں، کن لوگوں سے گفتگو چل رہی ہے اسلئے وہ معذور تھے، مستحقِ اعراض نہیں تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ کسی معذور آدمی سے بخبری میں کوئی بات آدابِ مجلس کے خلاف ہو جائے تو وہ قابلِ عتاب نہیں ہوتا۔

عَبَسَ وَتَوَلَّى، عَبَسَ کے معنی ترش روی اختیار کرنا یعنی چہرہ سے اظہارِ ناگواری کرنا اور تَوَلَّى کے معنی رُخ پھیر لینے کے ہیں۔ اس جگہ موقع اسکا تھا کہ یہ الفاظ آپ کو بصیغہ خطاب کہے جاتے کہ آپ نے ایسا کیا۔ لیکن قرآن کریم نے صیغہ خطاب کے بجائے صیغہ غائب اختیار کیا جس میں عتاب کی حالتیں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اکرام ملحوظ رکھا گیا اور صیغہ غائب اختیار کر کے یہ ایہام کیا کہ جیسے یہ کام کسی اور نے کیا ہو اشارہ اس طرف ہے کہ یہ کام آپ کے شایانِ شان نہیں، اور دوسرے جملے میں خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عذر کی طرف اشارہ فرمادیا وَمَا يَذَّكَّرُ (یعنی آپ کو کیا خبر) اس میں بتلادیا کہ اعراض کی وجہ یہ پیش آئی ہے کہ آپ کا دھیان اس طرف نہیں گیا کہ یہ صحابی جو کچھ دریافت کر رہے ہیں اسکا اثر یقینی ہے اور غیروں سے گفتگو کا اثر مہموم۔ اور اس دوسرے جملے میں صیغہ غائب چھوڑ کر صیغہ خطاب کا اختیار فرمانے میں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تکریم اور دلجوئی ہے کہ اگر بالکل خطاب کا صیغہ استعمال نہ ہوتا تو بیشبہ

لَعَلَّہٗ، یَرْکَبُ اَوْ یَدَّکُرُ فَتَنْفَعُ اللّٰہُ کَرَامَی، یعنی آپ کو کیا معلوم کہ یہ صحابی جوبات دریافت کر رہے تھے اس کا فائدہ متیقن تھا کہ آپ ان کو تعلیم دیتے تو یہ اُس کے ذریعہ اپنے نفس کا تزکیہ کر لیتے اور کمال حاصل کر لیتے اور یہ بھی نہ ہوتا تو کم از کم اس ذکر اللہ سے وہ ابتدائی نفع اٹھاتے کہ اس سے ان کے دل میں اللہ تعالیٰ کی محبت اور خوف کی ترقی ہو جاتی۔ لفظ ذکر کی کے معنی کثرت ذکر کے ہیں (کنز فی الصحیح)

یہاں قرآن کریم نے دو جملے اختیار فرمائے یُکِّثُکُمْ اور یَنْکُرُکُمْ پہلے کے معنی پاک صاف ہو جانے کے ہیں اور دوسرے کے معنی نصیحت حاصل کرنے اور ذکر سے متاثر ہونے کے ہیں۔ پہلا مقام ابرار و اتقیا کا ہے۔ جو اپنے نفس کو ظاہری اور باطنی ہر قسم کی گندگیوں سے پاک صاف کر لیں اور دوسرا مقام طسبِ دین پر چلنے کے ابتدائی حال کا ہے کہ مبتدی کو اللہ کی یاد دلائی جاتی ہے جس سے اللہ تعالیٰ کی عظمت و خوف اسکے دل میں مستحضر ہو جاتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ان کو تعلیم دینا نفع کے کسی حال خالی نہیں تھا خواہ نفع کامل ہو جاتا کہ تزکیہ نفس مکمل حاصل کر لیتے یا ابتدائی نفع حاصل ہوتا کہ اللہ کی یاد اور عظمت و خوف انکے دل میں بڑھ جاتا اور دونوں جملے بحرِ تردید یعنی آؤ کے ساتھ استعمال کئے گئے کہ ان دونوں میں سے کوئی ایک حال ضرور حاصل ہوتا اس میں اصطلاحی مانعہ الخلو ہے یعنی احتمال یہ بھی ہے کہ دونوں نفع جمع ہو جائیں کہ ابتداءً تذکر ہو اور اسکے بعد تزکیہ مانعہ الجمع نہیں کہ دونوں جمع نہ ہو سکیں (مظہری)

تبلیغ و تعلیم کے لئے ایک ہم اصول قرآنی اس موقع میں یہ تو ظاہر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے دو کام بیک وقت آگئے، ایک مسلمان کو تعلیم اور اُس کی تکمیل اور دلجوئی، دوسرے غیر مسلموں کی ہدایت کے لئے اُن کی طرف توجہ۔ قرآن کریم کے اس ارشاد نے یہ واضح کر دیا کہ پہلا کام دوسرے کام پر مقدم ہے۔ دوسرے کام کی وجہ سے پہلے کام میں تاخیر کرنا یا کوئی خلل ڈالنا درست نہیں، اس سے معلوم ہوا کہ مسلمانوں کی تعلیم اور اُن کی اصلاح کی فکر غیر مسلموں کو اسلام میں داخل کرنے کی فکر سے اہم اور مقدم ہے۔

اس میں اُن علماء کے لئے ایک اہم ہدایت ہے جو غیر مسلموں کے شبہات کے ازالے اور ان کو اسلام سے مانوس کرنے کی خاطر بعض ایسے کام کر بیٹھتے ہیں جن سے عام مسلمانوں کے دلوں میں شکوک شبہات یا شکایات پیدا ہو جاتی ہیں اُن کو اس قرآنی ہدایت کے مطابق مسلمانوں کی حفاظت اور اصلاح حال کو مقدم رکھنا چاہیئے، اکبر مرحوم نے خوب فرمایا ۵

بے وفا سمجھیں تھیں اہل حرم اس سے بچو : دُور والے کچھ ادا کہیں یہ بدنامی بھلی
بعد کی آیتوں میں قرآن کریم نے اسی بات کو پوری وضاحت سے بیان فرمایا ہے کہ اَمَّا مَنْ اَسْتَعْتٰی

قَالَتْ لَكَ تَصَدَّقُ، یعنی جو شخص آپ سے اور آپ کے دین سے استغفار اور بے رنجی برت رہا ہے آپ اُس کے تو درپے ہیں کہ کسی طرح یہ مسلمان ہو جائے حالانکہ یہ آپ کے ذمہ نہیں، اور اگر وہ مسلمان نہ ہو تو آپ پر کوئی الزام نہیں، اور جو شخص دوتا ہوا طلب علم دین کے لئے آیا اور وہ خدا تعالیٰ سے ڈرنے والا بھی ہے آپ اُسکی طرف توجہ نہیں دیتے۔ اس میں واضح طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ہدایت دی گئی کہ مسلمانوں کی تعلیم اور اصلاح و تربیت کر کے اُن کو پکا مسلمان اور قوی مومن بنانا یہ غیر مسلموں کو اسلام میں داخل کرنے کی فکر سے زیادہ اہم اور مقدم ہے اس کی فکر زیادہ چاہیے۔ واللہ اعلم۔ اس کے بعد قرآن مجید کا اللہ کی طرف سے تذکرہ نصیحت ہونا اور اسکا مکرم عالیشان ہونا بیان فرمایا ہے۔

فِي صُحُفٍ مُّكَرَّمَةٍ مِّمَّا تَرْتَوَعُ تَلْكَ تَحْفَظُ، صحف سے مراد لوح محفوظ ہے وہ اگرچہ ایک ہی ہے مگر اسکو بصیغہ جمع صحف سے تعبیر اس لئے کیا گیا کہ اس میں سب صحائف آسمانی لکھے ہوتے ہیں یا اس لئے کہ فرشتے اپنے صحیفے اُس سے نقل کرتے ہیں۔ مرفوعہ سے مراد اُن صحیفوں کا عند اللہ عالیشان ہونا ہے۔ اور مطہرہ سے مراد یہ ہے کہ جنابت والے آدمی اور حیض نفاس والی عورت اور بے وضو کے لئے اُن کا چھونا جائز نہیں۔

يَا أَيُّدِي سَفَرَةٍ كَرَامٍ بُورَةٍ، سَفَرَةُ بَفْتَتَيْنِ سافر کی جمع بھی ہو سکتی ہے جس کے معنی کاتب کے ہیں، اس صورت میں اس سے مراد فرشتے، کرام کاتبین یا انبیاء علیہم السلام اور اُن کی وحی کو لکھنے والے حضرات ہوں گے۔ حضرت ابن عباسؓ اور مجاہد سے یہی تفسیر منقول ہے۔

اور لفظ سَفَرَا، سفير بمعنی قاصد کی جمع بھی ہو سکتی ہے، اس صورت میں اس سے مراد رسل ملائکہ اور انبیاء علیہم السلام اور وحی کی کتابت کرنے والے حضرات صحابہ ہوں گے، اور علمائے اُمت بھی اس میں داخل ہیں، کیونکہ وہ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اُمت کے درمیان سفير اور قاصد ہیں۔ حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص قرآن پڑھتا ہے اور وہ قرأت میں بھی ماہر ہے تو وہ سَفَرہ کرام ابرار کے ساتھ ہے۔ اور جو شخص ماہر نہیں مگر تکلف کے ساتھ مشقت اُٹھا کر قرأت صحیح کر لیتا ہے اُس کے لئے دوہرا اجر ہے (رواہ اشعنان عن عائشہؓ۔ مظہری) اس سے معلوم ہوا کہ غیر ماہر کو دو اجر ملتے ہیں ایک قرأت قرآن کا دوسرا مشقت اُٹھانے کا۔ اسی سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ ماہر کو بے شمار اجر ملیں گے (مظہری)

سابقہ آیات میں قرآن کریم کا عالیشان و اجل لایمان ہونا بیان کرنے کے بعد کافر انسان جو قرآن کے منکر ہیں اُن پر لعنت اور اللہ کی نعمت کی ناشکری پر تنبیہ ہے اور قرآن کا منجانب اللہ ایک نعمت عظیم ہونا تو ایک معنوی چیز ہے جس کو اہل علم و فہم ہی سمجھ سکتے ہیں، آگے اُن انعامات الہیہ کا ذکر ہے جو انسان کی تخلیق سے آخر تک انسان پر مبذول ہوتے رہتے ہیں۔ یہ مادی اور محسوس چیز ہے جسکو ادنیٰ شعور والا انسان بھی سمجھ سکتا ہے۔ اسی سلسلے میں تخلیق انسانی کا ذکر فرمایا مِنْ اَيِّ شَيْءٍ خَلَقْنَاهُ مِنْ نُّطْفَةٍ پہلے تو اس میں ایک سوال کیا گیا کہ اے انسان تو غور کر کہ تجھے اللہ نے کس چیز سے پیدا کیا ہے اور چونکہ اسکا

جواب متعین ہے، اس کے سوا کوئی دوسرا جواب ہو ہی نہیں سکتا، اسلئے پھر خود ہی فرمایا **مِنْ نُّطْفَةٍ**، یعنی انسان کو نطفہ سے پیدا کیا، پھر فرمایا **خَلَقَهُ فَقَدْ ذَكَرْكَ**، یعنی یہی نہیں کہ نطفہ سے ایک جاندار کا وجود بنا دیا بلکہ اس کو ایک خاص اندازہ اور بڑی حکمت سے بنایا، اُس کے قد و قامت اور جسامت اور شکل و صورت اور اعضاء کے طول و عرض اور جوڑ بند اور آنکھ ناک کان وغیرہ کی تخلیق میں ایسا اندازہ قائم فرمایا کہ ذرا اسکے خلاف ہو جائے تو انسان کی صورت بگڑ جائے اور کام کاج مصیبت بن جائے۔

اور لفظ **قَدْ ذَكَرْكَ** سے یہاں یہ بھی مراد ہو سکتی ہے کہ انسان جس وقت بطنِ مادر میں زیرِ تخلیق ہوتا ہے اُس وقت اللہ تعالیٰ اس کی چار چیزوں کی مقدار لکھ دیتے ہیں، وہ یہ کہ وہ کیا کیا اور کیسے کیسے عمل کرے گا، انکی عمر کتنی ہوگی، اُس کو رزق کتنا ملے گا، اور وہ انجام کار سعید و نیک نجت ہوگا یا شقی بد نجت (کما فی حدیث ابن مسعود رضی اللہ عنہما)

ثُمَّ السَّبِيلَ يَسَّرُهُ، یعنی حق تعالیٰ نے اپنی حکمت بالغہ سے انسان کی تخلیق بطنِ مادر کی تین اندھیروں اور ایسے محفوظ مقام میں فرمائی کہ جس کے پیٹ میں یہ سب کچھ ہو رہا ہے اسکو بھی اس تخلیق کی تفصیل کی کچھ خبر نہیں، پھر یہ زندہ تمام اعضاء و جوارح سے مکمل انسان جس جگہ میں بنا ہے وہاں اُس دنیا میں آئیکارستہ بھی باوجود تنگ ہو سکے حق تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ ہی نے آسان فرمادیا کہ چارپانچ نوٹ کا وزنی جسم صحیح سالم برآمد ہو جاتا ہے اور ماں کے وجود کو بھی اس سے کوئی خاص نقصان نہیں پہنچتا۔ **فَتَبَارَكَ اللَّهُ أَحْسَنُ الْخَالِقِينَ**

لَهُ أَمْثَلُ مَا خَلَقَ، تخلیقِ انسانی کی ابتدا بیان کرنے کے بعد اس کی انتہا موت اور قبر پر ہے اسکا ذکر بسلسلہ انعامات فرمایا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ انسان کی موت درحقیقت کوئی مصیبت نہیں نعمت ہی ہے۔ حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا **تَحْقُقَةُ الْمُؤْمِنِ الْمَوْتُ** کہ مومن کا تحفہ موت ہے اور اسیں مجموعہ عالم کے اعتبار سے بڑی حکمتیں ہیں، اور **قَدْ ذَكَرْكَ** کے معنی پھر اس کو قبر میں داخل کیا یہ بھی ایک انعام ہے کہ انسان کو حق تعالیٰ نے عام جانوروں کی طرح نہیں رکھا کہ مر گیا تو وہیں زمین پر مڑتا اور پھولتا پھٹتا ہے، بلکہ اُسکا اکرام یہ کیا گیا کہ اُس کو نہلا کر نئے اور پاک صاف کپڑوں میں ملبوس کر کے احترام کے ساتھ قبر میں دفن کر دیا جاتا ہے۔

مسئلہ - اس آیت سے معلوم ہوا کہ مردہ انسان کو دفن کرنا واجب ہے۔

كَلَّا لَمَّا أَبْقَى مَا آمَرَكَ، اس میں تخلیقِ انسانی کی ابتدا و انتہا اور انہیں حق تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ اور انعامات کا ذکر کرنے کے بعد شکرِ انسان کو تنبیہ کی گئی کہ ان آیاتِ الہیہ اور انعامات کا تقاضا تھا کہ انسان ان میں غور کر کے اللہ پر ایمان لاتا اور اسکے احکام کی تعمیل کرتا مگر اس بد نصیب نے ایسا نہیں کیا، آگے پھر ان انعاماتِ الہیہ کا تذکرہ ہے جو تخلیقِ انسانی کی ابتدا و انتہا کے درمیانی زمانے میں انسان پر مبذول ہوتے ہیں کہ انسان کا رزق کس طرح پیدا کیا جاتا ہے کہ آسمان سے پانی برستا ہے، بیج اور دانہ جو زمین میں مدفون ہے یہ بارش

اسیں ایک حیاتِ نباتی پیدا کرتی ہے جس کے ذریعہ ایک نحیف و ضعیف کونپل زمین کو شق کر کے اوپر نکلتی ہے اور پھر اس سے انواع و اقسام کے غلے میوے اور باغات وجود میں آتے ہیں۔ ان سب انعاماتِ الہیہ پر انسان کو مکرر سکرتنبیہ کے بعد آخر سورت میں پھر قیامت کا ذکر ہے۔

فَإِذَا جَاءَتِ الطَّامَّةُ، صَاحَّةٌ ایسے شور اور سخت آواز کو کہتے ہیں جس سے انسان کے کان پہرے ہو جائیں مراد اس سے شورِ قیامت یعنی نفعِ صور ہے۔

يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ أَخِيهِ، یہ محشر میں سب کے جمع ہونے کے وقت کا بیان ہے کہ ہر شخص اپنے اپنے فکر میں اور نفسی نفسی کے عالم میں ہوگا، دنیا میں جو رشتے تاتے ایسے ہیں کہ لوگ ایک دوسرے پر اپنی جان تک قربان کر دیتے ہیں اُس عالم میں ہر شخص اپنی اپنی ایسی فکر میں مبتلا ہوگا کہ کوئی کسی کی خبر نہ لے سکے گا بلکہ سامنے دیکھے گا تو بھی گریز کرے گا۔ انسان اپنے بھائی سے ماں باپ سے بیوی اور اولاد سے منہ چھپاتا بھاگتا پھرے گا، دنیا میں تعاون و تناصر اور امداد باہمی بھائیوں میں ہوتی ہے اس سے زیادہ ماں باپ کی امداد و اعانت کی فکر ہوتی ہے طبعی طور پر اُن سے بھی زیادہ بیوی اور اولاد سے تعلق ہو جاتا ہے اسیں ادنیٰ سے اعلیٰ تعلق کی طرف ترتیب سے بیان فرمایا ہے، آگے اس میدانِ محشر میں مومنین اور کفار کے انجام کا ذکر کر کے سورت ختم کی گئی ہے۔

تَمَّتْ سُورَةُ عَبَسَ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ لَيْلَةَ الرَّجَاءِ ۷ شَعْبَانَ ۱۳۹۱ھ



سُورَةُ التَّكْوِيْرِ

سُورَةُ التَّكْوِيْرِ مَكِّيَّةٌ وَرُحِي تِسْعٌ وَعِشْرُونَ آيَةً
سورة تکویر مکہ میں نازل ہوئی اور اس کی آیتیں آتھیں ہیں

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

شروع اللہ کے نام سے جو مہربان نہایت رحم والا ہے

إِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ ۝ وَإِذَا النُّجُومُ انْكَدَرَتْ ۝ وَإِذَا الْجِبَالُ سُيِّرَتْ ۝

جب سورج کی دھوپ تہ ہو جائے اور جب ستارے پیلے ہو جائیں اور جب پہاڑ چلائے جائیں اور

وَإِذَا الْعِشَارُ عُطِّلَتْ ۝ وَإِذَا الْوُحُوشُ حُشِرَتْ ۝ وَإِذَا الْبِحَارُ سُجِّرَتْ ۝

جب بیاضی اونٹنیاں چھٹی پھریں اور جب جنگل کے جانوروں میں رول چلائے اور جب دریا بھونکے جائیں اور

وَإِذَا النُّفُوسُ زُوِّجَتْ ۝ وَإِذَا الْمَوْءَدَةُ سُيِّلَتْ ۝ بِأَيِّ ذَنْبٍ قُتِلَتْ ۝

جب جیوں کے جوڑے بانڈھے جائیں اور جب بیٹی جیتی گاڑی گئی کوہلو پھیں کہ کس گناہ پر وہ ماری گئی

وَإِذَا الصُّحُفُ نُشِرَتْ ۝ وَإِذَا السَّمَاءُ كُشِطَتْ ۝ وَإِذَا الْجَحِيمُ سُعِّرَتْ ۝

اور جب اعمال نامے کھولے جائیں اور جب آسمان کا پوست اُتار لیں اور جب دوزخ دھکائی جائے اور

وَإِذَا الْجَنَّةُ أُرْفَتْ ۝ عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّا أَحْضَرَتْ ۝ فَلَا أَقْسَمُ بِالْخُشْيِ ۝

جب بہشت پاس لائی جائے جان بیگنا ہر ایک جی جو لے کر آیا سو قسم کھاتا ہوں میں تجھے ہٹ جانیاں لوں

الْجَوَارِ الْكُنُوسِ ۝ وَاللَّيْلِ إِذَا عَسْعَسَ ۝ وَالصُّبْحِ إِذَا تَنَفَّسَ ۝ إِنَّهُ

سیدھے چلنے والوں و یک جانیاں لوں کی اور رات کی جب پھیل جائے اور صبح کی جب دم بھرے مقررہ

لَقَوْلِ رَسُولٍ كَرِيمٍ ۝ ذِي قُوَّةٍ عِنْدَ ذِي الْعَرْشِ مَكِينٍ ۝ مُطَاعٍ

کہا ہے ایک بھیجے ہوئے عزت والے کا قوت والا عرش کے مالک کے پاس درجہ پانے والا سب کا مانا ہوا

ثَمَّ آمِينَ ۝ وَمَا صَاحِبُكُمْ بِمَجْنُونٍ ۝ وَلَقَدْ رَآهُ بِالْأَفْقِ الْمُبِينِ ۝

وہاں کا معتبر ہے اور یہ تمہارا رفیق کچھ دیوانہ نہیں اور اسنے دیکھا ہے اس فرشتے کو آسمان کے کھلے خوارہ کے پاس اور

مَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِينٍ ۚ ﴿۲۳﴾ وَمَا هُوَ بِقَوْلِ شَيْطَانٍ رَجِيزٍ ۚ ﴿۲۴﴾ فَإِنَّ تَذٰهَبُونَ ﴿۲۵﴾

یہ غیب کی بات بتانے میں بخیل نہیں اور یہ کہا ہوا نہیں کسی شیطان مردود کا پھر تم کہہ چلے جا رہے ہو

إِنْ هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ لِلْعَالَمِينَ ۚ ﴿۲۶﴾ لِمَنْ شَاءَ مِنْكُمْ أَنْ يَسْتَقِيمَ ۚ ﴿۲۷﴾ وَمَا

یہ تو ایک نصیحت ہے جہان بھر کے واسطے جو کوئی چاہے تم میں سے کہ سیدھا چلے اور تم

تَشَاءُونَ إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ ۚ ﴿۲۸﴾	جسے چاہو کہ چاہے اللہ سارے جہان کا مالک
---	---

خلاصہ تفسیر

جب آفتاب بے نور ہو جاوے گا اور جب ستارے ٹوٹ ٹوٹ کر گر پڑیں گے اور جب پہاڑ چلائے جاویں گے اور جب دہل جہنم کی گاہیں اُونٹنیاں چھٹی پھریں گی، اور جب حشری جانور (مارے گھبراہٹ کے) سب جمع ہو جاویں گے اور جب دریا بھر کاٹے جاویں گے (یہ چھ واقعات تو نفع اولیٰ کے وقت ہونگے جبکہ دُنیا آباد ہوگی اور اس نفع سے یہ تغیرات تبدلات واقع ہونگے اور اُس وقت اُونٹنیاں وغیرہ بھی اپنی اپنی حالت پر ہونگی جنہیں بعضہ دُفعہ حمل کے قریب ہونگی جو کہ عرب کے نزدیک سب سے زیادہ قیمتی مال ہے جس کی ہر وقت دیکھ بھال کرتے رہتے ہیں مگر اُس وقت ہل چل میں کسی کو گھسیں گا ہوش نہ رہے گا اور وحوش بھی مارے گھبراہٹ کے سب گڈمڈ ہو جاویں گے اور دریادوں میں اول طغیانی پیدا ہوگی اور زمین میں شقوق واقع ہو جاویں گے جس سے سب شیریں اور شور دریا ایک ہو جاویں گے جس کا ذکر آئندہ سورت میں قَدْ اِذَا الْيَمَامُ فَيُجْرَتُ میں فرمایا ہے۔ پھر شدت حرارت سے سب کا پانی آگ ہو جاوے گا، شاید اول ہوا ہو جاوے پھر ہوا آگ بن جاوے اسکے بعد عالم فنا ہو جاوے گا (اور اگلے چھ واقعات بعد نفع ثانیہ کے ہونگے جن کا بیان یہ ہے کہ) جب ایک ایک قسم کے لوگ اکٹھے کئے جاویں گے (کافر الگ مسلمان الگ، پھر انہیں ایک ایک طریقہ کے الگ الگ) اور جب زندہ گاڑی ہوئی لڑکی سے پوچھا جاوے گا کہ وہ کس گناہ پر قتل کی گئی تھی (مقصود اس پوچھنے سے زندہ درگور کر نیوالے ظالموں کا اظہارِ جرم ہے) اور جب انہیں اعمال کھول دیے جاویں گے (تاکہ سب اپنے اپنے عمل دیکھ لیں کہ قولہ تعالیٰ يَلْقَاهُ مَنْشُورًا) اور جب آسمان کھل جاوے گا (اور اسکے کھلنے سے آسمان کے اوپر کی چیزیں نظر آنے لگیں گی اور نیز اسکے کھلنے سے غم کا نزول ہوگا جس کا ذکر پارہ ۱۹ وَقَالَ الَّذِينَ لَا يَرْجُونَ آيَةً وَيَوْمَ تَشَقَّقُ السَّمَاءُ عِلَاقًا) اور جب دوزخ (اور زیادہ) دہسائی جاوے گی، اور جب جنت نزدیک کر دی جاوے گی (کافی سورہ قَدْ اُنْزِلَتْ الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِينَ) جب یہ سب واقعات نفع اولیٰ اور ثانیہ کے واقع ہو جاویں گے تو اُس وقت ہر شخص اُن اعمال کو جان لیگا جو بیکار آیا ہے (اور جب ایسا واقعہ ہائے ہونیوالا ہے) تو (میں منکرین کو اسکی حقیقت بتلاتا ہوں اور مصدقین کو اسکے لئے آمادہ کرتا ہوں، اور یہ دونوں امر قرآن کی تصدیق اور اس پر عمل کرنے سے حاصل ہوتے ہیں کہ اس میں اسکا اثبات اور نجات کا طریقہ ہے

اس لئے) میں قسم کھاتا ہوں ان ستاروں کی جو (سیدھے چلتے چلتے) پیچھے کو ہٹنے لگتے ہیں (اور پھر پیچھے ہی کو) چلتے رہتے ہیں (اور کبھی پیچھے چلتے چلتے اپنے مطالع میں) جا چھپتے ہیں (ایسا امر پانچ سیاروں کو پیش آتا ہے کہ کبھی سیدھے چلتے ہیں کبھی پیچھے چلتے ہیں اور ان کو خمسہ متحیرہ کہتے ہیں۔ زحل، مشتری، عطارد، مریخ، زہرہ) اور قسم ہے رات کی جب وہ جانے لگے اور قسم ہے صبح کی جب وہ آنے لگے (آگے جواب قسم ہے) کہ یہ قرآن (اشد کا) کلام ہے ایک معزز فرشتہ (یعنی جبریل علیہ السلام) کالایا ہوا جو قوت والا ہے (کما فی النجم عِلْمٌ شَدِيدٌ لِقَوًیٰ) اور (ملک عرش کے نزدیک ذی رتبہ ہے) اور (وہاں یعنی آسمانوں میں) اسکا کہنا مانا جاتا ہے (یعنی فرشتے اسکا کہنا مانتے ہیں جیسا حدیث معراج سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ انکے کہنے سے فرشتوں نے آسمانوں کے دروازے کھول دیئے اور) امانت دار ہے (کہ وحی کو صحیح پہنچا دیتا ہے پس وحی لانیوالا تو ایسا ہے) اور (آگے جن پر وحی نازل ہوئی اُن کی نسبت ارشاد ہے کہ) یہ تمھارے ساتھ کے رہنے والے (محمد صلی اللہ علیہ وسلم جنکا حال بخوبی تم کو معلوم ہے) مجنوں نہیں ہیں (جیسا منکرین نبوت کہتے تھے) اور انھوں نے اس فرشتہ کو (اصلی صورتیں آسمان کے) صاف کنارہ پر دیکھا بھی ہے (صاف کنارہ سے مراد بلند کنارہ ہے کہ صاف نظر آتا ہے کما فی النجم وَهُوَ بِالْأُفُقِ الْأَعْلَى) اور اسکا مفصل بیان سورہ نجم میں گزرا ہے) اور یہ پیغمبر مخفی (بتلای ہوئی وحی کی) باتوں پر غل کر نیوالے بھی نہیں (جیسا کاہنوں کی عادت تھی کہ رقم لے کر کوئی بات بتلاتے تھے اس سے کہانت کی بھی نفی ہو گئی اور اس کی بھی کہ آپ اپنے کام کا کسی سے معاوضہ لیں) اور یہ قرآن کسی شیطان مردود کی کہی ہوئی بات نہیں ہے (اس سے نفی کہانت کی اور تاکید ہو گئی) حاصل یہ کہ نہ آپ مجنوں ہیں نہ کاہن، نہ صاحب غرض، اور وحی لانیوالے کو پہچانتے بھی ہیں اور وحی لانیوالا ایسا ایسا ہے پس لا محالہ یہ اللہ کا کلام اور آپ اللہ کے رسول ہیں، اور یہ قسمیں مطلوب مقام کے نہایت مناسب ہیں چنانچہ ستاروں کا سیدھا چلنا اور ٹوٹنا اور چھپ جانا مشابہ ہے فرشتے کے آنے اور واپس جانے اور عالم ملکوت میں جا چھپنے کے اور رات کا گزرنا اور صبح کا آنا مشابہ ہے قرآن کے سبب ظلمت کفر کے رفع ہو جانے اور نور ہدایت کے ظاہر ہو جانے کے، جب یہ بات ثابت ہے (تو تم لوگ (اس بارہ میں) کہہ کر کوچلے جا رہے ہو (کہ نبوت کے منکر ہو رہے ہو) بس یہ تو (بالعموم) دُنیا جہان والوں کے لئے ایک بڑا نصیحت نامہ ہے (اور بالخصوص) ایسے شخص کے لئے جو تم میں سے سیدھا چلنا چاہے (عام لوگوں کے لئے ہدایت اس معنی سے ہے کہ اُن کو سیدھا راستہ بتلایا اور مومنین متقین کے لئے اس معنی سے کہ اُن کو منزل مقصود پر پہنچا دیا) اور (بعض کے نصیحت قبول نہ کرنے سے اسکے نصیحت نامہ ہونے میں شبہ نہ کیا جاوے کیونکہ) تم بدون خدائے رب العالمین کے چاہے کچھ نہیں چاہ سکتے ہو (یعنی فی نفسہ تو نصیحت ہے لیکن تاثیر اس کی موقوف مشیت پر ہے جو بعض لوگوں کے لئے متعلق ہوتی ہے اور بعض کے لئے کسی حکمت سے متعلق نہیں ہوتی)

معارف و مسائل

اِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ، تکویر سے مشتق ہے اسکے معنی بے نور ہو جانے کے بھی آتے ہیں۔ حسن بصریؒ کی یہی تفسیر ہے اور اسکے معنی ڈال دینے پھینک دینے کے بھی آتے ہیں۔ ربیع ابن خثیم نے اکی یہی تفسیر کی ہے کہ مراد اس سے یہ ہے کہ آفتاب کو سمندر میں ڈال دیا جائیگا جس کی گرمی سے سارا سمندر آگ بن جائیگا، اور ان دونوں میں کوئی تضاد نہیں ہو سکتا ہے کہ اول آفتاب کو بے نور کر دیا جائے پھر اس کو سمندر میں ڈال دیا جائے۔ صحیح بخاری میں حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شمس و قمر قیامت کے دن دریا میں ڈال دیئے جائیں گے اور سمندر بزار میں اس کیسا تھوڑا سا بھی ہے کہ جہنم میں ڈال دیئے جائیں گے ابن ابی حاتم، ابن ابی الدنیا اور ابوالشیخ نے ان آیات کے متعلق یہ نقل کیا ہے کہ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ شمس و قمر اور تمام ستاروں کو سمندر میں ڈال دیں گے اور پھر اُس پر تیز ہوا چلے گی جس سے سارا سمندر آگ ہو جائیگا، اس طرح یہ کہنا بھی صحیح ہو گیا کہ شمس و قمر کو دریا میں ڈال دیا جائے گا، اور یہ کہنا بھی درست رہا کہ جہنم میں ڈال دیا جائیگا کیونکہ سارا سمندر اس وقت جہنم بن جائے گا۔ (استفاد من الظہری والقرطبی)

وَ اِذَا النُّجُومُ انْكَدَرَتْ، انکلا سے مشتق ہے اسکے معنی سقوط اور گرنے کے ہیں۔ سلف سے یہی تفسیر منقول ہے اور مراد یہ ہے کہ آسمان کے سب ستارے سمندر میں گر پڑیں گے جیسا کہ مذکورہ روایات میں اسکی تفصیل آچکی ہے وَ اِذَا الْوُحُوشُ حُشِرَتْ، یہ عرب کی عادت کہ طوطی بطور مثال کے فرمایا ہے کیونکہ اسکے پہلے مخاطب عرب لوگ تھے انکے نزدیک دس مہینے کی گامبھن اونٹنی ایک بڑی دولت سمجھی جاتی تھی کہ اُس سے دودھ اور بچے کا انتظار ہوتا تھا اور وہ اُس کی دُم سے لگے پھرتے تھے کسی وقت اُس کو آزاد نہ چھوڑتے تھے۔

وَ اِذَا الْبُحَارُ سُجِّرَتْ، سبج سے مشتق ہے جس کے معنی آگ لگانے اور بھڑکانے کے بھی آتے ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ نے اس جگہ یہی معنی لئے ہیں اور اسکے معنی بھڑانے کے بھی آتے ہیں اور گد مٹا خطا مل کر دینے کے بھی بعض ائمہ تفسیر نے یہی معنی لئے ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ انہیں کوئی اختلاف نہیں۔ پہلے سمندر اور مٹھے دریاؤں کو ایک کر دیا جائیگا درمیان کی رکاوٹیں ختم کر دی جائیں گی جس سے دریائے شور اور شیریں دریاؤں کے پانی خلط ملط بھی ہو جائیں گے اور زیادہ بھی، پھر شمس و قمر اور ستاروں کو اُس میں ڈال دیا جائے گا پھر اس تمام پانی کو آگ بنا دیا جائیگا جو جہنم میں شامل ہو جائیگا (منظہری)

وَ اِذَا الْكُفُّوسُ زُوِّجَتْ، یعنی جبکہ حاضرینِ محشر کے جوڑے جوڑے اور جتھے بنا دیئے جائیں گے یہ جتھے اور جماعتیں ایمان و عمل کے اعتبار سے ہونگے کہ کافر ایک جگہ مومن ایک جگہ، پھر کافر و مومن میں بھی اعمال و عادات کا فرق ہوتا ہے، انکے اعتبار سے کفار میں بھی مختلف قسم کے گروہ ہو جائیں گے اور مسلمانوں میں بھی یہ گروہ عقیدے اور عمل میں اشتراک کی بنا پر ہونگے جیسا کہ بہیقی نے بروایت حضرت نعمان بن بشیرؓ

حضرت عمر بن خطابؓ سے روایت کیا ہے کہ جو لوگ ایک جیسے اعمال کرتے ہونگے وہ ایک جگہ کر دیئے جاویں گے اعمال حسنہ ہوں یا سیئہ، مثلاً اچھے مسلمانوں میں علم دین کی خدمت کرنیوالے علماء ایک جگہ، عباد و زہاد ایک جگہ جہاد کرنے والے غازی ایک جگہ، صدقہ خیرات میں خصوصیت رکھنے والے ایک جگہ۔ اسی طرح بد اعمال لوگوں میں چور ڈاکو ایک جگہ، زنا کار فحاش ایک جگہ، دوسرے خاص خاص گناہوں میں باہم شریک رہنے والے ایک جگہ ہو جائیں گے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عشر میں ہر شخص اپنی قوم کیساتھ ہوگا (مگر یہ قومیت نسبی یا وطنی نہیں بلکہ عمل و عقیدہ کے اعتبار سے ہوگی) نیک عمل کرنیوالے ایک جگہ بد عمل والے دوسری جگہ ہونگے اور اس پر آیت قرآنی سے استشہاد فرمایا **ادّٰ ذٰلَکَ نَتْمُوْا وَاٰجَآءُ لَکُمُ النّٰرُ**، یعنی عشر میں لوگوں کے بڑے گروہ تین ہونگے جیسا کہ سورہ واقعہ کی آیت میں اُنکی تفصیل یہ آئی ہے کہ ایک گروہ سابقین اولین کا ہوگا، دوسرا اصحاب الیمین کا، یہ دونوں گروہ نجات پانیوالے ہونگے تیسرا گروہ اصحاب الشمال کا ہوگا جو کفار فجار پر شتمل ہوگا۔

وَ اِذَا النّٰمُوْۤا ذَکَّٰرٌ سَمِعْتُمْ، موعودہ وہ لڑکی جس کو زندہ دفن کر دیا گیا جیسا کہ جاہلیت عرب میں یہ رسم تھی کہ لڑکی کو اپنے لئے موجب عار سمجھتے تھے اور زندہ ہی اس کو دفن کر دیتے تھے اسلام نے یہ رسم بد مٹائی، اس آیت میں قیامت و عشر کے حالات کے بیان میں ارشاد ہوا کہ جب اُس لڑکی سے سوال کیا جائیگا جس کو زندہ درگور کر کے مار دیا گیا تھا، ظاہر الفاظ سے یہ ہے کہ یہ سوال خود اس لڑکی سے ہوگا، اُس سے پوچھا جائے گا کہ تجھے کس جرم میں قتل کیا گیا، اور یہ بھی ظاہر ہے کہ مقصود اس سے سوال کرنا یہ ہے کہ یہ اپنی بے گناہی اور مظلوم ہونے کی پوری فریاد بارگاہ رب العزت میں پیش کرے تاکہ اُس کے قاتلوں سے انتقام لیا جائے، اور یہ بھی ممکن ہے کہ مراد یہ ہو کہ موعودہ لڑکی کے بارے میں اس کے قاتلوں سے سوال کیا جائے گا کہ اس کو تم نے کس جرم میں قتل کیا۔

فانذره ہمہ یہاں ہر حال ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ قیامت کا تو نام ہی یوم الحساب یوم الجزاء یوم الدین ہے اس میں تو ہر شخص سے اسکے سبھی اعمال کا محاسبہ اور سوال ہونگے اس جگہ خصوصی احوال اور احوال قیامت کے سلسلہ میں خاص موعودہ لڑکی کے معاملے میں اور اسکے متعلق سوال ہونے کو اتنی اہمیت اور خصوصیت کیساتھ ذکر کر نہیں کیا حکمت ہے؟ غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وجہ خصوصیت یہ ہے کہ یہ مظلوم لڑکی جس کو خود اسکے ماں باپ نے قتل کیا ہے اسکے خون کا انتقام لینے کے لئے اس کی طرف سے کوئی دعوے کرنے والا تو ہے نہیں خصوصاً جبکہ اس کو خفیہ دفن کر دیا ہو تو کسی کو اس کی خبر بھی نہیں ہوئی کہ شہادت دے سکے عشر کے میدان میں جو عدل و انصاف کی عدالت الہیہ قائم ہوگی، وہ ایسے مظالم کو بھی سامنے لائیگی جس کے ظلم پر نہ کوئی شہادت ہے نہ کوئی اس مظلوم کا پُرسان حال ہے۔ واللہ اعلم

چار ماہ کے بعد اسقاطِ حمل مسئلہ۔ بچوں کو زندہ دفن کر دینا یا قتل کر دینا سخت گناہ کبیرہ اور ظلم عظیم ہو قتل کے حکم میں ہے اور چار ماہ کے بعد کسی حمل کو گرانا بھی اسی حکم میں ہے کیونکہ چوتھے مہینہ میں حمل میں

روح پڑ جاتی ہے اور وہ زندہ انسان کے حکم میں ہوتا ہے اسی طرح جو شخص کسی حاملہ عورت کے پیٹ پر ضرب لگائے اور اس سے بچہ سقط ہو جائے تو باجماع اُمت مارنے والے پر اس کی دیت میں غرہ یعنی ایک غلام یا اس کی قیمت واجب ہوتی ہے اور اگر بطن سے باہر آنیکے وقت وہ زندہ تھا پھر مر گیا تو پوری دیت بڑے آدمی کے برابر واجب ہوتی ہے اور چار ماہ سے پہلے سقط حمل بھی بدون اضطراری حالات کے حرام ہے مگر پہلی صورت کی نسبت کم ہے کیونکہ اس میں کسی زندہ انسان کا قتل صریح نہیں ہے (منظہری)

مسئلہ۔ کوئی ایسی صورت اختیار کرنا جس سے حمل قرار نہ پائے جیسے آجکل دنیا میں ضبط تولید کے نام سے اس کی سیکڑوں صورتیں رائج ہو گئی ہیں اس کو بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دُادِ خفی فرمایا ہے یعنی خفیہ طور سے بچہ کو زندہ درگور کر دینا (کما رواہ مسلم عن خذامۃ بنت وہب) اور بعض دوسری روایات میں جو غزل یعنی ایسی تدبیر کرنا کہ لطفہ رحم میں نہ جائے، اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے سکوت یا عدم ممانعت منقول ہے وہ ضرورت کے مواقع کے ساتھ مخصوص ہے وہ بھی اس طرح کہ ہمیشہ کے لئے قطع نسل کی صورت نہ بنے (منظہری) آجکل ضبط تولید کے نام سے جو دوائیں یا معالجات کئے جاتے ہیں ان میں بعض ایسے بھی ہیں کہ ہمیشہ کے لئے سلسلہ نسل و اولاد کا منقطع ہو جائے اس کی کسی حال اجازت شرعاً نہیں ہے واللہ اعلم

وَلَا ذَا السَّمَاءِ وَكِشَطُ، کشط کے لغوی معنی جانور کی کھال اُتارنے کے ہیں، بظاہر یہ حال قیامت کا نفعہ اولیٰ کے وقت کا ہے جو اسی دنیا میں پیش آئیگا کہ آسمان کی زینت جن ستاروں اور شمس و قمر سے تھی وہ سب بے نور ہو کر دریا میں ڈال دیے جاویں گے آسمان کی موجودہ ہیئت بدل جاوے گی، اس کو کشط کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اور بعض حضرات مفسرین نے کشط کے معنی لپٹنے کے لکھے ہیں اور معنی آیت کے یہ ہو گئے کہ آسمان جو چھت کی طرح سروں پر محیط ہے یہ لپٹ دیا جائے گا۔

عِلْمَتْ نَفْسٌ مَّا أَحْضَرَتْ، یعنی جب قیامت کے حالات مذکورہ پیش آویں گے اُس وقت ہر انسان جان لیگا کہ وہ اپنے ساتھ کیا سامان لایا ہے۔ سامان سے مراد اُس کا نیک یا بد عمل ہے کہ وہ سب اعمال اسکے سامنے آجاویں گے جو دنیا میں کئے تھے خواہ اس طرح کہ صحائف اعمال میں لکھے ہوئے اسکے ہاتھ میں آجائیں یا اس طرح کہ یہ اعمال کسی خاص شکل و صورت میں اسکے سامنے آویں جیسا کہ بعض روایات حدیث سے معلوم ہوتا ہے۔ واللہ اعلم۔ قیامت کے احوال اور ہولناک مناظر اور وہاں محاسبہ اعمال کا ذکر فرمانے کے بعد حق تعالیٰ نے چند ستاروں کی قسم کھا کر فرمایا کہ یہ قرآن حق ہے اللہ کی طرف سے بڑی حفاظت کیساتھ بھیجا گیا ہے اور جن ذات پر نازل ہوا ہے وہ ذات ایک بڑی ہستی ہے وحی لانے والے فرشتے کو وہ پہلے سے جانتے پہچانتے تھے اسلئے اسکے حق ہونے میں کسی شک و شبہ کی راہ نہیں۔ جن ستاروں کی قسم یہاں کھائی گئی وہ پانچ ستارے ہیں جن کو علم ہیئت فلکیات میں خمسہ متحیرہ کہتے ہیں اور متحیرہ کہنے کی وجہ یہ ہے کہ ان پانچوں ستاروں کی حرکت دنیا میں اس طرح دیکھی جاتی ہے کہ کبھی مشرق سے مغرب کی طرف چل رہے ہیں کبھی پھر پیچھے کو مغرب سے مشرق کی طرف

چلنے لگتے ہیں اسکی وجہ کیا، اور دو مختلف حرکتوں کا سبب کیا ہے، اسکے بارے میں قدیم فلسفہ یونان والوں کے مختلف اقوال ہیں اور جدید فلسفہ والوں کی تحقیق اُن میں سے بعض کی مطابق ہے بعض کے خلاف اور حقیقت کا علم پیدا کرنیوالے کے سوا کسی کو نہیں، سب تجنیے اور اندازے ہی ہیں جو غلط بھی ہو سکتے ہیں صحیح بھی، قرآن حکیم نے اُمت کو اس فضول بحث میں نہیں اُلجھایا، جتنی بات اُن کے فائدہ کی تھی وہ بتلا دی کہ وہ رب العزت جل شانہ کی قدرت کاملہ اور حکمت بالغہ کا اسمیں مشاہدہ کریں اور ایمان لائیں۔

لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ رَسُوْلُكَ رَحْمَةً لِّدُوْنِكَ ذِي قُوَّةٍ اَلَمْ، ستاروں کی قسم کے بعد فرمایا کہ یہ قرآن قول ہے ایک رسولِ کریم کا، آگے اس رسولِ کریم کی صفت ایک تو یہ بیان فرمائی کہ وہ ذی قوت ہے، دوسری یہ کہ رب العرش کے پاس وہ مُطَاع ہے کہ اسکے احکام عرش والے مانتے ہیں، تیسری یہ کہ وہ اللہ کے نزدیک امین ہے اس سے پتہ چلے لائے اور پہنچانے میں کسی خیانت اور کمی بیشی کا امکان نہیں۔ اس جگہ رسولِ کریم سے مراد بظاہر جبریل امین ہیں کیونکہ لفظ رسول کا جیسے انبیاء پر اطلاق ہوتا ہے ایسے ہی فرشتوں کے لئے بھی یہ لفظ بولا جاتا ہے اور آگے جتنی صفات رسول کی بیان کی گئی ہیں وہ سب جبریل امین پر بغیر کسی تکلف و تاویل کے منطبق ہیں، انکا ذی قوت ہونا سورہ نجم میں صراحتاً مذکور ہے عَلَّمَهُ شَدِيْدُ الْقُوَّةِ، اہل عرش و سموات میں اُن کا مُطَاع ہونا اور اُن کے احکام کی پیروی کرنا لیلۃ المعراج کی حدیث سے ثابت ہے کہ جب جبریل امین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ساتھ لے کر آسمان پر پہنچے اور آسمانوں کے دروازے کھلوانے کا ارادہ کیا تو دروازوں پر مقرر فرشتوں نے ان کے حکم کی اطاعت کی اور اہلین ہونا جبریل علیہ السلام کا ظاہر ہے۔ اور بعض ائمہ تفسیر نے اس جگہ رسول کہیں سے مراد محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو قرار دیا ہے اور صفات مذکورہ کو سیدتہ تکلف سے آپ کی ذات پر منطبق کیا ہے واللہ اعلم۔ آگے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت شان اور کفار کے بیہودہ الزاموں کا جواب ہے وَمَا صَاحِبُكُمْ بِمَجْنُوْنٍ، یہ اُن کفار کے بیہودہ اعتراض کا جواب ہے جو معاذ اللہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مجنون کہتے تھے وَلَقَدْ رَاَهُ بِالْأُفُقِ الْمُبِيْنِ یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جبریل امین کو کھلے اُفق پر دیکھا ہے جیسا کہ سورہ نجم میں قَاَسْتَوٰی وَهُوَ بِالْأُفُقِ الْاَعْلٰی، اور مقصود اسکے ذکر کرنے سے یہ ہے کہ وحی لانے والے فرشتے جبریل سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم خوب اُقف تھے، اُن کو اصلی ہیئت و صورت میں بھی دیکھ چکے تھے اس لئے اس وحی میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں، باقی مضمون آیات خلاصہ تفسیر میں واضح ہو چکا ہے۔

تَمَّتْ سُورَةُ التَّكْوِيْنِ بِحَمْدِ اللّٰهِ تَعَالٰی بِوَسْمِ الرَّجَاءِ ٨ شَعْبَانَ ١٤١٢ھ

سُورَةُ الْاِنْفِطَارِ

سُورَةُ الْاِنْفِطَارِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ تِسْعٌ عَشْرَةً آيَةً
سُورَةُ الْاِنْفِطَارِ مَدِينِی تازل ہوئی اور اسی کی انیس آیتیں ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

۱؎ اِذَا السَّمَاءُ اِنْفَطَرَتْ ۱؎ وَاِذَا الْكُوَاكِبُ اُنْتَثَرَتْ ۲؎ وَاِذَا الْبِحَارُ

جب آسمان چر جائے اور جب ستارے جھڑ پڑیں اور جب دریا

فُجِرَتْ ۳؎ وَاِذَا الْقُبُورُ بُعْثِرَتْ ۴؎ عَلِمْتَ نَفْسٌ مَّا قَدْ مَتَّ وَاعْتَرَتْ ۵؎

اُلی نکلیں اور جب قبریں زبرد زبردی جائیں جان لے ہر ایک جی جو کچھ کر آگے سمجھا اور پیچھے چھوڑا

يَا أَيُّهَا الْاِنْسَانُ مَا عَمَّرَكَ بِرَبِّكَ الْكَرِیْمِ ۶؎ الَّذِیْ خَلَقَكَ فَسَوَّكَ

اے آدمی کس چیز سے بھرا تو اپنے رب کریم پر جس نے تجھ کو بنایا پھر تجھ کو ٹھیک کیا

۷؎ قَعَدَكَ ۸؎ فِیْ اٰیِ صُوْرَةٍ مَّا شَاءَ رَکَّبَكَ ۹؎ کَلَّا بَلْ تُكَذِّبُوْنَ

پھر تجھ کو برابر کیا جس صورت میں چاہا تجھ کو جوڑ دیا ہرگز نہیں پر تم جھوٹ جانتے ہو

بِالدِّیْنِ ۱۰؎ وَاِنَّ عَلَیْكُمْ لَحٰفِظِیْنَ ۱۱؎ کِرَامًا کَتِیْبِیْنَ ۱۲؎ یَعْمَلُوْنَ

انصاف کا ہونا اور تم پر نگہبان مقرر ہیں عزت والے عمل رکھنے والے جانتے ہیں جو کچھ

مَا تَفْعَلُوْنَ ۱۳؎ اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِیْ نَعِیْمٍ ۱۴؎ وَاِنَّ الْفُجَّارَ لَفِیْ جَحِیْمٍ ۱۵؎

تم کرتے ہو بیشک نیک لوگ بہشت میں ہیں اور بیشک گنہگار دوزخ میں ہیں

یَصْلُوْنَهَا یَوْمَ الدِّیْنِ ۱۶؎ وَاَهْمُ عَنْهَا بِغَایِبِیْنَ ۱۷؎ وَمَا اَدْرٰکَ مَا

ڈالے جائیں گے اسیں انصاف کے دن اور نہ ہونگے اُس سے جدا ہونے والے اور تجھ کو کیا خبر ہے کیسا ہے

یَوْمَ الدِّیْنِ ۱۸؎ ثُمَّ مَا اَدْرٰکَ مَا یَوْمُ الدِّیْنِ ۱۹؎ یَوْمَ لَا تَمْلِكُ نَفْسٌ

دن انصاف کا پھر بھی تجھ کو کیا خبر ہے کیسا ہے دن انصاف کا جس دن کہ بھلا نہ کر سکے کوئی جی

لِنَفْسٍ شَيْئًا وَالْاَمْرُ يَوْمَئِذٍ لِلّٰهِ ۝۱۹

کسی جی کا کچھ بھی اور حکم اُس دن اللہ ہی کا ہے

خلاصہ تفسیر

جب آسمان پھٹ جائیگا اور جب ستارے (ٹوٹ کر) جھڑپڑیں گے اور جب سب دریا (شور و شیریں) بہہ پڑیں گے (اور بہہ کر ایک ہو جائیں گے جیسا اوپر کی سورت میں سُنَّحْرَت کی تفسیر میں بیان ہوا ہے یہ تینوں واقعات تو نفخہ اولیٰ کے ہیں آگے نفخہ ثانیہ کے بعد کا واقعہ ہے یعنی) اور جب قبریں اکھاڑ دی جائیں گی (یعنی انہیں کے مُردے بکھل کھڑے ہوں گے اسوقت) ہر شخص اپنے اگلے اور پچھلے اعمال کو جان لیگا (اور ان واقعات کا مقتضی یہ تھا کہ انسان خوابِ غفلت سے بیدار ہوتا اسلئے آگے غفلت پر زبرد تنبیہ ہے کہ) اے انسان تجھ کو کس چیز نے تیرے ایسے ربِ کریم کے ساتھ بھول میں ڈال رکھا ہے جس نے تجھ کو (انسان) بنایا پھر تیرے اعضاء کو درست کیا پھر تجھ کو (مناسب) اعتدال پر بنایا (یعنی اعضاء میں تناسب رکھا اور) جس صورت میں چاہا تجھ کو ترکیب دیدیا، ہرگز (مغرور) نہیں (ہونا چاہیے مگر تم اغترار سے باز نہیں آتے) بلکہ (اس درجہ اغترار میں بڑھ گئے ہو کہ) تم (خود) لجزا و سزار (ہی) کو (جس سے یہ مغرور اور فریب دہن ہو سکتا تھا) جھٹلاتے ہو اور (یہ جھٹلانا تمہارا خالی نہ جاویگا بلکہ ہماری طرف سے) تم پر (تمہارے سب اعمال کے) یاد رکھنے والے (جو ہمارے نزدیک معزز) اور تمہارے اعمال کے (لکھنے والے) ہیں) مقرر ہیں جو تمہارے سب اعمال کو جانتے ہیں (اور لکھتے ہیں پس قیامت میں یہ سب اعمال پیش ہونگے جنہیں تمہاری یہ تکذیب اور کفر بھی ہے اور سب پر مناسب جزا ملے گی جسکی تفصیل آگے ہے کہ) نیک لوگ بیشک آسائش میں ہونگے اور بدکار (یعنی کافر) لوگ بیشک دوزخ میں ہونگے روز جزا کو اس میں داخل ہونگے اور (پھر داخل ہو کر) اس سے باہر نہ ہونگے (بلکہ اس میں خلود ہوگا) اور آپ کو کچھ خبر ہے کہ روز جزا کیسا ہے (اور ہم) پھر (کر کہتے ہیں کہ) آپ کو کچھ خبر ہے کہ وہ روز جزا کیسا ہے (مقصود اس استفہام سے تہویل ہے، آگے جواب ہے کہ) وہ ایسا دن ہے جس میں کسی شخص کا کسی شخص کے نفع کے لئے کچھ بس نہ چلے گا اور تمام تر حکومت اس روز اللہ ہی کی ہوگی۔

معارف و مسائل

عِلِمَتْ نَفْسٌ مَّا قَدْ مَتَّ وَ اُخْرَتْ، یعنی جب قیامت کے وہ حالات پیش آچکیں گے جن کا ذکر شروع سورت میں کیا گیا ہے، آسمان کا پھٹنا، ستاروں کا جھڑ جانا، سب شور و شیریں دریاؤں کا ایک ہو جانا، قبروں سے مُردوں کا اٹھنا اسوقت ہر انسان جان لیگا کہ اُسے کیا آگے بھیجا گیا پیچھے چھوڑا۔ آگے بھیجنے سے مراد اس پر عمل کر لینا ہے اور پیچھے چھوڑنے سے مراد ترکِ عمل ہے تو قیامت کے دن ہر شخص جان لیگا کہ اُسے نیک بد کیا کیا عمل کرائے اور نیکی یا بدی میں سے کیا چھوڑ دی تھی اور یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ آگے بھیجے ہوئے اعمال سے مراد وہ

عمل ہوں جو اُس نے خود کئے، خواہ نیک یا بد اور پیچھے چھوڑنے سے مراد وہ عمل ہوں جن کو اُس نے خود تو نہیں کیا لیکن اس کی رسم دنیا میں ڈال گئے، اگر وہ نیک کام ہیں تو اُن کا ثواب ان کو ملتا رہے گا اور بُرے ہیں تو اس کی بُرائی اُس کے اعمال نامے میں لکھی جاتی رہے گی جیسا کہ حدیث میں ہے کہ جس شخص نے اسلام میں کوئی اچھی سنت اور طریقہ جاری کرایا اس کا ثواب ہمیشہ اس کو ملتا رہیگا، اور جس نے کوئی بُری رسم اور گناہ کا کام دنیا میں جاری کر دیا تو جب تک لوگ اس بُرے کام میں مبتلا ہونگے اس کا گناہ اس شخص کے لئے بھی لکھا جاتا رہے گا۔ یہ مضمون پہلے بھی آیت يُنَبِّئُ الْإِنْسَانَ يَوْمَ قَدَامٍ وَأَخْرَجَكَ تَحْتَ كَبٍّ سے پہلے چکا ہے۔

يَا أَيُّهَا الْإِنْسَانُ مَا عَزَاكَ، اس سے پہلی آیات میں معاد اور انجام یعنی قیامت کے ہولناک معلومات کا ذکر فرمایا، اور اس آیت میں انسان کے مبداء یعنی تخلیق کے ابتدائی مراحل کا ذکر فرمایا، اس مجموعہ کا تقاضا یہ تھا کہ انسان کچھ بھی غور و فکر سے کام لیتا تو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاتا اور ان کے احکام کی سر موخلا درزی نہ کرتا مگر انسان غفلت اور بھول میں پڑ گیا اسپر بطور زبرد تنبیہ کے یہ سوال فرمایا کہ اے انسان تیری ابتدا و انتہا کے یہ حالات سامنے ہونے کے باوجود تجھے کس چیز نے بھول اور دھوکے میں ڈالا کہ اللہ کی نافرمانی کرنے لگا۔ یہاں بیان مبداء یعنی تخلیق انسانی کے ابتدائی مراحل کے ذکر میں پہلے فرمایا خَلَقَكَ فَسَوَّاكَ یعنی اللہ تعالیٰ نے تجھے پیدا کیا، اور صرف پیدا ہی نہیں کر دیا بلکہ تیرے وجود اور تمام اعضاء کو ایک خاص مناسبت کیساتھ درست کر کے بنایا، ہر عضو کو اس کے مناسب جگہ دی، ہر عضو کی جسامت اور طول و عرض کو ایک تناسب سے بنایا کہ ذرا اس سے مختلف ہو جائے تو اعضاء انسانی کے وہ فوائد باقی نہ رہیں جو اس کی موجودہ صورتیں ہیں، اس کے بعد فرمایا فَعَدَلَكَ، یعنی تیرے وجود کو ایک خاص اعتدال و نجاش جو دنیا کے کسی دوسرے جاندار میں نہیں۔ اعضاء کے تناسب کے اعتبار سے بھی اور مزاج و طبیعت کے اعتبار سے بھی کہ اگرچہ انسان کی تخلیق میں متضاد اور مختلف مواد شامل ہیں۔ خون، بلغم، سودا، صفرا، کوئی گرم کوئی سرد مگر حکمت ربانی نے ان متضاد چیزوں سے ایک معتدل مزاج تیار کر دیا اس کے بعد ایک تیسری خصوصیت بیان فرمائی۔

فِي آتٍ صُورَةً مِّثْلَكَ وَكَانَ، یعنی باوجود اس کے کہ تخلیق سب انسانوں کی ایک خاص وضع اور طبیعت اور مزاج پر ہوئی وجہ سے سب میں اشتراک ہے اس کا نتیجہ بظاہر یہ ہونا چاہئے تھا کہ سب ایک ہی شکل و صورت کے ہوتے باہمی امتیاز و شوار ہو جاتا، مگر حق تعالیٰ جل شانہ کی قدرت کاملہ اور حکمت بالغہ نے کر دروں بلکہ اربوں پدموں انسانوں کی شکل و صورت میں ایسے امتیازات پیدا فرمادیے جو ایک دوسرے سے مشتبہ نہیں ہوتے صاف اور نمایاں امتیاز رہتا ہے۔

انسان کی ابتدائی تخلیق کے یہ کمالات قدرت بیان فرما کر ارشاد فرمایا مَا عَزَاكَ ذِكْرُ إِلَهِكَ اے غافل انسان جس پر در دگار نے تیرے وجود میں ایسے ایسے کمالات و دیت فرمائے اُس کے معاملے میں تو نے کیونکر دھوکہ اور فریب کھایا کہ اُسی کو بھول بیٹھا اُس کے احکام کی نافرمانی کرنے لگا، تجھے تو خود تیرے جسم کا

جوڑ جوڑ اللہ کی یاد دلانے اور اُس کی اطاعت پر مجبور کرنے کے لئے کافی تھا پھر یہ بھول اور غفلت یہ غرور اور دھوکہ کیسے لگا، اس جگہ رب کی صفت کریم ذکر کر کے اسکے جواب کی طرف بھی اشارہ کر دیا کہ انسان کے بھول اور دھوکہ میں پڑنے کا سبب حق تعالیٰ کا کریم ہونا ہے کہ وہ اپنے لطف و کرم سے انسان کے گناہ پر فوراً سزا نہیں دیتا بلکہ اسکے رزق اور عافیت اور دنیوی آسائش میں بھی کوئی کمی نہیں کرتا، یہ لطف و کرم اسکے غرور اور دھوکے کا سبب بن گیا حالانکہ ذرا عقل سے کام لیتا تو یہ لطف و کرم غرور و غفلت کا سبب بننے کے بجائے اور زیادہ اپنے رب کریم کے احسانات کا ممنون ہو کر اطاعت میں لگتا نہ کہ سبب ہونا چاہئے تھا۔ حضرت حسن بصری نے فرمایا کہ کمرج مغرور تحت السَّودِ وھولاءِ شجرِ معنی کتنے ہی انسان ایسے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اُن کے عیبوں اور گناہوں پر پردہ ڈالا ہوا ہے اُن کو رسوا نہیں کیا، وہ اس لطف و کرم اور زیادہ غرور اور دھوکے میں مبتلا ہو گئے۔

إِنَّ الْأَبْرَارَ لَفِي نَعِيمٍ وَإِنَّ الْفُجَّارَ لَفِي جَحِيمٍ، اسکا تعلق اُس جملے سے ہے جو پہلے گزر چکا یعنی عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّا قَدْ كَانَتْ وَآخِرَتْ کہ قیامت کے روز ہر انسان کو اپنا اپنا عمل سامنے آجایگا۔ اس جملے میں اس عمل کی سزا و جزا کا ذکر ہے کہ اطاعت شعار برابر تو اس روز اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں سرور ہونگے اور سرکش نافرمان جہنم کی آگ میں۔

وَمَا هُمْ عَنْهَا بِالْعَاصِينَ، یعنی جہنمی لوگ کسی وقت جہنم سے غائب نہ ہو سکیں گے کیونکہ اُن کے لئے خلود اور دائمی عذاب کا حکم ہے لَا تَخْلِقُ نَفْسٌ لِنَفْسٍ سَبِيلاً، یعنی کوئی شخص باختیار خود کسی دوسرے کو عیش میں کوئی نفع نہ پہنچا سکے گا نہ کسی کی تکلیف کو کم کر سکے گا، اس سے شفاعت کی نفی نہیں ہوتی کیونکہ شفاعت کسی کی اپنے اختیار سے نہ ہوگی جب تک کہ اللہ تعالیٰ کسی کو کسی کی شفاعت کی اجازت نہ دیں، اس لئے اصل حکم کا مالک اللہ تعالیٰ ہی ہے وہ ہی اپنے فضل سے کسی کو شفاعت کی اجازت دیدے اور پھر شفاعت قبول فرمائے تو وہ بھی اُسی کا حکم ہے، واللہ اعلم

تَمَّتْ سُورَةُ الْاِنْفِطَارِ بِحَمْدِ اللَّهِ لَيْلَةَ الْارْبَعَاءِ ۸ شَعْبَانَ ۱۴۲۹ھ

سُورَةُ التَّطْفِيفِ

سُورَةُ التَّطْفِيفِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ ثَلَاثُونَ آيَةً

سُورَةُ تَطْفِيفِ مَكَّةَ فِي نَازِلِ هَوَیْ ۱۱۱ اس کی چھتیس آیتیں ہیں

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بھلا مہربان نہایت رحم والا ہے

وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِينَ ۱ ۱۱ الَّذِيْنَ اِذَا كَانُوا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُونَ ۲

خرابی ہے گھسانے والوں کی ۱ وہ لوگ کہ جب ماپ کر لیں لوگوں سے تو پورا بھر لیں،

وَاِذَا كَانُوْهُمۡ اَوْزَارُوْهُمْ يُخْسِرُوْنَ ۳ ۱۱ اَلَا يَظُنُّ اُولٰٓئِكَ اَنَّهُمْ

اور جب ماپ کر دیں اُن کو یا تول کر تو گھٹا کر دیں کیا خیال نہیں رکھتے وہ لوگ کہ اُن کو

مَبْعُوْثُوْنَ ۴ ۱۱ لِيَوْمٍ عَظِيْمٍ ۵ ۱۱ يَوْمَ يَقُوْمُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۶ ۱۱ كَلَّا

اُفھنا ہے اس بڑے دن کے واسطے جس دن کھڑے رہیں لوگ راہ دیکھتے جہان کے مالک کی ہرگز نہیں

اِنَّ كِتٰبَ الْفُجَّارِ لَفِي سَجِيْنٍ ۷ ۱۱ وَمَا اَدْرٰكَ مَا سَجِيْنٌ ۸ ۱۱ كِتٰبٌ مَُّرْقُوْمٌ ۹

بیشک اعمال نامہ گنہگاروں کا سبجین میں ہے اور تجھ کو کیا خبر ہے کیا ہے سبجین ایک دفتر ہے لکھا ہوا

وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ۱۰ ۱۱ الَّذِيْنَ يُكَذِّبُوْنَ بِیَوْمِ الدِّیْنِ ۱۱ وَمَا

خرابی ہے اُس دن جھٹلانے والوں کی جو جھوٹے جانتے ہیں انصاف کے دن کو اور اسکو

يَكْتٰبُ بِهٖ اِلَّا كُلُّ مُعْتَدٍ اٰثِمٍ ۱۲ ۱۱ اِذَا تَنٰثَرٰ عَلَیْهِ اٰیٰتُنَا قَالَ اَسَاطِیْرُ

جھٹلاتا ہے وہی جو بڑھ نکلتے والا گنہگار ہے جب سنائے اسکو ہماری آیتیں کہے نقلیں ہیں

اَلْاَوَّلٰیْنَ ۱۳ ۱۱ كَلَّا بَلْ عَصٰرَانِ عَلٰی فُلُوْزٍ هُمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۱۴

پہلوں کی کوئی نہیں پر رنگ پکڑ گیا ہے اُن کے دلوں پر جو وہ کھاتے تھے

كَلَّا اِنَّهُمْ عَنْ رَبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَمَّحُوْبُوْنَ ۱۵ ۱۱ ثُمَّ اِنَّهُمْ لَمَالُوْا

کوئی نہیں وہ اپنے رب سے اُس دن روک دیئے جائیں گے پھر مقرر وہ گریوے ہیں

الْجَحِيمِ ۱۶ ثُمَّ يُقَالُ هَذَا الَّذِي كُنْتُمْ بِهِ تُكَذِّبُونَ ۱۷ كَلَّا إِنَّ كِتَابَ

دوزخ میں پھر کہا جائے گا یہ وہی ہے جس کو تم جھوٹ جانتے تھے ہرگز نہیں بیشک انسانانہ

الْأَبْرَارِ لَفِي عِلِّيِّينَ ۱۸ وَمَا أَدْرَاكَ مَا عِلِّيُّونَ ۱۹ كِتَابٌ مَرْقُومٌ ۲۰

نیکوں کا علیین میں ہے اور تجھ کو کیا خبر ہے کیا ہے علیین ایک دفتر ہے لکھا ہوا

يَشْهَدُهُ الْمُقَرَّبُونَ ۲۱ إِنَّ الْأَبْرَارَ لَفِي نَعِيمٍ ۲۲ عَلَى الْأَرَائِكِ

اُس کو دیکھتے ہیں نزدیک والے یعنی فرشتے بیشک نیک لوگ ہیں آرام میں تختوں پر بیٹھے

يَنْظُرُونَ ۲۳ تَعْرِفُ فِي وُجُوهِِهِمْ نَضْرَةَ النَّعِيمِ ۲۴ يُسْقُونَ مِنْ

دیکھتے ہوئے پہچان لے تو اُن کے منہ پر سارگی آرام کی اُن کو پلائی جاتی ہے

رَجَبٍ مَّخْمُومٍ ۲۵ خِتَمُهُمْ مِنْ ذُرِّيَّتِكَ فَلَيْتَنَّا فُتِنَّا

شراب خالص مہر لگی ہوئی جس کی مہر جمتی ہے مشک پر اور اُس پر چاہیے کہ ڈھکیں

بِالْمُتَنَفِّسُونَ ۲۶ وَمَرْجُءٌ مِنْ تَسْنِيمٍ ۲۷ عَيْنَا يَشْرَبُ بِهَا الْمُقَرَّبُونَ ۲۸

ڈھکنے والے اور اُس کی بلوئی ہے تسنیم سے وہ ایک چشمہ ہے جس سے پیتے ہیں نزدیک والے

إِنَّ الَّذِينَ أَجْرَمُوا كَانُوا مِنَ الَّذِينَ آمَنُوا يَضْحَكُونَ ۲۹ وَإِذَا مَرُّوا

وہ لوگ جو گنہگار ہیں تھے ایمان والوں سے ہنسا کرتے اور جب ہو کر نکلتے

بِهِمْ يَتَغَامَرُونَ ۳۰ وَإِذَا انْقَلَبُوا إِلَىٰ أَهْلِهِمْ انْقَلَبُوا فِيكُمِينَ ۳۱ وَ

انکے پاس کو تو آپس میں آنکھ مار تے اور جب پھر کر جاتے اپنے گھر پھر جاتے باتیں بناتے اور

إِذَا رَأَوْهُمْ قَالُوا إِنَّ هَؤُلَاءِ لَضَّاكُونَ ۳۲ وَمَا أُرْسِلُوا عَلَيْهِمْ حَفِظِينَ ۳۳

جب اُن کو دیکھتے کہتے بیشک یہ لوگ بہک رہے ہیں اور اُن کو بھیجا نہیں اُن پر نگہبان بنکر

فَالْيَوْمَ الَّذِينَ آمَنُوا مِنَ الْكُفَّارِ يَضْحَكُونَ ۳۴ عَلَى الْأَرَائِكِ يَنْظُرُونَ ۳۵

سو آج ایمان والے منکروں سے ہنستے ہیں تختوں پر بیٹھے دیکھتے ہیں

هَلْ ثُبُوبَ الْكُفَّارِ مَا كَانُوا يَفْعَلُونَ ۳۶

اب بدلہ پایا ہے منکروں نے جیسا کچھ کرتے تھے

خلاصہ تفسیر

بڑی خرابی ہے ناپ تول میں کمی کرنے والوں کی کہ جب لوگوں سے (اپنا حق) ناپ کر لیں تو پورا لے لیں اور جب اُن کو ناپ کر یا تول کر دیں تو گھٹا دیں (گو لوگوں سے اپنا حق پورا لینا مذہب نہیں ہے مگر اسکے ذکر کرنے سے مقصود خود اس پر مذمت کرنا نہیں ہے بلکہ کم دینے پر مذمت کی تاکید و تقویت ہے یعنی کم دینا اگرچہ

فی نفسہ مذموم ہے لیکن اس کے ساتھ اگر دوسروں کی ذرا رعایت نہ کی جادے تو اور زیادہ مذموم ہے، بخلاف رعایت کرنے والے کے کہ اگر اس میں عیب ہے تو ایک ہنر بھی ہے اس لئے اول شخص کا عیب اشد ہے اور چونکہ اصل مقصود مذمت ہے کم دینے کی اس لئے اس میں ناپ اور تول دونوں کا ذکر کیا تاکہ خوب تصریح ہو جادے کہ ناپنے میں بھی کم دیتے ہیں اور تولنے میں بھی کم دیتے ہیں اور چونکہ پورا لینا فی نفسہ مدار مذمت کا نہیں اس لئے وہاں ناپ اور تول دونوں کا ذکر نہیں کیا بلکہ ایک ہی کا ذکر کیا پھر تخصیص ناپ کی شاید اس لئے ہو کہ عرب میں زیادہ دستور کیل کا تھا خصوصاً اگر آیت مدنی ہو جیسا روح المعانی میں بروایت نسائی وابن ماجہ دیہی

اس کا نزول اہل مدینہ کے باب میں لکھا ہے تو اس وقت اس تخصیص کی وجہ زیادہ ظاہر ہے کیونکہ مدینہ میں کیل کا دستور مکہ سے بھی زیادہ تھا، آگے ایسا کرنے والوں کو ڈرایا گیا ہے کہ) کیا ان لوگوں کو اس کا یقین نہیں ہے کہ وہ ایک بڑے سخت دن میں زندہ کر کے اٹھائے جادیں گے جس دن تمام آدمی رب العالمین کے سامنے کھڑے ہونگے (یعنی اس روز سے ڈرنا چاہیے اور تطفیف یعنی لوگوں کی حق تلفی سے تو بہ کرنا چاہیے اس باعث جزا کو سن کر جو مومن تھے وہ ڈر گئے اور جو کافر تھے وہ انکار کرنے لگے، اس لئے آگے انکار پر تنبیہ فرما کر فریقین کی جزا کی تفصیل فرمائی ہیں کہ جیسا کفار لوگ جزا و سزا کے منکر ہیں) ہرگز (ایسا) نہیں (بلکہ جزا و سزا ضروری الوقوع ہے جن اعمال پر جزا و سزا ہوگی وہ بھی منضبط اور محفوظ ہیں اور اس مجوعہ کا بیان یہ ہے کہ) بدکار (یعنی کافر) لوگوں کا نامہ عمل سنجین میں رہے گا (وہ ایک مقام ساتویں زمین میں ہے جو مقام ہے ارواح کفار کا، کذا فی تفسیر ابن کثیر عن کعب دنی الدر المنثور عن ابن عباس و مجاہد و فرقہ و قتادة و عبد اللہ بن عمر و مرفوعاً، اور کفار کے اعمال کا اس مقام پر رہنا بھی مجاہد و عبد اللہ بن عمر سے درمنثور میں منقول ہے آگے ڈرنے کے لئے سوال ہے کہ) اور آپ کو کچھ معلوم ہے کہ سنجین میں رکھا ہوا نامہ عمل کیا چیز ہے وہ ایک نشان کیا ہوا دفتر ہے (نشان سے مراد مہر ہے کما فی الدر المنثور عن کعب الاحبار فینتم ویوضع ای بعد الموت مقصود یہ ہوگا کہ اس میں تغیر و تبدل کا کچھ احتمال نہیں پس حاصل اسکا اعمال کا محفوظ ہونا ہے جس سے جزا کا بحق ہونا ثابت ہوا آگے ان اعمال کی جزا کا بیان ہے کہ) اس روز (یعنی قیامت کے روز) جھٹلانے والوں کی بڑی خرابی ہوگی جو کہ روز جزا کو جھٹلاتے ہیں اور اس (یوم جزا) کو تو وہی شخص جھٹلاتا ہے جو حد (عبدیت) سے گزرنے والا ہو مجرم ہو (اور) جب اس کے سامنے ہماری اکتیں پڑھی جادیں تو یوں کہہ دیتا ہو کہ یہ بے سند باتیں اگلوں سے منقول چلی آتی ہیں (مطلب یہ بتلانا ہے کہ جو شخص روز قیامت کی تکذیب کرتا ہے وہ محتدی، اثم، مکذب بالقرآن ہے آگے تکذیب روز جزا پر جو صراحت مذکور ہے تنبیہ کی ہے کہ یہ لوگ اس کو غلط سمجھ رہے ہیں) ہرگز ایسا نہیں (اور کسی کو یہ شبہ نہ ہو کہ شاید ان کے پاس کوئی دلیل نفی کی ہوگی جس سے یہ استدلال کرتے ہونگے ہرگز نہیں) بلکہ (اصل وجہ تکذیب کی یہ ہے کہ) ان کے دلوں پر ان کے اعمال بد کا رنگ بیٹھ گیا ہے (اس سے استعداد قبول حق کی فاسد ہو گئی اس لئے براہ عناد انکار کرنے لگے آگے پھر انکار پر زجر ہے کہ جیسا یہ لوگ سمجھ رہے ہیں) ہرگز ایسا نہیں

(آگے دیل کی کچھ تفصیل ہے کہ وہ فراہمی یہ ہے کہ) یہ لوگ اس روز (ایک تو) اپنے رب (کا دیدار دیکھنے) سے دُک دیئے جائیں گے پھر (صرف اسی پر اکتفا نہ ہوگا بلکہ) یہ دوزخ میں داخل ہونگے پھر (ان سے) کہا جاوے گا کہ یہی ہے جس کو تم جھٹلایا کرتے تھے (اور چونکہ یہ لوگ یومِ دین کی تکذیب میں جس طرح اپنی سزا کو جھٹلاتے تھے اسی طرح مومنین کی جزا کو بھی جھٹلاتے تھے، آگے اس پرتیبہ فرماتے ہیں کہ یہ جو مومنین کے اجر و ثواب کے مستحق ہیں) ہرگز ایسا نہیں، (بلکہ ان کا اجر و ثواب ضرور ہونے والا ہے جسکا بیان یہ ہے کہ) نیک لوگوں کا نامہ عملِ علیین میں رہیگا (وہ ایک مقام ہے ساتویں آسمان میں جو مستقر ہے ارواحِ مومنین کا، کذا فی تفسیر ابن کثیر عن کعب) اور آگے تعلیم کے لئے سوال ہے کہ آپ کو کچھ معلوم ہے کہ علیین میں رکھا ہوا نامہ عمل کیا چیز ہے وہ ایک نشان کیا ہوا دفتر ہے جس کو مقرب فرشتے (شوق سے) دیکھتے ہیں (اور یہ مومن کا بہت بڑا اکرام ہے جیسا کہ رُوح المعانی میں تخریج عبد بن حمید حضرت کعب سے روایت ہے کہ جب ملائکہ مومن کی رُوح کو قبض کر کے لیجاتے ہیں تو ہر آسمان کے مقرب فرشتے اسکے ساتھ ہوتے جاتے ہیں یہاں تک کہ ساتویں آسمان تک پہنچکر اس رُوح کو رکھ دیتے ہیں، پھر فرشتے عرض کرتے ہیں کہ ہم اسکا نامہ اعمال دیکھنا چاہتے ہیں چنانچہ وہ نامہ عمل کھول کر دکھلایا جاتا ہے (مختصراً) آگے انکی جزا آخرت کا بیان ہے کہ) نیک لوگ بڑی آسائش میں ہونگے مسہریوں پر (بیٹھے بہشت کے عجائب) دیکھتے ہونگے (اے مخاطب) تو ان کے چہروں میں آسائش کی بشارت پہچانے گا (اور) ان کو پیئے کیلئے شراب خالص سر بہر جس پر مشک کی مہر ہوگی ملے گی اور حرص کرنے والوں کو ایسی چیز کی حرص کرنا چاہیئے (کہ حرص کے لائق یہی ہے خواہ صرف شراب مراد لیجاوے خواہ کل نعمائے جنت یعنی شوق و رغبت کی چیز یہ نعمتیں ہیں، نہ کہ دنیا کی ناقص اور فانی لذتیں اور ان کی تحصیل کا طریق نیک اعمال ہیں، پس اس میں کوشش کرنا چاہیئے) اور اس (شراب) کی آمیزش تسنیم (کے پانی سے) ہوگی (عرب عموماً شراب میں پانی ملا کر پیتے تھے تو اس شراب کی آمیزش کے لئے تسنیم کا پانی ہوگا، آگے تسنیم کی شرح ہے) یعنی ایک ایسا چشمہ جس سے مقرب لوگ پانی پیئیں گے، (مطلب یہ کہ سابقین یعنی مقربین کو تو خالص پیئے کو اسکا پانی ملے گا اور اصحابِ الیمین یعنی ابرار کو اس کا پانی دوسری شراب میں ملا کر ملے گا، کذا فی الدر المنثور عن قتادہ و مالک ابن الحارث و ابن عباس و ابن مسعود و حفصہ - اور یہ مہر لگنا علامتِ اکرام کی ہے ورنہ وہاں ایسی حفاظت کی ضرورت نہیں، اور مشک کی مہر کا مطلب یہ ہے کہ جیسے قاعدہ ہے کہ لاکھ وغیرہ لگا کر اس پر مہر کرتے ہیں اور ایسی چیز کو بطین ختام کہتے ہیں ہاں شراب کے برتن کے منہ پر مشک لگا کر اس پر مہر کر دی جاوے گی، یہاں تک فریقین کی جزائے اُفردی کا الگ الگ بیان تھا آگے مجموعہ فریقین کا مجموعہ حالِ دنیا و آخرت مذکور ہے یعنی) جو لوگ مجرم (یعنی کافر تھے وہ ایمان والوں سے (دُنیا میں تحقیراً) ہنسا کرتے تھے اور یہ (ایمان والے) جب ان کافروں کے سامنے سے ہو کر گزرتے تھے تو آپس میں آنکھوں سے اشارے کرتے تھے (مطلب یہ کہ انکے ساتھ استہزاء و تحقیر سے پیش آتے تھے) اور جب اپنے گھڑوں کو جلتے تو (وہاں بھی ان کا تذکرہ کر کے) دل لگیاں (اور ہنسنے) کرتے (مطلب یہ کہ غیبت و حضور ہر حالت میں انکی تحقیر و

استہزار کا مشغلہ رہتا، البتہ حضور میں اشارے چلا کرتے اور غیبت میں صراحتاً تذکرہ کرتے اور جب انکو دیکھتے تو یوں کہا کرتے کہ یہ لوگ یقیناً غلطی پر ہیں (کیونکہ کفار اسلام کو غلطی پر سمجھتے تھے) حالانکہ یہ (کافر) ان (مسلمانوں) پر گزانی کرنے والے بنا کر نہیں بھیجے گئے (یعنی ان کو اپنی فکر کرنا چاہیے تھا، ان کے پیچھے کیوں پڑ گئے پس ان سے دو غلطیاں ہیں اول اہل حق کے ساتھ استہزار پھر اپنی اصلاح سے بے فکری) سو آج (قیامت کے دن) ایمان والے کافروں پر ہنستے ہو جائیں گے، مہربوں پر (بیٹھے ان کا حال) دیکھ رہے ہونگے (دزنشور میں قتادہ سے منقول ہے کہ کچھ دریچے جھروکے ایسے ہونگے جن سے اہل جنت اہل نار کو دیکھ سکیں گے، پس ان کا برا حال دیکھ کر بطور انتقام کے انہیں سنیں گے ان کے تقریر ہے اس سزا کی معنی) واقعی کافروں کو ان کے کئے کا خوب بدلہ ملا۔

معارف و مسائل

سورۃ تطفیف حضرت عبداللہ بن مسعود کے قول پر مبنی سورت ہے عام مصاحف قرآن میں اسی بنا پر اسکو مکی لکھا ہے اور حضرت ابن عباس، قتادہ، مقاتل، رضی اللہ عنہما کے نزدیک مدنی سورت ہے مگر انکی صرف آٹھ آیتیں مکی ہیں، امام نسائی نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ تشریف لائے تو دیکھا کہ مدینہ کے لوگ جن کے عام معاملات کیلئے یعنی ناپ کے ذریعہ ہوتے تھے وہ اس معاملہ میں چوری کرنے اور کم ناپنے کے بہت عادی تھے اس پر یہ سورت ویل للمطففین نازل ہوئی۔ حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ یہ پہلی سورت ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ طیبہ پہنچتے ہی نازل ہوئی، وجہ یہ تھی کہ اہل مدینہ میں یہ رواج اسوقت عام تھا کہ جب خود کسی سے سود لیتے تو ناپ تول پورا پورا لیتے تھے اور جب دوسروں کو بیچتے تو اس میں کمی اور چوری کیا کرتے تھے۔ اس سورت کے نازل ہونے پر یہ لوگ اس رسم بد سے باز آگئے اور ایسے بازار آئے کہ آج تک اہل مدینہ ناپ تول پورا پورا کرنے میں معروف و مشہور ہیں (رواہ الحاکم والنسائی وابن ماجہ بصحیح از منظری)

وَبَلِّغْ لِلْمُطَفِّفِينَ، مطففین تطفیف سے مشتق ہے جس کے معنی ناپ تول میں کمی کرنے کے ہیں اور ایسا کرنے والے کو مطفف کہا جاتا ہے۔ قرآن حکیم کے اس ارشاد سے ثابت ہوا کہ تطفیف کرنا حرام ہے۔

تطفیف صرف ناپ تول ہی میں نہیں بلکہ حقدار کو اس کے حق سے کم دینا کسی چیز میں ہو تطفیف میں داخل ہے کہ حقدار کا حق ادا ہو گیا یا نہیں، لیکن معلوم ہے کہ مقصود اس سے ہر ایک حقدار کا حق پورا پورا دینا ہے اس میں کمی کرنا حرام ہے، تو معلوم ہوا کہ یہ صرف ناپ تول کیساتھ مخصوص نہیں بلکہ ہر وہ چیز جس کے کسی کا حق پورا کرنا یا نہ کرنا جانیجاتا ہے اسکا یہی حکم ہے خواہ ناپ تول سے ہو یا عدد شماری سے یا کسی اور طریقے سے ہر ایک میں حقدار کے حق سے کم دینا بحکم تطفیف حرام ہے۔

موظا امام مالک میں ہے کہ حضرت عمر بن خطابؓ نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ نماز کے رکوع سجدے وغیرہ پورے

نہیں کرتا جلدی جلدی نماز ختم کر ڈالتا ہے تو اُس کو فرمایا لَقَدْ طَقَفْتَ یعنی تو نے اللہ کے حق میں تطفیف کر دی، فاروق اعظم کے اس قول کو نقل کر کے حضرت امام مالکؒ نے فرمایا لَحْلَحْ شَیْءٌ وِضَاءٌ وَتَطْفِیفٌ یعنی پورا حق دینا یا کم کرنا ہر چیز میں ہے یہاں تک کہ نماز، وضو، طہارت میں بھی اور اسی طرح دوسرے حقوق اللہ اور عبادات میں کمی کو تاہی کرنے والا تطفیف کرنے کا مجرم ہے اسی طرح حقوق العباد میں جو شخص مقررہ حق سے کم کرتا ہے وہ بھی تطفیف کے حکم میں ہے۔ مزدور ملازم نے جتنے وقت کی خدمت کا معاہدہ کیا ہے اُس میں سے وقت چرانا اور کم کرنا بھی اس میں داخل ہے۔ وقت کے اندر جس طرح محنت سے کام کرنے کا عرف میں معمول ہے ایسی محنتی کرنا بھی تطفیف ہے۔ اس میں عام لوگوں میں یہاں تک کہ اہل علم میں بھی غفلت پائی جاتی ہے، اپنی ملازمت کے فرائض میں کمی کرنے کو کوئی گناہ ہی نہیں سمجھتا اَعَاذَ اللہ مِنْہ۔

حدیث حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خمس پنجس یعنی پانچ گناہوں کی سزا پانچ چیزیں ہیں۔ (۱) جو شخص عہد شکنی کرتا ہے اللہ اُس پر اُس کے دشمن کو مسلط اور غالب کر دیتا ہے (۲) جو قوم اللہ کے قانون کو چھوڑ کر دوسرے قوانین پر فیصلے کرتے ہیں ان میں فقر و احتیاج عام ہو جاتا ہے (۳) جس قوم میں بے حیائی اور زنا عام ہو جائے اُس پر اللہ تعالیٰ طاعون (اور دوسرے وبائی امراض) مسلط کر دیتا ہے (۴) اور جو لوگ ناپ تول میں کمی کرنے لگیں اللہ تعالیٰ اُن کو قحط میں مبتلا کر دیتا ہے (۵) جو لوگ زکوٰۃ ادا نہیں کرتے اللہ تعالیٰ اُن سے بادش کو روک دیتا ہے (ذکرہ القرطبی وقال خرجہ الزہرا بمنہ مالک بن انس ایضاً من حدیث ابن عمرؓ) اور طبرانی نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس قوم میں مال غنیمت کی چوری رائج ہو جائے اللہ تعالیٰ اُنکے دلوں میں دشمن کا رعب اور ہیبت ڈال دیتے ہیں۔ اور جس قوم میں ربو یعنی سود خوری کا رواج ہو جائے انہیں موت کی کثرت ہو جاتی ہے اور جو قوم ناپ تول میں کمی کرتی ہے تو اللہ تعالیٰ اُنکا رزق قطع کر دیتے ہیں اور جو لوگ حق کے خلاف فیصلے کرتے ہیں اُن میں قتل و خون عام ہو جاتا ہے اور جو لوگ معاہدات میں غداری کرتے ہیں اللہ تعالیٰ اُن پر اُن کے دشمن مسلط کر دیتا ہے (رواہ مالک بن قوفاً۔ از مظہری)

فقرو فاقہ اور قحط و قحط رزق کی مختلف صورتیں | حدیث میں جن لوگوں کا رزق قطع کر دینے کا ارشاد ہے اُس کی یہ صورت بھی ہو سکتی ہے کہ اُس کو رزق سے بالکل محروم کر دیا جائے اور یہ صورت بھی قطع رزق ہی میں داخل ہے کہ رزق موجود ہوتے ہوئے وہ اُس کو کھانہ سکے یا استعمال نہ کر سکے جیسے بہت سی بیماریوں میں اسکا مشاہدہ ہوتا ہے اور اس زمانے میں بہت عام ہے۔ اسی طرح قحط کی یہ صورت بھی ہو سکتی ہے کہ اشیاء ضرورت مفقود ہو جائیں، اور یہ بھی ہو سکتی ہے کہ موجود بلکہ کثیر ہونے کے باوجود اُن کی گرانی اتنی بڑھ جائے کہ فریادیں مشکل ہو جائے جیسا کہ آجکل اسکا مشاہدہ اکثر چیزوں میں ہو رہا ہے۔ اور حدیث میں فقر مسلط کر دینا ارشاد ہے اس کے معنی صرف یہی نہیں کہ روپیہ پیسہ اور ضرورت کی اشیاء اسکے پاس نہ رہیں بلکہ فقر کے اصلی معنی محتاجی اور حاجتمندی کے ہیں۔ ہر شخص اپنے کاروبار اور ضروریات زندگی میں دوسروں کا جتنا محتاج ہو وہ اتنا ہی فقیر ہے۔ اس زمانے کے حالات پر غور کیا جائے تو

انسان اپنے رہن سہن اور نقل و حرکت اور اپنے ارادوں کے پورا کرنے میں ایسے ایسے قوانین میں جکڑا ہوا نظر آتا ہے کہ اُس کے لقمہ اور کلمہ تک پر پابندیاں ہیں، اپنا مال موجود ہوتے ہوئے خریداری میں آزاد نہیں کہ جہاں سے چاہے کچھ خریدے۔ سفر میں آزاد نہیں کہ جب کہیں جانا چاہے چلا جائے، ایسی ایسی پابندیوں میں انسان جکڑا گیا ہے کہ ہر کام کے لئے دفتر گردی اور افسروں سے لیکر چھرا سیوں تک کی خوشامد کئے بغیر زندگی گزارنا مشکل ہے یہ سب محتاجی ہی تو ہے جس کا دوسرا نام فقر ہے۔ اس تفصیل سے وہ شبہات رفع ہو گئے جو حدیث کے ارشاد کے متعلق ظاہری حالات کے اعتبار سے ہو سکتے ہیں۔

سجّین اور علیین | کَلَّا إِنَّ كِتَابَ الْفُجَارِ لَفِي سَجِّينٍ، سَجِّينٌ، بکسر سین و تشدید جیم بروزن سَجِّین سجن سے مشتق ہے جس کے معنی تنگ جگہ میں قید کرنے کے ہیں۔ قاموس میں ہے کہ سَجِّین کے معنی دائمی قید کے ہیں اور احادیث و آثار سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ سَجِّین ایک مقام خاص کا نام ہے، اور کفار و فجار کی ارواح کا مقام بھی ہے اور اسی مقام میں انکے اعمال نامے رہتے ہیں، جس کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اُن کے اعمال نامے اس جگہ میں محفوظ کر دیئے جاتے ہیں اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس جگہ کوئی ایسی کتاب طبع ہو جس میں تمام دُنیا کے کفار و فجار کے اعمال لکھ دیئے جاتے ہوں۔

یہ مقام کس جگہ ہے اس کے متعلق حضرت برار بن عازب رضی اللہ عنہ کی ایک طویل حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سَجِّین ساتویں زمین کے نچلے طبقہ میں ہے اور علیین ساتویں آسمان میں زیر عرش ہے (افرحہ بغوی بندہ و افرحہ احمد وغیرہ از مظہری) بعض روایات حدیث میں یہ بھی ہے کہ سَجِّین کفار و فجار کی ارواح کا مستقر ہے، اور علیین، مومنین متقین کی ارواح کی جگہ ہے۔

جنت اور دوزخ کا مقام | یہی حق نے دلائل نبوت میں حضرت عبداللہ بن سلام سے روایت کیا ہے کہ جنت آسمان میں ہے اور جہنم زمین میں، اور ابن جریر نے اپنی تفسیر میں حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ قرآن کریم میں جو یہ آیا ہے کہ قیامت کے روز جہنم کو لایا جائیگا جیسا کہ یَوْمَئِذٍ يُنْفَخُ اس کا مطلب کیا ہے، جہنم کو کہاں سے لایا جائے گا تو آپ نے فرمایا کہ جہنم کو ساتویں زمین سے لایا جائے گا۔ ان روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ جہنم ساتویں زمین میں ہے وہیں سے بھرک کر سارے سمندر اور دریا اُس کی آگ میں شامل ہو جائینگے اور سب کے سامنے آجائے گی۔ جہنم کے لئے جانیکا یہ بھی مطلب ہو سکتا ہے۔ اس طرح جن روایات میں یہ آیا ہے کہ سَجِّین جہنم کے ایک مقام کا نام ہے وہ بھی اس پر منطبق ہو گیا، (مظہری) واللہ اعلم

کِتَابٌ مَّزْمُومٌ، مرقوم کے معنی اس جگہ مخرم کے ہیں۔ یعنی مہر لگی ہوئی۔ امام بغوی اور ابن کثیر نے فرمایا کہ یہ جگہ مقام سَجِّین کی تفسیر نہیں، بلکہ اس سے پہلے جو کِتَابُ الْفُجَارِ آیا ہے اس کا بیان ہے، معنی یہ ہیں کہ کفار و فجار کے اعمال نامے مہر لگا کر محفوظ کر دیئے جاویں گے کہ انہیں کسی کی بیشی اور تغیر کا امکان نہ رہے گا اور انکے محفوظ کرنے کی جگہ سَجِّین ہے یہیں کفار کی ارواح کو جمع کر دیا جائے گا۔

کَلَّا بَلْ رَانَ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ مَا كَانُوا يَكْسِبُونَ، رَانَ، رین سے مشتق ہے جس کے معنی زنگ اور میل

کے میں مطلب ہے کہ انکے دلوں پر انکے گناہوں کا رنگ لگ گیا ہے اور جس طرح رنگ لوہے کو کھاکر مٹی بنا دیتا ہے اسی طرح ان گناہوں کے رنگ نے اُن کے دل کی اس صلاحیت کو ختم کر دیا جس سے بھلے بڑے کی تمیز ہوتی ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مومن بندہ جب کوئی گناہ کرتا ہے تو اُس کے دل پر ایک سیاہ نقطہ لگ جاتا ہے اگر اُس نے توبہ کر لی اور اُس پر نادم ہو کر آگے اپنے عمل کو درست کر لیا تو یہ سیاہ نقطہ مٹ جاتا ہے اور دل اپنی اصلی حالت پر منور ہو جاتا ہے اور اگر اُس نے توبہ نہ کی بلکہ اپنے گناہوں میں زیادتی کرتا چلا گیا تو یہ سیاہی اُس کے سارے قلب پر چھا جاتی ہے اسی کا نام ران ہے جو آیت قرآن بَلَّغْ لَّانْ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ مِّنْ ذٰلِكَ (رواہ البغوی وکذا اخرج احمد والترمذی وصحیحہ والنسائی وابن ماجہ وابن حبان والحاکم۔ از منہری) لفظ کَلَّا جو آیت کے شروع میں ہے اُسکو حرف رد و کہتے ہیں جس کے معنی دفع کرنے اور زبرد تنبیہ کر دینے ہیں۔ پہلی آیتوں میں کفار کی تکذیب کا ذکر تھا کہ وہ آیات قرآن کو کہانیاں کہہ کر ٹھٹھلاتے ہیں، اس آیت میں لفظ کَلَّا سے اس پر زبرد تنبیہ ہے کہ ان جاہلوں نے اپنے گناہوں کے انبار میں مبتلا ہو کر اپنے دلوں کی اُس نورانیت اور صلاحیت کو ختم کر دیا ہے جس سے حق و باطل پہچانا جاتا ہے اور یہ صلاحیت حق تعالیٰ ہر انسان کی جبلت اور فطرت میں رکھتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ اُن کی یہ تکذیب کسی دلیل یا عقل و فہم کی بنا پر نہیں بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ اُن کے قلوب اندھے ہو چکے ہیں انھیں بھلا بُرا نظر ہی نہیں آتا۔

اِنَّهُمْ عَنْ ذِكْرِ هٰمِهِمْ بَلُوْنَ مَبِیْنٍ لَّمَّا جَعَلُوْا نُوْنٌ، یعنی قیامت کے روز یہ کفار نجات اپنے رب کی زیارت سے محروم ہیں پردہ روک دیے جا دیں گے، یہ انکے اس عمل کی سزا ہوگی کہ انھوں نے دنیا میں حق کو نہیں پہچانا تو اب اپنے رب کی زیارت کے قابل نہیں رہے۔ حضرت امام مالکؒ اور شافعیؒ نے فرمایا کہ اس آیت سے معلوم ہوا کہ مومنین اور اولیاء اللہ کو حق تعالیٰ کی زیارت ہوگی ورنہ پھر کفار کے محبوب رہنے کا کوئی فائدہ ہی نہ ہوتا۔

فَاَنْذَرَهُ بعض اکابر علماء نے فرمایا کہ یہ آیت اس کی دلیل ہے کہ ہر انسان اپنی فطرت سے حق تعالیٰ کی محبت پر مجبور ہے اسی لئے دنیا کے عام کفار و مشرکین چاہے کتنے ہی کفر و شرک میں مبتلا ہوں اور اللہ جل شانہ کی ذات و صفات کے متعلق باطل عقیدے رکھتے ہوں مگر اتنی بات سب میں مشترک ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عظمت و محبت سب کے دلوں میں ہوتی ہے اور اپنا اپنے عقیدے کے مطابق اُسی کی جستجو اور رضا جوئی کے لئے عبادتیں کرتے ہیں، راستہ غلط ہوتا ہے اس لئے منزل مقصود پر نہیں پہنچتے مگر طلب اُسی منزل حق کی ہوتی ہے وجہ استدلال کی یہ ہے کہ اگر کفار میں حق تعالیٰ کی زیارت کا شوق نہ ہوتا تو ان کی سزائیں یہ نہ کہا جاتا کہ وہ زیارت سے محروم رہیں گے کیونکہ جو شخص کسی کی زیارت کا طالب ہی نہیں بلکہ متنفر ہے اُس کے لئے یہ کوئی سزا نہیں کہ اُس کو اس کی زیارت سے محروم کیا جائے۔

اِنَّ کِتٰبَ الْاَنْبِیَآءِ کَفٰی عَلَیْہِمْ، علیین بعض حضرات کے نزدیک علو کی جمع ہے اور مراد اعلیٰ درجہ کا علو اور بلندی ہے اور فرار کے نزدیک یہ ایک موضع کا نام ہے دزن جمع پر آیا ہے جمع نہیں، اور لفظ یحییٰ کی تحقیق میں اُپر گزر چکا ہے کہ حضرت برابر بن عازب رضی اللہ عنہ کی مرفوع روایت سے ثابت ہے کہ علیین ساتویں آسمان پر زیر عرش ایک مقام ہے جس میں مومنین کی ارواح اور صحائف اعمال رکھے جاتے ہیں، اور آگے جو کتب مرقوم ذکر ہے یہ بھی علیین کی

تفسیر نہیں بلکہ ابراہیم کے نامہ اعمال کا بیان ہے جس کا ذکر ابراہیمؑ کی کتاب الکتوبہ میں آیا ہے۔

يَكْشَهُنَّ كَالْمُعْقَرَاتِ بِغَيْرِ كَيْدٍ وَلَا عِلْمٍ، ایشد، شہود شے شتق ہے جس کے معنے حاضر ہونے اور شاہدہ کر نیکی آتے ہیں۔ بعض حضرات مفسرین نے فرمایا کہ مراد آیت کی یہ ہے کہ ابراہیم و صالحین کی کتابا اعمال کو مقربین دیکھتے ہونگے اور مراد مقربین سے فرشتے ہیں اور دیکھنے سے مراد اس کی نگرانی اور حفاظت ہے، مطلب یہ ہے کہ ابراہیم و صالحین کے صحائف اعمال مقرب فرشتوں کی نگرانی میں ہونگے (قرطبی) اور شہود سے مراد حضور کے معنی لئے جائیں تو بیشہ کی ضمیر کتاب کے بجائے علیین کی طرف راجع ہوگی اور معنی آیت کے یہ ہونگے کہ مقربین بارگاہ کی ارواح اسی مقام علیین میں حاضر ہونگی کیونکہ یہ ہی مقام انکی ارواح کا مستقر بنایا گیا ہے جس طرح یحییٰ کفار کی ارواح کا مستقر ہے اس کی دلیل وہ حدیث ہے جو صحیح مسلم میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شہداء کی ارواح اللہ تعالیٰ کے نزدیک بنبرہندوں کے پوٹوں میں ہونگی جو جنت کے باغات اور نہروں کی سیر کرتی ہونگی اور ان کے رہنے کی جگہ قندیل ہونگے جو عرش کے نیچے معلق ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ شہداء کی ارواح تحت العرش رہیں گی اور جنت کی سیر کر سکیں گی اور سورہ یسین میں جو حبیب نجا کے واقعہ میں آیا ہے قِيلَ ادْخُلِ الْجَنَّةَ قَالَ يَا لَيْتَ قُوتِي يَعْلَمُونَنِي بِمَا عَفَّرَنِي رَبِّي، اس سے معلوم ہوا کہ حبیب نجا موت کیساتھ ہی جنت میں داخل ہو گئے اور بعض روایات حدیث سے بھی ارواح مؤمنین کا جنت میں ہونا معلوم ہوتا ہے، ان سب کا حاصل ایک ہی ہے کہ مستقر ان ارواح کا ساتویں آسمان پر تحت العرش ہے اور یہی مقام جنت کا بھی ہے ان ارواح کو جنت کی سیر کر نیکی اختیار دیا گیا ہے۔ اور یہاں اگرچہ یہ حال صرف مقربین کا انکی اعلیٰ خصوصیت اور فضیلت کی وجہ سے بیان کیا گیا ہے مگر درحقیقت یہی مستقر تمام مؤمنین کی ارواح کا بھی ہے جیسا کہ حضرت کعب بن مالکؓ کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ،

انما نسمة المؤمن طائر يعلق في شجرة الجنة حتى ترجع الى جسده يوم القيمة (رواہ مالک والنسائی بسند صحیح)

مومن کی روح ایک پرندہ کی شکل میں جنت کے درختوں میں معلق رہے گی یہاں تک کہ قیامت کے روز وہ اپنے جسم میں پھر لوٹ جائے۔

اور اسی مضمون کی ایک حدیث اُم ہانی رضی اللہ عنہا کی روایت سے مسند احمد اور طبرانی میں آئی ہے (مظہری)

مقر ارواح یعنی موت کے بعد اس معاملے میں روایات حدیث بظاہر مختلف ہیں، سچین اور علیین کی تفسیر میں جو روایات انسانی روحوں کا مقام کہاں ہے اور پرندہ کوڑھوئی ان سے معلوم ہوتا ہے کہ ارواح کفار سچین میں رہتی ہیں جو ساتویں زمین میں ہے اور ارواح مؤمنین علیین میں رہتی ہیں جو ساتویں آسمان پر زیر عرش ہے اور مذکورہ صدر روایات میں بعض سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ارواح کفار جہنم میں اور ارواح مؤمنین جنت میں رہیں گی۔ اور بعض روایات حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مؤمنین و کفار دونوں کی روحوں ان کی قبروں میں رہتی ہیں جیسا کہ حضرت برادر بن عازب کی طویل حدیث میں ہے کہ جب مومن کی روح کو آسمان میں فرشتے لیجاتے ہیں تو حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میرے اس بندے کا اعمال نامہ علیین میں لکھ دو اور اس کو زمین کی طرف لوٹا دو کیونکہ اس کو میں نے زمین ہی سے پیدا کیا ہے اور مرنے کے بعد

اُسی میں ٹوٹاؤں گا اور پھر اُسی زمین سے اُن کو دوبارہ زندہ کر کے نکالوں گا، اس حکم پر فرشتے اسکی رُوح کو قبر میں ٹوٹا دیتے ہیں۔ اسی طرح کافر کی رُوح کے لئے آسمان کے دروازے نہ کھولے جائیں گے اور یہی حکم ہو گا کہ اس کو اس کی قبر میں ٹوٹا دو۔ امام ابن عبدالبر نے اسی کو ترجیح دی ہے کہ سب کی ارواح بعد الموت قبر ہی میں رہتی ہیں۔ ان میں پہلی اور دوسری روایات میں جو یہ اختلاف پایا جاتا ہے کہ بعض سے ارواح مومنین کا علیین میں رہنا معلوم ہوتا ہے اور بعض سے جنت میں رہنا، غور کیا جائے تو یہ کوئی اختلاف نہیں کیونکہ مقام علیین بھی ساتویں آسمان پر زیر عرش ہے اور جنت کا بھی یہی مقام خود قرآن کریم کی تصریح سے ثابت ہے عِندَ رَیْقِ الْمَذْهَبِ جَنَّاتُ جَنَّةِ الْمَأْوٰی، اس میں تصریح ہے کہ جنت سدرۃ المنتہی کے پاس ہے اور سدرہ کا ساتویں آسمان میں ہونا حدیث سے ثابت ہے اسلئے مقام ارواح جب علیین ہو تو وہ جنت کے متصل ہے اور ان ارواح کو جنت کے باغات کی سیر نصیب ہے اسلئے ان کا مقام جنت بھی کہا جاسکتا ہے۔

اسی طرح کفار کی ارواح سجدین میں ہیں اور وہ ساتویں زمین میں ہے اور حدیث سے یہ بھی ثابت ہے کہ جہنم بھی ساتویں زمین میں ہے اور اہل سجدین کو جہنم کی تپش اور ایذا میں پہنچتی رہیں گی اسلئے ان کا مقام جہنم میں کہنا بھی صحیح ہے۔ البتہ اوپر جس روایت میں ارواح کا قبروں میں رہنا معلوم ہوتا ہے۔ بظاہر پچھلی دونوں روایتوں سے بہت مختلف ہے اس کی تطبیق بیہقی زمانہ حضرت قاضی ثنار اللہ پانی پتی نے تفسیر منظر ہی میں یہ بیان کی ہے کہ یہ بات کچھ بعید نہیں کہ اصل مستقر ارواح کا علیین اور سجدین ہی ہوں مگر ان ارواح کا ایک خاص رابطہ قبروں کیساتھ بھی قائم ہو۔ اس رابطہ کی حقیقت تو اللہ کے سوا کوئی نہیں جان سکتا مگر جس طرح آفتاب ماہتاب آسمان میں ہیں اور اُن کی شعاعیں زمین پر پڑ کر اسکو روشن بھی کر دیتی ہیں گرم بھی۔ اسی طرح علیین و سجدین کی ارواح کا کوئی رابطہ مضمویہ قبروں سے ہو سکتا ہے اور ان تمام اقوال کی تطبیق میں حضرت قاضی ثنار اللہ کی تحقیق سورہ نازعات کی تفسیر میں ابھی گزر چکی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ روح کی دو قسمیں ہیں ایک جسم لطیف ہے جو انسان کے بدن میں حلول کرتا ہے اور وہ مادی اور عنصری جسم ہے مگر لطیف ہے نظر نہیں آتا، اسی کو نفس کہا جاتا ہے۔ دوسری روح جو ہر مجرد ہے مادی نہیں، اور وہ روح مجردی روح اول کی حیثیت سے اسلئے اسکو روح الروح کہہ سکتے ہیں، انسان کے جسم سے تعلق تو ان دونوں قسم کی رُوحوں کا ہے مگر پہلی قسم جسم انسانی کے اندر رہتی ہے اسلئے نکلنے ہی کا نام موت ہے۔ دوسری روح کا اس پہلی روح سے تعلق قریب تو ہے مگر اس تعلق کی حقیقت اللہ کے سوا کسی کو معلوم نہیں۔ مرنے کے بعد روح اول تو آسمانوں میں لیجائی جاتی ہے پھر قبر میں ٹوٹا دیا جاتی ہے اسکا مستقر قبر ہی ہے اسی پر عذاب ثواب ہوتا ہے اور روح مجرد علیین یا سجدین میں رہتی ہے۔ اس طرح اقوال جمع ہو گئے مستقر ارواح کا جنت یا علیین میں یا اسکے بالمقابل جہنم یا سجدین میں ہونا روح مجرد کے اعتبار سے ہے اور اسکا مستقر قبر میں ہونا روح کی قسم اول یعنی نفس کے اعتبار سے ہے جو جسم لطیف ہے اور مرنے کے بعد قبر میں رہتا ہے۔ واللہ اعلم

وَفِیْ ذٰلِکَ قَلِیْلًا مِّنَ الْمُتَنَفِّسِیْنَ، تنفس کے معنی ہے چند آدمیوں کا کسی خاص مرغوب و محبوب چیز کے حاصل کرنے کے لئے جھپٹنا دوڑنا تاکہ دوسروں سے پہلے وہ اس کو حاصل کر لیں، یہاں جنت کی

نعمتوں کا ذکر فرمانے کے بعد حق تعالیٰ نے غفلت شعار انسان کو اس طرف متوجہ کیا ہے کہ آج تم لوگ جن چیزوں کو مرغوب مطلوب سمجھ کر ان کے حاصل کرنے میں دوسروں سے آگے بڑھنے کی کوشش میں لگے ہوئے ہو۔ یہ ناقص اور فانی نعمتیں اس قابل نہیں کہ ان کو مقصود زندگی سمجھ کر ان کے لئے مسابقت کرو بلکہ ان میں تو اگر قناعت و ایثار سے کام لیکر یہ سمجھ لو کہ یہ چند روزہ راحت کا سامان ہاتھ سے نکل ہی گیا تو کچھ بڑے صدقے کی بات نہیں، ایسا خسارہ نہیں جس کی تلافی نہ ہو سکے، البتہ تنافس اور مسابقت کرنے کی چیز یہ جنت کی نعمتیں ہیں جو ہر حیثیت سے مکمل بھی ہیں اور دائمی بھی، اکبر مرحوم نے خوب فرمایا ۵

یہ کہاں کا فسانہ ہے سود و زیاں، جو گیا سو گیا جو بلا سو بلا
کہو ذہن سے فرصت عمر ہے کم، جو دلا تو خدا ہی کی یاد دلا

إِنَّ الَّذِينَ أَجْرَمُوا كَانُوا مِنَ الَّذِينَ آمَنُوا يَصْطَفِي كُفُونَ، ان آیات میں حق تعالیٰ نے اہل حق کے ساتھ اہل باطل کے طرز عمل کا پورا نقشہ کھینچ دیا ہے کہ کفار اہل باطل تو منین اہل حق پر استہزاء ہنستے اور دل لگی کرتے ہیں اور جب اہل حق ان کے سامنے آتے ہیں تو یہ لوگ آپس میں ایک دوسرے کو آنکھ کے اشارے کرتے ہیں جس سے مقصود بھی ان کی استہزار اور ایذا رسانی ہوتی ہے۔ پھر جب یہ کفار اہل باطل اپنے اپنے ٹھکانوں پر ٹوٹے ہیں تو مؤمنین کے ساتھ جو تسخر اور استہزاء کیا ہے اس کا باہم تذکرہ مزے لیکر کرتے ہیں کہ ہم نے خوب ان لوگوں کو ذلیل کیا۔ اور جب یہ کفار مؤمنین کو دیکھتے ہیں تو بظاہر ہمدردی کے لہجہ میں اور درحقیقت تمسخر کیلئے یہ کہتے ہیں کہ یہ بیچارے بڑے سادہ لوح بے وقوف ہیں ان کو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے گمراہ کر دیا ہے۔ آجکل کے حالات کا جائزہ لیا جائے تو اس وقت وہ لوگ جو کچھ نئی تعلیم کی نحوست سے دین و آخرت سے بے فکر ہو چکے ہوتے ہیں خدا و رسول پر ایمان برائے نام رہ جاتا ہے وہ علماء و صلیاں کیساتھ بعینہ اسی طرح کا معاملہ کرتے ہیں، حق تعالیٰ مسلمانوں کو اس عذاب الیم سے نجات عطا فرما دیں۔ مؤمنین صالحین کے لئے اس آیت میں تسلی کا کافی سامان ہے کہ ان کے ہنسنے کی پروا نہ کریں کسی نے خوب کہا ہے ۵

ہنسنے جانے سے جب تک ایم ڈریں گے : زمانہ ہم پہ ہنستا ہی رہے گا

تَمَّتْ سُورَةُ التَّطْفِيفِ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ لِكُلِّ يَوْمٍ الْأَمْنِ ۱۲ شَعْبَانَ ۱۴۱۵ھ

سُورَةُ الْاِنْشِقَاقِ

سُورَةُ الْاِنْشِقَاقِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ ثَمَسٌ وَعَشْرُونَ آيَةً
سُورَةُ انشقاق مکہ میں نازل ہوئی اور اس کی پچیس آیتیں ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بید مہربان نہایت رحم والا ہے

اِذَا السَّمَاءُ اِنْشَقَّتْ ۙ ۱ وَاِذْنَتْ لِرَبِّهَا وَحُقَّتْ ۙ ۲ وَاِذَا الْاَرْضُ مُدَّتْ ۙ ۳

جب آسمان پھٹ جائے اور من لے حکم اپنے رب کا اور وہ آسمان اسی لائق ہے اور جب زمین پھیلا دی جائے

وَالْقَتَّ مَا فِيهَا وَتَخَلَّتْ ۙ ۴ وَاِذْنَتْ لِرَبِّهَا وَحُقَّتْ ۙ ۵ يَا أَيُّهَا الْاِنْسَانُ

اور نکال ڈالے جو کچھ اس میں ہے اور خالی ہو جائے اور من لے حکم اپنے رب کا اور وہ زمین اسی لائق ہے اے آدمی

اِنَّكَ كَادِحٌ اِلَىٰ رَبِّكَ كَدًا فَمُلِقِيْهِ ۙ ۶ فَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهُ

بجھ کو تکلیف اٹھانی ہے اپنے رب تک پہنچنے میں سہ سہ کر پھر اس سے ملنا ہے سو جس کو ملا اعمال نامہ اس کا

بِیْمٰیْنِهٖ ۙ ۷ فَسَوْفَ يُجَاسَبُ حِسَابًا يَّسِيْرًا ۙ ۸ وَيُنْقَلَبُ اِلَىٰ اٰهْلِهٖ

دائیں ہاتھ میں تو اس سے حساب لیں گے آسان حساب اور پھر کر آئے گا اپنے لوگوں کے پاس

مَسْرُوْرًا ۙ ۹ وَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهُ وِرَآءَ ظَهْرِهٖ ۙ ۱۰ فَسَوْفَ يَدْعُوْا

نوش ہو کر اور جس کو ملا اس کا اعمال نامہ پیٹھ کے پیچھے سے سو وہ چکار بکا موت

ثُبُوْرًا ۙ ۱۱ وَيَصْلٰی سَعِيْرًا ۙ ۱۲ اِنَّهٗ كَانَ فِیْ اٰهْلِهٖ مَسْرُوْرًا ۙ ۱۳ اِنَّهٗ

موت اور پڑے گا آگ میں وہ رہا تھا اپنے گھر میں بے غم جس نے

ظَنَّ اَنْ لَّنْ يَّجُوْرَ ۙ ۱۴ بَلٰی ۙ ۱۵ اِنَّ رَبَّهٗ كَانَ بِهٖ بَصِيْرًا ۙ ۱۶ فَلَا اَفْئِيْمٌ

نیال کیا تھا کہ پھر نہ جائے گا کیوں نہیں اس کا رب اس کو دیکھتا تھا سو مٹم کھانا ہوں

بِالشَّقٰی ۙ ۱۷ وَالْیَلِ وَمَا وَسَقَ ۙ ۱۸ وَالْقَمَرِ اِذَا اَنَسَقَ ۙ ۱۹ لَتَرْكَبُنَّ

شام کی سرخی کی اور رات کی اور جو چیزیں ہیں سٹ آتی ہیں اور چاند کی جب پورا بھر جائے کہ تم کو چڑھنا ہے

طَبَقًا عَنْ طَبَقٍ ۱۹ ﴿فَمَا لَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ﴾ ۲۰ ﴿وَإِذَا قُرِئَ عَلَيْهِمُ الْقُرْآنُ

سیرھی پر سیرھی پھر کیا ہوا ہے ان کو جو یقین نہیں لاتے اور جب پڑھے ان کے پاس قرآن

لَا يَسْجُدُونَ ۲۱ ﴿بَلِ الَّذِينَ كَفَرُوا اِيْكَدُّوْنَ﴾ ۲۲ ﴿وَاللَّهُ اَعْلَمُ بِمَا

وہ سجدہ نہیں کرتے اُد پر سے اور یہ کہ مستر جھٹلاتے ہیں اور اللہ خوب جانتا ہے جو اندر

يُوعُونَ ۲۳ ﴿فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ﴾ ۲۴ ﴿اِلَّا الَّذِينَ اٰمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحٰتِ

بھرا رکھتے ہیں سو خوشی سنا دے ان کو عذاب دردناک کی مگر جو لوگ کہ یقین لائے اور کام کئے بھلے

لَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُونٍ ۲۵ ﴿

ان کے لئے ثواب ہے بے انتہا

خلاصہ تفسیر

جب (نفخہ ثانیہ کے وقت) آسمان پھٹ جاویگا (تاکہ اس میں سے غمام یعنی بادل کی شکل کی ایک چیز کا نزول ہو جس میں فرشتے ہونگے جس کا ذکر پارہ ۷۰۱ آیت ۱۹ ﴿وَيَوْمَ تَشْقٰتُ السَّمٰوٰتُ﴾ میں ہے) اور اپنے رب کا حکم سن لیگا (اور ان لیگا، یہاں حکم سے مراد حکم تکوینی انشاق کا ہے اور ماننے سے مراد اس کا وقوع ہے) اور وہ (آسمان بوجہ محکوم قدرت ہونے کے) اسی لائق ہے (کہ جس امر کی مشیت اسکے متعلق ہو اس کا وقوع ضرور ہو جاوے) اور جب زمین کھینچ کر بٹھا دی جاوے گی (جس طرح چمڑا یا برکھینچا جاتا ہے، پس اس وقت کی مقدار سے اس وقت مقدار زیادہ ہو جاوے گی تاکہ سب اولین و آخرین اس میں سما جاویں جیسا درمنثور میں بسند جید حاکم کی روایت سے مرفوعاً وارد ہے ﴿يَوْمَ الْاَرْضُ يَوْمَ الْيَقِيْنَةِ﴾ ۲۴) پس آسمان کا یہ انشاق اور زمین کا امتداد دونوں حساب محشر کے مقدمات میں سے ہیں) اور (وہ زمین) اپنے اندر کی چیزوں کو (یعنی مردوں کو) باہر اگل دیگی اور (سب مردوں سے) خالی ہو جاوے گی اور (وہ زمین) اپنے رب کا حکم سن لیگی اور وہ اسی لائق ہے (اسکی تفسیر بھی مثل سابق ہے بس اس وقت انسان اپنے اعمال کو دیکھے گا جیسا آگے ارشاد ہے کہ) اے انسان تو اپنے رب کے پاس پہنچنے تک (یعنی مرنے کے وقت تک) کام میں کوشش کر رہا ہے (یعنی کوئی نیک کام میں لگا ہوا ہے کوئی بُرے کام میں) پھر (قیامت میں) اس (کام کی جزا) سے جا ملے گا تو (اس روز) جس شخص کا نامہ اعمال اسکے داہنے ہاتھ میں ملے گا سو اس سے آسمان حساب لیا جاوے گا اور وہ (اس سے فارغ ہو کر) اپنے متعلقین کے پاس خوش خوش آئیگا (آسمان حساب کے مراتب مختلف ہیں، ایک یہ کہ اس پر بالکل عذاب مرتب نہ ہو بعض کے لئے تو یہ ہوگا اور حدیث میں اسی کی تفسیر یہ آئی ہے کہ جس حساب میں مناقشہ (خوردہ گیری) نہ ہو صرف پیشی ہو جاوے اور یہ ان کے لئے ہوگا جو بلا کسی عذاب کے نجات پائیں گے۔ دوسرا یہ کہ اس پر عذاب دائمی نہ ہو اور یہ عام مومنین کیلئے ہوگا اور مطلق عذاب اسکے منافی نہیں) اور جس شخص کا نامہ اعمال (اسکے بائیں ہاتھ میں) اسی پیٹھ کے پیچھے سے ملے گا (مراد اس

سے کفار ہیں، اور پشت کی طرف سے ملنے کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں۔ ایک یہ کہ اُس کی مشکلیں کسی ہوئی ہوں گی تو بایاں ہاتھ بھی پشت کی طرف ہوگا، دوسری صورت مجاہد کا قول ہے کہ اسکا بایاں ہاتھ پشت کی طرف نہ نکال دیا جاوے گا، کذا فی الدر المنثور) سو وہ موت کو بچا رہے گا (جیسا مصیبت میں عادت ہے موت کی تمنا کرنے کی) اور جہنم میں داخل ہوگا، یہ شخص (دنیا میں) اپنے متعلقین (اہل و عیال و ختم و خدم) میں خوش خوش رہا کرتا تھا (یہاں تک کہ فرط خوشی میں آخرت کی تکذیب کرنے لگا تھا جیسا کہ آگے ارشاد ہے کہ) اُس نے خیال کر رکھا تھا کہ اُسکو (خدا کی طرف) ٹوٹنا نہیں ہے (آگے رو ہے اس گمان کا کہ ٹوٹنا) کیوں نہ ہوتا (آگے ٹوٹنے کے بعد جزا کا اثبات ہے کہ) اسکا رب اُسکو خوب دیکھتا تھا (اور اسکے اعمال پر جزا دینے کے ساتھ مشیت متعلق کر چکا تھا اسلئے جزا کا وقوع ضروری تھا) سو (اس بنا پر) میں قسم کھا کر کہتا ہوں شفق کی اور رات کی اور اُن چیزوں کی جن کو رات سمیٹ (کرجع کر) لیتی ہے (مراد وہ سب جاندار ہیں جو رات کو آرام کرنے کے لئے اپنے اپنے ٹھکانے میں آجاتے ہیں) اور چاند کی جب وہ پورا ہو جاوے (یعنی بدرنجاوے، ان سب چیزوں کی قسم کھا کر کہتا ہوں) کہ تم لوگوں کو ضرور ایک حالت کے بعد دوسری حالت پر پہنچنا ہے (تفصیل ہے کیا کَیْهَا الْاِشْشَانُ تَامِلًا قَبِيحًا کی، پس وہاں جس کو خطاب تھا یہاں جمیع افراد کو خطاب ہے وہاں تقائے عمل کا ذکر مجملاً فرمایا، یہاں اُس چیز کی تفصیل ہے جس سے روزِ محشر ملے گا یا اسکے سامنے آوے گی اور وہ حالتیں ایک موت ہے اسکے بعد احوالِ برزخ اسکے بعد احوالِ قیامت پھر خود انہیں بھی تعدد و کثرت ہے اور ان قسموں کا مناسب مقام ہونا اس طرح ہے کہ رات کے احوال کا مختلف ہونا کا دل شفق نمودار ہوتی ہے پھر زیادہ رات آتی ہے تو سب سو جاتے ہیں اور پھر ایک رات کا دوسری رات سے نورِ قمر کی زیادت و نقصان میں مختلف ہونا، یہ سب مشابہ ہے اختلافِ احوال بعد الموت کے، و نیز موت سے عالمِ آخرت شروع ہوتا ہے جیسے شفق سے رات شروع ہوتی ہے پھر عالمِ برزخ میں رہنا مشابہ لوگوں کے سو رہنے کے ہے اور چاند کا پورا ہونا بعدِ محاق کے مشابہ ہے حیوۃ قیامت کے بعد فنائے عالم کے) سو (باوجود ان مقتضیاتِ خوف و ایمان کے اجتماع کے) ان لوگوں کو کیا ہوا کہ ایمان نہیں لاتے اور (خود تو ایمان اور حق کی کیا طلب کرتے انکی عناد کی یہ حالت ہے کہ) جب انکے رب و رب و رب و رب پڑھا جاتا ہے تو (اس وقت بھی خدا کی طرف) نہیں جھکتے بلکہ (بجائے جھکنے کے) یہ کافر (اور اُلٹی) تکذیب کرتے ہیں اور امت کو سب خبر ہے جو کچھ یہ لوگ (اعمالِ بد کا ذخیرہ) جمع کر رہے ہیں سو (ان اعمالِ کفریہ کے سبب) آپ ان کو ایک دردناک عذاب کی خبر دیدیجئے لیکن جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے اچھے عمل کئے انکے لئے (آخرت میں) ایسا اجر ہے جو کبھی موقوف ہو نہ والا نہیں (عملِ صالح کی قید شرط کے طور پر نہیں سبب کے طریق پر ہے)

معارف و مسائل

اس سورت میں قیامت کے احوال اور حساب کتاب اور نیک و بد کی جزا و سزا کا پھر غافل انسان کو خود انکی ذات اور گرد و پیش کے حالات میں غور کرنے اور اُن سے ایمان باللہ و القرآن تک پہنچنے کی ہدایت ہے۔ آہیں پہلے

آسمان کے پھٹنے کا ذکر ہے پھر زمین کا کہ جو کچھ اسکے پیٹ میں ہے خواہ وہ خزان دفائن ہوں یا انسان کے مردہ اجسام وہ سب اگل کر نکال دے گی اور محشر کے لئے ایک نئی زمین تیار ہوگی جس میں نہ کوئی غار، پہاڑ ہوگا نہ تعمیر اور درخت ایک صاف سطح مستوی ہوگی اُس کو کھینچ کر بڑھا دیا جائیگا تاکہ تمام اولین و آخرین اُس پر جمع ہو سکیں یہ بیان دوسری سورتوں میں مختلف عنوان سے آیا ہے، یہاں ایک نئی زیادتی یہ ہے کہ آسمان اور زمین دونوں پر جو تصرف حق تعالیٰ کی طرف سے روز قیامت ہوگا اسکے متعلق فرمایا **وَ اِذْ نَسَتْ لَرَزَاقَهَا وَ حَقَّقَتْ**، اِذْ نَسَتْ کے معنی ہیں مَن لیا اور مراد سننے سے محکمانات کرنا ہے اور **حَقَّقَتْ** بصیغہ مجہول کے معنی یہ ہیں کہ حَقَّقْ لَهَا (الانقیاد یعنی حق واجب تھا کہ وہ اللہ کے اس حکم کی اطاعت کئے احکام الہیہ کی دوسمیں) یہاں آسمان و زمین کی اطاعت اور تعمیل حکم کے دو معنی ہو سکتے ہیں کیونکہ احکام الہیہ دو طرح کے ہوتے ہیں، ایک تشریعی احکام جنہیں ایک قانون بتلایا جاتا ہے اور اُس کی خلاف ورزی کی سزا بتلا دی جاتی ہے مگر کرنیوالے کو انکی کسی جانب پر مجبور محض نہیں کیا جاتا بلکہ اسکو ایک درجہ کا اختیار دیا جاتا ہے وہ اپنے اختیار سے اس قانون کی پابندی کرے یا خلاف ورزی، اور ایسے احکام عموماً اُن مخلوقات پر عائد ہوتے ہیں جو ذوی العقول کہلاتے ہیں جیسے انسان اور جن، یہیں سے ان میں مومن و کافر اور مطیع و نافرمان کی دو قسمیں پیدا ہو جاتی ہیں۔ دوسری قسم احکام کی تکوینی اور تقدیری احکام ہیں ان کی تنفیذ جبری ہوتی ہے کسی کی مجال نہیں کہ سروان کے خلاف کر سکے ان احکام کی تعمیل کل مخلوقات جبراً کرتی ہے ان میں انسان اور جن بھی داخل ہیں، تکوینی احکام میں اُنکے لئے جو کچھ مقرر کر دیا گیا، مومن ہو یا کافر متقی ہو یا فاسق، سب کے سب اُسی تقدیری قانون کے تابع چلنے پر مجبور ہیں

ذَرَّه ذَرَّه دہر کا پابستہ تقدیر ہے | زندگی کے خواب کی جامی یہی تعبیر ہے

اس جگہ یہ ہو سکتا ہے کہ آسمان و زمین کو حق تعالیٰ خاص شعور و ادراک عطا فرمادیں جو مکلفین میں ہوتا ہے اور جب ان کو کوئی حکم حق تعالیٰ کی طرف سے ملا، انھوں نے با اختیار خود اُس کی تعمیل اور اطاعت کی۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس حکم سے مراد حکم تکوینی لیا جائے جس میں کسی کے ارادہ و اختیار کو دخل ہی نہیں ہوتا **اِذْ نَسَتْ لَرَزَاقَهَا وَ حَقَّقَتْ** کے لفاظ پہلے معنی کے لئے زیادہ اقرب ہیں، دوسرے معنی بھی بطور مجاز کے بن سکتے ہیں۔

وَ اِذَا الْاَرْضُ مُدَّتْ، مُدَّتْ کے معنی کھینچنے اور دراز کرنے کے ہیں۔ حضرت جابر بن عبد اللہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے روز زمین کو اس طرح کھینچ کر پھیلا دیا جائیگا جیسے چمڑے (یا ربڑ) کو کھینچ کر بڑا کر دیا جاتا ہے، مگر اسکے باوجود میدان محشر جو اس زمین پر ہوگا اس میں ابتداءً دنیا سے قیامت تک کے تمام انسان جمع ہونگے تو صورت یہ ہوگی کہ ایک آدمی کے حصہ میں صرف اتنی زمین ہوگی جس پر اسکے پاؤں ہیں (رواہ المحکم بہند جید مظہری) **وَ اَلْقَتْ مَا فِيهَا وَ تَخَلَّتْ**، یعنی اگل دیگی زمین ہر اُس چیز کو جو اسکے بطن میں ہے اور بالکل خالی ہو جاوے گی زمین کے بطن میں خزان و دفائن اور معادن بھی ہیں اور ابتدائے دنیا سے مرئیالے انسانوں کے اجسام و ذرات بھی زمین ایک زلزلہ کے ساتھ یہ سب چیزیں اپنے بطن سے باہر نیکال دے گی۔

يَا أَيُّهَا الْاِنْسَانُ اِنَّكَ كَادِحٌ، کَدَح کے معنی کسی کام میں پوری جدوجہد اور اپنی توانائی صرف کرنے

کے ہیں، اور الی دینک سے مراد الی لقاء دینک ہے یعنی انسان کی ہر سعی و جدوجہد کی انتہا اسکے رب کی طرف ہونی چاہی ہے۔
رجوع الی اللہ اس آیت میں حق تعالیٰ نے بنی نوع انسان کو خطاب فرما کر اسکے غور و فکر کے لئے ایک ایسی راہ دکھائی ہے کہ اس میں کچھ بھی عقل و شعور ہو تو وہ اپنی جدوجہد کا رخ صحیح سمت کی طرف پھیر سکتا ہے جو اس کو دنیا و دین میں سلامتی اور عافیت کی ضمانت دے۔ پہلی بات تو یہ ارشاد فرمائی کہ انسان نیک ہو یا بد، مومن ہو یا کافر اپنی فطرت سے اس کا عادی ہے کہ کچھ نہ کچھ حرکت کرے اور کسی نہ کسی چیز کو اپنا مقصود بنا کر اسکے حاصل کرنے کے لئے جدوجہد اور محنت برداشت کرے جس طرح ایک شریف نیک خوان انسان اپنے معاش اور ضروریات زندگی کی تحصیل میں فطری اور جائز طریقوں کو اختیار کرتا ہے اور انہیں اپنی محنت و توانائی صرف کرتا ہے۔ بدکار بدخوان انسان بھی اپنے مقاصد کہیں بے محنت بے جدوجہد حاصل نہیں کر سکتا، چور ڈاکو بد معاش دھوکہ فریب سے ٹوٹ کھسوٹ کرنے والوں کو دیکھو کسی کیسی ذہنی اور جسمانی محنت برداشت کرتے ہیں جب ان کو ان کا مقصود حاصل ہوتا ہے۔ دوسری بات یہ بتلائی کہ عاقل انسان اگر غور کرے تو اس کی تمام حرکات بلکہ سکناات بھی ایک سفر کی منزلیں ہیں جس کو وہ غیر شعوری طور پر قطع کر رہا ہے، بسکی انتہا اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضری یعنی موت ہے (الی دینک) میں اسی کا بیان ہے۔ اور یہ انتہا ایسی حقیقت ہے کہ جس کا کسی کو انکار نہیں ہو سکتا کہ انسان کی ہر جدوجہد اور محنت موت پر ختم ہونا یقینی ہے۔ تیسری بات یہ بتلائی کہ موت کے بعد اپنے رب کے سامنے حاضری کے وقت اس کی تمام حرکات و اعمال اور ہر جدوجہد کا حساب ہونا اور رُوئے عقل و انصاف ضروری ہے تاکہ نیک بد کا انجام الگ الگ معلوم ہو سکے ورنہ دنیا میں تو اس کا کوئی امتیاز نہیں ہوتا، ایک نیک آدمی ایک مہینہ محنت مزدوری کر کے اپنا رزق اور جو ضروریات حاصل کرتا ہے، چور ڈاکو اس کو ایک رات میں حاصل کر لیتے ہیں۔ اگر کوئی وقت حساب کا اور جزا سزا کا نہ آئے تو دونوں برابر ہو گئے جو عقل و انصاف کی خلاف ہے۔ آخر میں فرمایا فَلْيَقْظِيهِ، ملاقیہ کی ضمیر کا ح کی طرف بھی راجع ہو سکتی ہے تو معنی یہ ہونگے کہ جو جدوجہد یہاں انسان کر رہا ہے بالآخر اپنے رب کے پاس پہنچ کر اپنی اس کمائی سے ملے گا اور اسکے اچھے یا بُرے نتائج اسکے سامنے آجائیں گے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ملاقیہ کی ضمیر رب کی طرف راجع ہو اور معنی یہ ہوں کہ ہر انسان آخرت میں اپنے رب سے ملنے والا اور حساب کے لئے اسکے سامنے پیش ہونی والا ہے، آگے نیک بد اور مومن و کافر انسانوں کے الگ الگ انجام کا ذکر ہے جس کی ابتدا اعمال نامہ کا داہنے یا بائیں ہاتھ میں لانا اور داہنے والوں کو جنت کی دائمی نعمتوں کی بشارت، اور بائیں والوں کو دوزخ کے عذاب کی اطلاع مل جاتی ہے۔ اس مجموعہ پر اگر انسان غور کرے کہ ضروریات زندگی بلکہ اپنے نفس کی غیر ضروری مرغوبات کو بھی حاصل تو نیک بد دونوں ہی کر لیتے اس طرح دنیا کی زندگی دونوں کی گزر جاتی ہے مگر ان دونوں کے انجام میں زمین و آسمان کا فرق ہے ایک کے نتیجے میں دائمی غیر منقطع راحت ہی راحت ہے، دوسرے کے نتیجے میں دائمی مصیبت و عذاب ہے پھر کیوں نہ انسان اس انجام کو آج ہی سوچ سمجھ کر اپنی سعی و عمل کا رخ اُس طرف پھیر دے جو دنیا میں بھی اُس کی ضرورتوں کو پورا کر دے اور آخرت کی دائمی نعمت بھی اس کو حاصل ہے۔

فَاَمَّا مَنْ اَوْفَىٰ كِتَابَهُ بِحَسَنَاتٍ فَسَوْفَ يَحْسَبُهَا بِلَيْسَ يَرَىٰ وَيَقْلِبُ اِلَىٰ اَهْلِهِ مَسْرُورًا

اس میں مومنین کا حال بیان فرمایا ہے کہ ان کے نامہ اعمال داہنے ہاتھ میں دیئے جا دیں گے اور ان سے بہت آسان حساب لے کر جنت کی بشارت دیدی جائے گی اور وہ اپنے گھر والوں کے پاس خوش خوش واپس ہوگا۔

صحیح بخاری کی ایک حدیث میں حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا من حوسب يوم القيمة عذاب، یعنی قیامت کے روز جس سے حساب لیا جائے وہ عذاب سے نہ بچے گا۔ اسپر حضرت صدیقہ عائشہؓ نے سوال کیا کہ کیا قرآن میں حق تعالیٰ کا یہ ارشاد نہیں ہے یُحْصِیْ حَسَابًا لِّیْزِیْرَ اَنْحَضْرَتْ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس آیت میں جو حساب سیر فرمایا وہ درحقیقت مکمل حساب نہیں بلکہ صرف رب العزت کے سامنے پیشی ہے اور جس شخص سے اسکے اعمال کا پورا پورا حساب لیا گیا وہ ہرگز عذاب سے نہ بچے گا۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مومنین کے اعمال بھی رب العزت کے سامنے پیش تو سب ہونگے مگر ان کے ایمان کی برکت سے ان کے ہر ہر عمل پر مناقشہ نہیں ہوگا، اسی کا نام حساب سیر ہے۔ اور اپنے گھر والوں کی طرف خوش خوش واپس ہونیکے دو معنی ہو سکتے ہیں، یا تو گھر والوں سے مراد جنت کی خوریں ہیں جو وہاں اسکے اہل ہوں گی اور یہی ممکن ہے کہ دنیا میں جو اسکے اہل و عیال تھے محشر کے میدان میں جب حساب کے بعد کامیابی ہوگی تو دنیا کی عادت کے مطابق اسکی خوشخبری سنانے انکے پاس جائے، ائمہ تفسیر نے دونوں احتمال بیان فرمائے ہیں (قطبی)

فَسَوْفَ يَدْخُلُونَ اَنْبُورًا، یعنی جسکا اعلانیہ اس کی پشت کی طرف سے اسکے بائیں ہاتھ میں دیا جائیگا وہ وہاں اس کی تمنا کرے گا کہ کاش وہ پھر مکرٹی ہو جائے اور عذاب سے بچ جائے مگر وہاں یہ ناممکن ہوگا بلکہ اسکو جہنم میں داخل کر دیا جائیگا، اس کی ایک وجہ یہاں یہ ارشاد فرمائی کہ وہ دنیا میں اپنے اہل و عیال میں آخرت سے بے فکر ہو کر لگن اور خوش رہا کرتا تھا، بخلاف مومنین کے کہ ان کو دنیا کی زندگی میں بھی بے فکری نہیں ہوتی، ہر عیش و راحت کے وقت بھی آخرت کی فکر ضرور لگی رہتی ہے جیسا کہ قرآن کریم نے ان کا حال بیان فرمایا ہے اِنَّا كُنَّا قَبْلُ فِيْ اَهْلِيْنَا مُشْفِقِيْنَ، یعنی ہم تو اپنے اہل و عیال میں رہتے ہوئے بھی آخرت کا خوف رکھتے تھے اس لئے ان دونوں فریق کا انجام انکے مناسب ہوا جو دنیا میں اپنے اہل و عیال کیساتھ آخرت سے بے فکر ہو کر عیش و عشرت اور خوشی و مسرت میں گزارتے تھے آج انکے حصہ میں یہ عذاب جہنم آئے گا، اور جو لوگ دنیا میں آخرت کے حساب عذاب سے ڈرتے رہتے تھے انکو وہاں مسرت و خوشی حاصل ہوگی اور اب وہ اپنے اہل و عیال میں دائمی مسرت کے ساتھ رہیں گے۔ اس سے معلوم ہوا کہ دنیا کی راحتوں میں مسرت و سرور ہو جانا مومن کا کام نہیں، اس کو کسی وقت کسی حال آخرت کے حساب سے بے فکری نہیں ہوتی۔

فَلَا اُقْسِمُ بِالْشَفِیْقِ، اس آیت میں حق تعالیٰ نے چار چیزوں کی قسم کے ساتھ موکہ کر کے انسان کو پھر اس چیز کی طرف متوجہ کیا ہے جسکا کچھ ذکر پہلے اِنَّا كُنَّا قَبْلُ فِيْ اَهْلِيْنَا مُشْفِقِيْنَ میں آچکا ہے۔ یہ چاروں چیزیں جن کی قسم کھائی ہے اگر غور کرو تو اس مضمون کی شاہد ہیں جو جواب قسم میں آیا ہوا ہے یعنی انسان کو ایک حال پر قرار نہیں اس کے حالات اور درجات ہر وقت بدلتے رہتے ہیں۔ پہلی چیز شفیق ہے یعنی وہ سُرخنی جو آفتاب غروب ہونے کے

بعد اُفق مغرب میں ہوتی ہے یہ رات کی ابتداء ہے جو انسانی احوال میں ایک بڑے انقلاب کا مقدمہ ہے کہ روشنی جا رہی ہے اور تاریکی کا سیلاب آرہا ہے، اسکے بعد خود رات کی قسم ہے جو اس انقلاب کی تکمیل کرتی ہے، اس کے بعد اُن تمام چیزوں کی قسم ہے جن کو رات کی تاریکی اپنے اندر جمع کر لیتی ہے۔ وِسْق کے اصل معنی جمع کر لینے کے ہیں، اس کے عام معنی مراد لئے جائیں تو اس میں تمام دُنیا کی کائنات داخل ہیں جو رات کی تاریکی میں چھپ جاتی ہیں اس میں حیوانات، نباتات، جمادات، پہاڑ اور دریا سبھی شامل ہیں۔ اور جمع کر لینے کی مناسبت سے یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ وہ چیزیں جو عادتاً دن کی روشنی میں منتشر پھیلی ہوئی رہتی ہیں۔ رات کے وقت وہ سب سمٹ کر اپنے اپنے ٹھکانوں میں جمع ہو جاتی ہیں، انسان اپنے گھر میں، حیوانات اپنے گھروں اور گھونسوں میں جمع ہو جاتے ہیں، کار و بار میں پھیلے ہوئے سامانوں کو سمیٹ کر یکجا کر دیا جاتا ہے، یہ ایک عظیم انقلاب خود انسان اور اسکے تعلقات میں ہے۔ چوتھی چیز جس کی قسم کھائی گئی وہ وَالْفَقْرُ اِذَا اَلْتَسَقَ ہے یہ بھی وِسْق سے مشتق ہے جس کے معنی جمع کر لینے کے ہیں قر کے اِتساق سے مراد یہ ہے کہ وہ اپنی روشنی کو جمع کرے اور یہ چودھویں رات میں ہوتا ہے جبکہ چاند بالکل مکمل ہوتا ہے۔ اِذَا اَلْتَسَقَ کا لفظ چاند کے مختلف اطوار اور حالات کی طرف اشارہ ہے کہ پہلے ایک نہایت نحیف نحیف قوس کی شکل میں ہوتا ہے پھر اس کی روشنی روز بڑھتی کرتی ہے یہاں تک کہ بدر کامل ہو جاتا ہے۔ سلسل اور یہیم انقلابات احوال پر شہادت دینے والی چار چیزوں کی قسم کھا کر حق تعالیٰ نے فرمایا لَتَرْجَنَّ بَنَاتُ طَبَقَاتٍ جو چیزیں تہہ بہ تہہ ہوتی ہیں اُس کی ایک تہہ کو طبق یا طبقہ کہتے ہیں جمع طبقات آتی ہے لَتَرْجَنَّ، رکوب بمعنی سوار ہونے سے مشتق ہے معنی یہ ہیں کہ اے بنی نوریع انسان تم ہمیشہ ایک طبقہ سے دوسرے طبقہ پر سوار ہوتے اور چڑھتے چلے جاؤ گے۔ یعنی انسان اپنی تخلیق کے ابتدا سے انتہا تک کسی وقت ایک حال پر نہیں رہتا بلکہ اسکے وجود پر تدریجی انقلابات آتے رہتے ہیں۔

انسانی وجود میں بیشمار انقلابات اور نطفہ سے منجمد خون بنا پھر اُس سے ایک مضغہ گوشت بنا پھر اُس میں ہڈیاں دائمی سفر اور اُس کی آخری منزل پیدا ہوئیں پھر ہڈیوں پر گوشت چڑھا اور اعضاء کی تکمیل ہوئی پھر اُس میں رُوح لا کر ڈالی گئی اور وہ ایک زندہ انسان بنا جس کی غذا بطن مادر کے اندر رحم کا گندہ خون تھا، نوہینے کے بعد اللہ نے اسکے دُنیا میں آنیکا راستہ آسان کر دیا اور گندی غذا کی جگہ ماں کا دودھ ملنے لگا۔ دُنیا کی وسیع فضا اور ہوا دیکھی بڑھنے اور پھلنے پھولنے لگا، دو برس کے اندر چلنے پھرنے اور بولنے کی قوت بھی حرکت میں آئی، ماں کا دودھ چھوٹ کر اُس سے زیادہ لذیذ اور طرح طرح کی غذائیں ملیں، کھیل کود اور لہو و لعب اسکے دن رات کا مشغلہ بنا۔ کچھ ہوش و شعور بڑھا تو تعلیم و تربیت کے شکار میں کسا گیا، جوان ہوا تو پچھلے سب کام متروک ہو کر جوانی کی خواہشات نے اُن کی جگہ لے لی اور ایک نیا عالم شروع ہوا۔ نکاح شادی، اولاد اور خانہ داری کے مشاغل دن رات کا مشغلہ بن گئے۔ آخر یہ دور بھی ختم ہونے لگا، قوی میں ضحلال اور ضعف پیدا ہوا بیماریاں آئے دن رہنے لگیں، بڑھاپا آگیا اور اس جہان کی آخری منزل یعنی قبر تک پہنچنے کے سامان ہونے لگے۔ یہ سب چیزیں تو سب کی آنکھوں کے سامنے ہوتی ہیں

کسی کو مجال انکار نہیں مگر حقیقت سے نا آشنا انسان سمجھتا ہے کہ یہ موت اور قبر اس کی آخری منزل ہے آگے کچھ نہیں، اللہ تعالیٰ جو خالق کائنات اور علیم و خبیر ہے اُس نے آگے آنیوالے مراحل کو اپنے انبیاء کے ذریعہ غافل انسان تک پہنچایا کہ قبر تیری آخری منزل نہیں بلکہ یہ صرف ایک نظار گاہ (ویٹنگ ڈم) ہے اور آگے ایک بڑا جہان آنیوالا ہے اور اسی میں ایک بڑے امتحان کے بعد انسان کی آخری منزل مقرر ہو جائے گی جو یاد الہی راحت و آرام کی ہوگی یا پھر دائمی عذاب مصیبت کی، اور اس آخری منزل پر ہی انسان اپنے حقیقی مستقر پہنچکر انقلابات کے چکر سے کلیگاہ، قرآن کریم نے اِن اِلٰی رَبِّكَ الرَّجْعِی، اور اِلٰی رَبِّكَ الْمُنْتَهٰی اور کَلَّا حَتّٰی اِلٰی رَبِّكَ میں یہی مضمون بیان فرما کر غفلت شعار انسان کو حقیقت اور اُس کی آخری منزل سے آگاہ اور اس پر متنبہ کیا کہ عمر دُنیا کے تمام حالات اور انقلابات آخری منزل تک جانے کا سفر اور اسکے مراحل ہیں اور انسان چلتے پھرتے سوتے جاگتے کھڑے بیٹھے ہر حال میں اس سفر کی منزلیں طے کر رہا ہے اور بالآخر اپنے رب کے پاس پہنچتا ہے اور عمر بھر کے اعمال کا حساب یہ آخری منزل میں قرار پاتا ہے جہاں یا راحت ہی راحت اور غیر منقطع آرام ہی آرام ہے یا پھر معاذ اللہ عذاب ہی عذاب اور غیر منقطع مصائب ہیں، تو عقلمند انسان کا کام یہ ہے کہ دُنیا میں اپنے آپ کو ایک مسافر سمجھے اور اپنے وطن صلی کے لئے سامان تیار کرنے اور بھیجنے کی فکر ہی کو دُنیا کا سب سے بڑا مقصد بنائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کُنْ فِی الدُّنْیَا كَاَنَّكَ غَرِیْبٌ اَوْ عَاجِزٌ سَبِیْلٌ، یعنی دُنیا میں اس طرح رہو جیسے کوئی مسافر چند روز کے لئے کہیں ٹھہر گیا ہو یا کسی رہگذر میں چلتے چلتے کچھ دیر آرام کے لئے ٹوک گیا ہو۔ طَبَقًا عَنْ طَبَقٍ کی تفسیر جو اوپر بیان کی گئی ہے ابو نعیم نے حضرت جابر بن عبد اللہ رضی کی روایت سے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی مضمون کی روایت کی ہے یہ طویل حدیث اس جگہ قرطبی نے بحوالہ ابی نعیم اور ابن کثیر نے بحوالہ ابن ابی حاتم مفصل نقل کی ہے۔ ان آیات میں غافل انسان کو اُس کی تخلیق اور عمر دُنیا میں اُس کو پیش آنے والے حالات و انقلابات سامنے کر کے یہ ہدایت دی کہ غافل اب بھی وقت کے اپنے انجام پر غور اور آخرت کی فکر کر، مگر ان تمام روشن ہدایات کے باوجود بہت سے لوگ اپنی غفلت سے باز نہیں آتے اس لئے آخر میں ارشاد فرمایا قَدْ اَقَامُوا لَہُمْ ذُرَیْرًا مَّوَدَّعًا، یعنی ان غافل و جاہل انسانوں کو کیا ہو گیا کہ یہ سب کچھ سُننے اور جاننے کے بعد بھی اللہ پر ایمان نہیں لاتے کَلَّا اَوْفَیْ عَلَیْہِمْ الْقَوَانِیْ لَا یَسْتَعِیْزُوْنَ، یعنی جب اُن کے سامنے ان واضح ہدایات سے بھرا ہوا قرآن پڑھا جاتا ہے اُس وقت بھی وہ اللہ کی طرف نہیں جھکتے۔

سجدہ اور سجود کے معنی لغت میں جھکنے کے ہیں اور یہ اطاعت شکاری اور فرمانبرداری سے کنایہ کیا جاتا ہے۔ ظاہر یہ ہے کہ اس جگہ سجدہ سے مراد سجدہ اصطلاحی نہیں بلکہ اللہ کے سامنے اطاعت کیساتھ جھکنا جسکو خشوع و خضوع کہتے ہیں وہ مراد ہے اور وجہ اس کی یہ کھلی ہوئی ہے کہ اس آیت میں حکم سجدہ کسی خاص آیت کے متعلق نہیں بلکہ پورے قرآن کے متعلق ہے اگر اس سے سجدہ اصطلاحی مراد لیا جائے تو یہ لازم آئے گا کہ پورے قرآن کی ہر آیت پر سجدہ لازم ہو جو باجماع امت مراد نہیں ہو سکتا۔ سلف و خلف میں کوئی اسکا قائل نہیں، اب رہا یہ مسئلہ کہ اس آیت کے پڑھنے اور سُننے پر سجدہ واجب ہے یا نہیں تو اگرچہ کسی قدر تاویل کے ساتھ اس آیت سے بھی وجوب سجدہ پر استدلال

ہو سکتا ہے جیسا کہ بعض فقہائے حنفیہ نے کہا ہے کہ یہاں القرآن سے مراد پورا قرآن نہیں، بلکہ الف لام مہمہ کا حرف اور مراد اس سے خاص یہی آیت ہے لیکن یہ ایک قسم کی تاویل ہی ہے جو احتمال کے درجہ میں تو صحیح کہی جاسکتی ہے۔ مگر اسکا مراد قرآن ہونا ظاہر عبارت سے بعید معلوم ہوتا ہے واللہ اعلم، اسلئے صحیح بات یہ ہے کہ اسکا فیصلہ روایات حدیث اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کے تعامل سے ہو سکتا ہے مگر روایات حدیث سجدہ تلاوت کے متعلق مختلف قسم کی آئی ہیں، بعض سے وجوب معلوم ہوتا ہے بعض سے رخصت، اسی لئے ائمہ مجتہدین کا اس معاملہ میں اختلاف ہے امام اعظم ابو حنیفہؒ کے نزدیک اس آیت پر بھی سجدہ واجب ہے جیسا کہ مفصل کی دوسری آیتوں پر واجب ہے۔ امام اعظم کا استدلال اسکے وجوب پر مندرجہ ذیل احادیث سے ہے۔

صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت ابو رافع رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے ایک روز عشا کی نماز حضرت ابو ہریرہؓ کے پیچھے پڑھی، انھوں نے سورہ اِذَا السَّمَاءُ انشَقَّتْ کی تلاوت نماز میں کی اور اس آیت پر سجدہ کیا، میں نے ابو ہریرہؓ سے پوچھا کہ یہ کیسا سجدہ ہے، انھوں نے فرمایا کہ میں نے ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز میں اس آیت پر سجدہ کیا ہے اس لئے میں ہمیشہ اس آیت پر سجدہ کرتا رہوں گا جب تک کہ عشر میں آپ سے ملاقات ہو۔ اور صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ ہم نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اِذَا السَّمَاءُ انشَقَّتْ میں اور اقرا بآئیم ربک میں سجدہ کیا ہے۔ قرطبی نے ابن عربی سے نقل کیا ہے کہ صحیح یہی ہے کہ یہ آیت بھی آیات سجدہ میں سے ہے اس کے پڑھنے اور سننے والے پر سجدہ واجب ہے مگر ابن عربی جن لوگوں میں مقیم تھے ان میں اس آیت پر سجدہ کرنا واجب نہیں تھا وہ کسی ایسے امام کے مقلد ہونگے جن کے نزدیک سجدہ واجب نہیں تو ابن عربی کہتے ہیں کہ میں نے یہ طریقہ اختیار کر لیا کہ جب کہیں امامت کروں تو سورہ انشقاق نہیں پڑھتا کیونکہ میرے نزدیک اس پر سجدہ واجب ہے اگر سجدہ نہیں کرتا تو گناہگار ہوتا ہوں اور اگر کرتا ہوں تو پوری جماعت میرے اس فعل کو برا سمجھے گی، بلا وجہ اختلاف کیوں ڈالا جائے، واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

تَمَّتْ سُورَةُ الانشِقَاقِ بِحَمْدِ اللَّهِ تَعَالَى اِيَّاكَ شَعْبَانَ ۱۴۱۹ھ

سُورَةُ الْبُرُوجِ

سُورَةُ الْبُرُوجِ مَكِّيَّةٌ رَوَىٰ اِثْنَتَانِ وَعِشْرُونَ آيَةً

سورہ بروج مکہ میں نازل ہوئی اور اس کی بائیس آیتیں ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

وَالسَّمَاءِ ذَاتِ الْبُرُوجِ ۱ وَالْيَوْمِ الْمَوْعُودِ ۲ وَشَاهِدٍ وَمَشْهُودٍ ۳ قِيلَ

قسم ہے آسمان کی جس میں برج ہیں اور اُس دن کی جس کا وعدہ ہے، اور اُس دن کی جو شاہد ہوتا ہے اور اس کی کہ جسکے پاس حاضر ہوتے ہیں اور

اَصْحَابِ الْاُخْدُوْدِ ۴ النَّارِ ذَاتِ الْوَقُوْدِ ۵ اِذْهُمْ عَلَيْهَا قُوعُوْدٌ ۶ وَهُمْ

گئے کھائیاں کھودنے والے آگ ہے بہت ایندھن والی جب وہ اس پر بیٹھے اور جو کچھ

عَلٰی مَا يَفْعَلُوْنَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ شُهُودٌ ۷ وَمَا نَقَمُوْا مِنْهُمْ اِلَّا اَنْ يُؤْمِنُوْا

وہ کرتے مسلمانوں کے ساتھ اپنی آنکھوں سے دیکھتے اور اُن سے بدلہ نہ لیتے تھے مگر اسی بات کا کہ وہ یقین لائے

بِاللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ ۸ الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاللّٰهُ عَلٰی

اللہ پر جو زبردست ہے تعریفوں والا جس کا راج ہے آسمانوں میں اور زمین میں اور اللہ کے

كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ ۹ اِنَّ الَّذِيْنَ قَتَلُوا الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ثُمَّ

سانے ہے ہر چیز سے تحقیق جو دین سے بچلائے ایمان والے مردوں کو اور عورتوں کو پھر

لَمْ يَتُوبُوْا فَلَهُمْ عَذَابٌ جَحِيْمٌ وَلَهُمْ عَذَابُ الْحَرِيْقِ ۱۰ اِنَّ

توبہ نہ کی تو ان کے لئے عذاب ہے دوزخ کا اور ان کے لئے عذاب ہے آگ لگے کا بیشک

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ جَنَّتٌ تَجْرٰی مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ

جو لوگ یقین لائے اور کیں انھوں نے بھلائیاں انکے لئے باغ ہیں جن کے نیچے بہتی ہیں نہریں

ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْكَبِيْرُ ۱۱ اِنَّ بَطْشَ رَبِّكَ لَشَدِيْدٌ ۱۲ اِنَّهٗ هُوَ يُبْدِئُ

یہ ہے بڑی مراد مٹنی بیشک تیرے رب کی پکڑ سخت ہے بیشک ہی کرتا ہے پہلی مرتبہ

وَيُعِيدُ ۱۳ وَهُوَ الْغَفُورُ الْودُودُ ۱۴ ذُو الْعَرْشِ الْمَجِيدُ ۱۵ فَعَالٌ ۱۶

اور دوسری اور وہی ہے بخشنے والا محبت کرنے والا مالک عرش کا بڑی شان والا کر ڈالنے والا

لَمَّا يُرِيدُ ۱۶ هَلْ أَتَاكَ حَدِيثُ الْجُنُودِ ۱۷ فِرْعَوْنُ وَثَمُودُ ۱۸ بَلْ

جو چاہے کیا پہنچی تجھ کو بات ان لشکروں کی فرعون اور ثمود کے کوئی نہیں

الَّذِينَ كَفَرُوا فِي تَكْذِيبٍ ۱۹ وَاللَّهُ مِنْ وَرَائِهِمْ مُحِيطٌ ۲۰ بَلْ

بلکہ منکر جھٹلاتے ہیں اور اللہ نے اُن کو ہر طرف سے گھیر رکھا ہے کوئی نہیں

هُوَ قُرْآنٌ مجِيدٌ ۲۱ فِي لَوْحٍ مَحْفُوظٍ ۲۲

یہ قرآن ہے بڑی شان کا لکھا ہوا لوح محفوظ میں

خلاصہ تفسیر

اس سورت میں ایک قصہ کا اجمالاً ذکر ہے جو صحیح مسلم میں مذکور ہے۔ خلاصہ اسکا یہ ہے کہ کوئی **شان نزول** کا فر بادشاہ تھا اسکے پاس ایک کاہن تھا (کاہن اس کو کہا جاتا ہے جو شیاطین کے ذریعہ یا نجوم کے آثار کے ذریعہ کچھ مستقبل کی غیبی خبریں معلوم کر کے لوگوں کو بتائے) اس کاہن نے بادشاہ سے کہا کہ مجھ کو ایک ہوشیار لڑکا دیا جاوے تو اُس کو اپنا علم سکھا دوں، چنانچہ ایک لڑکا تجویز کیا گیا، اسکے رستے میں ایک راہب یعنی عیسائی پادری رہتا تھا اور اُس زمانے میں دین عیسیٰ علیہ السلام ہی دین حق تھا اور یہ راہب ہی پر قائم عبادت گزار تھا وہ لڑکا اسکے پاس آنے جانے لگا اور خفیہ مسلمان ہو گیا، ایک بار اس لڑکے نے دیکھا کہ کسی شیر نے راستہ روک رکھا ہے اور خلق خدا پریشان ہے تو اس نے ایک پتھر یا تھ میں لیکر دعا کی کہ اے اللہ اگر راہب کا دین سچا ہے تو یہ لہو میرے پتھر سے مارا جاوے اور اگر کاہن سچا ہے تو نہ مارا جاوے اور یہ کہہ کر وہ پتھر مارا تو شیر کو لگا اور وہ ہلاک ہو گیا، لوگوں میں شور ہو گیا کہ اس لڑکے کو کوئی عجیب علم آتا ہے کسی اندھے نے سنا اگر درخواست کی میری آنکھیں اچھی ہو جاویں، لڑکے نے کہا بشرطیکہ تو مسلمان ہو جاوے چنانچہ اس نے قبول کیا، لڑکے نے دعا کی وہ اچھا ہو گیا اور مسلمان ہو گیا، بادشاہ کو یہ خبر پہنچی تو اس راہب کو اور لڑکے کو اور اس نابینا کو گرفتار کر کے بلایا، اس نے راہب اور اعمیٰ کو قتل کر دیا اور لڑکے کے لئے حکم دیا کہ پہاڑ کے اوپر لیجا کر گرا دیا جاوے مگر جو لوگ اس کو لے گئے تھے وہ خود گر کر ہلاک ہو گئے اور لڑکا صحیح سالم چلا آیا، پھر بادشاہ نے سمندریں غرق کر نیکا حکم دیا وہ اس سے بھی بچ گیا اور جو لوگ اس کو لے گئے تھے وہ سب ڈوب گئے پھر خود لڑکے نے بادشاہ سے کہا مجھ کو بسم اللہ کہہ کر تیرا روتو میں مر جاؤں گا چنانچہ ایسا ہی کیا گیا اور لڑکا مر گیا، پس اس واقعہ عجیبہ کو دیکھ کر یک لخت عام لوگوں کی زبان سے نعرہ بلند ہوا کہ ہم سب اللہ پر ایمان لاتے ہیں، بادشاہ بڑا پریشان ہوا اور ارکان سلطنت کے مشورے سے بڑی بڑی خندقیں آگ سے بھروا کر اشتہار دیا کہ جو شخص اسلام سے نہ پھر گیا اسکو آگ میں جلا دیں گے

چنانچہ بہت آدمی جلائے گئے، اس صورت میں ان پر غضب الہی نازل ہونے کا بیان قسم کے ساتھ فرمایا ہے (قسم ہے
 بُرُجوں والے آسمان کی (مُرَاد بُرُجوں سے بڑے بڑے ستارے ہیں، کذا فی الدر المنثور مرفوعاً) اور قسم ہے وعدہ کئے ہوئے
 دن کی (یعنی قیامت کے دن کی) اور قسم ہے حاضر ہونے والے (دن کی، اور قسم ہے اُس (دن کی جس میں لوگوں کی حاضری
 ہوتی ہے) حدیث ترمذی میں مرفوعاً ہے کہ یوم موعود قیامت کا دن ہے اور شاہد جمعہ کا دن ہے اور مشہود عرفہ کا
 دن ہے اور ایک دن کو شاہد اور دوسرے کو مشہود شاید اس لئے فرمایا کہ یوم جمعہ میں تو سب اپنی اپنی جگہ بیٹھے ہیں تو گویا
 وہ دن خود آتا ہے اور یوم عرفہ میں حجاج اپنے مقامات سے سفر کر کے عرفات میں اس یوم کے قصد سے جمع ہو جاتے
 ہیں تو گویا وہ دن مقصود و مشہود اور دوسرے لوگ حاضری کا قصد کر نیوالے ہیں آگے جواب قسم ہے) کہ خندق والے
 یعنی بہت سے ایندھن کی آگ والے ملعون ہوئے جو وقت وہ لوگ اُس (آگ) کے آس پاس بیٹھے ہوئے تھے اور
 وہ جو کچھ مسلمانوں کیساتھ (ظلم و ستم) کر رہے تھے اس کو دیکھ رہے تھے (انکے ملعون ہونے کی خبر دینے سے تسلی مومنین کی
 ظاہر ہے کہ اسی طرح جو کافر اس وقت مسلمانوں پر ظلم کر رہے ہیں وہ بھی گرفتار لعنت ہونگے جسکا اثر خواہ دنیا میں بھی مرتب
 ہو جیسے غزوہ بدر وغیرہ میں مقتول و غنڈول ہوئے یا صرف آخرت میں جیسا عام کفار کے لئے یقینی ہے اور دشمن کے
 عذاب کی خبر سے تسلی ہونا امر طبعی ہے اور ان لوگوں کا بیٹھنا اس ظلم و ستم کے انتظام اور نگرانی کے لئے تھا اور لفظ
 شہود میں علاوہ نگرانی کے اشارہ ان لوگوں کی سنگدلی کی طرف بھی ہے کہ دیکھ کر بھی رحم نہ آتا تھا اور اسکو خدا تعالیٰ کی
 لعنت میں خاص دخل ہے کہ یہ سنگدلی سبب لعنت ہے) اور ان کافروں نے ان مسلمانوں میں اور کوئی عیب
 نہیں پایا تھا بجز اسکے کہ وہ خدا پر ایمان لے آئے تھے جو زبردست (اور) سزاوار حمد ہے ایسا کہ اسی کی ہے سلطنت آسمانوں
 اور زمین کی (یعنی ایمان لانے پر یہ معاملہ کیا اور ایمان لانا کوئی خطا نہیں، پس بے خطا اُن پر ظلم کیا اسلئے وہ لوگ ملعون
 ہوئے اور آگے ظالموں کے لئے عام وعید اور مظلوموں کے لئے عام وعدہ ہے) کہ اللہ ہر چیز سے خوب واقف ہے (مظلوم
 کی مظلومیت سے بھی پس اکی نصرت کرے گا اور ظالم کی ظالمیت سے بھی تو اسکو سزا دیگا خواہ یہاں خواہ وہاں چنانچہ
 آگے ہی مضمون ہے کہ) جنھوں نے مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں کو تکلیف پہنچائی (اور) پھر توبہ نہیں کی تو انکے لئے جہنم کا
 عذاب ہے (اور جہنم میں بالخصوص) انکے لئے جلنے کا عذاب ہے (عذاب میں ہر طرح کی تکلیف داخل ہے۔ سانپ، بچھو، طوق
 زنجیر، جیم، غساق وغیرہ اور سب سے بڑھ کر جلنے کا عذاب ہے) اسلئے اسکو بالتخصیص فرمایا یہ تو ظالم کے حق میں فرمایا آگے
 مومنین کے حق میں نہیں مظلوم بھی آگے ارشاد ہے کہ) بیشک جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے نیک عمل کئے انکے لئے (بہشت
 کے) باغ ہیں جنکے نیچے نہریں جاری ہونگی اور یہ بڑی کامیابی ہے (اور) اور پر دو مضمون تھے کفار کے لئے جہنم ہونا اور مومنین
 کے لئے جنت ہونا، آگے انکے مناسب اپنے بعض افعال و صفات ان مضمونوں کی تقریر کے لئے ارشاد فرماتے ہیں کہ) آپکے
 رب کی دار و گیر بڑی سخت ہے (پس کفار پر سزائے شدید کا واقع ہونا مستبعد نہیں اور نیز) وہی پہلی بار بھی پیدا کرتا ہے
 اور دوبارہ (قیامت میں بھی) پیدا کر دیگا (پس یہ شبہ بھی نہ رہا کہ گو بطش شدید ہے مگر قیامت ہی واقع ہونگی جو کہ وقت
 بطش کا ہے اس سے تقریر ہو گئی و عید کفار کی) اور (آگے تقریر ہے و عید مومنین کی کہ) وہی بڑا بخشنے والا اور بڑی محبت

کرنے والا اور عرش کا مالک (اور عظمت والا ہے) پس ایمان والوں کے گناہ معاف کر دیجھا اور ان کو اپنا محبوب بنا لیا، اور ذو العرش اور مجید کو تعذیبے اثابت دونوں کیساتھ متعلق ہو سکتا ہے کہ دونوں فرع ہیں صاحب سلطنت کمال صفات کی، لیکن یہاں مقابلے کے قرینے سے ان پر اثابت کا متفرع کرنا مقصود ہے اور آگے دونوں کے اثابت کے لئے ایک صفت ارشاد ہے کہ) وہ جو چاہے سب کچھ کر گزرتا ہے (آگے مومنین کی مزید تسلی اور کفار کی مزید تنبیہ کے لئے بعض خاص مضمونین کا حال بیان فرماتے ہیں کہ) کیا آپ کو ان لشکروں کا قصہ پہنچا ہے یعنی فرعون (اور آل فرعون) اور ثمود کا (کہ کس طرح کفر کیا اور کیونکر گرفتار عذاب ہوئے اس سے مومنین کو تسلی حاصل کرنا چاہیے اور کفار کو ڈرنا چاہیے مگر کفار بالکل عذاب سے نہیں ڈرتے) بلکہ یہ کافر (خود قرآن کی) تکذیب ہیں (لگے) ہیں پس اس کے مضمون تعذیب کو بھی اور دیگر مضامین کو بھی جھٹلاتے ہیں) اور (انجام کار اسکی سزا بھگتیں گے کیونکہ) اللہ ان کو ادھر ادھر سے گھیرے ہوئے ہے (اسکے قبضہ قدرت اور عقوبت سے بچ نہیں سکتے) اور ان کا قرآن کو جھٹلانا محض حماقت ہے کیونکہ قرآن ایسی چیز نہیں جو جھٹلانے کے قابل ہو) بلکہ وہ ایک با عظمت قرآن ہے جو لوح محفوظ میں لکھا ہوا ہے (جس میں کوئی تغیر و تبدل محتمل نہیں، وہاں سے نہایت حفاظت کے ساتھ صاحب جی کے پاس پہنچایا جاتا ہے کما قال تعالیٰ فی سورة الجن، قَالَتْ یَسْلُکُ مِنْ بَیْنِ یَدَیْهِ رُحْمٌ خَلِیْفٌ رَّصَدًا، پس ایسی صورتیں تکذیب قرآن کی بلاشبہ جہالت و موجب عقوبت ہے)

معارف و مسائل

وَالسَّمَاءِ ذَاتِ الْبُرُوجِ، بُرُوج کی جمع ہے بڑے محل یا قلعہ کو کہا جاتا ہے۔ قرآن کریم میں ہے وَتَوَكَّنْمْ فِیْ بُرُوجِ مُشَیِّتٍ، یہاں بُرُوج سے مراد محلات و قصور ہی ہیں اور اصل مادہ بُرُوج کے لغوی معنی ظہور کے ہیں۔ تَبَرُّج کے معنی بے پردہ کھلے پھرنے کے ہیں۔ قرآن کریم میں ہے وَلَا تَبَرُّجْ الْجَاهِلِیَّةِ الْأُولَى، اس آیت میں بُرُوج سے مراد مجہور مفسرین کے نزدیک بڑے بڑے ستارے ہیں۔ حضرت ابن عباس، مجاہد، ضحاک من بصری، قتادہ، سدی سب کا یہی قول ہے اور بعض دوسرے ائمہ تفسیر نے اسجگہ بُرُوج سے مراد قصور یعنی محلات لئے ہیں اور اس سے مراد وہ مکانات ہیں جو آسمان میں پہرہ داروں اور نگراں فرشتوں کے لئے مقرر ہیں۔ اور بعض متأخرین نے بُرُوج سے مراد وہ بُرُوج بتلائے ہیں جو فلاسفہ کی اصطلاح ہے کہ کل آسمان کو بارہ حصوں میں تقسیم کر کے ہر حصہ کو ایک بُرُوج کہا جاتا ہے اُن کا خیال یہ ہے کہ ثوابت ستارے انہی بُرجوں میں اپنی جگہ مقیم ہیں اور سیارات حرکت فلک کیساتھ متحرک ہوتے ہیں اور ان بُرجوں میں سیارات کا نزول ہوتا ہے، مگر یہ سراسر غلط ہے قرآن کریم سیارات کو آسمانوں میں مرکوز نہیں قرار دیتا بلکہ ہر سیارے کو اپنی ذاتی حرکت سے متحرک قرار دیتا جیسا کہ سورہ یس کی آیت میں ہے وَكُلٌّ فِیْ فَلَكٍ یَّسْتَبْجُونَ، فلک سے مراد اس میں آسمان نہیں بلکہ سیارے کی مدار ہے جس میں وہ حرکت کرتا ہے (منظری)

وَالْيَوْمِ الْمَوْعُودِ وَشَهِيدًا مَّشْهُودًا، خلاصہ تفسیر میں ترمذی کی مرفوع حدیث کے حوالہ سے ان

الفاظ کی تفسیر لکھ دی گئی ہے کہ یوم موعود سے مراد روز قیامت اور شاہد سے مراد روز جمعہ اور مشہود سے مراد روز عرفہ ہے اس آیت میں حق تعالیٰ نے چار چیزوں کی قسم کھائی، اَوَّلُ بُرْجُوں والے آسمان کی - پھر قیامت کے روز کی پھر جمعہ اور عرفہ کے دنوں کی - مناسبت ان چیزوں کی قسم کی جواب قسم کیسا تھا یہ ہے کہ یہ سب چیزیں حق تعالیٰ جل شانہ کی قدرت کاملہ پر اور پھر قیامت کے روز حساب کتاب اور جزا سزا پر ہیں اور روز جمعہ و عرفہ مومنین کے لئے ذخیرہ آخرت جمع کرنے کے مبارک دن ہیں، آگے جواب قسم میں اُن کفار پر لعنت آئی ہے جنہوں نے مسلمانوں کو انکے ایمان کی وجہ سے آگ میں جلایا اور پھر مومنین کے درجہ آخرت کا بیان فرمایا، واقعہ اصحاب اُخود کی کچھ تفصیل یہی واقعہ اس سورت کے نزول کا سبب ہے جسکا خلاصہ صحیح مسلم کی حدیث کے حوالہ سے خلاصہ تفسیر میں بیان ہو چکا ہے۔ یہ شخص جس کو اس واقعہ میں کاہن کہا گیا بعض روایات میں کاہن کے بجائے ساحر آیا ہے اور یہ بادشاہ جس کا ذکر اس قصہ میں ہے ملک یمن کا بادشاہ تھا جسکا نام حضرت ابن عباسؓ کی روایت میں یوسف ذونواس تھا، اسکا زمانہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت سے ستر سال پہلے کا زمانہ تھا، اور یہ لڑکا جس کو کاہن یا ساحر کے پاس اسکا فن سیکھنے کے لئے بادشاہ نے مامور کیا تھا اسکا نام عبداللہ بن تامر ہے اور راہب عیسائی مذہب کا عابد و زاہد ہے اور اُس زمانے میں چونکہ مذہب عیسائی علیہ السلام ہی دین حق تھا اسلئے یہ راہب اسوقت کا سچا مسلمان تھا، یہ لڑکا عبداللہ بن تامر جس کو کہانت یا سحر سیکھنے کے لئے بادشاہ نے مامور کیا تھا اور وہ راستہ میں راہب کے پاس جاتا اور اسکا کلام سکر متاثر ہوتا اور بالآخر مسلمان ہو گیا تھا، اللہ تعالیٰ نے اس کو ایمان بھی ایسا پختہ نصیب فرمایا کہ ایمان کی خاطر لوگوں کی ایذاؤں برداشت کرتا تھا، کیونکہ جب جانیکے وقت راستہ میں راہب کے پاس بٹھتا یہاں کچھ وقت لگتا تو جب ساحر یا کاہن کے پاس دیر سے پہنچتا تو وہ اس کو مارتا تھا اور واپسی کے وقت جب پھر راہب کے پاس بٹھتا تو گھرواپس جانیس دیر ہوتی اس پر گھروالے اس کو مارتے تھے مگر اُس نے کسی کی پروا کئے بغیر راہب کی صحبت و مجالست نہ چھوڑی، اسکی برکت سے اللہ تعالیٰ نے اس کو وہ کرامات عطا فرمائیں جن کا ذکر اوپر آچکا ہے۔ اس ظالم بادشاہ نے ایمان لانیوالوں کو عذاب دینے کے لئے خندق کھدوا کر اسکو آگ کے بڑے شعلوں سے لبریز کیا پھر ایمان لانیوالوں میں سے ایک ایک کو حاضر کر کے کہا کہ یا ایمان کو چھوڑ دو یا پھر اس خندق میں گر جانا پڑیگا، اللہ تعالیٰ نے ان مومنین کو ایسی استقامت بخشی کہ ان میں سے ایک بھی ایمان چھوڑنے پر راضی نہ ہوا اور آگ میں گر جانا قبول کیا، صرف ایک عورت جس کی گود میں ایک بچہ تھا اسکو آگ میں گرنے سے ذرا جھجک ہوئی تو چھوٹا سا بچہ بولا کہ اماں جان صبر کرو، کیونکہ آپ حق پر ہیں جو لوگ اس طرح دکھتی آگ میں جلا کر اس ظالم نے قتل کئے انکی تعداد بعض روایات میں بارہ ہزار، بعض میں اس سے زیادہ منقول ہے۔

اور یہ لڑکا جس کی کرامتوں کا ذکر اوپر آچکا ہے اور یہ کہ اس نے خود بادشاہ کو اپنے قتل کی یہ صورت بتلائی کہ تم میرے ترکش کا تیر لو اور اس پر باسم اللہ ربی کہہ کر میرے تیر مارو تو میں مرجاؤنگا، اس ترکیب کیسا تھا لڑکے

نے توجان دیدی مگر اس واقعہ کو دیکھ کر بادشاہ کی ساری قوم نے نعرہ لگایا اور اپنے مسلمان ہونی کا اعلان کر دیا، کافر ظالم کو حق تعالیٰ نے دنیا میں بھی خائب و خاسر بنا دیا۔

محدثین کی روایت میں ہے کہ یہ لڑکا عبد اللہ ابن تمار جس جگہ مدفون تھا اتفاقاً کسی ضرورت سے وہ زمین حضرت فاروق اعظمؓ کے زمانے میں کھودی گئی تو اس میں عبد اللہ ابن تمار کی لاش صحیح سالم اس طرح برآمد ہوئی کہ وہ بیٹھے ہوئے تھے اور ان کا ہاتھ اپنی پٹھ پڑی پر رکھا ہوا تھا جہاں تیر لگا تھا، کسی دیکھنے والے نے ان کا ہاتھ اس جگہ سے ہٹایا تو زخم سے خون جاری ہو گیا پھر ویسے ہی رکھ دیا تو بند ہو گیا، ان کے ہاتھ میں ایک انگوٹھی تھی جس پر لکھا ہوا تھا اللہ ربی۔ عامل یمن نے اس واقعہ کی اطلاع حضرت فاروق اعظمؓ کو دی تو آپ نے جواب میں لکھا کہ ان کو انکی ہیبت پر انگوٹھی سمیت اُسی طرح چھپا دو جیسے پہلے تھے (ابن کثیر)

فائدہ ابن کثیر نے بحوالہ ابن ابی حاتم نقل کیا ہے کہ آگ کی خندق کا واقعہ دنیا میں ایک ہی نہیں بہت مختلف ملکوں اور زمانوں میں ہوئے ہیں، پھر ابن ابی حاتم نے ان واقعات میں سے تین کا خصوصیت سے ذکر کیا کہ ایک خندق یمن میں تھی (جس کا واقعہ زمان فرات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ستر سال پہلے پیش آیا ہے) دوسری خندق شام میں، تیسری فارس میں تھی۔ مگر قرآن کریم میں جس خندق کا ذکر اس سورت میں ہے وہ خندق نجران ملک یمن کی خندق ہے کیونکہ یہی عرب کے ملک میں تھی۔

إِنَّ الَّذِينَ فَتَنُوا الْمُؤْمِنِينَ، یہ ان ظالموں کی سزا کا بیان ہے جنہوں نے مسلمانوں کو صرف انکے ایمان کی بنا پر آگ کی خندق میں ڈال کر جلایا تھا، اور سزا میں دو باتیں ارشاد فرمائیں فَلَهُمْ عَذَابٌ جَهَنَّمَ، یعنی انکے لئے آخرت میں جہنم کا عذاب ہے، دوسری وَلَهُمْ عَذَابٌ الْخَالِدِ، یعنی ان کے لئے جلنے کا عذاب ہے جو سکتا ہو کہ دوسرا جملہ پہلے ہی جملے کا بیان اور تاکید ہو اور معنی یہ ہوں کہ جہنم میں جا کر اس کو ہمیشہ آگ میں جلتے رہنے کا عذاب ملے گا، اور یہ بھی ممکن ہے کہ دوسرے جملے میں ان کی اسی دنیا میں سزا کا ذکر ہو، جیسا کہ بعض روایات میں ہے کہ جن مؤمنین کو ان لوگوں نے آگ کی خندق میں ڈالا تھا اللہ تعالیٰ نے ان کو تو تکلیف سے اس طرح بچا دیا کہ آگ کے چھوٹنے سے پہلے ہی ان کی ارواح قبض کر لی گئیں آگ میں مردہ جسم پڑے، پھر یہ آگ اتنی بھڑک اٹھی کہ خندق کے حدود سے نکل کر شہر میں پھیل گئی اور ان سب لوگوں کو جو مسلمانوں کے جلنے کا تماشا دیکھ رہے تھے اس آگ نے جلا دیا، صرف بادشاہ یوسف ذونواس بھاگ نکلا اور آگ سے بچنے کیلئے اپنے آپ کو دریا میں ڈال دیا اس میں غرق ہو کر مر (منظری) ان لوگوں کے لئے عذاب جہنم اور عذاب حریق کی خبر کے ساتھ قرآن کریم نے یہ قید بھی لگا دی کہ نَشْرُ لَحْمٍ يَتَوَجَّوْا، یعنی یہ عذاب ان لوگوں پر پڑیگا جو اپنے اس فعل پر نادم ہو کر تائب نہیں ہوئے اس میں ان لوگوں کو توبہ کی طرف دعوت دی گئی ہے۔ حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے اس جو دو کرم کو دیکھو کہ ان لوگوں نے اللہ کے اولیاء کو زندہ جلا کر ان کا تماشا دیکھا اور حق تعالیٰ اس پر بھی ان کو توبہ اور مغفرت کی طرف دعوت دے رہا ہے (ابن کثیر)

تَمَّتْ سُورَةُ الْبُرُوجِ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي أَرْسَلَكَ إِلَى الْبَنِي إِسْرَٰءِيلَ

سُورَةُ الطَّارِقِ

سُورَةُ الطَّارِقِ فَكَبِيرَةٌ وَهِيَ سَبْعٌ عَشْرَةَ آيَةً
سورہ طارق مکہ میں نازل ہوئی اور اس کی سترہ آیتیں ہیں

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

وَالسَّمَاءِ وَالطَّارِقِ ۝ وَمَا أَدْرَاكَ مَا الطَّارِقُ ۝ النُّجُومُ الثَّاقِبُ ۝ إِنَّ كُلَّ

قسم ہے آسمان کی اور اندھیرے میں آنیوالے کی اور تو نے کیا سمجھا کیا ہے اندھیرے میں آنیوالا وہ تارا چمکتا ہوا کوئی جی

نَفْسٍ لَّمَّا عَلَيْهَا حَافِظٌ ۝ فَلْيَنْظُرِ الْإِنْسَانُ مِمَّ خُلِقَ ۝ خُلِقَ مِنْ مَّاءٍ

نہیں جس پر نہیں ایک نگہبان اب دیکھ لے آدمی کہ کا ہے سے بنا ہے بنا ہے ایک اچھلتے ہوئے

دَافِقٍ ۝ يَخْرُجُ مِنْ بَيْنِ الصُّلْبِ التَّرَائِبِ ۝ إِنَّهُ عَلَى رَجْعِهِ لَقَادِرٌ ۝

پانی سے جو نکلتا ہے پیٹھ کے بیچ سے اور چھاتی کے بیچ سے بیشک وہ اس کو پھر لا سکتا ہے

يَوْمَ تُبْنَى السَّرَازِرُ ۝ فَمَالَهُ مِنْ قُوَّةٍ وَلَا أَتَادٍ ۝ وَالسَّمَاءِ ذَاتِ الرَّجْعِ ۝

جس دن جائے جائیں بھید تو کچھ نہ ہوگا اسکو زور اور نہ کوئی مدد کرنے والا قسم ہے آسمان چکر مارنے والے کی

وَالْأَرْضِ ذَاتِ الصَّدْعِ ۝ إِنَّهُ لَقَوْلُ فَصْلٍ ۝ وَمَا هُوَ إِلَّا هَزْلٌ ۝ أَلَمْ يَكُنْ

اور زمین پھوٹ نکلتے والی کی بیشک یہ بات ہے دو ٹوک اور نہیں یہ بات ہنسی کی البتہ وہ

يَكِيدُ وَلَا يَكِيدُ ۝ وَآكِيدُ كَيْدًا ۝ فَمَهْلُ الْكَافِرِينَ أَهْلُهُمْ رُويًا ۝

لگے ہوئے ہیں ایک اور گما ہوا ہوں ایک اور کریں سو ذلیل بے سکون کو ذلیل دے ان کو تھوڑے دنوں

خلاصہ تفسیر

قسم ہے آسمان کی اور اس چیز کی جو رات کو نمودار ہونے والی ہے اور آپ کو کچھ معلوم ہے وہ رات کو نمودار ہونے

والی چیز کیا ہے وہ روشن ستارہ ہے (کوئی ستارہ ہو کہ قولہ تعالیٰ وَالنَّجْمِ إِذَا هَوَىٰ) آگے جواب قسم ہے کہ کوئی شخص

ایسا نہیں کہ جس پر کوئی اعمال کا یاد رکھنے والا (فرشتہ) مقرر نہ ہو (کہو کہ تعالیٰ وَرَأٰنَ عَلَیْکُمْ لَخِیْطٰتِیْنَ کَرِیْمٰتِیْنَ یَعْلَمُوْنَ مَا تَفْعَلُوْنَ، مطلب یہ کہ ان اعمال پر محاسبہ ہو نیوالا ہے اور اس قسم کو قصود سے مناسبت یہ ہے کہ جیسے آسمان پر ستارے ہر وقت محفوظ ہیں مگر ظہور ان کا خاص شب میں ہوتا ہے۔ اسی طرح اعمال سب نامہ اعمال میں اس وقت بھی محفوظ ہیں مگر ظہور ان کا خاص قیامت میں ہوگا جب یہ بات ہے) تو انسان کو (قیامت کی فکر چاہیے اور اگر اسکے استبعاد کا شبہ ہو تو اس کو) دیکھنا چاہیے کہ وہ کس چیز سے پیدا کیا گیا ہے، وہ ایک اُچھلتے پانی سے پیدا کیا گیا ہے جو پشت اور سینہ (یعنی تمام بدن) کے درمیان سے نکلتا ہے (مراد اس پانی سے منی ہے خواہ صرف مرد کی یا مرد و عورت دونوں کی اور عورت کی منی میں گواندفاق (اُچھلنا) مرد کی منی کی برابر نہیں ہوتا لیکن کچھ اندفاق ضرور ہوتا ہے اور دوسری تقدیر پر یعنی جبکہ مارے مراد مرد و عورت دونوں کا لطفہ... ہو تو لفظ ماء کا مفرد لانا اس بنا پر ہے کہ دونوں مادے مخلوط ہو کر مثل شئی واحد کے ہو جاتے ہیں اور پشت اور سینہ چونکہ بدن کے دو طرفین ہیں اس لئے کنایہ جمیع بدن سے ہو سکتا ہے۔ حاصل یہ ہے کہ لطفہ سے انسان بنا دینا زیادہ عجیب ہے بہ نسبت دوبارہ بنانیکے اور جب عجیب تر امر اس کی قدرت سے ظاہر ہو رہا ہے تو اس سے ثابت ہوا کہ وہ اسکے دوبارہ پیدا کرنے پر ضرور قادر ہے (پس وہ استبعاد قیامت کا شبہ دفع ہو گیا اور یہ دوبارہ پیدا کرنا اس روز ہوگا) جس روز سب کی قلعی کھل جاوے گی (یعنی سب معنی باتیں عقائد باطلہ و نیات فاسدہ ظاہر ہو جاویں گی، اور دنیا میں جس طرح موقع پر جرم سے منکر جلتے ہیں اس کو چھپا لیتے ہیں یہ بات وہاں ممکن نہ ہوگی) پھر اس انسان کو نہ تو خود (مدافعت) کی قوت ہوگی اور نہ اس کا کوئی حمایتی ہوگا (کہ عذاب کو اس سے دفع کر دے اور اگر کہا جائے کہ امکان قیامت کا گو عقلی ہے مگر وقوع نقلی ہے اور دلیل نقلی قرآن ہے اور وہ ہنوز محتاج اثبات ہے تو اس کے متعلق سنو کہ) قسم ہے آسمان کی جس سے پیالے بارش ہوتی ہے اور زمین کی جو (بیج نکھلنے کے وقت) پھٹ جاتی ہے (آگے جواب قسم ہے) کہ یہ قرآن حق و باطل میں ایک فیصلہ کر دینے والا کلام ہے اور وہ کوئی لغو چیز نہیں ہے (اس سے قرآن کا کلام حق منجانب اللہ ہونا ثابت ہو گیا مگر باوجود اثبات حق کے ان لوگوں کا حال یہ ہے کہ) یہ لوگ (نفی حق کے لئے) طرح طرح کی تدبیریں کر رہے ہیں اور میں بھی (ان کی ناکامی اور سزا کے لئے) طرح طرح کی تدبیریں کر رہا ہوں (اور ظاہر ہے کہ میری تدبیر غالب آوے گی اور جب میرا تدبیر کرنا سن لیا) تو آپ ان کافروں (کی مخالفت سے گھبرائیے نہیں اور ان پر جلدی عذاب آنے کی خواہش نہ کیجئے بلکہ ان کو یوں ہی رہنے دیجئے (اور زیادہ دن نہیں بلکہ) انکو تھوڑے ہی دنوں رہنے دیجئے) پھر میں ان پر عذاب نازل کر دوں گا، خواہ قبل الموت یا بعد الموت، اخیر کی قسم کو اخیر کے مضمون سے یہ مناسبت ہے کہ قرآن آسمان سے آتا ہے اور جس میں قابلیت ہوتی ہے اس کو مالا مال کرتا ہے جیسے بارش آسمان سے آتی ہے اور عمدہ زمین کو فیضیاب کرتی ہے

معارف و مسائل

اس سورت میں حق تعالیٰ نے آسمان اور ستاروں کی قسم کھا کر یہ ارشاد فرمایا ہے کہ ہر انسان پر ایک

محافظ نگراں ہے جو اُس کے تمام افعال و اعمال اور حرکات و سکنات کو دیکھتا جانتا ہے اس کا تقاضا عقلی یہ ہے کہ انسان اپنے انجام پر غور کرے کہ دنیا میں وہ جو کچھ کر رہا ہے وہ اللہ کے یہاں محفوظ ہے اور یہ محفوظ رکھنا حساب کے لئے ہے جو قیامت میں ہوگا، اس لئے کسی وقت آخرت اور قیامت کی فکر سے غافل نہ ہو، اس کے بعد اُس شبہ کا جواب ہے جو شیطان لوگوں کے دلوں میں ڈالتا ہے کہ مگر مٹی اور ذرہ ہو جانے کے بعد پھر سب اجزاء کا جمع ہونا اور اس میں زندگی پیدا ہونا ایک موہوم خیال بلکہ عوام کی نظر میں محال و ناممکن ہے۔ جواب میں انسان کی ابتدائی تخلیق پر غور کرنے کی ہدایت ہے کہ وہ کس طرح مختلف ذرات اور مختلف مواد سے ہوتی ہے جیسے ابتدائی تخلیق میں دنیا بھر کے مختلف ذرات کو جمع کر کے ایک زندہ سمیع بصیر انسان بنا دیا، اُس کو اس پر بھی قدرت کیوں نہ ہوگی کہ پھر اس کو اسی طرح ٹوٹا دے، اس کے بعد کچھ حال قیامت کا بیان فرما کر دوسری قسم زمین اور آسمان کی کھاکر غافل انسان کو یہ بتلایا کہ جو کچھ اس کو فکر آخرت کی تلقین کی گئی ہے اس کو مذاق و دل لگی نہ سمجھے یا ایک حقیقت ہے جو سامنے آکر ہے گی۔ آخر میں کفار کے اس شبہ کا جواب دیا گیا کہ کفر و شرک اور معصی اگر اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں تو پھر دنیا ہی میں اُن پر عذاب کیوں نہیں آجاتا، اس پر سورت ختم کی گئی ہے۔

پہلی قسم میں آسمان کے ساتھ طارق کی قسم ہے، طارق کے معنے رات کو آنے والے کے ہیں، ستارے چونکہ دن کو چھپے رہتے ہیں اس لئے ستارہ کو طارق فرمایا اور خود قرآن نے اس کی تفسیر کر دی وَمَا أَذْرَانِكَ مَا الطَّارِقُ، یعنی تمہیں کیا خبر کہ طارق کیا چیز ہے پھر فرمایا التَّجَعُّدُ الثَّاقِبُ، یعنی ستارہ روشن، نجم کے معنی ستارہ کے ہیں، قرآن نے کوئی ستارہ متعین نہیں کیا، اس لئے ہر ستارہ اس کا مصداق ہو سکتا ہے بعض حضرات مفسرین نے نجم سے خاص ستارہ ثریا یا زحل مراد لیا ہے اور کلام عرب سے لفظ نجم کا اس پر اطلاق ثابت کیا ہر ثاقب کے معنے روشن چمکدار کے ہیں۔

اِنْ كُلُّ نَفْسٍ لَّمَّا عَلَيْهَا حَافِظٌ، یہ جواب قسم ہے، اس میں شروع کا حرف اِنْ نافیہ ہے اور حرف لَمَّا بتشدید میم بمعنی الّا ہے جو قبیلہ ہذیل کے لغت میں استثناء کے معنے دیتا ہے اور معنی آیت کے یہ ہیں کہ کوئی نفس ایسا نہیں جس پر حافظ نہ ہو، حافظ کے معنے نگراں کے بھی آتے ہیں جو کسی کے اعمال کو نظر میں رکھے تاکہ ان کا حساب لے، اور حافظ بمعنی محافظ بھی آتا ہے جس کے معنے مصائب و آفات سے حفاظت کرنے والے کے ہیں، پہلے معنی کے اعتبار سے حافظ سے مراد فرشتہ کا تب اعمال ہے، اور یہاں اگرچہ اس کو بلفظ مفرد بمعنی جنس بیان کیا ہے مگر ان کا متعدد ہونا دوسری آیت سے ثابت ہے اِنْ عَلَيْكُمْ كَوَافِلٌ مِّنْ رِّجَالٍ مُّقِيبِينَ

اور دوسرے معنی کے اعتبار سے وہ فرشتے مراد ہیں جو اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کی حفاظت کے لئے مقرر کیے ہیں وہ دن رات تمام آفات و مصائب سے انسان کی حفاظت کرتے ہیں، بجز اس مصیبت و آفت کے جو اللہ تعالیٰ نے اسکے لئے مقرر کر دی ہے جیسا کہ ایک دوسری آیت میں اس کا صراحتہ بیان آیا ہے لَكَ مُعَقِّبَاتٌ مِّنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهِ يَحْفَظُونَكَ مِّنْ اَمْرِ اللّٰهِ، یعنی انسان کے لئے نوبت بہ نوبت آئندہ لے محافظ فرشتے مقرر ہیں

جواسکے آگے اور پیچھے سے اس کی حفاظت بامرالہی کرتے ہیں۔

ایک حدیث میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر مومن پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک سو ساٹھ فرشتے اس کی حفاظت کے لئے مقرر ہیں جو ان کے ہر ہر عضو کی حفاظت کرتے ہیں ان میں سے سات فرشتے صرف انسان کی آنکھ کی حفاظت کے لئے مقرر ہیں، یہ فرشتے انسان سے ہر بلا و مصیبت جو اسکے لئے مقدر نہیں اس طرح انسان سے دفع کرتے ہیں جیسے شہد کے برتن پر آنے والی مکھیوں کو پنکھے وغیرہ سے دفع کیا جاتا ہے۔ اور اگر انسان پر یہ حفاظتی پہرہ نہ ہو تو شیاطین اُس کو اچک لیں (قطبی)

— خَلْقَ مِنْ مَّاءٍ دَافِقٍ، یعنی انسان پیدا کیا گیا ہے ایک اُچھلنے والے پانی سے جو نکلتا ہے پشت اور سینے کی ہڈیوں کے درمیان سے۔ عام طور سے حضرات مفسرین نے اسکا یہ مفہوم قرار دیا ہے کہ نطفہ مرد کی پشت اور عورت کے سینے سے نکلتا ہے مگر اعضائے انسانی کے ماہر اطباء کی تحقیق اور تجربہ یہ ہے کہ نطفہ درحقیقت انسان کے ہر ہر عضو سے نکلتا ہے اور بچے کا ہر عضو اُس جزر نطفہ سے بنتا ہے جو مرد و عورت کے اسی عضو سے نکلتا ہے۔ البتہ دماغ کو اس معاملے میں سب سے زیادہ دخل ہے اسی لئے مشاہدہ ہوتا ہے کہ جماع کی کثرت کرنے والے اکثر ضعف دماغ میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ اسی کیساتھ انکی تحقیق یہ بھی ہے کہ نطفہ تمام اعضاء سے منفصل ہو کر نخاع کے ذریعہ خصیتین میں جمع ہوتا اور پھر وہاں سے نکلتا ہے۔

اگر یہ تحقیق صحیح ہے تو حضرات مفسرین نے جو نطفہ کا خروج مرد کی پشت اور عورت کے سینے کے متعلق قرار دیا ہے اس کی توجیہ بھی کچھ بعید نہیں کیونکہ اس پر اطباء کا اتفاق ہے کہ نطفہ کی تولید میں سب سے بڑا دخل دماغ کو ہے اور دماغ کا خلیفہ و قائم مقام نخاع ہے جو ریڑھ کی ہڈی کے اندر دماغ سے پشت اور پھر خصیتین تک آیا ہوا ہے، اسی کے کچھ شعبے سینے کی ہڈیوں میں آئے ہوئے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ عورت کے نطفہ میں سینے کی ہڈیوں سے آئیوالے نطفہ کا اور مرد کے نطفہ میں پشت سے آئیوالے نطفہ کا دخل زیادہ ہو (ذکرہ البیضاوی)

اور اگر قرآن کریم کے الفاظ پر غور کیا جائے تو ان میں مرد و عورت کی کوئی تخصیص نہیں، صرف اتنا ہے کہ نطفہ پشت اور سینے کے درمیان سے نکلتا ہے۔ اسکا یہ مطلب بے تکلف ہو سکتا ہے کہ نطفہ مرد و عورت دونوں کے سارے بدن سے نکلتا ہے اور سارے بدن کی تعبیر آگے پیچھے کے اہم اعضاء سے کردی گئی سامنے کے حصہ میں سینہ اور پیچھے کے حصہ میں پشت سب سے اہم اعضاء ہیں۔ ان دونوں کے اندر سے نکلنے کا مطلب یہ لیا جائے کہ سارے بدن سے نکلتا ہے جیسا کہ خلاصہ تفسیر میں لکھا گیا ہے۔

إِنَّا عَلَى رَجْعِهِ لَقَادِرٌ، رجوع کے معنی لوٹا دینے کے ہیں مطلب یہ کہ جس خالق کائنات نے اول انسان کو نطفہ سے پیدا کیا ہے وہ اسکو دوبارہ لوٹا دینے یعنی مرئی کے بعد زندہ کر دینے پر بدرجہ اولیٰ قادر ہے۔

يَوْمَ يُبْعَثُ الشَّعْرُ، تبلی کے فعلی معنی امتحان لینے اور آزمانے کے ہیں اور شعرا کے معنی ہیں مخفی امور مطلب یہ ہے کہ قیامت کے روز انسان کے تمام عقائد و خیالات اور نیت و عزم جو دل میں پوشیدہ تھے دنیا میں

اُس کو کوئی نہ جانتا تھا اسی طرح وہ اعمال و افعال جو اُس نے چھپ کر کئے دنیا میں کسی کو اُن کی خبر نہیں، محشر میں سب کا امتحان لیا جائے گا یعنی سب کو ظاہر کر دیا جائے گا، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے روز انسان کے ہر مخفی راز کو کھول دے گا۔ ہر اچھے بُرے عقیدے اور عمل کی علامت انسان کے چہرہ پر یازیت ہو کر یا ظلمت و سیاہی کی صورت میں ظاہر کر دی جائے گی (قطبی)

وَالسَّمَاءِ ذَاتِ الرَّجْعِ، رَجَعُ کے معنی اُس بارش کے ہیں جو پے درپے ہو کہ ایک مرتبہ بارش ہو کر ختم ہو جائے اور پھر لوٹے۔

لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ كَقَوْلِ فَصَّلْ، یعنی قرآن کریم ایک فیصلہ کن قول ہے جو حق و باطل میں فیصلہ کرتا ہے اور اس میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ قرآن کے متعلق فرمایا کتاب فیہ خبر ما قبلکم و حکم ما بعدکم و هو الفصل لیس بالهزل یعنی یہ ایک ایسی کتاب ہے جس میں تم سے پہلی امتوں کے حالات و اخبار ہیں اور تمہارے بعد آنیوالوں کے لئے احکام ہیں وہ فیصلہ کن قول ہے جسے مذاق نہیں۔

تَمَّتْ سُوْرَةُ الطَّارِقِ بِحَمْدِ اللَّهِ تَعَالَى بِآرْشَادِ سَيِّدِنَا



سُورَةُ الْأَعْلَى

سُورَةُ الْأَعْلَى مَكِّيَّةٌ وَهِيَ تِسْعٌ عَشْرَةُ آيَةً
سورة اعلیٰ مکہ میں نازل ہوئی اور اس کی انیس آیتیں ہیں

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بید مہربان نہایت رحم والا ہے

بِسْمِ اسْمِ رَبِّكَ الْأَعْلَى ۱) الَّذِي خَلَقَ قَسْوَى ۲) وَالَّذِي قَدَّرَ فَهْدَى ۳) وَ

یا کی بیان کرا اپنے رب کے نام کی جو سب سے اوبہ جس نے بنایا پھر ٹھیک کیا اور جس نے ٹھہرا دیا پھر راہ بتلای اور

الَّذِي أَخْرَجَ الْمَرْعَى ۴) فَجَعَلَهُ غُثَاءً أَحْوَى ۵) سَنَقِرُكَ فَلَا تَنْشَى ۶)

جس نے نکالا چارہ پھر کر ڈالا اس کو کوڑا سیاہ البتہ ہم بڑھائیں گے تجھ کو پھر تو نہ بھولے گا

إِلَّا مَا شَاءَ اللَّهُ ۷) إِنَّهُ يَعْلَمُ الْجَهْرَ وَمَا يَخْفَى ۸) وَنُيْسِرُكَ لِلْيُسْرَى ۹) فَذَكَرْ ۱۰)

مگر جو چاہے اللہ وہ جانتا ہے پکارنے کو اور جو چھپا ہوا ہے اور آج سچ پہنچائیں گے تم کو آسانی تک، کو تو بھلائے

إِنْ تَفْعَلِ الذِّكْرَى ۱۱) سَيَذَكَّرُكَ مَنْ يَخْشَى ۱۲) وَيَتَجَنَّبُهَا الْأَشْقَى ۱۳)

اگر فائدہ کرے سمجھانا سمجھ جائے گا جس کو ڈر ہوگا اور کیسور ہے گا اس سے بڑا بد قسمت

الَّذِي يَصِلَى النَّارَ الْكُبْرَى ۱۴) ثُمَّ لَا يَمُوتُ فِيهَا وَلَا يَحْيَى ۱۵)

وہ جو داخل ہوگا بڑی آگ میں پھر نہ مرے گا اس میں اور نہ جئے گا

قَدْ أَفْلَحَ مَنْ تَزَكَّى ۱۶) وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهِ فَصَلَّى ۱۷) بَلْ تُؤْثِرُونَ

بیشک بھلا ہوا اسکا جو سنورا اور لیا اسنے نام اپنے رب کا پھر نماز پڑھی کوئی نہیں تم بڑھاتے ہو

الْحَيَاةَ الدُّنْيَا ۱۸) وَالْآخِرَةُ خَيْرٌ وَأَبْقَى ۱۹) إِنَّ هَذَا لَفِي الصُّفُوفِ

دنیا کے جینے کو اور بچھلا گھر بہتر ہے اور باقی رہنے والا یہ لکھا ہوا ہے پہلے درقوں

الْأُولَى ۱۸) صُفُوفِ إِبْرَاهِيمَ وَمُوسَى ۱۹)

میں صفیوں میں ابراہیم کے اور موسیٰ کے

خلاصہ تفسیر

(اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم) آپ (اور جو مومن آپ کے ساتھ ہیں) اپنے پروردگار عالیشان کے نام کی تسبیح (وتقدس) کیجئے جس نے (ہر شئی کو) بنایا پھر (اس کو) ٹھیک بنایا (یعنی ہر شئی کو مناسب طور پر بنایا) اور جس نے (جانداروں کے لئے اُن کے مناسب چیزوں کو) تجویز کیا پھر (اُن جانداروں کو اُن چیزوں کی طرف) راہ بتلای (یعنی اُن کی طبائع میں ان اشیاء کا تقاضا پیدا کر دیا) اور جس نے (سبز خوشنما) چارہ (زمین سے) نکالا پھر اس کو سیاہ کر دیا (اَوّل عام تصرفات مذکور ہیں، پھر حیوانات کے متعلق پھر نباتات کے متعلق مطلب یہ ہے کہ طاعات کے ذریعہ آخرت کی تیاری کرنا چاہیے جہاں اعمال پر جزا و سزا ہونے والی ہے اور اسی طاعت کا طریقہ بتلانے کے لئے ہم نے قرآن نازل کیا ہے اور آپ کو اس کی تبلیغ کے لئے مامور کیا ہے سو اس قرآن کی نسبت ہم وعدہ کرتے ہیں کہ) ہم (جبنا) قرآن (نازل کرتے جاویں گے) آپ کو پڑھا دیا کریں گے (یعنی یاد کرادیا کریں گے) پھر آپ (اُس میں سے کوئی جز) نہیں بھولیں گے مگر جس قدر (بھلانا) اللہ کو منظور ہو (کہ نسخ کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کما قال تعالیٰ مَا تَكُنْ بِمِنْ آيَةٍ اَوْ نَسِيْهَا اللّٰهُ سُوِّدَ الْبَیْتِ اَپْکَے اور سب کے ذہنوں سے فراموش کر دیا جاوے گا، اور یہ یاد رکھنا اور فراموش کر دینا سب قرین حکمت ہوگا کیونکہ) وہ ہر ظاہر اور مخفی کو جانتا ہے (اس لئے اُس سے کسی چیز کی مصلحت مخفی نہیں، تو جب کسی چیز کا محفوظ رکھنا مصلحت ہوتا ہے محفوظ رکھتے ہیں، اور جب بھلا دینا مصلحت ہوتا ہے تو بھلا دیتے ہیں) اور (جیسا ہم آپ کے لئے قرآن کا یاد ہونا آسان کر دیں گے اسی طرح) ہم اس آسان (شریعت کے ہر حکم پر چلنے) کے لئے آپ کو سہولت دیدیں گے (یعنی سمجھنا بھی آسان ہوگا اور عمل بھی آسان ہوگا اور تبلیغ بھی آسان ہو جاوے گی اور مزاحمتوں کو دفع کر دیں گے، اور شریعت کی صفت یُسْرٰی لانا بطور مدح کے ہے یا اسلئے کہ وہ سبب یُسْرٰی کا، اور جب ہم آپ کے لئے وحی کے متعلق ہر کام آسان کر دینے کا وعدہ کرتے ہیں) تو آپ (جس طرح خود تسبیح وتقدس کرتے ہیں اُس طرح دوسروں کو بھی) نصیحت کیا کیجئے اگر نصیحت کرنا مفید ہوتا ہو (مگر جیسا کہ ظاہر اور معلوم ہے کہ نصیحت اپنی ذات میں ہمیشہ مفید ہی ہوتی ہے کما قال تعالیٰ فَاِنَّ الْاِنْسَانَ لِرَبِّهِۦ لَکْفٰرٌ اَوْ تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِیْنَ حاصل یہ ہوا کہ جب نصیحت نفع کی چیز ہے تو آپ نصیحت کر دینا اہتمام کریں، مگر باوجود اسکے کہ نصیحت اپنی ذات میں نافع و مفید ہو اس سے یہ نہ سمجھئے کہ وہ سب ہی کے لئے مفید ہوگی اور سب ہی اُس کو مان لیں گے بلکہ) وہی شخص نصیحت مانتا ہے جو (خدا سے) ڈرتا ہے اور جو سخت بد نصیب ہو اُس سے گریز کرتا ہے جو (آخر کار) بڑی آگ میں (یعنی آتش دوزخ میں جو دنیا کی سب آگوں سے بڑی ہے) داخل ہوگا پھر (اس سے بڑھ کر یہ کہ) نہ اس میں مر ہی جاوے گا اور نہ (آرام کی زندگی) جیسے گا (یعنی جس جگہ نصیحت قبول کرنے کی شرط موجود نہیں ہوتی وہاں اگرچہ اُسکا اثر ظاہر نہ ہو مگر نصیحت فی نفسہ نافع و مفید ہی ہے، اور آپ کے ذمہ اُسکے واجب ہونے کے لئے یہی کافی ہے۔ خلاصہ اول سورت سے یہاں تک کا یہ ہوا کہ آپ اپنی بھی تکمیل کیجئے اور دوسروں کو بھی اس کی تبلیغ کیجئے کہ ہم آپ کے معاون ہیں

آگے اس کی تفصیل ہے کہ اللہ سے ڈرنے والے نصیحت سے فائدہ اٹھاتے ہیں) بامراد ہوا جو شخص (قرآن شکر عقائد باطلہ اور اخلاقِ رذیلہ سے) پاک ہو گیا اور اپنے رب کا نام لیتا اور نماز پڑھتا رہا (مگر اے منکر و تم قرآن شکر اسکو نہیں مانتے اور آخرت کا سامان نہیں کرتے) بلکہ تم دنیوی زندگی کو مقدم رکھتے ہو حالانکہ آخرت (دنیا سے) بدرجہا بہتر اور پائیدار ہے (اور یہ مضمون صرف قرآن ہی کا دعویٰ نہیں بلکہ) یہ مضمون اگلے صحیفوں میں بھی ہے، یعنی ابراہیم و موسیٰ (علیہما السلام) کے صحیفوں میں (روح المعانی میں عبد بن حمید کی روایت سے حدیث مرفوعہ مذکور ہے کہ ابراہیم علیہ السلام پر دس صحیفے نازل ہوئے اور موسیٰ علیہ السلام پر تورات کے نازل ہونے سے پہلے دس صحیفے نازل ہوئے)

معارف و مسائل

مسئلہ۔ علمائے فرمایا ہے کہ قاری جب سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ رَبِّ الْاَعْلَى کی تلاوت کرے تو مستحب ہے کہ یہ کہے سُبْحَانَكَ رَبِّیَّ الْاَعْلَى، صحابہ کرام حضرت عبداللہ بن عباسؓ، ابن عمرؓ، ابن زبیرؓ، ابو موسیٰ اور عبداللہ بن جود رضی اللہ عنہم اجمعین کا یہی معمول تھا کہ جب یہ سورت شروع کرتے تو سُبْحَانَكَ رَبِّیَّ الْاَعْلَى کہا کرتے تھے (قطبی) یعنی نماز کے سوا جب تلاوت کریں تو ایسا کہنا مستحب ہے۔

مسئلہ۔ حضرت عقبہ بن عامر جہنیؓ سے روایت ہے کہ جب سورہ سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ رَبِّ الْاَعْلَى نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اجعلوہا فی سجدہ کہ یعنی یہ کلمہ سُبْحَانَكَ رَبِّیَّ الْاَعْلَى اپنے سجدہ میں کہا کرو سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ رَبِّ الْاَعْلَى، تسبیح کے معنی پاک رکھنے اور پاکی بیان کرنے کے ہیں سُبْحَانَ رَبِّکَ کے معنی یہ ہیں کہ اپنے رب کے نام کو پاک رکھئے۔ مراد یہ ہے کہ رب کے نام کی تعظیم و تکریم کیجئے اور جب اللہ کا نام لیں تو خشوع و خضوع اور ادب کا لحاظ رکھئے، اور ہر ایسی چیز سے اُس کے نام کو پاک رکھئے جو اسکے شایاں نہیں، اسمیں یہ بھی داخل ہے کہ اللہ تعالیٰ کو صرف ان ناموں سے پکارئے جو خود اللہ تعالیٰ نے اپنے لئے بیان فرمائے ہیں یا اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو بتلائے ہیں انکے سوا کسی اور نام سے اسکو پکارنا جائز نہیں۔

مسئلہ۔ اسی طرح اس حکم میں یہ بھی داخل ہے کہ جو نام اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہے وہ کسی مخلوق کیلئے استعمال کرنا اس کی تنزیہ و تقدیس کے خلاف ہے اسلئے جائز نہیں (قطبی) جیسے رَحْمَن، رِزَاق، غَفَّار، قُدُّوس وغیرہ آجکل اس معاملے میں غفلت بڑھتی جا رہی ہے، لوگوں کو ناموں کے انحصار کا شوق ہے، عبد الرحمن کو رَحْمَن، عبد الرزاق کو رِزَاق، عبد الغفار کو غَفَّار بے تکلف کہتے رہتے ہیں اور یہ نہیں سمجھتے کہ اسکا کہنے والا اور سننے والا دونوں گنہگار ہوتے ہیں، اور یہ گناہ بے لذت رات دن بلا وجہ ہوتا رہتا ہے۔ اور بعض حضرات مفسرین نے اس جگہ اسم سے مراد خود ستمی کی ذات مراد لی ہے اور عربی زبان کے اعتبار سے اس کی گنجائش بھی آدھ قرآن کریم میں بھی اس معنی کے لئے استعمال ہوا ہے، اور حدیث میں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کلمہ کو نماز کے سجدے میں پڑھنے کا حکم دیا اُس کی تعمیل میں جو کلمہ اختیار کیا گیا وہ سُبْحَانَ اسم ربک لا علی نہیں بلکہ سُبْحَانَ

ربّی الاعلیٰ ہے اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ ہم اس جگہ مقصود نہیں خود بخود مراد ہے (قطبی) واللہ اعلم
 تخلیق کائنات میں لطیف اور دقیق حکمتیں **اَللّٰہُ یَخْلُقُ مَا یَشَآءُ وَیَقْدِرُ مَا یَشَآءُ**، یہ سب ربّ الاعلیٰ کی صفات
 کا ذکر ہے جو تخلیق کائنات میں اُس کی حکمت بالغہ اور قدرت کاملہ کے مشاہدہ سے متعلق ہیں انہیں پہلی صفت خَلْق ہے
 خلق کے معنی محض صنعت مگر کے نہیں بلکہ عدم سے بغیر کسی مادہ سابقہ کے وجود میں لانا ہے اور یہ کام کسی مخلوق
 کے بس میں نہیں صرف حق تعالیٰ شانہ کی قدرت کاملہ ہے کہ بغیر کسی سابق مادہ کے جب چاہتے ہیں اور جس چیز
 کو چاہتے ہیں عدم سے وجود میں لے آتے ہیں۔ دوسری صفت اس تخلیق ہی کی ساتھ وابستہ **فَسَوَّیْہِ** ہے جو تسویہ سے
 مشتق ہے اور اس کے فاعلی معنی برابر کرنے کے ہیں اور مراد برابر کرنے سے یہ ہے کہ ہر چیز کو جو وجود عطا فرمایا اسکی
 جسامت اور شکل و صورت اور اعضاء و اجزاء کی وضع و ہیئت میں ایک خاص تناسب ملحوظ رکھ کر یہ وجود بخشا
 گیا ہے، انسان اور ہر جانور کو اُس کی ضروریات کے مناسب اعضاء دیئے گئے اور اُن اعضاء کی جسامت
 اور وضع و ہیئت اُس کی ضروریات کے مناسب بنائی گئی ہیں، ہاتھ پاؤں اور اُن کی انگلیوں کے پوروں نہیں ایسے
 جوڑ رکھے اور قدرتی اسپرنگ لگائے کہ وہ ہر طرف موڑے توڑے اور تہ کئے جاسکتے ہیں، اسی طرح دوسرے ایک
 ایک عضو کو دیکھو یہ حیرت انگیز تناسب خود انسان کو خالق کائنات کی حکمت و قدرت پر ایمان لائیکے لئے کافی ہے۔
 تیسری چیز اسی سلسلے میں **فَلَدَّرَ**، تقدیر کے معنی کسی چیز کو خاص انداز سے پر بنانے اور باہمی موازنہ
 کے بھی آئے ہیں اور بمعنی قضا و قدر بھی استعمال ہوتا ہے جس کے معنی ہر چیز کے متعلق اللہ تعالیٰ کا فیصلہ اور خاص
 تجویز کے ہیں، اس آیت میں یہی معنی مراد ہیں، اور مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا کی چیزوں کو صرف پیدا کر کے او
 بنا کر نہیں چھوڑ دیا بلکہ ہر چیز کو کسی خاص کام کے لئے پیدا کیا اور اسکے مناسب کو وسائل دیئے اور اُسی کام میں اُسکو
 لگا دیا، غور کیا جائے تو یہ بات کسی خاص جنس یا نوع مخلوق کے لئے مخصوص نہیں، ساری ہی کائنات اور مخلوقات
 ایسی ہیں کہ اُن کو اللہ تعالیٰ نے خاص خاص کاموں کے لئے بنایا ہے اور اُن کو اُسی کام میں لگا دیا ہے، ہر چیز اپنے
 رب کی مقرر کردہ ڈیوٹی پر لگی ہوئی ہے۔ آسمان اور اُس کے ستارے، برق و باراں سے لیکر انسان و حیوان اور نباتات
 و جمادات سب میں اسکا مشاہدہ ہوتا ہے کہ جبکو جس کام پر خالق نے لگا دیا وہ اسے لگا ہوا ہے اور باد و مہ و خورشید و فلک و کارند
 اور مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے ۵

بامن و تو مُردہ با حق زندہ اند

خاک باد و آب و آتش بندہ اند

خصوصاً انسان اور حیوان کے ہر نوع و صنف کو حق تعالیٰ نے جن خاص خاص کاموں کے لئے پیدا فرمایا ہے وہ

قدرتی طور پر اسی کام میں لگے ہوئے ہیں، اُن کی رغبت و شوق سب اُسی کام کے گرد گھومتا ہے ۵

میل اور در و شش انداختند

ہر یکے را بہر کار سے ساختند

چوتھی چیز یہ فرمائی **فَعَدَّی** یعنی خالق کائنات نے جس چیز کو جس کام کے لئے پیدا فرمایا اسکو اُسی ہدایت

بھی فرمادی کہ وہ کس کس طرح اس کام کو انجام دے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ یہ ہدایت تمام کائنات و مخلوقات کو

شامل ہے آسمان اور آسمانی مخلوقات ہوں یا زمین اور اُس کی مخلوقات کیونکہ ایک خاص قسم کی عقل و شعور اللہ تعالیٰ نے اُن کو بھی دیا ہے گو وہ انسان کے عقل و شعور سے کم ہو جیسے کہ قرآن کریم کی دوسری آیت میں ارشاد ہے **أَعْطَى كُلَّ شَيْءٍ حَلْقَهُ ثُمَّ هَدَى** یعنی اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو پیدا کر کے ایک وجود بخشا پھر اس کو اسکے متعلقہ کام کی ہدایت کر دی اسی ہدایت عامہ کا اثر ہے کہ آسمان و زمین ستارے اور سیارات پہاڑ اور دریا سب کے سب جس خدمت پر اَوّل خلقت سے مامور کر دیئے گئے اُس خدمت کو ٹھیک ٹھیک اسی طرح بغیر کسی کمی کوتاہی یا سستی کے بجالاتے ہیں خصوصاً انسان اور حیوانات جن کا عقل و شعور ہر وقت مشاہدہ میں آتا ہے ان میں بھی غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ انہیں سے ہر نوع ہر صنف بلکہ ہر فرد کو حق تعالیٰ نے اپنی ضروریات زندگی حاصل کرنے اور اپنے مخالف چیزوں کو دفع کرنے کے لئے کیسے کیسے دقیق ہنر سکھائے ہیں کہ عقل حیران رہ جاتی ہے، انسان تو سب سے زیادہ عقل و شعور والا، جنگل کے جانوروں، درندوں، پرندوں اور مشرقات الارض کو دیکھو کہ ہر ایک کو اپنی ضروریات زندگی حاصل کرنے اور رہنے بسنے اور اپنی انفرادی اور عیسیٰ ضروریات کو پورا کرنے کے لئے کیسے کیسے ہنر سکھائے ہیں اور یہ سب بلا واسطہ تعلیم خالق کائنات کی طرف سے ہے، انہوں نے کسی اسکول کالج میں رہ کر یا کسی استاد سے یہ چیزیں نہیں سیکھیں بلکہ یہ سب اسی ہدایت عامہ اور تلقین ربانی کے ثمرات ہیں جس کا ذکر آیت **أَعْطَى كُلَّ شَيْءٍ حَلْقَهُ ثُمَّ هَدَى** اور اس سورت کی **قَدْ رَفَعْنَا** میں فرمایا ہے۔

انسان کو سائنسی تعلیم بھی انسان جس کو حق تعالیٰ نے عقل و شعور سب سے زیادہ مکمل عطا فرمایا اور اس کو مخدوم کائنات و حقیقت عطا کیے بانی ہو بنایا ہے تمام زمین اور پہاڑ اور دریا اور اُن میں پیدا ہونے والی اشیاء انسان کی خدمت اور اسکے نفع کے لئے پیدا ہوئی ہیں مگر اُن سے پورا پورا فائدہ اُٹھانا اور مختلف قسم کے منافع حاصل کرنا اور مختلف چیزوں کو جوڑ کر ایک نئی چیز پیدا کر لینا یہ بڑے علم و ہنر کو چاہتا ہے قدرت نے انسان کے اندر فطری طو پر یہ عقل و فہم رکھا ہے کہ پہاڑوں کو کھود کر دریاؤں میں غوطہ لگا کر سیکڑوں معدنی اور دریائی چیزیں حاصل کر لیتا ہے اور پھر لکڑی، لوہے، تانبے، پیتل وغیرہ کو باہم جوڑ کر ان سے نئی نئی چیزیں اپنی ضرورت کی بنالیتا ہے اور یہ علم و ہنر فلاسفہ کی تحقیقات اور کالوں کی تعلیمات پر موقوف نہیں، ابتداءً دُنیا سے اُن پڑھ جاہل یہ سب کام کرتے آئے ہیں، اور یہی فطری سائنس ہے جو حق تعالیٰ نے انسان کو فطرۃً بخشی ہے آگے فتنی اور علمی تحقیقات کے ذریعہ اس میں ترقی کرنے کی استعداد بھی اسی قدرت ربانی کا عطیہ ہے۔

یہ سب جانتے ہیں کہ سائنس کسی چیز کو پیدا نہیں کرتی بلکہ قدرت کی پیدا کردہ اشیاء کا استعمال سکھاتی ہے اور اس استعمال کا ادنیٰ درجہ تو حق تعالیٰ نے انسان کو فطرۃً سکھا دیا ہے، آگے اسی فتنی تحقیقات اور ترقی کا بڑا وسیع میدان رکھا ہے اور انسان کی فطرت میں اسکے سمجھنے کی استعداد و صلاحیت رکھی ہے جس کے مظاہر اس سائنسی دور میں روز نئے نئے سامنے آ رہے ہیں اور معلوم نہیں آگے اس سے بھی زیادہ کیا کیا سامنے آئے گا غور کرو تو یہ سب ایک لفظ قرآن فہدیٰ کی شرح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو ان سب کاموں کا راستہ دکھایا، اور

اُس میں اُن کے پورا کر لینے کی استعداد عطا فرمائی مگر افسوس ہے کہ سائنس میں ترقی کرنے والے اس حقیقت سے اور زیادہ نا آشنا بلکہ اندھے ہوتے جا رہے ہیں۔

وَالَّذِي أَخْرَجَ النَّحْلَ مِنْ بُحَيْرِهِمْ لِيَلْبِسَ خُفَّيْهِمْ أَوْ يَنْتَبِهَ، مَعْنَى کے معنی چراگاہ کے ہیں جہاں چوپائے جالور چرتے ہیں اور غشاء اُس کوڑے کرکٹ کو کہتے ہیں جو پانی کے سیلاب میں اُوریا جاتا ہے۔ اَحْوَى، حَوْء سے شق ہے گہری سبزی میں جو ایک قسم کی سیاہی آجاتی ہے اسکو حَوْت کہتے ہیں، اس آیت میں حق تعالیٰ نے نباتات سے متعلق کچھ اپنی قدرت و حکمت کا بیان فرمایا ہے کہ زمین سے سرسبز گھاس بھالی پھرا سکو خشک کر کے سیاہ رنگ کر دیا وہ سرسبز جاتی رہی، ہمیں انسان کو اسکے انجام کی طرف بھی اشارہ ہے کہ جیسم کی شادابی خوبصورتی اور چستی چالاکی حق تعالیٰ کا عطیہ ہے مگر انجام کار پھر اس سب کو ختم ہونا ہے۔

سَنُفِّرُكَ لَا تَنْتَبِهَ إِلَّا مَا شَاءَ اللَّهُ، سابقہ آیات میں حق تعالیٰ نے اپنی قدرت و حکمت کے چند مظاہر بیان فرمائیکے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو انکے فریضہ سفیری کی طرف چند ہدایات دی ہیں اور ہدایات سے پہلے آپ کے کام کو آسان کر لینے کی خوشخبری سنائی ہے وہ یہ کہ ابتدا میں جب آپ پر قرآن نازل ہوتا اور جبریل امین کوئی آیت قرآن سناتے تو آپ کو یہ فکر ہوتی تھی کہ ایسا نہ ہو کہ الفاظ آیت ذہن سے نکل جائیں اسلئے جبریل امین کے پڑھنے کے ساتھ ساتھ آپ بھی الفاظ قرآن پڑھتے جاتے تھے۔ اس آیت میں حق تعالیٰ نے یہ کام یعنی قرآن کا یاد کر دینا اپنے ذمہ لے لیا اور آپ کو بے فکر کر دیا کہ جبریل امین کے چلے جانے کے بعد آیات قرآن کا آپ سے صحیح صحیح پڑھو ادینا پھر اُن کو یاد میں محفوظ کر دینا ہماری ذمہ داری ہے آپ فکر نہ کریں جسکا نتیجہ یہ ہوگا کہ لَا تَنْتَبِهَ إِلَّا مَا شَاءَ اللَّهُ یعنی آپ قرآن کی کوئی چیز بھولیں گے نہیں بجز اسکے کہ کسی چیز کو اللہ تعالیٰ ہی اپنی حکمت و مصلحت کی بنا پر آپکے ذہن سے بھلا دینا اور محو کر دینا چاہیں، مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جو بعض آیات قرآن کو منسوخ فرماتے ہیں اسکا ایک طریقہ تو معروف ہے کہ صاف حکم پہلے حکم کیخلاف آگیا، اور ایک صورت منسوخ کرنے کی یہ بھی ہے کہ اُس آیت ہی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور سب مسلمانوں کے ذہنوں سے محو اور فراموش کر دیا جائے جیسا کہ نسخ آیات قرآنی کے بیان میں فرمایا ہے مَا تَنْتَبِهَ مِنْ آيَةٍ أَوْ نَسِيَهَا بَعْنِي اَمِمْ جو آیت منسوخ کرتے ہیں یا آپکے ذہن سے بھلا دیتے ہیں الخ اور بعض حضرات نے إِلَّا مَا شَاءَ اللَّهُ کے استثناء کا یہ مفہوم قرار دیا ہے کہ یہ ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی مصلحت اور حکمت کی بنا پر عارضی طور سے کوئی آیت آپکے ذہن سے بھلا دیا پھر یاد آجائے جیسا کہ بعض روایات حدیث میں ہے کہ ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی سورت تلاوت فرمائی جس میں ایک آیت پڑھنے سے رہ گئی، حضرت ابی بن کعب جو کاتب وحی تھے انھوں نے یہ سمجھا کہ شاید یہ آیت منسوخ ہو گئی مگر جب آپ سے دریافت کیا تو اپنے فرمایا کہ منسوخ نہیں مجھ سے ہوا ترک ہو گئی (قرطبی) تو حامل اس استثناء کا یہ ہوگا کہ وقتی اور عارضی طور پر کسی آیت کا بھول جانا اور پھر بدستور یاد آ جانا اس وعدے کے منافی نہیں، واللہ اعلم

وَنَسِيَ الْيُسْرَى، لفظی ترجمہ سکا یہ ہے کہ ہم آپ کو آپکو طریقہ یُسْرَى کے لئے آسان کر دیں گے، طریقہ یُسْرَى سے مراد سہولت اسلام ہے بظاہر مقتضائے مقام یہ تھا کہ یہ فرمایا جاتا کہ ہم اس طریقہ اور شریعت کو آپکے لئے آسان کر دیں گے مگر قرآن کریم نے اسکو چھوڑ کر یہ فرمایا کہ ہم آپ کو اس طریقہ کے لئے آسان کر دیں گے حکمت اس میں یہ بتلانا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو طبعی

اور مادی طور پر ایسا بنا دیں گے کہ شریعت آپ کی طبیعت بن جائے اور آپ شریعت کے سانچہ میں ڈھل جائیں۔

فَنَزَّلْنَا إِنَّا نُنْفَعُ النَّاسَ بِهَا، سابقہ آیات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کے فرضیہ پیغمبری کے ادراک نہیں حق تھا کی طرف سے دی ہوئی سہولتوں کا بیان تھا، اس آیت میں آپ کو اس فرضیہ کی ادائیگی کا حکم ہے اور معنی الفاظ آیت کے یہ ہیں کہ آپ لوگوں کو تبلیغ و نصیحت کیجئے اگر نصیحت نفع دیتی ہو، یہ الفاظ اگرچہ شرط کے آئے ہیں مگر درحقیقت مقصود کوئی شرط نہیں بلکہ اسکا تاکید ہی حکم دینا ہے جس کی مثال ہم اے عرف میں یہ ہے کہ کسی شخص کو بطور تنبیہ کے کہا جائے کہ اگر تو آدمی ہے تو فلاں کام کرنا ہو گا یا اگر تو فلاں کا بیٹا ہے تو تجھے ایسا کرنا چاہیے۔ یہاں مقصود شرط نہیں ہوتی بلکہ اسکا اظہار ہوتا ہے کہ جب تو آدمی زاد ہے یا جبکہ تو فلاں بزرگ یا شریف آدمی کا بیٹا ہے تو تجھ پر یہ کام لازم ہے مطلب یہ ہے کہ نصیحت و تبلیغ کا نافع و مفید ہونا تو متیقن اور متیقن ہے اسلئے اس نافع چیز کو آپ کسی وقت نہ چھوڑیں،

قَدْ أَفْلَحَ مَن تَزَكَّى، تزکی، زکوٰۃ سے مشتق ہے جس کے اصل معنی پاک کر دینے کے ہیں مال کی زکوٰۃ کو بھی اسلئے زکوٰۃ کہتے ہیں کہ وہ باقی مال کو انسان کے لئے پاک کر دیتی ہے یہاں لفظ تزکی کا مفہوم عام ہے جس میں ایمانی اور اخلاقی تزکیہ طہارت بھی داخل ہے اور مال کی زکوٰۃ دینا بھی ہے۔ وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهِ فَصَلَّى، یعنی اپنے رب کا نام لیتا اور نماز پڑھتا ہے۔ ظاہر یہ ہے کہ اس میں ہر قسم کی نماز فرض و نفل شامل ہے، بعض مفسرین نے جو خاص نماز عید سے اسکی تفسیر کی ہے وہ بھی آمیں داخل ہے۔ بَلْ نُؤْمِنُ بِالْحَيَاةِ الْآخِرَةِ، حضرت عبداللہ بن مسعود نے فرمایا کہ عام لوگوں میں دنیا کو آخرت پر ترجیح دینے کی وجہ یہ ہے کہ دنیا کی نعمت و راحت تو نقد و حاضر ہے اور آخرت کی نعمت و راحت نظروں سے غائب اور ادھار ہے حقیقت سے نا آشنا لوگوں نے حاضر کو غائب پر اور نقد کو ادھار پر ترجیح دیدی جو انکے لئے دائمی خسارہ کا سبب بنی، اسی خسارے سے بچانے کے لئے اللہ تعالیٰ نے اپنی کتابوں اور رسولوں کے ذریعہ آخرت کی نعمتوں، راحتوں کو ایسا واضح کر دیا کہ گویا وہ حاضر و موجود ہیں اور یہ بتلادیا کہ جس چیز کو تم نقد سمجھ کر اختیار کرتے ہو یہ متاع کا سد و ناقص اور بہت جلد فنا ہو جائیگا وہاں عقل سے کام لیں کہ ایسی چیز پر اپنا دل ڈالے اور اُس کے لئے اپنی توانائی صرف کرے اسی حقیقت کو واضح کرنے کے لئے آگے ارشاد فرمایا وَالْآخِرَةُ خَيْرٌ وَأَبْقَىٰ، دنیا کو آخرت پر ترجیح دینے والوں کو تنبیہ ہے کہ ذرا عقل سے کام لو، کس چیز کو اختیار کر رہے ہیں اور کس کو چھوڑ رہے ہیں دنیا جس پر تم فریفتہ ہو اؤل تو اسکی بڑی سے بڑی راحت و لذت بھی رنج و غم اور کلفت و مشقت کی آمیزش سے خالی نہیں دوسرے اسکا کوئی قرار و ثبات نہیں، آج کا بادشاہ کل کا فقیر، آج کا جوان شہ زور کل کا ضعیف و عاجز ہونا رات دن دیکھتے ہو۔ بخلاف آخرت کے کہ وہ ان دونوں عیبوں سے پاک ہے اُس کی ہر نعمت و راحت خیر ہی خیر ہے اور دنیا کی نعمت و راحت سے اسکو کوئی نسبت نہیں اور اس سے بڑی بات یہ ہے کہ وہ ابقی ہے یعنی ہمیشہ رہنے والی ہے۔ انسان ذرا غور کرے کہ اگر اُس کو کہا جائے کہ تمہارے سامنے دو مکان ہیں، ایک عالیشان محل اور جگہ تمام ساز و سامان سے آراستہ ہے اور دوسرا ایک معمولی کچا مکان ہے اور یہ سامان بھی اُس میں نہیں تمہیں ہم اختیار دیتے ہیں کہ یا تو یہ جگہ لے لو مگر صرف مہینہ دو مہینہ کیلئے اسکے بعد اسے خالی کرنا ہو گا، یا یہ کچا مکان

لیلو جو تمھاری دائمی ملکیت ہوگی تو عقلمند انسان ان دونوں میں کس کو ترجیح دے گا، اسکا مقتضا تو یہ ہے کہ آخرت کی نعمتیں اگر بالفرض ناقص اور دنیا سے کم درجہ کی بھی ہوں مگر انکے دائمی ہونے کی وجہ سے وہی قابل ترجیح تھیں اور جبکہ وہ نعمتیں دنیا کی نعمتوں کے مقابلے میں خیر اور افضل اور اعلیٰ بھی ہیں اور دائمی بھی تو کوئی احمق بد نصیب ہی انکو چھوڑ کر دنیا کی نعمت کو ترجیح دے سکتا ہے۔

إِنَّ هَذَا الَّذِي أَطَّعَ الْأَوَّلَ صُحُفَ الْإِسْلَامِ وَمُؤَمِّلِيَّ عَنِ اس سورت کے سب مضامین یا آخری مضمون یعنی آخرت کا یہ نسبت دنیا کے خیر اور باقی ہونا پچھلے صحیفوں میں بھی موجود تھا جسکا بیان آگے یہ فرمایا کہ حضرت ابراہیم اور موسیٰ علیہ السلام کے صحیفوں میں یہ مضمون تھا، حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تورات سے پہلے کچھ صحیفے بھی دیئے گئے تھے وہ مراد ہیں اور ہو سکتا ہے کہ صحیفہ موسیٰ سے تورات ہی مراد ہو۔

صحیفہ ابراہیمی کے مضامین | آجری نے حضرت ابوذر غفاریؓ سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ ابراہیم علیہ السلام کے صحیفے کیسے اور کیا تھے آپ نے فرمایا کہ اُن صحیفوں میں مثال عبرت کا بیان تھا، اُن میں سے ایک مثال میں ظالم بادشاہ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ اے لوگوں پر مسلط ہو جانے والے مغرور مبتلا! میں نے تجھے حکومت اس لئے نہیں دی تھی کہ تو دنیا کا مال پر مال جمع کرتا چلا جائے بلکہ میں نے تو تجھے اقتدار اس لئے سونپا تھا کہ تو مظلوم کی بددعا جھٹکنے پہنچنے لے کیونکہ میرا قانون یہ ہے کہ میں مظلوم کی دُعا کو رد نہیں کرتا اگرچہ وہ کافر کی زبان سے نکلی ہو۔

اور ایک مثال میں عام لوگوں کو خطاب کر کے فرمایا کہ عقلمند آدمی کا کام یہ ہے کہ اپنے اوقات کے تین حصے کرے ایک حصہ اپنے رب کی عبادت اور اُس سے مناجات کا ہو، دوسرا حصہ اپنے اعمال کے محاسبہ کا اور اللہ تعالیٰ کی عظیم قدرت و صنعت میں غور و فکر کا، تیسرا حصہ اپنی ضروریاتِ معاش حاصل کرنے اور طبعی ضرورتیں پورا کرنے کا۔ اور فرمایا کہ عقلمند آدمی پر لازم ہے کہ اپنے زمانے کے حالات سے واقف رہے اور اپنے مقصود کام میں لگا رہے اپنی زبان کی حفاظت کرے، اور جو شخص اپنے کلام کو اپنا عمل سمجھ لے گا اسکا کلام بہت کم صرف ضروری کاموں میں رہ جائیگا۔

صحیفہ موسیٰ علیہ السلام کے مضامین | حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ پھر میں نے عرض کیا کہ صحیفہ موسیٰ علیہ السلام میں کیا تھا تو آپ نے فرمایا کہ اُن میں سب عبرتیں ہی عبرتیں تھیں جن میں سے چند کلمات یہ ہیں:-

مجھے تعجب ہے اُس شخص پر جس کو مرنے کا یقین ہو پھر وہ کیسے خوش رہتا ہے، اور مجھے تعجب ہے اُس شخص پر جو تقدیر پر ایمان رکھتا ہو وہ کیسے عاجز و درماندہ اور نکلین ہو اور مجھے تعجب ہے اُس شخص پر جو دنیا اور اسکے انقلابات اور لوگوں کے عروج و زوال کو دیکھتا ہے وہ کیسے دنیا پر مطمئن ہو بیٹھتا ہے، اور مجھے تعجب ہے اُس شخص پر جس کو آخرت کے حساب پر یقین ہو وہ کیسے عمل کو چھوڑ بیٹھتا ہے، حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے پھر یہ سوال کیا کہ کیا ان صحیفوں میں سے کوئی چیز آپ کے پاس آینوالی وحی میں بھی ہے آپ نے فرمایا اے ابوذرؓ یہ آیتیں پڑھو قَدْ آتَتْكُمْ مِنْ تَرْغِيٍّ وَذَكَرَتْكُمْ أَنْفُسُكُمْ

آخر سورہ اعلیٰ تک (قرطبی)

تَمَّتْ سُورَةُ الْاَعْلٰی بِحَمْدِ اللّٰهِ تَعَالٰی لَيْلَةَ يَوْمِ الْاَحَدِ ۱۸ شَعْبَانَ ۱۴۹۱ھ

سُورَةُ الْغَاشِيَةِ

سُورَةُ الْغَاشِيَةِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ كِسْفٌ عَشْرُونَ آيَةً
سورہ غاشیہ مکہ میں نازل ہوئی اور اس کی چھتیس آیتیں ہیں

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بجد مہربان نہایت رحم والا ہے

هَلْ أَتَاكَ حَدِيثُ الْغَاشِيَةِ ۝۱ وَجَّوْهُ يُومِئِدُ خَاشِعَةً ۝۲ عَالِمَةٌ تَأْتِبَةُ ۝۳

کچھ پہنچی تجھ کو بات اُس پھپھائیے والی کی کہتے منہ اسدن ذلیل ہونے والے ہیں محنت کرنے والے تھکے ہوئے

تَصْلَى نَارًا حَامِيَةً ۝۴ تَسْقَى مِنْ عَيْنٍ آتِيَةٍ ۝۵ لَيْسَ لَهُمْ طَعَامٌ إِلَّا

خوب گئے دہکتی ہوئی آگ میں پانی ملے گا ایک چشمے کھولتے ہوئے کا نہیں اُن کے پاس کھانا مگر

مِنْ ضَرِيْعٍ ۝۶ لَا يُسْمِنُ وَلَا يُغْنِي مِنْ جُوعٍ ۝۷ وَجَّوْهُ يُومِئِدُ تَائِعَةً ۝۸

جھاڑ کانٹوں والا نہ موٹا کرے اور نہ کام آئے بھوک میں کہتے منہ اس دن تروتازہ ہیں

لَسَعِيْهَا رَاضِيَةٌ ۝۹ فِيْ جَنَّةٍ عَالِيَةٍ ۝۱۰ لَا تَسْمَعُ فِيْهَا لَاحِظَةً ۝۱۱ فِيْهَا

اپنی کمائی سے راضی اونچے باغ میں نہیں ٹھنتے اسیں یکو اس اسیں

عَيْنٌ جَارِيَةٌ ۝۱۲ فِيْهَا سُرُرٌ مَّرْفُوعَةٌ ۝۱۳ وَأَكْوَابٌ مَّوْضُوعَةٌ ۝۱۴

ایک چشمہ ہے بہتا اسیں تخت ہیں اونچے اونچے ہوئے اور آبخورے سامنے بچھنے ہوئے اور

نَمَارِقٌ مَّصْفُوعَةٌ ۝۱۵ وَزَرَارِيٌّ مَبْنُوتَةٌ ۝۱۶ أَفَلَا يَنْظُرُونَ إِلَىٰ آلِ

غالیچے برابر بچھے ہوئے اور ٹھل کے نہاچے جگہ جگہ پھیلے ہوئے بھلا کیا نظر نہیں کرتے اونٹوں پر

كَيْفَ خُلِقَتْ ۝۱۷ وَإِلَى السَّمَاءِ كَيْفَ رُفِعَتْ ۝۱۸ وَإِلَىٰ الْجِبَالِ كَيْفَ

کہ کیسے بنائے ہیں اور آسمان پر کہ کیسا اُس کو بلند کیا ہے اور پہاڑوں پر کہ کیسے کھڑے

نُصِبَتْ ۝۱۹ وَإِلَى الْأَرْضِ كَيْفَ سُطِحَتْ ۝۲۰ فَذَكِّرْ إِنَّمَا أَنْتَ

کردنیے ہیں اور زمین پر کہ کیسی صاف بچھائی ہے سو تو سمجھائے جا تیرا کام تو یہی

وقف لازم

مَذْكُورٌ ۲۱) لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيِّرٍ ۲۲) إِلَّا مَنْ تَوَلَّى وَكَفَرَ ۲۳) فَيَعَذِّبُهُ

سمجھانا ہے تو نہیں ان پر داروغہ مگر جس نے منہ موڑا اور منکر ہو گیا تو عذاب کرے گا

اللَّهُ الْعَذَابُ الْأَكْبَرُ ۲۴) إِنَّ إِلَيْنَا أْيَاكُمُ ۲۵) ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا حِسَابَهُمْ ۲۶)

اُس پر اللہ وہ بڑا عذاب بیشک ہمارے پاس ہے اُن کو پھر آنا، پھر بیشک ہمارا ذمہ ہے اُن سے حساب لینا

خلاصہ تفسیر

آپ کو اس محیط عام واقعہ کی کچھ خبر پہنچی ہے (مراد اس واقعہ سے قیامت ہے کہ تمام عالم کو اس کا اثر محیط ہوگا اور مقصود اس استفہام سے تشوق ہے جس سے کلام کے سُنے کا اہتمام پیدا ہو، آگے بصورت جواب اس خبر کی تفصیل ہے یعنی) بہت سے چہرے اُس روز ذلیل اور مصیبت جھیلنے خستہ (اور در ماندہ) ہونگے (اور) آتش سوزاں میں داخل ہونگے (اور کھولتے ہوئے چشمے سے پانی پلائے جاویں گے) اور ان کو بحر ایک خاردار جھاڑ کے اور کوئی کھانا نصیب نہ ہوگا چونکہ (تو کھانے والوں کو) فرہ کہہ لیا اور نہ (اُن کی) بھوک کو دفع کر گیا (یعنی نہ اس میں غذا پختہ کی صلاحیت ہے نہ بھوک رفع کرنے کی، اور مصیبت جھیلنے سے مُراد حشر میں پریشان پھرنا اور دوزخ میں سلاسل اور اغلال کو لادنا، دوزخ کے پہاڑوں پر چڑھنا اور اس کے اثر سے خشکی ظاہر ہے۔ اور کھولتا ہوا چشمہ ہی جس کو دوسری آیتوں میں مجیم فرمایا ہے اور اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ وہاں اس کا بھی چشمہ ہوگا، اور یہ فرمانا کہ اس کا طعام بحر ضریح کے اور نہ ہوگا اس کا مطلب یہ ہے کہ کوئی لذیذ کھانا نہیں ہوگا، ضریح ہی کی طرح زقوم یا غسلین کا اسکے کھانے میں شامل ہونا اسکے منافی نہیں، اور چہروں سے مراد اصحاب چہرہ ہیں یہ تو دوزخیوں کا حال ہوا، آگے اہل جنت کا حال ہے یعنی) بہت سے چہرے اُس روز بارونق (اور) اپنے نیک

کاموں کی بدولت خوش ہونگے اور بہشت برس میں ہونگے جن میں کوئی لغوبات نہ سنیں گے (اور) اس (بہشت) میں بہتے ہوئے چشمے ہونگے (اور) اس (بہشت) میں اُوپنے اُوپنے تخت (بچھے) ہیں اور رکھے ہوئے آنکھوں سے (موجود) ہیں (یعنی یہ سامان اسکے سامنے ہی موجود ہوگا تاکہ جب پانی کو جی چاہے دیر نہ لگے) اور برابر لگے ہوئے گدے (نیکے) ہیں اور سب طرف قالین (ہی قالین) پھیلے پڑے ہیں (کہ جہاں چاہیں آرام کر لیں، ایک جگہ سے دوسری جگہ جانا بھی نہ پڑے یہ تفصیل ہو گئی جزا کی اور ان مضامین کو سن کر جو بعض لوگ قیامت کا انکار کرتے ہیں جن میں یہ سب واقعات ہونگے تو اُن کی غلطی ہے کیونکہ) کیا وہ لوگ اونٹ کو نہیں دیکھتے کہ کس طرح (عجیب طور پر) پیدا کیا گیا ہے (کہ ہیئت اور خاست دونوں بہ نسبت دوسرے جانوروں کے اس میں عجیب ہیں) اور آسمان کو (نہیں دیکھتے) کہ کس طرح بلند کیا گیا ہے اور پہاڑوں کو (نہیں دیکھتے) کہ کس طرح کھڑے کئے گئے اور زمین کو (نہیں دیکھتے) کہ کس طرح بچھائی گئی ہے (یعنی ان چیزوں کو دیکھ کر قدرت الہیہ پر استدلال نہیں کرتے تاکہ اس کا باعث یعنی قیامت پر قادر ہونا سمجھ لیتے اور تخصیص ان چار چیزوں کی اُٹے ہر کہ عرب کے لوگ اکثر جنگلوں میں چلتے پھرتے رہتے تھے اس وقت انکے سامنے اونٹ ہوتے تھے اور اوپر آسمان

اور نیچے زمین اور اطراف میں پہاڑ اسلئے ان علامات میں غور کرتے کیلئے ارشاد فرمایا گیا اور جب یہ لوگ باوجود قیام دلائل کے غور نہیں کرتے تو آپ بھی ان کی فکر میں زیادہ نہ پڑیئے بلکہ صرف نصیحت کر دیا کیجئے (کیونکہ) آپ تو بس صرف نصیحت کرنوالے ہیں اور آپ ان پر تسلط نہیں ہیں (جو زیادہ فکر میں پڑیں) ہاں مگر جو روگردانی اور کفر کر گیا تو خدا اس کو (آخرت میں) بڑی سزا دیگی کیونکہ ہمارے ہی پاس اُن کا آنا ہوگا پھر ہمارا ہی کام اُن سے حساب لینا ہے (آپ زیادہ غم میں نہ پڑیئے۔)

معارف و مسائل

وَجُودٌ يَوْمَئِذٍ خَاشِعَةٌ عَامِلَةٌ نَّاصِبَةٌ قِيَامَتِمْ فِي دُفْرَتِمْ مَوْنِمْ وَكَافِرًا لِّكُلِّ جَائِغَةٍ
 اُنکے چہرے الگ الگ پہچانے جائیں گے۔ اس آیت میں کافروں کے چہروں کا ایک حال یہ بتلایا ہے کہ وہ خاشعہ ہونگے، خشوع کے معنی جھکنے اور ذلیل ہونے کے ہیں۔ نماز میں خشوع کا یہی مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سامنے جھکے اور ذلت و سستی کے آثار اپنے وجود پر طاری کرے جن لوگوں نے دنیا میں اللہ تعالیٰ کے سامنے خشوع و تذلل اختیار نہیں کیا اس کی سزا اُن کو قیامت میں یہ ملے گی کہ وہاں اُنکے چہروں پر ذلت اور رسوائی کے آثار نمایاں ہونگے۔

دوسرا اور تیسرا حال اُن کے چہروں کا یہ بیان فرمایا کہ عَامِلَةٌ، نَاصِبَةٌ ہونگے، عاملہ کے نفلی معنی عمل اور محنت کرنے والے کے ہیں۔ محاورات میں عامل اور عاملہ اُس شخص کے لئے بولا جاتا ہے جو مسلسل عمل اور محنت سے تھکا ماندہ چور ہو گیا ہو۔ اور ناصبہ نصب سے مشتق ہے اس کے معنی بھی تھکنے اور تعب و مشقت میں پڑ جانے کے ہیں۔ کفار و مجرمین کے یہ دو حال کہ عمل اور محنت سے تھکے در ماندہ ہونگے ظاہر یہ ہے کہ یہ حال اُن کی دنیا کا ہے کیونکہ آخرت میں تو کوئی عمل اور محنت نہیں، اسی لئے قرطبی وغیرہ مفسرین نے اسکا یہ مفہوم قرار دیا ہے کہ پہلا حال یعنی چہروں پر ذلت و رسوائی یہ تو آخرت میں ہو گا اور عاملہ۔ ناصبہ کے دونوں حال ان لوگوں کے دنیا ہی میں ہوتے ہیں کیونکہ بہت سے کفار و مجرمین شرکانہ عبادت اور باطل طریقوں میں مجاہدہ و ریاضت دنیا میں کرتے رہتے ہیں۔ ہندوؤں کے جوگی، نصاریٰ کے راہب بہت سے ایسے بھی ہیں جو اخلاص کے ساتھ اللہ تعالیٰ ہی کی رضا جوئی کے لئے دنیا میں عبادت و ریاضت کرتے ہیں اور اس میں محنت شاقہ برداشت کرتے ہیں مگر وہ عبادت شرکانہ اور باطل طریقہ پر ہونے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے نزدیک کوئی اجر و ثواب نہیں رکھتی تو ان لوگوں کے چہرے دنیا میں بھی عاملہ ناصبہ رہے اور آخرت میں ان پر ذلت و رسوائی کی سیاہی پھائی ہوگی حضرت حسن بصری ؓ نے روایت کیا ہے کہ حضرت فاروق اعظم ؓ جب ملک شام میں تشریف لے گئے تو ایک نصرانی راہب آپ کے پاس آیا جو بوڑھا تھا اور اپنے مذہب کی عبادت و ریاضت اور مجاہدہ و محنت میں لگا ہوا تھا۔ محنت سے اسکا چہرہ بگڑا ہوا، بدن خشک لباس خستہ و بدہیبت تھا، جب فاروق اعظم نے اس کو دیکھا تو آپ رو پڑے لوگوں نے رونے کا سبب پوچھا تو فاروق اعظم نے فرمایا کہ مجھے اس

بوڑھے کے حال پر رحم آیا کہ اس بیچارے نے ایک مقصد کے لئے بڑی محنت و جانفشانی کی مگر وہ اس مقصد یعنی رضائے الہی کو نہیں پاسکا اور اس پر حضرت عمرؓ نے یہ آیت تلاوت فرمائی **وَجُودًا بِرَبِّهِمْ** **خَاشِعَةً** **عَامِلَةً** **تَأْصِبَةً** (قرطبی)

تَأْصِبَةً حامیہ کے لفظی معنی گرم کے ہیں اور آگ کا گرم ہونا اُس کا طبعی حال ہے پھر اسکی صفت خاصہ بیان کرنا یہ بتلانے کے لئے ہے کہ اس آگ کی گرمی دنیا کی آگ کی طرح کسی وقت کم یا ختم ہونے والی نہیں بلکہ یہ حامیہ دائمی ہے۔

لَيْسَ لَهُمْ طَعَامٌ إِلَّا مِنْ صَرِيحٍ، یعنی اہل جہنم کو کھانے کے لئے صریح کے سوا کچھ نہ ملے گا۔ صریح دنیا میں ایک خاص قسم کی خاردار گھاس ہے جو زمین پر پھیلتی ہے کوئی جانور اُس کے پاس نہیں جاتا بدبودار زہریلی کانٹوں والی ہے (کذافسرہ عکرمہ و مجاہد - قرطبی)

جہنم میں گھاس درخت کیسے | یہاں یہ شبہ نہ کیا جائے کہ گھاس درخت تو آگ سے جل جانے والی چیزیں ہیں جہنم میں یہ کیسے رہیں گی کیونکہ جس خالق و مالک نے اُن کو دنیا میں پانی اور ہوا سے پالا ہے اسکو یہ بھی قدرت ہے کہ جہنم میں ان درختوں کی غذا آگ ہی بنا دے وہ اسی سے پھلیں پھولیں۔

ایک شبہ کا جواب | قرآن میں اہل جہنم کی غذا کے بارے میں مختلف چیزوں کا ذکر آیا ہے۔ یہاں صریح انکی غذا بتلائی ہے۔ دوسری جگہ **زقوم** اور تیسری جگہ **غسلین**، تو اس آیت میں جو حصر کیساتھ بیان کیا گیا کہ اہل جہنم کو کوئی غذا بجز صریح کے نہ دی جائے گی، یہ حصر بمقابلہ اُس غذا کے ہے جو کھانے کے لائق خوشگوار جزیر بدن بننے والی ہو اور صریح بطور مثال کے لایا گیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اہل جہنم کو کوئی کھانے کے لائق غذا نہیں ملے گی بلکہ صریح جیسی تکلیف دہ مضر چیزیں دی جائیں گی اسلئے صریح میں حصر مقصود نہیں بلکہ **زقوم** اور **غسلین** بھی صریح میں شامل ہیں اور قرطبی نے فرمایا کہ ہو سکتا ہے کہ جہنم کے مختلف درجات طبقات میں انکی مختلف غذائیں ہوں۔ کہیں صریح کہیں **زقوم** کہیں **غسلین**۔

لَا يُمْسِكُونَ وَلَا يُغْنِي عَنْهُمْ، آیت سابقہ میں جو اہل جہنم کی غذا صریح بتلائی گئی ہے بعض کفار مکہ نے جب یہ آیت سنی تو کہنے لگے کہ ہمارے اونٹ تو صریح کھا کر خوب فرہ ہو جاتے ہیں اُن کے جواب میں فرمایا کہ جہنم کے صریح کو دنیا کے صریح پر قیاس نہ کرو۔ وہاں کے صریح سے نہ فرہی پیدا ہوگی اور نہ بھوک سے نجات ملے گی۔

لَا تَسْمَعُ فِيْهَا لَا غِيَةَ، یعنی جنت میں کوئی ایسا کلام ایسی بات اہل جنت کے کانہیں نہ پڑے گی جو لغو و بیہودہ اور دلخراش ہو۔ اس میں کلمات کفریہ باطلہ بھی آگئے اور گالی گلوچ، افتراء و بہتان الزام لگانا اور ایسے سب کلام آگئے جن کو مستکر انسان کو ایذا پہنچتی ہے۔ دوسری جگہ قرآن کریم نے اسی کو اس طرح بیان فرمایا ہے کہ **لَا يَسْمَعُونَ فِيْهَا لَغْوًا وَلَا تَأْثِيْمًا**، یعنی اہل جنت جنت میں کوئی لغو بات یا الزام

لگانے کی بات نہ منیں گے۔ اسکے علاوہ بھی کئی جگہ یہ مضمون قرآن کریم میں مذکور ہے۔
اس سے معلوم ہوا کہ الزام تراشی اور بے نیکی بے ڈھنگی باتیں بڑی ایذا کی چیز ہے اسی لئے قرآن کریم نے جنت کے حالات میں اہتمام سے اس کو بیان فرمایا کہ اہل جنت کے کانوں میں کبھی کوئی ایسا کلمہ نہیں پڑیگا جس سے ان کا دل بڑا اور میلا ہو۔

بعض آداب معاشرت | قَائِلُكُمْ بِمَوْضُوْعَةٍ، اکواب، کوٹ کی جمع ہے، پانی پینے کے برتن کو کہا جاتا ہے جیسے آبجورے، گلاس وغیرہ اس کی صفت میں لفظ موضوعہ یعنی اپنی مقررہ جگہ پر پانی کے قریب رکھے ہوئے ہونگے۔ یہ فرما کر آداب معاشرت کے ایک اہم باب کی تلقین فرمائی گئی ہے کہ پانی پینے کے برتن پانی کے قریب مقررہ جگہ پر رہنے چاہئیں وہاں سے ادھر ادھر ہو جائیں اور پانی پینے کے وقت تلاش کرنا پڑے یہ ایذا تکلیف کی چیز ہے اس لئے ہر شخص کو اس کا اہتمام چاہیے کہ ایسی استعمالی چیزیں جو سب گھردالوں کے کام میں آتی ہیں جیسے نوٹے، گلاس، تولیہ وغیرہ ان کی جگہ مقرر رہنی چاہیے اور استعمال کرنے کے بعد اسکو وہیں رکھنا چاہیے تاکہ دوسروں کو تکلیف نہ پہنچے۔ یہ اشارہ لفظ موضوعہ سے اس لئے نکلا کہ حق تعالیٰ نے اہل جنت کی راحت و آسائش کے لئے اس کے ذکر کا اہتمام فرمایا کہ ان کے پانی پینے کے برتن پانی کے قریب رکھے ہوئے ملیں گے۔

أَفَلَا يَنْظُرُونَ إِلَىٰ الْإِبْرٰہِیْمَ کَیْفَ خَلَقْتُمُوْہُمْ، قیامت کے احوال اور اسمیں مومن و کافر کی جزا و سزا کا بیان فرمانے کے بعد ان جاہل معاندین کی ہدایت کی طرف توجہ فرمائی جو اپنی بے وقوفی سے قیامت کا انکار اس بنا پر کرتے ہیں کہ انھیں مرنے اور مٹی ہو جانے کے بعد دوبارہ زندہ ہونا بہت بعید بلکہ محال نظر آتا ہے ان کی ہدایت کے لئے حق جل شانہ نے اپنی قدرت کی چند نشانیوں میں غور کرنے کا ان آیتوں میں ارشاد فرمایا ہے اور اللہ کی قدرت کی نشانیاں تو آسمان و زمین میں بے شمار ہیں، یہاں ان میں سے ایسی چار چیزوں کا ذکر فرمایا جو عرب کے بادیہ نشین لوگوں کے مناسب حال ہیں کہ وہ اونٹوں پر سوار ہو کر بڑے بڑے سفر طے کرتے ہیں اس وقت ان کے سب سے زیادہ قریب اونٹ ہوتا ہے اور آسمان اور نیچے زمین اور دائیں بائیں اور آگے پیچھے پہاڑوں کا سلسلہ ہوتا ہے انھیں چاروں چیزوں میں ان کو غور کرنے کا حکم دیا گیا کہ دوسری آیات قدرت کو بھی چھوڑو انھیں چار چیزوں میں غور کرو تو حق تعالیٰ کی ہر چیز پر قدرت کاملہ کا مشاہدہ ہو جائے گا۔

اور جانوروں میں اونٹ کی کچھ ایسی خصوصیات بھی ہیں جو خاص طور سے غور کرنے والے کیلئے حق تعالیٰ کی حکمت و قدرت کا آئینہ بن سکتی ہیں۔ اول تو عرب میں سب سے زیادہ بڑا جانور اپنے ذیل ڈول کے اعتبار سے اونٹ ہی ہے، ہاتھی وہاں ہوتا نہیں دوسرے حق تعالیٰ نے اس عظیم الجثہ جانور کو ایسا بنا دیا کہ عرب کے بدو اور غریب مفلس آدمی بھی اس اتنے بڑے جانور کے پالنے رکھنے میں کوئی مشکل محسوس نہ کریں کیونکہ

اسکو چھوڑ دیجئے تو یہ اپنا پیٹ خود بھر لے گا اور بچے درختوں کے پتے توڑنے کی زحمت بھی آپ کو نہیں کرنا پڑتی یہ خود درختوں کی شاخیں کھا کر گزارہ کر لیتا ہے، ہاتھی اور دوسرے جانوروں کی سی اس کی خوراک نہیں جو بڑی گرل پڑتی ہے۔ عرب کے جنگلوں میں پانی ایک بہت ہی کمیاب چیز ہے، ہر جگہ ہر وقت نہیں ملتا۔ قدرت نے اسکے پیٹ میں ایک ریزرو بنی ایسی لگا دی ہے کہ سات آٹھ روز کا پانی پی کر یہ اُس بجلی میں محفوظ کر لیتا ہے، اور تدریجی رفتار سے وہ اس کی پانی کی ضرورت کو پورا کر دیتا ہے۔ اتنے اونچے جانور پر سوار ہونے کے لئے سیر بھی لگانا پڑتی مگر قدرت نے اسکے پاؤں کو تین تہ میں تقسیم کر دیا یعنی ہر پاؤں میں دو گھٹنے بنا دیئے کہ وہ طے کر کے بیٹھ جاتا ہے تو اُس پر چڑھنا اور اترنا آسان ہو جاتا ہے۔ محنت کش اتنا ہے کہ سب جانوروں سے زیادہ بوجھ اٹھا لیتا ہے۔ عرب کے میدانوں میں دن کا سفر دھوپ کی وجہ سے سخت مشکل ہے قدرت نے اس جانور کو رات بھر چلنے کا عادی بنا دیا ہے۔ مسکین طبع ایسا ہے کہ ایک لڑکی بچی اُس کی ٹھار پکڑ کر جہاں چاہے لیجائے اس کے علاوہ اور بہت سی خصوصیات ہیں جو انسان کو حق تعالیٰ کی قدرت و حکمت بالغہ کا سبق دیتی ہیں۔ آخر سورت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی کے لئے فرمایا کہ آپ کو ہم نے اس پر مسلط نہیں کیا کہ سب کو مومن ہی بنا دیں لَسْتُ عَلَيْهِمْ مُصَيِّطٍ بلکہ آپ کا کام تبلیغ کرنے اور نصیحت کرنے کا ہے وہ کہے آپ بے فکر ہو جائیں، ان کا حساب کتاب اور جزا و سزا سب ہمارا کام ہے۔

تَمَّتْ سُورَةُ الْغَاشِيَةِ بِحَمْدِ اللَّهِ لَيْلَةَ يَوْمِ الْاِثْنَيْنِ ۱۹ شَعْبَانَ ۱۴۱۸ھ

سُورَةُ الْفَجْرِ

سُورَةُ الْفَجْرِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ ثَلَاثُونَ آيَةً
سورة فجر مکہ میں نازل ہوئی اور اسکی تیس آیتیں ہیں

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بحد مہربان نہایت رحم والا ہے

وَالْفَجْرِ ۱ وَلَيَالٍ عَشْرٍ ۲ وَالشَّفْعِ وَالْوَتْرِ ۳ وَالْيَلِ إِذَا أَيْسَرُ ۴ هَلْ فِي

فجر ہے فجر کی اور دس راتوں کی اور جفت اور طاق کی اور اُس رات کی جب رات کو چلے ہے ان

ذَلِكَ قَسَمٌ لِّذِي حِجْرِ ۵ أَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِعَادٍ ۶ إِرْمَ ذَاتِ

چیزوں کی قسم پوری عقلمندوں کے واسطے تو نے نہ دیکھا کیسا کیا تیرے رب نے عاد کے ساتھ وہ جو ارم میں تھے

الْعِمَادِ ۷ الَّتِي لَمْ يُخْلَقْ مِثْلُهَا فِي الْبِلَادِ ۸ وَثَمُودَ الَّذِينَ جَابُوا

بڑے ستونوں والے کہ بنی نہیں ویسی سارے شہروں میں اور ثمود کے ساتھ جنہوں نے تراشا

الصَّخْرَ بِالْوَادِ ۹ وَفِرْعَوْنَ ذِي الْأَوْتَادِ ۱۰ الَّذِينَ طَعَوْا فِي

پتھروں کو وادی میں اور فرعون کے ساتھ وہ میخوں والا یہ سب تھے جنہوں نے سراٹھایا

الْبِلَادِ ۱۱ فَكَثُرُوا فِيهَا الْفَسَادَ ۱۲ فَصَبَّ عَلَيْهِمْ رَبُّكَ سَوْطَ

لٹکوں میں پھر بہت ڈالی ان میں خرابی پھر پھینکا ان پر تیرے رب نے کڑا

عَذَابٍ ۱۳ إِنَّ رَبَّكَ لَبَاسٌ مُّصَدِّ ۱۴ فَأَمَّا الْإِنْسَانُ إِذَا مَا ابْتَلَاهُ

عذاب کا بیشک تیرا رب لگا ہے گھات میں سو آدمی جو ہے جب جانچے اسکو رب

رَبُّهُ فَأَكْرَمَهُ وَنَعَّمَهُ ۱۵ فَيَقُولُ رَبِّي أَكْرَمَنِ ۱۶ وَأَمَّا إِذَا مَا

اسکا پھر اس کو عزت دے اور اسکو نعمت دے تو کہے میرے رب نے مجھ کو عزت دی اور وہ جو وقت اسکو

ابْتَلَاهُ فَقَدْ رَعَاهُ ۱۷ فَيَقُولُ رَبِّي أَهَانَنِ ۱۸ كَلَّا بَلْ

جانچے پھر کھینچ کرے اُس پر روزی کی تو کہے میرے رب نے مجھے ذلیل کیا کوئی نہیں پر تم

لَا تَكْرُمُونَ الْيَتِيمَ ۖ وَلَا تَحْضُونِ عَلَىٰ طَعَامِ الْمُسْكِينِ ۖ وَ
 عزت سے نہیں رکھتے یتیم کو اور تاکید نہیں کرتے آپس میں محتاج کے کھلانے کی اور
 تَأْكُلُونَ الثَّرَاثَ أَكْلًا لَّمًّا ۖ وَتُحِبُّونَ الْمَالَ حُبًّا جَمًّا ۖ كَلَّا
 کھا جاتے ہو مردے کا مال ہیٹ کر سارا اور پیار کرتے ہو مال کو جی بھر کر کوئی نہیں
 إِذَا دُكَّتِ الْأَرْضُ دَكًّا دَكًّا ۖ وَجَاءَ رَبُّكَ وَالْمَلَكُ صَفًّا صَفًّا ۖ
 جب پست کر دی جائے زمین کوٹ کوٹ کر اور آئے تیرا رب اور فرشتے آئیں قطار قطار
 وَجَاءَ يَوْمَئِذٍ بُجْهَتُمْ ۖ يَوْمَئِذٍ يَتَذَكَّرُ الْإِنْسَانُ وَأَنَّىٰ لَهُ الذِّكْرَىٰ ۖ
 اور لائی جائے اس دن دوزخ اس دن سوچے گا آدمی اور کہاں لے اسکو سوچنا
 يَقُولُ يَلَيْتَنِي قَدَّمْتُ لِحَيَاتِي ۖ فَيَوْمَئِذٍ لَا يُعَذِّبُ عَذَابُهُ أَحَدٌ ۖ
 کہے کیا اچھا ہوتا جو میں کچھ آگے بھیجتا اپنی زندگی میں پھر اس دن عذاب نہ دے اس کا سا کوئی
 وَلَا يُوثِقُ وَثَاقَهُ أَحَدٌ ۖ يَأْتِيهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ۖ أَرْجَىٰ
 اور نہ باندھ کر رکھے اسکا سا باندھنا کوئی اسے وہ جی جس نے چین پکڑ لیا پھر چل
 إِلَىٰ رَبِّكَ رَاضِيَةً مُّرْضِيَةً ۖ فَأَدْخِلْنِي فِي عَبْدِي ۖ وَأَدْخِلْنِي جَنَّتِي ۖ
 اپنے رب کی طرف تو اس سے راضی وہ تجھ سے راضی، پھر شامل ہو میرے بندوں میں اور داخل ہو میری بہشت میں

خلاصہ تفسیر

قسم ہے (فجر کے وقت) کی اور (ذی الحجہ کی) دس راتوں (یعنی دس تاریخوں) کی کہ وہ نہایت فضیلت والی ہیں کذا (فترنی الحدیث) اور جفت کی اور طاق کی (جفت کے مراد دسویں تاریخ ذی الحجہ کی اور طاق سے نویں تاریخ، کذا فی الحدیث، اور ایک حدیث میں ہے کہ اس سے نماز مراد ہے کہ کسی کی طاق رکعتیں ہیں کسی کی جفت، اور پہلی حدیث کو روایت بھی صحیح کہا گیا ہے، کذا فی الروح اور روایت بھی وہ ارجح ہے کیونکہ اس سورت میں جن چیزوں کی قسم کھائی گئی وہ سب زمانے اور اوقات کی قسم سے ہیں۔ درمیان میں شفع اور وتر بھی اوقات ہی کی قسم سے ہو تو تناسب واضح رہتا ہے۔ اور یہ تطبیق بھی ہو سکتی ہے کہ شفع و وتر سے مراد ہر وہ جفت اور طاق ہوں جو لا ینق تعظیم ہیں، اوقات و ایام بھی داخل ہیں اور عدد رکعات نماز بھی) اور (قسم ہے) را کی جب وہ چلنے لگے (یعنی گزرنے لگے، بقولہ تعالیٰ وَاتَّبِلْ إِذْ أَذْبَرُ۔ آگے بطور جملہ معترضہ کے تاکید کے لئے اس قسم کا عظیم ہونا بیان فرماتے ہیں کہ) کیا اس (قسم مذکور) میں عقلمند کے واسطے کافی قسم بھی ہے (یہ استفہام تقریر و تاکید کے لئے ہے یعنی ان مذکورہ قسموں میں ہر قسم تاکید کلام کے لئے کافی ہے اور گو سب قسمیں جو قرآن میں مذکور ہیں ایسی ہی ہیں مگر اہتمام کے لئے اسکے کافی ہونے کی تصریح فرمادی، لکھا مر فی قولہ تعالیٰ

فی سورة الواقعة وَاِنَّهٗ نَقَسَمٌ وَّعْدٌ لِّعٰلَمِیْنَ عظیم، اور جواب قسم مقدر ہے کہ منکروں کو ضرور سزا ہوگی کما فی الجلالین جس پر آئندہ کلام قرینہ ہے جس میں منکرین سابقین کی تعذیب کا ذکر ہے یعنی) کیا آپ کو معلوم نہیں کہ آپ کے پروردگار نے قوم عاد یعنی قوم ارم کے ساتھ کیا معاملہ کیا جن کے قد و قامت ستون (وعمود) جیسے (دراز) تھے (اور جن کی برابر (زرد و قوت میں دُنیا بھر کے) شہروں میں کوئی شخص نہیں پیدا کیا گیا) (اس قوم کے دو لقب ہیں، عاد اور ارم، کیونکہ عاد بیٹا ہے عاص کا اور وہ ارم کا اور وہ سام بن نوح کا پس بھی اُن کو باپ کے نام پر عاد کہتے ہیں اور بھی دادا کے نام پر ارم کہتے ہیں اور اس ارم کا ایک بیٹا عابر ہے اور عابر کا بیٹا ثمود جس کے نام سے ایک قوم مشہور ہے پس عاد اور ثمود دونوں ارم میں جا ملے ہیں۔ عاد بواسطہ عاص کے اور ثمود بواسطہ عابر کے اور یہاں ارم اس لئے بڑھا دیا کہ اس قوم عاد میں دو طبقے ہیں، ایک متقدمین جن کو عادِ ادلی کہتے ہیں دوسرے متاخرین جن کو عادِ اُخری کہتے ہیں پس ارم بڑھا دینے سے اشارہ ہو گیا کہ عادِ ادلی مراد ہے کیونکہ بوجہ قربت قلت و سائط کے ارم کا اطلاق عادِ ادلی پر ہوتا ہے (کذا فی الرّوح و ہذا لتحقیق عندی قاض علی ماسبق فی الاعراف و النجم و الشّرّ العلم) اور آگے عاد کے بعد دوسری ہلاک ہونے والی اُمّتوں کا بیان فرماتے ہیں کہ آپ کو معلوم ہے کہ) قوم ثمود کے ساتھ (کیا معاملہ کیا جو وادی القریٰ میں پہاڑ کے پتھروں کو تراشا کرتے تھے) اور مکانات بنایا کرتے تھے۔ وادی القریٰ اُنکے شہروں میں سے ایک شہر کا نام ہے جیسا ایک کا نام حجر ہے اور یہ سب حجاز اور شام کے درمیان میں ہیں اور سب میں ثمود رہتے تھے کذا فی بعض التفاسیر) اور میخوں والے فرعون کے ساتھ (درنثور میں ابن سعود و سعید بن جبیر و مجاہد و حسن و سدی سے اس کی تفسیر میں منقول ہے کہ وہ جس کو سزا دیتا اسکے چاروں ہاتھ پاؤں چار میخوں سے باندھ کر سزا دیتا، اور ایک تفسیر اس کی سورہ ص میں گزر چکی، آگے سب کی صفت مشترکہ فرماتے ہیں کہ) جنھوں نے شہروں میں سر اٹھا رکھا تھا، اور ان میں بہت فساد مچا رکھا تھا سو آپ کے رب نے ان پر عذاب کا کوڑا برسایا (یعنی عذاب نازل کیا پس عذاب کو کوڑے سے اور اسکے نازل کرنے کو برسانے سے تعبیر فرمایا، آگے اس عذاب کی علت اور موجودین کی عبرت کے لئے ارشاد ہے کہ) بیشک آپ کا رب انافرانوں کی نگہات میں ہے (جن میں سے مذکورین کو تو ہلاک کر دیا اور موجودین کو عذاب کرنے والا ہے) سو (اسکا مقصد یہ تھا کہ کفار موجودین عبرت پکڑتے اور اعمالِ موجبہ للعذاب سے بچتے لیکن کافر آدمی (کا یہ حال ہے کہ اعمالِ موجبہ للعذاب کو اختیار کرتا ہے جن سب کی اصل حبِ دُنیا ہے چنانچہ اس) کو جب اسکا پروردگار آزماتا ہے یعنی اس کو ظاہرِ نعام اکرام دیتا ہے (مثلاً مال و جاہ وغیرہ جس سے مقصود اُس کی شکر گزاری کا دیکھنا ہوتا ہے اور اسی وجہ سے اسکو آزمانے سے تعبیر فرمایا) تو وہ (اسکو اپنا حق لازم سمجھ کر خرد و غور سے) کہتا ہے کہ میرے رب نے میری قدر بڑھا دی (یعنی میں اسکا مقبول ہوں کہ مجھ کو ایسی ایسی نعمتیں دیں) اور جب اس کو دوسری طرح آزماتا ہے یعنی اس کی روزی اس پر تنگ کر دیتا ہے (جس سے مقصود اسکے صبر و رضا کا دیکھنا ہوتا ہے اور اسی وجہ سے اس کو آزمانے سے تعبیر

فرمایا) تو وہ شکایت کرتا ہے (کہتا ہے کہ میرے رب نے میری قدر گھٹا دی) (یعنی مجھ کو باوجود اتحقاق اکرام کے اپنی نظر سے آجکل گرا رکھا ہے کہ دنیوی نعمتیں کم ہو گئیں، مطلب یہ کہ کافر دنیا ہی کو مقصود بالذات سمجھتا ہے کہ اس کی فراخی کو دلیل مقبولیت اور اپنے کو اس کا مستحق اور تنگی کو دلیل مردودیت اور اپنے کو اس کا غیر مستحق سمجھتا ہے پس اس میں دو غلطیاں ہیں، ایک دُنیا کو مقصود بالذات سمجھنا جس سے آخرت کا انکار اور اس سے اعراض پیدا ہوتا ہے اور دوسرے دعوائے استحقاق جس سے نعمت پر فخر و غرور اور ناشکری اور مصیبت پر شکوہ اور بے صبری پیدا ہوتی ہے اور یہ سب اعمال سبب عذاب ہیں، آگے اس پر زجر و تنبیہ ہے کہ) ہرگز ایسا نہیں (یعنی نہ تو دُنیا مقصود بالذات ہے اور نہ اس کا ہونا نہ ہونا دلیل مقبولیت یا مخذولیت کی ہے اور نہ کوئی کسی اکرام کا مستحق ہے اور نہ کوئی صبر و شکر کے وجوب سے مستثنیٰ ہے آگے بصیغہ خطاب بطور التفات کے فرماتے ہیں کہ تم لوگوں میں صرف یہی اعمال سبب عذاب نہیں) بلکہ (تم میں اور اعمال بھی مذموم و نامرضی عند اللہ موجب عذاب ہیں چنانچہ) تم لوگ یتیم کی کچھ قدر (اور خاطر نہیں کرتے ہو) مطلب یہ کہ یتیم کی اہانت اور اس پر ظلم کرتے ہو کہ اس کا مال کھا جائے ہو) اور دوسروں کو بھی مسکین کو کھانا دینے کی ترغیب نہیں دیتے (یعنی دوسروں کے حقوق واجبہ نہ خود ادا کرتے ہو اور نہ اوروں کو حقوق واجبہ ادا کرنے کو کہتے ہو اور علماً اسکے تارک اور اعتقاداً اسکے منکر ہو اور کافر کے لئے ترک واجب زیادتی عذاب کا سبب ہوتا ہے اور اعتقاد کافساد یعنی کفر و شرک اصل عذاب کی بنیاد ہے اور (تم) میراث کا مال سارا سمیٹ کر کھا جاتے ہو (یعنی دوسروں کا حق بھی کھا جاتے ہو اور میراث تفصیل موجود گو مکہ مکرمہ میں مشروع نہ تھی مگر نفس میراث شرع ابراہیمی و اسماعیلی سے متوارث چلی آتی تھی چنانچہ جاہلیت میں بچوں اور لڑکیوں کو میراث کا مستحق نہ سمجھنا اس کی دلیل ہے کہ میراث کا حکم پہلے سے بھی تھا جس کا بیان سورہ نسا کے پہلے رکوع آیت لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا كَسَبُوا کے تحت میں گزر چکا ہے اور (تم لوگ) مال سے بہت ہی محبت رکھتے ہو (اور اعمال مذکورہ سبب اسی کی فرع ہیں کیونکہ حُب دُنیا سب خطیئات کی اصل ہے۔ غرض یہ سب اعمال تولیہ فعلیہ حالیہ موجب تعذیب ہیں۔ پس انسان کا یہ حال ہے کہ مضامین عبرت سن کر بجائے اسکے کہ عبرت پکڑتا ایسے اعمال اختیار کرتا ہے جو اور زیادہ موجب عذاب ہیں اس لئے اللہ تعالیٰ ان کو عذاب دینے والا ہے کما قال تعالیٰ اِنَّ رَبَّكَ لَبِا لِعُرْصَادٍ آگے ان لوگوں پر زجر و تنبیہ ہے جو ان افعال کو سبب عذاب نہیں سمجھتے) ہرگز ایسا نہیں (جیسا تم سمجھتے ہو کہ ان اعمال پر عذاب نہ ہوگا، ضرور ہوگا، آگے ہزار و سزا کا وقت بتاتے ہیں جس میں ان کو عذاب اور اہل طاعت کو اجر و ثواب ملیگا پس ارشاد ہے کہ) جبوقت زمین کے بلند اجزاء پہاڑ وغیرہ کو توڑ توڑ کر (اور) ریزہ ریزہ کر کے زمین کو برابر کر دیا جائیگا (کقولہ تعالیٰ لَا تَرَىٰ فِيْهَا جَبَلًا وَّ لَا اَمْتًا، سورہ طہ) اور آپ کا پروردگار اور جوق جوق فرشتے میدانِ محشر میں آویں گے (یہ حساب کے وقت ہوگا اور اللہ تعالیٰ کا آنا متشابہات میں سے ہے جس کی حقیقت کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا) اور اس روز جہنم کو لایا جائیگا (جیسا سورہ مدثر میں دَآ اَعْلَمُ

جَعَزَ دَرِّبَاقَ کے متعلق بیان ہو چکا ہے) اس روز انسان کو سمجھ آدے گی اور اب سمجھ آئیکا موقع کہاں رہا (یعنی اب سمجھ آنے سے کیا فائدہ ہو سکتا ہے کیونکہ وہ دارالجزا رہے دارالعمل نہیں۔ آگے سمجھ آئے بعد جو اسکا قول ہوگا اسکا بیان ہے کہ وہ) کہے گا کاش میں اس زندگی (آخری) کے لئے کوئی (یک) عمل آگے بھیج لیتا پس اس روز نہ تو خدا کے عذاب کی برابر کوئی عذاب دینے والا نکلے گا اور نہ اس کے جکڑنے کے برابر کوئی جکڑنے والا نکلے گا (یعنی یہی سخت سزا اور قید کر گیا کہ دنیا میں کبھی کسی نے کسی کو نہ اتنی سخت سزا دی ہوگی نہ ایسی سخت قید کی ہوگی یہ سزا تو ان لوگوں کی ہوگی جو اعمال عذاب کے مرتکب ہوئے، اور جو اللہ کے فرمانبردار تھے ان کو ارشاد ہوگا کہ) اے اطمینان والی روح (یعنی جس کو امر حق میں یقین و اذعان تھا اور کسی طرح کا شک و انکار تھا اور تعبیر روح سے باعتبار جزا اشرف کے ہے) تو اپنے پروردگار (کے جوار رحمت کی طرف چل اس طرح سے کہ تو اس سے خوش اور وہ تجھ سے خوش، پھر ادھر چل کر) تیرے (خاص) بندوں میں شامل ہو جا (یہ بھی نعمت روحانی ہے کہ اس کے لئے احباب سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں) اور میری جنت میں داخل ہو جا (لفظ مطمئنہ میں ان لوگوں کے اعمال کی طرف اشارہ ہو گیا اور اعمال حسنہ کی طرف اشارہ اور اعمال عذاب کی تفصیل بیان فرمانا شاید اس لئے ہے کہ زیادہ مقصود یہاں اہل مکہ کو سنانا ہے اور اس وقت وہاں ایسے اعمال کے مرتکب زیادہ تھے)

معارف و مسائل

اس سورت میں پانچ چیزوں کی قسم کھا کر اس مضمون کی تاکید کی گئی ہے جو آگے آج رَبِّكَ لَیْسَ الْغُرْصَادُ میں بیان ہوا ہے یعنی اس دنیا میں تم جو کچھ کر رہے ہو اس پر جزا و سزا ہونا لازمی اور یقینی ہے تمہارا رب تمہارے سب اعمال کی نگرانی میں ہے خواہ اسی جملے آج رَبِّكَ لَیْسَ الْغُرْصَادُ کو جواب قسم کہا جائے یا محذوف قرار دیا جائے۔ وہ پانچ چیزیں جن کی قسم کھائی ہے ان میں پہلی چیز فجر یعنی صبح صادق کا وقت ہے۔ ہو سکتا ہے کہ مراد ہر روز کی صبح ہو کہ وہ عالم میں ایک انقلاب عظیم لاتی ہے اور حق تعالیٰ شانہ کی قدرت کاملہ کی طرف رہنمائی کرتی ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ الفجر کے الف لام کو عہد کا قرار دیکر اس سے کسی خاص دن کی فجر مراد ہو مفسرین صحابہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ حضرت ابن عباسؓ ابن زبیرؓ سے پہلے معنی عام وقت فجر کسی روز کا ہو منقول ہے اور حضرت ابن عباسؓ رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں اس سے مراد ماہ محرم کی پہلی تاریخ کی فجر ہے جو اسلامی قمری سال کا آغاز ہے۔ حضرت قتادہ نے بھی یہی تفسیر کی ہے۔

اور بعض حضرات مفسرین نے ذی الحجہ کی دسویں تاریخ یعنی یوم النحر کی صبح اس کی مراد قرار دی ہے۔ مجاہد و عکرمہ کا یہی قول ہے اور حضرت ابن عباسؓ رضی اللہ عنہ سے بھی ایک روایت میں یہ قول منقول ہے وجہ اس یوم النحر کی تخصیص کی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر دن کے لئے ایک رات ساتھ لگائی ہے جو اسلامی اصول کے مطابق دن سے پہلے ہوتی ہے صرف یوم النحر ایسا دن ہے کہ اس کے ساتھ کوئی رات نہیں کیونکہ یوم النحر سے

پہلے جو رات ہے وہ یوم النحر کی نہیں بلکہ شرعاً عرفہ ہی کی رات قرار دی گئی ہے یہی وجہ ہے کہ اگر کوئی حج کرنے والا عرفہ کے دن میدان عرفات میں نہ پہنچ سکا رات کو صبح صادق سے پہلے کسی وقت بھی عرفات میں پہنچ گیا تو اس کا وقوف معتبر اور حج صحیح ہو جاتا ہے اس سے معلوم ہوا کہ روز عرفہ کی دو راتیں ہیں ایک اس سے پہلے دوسری اسکے بعد اور یوم النحر کی کوئی رات نہیں، اس لحاظ سے صبح یوم النحر تمام ایام دنیا میں ایک خاص شان رکھتی ہے (قطبی)

دوسری چیز جس کی قسم ہے وہ لیالیٰ عشر یعنی دس راتیں، حضرت ابن عباسؓ، قتادہ، مجاہد، سدی، ضحاک، کلبی، ائمہ تفسیر کے نزدیک ذی الحجہ کی ابتدائی دس راتیں مراد ہیں کیونکہ حدیث میں ان کی بڑی فضیلت آئی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عبادت کرنے کے لئے اللہ کے نزدیک سب دنوں میں عشرہ ذی الحجہ سب سے افضل ہے اسکے ہر دن کا روزہ ایک سال کے روزوں کی برابر اور اس میں ہر رات کی عبادت شب قدر کی برابر ہے (رواہ الترمذی وابن ماجہ بنہ ضعیف عن ابی ہریرہؓ منظری) اور ابو الزبیر نے حضرت جابرؓ سے روایت کیا ہے کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وَالْفَجْرِ وَلِیَالِیِ الْعَشْرِ کی تفسیر میں فرمایا کہ اس سے مراد عشرہ ذی الحجہ ہے۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ یہ دس راتیں وہ ہی ہیں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصے میں آئی ہیں وَأَتَمَّمْنَا بَعْثًا۔ کیونکہ یہی دس راتیں سال کے ایام میں افضل ہیں۔ امام قرطبی نے فرمایا کہ حضرت جابرؓ کی حدیث مذکور سے افضل ایام ہونا عشرہ ذی الحجہ کا معلوم ہوا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لئے بھی یہی دس راتیں ذی الحجہ کی مقرر کیں گئیں تھیں وَالشَّفْعِ وَالْوَتْرِ، شفع کے لغوی معنی جوڑ کے ہیں جس کو اردو میں جفت کہتے ہیں اور وتر کے معنی طاق اور فرد کے ہیں۔ قرآن کریم کے الفاظ میں یہ متعین نہیں کہ اس جفت اور طاق سے کیا مراد ہے اس لئے ائمہ تفسیر کے اقوال اس میں بے شمار ہیں مگر خود حدیث مرفوعہ جو ابو الزبیر نے حضرت جابرؓ سے روایت کی ہے اسکے الفاظ یہ ہیں

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے الفجر و لیالیٰ عشر کے متعلق فرمایا کہ فجر سے مراد صبح اور عشر سے مراد عشرہ نحر ہے (اور یہ عشرہ ذی الحجہ کا پہلا ہی عشرہ ہو سکتا ہے جس میں یوم نحر شامل ہے) اور فرمایا کہ وتر سے مراد روز عرفہ اور شفع سے مراد یوم النحر (دسویں ذی الحجہ) ہے

(وَالْفَجْرِ وَلِیَالِیِ الْعَشْرِ) هو الشفع و عشر النحر والوتر یوم عرفہ والشفع یوم النحر

قرطبی نے اس روایت کو نقل کر کے فرمایا کہ یہ اسناد کے اعتبار سے صحیح ہے بہ نسبت دوسری حدیث کے جو حضرت عمران بن حصینؓ کی روایت سے نقل ہوئی ہے جس میں شفع دو تر نماز کا ذکر ہے۔ اسی لئے حضرت ابن عباسؓ، عکرمہ، نخاسؓ نے اسی کو اختیار کیا ہے کہ شفع سے مراد یوم النحر اور وتر سے مراد یوم عرفہ ہے۔ اور بعض ائمہ تفسیر ابن سیرین، مسروق، ابوصالح، قتادہ نے فرمایا کہ شفع سے مراد تمام مخلوقات ہیں

کیونکہ اللہ تعالیٰ نے سب مخلوقات کو جوڑ جوڑ جفت پیدا کیا ہے اور ارشاد فرمایا ہے **وَمِنْ كُلِّ شَيْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ**، یعنی ہم نے ہر چیز کا جوڑا پیدا کیا ہے۔ کفر و ایمان، شقاوت و سعادت، نور و ظلمت، نسل و نسل، سردی گرمی، آسمان و زمین، جن و انس، مرد و عورت، اور ان سب کے بالمقابل و تودہ صرف اللہ جل شانہ کی ذات ہے **هُوَ اللَّهُ الْوَاحِدُ الْقَهْمُ الْوَلِيُّ** اِذَا يَشَاءُ، یسے ہر ساری سے مشتق ہے جس کے معنی رات کو چلنے کے ہیں۔ یہاں خود رات کو کہا گیا کہ جب وہ چلنے لگے یعنی ختم ہونے لگے۔ یہ پانچ قسمیں ذکر فرمانے کے بعد حق تعالیٰ نے غفلت شمار انسان کو ایک خاص انداز میں سوچنے سمجھنے کی دعوت دینے کے لئے فرمایا **هَلْ فِي ذَلِكَ تَسْمَعُ** اِنِّیْ حَجِیْرٌ، حجر کے لفظی معنی روکنے کے ہیں انسان کی عقل اُس کو بُرائی اور مضرت رساں چیزوں سے روکنے والی ہے اسلئے حجر بمعنی عقل بھی استعمال ہوتا ہے یہاں یہی معنی مراد ہیں۔ معنی آیت کے یہ ہیں کہ کیا عقل والے آدمی کے لئے یہ قسمیں بھی کافی ہیں یا نہیں۔ یہ صورت تو استفہام کی ہے مگر درحقیقت انسان کو غفلت سے بیدار کرنے کی ایک تدبیر ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عظمت شان پر اور اسکے قسم کھا کر ایک بات کو بیان کرنے پر اور خود ان چیزوں کی غفلت پر جن کی قسم کھائی گئی ہے ذرا سا غور کرو تو جس چیز کے لئے یہ قسم کھائی گئی اس کا یقینی ہونا ثابت ہو جائے گا اور وہ چیز یہی ہے کہ انسان کے ہر عمل کا آخرت میں حساب ہونا اور اُس پر جزا و سزا ہونا شک و شبہ سے بالاتر ہے۔ یہ جواب قسم اگرچہ صراحتہً مذکور نہیں مگر سابق کلام سے ثابت ہے اور آگے جو کفار پر عذاب آئیکہ بیان ہو رہا ہے وہ بھی اسی کا بیان ہے کہ کفر و معصیت کی سزا آخرت میں تو ملنا طے شدہ ہی ہے کبھی کبھی دنیا میں ایسے لوگوں پر عذاب بھیج دیا جاتا ہے۔ اس سلسلے میں تین قوموں کے عذاب کا ذکر فرمایا۔ اول قوم عاد، دوسرے ثمود، تیسرے قوم فرعون۔ عاد و ثمود دو قومیں جن کا سلسلہ نسب اور پر جا کر آدم میں ملتا ہے اس طرح نبط ارم عاد و ثمود دونوں کے لئے بولا جاسکتا ہے۔ یہاں صرف عاد کے ساتھ ارم کا ذکر کرنے کی وجہ خلاصہ تفسیر میں عاد و ثمود کے دونوں قوموں کے تحقیقی حالات کے ساتھ ذکر رکھی ہے۔

اِرْمَ ذَاتِ الْوَعْدِ، لفظ ارم عاد کا عطف بیان یا بدل ہے اور مقصود اس سے قبیلہ عاد کی دو قسموں میں سے ایک کی تعیین ہے یعنی عاد اولیٰ جو ان کے تقدیم میں ہیں ان کو عاد ارم کے لفظ سے اسلئے تعبیر کیا کہ یہ لوگ اپنے جدِ اعلیٰ ارم سے بہ نسبت عادِ آخریٰ کے قریب تر ہیں۔ ان کو اس جگہ قرآن کریم عاد ارم کے لفظ سے اور سورہ نجم میں **اَهْلَکَ عَادَ الْاُولٰٓئِیْنَ** کے عنوان سے تعبیر فرماتا ہے۔ ان کی صفت میں قرآن کریم نے **ذَاتِ الْوَعْدِ** فرمایا۔ عاد اور ثمود دونوں کو کہتے ہیں۔ قوم عاد کو ذاتِ العاد اسلئے کہا گیا کہ ان کے قد و قامت بڑے طویل تھے اور یہ قوم اپنے ذیل ڈول اور قوت و طاقت میں سب دوسری قوموں سے ممتاز تھی ان کے اس امتیاز کو خود قرآن کریم نے بڑے واضح الفاظ میں فرمایا **لَمْ یَجْنُکُنْ مِثْلَہَا فِی الْبِلَادِ**، یعنی ایسی طویل قامت قوی قوم دنیا میں اس سے پہلے پیدا نہیں کی گئی تھی۔ قرآن کریم نے ان کے طویل قامت اور ذیل ڈول کا دنیا کی ساری قوموں سے زیادہ ہونا تو واضح فرمادیا مگر ان کی کوئی بیماریاں ذکر کرنا ضرورت سے زائد کام تھا اس کو چھوڑ دیا۔ اسرائیلی روایات میں ان کے قد و قامت اور قوت کے

متعلق عجیب عجیب اقوال مذکور ہیں حضرت ابن عباسؓ اور مقاتلؓ سے اُن کی قمارت کا طول بارہ ہاتھ یعنی چھ گز یا ۱۸ فٹ منقول ہے اور ظاہر یہ ہے کہ اُن کا یہ قول بھی اسرائیلی روایات ہی سے ماخوذ ہے واللہ اعلم اور بعض حضرات مفسرین نے فرمایا کہ ارم اُس جنت کا نام ہے جو عاد کے بیٹے شداد نے بنائی تھی اور اُس کی صفت ذات العباد ہے کہ وہ ایک عظیم الشان عمارت بہت سے عمودوں پر قائم ہوئے چاندی اور جواہرات سے تعمیر کی تھی تاکہ لوگ آخرت کی جنت کے بدلے اس نقد جنت کو اختیار کر لیں مگر جب یہ عالیشان محلات تیار ہو گئے اور شداد نے اپنے رُوسائے مملکت کیساتھ اس میں جایکا ارادہ کیا تو اللہ تعالیٰ کا عذاب نازل ہوا یہ سب ہلاک ہو گئے اور وہ محلات بھی مسمار ہو گئے (قرطبی) اس اعتبار سے اس آیت میں قوم عاد کے ایک خاص عذاب کا ذکر ہوا جو..... شداد بن عاد اور اس کی بنائی ہوئی جنت پر نازل ہوا اور پہلی تفسیر جس کو جمہور مفسرین نے اختیار کیا ہے اس میں قوم عاد پر جتنے عذاب آئے ہیں ان سب کا بیان ہے۔

وَفِرْعَوْنَ ذِي الْأَوْتَادِ، اوتاد، وُتْدٌ کی جمع ہے سیخ کو کہتے ہیں۔ فرعون کو ذی الاوتاد کہنے کی مختلف وجہ حضرات مفسرین نے بیان فرمائی ہیں، مشہور جمہور مفسرین کے نزدیک وہی ہے جو خلاصہ تفسیر میں اُدیر آچکی ہے کہ اس لفظ میں اُسکے ظلم و جور اور وحشیانہ سزاؤں کا ذکر ہے وہ جس پر خفا ہوتا اس کے ہاتھ پاؤں چار سینگوں میں باندھ کر یا خود انہیں میخیں گاڑ کر اس کو دھوپ میں لٹا دیتا اور اس پر سانپ بچھو چھوڑ دیتا تھا۔ اور بعض مفسرین نے اس کی اپنی بیوی حضرت آسیہ کے متعلق ایک طویل قصہ اُنکے مومن ہونے اور پھر فرعون کے سامنے اظہار ایمان کر نیکا اور پھر فرعون کی اسی قسم کی سزا کے ذریعہ ہلاک کر نیکا ذکر کیا ہے (منظہری)

فَصَبَّ عَلَيْهِمْ رَبُّكَ سَوْطَ عَذَابٍ، قوم عاد و ثمود اور قوم فرعون کے شر و فساد کا تذکرہ فرماتے ہوئے جو عذاب اُن پر نازل ہوا اُس کو عذاب کا کوڑا برسانے کے عنوان سے تعبیر کیا ہے اس میں اشارہ اس طرف ہے کہ جس طرح کوڑا مختلف اطراف بدن پر پڑتا ہے ان پر بھی مختلف قسم کے عذاب نازل کئے گئے۔

إِنَّ رَبَّكَ لَبَاسٌ مُّسْتَدِيرٌ، مِرْصَادٌ اور مِرْصَدٌ رصد گاہ اور انتظار گاہ کو کہا جاتا ہے جو کسی مقام بلند پر ہو جہاں بیٹھ کر کوئی شخص دُور دُور تک کے لوگوں کو دیکھ سکے اور انکے افعال و اعمال کی نگرانی کر سکے مطلب آیت کا یہ ہے کہ حق تعالیٰ ہر انسان کے تمام اعمال اور حرکات و سکنات کو دیکھ رہا ہے اور سب کو اُن کی جزا و سزا دینے والا ہے۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہ جملہ ہی ان قسموں کا جواب ہے جو وَالْفَجْرِ وَكَيْالٍ عَشْمٍ میں مذکور ہوئی ہیں۔

دُنْیَا میں رزق کی فراخی اور تنگی اللہ کے قَامًا إِلَّا لِنَاسٍ الْآیَةِ، یہاں انسان سے مراد اصل میں تو کافر انسان ہے نزدیک مقبول یا مردود ہو کی علامت نہیں جو اللہ تعالیٰ کے متعلق جو چاہے خیال باندھ لے مگر مفہوم عام کے اعتبار سے وہ مسلمان بھی اس خطاب میں شریک ہے جو اس جیسے خیال میں مبتلا ہو اور وہ خیال یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی کو اپنے رزق میں وسعت اور مال و دولت صحت و سندرستی سے نوازے تو شیطان اس کو دو باطل خیالات میں مبتلا کرتا ہے اول یہ کہ وہ سمجھنے لگتا ہے کہ یہ میری ذاتی صلاحیت اور عقل و فہم اور سعی و عمل کا لازمی نتیجہ ہے جو

مجھے ملنا ہی چاہیے میں اسکا مستحق ہوں دوسرے یہ کہ ان چیزوں کے حاصل ہونے سے یہ قرار دے کہ میں اللہ کے نزدیک بھی مقبول ہوں اگر مردود ہوتا تو وہ مجھے یہ نعمتیں کیوں دیتا۔ اسی طرح جب کسی انسان پر رزق میں تنگی اور فقر و فاقہ آوے تو اسکو اللہ کے نزدیک مردود ہونے کی دلیل سمجھے اور اُس پر اسلئے خفا ہو کہ میں تو مستحق انعام و اکرام کا تھا مجھے بے وجہ ذلیل و حقیر کر دیا، ایسے خیالات کفار و مشرکین میں تو ہوتے ہی تھے اور قرآن کریم میں کئی جگہ کفار کے ان خیالات کا اظہار مذکور بھی ہے افسوس ہے کہ آج کل بہت سے مسلمان بھی اس گمراہی میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ حق تعالیٰ نے ان آیات میں ایسے انسانوں کا حال ذکر کر کے فرمایا کَلَّا یعنی تمہارا یہ خیال بالکل باطل ہے بنیاد ہے نہ دنیا میں وسعت رزق نیک اور مقبول عند اللہ ہونے کی علامت ہے اور نہ تنگی رزق اور فقر و فاقہ اللہ کے نزدیک مردود یا ذلیل ہونے کی علامت ہے بلکہ اکثر معاملہ برعکس ہوتا ہے۔ فرعون کو دعوائے خدائی کے ساتھ کبھی در دسربھی نہ ہوا اور بعض پیغمبروں کو دشمنوں نے آڑے سے چیر کر دوڑ کر طے کر دیئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حضرات مہاجرین میں سے جو فقیر و مفلس تھے وہ اغنیاء مہاجرین سے چالیس سال پہلے جنت میں داخل ہو گئے (رواہ مسلم عن عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما) اور ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ جس بندہ سے محبت فرماتے ہیں اسکو دنیا سے ایسا پرہیز کراتے ہیں جیسے تم لوگ اپنے بیمار کو پانی سے پرہیز کراتے ہو (رواہ احمد و الترمذی عن قتادة بن النعمان - منطہری)

یتیم پر صرف خرچ کرنا کافی نہیں | اس کے بعد کفار کو ان کی چند بُری خصلتوں پر تنبیہ ہے اَوَّلَ لَا تَكْرُمُونَ اُس کا احترام بھی ضروری ہے | اَلْبَيْتِیْہِ یعنی تم یتیم بچے کا اکرام نہیں کرتے اس میں اصل بتلانا تو یہ ہے کہ یتیم کے حقوق ادا نہیں کرتے اس پر ضروری خرچ نہیں کرتے لیکن اس کی تعبیر اکرام کے عنوان سے کی گئی جس میں اشارہ ہے کہ عقل و انسانیت کا اور اللہ نے جو مال تمہیں دیا ہے اس کے شکر کا تقاضا تو یہ ہے کہ تم یتیم کو فقط یہی نہیں کہ اسکا حق دوا اور اس پر خرچ کرو بلکہ واجب ہے کہ اسکا اکرام بھی کرو اپنے بچوں کے مقابلے میں اُس کو ذلیل و حقیر نہ جانو۔ یہ بظاہر کفار کے اس قول کا جواب ہے کہ دنیا کی فراخی کو اکرام اور تنگی کو اہانت سمجھا کرتے تھے اس پر حرفِ بَلّٰی کے ساتھ یہ ذکر فرمایا کہ اگر تمہیں کبھی تنگی رزق پیش آتی ہے تو وہ اسوجہ سے کہ تم ایسی بُری عادتوں میں پھنسے ہوئے ہو کہ یتیم جیسے قابلِ رحم بچوں کے حقوق بھی ادا نہیں کرتے۔ دوسری بُری خصلت اُن کی یہ بتلائی وَ لَا تَحْكُمُوْنَ عَلٰی طَعَامِ الْمَسْكِیْنِ یعنی تم خود تو کسی مسکین غریب کو کیا دیتے دوسروں کو بھی اُنکی ترغیب نہیں دیتے کہ وہ بھی یہ کام کریں۔ اس عنوان میں بھی ان کفار کی بُری عادت اور مذمت کے بیان کیے ساتھ اس طرف اشارہ ہے کہ غریب و مساکین کا حق جیسے اغنیاء اور مالداروں پر ہے کہ اُن کو اپنے پاس سے دیں اس طرح جو لوگ خود دینے کی قدرت نہیں رکھتے اُنکو بھی اتنا تو کرنا چاہیے کہ دوسروں ہی کو اسکے لئے ترغیب دیں۔

تیسری بُری خصلت یہ بیان فرمائی وَ تَاْكُلُوْنَ الْاَثْرَآءَ اَكْلًا كَثٰرًا، لہٰذا کے معنی جمع کر نیكے ہیں، مطلب یہ ہے کہ تم میراث کا مال حلال و حرام سب کو جمع کر کے کھا جاتے ہو اپنے حصّے کے ساتھ دوسروں کا حصّہ

بھی غصب کر لیتے ہو۔ یہاں خصوصیت سے میراث کے مال کا ذکر کیا گیا حالانکہ ہر ایک مال جس میں حلال و حرام کو جمع کیا گیا ہو ناجائز ہی ہے۔ وجہ خصوصیت کی شاید یہ ہو کہ میراث کے مال پر زیادہ نظر رکھنا اور اُسکے دے پے ہونا بڑی کم ہمتی اور کم حوصلہ ہونے کی دلیل ہے کہ مرد اور خور جانوروں کی طرح ٹھکے رہیں کہ کب ہمارا مورث مرے اور کب ہیں یہ مال تقسیم کرنے کا موقع ہاتھ آئے۔ اولوالعزم اور باہمت لوگ اپنی کمائی پر خوش ہوتے ہیں۔ مردوں کے مال پر ایسی مریضانہ نظر نہیں ڈالتے۔

چوتھی بڑی خصلت یہ بتلائی وَتُحِبُّونَ الْمَالَ حُبًّا جَمًّا، جم کے معنی کثیر کے ہیں مطلب ہے کہ تم مال کی محبت بہت کرتے ہو، بہت کے لفظ سے اس طرف اشارہ ہو گیا کہ مال کی ایک درجہ میں محبت تو انسان کا فطری تقاضا ہے وہ سبب مذمت نہیں بلکہ اس کی محبت میں حد سے بڑھنا اور انہماک کرنا یہ سبب مذمت ہے۔ کفار کی ان بڑی خصلتوں کے بیان کے بعد پھر صل مضمون کی طرف عود کیا گیا جو شروع سورت میں پانچ قسموں کیساتھ منوکہ کیا گیا ہے یعنی آخرت کی جزا و سزا۔ اس سلسلہ میں اول قیامت کے آئینہ کا ذکر فرمایا۔

اِذَا دُكِّتِ الزَّالِقَةُ دُكًّا دُكًّا، لفظ دکت کے لفظی معنی کسی چیز کو ضرب مار کر توڑنے کے ہیں مراد قیامت کا زلزلہ ہے جو پہاڑوں کو باہم ٹکرا کر ریزہ ریزہ کر دے گا اور دُكَّا دُكَّا کو ٹکرا کر لانیسے اس طرف اشارہ ہے کہ قیامت کا زلزلہ یکے بعد دیگر سلسل رہے گا۔

وَجَاءَ رَبُّكَ وَالْمَلَكُ صَفًّا صَفًّا، یعنی آئے گا آپ کا رب اور فرشتے صف بصف مراد میدانِ حشر میں آنا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے آنے کی کیا شان ہوگی اس کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا، یہ متشابہات میں سے ہے اور فرشتوں کا صف بصف آنا ظاہر ہے وَجَاءَ يَوْمَئِذٍ يُجْعَلُونَ، یعنی لایا جائیگا اس روز جہنم کو۔ جہنم کو لائے جانے کا کیا مطلب ہے اور کس طرح میدانِ حشر میں لائی جائے گی اس کی حقیقت تو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے ظاہر یہ ہے کہ جہنم جو آبِ ساوین زمین کی تہ میں ہے اس وقت وہ بھڑک اٹھے گی اور سمندر سب آگ ہو کر اُس میں شامل ہو جائیں گے اس طرح جہنم عرصہ حشر میں سب کے سامنے آجائے گی۔

يَوْمَئِذٍ يَتَذَكَّرُ الْإِنْسَانُ وَأَنَّى لَهُ الذِّكْرَى، اس جگہ تذکر سے مراد سمجھ میں آ جانا ہے یعنی کافر کو اُس روز سمجھ آئے گی کہ مجھے دُنیا میں کیا کرنا چاہئے تھا اور میں نے کیا کیا مگر اس وقت یہ سمجھ میں آنا بے سود ہوگا کہ عمل اور اصلاحِ حال کا زمانہ گزر چکا آخرت دارِ العمل نہیں دارِ الجزاء ہے آگے اس تذکرے کا بیان ہے کہ وہ تمنا کرے گا کہ کاش میں دُنیا میں کچھ نیک عمل کر لیتا۔ يَلْبِثُنِي قَدْ مَاتُ لِحَيَاتِي، پھر اس تمنا کا باطل اور غیر مفید ہونا بتلایا کہ اب جبکہ کفر و شرک کی سزا سامنے آگئی اب اس تمنا سے کچھ فائدہ نہیں اب تو عذاب اور پکڑ کا وقت ہے اور اللہ تعالیٰ کی پکڑ کی برابر کوئی پکڑ نہیں ہو سکتی۔ کفار کے عذاب بیان کرنے کے بعد آخر میں مومن کا ثواب اور ان کا جنت میں داخل کیا جانا ذکر فرمایا ہے۔

يَا أَيُّهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ اِیْہَا مَوْسَىٰ رُوحِ کَوْفِی مَطْمَئِنَّہ کے لقب سے خطاب کیا گیا ہے۔ مَطْمَئِنَّہ

کے لفظی معنی ساکنہ کے ہیں۔ مراد وہ نفس ہے جو اللہ تعالیٰ کے ذکر اور اسکی اطاعت سے سکون و قرار پاتا ہے اسکے ترک سے بے چینی محسوس کرتا ہے اور یہ ذہنی نفس ہو سکتا ہے جو ریاضات و مجاہدات کر کے اپنی بُری عادات اور اخلاقِ رذیلہ کو دور کر چکا ہو۔ اطاعت حق اور ذکر اللہ اسکا مزاج اور شریعت اسکی طبیعت بن جاتی ہے اس کو خطاب کر کے فرمایا گیا اَلْحَيُّ اِلٰی رَبِّكَ یعنی ٹوٹ جاؤ اپنے رب کی طرف، ٹوٹنے کے لفظ سے معلوم ہوتا ہے کہ اسکا پہلا مقام بھی رب کے پاس تھا اب وہیں واپس جائیگا حکم ہو رہا ہے، اس سے اُس روایت کی تقویت ہوتی ہے جس میں یہ ہے کہ مومنین کی ارواح انکے اعمال ناموں کے ساتھ علیین میں رہیں گی اور علیین ساتویں آسمان پر عرشِ رحمن کے سایہ میں کوئی مقام ہر گز اراج انسان کا ملی ستقر وہی ہے وہیں سے روح لاکر انسان کے جسم میں ڈالی جاتی ہے اور پھر موت کے بعد وہیں واپس جاتی ہے رَاضِيَةً مَرْضِيَّةً، یعنی یہ نفس اللہ تعالیٰ سے اسکے تکوینی اور تشریعی احکام پر راضی ہے اور اللہ تعالیٰ بھی اس سے راضی ہے کیونکہ بندہ کا اللہ تعالیٰ کے تقدیری احکام پر راضی ہونا ہی اس کی علامت ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سے راضی ہے، اگر اللہ تعالیٰ اس سے راضی نہ ہوتا تو اسکو رضا بالقضاء کی توفیق ہی نہ ہوتی۔ یہ نفس اپنی موت کے وقت موت پر بھی راضی اور خوش ہوتا ہے۔ حضرت عبادہ ابن صامت رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے مَنْ احبَّ لِقَاءَ اللَّهِ احبَّ لِقَاءَهُ وَمَنْ كَوَّهَ لِقَاءَ اللَّهِ كَوَّهَ اللَّهُ لِقَاءَهُ، یعنی جو شخص اللہ تعالیٰ سے ملنے کو پسند کرتا ہے اللہ تعالیٰ بھی اُس سے ملنے کو پسند کرتا ہے اور جو اللہ تعالیٰ کی ملاقات کو ناپسند کرتا ہے اللہ بھی اُس سے ملنے کو ناپسند کرتا ہے یہ حدیث سن کر حضرت صدیقہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ اللہ سے ملنا تو موت ہی کے ذریعہ ہو سکتا ہے، لیکن موت تو ہمیں یا کسی کو بھی پسند نہیں آپ نے فرمایا یہ بات نہیں، حقیقت یہ ہے کہ مومن کو موت کے وقت فرشتوں کے ذریعہ اللہ کی رضا اور جنت کی بشارت دی جاتی ہے جس کو سن کر اسکو موت زیادہ محبوب ہو جاتی ہے۔ اسی طرح کافر کو موت کے وقت عذاب اور سزا سامنے کر دی جاتی ہے اسلئے اسکو اُس وقت موت سے بڑھ کر کوئی چیز بُری اور مکروہ معلوم نہیں ہوتی (رواہ ابن ماجہ و سلم و ترمذی) خلاصہ یہ ہے کہ موت کی محبت یا کراہت اسوقت کی معتبر نہیں بلکہ نزعِ روح کے وقت جو مرنے اور اللہ سے ملنے پر راضی ہو اللہ بھی اس سے راضی یہی مفہوم ہے راضیۃ مرضیۃ کا۔

قَادُ خُلِّيٰ فِي عِلْدِيٍّ وَاَدْخُلِيَّ جَنَّتِي، نفس مطمئنہ کو مخاطب کر کے یہ حکم ہو گا کہ میرے خاص بندوں میں شامل ہو جا اور میری جنت میں داخل ہو جا۔ اس میں پہلے اللہ کے صالح اور مخلص بندوں میں شامل ہونیکا حکم ہے پھر جنت میں داخل ہونیکا، اس میں اشارہ پایا جاتا ہے کہ جنت میں داخل ہونا اس پر موقوف ہے کہ پہلے اللہ کے صالح مخلص بندوں کے زمرہ میں شامل ہو ان سب کے ساتھ ہی جنت میں داخل ہو گا۔ اس سے معلوم ہوا کہ جو دنیا میں صالحین کی صحبت و معیت اختیار کرتا ہے یہ علامت اس کی ہے کہ یہ بھی انکے ساتھ جنت میں جائے گا اسی لئے حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنی دعا میں فرمایا وَاَدْخُلْنِي رَوْحَتِكَ فِي عِبَادِكَ الصَّالِحِينَ اور حضرت یوسف علیہ السلام نے دعا میں فرمایا وَاَدْخُلْنِي بِالصَّالِحِينَ، معلوم ہوا کہ صحبتِ صالحین نعمتِ باری ہے

کہ انبیاء علیہم السلام بھی اس کی دُعا سے مستغنی نہیں۔

وَاَذْكُرْ جَنَّاتٍ، اسیں جنت کو اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف منسوب کر کے میری جنت فرمایا جو بڑا اعزاز و اکرام ہے اور اسیں اشارہ پایا جاتا ہے کہ جنت میں صرف یہی نہیں کہ ہر طرح کی راحتیں جمع ہیں اور دائمی ہیں بلکہ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی رضا کا مقام ہے۔

آیات مذکورہ میں مؤمنین کی جزا و ثواب کو اس طرح ذکر کیا گیا کہ اُن کی ارجح کو حق تعالیٰ کی طرف سے بواسطہ ملائک اعزاز و اکرام کے ساتھ خطاب کیا جائے گا جو ان آیات میں مذکور ہے۔ یہ خطاب کس وقت ہوگا اسیں بعض ائمہ تفسیر نے فرمایا کہ قیامت میں حساب کتاب کے بعد یہ خطاب ہوگا اور سابق آیات سے اسکی تائید ہوتی ہے کہ اوپر جو عذاب کفار کا بیان ہوا ہے وہ آخرت میں قیامت کے بعد ہی ہوگا اس سے ظاہر ہے کہ مؤمنین کا یہ خطاب بھی اسی وقت ہو۔ اور بعض حضرات نے فرمایا کہ یہ خطاب مؤمنین کو موت کے وقت دنیا ہی میں ہونا ہی بہت سی صحیح احادیث اس پر شاہد ہیں۔ اسی لئے ابن کثیر نے فرمایا کہ ظاہر یہ ہے کہ دونوں وقتوں میں یہ خطاب ارجح مؤمنین کو ہوگا موت کے وقت بھی، پھر قیامت میں بھی۔

وہ احادیث جن سے اس خطاب کا بوقت موت ہونا معلوم ہوتا ہے ایک تو وہی حدیث عبادہ ابن صامت سے جو اوپر گزر چکی ہے اور ایک طویل حدیث حضرت ابو ہریرہؓ کی مسند احمد، نسائی، ابن ماجہ میں ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جب یومن کی موت کا وقت آتا ہے تو رحمت کے فرشتے سفید ریشمی کپڑا سنانے کے لئے اسکی روح کو خطاب کرتے ہیں اخروی راضیہ مرضیۃ الی روح اللہ وریحانہ، یعنی اس بدن سے نکلوا اس حالت میں کہ تم اللہ سے راضی ہو اور اللہ تم سے راضی، اور یہ نکلنا اللہ تعالیٰ کی رحمت اور جنت کی دائمی راحتوں کی طرف ہوگا۔ الحدیث، اور حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ میں نے ایک روز یہ آیت **يَا أَيُّهَا النَّفْسُ الْمَطْمَئِنَّةُ اسْكُتِي** حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پڑھی تو صدیق اکبرؓ جو مجلس میں موجود تھے کہنے لگے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ کتنا اچھا خطاب ہے اکرام ہے۔ آپؐ نے فرمایا کہ میں لو فرشتہ موت کے بعد آپ کو یہ خطاب کریگا (ابن کثیر)

چند واقعات عجیبہ | حضرت سعید بن جبیرؓ فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عباسؓ رض کا طائف میں انتقال ہوا، جنازہ تیار ہونے کے بعد ایک عجیب غریب پرندہ جس کی مثال پہلے کبھی نہ دیکھی گئی تھی آیا اور جنازہ کی نعش میں داخل ہو گیا پھر کسی نے اُس کو نکلتے ہوئے نہیں دیکھا جس وقت نعش قبر میں رکھی جانے لگی تو قبر کے کنارے ایک غیبی آواز نے یہ آیت پڑھی **يَا أَيُّهَا النَّفْسُ الْمَطْمَئِنَّةُ اسْكُتِي** سب نے تلاش کیا کون پڑھ رہا ہے کسی کو معلوم نہ ہو سکا (ابن کثیر) اور امام حافظ طبرانی نے کتاب العجائب میں اپنی سند سے قتیبہ بن رزین ابی ہاشم سے ان کا اپنا واقعہ نقل کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ ایک مرتبہ ہمیں بلاد روم میں قید کر لیا گیا اور وہاں کے بادشاہ کے سامنے پیش کیا گیا اس کا فریاد اُس نے ہمیں مجبور کیا کہ ہم اس کا دین اختیار کریں، اور جو اس سے انکار کریگا اُس کی گردن مار دی جائے گی ہم چند آدمی تھے اُن میں سے تین آدمی جان کے خوف سے مرتد ہو گئے بادشاہ کا دین اختیار کر لیا۔ چوتھا آدمی پیش ہوا اُس نے کفر

کرنے اور اس کے دین کو اختیار کرنے سے انکار کیا، اس کی گردن کاٹ کر سر کو ایک قریبی نہریں ڈال دیا گیا، اس وقت تو وہ سریانی کی تہ میں چلا گیا، اسکے بعد پانی کی سطح پر ابھرا اور ان لوگوں کی طرف دیکھ کر انکے نام لے کر آواز دی کہ فلا نے فلا نے اور پھر کہا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے **يَا أَيُّهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِي إِلَىٰ رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً ۖ فَادْخُلِي فِي عِبَادِي ۖ وَادْخُلِي جَنَّاتِي**، اس کے بعد سریانی میں غوطہ لگا دیا۔ یہ عجیب واقعہ سب حاضرین نے دیکھا اور سنا، اور وہاں کے نصاریٰ یہ دیکھ کر تقریباً سب مسلمان ہو گئے اور بادشاہ کا تخت ہل گیا، یہ تین آدمی جو مرتد ہو گئے تھے یہ سب پھر مسلمان ہو گئے اور پھر خلیفہ ابو جعفر منصور نے ہم سب کو ان کی قید سے رہا کرایا (ابن کثیر)

الحمد للہ کہ تفسیر سورہ والفجر آج ۲۱ شعبان ۱۳۹۱ھ میں تمام ہوئی، جبکہ اس ناکارہ گنہگار کی عمر کا چھیتر واں سال ختم اور ستتر واں شروع ہو رہا ہے۔ یوں نصف صدی زیادہ حق تعالیٰ کی دی ہوئی مہلت کو غفلتوں گناہوں میں برباد کرنے پر حسرت و افسوس جتنا بھی ہو کم ہی ہے مگر قدم قدم پر حق تعالیٰ شانہ کے انعامات کی بارش اور اپنی کتاب کی اس ناچیز خدمت کو قریب الختم پہنچا دینے کا احسان عظیم عفو و کرم ہی کی اُمسید دلارہا ہے۔ یا من لا تضرک الذنوب ولا تنقصک المعصیۃ هب لی ما لا ینقصک و اغفر لی ما لا یضرک واجعلنی من الذین یقال لہم یا یتھا النفس المطمئنة ارجعی الی ربک راضیة مَرْضِیَّةً فَادْخُلِی فی عِبَادِی وَادْخُلِی جَنَّتِی

سُورَةُ الْبَلَدِ

سُورَةُ الْبَلَدِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ عِشْرُونَ آيَةً

سورہ بلد مکہ میں نازل ہوئی اور اس کی بیس آیتیں ہیں

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بھلا مہربان نہایت رحم والا ہے

لَا أَفْهَمُ هَذَا الْبَلَدِ ۱ وَأَنْتَ حِلٌّ لِهَذَا الْبَلَدِ ۲ وَوَالِدٌ وَمَا وَلَدٌ ۳

قسم کھاتا ہوں میں اس شہر کی اور تجھ پر قید نہیں رہے گی اس شہر میں اور قسم ہے جنتے کی اور چوائسے جنتا

لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِي كَبَدٍ ۴ أَيْحَسِبُ أَنْ لَنْ يَقْدِرَ عَلَيْهِ أَحَدٌ ۵

تحقیق ہم نے بنایا آدمی کو محنت میں کیا خیال رکھتا ہے وہ کہ اس پر بس نہ چلے گا کسی کا

يَقُولُ أَهْلَكْتُ مَا لَا لَبَدًا ۶ أَيْحَسِبُ أَنْ لَمْ يَرَهُ أَحَدٌ ۷ أَلَمْ

کہتا ہے میں نے فریج کر ڈالا مال ڈھیروں کیا خیال رکھتا ہے کہ دیکھا نہیں اس کو کسی نے بھلا ہم نے

جَعَلْ لَهُ عَيْنَيْنِ ۸ وَلِسَانًا وَشَفَتَيْنِ ۹ وَهَدَيْنَاهُ النَّجْدَيْنِ ۱۰

نہیں یوں کو دو آنکھیں اور زبان اور دو ہونٹ اور دکھلا دیں اس کو دو گھاٹیاں

فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ ۱۱ وَمَا أَدْرَاكَ مَا الْعَقَبَةُ ۱۲ فَكُ رَقَبَةً ۱۳ أَوْ

سو نہ دھمک سکا گھاٹی پر اور تو کیا سمجھا کیا ہے وہ گھاٹی چھڑانا گردن کا یا

إِطْعَمَ فِي يَوْمٍ ذِي مَسْغَبَةٍ ۱۴ يَتِيمًا ذَا مَقْرَبَةٍ ۱۵ أَوْ مِسْكِينًا ذَا

کھلانا بھوک کے دن میں یتیم کو جو قربت والا ہے یا محتاج کو جو خاک میں

مَثْرَبَةٍ ۱۶ ثُمَّ كَانَ مِنَ الَّذِينَ آمَنُوا وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ وَتَوَاصَوْا

دل رہا ہے پھر ہووے ایمان والوں میں جو تاکید کرتے ہیں آپس میں تحمل کی اور تاکید

بِالرَّحْمَةِ ۱۷ أُولَئِكَ أَصْحَابُ الْمِيمَنَةِ ۱۸ وَالَّذِينَ كَفَرُوا يَابِئْنَا

کرتے ہیں رحم کھانے کی وہ لوگ ہیں بڑے نصیب والے اور جو منکر ہوئے ہماری آیتوں سے

هُم أَصْحَابُ الْمَشْأَمَةِ ۝۱۹ عَلَيْهِمْ نَارٌ مُّوَصَّدَةٌ ۝۲۰

وہ ہیں کبھتی والے انہی کو آگ میں موند دیا ہے

خلاصہ تفسیر

میں قسم کھاتا ہوں اس شہر (مکہ) کی اور (جواب قسم سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں ایک بشارت دی گئی کہ آپ کو اس شہر میں لڑائی حلال ہونے والی ہے) چنانچہ فتح مکہ کے روز آپ کے لئے قتال جائز کر دیا گیا تھا۔ احکام حرم باقی نہیں رہے تھے) اور قسم ہے باپ کی اور اولاد کی (ساری اولاد کے باپ آدم علیہ السلام ہیں پس آدم اور بنی آدم سب کی قسم ہوئی آگے جواب قسم ہے) کہ ہم نے انسان کو بڑی مشقت میں پیدا کیا ہے (چنانچہ عمر بھر کہیں مرض میں کہیں رنج میں کہیں فکر میں اکثر اوقات مبتلا رہتا ہے اور اسکا مقضایہ تھا کہ اس میں عجز و درماندگی پیدا ہوتی اور اپنے کو بستہ حکم تقدیر سمجھ کر مطیع امر و تابع رضا ہوتا لیکن انسان کافر کی یہ حالت ہے کہ بالکل بھول میں پڑا ہے تو کیا وہ یہ خیال کرتا ہے کہ اس پر کسی کا بس نہ چلے گا) (یعنی کیا اللہ کی قدرت سے اپنے کو خارج سمجھتا ہے جو اسقدر بھول میں پڑا ہے اور) کہتا ہے کہ میں نے اتنا وافر مال خرچ کر ڈالا (یعنی ایک توشیحی بھگارتا ہے پھر عداوت رسول و مخالفت اسلام و معاصی میں خرچ کرنے کو ہنر سمجھتا ہے پھر جھوٹ بھی بولتا ہے کہ اس کو مال کثیر بتلاتا ہے) کیا وہ یہ خیال کرتا ہے کہ اس کو کسی نے دیکھا نہیں (یعنی اللہ تعالیٰ نے تو دیکھا ہے اور وہ جانتا ہے کہ معصیت میں خرچ کیا ہے پس اس پر سزا دی جائے مقدار بھی دیکھی ہے کہ اسقدر نہیں ہے جسقدر لوگوں کو یقین دلانا چاہتا ہے یہ حال مطلق کافر کا ہے کہ اس وقت آپ کے مخالفین کے یہی اقوال و احوال تھے، غرض یہ شخص نہ تو محض یعنی تکلیف و رنج سے متاثر ہوا اور نہ منن یعنی انعامات و احسانات سے جسکا آگے بیان ہے کہ) کیا ہم نے اس کو دو آنکھیں اور زبان اور دو ہونٹ نہیں دیئے اور (پھر) ہم نے اس کو دونوں رستے (خیر و شر) کے بتلا دیئے (تاکہ طریق مضر سے بچے اور نفع پر چلے سوا اسکا بھی مقضایہ تھا کہ احکام الہی کا تابع ہوتا مگر سودہ نفس (دین کی) گھائی میں سے ہو کر نہ نکلا (دین) کے کاموں کو اس لئے گھائی کہا کہ نفس پر شاق ہے) اور آپ کو معلوم ہے کہ گھائی (سے) کیا (مراد) ہے وہ کسی کی گردن کا (غلامی سے) چھرا دینا ہی یا کھانا کھانا فادہ کے دن میں کسی رشتہ دار تیم کو یا کسی خاک نشین محتاج کو (یعنی ان احکام الہیہ کو بجالانا چاہئے تھا) پھر (سب سے بڑھ کر یہ کہ) ان لوگوں میں سے نہ ہوا جو ایمان لائے اور ایک دوسرے کو (ایمان کی) پابندی کی فہمائش کی اور ایک دوسرے کو ترحم (علی خلق) کی (یعنی ترک ظلم کی) فہمائش کی (ایمان تو سب سے مقدم ہے پھر امر بالثبات علی الایمان اور وہ سے فصل ہے، پھر لوگوں کی ایذا سے بچنا بقیۃ سے اہم ہے پھر ان اعمال کا رتبہ ہے جو ذلک رقبۃ سے مثبوتہ تک مذکور ہیں پس یہ ثم تغنیم رتبہ کے لئے ہے، مطلب یہ کہ جمیع اصول و فروع میں اطاعت کرنا چاہئے تھا، آگے الَّذِينَ آمَنُوا اَمْزِجْ بَیْنَهُمْ (یعنی) یہی لوگ داہنے والے ہیں (جن کی تفصیل جزا سورہ واقعہ میں ہے اور یہاں اس میں مطلق اہل ایمان کو مضمون عوام

سب داخل ہیں) اور (اگے اُنکے مقابلین کا بیان ہے کہ جو لوگ ہماری آیتوں کے منکر ہیں) (خود اصول ہی میں مخالف ہیں فروع کا تو کہنا کیا) وہ لوگ بائیں والے ہیں، ان پر آگ محیط ہوگی جس کو بند کر دیا جاوے گا (یعنی دوزخیوں کو دوزخ میں بھر کر آگے سے دروازہ بند کر دیں گے کیونکہ غلو کی وجہ سے نکلنا تو ملے گا ہی نہیں)

معارف و مسائل

لَا أَفْهَمُ هَٰذَا الْبَلَدِ، حرف لا اس جگہ زائد ہے اور قسموں میں یہ حرف زائد لانا عرب کے محاورہ میں معروف ہے اور زیادہ اصح یہ ہے کہ یہ حرف لا مخاطب کے باطل خیال کی تردید کے لئے شروع قسم میں لایا جاتا ہے جس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ جو تمہیں خیال باندھ رکھا ہے وہ نہیں بلکہ ہم قسم کیسا کہہتے ہیں کہ حقیقت وہ ہے جو ہم بیان کرتے ہیں۔ اور البلد سے مکہ مکرمہ مراد ہے جیسا کہ سورہ والبتین میں بھی شہر مکہ کی قسم کھائی ہے اور اسکے ساتھ اس کی صفت امین بھی بیان فرمائی۔

وَهَٰذَا الْبَلَدِ الْأَمِينِ، شہر مکہ کی قسم کھانا اس شہر کی بہ نسبت دوسرے شہروں کے شرافت و افضلیت کو بتلانا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عدی رحمہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کے وقت شہر مکہ کو خطاب کر کے فرمایا کہ (خدا تعالیٰ کی قسم ہے کہ تو ساری زمین میں اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ بہتر اور محبوب ہے اور اگر مجھے یہاں سے نکلنے پر مجبور نہ کر دیا جاتا تو میں تیری زمین سے نہ نکلتا) (رواہ الترمذی وابن ماجہ۔ منظرہ)

وَأَنْتَ حَلٌّ لِّهَٰذَا الْبَلَدِ لَفْظِ حَلٍّ میں دو احتمال ہیں ایک یہ کہ حلول سے مشتق ہو جس کے معنی کسی شے کے اندر سمانے اور رہنے اور اُترنے کے آتے ہیں، اس اعتبار سے حلّ کے معنی اُترنے والے اور رہنے والے کے ہونگے۔ اور مراد آیت کی یہ ہوگی کہ شہر مکہ خود بھی محترم اور مقدس ہے خصوصاً جبکہ آپ بھی اس شہر میں رہتے ہیں تو مکین کی فضیلت سے بھی مکان کی فضیلت بڑھ جاتی ہے اسلئے شہر کی غفلت و غرمت آپ کے اس میں مقیم ہونے سے دہری ہو گئی۔ دوسرا احتمال یہ ہے کہ لفظ حلّ مصدر حَلَّ سے مشتق ہو جس کے معنی کسی چیز کے حلال ہونے کے ہیں، اس اعتبار سے لفظ حلّ کے دو معنی ہو سکتے ہیں ایک یہ کہ آپ کو کفار مکہ نے حلال سمجھ رکھا ہے کہ آپ کے قتل کے درپے ہیں حالانکہ وہ خود بھی شہر مکہ میں کسی شکار کو بھی حلال نہیں سمجھتے مگر ان کا ظلم و سرکشی اس حد تک بڑھ گیا ہے کہ جس مقدس مقام پر کسی جانور کا قتل بھی جائز نہیں اور خود ان لوگوں کا بھی یہی عقیدہ ہے وہاں انھوں نے اللہ کے رسول کا قتل و خون حلال سمجھ لیا ہے دوسرے معنی حلّ کے یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ آپ کی یہ خصوصیت ہے کہ آپ کے لئے حرم مکہ میں قتال کفار حلال ہونے والا ہے جیسا کہ فتح مکہ میں ایک روز کے لئے آپ سے احکام حرم اٹھائے گئے تھے اور کفار کا قتل حلال کر دیا گیا تھا۔ خلاصہ تفسیر مذکور میں یہی تیسرے معنی لیکر تفسیر کی گئی۔ منظرہ میں تینوں احتمال مذکور ہیں اور تینوں معنی کی گنجائش ہے وَ إِلَيْكَ مَأْوَدُكَ، والدہ سے مراد حضرت آدم علیہ السلام ہیں جو سب انسانوں کے باپ ہیں اور مَأْوَدُكَ سے اُن کی اولاد مراد ہے جو ابتداء دُنیا سے قیامت تک ہوگی۔ اس طرح اس لفظ میں حضرت آدم اور تمام بنی آدم کی قسم ہو گئی۔ آگے جواب قسم مذکور ہے۔

لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِيْ كَبْكَبٍ، کبکب کے نفلی معنی محنت و مشقت کے ہیں۔ معنی یہ ہیں کہ انسان اپنی فطرت سے ایسا پیدا کیا گیا ہے کہ اول عمر سے آخر تک محنتوں اور مشقتوں میں رہتا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ ابتدائے حمل سے رحم مادر میں مجوس رہا پھر ولادت کے وقت کی محنت و مشقت برداشت کی، پھر ماں کا دودھ پینے پھر اُسکے چھوٹنے کی محنت پھر اپنے معاش اور ضروریات زندگی فراہم کرنے کی مشقت پھر بڑھاپے کی تکلیفیں پھر موت پھر قبر پھر حشر اور اس میں اللہ تعالیٰ کے سامنے اعمال کی جوابدہی پھر جزا و سزا، یہ سب دُور اُس پر محنتوں ہی کے آتے ہیں، اور یہ محنت و مشقت اگرچہ انسان کے ساتھ مخصوص نہیں سب جانور بھی اس میں شریک ہیں مگر اس حال کو انسان کے لئے بالخصوص اسلئے فرمایا کہ اول تو وہ سب جانوروں سے زیادہ شعور و ادراک رکھتا ہے اور محنت کی تکلیف بھی بقدر شعور زیادہ ہوتی ہے، دوسرے آخری اور سب سے بڑی محنت عشر میں دوبارہ زندہ ہو کر عمر بھر کے اعمال کا حساب دینا ہے وہ دوسرے جانوروں میں نہیں۔

بعض علماء نے فرمایا کہ کوئی مخلوق اتنی مشقتیں نہیں بھیلی جتنی انسان برداشت کرتا ہے باوجودیکہ وہ جسم اور جثہ میں اکثر جانوروں کی نسبت ضعیف و کمزور ہے۔ ظاہر یہ ہے کہ انسان کی دماغی قوت سب سے زیادہ ہر اسی لئے اُس کی تخصیص کی گئی۔ مکہ مکرمہ اور آدم و اولاد آدم علیہ السلام کی قسم کھا کر حق تعالیٰ نے اس حقیقت کو بیان فرمایا کہ انسان کو ہم نے شدت و محنت اور مشقت ہی میں اور اُسی کے لئے پیدا کیا ہے جو اس کی دلیل ہے کہ انسان خود بخود پیدا نہیں ہو گیا یا اسکو کسی دوسرے انسان نے جنم نہیں دیا بلکہ اسکا پیدا کرنے والا ایک قادر مختار ہے جس نے اپنی حکمت سے ہر مخلوق کو خاص خاص مزاج اور خاص اعمال و افعال کی استعداد دیکر پیدا کیا ہے اگر انسان کی تخلیق میں خود انسان کو کچھ دخل ہوتا تو وہ اپنے لئے عینتیں مشقتیں کبھی تجویز نہ کرتا (قرطبی)

دُنیا میں مکمل راحت جس میں کوئی تکلیف نہ ہو کسی کو اس قسم اور جواب قسم میں انسان کو اس پر متنبہ کیا گیا ہے کہ تمہاری اصل نہیں ہوگئی اسلئے انسان کو چاہیے کہ مشقت کیلئے تیار رہے جو یہ خواہش ہے کہ دنیا میں ہمیشہ راحت ہی راحت ملے کسی تکلیف سے سابقہ نہ پڑے یہ خیال خام ہے جو کبھی حاصل نہیں ہوگا اسلئے ضروری ہے کہ ہر شخص کو دنیا میں محنت و مشقت اور رنج مصیبت پیش آئے، اور جب مشقت و کلفت پیش آنا ہی ہے تو عقلمند کا کام یہ ہے کہ یہ محنت و مشقت اُس چیز کیلئے کرے جو اسکو ہمیشہ کام آوے اور دائمی راحت کا سامان بنے اور وہ صرف ایمان اور طاعت میں منحصر ہے۔ آگے غافل اور آخرت کے منکر انسان کی چند جاہلانہ خصلتوں کا ذکر کر کے فرمایا اَلَيْسَبَ اَنْ لَّكَ نَزْلًا اَحَدٌ یعنی کیا یہ بیوقوف یہ سمجھتا ہے کہ اُس کے اعمال بد کو کسی نے دیکھا نہیں اسکو جاننا چاہیے کہ اسکا خالق اُس کے ہر عمل کو دیکھ رہا ہے۔

اَنكُم اور زبان کی تخلیق میں چند حکمتیں اَلَمْ يَجْعَلْ لَّكُمْ عَيْنَيْنِ وَلِسَانًا وَ هَذَيْنِ الذَّنَجْدَيْنِ، نجدین تشبیہ کا ہے جس کے نفلی معنی اس راستہ کے ہیں جو اوپر بلندی کی طرف جاتا ہو مراد اس سے کھلا واضح راستہ ہے اور ان دو راستوں میں ایک خیر و فلاح کا دوسرا شر و ہلاکت کا راستہ ہے۔

سابقہ آیت میں انسان کی اس غفلت و جہالت پر تنبیہ تھی کہ وہ سمجھتا ہے کہ میرے اوپر اللہ تعالیٰ کو بھی

قدرت نہیں، اور یہ کہ اُس کے اعمال و افعال کو کوئی دیکھنے والا نہیں۔ اس آیت میں چند اُن نعمتوں کا ذکر ہے جو اللہ تعالیٰ نے اُس کے وجود میں ایسی عطا فرمائی ہیں کہ خود اُن کی صنعت و حکمت ہی پر غور کرے تو حق تعالیٰ کی بے مثال حکمت و قدرت کا نظارہ انھیں چیزوں میں کرے، انہیں پہلے دو آنکھوں کا ذکر فرمایا کہ آنکھ کے نازک پردے نازک شرابین (رگیں) اُنہیں قدرتی روشنی، پھر آنکھ کی وضع و ہیئت کہ یہ نازک ترین عضو ہے اسکی حفاظت کا کیا سامان خود اسکی خلقت میں کیا گیا کہ اسکے اوپر ایسے پردے ڈال دیئے جو خود کار مشین کی طرح جب کوئی مضر چیز سامنے سے آتی دکھائی دے خود بخود بغیر کسی اختیار کے بند ہو جاتے ہیں ان پردوں کے اوپر پلکوں کے بال کھڑے کر دیئے کہ گرد و غبار کو روک لیں، اسکے اوپر بھودوں کے بال رکھے کہ اُدھر سے آئینوالی چیز براہ راست آنکھ میں نہ پہنچے، اس کو چہرے کے اندر اس طرح فٹ کیا گیا کہ اوپر سخت ہڈی ہے، نیچے رخسارہ کی سخت ہڈی ہے آدمی کہیں چہرے کے بل گر جائے یا اس کے چہرے پر کوئی چیز آ پڑے تو اوپر نیچے کی ہڈیاں آنکھ کو بچالیں گی۔

دوسری چیز زبان ہے اس کی عجیب غریب تخلیق اور دل کی باتوں کی ترجمانی جو اس پر اسرار اور خود کار مشین کے ذریعہ ہوتی ہے اسکے حیرت انگیز طریقہ کار کو دیکھو کہ دل میں ایک مضمون آیا دماغ نے اُس پر غور کیا اُس کیلئے سُنو اُن اور الفاظ تیار کئے وہ الفاظ اس زبان کی مشین سے نکلنے لگے یہ اتنا بڑا کام کسی سرعت کیساتھ ہو رہا ہے کہ سُننے والے کو یہ احساس بھی نہیں ہو سکتا کہ ان الفاظ کے زبان پر آنے میں اسکے پیچھے کتنی مشینری نے کام کیا ہے تب یہ کلمات زبان پر آئے ہیں۔ زبان کیساتھ شفقت یعنی ہونٹوں کا ذکر اسلئے بھی فرمایا کہ زبان کے کام میں ہونٹ بڑے مددگار ہیں آواز و حروف کی متنازع شکلیں وہی بناتے ہیں اور شاید اسلئے بھی کہ قدرت نے زبان کو ایسی ساریج اہل مشین بنایا ہے کہ آدھے منٹ میں اس سے ایسا کلمہ بھی بولا جاسکتا ہے جو اس کو جہنم سے نکال کر جنت میں پہنچا دے جیسے کلمہ ایمان یا دُنیا میں دشمن کی نظر میں بھی اس کو محبوب بنادے جیسے پھیلے قصور کی معافی، اور اسی زبان سے اتنے ہی وقفہ میں ایسا کلمہ بھی بولا جاسکتا ہے جو اس کو جہنم میں پہنچا دے جیسے کلمہ کفر یا دُنیا میں اسکے بڑے سے بڑے ہر بان دوست کو اس کا دشمن بنادے جیسے گالی گلوچ وغیرہ۔ جس طرح زبان کے منافع بیشمار ہیں اس کی ہلاکت آفرینی بھی اسی انداز کی ہے گویا یہ ایک تلوار ہے جو دشمن پر بھی چل سکتی ہے اور خود اپنا گلا بھی کاٹ سکتی ہے اسلئے حق تعالیٰ اجل شائد نے اس تلوار کو دو ہونٹوں کے غلاف میں ستور کر کے عطا فرمایا اور اس جگہ ہونٹوں کا ذکر کرنا اس طرف اشارہ ہو سکتا ہے کہ جس مالک نے انسان کو زبان دی اُس نے اُس کو روکنے بند کرنے کے لئے ہونٹ بھی دیئے ہیں اسلئے اسکے استعمال میں سوچ سمجھ سے کام لے، بے موقع اسکو ہونٹوں کی میان سے نہ نکالے تبسری چیز دو راستوں کی ہدایت ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے انسان کو خیر و شر اور بھلے بڑے کے پہچان کے لئے ایک استعداد اور مادہ خود اسکے وجود میں رکھ دیا جیسا کہ قرآن کریم نے فرمایا **فَاَلْهَمَّا فُجُورَهَا وَتَقْوَاهَا** یعنی نفس انسانی کے اندر اللہ تعالیٰ نے فجور اور تقوٰاے دونوں کے مادے رکھ دیئے ہیں تو اس طرح ایک ابتدائی ہدایت انسان کو خود اسکے ضمیر سے ملتی ہے پھر اس ہدایت کی تائید کے لئے انبیاء علیہم السلام اور اسمانی کتابیں آتی ہیں جو انکو بالکل واضح کر دیتی ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ جاہل

اور غافل انسان قدرت حق کے منکر ذرا اپنے ہی وجود کی چند نمایاں چیزوں میں غور کرے تو قدرت و حکمت حق کے کمال کا مشاہدہ ہو جائیگا۔ آنکھوں سے دیکھو پھر زبان سے اقرار کرو پھر دو راستوں میں سے خیر کے راستے کو اختیار کرو۔ آگے پھر اس کی غفلت شعاری اور بے فکری پر تنبیہ ہے کہ ان روشن دلائل سے اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کا اور اس کے ذریعہ قیامت میں دوبارہ زندہ ہونے اور حساب دینے کا یقین ہو جانا چاہیے اس یقین کا مقتضایہ تھا کہ یہ خلق خدا کو نفع اور راحت پہنچاتا، اُن کی ایذاؤں سے بچتا اور اللہ تعالیٰ پر ایمان لاتا اور خود اپنی اصلاح کرتا اور دوسرے لوگوں کی اصلاح کی فکر کرتا تاکہ قیامت میں وہ اصحابِ یمن یعنی اہل جنت میں شامل ہو جائے مگر اس بد نصیب نے ایسا نہ کیا بلکہ کفر پر قائم رہا جس کا انجام جہنم کی آگ ہے۔ آخر سورت تک یہ مضمون بیان ہوا ہے اس میں چند نیک اعمال کے اختیار نہ کرنے کو ایک خاص انداز سے بیان فرمایا ہے۔

فَلَا أَفْتَحُ الْعُقَبَةَ وَمَا أَذْرِيكَ مَا الْعُقَبَةُ فَلِكِ رَقَبَةٌ، عقبہ پہاڑ کی بڑی چٹان بھی کہتے ہیں اور دو پہاڑوں کے درمیانی راستہ کو یعنی گھاٹی کو بھی، اور دشمن سے نجات حاصل کرنے میں یہ عقبہ انسان کی مدد کرتا ہے کہ پہاڑ کے اوپر چڑھ کر دشمن سے اپنے کو بچالے یا پھر گھاٹی میں داخل ہو کر یہاں سے نکلائے۔ اس جگہ طاعات و عبادات کو ایک عقبہ تعبیر فرمایا ہے کہ جس طرح عقبہ دشمن سے نجات دلائیگا سبب ہوتا ہے اعمالِ صالحہ آخرت کے عذاب سے نجات کا ذریعہ بنتے ہیں پھر ان اعمالِ صالحہ میں پہلے فَلِكِ رَقَبَةٌ فرمایا، یعنی کسی غلام کو آزاد کرنا کہ بہت بڑی عبادت اور ایک انسان کی زندگی کو بنادینا ہے۔ دوسری چیز اَوْ اطْعَمٌ بیان فرمائی کہ بھوکے کو کھانا کھلانا بہت بڑا ثواب ہے اور کھانا کھلانا کسی کو بھی ہو ثواب سے خالی نہیں مگر بعض کو کھلانا بہت بڑا ثواب بن جاتا ہے اس لئے اُس بڑے ثواب کے حاصل کرنے کے لئے فرمایا يَتِيمًا ذَا مَقْرَبَةٍ اَوْ مَسْكِينًا ذَا مَقْرَبَةٍ، یعنی خصوصاً جب کھانا کسی ایسے یتیم کو کھلایا جائے جس کیساتھ تمہاری قربت و رشتہ داری بھی ہے تو اس میں دو ہر ثواب ہو گیا، ایک بھوکے کا پیٹ بھرنا دوسرے کشتہ دار کی صلہ رحمی اور اس کا حق ادا کرنا۔ فَيُؤْثِرُ ذِي مَقْرَبَةٍ، یعنی بالخصوص ایسے دن میں اس کو کھانا کھلانا جس میں وہ بھوکا ہو اور بھی زیادہ موجب ثواب ہے۔ اسی طرح یتیم رشتہ دار نہ ہو تو ایسا مسکین ہو جس کی مسکنت نے اُس کو خاک نشین بنا رکھا ہے مراد بہت زیادہ مفلس و محتاج ہے اور جس پر فرج کیا جائے وہ جتنا زیادہ محتاج ہوگا اتنا ہی خرچ کرنے والے کا ثواب بڑھے گا۔

ایمان کا تقاضا ہے کہ انسان صرف اپنی نیکی پر اکتفا نہ کرے دوسرے کو بھی نیکی کی ہدایت کرتا رہے اس آیت میں ایمان کے بعد مومن کا یہ فرض بتلایا گیا کہ وہ دوسرے مسلمان بھائیوں کو بھی صبر اور رحمت کی تلقین کرتا رہے۔ صبر سے مراد نفس کو برائیوں سے روکنا اور بھلائیوں پر عمل کرنا ہے اور رحمت سے مراد دوسروں کے حال پر رحم کھانا، اُن کی تکلیف کو اپنی تکلیف سمجھ کر اُن کی ایذا اور اُن پر ظلم سے بچنا، اس میں تقریباً دین کے سارے ہی احکام آگئے۔

تَمَّتْ سُورَةُ الْبَكَّةِ بِحَمْدِ اللَّهِ ۲۳ شَعْبَانَ ۱۴۱۱ھ

سُورَةُ الشَّمْسِ

سُورَةُ الشَّمْسِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ ثَمَانِ عَشْرَةُ آيَةً
سورہ شمس مکہ میں نازل ہوئی اور اس کی پندرہ آیتیں ہیں

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

وَالشَّمْسُ وَضُحَاهَا ۱ وَالْقَمَرُ إِذَا تَلَّهَا ۲ وَالنَّهَارُ إِذَا جَلَّهَا ۳ وَاللَّيْلُ

قسم سورج کی اور اُس کے دھوپ چڑھنے کی، اور چاند کی جب اُسے سورج کے پیچھے، اور دن کی جب اُس کو روشن کرے اور رات کی جب

إِذَا يَغْشَاهَا ۴ وَالسَّمَاءَ وَمَا بَنَاهَا ۵ وَالْأَرْضَ وَمَا طَحَاهَا ۶ وَنَفْسٍ

اس کو ڈھانک لیوے اور آسمان کی اور جیسا کہ اُس کو بنایا، اور زمین کی اور جیسا کہ اس کو پھیلا یا اور جی کی

وَمَا سَوَّاهَا ۷ فَالْهَمَّهَا فُجُورَهَا وَتَقْوَاهَا ۸ قَدْ أَفْلَحَ مَنْ زَكَّاهَا ۹ وَ

اور جیسا کہ اس کو ٹھیک بنایا، پھر سمجھ دی اس کو ڈھانچائی کی اور بچکر چلنے کی تحقیق مراد کو پہنچا جس نے اس کو سزا دیا اور

قَدْ خَابَ مَنْ دَسَّاهَا ۱۰ كَذَّبَتْ ثَمُودُ بِطَغْوَاهَا ۱۱ إِذِ انْبَعَثَ أَشْقَاهَا ۱۲

نامراد ہوا جس نے اس کو خاک میں ملا چھوڑا جھٹلایا ثمود نے اپنی شرارت سے جب اُٹھ کھڑا ہوا انہیں کا بڑا بد بخت

فَقَالَ لَهُمْ رَسُولُ اللَّهِ نَاقَةَ اللَّهِ وَسُقْيَاهَا ۱۳ فَكَذَّبُوهُ فَعَقَرُوهَا ۱۴

پھر کہا اُن کو اللہ کے رسول نے خبردار رہو اللہ کی اونٹنی سے اور اس کی پانی پینے کی باری سے، پھر انھوں نے جھٹلایا اس کو، پھر باؤں کاٹ ڈالے

فَدَدَّمْ عَلَيْهِمْ رَبُّهُمْ بَذَرُهُمْ فَشَوَّاهَا ۱۵ وَلَا يَخَافُ عُقْبَاهَا ۱۶

اسکے، پھر اُنٹ مارا اُن پر ان کے رب نے بسبب اُن کے گناہوں کے پھر برابر کر دیا سب کو، اور وہ نہیں ڈرتا پیچھا کرنے سے

خُلاصۂ تفسیر

قسم ہے سورج کی اور اُس کی روشنی کی اور چاند کی جب سورج (کے غروب) سے پیچھے آوے (یعنی طلوع ہو مراد اس سے وسط ماہ کی بعض شبوں کا چاند ہے کہ سورج کے چھپنے کے بعد طلوع ہوتا ہے اور یہ قید شاید اس لئے ہو کہ وہ

وقت کمال نور کا ہوتا ہے جیسا کہ مباحثہ اشارہ ہے کمال نور آفتاب کی طرف اور یا اس وقت دُؤ آیت قدرت علی سبیل التعاقب والاتصال ظاہر ہوتی ہیں غروب شمس و طلوع قر (قسم ہے) دن کی جب وہ اس سورج کو خوب روشن کر دے اور قسم ہے رات کی جب وہ اس سورج کو اضمحلال کے آثار و انوار کو بالکل پھیلے (یعنی خوب رات ہو جاوے کہ وہ بھی روشنی کا کچھ اثر نہ رہے اور چاروں چیزیں جن کی قسم کھائی گئی ہے اُن میں جو قیدیں لگائی گئی ہیں وہ اُن کے کمال کے اعتبار سے ہیں، یعنی ہر ایک کی قسم ان کی حالت کمال کے اعتبار سے ہے) اور قسم ہے آسمان کی اور اس ذات کی جس نے اس کو بنایا (مراد اللہ تعالیٰ ہے اسی طرح ماطہا اور ماستوا میں بھی اور مخلوق کی قسم کو خالق کی قسم پر مقدم فرمانا اس لئے ہو سکتا ہے کہ اس میں ذہن کو دلیل سے مدلول کی طرف منتقل کرنا ہے کیونکہ مصنوع دلیل ہے صالح پر تو اس میں استدلال علی التوحید کی طرف بھی اشارہ ہو گیا) اور قسم ہے زمین کی اور اس ذات کی جس نے اس کو بچھایا اور (قسم ہے انسان کی جان کی اور اس ذات کی جس نے اس کو ہر طرح صورت شکل اعضاء سے درست بنایا پھر اس کی بدکرداری اور پرہیزگاری) دونوں باتوں کا اس کو اتقا کیا (یہ استاد باعتبار تخلیق کے ہے یعنی قلب میں جو نیکی کا رجحان ہوتا ہے یا جو بدی کی طرف میلان ہوتا ہے دونوں کا خالق اللہ تعالیٰ ہے، گو افعال اول میں فرشتہ واسطہ ہوتا ہے اور ثانی میں شیطان پھر وہ رجحان و میلان کبھی مرتبہ عزم تک پہنچ جاتا ہے جو کہ انسان کے قصد و اختیار سے صادر ہوتا ہے اسی قصد و اختیار پر عذاب ثواب مرتب ہوتا ہے جس کے بعد صدور فعل تخلیق حق ہوتا ہے اور کبھی عزم تک نہیں پہنچتا وہ صاف آگے مضمون کی تکمیل کے لئے اہل فجور و اہل تقویٰ کا آل بتلاتے ہیں کہ) یقیناً وہ مراد کو پہنچا جس نے اس جان کو پاک کر لیا (یعنی نفس کو فجور سے روکا اور تقویٰ اختیار کر لیا) اور نامراد ہوا جس نے اس کو (فجور میں) دبا دیا (اور فجور سے مغلوب کر دیا، اس کے بعد جواب قسم مقدّر ہے یعنی اسے کفار مکہ جب تم اہل فجور ہو تو ضرور مبتلائے غضب و ہلاک ہو گے آخرت میں تو یقیناً اور دنیا میں بعض اوقات جیسا کہ قوم ثمود اس فجور کی وجہ سے غضب الہی اور عذاب کی مورد بنی جن کا قصہ یہ ہے کہ) قوم ثمود نے اپنی شرارت کے سبب اصلح علیہ السلام کی تکذیب کی (اور یہ اس زمانہ کا قصہ ہے) جبکہ اس قوم میں جو سب سے زیادہ بد بخت تھا وہ (ادنیٰ کے قتل کرنے کے لئے) اُسے کھڑا ہوا (یعنی آئادہ ہو گیا اور اسکے ساتھ اور لوگ بھی شریک تھے) تو ان لوگوں سے اللہ کے پیغمبر (صلی علیہ السلام) نے (جب ان کو اس عزم قتل کی اطلاع ہوئی کذا فی الحازن) فرمایا کہ اللہ کی اس دشمنی سے اور اسکے پانی پینے سے خبردار رہنا (یعنی اسکو قتل مت کرنا اور نہ اسکا پانی بند کرنا، چونکہ ارادہ قتل کا اصل سبب بھی پانی کی باری تھی اسلئے اسکی تصریح فرمائی۔ اور اللہ کی دشمنی اسلئے کہا کہ خدا تعالیٰ نے اسکو معجزہ کے طور پر عجیب طرح سے پیدا کر کے دلیل نبوت بنا دیا اور اس کے احترام کو واجب فرمایا) سو انھوں نے پیغمبر کو (یعنی دلیل نبوت کو جو ناقہ اللہ کے ذریعہ ظاہر ہوئی) جھٹلایا (کیونکہ وہ اُن کو نبی نہ سمجھتے تھے) پھر اس دشمنی کو مار ڈالا تو ان کے پروردگار نے انکے گناہ کے سبب ان پر ہلاکت نازل فرمائی پھر اس ہلاکت کو تمام قوم کے لئے عام فرمایا اور اللہ تعالیٰ کو اس ہلاکت کے اخیر میں کسی خرابی (جسکے ہر کسی سے اندیشہ نہیں ہوا) جیسے ملوک دنیا کو بعض اوقات کسی قوم کو سزا دینے کے بعد احتمال ہوتا ہے

کہ اس پر کوئی شورش و ہنگامہ ملے مرتب نہ ہو) "فصل قصہ ثمود کا اور اذیتنی کا سورہ اعراف میں گزر چکا ہے۔

معارف و مسائل

اس سورت کے شروع میں سات چیزوں کی قسم آئی ہے اور ساتوں چیزوں کیساتھ ان کی حالت کمال کے اعتبار سے کچھ اوصاف اور قیود ذکر کئے گئے ہیں۔ پہلی قسم وَالشَّمْسُ وَضُحَاهَا، یہاں اگرچہ ضحیٰ کو واو عطف کے ساتھ ذکر کیا ہے مگر بقرینہ بعد کی اشیاء کے ضحیٰ کا ذکر بطور وصف شمس کے ہے یعنی قسم ہے آفتاب جبکہ وہ وقت ضحیٰ میں ہو۔ ضحیٰ اس وقت کو کہا جاتا ہے جب آفتاب طلوع ہو کر کچھ بلند ہو جائے اور اُس کی روشنی زمین پر پھیل جائے، اس وقت میں وہ انسان کو قریب نظر آتا ہے اور تمازت زیادہ ہونے کی وجہ سے اُس کو پوری طرح دیکھ بھی سکتے ہیں۔

دوسری قسم وَالْقَمَرُ اِذَا اَظْلَمَ، یعنی چاند کی قسم جبکہ وہ آفتاب کے پیچھے آئے۔ اسکا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جب چاند غروب آفتاب کے بعد طلوع ہو اور یہ مہینہ کے وسط میں ہوتا ہے جبکہ چاند تقریباً مکمل ہوتا ہے اور پیچھے آنے کا یہ مفہوم بھی ہو سکتا ہے کہ جس طرح کہ ضحیٰ کے وقت میں آفتاب بکمال نظر آتا ہے اسی طرح جبکہ چاند اُس کے پیچھے آئے یعنی کامل ہونے میں آفتاب کے تابع ہو جائے۔ تیسری قسم وَالنَّجْمُ اِذَا اجْتَمَعَ، جملہ کی ضمیر زمین یا دنیا کی طرف بھی راجع ہو سکتی ہے اگرچہ اس سے پہلے زمین اور دنیا کا ذکر نہیں آیا مگر محاورات عرب میں ایسی چند چیزیں جو عموماً انسانوں کے سامنے رہتی ہیں ان کی طرف بغیر ذکر ماضی کے بھی ضمیر راجع کر دینا مشہور و معروف ہے اور قرآن کریم میں بھی اس کی نظائر موجود ہیں۔ اس اعتبار سے معنی یہ ہوئے کہ قسم ہے دن کی اور دنیا کی یا زمین کی جس کو دن نے روشن کر دیا ہے اس میں بھی اشارہ اس طرف ہے کہ دن کی قسم اس حالت کے اعتبار سے ہے جبکہ وہ پوری طرح روشن ہو جائے۔ اور عبارت کے اعتبار سے ظاہر یہ ہے کہ یہ ضمیر آفتاب کی طرف راجع ہو اس صورت میں معنی یہ ہونگے کہ قسم ہے دن کی جبکہ وہ آفتاب کو روشن کر دے۔ یہ اسناد مجازی ہوگی اور مطلب یہ ہوگا کہ جب دن نکل آنے کے سبب آفتاب روشن نظر آنے لگے۔

چوتھی قسم وَاللَّيْلُ اِذَا اَغْشَا، یعنی قسم ہے رات کی جبکہ وہ آفتاب پر چھا جائے یعنی آفتاب کی روشنی کو مستور کر دے۔

پانچویں قسم وَالسَّمَاءُ وَمَا بَنَاهَا، اس میں سابق نظم کے اعتبار سے زیادہ واضح بات یہ ہے کہ مَا بَنَاهَا میں صرف ما کو مصدر یہ قرار دیکر معنی یہ لئے جاویں کہ قسم ہے آسمان اور اسکے بنانے کی جیسا قرآن کریم میں ہے، بِنَا عَفْرٰی رَیٰی۔ اسی طرح چھٹی قسم وَالْاَرْضُ وَمَا طَرَاهَا میں بمعنی مصدر لیکر ترجمہ یہ ہوگا کہ قسم ہے زمین اور اسکے بچھانے پھیلانے کی، کیونکہ طَوَّ مصدر کے معنی بچھانے پھیلانے کے آتے ہیں۔ اس میں آسمان کیساتھ بنانیکا اور زمین کے ساتھ بچھانے پھیلانے کا ذکر بھی اُسی حالت کمال کو بتلانے کے لئے ہے کہ قسم ہے آسمان کی اُس حالت میں جبکہ اُس کی تخلیق و تکوین مکمل ہو گئی، اور قسم ہے زمین کی جبکہ اسکو پھیلانے کی تخلیق مکمل کر دی گئی۔ حضرت قتادہ وغیرہ

سے یہ تفسیر منقول ہے۔ کثافت اور بیضاوی و قرطبی نے اسی کو اختیار کیا ہے۔ اور بعض حضرات مفسرین نے اس جگہ حرف ما کو بمعنی مَنْ لیکر اس کی مراد حق تعالیٰ کی ذات لی ہے کہ قسم ہے آسمان کی اور اس کے بنانے والے کی، اسی طرح وَالْأَرْضِ وَمَا طَرَفُهَا کا مفہوم یہ بیان کیا گیا کہ قسم ہے زمین اور اُس کے پھیلانے والے کی۔ مگر یہاں جتنی قسمیں اب تک مذکور ہوئیں اور جو آگے آ رہی ہیں وہ سب مخلوقات کی قسمیں ہیں، درمیان میں ذات حق کی قسم آجانا نسق اور ترتیب سے بعید معلوم ہوتا ہے اور اس صورت میں جو اوپر لکھی گئی ہے یہ اسکا بھی نہیں لازم آتا کہ مخلوقات کی قسم کو ذات خالق پر مقدم کیوں بیان کیا گیا۔ واللہ اعلم

ساتویں قسم وَنَفْسٍ وَمَا سَوَّاهَا، اس میں بھی ما کو مصدر یہ لیا جائے تو معنی یہ ہیں کہ قسم ہے انسانی جان کی اور اس کے درست و متناسب کرنے کی اور اگر ما کو بمعنی مَنْ لیا جائے تو معنی یہ ہونگے کہ قسم ہے نفس کی اور اس کے برابر درست کر نیوالے کی۔ تسو یہ یعنی درست اور برابر کرنے کا مفہوم اس سے پہلی سورتوں میں آچکا ہے۔

فَالْهَمَّهَا فَجُودَهَا وَتَقْوَاهَا، الہام کے معنی دل میں ڈالنا۔ فجور کے معنی کھلا گناہ اور تقویٰ کا مفہوم معروف و مشہور ہے۔ یہ جملہ بھی ساتویں قسم وَنَفْسٍ وَمَا سَوَّاهَا کے ساتھ مربوط ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے نفس انسانی کو بنایا، پھر اس کے دل میں فجور اور تقویٰ دونوں کا الہام کر دیا، مراد یہ ہے کہ نفس انسانی کی تخلیق میں حق تعالیٰ نے گناہ اور طاعت دونوں کے مادے اور استعداد رکھ دی ہے پھر انسان کو ایک خاص قسم کا اختیار اور قدرت دیدی کہ وہ اپنے قصد و اختیار سے گناہ کی راہ اختیار کر لے یا طاعت کی، جب وہ اپنے قصد و اختیار سے انہیں سے کوئی راہ اختیار کرتا ہے تو اسی قصد و اختیار پر اسکو ثواب یا عذاب ملتا ہے، اس تفسیر سے وہ شیعہ فرج ہو گیا کہ گناہ اور طاعت جب خود انسان کی تخلیق میں رکھی گئی تو وہ اس کے کرنے پر مجبور ہوا، ایسی صورتیں وہ نہ کسی ثواب کا مستحق ہے نہ عذاب کا، اور یہ تفسیر ایک حدیث مرفوعہ سے مستفاد ہے جو صحیح مسلم میں حضرت عمران بن حصینؓ کی روایت سے آئی ہے کہ بعض لوگوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مسئلہ تقدیر کے متعلق سوال کیا تو آپ نے جواب میں یہ آیت تلاوت فرمائی۔ اس آیت مسئلہ تقدیر کے شبہ کا جواب اسی صورت میں ہو سکتا ہے جبکہ الہام فجور و تقویٰ سے مراد یہ لیا جائے کہ دونوں کے مادے اور استعدادیں حق تعالیٰ نے نفس انسانی کے اندر رکھ دیے ہیں مگر اس کو انہیں سے کسی ایک پر مجبور محض نہیں کیا بلکہ اُس کو قدرت و اختیار دیا کہ انہیں سے جس کو چاہے اختیار کر سکتا ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ اور ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب یہ آیت تلاوت فرماتے تو بلند آواز سے یہ دعا پڑھا کرتے تھے اللَّهُمَّ ارْزُقْ نَفْسِي تَقْوَاهَا أَمَّا وَلِيُّهَا وَمَوْلَاهَا وَأَنْتَ خَيْرُ مَنْ ذَكَرَهَا یعنی یا اللہ میرے نفس کو تقویٰ کی توفیق عطا فرما، آپ ہی میرے نفس کے ولی اور مربی ہیں۔

ان سات قسموں کے بعد جواب قسم میں فرمایا قَدْ أَفْلَحَ مَنْ ذَكَرَهَا وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسَّاهَا، یعنی بامراد ہوا وہ شخص جس نے اپنے نفس کا تزکیہ کر لیا۔ تزکیہ کے صلی معنی باطنی پاکی کے ہیں۔ مراد یہ ہے کہ جس نے اللہ کی اطاعت کر کے اپنے ظاہر و باطن کو پاک کر لیا۔ اور محروم ہوا وہ شخص جس نے اپنے نفس کو گناہوں کی دلدل میں دھنسا دیا

لفظ دَشَّی، دَشَّی سے مشتق ہے جس کے معنی زمین میں دفن کر دینے کے ہیں کما قال تعالیٰ اَمْ يَنْشُرُهُ فِي الْاَرْضِ اور بعض مفسرین نے یہاں دَشَّی اور دَشَّی دونوں میں ضمیر فاعل اشترک کی طرف راجع کر کے معنی یہ کئے ہیں کہ بامراد ہوا وہ آدمی جس کو اللہ تعالیٰ نے پاک کر دیا، اور نامراد و محروم ہوا وہ جس کو اللہ تعالیٰ نے گناہوں میں دھنسا دیا اس آیت نے کل انسانوں کو دو گروہوں میں تقسیم کر دیا، ایک بامُراد دوسرا نامُراد، آگے اس دوسری قسم کے لوگوں کا ایک واقعہ بطور مثال کے پیش کر کے اُن کے انجام بد سے ڈرایا گیا ہے کہ ان نامرادوں کو آخرت میں تو سخت سزا ملے گی بعض اوقات دنیا میں بھی اُن کو سزا کی ایک قسط دیدی جاتی ہے جیسے قوم ثمود کو پیش آیا، ان کا واقعہ تفصیل کیساتھ سورہ اعراف میں آچکا ہے یہاں اس کی طرف اجمالی اشارہ فرما کر انکے عذاب کا بیان فرمایا۔

فَدَمْدَمَ عَلَيْهِمْ رَبُّهُمْ فَرْسَوْهُمْ فَسَوْاْهُمْ، دمدمہ کا لفظ ایسے سخت عذاب کے لئے بولا جاتا ہے جو کسی شخص یا قوم پر بار بار آتا رہے یہاں تک کہ ان کو بالکل فنا کر دے۔ اور فَرْسَوْهُمْ کا مطلب یہ ہے کہ یہ عذاب پوری قوم پر محیط ہو گیا جس میں مرد و عورت بچہ بوڑھا سب برابر ہو گئے۔ آخر میں فرمایا وَلَا يَخَافُ عُقْبَاهُمْ، یعنی حق تعالیٰ کا عذاب اور کسی قوم کو تباہ کر دینے کے معاملے کو دنیا کے معاملات کی طرح نہ سمجھ کہ اس میں بڑے سے بڑا بادشاہ صاحب قوت و شوکت بھی جب کسی قوم کے ساتھ ایسا معاملہ کرتا ہے جس میں پوری قوم کی ہلاکت ہے تو اس کو خود بھی یہ خطرہ رہتا ہے کہ ایسا نہ ہو کہ اُن کے بقایا یا انکے حامی لوگ ہم سے انتقام لیں اور بغاوت کرنے لگیں غرض دنیا میں دوسروں کو مارنے والا خود بھی بے خطر نہیں رہتا، جو دوسروں پر حملہ کرتا ہے اس کو اپنے پر حملے کا خطرہ بھی لازماً برداشت کرنا پڑتا ہے بجز حق تعالیٰ جل شانہ کے کہ اس کو کسی وقت کسی سے کوئی خطرہ نہیں، واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

تَمَّتْ سُورَةُ الشُّمُسِ بِحَمْدِ اللَّهِ ۲۴ شعبان ۱۳۵۹ھ

سُورَةُ الْبَلَلِ

سُورَةُ الْبَلَلِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ أَحَدُ عَشْرُونَ آيَةً
سورۃ بیل مکہ میں نازل ہوئی اور اس کی آیتیں آیتیں ہیں

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بھر مہربان نہایت رحم والا ہے

وَالْبَلَلِ إِذَا يَغْشَى ۱ وَالنَّهَارِ إِذَا تَجَلَّى ۲ وَمَا خَلَقَ الذَّكَرَ وَالْأُنثَى ۳

قسم رات کی جب چھا جائے اور دن کی جب روشن ہو اور اُس کی جو اُس نے پیدا کئے نر اور مادہ

إِنَّ سَعْيَكُمْ لَشَتَّى ۴ فَأَمَّا مَنْ أَعْطَى وَاتَّقَى ۵ وَصَدَّقَ بِالْحُسْنَى ۶

تمہاری کمائی طرح طرح پر ہے سو جس نے دیا اور ڈرتا رہا اور سچ جانا بھلی بات کو

فَسَيُسِّرُهُ لِيُسْرَى ۷ وَأَمَّا مَنْ بَخِلَ وَاسْتَغْنَى ۸ وَكَذَّبَ

تو اسکو ہم سچ سچ پہنچا دیں گے آسانی میں، اور جس نے نہ دیا اور بے پردا رہا اور جھوٹ جانا

بِالْحُسْنَى ۹ فَسَيُسِّرُهُ لِيُسْرَى ۱۰ وَمَا يُغْنِي عَنْهُ مَالُهُ إِذَا تَرَدَّى ۱۱

بھلی بات کو، سو اسکو ہم سچ سچ پہنچا دیں گے سستی میں اور کام نہ آئیگا اس کے مال اسکا جب گڑھے میں گرے گا

إِنَّ عَلَيْنَا لَلْهُدَى ۱۲ وَإِنَّ لَنَا لَلْآخِرَةَ وَالْأُولَىٰ ۱۳ فَأَنْذَرْنَاهُمْ نَارًا

ہمارا ذمہ ہے راہ بھلا دینا اور ہمارے ہاتھ میں ہے آخرت اور کر تیا سو میں نے سنا دی تم کو خبر ایک

تَنْكُظُ ۱۴ لَا يَصْلَاهَا إِلَّا الْأَشْقَى ۱۵ الَّذِي كَذَّبَ وَتَوَلَّىٰ ۱۶ وَسَيُجَنَّبُهَا

بھڑکتی ہوئی آگ کی، اُسیں وہی گریگا جو بڑا بد بخت ہے جس نے جھٹلایا اور منہ پھیرا، اور بچا دیں گے اُس سے بڑے

الَّذِي تَتَّىٰ ۱۷ الَّذِي يُوْتَىٰ مَالَهُ يَتَزَكَّىٰ ۱۸ وَمَا لِأَحَدٍ عِنْدَهُ مِنْ نِعْمَةٍ

ڈر نیوالے کو جو دیتا ہے اپنا مال دل پاک کرنے کو اور نہیں کسی کا اُس پر احسان جس کا

تُجْزَىٰ ۱۹ إِلَّا ابْتِغَاءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْأَعْلَىٰ ۲۰ وَلَسَوْفَ يَرْضَىٰ ۲۱

بدل دے مگر واسطے چاہنے مرضی اپنے رہا کی جو سب سے بڑے اور آگے وہ راضی ہوگا

خلاصہ تفسیر

قسم ہے رات کی جبکہ وہ آفتاب کو اور دن کو چھپائے، اور قسم ہے دن کی جبکہ وہ روشن ہو جاوے (اور قسم ہے اُس ذات کی جس نے نر اور مادہ کو پیدا کیا (مراد اللہ تعالیٰ ہے آگے جواب قسم ہے) کہ بیشک تمہاری کوششیں (یعنی اعمال) مختلف ہیں (اور اسی طرح انکے ثمرات بھی مختلف ہیں) سو جس نے (اللہ کی راہ میں مال) دیا اور اللہ سے ڈرا اور اچھی بات (یعنی ملتِ اسلام) کو سچا سمجھا تو ہم اس کو راحت کی چیز کے لئے سلمان دیدیں گے (راحت کی چیز سے نیک عمل اور بواسطہ نیک عمل کے جنت مراد ہے کہ عسکر کا سبب اور محل ہے اسی لئے عسری کہہ دیا گیا ورنہ عسری کے معنی ہیں آسان چیز) اور جس نے حقوق واجبہ سے بخل کیا اور بجائے خدا سے ڈرنے کے خدا سے بے پروائی اختیار کی اور اچھی بات (یعنی ملتِ اسلام) کو جھٹلایا تو ہم اس کو تکلیف کی چیز کے لئے سلمان دیدیں گے (تکلیف کی چیز سے بد عمل اور بواسطہ بد عمل کے دوزخ مراد ہے کہ عسکر کا سبب اور محل ہے اس لئے اُس عسکر کو عسری کہہ دیا گیا اور سلمان دینے سے مراد دونوں جگہ یہ ہے کہ اچھے یا برے کام اُس کے لئے آسان ہو جائیں گے اور بے تکلف سرزد ہونے لگیں گے اور ویسے ہی اسباب جمع ہو جاویں گے پھر نیک اعمال کا سلمان جنت ہونا اور اعمالِ بد کا سلمان دوزخ ہونا ظاہر ہی ہے۔ حدیث میں ہے اقامن کان من اهل السقا فیستر عمل اهل السعادة وکان فی الشقاوة) اور آگے صاحبِ عسری کا حال مذکور ہے کہ) اس کا مال اسکے کچھ کام نہ آدیکجا جب وہ برباد ہونے لگے گا (بربادی سے مراد جہنم میں جانا ہے) واقعی ہمارے ذمہ (اپنے وعدہ کے مطابق) راہ کا بتلا دینا ہے (سو وہ ہم نے پوری طور سے بتلا دیا ہے پھر کسی نے ایمان و طاعت کی راہ اختیار کرنی جسکا ذکر بنِ اعطیٰ الخ میں ہوا ہے، اور کسی نے کفر و معصیت کی راہ کو اختیار کر لیا جسکا ذکر بنِ بخل میں ہوا ہے) اور (جیسی راہ کوئی شخص اختیار کر چکا دیکھا ہی ثمرہ اس کو دیں گے کیونکہ) ہمارے ہی قبضہ میں ہے آخرت اور دنیا (یعنی دونوں میں ہماری ہی حکومت ہے اس لئے دنیا میں ہم نے احکام مقرر کئے اور آخرت میں مخالفت اور موافقت پر سزا و جزا دیں گے جسکا بیان دو جگہ فسیئرۃ میں ہوا ہے۔ آگے بطور تیغ اور توضیح کے ارشاد ہے کہ میں نے جو تم کو اعمالِ مختلفہ کی مختلف جزائیں بتلا دی ہیں) تو میں تمکو ایک بھرتی ہوئی آگ سے ڈرا چکا ہوں (جس پر جملہ فسیئرۃ کا لُغوی دلالت کرتا ہے تاکہ ایمان و طاعت جن کا ذکر اعطیٰ الخ میں ہے اختیار کر کے اس آگ سے بچو، اور کفر و معصیت جن کا ذکر بخل الخ میں ہے اختیار کر کے دوزخ میں نہ جاؤ کیونکہ اس میں جانے اور نہ جانے کے یہی اسباب ہیں چنانچہ آگے اس کی تصریح ہے کہ) اس میں ہمیشہ کے لئے ہماری بد بخت داخل ہوگا جس نے (دین حق کو) جھٹلایا اور اس سے دگر دانی کی اور اس سے ایسا شخص دُور رکھا جو بڑا پرہیزگار ہے، جو اپنا مال (یعنی) اس غرض سے دیتا ہے کہ گناہوں سے پاک ہو جاوے۔ (یعنی محض رضائے حق اسکا مطلوب ہے) اور بجز اپنے عالیشان پروردگار کی رضا جوئی کے (کہ یہی اس کا

معارف و مسائل

سعی و عمل کے اعتبار سے انسانوں کے دو گروہ | آگے قرآن حکیم نے سعی و عمل کے اعتبار سے انسانوں کے دو گروہ بتلائے اور دونوں کے تین تین اوصاف ذکر کئے۔ پہلا گروہ کامیاب لوگوں کا ہے اُن کے تین عمل یہ ہیں قَامًا مَنِّ اَعْطٰی وَ اَتَقٰی وَ صَدَّقَ بِالْحُسْنٰی، یعنی جس نے اللہ کی راہ میں مال خرچ کیا اور اللہ سے ذکر زندگی کے ہر شعبہ میں اُس کے احکام کی خلاف ورزی سے بچتا رہا اور جس نے اچھی بات کی تصدیق کی۔ اچھی بات سے مراد کلمہ ایمان لا الہ الا اللہ ہے۔ (کما قالہ ابن عباس و الضحاك اسدی) اس کلمہ کی تصدیق سے مراد ایمان لے آنا ہے اور اگرچہ ایمان سب اعمال کی روح اور سب سے مقدم ہے اسکو یہاں مؤخر کر نیکی شاید یہ وجہ ہو کہ اس جگہ ذکر سعی و عمل اور جدوجہد کا ہے اور وہ اعمال ہی ہیں۔ ایمان تو ایک قلبی چیز ہے کہ دل میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی تصدیق کرے پھر زبان سے بھی اسکا اقرار کلمہ شہادت کے ذریعہ کر لے، اور ظاہر ہے کہ ان دونوں چیزوں میں کوئی جہانی محنت نہیں نہ کوئی اسکو اعمال کی فہرست میں شمار کرتا ہے دوسرے گروہ کے بھی تین عمل کا ذکر فرمایا قَامًا مَنِّ اَبْخَلَّ وَ اسْتَعْنٰی وَ کَانَ جَبَّ بِالْحُسْنٰی، یعنی جس نے اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنے سے بخل کیا کہ زکوٰۃ فرض اور صدقات واجبہ بھی ادا کرنے سے گریز کیا اور اللہ تعالیٰ سے ڈرنے اور اسکی طاعت بھیکنے اور اطاعت اختیار کرنے کے بجائے اُس سے بے نیازی اور بے رخی اختیار کی اور اچھی بات یعنی کلمہ ایمان

کی تکذیب کی، ان دونوں گروہوں میں سے پہلے گروہ کے بارے میں فرمایا فَسَيَسِّرُهُ لِّلْیَسْرَى، یسری کے لفظی معنی آسان اور آرام دہ چیز جہنم میں مشقت نہ ہو مراد اس سے جنت ہے۔ اسی طرح اسکے بالمقابل دوسرے گروہ کے متعلق فرمایا فَسَيَسِّرُهُ لِّلْعُسْرَى، عسری کے لفظی معنی مشکل اور تکلیف دہ چیز کے ہیں، مراد اس سے جہنم ہے۔ اور معنی دونوں جملوں کے یہ ہیں کہ جو لوگ اپنی سعی و محنت پہلے تین کاموں میں لگاتے ہیں یعنی اللہ کی راہ میں خرچ اور اللہ سے ڈرنا اور ایمان کی تصدیق، ان لوگوں کو ہم یسری یعنی اعمال جنت کے لئے آسان کر دیتے ہیں اور جو لوگ یہ سعی و عمل دوسرے تین کاموں میں لگاتے ہیں ان کو ہم عسری یعنی اعمال جہنم کے لئے آسان کر دیتے ہیں، یہاں بظاہر مقصود مقام یہ کہنے کا تھا کہ ان کے لئے اعمال جنت یا اعمال دوزخ آسان کر دیئے جائیں گے کیونکہ آسان یا مشکل ہونا صفت اعمال ہی کی ہو سکتی ہے تو خود ذات و اشخاص آسان ہوتے ہیں مشکل، مگر قرآن کریم نے اس کی تعبیر اس طرح فرمائی کہ خود ان لوگوں کی ذات اور وجود ان اعمال کے لئے آسان کر دیئے جاویں گے اس میں اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ ان کی طبیعتوں اور مزاجوں کو ایسا بنا دیا جائیگا کہ پہلے گروہ کیلئے اعمال جنت انکی طبیعت بن جائیں گھٹن کے خلاف کرنے میں وہ تکلیف محسوس کرنے لگیں گے، اسی طرح دوسرے گروہ کا مزاج ایسا بنا دیا جائیگا کہ اس کو اعمال جہنم ہی پسند آئیں گے، انہیں میں راحت ملے گی اعمال جنت سے نفرت ہوگی۔ ان دونوں گروہوں کے مزاجوں میں یہ کیفیت پیدا کر دینے کو اس سے تعبیر فرمایا کہ یہ خود ان کاموں کے لئے آسان ہو گئے۔ ایک مرفوع حدیث میں اس کی تائید اس طرح آتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اَعْمَلُوا فَاَسْكَنَ مِيسِرًا خَلَقَ لَهٗ اَقَامَنَ كَانُ مِنْ اَهْلِ السَّعَادَةِ فَيَسِّرُ لِعَمَلِ السَّعَادَةِ وَاَقَامَنَ كَانُ مِنْ اَهْلِ الشَّقَاوَةِ فَيَسِّرُ لِعَمَلِ اَهْلِ الشَّقَاوَةِ (رواہ البخاری و مسلم عن علی رضی اللہ عنہ) یعنی تم جو عمل کرتے ہو وہ کرتے رہو کیونکہ ہر ایک آدمی کے لئے وہی کام آسان کر دیا گیا ہے جس کے لئے وہ پیدا کیا گیا، اس لئے جو اہل سعادت نیک بخت خوش نصیب ہیں تو اہل سعادت ہی کے اعمال ان کی طبعی رغبت بن جاتے ہیں اور جو اہل شقاوت بد نصیب یعنی اہل جہنم ہیں ان کے لئے اہل شقاوت ہی کے اعمال کرنا مزاج اور طبیعت بن جاتی ہے۔ مگر یہ دونوں چیزیں اپنے خداداد اختیار کو استعمال کرنے کے نتیجہ میں ملتی ہیں اسلئے ان پر عذاب و ثواب کا ترتیب مستبعد نہیں کہا جاسکتا۔ اسکے بعد بد نصیب گروہ اہل جہنم کو تنبیہ ہے وَمَا يُغْنِي عَنْهُ مَالُهُ اِذَا تَوَدَّى، یعنی جس مال کی خاطر یہ کسب حق واجبہ میں بھی بخل کیا کرتا تھا یہ مال اس پر عذاب آنے کے وقت کچھ کام نہ دیگا۔ تودی کے لفظی معنی گڑھے میں گر جانے اور ہلاک ہونے کے ہیں۔ مراد یہ ہے کہ موت کے بعد قبر میں اور پھر قیامت میں جب وہ جہنم کے گڑھے میں گرے گا تو یہ مال اُس کو کچھ نفع نہیں دیگا۔

لَا يَصْلٰهُنَّ اِلَّا الَّذِي كَانَ يَكْتُمُ وِتْوٰى، یہ نار جہنم کے حال کا بیان ہے کہ اس میں داخل نہیں ہوگا مگر وہ ہی شخص جو بد نصیب ہے اور جس نے اللہ و رسول کی تکذیب کی اور ان کی اطاعت سے روگردانی کی اور یہ ظاہر ہے کہ اللہ و رسول کی تکذیب کرنی والا صرف کافر ہی ہو سکتا ہے۔ اس سے بظاہر یہ سمجھا جاتا ہے کہ مومن گناہگار جو تکذیب کا مجرم نہیں جہنم میں نہیں جائے گا، حالانکہ قرآن و حدیث کی بشمار نصوص اس سے بھری ہوئی ہیں،

کہ مومن بھی جو گناہ کرتا ہے اگر اُس نے توبہ نہ کر لی یا کسی کی شفاعت سے یا خالص رحمت سے اسکو معاف نہ کر دیا گیا تو وہ بھی جہنم میں جائیگا اور اپنے گناہوں کی سزا بھگتنے تک جہنم میں رہے گا، البتہ سزا بھگتنے کے بعد جہنم سے نکال لیا جائے گا اور پھر برکت ایمان جنت میں داخل ہو جائیگا، بظاہر اس آیت کے الفاظ اس کیخلاف ہیں اس لئے ضروری ہے کہ مراد اس آیت کی وہ ہو جو دوسری آیات قرآن اور احادیث صحیحہ کیخلاف نہ ہو، اسکی بہت اسان توجیہ تو وہ ہے جو خلاصہ تفسیر میں لی گئی ہے کہ یہاں دخول جہنم سے مراد وہ دخول ہے جو ہمیشہ کے لئے ہو، اور ایسا دخول صرف کافر کے ساتھ مخصوص ہے مومن کسی نہ کسی وقت بالآخر اپنے گناہ کی سزا پوری کرنے کے بعد جہنم سے نکال لیا جائیگا۔ علماء مفسرین نے اسکے سوا دوسری کچھ توجیہات بھی بیان فرمائی ہیں وہ بھی اپنی جگہ درست ہو سکتی ہیں۔ اور تفسیر مظہری میں اس کی ایک توجیہ یہ کی ہے کہ اس آیت میں اشقیٰ اور اتقیٰ سے مراد عام نہیں، بلکہ وہ لوگ مراد ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک میں موجود تھے، اُن موجودین میں سے کوئی مسلمان باوجود گناہ سرزد ہونے کے بھی برکت صحبت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جہنم میں نہیں جائے گا۔

صحابہ کرام کے سب جہنم سے محفوظ ہیں [وجہ یہ ہے کہ اول تو ان حضرات میں کسی سے بھی گناہ کا صدور بہت ہی شاذ و نادر ہوا ہے اور بوجہ خوف آخرت کے اُن کے حالات سے یہ لازم معلوم ہوتا ہے کہ اگر کسی سے کوئی گناہ ہوا بھی ہے تو اُس نے توبہ نہ کر لی ہوگی۔ پھر اسکے ایک گناہ کے مقابلے میں اُس کے اعمال حسنہ اتنے زیادہ ہیں کہ انکی وجہ سے بھی یہ گناہ معاف ہو سکتا ہے جیسا کہ قرآن کریم میں ہے إِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ، یعنی نیک اعمال برے اعمال کا کفارہ بنجاتے ہیں اور خود صحبت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایسا عمل ہے جو تمام اعمال حسنہ پر غالب ہے۔ حدیث میں صحابہ کرام کے بارے میں آیا ہے ہم قوم لا یشتق جلیسہم ولا یحنا بانسیہم (صحیحین) یعنی یہ وہ لوگ ہیں جن کیساتھ بیٹھنے والا شقی و نامراد نہیں ہو سکتا اور جو اُن سے مانوس ہو وہ محروم نہیں رہ سکتا۔ تو جو شخص سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کا جلیس اور انیس ہو وہ کیسے شقی ہو سکتا ہے۔ اسی لئے احادیث صحیحہ میں اس کی تصریحات موجود ہیں کہ صحابہ کرام سب کے سب ہی عذاب جہنم سے بری ہیں۔ خود قرآن کریم میں صحابہ کرام کے بارے میں یہ موجود ہے وَقَدْ أَفْلَحَ اللَّهُ الْحَسَنَةُ، یعنی انہیں سے ہر ایک کے لئے اللہ نے حسنی یعنی جنت کا وعدہ فرمایا ہے اور دوسری آیت میں ہے إِنَّ الَّذِينَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِنَّا الْحُسْنَةُ أُولَٰئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُونَ، یعنی جن لوگوں کے لئے ہماری طرف حسنی مقدر ہو چکی ہے وہ نار جہنم سے دور رہیں گے۔ اور ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ جہنم کی آگ اُس شخص کو نہیں چھوئے گی جس نے مجھے دیکھا ہے (ترمذی عن جابر بن)

وَسَيُجَنَّبُهَا الْأَتْقَى الَّذِي يُؤْتِي مَالَهُ يَتَزَكَّى، یہ اہل شقاوت کے مقابل اہل سعادت تقویٰ شقا حضرات کی جزا کا بیان ہے کہ جو آدمی اتقی یعنی مکمل اطاعت حق کا خوگر ہو اور وہ اپنا مال اللہ کی راہ میں صرف اگلے فریح کرتا ہے کہ وہ گناہوں سے پاک ہو جائے ایسا شخص اس جہنم کی آگ سے دور رکھا جائے گا۔ الفاظ آیت کے تو عام ہیں جو شخص بھی ایمان کیساتھ اللہ کی راہ میں مال فریح کرتا ہے اُس کے لئے یہ

بشارت ہے لیکن شانِ نزول کے واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اصل مراد اس لفظِ اتقی سے حضرت صدیق اکبرؓ ہیں ابن ابی حاتم نے حضرت عروہ سے روایت کیا ہے کہ سات مسلمان ایسے تھے جن کو کفار مکہ نے اپنا غلام بنایا ہوا تھا جب وہ مسلمان ہو گئے تو ان کو طرح طرح کی ایذایں دیتے تھے حضرت صدیق اکبرؓ نے اپنا بڑا مال فرج کر کے ان کو کفار سے خرید کر آزاد کر دیا، اس پر یہ آیت نازل ہوئی (منظہری)

اسی کے مناسب آیت کا آخری جملہ ہے **وَمَا لِأَحَدٍ عِندَكَ مِنْ نِعْمَةٍ تُجْزَىٰ**، یعنی جن غلاموں پر حضرت صدیق اکبرؓ نے یہ احسانِ عظیم فرمایا کہ زکثیر فرج کر کے خرید اور آزاد کر دیا، ان کا کوئی سابقہ احسان بھی انکے ذمہ نہیں تھا جس کے بدلے میں یہ اقدام کرتے بلکہ **إِلَّا ابْتِغَاءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْأَعْلَىٰ**، یعنی ان کا مقصد اللہ تعالیٰ کا عیشان کی رضا جوئی کے سوا کچھ نہ تھا۔

مستدرک حاکم میں حضرت زبیرؓ سے منقول ہے کہ صدیق اکبرؓ کی یہ عادت بھی تھی کہ جس مسلمان کو کفار کے ہاتھ میں قیدی دیکھتے اُس کو خرید کر آزاد کر دیتے تھے اور یہ لوگ عموماً ضعیف ہوتے تھے، صدیق اکبرؓ کے والد حضرت ابو قحافہؓ نے ان سے فرمایا کہ جب تم غلاموں کو آزاد ہی کرتے ہو تو اتنا کام کر لو کہ ایسے غلاموں کو آزاد کیا کرو جو قوی و بہادر ہیں تاکہ وہ کل تمہارے دشمنوں کا مقابلہ اور تمہاری حفاظت کر سکیں۔ حضرت صدیق اکبرؓ نے فرمایا کہ میرا مقصد ان آزاد کردہ حضرات سے کوئی فائدہ اٹھانا نہیں بلکہ میں تو صرف اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے لئے ان کو آزاد کرتا ہوں (منظہری)

وَلَسَوْفَ يَرْضَىٰ، یعنی جس شخص نے اپنا مال فرج کرنے میں صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کو دیکھا اپنا کوئی دُنیوی فائدہ نہیں نکلا تو اللہ تعالیٰ بھی آخرت میں اس کو راضی ہی کر دیں گے کہ جنت کی نعمت عجیبہ ائمہ نصیب فرمادیں گے۔ شانِ نزول کے واقعہ سے ان آیات کا صدیق اکبرؓ کی شان میں نازل ہونا ثابت ہے اس لئے یہ آخری کلمہ حضرت صدیق اکبرؓ کے لئے ایک عظیم خوشخبری اور اعزاز ہے کہ ان کو دُنیا ہی میں اللہ کی طرف سے راضی کر دیئے جانے کی خوشخبری سنائی۔

تَمَّتْ سُورَةُ التَّيْلِ بِحَمْدِ اللَّهِ ۲۵ رَجَبِ سَنَةِ ۹۱ھ

مشرف رہیں گے اور یہ شرف و کرامت تو آپ کے لئے دنیا میں ہے) اور آخرت آپ کے لئے دنیا سے بدرجہا بہتر ہے (پس وہاں آپ کو اس سے زیادہ نعمتیں ملیں گی) اور عنقریب اللہ تعالیٰ آپ کو (آخرت میں بکثرت نعمتیں) دے گا سو آپ (انکے عطا ہونے سے) خوش ہو جاویں گے (اور جس کی قسم کھائی ہے اُس کو اس بشارت سے مناسبت یہ ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ ظاہر میں اپنی قدرت و حکمت کے مختلف نشان ظاہر کرتا ہے دن کے پیچھے رات کو اور رات کے پیچھے دن کو لانا اور یہی کیفیت باطنی حالات کی سمجھ۔ اگر سورج کی دھوپ کے بعد رات کی تاریکی کا آنا اللہ تعالیٰ کی خلقی اور ناراضی کی دلیل نہیں اور نہ اسکا کوئی ثبوت ہے کہ اس کے بعد دن کا اُجالا کبھی نہ ہوگا تو چند روز وحی کے رکے رہنے سے یہ کیونکر سمجھ لیا جائے کہ آجکل خدا اپنے منتخب کئے ہوئے پیغمبر سے خفا اور ناراض ہو گیا اور ہمیشہ کے لئے وحی کا دروازہ بند کر دیا، ایسا کہنا تو خدا تعالیٰ کے علم محیط اور حکمت بالغہ پر اعتراض کرنا ہے گویا اسکو خبر نہ تھی کہ جس کو میں نبی بنا رہا ہوں وہ آئندہ چلکر اسکا اہل ثابت نہ ہوگا نعوذ باللہ منہ۔ آگے بعض نعمتوں سے مضمون مذکور کی تائید ہے یعنی) کیا اللہ تعالیٰ نے آپ کو تیسیم نہیں پایا پھر (آپ کو) ٹھکانا دیا (کہ شکم مادر میں ہونے کے وقت ہی آپ کے والد کی وفات ہو گئی اللہ تعالیٰ نے آپ کے دادا سے پرورش کرایا پھر جب آپ آٹھ برس کے ہوئے تو ان کی بھی وفات ہو گئی تو آپ کے چچا سے پرورش کرایا، ٹھکانہ دینے کا مطلب یہی ہے) اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو (شریعت سے) بے خبر پایا سو (آپ کو شریعت کا) رستہ بتلایا (کہ قولہ تعالیٰ مَا كُنْتُ تَدْرِي مَا الْكِتَابُ وَلَا الْإِيمَانُ الخ اور وحی سے پہلے شریعت کی تفصیل معلوم نہ ہونا کوئی عیب نہیں) اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو نادار پایا سو مالدار بنا دیا (اس طرح کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے مال میں آپ نے بطور مضاربہ کے تجارت کی، اس میں نفع ملا، پھر حضرت خدیجہ نے آپ سے نکاح کر لیا اور اپنا تمام مال حاضر کر دیا مطلب یہ کہ آپ ابتدا سے مورد انعامات رہے ہیں آئندہ بھی رہیں گے اُن انعامات پر ادائے شکر کا حکم ہے کہ جب ہم نے آپ کو یہ نعمتیں دی ہیں) تو آپ (اس کے شکر یہ میں) تیسیم پختی نہ کیجئے اور سائل کو مت جھڑکئے (یہ تو شکر فعلی ہے) اور اپنے رب کے انعامات (مذکورہ) کا تذکرہ کرتے رہا کیجئے۔

معارف و مسائل

شان نزول | اس سورت کے سبب نزول کے متعلق بخاری و مسلم میں حضرت جندب بن عبد اللہ کی روایت سے آیا ہے اور ترمذی نے حضرت جندب سے یہ روایت کیا ہے کہ ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک اگلی زخمی ہو گئی اُس سے خون جاری ہوا تو آپ نے فرمایا، اِنَّكَ اَنْتَ الْاَصْبَعُ دَمِيتَ ۖ وَفِي سَبِيلِ اللّٰهِ مَا لَقِيتَ، یعنی تو ایک اگلی ہی تو ہے جو خون آلودہ ہو گئی اور جو کچھ تکلیف تجھے پہنچی وہ اللہ کی راہ میں ہے (اس لئے کیا غم ہے) حضرت جندب نے یہ واقعہ ذکر کر کے فرمایا کہ اس واقعہ کے بعد (کچھ روز) جبریل امین کو وحی لیکر نہیں آئے تو مشرکین مکہ نے یہ طعنہ دینا شروع کیا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو اُن کے خدا نے چھوڑ دیا اور ناراض ہو گیا، اس پر یہ سورت ضحیٰ نازل ہوئی حضرت جندب کی روایت جو بخاری میں ہے اس میں ایک دو رات تہجد کے لئے نہ اُٹھنے کا ذکر ہے، وحی میں تاخیر کا ذکر نہیں اور ترمذی میں تہجد میں ایک دو رات نہ اُٹھنے کا ذکر نہیں صرف وحی میں تاخیر کا ذکر ہے۔ ظاہر ہے کہ

ان دونوں میں کوئی تعارض نہیں، ہو سکتا ہے کہ دونوں باتیں پیش آئی ہوں، راوی نے کبھی ایک کو بیان کیا کبھی دوسرے کو، اور یہ عورت جس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو طعنہ دیا اُمّ جمیل ابو لہب کی بیوی تھی جیسا کہ دوسری روایت میں ہے اور تاخیر وحی کے واقعات متعدد مرتبہ پیش آئے ہیں ایک شروع نزول قرآن میں پیش آیا جسکو زمانہ فترت وحی کہا جاتا ہے یہ سب سے زیادہ طویل تھا۔ ایک واقعہ تاخیر وحی کا اسوقت پیش آیا جبکہ مشرکین یا یہود نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روح کی حقیقت کے متعلق سوال فرمایا اور آپ نے بعد میں جواب دینے کا وعدہ فرمایا، مگر انشاء اللہ نہ کہنے کے سبب کچھ روز تک سلسلہ وحی کا بند رہا اسپر مشرکین نے یہ طعنہ دینا شروع کئے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا خدا اُن سے ناراض ہو گیا اور اُن کو چھوڑ دیا، اسی طرح کا یہ واقعہ ہے جو سورہ ضحیٰ کے نزول کا سبب ہوا یہ ضروری نہیں کہ یہ سب واقعات ایک ہی زمانے میں پیش آئے ہوں بلکہ آگے پیچھے بھی ہو سکتے ہیں۔

وَلَا تُخْزُوا خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُولٰٓئِ، یہاں آخرت کو اپنے معروف معنی میں اور اسکے بالمقابل اولیٰ کو دُنیا کے معنی میں لیا جائے تو تفسیر وہ ہے جو خلاصہ تفسیر میں اُدرا آچکی ہے کہ یہ کفار و مشرکین جو طعنے آپ کو دے رہے ہیں یہ دُنیا میں تو دیکھ ہی لیں گے کہ وہ سراسر لغو اور غلط تھے ہم اُس سے آگے آخرت کے انعامات کا بھی آپ سے وعدہ کرتے ہیں کہ آپ کو دُنیا سے بہت زیادہ انعامات سے نوازا جائیگا اور یہ بھی کچھ بعید نہیں کہ اس جگہ آخرت کو اسکے لفظی معنی میں لیا جاوے یعنی پچھلی حالت جیسا کہ لفظ اولیٰ کے لفظی معنی پہلی حالت کے ہیں تو مطلب آیت کا یہ ہو گا کہ آپ پر اللہ تعالیٰ کے انعامات برابر زیادہ ہی ہوتے چلے جائیں گے کہ ہر پہلی حالت سے پچھلی حالت بہتر اور افضل ہوتی چلی جائے گی، اسیں علوم و معارف اور قرب الہی کے درجات میں ترقی بھی داخل ہے اور دُنیا کے معاشی مسائل اور عزت و حکومت بھی۔

وَلَسَوْفَ يَعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰی، یعنی آپ کا رب آپ کو اتنا دیگا کہ آپ راضی ہو جائیں، اس میں حق تعالیٰ نے یہ متعین کر کے نہیں بتلایا کہ کیا دیں گے اسیں اشارہ عموم کی طرف ہے کہ آپ کی ہر مرغوب چیز آپ کو اتنی دیں گے کہ آپ راضی ہو جائیں۔ آپ کی مرغوب چیزوں میں دین اسلام کی ترقی، دین اسلام کا عام طور پر دُنیا میں پھیلنا پھراؤت کی ہر ضرورت اور خود آپ کا دشمنوں پر غالب آنا، انکے ملک میں اللہ کا کلمہ بلند کرنا اور دین حق پھیلانا سب داخل ہیں۔ حدیث میں ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اِذَا لَا اَرْضَ لِي وَ اِحَدٌ مِّنْ اُمَّتِي فِي النَّارِ یعنی جب یہ بات ہے تو میں اُسوقت تک راضی نہ ہوں گا جب تک میری اُمت میں سے ایک آدمی بھی جہنم میں رہے گا (قرطبی) اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ میری اُمت کے بارے میں میری شفاعت قبول فرمائیں گے یہاں تک کہ حق تعالیٰ فرمادیں گے رَضِیْتُ یا احمد، اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم، اب بھی آپ راضی ہیں، تو میں عرض کروں گا یا رب رَضِیْتُ یعنی اے میرے پروردگار میں راضی ہوں۔ اور صحیح مسلم میں حضرت عمر بن عاص رضی کی روایت ہے کہ ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ آیت تلاوت فرمائی جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے متعلق ہے فَمَنْ تَبِعَنِيْ فَاِنَّهٗ مِنِّيْ وَ مَنْ عَصَانِيْ فَاِنَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ، پھر دوسری آیت تلاوت فرمائی جس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام

کا قول ہے اِنْ تَعَدَّ بَعْضُ مَا تَعَدُّوا عِبَادُكَ، پھر آپ نے دُعا کے لئے دونوں ہاتھ اٹھائے اور گریہ و زاری شروع کی اور بار بار فرماتے تھے اَللّٰهُمَّ اُمِّیْ اُمِّیْ، حق تعالیٰ نے جبریل امین کو بھیجا کہ آپ سے دریافت کریں کہ آپ کیوں روتے ہیں (اور یہ بھی فرمایا کہ اگرچہ ہمیں سب معلوم ہے) جبریل امین آئے اور سوال کیا، آپ نے فرمایا کہ میں اپنی اُمت کی مغفرت چاہتا ہوں۔ حق تعالیٰ نے جبریل امین سے فرمایا کہ پھر جاؤ اور کہہ دو کہ اللہ تعالیٰ آپ سے فرماتے ہیں کہ ہم آپ کو آپ کی اُمت کے بارے میں راضی کر دیں گے اور آپ کو رنجیدہ نہ کریں گے۔

ادھر طعنہ کفار کے جواب میں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر انعامات الہیہ دنیا و آخرت میں فائز ہو سکا اجمالی ذکر آیا ہے اس میں اس کی تھوڑی سی تفصیل تین خاص نعمتوں کے ذکر سے فرمائی گئی ہیں اَوَّلُ الْكَرَمِ لَكَ يَبْنِي مَا قَادَىٰ یعنی ہم نے آپ کو یتیم پایا کہ والد کا انتقال ولادت سے پہلے ہی ہو چکا تھا اور انھوں نے کوئی مال و جائداد بھی چھوڑی تھی جس سے آپ کی پرورش ہو سکے، تو ہم نے آپ کا ٹھکانہ بنا دیا، یعنی آپ کے دادا عبد المطلب اور ان کے بعد چچا ابو طالب کے دلوں میں آپ کی ایسی محبت ڈال دی کہ صلبی اولاد سے زیادہ آپ کی تربیت میں کوشش کرتے تھے۔

دوسری نعمت وَوَجَدَكَ يَتِيْمًا فَهَدَاكَ، لفظ ضال کے معنی گمراہ کے بھی آتے ہیں اور نادان فہم بے خبر کے بھی، یہاں دوسرے ہی معنی مراد ہو سکتے ہیں کہ نبوت سے پہلے آپ شریعت الہیہ کے احکام اور علوم سے بے خبر تھے، آپ کو منصب نبوت پر فائز کر کے آپ کی رہنمائی فرمائی۔

تیسری نعمت وَوَجَدَكَ عَائِلًا فَاَغْنٰی، عائِل، عیالہ سے مشتق ہے جس کے معنی فقیر و محتاج ہونے کے ہیں، معنی آیت کے یہ ہوئے کہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے نادار اور بے زر پایا تو آپ کو غنی و مالدار کر دیا، جس کی ابتداء حضرت خدیجہ کبریٰ رضی اللہ عنہا کے مال میں بطور شرکت مضارعت کے تجارت کرنے سے ہوئی پھر وہ خود آپ کے عقد نکاح میں آکر اُم المؤمنین ہوئیں تو ان کا سارا مال ہی آپ کی خدمت کے لئے ہو گیا۔

ان تینوں نعمتوں کا ذکر فرمانے کے بعد آپ کو تین چیزوں کا حکم دیا گیا، اَوَّلُ مَا الْيَتِيْمُ وَلَا تَكْفُرْ، قہر کے معنی غلبہ اور جبری تسلط کے ہیں، مراد یہ ہے کہ آپ کسی یتیم کو ضعیف اور بے وارث سمجھ کر اسکے اموال و حقوق پر اس طرح مسلط نہ ہوں کہ اس کا حق ضائع ہو جائے اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یتیم کے ساتھ شفقت کے معاملے کی تاکید فرمائی اور اسکے ساتھ دل شکنی کا ہر تاؤ کرنے سے منع فرمایا، ارشاد ہے کہ مسلمانوں کے گھروں میں بہتر گھر وہ ہے جس میں کوئی یتیم ہو اور اسکے ساتھ احسان و محبت کا سلوک کیا جاتا ہو، اور سب سے برا گھر وہ ہے جس میں کوئی یتیم ہو اور اسکے ساتھ برا سلوک کیا جاتا ہو (رواہ البخاری فی الادب المفرد، وابن ماجہ والبخاری، منطہری)

دوسرا حکم اَمَّا السَّائِلُ فَلَا تَنْهَرْ، تنہر، نہر سے مشتق ہے جس کے معنی زجر اور جھڑکنے کے ہیں اور سائل کے معنی سوال کرنے والا، اس میں وہ بھی داخل ہے جو کسی مال کا سوال کرے اور وہ بھی جو علمی تحقیق کا سوال کرے، دونوں کو جھڑکنے ڈانٹنے سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو منع فرمایا گیا، بہتر یہ ہے کہ سائل کو کچھ دیکر رخصت کر دے اور نہیں دے سکتا تو نرمی سے عذر کر دے اسی طرح کسی علمی مسئلہ کا سوال کرنے والے کے جواب میں بھی سختی اور بد خوئی

ممنوع ہے نرمی اور شفقت سے جواب دینا چاہیے۔ جس کے کہ سائل کسی طرح مانے ہی نہیں تو بضرورت زجر بھی جائز ہے۔
 تیسرا حکم وَأَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَنِّثْ، حدث، تہذیب سے مشتق ہے جس کے معنی بات کرنے کے ہیں، مراد یہ ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا لوگوں کے سامنے ذکر کیا کریں کہ یہ بھی ایک طریقہ شکر گزاری کا ہے یہاں تک آدمی جو کسی آدمی پر احسان کرے اس کا بھی شکر ادا کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ حدیث میں ہے جو شخص لوگوں کے احسان پر اٹھا شکر نہیں کرتا وہ اللہ کا بھی شکر نہیں کریگا (رواہ احمد و رواۃ ثقات، مظہری)

ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ جو شخص تم پر کوئی احسان کرے تو چاہیے کہ آپ بھی اسکے احسان کا بدلہ دو، اور اگر مالی بدلہ دینے کی استطاعت نہیں تو بھی کر دو کہ لوگوں کے سامنے اُس کی تعریف کرو کیونکہ جس نے لوگوں کے عجب میں اس کی ثناء و تعریف کی تو اُس نے شکر گزاری کا حق ادا کر دیا (رواہ البیہقی عن جابر بن عبد اللہ، مظہری)
 مسئلہ۔ ہر نعمت کا شکر ادا کرنا واجب ہے مالی نعمت کا شکر یہ ہے کہ اس مال میں سے کچھ اللہ کے لئے اخلاص سے اس کے ساتھ فرج کرے اور نعمت بدن کا شکر یہ ہے کہ جہانی طاقت کو اللہ تعالیٰ کے واجبات ادا کرنے میں صرف کرے اور علم و معرفت کی نعمت کا شکر یہ ہے کہ دوسروں کو اُس کی تعلیم دے (مظہری)

مسئلہ۔ سورہ الضحیٰ سے آخر قرآن تک ہر سورت کیساتھ تکبیر کہنا سنت ہے اور اس تکبیر کے الفاظ شیخ صالح مصری نے لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَاللَّهُ أَكْبَرُ بتلائے ہیں (مظہری)

ابن کثیر نے ہر سورت کے ختم پر اور بیہقی نے ہر سورت کے شروع میں ایک مرتبہ تکبیر کہنے کو سنت کہا ہے (مظہری)
 دونوں میں سے جو صورت بھی اختیار کرے سنت ادا ہو جائے گی۔ واللہ اعلم
 فائدہ | سورہ ضحیٰ سے آخر قرآن کریم تک بیشتر سورتوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر حق تعالیٰ کے خاص انعامات اور آپ کے مخصوص فضائل کا ذکر ہے اور چند سورتوں میں قیامت اور اسکے احوال کا۔ قرآن حکیم کا شروع خود قرآن کی عظمت اور ناقابل شک و شبہ ہونے سے کیا گیا اور ختم قرآن اُس ذات کی عظمت و شان پر کیا گیا جس پر قرآن نازل ہوا۔

تمت سورۃ الضحیٰ ۲۸ شعبان ۱۳۹۱ھ

سُورَةُ الْاِنْشِرَاحِ

سُورَةُ الْاِنْشِرَاحِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ ثَمَانُ اَيَّاتٍ
سورة انشراح مکہ میں نازل ہوئی اور اسکی آٹھ آیتیں ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو مجید مہربان نہایت رحم والا ہے

اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ ۙ وَوَضَعْنَا عَنكَ وِزْرَكَ ۙ الَّذِیْ اَنْقَضَ ظَهْرَكَ ۙ

کیا ہم نے نہیں کھول دیا تیرا سینہ اور آسار رکھا ہم نے تجھ پر سے بوجھ تیرا جس نے جھکا دی تھی پیٹھ تیری

وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ ۙ فَاِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ۚ اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ۙ فَاِذَا

اور بلند کیا ہم نے تذکرہ تیرا سو البتہ مشکل کے ساتھ آسانی ہے البتہ مشکل کے ساتھ آسانی ہے پھر جب

فَرَعْتَ فَاَنْصَبْ ۙ وَاِلَىٰ رَبِّكَ فَارْغَبْ ۙ

تو فارغ ہو تو منھت کر اور اپنے رب کی طرف دل لگا

خلاصہ تفسیر

کیا ہم نے آپ کی خاطر آپ کا سینہ (علم و علم سے) کشادہ نہیں کر دیا (یعنی علم بھی وسیع عطا فرمایا اور تبلیغ میں جو مضامین کی مزاحمت سے ایذا پر پیش آتی ہے اس میں تحمل اور علم بھی دیا، کذا قال الحسن کما فی الدر المنثور) اور ہم نے آپ پر سے آپ کا وہ بوجھ اتار دیا جس نے آپ کی کمر توڑ رکھی تھی (وِزْر سے مراد وہ مباح اور جائز امور ہیں جو کبھی کبھی کسی حکمت و مصلحت کے پیش نظر آپ سے صادر ہو جاتے تھے اور بعد میں ان کا خلاف حکمت و خلافِ اِلیٰ ہونا ثابت ہوتا تھا اور آپ بوجہ علو شان و غایت قرب کے اس سے ایسے مغموم ہوتے تھے جس طرح گناہ سے کوئی مغموم ہوتا ہے، اسمیں بشارت ہے ایسے امور پر مواخذہ نہ ہونے کی کذا فی الدر المنثور عن مجاہد و شریح بن عبد الحمضی پس اس بنا پر یہ بشارت آپ کو دوبار ہوئی، اول مکہ میں اس سورت کے ذریعہ، دوسری مدینہ میں سورہ فتح میں انکی تاکید و تکمیل اور تجدید و تفصیل کے لئے) اور ہم نے آپ کی خاطر آپ کا آوازہ بلند کیا (یعنی اکثر جبکہ شریعت میں

اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ آپ کا نام مبارک مقرون کیا گیا، کذا فی الدر المنثور مرفوعاً قال اللہ تعالیٰ اذا ذکرْتُ ذکرتُ معی، یعنی اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جہاں میرا ذکر ہو گا آپ کا ذکر بھی میرے ساتھ ہو گا (رواہ ابن جریر وابن ابی حاتم) جیسے خطبہ میں تشہد میں نمازیں اذان میں اقامت میں اور اللہ کے نام کی رفعت اور شہرت ظاہر ہے پس جو اس کے قرین ہو گا رفعت و شہرت میں وہ بھی تابع رہے گا اور چونکہ مکہ میں آپ اور مومنین طرح طرح کی تکالیف و شدائد میں گرفتار تھے اسلئے آگے انکے ازالہ کا بطریق تفریع علی السابق کے وعدہ فرماتے ہیں کہ جب ہم نے آپ کو روحانی راحت دی اور روحانی کلفت رفع کر دی جیسا الم نشرح الہ سے معلوم ہوا (سو اس سے دنیوی راحت و محنت میں بھی ہمارے فضل و کرم کا امتیاز رہنا چاہیے چنانچہ ہم وعدہ کرتے ہیں کہ) بیشک موجودہ مشکلات کے ساتھ (یعنی غم قریب ہی جو حکماً ساتھ ہونے کے معنی میں ہے) آسانی (ہونے والی) ہے (اور چونکہ ان مشکلات کے انواع و اعداد کثیر تھے اس لئے اس وعدہ کو مکرر تاکید کے لئے فرماتے ہیں کہ) بیشک موجودہ مشکلات کے ساتھ آسانی (ہونی والی) ہے (چنانچہ وہ مشکلات ایک ایک کر کے سب رفع ہو گئیں جیسا روایات احادیث و سیر و تواریخ اس پر متفق ہیں، آگے ان نعمتوں پر شکر کا حکم ہے کہ جب ہم نے آپ کو ایسی ایسی نعمتیں دی ہیں) تو آپ جب (تبلیغ احکام سے جو دوسروں کی نفع رسانی کی وجہ سے عبادت ہے) فارغ ہو جایا کریں تو (دوسری عبادات متعلقہ بذات خدا میں) محنت کیا کیجئے (مراد کثرت عبادت و ریاضت ہے کہ آپ کی شان کے یہی مناسب ہے) اور (جو کچھ مانگنا ہو اس میں) اپنے رب ہی کی طرف توجہ رکھئے (یعنی اُسی سے مانگئے اور اس میں بھی ایک حیثیت سے بشارت ہے زوالِ عسر کی کہ خود درخواست کرنے کا حکم گویا درخواست پورا کرنے کا وعدہ ہے)

معارف و مسائل

جیسا کہ سورہ ضحیٰ کے آخر میں بیان ہو چکا ہے کہ سورہ ضحیٰ سے آخر قرآن تک بائیس سورتوں میں بیشتر ذکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر انعامات الہیہ اور آپ کی عظمتِ شان سے متعلق مضامین ہیں، صرف چند سورتیں احوالِ قیامت یا بعض دوسرے مضامین سے متعلق آئی ہیں۔ سورہ انشراح میں بھی اُن خاص خاص نعمتوں کا ذکر ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر حق تعالیٰ نے مبذول فرمائیں اور اسکے بیان میں اسی عنوان استغفار کو اختیار فرمایا ہے جو سورہ ضحیٰ میں اَلَمْ يَجِدْكَ الْغَنِيًّا تھا فرمایا،

اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ، شرح کے فعلی معنی کھولنے کے لئے، اور سینہ کو کھول دینا اسکو علوم و معارف اور اخلاقِ حسنہ کے لئے وسیع کر دینے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے جیسا کہ ایک دوسری آیت میں ہے فَهَمَّ بِرُوحِ اللَّهِ اَنْ يَّهْدِيَہٗ لِشَرِّ صَدْرٍ لَا اِسْلَہٗ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سینہ مبارک کو حق تعالیٰ نے علوم و معارف اور اخلاقِ کریمہ کے لئے ایسا وسیع بنا دیا تھا کہ آپ کے علم و حکمت کو بڑے بڑے عقلا بھی نہ پاسکے اور اسی شرح صدر کا نتیجہ تھا کہ آپ کو مخلوق کی طرف توجہ کرنا حق تعالیٰ کی طرف توجہ میں غل نہ ہوتا تھا اور بعض احادیث صحیحہ

میں یہ آیا ہے کہ فرشتوں نے حکیم الہی آپؐ کا سینہ مبارک ظاہری طور پر بھی چاک کر کے صاف کیا، بعض حضرات مفسرین نے شرح صدر سے اس جگہ وہی شق صدر کا معجزہ مراد لیا ہے، کمافی ابن کثیر وغیرہ، واللہ اعلم

وَصَدَعْنَا عَنْكَ وَزَرَكَ الَّذِي أَنْفَقَ ظَهْرَكَ، وزن رکے نفی معنی بوجھ کے ہیں اور نفق ظہر کے نفی معنی کمر توڑ دینے یعنی کمر کو جھکا دینے کے ہیں جیسا کوئی بڑا بوجھ انسان پر لا دیا جائے تو اس کی کمر جھک جاتی ہے، اس آیت میں ارشاد یہ ہے کہ وہ بوجھ جس نے آپؐ کی کمر جھکا دی تھی ہم نے اس کو آپؐ سے ہٹا دیا۔ وہ بوجھ کیا تھا اس کی ایک تفسیر تو وہ ہے جو اوپر خلاصہ تفسیر میں آچکی ہے کہ اس سے وہ جائز اور مباح کام ہیں جن کو بعض اوقات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرین حکمت و مصلحت سمجھ کر اختیار کر لیا بعد میں معلوم ہوا کہ وہ مصلحت کی خلاف یا خلاف ادلی تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی علوشان اور تقرب الہی میں خاص مقام حاصل ہونے کی بنا پر ایسی چیزوں پر بھی سخت رنج و ملال اور صدمہ ہوتا تھا۔ حق تعالیٰ نے اس آیت میں بشارت سن کر وہ بوجھ آپؐ سے ہٹا دیا کہ ایسی چیزوں پر آپؐ سے مواخذہ نہ ہوگا۔

اور بعض حضرات مفسرین نے وزن ربیع بوجھ کی مراد اس جگہ یہ لکھی ہے کہ ابتداء نبوت میں وحی کا اثر بھی آپؐ پر شدید ہوتا تھا اور اس میں آپؐ پر جو ذمہ داری ساری دنیا میں کلہ حق پھیلانے اور کفر و شرک کو مٹا کر خلق خدا کو توحید پر جمع کرنے کی ڈالی گئی تھی اور اس سب کام میں حکم یہ تھا کہ فَاَسْتَقِمْ كَمَا اُمِرْتَ، یعنی آپؐ امر الہی کے مطابق استقامت پر رہیں جس کی کسی طرف جھکاؤ نہ ہو، اس کا بار عظیم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم محسوس فرماتے تھے اور بعض روایات حدیث میں آیا ہے کہ آپؐ کی لمحیہ مبارک میں کچھ سفید بال آگئے تو آپؐ نے فرمایا کہ اس آیت فَاَسْتَقِمْ كَمَا اُمِرْتَ نے بوڑھا کر دیا۔

یہ وہ بوجھ تھا جس کو آپؐ کے قلب سے ہٹا دینے کی بشارت اس آیت میں دی گئی ہے اور اس کے ہٹا دینے کی صورت اگلی آیات میں یہ آئی ہے کہ آپؐ کی ہر شکل کے بعد آسانی ہوئی والی ہے حق تعالیٰ نے شرح صدر کے ذریعہ آپؐ کا حوصلہ تنابند فرما دیا کہ یہ سب مشکلات آسان نظر آنے لگیں اور وہ بوجھ بوجھ نہ رہا، واللہ اعلم

وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا رفع ذکر یہ کہ تمام اسلامی شعائر میں اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ آپؐ کا نام مبارک لیا جاتا ہے جو ساری دنیا میں مناروں اور منبروں پر اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلَهَ اِلَّا اللہ کے ساتھ اَشْهَدُ اَنْ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللہ پکارا جاتا ہے اور دنیا میں کوئی سمجھدار انسان آپؐ کا نام بغیر تعظیم کے نہیں لیتا اگرچہ وہ مسلمان بھی نہ ہو۔

فَاِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا، دفع ذکر، ان تینوں کو تین جلوں میں ذکر فرمایا ہے اور سب میں فعل اور مفعول کے درمیان ایک حرف لك یا عُنْكَ لایا گیا ہے اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت اور خاص عظمت کی طرف اشارہ ہے کہ یہ سب کام آپؐ کی خاطر کئے گئے ہیں۔

فَاِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا، عربی زبان کا قاعدہ یہ ہے کہ جس کلمہ کے شروع میں الف لام ہوتا ہے جس کو اصطلاح میں لام تعریف کہتے ہیں۔ اگر اسی کلمہ کو الف لام ہی کیساتھ مکرر لایا جائے تو اس کا مصداق

وہ ہی ہوتا ہے جو پہلے کلمہ کا تھا اور اگر بغیر الف لام تعریف کے مکرر لایا جائے تو دونوں کے مصداق الگ الگ ہوتے ہیں۔ اس آیت میں العسر جب مکرر آیا تو معلوم ہوا کہ اس سے وہ پہلا ہی عسر مراد ہے کوئی نیا نہیں۔ اور لفظ یُسْر دونوں جگہ بغیر الف لام کے لایا گیا، اس سے معلوم ہوا کہ یہ دوسرا یُسْر پہلے یُسْر کے علاوہ ہے تو اس آیت میں لَانَ مَعَ الْيُسْرِ دُور کے تکرار سے یہ نتیجہ نکلا کہ ایک ہی عسر و مشکل کے لئے دو آسانوں کا وعدہ ہے اور دو سے مراد بھی خاص دو کا عدد نہیں بلکہ متعدد ہونا مراد ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ ایک عسر یعنی تنگی اور مشکل جو آپ کو پیش آئی یا آئے گی اُس کیساتھ بہت سی آسانیاں آپ کو دی جائیں گی۔

حضرت حسن بصریؒ سے مسند روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ ہم سے بیان کیا گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کرام کو اس آیت سے بشارت سنائی اور فرمایا لَنْ يَغْلِبَ عُسْرُ يُسْرَيْنِ یعنی ایک عسر دو یُسروں پر (ایک مشکل دو آسانوں پر) غالب نہیں آسکتی۔ چنانچہ تاریخ دسیرت کی سب کتابیں جو اپنوں اور غیروں، مسلم و غیر مسلم نے لکھی ہیں وہ اس پر شاہد ہیں کہ جو کام مشکل شے شکل بلکہ لوگوں کی نظر میں ناممکن نظر آتے تھے آپ کے لئے وہ سب آسان ہوتے چلے گئے۔ روایت مذکورہ سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ اس آیت میں العسر کا الف لام عہد کے لئے ہے اور مراد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کا عسر ہے، یعنی یہ وعدہ ہر مشکل کے ساتھ بہت سی آسانیاں دی جائیں گی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کے لئے ہے جس کو حق تعالیٰ نے ایسا پورا فرمایا کہ دُنیا نے آنکھوں سے دیکھ لیا۔ اب اگر دُنیا میں کسی شخص کو عسر کے بعد یُسْر نصیب ہو تو وہ اس آیت کے منافی نہیں، البتہ عاده الشرب ابھی یہی ہے کہ جو شخص سختی پر صبر کرے اور سچے دل سے اللہ پر اعتماد رکھے اور ہر طرف سے ٹوٹ کر اُسی سے ٹو لگائے اور اُسی کے فضل کا اُمیدوار رہے اور کامیابی میں دیر ہونے سے اُس نہ توڑ بیٹھے تو ضرور اللہ تعالیٰ اُس کے حق میں آسانی کر دیگا (فوائد عثمانیہ) بعض روایات حدیث سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔

تعلیم تبلیغ کرنے والوں کو خلوت میں
ذکر اللہ اور توجہ الی اللہ بھی ضروری ہے
فَاِذَا فَرَغْتَ فَانصَبْ ۚ وَ اِلٰى رَبِّكَ فَارْغَبْ، یعنی جب آپ ایک محنت یعنی دعوت حق اور تبلیغ احکام سے فارغ ہوں تو (دوسری) محنت کے لئے تیار ہو جائیے وہ یہ کہ نماز اور ذکر اللہ اور دُعَاءِ استغفار میں لگ جائیں۔ اکثر حضرات مفسرین نے اس آیت کی یہی تفسیر کی ہے۔ بعض حضرات نے دوسری تفسیریں بھی لکھی ہیں مگر اقرب وہی ہے جو اوپر لکھی گئی، اسکا حاصل یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت تبلیغ اور خلق خدا کو راستہ دکھانا ان کی اصلاح کی فکر یہ آپ کی سب سے بڑی عبادت تھی مگر یہ عبادت بواسطہ مخلوق ہے کہ ان کی اصلاح پر توجہ دیں اور اسکی تدبیر کریں، آیت کا مقصود یہ ہے کہ صرف اس عبادت بالواسطہ پر آپ قناعت نہ کریں بلکہ جب اس سے فرصت ملے تو بلا واسطہ خلوت میں حق تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوں اُسی سے ہر کام میں کامیابی کی دُعا کریں کہ اصل مقصود جس کے لئے انسان پیدا کیا گیا ہے وہ ذکر اللہ اور عبادت بلا واسطہ ہی ہے اور شاید اسی لئے پہلی قسم یعنی عبادت بالواسطہ سے فراغت کا ذکر فرمایا کہ وہ کام ایک ضرورت کے لئے ہے اُس سے فراغت ہو سکتی ہے اور دوسرا کام

یعنی توجہ الی اللہ ایسی چیز ہے کہ اس سے فراغت مومن کو کبھی نہیں ہو سکتی بلکہ اپنی ساری عمر اور توانائی کو اس میں صرف کرنا ہے۔

فائدہ ۱ | اس سے معلوم ہوا کہ علماء جو تعلیم و تبلیغ اور اصلاح خلق کا کام کرنے والے ہیں ان کو اس سے غفلت نہ ہونا چاہیے کہ ان کا کچھ وقت خلوت میں توجہ الی اللہ اور ذکر اللہ کے لئے بھی مخصوص ہونا چاہیے جیسا کہ علماء و سلف کی سیر میں اس پر شاہد ہیں اسکے بغیر تعلیم و تبلیغ بھی موثر نہیں ہوتی ان میں نورد برکت نہیں ہوتی۔

فائدہ ۲ | لفظ فالتصب، نصب سے مشتق ہے جس کے پہلی سننے عقب اور مکان کے ہیں انہیں اشارہ پایا جاتا ہے کہ عبادت اور ذکر اللہ اس حد تک جاری رکھا جائے کہ کچھ مشقت اور مکان محسوس ہونے لگے، صرف نفس کی راحت و خوشی ہی پر اسکا مدار نہ رہے اور کسی وظیفہ اور معمول کی پابندی خود ایک مشقت اور تعب ہے خواہ کام مختصر ہی ہو۔

تَمَّتْ سُورَةُ الْاِنْشَارِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ

سُورَةُ التِّينِ

سُورَةُ التِّينِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ شَكْلُ اَيْكَةٍ
سورة تین مکہ میں نازل ہوئی اور اس کی آٹھ آیتیں ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بھید مہربان نہایت رحم والا ہے

وَالْتِّينِ وَالزَّيْتُونِ ۝۱ وَطُورِ سِیْنِیْنِ ۝۲ وَهَذَا الْبَلَدِ الْاَمِیْنِ ۝۳ لَقَدْ

تم انجیر کی اور زیتون کی اور طور سینین کی اور اس شہر امن والے کی ہم نے

خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ ۝۴ ثُمَّ رَدَدْنَاهُ اَسْفَلَ سَافِلِیْنِ ۝۵

بنایا آدمی خوب سے انداز سے پر پھر پھینک دیا اس کو نیچوں سے نیچے

اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَلَهُمْ اَجْرٌ غَیْرُ مَمْنُونٍ ۝۶ فَمَا

مگر جو یقین لائے اور عمل کئے اچھے سوائے ان کے لئے ثواب ہے بے انتہا پھر تو

یُبْکِنُ بِكَ بَعْدُ بِالْاِیْنِ ۝۷ اَلِیْسَ اللّٰهُ بِاَحْكَمِ الْحٰکِمِیْنَ ۝۸

اے پیغمبر کیوں جھٹلائے بدلہ ملنے کو کیا نہیں ہے اللہ سب حاکموں سے بڑا حاکم

خلاصہ تفسیر

قسم ہے انجیر (کے درخت) کی اور زیتون (کے درخت) کی اور طور سینین کی اور اس امن والے شہر (یعنی مکہ معظمہ) کی کہ ہم نے انسان کو بہت خوبصورت سانچہ میں ڈھالا ہے پھر (ان میں جو بڑھا ہوا جاتا ہے) ہم اسکو پستی کی حالت والوں سے بھی پست تر کر دیتے ہیں (یعنی وہ خوبصورتی بد صورتی سے اور قوت ضعف سے بدلتی ہو اور بُرے سے بُرا ہو جاتا ہے مقصود اس سے بیان کرنا کمال قبح کا ہے جس سے اُن کے دوبارہ پیدا کرنے پر حق تعالیٰ کی قدرت ہونا واضح ہوتا ہے کقولہ تعالیٰ اَلَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ ضَعْفٍ اِذْ اور مقصود اس سورت کا یہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت دوبارہ پیدا کرنے اور زندہ کرنے پر ثابت کرنا ہے جیسا کہ خَمَّا يَكُونُ بَلْ بَعْدُ بِالْآيِنِ کے جملے سے اس طرف اشارہ پایا جاتا ہے اور اس آیت کے عموم سے چونکہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ بڑھے سب کے سب قبیح اور بُرے ہو جاتے ہیں اس ایہام کو دور کرنے کے لئے آگے آیت میں ایک استثناء بیان کیا جاتا ہے کہ) لیکن جو لوگ ایمان لائے اور اچھے کام کئے تو اُن کے لئے اس قدر ثواب ہے جو کبھی منقطع نہ ہوگا (جس میں بتلادیا کہ مومن صالح بڑھے ضعیف ہو جانے کے باوجود انجام کار کے اعتبار سے اچھے ہی رہتے ہیں بلکہ پہلے سے زیادہ ان کی عزت بڑھ جاتی ہے، آگے خَلَقْنَا اور زَكَّيْنَا پر تفریع ہے کہ جب اللہ تعالیٰ تخلیق و تقلیب احوال بہر قادر ہیں) تو (اے انسان) پھر کون چیز تجھ کو قیامت کے بارے میں منکر بنا رہی ہے (یعنی وہ کونسی دلیل ہے جس کی بنا پر تو ان دلائل کے ہوتے ہوئے قیامت کا منکر ہو رہا ہے) کیا اللہ تعالیٰ سب حاکموں سے بڑھ کر حاکم نہیں ہے (تصرفات دنیویہ میں بھی جن میں سے تخلیق انسانی اور پھر بڑھاپے میں اُس میں تغیرات کا ذکر اور آیا ہے اور تصرفات اخرویہ میں بھی جن میں سے قیامت و مجازاۃ بھی ہے)

معارف و مسائل

وَالَّتَيْنِ وَالزَّيْتُونِ، اس آیت میں چار چیزوں کی قسم کھائی گئی ہے جن میں دو درخت ہیں ایک تین یعنی انجیر، دوسرے زیتون اور ایک پہاڑ طور اور ایک شہر یعنی مکہ مکرمہ کی، اس تخصیص کی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ یہ دونوں درخت کثیر البرکت کثیر المنافع ہیں جس طرح طور پہاڑ اور شہر مکہ کثیر البرکت ہیں۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہاں تین اور زیتون کے ذکر سے مراد وہ جگہ ہو جہاں یہ درخت کثرت سے پیدا ہوتے ہیں اور وہ ملک شام ہے جو معدن انبیاء علیہم السلام ہے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی اسی ملک میں مقیم تھے انکو ہجرت کر کر مکہ معظمہ لایا گیا تھا اس طرح ان قسموں میں تمام وہ مقامات مقدسہ شامل ہو گئے جہاں خاص خاص انبیاء علیہم السلام پیدا اور جوٹ ہوئے، ملک شام عام انبیاء علیہم السلام کا وطن اور مسکن ہے۔ کوہ طور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حق تعالیٰ کے ساتھ ہمکلام ہونے کی جگہ ہے اور سینین یا سینار اُس مقام کا نام ہے جہاں یہ پہاڑ واقع ہے اور

بلد امین مکہ مکرمہ خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کا مولد و مسکن ہے ۔

ان چار چیزوں کی قسم کھا کر فرمایا گیا لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِي أَحْسَن تَقْوِيمٍ، تقویم کے لفظی معنی کسی چیز کے قوام، اور بنیاد کو درست کرنے کے ہیں۔ احسن تقویم سے مراد یہ ہے کہ اسکی جبلت و فطرت کو بھی دوسری مخلوقات کے اعتبار سے احسن بنایا گیا اور اُس کی جسمانی ہیئت اور شکل و صورت کو بھی دُنیا کے سب جانداروں سے بہتر اور حسین بنایا گیا۔

انسان تمام مخلوقات میں سب | جسکا حاصل یہ ہے کہ انسان کو حق تعالیٰ نے اپنی تمام مخلوقات میں سب سے زیادہ سے زیادہ حسین بنایا ہے۔ ابن عربی نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی مخلوقات میں کوئی انسان سے احسن نہیں کیونکہ اُس کو اللہ تعالیٰ نے حیات کیساتھ عالم، قادر، متکلم، سمیع، بصیر، مدبر اور حکیم بنایا ہے اور یہ سب صفات دراصل خود حق سبحانہ و تعالیٰ کی ہیں۔ چنانچہ بخاری و مسلم کی روایت میں آیا کہ؛ **لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ خَلَقَ آدَمَ عَلَى صُورَتِهِ** یعنی اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو اپنی صورت پر پیدا فرمایا ہے۔ مراد اس سے یہ ہو سکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بعض صفات کا کوئی درجہ اس کو بھی دیا گیا ہے ورنہ حق تعالیٰ ہر شکل و صورت سے بڑی ہر (قرطبی)

حُسن انسانی کا ایک عجیب اقعہ | قرطبی نے اس جگہ نقل کیا ہے کہ عیسیٰ بن موسیٰ ہاشمی جو خلیفہ ابو جعفر منصور کے دربار کے مخصوص لوگوں میں سے تھے اور اپنی بیوی سے بہت محبت رکھتے تھے ایک روز چاندنی رات میں بیوی کے ساتھ بیٹھے ہوئے بول اُٹھے انت طالق ثلاثاً ان لم تکنی احسن من القمر یعنی تم پر تین طلاق ہیں، اگر تم چاند سے زیادہ حسین نہ ہو، یہ کہتے ہی بیوی اُٹھ کر پردہ میں چلی گئی کہ آپ نے مجھے طلاق دیدی، بات ہنسی دل لگی کی تھی مگر طلاق کا حکم یہی ہے کہ کسی طرح بھی طلاق کا صریح لفظ بیوی کو کہہ دیا جائے تو طلاق ہو جاتی ہے خواہ ہنسی دل لگی ہی میں کہا جائے۔ عیسیٰ بن موسیٰ نے رات بڑی بے چینی اور رنج و غم میں گزاری صبح کو خلیفہ وقت ابو جعفر منصور کے پاس حاضر ہوئے اور اپنا قصہ سنایا اور اپنی پریشانی کا اظہار کیا منصور نے شہر کے فقہاء اہل فتویٰ کو جمع کر کے سوال کیا سب نے ایک ہی جواب دیا کہ طلاق ہو گئی کیونکہ چاند سے زیادہ حسین ہونے کا کسی انسان کے لئے امکان ہی نہیں، مگر ایک عالم جو امام ابو حنیفہؒ کے شاگردوں میں سے تھے خاموش بیٹھے رہے منصور نے پوچھا کہ آپ کیوں خاموش ہیں تب یہ بولے اور بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھ کر سورہ تین تلاوت کی اور فرمایا کہ امیر المؤمنین اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کا احسن تقویم میں ہونا بیان فرمادیا ہے، کوئی شے اس سے زیادہ حسین نہیں۔ یہ سن کر سب علماء فقہاء حیرت میں رہ گئے کوئی مخالفت نہیں کی اور منصور نے حکم دے دیا کہ طلاق نہیں ہوئی۔

اس سے معلوم ہوا کہ انسان اللہ تعالیٰ کی ساری مخلوق میں سب سے زیادہ حسین ہے ظاہر کے اعتبار سے بھی اور باطن کے اعتبار سے بھی، حسن و جمال کے اعتبار سے بھی اور بدنی ساخت کے اعتبار سے بھی، اس کے سر میں کیسے کیسے اعضاء کیسے کیسے عجیب کام کر رہے ہیں کہ ایک مستقل فیکٹری معلوم ہوتی ہے جس میں بہت سی نازک باریک خود کار مشینیں چل رہی ہیں۔ یہی حال اسکے سینہ اور پیٹ کا ہے اسی طرح اسکے ہاتھ پاؤں کی ترکیب و ہیئت ہزاروں حکمتوں پر مبنی ہے۔ اسی لئے فلاسفہ نے کہا ہے کہ انسان ایک عالم اصغر یعنی پورے عالم کا ایک نمونہ ہے۔ سارے عالم میں جو چیزیں بکھری ہوئی ہیں وہ سب اسکے وجود میں جمع ہیں (قطبی) صوفیائے کرام نے بھی اس کی تائید کی اور بعض حضرات نے انسان کے سر سے پیر تک کا سراپا لیکر اشیائے عالم کے نمونے اسیں دکھلائے ہیں۔

ثُمَّ رَدَدْنَاهُ أَسْفَلَ سَافِلِينَ ، پہلے جملے میں ساری مخلوقات اور کائنات سے احسن بنانے کا بیان تھا، اس جملے میں اسکے بالمقابل یہ بتلایا گیا ہے کہ جس طرح وہ اپنی ابتدا اور شباب میں ساری مخلوقات سے زیادہ حسین اور سب سے بہتر تھا آخر میں اس پر یہ حالت بھی آتی ہے کہ وہ بد سے بدتر اور بُرے سے بُرا ہو جاتا، ظاہر یہ ہے کہ بدتری اور بُرائی اُس کی ظاہری جسمانی حالت کے اعتبار سے بتلائی گئی ہے کہ شباب ڈھلنے کے بعد شکل و صورت بدلنے لگتی ہے بڑھاپا اسکا روپ بالکل بدل ڈالتا ہے، بد ہیئت بد شکل نظر آنے لگتا ہے بیکار اور دوسروں پر بار ہو کر رہ جاتا ہے۔ کسی کے کام نہیں آتا، بخلاف دوسرے جانوروں کے کہ وہ آخر تک اپنے کام میں لگے رہتے ہیں، انسان اُن سے دودھ اور سواری بابر داری کے اور دوسری قسم کے سیکڑوں کام لیتے ہیں، وہ ذبح کر دیے جائیں یا مرجائیں تو بھی اُن کی کھال، بال، ہڈی، غرض جسم کا ریزہ ریزہ انسانوں کے کام میں آتا ہے بخلاف انسان کے کہ جب وہ بیماری اور بڑھاپے میں عاجز و در ماندہ ہو جاتا ہے تو مادی اور دنیاداری کے اعتبار سے کسی کام کا نہیں رہتا مگر یہ بھی اسکے کسی جز کے کسی انسان یا جانور کو فائدہ نہیں پہنچتا، خلاصہ یہ ہے کہ اسکے اسفل السافلین میں پہنچ جانے سے مراد اس کی مادی اور جسمانی کیفیت ہے۔ یہ تفسیر حضرت ضحاکؒ وغیرہ ائمہ تفسیر سے منقول ہے (کما فی القطبی)

اس تفسیر پر اگلی آیت میں جو مومنین صالحین کے استثنائے اَلَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ قُلُوبُهُمْ أَجْرُهُمْ مَقْصُودٌ کا ذکر ہے اسکا یہ مطلب نہیں کہ ان پر بڑھاپے میں کے حالات اور عجز و در ماندگی نہیں آتی بلکہ مطلب یہ ہے کہ اس جسمانی بیکاری اور مادی فراہی کا نقصان ان کو نہیں پہنچتا بلکہ نقصان صرف اُن لوگوں کو پہنچتا ہے جنہوں نے اپنی ساری فکر اور توانائی اسی مادی درستی پر خرچ کی تھی وہ اب ختم ہو گئی اور آخرت میں ان کا کوئی حصہ نہیں بخلاف مومنین صالحین کے کہ انکا اجر و ثواب کبھی قطع ہونی والا نہیں۔ اگر دُنیا میں بڑھاپے کی بیماری کمزوری اور عجز سے سابقہ بھی پڑا تو آخرت میں اُنکے لئے درجات عالیہ اور راحت ہی راحت موجود ہے اور بڑھاپے کی بیکاری میں بھی عمل کم ہو جائیکے باوجود انکے نامہ اعمال وہ سب اعمال لکھے جاتے ہیں جو وہ قوت کے زمانے میں کیا کرتا تھا۔ حضرت

انس کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب کوئی مسلمان کسی بیماری میں مبتلا ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے اعمال لکھنے والے فرشتے کو حکم دیدیتے ہیں کہ جو جو عمل خیر یہ اپنی تندرستی میں کیا کرتا تھا وہ سب اس کے اعمال نامہ میں لکھتے رہو (رواہ البغوی فی شرح السنۃ والبخاری عن ابی موسیٰ مثله فی المریض والمسافر) اس کے علاوہ اس مقام پر مومنین صالحین کی جزا جنت اور اس کی نعمتوں کو بیان کر نیکی بجائے لکھ کر آج غفور قہمون فرمایا ہے یعنی اُن کا اجر کبھی مقطوع و منقطع ہونیوالا نہیں۔ اس میں اشارہ اس طرف بھی ہو سکتا ہے کہ اُن کا یہ صلہ دنیا کی مادی زندگی ہی سے شروع ہو جاتا ہے۔ حق تعالیٰ اپنے مقبول بندوں کے لئے بڑھاپے اور ضعف میں ایسے غلصہ و رفقار مہیا فرمادیتے ہیں جو اُن کے آخری لمحہ تک ان سے روحانی فوائد اُٹھاتے ہیں اور ان کی ہر طرح کی خدمت کرتے ہیں اسی طرح بڑھاپے کا وہ وقت جب انسان مادی اور جسمانی طور پر معطل بیکار اور لوگوں پر بار سمجھا جاتا ہے، اللہ کے یہ بندے اُس وقت بھی بیکار نہیں ہوتے۔ اور بعض حضرات مفسرین نے اس آیت کی تفسیر یہ فرمائی ہے کہ رَدَّ دُنْهٖ اَسْفَلَ سَافِلِیْنَ عام انسانوں کے لئے نہیں بلکہ کفار و فجار کے لئے ہے۔ جنہوں نے خدا داد احسن تقویم اور انسانی کمالات و شرافت اور عقل کو مادی لذائذ کے پیچھے برباد کر دیا تو اس ناشکری کی سزائیں اُن کو اسفل السافلین میں پہنچا دیا جائے گا، اس صورت میں اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کا استثناء اپنے ظاہری مفہوم پر رہتا ہے کہ اسفل سافلین میں پہنچنے سے وہ لوگ مستثنیٰ ہیں جو ایمان لائے اور عمل صالح کے پابند رہے کیونکہ ان کا اجر ہمیشہ جاری رہے گا (کذا فی الظہری)

فَمَا یُکَذِّبُکَ بَعْدَ الَّذِیْنَ، پھلی آیات میں تخلیق انسانی کے کمال اور اُس پر حق تعالیٰ کے خاص انعام کا پھر بڑھاپے میں حالات کے انقلاب کا ذکر فرما کر اس آیت میں منکرین قیامت کو تنبیہ کی گئی ہے کہ قدرت الہیہ کے ایسے مناظر اور انقلابات دیکھنے کے بعد بھی کیا گنجائش ہے کہ تم آخرت اور قیامت کی تکذیب کرو، کیا اللہ تعالیٰ سب حکومت کرنے والوں پر حاکم نہیں۔

مسئلہ۔ حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص سورہ تین پڑھے اور اس آیت پر پہنچے اَلِیْسَ اللّٰهُ بِاَحْكَمَ الْحٰکِمِیْنَ تو اُس کو چاہیے کہ یہ کلمہ کہے بکی وَ اَنَا عَلٰی ذٰلِكَ مِنَ الشّٰہِدِیْنَ اس لئے حضرات فقہاء نے فرمایا کہ یہ کلمہ پڑھنا مستحب ہے۔

تَمَّتْ سُوْرَةُ التِّیْنِ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ ۛۛۛ شَعْبَان ۱۳۹۱ھ

سُورَةُ الْعَلَقِ

سُورَةُ الْعَلَقِ وَكَيْفَ تَنْزِيلُهَا تِسْعَ عَشْرَةَ آيَةً
سورہ علق مکہ میں نازل ہوئی اور اس کی انیس آیتیں ہیں

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ ۝۱ خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۝۲ اقْرَأْ ۝۳

پڑھ اپنے رب کے نام سے جو سب کا بنایا والا بنایا آدمی کو جھے ہوئے لہو سے پڑھ اور

رَبُّكَ الْأَكْرَمُ ۝۴ الَّذِي عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۝۵ عَلَّمَ الْإِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ۝۶

تیرا رب بڑا کریم ہے جس نے علم سکھایا قلم سے سکھلایا آدمی کو جو وہ نہ جانتا تھا کوئی نہیں

إِنَّ الْإِنْسَانَ لِرَبِّهِ لَكَنَافٍ ۝۷ أَن رَّاهُ اسْتَغْنَى ۝۸ إِنَّ إِلَىٰ رَبِّكَ الرُّجْعَىٰ ۝۹

آدمی سر پر ہٹتا ہے اس سے کہ دیکھے اپنے آپ کو بے پروا بیشک تیرے رب کی طرف پھر جانا ہے

أَرَعَيْتَ الَّذِي يَنْهَىٰ ۝۱۰ عَبْدًا إِذَا صَلَّىٰ ۝۱۱ أَرَعَيْتَ إِنْ كَانَ عَلَىٰ الْهُدَىٰ ۝۱۲

تو نے دیکھا اُس کو جو منع کرتا ہے ایک بندہ کو جب وہ نماز پڑھے بھلا دیکھ تو اگر ہوتا نیک راہ پر

أَوْ أَمَرَ بِالتَّقْوَىٰ ۝۱۳ أَرَعَيْتَ إِنْ كَذَّبَ وَتَوَلَّىٰ ۝۱۴ أَلَمْ يَعْلَمْ بِأَنَّ اللَّهَ

یا سکھاتا اور کے کام بھلا دیکھ تو اگر جھٹلایا اور منہ موڑا یہ نہ جانا کہ اللہ

يَرَىٰ ۝۱۵ كَلَّا لَئِنْ لَّمْ يَدْنِهِ ۝۱۶ لَنَسْفَعًا بِالنَّاصِيَةِ ۝۱۷ نَاصِيَةٍ كَاذِبَةٍ خَاطِئَةٍ ۝۱۸

دیکھتا ہے کوئی نہیں اگر باز نہ آئے گا ہم گھسیٹیں گے چوٹی پکڑ کر کیسی چوٹی جھوٹی گنہگار

فَلْيَدْعُ نَادِيَهُ ۝۱۹ سَنَدْعُ الزَّبَانِيَةَ ۝۲۰ كَلَّا لَا تَطِعُهُ وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ ۝۲۱

اب بلائیوے اپنی مجلس والوں کو ہم بھی بلا تے ہیں پیادے سیاست کرنے کو کوئی نہیں مت مان اسکا کہا اور سجدہ کر اور نزدیک ہو

خُلَاصَةُ تَفْسِيرِ

اقرأ سے مالم لعلم تک سب سے پہلی وحی ہے جس کے نزول سے نبوت کی ابتدا ہوئی جسکا قصہ حدیث شریفین

میں یہ ہے کہ عطاء نبوت کے قریب زمانے میں آپ کو از خود خلوت پسند ہو گئی، آپ غار حرا میں تشریف لے کر کئی کئی شب رہتے، ایک روز دفعۃً جبریل علیہ السلام تشریف لائے اور آپ سے کہا کہ اقرأ یعنی پڑھئے، آپ نے فرمایا کہ نا انا بقاری، یعنی میں کچھ پڑھا ہوا نہیں، انھوں نے خوب آپ کو زور سے دبایا پھر چھوڑ دیا اور پھر کہا اقرأ، آپ نے پھر وہی جواب دیا، اسی طرح تین بار کیا پھر آخر میں دبانے کے بعد چھوڑ کر کہا اقرأ الی ما لم تعلم۔

اے پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ (پرجو) قرآن (نازل ہوا کر چکا جس میں اس وقت کی نازل ہونے والی آیتیں بھی داخل ہیں) اپنے رب کا نام لے کر پڑھا کیجئے (یعنی جب پڑھئے تو بسم اللہ الرحمن الرحیم کہہ کر پڑھا کیجئے جیسا کہ اس آیت میں اِذَا قَرَأْتَ الْقُرْآنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ اِنَّہٗ مِنْ قُرْآنٍ کا حکم ہوا ہے اور ان دونوں امر سے جو اصل مقصود ہے یعنی توکل واستعانت وہ تو واجب ہے اور زبان سے کہہ لینا مسنون و مندوب ہے اور گو اصل مقصود کے اعتبار سے اس آیت کے نزول کے وقت بسم اللہ کا آپ کو معلوم ہونا ضروری نہیں لیکن بعض روایات میں اس سورت کے ساتھ بسم اللہ الرحمن الرحیم کا نازل ہونا بھی آیا ہے اخرجہ الواحدی عن عکوفہ والحسن انہما قالا اول ما نزل بسم اللہ الرحمن الرحیم واول سورة اقرأ و اخرجہ ابن جریر وغیرہ عن ابن عباس انہ قال اول ما نزل جبریل علیہ السلام علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال یا محمد استعذ ثمر قل بسم اللہ الرحمن الرحیم کن فی روح المعانی، اور ان آیتوں میں جو قرآن کو اسم الہی کے ساتھ افتتاح کرنے کا حکم ہوا ہے اس حکم میں خود ان آیتوں کا داخل ہونا ایسا ہے کہ جیسے کوئی شخص دوسرے سے کہے کہ لا اسمع ما اقول لانی یعنی میں جو کچھ تجھ سے کہوں تو اس کو سن، تو خود اس جملہ کے سننے کا حکم کرنا بھی اس کو مقصود ہے پس حاصل یہ ہوگا کہ خواہ ان آیتوں کو پڑھو یا جو آیات بعد میں نازل ہوں گی ان کو پڑھو سب کی قرأت اسم الہی سے ہونا چاہیئے اور آپ کو بعلم ضروری معلوم ہو گیا کہ یہ قرآن اور وحی ہے۔ اور حدیثوں میں جو آپ کا ڈر جانا اور ورقہ ابن نوفل سے بیان کرنا آیا ہے وہ بوجہ شبہ کئے تھا بلکہ خوف ہیبت وحی سے اضطرابی تھا اور ورقہ سے بیان کرنا مزید اطمینان و زیادت ایتقان کے لئے تھا نہ کہ عدم ایتقان کے سبب، اور معلم متعلم سے ابجد شروع کرانے کے وقت کہتا ہے کہ ہاں پڑھ، پس اس سے تکلیف مالا یطاق لازم نہیں آتی اور آپ کا عذر فرمانا یا تو اسوجہ سے ہے کہ آپ کو اس جملے کے معنی متعین نہ ہوئے ہوں کہ مجھ سے کیا پڑھونا چاہتے ہیں اور یہ امر کوئی خلاف شان نہیں ہے یا باوجود تعین مراد کے اس سبب سے ہے کہ قرأت کا استعمال اکثر لکھی ہوئی چیز کو پڑھنے کے معنی میں آتا ہے تو آپ نے بوجہ حرف شناس نہ ہونے کے یہ عذر فرمایا ہو اور حضرت جبریل علیہ السلام کا دباننا بظن غالب واللہ اعلم بحقیقۃ الحال اسلئے ہوگا کہ آپ کے اندر بار وحی کے تحمل کی استعداد پیدا کر دیں اور لفظ رب سے اشارہ اس طرف ہے کہ ہم آپ کی مکمل تربیت کریں گے اور نبوت کے درجات اعلیٰ پر پہنچا دیں گے آگے رب کی صفت ہے یعنی وہ ایسا رب ہے جس نے (مخلوقات کو) پیدا کیا (اس وصف کی تفصیل میں یہ نکتہ ہے کہ حق تعالیٰ کی نعمتوں میں اول ظہور اس نعمت کا ہوتا ہے تو تذکیر میں اسکا مقدم ہونا مناسب ہے

اور نیز خلق دیل ہے خالق پر اور سب سے اہم اور اقدم معرفت خالق ہے آگے بطور تخصیص بعد تعمیم کے ارشاد ہے کہ جس نے (سب مخلوقات میں سے بالخصوص) انسان کو خون کے نو تھڑے سے پیدا کیا (اس تخصیص بعد تعمیم میں اشارہ ہے کہ نعمت خلق میں بھی عام مخلوقات سے زیادہ انسان پر انعام ہے کہ اس کو کس درجہ تک ترقی دی کہ صورت کیسی بنائی، عقل و علم سے مشرف بنایا، پس انسان کو زیادہ شکر اور ذکر کرنا چاہیے، اور تخصیص علق کی شاید اس لئے ہے کہ یہ ایک برزخی حالت ہے کہ اسکے قبل نطفہ اور غذا و عنصر ہے اور اسکے بعد مضغہ اور ترکیب عظام و نفخ روح ہو پس گویا وہ جمیع احوال متقدمہ و متاخرہ کے درمیان ہے آگے قرارت کو مقصود اہم قرار دینے کیلئے ارشاد ہے کہ آپ قرآن پڑھا کیجئے (حاصل یہ کہ پہلے امر یعنی اقرأ یا تم ربک سے یہ شبہ نہ کیا جاوے کہ یہاں اصل مقصود ذکر اسم اللہ ہے بلکہ قرارت خود بھی فی نفسہا مقصود ہے کیونکہ تبلیغ کا ذریعہ یہی قرارت ہے اور تبلیغ ہی اصل کام صاحب وحی کا ہے پس اس تکرار میں آپ کی نبوت اور مامور بابتلیغ ہونے کا اظہار بھی ہو گیا) اور (آگے اُس عذر کو رفع کر دینے کی طرف اشارہ ہے جو آپ نے اول جبریل علیہ السلام سے پیش کیا تھا کہ میں پڑھا ہوا نہیں ہوں، اس کے لئے ارشاد فرمایا کہ) آپ کا رب بڑا کریم ہے (جو چاہتا ہے عطا فرماتا ہے اور وہ ایسا ہے) جس نے (لکھے پڑھوں کو نوشتہ) قلم سے تعلیم دی (اور عموماً و مطلقاً) انسان کو (دوسرے ذرائع سے) ان چیزوں کی تعلیم دی جن کو وہ نہ جانتا تھا (مطلب یہ کہ اول تو تعلیم کچھ کتابت میں منحصر نہیں کیونکہ دوسرے طریقوں سے بھی تعلیم کا مشاہدہ کیا جاتا ہے، ثانیاً اسباب موثر بالذات نہیں، مسبب حقیقی اور علم دینے والے ہم ہیں، پس گو آپ لکھنا نہیں جانتے مگر ہم نے جب آپ کو قرارت کا امر کیا ہے تو ہم دوسرے ذریعہ سے آپ کو قرارت اور حفظ علوم وحی پر قدرت دیدیں گے چنانچہ ایسا ہی ہوا، پس ان آیات میں آپ کی نبوت اور اُس کے مقدمات و تممات کا پورا بیان ہو گیا اور چونکہ صاحب نبوت کی مخالفت غایت درجہ کا گناہ اور شنیع امر ہے اس لئے آئندہ آیات میں جن کا نزول آیات اولیٰ سے ایک مدت کے بعد ہوا ہے آپ کے ایک خاص مخالف یعنی ابو جہل کی مذمت عام الفاظ سے ہو جس میں دوسرے مخالفین بھی شامل ہو جا دیں، جس کا سبب نزول یہ ہے کہ ایک بار ابو جہل نے آپ کو نماز پڑھتے دیکھا کہنے لگا کہ میں آپ کو اس سے بارہا منع کر چکا ہوں، آپ نے اس کو جھڑک دیا تو کہنے لگا کہ مکہ میں سب سے بڑا مجمع میرے ساتھ ہے اور یہ بھی کہا تھا کہ اگر اب کی بار نماز پڑھتے دیکھوں گا تو نعوذ باللہ آپ کی گردن پر پاؤں رکھ دوں گا چنانچہ ایک بار اس قصد سے چلا مگر قریب جاکر رک گیا اور پیچھے ہٹنے لگا، لوگوں نے وجہ پوچھی کہنے لگا مجھ کو ایک خندق آگ کی حامل معلوم ہوئی اور اسیں پر دار چیزیں نظر آئیں آپ نے فرمایا وہ فرشتے تھے اگر اور آگے آتا تو فرشتے اسکو بوٹی بوٹی کر کے نوچ ڈالتے اس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں کذافی الدر المنثور عن الصالح وغیرہا من کتب الحدیث ارشاد ہے کہ) سچ پر سچ بیشک (کافر) آدمی حد (آدمیت) سے بھل جاتا ہے اسوجہ سے کہ اپنے آپ کو (ابتنائے جنس سے) مستغنی دیکھتا ہے (کہ قولہ تعالیٰ ولو بسط اللہ الرزق لعبادہ لبغوا اللہ حالانکہ اس استغناء پر سرکشی حماقت ہے کیونکہ کسی کو گو مخلوق سے من وجہ استغناء ہو بھی جاوے لیکن حق تعالیٰ سے

استغفار تو کسی حال میں نہیں ہو سکتا حتیٰ کہ آخر میں) اسے مخاطب (عام) تیرے رب ہی کی طرف سب کا لوٹنا ہوگا (اور اس وقت بھی مثل حالت حیات کے اس کی قدرت کے لحاظ میں گھرا ہوگا اور اس حالت میں جو اسکو طفیان کی سزا ہوگی اس سے بھی کہیں نہ بھاگ سکے گا پس ایسا عاجز ایسے قادر سے کب مستغنی ہو سکتا ہے تو اپنے کو مستغنی سمجھنا اور اس کی بنا پر سرکشی کرنا بڑی بیوقوفی ہے، آگے بصورت استہمام تعجب ہے اس کی سرکشی پر یعنی) اے مخاطب (عام) بھلا اس شخص کا حال تو بتلا جو (ہمارے) ایک (خاص) بندے کو منع کرتا ہے جب وہ (بندہ) نماز پڑھتا ہے (مطلب یہ کہ اس شخص کا حال دیکھ کر تو بتلا کہ اس سے زیادہ عجیب بات بھی کوئی ہے حاصل یہ کہ نماز کو نماز سے روکنا نہایت ہی بُری اور عجیب بات ہے، آگے اسی تعجب کی تاکید و تقویت کے لئے مکرر فرماتے ہیں کہ) اے مخاطب (عام) بھلا یہ تو بتلا کہ اگر وہ بندہ (جس کو نماز سے روکا گیا ہے) ہدایت پر ہو (کہ جو کمال لازمی ہے) یا وہ (دوسروں کو بھی تقویٰ کی تعلیم دیتا ہو) (جو کمال تعدی یعنی دوسروں کی نفع رسانی ہے اور شاید کلمہ تردید لانے سے اشارہ اس طرف ہو کہ اگر ان میں سے ایک صفت بھی ہوتی تب بھی منع کرنے والے کی مذمت کے لئے کافی تھی چہ جائیکہ دونوں ہوں اور) اے مخاطب (عام) بھلا یہ تو بتلا کہ اگر وہ شخص (منع کرنے والا دین حق کو) جھٹلاتا ہو اور (دین حق سے) روگردانی کرتا ہو (یعنی نہ عقیدہ رکھتا ہو اور نہ عمل، یعنی اول تو یہ دیکھو کہ نماز سے منع کرنا کتنا بُرا ہے پھر بالخصوص یہ دیکھو کہ جب منع کرنے والا ایک گمراہ اور جس کو منع کر رہا ہے وہ ہدایت کا اعلیٰ نمونہ ہے تو یہ کتنی عجیب بات ہے۔ آگے اس منع کرنے پر اس کو وعید ہے یعنی) کیا اس شخص کو یہ خبر نہیں کہ اللہ تعالیٰ (اسکی سرکشی اور اُس سے پیدا ہونے والے اعمال کو) دیکھ رہا ہے (اور اس پر سزا دیگا، آگے اس پر زجر ہے یعنی اسکو) ہرگز (ایسا) نہیں (کرنا چاہیے اور) اگر یہ شخص (اپنی اس حرکت سے) باز نہ آوے گا تو ہم (اس کو) پٹھے پکر کر جو کہ دروغ اور خطا میں آلودہ پٹھے ہیں (جہنم کی طرف) گھسیٹیں گے (ناصیہ سر کے اگلے بالوں کو کہا جاتا ہے جن کو ارد میں پٹھے بولتے ہیں اس کی صفت میں کاذبہ خاطر مجازاً فرمایا اور اس کو جو اپنے مجمع پر گھمنڈ ہے اور ہمارے پیغمبر کو دھمکاتا ہے) سو یہ اپنی مجلس والوں کو بلالے (اگر اس نے ایسا کیا تو) ہم بھی دوزخ کے پیادوں کو بلالیں گے (چونکہ اُس نے نہیں بلایا اس لئے اللہ نے ان فرشتوں کو بھی بلایا کما روى الطبری عن قتاده مرسلًا قال انہی صلی اللہ علیہم و آلہم و سلم لوقل ابو جریل لاخذتہ المملکتہ الزبانیۃ عیاناً۔ آگے پھر زیادت زجر کے لئے اس کو تنبیہ ہے کہ اسکو) ہرگز (ایسا) نہیں (کرنا چاہیے مگر) آپ اس نالائق کی ان حرکتوں کی کچھ پرواہ نہ کیجئے اور) اسکا کہنا نہ مانیئے (جیسا اب تک بھی نہیں مانا) اور (بدستور) نماز پڑھتے رہیئے اور (خدا کا) قرب حاصل کرتے رہیئے (اس میں ایک لطیف وعدہ ہے کہ حق تعالیٰ آپکو ان لوگوں کے ضرر سے محفوظ رکھیں گا کیونکہ نماز سے قرب ہوتا ہے اور قرب موجب عظمت ہے الالحکمۃ خاصہ پس ایسے امور کی طرف ذرا التفات نہ کیجئے اپنے کام میں لگے رہئے۔)

معارف و مسائل

دجی نبوت کی ابتدا اور سب سے پہلی دجی | صحیحین اور دوسری معتبر روایات سے ثابت اور جمہور سلف و خلف کا اس پر

اتفاق ہے کہ وحی کی ابتدا سورۃ علق یعنی اقرأ سے ہوئی ہے اور اس سورۃ کی ابتدائی پانچ آئیں نازل ہوئیں تک سب سے پہلے نازل ہوئیں۔ بعض حضرات نے سورۃ مدثر کو سب سے پہلی سورت قرار دیا ہے اور بعض نے سورۃ فاتحہ کو۔ امام بغوی نے فرمایا کہ جب رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۃ مدثر کو پانچ آیتیں نازل ہوئیں (کذا روی عن ابن عباس والزہری وعمر بن دینار۔ در منثور) اور جن حضرات نے سورۃ مدثر کو پہلی سورت فرمایا ہے اسکی وجہ یہ ہے کہ اقرار کی پانچ آیتیں نازل ہونے کے بعد نزول قرآن میں ایک مدت تک توقف رہا جس کو زمانہ فترت کا کہا جاتا ہے اور وحی کی تاخیر و توقف سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سخت رنج و غم پیش آیا اسکے بعد اچانک پھر حضرت جبریل امین سامنے آئے اور سورۃ مدثر کی آیتیں نازل ہوئیں اسوقت بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نزول وحی اور ملاقات جبریل سے وہ ہی کیفیت طاری ہوئی جو سورۃ اقرار کے نزول کے وقت پیش آئی تھی جس کا بیان آگے آ رہا ہے اس طرح فترت کے بعد سب سے پہلے سورۃ مدثر کی ابتدائی آیات نازل ہوئیں اس لحاظ سے کہ وہ بھی پہلی سورت کہہ سکتے ہیں اور سورۃ فاتحہ کو جن حضرات نے پہلی سورت فرمایا ہے اُس کی بھی ایک وجہ ہے وہ یہ کہ مکمل سورت سب سے پہلے سورۃ فاتحہ ہی نازل ہوئی اس سے پہلے چند سورتوں کی متفرق آیات ہی کا نزول ہوا تھا (منظہری) صحیحین کی ایک طویل حدیث میں نبوت اور وحی کی ابتدا کا واقعہ اس طرح بیان ہوا ہے کہ اُمّ المؤمنین حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ سب سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر سلسلہ وحی رویائے صالحہ یعنی سچے خوابوں سے شروع ہوا جس کی کیفیت یہ تھی کہ جو کچھ آپ خواب میں دیکھتے بالکل اسکے مطابق واقعہ پیش آتا اور اسمیں کسی تعبیر کی بھی ضرورت نہ تھی، صبح کی روشنی کی طرح واضح طور پر خواب میں دیکھا ہوا واقعہ سامنے آ جاتا تھا۔

اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مخلوق سے یکسو اور خلوت میں عبادت کرنیکا داعیہ قوی پیش آیا جس کے لئے آپ نے غار حرا کو منتخب فرمایا (یہ غار مکہ مکرمہ کے قبرستان جنۃ المعلیٰ سے کچھ آگے ایک پہاڑ پر ہے جسکو جبل التور کہا جاتا ہے اس کی چوٹی دُور سے نظر آتی ہے) حضرت صدیقہ فرماتی ہیں کہ آپ اس غار میں جا کر راتوں کو رہتے اور عبادت کرتے تھے جب تک اہل وعیال کی خبر گیری کی ضرورت پیش نہ آتی وہیں مقیم رہتے تھے اور اس وقت کے لئے آپ ضروری توشہ لیجاتے تھے اور پھر توشہ ختم ہونے کے بعد حضرت خدیجہ اُمّ المؤمنین کے پاس تشریف لاتے اور مزید کچھ دنوں کے لئے توشہ لیجاتے یہاں تک کہ آپ اسی غارِ حرا میں تھے کہ اچانک آپ کے پاس حق یعنی وحی پہنچی۔ (غار حرا میں خلوت گزینی کی مدت میں علماء کا اختلاف ہے۔ صحیحین کی روایت ہے کہ آپ نے ایک ماہ یعنی پورے ماہ رمضان اسمیں قیام فرمایا۔ ابن اسحق نے سیرت میں اور زرقانی نے شرح مواہب میں فرمایا کہ اس سے زیادہ مدت کسی صحیح روایت سے ثابت نہیں ہے اور یہ عبادت جو آپ غار حرا میں نزول وحی سے پہلے کرتے تھے اسوقت نماز وغیرہ کی تعلیم تو ہوئی نہ تھی، بعض حضرات نے فرمایا کہ نوح اور ابراہیم اور عیسیٰ علیہم السلام کی شرائع کے مطابق عبادت کرتے تھے مگر نہ کسی روایت سے اسکا ثبوت ہے اور نہ آپ کے آتی ہونے کی وجہ سے یہ احتمال صحیح ہے بلکہ ظاہر یہ ہے کہ اسوقت آپ کی عبادت محض مخلوق سے انقطاع

اور اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ خاص اور تفکر کی تھی (ظہری)

حضرت صدیقہ فرماتی ہیں کہ وحی آنے کی صورت یہ ہوئی کہ فرشتہ یعنی جبریل امین آپ کے پاس آیا، اور آپ سے کہا اِقْرَأْ یعنی پڑھئے، آپ نے فرمایا مَا اَنَا بِقَارِءٍ یعنی میں پڑھنے والا نہیں ہوں (کیونکہ آپ اُمّی تھے، اور جبریل امین کے قول اِقْرَأْ کی مراد آپ پر اس وقت واضح نہ تھی کہ کیا اور کس طرح پڑھوانا چاہتے ہیں کیا کوئی لکھی ہوئی تحریر دیں گے جس کو پڑھنا ہوگا اس لئے اپنے اُمّی ہونے کا عذر کر دیا) حضرت صدیقہ کی روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ میرے اس جواب پر جبریل امین نے مجھے آغوش میں لیکر اتنا دبایا کہ مجھے اسکی تکلیف محسوس ہونے لگی اس کے بعد مجھے چھوڑ دیا اور پھر وہی بات کہی اِقْرَأْ میں نے پھر وہی جواب دیا کہ میں پڑھنے والا نہیں ہوں تو پھر جبریل امین نے دوبارہ آغوش میں لیکر اتنا دبایا کہ مجھے اس کی تکلیف محسوس ہونے لگی پھر چھوڑ دیا اور تیسری مرتبہ پھر کہا اِقْرَأْ میں نے پھر وہی جواب دیا مَا اَنَا بِقَارِءٍ تو تیسری مرتبہ پھر آغوش میں دبایا پھر چھوڑ کر کہا، اِقْرَأْ يَا سَيِّدِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ ۝ خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۝ اِقْرَأْ ۝ رَبُّكَ الْأَكْرَمُ ۝ الَّذِي عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۝ عَلَّمَ الْإِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ۝

قرآن کی یہ (سب سے پہلی پانچ) آیتیں لیکر آپ گھر واپس تشریف لائے آپ کا دل کانپ رہا تھا حضرت خدیجہؓ کے پاس آکر فرمایا ذمّوْنی ذمّوْنی مجھے ڈھانپو مجھے ڈھانپو (حضرت خدیجہ نے آپ پر کپڑے ڈالے) یہاں تک کہ یہ ہیبت کی کیفیت رفع ہوئی (کیفیت اور کپچی جبریل علیہ السلام کے خوف سے نہیں تھی کیونکہ آپ کی شان اس سے بہت بلند و بالا ہے بلکہ اس وحی کے ذریعہ جنوب و رسالت کی ذمہ داری آپ کو سونپی گئی اسکا بارگراں محسوس فرمانے اور ایک فرشتہ کو اُس کی صلی ہیبت میں دیکھنے سے طبعی طور پر یہ ہیبت کی کیفیت پیدا ہوئی) حضرت صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ افاقہ کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خدیجہؓ کو غارِ صرار کا پورا واقعہ سنایا اور فرمایا کہ اس سے مجھ پر ایک ایسی کیفیت طاری ہوئی کہ مجھے اپنی جان کا خوف ہو گیا۔ حضرت خدیجہ ام المومنینؓ نے عرض کیا کہ یہ ہرگز نہیں ہو سکتا اللہ تعالیٰ آپ کو ہرگز ناکام نہ ہونے دیں گے کیونکہ آپ صلہ رحمی کرتے ہیں۔ بوجھ میں دبے ہوئے لوگوں کا بوجھ اٹھا لیتے ہیں۔ بے روزگار آدمی کو کسب پر لگاتے ہیں مہانوں کی مہانداری کرتے ہیں اور مصیبت زدوں کی امداد کرتے ہیں (حضرت خدیجہؓ کو بھی پڑھی خاتون تھیں اُن کو شاید کتب سابقہ توریت و انجیل سے یا اسکے علماء سے یہ بات معلوم ہوئی ہوگی کہ جس شخص کے اخلاق و عادات ایسے کریمانہ ہوں وہ محروم و ناکام نہیں ہوا کرتا اسلئے اس طریقہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی)

اس کے بعد حضرت خدیجہؓ کو اپنے چچا زاد بھائی ورقہ ابن نوفل کے پاس لے گئیں یہ زمانہ جاہلیت ہی میں بُت پرستی سے تائب ہو کر نصرانی ہو گئے تھے (کیونکہ اس وقت کا دین حق یہی تھا) ورقہ ابن نوفل (لکھے پڑھے آدمی تھے عبرانی زبان بھی جانتے تھے اور عربی تو اُن کی مادری زبان تھی) وہ عبرانی زبان میں بھی لکھتے تھے اور انجیل کو عربی زبان میں لکھتے تھے اور اس وقت وہ بہت بوڑھے تھے، بڑھاپے کی وجہ سے بینائی

جاتی رہی تھی، حضرت خدیجہ رحمہ اللہ نے اُن سے کہا کہ میرے چچا زاد بھائی ذرا اپنے بھتیجے کی بات تو سنو۔ ورقہ ابن نوفل نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے حال دریافت کیا تو آپ نے غارِ حرا میں جو کچھ دیکھا تھا بیان کر دیا۔ ورقہ بن نوفل نے سنتے ہی کہا کہ یہ وہ ہی ناموس یعنی فرشتہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر اتارا تھا کاش میں آپ کی نبوت کے زمانے میں قوی ہوتا، اور کاش کہ میں اُس وقت زندہ ہوتا جبکہ آپ کی قوم آپ کو (وطن سے) نکالے گی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (تجربے سے پوچھا) کیا میری قوم مجھے نکال دے گی، ورقہ نے کہا کہ بلاشبہ نکالے گی کیونکہ جب بھی کوئی آدمی وہ پیغام حق اور دین حق لیکر آیا ہے جو آپ لائے ہیں تو اُس کی قوم نے اُس کو ستایا ہے اور اگر میں نے وہ زمانہ پایا تو میں آپ کی بھرپور مدد کروں گا مگر ورقہ اس کے چند ہی روز کے بعد انتقال کر گئے اور اس واقعہ کے بعد وحی قرآن کا سلسلہ رک گیا (بخاری مسلم) فترتِ وحی کی مدت کے متعلق سہیلی کی روایت یہ ہے کہ ڈھائی سال تک ہی اور بعض روایات میں تین سال کی مدت بیان کی گئی ہے (منظہری)

اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ، بِاسْمِ رَبِّكَ میں لفظ اسم بڑھانے سے اسطرح اشارہ ہے کہ قرآن جب بھی پڑھیں اللہ کا نام لیکر یعنی بِسْمِ اللہ الرحمن الرحیم پڑھ کر شروع کریں جیسا کہ خلاصہ تفسیر میں لکھا گیا ہے، دوسرا اشارہ اسمیں اُس عذر کے جواب کا ہے جو آپ نے پیش کیا تھا کہ میں قاری نہیں، بِاسْمِ رَبِّكَ کے لفظ سے اسطرح اشارہ کیا گیا کہ اگرچہ آپ اپنی موجودہ حالت کے اعتبار سے اُمتی ہیں لکھے پڑھے نہیں مگر آپ کے رب کو سب قدرت ہے وہ اُمتی شخص کو اعلیٰ علوم اور خطابت کا سلیقہ اور فصاحت و بلاغت کا وہ درجہ دے سکتا ہے کہ جس کے سامنے بڑے بڑے لکھے پڑھے عاجز ہو جائیں جیسا کہ بعد میں اسکا ظہور ہوا (منظہری) اور اس جگہ اللہ تعالیٰ کے اسماءِ حسنیٰ میں سے لفظ رب کو خصوصیت سے اختیار کرنے میں اس مضمون کی مزید تائید و تاکید ہو گئی کہ اللہ تعالیٰ آپ کا پروردگار ہے ہر طرح کی تربیت کرتا ہے وہ اُمتی ہونے کے باوجود آپ سے پڑھوا بھی سکتا ہے الَّذِي خَلَقَ صفاتِ الہیہ میں سے اس جگہ صفتِ تخلیق کو خصوصیت سے ذکر کرنے میں شاید حکمت ہو کہ مخلوقات پر جیسے انعامات و احسانات حق تعالیٰ کے ہیں انہیں سب سے پہلا انعام اسکو وجود عطا کرنا ہے جو تخلیق ربانی کے ذریعہ عطا ہوتا ہے، اور اس جگہ خَلَقَ کا مفعول یعنی جس چیز کو پیدا کیا وہ ذکر نہیں کی گئی اسمیں اشارہ عموم کی طرف ہے کہ ساری ہی کائنات اُس کی مخلوق ہیں۔

خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ، الَّذِي خَلَقَ میں پوری کائنات کی تخلیق کا بیان ہوا تھا خَلَقَ الْإِنْسَانَ میں اشرف المخلوقات انسان کی تخلیق کا ذکر فرمایا کہ غور سے دیکھو تو پوری کائنات و مخلوقات کا خلاصہ انسان، جہاں میں جو کچھ ہے اُس کی نظر انسان کے وجود میں موجود ہیں اسی لئے انسان کو عالم اصغر کہا جاتا ہے اور انسان کی تخصیص بالذکر کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ نبوت و رسالت اور قرآن کے نازل کرنے کا مقصد احکامِ الہیہ کی تنفیذ و تعمیل ہے وہ انسان ہی کے ساتھ مخصوص ہے۔ عَلَقَ کے معنی منجمد خون کے ہیں انسان کی تخلیق پر مختلف دور گزرے اور گزرتے ہیں اُس کی ابتدا رستی اور غنا صر سے ہے پھر نطفہ سے اُس کے بعد عَلَقَ

یعنی نچھ خون بنتا ہے پھر مضغہ گوشت پھر ہڈیاں وغیرہ پیدا کی جاتی ہیں۔ علقہ ان تمام اڈوار تخلیق میں ایک درمیانہ حالت ہے اس کو اختیار کر کے اسکے اول و آخر کی طرف اشارہ ہو گیا۔

اِقْرَأْ وَرَبُّكَ الْكَرِيمُ، یہاں لفظ اِقرأ کو مکرر لایا گیا ہے جس کی ایک وجہ خلاصہ تفسیر میں آچکی ہے اور یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ پہلا اِقرأ تو خود آپ کے پڑھنے کے لئے فرمایا تھا، یہ دوسرا تبلیغ و دعوت اور لوگوں کو پڑھانے کے لئے فرمایا اور اگر محض تاکید کے لئے تکرار ہو تو وہ بھی کچھ بعید نہیں۔ اور صفت اکرم میں اس طرف اشارہ ہے کہ تخلیق عالم اور تخلیق انسان میں اللہ تعالیٰ کی اپنی کوئی غرض اور نفع نہیں بلکہ یہ سب بتقاضائے جو دو کرم ہے کہ بے مانگے کائنات کو وجود کی نعمت عظمیٰ عطا فرمائی۔

الَّذِي عَلَّمَ بِالْقَلَمِ، تخلیق انسانی کے بعد اُس کی تعلیم کا بیان ہے کیونکہ تعلیم ہی وہ چیز ہے جو انسان کو دوسرے تمام حیوانات سے ممتاز اور تمام مخلوقات سے اشرف و اعلیٰ بناتی ہے پھر تعلیم کی عام صورتیں دو ہیں ایک زبانی تعلیم دوسرے بذریعہ قلم تحریر و خط سے۔ ابتدائے سورت میں لفظ اِقرأ میں اگرچہ زبانی تعلیم ہی کی ابتداء ہے مگر اس آیت میں جہاں تعلیم دینے کا بیان آیا ہے اس میں قلمی تعلیم کو مقدم کر کے بیان فرمایا ہے۔

تعلیم کا سب سے پہلا اولاہم | ایک صحیح حدیث حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ذریعہ قلم اور کتاب سے | نے فرمایا اَللّٰهُ خَلَقَ الْخَلْقَ كَتَبَ فِيْ كِتَابِهِ فُھُو عِنْدَہُ فَوْقَ الْعَرْشِ اَنْ رَّحْمٰتِیْ غَلِبَتْ غَضَبِیْ، یعنی اللہ تعالیٰ نے ازل میں جب مخلوق کو پیدا کیا تو اپنی کتاب میں جو عرش پر اللہ تعالیٰ کے پاس ہے یہ کلمہ لکھا کہ ”میری رحمت میرے غضب پر غالب رہے گی“

اور حدیث میں یہ بھی ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰهُ الْقَلَمَ فَقَالَ لَعَلَّہُ اَکْتُبْ فَکَتَبَ مَا یُکُوْنُ اِلَیْ یَوْمَ الْقِیَٰمَۃِ فُھُو عِنْدَہُ فِی الْاَوَّلِ کَرْضٍ سَرِیضٍ، یعنی سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے قلم کو پیدا کیا اور اس کو حکم دیا کہ لکھے، اُس نے تمام چیزیں جو قیامت تک ہونے والی تھیں لکھ دیں، یہ کتاب اللہ تعالیٰ کے پاس عرش پر ہے (قرطبی)

قلم کی تین قسمیں | علمائے عالم نے فرمایا ہے کہ عالم میں قلم تین ہیں۔ ایک سب سے پہلا قلم جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاتھ سے پیدا کیا اور تقدیر کائنات لکھنے کا اُس کو حکم دیا، دوسرے فرشتوں کے قلم جس سے وہ تمام ہونے والے واقعات اور اُن کی متادیر کو نیز انسانوں کے اعمال کو لکھتے ہیں۔ تیسرے عام انسانوں کے قلم جن سے وہ اپنے کلام لکھتے اور اپنے مقاصد میں کام لیتے ہیں اور کتابت درحقیقت بیان کی ایک قسم ہے اور بیان انسان کی مخصوص صفت ہے (قرطبی) امام تفسیر مجاہد نے ابو عمرو سے نقل کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ساری کائنات میں چار چیزیں اپنے دست قدرت سے خود بنائیں اور اُن کے سوا باقی مخلوقات کے لئے حکم دیا کُنْ یعنی ہو جا وہ موجود ہو گئیں۔ یہ چار چیزیں یہ ہیں۔

قلم، عرش، جنت عدن، آدم علیہ السلام

علم کتابت سب سے پہلے دنیا میں کس کو دیا گیا | بعض حضرات نے فرمایا کہ سب سے پہلے یہ فن کتابت ابو البشر حضرت آدمؑ

کو سکھایا گیا تھا اور سب سے پہلے انھوں نے لکھنا شروع کیا (کعب احبار) اور بعض حضرات نے فرمایا کہ سب سے پہلے یہ فن حضرت ادريس علیہ السلام کو ملا ہے اور سب سے پہلے کتاب دنیا میں وہی ہیں (ضحاک) اور بعض حضرات نے فرمایا کہ ہر شخص جو کتابت کرتا ہے وہ تعلیم منجانب اللہ ہی ہے۔

خط و کتابت اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے | حضرت قتادہ رحمہ نے فرمایا کہ قلم اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے اگر یہ ہوتا تو نہ کوئی دین قائم رہتا نہ دنیا کے کار و بار درست ہوتے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا کرم ہے کہ اُس نے اپنے بندوں کو اُن چیزوں کا علم دیا جن کو وہ نہیں جانتے تھے اور اُن کو جہل کی اندھیری سے نورِ علم کی طرف نکالا اور علم کتابت کی ترغیب دی کیونکہ اُس میں بیشمار اور بڑے منافع ہیں جن کا اللہ کے سوا کوئی احاطہ نہیں کر سکتا۔ تمام علوم و حکم کی تدوین اور اولین و آخرین کی تاریخ ان کے حالات و مقالات اور اللہ تعالیٰ کی نازل کی ہوئی کتابیں سب قلم ہی کے ذریعہ لکھی گئیں اور رہتی دنیا تک باقی رہیں گی اگر قلم نہ ہو تو دنیا و دین کے سارے ہی کام فتل ہو جائیں۔

علمائے سلف و خلف نے ہمیشہ خط و کتابت کا بڑا اہتمام کیا ہے جس پر اُن کی خط و کتابت کا بہت اہتمام کیا ہے | تصانیف کے عظیم الشان ذخائر آج تک شاہد ہیں۔ افسوس ہے کہ ہمارے اس دور میں علماء و طلباء نے اس اہم ضرورت کو ایسا نظر انداز کیا ہے کہ سیکڑوں میں دو چار آدمی مشکل سے تحریر کتابت کے جاننے والے نکلتے ہیں فالی اللہ شکے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو | حق تعالیٰ جل شانہ نے خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی شان کو لوگوں کے فکر و تیس سے بالاتر بنانے کے لئے آپ کی جائے پیدائش سے لیکر آپ کے ذاتی حالات تک سب ایسے بنائے تھے کہ جن میں کوئی انسان اپنی ذاتی کوشش و محنت سے کوئی کمال حاصل نہیں کر سکتا۔ جائے پیدائش کے لئے عرب کا صحرا تجویز ہوا جو متمدن دنیا اور علم و حکمت کے گہواروں سے بالکل کٹا ہوا تھا اور راستے اور مواصلات اتنے دشوار گزار تھے کہ شام و عراق اور مصر وغیرہ کے متمدن شہروں سے یہاں کے لوگوں کا کوئی جوڑ نہ تھا، اسی لئے عرب سب کے سب ہی اُمیین کہلاتے ہیں، ایسے ملک اور ایسے قبائل میں آپ پیدا ہوئے اور پھر حق تعالیٰ نے ایسے سامان کئے کہ عرب کے لوگوں میں جو خال خال کوئی علم و حکمت اور خط و کتابت سیکھ لیتا تھا، آپ کو اُسے سیکھنے کا بھی موقع نہ دیا گیا، ان حالات میں پیدا ہونے والے انسان سے علم و حکمت اور اخلاقِ فاضلہ عالیہ کا کس کو تصور ہو سکتا ہے۔ اچانک حق تعالیٰ نے خلعتِ نبوت سے نوازا اور علم و حکمت کا غیر منقطع سلسلہ آپ کی زبان مبارک پر جاری فرما دیا، فصاحت و بلاغت میں عرب کے بڑے بڑے شعراء و بلغاء آپ کے سامنے عاجز ہو گئے یہ ایک ایسا کھلا ہوا معجزہ تھا کہ ہر آنکھوں والا اس کو دیکھ کر یہ یقین کئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ آپ کے کمالات انسانی سعی و عمل کا نتیجہ نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے غیبی عطیات ہیں، خط و کتابت کی تعلیم نہ دینے میں بھی یہی حکمت تھی (ماخوذ از قرطبی)

عَلَّمَ الْإِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ، اس سے پہلی آیت میں تعلیم کے ایک خاص ذریعہ کا ذکر تھا جو عام طور پر تعلیم کے لئے استعمال ہوتا ہے یعنی قلمی تعلیم۔

ذریعہ علم صرف قلم نہیں بلکہ بیشمار ذرائع ہیں | اس آیت میں اس کا ذکر ہے کہ اصل تعلیم دینے والا اللہ تعالیٰ سبحانہ ہے اور اُس کے لئے ذرائع تعلیم بیشمار ہیں، کچھ قلم ہی کیساتھ مخصوص نہیں اس لئے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو وہ علم دیا جس سے وہ پہلے ناواقف تھا، اس میں قلم یا کسی دوسرے ذریعہ تعلیم کا ذکر نہ فرمانے سے اس طرف اشارہ ہے کہ حق تعالیٰ کی یہ تعلیم انسان کی ابتداء آفرینش سے جاری ہے کہ اول اس میں عقل پیدا کی جو سب سے بڑا ذریعہ علم ہے، انسان اپنی عقل سے خود بغیر کسی تعلیم کے بہت سی چیزیں سمجھتا ہے پھر اسکے پس و پیش میں اپنی قدرت کاملہ کے ایسے مناظر اور دلائل قدرت رکھتے ہیں جن کا مشاہدہ کر کے وہ اپنی عقل سے اپنے پیدا کرنے والے کو پہچان سکے۔ پھر وحی اور الہام کے ذریعہ بہت سی چیزوں کا علم انسان کو عطا فرمایا اور بہت سی ضروری چیزوں کا علم انسان کے ذہن میں خود بخود پیدا فرما دیا جس میں کسی زبان یا قلم کی تعلیم کا دخل نہیں، ایک بے شعور بچہ ماں کے پیٹ سے پیدا ہونے کیساتھ ہی اپنی غذا کے مرکز یعنی ماں کی چھاتیوں کو پہچان لیتا ہے پھر چھاتی سے دودھ اُتارنے کے لئے منہ کو دبانا اس کو کس نے سکھایا اور کون سکھا سکتا تھا، پھر اس کو ایک ہنر رونے کا اللہ تعالیٰ نے اول ولادت ہی سے سکھا دیا، بچے کا یہ رونا اُس کی تمام ضروریات کو پورا کرنے کا ذریعہ بنتا ہے اُس کو روتا ہوا دیکھ کر ماں باپ اس فکر میں پڑ جاتے ہیں کہ اس کو کیا تکلیف ہے۔ اس کی بھوک پیاس، سردی، گرمی کی سب ضروریات اسی رو دینے سے ہی پوری ہوتی ہیں۔ یہ رونے کی تعلیم اس نو مولود کو کون کر سکتا تھا اور کس طرح کرتا۔ یہ سب وہی علم ہے جو اللہ تعالیٰ ہر جاندار کے خصوصاً انسان کے ذہن میں پیدا فرما دیتا ہے۔ اس ضروری علم کے بعد پھر زبانی تعلیم پھر قلبی تعلیم کے ذریعہ اس کے علوم میں اضافہ ہوتا رہتا ہے اور مَا لَمْ يَعْلَمْ یعنی جس کو وہ نہیں جانتا تھا اس کے کہنے کی بظاہر کوئی ضرورت نہ تھی کیونکہ عادتاً تعلیم تو اُسی چیز کی ہوتی ہے جو انسان نہیں جانتا اس کے فرمانے میں اشارہ اس طرف ہے کہ اس خدا داد علم و ہنر کو انسان اپنا ذاتی کمال نہ سمجھ بیٹھے، مَا لَمْ يَعْلَمْ سے اشارہ فرمایا کہ انسان پر ایک ایسا وقت بھی آیا ہے جب کچھ نہیں جانتا تھا جیسا کہ قرآن کریم میں ہے اَنْحٰجُكُمْ مِّنْ بُطُونٍ اَمْهَمَّكُمْ لَا تَعْلَمُونَ شَيْئًا یعنی اللہ نے تم کو تمہاری ماؤں کے بطن سے ایسی حالت میں نکالا کہ تم کچھ نہ جانتے تھے، معلوم ہوا کہ انسان کو جو بھی علم و ہنر ملا ہے وہ اُس کا ذاتی نہیں بلکہ سب خالق و مالک کا عطیہ ہے۔ (منظری) اور بعض حضرات مفسرین نے اس آیت میں انسان سے حضرت آدم یا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مراد قرار دیا ہے کیونکہ آدم علیہ السلام سب سے پہلے انسان ہیں جن کو تعلیم دی گئی وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَاءَ كُلَّهَا، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم وہ آخری پیغمبر ہیں جن کی تعلیم میں تمام انبیاء سابقین کے علوم اور لوح و قلم کے علوم شامل ہیں کما قال ۛ وَمِنْ عِلْمِكَ عَلَّمَ اللّٰوْحِ وَالْقَلَمِ

یہاں تک سورہ اقرآن کی پانچ آیتیں سب سے پہلے نازل ہوئیں، اس کے بعد کی آیتیں کافی عرصہ کے بعد نازل ہوئی ہیں کیونکہ باقی آیتیں آخر سورت تک ابوجہل کے ایک واقعہ کے متعلق ہیں اور ابتداء روحی و نبوت میں تو

مکہ میں کوئی بھی آپ کا مخالف نہ تھا سب آپ کو امیرین کے لقب سے پکارتے تھے اور محبت و تعظیم کرتے تھے، ابو جہل کی نفرت اور دشمنی خصوصاً نماز پڑھنے سے روکنے کا واقعہ جو آگے آنے والی آیات میں مذکور ہے ظاہر ہے کہ اس وقت کا ہے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت و دعوت کا اعلان فرمایا اور شہر حجاز میں آپ کو نماز پڑھنے کا حکم دیا گیا۔

تَحْلَاۤ اِنَّ الْاِنْسَانَ لِرَبِّهِۦٓ اَكْرَهًا اَسْتَغْنٰی، اس آیت کا روئے سخن اگرچہ ایک خاص شخص یعنی ابو جہل کی طرف ہے جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کی تھی مگر عنوان عام رکھا ہے جس میں عام انسانوں کی ایک کمزوری بیان کی گئی وہ یہ ہے کہ انسان جب تک دوسروں کا محتاج رہتا ہے تو سیدھا چلتا ہو اور جب اُس کو یہ گمان ہو جائے کہ میں کسی کا محتاج نہیں سب سے بے نیاز ہوں تو اس کے نفس میں طغیان یعنی سرکشی وغیرہ اور دوسروں پر ظلم و جور کے رجحانات پیدا ہو جاتے ہیں، جیسا کہ عموماً مالداروں اور اقتدار حکومت والوں اور اولاد و احباب یا خدام کی کثرت رکھنے والوں میں اس کا بکثرت مشاہدہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے تمول اور جماعت جتھے کی طاقت میں مست ہو کر کسی کو نظر میں نہیں لاتے، چونکہ ابو جہل کا بھی یہی حال تھا کہ مکہ مکرمہ کے خوشحال لوگوں میں سے تھا اور اس کے قبیلے بلکہ پورے شہر کے لوگ اس کی تعظیم و تکریم کرتے اور بات مانتے تھے وہ بھی اسی پندار میں مبتلا ہوا یہاں تک کہ سید الانبیاء اور اشرف المخلوق کی شان میں گستاخی کر بیٹھا۔ اگلی آیت میں ایسے سرکشوں کے بُرے انجام پر تنبیہ ہے۔

اِنَّ اِلٰی رَبِّكَ الرَّجْعُی، رجعی مثل بشری کے اسم مصدر ہے۔ معنی یہ ہیں کہ سب کو اپنے رب ہی کی طرف لوٹنا ہے اس کے ظاہر معنی تو یہی ہیں کہ مرنے کے بعد سب کو اللہ کے پاس جانا اور اچھے بُرے اعمال کا حساب لینا ہو اس وقت اس طغیانی اور سرکشی کے انجام بد کو انکھوں سے دیکھ لیا اور یہ بھی بعید نہیں کہ اس جملے میں مغرور انسان کے غرور کا علاج بتلایا گیا ہو کہ اے احمق تو اپنے آپ کو سب سے بے نیاز خود مختار سمجھتا ہے اگر غور کر گیا تو اپنی ہر حالت بلکہ ہر حرکت و سکون میں تو اپنے آپ کو رب تعالیٰ کا محتاج پائیگا، اگر اُس نے تجھے کسی انسان کا محتاج بظاہر نہیں بنایا تو کم از کم اس کو تو دیکھ کہ اللہ تعالیٰ کا تو ہر چیز میں محتاج ہے اور انسانوں کی حاجی سے بے نیاز سمجھنا بھی صرف ظاہری مغالطہ ہی ہے ورنہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو مدنی الطبع بنایا ہے وہ اکیلا اپنی ضروریات میں سے کسی ایک ضرورت کو بھی پورا نہیں کر سکتا، اپنے ایک ٹقمہ کو دیکھے تو پتہ چلے گا کہ ہزاروں انسانوں اور جانوروں کی محنت شاقہ اور مدت دراز تک کام میں لگے رہنے کا نتیجہ یہ ٹقمہ تر ہے جو بے فکری کیساتھ نگل رہا ہے اور اتنے ہزاروں انسانوں کو اپنی خدمتیں لگا لینا کسی کے بس کی بات نہیں، یہی حال اس کے لباس اور تمام دوسری ضروریات کا ہے کہ ان کے ہمیا کرنے میں ہزاروں لاکھوں انسانوں اور جانوروں کی محنت کا دخل ہے جو تیرے غلام نہیں اگر تو ان سب کو تنخواہیں دیکر بھی چاہتا کہ اپنے اس کام کو پورا کرے تو ہرگز تیرے بس میں نہ آتا، ان باتوں میں غور و فکر انسان پر یہ راز کھولتا ہے کہ اس کی تمام ضروریات کے حتمی کرنے کا نظام خود اس کا بنایا ہوا نہیں بلکہ خالق کائنات نے اپنی حکمت بالغہ سے بنایا اور چلایا ہے کسی دل میں ڈال دیا کہ زمین میں کاشت کا کام کرے، کسی کے دل میں یہ پیدا کر دیا کہ وہ لکڑی تراشنے اور نجاری کا کام کرے، کسی کے دل میں لوہار کے کام کی رغبت ڈال دی، کسی

کو محنت مزدوری کرنے ہی میں راضی کر دیا، کسی کو تجارت و صنعت کی طرف راغب کر کے انسانی ضروریات کے بازار لگا دیئے۔ نہ کوئی حکومت اسکا نظم قانون سے کر سکتی تھی نہ کوئی فرد۔ اسلئے اس غور و فکر کا لازمی نتیجہ الی رَبِّكَ الْخَجَعُ یعنی انجام کار سب چیزوں کا حق تعالیٰ کی قدرت و حکمت کے تابع ہونا مشاہدہ میں آ جاتا ہے۔

اَدْعَيْتَ الَّذِي يَنْهَىٰ عَبْدًا اِذَا صَلَّٰی، اس آیت سے آخر سورۃ تک ایک فقہ کثیر اشارہ کرتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز پڑھنے کا حکم دیا اور آپ نے نماز پڑھنا شروع کی تو ابو جہل نے آپ کو نماز پڑھنے سے روکا اور دھکی دی کہ آئندہ نماز پڑھیں گے اور سجدہ کریں گے تو وہ معاذ اللہ آپ کی گردن کو پاؤں سے کچل دے گا، اسکے جواب اور اُس کو زجر کرنے کے لئے یہ آیات آئی ہیں انہیں فرمایا اَلَمْ يَعْلَم بِاَنَّ اللّٰهَ يَرٰی، یعنی کیا وہ یہ نہیں جانتا کہ اللہ تعالیٰ دیکھ رہا ہے، یہاں یہ ذکر نہیں فرمایا کہ کس کو دیکھ رہا ہے اسلئے عام اور شامل ہے کہ نماز پڑھنے والی بزرگ ہستی کو بھی دیکھ رہا ہے اور اُس سے روکنے والے بد بخت کو بھی اور یہاں صرف اس جملہ پر اکتفا کیا گیا کہ ہم یہ سب کچھ دیکھ رہے ہیں، آگے دیکھنے کے بعد کیا حشر ہوگا اُس کے ذکر نہ کرنے میں اس طرف اشارہ ہے کہ وہ ہولناک انجام قابل تصور نہیں۔

لَنَسْفَعًا بِالْاِلٰهِيَّةِ، سفع مصدر سے مشتق ہے جس کے معنی سختی کے ساتھ کھینچنے کے ہیں اور ناصیت سر کے اگلے بالوں کو کہا جاتا ہے جو پیشانی کے اوپر ہوتے ہیں جس شخص کے پیشانی کے بال کسی کے ہاتھ میں آجائیں وہ اسکے ہاتھ میں مجبور و مقہور ہو کر رہ جاتا ہے۔

كَلَّا لَا تَطْعَمُهُ وَاشْجَلُ وَاقْتَرِبْ، یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدایت ہے کہ ابو جہل کی بات پر کان نہ دھریں اور سجدہ اور نماز میں مشغول رہیں کہ یہی اللہ تعالیٰ کے قرب کا راستہ ہے۔

سجدے کی حالتیں قبولیت دعا، ابو داؤد میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اقرب ما يكون العبد من ربه وهو ساجد فأكثروا الدعاء، یعنی بندہ اپنے رب سے قریب تر اس وقت ہوتا ہے جبکہ وہ سجدہ میں ہو اسلئے سجدہ میں بہت دعا کیا کرو۔ اور ایک دوسری صحیح حدیث میں یہ لفظ بھی آئے ہیں فاقب من ان يستجاب لکم، یعنی سجدے کی حالت میں دعا قبول ہونے کے لائق ہے۔

مسئلہ۔ نفل نمازوں کے سجدہ میں دعا کرنا ثابت ہے، بعض روایات حدیث میں اس دعا کے خاص الفاظ بھی آئے ہیں وہ الفاظ ماثورہ پڑھے جائیں تو بہتر ہے۔ فرائض میں اس طرح کی دعائیں ثابت نہیں، کیونکہ فرائض میں اختصار مطلوب ہے۔

مسئلہ۔ اس آیت کو پڑھنے اور سننے والے پر سجدہ تلاوت واجب ہے۔ صحیح مسلم میں بروایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس آیت پر سجدہ تلاوت کرنا ثابت ہے واللہ اعلم

سُورَةُ الْقَدْرِ

سُورَةُ الْقَدْرِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ خَمْسٌ آيَاتٌ
سورة قدر مکہ میں نازل ہوئی اور اس کی پانچ آیتیں ہیں

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بید مہربان نہایت رحم والا ہے

إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ ۚ وَمَا أَدْرَاكَ مَا لَيْلَةُ الْقَدْرِ ۚ لَيْلَةُ

ہم نے اس کو اتارا شب قدر میں اور تو نے کیا سمجھا کہ کیا ہے شب قدر

الْقَدْرِ ۚ خَيْرٌ مِنْ أَلْفِ شَهْرٍ ۚ تَنْزِيلُ الْمَلِكَةِ ۚ وَالرُّوحُ فِيهَا

قدر بہتر ہے ہزار مہینے سے اترتے ہیں فرشتے اور روح اُس میں

بِإِذْنِ رَبِّهِمْ مَنْ كُلِّ أَمْرٍ ۚ سَلَامٌ تَقْدِمْ حَتَّىٰ مَطْلَعِ الْفَجْرِ ۚ

اپنے رب کے حکم سے ہر کام پر امان ہے وہ رات صبح کے نکلنے تک

خلاصہ تفسیر

بیشک ہم نے قرآن کو شب قدر میں اتارا ہے (تحقیق شب قدر میں نازل ہونے کی سورہ دُخان میں گزری ہے) اور (زیادت تشویق کے لئے فرماتے ہیں کہ) آپ کو کچھ معلوم ہے کہ شب قدر کیسی چیز ہے (آگے جواب ہے کہ) شب قدر ہزار مہینوں سے بہتر ہے (یعنی ہزار مہینہ تک عبادت کرنے کا جس قدر ثواب ہے اُس سے زیادہ شب قدر میں عبادت کرنیکا ثواب ہے، کذا فی الخازن اور وہ رات ایسی ہے کہ) اس رات میں فرشتے اور روح القدس (یعنی جبریل علیہ السلام) اپنے پروردگار کے حکم سے ہر امرِ خیر کو لے کر (زمین کی طرف) اترتے ہیں (اور وہ شب) سراپا سلام ہے (جیسا حدیث بیہقی میں حضرت انس رضی عنہ سے مرفوعاً مروی ہے کہ شب قدر میں حضرت جبریل علیہ السلام فرشتوں کے ایک گروہ میں آتے ہیں اور جس شخص کو قیام و قعود و ذکر میں مشغول دیکھتے ہیں تو اُس پر صلوة بھیجتے ہیں یعنی اُس کے لئے دعائے رحمت کرتے ہیں اور خازن نے ابن الجوزی سے اس روایت میں مُسَلِّمُون بھی بڑھایا ہے یعنی سلامتی کی دعا کرتے ہیں۔ اور يُصَلُّونَ کا مُفْلَا

وقف النبی علی السلام
۱۸ -

معانی ۱۸

بھی یہی ہے کیونکہ رحمت و سلامتی میں تلازم ہے اسی کو قرآن میں سلام فرمایا ہے اور امرِ خیر سے مراد یہی ہے، اور نیز روایات میں اس میں توبہ کا قبول ہونا ابوابِ سمار کا مفتوح ہونا اور ہر مومن پر ملائکہ کا سلام کرنا آیا ہے۔ کذا فی الدر المنثور۔ اور ان امور کا بواسطہ ملائکہ کے ہونا اور موجب سلامت ہونا ظاہر ہے یا امر سے مراد وہ امور ہوں جن کا عنوان سورہ دُخان میں امرِ حکیم اور اس شب میں ان کا طے ہونا ذکر فرمایا ہے اور (وہ شبِ قدر) (اسی صفت و برکت کے ساتھ) طلوعِ فجر تک رہتی ہے (یہ نہیں کہ اس شب کے کسی حصہ خاص میں یہ برکت ہو اور کسی میں نہ ہو)

معارف و مسائل

شانِ نزول | ابن ابی حاتم نے مجاہد سے مرسل روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی اسرائیل کے ایک مجاہد کا حال ذکر کیا جو ایک ہزار مہینے تک مسلسل مشغولِ جہاد رہا، کبھی ہتھیار نہیں اُتارے۔ مسلمانوں کو یہ سن کر تعجب ہوا، اس پر سورہ قدر نازل ہوئی جس میں اس اُمت کے لئے صرف ایک رات کی عبادت کو اُس مجاہد کی عمر بھر کی عبادت یعنی ایک ہزار مہینے سے بہتر قرار دیا ہے۔ اور ابن جریر نے بروایت مجاہد ایک دوسرا واقعہ یہ ذکر کیا ہے کہ بنی اسرائیل میں ایک عابد کا یہ حال تھا کہ ساری رات عبادت میں مشغول رہتا اور صبح ہوتے ہی جہاد کے لئے نکل کھڑا ہوتا دن بھر جہاد میں مشغول رہتا، ایک ہزار مہینے اُس نے اسی مسلسل عبادت میں گزار دیئے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے سورہ قدر نازل فرما کر اس اُمت کی فضیلت سب پر ثابت فرمادی۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ شبِ قدر اُمتِ محمدیہ کی خصوصیات میں سے ہے (منظہری)

ابن کثیر نے یہی قول امام مالک کا نقل کیا ہے اور بعض ائمہ شافعیہ نے اس کو جہور کا قول لکھا ہے خطابی نے اس پر اجماع کا دعویٰ کیا ہے مگر بعض محدثین نے اس میں اختلاف کیا ہے (ماخوذ از ابن کثیر)

لیلۃُ القدر کے معنی | قدر کے ایک معنی عظمت و شرف کے ہیں۔ زہری وغیرہ حضرات علماء نے اس جگہ یہی معنی لئے ہیں اور اس رات کو لیلۃُ القدر کہنے کی وجہ اس رات کی عظمت و شرف ہے۔ اور ابو بکر دُرّاق نے فرمایا کہ اس رات کو لیلۃُ القدر اسوجہ سے کہا گیا کہ جس آدمی کی اس سے پہلے اپنی بے علی کے سبب کوئی قدر و قیمت نہ تھی اس رات میں توبہ و استغفار اور عبادت کے ذریعہ وہ صاحبِ قدر و شرف بن جاتا ہے۔

قدر کے دوسرے معنی تقدیر و حکم کے بھی آتے ہیں، اس معنی کے اعتبار سے لیلۃُ القدر کہنے کی وجہ یہ ہوگی کہ اس رات میں تمام مخلوقات کے لئے جو کچھ تقدیر ازلی میں لکھا ہے اس کا جو حصہ اس سال میں رمضان سے اگلے رمضان تک پیش آیا ہے وہ اُن فرشتوں کے حوالہ کر دیا جاتا ہے جو کائنات کی تدبیر اور تنفیذ امور کے لئے مامور ہیں، ان میں ہر انسان کی عمر اور موت اور رزق اور بارش وغیرہ کی مقدار میں مقررہ فرشتوں کو لکھوا دی جاتی ہیں یہاں تک کہ جس شخص کو اس سال میں حج نصیب ہو گا وہ بھی لکھ دیا جاتا ہے اور یہ فرشتے جن کو یہ امور سپرد کئے جاتے ہیں

بقول ابن عباس چار ہیں۔ اسرائیل، میکائیل، عزرائیل، جبریل علیہم السلام (قطبی)

سورۃ دخان کی آیت اِنَّا اَنْزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ اِنَّا كُنَّا مُنْذِرِيْنَ ۝ فِيْهَا يُفْرَقُ كُلُّ اَمْرٍ حَکِیْمٍ اَمْرًا مِّنْ عِنْدِنَا میں یہ مضمون خود صراحت کیسا تھا آگیا ہے کہ اس لیلۃ مبارکہ میں تمام امور تقدیر کے فیصلے لکھے جاتے ہیں اور اس آیت کی تفسیر میں گزر گیا ہے کہ جمہور مفسرین کے نزدیک لیلۃ مبارکہ سے مراد بھی لیلۃ القدر ہی ہے اور بعض جنہرات نے جو لیلۃ مبارکہ سے نصف شعبان کی رات یعنی لیلۃ البرات مراد لی ہے تو وہ اس کی تطبیق اس طرح کرتے ہیں کہ ابتدائی فیصلے امور تقدیر کے اجمالی طور پر شبِ برات میں ہو جاتے ہیں پھر ان کی تفصیلات لیلۃ القدر میں لکھی جاتی ہیں اس کی تائید حضرت ابن عباس کے ایک قول سے ہوتی ہے جس کو بغوی نے بروایت ابو نعیم نقل کیا ہے اس میں فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ سال بھر کے تقدیری امور کا فیصلہ تو شبِ برات یعنی نصف شعبان کی رات میں کر لیتے ہیں پھر شبِ قدر میں یہ فیصلے متعلقہ فرشتوں کے سپرد کر دیئے جاتے ہیں (مظہری) اور یہ پہلے لکھا جا چکا ہے کہ امور تقدیر کے فیصلے اس رات میں ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس سال میں جو امور تقدیر نافذ ہونا ہیں وہ تو ریح محفوظ سے نقل کر کے فرشتوں کے حوالے کر دیئے جاتے ہیں اور اہل نوشتہ تقدیر ازل میں لکھا جا چکا ہے۔

لیلۃ القدر کی تعیین | اتنی بات تو قرآن کریم کی تصریحات سے ثابت ہے کہ شبِ قدر ماہ رمضان المبارک میں آتی ہے مگر تاریخ کے تعیین میں علماء کے مختلف اقوال ہیں جو چالیس تک پہنچتے ہیں مگر تفسیر مظہری میں ہے کہ ان سب اقوال میں صحیح یہ ہے کہ لیلۃ القدر رمضان مبارک کے آخری عشرہ میں ہوتی ہے مگر آخری عشرہ کی کوئی خاص تاریخ متعین نہیں بلکہ ان میں سے کسی بھی رات میں ہو سکتی ہے وہ ہر رمضان میں بدلتی بھی رہتی ہے۔ اور ان دس میں سے خاص طاق راتیں یعنی ۲۱-۲۳-۲۵-۲۷-۲۹ میں ازل سے احادیث صحیحہ زیادہ احتمال ہے۔ اس قول میں تمام احادیث جو تعیین شبِ قدر کے متعلق آئی ہیں جمع ہو جاتی ہیں جن میں ۲۱-۲۳-۲۵-۲۷-۲۹ راتوں میں شبِ قدر ہونے کا ذکر آیا ہے۔ اگر شبِ قدر کو ان راتوں میں دائر اور ہر رمضان میں منتقل ہونے والا قرار دیا جائے تو یہ سب روایات حدیث اپنی اپنی جگہ درست اور ثابت ہو جاتی ہیں کسی میں تاویل کی ضرورت نہیں رہتی، اسی لئے اکثر ائمہ فقہانے اس کو عشرہ اخیرہ میں منتقل ہونے والی رات قرار دیا ہے۔ ابو قتلابہ، امام مالک، احمد بن حنبل، سفیان ثوری، اسحاق بن راہویہ، ابو ثور، مزنی، ابن خزیمہ وغیرہ سب نے یہی فرمایا ہے اور ایک روایت میں امام شافعیؒ سے بھی اس کے موافق منقول ہے اور دوسری روایت امام شافعیؒ کی یہ ہے کہ یہ رات منتقل ہونے والی نہیں بلکہ معین ہے (ابن کثیر)

صحیح بخاری میں حضرت صدیقہ عائشہؓ کی روایت سے آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا **تَحْرُوُ الْبَيِّنَاتِ الْقَدْرِ فِي الْعَشْرِ الْاَوَّلِ مِنْ (رمضان)**، یعنی شبِ قدر کو رمضان کے آخری عشرہ میں تلاش کرو۔ اور صحیح مسلم میں حضرت ابن عمرؓ کی روایت سے آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا **فَاَطْلُبُوْهَا فِي الْاَوَّلِ مِنْهَا**، یعنی شبِ قدر کو رمضان کے عشرہ اخیرہ کی طاق راتوں میں طلب کرو (مظہری)

لیلۃ القدر کے بعض فضائل اور اس رات کی مخصوص دُعا | اس رات کی سب سے بڑی فضیلت تو وہی ہے جو اس سورت میں

بیان ہوئی ہے کہ اس ایک رات کی عبادت ایک ہزار مہینوں یعنی تراسی سال سے زائد کی عبادت سے بھی بہتر ہے پھر بہتر ہونے کی کوئی حد مقرر نہیں، کتنی بہتر ہے کہ دو گنی چو گنی دس گنی سو گنی وغیرہ سبھی احتمالات ہیں۔

اور صحیحین میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شب قدر میں عبادت کے لئے کھڑا رہا اسکے تمام پچھلے گناہ معاف ہو گئے۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شب قدر میں وہ تمام فرشتے جبکہ مقام سدرة المنتہی پر ہے جبریل امین کیساتھ دنیا میں اترتے ہیں اور کوئی مؤمن مرد یا عورت ایسی نہیں جسکو وہ سلام نہ کرتے ہوں۔ بجز اُس آدمی کے جو شراب پیتا یا خنزیر کا گوشت کھاتا ہو اور ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص شب قدر کی خیر و برکت سے محروم رہا وہ بالکل ہی محروم بہ نصیب ہے۔ شب قدر میں بعض حضرات کو خاص انوار کا مشاہدہ بھی ہوتا ہے مگر نہ سب کو حاصل ہوتا ہے نہ رات کی برکات اور ثواب حاصل ہونے میں ایسے مشاہدات کا کچھ دخل ہے اس لئے انکی فکر میں نہ پڑنا چاہئے۔ حضرت صدیق عاکشہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ اگر میں شب قدر کو پاؤں تو کیا دعا کروں آپ نے فرمایا کہ یہ دعا کر و اللہم اناک عفو و تھب العفو فاعف عني یا اللہ آپ بہت معاف کرنے والے ہیں اور معافی کو پسند کرتے ہیں۔ میری خطائیں معاف فرما (قطبی)

اِنَّا اَنْزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ، اس آیت میں تصریح ہے کہ قرآن کریم شب قدر میں نازل ہوا، اسکا یہ مفہوم بھی ہو سکتا ہے پورا قرآن کورج محفوظ سے اس رات میں اتارا گیا پھر جبریل امین اس کو تدریجاً تیس سال کے عرصہ میں حسب ہدایت تھوڑا تھوڑا لاتے رہے اور یہ بھی مراد ہو سکتی ہے کہ ابتدائے نزول قرآن اس رات میں چند آیتوں سے ہو گیا باقی بعد میں نازل ہوتا رہا۔

تمام اسمانی کتابیں رمضان | حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہی میں نازل ہوئی ہیں۔ کہ صحیفہ ابراہیم علیہ السلام تیسری تاریخ رمضان میں، اور تورات چھٹی تاریخ میں اور انجیل تیرھویں تاریخ میں اور زبور اٹھارویں تاریخ رمضان میں نازل ہوئی ہیں اور قرآن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر چوبیسویں تاریخ رمضان میں اُترا ہے (مظہری)

تَنْزِيلُ الْمَلٰٓئِكَةِ وَالرُّوحِ، روح سے مراد جبریل امین ہیں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب شب قدر ہوتی ہے تو جبریل امین فرشتوں کی بڑی جماعت کیساتھ زمین پر اترتے ہیں، اور جتنے اللہ کے بندے مرد و عورت نماز یا ذکر اللہ میں مشغول ہوتے ہیں سب کیلئے رحمت کی دعا کرتے ہیں (مظہری)

مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ مِّنْ رَّحْمٰنٍ بِمَعْنٰی بَارِہِ جیسے یَفْقَهُوْنَہٗ مِنْ اَمْرِ اللّٰہِ الآیہ میں بھی مِنْ بمعنی بارِ استعمال ہوا ہے۔ معنی یہ ہیں کہ فرشتے لیلۃ القدر میں تمام سال کے اندر پیش آنے والے تقدیری واقعات لیکر زمین پر اترتے ہیں۔ اور بعض حضرات مفسرین مجاہد وغیرہ نے مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ کو سلام کے ساتھ متعلق کر کے یہ معنی قرار دیئے ہیں کہ یہ رات سلامتی ہے ہر شر و آفت اور بُری چیز سے (ابن کثیر)

سَلَامٌ، عبارت کی اصل ہی سَلَامٌ ہے۔ لفظ ہی حذف کر دیا گیا، معنی یہ ہیں کہ یہ رات سلام اور سلامتی ہی ہے اور خیر ہی خیر ہے اس میں شرکانام نہیں (قطبی) اور بعض حضرات نے تقدیر عبارت سلام ہو قرار دے کر اَنُکُو مِنْ بَيْنِ الْاَشْجَارِ کی صفت بنایا اور معنی یہ ہوئے کہ یہ فرشتے ہر ایسا امر بیکر آتے ہیں جو خیر و سلام ہے (مظہری) **رَحِيحٍ مَّطْلُوعَةٍ الْفَجْرِ**، یعنی لیلة القدر کی یہ برکات رات کے کسی خاص حصہ کی ساتھ مخصوص نہیں، شروع رات سے طلوع فجر تک ایک ہی حکم ہے۔

فائدہ ۵ | ان آیات میں لیلة القدر کو ایک ہزار مہینوں سے بہتر قرار دیا ہے اور ظاہر ہے کہ ان ایک ہزار مہینوں کے اندر بھی ہر سال ایک شب قدر آئے گی تو حساب کس طرح بنے گا۔ ائمہ تفسیر نے فرمایا کہ یہاں ایک ہزار مہینوں سے وہ مراد ہیں جن میں شب قدر شامل نہ ہو اسلئے کوئی اشکال نہیں (کذا ذکرہ ابن کثیر عن مجاہد) اختلاف مطالع کے سبب مختلف ملکوں اور شہروں میں شب قدر مختلف دنوں میں ہو تو اس میں کوئی اشکال نہیں، کیونکہ ہر جگہ کے اعتبار سے جو رات شب قدر قرار پائے گی اُس جگہ اُسی رات میں شب قدر کے برکات حاصل ہونگے۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ۔ جس شخص نے شب قدر میں عشاء اور صبح کی نماز جماعت سے پڑھ لی اُس نے بھی اس رات کا ثواب پالیا، اور جو شخص جتنا زیادہ کرے گا زیادہ ثواب پائیگا۔ صبح سلم میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص نے عشاء کی نماز جماعت کے ساتھ ادا کر لی تو اُدھی رات کے قیام کا ثواب پالیا، اور جس نے صبح کی نماز بھی جماعت سے ادا کر لی تو پوری رات جاگنے عبادت کر نیکا ثواب حاصل کر لیا۔

تَمَّتْ سُورَةُ الْقَدْرِ بِحَمْدِ اللَّهِ وَرِضْوَانِهِ سَمِعْنَا

سُورَةُ الْبَيِّنَةِ

سُورَةُ الْبَيِّنَةِ مَدَنِيَّةٌ وَهِيَ ثَمَانِيَةُ آيَاتٍ

سورة بینہ مدینہ میں نازل ہوئی اور اس کی آٹھ آیتیں ہیں

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بید مہربان نہایت رحم والا ہے

لَمْ يَكُنِ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ وَالْمُشْرِكِينَ مُنْفَكِينَ حَقًّا

نہ تھے وہ لوگ جو مسکر ہیں اہل کتاب اور مشرک باز آنے والے یہاں تک کہ

تَأْتِيَهُمُ الْبَيِّنَةُ ۝ رَسُولٌ مِّنَ اللَّهِ يَتْلُو صُحُفًا مُّطَهَّرَةً ۝ فِيهَا كُتِبَ

پہنچے اُن کے پاس کھلی بات ایک رسول اللہ کا پڑھتا ہوا ورق پاک اُس میں لکھی ہیں

قِيَمَةٌ ۝ وَمَا تَفَرَّقَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ إِلَّا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَتْهُمْ

کتاب میں مضبوط اور وہ جو پھوٹ پڑی اہل کتاب میں سو جبکہ آچکی اُن کے پاس کھلی

الْبَيِّنَةُ ۝ وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ ۚ حُنَفَاءُ

بات اور اُن کو حکم یہی ہوا کہ سادگی کریں اللہ کی خالص کر کے اسکے واسطے بندگی ابراہیم کی راہ پر

وَيُقِيمُوا الصَّلَاةَ وَيُؤْتُوا الزَّكَاةَ وَذَلِكَ دِينُ الْقِيَمَةِ ۚ إِنَّ الَّذِينَ

اور قائم رکھیں نماز اور دیں زکوٰۃ اور یہ ہے راہ مضبوط لوگوں کی اور جو

كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ وَالْمُشْرِكِينَ فِي نَارِ جَهَنَّمَ خُلِدُوا فِيهَا أُولَٰئِكَ

منکر ہوئے اہل کتاب اور مشرک ہونگے دوزخ کی آگ میں سدا رہیں اُسے وہ لوگ ہیں

هُمْ شَرُّ الْبَرِيَّةِ ۚ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ أُولَٰئِكَ هُمْ

سب خلق سے بہتر وہ لوگ جو یقین لائے اور کئے بھلے کام وہ لوگ ہیں سب

خَيْرُ الْبَرِيَّةِ ۚ جَزَاءُ الَّذِينَ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنَّتٌ عَدْنٌ لِّجَزْيٍ مِنْ

خلق سے بہتر بدلہ اُن کا اُن کے رب کے یہاں بانج ہیں ہمیشہ رہنے کو نیچے بہتی ہیں

جَنَّتْهَا إِلَّا نُهُرٌ خُلِدُوا فِيهَا أَبَدًا رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ

اُن کے نہریں سدا رہیں اُن میں ہمیشہ اللہ اُن سے راضی اور وہ اُس سے راضی

ذَٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ رَبَّهُ ۚ

یہ ملتا ہے اُس کو جو ڈرا اپنے رب سے

خلاصہ تفسیر

جو لوگ اہل کتاب اور مشرکین میں سے (قبل بعثت نبویہ) کافر تھے وہ (اپنے کفر سے ہرگز) باز آنے والے نہ تھے جب تک کہ اُن کے پاس واضح دلیل نہ آتی (یعنی) ایک اللہ کا رسول جو (اُن کو) پاک صحیفے پڑھ کر سنا دے جن میں درست مضامین لکھے ہوں (مراد قرآن ہے) مطلب یہ ہے کہ ان کفار کا کفر ایسا شدید تھا اور ایسے جہل میں مبتلا تھے کہ بدون کسی عظیم رسول کے اُن کی راہ پر آنے کی کوئی توقع نہ تھی اس لئے اللہ تعالیٰ نے اُن پر اپنی حجت تمام کرنے کے لئے آپ کو قرآن دے کر مبعوث فرمایا (اُن کو چاہیے تھا کہ اس کو غنیمت سمجھتے اور اس پر ایمان لے آتے مگر) جو لوگ اہل کتاب تھے (اور غیر اہل کتاب تو بدرجہ اولیٰ) وہ اس واضح دلیل کے آنے ہی کے بعد (دین میں) مختلف ہو گئے (یعنی دین حق سے بھی اختلاف کیا اور باہمی اختلاف جو پہلے سے تھے اُن کو بھی دین حق کا اتباع کر کے دور نہ کیا اور مشرکین کو بدرجہ اولیٰ اس لئے کہا کہ اُن کے پاس تو پہلے سے بھی کوئی علم سدا ہی نہ تھا) حالانکہ

اُن لوگوں کو (کتب سابقہ میں) یہی حکم ہوا تھا کہ اللہ کی اس طرح عبادت کریں کہ عبادت کو اسی کے لئے خالص رکھیں
 یکسو ہو کر (ادیان باطلہ کی طرح کسی کو اللہ کا شریک نہ بنادیں) اور نماز کی پابندی رکھیں اور زکوٰۃ دیا کریں اور
 یہی طریقہ ہے اُن درست مضامین (مذکورہ) کا (بتلایا ہوا)۔ حاصل تقریر کا یہ ہوا کہ اُن اہل کتاب کو انکی کتابوں
 میں یہ حکم ہوا تھا کہ قرآن اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائیں، اور یہی تعلیم تھی قرآن کی جس کو اہل کتب قیمہ
 سے تعبیر فرمایا ہے اس لئے اس قرآن کے نہ ماننے سے خود اپنی کتب کی مخالفت بھی لازم آتی ہے۔ یہ تو الزام
 اہل کتاب کو ہوا اور مشرکین اگرچہ پہلی کتب کو نہیں مانتے مگر ابراہیم علیہ السلام کے طریقے کا حق ہونا یہ بھی تسلیم
 کرتے تھے اور یہ بات یقینی طور پر ثابت ہے کہ ابراہیم علیہ السلام شرک سے بالکل بڑی تھے، اور کتب قیمہ عینی
 قرآن کا اُس طریقے کے ساتھ موافق ہونا بھی ظاہر ہے اس لئے اُن پر بھی حجت تمام ہو گئی اور مردان متفرقین
 و مخالفین سے بعض وہ کفار ہیں جو ایمان نہ لائے تھے اور قرینہ مقابلہ سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ جن لوگوں نے تفرق
 اور خلاف نہیں کیا وہ اہل ایمان ہیں، آگے بیان عمل کے بعد تصریحاً کفار کی دونوں قسموں یعنی اہل کتاب مشرکین
 کی اور مؤمنین کی سزا و جزا کا مضمون ارشاد فرماتے ہیں یعنی) بے شک جو لوگ اہل کتاب اور مشرکین میں سے کافر
 ہوئے وہ آتش دوزخ میں جاویں گے جہاں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے (اور) یہ لوگ بدترین خلاق ہیں (اور) بیشک
 جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے اچھے کام کئے وہ لوگ بہترین خلاق ہیں اُن کا صلہ اُن کے پروردگار کے
 نزدیک ہمیشہ رہنے کی بہشتیں ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی جہاں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے (اور) اللہ تعالیٰ اُن
 سے خوش رہے گا اور وہ اللہ سے خوش رہیں گے (یعنی نہ اُن سے کوئی معصیت ہوگی اور نہ اُن کو کوئی امر مکروہ
 پیش آوے گا جس سے احتمال عدم رضا کا جانبین سے ہو اور) یہ (جنت اور رضا) اُس شخص کے لئے ہے جو اپنے
 رب سے ڈرتا ہے (اور اللہ سے ڈرنے ہی پر ایمان و عمل صالح مرتب ہوتا ہے جس کو دخول جنت و حصول رضا
 کا مدار فرمایا ہے)

معارف و مسائل

پہلی آیت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے دنیا میں کفر و شرک اور جہالت کے انتہائی عموم اور
 غلبہ کو ذکر کر کے فرمایا گیا ہے کہ کفر و شرک کی ایسی عالمگیر ظلمت کو دور کرنے کے لئے رب العالمین کی حکمت و رحمت کا
 تقاضا یہ ہوا کہ جیسے اُن کا مرض شدید اور دباور عالمگیر ہے اُس کے علاج کے لئے بھی کوئی سب سے بڑا ماہر حاذق معالج
 بھیجنا چاہیے اس کے بغیر وہ اس مرض سے نجات نہ پاسکیں گے۔ آگے اُس حاذق و ماہر حکیم کی صفت بیان کی کہ اس
 کا وجود ایک بینہ یعنی حجت واضح ہو شرک کفر کے ابطال کے لئے آگے فرمایا کہ مراد اس معالج سے اللہ کا وہ رسول
 اعظم ہے جو قرآن کی حجت واضح لے کر اُن کے پاس آوے۔ اس مجموعہ میں بعثت نبوی سے پہلے زمانے کے فسادِ عظیم
 اور ہر طرف جہالت و ظلمت ہونا بھی معلوم ہوا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت شان کا بھی بیان ہوا۔ آگے

فتح مانگتے تھے یعنی اللہ سے دعا کرتے تھے کہ نبی آخر الزماں جو آنے والے ہیں اُن کی برکت سے ہمیں فتح نصیب فرمادے یا یہ کہ یہ مشرکین سے کہا کرتے تھے تم لوگ ہمارے خلاف زور آزمائی کرتے ہو مگر عنقریب ایک ایسے رسول آنے والے ہیں جو تم سب کو زیر کر دیں گے اور ہم چونکہ اُن کے ساتھ ہونگے تو ہماری فتح ہوگی۔

خلاصہ یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے تو اہل کتاب سب کے سب آپ کی نبوت و رسالت پر متفق تھے مگر جب آپ تشریف لے آئے تو منکر ہو گئے۔ اسی مضمون کو قرآن میں ایک جگہ فرمایا **فَلَمَّا جَاءَهُمْ مِّنْ عَرَفْرَأٍ مِّنْهُم**، یعنی جب ان لوگوں کے پاس وہ رسول یا دین حق یا قرآن آگیا جس کو انہوں نے بھی اپنی آسمانی کتابوں کی پیش گوئی کے مطابق پہچان لیا تو لگے کفر کرنے۔ اور آیت مذکورہ میں اسی مضمون کو اس طرح ذکر فرمایا کہ **وَمَا تَفْقَهُوا الدِّينَ اَوْ تَوَالُوا الْكِتَابَ الْاٰیۃ**، یعنی یہ عجیب بات ہے کہ آپ کے آنے اور دیکھنے سے پہلے تو ان لوگوں کو آپ سے کوئی اختلاف نہیں تھا سب آپ کی نبوت کے اعتقاد پر جمع تھے مگر جب یہ اللہ کا بیٹہ واضح یعنی رسول آخر الزماں تشریف لے آئے تو ان میں افتراق پیدا ہو گیا کچھ لوگ تو آپ پر ایمان لائے اور بہت سے انکار کرنے لگے۔

یہ معاملہ چونکہ اہل کتاب ہی کے ساتھ مخصوص تھا اس لئے اس آیت میں صرف اہل کتاب ہی کا ذکر فرمایا ہوا مشرکین کو شامل نہیں کیا بلکہ فرمایا **وَمَا تَفْقَهُوا الدِّينَ اَوْ تَوَالُوا الْكِتَابَ الْاٰیۃ**، اور پہلا معاملہ مشرکین اور اہل کتاب دونوں کو عام اور شامل تھا اس لئے وہاں فرمایا **لَعَلَّ يَكُنِ الدِّينَ كَقَرۡوۃِ مِّنْ اٰهْلِ الْكِتٰبِ وَالمُشْرِکِیۡنَ مُتَّفَکِیۡنَ**۔

اور خلاصہ تفسیر مذکور میں معاملہ ثانیہ کو بھی مشرکین اور اہل کتاب دونوں میں عام قرار دے کر اُس کے مطابق تقریر کی گئی ہے واللہ اعلم۔

وَذٰلِكَ دِیۡنُ النِّقِمَةِ، یہاں لفظ **قِیَمَۃ** بظاہر کتب کی صفت ہے جس کا ذکر اوپر آیا ہے اور بعض نے اس کو نکت کی صفت قرار دیا ہے۔ حاصل آیت کا یہ ہے کہ اہل کتاب کو اُن کی کتابوں میں یہی حکم دیا گیا تھا کہ اپنی عبادت و اطاعت کو خالص اللہ کے لئے رکھیں اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں، پھر فرمایا کہ یہ کچھ اُن کی ہی خصوصیت نہیں، ہر نکت قیمة یا تمام کتب قیمة جو اللہ کی طرف سے نازل ہوئیں اُن سب کا دین اور طریقہ یہی ہے اور ظاہر یہ ہے کہ قیمة جو کتب کی صفت ہے اس سے مراد بقرینہ سابق احکام قرآنیہ لئے جائیں تو مطلب آیت کا یہ ہوگا کہ اس شریعت محمدیہ نے بھی جو احکام اُن کو دیئے وہ بھی بعینہا وہی تھے جو پہلے اُن کی کتابوں نے دیئے تھے اُن کے کچھ مختلف احکام ہوتے تو اُن کو مخالفت کا کچھ بہانا بھی ہوتا اب وہ بھی نہیں۔

رَضِیَ اللہُ عَنْہُمْ وَرَضُوۡا عَنْہُ **وَذٰلِكَ لِمَنْ خَشِیَ رَبَّہٗ**، اس آیت میں اہل جنت کی سب سے بڑی نعمت کا ذکر ہے کہ اللہ تعالیٰ اُن سے راضی ہے اب ناراضی کا کوئی خطرہ نہیں۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اہل جنت سے خطاب کیلئے فرمائیے

یا اهل الجنة، تو اہل جنت جواب دیں گے لَبَّيْكَ رَبَّنَا وَسَعْدَىٰ لَكَ وَالْخَيْرُ كُلُّهُ فِي يَدَيْكَ، یعنی اسے ہمارے رب ہم حاضر ہیں اور اطاعت حکم کے لئے تیار ہیں اور ہر بھلائی آپ ہی کے ہاتھ میں ہے۔ پھر حق تعالیٰ فرمائیں گے هَلْ رَضِيتُمْ یعنی تم لوگ راضی اور خوش ہو وہ جواب دیں گے، اے ہمارے پروردگار، اب بھی راضی نہ ہونے کا کیا احتمال ہے جبکہ آپ نے ہمیں وہ سب کچھ عطا فرمادیا جو کسی مخلوق کو نہیں ملا، اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ کیا میں تم کو اس سے بھی افضل اور بہتر نعمت دیدوں، پھر فرمائیں گے کہ میں نے اپنی رضا تمہارے اوپر نازل کر دی اب کبھی تم سے ناراض نہ ہوں گا (رواہ البخاری و مسلم - منظرہ)

اس حدیث میں بھی اہل جنت سے پوچھا گیا کہ آپ راضی بھی ہو، اور اس آیت میں خبر دی گئی کہ رَضُوا عَنْهُ، یعنی اہل جنت بھی اللہ تعالیٰ سے راضی ہوں گے، یہاں بظاہر یہ سوال ہوتا ہے کہ اللہ سے اور اس کے ہر حکم اور ہر فعل سے راضی ہوتا تو فرائض بندگی اور لازمہ عبدیت ہے اس کے بغیر تو کوئی جنت میں جا ہی نہیں سکتا، پھر یہاں اہل جنت کی رضامندی ذکر کرنے کا کیا مطلب ہے، جواب یہ ہے کہ رضا کے عام مفہوم کے اعتبار سے تو یہ صحیح ہے کہ رضا بالقدر و اجبات و فرائض عبدیت میں سے ہے لیکن رضا کا ایک درجہ اور بھی ہے جو اس سے آگے ہے وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ کسی بندے کو اس کی ہر مراد عطا کر دیں اور کوئی تمنا و آرزو باقی نہ چھوڑیں، اس جگہ رضا سے یہی مراد ہے جیسے سورہ ضحیٰ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے آیا ہے وَكَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضَىٰ، یعنی عنقریب اللہ تعالیٰ آپ کو دیں گے وہ چیز جس سے آپ راضی ہو جائیں گے، یہاں بھی مراد غایت تمنا کا پورا کر دینا ہے اسی لئے اس آیت کے نزول پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پھر تو میں اُس وقت تک راضی نہ ہوں گا جب تک ایک بھی مومن جہنم میں باقی رہے گا (من المنظرہ)

ذَٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ رَبَّهُ، آخر سورت میں تمام کمالات دینی اور نعمائے اُخروی کا جس پر مدار ہے وہ بتلا دیا یعنی خشیت اللہ، خشیت اُس خوف کو نہیں کہا جاتا جو کسی دشمن یا مودی چیز سے طبعاً ہوتا ہے بلکہ خشیت اُس خوف کو کہتے ہیں جو کسی کی انتہائی عظمت و جلال کی وجہ سے پیدا ہو جسکا مقتضایہ ہوتا ہے کہ وہ ہر کام ہر حال میں اُس کی رضا جوئی کی فکر کرتا ہے اور ناراضی کے شبہ سے بھی بچتا ہے یہی وہ چیز ہے جو انسان کو عبدِ کامل اور مقبول بنانے والی ہے *

تَمَّتْ سُورَةُ الْبَيْنَةِ بِحَمْدِ اللَّهِ تَعَالَى

سُورَةُ الزَّلْزَالِ

سُورَةُ الزَّلْزَالِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ ثَمَانِيَةُ آيَاتٍ
سورة زلزال مدینہ میں نازل ہوئی اور اسکی آٹھ آیتیں ہیں

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

إِذَا زُلْزِلَتِ الْأَرْضُ زِلْزَالَهَا ۝ وَأَخْرَجَتِ الْأَرْضُ أَثْقَالَهَا ۝

جب ہلا ڈالے زمین کو اُس کے بھونچال سے اور نکال باہر کرے زمین اپنے اندر سے بوجھ اور

قَالَ الْإِنْسَانُ مَا لَهَا ۝ يَوْمَئِذٍ تُخْبِتُ أَخْبَارَهَا ۝ إِنَّ رَبَّكَ

بجھ آدمی اس کو کیا ہو گیا اُس دن کہہ ڈالے گی وہ اپنی باتیں اس واسطے کہ تیرے رب نے

أَوْحَىٰ لَهَا ۝ يَوْمَئِذٍ يَصْدُرُ النَّاسُ أَشْتَاتًا لَّا يَعْمَلُونَ ۝ فَمَنْ

حکم بھیجا اُس کو اُس دن ہو پڑیں گے لوگ طرح طرح پر کہ اُن کو دکھا دیے جائیں انکے عمل سوجھنے

يَعْمَلُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ ۝ وَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ ۝

کی ذرہ بھر بھلائی وہ دیکھ لے گا اُسے اور جس نے کی ذرہ بھر بُرائی وہ دیکھ لے گا اُسے

خلاصہ تفسیر

جب زمین اپنی سخت جنبش سے ہلائی جائے گی اور زمین اپنے بوجھ باہر نکال پھینکے گی (مراد بوجھ سے دھینے اور مڑنے میں، اور اگرچہ بعض روایات سے پہلے بھی دھینے کا باہر آجانا معلوم ہوتا ہے لیکن ممکن ہے کہ قیامت سے پہلے جو دھینے باہر آگئے تھے مرد و ایام سے پھر اُن پر مٹی آگئی ہو اور مستور ہو گئے ہوں اور قیامت کے روز پھر نکلیں اور دفائن کے ظاہر ہو جانے کی شاید یہ حکمت ہو کہ مال کی بہت محبت کرنے والے اپنی آنکھوں اموال کا بیکار ہونا دیکھ لیں) اور (اس حالت کو دیکھ کر کافر) آدمی کہے گا کہ اس کو کیا ہوا (کہ زمین اس طرح ہل رہی ہے اور سب

دینے باہر آ رہے ہیں) اس روز زمین اپنی سب (اچھی بُری) خبریں بیان کرنے لگے گی اس سبب سے کہ آپ کے رب کا اُس کو یہی حکم ہوگا (ترمذی وغیرہ میں اسکی تفسیر میں حدیث مرفوعہ آئی ہے کہ جس شخص نے روئے زمین پر جیسا عمل کیا ہوگا اچھا یا بُرا زمین سب کہہ دے گی یہ اُس کی شہادت ہوگی) اُس روز لوگ مختلف جماعتیں ہو کر (موقف حساب سے) واپس ہوں گے (یعنی جو لوگ حساب محشر سے فارغ ہو کر لوٹیں گے تو کچھ جماعتیں جنتی کچھ دوزخی قرار پکر جنت و دوزخ کی طرف چلی جا دیں گی) تاکہ اپنے اعمال (کے ثمرات) کو دیکھ لیں، سو جو شخص (دُنیا میں) ذرہ برابر نیکی کرے گا وہ اُس کو دیکھ لے گا اور جو شخص ذرہ برابر بدی کرے گا وہ اُس کو دیکھ لے گا (بشرطیکہ اُس وقت تک وہ خیر و شر باقی رہی ہو، ورنہ اگر کفر کے سبب وہ چیز فنا ہو چکی ہو یا ایمان و توبہ کے ذریعہ بدی معاف ہو چکی ہو تو وہ اس میں داخل نہیں کیونکہ اب نہ وہ باطل کشفہ خیر خیر ہے اور نہ وہ معاف کیا ہوا گناہ اور شر شر ہے اس لئے محشر میں وہ سامنے نہ آویں گی۔)

معارف و مسائل

اِذَا زُلْزِلَتِ الْأَرْضُ زِلْزَالَهَا، اس میں اختلاف ہے کہ اس آیت میں جس زلزلہ کا ذکر ہے یہ وہ زلزلہ ہے جو نفع، اولیٰ سے پہلے دُنیا میں ہوگا جیسا کہ علامات قیامت میں اس زلزلہ کا ذکر آیا ہے یا اس زلزلہ سے مراد نفعِ ثانیہ کے بعد جب مُردے زندہ ہو کر زمین سے اُٹھیں گے اُس وقت کا زلزلہ ہے۔ روایات اور اقوال مفسرین کے مختلف ہیں اور اس میں بھی کوئی بُعد نہیں کہ زلزلے متعدد ہوں، ایک نفعِ اول سے پہلے، دوسرا نفعِ ثانیہ کے بعد مُردوں کے زندہ ہونے کے وقت اور اس جگہ یہی دوسرا زلزلہ مراد ہو، اور اس سورت میں جو آگے احوال قیامت حساب کتاب کا ذکر ہے وہ قرینہ اسی کا ہے کہ یہ زلزلہ دوسرا نفعِ ثانیہ کے بعد کا ہے۔ واللہ اعلم (از مظہری)

وَأَخْرَجَتِ الْأَرْضُ أَثْقَالَهَا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس زلزلہ کے متعلق ارشاد فرمایا کہ زمین اپنے جگر کے ٹکڑے سونے کی بڑی چٹانوں کی صورت میں اُٹھل دے گی اس وقت ایک شخص جس نے مال کے لئے کسی کو قتل کیا تھا وہ دیکھ کر کہے گا کہ یہ وہ چیز ہے جس کے لئے میں نے اتنا بڑا جرم کیا تھا، جس شخص نے اپنے رشتہ داروں سے مال کی وجہ سے قطع تعلق کیا تھا وہ کہے گا کہ یہ وہ چیز جس کے لئے میں نے یہ حرکت کی تھی۔ چور جب کا ہاتھ چوری کی سزا میں کاٹا گیا تھا اُس کو دیکھ کر کہے گا کہ اسکے لئے میں نے اپنا ہاتھ گنوا یا تھا پھر کوئی بھی اس سونے کی طرف التفات نہ کرے گا۔ (رواہ سلم عن ابی ہریرۃ رض)

فَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ، آیت میں خیر سے مراد وہ خیر ہے جو شرعاً معتبر ہے، یعنی جو ایمان کے ساتھ ہو بغیر ایمان کے اللہ کے نزدیک کوئی نیک عمل نیک نہیں، یعنی آخرت میں ایسے نیک عمل کا جو حاکم کفر میں کیا ہے کوئی اعتبار نہیں ہوگا گو دُنیا میں اُس کو اس کا بدلہ دیدیا جائے اسی لئے اس آیت اس پر استدلال کیا گیا ہے کہ جس شخص کے دل میں ایک ذرہ برابر ایمان ہوگا وہ بالآخر جہنم سے نکال لیا جاوے گا کیونکہ اس آیت کے وعدہ کے مطابق اسکو اپنی نیکی کا پھل بھی آخرت میں ملنا ضرور ہے اور کوئی بھی نیکی نہ ہو تو خود ایمان بہت بڑی نیکی ہے۔

اس لیے کوئی مومن کتنا ہی گناہگار ہو ہمیشہ جہنم میں نہ رہے گا۔ البتہ کافر نے اگر دنیا میں کچھ نیک عمل بھی کئے تو شرط عمل یعنی ایمان کے نہ ہونے کی وجہ سے کالعدم ہیں اس لئے آخرت میں اُس کی کوئی خیر خیر ہی نہیں۔

وَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ ۖ مراد اس سے وہ شر ہے جس سے اپنی زندگی میں توبہ نہ کر لی ہو کیونکہ توبہ سے گناہوں کا معاف ہونا قرآن و سنت میں یقینی طور پر ثابت ہے۔ البتہ جس گناہ سے توبہ نہ کی ہے وہ چھوٹا ہو یا بڑا آخرت میں اس کا نتیجہ ضرور سامنے آئے گا۔ اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صدیق اکبرؓ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ دیکھو ایسے گناہوں سے بچنے کا پورا اہتمام کرو جن کو چھوٹا یا حقیر سمجھا جاتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اُس پر بھی مواخذہ ہوتا ہے (رواہ النسائی وابن ماجہ عنہما)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا کہ یہ آیت قرآن کی سب سے زیادہ مستحکم اور جامع آیت ہے اور حضرت انسؓ کی ایک طویل حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کو الفاظہ الجامعہ فرمایا ہے یعنی منفرد کیا اور جامع۔

اور حضرت انسؓ اور ابن عباسؓ کی حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سورہ اذ از زلزلت کو نصف قرآن اور قل ہوا شرا حد کو ثلث القرآن اور قل یا ایہا الکفرہون کو ربع القرآن فرمایا ہے (رواہ الترمذی والبخاری - مظہری)

سُورَةُ الْعَلِيَّتِ

سُورَةُ الْعَلِيَّتِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ أَحَدُ عَشْرَةِ آيَاتٍ
سورہ عادیات مکہ میں نازل ہوئی اور اس کی گیارہ آیتیں ہیں

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

وَالْعَلِيَّتِ صَبِيحًا ۝۱ ۚ فَالْمُورِيَّتِ قَدَحًا ۝۲ ۚ فَالْمُغِيرَتِ صُبْحًا ۝۳ ۚ فَالْثَوْنِ يَهْ

سورہ ہے دوڑنے والے گھوڑوں کی ہانپ کر پھر آگ لگانے والے جھاڑ کو پھر غارت ڈالنے والے صبح کو پھر اٹھانے والے آسمان

لَقَعًا ۝۴ ۚ فَوَسْطَنَ يَوْمَ جَمْعَاهُ ۝۵ ۚ إِنَّ الْإِنْسَانَ لِرَبِّهِ لَكَنُودٌ ۝۶ ۚ وَإِنَّ عَلَىٰ ذَٰلِكَ

گرد پھر گھس جانے والے اس وقت فوج میں بیشک آدمی اپنے رب کا ناشکر ہے اور وہ آدمی اس کام کو

لَشَهِيدٌ ۝۷ ۚ وَإِنَّهُ لِحُبِّ الْخَيْرِ لَشَدِيدٌ ۝۸ ۚ أَفَلَا يَعْلَمُ إِذَا بُعْثِرَ مَا فِي

سامنے دیکھتا ہے اور آدمی محبت پر مال کی بہت پکا ہے کیا نہیں جانتا وہ وقت کہ کرید جائے جو کچھ

الْقُبُورِ ۝۹ ۚ وَحُصِّلَ مَا فِي الصُّدُورِ ۝۱۰ ۚ إِنَّ رَبَّهُم بِهَمِّ يَوْمَئِذٍ لَّخَبِيرٌ ۝۱۱

قبروں میں ہے اور تحقیق ہووے جو کچھ کہ جیوں میں ہے بیشک اُن کے رب کو اُن کی اُس دن سب خبر ہے

خلاصہ تفسیر

قسم ہے اُن گھوڑوں کی جو ہانپتے ہوئے دوڑتے ہیں پھر (پتھر پر) ٹاپ مار کر آگ جھاڑتے ہیں پھر صبح کے وقت تاخت تاراج کرتے ہیں پھر اُس وقت غبار اُڑاتے ہیں پھر اُس وقت (دُشمنوں کی) جماعت میں جا گھستے ہیں (مراد اس سے لڑائی کے گھوڑے ہیں۔ جہاد ہو یا غیر جہاد، عرب چونکہ حرب و ضرب اور جنگ کے عادی تھے جس کے لئے گھوڑے پالتے تھے اُن کی مناسبت سے ان جنگی گھوڑوں کی قسم کھائی گئی آگے جواب قسم ہے کہ) بیشک (کافر) آدمی اپنے پروردگار کا بڑا ناشکر ہے اور اُس کو خود بھی اس کی خبر ہے (کبھی ابتداء ہی اور کبھی کچھ غور کے بعد اپنی ناشکری کا احساس کر لیتا ہے) اور وہ مال کی محبت میں بڑا مضبوط ہے (یہی اس کی ناشکری کا سبب ہے، آگے محبت مال اور ناشکری پر وعید ہے یعنی) کیا اُس کو وہ وقت معلوم نہیں جب زندہ کئے جاویں گے جتنے مُردے قبروں میں ہیں اور ظاہر ہو جائیگا جو کچھ دلوں میں ہے بیشک اُن کا پروردگار اُن کے حال سے اُس روز پورا آگاہ ہے (اور مناسب جزا دیگا۔ حاصل یہ ہے کہ انسان کو اگر اُس وقت کی پوری خبر ہوتی اور آخرت کا حال مستحضر ہوتا تو اپنی ناشکری اور محبت مال سے باز آجاتا)

معارف و مسائل

سورہ عادیات حضرت ابن مسعود رضی اور جابر رضی اور حسن بصری، عکرمہ، عطاء رحمہم اللہ کے نزدیک تھی اور ابن عباس رضی، انس رضی، امام مالک، قتادہ کے نزدیک مدنی سورت ہے (فقہی)

اس سورت میں حق تعالیٰ نے جنگی گھوڑوں کے کچھ خاص حالات و صفات کا ذکر فرمایا اور ان کی تم کھاکر یہ ارشاد فرمایا کہ انسان اپنے رب کا بڑا ناشکر ہے۔ یہ بات تو قرآن میں بار بار معلوم ہو چکی ہے کہ حق تعالیٰ اپنی مخلوقات میں سے مختلف چیزوں کی قسم کھاکر خاص واقعات اور احکام بیان فرماتے ہیں حق تعالیٰ کی خصوصیت ہے انسان کے لئے کسی مخلوق کی قسم کھانا جائز نہیں ہے اور قسم کھانے کا مقصد عام قسموں کی طرح اپنی بات کو محقق اور یقینی بتلانا ہے اور یہ بات بھی پہلے آچکی ہے کہ قرآن کریم جس چیز کی قسم کھاکر کوئی مضمون بیان فرماتا ہے تو اس چیز کو اُس مضمون کے ثبوت میں دخل ہوتا ہے اور یہ چیز گویا اُس مضمون کی شہادت دیتی ہے۔ یہاں جنگی گھوڑوں کی سخت خدمات کا ذکر گویا اس کی شہادت میں لایا گیا ہے کہ انسان بڑا ناشکر ہے۔ تشریح اسکی یہ ہے کہ گھوڑوں کے اور خصوصاً جنگی گھوڑوں کے حالات پر نظر ڈالیے کہ وہ میدان جنگ میں اپنی جان کو خطرے میں ڈال کر کیسی سی سخت خدمات انسان کے حکم و اشارہ کے تابع انجام دیتے ہیں حالانکہ انسان نے ان گھوڑوں کو پیدا نہیں کیا، انکو جو گھاس دانہ انسان دیتا ہے وہ بھی اسکا پیدا کیا ہوا نہیں، اسکا کام صرف اتنا ہے کہ خدا تعالیٰ کے پیدا کئے رزق کو اُن تک پہنچائے کہ ایک اسلہ بنتا ہے اب گھوڑے کو دیکھئے کہ وہ انسان کے اتنے سے احسان کو کیسا پہچانتا اور مانتا ہے کہ اُس کے ادنیٰ اشارہ پر اپنی جان کو خطرہ میں ڈال دیتا ہے اور سخت سے سخت مشقت برداشت کرتا ہے اس کے بالمقابل انسان کو دیکھو جس کو ایک حقیر قطرہ سے اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا اور اسکو مختلف کاموں کی قوت بخشی، عقل و شعور

دیا، اُن کے کھانے پینے کی ہر چیز پیدا فرمائی اور اُس کی تمام ضروریات کو کس قدر آسان کر کے اس تک پہنچا دیا کہ عقل حیران رہ جاتی ہے مگر وہ ان تمام اکمل و اعلیٰ احسانات کا بھی شکر گزار نہیں ہوتا اب الفاظِ آیت کی تشریح دیجئے عادیات، عذوئے شوق ہے جسکے معنی دُور نے کے ہیں۔ صُبْحًا، صبح وہ خاص آواز ہے جو گھوڑے کے دُور نے کے وقت اس کے سینے سے نکلتی ہے جسکا ترجمہ ہانپنا کیا گیا ہے۔ مَوْرِيَّات، ایرارئے شوق ہے جس کے معنی آگ نکالنے کے ہیں جیسے حقیق کو مار کر یا دیا سلائی کو رگڑ کر نکالی جاتی ہے۔ قَدْحًا، قدح کے معنی ٹاپ مارنے کے ہیں پتھر ملی زمین پر جب گھوڑا تیزی سے دُور سے خصوصاً جبکہ اُس کے پاؤں میں آہنی نعل بھی ہو تو ٹکڑاؤ سے آگ کی چنگاریاں نکلتی ہیں۔ مَغْفِرَات، اغارہ سے مشتق ہے جس کے معنی حملہ کرنے اور چھاپہ مارنے کے ہیں۔ صُبْحًا صبح کے وقت کی تخصیص بیانِ عادت کے طور پر ہے کیونکہ عرب لوگ اظہارِ شجاعت کے لئے رات کی اندھیری میں چھاپہ مارنا مایوس سمجھتے تھے حملہ صبح ہونے کے بعد کیا کرتے تھے اَنْتَرْنَ، اشارت سے مشتق ہے غبار اُڑانے کے معنی میں اور نَقَم غبار کو کہا جاتا ہے۔ مراد یہ ہے کہ یہ گھوڑے میدان میں اس تیزی سے دُور تے ہیں کہ اُن کے ٹکڑے غبار اُڑ کر چھا جاتا ہے خصوصاً صبح کے وقت میں غبار اُڑنا زیادہ سرعت اور تیزی کی طرف اشارہ ہے کیونکہ یہ وقت مادۂ غبار اُڑنے کا نہیں کسی سخت دُور ہی سے اس وقت غبار اُٹھ سکتا ہے۔

قَوَّسَطَنَ يَهْجَعًا، یعنی یہ دشمن کی صفوں میں بے خوف و خطر گھس جاتے ہیں۔ گَنُوْد کے معنی میں حضرت حسن بصریؒ نے فرمایا کہ وہ شخص جو مصائب کو یاد رکھے اور نعمتوں کو بھول جائے اُس کو گَنُوْد کہا جاتا ہے۔ ابوبکر واسطیؓ نے فرمایا جو اللہ کی نعمتوں کو اُس کی مصیبتوں میں صرف کرے وہ گَنُوْد ہے۔ اور ترمذی نے فرمایا کہ جو شخص نعمت کو دیکھے اور منعم یعنی نعمت دینے والے کو نہ دیکھے وہ گَنُوْد ہے۔ ان سب اقوال کا حاصل نعمت کی ناشکری کرنا ہے اس لئے گَنُوْد کا ترجمہ ناشکر کا کیا گیا ہے۔

وَرَاتٍ لَّحَيِّتٍ الْحَيِّزِ لَشَدِيدٍ، خیر کے نفلی معنی ہر بھلائی کے ہیں۔ عرب میں مال کو بھی لفظ خیر سے تعبیر کرتے تھے، گویا مال بھلائی ہی بھلائی اور فائدہ ہی فائدہ ہے حالانکہ درحقیقت بعض مال انسان کو ہزاروں مصیبتوں میں بھی مبتلا کر دیتے ہیں۔ آخرت میں تو ہر مال حرام کا یہی انجام ہے کبھی کبھی دنیا میں بھی مال انسان کے لئے وبال بن جاتا ہے مگر عرب کے محاورہ کے مطابق اس آیت میں مال کو لفظ خیر سے تعبیر کر دیا ہے جیسا ایک دوسری آیت میں فرمایا اِنْ تَرَكَ خَيْرًا، یہاں بھی خیر سے مراد مال ہے۔

آیت مذکورہ میں گھوڑوں کی قسم کھا کر انسان کے متعلق دُوبائیں کہی گئیں، ایک یہ کہ وہ ناشکر ہے۔ مصیبتوں تکلیفوں کو یاد رکھتا ہے نعمتوں اور احسانات کو بھول جاتا ہے۔ دوسرے یہ کہ وہ مال کی محبت میں شدید ہے۔ یہ دونوں باتیں شرعاً و عقلاً مذموم ہیں ان میں انسان کو ان مذموم خصلتوں پر متغیب کرنا مقصود ہے۔ ناشکری کا مذموم ہونا تو بالکل ظاہر ہے۔ مال کی محبت کو جو مذموم قرار دیا حالانکہ وہ انسانی ضروریات کا مدار ہے۔ اور اُس کے سب اکتساب کو شریعت نے صرف حلال ہی نہیں بلکہ بقدر ضرورت فرض قرار دیا ہے تو مال کی محبت

کا مذموم ہونا یا تو وصف شدت کے اعتبار سے ہے کہ مال کی محبت میں ایسا مغلوب ہو جاوے کہ اللہ تعالیٰ کے احکام سے بھی غافل ہو جائے اور حلال و حرام کی پروا نہ رہے، اور یا اسلئے کہ مال کا کسب اکتساب اور بقدر ضرورت جمع کرنا تو مذموم نہیں بلکہ فرض ہے مگر محبت اُس کی بھی مذموم ہے کیونکہ محبت کا تعلق دل سے ہے اسکا حاصل یہ ہو گا کہ مال کو بقدر ضرورت حاصل کرنا اور اُس سے کام لینا تو ایک فریضہ اور محمود ہے لیکن دل میں اُس کی محبت ہونا پھر بھی مذموم ہی ہے۔ جیسا انسان پیشاب پاخانے کی ضرورت کو پورا بھی کرتا ہے اُس کا اہتمام بھی کرتا ہے مگر اسکے دل میں محبت نہیں ہوتی۔ بیماری میں دوا بھی پیتا ہے آپریشن بھی کرتا ہے مگر دل میں ان چیزوں کی محبت نہیں ہوتی بلکہ بدرجہ مجبوری کرتا ہے اسی طرح اللہ کے نزدیک مومن کو ایسا ہونا چاہیے کہ بقدر ضرورت مال کو حاصل بھی کرے اُس کی حفاظت بھی کرے اور مواقع ضرورت میں اُس سے کام بھی لے مگر دل اسکے ساتھ مشغول نہ ہو، جیسا کہ مولانا رومی نے بڑے بلیغ انداز میں فرمایا ہے ۵

آب اندر ز کشتی گشتی است ۴ آب در کشتی ہلاک کشتی است

یعنی پانی جب تک کشتی کے نیچے رہے تو کشتی کا مددگار ہے مگر یہی پانی جب کشتی کے اندر آجائے تو کشتی کو لے ڈوبتا ہے۔ اسی طرح مال جب تک دل کی کشتی کے ارد گرد رہے تو مفید ہے جب دل کے اندر گھس گیا تو ہلاکت ہے۔ آخر سورت میں انسان کی ان دونوں مذموم خصلتوں پر آخرت کی وعید سنائی گئی۔

اَفَلَا يَعْلَمُوْا اِذَا بُعْثِرَ مَا فِی الْقُبُوْرِ ۝۱۱۰ کیا اس غافل انسان کو اس کی خبر نہیں کہ قیامت کے روز جبکہ مُردے قبروں سے زندہ کر کے اٹھائے جاویں گے اور دلوں میں چھپی ہوئی باتیں بھی سب کھل کر سامنے آجاویں گی اور یہ بھی سب جانتے ہیں کہ رب العالمین ان سب کے سب حالات سے یا خبر ہیں تو اسکے مطابق جزا و سزا دیں گے اسلئے عقلمند کا کام یہ ہے کہ ناشکری سے باز آئے اور مال کی محبت میں ایسا مغلوب نہ ہو کہ اچھے بُرے کی تمیز نہ رہے۔

فائدہ ۴ | اس آیت میں یہ دو مذموم خصلتیں مطلق انسان کی بیان کی گئی ہیں حالانکہ انسان میں انبیاء و اولیاء اور بہت سے صلحاء و عباد ایسے ہیں، جو ان مذموم خصلتوں سے پاک اور شکر گزار بندے ہوتے ہیں مال کو اللہ کی راہ میں خرچ کر ڈالنے کے لئے تیار رہتے ہیں حرام مال سے بچتے ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ مطلق انسان کی طرف ان مذموم خصلتوں کی نسبت اس لئے کر دی گئی کہ اکثر انسان ایسے ہی ہیں اس سے سب کا ایسا ہونا لازم نہیں آتا۔ اسی لئے بعض حضرات نے اس آیت میں انسان سے مراد انسان کا فرمایا ہے جیسا کہ اوپر خلاصہ تفسیر میں ایسا ہی ہے اسکا حاصل یہ ہو گا کہ یہ دونوں مذموم خصلتیں دراصل کافر کی ہیں کسی مسلمان میں بھی خدا نخواستہ پائی جائیں تو اُسے فکر کرنا چاہیے۔ واللہ اعلم

تَمَّتْ سُوْرَةُ الْعَنْكَبُوتِ بِحَمْدِ اللّٰهِ تَعَالٰی

سُورَةُ الْقَارِعَةِ

سُورَةُ الْقَارِعَةِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ إِحْدَى عَشْرَةِ آيَاتٍ
سورة قارعہ مکہ میں نازل ہوئی اور اس کی گیارہ آیتیں ہیں

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بحد مہربان نہایت رحم والا ہے

الْقَارِعَةُ ۱ مَا الْقَارِعَةُ ۲ وَمَا أَدْرَاكَ مَا الْقَارِعَةُ ۳ يَوْمَ يَكُونُ

وہ کھڑکھڑانے والی، کیا ہے وہ کھڑکھڑانے والی اور تو کیا سمجھا کیا ہے وہ کھڑکھڑانے والی جس دن ہوں

النَّاسُ كَالْفَرَاشِ الْمَبْثُوثِ ۴ وَتَكُونُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوشِ ۵

لوگ جیسے پتنگے بکھرے ہوں اور ہوں پہاڑ جیسے رنگی ہوئی اُون دھنی ہوئی

فَأَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِينُهُ ۶ فَهُوَ فِي عِيشَةٍ رَاضِيَةٍ ۷ وَأَمَّا مَنْ خَفَّتْ

سو جس کی بھاری ہوں تو وہ رہے گھاس مانتے گزران میں اور جس کی ہلکی ہوں

مَوَازِينُهُ ۸ فَأَمَّهُ هَادِيَةٌ ۹ وَمَا أَدْرَاكَ مَا هِيَتْ ۱۰ نَارُ حَامِيَةٍ ۱۱

تو اس کا ٹھکانا گڑھا ہے اور تو کیا سمجھا وہ کیا ہے آگ ہے دہکتی ہوئی

خلاصہ تفسیر

وہ کھڑکھڑانے والی، چیز، کیسی ہے وہ کھڑکھڑانے والی چیز اور آپ کو کچھ معلوم ہے کیسی کچھ ہو وہ کھڑکھڑانے والی چیز (مراد قیامت ہے جو دلوں کو گھبراہٹ سے اور کانوں کو سخت آوازوں سے کھڑکھڑائے گی اور یہ اس روز ہوگا) جس روز آدمی پریشان پروانوں کی طرح ہو جاویں گے (پروانوں سے تشبیہ چند چیزوں کی وجہ سے دی گئی، ایک کثرت سے ہونا کہ سارے اولین و آخرین انسان ایک میدان میں جمع ہو جاویں گے، دوسرے کمزور ہونا کہ سب انسان اُسوقت کمزوری میں پروانے جیسے ضعیف و عاجز ہوں گے یہ دونوں وصف تو تمام

اہل محشر انسانوں میں عام ہوں گے، تیسرے بنیاب اور بے چین ادھر ادھر پھرنا جو پردانوں میں مشاہدہ کیا جاتا ہے یہ صورت خاص مومنین میں نہیں ہوگی وہ اپنی قبروں سے مطمئن اٹھیں گے (اور بہار ڈھنکی ہوئی رنگین اُون کی طرح ہو جاویں گے) (عہن رنگین اُون کو کہا جاتا ہے، بہاروں کے رنگ چونکہ مختلف ہیں وہ سب اُڑتے پھریں گے جن کی مثال اُس اُون کی ہوگی جس میں مختلف رنگ کے بل ملے ہوئے ہوں اُس روز اعمال انسانی تو لے جائیں گے) پھر جس شخص کا پلہ (ایمان کا) بھاری ہوگا (یعنی جو مومن ہوگا) وہ تو خاطر خواہ آرام میں ہوگا (یعنی نجات پا کر جنت میں جائے گا) اور جس شخص کا پلہ (ایمان کا) ہلکا ہوگا (یعنی کافر) اس کا ٹھکانا ہادیہ ہوگا اور آپ کو کچھ معلوم ہے کہ وہ (ہادیہ) کیا چیز ہے (وہ) ایک دکھتی ہوئی آگ ہے۔

معارف و مسائل

اس سورت میں اعمال کے وزن ہونے اور اُن کے ہلکے بھاری ہونے پر دوزخ یا جنت ملنے کا ذکر ہے۔ وزن اعمال کی پوری تحقیق اور شبہات کا جواب سورہ اعراف کے شروع میں گزر چکا ہے (معارف جلد سوم ص ۵۲ تا ۵۳) وہاں دیکھ لیا جائے اُس میں یہ بھی لکھا گیا ہے کہ روایات حدیث اور آیات کی تطبیق سے معلوم ہوتا ہے کہ وزن اعمال غالباً دو مرتبہ ہوگا، ایک مرتبہ کے وزن سے مومن اور کافر کا امتیاز کر دیا جائے گا ہر مومن کا پلہ بھاری اور کافر کا ہلکا رہے گا، پھر مومنین میں اعمال حسنہ اور سیئہ کا امتیاز کرنے کے لئے دوسرا وزن ہوگا، اس سورت میں بظاہر وہ پہلا وزن مراد ہے جس میں ہر مومن کا پلہ ایمان کی وجہ سے بھاری رہے گا خواہ اس کا عمل کیسا بھی ہو اور کافر کا پلہ ایمان نہ ہونے کے سبب ہلکا رہے گا خواہ اُس نے کچھ نیک کام بھی کئے ہوں۔ تفسیر مظہری میں ہے کہ قرآن کریم میں عام طور پر جزا و سزا میں تقابل کفار کا مومنین صالحین کیساتھ کیا گیا کہ صلی مومنین کا علیین ہی ہیں، باقی رہے وہ مومنین جنہوں نے اعمال صالحہ اور سیئہ مخلوط کئے ہیں قرآن میں عام طور پر اُن سے سکوت کیا گیا، اور ان سب آیات میں یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ قیامت میں انسانوں کے اعمال تو لے جائیں گے گئے نہیں جائیں گے، اور عمل کا وزن بقدر اخلاص اور مطابقت سنت کے بڑھتا ہے جس شخص کے عمل میں اخلاص بھی کامل ہو اور سنت کی مطابقت بھی مکمل ہو اگرچہ اسکے عمل تعداد میں کم ہوں اس کا وزن بہ نسبت اُس شخص کے بڑھ جائیگا جس نے تعداد میں تو نماز روزے، صدقہ خیرات، حج عمرہ بہت کئے مگر اخلاص میں کمی رہی یا سنت کی مطابقت میں کمی رہی۔ واللہ اعلم ۛ

تَمَّتْ سُوْرَةُ الْقَارِعَةِ بِحَمْدِ اللَّهِ تَعَالَى

سُورَةُ التَّكْوِيْنِ

سُورَةُ التَّكْوِيْنِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ اَشَدُّ اَيْتَاتِ

سُورَةِ التَّكْوِيْنِ فِي نَازِلٍ هُوَ اِسْمُ اِسْمِ آتِيَةٍ فِي

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بید مہربان نہایت رحم والا ہے

اَلْهٰكُمْ التَّكْوِيْنُ ۱ حَتّٰی زُرْتُمْ الْمَقَابِرَ ۲ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۳

غفلت میں رکھا تم کو بہتایت کی حرص نے یہاں تک کہ جا دیکھیں قبریں کوئی نہیں آگے جان لو گے

ثُمَّ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۴ كَلَّا لَوْ تَعْلَمُوْنَ عِلْمَ الْيَقِيْنِ ۵ لَتَرَوُنَّ

پھر بھی کوئی نہیں آگے جان لو گے کوئی نہیں اگر جانو تم یقین کر کے بیشک تم کو دیکھنا ہے

الْحٰجِيْمَ ۶ ثُمَّ لَتَرَوُنَّهَا عَيْنَ الْيَقِيْنِ ۷ ثُمَّ لَنَسْأَلَنَّ يَوْمَئِذٍ الْعٰلَمِيْنَ ۸

دورخ پھر دیکھنا ہے اُس کو یقین کی آنکھ سے پھر پوچھیں گے تم سے اُس دن آرام کی حقیقت

خلاصہ تفسیر

دنوی سامان پر فخر کرنا تم کو (آخرت سے) غافل کئے رکھتا ہے یہاں تک کہ تم قبرستانوں میں پہنچ جاتے ہو (یعنی مر جاتے ہو) کذا فی تفسیر ابن کثیر مرفوعاً) ہرگز نہیں (یعنی دنیوی سامان قابل فخر ہے اور نہ آخرت قابل غفلت) تم کو بہت جلد (قبر میں جاتے ہی یعنی مرتے ہی) معلوم ہو جائے گا پھر دوبارہ تم کو متنبہ کیا جاتا ہے کہ ہرگز یہ چیزیں قابل فخر اور توجہ کے اور آخرت قابل غفلت و انکار کے نہیں تم کو بہت جلد (قبر سے نکلتے ہی یعنی حشر میں) معلوم ہو جائیگا کذا فی فتح البیان مرفوعاً اور سہ بارہ پھر تم کو متوجہ کیا جاتا ہے کہ ہرگز (یہ چیزیں قابل فخر و توجہ کے اور آخرت قابل غفلت و انکار کے) نہیں (اور اگر تم یقینی طور پر جان لیتے (یعنی دلائل صحیحہ میں غور و توجہ سے کام لیتے اور اسکا یقین آجاتا تو کبھی اس سامان پر فخر اور آخرت سے غفلت میں نہ پڑتے) واللہ تم لوگ ضرور دوزخ کو دیکھو گے پھر (مکرر تاکید کے لئے کہا جاتا ہے) واللہ تم لوگ ضرور اس کو ایسا دیکھنا دیکھو گے جو کہ خود یقین ہے (کیونکہ یہ دیکھنا استدلال اور دلائل کی راہ سے نہیں ہوگا جس سے یقین حاصل ہونے میں کبھی دیر بھی لگتی ہے بلکہ یہ آنکھوں کا مشاہدہ ہوگا۔ خلاصہ یہ ہے کہ اپنی آنکھوں دیکھ لینے کو عین الیقین سے تعبیر فرمایا ہے) پھر (اور بات سنو کہ) اُس روز تم سب سے نعمتوں کی پوچھ ہوگی۔ (کہ اللہ کی دی ہوئی نعمتوں کا حق ایمان و اطاعت کیساتھ بجالائے یا نہیں)

معارف و مسائل

اَلْهٰكُمُ التَّكْوِيْنُ : تکاثر کثرت سے مشتق ہے معنی ہیں کثرت کیساتھ مال و دولت جمع کرنا۔ حضرت ابن عباس اور حسن بصری نے اس لفظ کی یہی تفسیر کی ہے اور یہ لفظ بمعنی تفاخر بھی استعمال کیا جاتا ہے حضرت قتادہ کی یہی تفسیر ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اَلْهٰکُمُ التَّکْوِيْنُ پڑھ کر فرمایا کہ اس سے مراد یہ ہے کہ مال کو ناجائز طریقوں سے حاصل کیا جائے اور مال پر جو فرائض اللہ کے عائد ہوتے ہیں انہیں خرچ نہ کریں (قطبانی)

حَقِّ ذُرِّيَّتِهِ الْمَقَابِرَ : یہاں زیارتِ مقابر سے مراد مکر قبر میں پہنچنا ہے جیسا کہ حدیث مرفوعہ میں خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حَقِّ ذُرِّيَّتِهِ الْمَقَابِرَ کی تفسیر میں فرمایا حَقِّ يَا أَيُّهَا الْمَوْتُ (ابن کثیر بر روایت ابن ابی حاتم) اسلئے مطلب آیت کا یہ ہو گا کہ تم لوگوں کو مال و دولت کی بہتات یا مال و اولاد اور قبیلہ و نسب پر تفاخر غفلت میں ڈال رہی ہے اپنے انجام اور آخرت کے حساب کی کوئی فکر نہیں کرتے یہاں تک کہ اسی حال میں تمہیں موت آجاتی ہے اور وہاں عذاب میں پکڑے جاتے ہو۔ یہ خطاب بظاہر عام انسانوں کو ہے جو مال و اولاد کی محبت یا دوسروں پر اپنی برتری اور تفاخر میں ایسے مست رہتے ہیں کہ اپنے انجام کو سوچنے کی طرف توجہ ہی نہیں ہوتی۔ حضرت عبداللہ بن شخیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں ایک روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچا تو آپ اَلْهٰکُمُ التَّکْوِيْنُ پڑھ رہے تھے اور یہ فرما رہے تھے کہ

آدمی کہتا ہے کہ میرا مال میرا مال حالانکہ اس میں میرا حصہ تو اتنا ہی ہے جس کو تو نے کھا کر فنا کر دیا یا پہنکر بوسیدہ کر دیا یا صدقہ کر کے اپنے آگے بھیج دیا اور اسکے سوا جو کچھ ہے وہ میرے ہاتھ سے جانے والا ہے تو اس کو لوگوں کے لئے چھوڑنے والا ہے۔

یقول ابن آدم مالی مالی وھل لک من مالک الا ما اکلت فانیت او لبست فابلیت و انصدقت فامضیت و فی روایت لمسلم و ما سوی ذلک فذاھب و تارک للناس (ابن شخیر و قطبانی بروایت مسلم۔ ترمذی احمد)

امام بخاری نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،

اگر آدم زادے کے لئے ایک دادی (دامن کوہ) سونے سے بھری ہوئی موجود ہو تو (وہ اس پر قناعت نہیں کریگا بلکہ) چاہیگا کہ میسی دو دادیاں ہو چادیں اور اس کے منہ کو تو (قبر کی) مٹی کے سوا کوئی چیز بھر نہیں سکتی اور اللہ تعالیٰ تو یہ قبول کرتا ہے اس شخص کی جو اس کی طرف رجوع ہو۔

لو کان لابن آدم وادیان من ذھب لاحت ۱۱
یکون لھ وادیان ولن یملا فافا الا التراب و
یتوب اللہ علی من تاب۔

حضرت ابی بن کعبؓ فرماتے ہیں کہ ہم حدیث کے الفاظ مذکورہ کو قرآن سمجھا کرتے تھے یہاں تک کہ سورہ اَلْهٰکُمُ التَّکْوِيْنِ نازل ہوئی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اَلْهٰکُمُ التَّکْوِيْنِ پڑھ کر مذکورہ الفاظ اس کی تفسیر و تشریح کے طور پر پڑھے تھے اس سے بعض صحابہ کو شبہ ہو گیا کہ یہ بھی قرآن ہی کے الفاظ ہیں بعد میں جب پوری سورہ اَلْهٰکُمُ التَّکْوِيْنِ سامنے آئی تو اس میں یہ الفاظ نہیں تھے اس سے حقیقت واضح ہو گئی کہ یہ الفاظ تفسیر کے تھے۔

لَوْ تَعْلَمُونَ عِلْمَ الْبَقِيَّةِ : حرف کو جو شرط کے لئے آتا ہے اس کے مقابل کوئی جزاء ہونا چاہیے وہ بقرینہ سیاق اس جگہ حذف کر دی گئی ہے معنی لَمَّا اَلْهٰکُمُ التَّکْوِيْنِ اگر تم کو قیامت کے حساب کتاب کا یقین ہوتا

تو تم اس تکاثر اور تغافل میں نہ پڑتے۔

نَحْنُ لَكَرَوْنَهَا عَيْنَ الْيَقِينِ، اُد پر خلاصہ تفسیر سے معلوم ہو چکا ہے کہ عین الیقین سے مراد وہ یقین ہے کہ جو کسی چیز کے مشاہدہ کے بعد حاصل ہوتا ہے اور یہ سب سے اعلیٰ درجہ یقین کا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جب کوہ طور پر تشریف رکھتے تھے اور اُن کے پیچھے اُن کی قوم نے گو سالہ پرستی شروع کر دی تو اللہ تعالیٰ نے اُن کو وہیں کوہ طور پر خبر کر دی تھی کہ تمہاری قوم اس وبال میں مبتلا ہو گئی ہے مگر موسیٰ علیہ السلام پر اس خبر سے اتنا اثر نہیں ہوا جتنا اس وقت ہوا جب واپس پہنچ کر اُنھوں نے بنی اسرائیل کی گو سالہ پرستی آنکھوں سے دیکھی اسکا اثر یہ ہوا کہ بے اختیار ہو کر الواح تورات ہاتھ سے چھوڑ دیں (رواہ احمد والطرانی بسند صحیح منطری)

ثُمَّ لَنَسْأَلَنَّهُ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيصِ، یعنی تم سب سے قیامت کے روز اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمتوں کے متعلق باز پرس ہوگی کہ تم نے اُن کا شکر کیا ادا کیا اور اُن کو گناہوں میں تو خرچ نہیں کیا، انہیں سے بعض نعمتوں کے متعلق تو خود قرآن میں دوسری جگہ وضاحت آگئی جیسا فرمایا اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولَٰئِكَ كَانَ عِنْدَ مَسْكُوتٍ جہیں انسان کی قوت شنوائی، بینائی اور دل سے متعلق وہ لاکھوں نعمتیں آگئیں جن کو انسان ہر لمحہ استعمال کرتا ہے حدیث۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے روز زندہ سے جس چیز کا سب سے پہلے سوال ہوگا (وہ تندرستی ہے) اُس کو کہا جائے گا کہ کیا ہم نے تمہیں تندرستی نہیں دی تھی اور کیا ہم نے تمہیں ٹھنڈا پانی نہیں پلایا تھا (الترمذی عن ابی ہریرہ وابن حبان فی صحیحہ۔ ابن کثیر)

حدیث۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ محشر میں کوئی آدمی اپنی جگہ سے سرک نہ سکے گا جب تک پانچ سوالوں کا جواب اُس سے نہ لیا جائے۔ ایک یہ کہ اُس نے اپنی عمر کو کن کاموں میں فنا کیا ہے۔ دوسرے یہ کہ اُس نے اپنے شباب کی قوت کو کن کاموں میں خرچ کیا ہے۔ تیسرے یہ کہ جو مال اُس نے حاصل کیا وہ کس کس طریقے جائز یا ناجائز سے حاصل کیا۔ چوتھے یہ کہ اس مال کو کہاں کہاں خرچ کیا، پانچویں یہ کہ جو علم اللہ نے اُس کو دیا تھا اُس پر کتنا عمل کیا۔ (رواہ البخاری)

اور امام تفسیر مجاہد نے فرمایا کہ قیامت میں یہ سوال دنیا کی ہر لذت کے متعلق ہوگا (قرطبی) خواہ اسکا تعلق کھانے پینے سے ہو یا لباس اور مکان سے یا بیوی اور اولاد سے یا حکومت و عزت سے۔ قرطبی نے اس کو نقل کر کے فرمایا کہ یہ بالکل درست ہے اس سوال میں کسی خاص نعمت کی تخصیص نہیں ہے۔

سورة تکاثر کی خاص فضیلت | رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام سے خطاب کر کے فرمایا کہ کیا تم میں کوئی آدمی اس کی قدرت نہیں رکھتا کہ ہر روز قرآن کی ایک ہزار آیتیں پڑھا کرے صحابہ کرام نے عرض کیا کہ روزانہ ایک ہزار آیتیں کون پڑھ سکتا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ تم میں کوئی ایسا نہیں ہے کہ روزانہ ایک ہزار آیتیں پڑھ سکتا، مطلب یہ ہے کہ الہام تکاثر روزانہ پڑھنا ایک ہزار آیتوں کے پڑھنے کی برابر ہے۔ (منطری بحوالہ حاکم و بیہقی عن ابن عمرؓ)

تَمَّتْ سُورَةُ التَّكَاثُرِ بِحَمْدِ اللَّهِ تَعَالَى

سُورَةُ الْعَصْرِ

سُورَةُ الْعَصْرِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ ثَلَاثُ آيَاتٍ
سورة عصر مکہ میں نازل ہوئی اور اس کی تین آیتیں ہیں

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بوجد مہربان نہایت رحم والا ہے

وَالْعَصْرِ ۱ إِنَّ الْإِنْسَانَ لَفِي خُسْرٍ ۲ إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ

متم ہے عصر کی مقرر انسان ٹوٹے میں ہے مگر جو لوگ کہ یقین لائے اور کئے بھلے کام

وَتَوَّاصَوْا بِالْحَقِّ ۳ وَتَوَّاصَوْا بِالصَّبْرِ ۴

اور آپس میں تاکید کرتے رہے سچے دین کی، اور آپس میں تاکید کرتے رہے تحمل کی

خلاصہ تفسیر

قسم ہے زمانہ کی (جس میں رنج و خسران واقع ہوتا ہے) کہ انسان (اپنی عمر ضائع کرنے کی وجہ سے) بڑے خسارے میں ہے مگر وہ لوگ جو ایمان لائے اور انھوں نے اچھے کام کئے (جو اپنے نفس کا کمال ہے) اور ایک دوسرے کو حق (پر قائم رہنے) کی فہمائش کرتے رہے اور ایک دوسرے کو (اعمال کی) پابندی کی فہمائش کرتے رہے (جو دوسروں کی تکمیل ہے تو جو لوگ خود بھی یہ کمال حاصل کریں اور دوسروں کی بھی تکمیل کریں یہ لوگ البتہ خسارے میں نہیں بلکہ نفع میں ہیں)

معارف و مسائل

سورة عصر کی خاص تفصیلت | حضرت عبید اللہ ابن حصن فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں سے دو شخص ایسے تھے کہ جب وہ آپس میں ملتے تھے تو اُس وقت تک جدا نہ ہوتے جب تک انہیں سے ایک دوسرے کے سامنے سورة العصر نہ پڑھ لے (رواہ الطبرانی) اور امام شافعی نے فرمایا کہ اگر لوگ صرف اسی

سُورَت میں تدبیر کر لیتے تو یہی اُن کے لئے کافی تھی (ابن کثیر)

سورۃ عصر قرآن کریم کی بہت مختصر سی سورت ہے لیکن ایسی جامع ہے کہ بقول حضرت امام شافعیؒ اگر لوگ اسی سورت کو غور و تدبیر کے ساتھ پڑھ لیں تو دین و دنیا کی درستی کے لئے کافی ہو جائے۔ اس سورت میں حق تعالیٰ نے زمانہ کی قسم کھا کر فرمایا کہ نوع انسان بڑے خسارے میں ہے اور اس خسارہ سے مستثنیٰ صرف وہ لوگ ہیں جو چار چیزوں کے پابند ہوں۔ ایمان، عمل صالح، دوسروں کو حق کی نصیحت و وصیت اور صبر کی وصیت، دین و دنیا کے خسارے سے بچنے اور نفع عظیم حاصل کرنے کا یہ قرآنی نسخہ چار اجزاء سے مرکب ہے جن میں پہلے دو جزا اپنی ذات کی اصلاح کے متعلق ہیں اور دوسرے دو جزا دوسرے مسلمانوں کی ہدایت و اصلاح سے متعلق ہیں۔

یہاں پہلی بات یہ غور طلب ہے کہ اس مضمون کے ساتھ زمانے کو کیا مناسبت ہے جس کی قسم کھائی گئی کیونکہ قسم اور جواب قسم میں باہم مناسبت ضرور ہوتی ہے۔ عام حضرات مفسرین نے فرمایا کہ انسان کے تمام حالات اسکا نشوونما، اُس کی حرکات سکنت، اعمال، اخلاق سب زمانے ہی کے اندر ہوتے ہیں۔ جن اعمال کی ہدایت اس سورت میں دی گئی ہے وہ بھی اسی زمانے کے لیل و نہار میں ہونگے اسکی مناسبت سے زمانہ کی قسم اختیار کی گئی، زمانے کو نوع انسانی کے اور توضیح اس کی یہ ہے کہ انسان کی عمر کا زمانہ اس کے سال اور مہینے اور دن رات خسارے میں کیا دخل ہے بلکہ گھنٹے اور منٹ اگر غور کیا جائے تو یہی اسکا سرمایہ ہے جس کے ذریعہ وہ دنیا و آخرت کے منافع عظیمہ عجیبہ بھی حاصل کر سکتا ہے اور عمر کے اوقات اگر غلط اور بُرے کاموں میں لگا دیے تو یہی اس کے لئے وبال جان بھی بن جاتے ہیں، بعض علماء نے فرمایا ہے ۵

حَيَاتُكَ أَنْفَاسٌ تُحَدِّثُ فِكْرًا ۖ مَضَى نَفْسٌ مِنْهَا انْتَقَصَتْ بِمِجْزَعًا

یعنی تیری زندگی چند گنے ہوئے سانسوں کا نام ہے۔ جب اُن میں سے ایک سانس گزر جاتا ہے تو تیری عمر کا ایک جزا کم ہو جاتا ہے حق تعالیٰ نے ہر انسان کو اُس کی عمر کے اوقات عزیز کا بے بہا سرمایہ دے کر ایک تجارت پر لگایا ہے کہ وہ عقل و شعور سے کام لے اور اس سرمایہ کو خالص نفع بخش کاموں میں لگائے تو اس کے منافع کی کوئی حد نہیں رہتی اور اگر اس کے خلاف کسی مضرت رساں کام میں لگا دیا تو نفع کی تو کیا امید ہوتی یہ راس المال بھی ضائع ہو جاتا ہے اور صرف اتنا ہی نہیں کہ نفع اور راس المال ہاتھ سے جاتا رہا۔ بلکہ اسپر سیکر وں جرائم کی سزا عائد ہو جاتی ہے اور کسی نے اس سرمایہ کو نہ کسی نفع بخش کام میں لگایا نہ مضرت رساں میں تو کم از کم یہ خسارہ تو لازمی ہی ہے کہ اسکا نفع اور راس المال دونوں ضائع ہو گئے اور یہ کوئی شاعرانہ تمثیل ہی نہیں بلکہ ایک حدیث مرفوعہ سے اس کی تائید بھی ہوتی ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔

یعنی ہر شخص جب صبح اُٹھتا ہے تو اپنی جان کا سرمایہ تجارت پر لگاتا ہے پھر

كُلٌّ يَخْذُ قِبَالَهُ نَفْسَهُ فَمُعْتَقُهَا

کوئی تو اپنے اس سرمایہ کو خسارہ سے آزاد کرالیتا ہے اور کوئی ہاک کر ڈالتا ہے

أَوْ مُتَبَقُّهَا

خود قرآن کریم نے بھی ایمان و عمل صالح کو انسان کی تجارت کے الفاظ سے تعبیر فرمایا ہے هَلْ أَدُلُّكُمْ

عَلَىٰ تَجَارَةٍ نَّتَمِيعُكُمْ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ، اور جب زمانہ عمر انسان کا سرمایہ ہوا اور انسان اسکا تاجر تو عام حالات میں اس تاجر کا خسارہ میں ہونا اس لئے واضح ہے کہ اس سکین کا سرمایہ کوئی منجھ چیز نہیں جس کو کچھ دن بیکار بھی رکھا تو اگلے وقت میں کام آسکے بلکہ یہ سیال سرمایہ ہے جو ہر منٹ ہر سکنڈ بڑھ رہا ہے اس کی تجارت کرنے والا بڑا ہوشیار مستعد آدمی چاہیے جو بہتی ہوئی چیز سے نفع حاصل کرے۔ اسی لئے ایک بزرگ کا قول ہے کہ وہ برف بیچنے والے کی دوکان پر گئے تو فرمایا کہ اس کی تجارت کو دیکھ کر سورۃ العصر کی تفسیر سمجھ میں آگئی کہ یہ ذرا بھی غفلت سے کام لے تو اسکا سرمایہ پانی بن کر ضائع ہو جائے گا اس لئے اس ارشاد قرآنی میں زمانے کی قسم کھا کر انسان کو اس پر متوجہ کیا ہے کہ خسارے سے بچنے کے لئے جو چار اجزاء سے مرکب نسخہ بتلایا گیا ہے اُس کے استعمال میں ذرا غفلت نہ برتے۔

عمر کے ایک ایک منٹ کی قدر پہچانے اور ان چار کاموں میں سب کو مشغول کر دے۔

زمانہ کی قسم کی ایک مناسبت یہ بھی ہو سکتی ہے کہ جس چیز کی قسم کھائی جائے وہ ایک حیثیت سے اس معاملہ کے شاہد کے قائم مقام ہوتی ہے اور زمانہ ایسی چیز ہے کہ اگر اس کی تاریخ اور اُس میں قوموں کے عروج و زوال کے بھلے بڑے واقعات پر نظر کرے گا تو ضرور اس یقین پر پہنچ جائے گا کہ صرف یہ چار کام ہیں جن میں انسان کی فلاح و کامیابی منحصر ہے جس نے ان کو چھوڑا وہ خسارہ میں پڑا دنیا کی تاریخ اس کی گواہ ہے۔

آگے ان چاروں اجزاء کی تشریح یہ ہے کہ ایمان اور عمل صالح جو خود انسان کی ذات سے متعلق ہیں انکا معاملہ واضح ہے کسی تشریح کا محتاج نہیں البتہ آخری دو جز یعنی تواضعی بالمحق اور تواضعی بالصبر یہ قابل غور ہیں کہ ان سے کیا مراد ہے۔ لفظ تواضعی وصیت سے مشتق ہے کسی شخص کو تاکید کے ساتھ مؤثر انداز میں نصیحت کرنے اور نیک کام کی ہدایت کرنے کا نام وصیت ہے اسی وجہ سے مرنے والا جو اپنے بعد کے لئے کچھ ہدایات دیتا ہو اسکو بھی وصیت کہا جاتا ہے۔

یہ دو جز درحقیقت اسی وصیت کے دو باب ہیں۔ ایک حق کی وصیت دوسرے صبر کی وصیت، اب ان دونوں نکتوں کے معنی میں کئی احتمال ہیں۔ ایک یہ کہ حق سے مراد عقائد صحیحہ اور اعمال صالحہ کا مجموعہ ہو، اور صبر کے معنی تمام گناہوں اور بُرے کاموں سے بچنا ہو تو پہلے لفظ کا حاصل امر بالمعروف ہو گیا یعنی نیک کاموں کا حکم کرنا اور دوسرے کا حاصل نہی عن المنکر ہو گیا یعنی بُرے کاموں سے روکنا، اس مجموعہ کا حاصل پھر وہی ایمان اور عمل صالح جس کو خود اختیار کیا ہے اُس کی تاکید و نصیحت دوسروں کو کرنا ہو گیا اور ایک احتمال یہ ہے کہ حق سے مراد اعتقادات حقہ لئے جائیں اور صبر کے مفہوم میں تمام اعمال صالحہ کی پابندی بھی ہو اور بُرے کاموں سے بچنا بھی، کیونکہ لفظ صبر کے حقیقی معنی اپنے نفس کو روکنے اور پابند بنانے کے ہیں اس پابندی میں اعمال صالحہ بھی آگئے اور گناہوں سے اجتناب بھی۔

اور حافظ ابن تیمیہ نے اپنے کسی رسالے میں فرمایا کہ انسان کو ایمان اور عمل صالح سے روکنے والی عادۃ دو چیزیں ہوتی ہیں، ایک شبہات یعنی اُس کو ایمان و عمل صالح میں کچھ نظری اور فکری شبہات پیدا ہو جاویں

جن کے سبب عقائد ہی مختل ہو جائیں اور عقائد کے مختل ہونے سے عمل صالح کا خلل پذیر ہونا خود ظاہر ہے۔ دوسرے شہوات یعنی خواہشات نفسانی جو انسان کو بعض اوقات نیک عمل سے روک دیتی ہیں اور بعض اوقات بُرے اعمال میں مبتلا کر دیتی ہیں اگرچہ وہ نظری اور اعتقادی طور پر نیکی پر عمل اور بُرائی سے بچنے کو ضروری سمجھتا ہو مگر نفسانی خواہشات اُسکے خلاف ہوں اور وہ ان خواہشات سے مغلوب ہو کر سیدھا راستہ چھوڑ بیٹھے، تو آیت مذکور میں وصیتِ حق سے مراد یہ ہے کہ شہوات کو دور کرے، اور وصیتِ صبر سے مراد یہ کہ نفسانی خواہشات کو چھوڑ کر اچھے اعمال اختیار کر نیکی ہدایت کرے اسکا خلاصہ یہ ہے کہ وصیتِ بالحق سے مراد دوسرے مسلمانوں کی علمی اصلاح ہے اور وصیتِ بالقبر سے مراد علمی اصلاح نجات کے لئے صرف اپنے عمل کی اصلاح کافی | اس سورت نے مسلمانوں کو ایک بڑی ہدایت یہ دی کہ اُن کا صرف نہیں بلکہ دوسرے مسلمانوں کی فکر بھی ضروری ہے۔

آتنا ہی اہم یہ ہے کہ دوسرے مسلمانوں کو بھی ایمان اور عمل صالح کی طرف بلانے کی مقدور بھرکوشش کرے درنہ نظر اپنا عمل نجات کے لئے کافی نہ ہوگا، خصوصاً اپنے اہل و عیال اور احباب متعلقین کے اعمالِ سیدہ سے غفلت برتنا اپنی نجات کا راستہ بند کرنا ہے اگرچہ خود وہ کیسے ہی اعمالِ صالحہ کا پابند ہو، اسی لئے قرآن و حدیث میں ہر مسلمان پر اپنی اپنی قدرت کے مطابق امر بالمعروف اور نہی عن المنکر فرض کیا گیا ہے۔ اس معاملے میں عام مسلمان بلکہ بہت سے خواص تک غفلت میں مبتلا ہیں، خود عمل کرنے کو کافی سمجھ بیٹھے ہیں، اولاد و عیال کچھ بھی کرتے رہیں انکی فکر نہیں کرتے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس آیت کی ہدایت پر عمل کی توفیق نصیب فرمادیں۔

سُورَةُ الْهُمَزَةِ

سُورَةُ الْهُمَزَةِ بِكَتَبَتْ وَهِيَ تِسْعٌ آيَاتٍ

سورہ ہمزہ مکہ میں نازل ہوئی اور اس کی نو آیتیں ہیں

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

شرع اللہ کے نام سے جو بجد مہربان نہایت رحم والا ہے

وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةٍ ① الَّذِي جَمَعَ مَالًا وَعَدَّدَهُ ② يَحْسَبُ

خرابی ہے ہر طعنے دینے والے عیب چلنے والے کی جس نے سمیٹا مال اور گن گن کر رکھا خیال کرتا ہے

أَنَّ مَالَهُ أَخْلَدَهُ ③ كَلَّا لَيُنْبَذَنَّ فِي الْحُطَمَةِ ④ وَمَا أَدْرَاكَ مَا

کہ اسکا مال سدا کو رہے گا اسکے ساتھ کوئی نہیں وہ پھینکا جائیگا اُس روندنے والی میں اور تو کیا سمجھا کون ہے وہ

الْحُطَمَةُ ⑤ نَارُ اللَّهِ الْمُوقَدَةُ ⑥ الَّتِي تَطْلِعُ عَلَى الْآفَاقِ ⑦ إِنَّهَا

روندنے والی ایک آگ ہے اللہ کی سدا گئی ہوئی وہ جھانک لیتی ہے دل کو اُن کو

عَلَيْهِمْ مَوْصَدَةٌ ۝ فِي عَمَلِكُمْ مُصَدَّقَةٌ ۝

اسیں موند دیا ہے بے بے ستونوں میں

خلاصہ تفسیر

بڑی خرابی ہے ہر ایسے شخص کے لئے جو پس پشت عیب نکالنے والا ہو (اور) رُودر رُوطعہ دینے والا ہو جو (بہت حرص کی وجہ سے) مال جمع کرتا ہو اور (اُس کی محبت اور اُس پر فخر کے سبب) اس کو بار بار بگڑتا ہو (اسکے برتاؤ سے معلوم ہوتا ہے کہ گویا) وہ خیال کر رہا ہے کہ اسکا مال اسکے پاس سدا رہے گا (یعنی مال کی محبت میں ایسا اٹھماکے کھتا ہو جیسے وہ اسکا مستفد ہے کہ وہ خود بھی ہمیشہ زندہ رہے گا اور اسکا مال بھی ہمیشہ یوں ہی رہے گا حالانکہ یہ مال اسکے پاس) جبرگز نہیں (رہے گا، آگے اُس دیں یعنی خرابی کی تفصیل ہے کہ) واللہ وہ شخص ایسی آگ میں ڈالا جائیگا جس میں جو کچھ پڑے وہ اُس کو توڑ پھوڑ دے، اور آپ کو کچھ معلوم ہے کہ وہ توڑنے پھوڑنے والی آگ کیسی ہے وہ اللہ کی آگ ہے جو (اللہ کے حکم سے) سدا گئی گئی ہے (آگ کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کر نہیں اُس آگ کے سخت اور ہولناک ہونے کی طرف اشارہ ہے، اور وہ ایسی ہے) جو (بدن کو لگتے ہی) دلوں تک جا پہنچے گی وہ (آگ) اُن پر بند کر دی جاوے گی (اس طرح سے کہ وہ لوگ آگ کے) بڑے لمبے لمبے ستونوں میں (گھرے ہوئے ہوں گے جیسے کسی کو آگ کے صندوقوں میں بند کر دیا جائے)

معارف و مسائل

اس سورت میں تین سخت گناہوں پر عذاب شدید کی وعید اور پھر اُس عذاب کی شدت کا بیان ہے وہ تین گناہ یہ ہیں ہَمَزٌ، لَمَزٌ، جَمْعٌ مال - ہمز اور لمز چند معافی کے لئے استعمال ہوتے ہیں، اکثر مفسرین نے جن کو اختیار کیا ہے وہ یہ کہ کہ ہمز کے معنی غیبت یعنی کسی کے پیچھے پیچھے اُس کے عیوب کا تذکرہ کرنا ہے اور لمز کے معنی آئنا سامنے کسی کو طعنہ دینے اور بُرا کہنے کے ہیں، یہ دونوں ہی چیزیں سخت گناہ ہیں - غیبت کی وعیدیں قرآن و حدیث میں زیادہ ہیں جس کی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ اس گناہ کے اشتغال میں کوئی رکاوٹ سامنے نہیں ہوتی جو اس میں مشغول ہو تو بڑھتا چڑھتا ہی چلا جاتا ہے اسلئے گناہ بڑے سے بڑا اور زیادہ سے زیادہ ہوتا جاتا ہے بخلاف آئنا سامنے کہنے کے کہ وہاں دوسرا بھی مدافعت کے لئے تیار ہوتا ہے اسلئے گناہ میں امتداد نہیں ہوتا، اسکے علاوہ کسی کے پیچھے اسکے عیوب کا تذکرہ اس لئے بھی بُرا ظلم ہے کہ اُس کو خبر بھی نہیں کہ مجھ پر کیا الزام لگایا جا رہا ہے کہ اپنی صفایٰ پیش کر سکے -

اور ایک حیثیت سے لمز زیادہ شدید ہے، کسی کے روبرو اُس کو بُرا کہنا اُس کی توہین و تذلیل بھی ہے، اور اس کی ایذا بھی اشد ہے اسی اعتبار سے اسکا عذاب بھی اشد ہے - حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا
شَرُّ عِبَادِ اللَّهِ تَعَالَى الْمَشَاءُونَ بِالْمُيَمَّةِ الْمَفْرُوقُونَ بَيْنَ الْأَخِيَّةِ الْبَاعُونَ الْبُزَاءِ الْعَنْتِ

یعنی اللہ کے بندوں میں بدترین وہ لوگ ہیں جو چغلیوری کرتے ہیں اور دوستوں کے درمیان فساد ڈلاتے ہیں، اور بے گناہ لوگوں کے عیب تلاش کرتے رہتے ہیں۔

تیسری فصاحت جس پر عذاب کی وعید اس سورت میں آئی ہے وہ مال کی حرص اور محبت ہے اُسی کو آیت میں اس طرح سے تعبیر کیا ہے کہ حرص و محبت مال کی وجہ سے اُس کو بار بار گرفتار ہوتا ہے۔ چونکہ دوسری آیات و روایات اس پر شاہد ہیں کہ مطلقاً مال کا جمع رکھنا کوئی حرام و گناہ نہیں اسلئے یہاں بھی مراد وہ جمع کرنا ہے جس میں حقوق واجبہ ادا نہ کئے گئے ہوں یا فخر و تفاخر مقصود ہو یا اُس کی محبت میں منہمک ہو کر دین کی ضروریات سے غفلت ہو۔

تَقْلِيمٌ عَلَى الْاٰخِرِ ۖ، یعنی یہ جہنم کی آگ دلوں تک پہنچ جائے گی۔ یوں تو ہر آگ کا خاصہ یہی ہے کہ جو چیز اس میں پڑے اسکے سبھی اجزاء کو جلا دیتی ہے انسان اُس میں ڈالا جائے گا تو اُس کے سارے اعضاء کے ساتھ دل بھی جل جائے گا، یہاں جہنم کی آگ کی یہ خصوصیت اس لئے ذکر کی گئی کہ دنیا کی آگ جب انسان کے بدن کو لگتی ہے تو اُس کے دل تک پہنچنے سے پہلے ہی موت واقع ہو جاتی ہے بخلاف جہنم کے کہ اُس میں موت تو آتی نہیں تو دل تک آگ کا پہنچنا بحالت حیات ہوتا ہے اور دل کے جلنے کی اذیت اپنی زندگی میں انسان محسوس کرتا ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سُورَةُ الْفِيلِ

سُورَةُ الْفِيلِ الْفِيلُ كَبِيرٌ وَهُوَ خَمْسٌ اَيَاتٌ

سورۃ فیل مکہ میں نازل ہوئی اور اس کی پانچ آیتیں ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شرع اللہ کے نام سے جو بجد ہریان نہایت رحم والا ہے

اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِاَصْحٰبِ الْفِيلِ ۚ ۱ اَلَمْ يَجْعَلْ كَيْدَهُمْ فِي

کیا تو نے نہ دیکھا کیسا کیا تیرے رب نے ہاتھی والوں کے ساتھ کیا نہیں کر دیا اُن کا داؤ

تَضْلِيلٍ ۚ ۲ وَ اَرْسَلَ عَلَيْهِمْ طَيْرًا اَبَابِيلَ ۚ ۳ تَرْمِيهِمْ بِحِجَارَةٍ

غلط اور بھیجے اُن پر اُڑتے جانور مکہ دیاں ٹکڑیاں پھینکتے تھے اُن پر پتھریاں

مِّنْ سِجِّيلٍ ۚ ۴ فَجَعَلَهُمْ كَعَصْفٍ مَّا كُوِّلَ ۚ ۵

کنکر کی پھر کر ڈالا اُن کو جیسے بھس کھایا ہوا

خلاصہ تفسیر

کیا آپ کو معلوم نہیں کہ آپ کے رب نے ہاتھی والوں سے کیا معاملہ کیا (اس استفہام و سوال سے مقصود اس واقعہ کی عظمت اور ہولناک ہونے پر تنبیہ کرنا ہے۔ آگے اس معاملہ کا بیان ہے) کیا اُن کی تدبیر کو (جو کعبہ پران کرنے کے لئے تھی) سر تاپا غلط نہیں کر دیا (یہ استفہام و سوال تقریری ہے یعنی واقعہ کی صحت ثابت کرنے کے لئے) اور اُن پر غول کے غول پرندے بھیجے جو اُن لوگوں پر کنکر کی پتھریاں پھینکتے تھے سو اللہ تعالیٰ نے اُن کو کھائے ہوئے بھوسہ کی طرح (پامال) کر دیا (حاصل یہ کہ احکام الہیہ کی بے حرمتی کرنے والوں کو ایسے عذاب و عقاب سے بے فکر نہ رہنا چاہئے ہو سکتا ہے کہ دنیا ہی میں عذاب آجائے جیسے اصحاب فیل پر آیا ورنہ آخرت کا عذاب تو یقینی ہی ہے)

معارف و مسائل

اس سورت میں اصحاب فیل کے واقعہ کا مختصر بیان ہے کہ انھوں نے بیت اللہ کو سہارا کرنے کے قصد سے ہاتھیوں کی فوج لیکر مکہ مکرمہ پر چڑھائی کی تھی، حق تعالیٰ نے معمولی پرندوں کے ذریعہ اُن کی فوج کو عذابِ آسمانی نازل فرما کر نیست و نابود کر کے اُن کے عزائم کو خاک میں ملا دیا۔

واقعہ فیل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم | یہ واقعہ اُس سال میں پیش آیا جس سال میں حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کی دلالت کے سال میں ہوا | مکہ مکرمہ میں ہوئی، بعض روایات سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے اور یہی مشہور قول ہے (ابن کثیر) حضرات محدثین نے اس واقعہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک قسم کا معجزہ قرار دیا ہے مگر چونکہ معجزات کا قانون یہ ہے کہ وہ نبی کے دعوئے نبوت کیساتھ اُن کی تصدیق کے لئے ظاہر کئے جاتے ہیں نہ دعوئے نبوت سے پہلے بلکہ نبی کی ولادت سے بھی پہلے حق تعالیٰ بعض اوقات دنیا میں ایسے واقعات اور نشانیاں ظاہر فرماتے ہیں جو خرق عادت ہونے میں مثل معجزہ کے ہوتے ہیں۔ اس طرح کی نشانیاں کو محدثین کی اصطلاح میں ارہاس کہا جاتا ہے جو تاسیس مہتد کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ رہس سنگ بنیاد کو کہتے ہیں (قاموس) انبیاء علیہم السلام کی دنیا میں تشریف آوری سے یا انکے دعوئے نبوت سے پہلے بھی حق تعالیٰ کچھ ایسی نشانیاں ظاہر فرماتے ہیں جو معجزات کی قسم سے ہوتی ہیں، اور ایسی نشانیاں چونکہ انکی نبوت کے اثبات کا مقدمہ اور اس قسم کی تمہید و تاسیس ہوتی ہیں اس لئے ان کو ارہاس کہا جاتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت اور ولادت سے پہلے بھی اس قسم کے ارہاسات متعدد قسم کے ہوئے ہیں۔ اصحاب فیل کو آسمانی عذاب کے ذریعہ بیت اللہ پر حملے سے روک دینا بھی انہی ارہاسات میں سے ہے۔

اصحاب فیل کا واقعہ | امام حدیث و تاریخ ابن کثیر نے اس طرح نقل فرمایا ہے کہ مین پر ملک حمیر کا قبضہ تھا یہ لوگ مشرک تھے ان کا آخری بادشاہ ذونواس ہے جس نے اُس زمانے کے اہل حق یعنی نصاریٰ پر شدید مظالم کئے، اسی نے ایک طویل عرصہ میں خندق کھدوا کر اسکو آگ سے بھرا اور جتنے نصرانی بت پرستی کے خلاف ایک اللہ کی عبادت کرنیوالے تھے سب کو اس آگ

کی خندق میں ڈال کر جلادیا جن کی تعداد بیس ہزار کے قریب تھی۔ یہی وہ خندق کا واقعہ ہے جس کا ذکر اصحاب الاخذود کے نام سے سورہ بروج میں گزرا ہے۔ ان میں دو آدمی کسی طرح اکی گرفت سے بچل بھاگے اور انھوں نے قیصر ملک شام سے جا کر فریاد کی کہ ذونواس ملک حمیر نے نصاریٰ پر ایسا ظلم کیا ہے آپ کا انتقام لیں۔ قیصر ملک شام نے بادشاہ حبشہ کو خط لکھا یہ بھی نصرانی تھا اور یمن سے قریب تھا کہ آپ اس ظالم سے ظلم کا انتقام لو، اسنے اپنا عظیم لشکر دو کمانڈر (امیر) ارباط اور ابرہہ کی قیادت میں یمن کے اس بادشاہ کے مقابلے پر بھیج دیا، لشکر اُس کے ملک پر ٹوٹ پڑا اور پورے یمن کو قوم حمیر کے قبضہ سے آزاد کرایا۔ ملک حمیر ذونواس بھاگ نکلا اور دریا میں غرق ہو کر مر گیا۔ اس طرح ارباط و ابرہہ کے ذریعہ یمن پر بادشاہ حبشہ کا قبضہ ہو گیا، پھر ارباط اور ابرہہ میں باہمی جنگ ہو کر ارباط مقتول ہو گیا ابرہہ غالب آگیا اور یہی بادشاہ حبشہ نجاشی کی طرف سے ملک یمن کا حاکم (گورنر) مقرر ہو گیا، اس نے یمن پر قبضہ کرنے کے بعد ارادہ کیا کہ یمن میں ایک ایسا شاندار کنیسہ بنائے جس کی نظیر دنیا میں نہ ہو۔ اس سے اسکا مقصد یہ تھا کہ یمن کے عرب لوگ جو حج کرنے کے لئے مکہ مکرمہ جاتے ہیں اور بیت اللہ کا طواف کرتے ہیں یہ لوگ اس کنیسہ کی عظمت و شوکت سے مرعوب ہو کر کعبہ کے بجائے اسی کنیسہ میں جانے لگیں گے، اس خیال پر اُس نے بہت بڑا عالیشان کنیسہ بناؤ نچا تعمیر کیا کہ اُس کی بلندی پر نیچے کھڑا ہوا آدمی نظر نہیں ڈال سکتا تھا اور اُسکو سونے چاند اور جواہرات سے مرصع کیا اور پوری مملکت میں اعلان کرادیا کہ اب یمن سے کوئی کعبہ کے حج کے لئے نہ جائے اس کنیسہ میں عبادت کرے۔ عرب میں اگرچہ بت پرستی غالب آگئی تھی مگر دین ابراہیم اور کعبہ کی عظمت و محبت انکے دلوں میں پیوست تھی اسلئے عدنان اور قحطان اور قریش کے قبائل میں غم و غصہ کی لہر دوڑ گئی یہاں تک کہ انہیں سے کسی نے رات کے وقت کنیسہ میں داخل ہو کر اسکو گندگی سے آلودہ کر دیا اور بعض روایات میں ہے کہ انہیں سے مسافر قبیلہ نے کنیسہ کے قریب اپنی ضروریات کے لئے آگ جلائی اکی آگ کنیسہ میں لگ گئی اور اس کو سخت نقصان پہنچ گیا۔

ابرہہ کو جب اسکی اطلاع ہوئی اور بتلایا گیا کہ کسی قریشی نے یہ کام کیا ہے تو اُس نے قسم کھائی کہ میں انکے کعبہ کی اینٹ سے اینٹ بجا کر رہونگا، ابرہہ نے اس کی تیاری شروع کی اور اپنے بادشاہ نجاشی سے اجازت مانگی اسنے اپنا خاص ہاتھی کہ جسکا نام محمود تھا ابرہہ کے لئے بھیج دیا کہ وہ اس پر سوار ہو کر کعبہ پر حملہ کرے بعض روایات میں ہے کہ یہ سب سے بڑا عظیم الشان ہاتھی تھا جس کی نظیر نہیں پائی جاتی تھی اور اُس کے ساتھ آٹھ ہاتھی دوسرے بھی اس لشکر کے لئے بادشاہ حبشہ نے بھیج دیے تھے۔ ہاتھیوں کی یہ تعداد بھیجنے کا منشا یہ تھا کہ بیت اللہ کعبہ کے ڈھانے میں ہاتھیوں سے کام لیا جائے۔ تجویز یہ تھی کہ بیت اللہ کے ستونوں میں لوہے کی مضبوط اور طویل زنجیریں باندھ کر ان زنجیروں کو ہاتھیوں کے گلے میں باندھیں اور انکو ہنکا دیں تو سارا بیت اللہ (معاذ اللہ) فوراً ہی زمین پر آگرے گا۔

عرب میں جب اس کے حملے کی خبر پھیلی تو سارا عرب مقابلہ کے لئے تیار ہو گیا۔ یمن کے عربوں میں ایک شخص ذونفر نامی تھا اُس نے عربوں کی قیادت اختیار کی اور عرب لوگ اسکے گرد جمع ہو کر مقابلہ کے لئے تیار ہو گئے اور ابرہہ کے خلاف جنگ کی مگر اللہ تعالیٰ کو تو یہ منظور تھا کہ ابرہہ کی شکست اور اُس کی رسوائی نمایاں ہو کر دنیا کے سامنے آئے

اسلئے یہ عرب مقابلے میں کامیاب نہ ہوئے، ابرہہ نے اُن کو شکست دیدی اور ذونفر کو قید کر لیا اور آگے روانہ ہو گیا اس کے بعد جب وہ قبیلہ خثعم کے مقام پر پہنچا تو اس قبیلہ کے سردار نفیل بن حبیب نے پورے قبیلہ کیساتھ ابرہہ کا مقابلہ کیا مگر ابرہہ کے لشکر نے اُن کو بھی شکست دیدی اور نفیل بن حبیب کو بھی قید کر لیا اور ارادہ اُن کے قتل کا کیا مگر پھر یہ سمجھ کر اُن کو زندہ رکھا کہ اُن سے ہم راستوں کا پتہ معلوم کر لیں گے، اسکے بعد جب یہ لشکر طائف کے قریب پہنچا تو طائف کے باشندے قبیلہ ثقیف پچھلے قبائل کی جنگ اور ابرہہ کی فتح کے واقعات سُن چکے تھے انھوں نے اپنی خیر منانے کا فیصلہ کیا اور یہ کہ طائف میں جو ہم نے ایک عظیم الشان بُت خانہ لات کے نام سے بنا رکھا ہے یہ اُس کو نہ چھڑے تو ہم اسکا مقابلہ نہ کریں، انھوں نے ابرہہ سے بلکہ یہ بھی طے کر لیا کہ ہم تمھاری امداد اور رہنمائی کے لئے اپنا ایک سردار ابو رغال تمھارے ساتھ بھیج دیتے ہیں، ابرہہ اس پر راضی ہو کر ابو رغال کو ساتھ لیکر مکہ مکرمہ کے قریب ایک مقام مغسّس پر پہنچ گیا جہاں قریش مکہ کے اونٹ چر رہے تھے، ابرہہ کے لشکر نے سب سے پہلے ان پر حملہ کر کے اونٹ گرفتار کر لئے جن میں دو سو اونٹ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جد امجد عبد المطلبؑ میں قریش کے بھی تھے ابرہہ نے یہاں پہنچ کر اپنا ایک سفیر خنظلہ حمیری کو شہر مکہ میں بھیجا کہ وہ قریش کے سرداروں کے پاس جا کر اطلاع کر دے کہ ہم تم سے جنگ کے لئے نہیں آئے، ہمارا مقصد کعبہ کو ڈھانا ہے اگر تم نے اس میں رکاوٹ نہ ڈالی تو تمھیں کوئی نقصان نہ پہنچے گا۔ خنظلہ جب مکہ مکرمہ میں داخل ہوا تو سب نے اُس کو عبد المطلب کا پتہ دیا کہ وہ سب سے بڑے سردار قریش کے تھے خنظلہ نے عبد المطلب سے گفتگو کی اور ابرہہ کا پیغام پہنچا دیا۔ ابن اسحق کی روایت کے مطابق عبد المطلبؑ نے جواب دیا کہ ہم بھی ابرہہ سے جنگ کا کوئی ارادہ نہیں رکھتے، نہ ہمارے پاس اتنی طاقت ہے کہ اسکا مقابلہ کر سکیں۔ البتہ میں یہ بتائے دیتا ہوں کہ یہ اللہ کا گھر اور اسکے خلیل ابراہیم علیہ السلام کا بنایا ہوا ہے وہ خود اس کی حفاظت کا ذمہ دار ہے اللہ سے جنگ کا ارادہ ہے تو جو چاہے کرے پھر دیکھئے کہ اللہ تعالیٰ کیا معاملہ کرتے ہیں۔ خنظلہ نے عبد المطلب سے کہا کہ تو پھر آپ میرے ساتھ چلیں میں آپکو ابرہہ سے ملاتا ہوں۔ ابرہہ نے جب عبد المطلب کو دیکھا کہ بڑے دجیہ آدمی ہیں تو انکو دیکھ کر اپنے تخت سے نیچے اتر کر بیٹھ گیا اور عبد المطلب کو اپنی برابر بٹھایا اور اپنے ترجمان سے کہا کہ عبد المطلب سے پوچھئے کہ وہ کس غرض سے آئے ہیں، عبد المطلب نے کہا کہ میری ضرورت تو اتنی ہے کہ میرے اونٹ جو آپ کے لشکر نے گرفتار کر لئے ہیں اُن کو چھوڑ دیں۔ ابرہہ نے ترجمان کے ذریعہ عبد المطلب سے کہا کہ جب میں نے آپ کو اڈل دیکھا تو میرے دل میں آپ کی بڑی وقعت و عزت ہوئی مگر آپ کی گفتگو نے اس کو بالکل ختم کر دیا کہ آپ مجھ سے صرف اپنے دوستوں کی بات کر رہے ہیں اور یہ معلوم ہے کہ میں آپ کا کعبہ جو آپ کا دین ہے اُس کو ڈھانے کے لئے آیا ہوں اسکے متعلق آپ نے کوئی گفتگو نہیں کی۔ عبد المطلب نے جواب دیا کہ اونٹوں کا مالک تو میں ہوں مجھے اُن کی فکر ہوئی اور بیت اللہ کا میں مالک نہیں بلکہ اسکا مالک ایک عظیم ہستی ہے وہ اپنے گھر کی حفاظت کرنا جانتا ہے۔ ابرہہ نے کہا کہ تمھارا خدا اُس کو میرے ہاتھ سے نہ بچا سکے گا۔ عبد المطلب نے کہا کہ پھر تمھیں اختیار ہے جو چاہو کرو۔ اور بعض روایات میں ہے کہ عبد المطلب کیساتھ اور بھی قریش کے چند سردار گئے تھے اور انھوں نے

ابرہہ کے سامنے یہ پیش کش کی کہ اگر آپ بیت اللہ پر دست اندازی نہ کریں اور لوٹ جائیں تو ہم پورے تہامہ کی ایک تہائی پیداوار آپ کو بطور فراج ادا کرتے رہیں گے مگر ابرہہ نے اُس کے ماننے سے انکار کر دیا۔ عبدالمطلب کے اونٹ ابرہہ نے واپس کر دیے وہ اپنے اونٹ لیکر واپس آئے تو بیت اللہ کے دروازے کا حلقہ پکڑ کر دھار میں شغل ہوئے اور قریش کی ایک بڑی جماعت ساتھ تھی سب نے اللہ تعالیٰ سے دُعائیں کیں کہ ابرہہ کے عظیم لشکر کا مقابلہ ہمارے توہن میں نہیں، آپ ہی اپنے بیت کی حفاظت کا انتظام فرمادیں، الحاح وزاری کے ساتھ دُعا کرنے کے بعد عبدالمطلب مکہ مکرمہ کے دوسرے لوگوں کو ساتھ لیکر مختلف پہاڑوں پر پھیل گئے انکو یہ یقین تھا کہ اسکے لشکر پر اللہ تعالیٰ کا عذاب آئے گا، اسی یقین کی بنا پر انھوں نے ابرہہ سے خود اپنے اونٹوں کا مطالبہ کیا، بیت اللہ کے متعلق گفتگو کرنا اسلئے پسند نہ کیا کہ خود تو اسکے مقابلے کی طاقت نہ تھی اور دُوری طرف یہ بھی یقین رکھتے تھے کہ اللہ تعالیٰ اُنکی بے بسی پر رحم فرما کر دشمن کی قوت اور س کے عزائم کو خاک میں ملا دیں گے۔ صبح ہوئی تو ابرہہ نے بیت اللہ پر چڑھنے کی تیاری کی اور اپنے ہاتھی محمود نامی کو آگے چلنے کے لئے تیار کیا۔ نفیل بن جعیب جن کو راستہ سے ابرہہ نے گرفتار کیا تھا اُس وقت وہ آگے بڑھے اور ہاتھی کا کان پکڑ کر کہنے لگے تو جہاں سے آیا ہے وہیں صحیح سالم لوٹ جا، کیونکہ تو اللہ کے بلد امین (محفوظ شہر) میں ہے یہ کہہ کر اسکا کان چھوڑ دیا، ہاتھی یہ سننے ہی بیٹھ گیا، ہاتھی بانوں نے اُس کو اٹھانا چلانا چاہا لیکن وہ اپنی جگہ سے نہ ہلا، اس کو بڑے بڑے آہنی تبروں سے مارا گیا، اُس کی بھی پروانہ کی، اُس کی ناک میں آنکڑا لٹو ہے کا ڈال دیا پھر بھی وہ کھڑا نہ ہوا، اس وقت ان لوگوں نے اس کو یمن کی طرف لوٹانا چاہا تو فوراً کھڑا ہو گیا پھر شام کی طرف چلنا چاہا تو چلنے لگا پھر مشرق کی طرف چلایا تو چلنے لگا، ان سب اطراف میں چلانے کے بعد پھر اس کو مکہ مکرمہ کی طرف چلانے لگے تو پھر بیٹھ گیا۔

قدرت حق جل شانہ کا یہ کرشمہ تو یہاں ظاہر ہوا۔ دوسری طرف دریائی طرف سے کچھ پرندوں کی قطاریں آتی دکھائی دیں جن میں سے ہر ایک کے ساتھ تین کنکریاں چنے یا مسور کی برابرتھیں ایک چوہنج میں اور دو ہنچوں میں واقعہ کی روایت میں ہے کہ پرندے عجیب طرح کے تھے جو اس سے پہلے نہیں دیکھے گئے، جتنے میں کبوتر سے چھوٹے تھے اُن کے پنجے سُرخ تھے، ہر پنجے میں ایک کنکر اور ایک چوہنج میں لئے آتے دکھائی دیئے اور فوراً ہی ابرہہ کے لشکر کے اوپر چھا گئے، یہ کنکریں جو ہر ایک کے ساتھ تھیں اُن کو ابرہہ کے لشکر پر گرایا۔ ایک ایک کنکر نے وہ کام کیا جو یوں لو کی گولی بھی نہیں کر سکتی، کہ جس پر پڑتی اُسکے بدن کو چیدتی ہوئی زمین میں گھس جاتی تھی۔ یہ عذاب دیکھ کر ہاتھی سب بھاگ کھڑے ہوئے، صرف ایک ہاتھی رہ گیا تھا جو اس کنکری سے ہلاک ہوا، اور لشکر کے سب آدمی اسی موقع پر ہلاک نہیں ہوئے بلکہ مختلف اطراف میں بھاگے اُن سب کا یہ حال ہوا کہ راستہ میں مر مر کر گر گئے۔ ابرہہ کو چونکہ سخت سزا دینا تھی یہ فوراً ہلاک نہیں ہوا مگر اسکے جسم میں ایسا زہر سراپت کر گیا کہ اسکا ایک ایک جوڑ گل سڑک کرنے لگا اسی حال میں اس کو واپس یمن لایا گیا، دارالحکومت صنعاء پہنچ کر اسکا سارا بدن ٹکڑے ٹکڑے ہو کر بہ گیا اور مر گیا۔ ابرہہ کے ہاتھی محمود کے ساتھ دو ہاتھی بان یہیں مکہ مکرمہ میں رہ گئے مگر اس طرح کہ دونوں اندھے اور اپنا بچ ہو گئے

تھے۔ محمد بن یحییٰ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے فرمایا کہ میں نے ان دونوں کو اس حالت میں دیکھا ہے کہ وہ اندھے اور پاہنج تھے اور حضرت صدیقہ عائشہ کی بہن اسماء رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ میں نے دونوں پاہنج اندھوں کو بھیک مانگتے ہوئے دیکھا ہے۔ اصحابِ فیل کے اسی واقعہ کے متعلق اس سورت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے فرمایا ہے،

أَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِأَصْحَابِ الْفِيلِ، یہاں اللہ تعالیٰ فرمایا جس کے معنی ہیں کیا آپ نے نہیں دیکھا حالانکہ یہ واقعہ آپ کی ولادت یا سعادت سے کچھ دن پہلے کا ہے، آپ کے دیکھنے کا یہاں بظاہر کوئی موقع نہیں تھا مگر جو واقعہ یقینی ایسا ہو کہ عام طور پر مشاہدہ کیا گیا ہو اُس کے علم کو بھی لفظ رویت سے تعبیر کر دیا جاتا ہے کہ گویا یہ آنکھوں نے دیکھا واقعہ ہے، اور ایک حد تک دیکھنا بھی ثابت ہے جیسا کہ ادھر گزر رہا ہے کہ حضرت صدیقہ عائشہ اور اسماء رضی اللہ عنہا نے ہاتھی بانوں کو اندھا اور پاہنج بھیک مانگتے دیکھا ہے۔

طَائِفًا آبَائِهِ، ابابیل لفظ جمع کا ہے مگر اسکا کوئی مفرد مستعمل نہیں، معنی اس کے پرندوں کے غول کے ہیں کسی خاص جانور کا نام نہیں، اردو زبان میں جو ایک خاص چڑیا کو ابابیل کہتے ہیں وہ مراد نہیں جیسا کہ ادھر روایت میں گزر چکا ہے۔ یہ پرندے کبوتر سے کسی قدر چھوٹے تھے اور کوئی ایسی جنس تھی جو پہلے کبھی نہیں دیکھی گئی (کذا قال سعید بن جبیر، قرطبی)

رَجَعًا زَاكِيًا مِّنْ سَيْحَاتٍ، رَجَعًا بکسر سین سگرجل کا معرب کیا ہوا لفظ ہے جس کے معنی ہیں ایسی کنکریں جو ترسی کو آگ میں پکانے سے بنتی ہے اس میں اشارہ اس طرف ہے کہ یہ کنکریں بھی خود کوئی طاقت نہ رکھتی تھیں معمولی گارے اور آگ سے بنی ہوئی تھیں مگر بقدرت حق سبحانہ انھوں نے ریواور کی گولیوں سے زیادہ کام کیا۔

فَجَعَلَهُمْ كَعَصْفٍ مَّأْكُولٍ، عصف، بھوسہ کو کہتے ہیں اول تو خود بھوسہ ہی منتشر تھکے ہوتے ہیں، پھر جبکہ اُس کو کسی جانور نے چبا بھی لیا ہو تو وہ تھکے بھی اپنے حال پر نہیں رہتے۔ ابراہم کے لشکر میں جس پر یہ کنکریں پڑی ہے اس کا یہی حال ہو گیا ہے۔

اصحابِ فیل کے اس عجیب غریب واقعہ نے پورے عرب کے دلوں میں قریش کی عظمت بڑھادی اور سب ماننے لگے کہ یہ لوگ اللہ والے ہیں ان کی طرف سے خود حق تعالیٰ جل شانہ نے اُن کے دشمن کو ہلاک کر دیا (قرطبی) اسی عظمت کا یہ اثر تھا کہ قریش مکہ مختلف ملکوں کا سفر بغرض تجارت کرتے تھے اور راستہ میں کوئی اُن کو نقصان نہ پہنچاتا حالانکہ اُس وقت دوسروں کے لئے کوئی سفر ایسے خطرات سے خالی نہیں تھا۔ قریش کے انہی سفروں کا ذکر آگے اگلی سورت سورہ قریش میں کر کے اُن کو شکر نعمت کی طرف دعوت دی گئی ہے۔

تَمَّتْ سُورَةُ الْفِيلِ بِحَمْدِ اللَّهِ تَعَالَى

سُورَةُ الْقُرَيْشِ

سُورَةُ الْقُرَيْشِ كَيْسٌ وَهِيَ اَرْبَعُ اَيَّاتٍ
سُورَةُ قُرَيْشٍ مَكَّةَ مِیْن نَازِلٌ هُوَیْ اَدْرَاسَ كِی چار آیتیں ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

لَا یَلِیْفُ قُرَیْشٌ ۱۱ اِلَیْهِمْ رَحْلَةُ الشَّتَاءِ وَالصَّیْفِ ۱۲ فَلِیَعْبُدُوْا رَبَّ

اسو اسلے کہ مانوس رکھا قریش کو مانوس رکھنا اُن کو سفر سے جاڑے کے اور گرمی کے تو چاہیے کہ بندگی کریں

هٰذَا الْبَیْتُ ۱۳ الَّذِیْ اَطْعَمَهُمْ مِّنْ جُوعٍ ۱۴ وَآمَنَهُمْ مِّنْ خَوْفٍ ۱۵

اس گھر کے رب کی جس نے اُن کو کھانا دیا بھوک میں اور امن دیا ڈر میں

خلاصہ تفسیر

چونکہ قریش خور ہو گئے ہیں یعنی جاڑے اور گرمی کے سفر کے خور ہو گئے ہیں تو (اس نعمت کے شکر میں) انکو چاہیے کہ اس خانہ کعبہ کے مالک کی عبادت کریں جس نے اُن کو بھوک میں کھانے کو دیا اور خوف سے اُن کو امن دیا۔

معارف و مسائل

اس پر تو سب مفسرین کا اتفاق ہے کہ معنی اور مضمون کے اعتبار سے یہ سورت سورہ فیل ہی سے متعلق ہے، اور شاید اسوجہ سے بعض مصاحف میں ان دونوں کو ایک ہی سورت کر کے لکھا گیا تھا، دونوں کے درمیان بسم اللہ نہیں لکھی تھی مگر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے جب اپنے زمانے میں تمام مصاحف قرآن کو جمع کر کے ایک نسخہ تیار فرمایا اور تمام صحابہ کرام کا اس پر اجماع ہوا۔ اسی نسخہ قرآن کو جہور کے نزدیک امام کہا جاتا ہے اس میں ان دونوں کو دو الگ الگ سورتیں ہی لکھا ہے، دونوں کے درمیان بسم اللہ لکھی گئی ہے۔

لَا یَلِیْفُ قُرَیْشٌ، حرف لام ترکیب نحوی کے اعتبار سے اسکا مقتضی ہے کہ اسکا تعلق کسی قبیلہ مضمون

کے ساتھ ہو اسی لئے اس کے متعلق میں متعدد اقوال ہیں، پچھلی سورت کیساتھ معنوی تعلق کی بنا پر بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ یہاں مخدوف جملہ انا اھلکنا اصحاب الفضیل ہے یعنی ہم نے اصحابِ فیل کو اس لئے ہلاک کیا کہ قریش کے سردی گرمی کے دو سفروں کے عادی تھے، ان کی راہ میں کوئی رکاوٹ نہ رہے سب کے دلوں میں انکی عظمت پیدا ہو جائے۔ اور بعض حضرات نے فرمایا کہ مخدوف جملہ اعجبوا ہے یعنی تعجب کرو قریش کے معاملے سے کہ کس طرح سردی گرمی کے سفر آزادانہ بے خطر ہو کر کرتے ہیں، اور بعض نے فرمایا کہ اسکا تعلق اس جملہ سے ہے جو آگے آیت میں آ رہا ہے یعنی فَلْيَعْبُدُوا، مطلب یہ ہوا کہ قریش کو اس نعمت کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ کا شکر گزار ہونا اور اس کی عبادت میں لگ جانا چاہئے، اس صورت میں فَلْيَعْبُدُوا کے اوپر حرف فارسلے ہے کہ پہلے جملے میں ایک منی شرط کے پائے جاتے ہیں۔ بہر حال اس سورت میں ارشاد یہ ہے کہ قریش مکہ چونکہ دو سفروں کے عادی تھے، ایک سردی میں یمن کی طرف دو سر گرمی میں شام کی طرف اور انہی دونوں پر ان کی تجارت اور کاروبار کا مدار تھا اور اسی تجارت کی بنا پر وہ مالدار اور اغنیاء تھے اسلئے اللہ تعالیٰ نے انکے دشمن اصحابِ فیل کو عبرتناک سزا دیکر انکی عظمت کو گونکے قلوب میں بڑھادی، یہ پورے ممالک میں جہاں بھی جائیں لوگ انکی تعظیم کریم کرتے ہیں۔

قریش کی فضیلت سارے عرب پر | اس سورت میں انکی طرف بھی اشارہ ہے کہ تمام قبائل عرب میں قریش اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ مقبول ہیں جیسا کہ حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمام اولاد اسماعیل علیہ السلام میں سے کنانہ کو اور کنانہ میں سے قریش کو اور قریش میں سے بنی ہاشم کو اور بنی ہاشم میں سے مجھے کو انتخاب کر لیا ہے (البخاری عن داؤد بن اسحق) اور ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمام آدمی قریش کے تابع ہیں خیر و شر میں (رواہ سلم عن جابر بن منہر) اور پہلی حدیث میں جس خداوندی انتخاب کا ذکر ہے غالباً اس کی وجہ ان قبائل کے خاص ملکات اور استعدادیں ہیں، کفر و شرک اور جہالت کے زمانہ میں بھی ان کے بعض اخلاق اور ملکات نہایت اعلیٰ تھے انہیں قبول حق کی استعداد بہت کامل تھی، یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام اور اولیاء اللہ میں بیشتر لوگ قریش میں سے ہوئے ہیں (منہری)

رَحَلَهُ الشَّيْءُ وَالصَّيْفُ، یہ بات معلوم و معروف ہے کہ مکہ مکرمہ ایک ایسے مقام میں آباد ہے جہاں کوئی زراعت نہیں ہوتی وہاں باغات نہیں جن کے پھل مکہ والوں کو مل سکیں، اسی لئے بانی بیت اللہ حضرت خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مکہ مکرمہ کے آباد ہونے کے وقت اللہ تعالیٰ سے یہ دعا فرمائی تھی کہ اس شہر کو جائے امن بنادے اور اہل مکہ کو ثمرات کا رزق عطا فرمائے اَرْزُقْ اَهْلَهُ مِنَ الثَّمَرَاتِ، اور باہر سے ہر طرح کے پھل یہاں لائے جایا کریں۔ مَحْجًى اَلْبَيْتِ ثَمَرَاتٌ كُلِّ شَيْءٍ، اسلئے اہل مکہ کے معاش کا مدار اس پر تھا کہ وہ تجارت کے لئے سفر کریں اور اپنی ضروریات وہاں سے لائیں۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ مکہ والے بڑے افلاس اور تکلیف میں تھے یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جد امجد ہاشم نے قریش کو اس کے لئے آمادہ کیا کہ دوسرے ملکوں سے تجارت کا کام کریں۔ ملک شام ٹھنڈا ملک تھا گرمی کے زمانے میں وہاں اور یمن گرم ملک ہے سردی کے زمانے میں اس طرف تجارتی سفر کرتے اور منافع حاصل کرتے تھے اور چونکہ یہ لوگ بیت اللہ کے خادم ہونے کی حیثیت سے تمام عرب میں مقدس و محترم مانے جاتے تھے تو یہ راستہ کے ہر خطرے سے بھی محفوظ رہتے تھے، اور ہاشم چونکہ ان سب کے سردار مانے جاتے تھے ان کا طریقہ یہ تھا کہ اس

تجارت میں جو منافع حاصل ہوتے اُن کو قریش کے امیر و غریب سب میں تقسیم کر دیتے تھے یہاں تک کہ انکا غریب آدمی بھی مالداروں کی برابر سمجھا جاتا تھا۔ پھر حق تعالیٰ نے اُن پر یہ مزید احسان فرمایا کہ ہر سال کے دو سفروں کی زحمت سے بھی اس طرح بچا دیا کہ مکہ مکرمہ سے ملے ہوئے علاقہ بین التہامہ اور عرش کو اتنا سرسبز اور زرخیز بنا دیا کہ وہاں کا غلہ انکی ضرورت سے زائد ہونے کی بنا پر ان کو اس کی ضرورت پڑی کہ یہ غلات وہاں سے لا کر جدہ میں فروخت کریں چنانچہ اکثر ضروریات زندگی جدہ میں ملنے لگیں مکہ والے ان طویل دو سفروں کے بجائے صرف دو منزل پر جا کر جدہ سے سب سامان لانے لگے۔ آیت مذکورہ میں حق تعالیٰ نے مکہ والوں پر اسی احسان و انعام کا ذکر فرمایا ہے۔

فَلْيَعْبُدُوا رَبَّ هَٰذَا الْبَيْتِ، انعامات کا ذکر کرنے کے بعد اُن کا شکر ادا کرنے کے لئے قریش کو خصوصی خطاب کے ساتھ یہ ہدایت فرمائی کہ اس گھر کے مالک کی عبادت کیا کرو۔ اس جگہ اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے رب البیت ہونے کی صفت کو خصوصیت سے اسلئے ذکر فرمایا کہ یہی بیت کعبہ اُن کے تمام فضائل اور برکات کا سرچشمہ تھا

اَلَّذِيْ اٰطَعَهُمْ مِّنْ جُوعٍ وَ اٰمَنَهُمْ مِّنْ خَوْفٍ، اس میں قریش مکہ کے لئے دنیا کی اُن تمام عظیم نعمتوں کو جمع فرما دیا ہے جو انسان کے خوش عیش رہنے کے لئے ضروری ہیں اَطَعَهُمْ مِّنْ جُوعٍ میں کھانے پینے کی ضروریات داخل ہیں اور اٰمَنَهُمْ مِّنْ خَوْفٍ میں دشمنوں ڈاکوؤں کے خوف سے مامون ہونا بھی شامل ہے اور آخرت کے عذاب سے مامون ہونا بھی۔

فائدہ | ابن کثیرؒ نے فرمایا کہ یہی وجہ ہے کہ جو شخص اس آیت کے حکم کے مطابق اللہ تعالیٰ کی عبادت کرے تو اللہ تعالیٰ اسکے لئے دنیا میں بھی اُمن اور بے خوف و خطر رہنے کا سامان فرما دیتے ہیں اور آخرت میں بھی، اور جو اس سے انحراف کرے اُس سے یہ دونوں قسم کے امن سلب کر لئے جاتے ہیں جیسا کہ قرآن کریم میں فرمایا ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا قَرْيَةً كَانَتْ اٰمِنَةً مُّطْمَئِنَّةً يَّاتِيَتْهَا اِرْزَاقٌ مِّنْ غَيْرِهَا رَغَدًا اَقْنَمَ لَهَا مَكَانٍ فَكَفَرَتْ بِاَنْعُمِ اللّٰهِ فَاَذَاقَهَا اللّٰهُ لِبَاسَ الْجُوعِ وَالْخَوْفِ مِمَّا كَانُوا يَصْنَعُونَ، یعنی اللہ تعالیٰ نے ایک مثال بیان فرمائی کہ ایک بستی تھی جو مامون و محفوظ اور ہر خطرہ سے مطمئن تھی اسکا رزق ہر جگہ سے وافر آ جاتا تھا، پھر اس بستی والوں نے اللہ کے انعامات کی ناشکری کی تو اللہ نے ان کو بھوک اور خوف کی پریشانی میں مبتلا کر دیا اُن کے کروت کی بنا پر۔

فائدہ عظیمہ | ابوالحسن قزوینیؒ نے فرمایا کہ جس شخص کو کسی دشمن یا اور کسی مصیبت کا خوف ہو اسکے لئے لایلا قریش کا پڑھنا امان ہے، اس کو امام جزریؒ نے نقل کر کے فرمایا کہ یہ عمل آزمودہ اور مجرب ہے، حضرت قاضی ثنار اللہ پانی پتیؒ نے تفسیر منطہری میں اس کو نقل کر کے فرمایا کہ مجھے میرے شیخ حضرت مرزا مظہر جان جاناںؒ نے خوف و خطر کے وقت اس سورۃ کے پڑھنے کا حکم دیا اور فرمایا کہ ہر بلا و مصیبت کے دفع کرنے کے لئے اس کی قرات مجرب ہے۔ حضرت قاضی صاحب موصوف فرماتے ہیں کہ میں نے بھی بارہا اسکا تجربہ کیا ہے۔

يَعْمَتُ سُوْرَةُ الْقُرَيْشِ بِجَمَالِ اللّٰهِ تَعَالٰی

سُورَةُ الْمَاعُونِ

سُورَةُ الْمَاعُونِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ سِتُّونَ آيَاتٌ
سُورَةُ مَاعُونِ کہ میں نازل ہوئی اور اس کی سات آیتیں ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

اَرَعَيْتَ الَّذِیْ یُكَذِّبُ بِالْاٰیٰتِ ۱۰ قَدْ لَكَ الَّذِیْ یَدْعُ الْیَتِیْمَ ۲ وَلَا

تو نے دیکھا اُس کو جو جھٹلاتا ہے انصاف ہونے کو سو یہ وہی ہے جو دھکے دیتا ہے یتیم کو اور نہیں

یَحْضُ عَلٰی طَعَامِ الْمُسْكِیْنِ ۳ قَوْلٌ لِّلْمَصْلِیْنِ ۴ الَّذِیْنَ هُمْ عَنْ

تائید کرتا عتاج کے کھانے پر پھر خرابی ہے اُن نمازیوں کی جو اپنی

صَلٰةٍ قَهْمٌ سَاهُوْنَ ۵ الَّذِیْنَ هُمْ یُرَاوُنَ ۶ وَیَمْنَعُوْنَ الْمَاعُوْنَ ۷

نماز سے بے خبر ہیں وہ جو دکھلا د کرتے ہیں اور مانگی نہ دیوں برتنے کی چیز

خلاصہ تفسیر

کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا ہے جو وزیر اور جھٹلاتا ہے سو آپ اس کا حال سُنا چاہیں تو سُنئے کہ وہ شخص وہ ہے جو یتیم کو دھکے دیتا ہے اور محتاج کو کھانا دینے کی (دوسروں کو بھی) ترغیب نہیں دیتا (یعنی وہ ایسا سنگدل ہے کہ خود تو وہ کسی غریب کو کیا دیتا دوسروں کو بھی اس پر آمادہ نہیں کرتا۔ اور جب بندوں کا حق ضائع کرنا ایسا بُرا ہے تو خالق کا حق ضائع کرنا تو اور زیادہ بُرا ہے) سو (اس سے ثابت ہوا کہ) ایسے نمازیوں کے لئے بڑی خرابی ہے جو اپنی نماز کو بھلا بیٹھتے ہیں (یعنی ترک کر دیتے ہیں) جو ایسے ہیں کہ (جب نماز پڑھتے ہیں تو) ریاکاری کرتے ہیں اور زکوٰۃ بالکل نہیں دیتے (کیونکہ زکوٰۃ کے لئے شرعی ضروری نہیں کہ سب کے سامنے ظاہر کر کے دے لے) اس کو بالکل نہ دینے سے بھی کوئی اعتراض نہیں کر سکتا بخلاف نماز کے وہ جماعت کیسا تھ علانیہ ادا کی جاتی ہے اس کو بالکل چھوڑ دے تو سب پر نفاق ظاہر ہو جاوے اسلئے نماز کو محض دکھلا دے کے لئے پڑھ لیتا ہے

معارف و مسائل

اس سورۃ میں کفار و منافقین کے بعض افعال قبیحہ مذکورہ کا ذکر اور ان پر جہنم کی وعید ہے، یہ افعال اگر کسی مؤمن سے سرزد ہوں جو تکذیب نہیں کرتا وہ بھی اگرچہ شرعاً مذموم اور سخت گناہ ہیں مگر وعید مذکور ان پر نہیں ہے اسی لئے ان افعال و اعمال سے پہلے ذکر اس شخص کا فرمایا ہے جو دین اور قیامت کا منکر ہے اکی تکذیب کرتا ہے اس میں اشارہ اسطرح ضرور ہے کہ یہ اعمال جنکا ذکر آگے رہا ہے مؤمن کی شان سے بعید ہیں وہ کوئی منکر کا فرہی کر سکتا ہے، وہ اعمال قبیحہ جنکا اس جگہ ذکر اس سورۃ میں فرمایا ہے یہ ہیں، یتیم کے ساتھ بدسلوکی اور اس کی توہین۔ مسکین محتاج کو باوجود قدرت کے کھانا نہ دینا اور دوسروں کو اس کی ترغیب نہ دینا، نماز پڑھنے میں ریاکاری کرنا، زکوٰۃ ادا نہ کرنا یہ سب افعال اپنی ذات میں بھی بہت مذموم اور سخت گناہ ہیں اور جب کفر و تکذیب کے نتیجہ میں یہ افعال سرزد ہوں تو انکا وبال دائمی جہنم ہے جیسا کہ اس سورۃ میں اسکو وکیل کے الفاظ سے بیان فرمایا ہے۔

قَوْلُ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ ۝ الَّذِيْنَ هُمْ يُوْاْءُوْنَ ۝ یہ حال منافقین کا بیان فرمایا ہے جو لوگوں کو دکھلانے اور اپنے دعوائے اسلام کو ثابت کرنے کے لئے نماز تو پڑھتے ہیں مگر چونکہ وہ نماز کی فرضیت ہی کے معتقد نہیں اسلئے نہ اوقات کی پابندی کرتے ہیں نہ اصل نماز کی، جہاں دکھلایا موقع ہوا پڑھ لی، ورنہ ترک کر دی عَنْ صَلَاتِهِمْ فِی نَفْثِ عَنْ کا مفہوم یہی ہے کہ اصل نماز ہی سے بے پروائی اختیار کرے جو منافقین کی عادت ہے اور نماز کے اندر کچھ ہو و نسیان ہو جانا جس سے کوئی مسلمان یہاں تک کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی خالی نہیں، وہ اس کلمہ کی مراد نہیں ہے کیونکہ اس پر وعید دہل جہنم کی نہیں ہو سکتی، اور اگر یہ مراد ہوتی تو عَنْ صَلَاتِهِمْ کے بجائے فِی صَلَاتِهِمْ فرمایا جاتا، احادیث صحیحہ میں متعدد مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نماز میں سہو واقع ہونا ثابت ہے وَیَنْعَوْنَ الْمَاعُوْنَ ماعون کے اصل لفظی معنی ہنسی قلیل و حقیر کے ہیں اسلئے ماعون ایسی استعالیٰ اشیاء کو کہا جاتا ہے جو عاۓہ ایک دوسرے کو عاریۃ دی جاتی ہیں اور جن کا باہم لین دین عام انسانیت کا تقاضا سمجھا جاتا ہے جیسے کلہاڑی پھاڑہ یا کھانے پکانے کے برتن جنکا ضرورت کے وقت پڑوسیوں سے مانگ لینا کوئی عیب نہیں سمجھا جاتا اور جو ایسے دینے سے بخل کرے وہ بڑا کنجوس کہینہ سمجھا جاتا ہے۔ مگر آیت مذکورہ میں لفظ ماعون سے مراد زکوٰۃ ہے اور زکوٰۃ کو ماعون اسلئے کہا گیا ہے کہ وہ مقدار کے اعتبار سے نسبت بہت قلیل ہے یعنی صرف چالیسواں حصہ، حضرت علیؓ، ابن عمرؓ، حسن بصریؒ، قتادہؒ، حنکافؒ وغیرہ جمہور مفسرین نے اس آیت میں ماعون کی تفسیر زکوٰۃ ہی سے کی ہے (منظری) اور اس کے نہ دینے پر جو عذاب و دہل جہنم کا مذکور ہے وہ بھی ترک فرض ہی پر ہو سکتا ہے اشیاء استعمال کا دوسروں کو دینا بہت بڑا ثواب اور انسانیت و مروت کے لحاظ سے ضروری ہی مگر فرض و واجب نہیں جس کے روکنے پر جہنم کی وعید ہو، اور بعض روایات حدیث میں جو اس جگہ ماعون کی تفسیر استعالیٰ اشیاء اور برتنوں سے کی گئی ہے اسکا مطلب ان لوگوں کی انتہائی خست کا اظہار ہے کہ یہ زکوٰۃ تو کیا دیتے استعالیٰ اشیاء جن کے دینے میں اپنا کچھ فرج نہیں ہوتا اس میں بھی کنجوسی کرتے ہیں، تو وعید صرف ان اشیاء کے نہ دینے پر نہیں بلکہ زکوٰۃ فرض کی عدم ادائیگی اور اسکے ساتھ مزید بخل شدید پر ہے واللہ اعلم۔

سُورَةُ الْكَوثرِ

سُورَةُ الْكَوثرِ فَكَيْفَ تَرَى ذَٰلِكَ اِيَّاكَ
سورہ کوثر مکہ میں نازل ہوئی اور اسکی تین آیتیں ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بےحد مہربان نہایت رحم والا ہے

اِنَّا اَعْطٰیْكَ الْكَوْثَرَ ۝۱ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ ۝۲ اِنَّ شَانِئَكَ

بیشک ہم نے دی تجھ کو کوثر
سو نماز پڑھ اپنے رب کے آگے اور قربانی کر بیشک جو دشمن ہے تیرا

هُوَ الْاَبْتَرُ ۝۳

وہی رہ گیا پیچھا کٹا

خلاصہ تفسیر

بیشک ہم نے آپ کو کوثر (جنت کی ایک حوض کا نام بھی ہے اور ہر خیر کثیر بھی اس میں شامل ہے) عطا فرمائی ہے (جس میں دنیا و آخرت کی ہر خیر و بھلائی شامل ہے) دنیا میں دین اسلام کی بقاء و ترقی اور آخرت میں جنت کے رجاۃ عالیہ سب داخل ہیں) سو (ان نعمتوں کے شکر میں) آپ اپنے پروردگار کی نماز پڑھئے (کیونکہ سب سے بڑی نعمت کے شکر میں سب سے بڑی عبادت چاہیئے اور وہ نماز ہے) اور تکمیل شکر کے لئے جسمانی عبادت کیساتھ مالی عبادت یعنی اُسی کے نام کی) قربانی کیجئے (جیسا دوسری آیتوں میں عموماً نماز کے ساتھ زکوٰۃ کا حکم ہے اس میں زکوٰۃ کے بجائے قربانی کا ذکر شاید اسلئے اختیار کیا گیا کہ قربانی میں مالی عبادت ہونے کے علاوہ مشرکین اور مشرکانہ رسوم کی علی مخالفت بھی ہے کیونکہ مشرکین بتوں کے نام کی قربانی کیا کرتے تھے۔ آگے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادے قاسم کی پچپن میں وفات پر بعض مشرکین نے جو یہ طعنہ دیا تھا کہ ان کی نسل نہ چلے گی اور ان کے دین کا سلسلہ جلد ختم ہو جائے گا، اسکا جواب ہے کہ آپ بفضلہ تعالیٰ بے نام و نشان نہیں ہیں بلکہ) بالیقین آپ کا دشمن ہی بے نام و نشان ہے (خواہ ظاہری نسل اس دشمن کی چلے یا نہ چلے لیکن دنیا میں اسکا ذکر خیر باقی نہیں رہے گا، بخلاف

آپ کے کہ آپ کی اُمت اور آپ کی یاد نیک نامی، محبت و اعتقاد کے ساتھ باقی رہے گی، اور یہ سب نعمتیں لفظ کوثر کے مفہوم میں داخل ہیں۔ اگر پیری اولاد کی نسل نہ ہو نہ سہی، جو نسل سے مقصود ہے وہ آپ کو حاصل ہو ہیگا کہ دنیا سے گزر کر آخرت تک بھی، اور دشمن اس سے محروم ہے)

معارف و مسائل

شانِ نزول | ابن ابی حاتم نے سدی سے اور بیہقی نے دلائل نبوت میں حضرت محمد بن علی بن حسینؑ سے نقل کیا ہے کہ جس شخص کی اولاد ذکر مر جائے اُس کو عرب اُبتَر کہا کرتے تھے یعنی مقطوع النسل۔ جو قت بنی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادے قاسم یا ابراہیم کا بچپن ہی میں انتقال ہو گیا تو کفار مکہ آپ کو اُبتَر کہہ کر ملعنہ دینے لگے ایسا کہنے والوں میں عاص بن دائل کا نام خاص طور پر ذکر کیا جاتا ہے اس کے سامنے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کیا جاتا تو کہتا تھا کہ اُن کی بات چھوڑو یہ کچھ فکر کرنے کی چیز نہیں کیونکہ وہ اُبتَر (مقطوع النسل) ہیں جب اُن کا انتقال ہو جائیگا ان کا کوئی نام لینے والا بھی نہ رہے گا، اس پر سورۃ کوثر نازل ہوئی (رواہ ابی حاتم و ابن کثیر و نظیری)

اور بعض روایات میں ہے کہ کعب بن اشرف یہودی ایک مرتبہ مکہ مکرمہ آیا تو قریش مکہ اسکے پاس گئے اور کہا کہ آپ اس نوجوان کو نہیں دیکھتے جو کہتا ہے کہ وہ ہم سب سے (دین کے اعتبار سے) بہتر ہے حالانکہ ہم حجاج کی خدمت میں آئے اور بیت اللہ کی حفاظت کرنے والے اور لوگوں کو پانی پلانے والے ہیں۔ کعب نے یہ سُن کر کہا کہ نہیں تم لوگ اس سے بہتر ہو، اس پر یہ سورۃ کوثر نازل ہوئی (ذکرہ ابن کثیر عن البزار باسناد صحیح و قد رواہ مسلم قالہ منطہری)

خلاصہ یہ ہے کہ کفار مکہ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیری اولاد نہ رہنے کے سبب اُبتَر ہونے کے طعن دیتے تھے یا دوسری وجہ سے آپ کی شان میں گستاخی کرتے تھے اُن کے جواب میں سورۃ کوثر نازل ہوئی ہے جس میں اُنکے طعنوں کا جواب بھی ہے کہ صرف اولادِ زنیہ کے نہ رہنے سے آپ کو مقطوع النسل یا مقطوع الذکر کہنے والے حقائق سے بے خبر ہیں۔ آپ کی نسلِ نبی بھی انشاء اللہ دنیا میں تاقیامت باقی رہے گی اگرچہ دُختری اولاد سے ہو اور نسل معنوی یعنی آپ پر ایمان لائیوالے مسلمان جو درحقیقت نبی کی اولاد معنوی ہوتے ہیں وہ تو اس کثر سے ہونگے کہ پچھلے تمام انبیاء علیہم السلام کی اُمتوں سے بھی بڑھ جائیں گے۔ اور اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اللہ کے نزدیک مقبول اور مکرم و عظیم ہونا بھی مذکور ہے جس سے کعب بن اشرف کے قول کی تردید ہو جاتی ہے۔ یہ سب مضمون سورۃ کی تیسری آیت میں آیا ہے۔

إِنَّا أَنْعَمْنَا عَلَى الْكَوْثَرِ، امام بخاری نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس کی تفسیر میں روایت کیا ہے کہ اُنھوں نے فرمایا کہ ”کوثر وہ خیر کثیر ہے جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا فرمائی ہے“ ابن عباس رضی اللہ عنہما کے خاص شاگرد سعید بن جبیرؓ نے کسی نے کہا کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ کوثر جنت کی ایک نہر کا نام ہے تو سعید بن جبیرؓ نے جواب دیا کہ (ابن عباسؓ کا قول اس کے منافی نہیں بلکہ) وہ نہر جنت جس کا نام کوثر ہے وہ بھی اس خیر کثیر میں

داخل ہے اسی لئے امام تفسیر مجاہد نے کوثر کی تفسیر میں فرمایا کہ وہ دنیا و آخرت دونوں کی خیر کثیر ہے، اس میں جنت کی خاص نہر کوثر بھی داخل ہے۔

حوض کوثر | بخاری، مسلم، ابوداؤد، نسائی نے حضرت انسؓ سے روایت کیا ہے۔ مسلم کے الفاظ یہ ہیں۔

بينما رسول الله صلى الله عليه وسلم بين اظهرونا في المسجد اذا غفي اغفاءة ثم رفع رأسه متبسمًا - قلنا ما اضحكتك يا رسول الله قال لقد انزلت علي انفا سورة فقرأ بسم الله الرحمن الرحيم انا اعطيتك الكوثر الخ ثم قال اتدرون ما الكوثر قلنا الله ورسوله اعلم قال فانه نهر من نهر ربي عن رجل عليه خير كثير وهو حوض ترد عليه امتي يوم القيامة انيته عدد نجوم في السماء فيحتلب العبد منهم فاقول رب اني من امتي فيقول انك لا ربي ما احدث بعدك

ایک روز جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں ہمارے درمیان تھے اچانک آپ پر ایک قسم کی نیند یا بیہوشی کی سی کیفیت طاری ہوئی پھر ہنستے ہوئے آپ نے سر مبارک اٹھایا، ہم نے پوچھا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے ہنسنے کا سبب کیا ہے، تو فرمایا کہ مجھ پر اسی وقت ایک سورت نازل ہوئی ہے پھر آپ نے بسم اللہ کے ساتھ سورہ کوثر پڑھی، پھر فرمایا تم جانتے ہو کوثر کیا چیز ہے، ہم نے عرض کیا اللہ و رسولہ علم، آپ نے فرمایا یہ ایک نہر جنت ہے جس کا میرے رب نے مجھے عہد فرمایا ہے جس میں خیر کثیر ہے اور وہ حوض ہے جس پر میری امت قیامت کے روز پانی پینے کے لئے آئے گی اسکے پانی پینے کے برتن آسمان کے ستاروں کی تعداد میں ہونگے اس وقت بعض لوگوں کو فرشتے حوض سے شاد بیگے تو میں کہوں گا کہ میرے پروردگار یہ تو میری امت میں ہے، اللہ تعالیٰ فرمائیگا کہ آپ نہیں جانتے کہ اسنے آپکے بعد کیا نیا دین اختیار کیا ہے۔

ابن کثیر نے اس روایت کو نقل کر کے مزید لکھا ہے،

وقد ورد في صفة الحوض يوم القيامة انه يشخب فيه ميزابان من السماء من نهر الكوثر وان انيته عدد نجوم السماء

حوض کی صفت میں روایات حدیث میں آیا ہے کہ اس میں دو پرنا لے آسمان سے گریں گے جو نہر کوثر کے پانی سے حوض کو بھریں گے اسکے برتن آسمان کے ستاروں کی تعداد میں ہوں گے

اس حدیث سے سورہ کوثر کا سبب نزول بھی معلوم ہوا اور لفظ کوثر کی صحیح تفسیر بھی یعنی خیر کثیر، اور یہ بھی کہ اس خیر کثیر میں وہ حوض کوثر بھی شامل ہے جو قیامت میں امت محمدیہ کو سیراب کرے گی۔ نیز اس روایت نے یہ بھی واضح کر دیا کہ اصل نہر کوثر جنت میں ہے اور یہ حوض کوثر میدان حشر میں ہوگی اس میں دو پرنا لوں کے ذریعہ نہر کوثر کا پانی ڈالا جائیگا۔ اس میں ان روایات کی بھی تطبیق ہو گئی جن سے معلوم ہوتا ہے کہ حوض کوثر پر امت کا ورود دخول جنت سے پہلے ہوگا، اور اس حدیث میں جو بعض لوگوں کو حوض کوثر سے شادینے کا ذکر ہے یہ وہ لوگ ہیں جو بعد میں اسلام سے پھر گئے یا پہلے ہی سے مسلمان نہیں تھے مگر منافقانہ اظہار اسلام

کرتے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ان کا نفاق کھل گیا، واللہ اعلم
احادیث صحیحہ میں حوض کوثر کے پانی کی صفائی اور شیرینی اور اُس کے کناروں کا جواہرات سے مرتع ہونے
کے متعلق ایسے اوصاف مذکور ہیں کہ دنیا میں ان کا کسی چیز پر قیاس نہیں کیا جاسکتا۔
اس سورۃ کا نزول اگر کفار کے طعنوں کے دفاع میں ہو جیسا کہ اوپر مذکور ہوا کہ آپ کی اولاد زینہ فوت
ہو جانے کی وجہ سے وہ آپ کو آبتر مقطوع النسل قرار دے کر کہا کرتے تھے کہ ان کا کام چند روزہ ہے پھر کوئی
نام لینے والا بھی نہ رہے گا تو اس سورۃ میں آپ کو کوثر عطا فرمانے کا ذکر جس میں حوض کوثر بھی شامل ہے ان
طعنہ زنون کی مکمل تردید ہے کہ ان کی نسل و نسب صرف یہی نہیں کہ دنیا کی عمر تک چلیگی بلکہ اُن کی روحانی اولاد
کا رشتہ محشر میں بھی عموماً ہوگا جہاں وہ تعداد میں بھی تمام اُمتوں سے زیادہ ہوں گے اور ان کا اعزاز و اکرام
بھی سب سے زیادہ ہوگا۔

فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ، انحر، نحر سے مشتق، اونٹ کی قربانی کو نحر کہا جاتا ہے جس کا مسنون طریقہ
اسکا پاؤں باندھ کر حلقوم میں نیزہ یا چھری مار کر خون بہا دینا ہے جیسا کہ گائے بکری وغیرہ کی قربانی کا طریقہ نحر کرنا
یعنی جانور کو نثار حلقوم پر چھری پھیرنا ہے۔ عرب میں چونکہ عموماً قربانی اونٹ کی ہوتی تھی اس لئے قربانی کرنے کے
لئے یہاں لفظ وانحرا استعمال کیا گیا۔ بعض اوقات لفظ نحر مطلقاً قربانی کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ اس
سورۃ کی پہلی آیت میں کفار کے زعم باطل کے خلاف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کوثر یعنی دنیا و آخرت کی ہر خیر
اور وہ بھی کثیر مقدار میں عطا فرمانے کی خوشخبری سنانے کے بعد اس کے شکر کے طور پر آپ کو دو چیز ذکی ہدایت
کی گئی ہے۔ ایک نماز، دوسرے قربانی۔ نماز بدنی اور جسمانی عبادتوں میں سب سے بڑی عبادت ہے اور
قربانی مالی عبادتوں میں اس بنا پر خاص امتیاز اور اہمیت رکھتی ہے کہ اللہ کے نام پر قربانی کرنا بت پرستی کے
شعار کے خلاف ایک جہاد بھی ہے کیونکہ اُن کی قربانیاں بتوں کے نام پر ہوتی تھیں۔ اسی لئے قرآن کریم کی ایک اور
آیت میں بھی نماز کے ساتھ قربانی کا ذکر فرمایا ہے اِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ
اس آیت میں وانحركے معنی قربانی ہونا حضرت ابن عباس، عطار، مجاہد اور حسن بصری وغیرہ سے مستند
روایات میں ثابت ہے۔ بعض لوگوں نے جو وانحركے معنی نماز میں سینہ پر ہاتھ باندھنے کے بعض ائمہ تفسیر کی
طرف منسوب کئے ہیں اس کے متعلق ابن کثیر نے فرمایا کہ روایت منکر (نا قابل اعتبار) ہے۔

اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ لفظ شَانِئ کے معنی بغض رکھنے والے عیب لگانے والے کے ہیں یہ آیت
اُن کفار کے متعلق نازل ہوئی ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آبتر مقطوع النسل ہونے کا طعنہ دیتے تھے۔
اکثر روایات میں عاص بن دائل، بعض میں عقبہ، بعض میں کعب بن اشرف اس کے مصداق ہیں۔ حق تعالیٰ
نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کوثر یعنی خیر کثیر عطا کی جس میں اولاد کثیر بھی داخل ہے آپ کے لئے اولاد کی کثرت
اس لحاظ سے ہے کہ نسی اولاد بھی آپ کی ماشار اللہ کچھ کم نہیں اور پیغمبر چونکہ پوری اُمت کا باپ ہوتا ہے اور

پوری اُمت اُس کی اولاد روحانی اور آپ کی اُمت پچھلے تمام انبیاء کی اُمتوں سے تعداد میں زیادہ ہوگی۔ ایک طرف تو ان دشمنوں کی بات کو اس طرح خاک میں ملا دیا دوسری طرف یہ بھی فرما دیا کہ جو لوگ آپ کو ابرہہ ہونے کا طعنہ دیتے ہیں وہ ہی ابرہہ ہیں۔

عبرت | اب غور کیجئے کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر کو حق تعالیٰ نے کیسی رفعت اور عظمت عطا فرمائی کہ آپ کے عہد مبارک سے آج تک پوری دنیا کے چپہ چپہ پاپ کا نام مبارک پانچ وقت اللہ کے نام کے ساتھ میناروں پر بچکارا جاتا ہے اور آخرت میں آپ کو شفاعت کبریٰ کا مقام محمود حاصل ہوگا، اسکے بالمقابل دنیا کی تاریخ سے پوچھئے کہ عاص بن دائل، عقبہ، کعب کی اولاد کہاں اور انکا خاندان کیا ہوا، خود ان کا نام بھی اسلامی روایات سے تفسیر آیات کے ذیل میں محفوظ ہو گیا ورنہ دنیا میں آج ان کا نام لینے والا کوئی باقی نہیں ہے۔

فَاعْتَبِرُوا يَا أُولِيَ الْأَبْصَارِ -

سُورَةُ الْكَافِرُونَ

سُورَةُ الْكَافِرُونَ فَكَيْتَرُ وَهِيَ سِتُّ آيَاتٍ

سورة کافرون مکہ میں نازل ہوئی اور اس کی چھ آیتیں ہیں

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بید مہربان نہایت رحم والا ہے

قُلْ يَٰ أَيُّهَا الْكَافِرُونَ ۝ لَا أَعْبُدُ مَا تَعْبُدُونَ ۝ وَلَا أَنْتُمْ عِبُدُونَ

تو کہہ اے مسکرو میں نہیں پوجتا جس کو تم پوجتے ہو اور نہ تم پوجو

مَا أَعْبُدُ ۝ وَلَا أَكْأَعْبُدُ مَا عَبَدْتُمْ ۝ وَلَا أَنْتُمْ عِبُدُونَ مَا

جسکو میں پوجوں اور نہ مجھ کو پوجنا ہے اسکا جس کو تم نے پوجا اور نہ تم کو پوجنا ہے اسکا جس کو

أَعْبُدُ ۝ لَكُمْ دِينُكُمْ وَلِيَ دِينِ ۝

میں پوجوں تم کو تمہاری راہ اور مجھ کو میری راہ

خلاصہ تفسیر

آپ (ان کافروں سے) کہہ دیجئے کہ اے کافرو (میرا تمہارا طریقہ ایک نہیں ہو سکتا اور) : (تو فی الحال) میں تمہارے معبودوں کی پرستش کرتا ہوں اور نہ تم میرے معبود کی پرستش کرتے ہو اور نہ (آئندہ استقبال میں) میں تمہارے معبودوں کی پرستش کروں گا اور نہ تم میرے معبود کی پرستش کرو گے (مطلب حق کے نزدیک یہ ہے کہ میں موقتہ ہو کر شرک نہیں کر سکتا نہ اب نہ آئندہ) اور تم شرک ہو کر موقتہ نہیں قرار دیئے جاسکتے نہ اب نہ آئندہ، یعنی توحید و شرک جمع نہیں ہو سکتے،

تم کو تمہارا بدلہ ملیگا اور مجھ کو میرا بدلہ ملیگا (اس میں اُن کے شرک پر وعید بھی منادی گئی۔)

معارف و مسائل

سورت کے فضائل اور خواص | حضرت صدیقِ عاشق نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ فجر کی سنتوں میں پڑھنے کے لئے دو سورتیں بہتر ہیں۔ سورۃ کافرون اور سورۃ اخلاص (رواہ ابن ہشام مظہری) اور تفسیر ابن کثیر میں متعدد صحابہ سے منقول ہے کہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو صبح کی سنتوں میں اور بعد مغرب کی سنتوں میں بکثرت یہ دو سورتیں پڑھتے ہوئے سنا ہے۔ بعض صحابہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ ہمیں کوئی دعا بتا دیجئے جو ہم سونے سے پہلے پڑھا کریں، آپ نے قل یا ایہا الکفرہون پڑھنے کی تلقین فرمائی اور فرمایا کہ یہ شرک سے برات ہے (رواہ الترمذی و ابوداؤد) اور حضرت جبریل بن مطعمؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ کیا تم یہ چاہتے ہو کہ جب سفر میں جاؤ تو وہاں تم اپنے سب رفقاء سے زیادہ خوشحال با مراد رہو اور تمہارا سامان زیادہ ہو جائے۔ انھوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ بیشک میں ایسا چاہتا ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ آخر قرآن کی پانچ سورتیں سورۃ کافرون، سورۃ نصر، سورۃ اخلاص، سورۃ الفلق اور سورۃ الناس پڑھا کر اور ہر سورۃ کو بسم اللہ سے شروع کر اور بسم اللہ ہی پر ختم کر دو۔ حضرت جبریلؓ فرماتے ہیں کہ اُس وقت میرا حال یہ تھا کہ سفر میں اپنے دوسرے ساتھیوں کے بالمقابل قلیل الزاد خستہ حال ہوتا تھا۔ جب سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس تعلیم پر عمل کیا میں سب سے بہتر حال میں رہنے لگا (مظہری بحوالہ ابویعلیٰ) اور حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بچھونے کاٹ لیا تو آپ نے پانی اور نمک منگایا اور یہ پانی کاٹنے کی جگہ لگاتے جاتے تھے اور قل یا ایہا الکفرہون قل اعوذ برب الفلق، قل اعوذ برب الناس پڑھتے جاتے تھے۔ (مظہری)

شان نزول | ابن سنی کی روایت ابن عباسؓ سے یہ ہے کہ ولید بن مغیرہ اور عاص بن وائل اور اسود بن عبدالمطلب اور امیہ بن خلف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور کہا کہ آؤ ہم آپس میں اس پر صلح کریں کہ ایک سال آپ ہمارے بتوں کی عبادت کیا کریں اور ایک سال ہم آپ کے معبود کی عبادت کریں (قرطبی) اور طبرانی کی روایت حضرت ابن عباسؓ سے یہ ہے کہ کفار مکہ نے اول تو باہمی مصالحت کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے یہ صورت پیش کی کہ ہم آپ کو اتنا مال دیتے ہیں کہ آپ سارے مکہ میں سب سے زیادہ مالدار ہو جائیں اور جس عورت سے آپ چاہیں آپکا نکاح کر دیں، آپ صرف اتنا کریں کہ ہمارے معبودوں کو بڑا نہ کہا کریں اور اگر آپ یہ بھی نہیں مانتے تو ایسا کریں کہ ایک سال ہم آپ کے معبود کی عبادت کیا کریں اور ایک سال آپ ہمارے معبودوں کی عبادت کیا کریں (مظہری) اور ابو صلح کی روایت حضرت ابن عباسؓ سے یہ ہے کہ کفار مکہ نے باہمی مصالحت کے لئے یہ صورت پیش کی تھی کہ آپ ہمارے بتوں میں سے بعض کو صرف ہاتھ لگا دیں تو ہم آپ کی تصدیق کرنے لگیں گے، اس پر جبریل امین سورۃ کافرون لیکر نازل ہوئے جس میں کفار کے اعمال سے برات اور خالص اللہ تعالیٰ کی عبادت کا حکم ہے۔

شان نزول میں جو متعدد واقعات بیان ہوئے ہیں اُن میں کوئی تضاد نہیں، ہو سکتا ہے کہ یہ واقعات بھی پیش آئے ہوں اور ان سب کے جواب میں یہ سورت نازل ہوئی ہو جسکا حاصل ایسی مصالحت سے روکنا ہے۔

لَا آعْبُدُ مَا تَعْبُدُونَ الْآیۃ، اس سورۃ میں یہ چند کلمات مکرر آئے ہیں، اس نکرار کو رفع کرنے کیلئے ایک تفسیر تو وہ ہے جس کو بخاری نے بہت سے مفسرین سے نقل کیا ہے کہ دو کلمے ایک مرتبہ زمانہ حال کے لئے، اور دوسری مرتبہ زمانہ مستقبل کے متعلق آئے ہیں اسلئے کوئی تکرار نہیں۔ مطلب یہ ہے کہ نہ تو بالفعل ایسا ہو رہا ہے کہ میں تمہارے معبودوں کی عبادت کروں اور تم میرے معبود کی عبادت کرو، اور نہ آئندہ ایسا ہو سکتا ہے کہ میں اپنی توحید پر تم اپنے شرک پر قائم رہتے ہوئے ایک دوسرے کے معبود کی عبادت کریں۔ اسی تفسیر کو حضرت حکیم الامتؒ نے تفسیر بیان القرآن میں اختیار فرمایا ہے جو اوپر خلاصہ تفسیر میں آچکی ہے مگر بخاری کی تفسیر میں کَلِمَہ دِیْنِہِ کی تفسیر دِیْنِ بمعنی مذہب اسلام و کفر سے کی ہے اور مطلب یہ قرار دیا ہے کہ مصالحت کی مجوزہ صورت قابل قبول نہیں میں تو اپنے دین پر قائم ہوں ہی تم بھی اپنے دین پر مصر ہو تو تم جانو، اسکا انجام تمہیں بھگتنا ہے اور بیان القرآن میں دین کو بمعنی جزا قرار دیا ہے۔

دوسری تفسیر وہ ہے جس کو ابن کثیر نے اختیار فرمایا ہے کہ حرف مَا لغت عرب میں جیسا اسم موصول الذی کے معنی میں آتا ہے ایسا ہی کبھی مصدری معنی کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے کہ وہ جس فعل پر داخل ہو اسکو بمعنی مصدر کر دیتا ہے۔ اس سورت میں پہلی جگہ تو حرف مَا اسم موصول الذی کے معنی میں ہے اور دوسری جگہ مَا مصدر کے تشریح کی ہے کہ پہلے جملہ لَا آعْبُدُ مَا تَعْبُدُونَ وَلَا أَنْتُمْ عِبُدُوہُمْ مَا آعْبُدُہُمْ کے معنی یہ ہوئے کہ جن معبودوں کی تم عبادت کرتے ہو میں اُن کی عبادت نہیں کرتا اور جس معبود کی میں عبادت کرتا ہوں اسکی تم نہیں کرتے۔ اور دوسرے جملے وَلَا اَنَا عَابِدُ مَا عَبَدْتُمْ تَعْبُدُوہُمْ وَلَا أَنْتُمْ عِبُدُوہُمْ مَا آعْبُدُہُمْ میں صرف مَا مصدر یہ ہے اور معنی یہ ہر لانا انا عابد عبادتکم ولا انتم عابدون عبادتی، یعنی ہماری اور تمہاری عبادت کے طریقے ہی الگ الگ ہیں، میں تمہارے طرز کی عبادت نہیں کر سکتا اور تم جب تک ایمان نہ لاؤ تو میرے طرز کی عبادت نہیں کر سکتے۔ اس طرح پہلے جملے میں معبودوں کا اختلاف بتلایا اور دوسرے جملے میں عبادت کے طرز و طریقہ کے اختلاف کو ظاہر کیا، حاصل یہ ہوا کہ نہ تمہارے اور ہمارے معبود میں اشتراک ہے نہ طریق عبادت میں، اس طرح تکرار رفع ہوا اور طریق عبادت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کا وہ ہے جو آپ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بذریعہ وحی بتلایا گیا، اور مشرکین کے طریقے خود ساختہ ہیں۔

ابن کثیر نے اس تفسیر کو رابع قرار دیتے ہوئے فرمایا کہ کلمۃ اسلام لَا اِلٰهَ اِلَّا اللہ محمد رسول اللہ سے پہلی غیوم غلغلا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اور طریق عبادت وہ معتبر ہے جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے سے ہم تک پہنچا ہے، اور کَلِمَہ دِیْنِہِ کی تفسیر میں ابن کثیر نے فرمایا کہ یہ جملہ ایسا ہی ہے جیسے دوسری جگہ قرآن کریم کا ارشاد ہے فَإِنْ كُنَّ بُولُوكُمْ فَقُلْ لِي عَمَلِي وَلَكُمْ عَمَلُكُمْ اور دوسری جگہ ہے لَنَا أَعْمَالُنَا وَلَكُمْ أَعْمَالُكُمْ اسکا حاصل یہ ہے

کہ نغظ دین کو ابن کثیر نے بھی اعمال دین کے معنی میں لیا ہے اور پھر مقصود اس سے وہی ہوگا جو بیان القرآن میں بیان کیا گیا کہ ہر ایک کو اپنے اپنے عمل کی جزا سزا خود بھگتنی پڑے گی۔

اور بعض مفسرین نے ایک تیسری تفسیر یہ اختیار کی کہ حرف ما دونوں جگہ موصولہ ہی ہے اور حال استقبال کا بھی فرق نہیں بلکہ یہ دو جملے فی الواقع مکرر لائے گئے ہیں مگر ہر تکرار برا نہیں ہوتا، بہت جگہ تکرار تقاضاً بلاغت ہوتا ہے جیسا کہ فِانَ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا میں ہے۔ یہاں اس تکرار کا مقصد تاکید مضمون بھی ہے اور یہ بھی کہ کفار کی طرف سے چونکہ ایسی مصالحت کی پیش کش متعدد مرتبہ کی گئی تو متعدد جملوں سے اُس کو رد کیا گیا (نقلہ ابن جریر - ابن کثیر)

کفار سے معاہدہ صلح کی بعض صورتیں جائز ہیں بعض ناجائز رد کر کے اعلان برات کیا گیا، مگر خود قرآن کریم میں یہ ارشاد بھی موجود ہے وَ اِنْ جَاءَكُمْ الْمُشْكَوْنَ فَاُجْبِمْ لَهُمْ، یعنی کفار اگر صلح کی طرف جھکیں تو آپ بھی جھک جائیے (یعنی معاہدہ صلح کر لیجئے) اور مدینہ طیبہ جب آپ ہجرت کر کے تشریف لے گئے تو یہود مدینہ سے آپ کا معاہدہ صلح مشہور و معروف ہے اسلئے بعض مفسرین نے سورۃ کافرون کو منسوخ کہہ دیا اور منسوخ کہنے کی بڑی وجہ آیت لَكُمْ دِينُكُمْ وَ دِيْنِ كُوفَرٍ دِیْنِ كُوفَرٍ دِیْنِ كُوفَرٍ دِیْنِ كُوفَرٍ کے منافی ہے مگر صحیح یہ ہے کہ یہاں لَكُمْ دِينُكُمْ کا یہ مطلب نہیں کہ کفار کو کفر کی اجازت یا کفر پر برقرار رکھنے کی ضمانت دیدی گئی بلکہ اسکا حاصل وہی ہے جو لَنَا اَعْمَالُنَا وَ لَكُمْ اَعْمَالُكُمْ کا ہے جسکا مطلب یہ ہے کہ جیسا کرو گے ویسا بھگتو گے اسلئے راجح اور صحیح جمہور کے نزدیک یہ ہے کہ یہ سورت منسوخ نہیں، جس قسم کی مصالحت سورۃ کافرون کے نزول کا سبب بنی وہ جیسے اُسوقت حرام تھی آج بھی حرام ہے اور جس صورت کی اجازت آیت مذکورہ میں آئی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے معاہدہ یہود سے عملاً ظاہر ہوئی، وہ جیسے اُسوقت جائز تھی آج بھی جائز ہے۔ بات صرف موقع و محل کو سمجھنے اور شرائط صلح کو دیکھنے کی ہے جسکا فیصلہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث میں فرما دیا ہے جس میں کفار سے معاہدہ کو جائز قرار دینے کے ساتھ ایک استثناء کا ارشاد ہے وہ یہ ہے اِلَّا صِلَا اَحْلَ حَرَامًا وَاَوْ حَرَمَ حَلَالًا، یعنی ہر صلح جائز ہے بجز اُس صلح کے جس کی رو سے اللہ کی حرام کی ہوئی کسی چیز کو حلال یا حلال کی ہوئی چیز کو حرام قرار دیا گیا ہو۔ اب غور کیجئے کہ کفار مکہ نے صلح کی جو صورتیں پیش کی تھیں، اُن سب میں کم از کم کفر و اسلام کی حدود میں التباس یقینی ہے اور بعض صورتوں میں تو اصول اسلام کے خلاف شرک کا ارتکاب لازم آتا ہے، ایسی صلح سے سورۃ کافرون نے اعلان برات کر دیا، اور دوسری جگہ جس صلح کو جائز قرار دیا اور معاہدہ یہود سے اُس کی عملی صورت معلوم ہوئی، اس میں کوئی چیز ایسی نہیں جس میں اصول اسلام کا خلاف کیا گیا ہو یا کفر و اسلام کی حدود آپس میں ملتیں ہوئی ہوں۔ اسلام سے زیادہ کوئی مذہب رواداری، حسن سلوک صلح و سالمیت کا داعی نہیں مگر صلح اپنے انسانی حقوق میں ہوتی ہے۔ خدا کے قانون اور اصول دین میں کسی صلح مصالحت کی کوئی گنجائش نہیں۔ واللہ اعلم

سُورَةُ النَّصْرِ

سُورَةُ النَّصْرِ قَدْ نَزِلَتْ وَهِيَ ثَلَاثُ آيَاتٍ
سورة نصر مدینہ میں نازل ہوئی اور اسکی تین آیتیں ہیں

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بید مہربان نہایت رحم والا ہے

إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللَّهِ وَالْفَتْحُ ۝ وَرَأَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُونَ فِي دِينِ

جب پہنچ چکے مدد اللہ کی اور فیصلہ اور تو دیکھے لوگوں کو داخل ہوتے دین میں

اللَّهِ أَفْوَاجًا ۝ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ ۚ إِنَّهُ كَانَ تَوَّابًا ۝

غول کے غول تو پاکی بول اپنے رب کی خوبیاں اور گناہ بخشوا اس سے، بیشک وہ معاف کرنے والا ہے

خلاصہ تفسیر

(اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) جب خدا کی مدد اور (مسک کی) فتح (مع اپنے اشارے) آپ پہنچے اور اس فتح پر مرتب ہونے والے آثار یہ ہیں کہ آپ لوگوں کو اللہ کے دین (اسلام) میں جوق جوق داخل ہوتا دیکھ لیں، تو (اُسوقت سمجھئے کہ مقصود دنیا میں رہنے کا اور آپ کی بعثت کا جو تکمیل دین تھا وہ پورا ہو چکا، اور اب سفر آخرت قریب ہے اُس کے لئے تیاری کیجئے اور) اپنے رب کی تسبیح و تحمید کیجئے اور اُس سے مغفرت کی درخواست کیجئے (یعنی ایسے امور جو خلاف اولیٰ واقع ہو گئے اُن سے مغفرت مانگئے) وہ بڑا توبہ قبول کرنے والا ہے۔

معارف و مسائل

یہ سورۃ باجماع مدنی ہے اور اسکا نام سُورَةُ التَّوْدِيعِ بھی ہے، تودیع کے معنی کسی کو رخصت کرنے کے ہیں اس سورۃ میں چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات قریب ہونے کی طرف اشارہ ہے اسلئے اس کو سُورَةُ التَّوْدِيعِ بھی کہا گیا۔

قرآن مجید کی آخری سورۃ اور آخری آیت | صحیح مسلم میں حضرت ابن عباسؓ سے منقول ہے کہ سورۃ نصر قرآن کی آخری سورۃ ہے (قرطبی) مطلب یہ ہے کہ اس کے بعد کوئی مکمل سورۃ نازل نہیں ہوئی بعض آیات کا نزول جو اسکے بعد ہونا بعض روایات میں ہے وہ اس کے منافی نہیں، جیسا کہ سورۃ فاتحہ کو قرآن کی سب سے پہلی سورۃ اسی معنی میں کہا جاتا ہے کہ مکمل سورۃ سب سے پہلے فاتحہ نازل ہوئی ہے۔ سورۃ اقرار اور مدثر وغیرہ کی چند آیات کا اس سے پہلے نازل ہونا اس کے منافی نہیں۔

حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا کہ یہ سورۃ حجتہ الوداع میں نازل ہوئی اس کے بعد آیت الْيَوْمَ اكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ نازل ہوئی، ان دونوں کے نزول کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا میں صرف اسی روز رہے (اسی روز کے بعد وفات ہو گئی) ان دونوں کے بعد آیت کلامہ نازل ہوئی جس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر شریف کے کل پچاس دن رہ گئے تھے اس کے بعد آیت لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنْفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ آلاءِ نازل ہوئی جس کے بعد عمر شریف کے کل پچیس روز باقی تھے اسکے بعد آیت إِشْقُوا يَوْمَ تَرْجَعُونَ فِيهِ إِلَى اللَّهِ نازل ہوئی جس کے بعد صرف اکیس روز اور مقاتل کی روایت میں صرف سات روز کے بعد وفات ہو گئی (قرطبی)

اس پر سب کا اتفاق ہے کہ اس آیت إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللَّهِ وَالْفَتْحُ میں فتح سے فتح مکہ مراد ہے، اور اس میں اختلاف ہے کہ یہ سورۃ فتح مکہ سے پہلے نازل ہوئی ہے یا بعد میں، لفظ إِذَا جَاءَ سے بظاہر قبل فتح نازل ہونا معلوم ہوتا ہے اور روح المعانی میں بحر محیط سے ایک روایت بھی اسکے موافق نقل کی ہے جس میں اس سورۃ کا نزول غزوہ خیبر سے ٹوٹنے کے وقت بیان کیا گیا، اور خیبر کی فتح فتح مکہ سے مقدم ہونا معلوم و معروف ہے اور روح المعانی میں بسند عبد بن حمید حضرت قتادہ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس سورۃ کے نزول کے بعد دو سال زندہ رہے۔ اسکا حاصل بھی یہی ہے کہ اسکا نزول فتح مکہ سے پہلے ہوا کیونکہ فتح مکہ سے وفات تک دو سال سے کم مدت ہے۔ فتح مکہ رمضان سنہ ہجری میں ہوئی اور وفات ربیع الاول سنہ ہجری میں۔ اور جن روایات میں اسکا نزول فتح مکہ یا حجتہ الوداع میں نازل ہونا بیان کیا گیا ہے اُن کا مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ اس موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سورۃ پڑھی ہوگی جس سے لوگوں کو یہ خیال ہوا کہ یہ ابھی نازل ہوئی ہے۔ مزید تحقیق اس کی بیلک القرآن میں مذکور ہے۔

متعدد احادیث مرفوعہ اور آثار صحابہ میں ہے کہ اس سورۃ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کا وقت قریب آجانے کی طرف اشارہ ہے کہ اب آپؐ کی بعثت اور دنیا میں قیام کا کام پورا ہو چکا اب تسبیح و استغفار میں لگ جائیے۔ مقاتل کی روایت میں ہے کہ جب یہ سورت نازل ہوئی تو آپؐ نے صحابہ کرام کے مجمع کے سامنے اس کی تلاوت فرمائی جن میں حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ اور سعد بن ابی وقاصؓ وغیرہ موجود تھے سب اس کو سن کر خوش ہوئے کہ اس میں فتح مکہ کی خوشخبری ہے مگر حضرت عباسؓ نے رونے لگے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ رونے کا کیا سبب ہے تو حضرت عباسؓ نے عرض کیا کہ اس میں تو آپؐ کی وفات کی خبر مضمر ہے آنحضرت

۲۰

سُورَةُ الْهَبِ

سُورَةُ الْهَبِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ خَمْسُ آيَاتٍ
سورة لہب مکہ میں نازل ہوئی اور اسکی پانچ آیتیں ہیں

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

تَبَّتْ يَدَا أَبِي لَهَبٍ وَتَبَّ ۝ مَا أَغْنَىٰ عَنْهُ مَالُهُ وَمَا كَسَبَ ۝

ٹوٹ گئے ہاتھ ابی لہب کے اور ٹوٹ گیا وہ آپ کا مال اُس کا اور نہ جو اُس نے کمایا

سَيَصْلَىٰ نَارًا ذَاتَ لَهَبٍ ۝ وَامْرَأَتُهُ حَمَّالَةَ الْحَطَبِ ۝

اب پڑے گا ڈیگ مارتی آگ میں اور اُس کی جوڑو جو سر پر لئے پھرتی ہے ایندھن

فِي جِيدِهَا حَبْلٌ مِّن مَّسَدٍ ۝

اُس کی گردن میں رسی ہے مونجھ کی

خلاصہ تفسیر

ابو لہب کے ہاتھ ٹوٹ جائیں اور وہ برباد ہو جائے۔ نہ اُس کا مال اُس کے کام آیا اور نہ اُس کی کمائی (مال سے مراد مہل سرمایہ اور کمائی کو مراد اسکا نفع ہے۔ مطلب یہ ہے کہ کوئی سامان اُس کو ہلاکت سے نہ بچا دے گا، یہ حالت تو اس کی دنیا میں ہوئی اور آخرت میں) وہ عقرب (یعنی مرتے ہی) ایک شعلہ زن آگ میں دھل ہوگا، وہ بھی اور اُس کی بیوی بھی جو لکڑیاں لا کر لاتی ہے (مراد خاں دار لکڑیاں ہیں جن کو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے استہین پچھا دیتی تھی تاکہ آپ کو تکلیف پہنچے اور دوزخ میں پہنچے) اُس کے گلے میں (دوزخ کی زنجیر اور طوق ہوگا کہ گویا وہ) ایک رسی ہوگی خوب بٹی ہوئی (تشبیہ شدت اور استحکام میں ہے)

معارف و مسائل

ابو لہب کا اصل نام عبد العزیٰ تھا، یہ عبد المطلب کی اولاد میں سے ہے۔ سُرخ رنگ ہونے کی وجہ سے

اس کی کنیت ابو لہب مشہور تھی۔ قرآن کریم نے اسکا اصلی نام اسلئے چھوڑا کہ وہ نام بھی مشرکانہ تھا اور ابو لہب کنیت میں، لہب جہنم سے ایک مناسبت بھی تھی۔ یہ شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بید دشمن اور اسلام کا شدید مخالف، آپ کو سخت ایذاں دینے والا تھا، جب آپ لوگوں کو ایمان کی دعوت دیتے یہ ساتھ لگ جاتا اور آپ کی تکذیب کرتا جاتا تھا (ابن کثیر)

شان نزول صحیحین میں ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر آیت **وَإِنَّ زُجْجَرْتَ لَكَ الْكَافِرِينَ** نازل ہوئی تو آپ نے کوہ صفا پر چڑھ کر اپنے قبیلہ قریش کے لوگوں کو آواز دی، بعض روایات میں ہے کہ یا صبا حاہ کہہ کر یا بنی عبد مناف اور یا بنی عبد المطلب وغیرہ ناموں کیساتھ آواز دی (اس طرح آواز دینا عرب میں خطہ کی علامت سمجھا جاتا تھا) سب قریش جمع ہو گئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر میں تمہیں یہ خبر دوں کہ دشمن تم پر چڑھ آیا ہے اور صبح شام میں تم پر ٹوٹ پڑنے والا ہے کیا آپ لوگ میری تصدیق کر دو گے۔ سب نے یکنے بان ہو کر کہا کہ ہاں ضرور تصدیق کریں گے، پھر آپ نے فرمایا کہ میں تمہیں ڈراتا ہوں ایک عذاب شدید سے (جو شرک کفر پر اللہ کی طرف سے مقرر ہے) یہ سن کر ابو لہب نے کہا **تَبَّأَ لَكَ الْهَلْدُ أَجْمَعَتْنَا**۔ ہلاکت ہو تیرے لئے کیا تو نے ہمیں اس کے لئے جمع کیا تھا اور آپ کو مارنے کیلئے ایک پتھر اٹھالیا، اس پر یہ سورت نازل ہوئی۔

تَبَّأَ لَكَ الْهَلْدُ وَتَبَّأَ، یہ دوسرے صلی معنی ہاتھ کے ہیں، چونکہ انسان کے سب کام نہیں بڑا دخل ہاتھوں کو ہے اس لئے کسی شخص کی ذات اور نفس کو یہ سے تعبیر کر دیتے ہیں جیسے قرآن میں ہے **بِمَا قَاتَلْتُمُ بَنِي إِدْرِیٰ** اور بیہقی نے ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے کہ ابو لہب نے ایک روز لوگوں سے کہا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کہتے ہیں کہ مرنے کے بعد فلاں فلاں کام ہونگے پھر اپنے ہاتھوں کی طرف اشارہ کر کے کہنے لگا کہ ان ہاتھوں میں ان چیزوں میں سے کچھ بھی آیا نہیں پھر اپنے ہاتھوں کو مخاطب کر کے کہنے لگا **تَبَّأَ لَكَ الْهَلْدُ** ما ادریٰ فیکما شیئاً مما قال محمد، یعنی تم برباد ہو جاؤ میں تمہارے اندر ان چیزوں میں سے کچھ بھی نہیں دیکھتا جن کے ہونے کی خبر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) دیتے ہیں اس کی مناسبت سے قرآن کریم نے ہلاکت کو ہاتھوں کی طرف منسوب کیا۔

تَبَّأَ، تباب سے مشتق ہے، جس کے معنی ہیں ہلاک و برباد ہو، اس آیت میں پہلا جملہ **تَبَّأَ لَكَ الْهَلْدُ** بطور بددعا کے ہے یعنی ابو لہب ہلاک ہو جائے اور دوسرا جملہ یعنی **تَبَّأَ** جملہ خبریہ ہے گویا بددعا کے ساتھ اسکا اثر بھی بتلا دیا کہ وہ ہلاک ہو گیا اور جملہ بددعا کا مسلمانوں کے شفا غیظ کے لئے ارشاد فرمایا گیا کیونکہ جس وقت ابو لہب نے آپ کی شان میں تبأ کہا تو مسلمانوں کے دل کی خواہش تھی کہ وہ اس کے لئے بددعا کریں، حق تعالیٰ نے گویا اُن کے دل کی بات خود فرمادی اور ساتھ ہی یہ خبر بھی دیدی کہ یہ بددعا اسکو لگ بھی گئی اور وہ ہلاک ہو گیا۔ قرآن نے اسکی ہلاکت و بربادی کی خبر جو پہلے ہی دیدی تھی اسکا اثر یہ ہوا کہ واقعہ بدر کے سات روز بعد اسکے طاعون کی گلی ٹپکی جس کو عرب عدسہ کہتے ہیں۔ مرض دوسروں کو لگ جانیکے خوف سے سب گھروالوں نے اسکو الگ ڈال دیا یہاں تک کہ اسی کے کسی کی حالت میں مر گیا اور تین روز تک سکی لاش پونہی

پڑی رہی، جب سڑنے لگا تو مزدوروں سے اٹھوا کر دبوادیا۔ اُنھوں نے ایک گڑھا کھود کر ایک لکڑی سے اُس کی لاش کو گڑھے میں ڈال دیا اور پھر پتھر بھر دیئے (بیان القرآن بحوالہ روح)

مَا أَغْنَىٰ عَنْهُ مَالُهُ وَلَا كَسْبُهُ، ناکسب کے معنی ہیں جو کچھ اس نے کمایا، اس سے مراد وہ منافع تجارت وغیرہ بھی ہو سکتے ہیں جو مال کے ذریعہ حاصل کئے جاتے ہیں جیسا کہ خلاصہ تفسیر میں کہا گیا ہے اور اولاد بھی مراد ہو سکتی ہے کیونکہ اولاد کو بھی انسان کی کمائی کہا جاتا ہے۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان اطیب ما اکل الرجل من کسبه وان ولده من کسبه یعنی جو کھانا آدمی کھاتا ہے اس میں سب سے زیادہ حلال طیب وہ چیز ہے جو آدمی اپنی کمائی سے حاصل کرے اور آدمی کی اولاد بھی اسکے کسب میں داخل ہے یعنی اولاد کی کمائی کھانا بھی اپنی ہی کمائی سے کھانا ہے (قرطبی) اسی لئے حضرت عائشہؓ، مجاہد، عطاء، ابن سیرین وغیرہ نے اس جگہ ناکسب کی تفسیر اولاد سے کی ہے ابوہب کو اللہ تعالیٰ نے مال بھی بہت دیا تھا اولاد بھی، یہی دونوں چیزیں ناشکری کی وجہ سے اُسکے فخر و غرور اور دیال کا سبب بنیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ جس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی قوم کو اللہ کے عذاب سے ڈرایا تو ابوہب نے یہ بھی کہا تھا کہ جو کچھ میرا بھتیجہ کہتا ہے اگر وہ حق ہی ہوا تو میرے پاس مال و اولاد بہت ہے میں اسکو دیکر اپنی جان بچاؤں گا، اس پر یہ آیت نازل ہوئی مَا أَغْنَىٰ عَنْهُ مَالُهُ وَلَا كَسْبُهُ یعنی جب اس کو خدا تعالیٰ کے عذاب نے پکڑا تو نہ اُس کا مال کام آیا نہ اولاد، یہ تو حال اسکا دنیا میں ہوا، آگے آخرت کا ذکر ہے۔

سَيَصْلَىٰ نَارًا ذَاتَ لَهَبٍ، یعنی قیامت کے بعد یا مرنیکے فوراً بعد قبر ہی میں یہ ایک شعلہ زن آگ میں داخل ہوگا۔ اسکے نام کی مناسبت سے آگ کیساتھ ذات لہب کی صفت میں خاص بلاغت ہے۔

وَأَمْرًا أَنْ حَمَلَتْهُ الْهَاطِبُ، جس طرح ابوہب کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سخت غیظ اور دشمنی تھی اُس کی بیوی بھی اس دشمنی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایذا رسانی میں اس کی مدد کرتی تھی۔ یہ ابوسفیان کی بہن بنت حرب بن امیہ ہے جس کو ام جمیل کنیت کے اعتبار سے کہا جاتا ہے۔ قرآن کریم کی اس آیت نے بتلایا کہ یہ بدعت بھی اپنے شوہر کیساتھ جہنم کی آگ میں جائیگی اسکے ساتھ اسکا ایک حال یہ بتلایا کہ وہ حَمَلَتْهُ الْهَاطِبُ ہے۔ جس کے فعلی معنی ہیں سوختہ کی لکڑیاں لادنے والی۔ یعنی آگ لگانے والی عرب کے مجاورات میں چغلی خوری کرنے والے کو حال الحطب کہا جاتا تھا کہ جیسے کوئی سوختہ کی لکڑیاں جمع کر کے آگ لگانے کا سامان کرتا ہے چغلی خور کا عمل بھی ایسا ہی ہے کہ وہ اپنی چغلی خوری کے ذریعہ افراد اور خاندانوں میں آگ بھڑکا دیتا ہے یہ عورت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کی ایذا رسانی کے لئے چغلی خوری کا کام بھی کرتی تھی۔ اس آیت میں ابوہب کی بیوی کو حَمَلَتْهُ الْهَاطِبُ کہنے کی تفسیر حضرت ابن عباس، مجاہد، عکرمہ وغیرہ ایک جماعت مفسرین نے یہی کی ہے کہ یہ چغلی خوری کرنے والی تھی، اور ابن زید، ضحاک وغیرہ مفسرین نے اسکو اپنے حقیقی معنی میں رکھا ہے جس کی وجہ یہ بتلایا ہے کہ یہ عورت جنگل سے خار دار لکڑیاں جمع کر کے لاتی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے راستے

میں بچھا دیتی تھی تاکہ آپ کو تکلیف پہنچے اس کی اس ذیل دسویں حرکت کو قرآن نے قتالۃ الخطیۃ سے تعبیر فرمایا ہے (قرطبی، ابن کثیر) اور بعض حضرات نے فرمایا کہ اسکا یہ حال جہنم میں ہو گا کہ اپنے شوہر پر جہنم کے درختوں و قوم وغیرہ کی لکڑیاں کر ڈالیں تاکہ انکی آگ اور بھڑک جائے جس طرح دنیا میں وہ اسکے کفر و ظلم کو بڑھاتی تھی آخرت میں اسکے عذاب کو بڑھائیگی (ابن کثیر) چغلی خوری سخت گناہ کبیرہ ہے | حدیث مسیح میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جنت میں چغلی خور داخل نہ ہو گا اور حضرت فضیل بن عیاض ؓ نے فرمایا کہ تین عمل ایسے ہیں جو انسان کے تمام اعمال صالحہ کو برباد کر دیتے ہیں روزہ داں کا روزہ اور وضو والے کا وضو خراب کر دیتے ہیں یعنی غیبت اور چغلی خوری اور جھوٹ۔ عطار بن سائب فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت شعبیؒ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث کا ذکر کیا جس میں آپؐ نے فرمایا ہے کہ لایں خلل الجنتہ سافلک دم ولا مشاء بنیمتہ ولا تاجیری، یعنی تین قسم کے آدمی جنت میں نہ داخل ہوں گے۔ ناحق خون بہانے والا اور چغلی خور کرنے والا، اور وہ تاجر جو سود کا کاروبار کرے۔ عطار کہتے ہیں کہ میں نے اس حدیث کا ذکر کر کے شعبیؒ سے بطور تعجب کے دریافت کیا کہ حدیث میں چغلی خور کو قاتل اور سود خور کی برابر بیان فرمایا ہے۔ انھوں نے کہا کہ ہاں چغلی خوری تو ایسی چیز ہے کہ اس کی وجہ سے قتل ناحق اور غضب اموال کی نوبت آجاتی ہے (قرطبی)

رَفِیْ حَبْلٍ ۖ هَا حَبْلٌ مِّنْ مَّسَدٍ، مَسَدٌ بَسْکُونِ السَّیْنِ مصدر ہے جس کے معنی رستی یا ڈور بننے یا اسکے تار پر تار چڑھا کر مضبوط کرنے کے ہیں اور مَسَدٌ بفتح میم دسین اُس رستی یا ڈور کو کہا جاتا ہے جو مضبوط بنائی گئی ہو خواہ وہ کسی چیز کی ہو، کھجور یا ناریل وغیرہ سے یا آہنی تاروں سے ہر طرح کی مضبوط رستی اس میں داخل ہے کذا فی القاموس) بعض حضرات نے جو خاص کھجور کی رستی اسکا ترجمہ کیا ہے۔ وہ عرب کی عام عادت کے مطابق کیا گیا ہے اصل مفہوم عام ہے۔ اسی مفہوم عام کے اعتبار سے حضرت ابن عباس عروہ بن زبیر وغیرہ نے فرمایا کہ یہاں حَبْلٌ مِّنْ مَّسَدٍ سے مراد لوہے کے تاروں سے بٹا ہوا رستا ہے اور یہ اسکا حال جہنم میں ہو گا کہ آہنی تاروں سے مضبوط بٹا ہوا طوق اُس کے گلے میں ہو گا۔ حضرت مجاہد نے بھی اس کی تفسیر میں فرمایا ہے مِّنْ مَّسَدٍ ای من حدید (مظہری)

اور شعبی اور مقاتل وغیرہ مفسرین نے اس کو بھی دنیا کا حال قرار دیکر حَبْلٌ مِّنْ مَّسَدٍ سے مراد کھجور کی رستی لی ہے اور فرمایا کہ اگر چہ ابولہب اور اُس کی بیوی مالدار غنی اور اپنی قوم کے سردار مانے جاتے تھے مگر اُس کی بیوی اپنی خست طبیعت اور کنجوسی کے سبب جنگل سے سوختہ کی لکڑیاں جمع کر کے لاتی اور اُس کی رستی کو اپنے گلے میں ڈال لیتی تھی کہ یہ گٹھا سر سے گرنے جائے، اور یہی ایک روز اُس کی ہلاکت کا سبب بنا کہ لکڑیوں کا گٹھا سر پر اور رستی گلے میں تھی تھک کر کہیں بیٹھ گئی اور پھر گر کر اسکا گٹھا گھٹ گیا اور اسی میں مر گئی۔ اس دوسری تفسیر کی رو سے یہ حال اسکا اس کی خست طبیعت اور اسکا انجام بد بیان کرنے کے لئے ہے (مظہری) مگر چونکہ ابولہب کے گھرانہ خصوصاً بیوی سے ایسا کرنا مستبعد تھا اس لئے اکثر حضرات مفسرین نے پہلی ہی تفسیر کو اختیار فرمایا ہے۔ واللہ اعلم تَمَّتْ سُوْرَةُ الْاَلْفَبِ بِحَمْدِ اللّٰهِ تَعَالٰی

سُورَةُ الْاِخْلَاصِ

سُورَةُ الْاِخْلَاصِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ اَرْبَعٌ اَيَاتٌ
سورة اخلاص مکہ میں نازل ہوئی اور اسکی چار آیتیں ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۝ ۱ ۝ اللّٰهُ الصَّمَدُ ۝ ۲ ۝ لَمْ يَلِدْ ۝ ۳ ۝ وَلَمْ يُولَدْ ۝ ۴ ۝ وَلَمْ

تو کہہ وہ اللہ ایک ہے ۱ اللہ بے نیاز ہے ۲ نہ کسی کو جنا نہ کسی سے جنا اور نہیں

يَكُنْ لَّهِ كُفُوًا اَحَدٌ ۝ ۴ ۝

اُس کے جوڑ کا کوئی

خلاصہ تفسیر

(اس کا سبب نزول یہ ہے کہ ایک مرتبہ مشرکین نے آپ سے کہا کہ اپنے رب کی صفات اور نسب بیان کیجئے اس پر یہ سورت نازل ہوئی، کذا فی الدر المنثور باسانید متعددہ) آپ (ان لوگوں سے) کہہ دیجئے کہ وہ یعنی اللہ (اپنے کمال ذات و صفات میں) ایک ہے (کمال ذات یہ ہے کہ واجب الوجود ہے، یعنی ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا، اور کمال صفات یہ کہ علم قدرت وغیرہ اسکے قدیم اور محیط ہیں اور) اللہ بے نیاز ہے (یعنی وہ کسی کا محتاج نہیں اور اُس کے سب محتاج ہیں) اُس کے اولاد نہیں اور نہ وہ کسی کی اولاد ہے اور نہ کوئی اُس کے برابر کا ہے۔

معارف و مسائل

شان نزول | ترمذی حاکم وغیرہ کی روایت میں ہے کہ مشرکین مکہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اللہ تعالیٰ کا نسب پوچھا تھا اُن کے جواب میں یہ سورت نازل ہوئی۔ دوسری بعض روایات میں یہ سوال ہو

مدینہ کی طرف منسوب کیا ہے اسی لئے اس سورت کے منگنی یا مدنی ہونے میں اختلاف ہے حضرت عبداللہ بن مسعود، حسن بصری، عطاء، عکرمہ، جابر رضی اللہ عنہم نے اس کو منگنی کہا ہے اور قتادہ، ضحاک وغیرہ نے مدنی، حضرت ابن عباس کے دو قول منقول ہیں (قرطبی)

بعض روایات میں ہے کہ مشرکین کے سوال میں یہ بھی تھا کہ اللہ تعالیٰ کس چیز کا بنا ہوا ہے سونا پانڈی یا اور کچھ، ان کے جواب میں یہ سورت نازل ہوئی۔

فضائل سورت | امام احمد نے حضرت انس سے روایت کیا ہے کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ مجھے اس سورت (یعنی سورہ اخلاص) سے بڑی محبت ہے آپ نے فرمایا کہ اس کی محبت نے تمہیں جنت میں داخل کر دیا (ابن کثیر)

ترمذی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں سے فرمایا کہ سب جمع ہو جاؤ میں تمہیں ایک تہائی قرآن سناؤں گا جو جمع ہو سکتے تھے جمع ہو گئے تو آپ تشریف لائے اور قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ کی قرات فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ یہ سورت ایک تہائی قرآن کی برابر ہے (رواہ سلم فی صحیحہ) ابو داؤد، ترمذی، نسائی نے ایک طویل حدیث میں رد کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص صبح اور شام قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ اور معوذتین پڑھ لیا کرے تو یہ اُس کے لئے کافی ہے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ یہ اس کو ہر بلا سے بچانے کے لئے کافی ہے (ابن کثیر)

امام احمد نے حضرت عقبہ ابن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں تم کو ایسی تین سورتیں بتاتا ہوں کہ جو تو رات، انجیل، زبور اور قرآن سب میں نازل ہوئی ہیں اور فرمایا کہ رات کو اُس وقت تک نہ سوؤ جب تک ان تینوں (معوذتین اور قل ہو اللہ احد) کو نہ پڑھ لو۔ حضرت عقبہ کہتے ہیں کہ اُس وقت سے میں نے کبھی ان کو نہیں چھوڑا (ابن کثیر)

قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ، لفظ قل میں اشارہ ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت کی طرف کہ اُن کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے لوگوں کی ہدایت کا حکم ہو رہا ہے اور لفظ اللہ اُس ذات کا نام ہے جو واجب الوجود ہے اور تمام کمالات کا جامع اور تمام نقائص سے پاک ہے۔ احد اور واحد ترجمہ تو دونوں کا ایک ہی کیا جاتا ہے مگر مفہوم کے اعتبار سے لفظ احد کے معنے میں یہ بھی شامل ہے کہ وہ ترکیب اور تجزیہ سے اور تعدد سے اور کسی چیز کی مشابہت اور مشاکلت سے پاک ہے یعنی وہ کسی ایک یا متعدد مادوں سے نہیں بنا، نہ اُس میں تعدد کا کوئی امکان ہے نہ کسی کے مشابہ ہے، یہ جواب ہو گیا اُن لوگوں کا جو اللہ تعالیٰ کے متعلق پوچھتے تھے کہ وہ سونے چاندی کا ہے یا کسی جوہر کا۔ اس ایک مختصر جملہ میں ذات و صفات کے سب مباحث آگئے اور لفظ قل میں نبوت و رسالت کا مسئلہ آگیا، اس میں غور کرو تو یہ ایک مختصر جملہ اُن عظیم الشان مباحث کو عادی ہیں جو بڑی بڑی جلدوں میں لکھے جاتے ہیں۔

اللَّهُ الصَّمَدُ، لفظ صمد کے بہت سے معنی ہو سکتے ہیں اسی لئے حضرات مفسرین کے اقوال اس میں بہت ہیں امام حدیث طبرانی نے کتاب السنۃ میں ان تمام اقوال کو جمع کرنے کے بعد فرمایا کہ یہ سب صحیح ہیں اور ان میں جو صفات بیان کی گئی ہیں وہ سب ہمارے رب کی صفات ہیں، لیکن اصل معنی صمد کے یہ ہیں کہ جس کی طرف لوگ اپنی حاجات اور ضروریات میں رجوع کریں اور جو بڑائی اور سرداری میں ایسا ہو کہ اُس سے کوئی بڑا نہیں، خلاصہ یہ کہ سب اُس کے محتاج ہوں وہ کسی کا محتاج نہ ہو (ابن کثیر)

لَمْ يَلِدْ ۖ وَلَمْ يُولَدْ ۚ، یہ اُن لوگوں کا جواب ہے جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے نسب نامہ کا سوال کیا تھا کہ اس کو مخلوق پر قیاس نہیں کیا جاسکتا جو توالد و تناسل کے ذریعہ وجود میں آتی ہے نہ وہ کسی کی اولاد ہے نہ کوئی اس کی اولاد۔

وَلَمْ يَكُنْ لَهُ كُفُوًا أَحَدٌ، کفو کے لفظی معنی مثل اور مماثل کے ہیں، معنی یہ ہیں کہ نہ کوئی اُس کا مثل ہے نہ کوئی اُس سے مشاکلت اور مشابہت رکھتا ہے۔

سورۃ اخلاص میں مکمل توحید اور اللہ کے ساتھ کسی کو شریک سمجھنے والے منکرین توحید کی دنیا میں مختلف قسم ہر طرح کے شرک کی نفی ہے ہوتی ہیں۔ سورۃ اخلاص نے ہر طرح کے شرکانہ خیالات کی نفی کر کے مکمل توحید کا سبق دیا ہے کیونکہ منکرین توحید میں ایک گروہ تو خود اللہ کے وجود ہی کا منکر ہے بعض دجود کے قائل ہیں مگر دجود کے منکر ہیں بعض دونوں کے قائل ہیں مگر کمال صفات کے منکر ہیں۔ بعض یہ سب کچھ مانتے ہیں، مگر پھر عبادت میں غیر اللہ کو شریک ٹھہراتے ہیں، ان سب کے خیالات باطلہ کا رد اللہ احد میں ہو گیا، بعض لوگ عبادت میں بھی کسی کو شریک نہیں کرتے مگر حاجت روا اور کار ساز اللہ کے سوا دوسروں کو بھی سمجھتے ہیں اُن کے خیال کا ابطال لفظ صمد میں ہو گیا۔ بعض لوگ اللہ کے لئے اولاد کے قائل ہیں اُن کا رد لَمْ يَلِدْ میں ہو گیا۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

سُورَةُ الْفَلَق

سُورَةُ الْفَلَقِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ خَمْسٌ بِسْمِ

سورۃ فلق مدینہ میں نازل ہوئی اور اسکی پانچ آیتیں ہیں

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ ۝۱ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ ۝۲ وَمِنْ شَرِّ غَاسِقٍ

تو کہہ میں پناہ میں آیا صبح کے رب کی ہر چیز کی بدی سے جو اُس نے بنائی اور بدی سے اندھیرے کی

اِذَا وَقَبُ ۝ وَ مِنْ شَرِّ النَّفَّاثَاتِ فِي الْعُقَدِ ۝ وَ مِنْ شَرِّ حَاسِدٍ

جب سمٹ آئے اور ہدی سے عورتوں کی جو گرہوں میں پھونک ماریں اور ہدی سے بُرا چاہنے والے کی

اِذَا حَسَدًا ۝

جب لگے ٹوک دگانے

خلاصہ تفسیر

آپ (اپنے استعاذہ یعنی اللہ سے پناہ مانگنے کے لئے اور دوسروں کو بھی یہ استعاذہ سکھلانے کے لئے جس کا حاصل اللہ پر توکل اور مکمل بھروسہ کی تعلیم ہے۔ یوں) کہیے کہ میں صبح کے مالک کی پناہ لیتا ہوں۔ تمام مخلوقات کے شر سے اور (بالخصوص) اندھیری رات کے شر سے جب وہ رات آجادے (رات میں شرور و آفات کا احتمال ظاہر ہے) اور (بالخصوص گندے کی) گرہوں پر پڑھ پڑھ کر پھونکنے والیوں کے شر سے اور حسد کرنے والے کے شر سے جب وہ حسد کرنے لگے (اول تمام مخلوقات کے شر سے پناہ لینے کا ذکر کرنے کے بعد خاص چیزوں کا ذکر شاید بمناسبت مقام یہ ہو کہ اکثر سحر کی ترتیب اور ترکیب رات کو ہوتی ہے (کذا فی الخازن) تاکہ کسی کو اطلاع نہ ہو اطمینان سے اُس کی تکمیل کر سکیں۔ اور گندہ پر دم کرنے والی جانوں یا عورتوں کی مناسبت اس جگہ ظاہر ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر سحر اسی طرح ہوا تھا خواہ مرد نے کیا ہو یا عورتوں نے، کیونکہ لفظ نفثات کا موصوف نفوس بھی ہو سکتے ہیں جو مرد و عورت دونوں کو شامل ہیں اور عورتیں بھی اس کی موصوف ہو سکتی ہیں۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جو یہودیوں نے سحر کیا تھا اُس کا اصل منشاء حسد تھا۔ اس طرح سحر کے متعلقہ جتنی چیزیں تھیں سب سے استعاذہ ہو گیا اور باقی شرور و آفات کو شامل کرنے کے لئے من شَرِّ وَاخْلُق فرمادیا۔ اور آیت میں جو اللہ کی صفت رب الفلق یعنی صبح کا مالک ذکر کی گئی حالانکہ اللہ تو صبح اور شام سبھی چیزوں کا رب اور مالک ہے۔ اس تخصیص میں شاید اشارہ اس طرف ہو کہ جیسے اللہ تعالیٰ رات کی اندھیری کا ازالہ کر کے صبح کی روشنی نکال دیتا ہے اسی طرح سحر کا بھی ازالہ کر سکتا ہے۔

معارف و مسائل

یہ سورت سورۃ فلق اور اس کے بعد کی سورۃ ناس دونوں سورتیں ایک ساتھ ایک ہی واقعہ میں نازل ہوئی ہیں۔ حافظ ابن قیمؒ نے ان دونوں سورتوں کی تفسیر یکجا لکھی ہے اُس میں فرمایا ہے کہ ان دونوں سورتوں کے منافع اور برکات اور سب لوگوں کو ان کی حاجت و ضرورت ایسی ہے کہ کوئی انسان ان سے مستغنی نہیں ہو سکتا ان دونوں سورتوں کو سحر اور نظر بد اور تمام آفات جسمانی و روحانی کے دور کرنے میں تاثیر عظیم ہے اور حقیقت کو سمجھا جائے تو انسان کو اس کی ضرورت اپنے سانس اور کھانے پینے اور لباس سب چیزوں سے زیادہ ہے اس کا

واقعہ مسند احمد میں اس طرح آیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک یہودی نے جادو کر دیا تھا جس کے اثر سے آپ بیمار ہو گئے۔ جبریل امین نے آکر آپ کو اطلاع کی کہ آپ پر ایک یہودی نے جادو کیا ہے اور جادو کا عمل جس چیز میں کیا گیا ہے وہ فلاں کنویں کے اندر ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وہاں آدمی بھیجے وہ یہ جادو کی چیز کنویں سے نکال لائے اُس میں گرہیں لگی ہوئی تھیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان گرہوں کو کھول دیا اُسی وقت آپ بالکل تندرست ہو کر کھڑے ہو گئے (اور اگرچہ جبریل علیہ السلام نے آپ کو اس یہودی کا نام بتلا دیا تھا اور آپ اُس کو جانتے تھے مگر اپنے نفس کے معاملے میں کسی سے انتقام لینا آپ کی عادت نہ تھی اسلئے) عمر بھر اُس یہودی سے کچھ نہیں کہا اور نہ کبھی اُس کی موجودگی میں آپ کے چہرہ مبارک سے کسی شکایت کے آثار پائے گئے (وہ منافق ہونے کی وجہ سے حاضر باش تھا) اور صحیح بخاری کی روایت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے یہ ہے کہ آپ پر ایک یہودی نے حُرکیا تو اس کا اثر آپ پر یہ تھا کہ بعض اوقات آپ محسوس کرتے تھے کہ فلاں کام کر لیا ہے مگر وہ نہیں کیا ہوتا۔ پھر ایک روز آپ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے بتلا دیا ہے کہ میری بیماری کیا ہے، اور فرمایا کہ (خواب میں) دو شخص آئے، ایک میرے سر پر ہاتھ پٹھ گیا، ایک پاؤں کی طرف، سر پر ہاتھ والے نے دوسرے سے کہا کہ ان کو کیا تکلیف ہے، دوسرے نے کہا کہ یہ مسحور ہیں، اس نے پوچھا کہ سحران پر کس نے کیا ہے؟ تو اس نے جواب دیا کہ لبید بن اعصم نے جو یہودیوں کا حلیف منافق ہر اُس نے پوچھا کہ کس چیمہ میں جادو کیا ہے، اُس نے بتلایا کہ ایک کنگھے اور اُس کے دندانوں میں، پھر اس نے پوچھا کہ وہ کہاں ہے تو اُس نے بتلایا کہ گجور کے اُس غلاف میں جس میں گجور کا پھل پیدا ہوتا ہے برذر دان (ایک کنویں کا نام ہے) میں ایک پتھر کے نیچے مدفون ہے۔ آپ اُس کنویں پر تشریف لے گئے اور اسکو نکال لیا، اور فرمایا کہ مجھے خواب میں یہی کنواں دکھلایا گیا تھا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ آپ نے اسکا اعلان کیوں کر دیا کہ فلاں شخص نے یہ حرکت کی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے اللہ نے شفا دیدی۔ اور مجھے یہ پسند نہیں کہ میں کسی شخص کے لئے کسی تکلیف کا سبب بنوں (مطلب یہ تھا کہ اسکا اعلان ہوتا تو لوگ اسکو قتل کر دیتے یا تکلیف پہنچاتے) اور مسند احمد کی ایک روایت میں ہے کہ آپ کا یہ مرض چھ مہینے تک رہا اور بعض روایتوں میں یہ بھی ہے کہ جن صحابہ کرام کو معلوم ہو گیا تھا کہ یہ کام لبید بن اعصم نے کیا ہے اُنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ ہم اس خبیث کو کیوں قتل نہ کر دیں، آپ نے وہی جواب دیا جو صدیقہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو دیا تھا، اور امام شعبی کی روایت میں ہے کہ ایک بڑا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کرتا تھا، اس منافق یہودی نے اُس کو بہلا پھسلا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کنگھا اور کچھ اُس کے دندانے اس سے حاصل کر لئے اور ایک تانت کے تار میں گیارہ گرہیں لگائیں، ہر گرہ میں ایک سوئی لگائی، کنگھے کے ساتھ اُس کو گجور کے پھل کے غلاف میں رکھ کر ایک کنویں میں پتھر کے نیچے دبا دیا۔ اللہ تعالیٰ نے یہ دو سورتیں نازل فرمائیں جن میں گیارہ آیتیں ہیں، آپ ہر گرہ پر ایک ایک آیت پڑھ کر ایک ایک کھولتے رہے یہاں تک کہ سب گرہیں کھل گئیں،

اور آپ سے اچانک ایک بوجھ سا اتر گیا (یہ سب روایتیں تفسیر ابن کثیر سے لی گئی ہیں) سحر کے اثر سے متاثر ہو جانا جو لوگ سحر کی حقیقت سے ناواقف ہیں اُن کو تعجب ہوتا ہے کہ رسول اللہ نبوت و رسالت کے منافی نہیں صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کا اثر کیسے ہو سکتا ہے۔ سحر کی حقیقت اور اُس کے اقسام و احکام پوری تفصیل کے ساتھ سورہ بقرہ کی تفسیر معارف القرآن جلد اول ص ۲۱۷ تا ۲۲۳ میں بیان کئے جا چکے ہیں وہاں دیکھ لئے جائیں۔ خلاصہ اسکا جسکا جاننا یہاں ضروری ہے اتنا ہے کہ سحر کا اثر بھی اسباب طبعیہ کا اثر ہوتا ہے جیسے آگ سے جلنا یا گرم ہونا، پانی سے سرد ہونا۔ بعض اسباب طبعیہ سے بخار آجانا یا مختلف قسم کے درد و امراض کا پیدا ہو جانا ایک امر طبعی ہے جس سے پیغمبر و انبیاء مستثنیٰ نہیں ہوتے اسی طرح سحر و جادو کا اثر بھی اسی قسم سے ہے اس لئے کوئی بعید نہیں۔

معوذتین ہر قسم کی دُنیوی اور دینی آفات یہ تو ہر مومن کا عقیدہ ہے کہ دُنیا و آخرت کا ہر نفع نقصان اللہ تعالیٰ سے حفاظت کا قلعہ ہیں، ان کے فضائل کے ہاتھ میں ہے بغیر اس کی مشیت کے کوئی کسی کو ایک ذرہ کا نفع یا نقصان نہیں پہنچا سکتا تو دُنیا و آخرت کی تمام آفات سے محفوظ رہنے کا اصل ذریعہ ایک ہی ہے کہ انسان اپنے آپ کو اللہ کی پناہ میں دیدے اور اپنے عمل سے اُس کی پناہ میں آنے کے قابل بننے کی کوشش کرے۔ ان دونوں سورتوں میں پہلی یعنی سورہ فلق میں تو دُنیا و دینی آفات سے اللہ کی پناہ مانگنے کی تعلیم ہے اور دوسری سورت یعنی سورہ ناس میں اُخروی آفات سے بچنے کے لئے اللہ کی پناہ مانگی گئی ہے۔ مستند احادیث میں ان دونوں سورتوں کے بڑے فضائل اور برکات منقول ہیں۔ صحیح مسلم میں حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہیں کچھ خبر ہے کہ آج کی رات اللہ تعالیٰ نے مجھ پر ایسی آیات نازل فرمائی ہیں کہ انکی مثل نہیں دیکھی یعنی قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ اور قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ۔ اور ایک روایت میں ہے کہ تورات۔ انجیل اور زبور اور قرآن میں بھی اُن کی مثل کوئی دوسری سورت نہیں ہے۔ ایک دوسری روایت انہی حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ سے ہے کہ ایک سفر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کو معوذتین پڑھائی اور پھر مغرب کی نماز میں انہی دونوں سورتوں کی تلاوت فرمائی اور پھر فرمایا کہ ان سورتوں کو سونے کے وقت بھی پڑھا کرو اور پھر اٹھنے کے وقت بھی (رواہ النسائی) اور ایک روایت میں ہے کہ آپ نے ان دونوں سورتوں کو ہر نماز کے بعد پڑھنے کی تلقین فرمائی (رواہ ابو داؤد والنسائی)

اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب کوئی بیماری پیش آتی تو یہ دونوں سورتیں پڑھ کر اپنے ہاتھوں پر دم کر کے سارے بدن پر پھیر لیتے تھے۔ پھر جب مرض وفات میں آپ کی تکلیف بڑھی تو میں یہ سورتیں پڑھ کر آپ کے ہاتھوں پر دم کر دیتی تھی آپ اپنے تمام بدن پر پھیر لیتے تھے۔ میں یہ کام اسلئے کرتی تھی کہ حضرت کے مبارک ہاتھوں کا بدل میرے ہاتھ نہ ہو سکتے تھے (رواہ الامام مالک) (یہ سب روایتیں تفسیر ابن کثیر سے نقل کی گئی ہیں) اور حضرت عبداللہ بن حبیب سے روایت ہے کہ ایک رات میں بارش

اور سخت اندھیری تھی ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تلاش کرنے کے لئے نکلے، جب آپ کو پایا تو آپ نے فرمایا کہ کہو! میں نے عرض کیا کہ کیا کہوں، آپ نے فرمایا، قل ہو اللہ احد اور معوذتین پڑھو، جب صبح ہوا اور جب شام ہو تین مرتبہ یہ پڑھنا تمہارے لئے ہر تکلیف سے امان ہوگا (رواہ الترمذی ابو داؤد والنسائی - مظہری)

خلاصہ یہ ہے کہ تمام آفات سے محفوظ رہنے کے لئے یہ دو سورتیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کا معمول تھیں۔ آگے سورت کے الفاظ کے ساتھ تفسیر دیکھئے۔

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ، فلق کے لفظی معنی پھٹنے کے ہیں مراد رات کی پو پھٹنا اور صبح کا نمودار ہونا ہے جیسا ایک دوسری آیت میں اللہ تعالیٰ کی صفت فلق الاصباح آئی ہے۔ اس کلمہ میں اللہ تعالیٰ کی تمام صفات میں سے اس کو اختیار کرنے کی حکمت یہ بھی ہو سکتی ہے کہ رات کی اندھیری اکثر شرور و آفات کا سبب بنتی ہے اور صبح کی روشنی اس کو دور کر دیتی ہے اللہ تعالیٰ کی اس صفت میں یہ اشارہ ہے کہ جو اس کی پناہ مانگے گا اللہ تعالیٰ اُس کی تمام آفات کو دور فرما دیگا (مظہری)

لفظ شر کے معنی از علامہ ابن قیم | مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ، علامہ ابن قیم نے لکھا ہے کہ لفظ شر دو چیزوں کے لئے عام اور شامل ہے۔ ایک آلام و آفات، جن سے براہ راست انسان کو رنج و تکلیف پہنچتی ہے دوسرے وہ چیزیں جو آلام و آفات کے موجبات اور اسباب ہیں۔ اس دوسری قسم میں کفر و شرک اور تمام معاصی بھی لفظ شر کے مفہوم میں داخل ہیں۔ قرآن و حدیث میں جن چیزوں سے پناہ کا ذکر آیا ہے وہ ان دونوں قسموں کے کسی ایک میں داخل ہوتی ہیں کہ یا تو وہ خود آفت یا مصیبت ہوتی ہیں یا اسکے لئے سبب موجب ہوتی ہیں۔ نماز کے آخر میں جو دُعا استعاذہ سنون ہے اس میں چار چیزیں مذکور ہیں۔ عذاب قبر۔ عذاب نار۔ فتنۃ الحمیات والہمات۔ ان میں پہلی دو چیزیں خود مصیبت و عذاب ہیں اور آخری دو چیزیں مصیبت و عذاب کے اسباب ہیں۔

مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ کے لفظ میں ساری مخلوقات کا شر داخل ہے اس لئے یہ کلمہ تمام شر و آفات سے پناہ لینے کے لئے کافی تھا مگر اس جگہ تین چیزوں کو ممتاز کر کے اُن کے شر سے پناہ مانگنے کا علیحدہ ذکر فرمایا جو اکثر آفات و مصائب کا سبب بنتی ہیں۔ پہلے فرمایا مِنْ شَرِّ غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَ اس میں لفظ غاسق، غسق سے مشتق ہے جس کے معنی اندھیری کا پھیل جانا اور چھا جانا ہے اس لئے غاسق کے معنی حضرت ابن عباسؓ اور حسنؓ اور مجاہدؓ نے رات کے لئے ہیں اور وَقَب و قَوْب سے مشتق ہے جس کے معنی اندھیری کے پوری طرح بڑھ جانے کے ہیں۔ معنی یہ ہیں کہ میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں رات سے جبکہ اُس کی اندھیری پوری ہو جائے رات کی تخصیص کی وجہ یہ ہے کہ یہی وقت جنات و شیطین اور موذی جانوروں اور حشرات الارض اور چوروں و ڈاکوؤں کے پھیلنے اور دشمنوں کے حملہ کرنے کا وقت ہوتا ہے اور جادو کی تاثیر بھی رات میں زیادہ ہوتی ہے۔ صبح ہوتے ہی ان چیزوں کا تسلط ختم ہو جاتا ہے (ابن قیم) دوسری چیز یہ فرمائی کہ وَ مِنْ شَرِّ الْوَقْتِ فِي الْعَقَدِ، نقائات، نفث سے مشتق ہے جس کے معنی پھونک مارنے کے ہیں۔ اور عَقْدَ عَقْدَةٍ کی جمع ہے جس کے معنی گرہ کے ہیں۔ جادو کرنے والے دُورے وغیرہ میں گرہ

لگا کر اُس پر جادو کے کلمات پڑھ کر پھونکتے ہیں۔ نفاثات فی العقد کے معنی ہوئے گرہوں پر پھونکنے والیاں۔ مراد جادو کرنے والیاں ہیں اور لفظ نفاثات کا موصوف نفوس بھی ہو سکتا ہے جس میں مرد و عورت دونوں داخل ہیں اس صورت میں جادو کرنے والیوں سے مراد جادو کرنے والی جانیں ہوں گی اور ظاہر یہ ہے کہ اسکا موصوف عورتیں ہیں۔ عورتوں کی تخصیص شاید اس لئے کی گئی کہ جادو کا کام عموماً عورتیں کرتی ہیں اور کچھ خلقت عورتوں کو اس سے مناسبت بھی زیادہ ہے۔ اور یا اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کرنے کا جو واقعہ ان سورتوں کا سبب نازل ہوا اس میں جادو کرنے والیاں دلید بن اعصم کی لڑکیاں تھیں جنہوں نے باپ کے کہنے سے یہ کام کیا تھا۔ اس لئے اس جادو کی نسبت ان کی طرف کر دی گئی۔ اور جادو کرنے والوں سے پناہ مانگنے کو خصوصیت کے ساتھ ذکر کرنے کی یہ وجہ بھی ہو سکتی ہے کہ سبب نازل یہی جادو کا واقعہ ہے اور یہ بھی کہ اسکا شر اور ضرر اس لئے زیادہ ہے کہ انسان کو اس کی خبر بھی نہیں ہوتی بے خبری کی وجہ سے اس کے ازالہ کی طرف توجہ نہیں ہوتی، وہ بیماری کچھ کر دوا دارو میں لگا رہتا ہے اور تکلیف بڑھ جاتی ہے۔

تیسری چیز جو خصوصیت کے ساتھ ذکر کی گئی وہ حاسد اور حسد ہے اس کی تخصیص کی وجہ بھی یہی دونوں ہو سکتی ہیں کیونکہ آپ پر جادو کرنے کا اقدام اسی حسد کے سبب سے ہوا۔ یہود اور منافقین آپ کی اور مسلمانوں کی ترقی کو دیکھ کر جلتے تھے، اور ظاہری جنگ قتال میں آپ پر غالب نہیں آ سکے تو جادو کے ذریعہ اپنی حسد کی آگ کو بجھانا چاہا، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حاسد دنیا میں بے شمار تھے اس لئے بھی خصوصیت سے پناہ مانگی گئی۔ نیز حاسد کا حسد اس کو چین سے نہیں بیٹھنے دیتا وہ ہر وقت اس کو نقصان پہنچانے کے درپے رہتا ہے اس لئے یہ ضرر شدید بھی ہے حسد کہتے ہیں کسی کی نعمت و راحت کو دیکھ کر جلنا اور یہ چاہنا کہ اس سے یہ نعمت زائل ہو جائے چاہے اسکو بھی حاصل نہ ہو، یہ حسد حرام اور گناہ کبیرہ ہے اور یہ سب سے پہلا گناہ ہے جو آسمان میں کیا گیا اور سب سے پہلا گناہ ہے جو زمین میں کیا گیا، کیونکہ آسمان میں ابلیس نے حضرت آدم علیہ السلام سے حسد کیا اور زمین پر اُن کے بیٹے قابیل نے اپنے بھائی ہابیل سے کیا (قرطبی) حسد سے ملتا جلتا غبطہ ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ کسی کی نعمت کو دیکھ کر یہ تمنا کرنا کہ یہ نعمت مجھے بھی حاصل ہو جائے یہ جائز ہے بلکہ مستحسن ہے۔

یہاں تین چیزوں سے خصوصی پناہ مانگنے کا ذکر ہے مگر پہلی اور تیسری میں تو ایک ایک قید کا ذکر کیا گیا۔ پہلی غاسق کے ساتھ اذا قب فرمایا، اور تیسری میں حاسد کے ساتھ اذا حسد فرمایا، اور درمیانی چیز یعنی جادو کرنے والوں میں کوئی قید ذکر نہیں فرمائی۔ سبب یہ ہے کہ جادو کی مضرت عام ہے اور رات کی مضرت اُسی وقت ہوتی ہے جب اندھیری پوری ہو جائے، اسی طرح حاسد کا حسد جب تک وہ اپنے حسد کی وجہ سے کسی ایذا پہنچانے کا اقدام نہ کرے اُس وقت تک تو اسکا نقصان خود اُسی کی ذات کو پہنچتا ہے کہ دوسرے کی نعمت کو دیکھ کر جلتا کھاتا ہے، البتہ محسود کو اسکا نقصان اس وقت پہنچتا ہے جبکہ وہ مقفنا کی حسد پر عمل کر کے ایذا رسانی کی کوشش کرے اسلئے پہلی اور دوسری چیز میں یہ قیدیں لگا دی گئیں۔

سُورَةُ النَّاسِ

سُورَةُ النَّاسِ مَكِّيَّةٌ مِنْ رُوحِ سِتِّ اِيَكِ
سورة الناس مدینہ میں نازل ہوئی اور اُس کی چھ آیتیں ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بید مہربان نہایت رحم والا ہے

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ۝۱ مَلِكِ النَّاسِ ۝۲ اِلٰهِ النَّاسِ ۝۳ مِنْ

تو کہہ میں پناہ میں آیا لوگوں کے رب کی لوگوں کے بادشاہ کی لوگوں کے معبود کی بدی

شَرِّ الْوَسْوَاسِ الْخَفَاسِ ۝۴ الَّذِي يُّوسْوِسُ فِيْ صُدُوْرِ

سے اُس کی جو پھسلانے اور چھپ جانے وہ جو خیال ڈالتا ہے لوگوں کے

النَّاسِ ۝۵ مِنَ الْجَنَّةِ وَالنَّاسِ ۝۶

دل میں جنوں میں اور آدمیوں میں

خلاصہ تفسیر

آپ کہیے کہ میں آدمیوں کے مالک، آدمیوں کے بادشاہ - آدمیوں کے معبود کی پناہ لیتا ہوں دوسرے ڈالنے والے پیچھے ہٹ جانے والے (شیطان) کے شر سے (پیچھے ہٹنے کا مطلب یہ کہ حدیث میں ہے کہ اللہ کا نام لینے سے شیطان ہٹ جاتا ہے) جو لوگوں کے دلوں میں وسوسہ ڈالتا ہے خواہ وہ (دوسرے ڈالنے والا) جن ہو یا آدمی (یعنی جس طرح میں شیاطین الجن سے پناہ مانگتا ہوں، اسی طرح شیاطین الانس سے بھی پناہ مانگتا ہے جیسا کہ قرآن کریم میں دوسری جگہ جنات اور انسان دونوں میں شیاطین ہونیکا ذکر ہے وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيْطٰنِيْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ)

معارف و مسائل

سورہ فاق میں دُنوی آفات و مصائب سے پناہ مانگنے کی تعلیم ہے اور اس سورت میں اُخروی آفات

سے پناہ مانگنے کی تاکید ہے اور جیسا کہ لفظ نشو کا مفہوم سورہ فلق میں بیان کیا گیا ہے کہ آلام اور وجباتِ آلام دونوں کو شامل ہے اس سورت میں اُس شر سے پناہ مانگی گئی ہے جو تمام گناہوں کا سبب ہے یعنی شیطانی دسائس و اثرات، اور چونکہ آخرت کی مضرت اشد ہے اس لئے اس کی تاکید پر قرآن ختم کیا گیا۔

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ، رب کے معنی پالنے والے اور ہر حال کی اصلاح کرنے والے کے ہیں اس جگہ رب کی اضافت ناس کی طرف کی گئی اور پہلی سورت میں فلق کی طرف وجہ یہ ہے کہ سورہ فلق میں ظاہری اور جسمانی آفات سے پناہ مانگنا مقصود ہے اور وہ انسان کے ساتھ مخصوص نہیں۔ جانوروں کو بھی بدنی آفات و مصائب پہنچتے ہیں بخلاف دوسرے شیطانی کے کہ اسکا نقصان انسان کے ساتھ مخصوص ہے اور جنات بھی اس میں تباہ شامل ہیں اسلئے یہاں رب کی اضافت ناس کی طرف کی گئی۔ (منظہری عن ابیضادی)

مَلِكِ النَّاسِ، یعنی لوگوں کا بادشاہ اللہ النَّاسِ لوگوں کا معبود، ان دو صفتوں کا اضافہ اس لئے کیا گیا کہ لفظ رب جب کسی خاص چیز کی طرف منسوب ہو تو اللہ تعالیٰ کے سوا بھی دوسروں کیلئے بولا جاتا ہے جیسا رب الارکھ کے مالک کو، رب المال، مال کے مالک کو کہا جاتا ہے، اور ہر مالک بادشاہ نہیں ہوتا اس لئے مالک کا اضافہ کیا کہ وہ رب یعنی مالک بھی ہے اور ملک یعنی بادشاہ بھی، پھر ہر بادشاہ معبود نہیں ہوتا اسلئے تیسری صفت ذکر فرمائی اللہ النَّاسِ، ان تین صفتوں کو جمع کرنے میں حکمت یہ ہے کہ ان میں سے ہر صفت حفاظت کی داعی ہے کیونکہ ہر مالک اپنے مملوک کی حفاظت کرتا ہے۔ اسی طرح ہر بادشاہ اپنی رعیت کی حفاظت کرتا ہے اور معبود کا اپنے عابد کے لئے محافظ ہونا تو سب سے اظہر ہے۔ یہ تینوں صفتیں صرف حق تعالیٰ میں جمع ہیں اُس کے سوا کوئی ان صفتوں کا جامع نہیں اس لئے اُس کی پناہ حاصل کرنا سب سے بڑی پناہ ہے اور اللہ تعالیٰ سے ان تین صفتوں کے ساتھ پناہ مانگنا دعا کی قبولیت کے لئے اقرب ہے کہ یا اللہ آپ ہی ان صفات کے جامع ہیں ہم صرف آپ ہی سے پناہ مانگتے ہیں۔ یہاں جبکہ پہلے جملہ میں رَبِّ النَّاسِ آپ کا تو بظاہر تقاضا مقام کا یہ تھا کہ آگے اس کی طرف ضمیریں راجع کرنے سے کام لیا جاتا ملککم واللہم فرمایا جاتا مگر اس لفظ کا بار بار تکرار اسلئے ہے کہ مقام دعا اور مدح و ثناء کا ہے اس میں تکرار ہی بہتر ہے۔ اور بعض حضرات نے لفظ ناس کے بار بار تکرار میں یہ لطیفہ بیان کیا ہے کہ اس سورت میں یہ لفظ پانچ مرتبہ آیا ہے۔ پہلے لفظ ناس سے مراد بچے ہیں اور لفظ رب اور ربوبیت اسکا قرینہ ہے کیونکہ پرورش کی حاجت سب سے زیادہ بچوں کو ہوتی ہے اور دوسرے لفظ ناس سے جو ان مراد ہیں، اور لفظ ملک اسکا قرینہ ہے جو ایک سیاست کے معنی رکھتا ہے وہ جو انوں کے مناسب ہے اور تیسرے لفظ ناس سے بڑھے مراد ہیں جو دنیا سے منقطع ہو کر عبادت میں مشغول ہوں اور لفظ اللہ اسکا قرینہ ہے جو عبادت کی طرف مشیر ہے اور چوتھے لفظ ناس سے مراد اللہ کے صالح بندے ہیں اور لفظ دوسرے اسکا قرینہ ہے کیونکہ شیطان نیک بندوں کا دشمن ہے اُن کے دلوں میں دوسرے ڈانساں کا مشغلہ ہے اور پانچویں لفظ ناس سے مراد مفسد لوگ ہیں کیونکہ اُن کے شر سے پناہ مانگی گئی ہے۔

مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ الْخَنَّاسِ، اللہ تعالیٰ کی تین صفات ذکر کر کے اب اُسکا بیان ہے جس سے پناہ مانگنا مقصود ہے وہ ہے وسواسِ خنّاس، وسواس مصدر دراصل بمعنی وسوسہ ہے یہاں شیطان کو وسواسِ مبالغہ فرمایا گیا کہ وہ سراپا وسوسہ ہے اور وسوسہ کے معنی شیطان کا اپنی اطاعت کی طرف ایک مخفی کلام کے ذریعہ بلانا ہے جسکا مفہوم انسان کے دل میں آجائے اور کوئی آواز سنائی نہ دے (قطبی) خنّاس، خنس سے مشتق ہے جس کے معنی پیچھے ٹوٹنے کے ہیں۔ شیطان کو خنّاس اس لئے کہا گیا کہ اسکی عادت یہ ہے کہ انسان جب اللہ کا نام لیتا ہے تو پیچھے بھاگتا ہے پھر جب ذرا غفلت ہوئی پھر آجاتا ہے پھر وہ اللہ کا نام لیتا ہے تو پھر پیچھے ٹوٹ جاتا ہے یہی عمل مسلسل جاری رکھتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر انسان کے قلب میں دو گھر ہیں ایک میں فرشتہ رہتا ہے دوسرے میں شیطان (فرشتہ اسکو نیک کاموں کی رغبت دلاتا رہتا ہے اور شیطان بُرے کاموں کی) پھر جب انسان اللہ کا ذکر کرتا ہے تو شیطان پیچھے ہٹ جاتا ہے اور جب تک وہ ذکر اللہ میں مشغول نہیں ہوتا تو اپنی چونچ انسان کے دل پر رکھ کر اس میں بُرائیوں کے دوسے ڈالتا ہے (رواہ ابو یعلیٰ عن انس مرفوعاً منطہری)

مِنْ الْجِنَّةِ وَالنّٰسِ، یہ بیان ہے وسواس کا یعنی وسوسہ ڈالنے والے جنات میں سے بھی ہوتے ہیں، اور انسانوں میں سے بھی، تو حاصل اسکا یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو اس کی تلقین فرمائی کہ اللہ سے پناہ مانگیں جناتِ شیطاں کے شر سے بھی اور انسانی شیطاں کے شر سے بھی۔ اگر یہ شبہ ہو کہ وسوسہ جناتی شیطاں کی طرف سے ہونا تو ظاہر ہے کہ وہ مخفی طور پر انسان کے قلب میں کوئی مخفی کلام ڈالیں، مگر انسانی شیطاں تو کھلم کھلا سامنے آکر بات کرتے ہیں اُن کا وسوسہ سے کیا تعلق ہے تو جواب یہ ہے کہ انسانی شیطاں بھی اکثر ایسی باتیں کسی کے سامنے کرتے ہیں جن سے اسکے دل میں کسی معاملے کے متعلق ایسے شکوک و شبہات پیدا ہو جاتے ہیں جنکو وہ صراحتہ نہیں کہتے۔ اور شیخ عزالدین بن عبدالسلام نے اپنی کتاب (الفوائد فی شکلات القرآن) میں فرمایا کہ انسانی شیطان کے شر سے مراد خود اپنے نفس کا وسوسہ ہے، کیونکہ جس طرح شیطان جن انسان کے دل میں بُرے کاموں کی طرف رغبت ڈالتا ہے اسی طرح خود انسان کا اپنا نفس بھی بُرے ہی کاموں کی طرف مائل ہوتا ہے اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنے نفس کے شر سے بھی پناہ مانگنا سکھلایا ہے حدیث میں ہے اللّٰهُمَّ اعُوْذْ بِكَ مِنْ شَرِّ نَفْسِيْ وَشَرِّ الشَّيْطَانِ وَشَرِّكَ، یعنی یا اللہ میں آپ کی پناہ مانگتا ہوں اپنے نفس کے شر سے بھی اور شیطان کے شر اور شرک سے بھی۔

شیطانی وسواس سے پناہ | ابن کثیر نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اس سورت میں انسان کو اس کی تلقین فرمائی ہے کہ مانگنے کی بڑی اہمیت | اللہ تعالیٰ کی یہ تین صفتیں رب، ملک، اللہ ذکر کر کے اس سے شیطانی وسواس اور وسوسے سے پناہ مانگنا چاہیے، کیونکہ ہر انسان کے ساتھ ایک قرین (ساتھی) شیطان لگا ہوا ہے جو ہر قدم پر اس کو شش میں لگا رہتا ہے کہ انسان کو تباہ و برباد کر دے، اول تو اُس کو گناہوں کی رغبت دیتا ہے، اور

طرح سے اُس کو بہلا کر گناہوں کی طرف لیجاتا ہے، اگر اس میں کامیاب نہ ہوا تو انسان جو طاعات و عبادت کرتا ہے اُس کو غراب اور ضائع کرنے کے لئے ریاہ د نمود اور غرور و تکبر کے دوسے دل میں ڈالتا ہے، علم و انوکھے دلوں میں عقائد حقہ کے متعلق شبہات پیدا کرنے کی کوشش کرتا ہے اسکے شر سے وہی بچ سکتا ہے جس کو اللہ ہی بچائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں کوئی آدمی ایسا نہیں جس پر اس کا قرین (ساتھی) شیطان تسلط نہ ہو صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا آپ کے ساتھ بھی یہ قرین ہے۔ فرمایا، ہاں مگر اللہ تعالیٰ نے اُس کے مقابلے میں میری اعانت فرمائی اور اُس کو ایسا کر دیا کہ وہ بھی مجھے بجز خیر کے کسی بات کو نہیں کہتا۔

صحیحین میں حضرت انسؓ کی حدیث ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں معتکف تھے ایک ات میں ام المومنین حضرت صفیہؓ آپ کی زیارت کے لئے مسجد میں گئیں واپسی کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ساتھ ہوئے، گلی میں دو انصاری صحابی سامنے آگئے تو آپ نے آواز دیکر فرمایا، ٹھہرو میرے ساتھ صفیہ بنت جہنم ہیں، ان دونوں نے بحال ادب عرض کیا سبحان اللہ یا رسول اللہ (یعنی کیا آپ نے ہمارے بارے میں یہ خیال کیا کہ ہم کوئی بدگمانی کریں گے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بیشک کیونکہ شیطان انسان کے خون کے ساتھ اُس کی رگ و پے میں اثر انداز ہوتا ہے، مجھے یہ خطرہ ہوا کہ کہیں شیطان تمہارے دلوں میں کوئی دوسرہ بدگمانی کا پیدا نہ کر دے (اس لئے میں نے بتلادیا کہ کوئی غیر عورت میرے ساتھ نہیں)

فائدہ ۵ جیسا کہ خود بڑے کاموں سے بچنا انسان کے لئے ضروری ہے اسی طرح مسلمانوں کو اپنے بارے میں بدگمانی کا موقع دینا بھی درست نہیں، ایسے مواقع سے بچنا چاہیے جس سے لوگوں کے دلوں میں بدگمانی پیدا ہوتی ہو اور کوئی ایسا موقع آجائے تو بات وضع کر کے تہمت کے مواقع کو ختم کر دینا چاہیے۔ خلاصہ یہ ہے کہ اس حدیث نے شیطانی دوسرہ کا بڑا خطرناک ہونا ثابت کیا ہے جس سے بچنا آسان نہیں۔ بجز خدا کی پناہ کے۔

تنبیہ یہاں جس دوسرہ سے ڈرایا گیا ہے اس سے مراد وہ خیال ہے جس میں انسان باختیار خود مشغول ہو، اور غیر اختیاری دوسرہ و خیال جو دل میں آیا اور گزر گیا وہ کچھ مضرت نہیں، نہ اُس پر کوئی گناہ ہے۔

لطیفہ، سورہ خلق اور ناس سورہ خلق میں تو اللہ تعالیٰ، جس کی پناہ مانگی گئی ہے اُس کی صرف ایک صفت پر کے تعوذات میں ایک فرق اکثفا کیا گیا یعنی رب العلق، اور جن چیزوں سے پناہ مانگی گئی وہ بہت ہیں جن کو

اولاً من شر ما خلق میں اجمالاً ذکر کیا، پھر ان میں سے خاص تین آفات کو الگ بیان فرمایا، اور سورہ ناس میں جس چیز سے پناہ مانگی گئی ہے وہ تو صرف ایک ہی ہے یعنی دوساں اور جس کی پناہ مانگی ہے اُس کی اس جگہ تین صفا بیان کر کے پناہ کی دعا کی گئی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شیطان کا شر سب شرور و آفات سے بڑھا ہوا ہے، اول تو اسلئے کہ اور آفات و مصائب کا اثر تو انسان کے جسم اور دنیادی امور پر پڑتا ہے بخلاف شیطان کے کہ یہ انسان کی دنیا و آخرت دونوں کو اور بالخصوص آخرت کو تباہ کرنے کی فکر میں ہے اسلئے اس کا ضرر اشد ہے دوسرے یہ کہ دنیا کی آفات کا تو کچھ نہ کچھ علاج مادی بھی انسان کے قبضہ میں ہے اور وہ کرتا رہتا ہے بخلاف شیطان

کے کہ اس کے مقابلے کی کوئی مادی تدبیر انسان کے بس کی نہیں، وہ تو انسان کو دیکھتا ہے انسان اُس کو نہیں دیکھتا وہ انسان کے باطن میں غیر معلوم طریقہ پر تصرف کرنے کی قدرت رکھتا ہے اسکا علاج صرف اللہ کا ذکر اور اسکی پناہ لینا ہے۔

انسان کے دو دشمن، انسان اور شیطان | انسان کا دشمن انسان بھی ہوتا ہے اور شیطان بھی اسکا دشمن ہے حق تعالیٰ اور دونوں دشمنوں کا الگ الگ علاج نے انسانی دشمن کو اول تو حسن خلق اور مدارات اور ترک انتقام و صبر کے

ذریعہ رام کرنے کی تلقین فرمائی ہے اور جو ان تدبیروں سے باز نہ آئے اسکے ساتھ جہاد و قتال کا حکم دیا ہے۔ بخلاف دشمن شیطانی کے اسکا مقابلہ صرف استعاذہ اور اللہ کی پناہ سے تلقین کیا گیا ہے۔ ابن کثیر نے اپنی تفسیر کے مقدمہ میں قرآن کریم کی تین آیتیں اس مضمون کی لکھی ہیں جن میں ان دونوں دشمنوں کا ذکر کر کے انسانی دشمن کا دفاع حسن خلق ترک مقام اور اسکیساتھ لسان کا سلوک کرنا بتلایا اور اسکے مقابلے میں شیطان کا دفاع استعاذہ تلقین فرمایا، ابن کثیر نے

فرمایا کہ پورے قرآن میں یہ تین ہی آیتیں اس مضمون کی آئی ہیں۔ ایک آیت سورہ اعراف میں ہے کہ اول فرمایا خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْوَةِ وَأَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِينَ یہ تو انسانی دشمن کے مقابلے کی تدبیر ارشاد فرمائی جسکا حاصل عفو و درگزر اور اُس کو نیک کام کی تلقین اور اسکی بُرائی سے چشم پوشی بتلائی۔ اسی آیت میں آگے فرمایا وَإِنَّمَا يَنْزَغُكَ مِنَ الشَّيْطَانِ نَزْعٌ فَاسْتَعِذْ بِاللَّهِ إِنَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ یہ تلقین دشمن شیطانی کے مقابلے میں فرمائی جسکا حاصل اللہ

سے پناہ مانگنا ہے۔ دوسری آیت سورہ قذاف المومنون میں اول دشمن انسانی کے مقابلے کے علاج میں فرمایا، اِدْفَعْ بِالَّتِي هِيَ اَحْسَنُ السِّيَرَةِ عَنِ الْبَلَاءِ اِدْفَعْ بِالَّتِي هِيَ اَحْسَنُ فَإِذَا الَّذِي بَيْنَكَ وَبَيْنَهُ عَدَاوَةٌ كَأَنَّهُ وَلِيٌّ حَمِيمٌ یعنی تم بُرائی کو بھلائی کے ذریعہ دفع کرو پھر دشمن شیطانی کے مقابلے کے لئے فرمایا

وَقُلْ رَبِّ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ هَمَزَاتِ الشَّيْطَانِ وَاعُوْذُ بِكَ رَبِّ اَنْ يَّحْضُرُونِ، یعنی اے میرے رب میں آپ کی پناہ مانگتا ہوں شیطانوں کی چھڑ سے اور اس سے کہ وہ میرے پاس آئیں۔ اور تیسری آیت سورہ حم سجدہ کی ہے

جس میں اول دشمن انسانی کی مدافعت کے لئے ارشاد فرمایا اِدْفَعْ بِالَّتِي هِيَ اَحْسَنُ فَإِذَا الَّذِي بَيْنَكَ وَبَيْنَهُ عَدَاوَةٌ كَأَنَّهُ وَلِيٌّ حَمِيمٌ یعنی تم بُرائی کو بھلائی کے ذریعہ دفع کرو اگر ایسا کرو گے تو مشاہدہ ہوگا کہ تمھارا دشمن تمھارا

مخلص دوست بن جائیگا۔ اسی آیت میں دوسرا جزر دشمن شیطانی کے مقابلے میں یہ فرمایا وَإِنَّمَا يَنْزَغُكَ مِنَ الشَّيْطَانِ نَزْعٌ فَاسْتَعِذْ بِاللَّهِ إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ یہ تقریباً وہی الفاظ ہیں جو سورہ اعراف میں شیطان کے

مقابلے کے لئے ارشاد فرمائے ہیں اور حاصل اسکا یہ ہے کہ اسکا مقابلہ بجز استعاذہ کے کچھ نہیں (ابن کثیر)

ان تینوں آیتوں میں انسانی دشمن کا علاج عفو و درگزر اور حسن سلوک سے بتلایا گیا ہے کیونکہ انسانی فطرت یہی ہے کہ حسن خلق اور احسان سے مغلوب ہو جاتا ہے۔ اور جو شریر النفس فطری انسانی صلاحیت کھو بیٹھے ہوں انکا علاج دوسری

آیات میں جہاد و قتال بتلایا گیا ہے کیونکہ وہ کھلے دشمن ہیں، کھلے ساز و سامان کیساتھ سامنے آتے ہیں انکی قوت کا مقابلہ قوت سے کیا جاسکتا ہے، بخلاف شیطان لعین کے کہ وہ اپنی فطرت میں شریر ہے احسان اور عفو و درگزر

اس پر کوئی اچھا اثر نہیں ڈالتا ہے جس سے یہ اپنی شرارت سے باز نہ آجائے اور نہ ظاہری مقابلہ اسکا جہاد و قتال سے ہو سکتا ہے یہ دونوں قسم کی نرم و گرم تدبیریں صرف انسانی دشمن کے مقابلے میں چلتی ہیں شیطان کے مقابلے میں

نہیں چلتی اس لئے اُسکا علاج صرف اللہ تعالیٰ کی پناہ میں آنا اور ذکر اللہ میں مشغول ہو جانا ہے جو پورے قرآن میں تلقین کیا گیا ہے اور اسی پر قرآن کو ختم کیا گیا ہے۔

انسانی اور شیطانی دشمن کے مقابلے اور پر قرآنی تعلیمات میں انسانی دشمن کا دفاع اول احسان اور صبر جمیل سے میں انجام کے اعتبار سے بڑا فسق بتلایا گیا ہے اگر اس میں کامیابی نہ ہو تو جہاد و قتال سے اور دونوں صورتوں میں مقابلہ کرنے والا مومن کامیاب ہی کامیاب ہے بالکل ناکامی مومن کے لئے ممکن ہی نہیں کیونکہ دشمن سے مقابلہ میں یہ غالب آگیا تب تو اس کی کامیابی ٹھہری ہوئی ہے اور اگر شکست کھا گیا یا مقتول بھی ہو گیا تو آخرت کا اجر و ثواب اور شہادت کے فضائل اُس کو اتنے بڑے ملیں گے جو دنیا کی کامیابی سے کہیں زیادہ ہونگے۔ غرض انسانی دشمن کے مقابلے میں ہار جانا بھی مومن کے لئے کوئی مضرت نہیں، بخلاف شیطان کے کہ اس کی خوشامد اور اسکو راضی کرنا بھی گناہ ہے اور اسکے مقابلے میں ہار جانا تو آخرت کو تباہ کر لینا ہے یہی وجہ ہے جس کے لئے دشمن شیطانی کی مدافعت کے واسطے حق تعالیٰ ہی کی پناہ لینا علاج ہے اسکی پناہ کے سامنے شیطان کی ہر تدبیر ضعیف و بے اثر ہے۔

کیہ شیطانی ضعیف ہے | مذکورہ وجہ کے کسی کو یہ خیال نہ ہونا چاہیے کہ شیطان کی طاقت بڑی ہے اسکا مقابلہ مشکل ہے اسی خیال کو دفع کرنے کے لئے حق تعالیٰ نے فرمایا ہے إِنَّ كَيْدَ الشَّيْطَانِ كَانَ ضَعِيفًا، اور سورہ نحل میں جہاں قرآن پڑھنے کے وقت استعاذہ کا حکم دیا گیا ہے اُس کے ساتھ ہی یہ بھی فرمادیا کہ ایمان والوں اور اللہ پر بھروسہ رکھنے والوں پر یعنی اللہ کی پناہ لینے والوں پر شیطان کا کوئی تسلط نہیں ہوتا ارشاد ہے فَإِذَا قَرَأْتَ الْقُرْآنَ فَاسْتَعِذْ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ ۝ إِنَّهُ لَيْسَ لَهُ سُلْطَانٌ عَلَى الَّذِينَ آمَنُوا وَعَلَىٰ رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ ۝ إِنَّمَا سُلْطَانُهُ عَلَى الَّذِينَ يَتَوَكَّلُونَ ۝ وَالَّذِينَ هُمْ بِهِ مُشْرِكُونَ ۝ یعنی جب تو قرآن پڑھنے لگے تو پناہ لے اللہ کی شیطان مردود سے۔ اسکا زور نہیں چلتا اُن پر جو ایمان رکھتے ہیں اور اپنے رب پر بھروسہ کرتے ہیں اسکا زور تو انہی پر ہے جو اسکو رفیق سمجھتے ہیں اور جو اس کو شریک مانتے ہیں۔

سورہ نحل کی تفسیر معارف القرآن جلد پنجم ص ۳۸۷ میں اس آیت کی پوری تشریح اور استعاذہ کے مسائل اور شرعی احکام کی تفصیل گزر چکی ہے اُس کو دیکھ لیا جاوے۔

قرآن کریم کے فاتحہ اور خاتمہ میں مناسبت | قرآن کریم کو حق تعالیٰ نے سورہ فاتحہ سے شروع فرمایا ہے جب کا خلاصہ اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کے بعد اُس کی مدد حاصل کرنا اور اس سے صراطِ مستقیم کی توفیق مانگنا ہے، اور اللہ تعالیٰ کی مدد اور صراطِ مستقیم یہی دو چیزیں ہیں جن میں انسان کی دنیا و دین کے سب مقاصد کی کامیابی مضمر ہے۔ لیکن ان دونوں چیزوں کے حصول میں اور حصول کے بعد اسکے استعمال میں ہر قدم پر شیطان بعین کے مکر و فریب اور وسوسوں کا جال بچھا رہتا ہے اس لئے اس جال کو پاش پاش کرنے کی مؤثر تدبیر استعاذہ پر قرآن کو ختم

کیا گیا۔ و باختتامہ تخریج الحمد للہ و فضلہ و کرمہ و عونہ تفسیر القرآن الکویں و اللہ الحمد اولہ و آخرہ وظاہرہ و باطنہ فما کنا لنهتدی الیہ لو کانا هدانا اللہ و صلے اللہ تعالیٰ علی خیر

خلقهم وصفوة رسلهم وامام انبياءهم محمد خاتم النبيين وسيد المرسلين عليهم وعليهم
صلوات الله وسلامه وعلى آله واصحابه اجمعين ربنا تقبل منا انك انت السميع
العليم وذلك في الحادي والعشرين من شعبان سنة ١٣٩٢ هـ ضحوة يوم السبت ومن
غريب الاتفاق ان هذا اليوم هو اليوم الذي ولدت فيه في هذا اليوم تمت من عمر
هذا العبد الضعيف الجاني على نفسه سبعة وسبعون سنة واخذت في الشا من
والسبعين والله سبحانه وتعالى ادعوا وارجو ان يجعل خير عمري اخرة وخير عملي
خواتيمه وخيرايتي يوم القاه فيه ببركة كتابه المبين ونيته الامين وان
يتقبل مني جهد المقل الذي اتعبت فيه نفسي في امراض وهموم وضعف القوى وما
هو الا بتوفيقه وعونه وان يغفر لي خطيئاتي وتقصيراتي في حقوق كتابه الكريم
وان ينفع به المسلمين الى امد بعيد وان يجعله ذخرا ليوم لا بيع فيه ولا خلال
ولا يجدى فيه مال ولا آل فسبحان الله وبحمده سبحان الله العظيم

وتتم النظر الثاني على المجلد الثامن من تفسير معارف القرآن يوم
الجمعة عاشر شوال سنة ١٣٩٢ هـ بعد ما اخذت فيه لثالث رمضان سنة ١٣٩٢ هـ
فكان في نحو اربعين يوما والله الحمد